عُمدۃ السالکین زُبدۃ العارفین قُدوۃ السالکین حجۃ الاسلام امام

ابو حامد محمد بن محمد غزالی رحمۃ اللہ

کی تحقیقِ انیق اور علوم و معارف کے بے بہا خزانہ

احیاءِ علوم الدین

المعروف احیاء العلوم کا بامحاورہ مستند اردو ترجمہ

مِصباحُ السالِکین

جلد دوم

مترجم : مولانا محمد صدیق ہزاروی

پروگریسو بکس

۴۰۔بی، اردو بازار، لاہور

فون : ۷۳۵۲۷۹۵

نام کتاب	....	احیاء العلوم
مصنف	....	حجتہ الاسلام حضرت امام محمد غزالیؒ
مترجم	....	مولانا محمد صدیق ہزاروی سعیدی
جلد	....	دوم
حوالہ جات	....	حق نواز نقشبندی
تصحیح / پروف ریڈنگ	....	مولانا محمد یٰسین قصوری / محمد عبداللہ قادری
		مولانا محمد اختر رضا القادری / محمد ادریس قادری
پرنٹرز	....	حاجی حنیف اینڈ سنز پرنٹرز' لاہور
ناشر	....	چوہدری غلام رسول
		میاں جواد رسول
قیمت	....	مکمل 4 جلد سیٹ

فہرست جلد دومؒ

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

کھانے کے آداب

احیاء العلوم میں سے عادات کا بیان شروع ہو رہا ہے جو کتاب کا دوسرا چوتھائی حصہ ہے!

تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں جس نے کائنات کی نہایت عمدہ تدبیر فرماتے ہوئے زمین اور آسمانوں کو پیدا فرمایا، بادلوں سے میٹھا پانی اتارا اور اس کے ذریعے غلہ اور سبزیاں نکالیں، رزق مقرر فرمایا، کھانے کی اشیاء کے ذریعے حیوانات کے اجسام کی حفاظت فرمائی اور پاکیزہ کھانوں کے ذریعے عبادات اور اعمال صالحہ پر مدد فرمائی۔

واضح معجزات والے حضرت محمد مصطفیٰ (صلی اللہ علیہ وسلم) اور آپ کے آل واصحاب پر اوقات و ساعات کے گزرنے اور بڑھنے کے ساتھ ساتھ درود اور بہت زیادہ سلام ہو۔

حمد وصلوٰۃ کے بعد! عقلمند لوگوں کا مقصد ثواب کے گھر میں اللہ تعالیٰ سے ملاقات کرنا ہے اور اللہ تعالیٰ سے ملاقات تک رسائی علم وعمل کے بغیر نہیں ہو سکتی۔

اور علم وعمل پر دوام بدن کی سلامتی کے بغیر ممکن نہیں اور بدن کی سلامتی کھانوں اور رزق کے بغیر نہیں ہوتی اور وقت کے تکرار کے ساتھ حسب ضرورت کھانا کھانا ضروری ہے۔ اسی لیے بعض بزرگوں نے فرمایا کہ کھانا کھانا دین سے ہے، اور اللہ تعالیٰ نے اپنے اس ارشاد گرامی سے اسی بات کی طرف اشارہ کیا ہے اور وہ سب سے سچا ہے۔

كُلُوا مِنَ الطَّيِّبَاتِ وَاعْمَلُوا صَالِحًا۔ (۱) پاکیزہ چیزوں سے کھاؤ اور اچھے کام کرو۔

اور جو شخص علم وعمل پر مدد حاصل کرنے اور تقویٰ کے لیے قوت حاصل کرنے کی خاطر کھانا کھائے تو اسے اپنے نفس کو بے کار نہیں چھوڑنا چاہیے اور جس طرح جانوروں کو چراگاہ میں چھوڑ دیا جاتا ہے اس طرح کھانے پر نہ چھوٹ پڑے کیونکہ جو عمل دین کا ذریعہ اور وسیلہ ہو اس پر دین کے انوار ظاہر ہونے چاہئیں اور دین کے انوار اس کے آداب اور

---

(۱) قرآن مجید، سورۂ مومنون آیت ۵۱

سنتیں ہیں بندے کو ان کی تکمیل ڈالی جاتی ہے اور متقی آدمی ان کی لگام ڈالتا ہے حتیٰ کہ شریعت کے ترازو میں کھانے کی خواہش کا وزن کیا جاتا ہے تو اس کے سبب بوجھ دور ہو جاتا اور اجر حاصل ہوتا ہے اگرچہ اس میں نفس کا حصہ بھی پورا ہوتا ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

بے شک بندے کو اجر دیا جاتا ہے حتیٰ کہ وہ لقمہ جو اپنے منہ میں اور اپنی بیوی کے منہ میں ڈالتا ہے (۱)

اور یہ اسی وقت ہوتا ہے جب دین کے طریقے پر اور دین کے لیے لقمہ اٹھائے اور اس میں اس کے آداب و وظائف کا لحاظ رکھے

اب ہم کھانے کے سلسلے میں دین کے وظائف، فرائض، سنتوں، آداب اور صفات وغیرہ کو چار ابواب اور ایک فصل میں ذکر کریں گے۔

پہلا باب :۔ کھانے والا اگرچہ اکیلا ہی ہو اس کو کن کن باتوں کا خیال رکھنا چاہیے۔

دوسرا باب :۔ اجتماعی کھانے میں اضافی آداب۔

تیسرا باب :۔ ملاقات کے لیے آنے والے بھائیوں کو کھانا پیش کرنا۔

چوتھا باب :۔ دعوت وضیافت کے ساتھ مخصوص امور۔

---

(۱) صحیح بخاری جلد اول ص ۳۸۳ کتاب الوصایا

پہلا باب

وہ امور جو تنہا کھانے والے کے لیے ضروری ہیں اور اُن کی تین قسمیں ہیں ۱۔ کھانے سے پہلے (۲) کھانے کے ساتھ (۳) کھانے سے فراغت پر۔

پہلی قسم:

وہ آداب جو کھانے پر مقدم ہیں اور وہ سات ہیں

کھانے کا پہلا ادب کھانا ذاتی طور پر حلال ہونے کے ساتھ ساتھ کمانے کے اعتبار سے پاک اور سنت وتقویٰ کے موافق ہو کمائی کا ذریعہ ایسا نہ ہو جو شریعت میں ناپسندیدہ ہے خواہشات اور دین میں منافقت کا انداز اختیار نہ کیا گیا ہو جیسے حلال وحرام کی بحث میں مطلق پاک کے ضمن میں آئے گا اللہ تعالیٰ نے پاک یعنی حلال کھانے کا حکم دیا اور باطل طریقے پر کھانے کی ممانعت کو قتل سے بھی مقدم کیا کیوں کہ حرام کا معاملہ بہت بڑا ہے اور حلال کی برکت عظیم ہے۔

ارشاد خداوندی ہے:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَأْكُلُوا أَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ۔ (۱)

اے ایمان والو! ایک دوسرے کے مال ناحق طور پر نہ کھاؤ آپس میں۔

اس کے بعد فرمایا:

وَلَا تَقْتُلُوا أَنْفُسَكُمْ (۲)

اور اپنے نفسوں کو ہلاک نہ کرو۔

تو کھانے میں اصل یہ ہے کہ پاک ہو اور یہ بات فرائض اور اصول دین میں سے ہے۔

دوسرا ادب:

ہاتھوں کو دھونا ــــ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

---

(۱) قرآن مجید، سورۂ نساء آیت ۲۹

(۲) قرآن مجید، سورۂ نساء آیت ۲۹

اَلْوُضُوْءُ قَبْلَ الطَّعَامِ يَنْفِي الْفَقْرَ وَبَعْدَهٗ يَنْفِي اللَّمَمَ۔ (۱)
کھانے سے پہلے ہاتھ دھونا فقر کو دور کرتا ہے اور بعد میں دھونا جنون کو دور رکھتا ہے۔

ایک روایت میں ہے کہ کھانے سے پہلے اور بعد (ہاتھ دھونا) فقر کو دور کرتا ہے (۲)

دوسری بات یہ ہے کہ اعمال میں مشغولیت کی وجہ سے ہاتھ آلودہ ہوتے ہیں پس ان کو دھونا پاکیزگی اور طہارت کے زیادہ قریب ہے علاوہ ازیں دین پر مدد کی نیت سے کھانا کھانا عبادت ہے تو مناسب یہی ہے کہ اس سے پہلے وہ عمل کیا جائے جو نماز کی طہارت کے قائم مقام ہو۔

تیسرا ادب:

کھانا اس دستر خوان پر رکھا جائے جو زمین پر بچھا ہوا ہو دستر خوان کو بلند کرنے کی نسبت یہ طریقہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کے زیادہ قریب ہے۔

حدیث شریف میں ہے کہ جب آپ کے لیے کھانا لایا جاتا تو آپ اسے زمین پر رکھتے تھے۔ (۳)

اور یہ تواضع کے زیادہ قریب ہے اگر یہ (گھریلو دستر خوان) نہ ہو تو سفر والے دستر خوان پر رکھے اس سے سفر یاد آتا پس اس سے سفر آخرت اور اس کے لیے تقویٰ کا سامان تیار کرنے کی یاد ہونی چاہیے۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی بھی کھانا اونچے دستر خوان پر یا کشتی نما برتن میں نہیں کھایا پوچھا گیا تم کس چیز پر رکھ کر کھاتے تھے؛ انہوں نے فرمایا سفرہ پر (۴) (وہ دستر خوان جو نیچے بچھایا جاتا ہے) کہا گیا ہے کہ چار باتیں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد جاری ہوئیں اونچے دستر خوان (مثلاً میز) چھلنیاں، اُشنان اور سیر ہو کر کھانا ——— (اُشنان ایک بوٹی ہے جس سے ہاتھ دھوتے ہیں)

ہم یہ نہیں کہتے کہ اونچے دستر خوان پر کھانا منع ہے یعنی مکروہ یا حرام ہے کیونکہ اس کے بارے میں نہی ثابت نہیں ہے اور یہ جو کہا گیا کہ یہ عمل رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد شروع ہوا تو آپ کے بعد شروع ہونے والا ہر کام ممنوع نہیں ہوتا بلکہ وہ بدعت منع ہے جو سنت ثابتہ کے خلاف ہو۔ اور شریعت کے کسی ایسے کام کو ختم کر دے جس کا سبب باقی ہے (۵)

---

(۱) مجمع الزوائد جلد ۵ ص ۲۴ (۲) کنز العمال جلد ۱۵ ص ۲۴۲ حدیث ۴۰۷۶۱

(۳) کشف الاستار عن زوائد البزار جلد ۳ ص ۳۳۱ حدیث ۲۸۶۹

(۴) صحیح بخاری جلد ۲ ص ۸۱۱ کتاب الاطعمۃ

(۵) بدعت کے بارے میں تمام اکابر کا یہی نظریہ ہے جو حضرت امام غزالی رحمہ اللہ نے فرمایا آج کل بعض لوگوں نے ہر اچھے کام کو بدعت کہہ کر مسلمانوں کو بدعتی کہنا شروع کر دیا یہ جہالت اور ظلم ہے ۱۲ ہزاروی

بلکہ بعض حالات میں تو بدعت واجب بھی ہوتی ہے جب اسباب بدل جائیں، اور بلند دسترخوان میں یہی بات تو ہے کہ کھانے کی آسانی کے لیے کھانے کو زمین سے بلند کیا جاتا ہے اور اس قسم کے کاموں میں کراہت نہیں ہوتی۔ جن چاروں باتوں کو جمع کیا گیا کہ یہ بدعت ہیں تو یہ سب برابر بھی نہیں ہیں بلکہ اُشنان (ایک بُوٹی جو صفائی کے کام آتی ہے) اچھی چیز ہے کیوں کہ اس میں نظافت ہے کیونکہ پاکیزگی حاصل کرنے کے لیے غسل مستحب ہے اور اُشنان اس نظافت کو مکمل کرتی ہے اور وہ لوگ اس لیے استعمال نہیں کرتے تھے کہ ان کی عادت نہیں تھی یا انہیں حاصل نہیں ہوتی تھی۔ یا وہ نظافت سے زیادہ اہمیت کے کاموں میں مشغول ہوتے تھے بعض اوقات وہ ہاتھ بھی نہیں دھوتے تھے اور ان کے رومال پاؤں کے تلوے ہوتے تھے (یعنی پاؤں کے تلووں سے ہاتھ صاف کر لیتے تھے) اور یہ عمل، دھونے کے استحباب کے خلاف نہیں چھلنی سے مقصود کھانے کو صاف کرنا ہوتا ہے اور یہ جائز ہے۔ جب تک حد سے متجاوز عیاشی کی طرف نہ لے جائے اونچے دسترخوان سے چونکہ کھانا کھانے میں آسانی ہوتی ہے لہٰذا یہ بھی جائز ہے جب تک تکبر اور بُرائی پیدا نہ کرے شکم سیری ان چاروں میں سے زیادہ سخت ہے کیونکہ اس سے خواہشات ابھرتی ہیں اور بدن میں بیماریاں پیدا ہوتی ہیں تو ان چاروں بدعات میں فرق معلوم ہونا چاہیے۔

چوتھا ادب:

نیچے بچھے ہوئے دسترخوان پر اچھے طریقے پر بیٹھے اور اسی پر برقرار رہے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کھانا تناول فرمانے کے لیے بعض اوقات دوزانو ہو کر پاؤں کی پشت پر بیٹھتے اور بعض اوقات دائیں ٹانگ کھڑی کر کے بائیں پر بیٹھتے (۱)

اور فرماتے تھے میں تکیہ لگا کر نہیں کھاتا (۲) میں ایک بندہ ہوں اس طرح کھاتا ہوں جس طرح بندہ کھاتا ہے اور اسی طرح بیٹھتا ہوں جس طرح بندہ بیٹھتا ہے (۳)

ٹیک لگا کر پانی پینا معدے کے لیے بھی نقصان دہ ہے لیٹ کر اور ٹیک لگائے ہوئے کھانا کھانا مکروہ ہے البتہ دانے اور چنے وغیرہ کھا سکتے ہیں۔

حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے بارے میں مروی ہے کہ آپ نے چت لیٹ کر کاک[۴] کو ڈھال پر رکھ کر کھایا یہ بھی کہا گیا کہ آپ پیٹ کے بل لیٹے ہوئے تھے۔ اور عرب اس طرح کرتے تھے۔

---

(۱) سنن ابی داؤد جلد ۲ ص ۳۷۱،۳۷۴ کتاب الاطعمہ

(۲) سنن ابی داؤد جلد ۲ ص ۳۷۱ کتاب الاطعمہ

(۳) کنزالعمال جلد ۱۵ ص ۲۳۲ حدیث ۴۰۷۰۷

(۴) کاک یعنی بھنا ہوا گندم

پانچواں ادب :

کھانے وقت یہ نیت کرے کہ اس کے ذریعے اللہ تعالیٰ کی عبادت پر قوت حاصل ہو تاکہ کھانے میں بھی حکم خداوندی کی بجا آوری ہو کھانے سے لذت اور عیش پرستی مقصود نہ ہو حضرت ابراہیم بن شیبان رحمہ اللہ فرماتے ہیں "میں نے اسّی سال سے کوئی چیز اپنی خواہش کی تکمیل کے لیے نہیں کھائی" اور اس کے ساتھ کم کھانے کا ارادہ کرے کیونکہ جب وہ عبادت پہ قوت حاصل کرنے کے لیے کھائے گا تو اس کی نیت میں صداقت تب ہوگی جب شکم سیری سے کم کھائے کیونکہ سیر ہو کر کھانا عبادت میں رکاوٹ ہے اس کے لیے قوت نہیں اور اس نیت کا تقاضا شہوت کو توڑنا اور زیادہ کی نسبت کم پہ قناعت کو ترجیح دینا ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

آدمی اپنے پیٹ سے زیادہ بُرا برتن نہیں بھرتا انسان کے لیے چند لقمے کافی ہیں جو اس کی پیٹھ کو سیدھا رکھیں اگر ایسا نہ کر سکے تو تہائی حصہ کھانے کے لیے، تہائی پانی کے لیے اور ایک تہائی سانس کے لیے ہو (۱)

اس نیت کا یہ تقاضا بھی ہے کہ کھانے کی طرف اسی وقت ہاتھ بڑھائے جب بھوکا ہو یعنی بھوک کا پایا جانا ان باتوں میں سے ایک ہو جو کھانے سے پہلے ضروری ہیں پھر سیر ہونے سے پہلے ہاتھ اٹھالے جو آدمی ایسا کرے گا اس کو ڈاکٹر کی ضرورت نہیں پڑے گی کم کھانے کا فائدہ اور کس طرح آہستہ آہستہ کم کھانے کی عادت بن سکتی ہے ان دونوں کا بیان مہلکات کے ذکر میں شہوتِ طعام کو ختم کرنے کے ضمن میں آئے گا۔

چھٹا ادب :

موجود رزق اور حاضر طعام پر راضی ہو عیش پرستی، زیادہ کی طلب اور سالن کی انتظار میں نہ رہے بلکہ روٹی کی عزت یہی ہے کہ اس کے لیے سالن کا انتظار نہ کرے اور حدیث شریف میں روٹی کی عزت کا حکم دیا گیا۔

ارشادِ نبوی ہے :

اِکْرِمُوا الْخُبْزَ (۲) (روٹی کی عزت کرو)

اور جس چیز سے قوت برقرار رہے اور عبادت کی طاقت حاصل ہو وہ بہت بہتر ہے اسے حقیر نہیں سمجھنا چاہیے بلکہ نماز کا وقت ہو جاتے تو روٹی کے لیے اس کا انتظار بھی نہ کرے کیوں کہ وقت میں گنجائش ہوتی ہے اور سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

---

(۱) سنن ابن ماجہ ص ۲۴۸ ابواب الاطعمۃ

(۲) کنز العمال جلد ۱۵ ص ۲۴۵ حدیث ۴۰۷۷۶

إِذَا حَضَرَ الْعِشَاءُ وَالْعَشَاءُ فَابْدَءُوْا بِالْعَشَاءِ۔ (۱)

جب عشاء کی نماز اور کھانا دونوں حاضر ہوں تو پہلے کھانا کھاؤ۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بعض اوقات امام کی قرأت سن رہے ہوتے تو کھانے سے نہ اٹھتے (یہ اس وقت ہے جب بھوک لگی ہوئی ہو اور نماز میں توجہ ہٹ جانے کا خطرہ ورنہ) بعض اوقات کھانے کو طبیعت نہیں چاہتی اور کھانے کو مؤخر کرنے میں نقصان میں بھی نہیں ہوتا تو اس صورت میں نماز کو مقدم کرنا زیادہ بہتر ہے اور جب کھانا بھی موجود ہو اور نماز کھڑی ہو جائے اور تاخیر کی وجہ سے کھانا ٹھنڈا ہونے کا خدشہ ہو یا ذہنی تردد کا خطرہ ہو تو اگر وقت میں گنجائش ہے تو پہلے کھانا کھانا بہتر ہے طبیعت چاہتی ہو یا نہ کیوں کہ حدیث میں عموم ہے (طبیعت کے چاہنے کی قید نہیں ہے)

دوسری بات یہ ہے کہ کھانا سامنے رکھا ہو تو یقیناً دل کی اس طرف توجہ ہوتی ہے اگرچہ بھوک غالب نہ ہو بنیادی بات یہ ہے کہ اگر کھانے کی وجہ سے نماز کی طرف توجہ نہ رہے تو پہلے کھانا کھائے)

ساتواں ادب:

کھانے میں بہت سے ہاتھ جمع کرنے کی کوشش کرے (یعنی مل کر کھائیں) اگرچہ گھر والے اور بچے ہوں۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اِجْتَمِعُوْا عَلٰی طَعَامِكُمْ يُبَارَكْ لَكُمْ (۲)

اکٹھے ہو کر کھانا کھاؤ تمہیں برکت دی جائے گی

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تنہا کھانا نہیں کھاتے تھے۔

اور آپ نے ارشاد فرمایا:

خَيْرُ الطَّعَامِ مَا كَثُرَتْ عَلَيْهِ الْأَيْدِيْ (۳)

بہترین کھانا وہ ہے جس پر زیادہ ہاتھ جمع ہوں۔

دوسری قسم:

کھانا کھاتے وقت کے آداب

شروع میں بسم اللہ اور آخر میں الحمد للہ پڑھے اور اگر ہر لقمہ کے ساتھ بسم اللہ کہے تو یہ اچھا ہے تاکہ اسے کھانے کی حرص اللہ تعالیٰ کے ذکر سے غافل نہ کر دے پہلے لقمہ کے ساتھ بسم اللہ دوسرے کے ساتھ بسم اللہ الرحمٰن اور تیسرے کے ساتھ

---

(۱) الکامل لابن عدی جلد اول ص ۵۴۳ ترجمہ ایوب بن عتبہ

(۲) سنن ابن ماجہ ص ۲۴۴ ابواب الاطعمہ

(۳)

بسم اللہ الرحمن الرحیم پڑھے اور بلند آواز سے پڑھے تاکہ دوسروں کو بھی یاد آئے دائیں ہاتھ سے کھائے نمک سے شروع کرے اور اسی پر ختم کرے لقمہ چھوٹا ہو اور اچھی طرح چبائے جب تک اسے نگل نہ لے دوسرے لقمہ کی طرف ہاتھ نہ بڑھائے کیوں کہ یہ کھانے میں جلدی کی علامت ہے جو کچھ کھا رہا ہے اس میں عیب نہ نکالے۔ کیونکہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کھانے میں عیب نہیں نکالتے تھے اگر پسند آتا تو کھا لیتے ورنہ چھوڑ دیتے (۱)

اپنے سامنے سے کھائے البتہ پھل ادھر ادھر سے بھی کھا سکتا ہے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

كُلْ مِمَّا يَلِيكَ (۲) اپنے آگے سے کھاؤ۔

پھر آپ کا اپنا ہاتھ پھل پر ادھر اُدھر گھومنے لگا تو آپ سے اس بارے میں پوچھا گیا آپ نے فرمایا یہ ایک قسم نہیں ہے (۳)

پیالے کے گرد اور کھانے کے درمیان میں سے نہ کھائے بلکہ روٹی کو کناروں سے کھائے (جس طرح بعض لوگ روٹی کے درمیان سے کھاتے ہیں اور کناروں سے چھوڑ دیتے ہیں یہ غلط طریقہ ہے ۱۲ ہزاروی)

اگر روٹی کم ہو تو اسے توڑے چھری کے ساتھ نہ کاٹے (۴) اور نہ (بھنے ہوئے) گوشت کو چھری سے کاٹے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منع فرمایا اور ارشاد فرمایا کہ اسے دانتوں سے نوچ کر کھاؤ (۵)

روٹی پر پیالہ یا کوئی چیز نہ رکھے البتہ جس چیز کے ساتھ کھا رہا ہے اسے رکھ سکتا ہے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "روٹی کی عزت کرو اللہ تعالیٰ نے اسے آسمانی برکات سے نازل کیا ہے"۔ (۶)

روٹی کے ساتھ ہاتھوں کو صاف نہ کرے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"جب تم میں سے کسی کا لقمہ گر جائے تو وہ اسے اٹھا لے اگر اس کے ساتھ کچھ لگا ہوا ہو تو اسے دور کرے (اور کھا لے) اور شیطان کے لیے نہ چھوڑے اور جب تک انگلیوں کو چاٹ نہ لے ہاتھوں کو رومال سے صاف

---

(۱) صحیح بخاری جلد ۲ ص ۸۱۴ کتاب الاطعمہ

(۲) صحیح بخاری جلد ۲ ص ۸۱۰ کتاب الاطعمہ

(۳) سنن ابن ماجہ ص ۲۴۴ ابواب الاطعمہ

(۴) شعب الایمان جلد ۵ ص ۱۱۴ حدیث ۶۰۰۷

(۵) المعجم الکبیر للطبرانی جلد ۸ ص ۵۷ حدیث ۷۳۲۲

(۶) کنز العمال جلد ۱۵ ص ۲۴۵ حدیث ۴۰۷۷۶

نہ کرے کیوں کہ اسے معلوم نہیں کہ کھانے کے کس حصے میں برکت ہے۔" (۱)

اگرم کھانے میں پھونک نہ مارے اس سے منع کیا گیا ہے (۲) بلکہ انتظار کرے یہاں تک کہ اس کا کھانا آسان ہو جائے کھجوریں طاق تعداد میں کھائے مثلاً سات گیارہ یا اکیس یا جس طرح بھی اتفاق ہو لیکن طاق ہوں)

ایک ہی پلیٹ میں کھجوروں اور گٹھلیوں کو جمع نہ کرے اور نہ ہاتھ میں جمع کرے بلکہ منہ سے نکال کر ہاتھ کی پشت پر رکھے پھر پھینک دے اسی طرح ہر وہ چیز جس کی گٹھلی یا کوئی زائد (ردی) چیز ہو، اور جس کے کھانے کو اچھا نہ سمجھے اسے اسی طرح پیالے میں نہ چھوڑے بلکہ اسے اس کے بھوگ کے ساتھ چھوڑے تاکہ دوسرے اسے مغالطے میں کھا نہ لیں، کھانے کے درمیان پانی کم پیئے البتہ جب لقمہ پھنس جائے یا واقعی پیاس ہو (تو ٹھیک ہے) کہا گیا کہ طبی اعتبار سے یہ بات اچھی ہے اور اس سے معدے کو استحکام حاصل ہوتا ہے۔

پینے کے سلسلے میں ادب کا تقاضا ہے کہ لوٹے (گلاس وغیرہ) کو داہنے ہاتھ میں لے اور بسم اللہ پڑھ کر چوسنے کے انداز سے میں چھوٹے چھوٹے گھونٹوں سے پیئے بڑے گھونٹ نہ بھرے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا پانی چھوٹے چھوٹے گھونٹوں سے چوس کر پیو اور بڑے گھونٹ نہ بھرو کیوں کہ اس سے جگر کی بیماری پیدا ہوتی ہے۔ (۳)

کھڑے ہو کر اور لیٹ کر بھی نہ پیئے کیونکہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے کھڑے ہو کر پینے سے منع فرمایا (۴)

ایک روایت میں ہے کہ آپ نے کھڑے ہو کر پیا (۱) تو شاید یہ عذر کی وجہ سے تھا لوٹے کے نچلے حصے کا خیال رکھے کہ کہیں وہ بہتا تو نہیں اور پینے سے پہلے لوٹے میں دیکھ لے (تاکہ کوئی ضرر رساں چیز نہ ہو) برتن میں ڈکار اور سانس نہ لے بلکہ اسے منہ سے الگ کرے اور الحمد کہے پھر بسم اللہ پڑھ کر منہ سے لگائے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے پانی نوش فرمانے کے بعد یہ کلمات پڑھے۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ جَعَلَهٗ عَذْبًا فُرَاتًا بِرَحْمَتِهٖ وَلَمْ یَجْعَلْهُ مِلْحًا اُجَاجًا بِذُنُوْبِنَا۔ (۵)

اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ اس نے اپنی رحمت سے اسے میٹھا اور پیاس بجھانے والا بنایا اور ہمارے گناہوں کے سبب کھارا اور کڑوا نہیں بنایا۔

---

(۱) صحیح مسلم جلد ۲ ص ۱۷۵ کتاب الاشربہ

(۲) مسند امام احمد بن حنبل جلد اول ص۔ ۲۲ مرویات ابن عباس

(۳) الفردوس بماثور الخطاب جلد اول ص ۲۷۵ حدیث ۱۰۷۰

(۴) صحیح مسلم جلد ۲ ص ۱۷۳ کتاب الاشربہ (۵) صحیح مسلم جلد ۲ ص ۱۷۳ کتاب الاشربہ

(۶) الدر المنثور جلد ۵ ص ۲۴۲ تحت آیت وما یستوی البحران

لوٹا یا کوئی بھی برتن جب جماعت پر پھیرا جائے تو دائیں طرف سے شروع کریں۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دودھ نوش فرمایا حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ آپ کی بائیں جانب تھے اور ایک اعرابی (دیہاتی) آپ کی دائیں جانب تھا جب کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ ایک کنارے پر تھے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے عرض کیا حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کو دیجئے، لیکن آپ نے اعرابی کو دے دیا اور فرمایا پہلے دائیں طرف والے کا حق ہے۔

پانی وغیرہ تین سانسوں میں پیئے اور آخر میں الحمد للہ پڑھے شروع میں "بسم اللہ" کہے پہلے سانس کے آخر میں الحمد للہ، دوسرے کے بعد "الحمد للہ رب العالمین" اور تیسرے سانس کے بعد "الحمد للہ رب العالمین الرحمان الرحیم" پڑھے تو کھانے پینے کے دوران یہ تقریباً بیس آداب ہیں ان پر احادیث و آثار دلالت کرتے ہیں۔

کھانے کے بعد

سیر ہونے سے پہلے رک جائے، انگلیوں کو چاٹے پھر رومال وغیرہ سے صاف کرکے دھوئے اور روٹی کے ٹکڑوں کو چننے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

جو شخص کھانے کے گرے ہوئے ٹکڑوں کو اٹھا کر کھائے وہ فراخی سے زندگی گزارتا ہے اور اس کی اولاد میں خیریت رہتی ہے (۱)

دانتوں کا خلال کرے لیکن دانتوں سے نکلنے والی ہر چیز کو نہ نگلے البتہ جو کچھ دانتوں کی جڑوں کے درمیان جمع ہو اسے زبان سے نکال کر کھالے۔ جو کچھ خلال کے ذریعے نکلے اسے پھینک دے خلال کے بعد کلی کرے اس سلسلے میں اہل بیت رضی اللہ عنہم سے روایت منقول ہے، پیالے کو چاٹے اور اس کا پانی پیئے کہا گیا ہے کہ جو آدمی پیالے کو چاٹے اور دھو کر اس کا پانی پی لے اسے ایک غلام آزاد کرنے کا ثواب ملتا ہے اور گرے ہوئے ٹکڑوں کو اٹھانا حور ان جنت کا مہر ہے۔ دل سے اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرے کہ اس نے اسے کھلایا اور کھانے کو اس کی نعمت سمجھے۔

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

كُلُوا مِنْ طَيِّبَاتِ مَا رَزَقْنَاكُمْ وَاشْكُرُوا لِلّٰهِ۔ (۲)

ان پاکیزہ چیزوں سے کھاؤ جو ہم نے تمہیں عطا کی ہیں اور اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرو۔

جب بھی حلال رزق کھائے تو یوں کہے۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ بِنِعْمَتِهٖ تَتِمُّ الصَّالِحَاتُ وَتَنْزِلُ الْبَرَكَاتُ اَللّٰهُمَّ اَطْعِمْنَا طَيِّبًا

اللہ تعالیٰ کے لیے ہر قسم کی حمد ہے جس کی نعمت سے نیکیاں پایۂ تکمیل کو پہنچتی ہیں اور برکتیں نازل ہوتی ہیں یا اللہ!

---

(۱) البدایۃ والنہایۃ جلد ۱۰ ص ۲۷۸ ترجمہ عبد اللہ المامون۔

(۲) قرآن مجید، سورۂ بقرہ آیت ۱۷۲

وَاسْتَعْمِلْنَا صَالِحًا۔ ہمیں پاک کھانا عطا فرما اور نیک کام کرنے کی توفیق مرحمت فرما۔

اور اگر کوئی مشتبہ کھانا کھائے تو یوں کہے۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ عَلٰی کُلِّ حَالٍ اَللّٰھُمَّ لَا تَجْعَلْہُ قُوَّۃً عَلٰی مَعْصِیَتِکَ۔ ہر حال میں اللہ تعالیٰ کے لیے حمد (اور شکر ہے) یا اللہ! اس کو اپنی نافرمانی کے لیے قوت کا باعث نہ بنانا۔

کھانا کھانے کے بعد قُلْ ھُوَاللّٰہُ اَحَدٌ اور لِاِیْلٰفِ قُرَیْشٍ، (دونوں سورتیں) پڑھے جب تک دستر خوان نہ اٹھایا جائے اُس وقت تک نہ اٹھے اگر کسی دوسرے کے ہاں کھانا کھائے تو یوں دعا مانگے۔

اَللّٰھُمَّ اَکْثِرْ خَیْرَہٗ وَبَارِکْ لَہٗ فِیْمَا رَزَقْتَہٗ وَیَسِّرْ لَہٗ اَنْ یَّفْعَلَ فِیْہِ خَیْرًا وَقَنِّعْہُ بِمَا اَعْطَیْتَہٗ وَاجْعَلْنَا وَاِیَّاہُ مِنَ الشَّاکِرِیْنَ۔ یا اللہ! اس کے حلال مال کو زیادہ کر دے اس کے رزق میں برکت ڈال دے اس کے لیے اس میں نیکی کرنا آسان کر دے اور جو کچھ تو نے اسے عطا کیا اس پر اسے قناعت کی توفیق عطا فرما ہمیں اور اسے شکر کرنے والوں میں سے کر دے۔

٭ ٭ ٭

اگر کسی کے ہاں روزہ افطار کرے تو یوں کہے۔

اَفْطَرَ عِنْدَکُمُ الصَّائِمُوْنَ وَاَکَلَ طَعَامَکُمُ الْاَبْرَارُ وَصَلَّتْ عَلَیْکُمُ الْمَلَائِکَۃُ۔ تمہارے پاس روزہ داروں نے روزہ افطار کیا تمہارا کھانا نیک لوگوں نے کھایا اور فرشتوں نے تمہارے لیے رحمت کی دعا کی۔

٭ ٭ ٭

مشتبہ کھانے پر زیادہ سے زیادہ بخشش کا طلب گار ہو اور غم کا اظہار کرے تاکہ اس کے آنسوؤں اور غم سے جہنم کی آگ بجھ جائے جو ایسے کھانے کی وجہ سے پیش ہوگی کیونکہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

کُلُّ لَحْمٍ نَبَتَ مِنْ حَرَامٍ اَلنَّارُ اَوْلٰی بِہٖ (۱) جو گوشت حرام سے پروان چڑھا آگ اس کی زیادہ مستحق ہے۔

جو شخص کھا کر روئے وہ اور کھا کر لہو و لعب میں مشغول ہونے والا برابر نہیں دودھ پیئے تو اس طرح کہے۔

اَللّٰھُمَّ بَارِکْ لَنَا فِیْمَا رَزَقْتَنَا وَزِدْنَا مِنْہُ۔ (۲) یا اللہ! تو نے ہمیں جو رزق دیا ہے اس میں برکت ڈال دے اور ہمیں مزید عطا کر۔

---

(۱) شعب الایمان جلد ۵ ص ۵۷ حدیث ۵۷۶۲

(۲) سنن ابی داؤد جلد ۲ ص ۱۶۸ کتاب الاشربہ

اور دودھ کے علاوہ کوئی چیز کھائے تو یوں کہے۔

اَللّٰهُمَّ بَارِكْ لَنَا فِيمَا رَزَقْتَنَا وَارْزُقْنَا خَيْراً مِنْهُ۔

یا اللہ! ہمارے رزق میں برکت عطا فرما اور اس سے بہتر عطا فرمایا۔

کیوں کہ (پہلی) دعا کو سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے دودھ کے ساتھ خاص کیا ہے اس لیے کہ اس کا نفع زیادہ ہے ــــ کھانا کھانے کے بعد یہ دعا مانگنا مستحب ہے۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ اَطْعَمَنَا وَسَقَانَا وَكَفَانَا وَآوَانَا سَيِّدَنَا وَمَوْلَانَا يَا كَافِيَ مِنْ كُلِّ شَيْءٍ وَلَا يَكْفِيْ مِنْهُ شَيْءٌ اَطْعَمْتَ مِنْ جُوْعٍ وَاٰمَنْتَ مِنْ خَوْفٍ فَلَكَ الْحَمْدُ اٰوَيْتَ مِنْ يُتْمٍ وَهَدَيْتَ مِنْ ضَلَالَةٍ وَاَغْنَيْتَ مِنْ عَيْلَةٍ فَلَكَ الْحَمْدُ حَمْدًا كَثِيْراً دَائِمًا طَيِّبًا نَافِعًا مُبَارَكًا كَمَا اَنْتَ اَهْلُهٗ وَمُسْتَحِقُّهٗ اَللّٰهُمَّ اَطْعَمْتَنَا طَيِّبًا فَاسْتَعْمِلْنَا صَالِحًا وَاجْعَلْهُ عَوْنًا عَلٰى طَاعَتِكَ وَنَعُوْذُبِكَ اَنْ نَسْتَعِيْنَ بِهٖ عَلٰى مَعْصِيَتِكَ۔

تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں جس نے ہمیں کھلایا، پلایا کفایت فرمائی اور ٹھکانہ دیا وہ ہمارا سردار اور مالک ہے اے ہر چیز سے کفایت کرنے والا اور تجھ سے کوئی چیز کفایت نہیں کرتی تو نے بھوک پر کھانا دیا اور خوف سے امن دیا تیرے ہی لیے تعریف ہے تو نے یتیمی سے ٹھکانہ، گمراہی سے ہدایت اور محتاجی سے مالداری عطا کی تیرے لیے بہت زیادہ، دائمی پاک، نفع بخش اور مبارک تعریف ہے جیسے تو اس کا اہل اور مستحق ہے یا اللہ! تو نے ہمیں پاکیزہ کھانا دیا تو اچھے اعمال کی توفیق بھی عطا فرما اور اسے اپنی عبادت پر مدد کا سبب بنا اور اپنی نافرمانی پر مدد کا باعث نہ بنانا۔

اُشنان (آج کل صابن) کے ساتھ ہاتھ کا طریقہ یہ ہے کہ اُشنان کو بائیں ہاتھ میں لے اور پہلے دائیں ہاتھ کی تین انگلیوں کو دھوئے اور انگلیوں کو خشک اُشنان پر مارے اور اس سے ہونٹوں کو ملے پھر انگلیوں کے ساتھ منہ کے اندر کے حصے کو صاف کرے اور دانتوں کے ظاہر اور اندرونی حصے کو نیز تالو اور زبان کو ملے پھر اسی پانی سے انگلیوں کو دھوئے پھر باقی خشک اشنان کے ساتھ انگلیوں کے اندرونی اور بیرونی حصے کو مل کر دھوئے اب اشنان کو دوبارہ منہ کی طرف لے جانے اور دھونے کی ضرورت نہیں۔

دوسرا باب

اجتماعی کھانے کی صورت میں اضافی آداب

یہ سات آداب ہیں۔

پہلا ادب:

جب ایسے شخص کے ساتھ کھا رہا ہو جو عمر میں بڑا ہو تے یا علم و فضل میں فضیلت کے باعث تقدیم کے لائق ہے تو ابتدا نہ کرے البتہ اگر خود اس کی اتباع اور اقتداء کی جاتی ہے تو ٹھیک ہے اس صورت جب وہ کھانے والے تیار اور جمع ہو جائیں تو انتظار نہ کرواتے۔

دوسرا ادب:

کھانا کھاتے وقت بالکل خاموش نہ ہوں یہ عجمیوں کی عادت ہے بلکہ نیکی کی باتیں کریں اور کھانے وغیرہ سے متعلق بزرگوں کے واقعات بیان کریں۔

تیسرا ادب:

پیالے (برتن) میں اپنے ساتھی کے ساتھ نرمی کا برتاؤ کرے عام عادت سے زیادہ کھانے کا ارادہ نہ کرے کیوں کہ اگر یہ اس کے ساتھی کی مرضی کے خلاف ہو تو حرام ہے جب کہ کھانا مشترک ہو۔ بلکہ دوسرے کو ترجیح دینے کا ارادہ کرے ایک ہی بار دو کھجوریں نہ کھائے البتہ دوسرے بھی اس طرح کرتے ہوں تو کھا سکتا ہے یا ان سے اجازت لے لے۔ اگر ساتھی کم کھاتا ہو تو اس کو ترغیب دیتے ہوئے کہے کہ کھاؤ لیکن تین بار سے زیادہ نہ کہے کیوں کہ یہ اصرار کرنا اور حد سے متجاوز ہونا ہے۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں جب کسی بات کے لیے عرض کیا جاتا تو تین بار سے زیادہ نہیں کہا جاتا تھا اور آپ اپنے کلام مبارک کو تین بار دہراتے تھے (۱) تو تین بار سے زیادہ کہنا مستحب نہیں لیکن کھانے کے لیے اسے قسم دینا ممنوع ہے حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں۔

کھانا اس بات سے ہلکا ہے کہ قسم دی جائے۔

---

(۱) صحیح بخاری جلد اول ص ۲۰ کتاب العلم

چوتھا ادب:

اپنے ساتھی کو یہ کہنے پر مجبور نہ کرے کہ کھاؤ (یعنی خود کھائے دوسروں کو کہنے کی ضرورت نہ پڑے) بعض اہل ادب نے فرمایا کہ بہترین کھانے والا وہ شخص ہے جو اپنے ساتھی کو اس بات پر مجبور نہ کرے کہ وہ اسے کھانے میں گُم پائے (اور بار بار کہے کھاؤ) اور وہ اس کی وجہ سے کہنے کی مشقت اٹھائے جو چیز کھانے کو دل چاہتا ہو وہ دوسروں کے دیکھنے کی وجہ سے نہ چھوڑے کیونکہ یہ تکلیف ہے۔

بلکہ تنہائی میں کھانے کی جو عادت ہے اسی کو اختیار کرے بلکہ تنہائی میں اچھے طریقے کی عادت ڈالے تاکہ اجتماعی صورت میں تکلف کی ضرورت نہ رہے البتہ اپنے (مسلمان) بھائیوں کو ترجیح دیتے ہوئے اور ان کی حاجت کو دیکھتے ہوئے، ایسا کرے تو اچھی بات ہے۔ اسی طرح دوسروں کا ساتھ دینے اور انہیں کھانے کی رغبت دینے کے لیے زیادہ کھائے تو اس میں کوئی حرج نہیں بلکہ اچھی بات ہے۔

حضرت ابن مبارک رحمہ اللہ عمدہ کھجوریں اپنے ساتھیوں کے آگے کرتے اور فرماتے تھے جو آدمی زیادہ کھائے گا میں اسے ایک گٹھلی کے مقابلے میں ایک درہم دوں گا اور آپ گٹھلیوں کو گنتے تھے۔ اور جس کی گٹھلیاں زیادہ ہوتیں اسے اسی حساب سے درہم دیتے اور آپ ان کی جھجک کو دور کرتے اور خوشی خوشی کھانے کی ترغیب دینے کی خاطر ایسا کرتے تھے حضرت جعفر بن محمد (رضی اللہ عنہما) فرماتے تھے مجھے وہ بھائی زیادہ پسند ہے جو زیادہ کھاتے اور بڑے بڑے لقمے لے اور جسے کھانے کے لیے زور لگانے کی ضرورت پڑے وہ مجھ پر بڑا بوجھ ہے اور یہ تمام باتیں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ عادت کے مطابق کھائے اور تکلف کو چھوڑ دے حضرت جعفر رضی اللہ عنہ ہی فرماتے ہیں کسی شخص کی محبت کا کھرا پن اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ اپنے بھائی کے گھر اچھے طریقے پر کھائے۔

پانچواں ادب:

اگر پلیٹ میں ہاتھ دھوئے تو کوئی حرج نہیں اور اگر تنہا کھاتا ہو تو اس میں تھوکنے کا بھی اختیار ہے لیکن دوسروں کے ہمراہ کھانے ہوئے ایسا نہ کرے اگر دوسرا شخص اس کی عزت کرتے ہوئے تھال اس کے آگے کرے تو اسے قبول کرے حضرت انس بن مالک اور حضرت ثابت بنانی رضی اللہ عنہما ایک کھانے پر اکٹھے ہوئے تو حضرت انس رضی اللہ عنہ نے تھال ان کے آگے کر دیا حضرت ثابت رُک گئے تو حضرت انس رضی اللہ عنہ نے فرمایا اگر تمہارا بھائی تمہاری عزت کرے تو (اس کے اس جذبہ کو) قبول کرو اور رد نہ کرو کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ کی عزت کرتا ہے ایک روایت میں ہے کہ ہارون الرشید نے حضرت ابو معاویہ ضریر (نابینا) کی دعوت کی اور تھال میں ان کے ہاتھ پر پانی ڈالا فراغت کے بعد پوچھا اے ابو معاویہ! آپ کو معلوم ہے کہ آپ کے ہاتھ کس نے دھلائے ہیں انہوں نے کہا نہیں۔ کہا امیر المومنین نے پانی ڈالا تھا انہوں نے فرمایا اے امیر المومنین! تم نے علم کی عزت کی ہے تو جس طرح تو نے علم اور اہل علم کا احترام کیا ہے اللہ تعالیٰ تجھے

عزت اور بزرگی عطا فرمائے۔

چند افراد تھال میں ایک ہی بار ہاتھ دھولیں تو بھی کوئی حرج نہیں یہ تواضع کے زیادہ قریب اور انتظار سے دور ہے اگر ایسا نہ کریں تو ہر ایک کا دھوون گرانا مناسب نہیں بلکہ سارا پانی تھال میں جمع کیا جائے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اِجْمَعُوا وَضُوْءَكُمْ جَمَعَ اللّٰهُ شَمْلَكُمْ ۔ اپنے وضو کا پانی اکٹھا کرو اللہ تعالیٰ تمہارے انتشار کو ختم کر دے گا۔

⁂ ⁂ ⁂

کہا گیا ہے کہ اس حدیث سے یہی (مندرجہ بالا) بات مراد ہے۔

حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ نے مختلف شہروں میں لکھا کہ لوگوں کے سامنے سے (ہاتھ دُھلانے والا) تھال اس وقت اٹھایا جائے جب بھرا جائے۔ اور عجمیوں کی مشابہت اختیار نہ کرنا حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔

ہاتھ دھونے میں ایک تھال پر جمع ہو جاؤ اور عجمیوں کا طریقہ نہ اپناؤ۔

ہاتھوں پر پانی ڈالنے والے خادم کے لیے کھڑا رہنا بعض حضرات کے نزدیک مکروہ ہے اور اس کا بیٹھنا زیادہ اچھا ہے۔ کیوں کہ یہ تواضع کے زیادہ قریب ہے لیکن بعض لوگوں نے بیٹھنا ناپسند کیا ہے۔

ایک روایت میں ہے کہ کسی خادم نے ایک بزرگ کے ہاتھ بیٹھ کر دھلائے تو وہ کھڑے ہو گئے ان سے پوچھا گیا آپ کیوں کھڑے ہوئے انہوں نے فرمایا ہم میں سے کسی ایک کو تو کھڑا ہونا چاہیئے۔ لیکن اس طرح پانی ڈالنا اور ہاتھ دھونا آسان ہے اور پانی ڈالنے والے کے لیے تواضع کے زیادہ قریب ہے اور جب ہاتھ دھلاتے ہوئے وہ خدمت کی نیت کر رہا ہے تو اس میں کوئی تکبر نہیں کیونکہ یہی طریقہ جاری ہے۔

تھال کے سلسلے میں سات آداب ہیں۔

۱۔ اس میں نہ تھوکے، (۲) پیشوا کو مقدم کرے اور اگر کسی کو مقدم کیا جائے تو وہ اس عزت افزائی کو قبول کرے (۳) اسے دائیں طرف سے چکر دیا جائے۔ (۴) کئی آدمیوں کا اکٹھے ہاتھ دھونا (۵) اس میں پانی جمع رکھنا (۶) خادم کا کھڑا ہونا منہ اور ہاتھوں سے پانی آہستہ ڈالنا تاکہ فرش اور ساتھیوں پر نہ پڑے۔ میزبان کو چاہیئے کہ وہ مہمان کے ہاتھ خود دھلائے حضرت امام شافعی رح اللہ جب پہلی مرتبہ حضرت امام مالک رحمہ اللہ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو انہوں نے اسی طرح کیا تھا اور فرمایا کہ جو کچھ میں نے کیا اس سے آپ مت گھبرائیں مہمان کی خدمت فرض ہے۔

چھٹا ادب:

کھانے میں شریک ساتھیوں کی طرف نہ دیکھے نہ ان کے کھانے کی نگرانی کرے اس طرح وہ شرم محسوس کریں گے بلکہ ان سے اپنی نگاہوں کو جھکا کر رکھے اور اپنے کام میں مصروف رہے اگر وہ اس کے بعد (اکیلے) کھانے میں شرم محسوس

کریں تو ان سے پہلے ہاتھ نہ اٹھائے بلکہ ہاتھ آگے بڑھائے پھر کھینچ لے اور یوں تھوڑا تھوڑا کر کے کھاتا رہے یہاں تک کہ وہ سیر ہو جائیں۔

اگر کھانا تھوڑا کھاتا ہو تو شروع میں رُکا رہے اور تھوڑا تھوڑا کھائے حتیٰ کہ جب وہ خوب کھالیں تو آخر میں ان کے ساتھ کھائے بہت سے صحابہ کرام نے اسی طرح کیا ہے۔ اگر کسی وجہ سے ان کے ساتھ نہ کھا سکے تو معذرت کرے تاکہ وہ شرمندہ نہ ہوں۔

ساتواں ادب:

ایسا کام نہ کرے جس سے دوسرے کو گھن آئے برتن میں ہاتھ نہ جھاڑے اور منہ میں لقمہ ڈالتے وقت سر کو برتن کی طرف نہ بڑھائے جب منہ سے کوئی چیز نکالے تو کھانے سے منہ دوسری طرف پھیر دے۔ اور اسے بائیں ہاتھ سے پکڑے چکنائی والا لقمہ سرکہ میں اور سرکہ چکنائی میں نہ ڈالے کیونکہ دوسرے لوگ اسے پسند نہیں کریں گے جو لقمہ دانت سے کاٹے اس کا باقی حصہ شوربے اور سرکے میں نہ ڈالے اور ایسی باتیں نہ کرے جن سے گھن آتی ہو۔

تیسرا باب

مہمانوں کے آگے کھانا رکھنا

آنے والے احباب کو کھانا پیش کرنے کی بہت زیادہ فضیلت ہے حضرت جعفر بن محمد رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں جب تم دستر خوان پر اپنے (مسلمان) بھائیوں کے ساتھ بیٹھو تو زیادہ دیر تک بیٹھو یہ ساعتیں تمہاری عمر میں شمار نہیں ہوں گی۔ حضرت حسن رحمہ اللہ نے فرمایا انسان جو کچھ اپنے اوپر، اپنے ماں باپ اور دوسرے لوگوں پر خرچ کرتا ہے اس کا حساب یقینا کیا جائے گا۔ لیکن جو کچھ وہ مہمان بھائیوں کی ضیافت پر خرچ کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے بارے میں پوچھنے سے حیا فرماتا ہے۔

اس کے علاوہ کھانا کھلانے کے سلسلے میں احادیث مروی ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔

لَا تَزَالُ الْمَلَائِكَةُ تُصَلِّي عَلَى أَحَدِكُمْ مَادَامَتْ مَائِدَتُهُ بَيْنَ يَدَيْهِ حَتَّى تُرْفَعَ۔ (۱)

فرشتے تم میں سے ایک کے لیے (سب کے لیے) رحمت کی دعا مانگتے ہیں جب تک اس کا دستر خوان اس کے سامنے ہو حتی کہ اسے اٹھا لیا جائے

بعض علمائے خراسان کے بارے میں منقول ہے کہ وہ اپنے مہمانوں کے سامنے بہت سا کھانا رکھتے تھے کہ وہ اس پورے کھانے پر قادر نہ ہوتے وہ فرماتے تھے ہمیں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ بات پہنچی ہے کہ آپ نے فرمایا۔

جب مہمان کھانے سے ہاتھ اٹھا لیں تو بچے ہوا کھانا کھانے والے سے کوئی حساب نہ ہو گا (۱) —— تو میں چاہتا ہوں کہ ان کے آگے زیادہ کھانا رکھوں تاکہ بچا ہوا ہم کھالیں۔

ایک حدیث شریف میں ہے:۔

لَا يُحَاسَبُ الْعَبْدُ عَلَى مَايَا كُلُهُ مَعَ اِخْوَانِهٖ (۲)

جو شخص اپنے مہمانوں کے ساتھ کھاتا ہے اس سے مواخذہ نہ ہو گا۔

اس لیے بعض بزرگ جماعت کے ساتھ زیادہ کھانا کھاتے تھے لیکن جب تنہا ہوتے تو کم کھاتے ایک حدیث شریف میں ہے۔ بندے سے تین باتوں کا حساب نہیں ہو گا سحری کھانے کا، افطاری کے وقت جو کچھ کھایا اور جو کچھ مہمان بھائیوں کے

---

(۱) شعب الایمان جلد ۷ ص ۱۰۰ حدیث ۹۶۲۶

(۲) کنز العمال جلد ۸ ص ۵۶ حدیث ۲۳۶۳۷

(۳) کنز العمال جلد ۸ ص ۵۶ حدیث ۲۳۶۳۷

ہمراہ کھایا "۔ (۱)

حضرت علی المرتضی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں مجھے کھانے کے ایک صاع (چار کلو) پر اپنے (مسلمان) بھائیوں کو جمع کرنا ایک غلام آزاد کرنے سے زیادہ پسند ہے۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے تھے انسان کی سخاوت میں سے ہے کہ سفر میں اچھا سامان لے جائے اور اپنے احباب پر خرچ کرے۔

صحابہ کرام فرمایا کرتے تھے کھانے پر اجتماع عمدہ اخلاق میں سے ہے اور وہ قرآن پاک اکٹھے ہو کر پڑھتے تھے اور کچھ نہ کچھ کھا کر الگ ہوتے تھے۔

کہا گیا کہ مسلمانوں کا محبت والفت کے ساتھ کفایت کرنے والی چیز (کھانے) پر اکٹھا ہونا دنیا سے نہیں (بلکہ دین سے ہے)

ایک حدیث شریف میں ہے قیامت کے دن اللہ تعالیٰ بندے سے پوچھے گا اے ابن آدم! میں بھوکا ہوا تو تُو نے مجھے کھانا نہیں کھلایا، وہ عرض کرے گا میں تجھے کیسے کھانا کھلاتا تو تو تمام جہانوں کو پالنے والا ہے تو اللہ تعالیٰ فرمائے گا تیرا مسلمان بھائی بھوکا ہوا تو نے اسے کھانا نہیں دیا اگر تو اسے کھانا دیتا تو گویا مجھے کھلاتا۔ (۲)

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اِذَا جَاءَكُمُ الزَّائِرُ فَاَكْرِمُوْهُ (۳) — جب تمہارے پاس کوئی مہمان آئے تو اس کی عزت کرو۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

جنت میں ایسے کمرے ہیں جن کا باہر اندر ہے اور اندرون باہر ہے دکھائی دیتا ہے اور یہ ان لوگوں کے لیے ہیں جو نرمی سے گفتگو کرتے ہیں، کھانا کھلاتے ہیں اور رات کو نماز پڑھتے ہیں جب کہ لوگ سوئے ہوئے ہوں۔ (۴)

آپ نے ارشاد فرمایا:

خَيْرُكُمْ مَنْ اَطْعَمَ الطَّعَامَ (۴) — تم میں سے بہترین آدمی وہ ہے جو کھانا کھلاتا ہے۔

---

(۱) الفردوس بماثور الخطاب جلد ۲ ص ۱۴۹ حدیث ۲۵۰۱

(۲) صحیح مسلم جلد ۲ ص ۳۱۸ کتاب البر

(۳) کنز العمال جلد ۹ ص ۱۵۳ حدیث ۲۵۴۸۶

(۴) السنن الکبریٰ للبیہقی جلد ۴ ص ۳۰۱ کتاب الصیام

(۵) مسند امام احمد بن حنبل جلد ۶ ص ۱۶ مرویات صہیب

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔
جو آدمی اپنے (مسلمان) بھائی کو سیر کر کے کھلائے اور پانی سے سیراب کر دے اللہ تعالیٰ اسے جہنم سے سات خندق دُور رکھے گا ہر دو خندقوں کے درمیان پانچ سو سال کا راستہ ہے (۱)
جہاں تک اس کے آداب کا تعلق ہے تو کچھ داخل ہونے سے متعلق ہیں اور کچھ کھانا پیش کرنے سے تعلق رکھتے ہیں۔

میزبان کے ہاں مہمان کے جانے کے آداب

یہ بات سنت نہیں کہ آدمی دوسروں کے کھانے کے وقت کا انتظار کرے اور اس وقت ان کے پاس جائے کیونکہ یہ اچانک جانا ہے اور اس سے روکا گیا ہے۔
اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے۔

لَا تَدْخُلُوا بُيُوتَ النَّبِيِّ إِلَّا أَنْ يُؤْذَنَ لَكُمْ إِلَىٰ طَعَامٍ غَيْرَ نَاظِرِينَ إِنَاهُ۔ (۲)

جب تک تمہیں کھانے کی اجازت نہ ملے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے گھروں میں داخل نہ ہو اس کے پکنے کی انتظار نہ کرو۔

یعنی اس کے وقت اور پکنے کی انتظار نہ کرو۔
ایک حدیث شریف میں ہے۔

مَنْ مَشٰى إِلَى طَعَامٍ لَمْ يُدْعَ إِلَيْهِ مَشٰى فَاسِقًا وَأَكَلَ حَرَامًا۔ (۳)

جو آدمی دعوت کے بغیر (کسی کے ہاں) کھانے کے لیے جائے وہ فاسق بن کر جاتا ہے اور حرام کھاتا ہے۔

لیکن اگر جانے والا کھانے کی انتظار کیے بغیر اتفاقاً کھانے کے وقت چلا گیا تو جب تک اسے اجازت نہ دی جائے، کھائے جب اسے کہا جائے کھاؤ تو دیکھے اگر وہ محبت سے شریک کر رہا ہے تو شرکت کرے اور اگر وہ شرم و حیاء کے طور پر کہتے ہیں تو نہیں کھانا چاہیئے بلکہ کوئی عذر پیش کر دے البتہ بھوکا ہو اور کوئی مسلمان بھائی کھلانا چاہے اور اس نے اس کے کھانے کے وقت کا انتظار بھی نہیں کیا تو اس میں کوئی حرج نہیں۔
سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم، حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہما نے کھانے کے لئے ابوالہیثم

---

(۱) الترغیب والترہیب جلد ۲ ص ۶۵ الترغیب فی الصدقۃ
(۲) قرآن مجید، سورۂ احزاب آیت ۵۳
(۳) سنن ابی داؤد جلد ۲ ص ۱۶۹ کتاب الاطعمۃ

بن تیہان اور حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ کے گھر کا ارادہ کیا اور تینوں حضرات بھوک سے تھے۔ (۱)

اس صورت میں وہاں جانا کھانا کھلانے کا ثواب حاصل کرنے پر اس مسلمان بھائی کی مدد کرنا ہے۔ اور یہ بزرگوں کی عادت ہے۔

حضرت عون بن عبداللہ مسعودی رحمہ اللہ کے تین سو ساٹھ دوست تھے اور آپ سال میں ان کے ہاں چکر لگاتے تھے۔ (یعنی ہر ایک کے پاس ایک دن رہتے) ایک دوسرے بزرگ کے تیس دوست تھے وہ ان میں سے ہر ایک کے پاس مہینے کے بعد جاتے تھے ایک اور بزرگ کے سات دوست تھے وہ ہفتے میں ایک بار ہر ایک کے پاس جاتے تھے اور ان دوستوں کی اپنے ہاتھ کی کمائی تھی اور ان بزرگوں کا ان کے پاس ٹھہرنا برکت کی نیت سے ان کے لیے عبادت کے طور پر تھا اور جب اس کے گھر جائے اور صاحب خانہ گھر پر نہ ہو اور اسے اس کی دوستی پر کامل یقین ہو نیز وہ جانتا ہو کہ وہ اس کے کھانے پر خوش ہوگا تو اس کی اجازت کے بغیر بھی کھا سکتا ہے کیوں کہ اجازت سے مراد رضامندی ہے بالخصوص کھانے کے بارے میں ـــــ اور اس کا معاملہ کشادگی پر مبنی ہے، اور بعض لوگ صراحتاً اجازت دے دیتے ہیں اور قسم کھاتے ہیں لیکن وہ دل سے راضی نہیں ہوتے ایسے لوگوں کا کھانا، کھانا مکروہ ہے اور بہت سے غیر موجود حضرات اجازت نہیں دیتے لیکن ان کا کھانا پسندیدہ ہے۔

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا۔

أَوْ صَدِيقِكُمْ (۲) یا تمہارے دوست (کا گھر) ہو

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا کے گھر تشریف لے گئے اور وہاں سے کھانا تناول فرمایا حالانکہ وہ گھر پر موجود نہ تھیں اور کھانا بھی صدقہ کا تھا آپ نے فرمایا صدقہ اپنے مقام کو پہنچ گیا (۳) (یعنی صدقہ حضرت بریرہ تک پہنچ گیا اب اس کی حیثیت صدقہ والی نہیں) آپ نے یہ کھانا اس لیے کھایا کیونکہ آپ جانتے تھے وہ اس پر خوش ہوں گی۔

اسی لیے اس گھر میں اجازت حاصل کیے بغیر داخل ہونا جائز ہے جس کے بارے میں معلوم ہو کہ وہ اجازت دے دے گا اگر یہ بات معلوم نہ ہو تو اجازت لیے بغیر اندر نہ جائے حضرت محمد بن واسع اور ان کے ساتھی رحمہم اللہ، حضرت حسن بصری رحمہ اللہ کے گھر اجازت کے بغیر جاتے اور جو کچھ ملتا کھاتے تھے جب حضرت حسن تشریف لاتے تو دیکھ کر خوش ہوتے اور فرماتے ہم بھی ایسے ہی کرتے تھے۔

---

(۱) صحیح مسلم جلد ۲ ص ۱۷۶، ۱۷۷ کتاب الاشربہ

(۲) قرآن مجید، سورۂ نور آیت ۶۱

(۳) مسند امام احمد بن حنبل جلد ۶ ص ۱۸۰ مرویات عائشہ

حضرت حسن بصری رحمہ اللہ کے بارے میں منقول ہے کہ آپ بازار میں پھل بیچنے والے کی دوکان سے پھل کھا رہے تھے کبھی رحمہ اللہ کبھی (پڑھائی گئی)، اس ٹوکری سے انجیر نکالتے اور کبھی دوسری ٹوکری سے خشک کھجور نکالتے۔

ہشام نے پوچھا اے ابو سعید! آپ اس قدر پرہیزگار ہونے کے باوجود دوسرے کا مال اجازت کے بغیر کھا رہے ہیں انہوں نے فرمایا اے بے وقوف! میرے سامنے کھانے سے متعلق آیت کریمہ پڑھیں تو انہوں نے آیت "او صدیقکم" تک پڑھی ہشام نے پوچھا اے ابو سعید صدیق کون ہے؟ انہوں نے فرمایا جس کے پاس نفس کو راحت ملے اور دل مطمئن ہو۔

ایک جماعت حضرت سفیان ثوری رحمہ اللہ کے پاس گئی تو انہیں نہ پایا چنانچہ انہوں نے دروازہ کھول دیا اور دسترخوان اتار کر کھانا شروع کر دیا حضرت سفیان رحمہ اللہ تشریف لائے تو فرمانے لگے تم نے مجھے اسلاف کا طریقہ یاد دلا دیا وہ اسی طرح کیا کرتے تھے۔ کچھ لوگوں نے بعض تابعین سے ملاقات کی اور ان کے پاس پیش کرنے کے لیے کچھ نہ تھا وہ اپنے کسی دوست کے ہاں تشریف لے گئے اور اسے گھر پہ نہ پایا اندر داخل ہوئے تو پکی ہوئی ہنڈیا اور روٹی تیار پائی چنانچہ وہ سب کچھ اٹھا لائے اور اپنے احباب کے سامنے رکھ دیا اور فرمایا کھاؤ گھر والے نے آ کر دیکھا تو کچھ نہ پایا ان سے کہا گیا کہ فلاں شخص لے گیا ہے تو انہوں نے فرمایا اچھا ہوا پھر جب ان سے ملاقات ہوئی تو کہنے لگے اگر وہ مہمان دوبارہ آئیں تو دوبارہ آ جانا۔ تو یہ کسی کے پاس کے جانے کے آداب ہیں۔

کھانا پیش کرنے کے آداب

پہلا ادب:

جہاں تک کھانا پیش کرنے کے آداب کا تعلق ہے تو سب سے پہلے تکلف کو چھوڑ دے اور جو حاضر ہو پیش کر دے اگر اس کے پاس کچھ نہ ہو اور نہ ہی وہ کسی چیز کا مالک ہو تو اس کے لیے قرض لے کر اپنے آپ کو پریشان نہ کرے اور اگر کھانا موجود ہو لیکن محض اپنی غذا کی مقدار ہو اور پیش کرنے کو جی نہ چاہے تو پیش نہ کرے۔

کچھ لوگ ایک زاہد کے پاس گئے اور وہ کھانا کھا رہے تھے انہوں نے فرمایا اگر میں نے یہ کھانا بطور قرض نہ لیا ہوتا تو اس سے تمہیں بھی کھلاتا۔ تکلف کی وضاحت میں بعض بزرگوں نے فرمایا کہ اپنے بھائی کو وہ کچھ کھلانا جو تم خود نہیں کھاتے یعنی زیادہ عمدہ اور قیمتی کھانا کھلانا تکلف ہے حضرت فضیل رحمہ اللہ فرمایا کرتے تھے لوگوں نے تکلف کے باعث ایک دوسرے سے ملنا چھوڑ دیا ایک آدمی اپنے بھائی کو دعوت دیتا ہے اور اس کے لیے تکلف کرتا ہے تو وہ دوبارہ اس کے پاس نہیں آتا۔

ایک بزرگ نے فرمایا مجھے اس بات کی پرواہ نہیں کہ میرے پاس میرا کون (مسلمان) بھائی آتا ہے کیونکہ میں اس کے لیے تکلف نہیں کرتا۔ میرے پاس جو کچھ ہوتا ہے وہ اس کے سامنے رکھ دیتا ہوں۔ اگر میں اس کے لیے تکلف کروں

تو اس کے آنے کو ناپسند کروں گا اور ملال میں پڑ جاؤں گا۔
کسی بزرگ نے فرمایا میں اپنے ایک بھائی کے پاس جایا کرتا تھا تو وہ میرے لیئے تکلف کرتا میں نے اس سے کہا نہ تو اکیلا یہ کھانا کھاتا ہے اور نہ میں، تو کیا وجہ ہے کہ جب ہم اکٹھے ہوں تو یہ کھانا کھائیں یا تو تو اس تکلف کو چھوڑ دے پاس تیرے پاس آنا چھوڑ دوں گا چنانچہ اس نے تکلف چھوڑ دیا اور اس وجہ سے ہم ہمیشہ اکٹھے ہوتے ہیں۔
یہ بھی تکلف ہے کہ سب کچھ اس کے سامنے رکھ دے اور اپنے اہل وعیال کو بھوکا چھوڑ کر اور ان کے دلوں کو اذیت پہنچائے۔
ایک روایت میں ہے کہ ایک شخص نے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی دعوت کی تو آپ نے فرمایا میں تین شرائط پر تیری دعوت قبول کروں گا۔ ایک یہ کہ بازار سے میرے لیے کچھ نہیں لائے گا دوسرا یہ کہ جو کچھ گھر میں ہے اسے اٹھا نہ رکھنا اور تیسرا یہ کہ اپنے بچوں کو بھوکا نہ رکھنا۔
بعض بزرگوں کا طریقہ تھا کہ جو کچھ گھر میں ہوتا اس میں سے ہر قسم سے کچھ نہ کچھ لا کر رکھ دیتے۔
ایک بزرگ نے فرمایا کہ ہم حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوتے تو انہوں نے ہمارے سامنے روٹی اور سرکہ رکھا اور فرمایا اگر ہمیں تکلف سے روکا نہ گیا ہوتا تو میں تمہارے لیئے تکلف کرتا۔ (۱)
بعض بزرگوں نے فرمایا کہ اگر کوئی شخص تمہیں ملنے آتے تو جو کچھ حاضر ہو پیش کر دو اور اگر خود بلاؤ تو کچھ باقی نہ چھوڑو۔
حضرت سلمان رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں حکم دیا کہ ہم مہمان کے لیے اس چیز کا تکلف نہ کریں جو ہمارے پاس نہیں ہے۔
اور جو کچھ حاضر ہے اس کے سامنے رکھ دیں (۲)
حضرت یونس علیہ السلام کے حالات میں منقول ہے کہ ان کے دوستوں نے ان سے ملاقات کی تو انہوں نے ان کے سامنے روٹی کے ٹکڑے اور جو ساگ وہ بویا کرتے تھے ان کے سامنے رکھ دیا پھر ان سے فرمایا کھاؤ اگر اللہ تعالےٰ نے تکلف کرنے والوں پر لعنت نہ کی ہوتی تو میں تمہارے لیے تکلف کرتا۔
حضرت انس بن مالک اور دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے پاس جو کچھ حاضر ہوتا خشک روٹی کے ٹکڑے اور خشک معمولی قسم کی کھجور مہمان کے آگے رکھ دیتے اور فرماتے ہمیں معلوم نہیں دو میں سے کون زیادہ گناہ گار ہے وہ جو پیش کئے گئے کھانے کو حقیر جانے یا وہ اپنے پاس موجود کھانے کو پیش کرنا اچھا نہ سمجھے۔

---

(۱) مسند امام احمد بن حنبل جلد ۵ ص ۴۴۱ مرویات سلمان فارسی صحیح بخاری جلد ۲ ص ص ۱۰۸۳

(۲) مجمع الزوائد جلد ۸ ص ۱۷۹ کتاب البر والصلۃ

دوسرا ادب:

دوسرا ادب آنے والے سے متعلق ہے کہ وہ میزبان سے کسی چیز کا مطالبہ نہ کرے اور نہ زبردستی کرتے بعض بعض اوقات میزبان کے لیے اس چیز کا حاضر کرنا مشکل ہو جاتا ہے اگر اس کا میزبان بھائی اسے دو کھانوں میں سے ایک کا اختیار دے تو اُسے اختیار کرے جس کا حصول میزبان کے لیے آسان ہو حدیث شریف میں ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو جب بھی دو چیزوں میں سے ایک کا اختیار دیا گیا تو آپ نے ان میں سے آسان کو چُنا۔ (۱)

حضرت اعمش نے حضرت ابو وائل رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے وہ فرماتے ہیں میں اپنے ساتھی کے ہمراہ حضرت سلمان رضی اللہ عنہ کی ملاقات کے لیے گیا تو انہوں نے جو کی روٹی اور دَلا ہوا نمک پیش کیا میرے ساتھی نے کہا اگر اس میں پودینہ بھی ہوتا تو اچھا تھا چنانچہ حضرت سلمان رضی اللہ عنہ باہر تشریف لے گئے اور وضو کا برتن گروی رکھ کر پودینہ لائے جب ہم نے کھالیا تو میرے ساتھی نے کہا اللہ تعالیٰ کے لیے حمد ہے جس نے ہمیں اس روزی پر قناعت کی توفیق دی جو ہمیں عنایت فرمائی ہے۔

حضرت سلمان نے فرمایا اگر تم موجودہ روزی پر صبر کرتے تو میرا لوٹا گروی نہ ہوتا۔ تو یہ اس صورت میں ہے جب معلوم ہو کہ میزبان پر یہ عمل گراں ہو گا یا وہ اسے ناپسند کرے گا اور اگر معلوم ہو کہ اس کی فرمائش پر خوش ہو گا اور وہ چیز آسانی سے حاصل ہو جائے گی تو اس صورت میں فرمائش کرنا مکروہ نہیں۔ حضرت امام شافعی رحمہ اللہ جب بغداد شریف میں حضرت زعفرانی کے ہاں مہمان ہوئے تو انہوں نے اسی طرح کیا حضرت زعفرانی کا طریقہ تھا کہ روزانہ جتنے قسم کے کھانے پکائے ہوتے وہ لکھ کر لونڈی کو دے دیتے ایک دن حضرت امام شافعی رحمہ اللہ نے وہ کاغذ لے کر اپنے قلم سے ایک قسم کے کھانے کا اضافہ کر دیا جب حضرت زعفرانی نے یہ کھانا دیکھا تو کہا میں نے تو اس کا حکم نہیں دیا تھا لونڈی نے وہ رقعہ پیش کر دیا جس پر حضرت امام شافعی کی تحریر تھی جب حضرت زعفرانی نے ان کی تحریر دیکھا تو بہت خوش ہوئے اور حضرت امام شافعی رحمہ اللہ کی اس فرمائش پر خوش ہو کر لونڈی کو آزاد کر دیا۔

حضرت ابو بکر کتانی فرماتے ہیں میں حضرت سری سقطی رحمہ اللہ کے پاس گیا تو وہ چُوری لائے اور اس کا نصف پیالے میں ڈالنے لگے میں نے کہا آپ کیا کر رہے ہیں میں اسے ایک مرتبہ ہی سب پی جاؤں گا وہ مسکرائے اور فرمایا یہ آپ کے گئے حج سے بھی افضل ہے (یعنی یہ تھوڑا عمل ہے اور اس کا ثواب زیادہ ہے کیونکہ مسلمان بھائی کی خوشی کا باعث ہے)

بعض بزرگوں نے فرمایا کہ کھانا تین قسم کا ہوتا ہے فقراء کے ساتھ ہو تو ان کو ترجیح دینا، دوستوں کے ساتھ خوشی خوشی اور دنیا داروں کے ساتھ ادب کی صورت میں۔

---

(۱) صحیح بخاری جلد اول ص ۵۰۳ کتاب المناقب

تیسرا ادب :

میزبان اپنے مہمان سے فرمائش کا مطالبہ کرے اور اس کی خواہش پوچھے کیونکہ بعض اوقات وہ اپنی فرمائش کے مطابق عمل پر خوش ہوتا ہے یہ اچھی بات ہے اور اس میں ثواب اور بہت بڑی فضیلت ہے۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :

" جو شخص اپنے بھائی کی (جائز) خواہش کو پورا کرے اس کی بخشش ہو جاتی ہے اور جو آدمی اپنے مسلمان بھائی کو خوش رکھے اللہ تعالیٰ اسے خوش رکھتا ہے " (۱)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے حضور علیہ السلام نے فرمایا جو شخص اپنے بھائی کی پسند کے مطابق سے لذت پہنچاتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے لیے دس لاکھ نیکیاں لکھ دیتا ہے (۲) اس سے دس لاکھ گناہ مٹا دیتا ہے اس کے دس لاکھ درجات بلند کرتا ہے اور اسے اللہ تعالیٰ تین جنتوں یعنی جنت الفردوس جنت عدن اور جنت الخلد سے کھلائے گا۔

چوتھا ادب :

اس سے یہ نہ پوچھے کہ آپ کے لیے کھانا لاؤں بلکہ اگر کھانا ہو تو پیش کر دے حضرت ثوری رحمہ اللہ فرماتے ہیں جب تمہارا بھائی تمہیں ملنے آئے تو اس سے یہ نہ کہو کہ کیا تم کھانا کھاؤ گے ؟ یا میں کھانا پیش کروں ، بلکہ کھانا رکھ دیا جائے کھائے تو ٹھیک ورنہ اٹھا لو۔ اور اگر ان کو کھانا کھلانا نہیں چاہتا تو ان کے سامنے اظہار نہ کرے اور بیان بھی نہ کرے۔

حضرت سفیان ثوری رحمہ اللہ فرماتے ہیں۔ جو کھانا تم خود کھاتے ہو اگر بچوں کو کھلانا نہیں چاہتے تو ان سے بیان بھی نہ کرو اور نہ ہی انہیں دکھاؤ۔ بعض صوفیاء کرام نے فرمایا جب تمہارے پاس فقراء آئیں تو ان کے سامنے کھانا رکھو اور جب فقہاء آئیں تو ان سے مسئلہ پوچھو اور جب قاری آئیں تو ان کو جائے نماز بتا دو۔

---

(۱) مجمع الزوائد جلد ۵ ص ۱۸ کتاب الاطعمۃ

(۲) تنزیہہ الشریعۃ المرفوعۃ جلد ۲ ص ۱۲۹ کتاب الصدقات

چوتھا باب

آدابِ ضیافت

اس میں آداب کے چھ مقامات ہیں۔

سب سے پہلے دعوتِ دینا پھر دعوت کی قبولیت، پھر حاضری اس کے بعد کھانا پیش کرنا اس کے بعد کھانا اور بعد ازاں واپس لوٹ جانا۔

ان تمام امور کی تشریح سے پہلے ہم ضیافت کی فضیلت ذکر کرتے ہیں۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا،

"مہمان کے لیے تکلف نہ کرو اس طرح تم اس سے نفرت کرنے لگو گے اور جو آدمی مہمان سے نفرت کرے اس نے اللہ تعالیٰ کو برا جانا (معاذ اللہ) اور جو شخص اللہ تعالیٰ کو اچھا نہ جانے اللہ تعالیٰ اسے برا جانتا ہے" (۱)

آپ نے ہی ارشاد فرمایا:

لَا خَيْرَ فِيْمَنْ لَا يُضِيْفُ (۲) جو آدمی مہمان نوازی نہیں کرتا اس میں کوئی بھلائی نہیں۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ایک آدمی کے پاس سے گزرے تھے اور وہ بہت سے اونٹوں اور گایوں کا مالک تھا اور اس نے آپ کی مہمان نوازی نہ کی اور آپ ایک عورت کے پاس سے گزرے اس کے پاس چند چھوٹی بکریاں تھیں اس نے آپ کے لیے ایک بکری ذبح کی تو آپ نے فرمایا ان دونوں کو دیکھو یہ اخلاق تو اللہ تعالیٰ کے قبضے میں ہیں جسے اچھے اخلاق عطا فرمانا چاہے، اسے عطا فرما دیتا ہے (۳)

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے آزاد کردہ غلام حضرت ابو رافع رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک مہمان آیا تو آپ نے مجھے فرمایا فلاں یہودی سے کہو کہ میرے پاس مہمان آیا ہے تم مجھے رجب کے مہینے تک کچھ آٹا دے دو، یہودی نے اللہ تعالیٰ کی قسم میں ادھار نہیں دوں گا البتہ یہ کہ میرے پاس کوئی چیز گروی

---

(۱) تاریخ بغداد جلد ۱۰ ص ۲۰۵ ترجمہ ۵۳۵۰

(۲) مسند امام احمد بن حنبل جلد ۴ ص ۱۵۵ مرویات عقبہ بن عامر

(۳) مصنف عبد الرزاق جلد ۱۱ ص ۴۲۵ حدیث ۲۰۱۵۵

رکھی جائے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ کی قسم میں آسمان پر امین ہوں اور میں زمین پہ امانت دار ہوں اگر وہ مجھے ادھار دے دیتا تو میں واپس لوٹا دیتا میری یہ زرہ لے جائیں اور اس کے پاس رہن رکھ دیں۔ (۱)

حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام جب کھانا کھانا چاہتے تو ایک یا دو میل باہر جا کر کسی ایسے آدمی کو تلاش کرتے جو آپ کے ساتھ کھانا کھائے اور آپ کی کنیت ابو الضیفان (مہمانوں کا باپ) ہو گئی اور آپ کی صدقِ نیت کے باعث آپ کے مقام (غار حیرون) میں مہمان نوازی جاری ہے ہر رات ایک جماعت جو تین سے دس بلکہ سو تک کی تعداد میں وہاں کھانا کھاتی ہے وہاں کے منتظمین کا کہنا ہے کہ اب تک کوئی رات مہمان سے خالی نہیں ہوتی۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ایمان کے بارے میں پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا کھانا کھلانا اور سلام کو پھیلانا۔ (۲)

اور آپ نے کفارات اور درجات کے بارے میں ارشاد فرمایا۔ کھانا کھلانا اور رات کے وقت نماز پڑھنا جب کہ لوگ سوئے ہوئے ہوں (۳)

اور آپ سے حجِ مقبول کے بارے میں سوال کیا گیا تو آپ نے فرمایا کھانا کھلانا اور اچھی گفتگو کرنا (۴)

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں جس گھر میں مہمان نہیں آتا وہاں فرشتے بھی نہیں آتے ضیافت اور کھانا کھلانے کی فضیلت میں بہت سی روایات آئی ہیں جو شمار سے باہر ہیں اب ہم اس کے آداب ذکر کرتے ہیں۔

دعوت دینا:

دعوت دینے والے کو چاہیے کہ وہ پرہیزگار لوگوں کا قصد کرے فاسق لوگوں کو دعوت نہ دے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

اَکَلَ طَعَامَکَ الْاَبْرَارُ (۵) تمہارا کھانا نیک لوگ کھائیں۔

اور آپ نے ارشاد فرمایا:

لَا تَاکُلْ اِلَّا طَعَامَ تَقِیٍّ وَلَا یَاکُلْ طَعَامَکَ تو صرف پرہیزگار آدمی کا کھانا کھا اور تیرا کھانا بھی پرہیزگار

---

(۱) مصنف عبد الرزاق جلد ۸ ص ۱۱ حدیث ۱۴۰۹۱
(۲) صحیح بخاری جلد اول ص ۹ کتاب الایمان
(۳) مجمع الزوائد جلد اول ص ۲۳۷ کتاب الطہارۃ
(۴) السنن الکبریٰ للبیہقی جلد ۵ ص ۲۶۲ کتاب الحج
(۵) سنن ابن ماجہ ص ۱۲۶ ابواب ماجاء فی الصیام

اِلَّا تَقِيٌّ - (۱) لوگ ہی کھائیں۔

اور خاص طور پر فقراء کا ارادہ کرے اغنیاء کو نہ بلائے۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

شَرُّ الطَّعَامِ طَعَامُ الْوَلِيمَةِ يُدْعٰى اِلَيْهَا الْاَغْنِيَاءُ دُوْنَ الْفُقَرَاءِ۔ (۲)

سب سے بُرا کھانا ولیمہ کا وہ کھانا ہے جس کے لیے مالدار لوگوں کو دعوت دی جائے اور فقراء کو چھوڑ دیا جائے۔

اور اپنی مہمان نوازی میں قریبی رشتہ داروں کو نہ چھوڑے کیونکہ ان کو نظر انداز کرنا ان کو وحشت میں ڈالنا اور رشتہ داری کے تعلقات کو منقطع کرنا ہے اسی طرح دوستوں اور جان پہچان والے لوگوں میں ترتیب کا خیال رکھے کیونکہ بعض کو خاص رکھنے میں دوسروں کو متنظر کرنا ہے اور دعوت دینے میں تکبر اور بڑائی کے اظہار کا ارادہ نہ کرے بلکہ مسلمان بھائیوں کے دلوں کو مائل کرے نیز سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت پر عمل پیرا ہونا مقصود ہو اور وہ کھانا کھلانا ہے علاوہ ازیں مومنوں کے دلوں کو خوشی پہنچائے اور ایسے آدمی کو دعوت نہیں دینی چاہیئے جس کے بارے میں معلوم ہو کہ اس کے لیے قبول کرنا مشکل ہے اور جب وہ آئے گا تو حاضرین کو کسی وجہ سے اذیت پہنچے گی اور ایسے ہی دعوت دے جس کا قبول کرنا اچھا معلوم ہو۔

حضرت سفیان ثوری رحمہ اللہ فرماتے ہیں جو شخص کسی ایسے آدمی کو کھانے کی دعوت دے جس کا قبول کرنا اسے ناپسند ہے تو یہ گناہ گار ہوگا اور اگر وہ آدمی جسے دعوت دی گئی، دعوت قبول کرلے تو اس پر دو گناہ ہوں گے کیونکہ اس نے ناپسند کرتے ہوئے بھی اسے کھانے کی ترغیب دی اور اگر اسے یہ معلوم ہوتا (کہ یہ میرے کھانے کو پسند نہیں کرتا) تو وہ نہ کھاتا۔

پرہیزگار آدمی کو کھانا کھلانا عبادت پر تعاون کرنا ہے اور نافرمان آدمی کو کھلانا گناہ پر مددگار ہونا ہے ایک درزی نے حضرت عبداللہ بن مبارک رضی اللہ عنہ سے عرض کیا کہ میں بادشاہوں کے کپڑے سیتا ہوں تو کیا اس بات کا ڈر ہے کہ میں ظالموں کے معاونین میں سے ہوں گا۔ انہوں نے فرمایا نہیں، ظالموں کے مددگار وہ لوگ ہیں جو تجھ پر سودا گر بیچتے ہیں جہاں تک تیرا تعلق ہے تو تو خود ظالموں میں شامل ہے۔

دعوت قبول کرنا سنت موکدہ ہے بعض مقامات پر اس کو واجب بھی کہا گیا ہے۔

---

(۱) مسند امام احمد بن حنبل جلد ۳ ص ۳۸ مرویات ابی سعید خدری

(۲) صحیح بخاری جلد ۲ ص ۸۷۷ کتاب النکاح

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

لَوْ دُعِيْتُ إِلَى كُرَاعٍ لَأَجَبْتُ وَلَوْ أُهْدِيَ إِلَيَّ ذِرَاعٌ لَقَبِلْتُ (۱)

اگر مجھے بکری کے پائے کی دعوت دی جائے تو میں قبول کروں گا اور اگر مجھے بکری کے دست (بازو) کا تحفہ دیا جائے تو میں قبول کروں گا۔

⁂ ⁂ ⁂

قبولیتِ دعوت کے آداب

کھانے کی دعوت قبول کرنے کے پانچ آداب ہیں:

۱۔ دعوت قبول کرنے میں امیر و غریب کی تفریق نہ کرے یہ تکبر ہے اور اس سے روکا گیا ہے اسی لیے بعض بزرگوں نے دعوت قبول کرنے سے ہی انکار کر دیا اور فرمایا شوربے کا انتظار ذلت ہے۔ ایک دوسرے بزرگ نے فرمایا جب میں اپنا ہاتھ دوسرے کے پیالے میں رکھتا ہوں تو میری گردن اس کے لیے جھک جاتی ہے۔

وہ شخص جو فقراء کو نظر انداز کر کے مالدار لوگوں کی دعوت قبول کرے وہ تکبر کرنے والوں میں سے ہے اور یہ خلافِ سنت ہے اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم غلام اور مسکین آدمی کی دعوت قبول کرتے تھے۔ (۲)

حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہما مساکین کی ایک جماعت پر گزرے جو راستے پر بیٹھے لوگوں سے مانگ رہے تھے اور انہوں نے روٹی کے ٹکڑے ریت پر پھیلا رکھے تھے اور وہ کھا رہے تھے آپ اپنی خچر پر سوار تھے آپ نے ان کو سلام کیا انہوں نے کہا اے نواسۂ رسول! کھانا کھائیے آپ نے فرمایا ہاں میں کھاؤں گا۔ بے شک اللہ تعالیٰ تکبر کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔ چنانچہ آپ اتر کر ان کے ساتھ زمین پر بیٹھ گئے اور کھانے لگے پھر انہیں سلام کر کے رخصت ہو گئے۔ اور فرمایا میں نے تمہاری دعوت قبول کی ہے تم بھی میری دعوت قبول کرو انہوں نے عرض کیا جی ہاں تو آپ نے ایک معلوم وقت کا وعدہ فرمایا وہ حاضر ہوئے تو آپ نے ان کے سامنے عمدہ کھانا رکھا اور ان کے ساتھ بیٹھ کر کھایا جہاں تک کسی کہنے والے کا یہ کہنا ہے کہ میں جس کے پیالے میں ہاتھ ڈالوں گا تو اس کے لیے میری گردن جھک گئی تو بعض حضرات نے فرمایا یہ بات خلافِ سنت ہے حقیقت یہ نہیں، ذلت اس صورت میں ہے جب دعوت دینے والا اس کے قبول کرنے پر خوش نہ ہو اور اس کا احسان مند نہ ہو۔ اور وہ اس پر جس کو دعوت دی احسان رکھے۔

سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم دعوت میں اس لیے تشریف لے جاتے تھے کہ آپ کو معلوم تھا میزبان احسان

---

(۱) صحیح بخاری جلد ۲ ص ۷۷۸، کتاب النکاح

(۲) سنن ابن ماجہ ص ۳۱۸ کتاب الزہد

مانے گا اور اس قبولیتِ دعوت کو اپنے لیے دنیا اور آخرت میں عزت اور اجر کا باعث کا سمجھے گا۔

اور یہ بات حالات کے بدلنے سے بدلتی رہتی ہے جس آدمی کے بارے میں یہ تصور ہو کہ وہ کھانا کھلانے کو بوجھ سمجھتا ہے اور اسے فخر کا ذریعہ یا تکلف خیال کرتا ہے تو اس کی دعوت قبول کرنا سنت نہیں ہے (۱) بلکہ کوئی حیلہ بہانہ کر دینا زیادہ بہتر ہے اسی لیے بعض صوفیاء کرام نے فرمایا کہ اسی شخص کی دعوت قبول کرنا واجب ہے جو یہ نظریہ رکھتا ہو کہ تم نے اپنا رزق ہی کھایا ہے اور اس نے تمہاری وہ امانت تمہارے سپرد کی ہے جو اس کے پاس تھی۔ اور اس امانت کو قبول کرنے پر تمہارا ممنون ہوتا ہے۔

حضرت سری سقطی رحمہ اللہ فرمایا کرتے تھے مجھے اس لقمہ کی طلب ہے جس میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے مجھ پر کوئی گناہ اور مخلوق کا کوئی احسان نہ ہو۔ اگر مدعو (بلائے گئے شخص) کو معلوم ہو کہ اس میں اس پر کوئی احسان نہیں جتلایا جائے گا تو اب دعوت کو رد کر دینا مناسب نہیں۔

حضرت ابو تراب نخشی رحمہ اللہ فرماتے ہیں مجھے کھانا پیش کیا گیا تو میں نے انکار کر دیا چنانچہ اس کی پاداش میں، میں چودہ دن بھوک میں مبتلا رہا۔ میں سمجھ گیا کہ یہ اسی بات کی سزا ہے۔

حضرت معروف کرخی رحمہ اللہ سے کہا گیا کہ جو شخص بھی آپ کی دعوت کرتا ہے آپ چلے جاتے ہیں؟ انہوں نے فرمایا میں مہمان ہوں میں ہر اس جگہ جاتا ہوں جہاں وہ مجھے لے جاتے ہیں۔

دوسرا ادب:

جگہ دُور ہونے کی وجہ سے انکار نہ کرے جیسے دعوت دینے والے کے فقر یا ظاہر تنہ نہ ہونے کی وجہ سے انکار نہیں کرنا چاہیئے بلکہ عام طور پر جس قدر مسافت برداشت کی جاتی ہے اس کی وجہ سے انکار نہ کرے اسی وجہ سے تورات یا کسی دوسری کتاب میں ہے ایک میل چل کر مریض کی بیمار پرسی کرو، جنازے کے پیچھے دو میل چلو، دعوت کی قبولیت میں تین میل چلو اپنے مسلمان بھائی کی ملاقات کے لیے چار میل چلو۔

دعوت کی قبولیت اور ملاقات کو مقدم کیا گیا کیونکہ اس میں زندہ کا حق ادا کرنا ہے اور وہ میت کے حق سے مقدم ہے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر مجھے مقام غمیم میں بکری کے پائے کی دعوت دی جائے تو میں قبول کروں گا (۲) اور یہ مقام مدینہ طیبہ سے کئی میل دُور ہے اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس مقام پر سفر کے دوران روزہ چھوڑا (۳)

---

(۱) سنن ابی داؤد جلد ۲ ص ۱۷۱ کتاب الاطعمة

(۲) صحیح بخاری جلد ۲ ص ۷۷۸، کتاب النکاح۔

(۳) سنن نسائی جلد اول میں ص ۳۱۵ کتاب الصیام

اور نماز کی قصر فرمائی تھی۔ (۱)

تیسرا ادب:

روزہ دار ہونے کی وجہ سے انکار نہ کرے بلکہ حاضر ہو اور اگر اس کا وہ مسلمان بھائی روزہ توڑنے پر خوش ہوتا ہے تو روزہ توڑ دے اور اپنے مسلمان بھائی کو خوشی پہنچانے کی نیت سے روزہ توڑتے ہوئے اسی اجر کی طلب کرے جس کا روزے کی صورت میں خواہاں ہوتا ہے۔

اور یہ حکم نفلی روزے کے بارے میں ہے اور اگر اس کے دل کی خوشی ثابت نہ ہو تو اس کے ظاہر کی ہی تصدیق کرے اور روزہ توڑ دے اور اگر معلوم ہو کہ وہ محض تکلف سے کام لیتا ہے تو کوئی بہانہ کر دے ایک شخص نے روزے کی وجہ سے دعوت سے انکار کیا تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

تمہارے بھائی نے تمہارے لیے تکلیف اٹھائی اور تو کہتا ہے میں روزہ دار ہوں (۲)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا اپنے ساتھیوں کی خاطر روزہ توڑ دینا بہترین نیکیوں میں سے ہے۔ اس نیت سے افطار عبادت ہے، اچھی سیرت ہے اور اس کا ثواب روزے کے ثواب سے زیادہ ہے اور اگر روزہ نہ توڑے تو اس کی بہترین مہمان نوازی خوشبو، انگیٹھی اور اچھی گفتگو ہے کہا گیا ہے کہ سرمہ اور تیل بھی مہمان نوازی کے کھانے میں سے ایک ہے۔

چوتھا ادب:

اگر کھانے، مقام دعوت اور بچھونے کے بارے میں شبہ ہو کہ وہ حرام مال سے ہے یا اس جگہ کسی خلاف شرع بات کا ارتکاب کیا گیا ہو مثلاً ریشمی بچھونا ہو، چاندی کے برتن، چھت یا دیوار پر کسی حیوان کی تصویر ہو، گانے بجانے کے آلات کے ذریعے کچھ سنایا جا رہا ہو کسی قسم کے کھیل کا اہتمام ہو (دف ڈھولکی) مذاق، ممنوع کھیل ہو اور غیبت، چغلی، جھوٹ، بہتان وغیرہ سننا پڑے تو ان تمام باتوں کے باعث دعوت کا قبول کرنا منع ہے اب یہ مستحب نہیں بلکہ حرام اور مکروہ ہے اسی طرح جب دعوت دینے والا ظالم یا بدعتی یا فاسق یا شر پھیلانے والا یا فخر و مباہات حاصل کرنے کے لیے تکلف کرنے والا ہو تو بھی دعوت قبول نہ کی جائے۔

پانچواں ادب:

قبولیت دعوت کا مقصد پیٹ کی خواہش کو پورا کرنا نہ ہو اس طرح یہ دنیوی عمل ہو جائے گا بلکہ نیت کو درست کرے

---

(۱) مجمع الزوائد جلد ۲ ص ۱۵۷ کتاب الصلوٰۃ

(۲) سنن دار قطنی جلد ۲ ص ۱۷۸ کتاب الصیام

تاکہ یہ قبولیت آخرت کے لیے ہو یعنی دعوت کو قبول کرنے میں سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی کی نیت کرے کہ آپ نے فرمایا اگر مجھے بکری کے پائے کی دعوت دی جائے تو میں قبول کروں گا۔(۱)

نیز دعوت کی قبولیت کے ذریعے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی سے بچے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

مَنْ لَمْ يُجِبِ الدَّاعِيَ فَقَدْ عَصَى اللّٰهَ وَرَسُوْلَهُ۔ (۲)

جو شخص دعوت دینے والے کی دعوت کو قبول نہ کرے اس نے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی نافرمانی کی۔

پھر سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد گرامی پر عمل کرتے ہوئے اپنے مسلمان بھائی کی عزت افزائی کرے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

مَنْ أَكْرَمَ أَخَاهُ الْمُؤْمِنَ فَكَأَنَّمَا أَكْرَمَ اللّٰهَ۔ (۳)

جو شخص اپنے مومن بھائی کی عزت کرتا ہے گویا اس نے اللہ تعالیٰ کی عزت کی۔

اور مسلمان بھائی کے دل کو خوشی پہنچانے کی نیت بھی کرے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

مَنْ سَرَّ مُؤْمِنًا فَقَدْ سَرَّ اللّٰهَ۔ (۴)

جس شخص نے کسی مومن کو خوشی پہنچائی اس نے اللہ تعالیٰ کو راضی کیا۔

اس کے ساتھ ساتھ اس سے ملاقات کی نیت کرے تاکہ وہ ان لوگوں میں سے ہو جائے جو اللہ تعالیٰ کے لیے ایک دوسرے سے محبت کرتے ہیں کیوں کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس میں ایک دوسرے کی ملاقات اور اللہ تعالیٰ کے لیے ایک دوسرے پر خرچ کرنا شرط قرار دیا ہے (۵) ایک طرف سے خرچ کرنا پایا گیا تو اس کی طرف سے ملاقات بھی ہونی چاہیئے علاوہ ازیں یہ بھی نیت کرے کہ انکار کی صورت میں کہیں اس کے بارے میں بدگمانی نہ پیدا ہو جائے اور اس کے خلاف زبانِ طعن دراز نہ ہو کہ کہا جائے اس شخص نے تکبر یا بُرے اخلاق یا مسلمان بھائی کو حقیر سمجھتے ہوئے یا اس طرح کی کسی دوسری وجہ سے انکار کیا ہے۔

---

(۱) صحیح بخاری جلد ۲ ص ۷۸۸ کتاب النکاح

(۲) صحیح مسلم جلد اول ص ۴۶۲ کتاب النکاح

(۳) المطالب العالیہ جلد ۲ ص ۳۶۹ حدیث ۲۴۹۳

(۴) الاسرار المرفوعہ ص ۳۲۳ حدیث ۹۱۷

(۵) مسند امام احمد بن حنبل جلد ۵ ص ۲۲۹ مرویات معاذ بن جبل

یہ چھ آداب ہیں ان میں سے ایک بھی پایا جائے تو قربت خداوندی کا باعث ہوگا اگر ان تمام کو اختیار کیا جائے تو کیا صورت ہوگی۔

اسلاف میں بعض بزرگ فرماتے تھے میں چاہتا ہوں کہ میرے ہر عمل میں نیت ہو حتیٰ کہ کھانے اور پینے میں بھی۔ اسی سلسلے میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

"اعمال (کے ثواب) کا دارومدار نیتوں پر ہے اور ہر شخص کو اس کی نیت کے مطابق ملتا ہے پس جس کی ہجرت اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف ہو تو (حقیقتاً) اس کی ہجرت اللہ اور اس کے رسول کی طرف ہی ہوتی ہے"(۱)

اور جو آدمی دنیا حاصل کرنے یا کسی عورت سے نکاح کرنے کی نیت سے ہجرت کرے تو اس کی ہجرت اسی کی طرف ہوگی جس کے لیے وہ ہجرت کر رہا ہے۔ (۲)

نیت کا اثر جائز کاموں اور عبادات میں ہوتا ہے، ممنوع کاموں میں نہیں، اگر وہ اپنے بھائیوں کو شراب نوشی پر مدد کے ذریعے خوش کرنا چاہے یا کسی اور حرام کے ذریعے خوش کرنا چاہے تو نیت فائدہ نہیں دے گی۔ اور ایسے موقعہ پر یہ کہنا کہ اعمال کا دارومدار تو نیتوں پر ہے، صحیح نہیں ہوگا بلکہ جہاد جو عبادت ہے اس میں فخر و مباہات اور مال کا حصول مقصود ہو تو وہ عبادت نہیں رہے گا اسی طرح ہر جائز کام جس کے ذریعے نیکی بھی ہو سکتی ہے اور اس کے علاوہ بھی، وہ نیت کے ذریعے بھلائی کا موجب قرار پاتا ہے تو نیت ان دو قسم کے کاموں میں مؤثر ہوتی ہے تیسری قسم میں نہیں۔

دعوت دینے والے کے گھر جانا اور بیٹھنا

حاضری کے آداب یہ ہیں۔

۱۔ گھر میں داخل ہونے کے بعد صدر مقام کو اختیار کر کے سب سے اچھی جگہ نہ بیٹھے بلکہ تواضع اختیار کرے۔

۲۔ صاحبِ خانہ کو زیادہ انتظار میں نہ ڈالے اور اتنی جلدی بھی نہ کرے کہ تیاری سے پہلے جا موجود ہو۔

۳۔ بھیڑ کی صورت میں حاضرین کو تنگ نہ کرے بلکہ صاحبِ مکان جس جگہ بیٹھنے کا اشارہ کرے تو اس کی مخالفت نہ کرے کیوں کہ بعض اوقات اس نے اپنے دل میں ہر ایک کے لیے ایک جگہ مختص کی ہوتی ہے لہٰذا اس کی مخالفت اسے پریشان کرے گی۔

۴۔ اور اگر کچھ مہمان اس کو اٹھا کر بلند جگہ بٹھانا چاہیں تو تواضع کرے کیونکہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

اِنَّ مِنَ التَّوَاضُعِ لِلّٰهِ الرِّضَا بِالدُّوْنِ مِنَ الْمَجْلِسِ (۲)

ادنیٰ جگہ پر بیٹھنے پر راضی ہونا بھی اللہ تعالیٰ کے لیے تواضع کرنے میں شامل ہے۔

---

(۱) صحیح بخاری جلد اول ص ۲ مقدمہ (۲) المعجم الکبیر للطبرانی جلد اول ص ۱۱۵ حدیث ۳۰۵

۵۔ عورتوں کے حجرہ کے دروازے اور پردے کے مقابل بھی نہ بیٹھے اور اس جگہ کی طرف بار بار دیکھے جہاں سے کھانا آرہا ہے کیوں کہ یہ حرص کی دلیل ہے۔

۶۔ بیٹھنے کے بعد جو آدمی اس کے قریب ہو اسے سلام کرے اور اس کی خیریت دریافت کرے اور جب مہمان رات گزارنے کے لیے آئے تو میزبان کو چاہیئے کہ اسے قبلے کا رُخ قضائے حاجت کی جگہ (لیٹرین) اور وضو کی جگہ بتادے حضرت امام مالک رحمہ اللہ نے حضرت امام شافعی رحمہ اللہ کے ساتھ ایسا ہی کیا تھا اور حضرت امام مالک رحمہ اللہ نے کھانے سے پہلے سب سے پہلے اپنے ہاتھ دھوئے تھے۔ اور فرمایا کہ کھانے سے پہلے مالک کا اپنے ہاتھوں کو سب سے پہلے دھونا زیادہ بہتر ہے کیوں کہ وہ لوگوں کو اپنے کرم اور سخاوت کی طرف بلا رہا ہے تو اس کا حکم یہ ہے کہ وہ ہاتھ دھونے میں سب سے مقدم ہو۔ اور بعد میں سب سے آخر میں دھوئے اور کسی رہ جانے والے کا انتظار کرے تاکہ اس کے ساتھ کھائے جب کسی گھر میں جائے اور کوئی خلافِ شریعت بات دیکھے تو ممکن ہو تو اسے بدل دے ورنہ زبان سے اس کی برائی بیان کر کے واپس آجائے برے امور ہیں سے ریشمی بچھونا، سونے اور چاندی کے برتن، دیواروں پر تصاویر، گانے بجانے کے آلات ننگے چہرے والی عورتوں کی موجودگی اور دوسرے حرام کام شامل ہیں۔ حتیٰ کہ حضرت امام احمد رحمہ اللہ نے فرمایا جب سرمہ دانی دیکھے جس کے سر پر چاندی لگی ہوئی ہو تو وہاں سے چلے جانا چاہیئے اور آپ نے وہاں بیٹھنے کی اجازت نہیں دی البتہ دروازے دستے پر سونا چاندی چڑھا ہو تو کوئی حرج نہیں اور فرمایا جب باریک پردہ دیکھے تب بھی چلے جانا چاہیے۔ کیوں کہ یہ محض تکلف ہے اس کا کوئی فائدہ نہیں یہ (باریک پردہ) گرمی، سردی کو بھی دور نہیں کرتا اور نہ ہی پردے کا فائدہ دیتا ہے۔

اسی طرح فرمایا کہ جب دیواروں کو ریشمی کپڑے کے ساتھ یوں ڈھانپا ہوا دیکھے جیسے کعبۃ اللہ پر پردہ ہے تو بھی وہاں سے چلا جائے اور فرمایا جب کوئی مکان کرایہ پر لے جس میں تصویر ہو یا حمام میں داخل ہو اور وہاں تصویر دیکھے تو اسے مٹا دینا چاہیے اگر ایسا نہ کر سکے تو وہاں سے چلا جائے۔ آپ نے جو کچھ فرمایا صحیح ہے۔

لیکن باریک پردے کو دیکھنا اور دیواروں کو ریشمی کپڑے سے مزیّن کرنا حرام کام تک نہیں پہنچاتا کیونکہ ریشم مردوں پر حرام ہے۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

هٰذَانِ حَرَامَانِ عَلٰى ذُكُوْرِ اُمَّتِىْ حِلٌّ لِاِنَاثِهَا۔ (۱)

یہ دونوں (ریشم اور سونا) میری امت کے مردوں پر حرام ہیں عورتوں کے لیے حلال ہیں۔

(اور دیواروں پر ڈالنا مردوں کا پہننا نہیں ہے) اور بلکہ اسے مباح قرار دینا اولیٰ ہے۔

---

(۱) مسند امام احمد بن حنبل جلد اول ص ۹۶ مرویات علی المرتضیٰ

ارشاد خداوندی ہے :

قُلْ مَنْ حَرَّمَ زِينَةَ اللهِ - (۱) آپ فرما دیجئے کس نے اللہ تعالیٰ کی زینت کو حرام کیا ہے

خصوصاً جب زینت اختیار کرنے کے موقعہ ہو لیکن تکبر اور فخر کے طور پر اسے عادت نہ بنائے اگرچہ اس کا یہ خیال ہو کر لوگ اسے دیکھ کر نفع اندوز ہوں گے اور مردوں کے لیے ریشمی کپڑے کو دیکھنے کے ذریعے فائدہ اٹھانا منع نہیں ہے جب کہ مونڈیوں اور عورتوں نے تنہا ہوا ہو ، اور دیواریں (اس لحاظ سے) عورتوں کے حکم میں ہیں کیونکہ وہ مردانہ صفات سے موصوف نہیں ہیں۔

کھانا لانے کے آداب

کھانا لانے کے پانچ آداب ہیں۔

۱۔ جلدی کرنا :

کھانا جلدی لانا چاہیئے اس میں مہمان کی عزت افزائی ہے۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

مَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ فَلْيُكْرِمْ ضَيْفَهُ (۲) جو آدمی اللہ تعالیٰ اور آخرت پر ایمان رکھتا ہے اسے مہمان کی عزت کرنی چاہیے۔

بعض اوقات اکثر لوگ آجاتے ہیں اور ایک دو غیر موجود ہوتے ہیں انہیں مقررہ وقت سے تاخیر ہو جاتی ہے تو ان لوگوں کی وجہ سے کھانے میں تاخیر کرنے کی نسبت حاضرین کے حق کے طور پر کھانے میں جلدی کرنا زیادہ بہتر ہے البتہ پیچھے رہ جانے والا کوئی فقیر ہو یا اس وجہ سے اس کی دل شکنی ہوتی ہو تو اب انتظار کرنے میں کوئی حرج نہیں اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد گرامی کا ایک مفہوم یہی ہے۔

هَلْ أَتَاكَ حَدِيثُ ضَيْفِ إِبْرَاهِيمَ الْمُكْرَمِينَ (۳) کیا تمہارے پاس حضرت ابراہیم علیہ السلام کے مہمانوں کی بات پہنچی جو عزت والے تھے۔

یعنی جلدی کھانا پیش کرنے کے ذریعے ان کی عزت کی گئی - اس مفہوم پر یہ آیت دلالت کرتی ہے۔

فَمَا لَبِثَ أَنْ جَاءَ بِعِجْلٍ حَنِيذٍ (۴) پس زیادہ دیر نہ گزری کہ بھنا ہوا بچھڑا لے آئے۔

---

(۱) قرآن مجید، سورۂ اعراف آیت ۳۲

(۲) صحیح بخاری جلد ۲ ص ۹۸۸ کتاب الادب

(۳) قرآن مجید، سورۂ ذاریات آیت ۲۴ (۴) قرآن مجید، سورۂ ہود آیت ۶۹

اورارشاد خداوندی ہے۔

فَرَاغَ اِلٰی اَھْلِہٖ فَجَآءَ بِعِجْلٍ سَمِیْنٍ (۱) پس آپ جلدی جلدی گھر والوں کی طرف گئے اور ایک موٹا تازہ بچھڑا لے آئے۔

(رَاغَ، روغان سے بنا ہے) اور روغان کا معنی جلدی جلدی جانا ہے یہ بھی کہا گیا کہ خفیہ طور پر جانا مراد ہے۔
کہا گیا کہ آپ گوشت کی ایک ران لائے اور اسے "عِجْلاً" کہا گیا کیونکہ آپ جلدی جلدی لائے اور دیر نہیں کی۔
حضرت حاتم رحمہ اللہ فرماتے ہیں۔ جلدی کرنا شیطانی کام ہے البتہ پانچ کاموں میں جلدی کرنا سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ہے۔

(۱) مہمان کو کھانا کھلانا (۲) میت کی تجہیز و تکفین (۳) بالغہ لڑکی کا نکاح کرنا (۴) قرض کی ادائیگی (۵) گناہوں سے توبہ (۲)
ولیمہ میں جلدی کرنا بھی مستحب ہے کہا گیا کہ پہلے دن (شادی والے دن) ولیمہ سنت ہے دوسرے دن معروف ہے (اچھا ہے) اور تیسرے دن نمائش ہے۔

۲۔ کھانے کی ترتیب :

کھانا کھلانے کا دوسرا ادب کھانے کی ترتیب ہے اگر پھل ہوں تو پہلے وہ پیش کئے جائیں کیونکہ طب کے اعتبار سے یہ زیادہ موافق ہے کیوں کہ یہ جلد ہضم ہوتا ہے لہٰذا اسے معدے کے نچلے حصے میں ہونا چاہئیے اور قرآن پاک سے بھی پھل کے مقدم کرنے پر آگاہی حاصل ہوتی ہے۔ ارشاد خداوندی ہے۔

وَفَاكِهَةٍ مِّمَّا يَتَخَيَّرُونَ (۳) اور میوہ جو پسند ہو۔

پھر فرمایا۔

وَلَحْمِ طَيْرٍ مِّمَّا يَشْتَهُونَ (۴) اور پرندے کا گوشت جسے طبیعت چاہے۔

(گویا پہلے پھلوں کا اور اس کے بعد گوشت کا ذکر اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ پھل پہلے کھائے جائیں)
پھلوں کے بعد بہترین چیز جو پیش کی جائے وہ گوشت اور ثرید ہے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔
فَضْلُ عَائِشَةَ عَلَى النِّسَاءِ كَفَضْلِ الثَّرِيْدِ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو عورتوں پر اس طرح فضیلت

---

(۱) قرآن مجید، سورۂ ذاریات آیت ۲۶

(۲) کنز العمال جلد ۲ ص ۴ ۲۳ حدیث ۳۲ ۵۸

(۳) قرآن مجید، سورۂ واقعہ آیت ۲۱

(۴) قرآن مجید، سورۂ واقعہ آیت ۲۲

عَلَى الطَّعَامِ۔ (۱) حاصل ہے جس طرح ثرید دوسرے کھانوں سے افضل ہے۔

(نوٹ) شوربے میں روٹی بھگو کر چوری بنا کر کھانا ثرید ہے۔

اگر کھانے کے بعد میٹھی چیز بھی ہو تو تمام عمدہ چیزیں اکٹھی ہو جائیں گی گوشت کے ساتھ مہمان کی تواضع کرنے پر حضرت ابراہیم علیہ السلام کے مہمان کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا ارشادِ گرامی (جو گذر چکا ہے) دلالت کرتا ہے کہ آپ ان کے لیے بھنا ہوا گوشت لائے "حنیذ"، وہ گوشت جو خوب پکایا گیا تو مہمان کی تواضع کا ایک طریقہ یہ بھی ہے یعنی اس کے سامنے گوشت رکھا جائے۔ اللہ تعالیٰ نے عمدہ کھانوں کا وصف بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا۔

وَاَنْزَلْنَا عَلَيْكُمُ الْمَنَّ وَالسَّلْوٰى۔ (۲) اور ہم نے تم پر من اور سلویٰ اتارا۔

من سے شہد اور سلویٰ سے گوشت مراد ہے گوشت کو سلویٰ اس لیے کہا گیا کہ اس کے ذریعے تمام سالنوں سے تسلّی ہو جاتی ہے اور کوئی دوسرا سالن اس کے قائم مقام نہیں ہو سکتا اسی لیے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

سَيِّدُ الْاِدَامِ اللَّحْمُ۔ (۳) سالنوں کا سردار گوشت ہے۔

پھر من اور سلویٰ کے ذکر کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔

كُلُوْا مِنْ طَيِّبَاتِ مَا رَزَقْنَاكُمْ۔ (۴) ان پاکیزہ چیزوں سے کھاؤ جو ہم نے تمہیں عطا کی ہیں۔

پس گوشت اور میٹھی چیز طیبات سے ہے۔

حضرت ابو سلیمان دارانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں۔

پاکیزہ اور عمدہ چیزیں کھانا اللہ تعالیٰ کی رضا کا باعث ہے۔

پھر یہ عمدہ کھانے ٹھنڈا پانی پینے اور ہاتھ دھوتے وقت نیم گرم پانی ہاتھ پر ڈالنے سے پایۂ تکمیل کو پہنچ جاتے ہیں مامون نے کہا کہ برف ملا ہوا ٹھنڈا پانی شکر کو خالص کر دیتا ہے (اللہ تعالیٰ کے شکر کا باعث ہے) کسی ادیب کا قول ہے کہ جب تم اپنے مسلمان بھائی کی دعوت کرو اور اسے کچے انگوروں سے بنایا ہوا حلوہ اور بورانیہ (۵) کھلاؤ اور ٹھنڈا پانی بھی پلاؤ تو تم نے اس کی ضیافت مکمل کر دی۔

ایک شخص نے ضیافت میں بہت رقم خرچ کی تو کسی دانا نے کہا ہمیں اس کی ضرورت نہیں جب تمہاری روٹی عمدہ ہو،

---

(۱) شمائل ترمذی ص ۸۳ (اردو) باب ماجاء فی صفۃ اکل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔

(۲) قرآن مجید، سورۂ بقرہ آیت ۵۷

(۳) قرآن مجید، سورۂ بقرہ آیت ۵۷۔

(۴) ایک کھانا جو دہی اور بینگن ملا کر پکایا جاتا ہے۔

پانی ٹھنڈا ہو اور تمہارے سر کے کا ذائقہ صحیح ہو تو یہ کافی ہے بعض نے کہا ہے کہ مختلف قسم کے کھانوں کے مقابلے میں کھانے کے بعد میٹھی چیز کا ہونا اچھا ہے دستر خوان پر سب کو کھانے کا پہنچ جانا، کئی قسم کے کھانوں سے بہتر ہے اور کہا جاتا ہے کہ جب دستر خوان پر سبزی ہو تو فرشتے حاضر ہوتے ہیں تو یہ بھی مستحب ہے نیز اس میں سبز چیزوں کے ساتھ زینت حاصل کرنا ہے۔

ایک روایت میں ہے کہ بنی اسرائیل پر جو خوان اتارا گیا تھا اس پر گیندنے (۱) کے علاوہ تمام ساگ موجود تھے نیز اس پر مچھلی بھی تھی اس کے سر کے پاس سرکہ تھا دُم کے پاس نمک اور سات روٹیاں تھیں ہر روٹی پر زیتون اور انار کا دانہ تھا۔ اگر یہ چیزیں جمع ہو جائیں تو اس خوان کی موافقت کے باعث اچھی بات ہے۔

۳۔ نرم غذا پہلے پیش کرنا:

مختلف قسم کے کھانوں میں سے نرم غذا پہلے پیش کی جائے تاکہ جو آدمی چاہے اس سے سیر ہو جائے اور اس کے بعد زیادہ نہ کھائے مالدار لوگوں کی عادت ہے کہ وہ سخت قسم کا کھانا پہلے پیش کرتے ہیں تاکہ بعد میں جب لطیف کھانا سامنے آئے تو رگِ شہوت نئے سرے سے حرکت میں آجائے اور یہ خلافِ سنت ہے کیونکہ یہ زیادہ کھانے کا حیلہ ہے پہلے بزرگوں کا طریقہ یہ تھا کہ وہ تمام قسم کے کھانے ایک بار ہی آگے رکھ دیتے تھے اور دستر خوان پر پیالے (پلیٹیں) چُن دیتے تھے تاکہ ہر آدمی اپنی طبیعت کے مطابق کھائے اور اگر کھانے زیادہ قسم کے نہ ہوں تو بتا دے تاکہ وہ اسی سے سیر ہو جائیں اور اس سے عمدہ کھانے کا انتظار نہ کریں بعض اہل مروت کے بارے میں منقول ہے کہ وہ جتنے قسم کے کھانے پیش کرنا چاہتے ایک کاغذ پر لکھ کر مہمانوں کے سامنے پیش کر دیتے۔

ایک بزرگ فرماتے ہیں ایک بزرگ نے شام میں میرے سامنے ایک قسم کا کھانا رکھا میں نے کہا ہمارے ہاں عراق میں یہ کھانا سب سے آخر میں پیش کیا جاتا ہے انہوں نے فرمایا ہمارے ہاں شام میں بھی اسی طرح ہوتا ہے ان کے پاس کوئی دوسری قسم کا کھانا نہ تھا چنانچہ مجھے اپنی بات پر شرمندگی ہوئی۔ ایک اور بزرگ فرماتے ہیں ہم ایک جماعت کسی کے ہاں مہمان تھے۔ صاحبِ خانہ نے مختلف قسم کے بکری کے سر ہمارے سامنے رکھے کچھ بھنے ہوئے تھے کچھ پکائے گئے تھے کچھ خشک گوشت کے ٹکڑے تھے ہم مزید کھانے اور بکری کے گوشت کے انتظار میں کھانے سے رُکے رہے پھر وہ ایک تھال (ہاتھ دھلانے کے لیے) لایا اور کوئی دوسرا کھانا نہ لایا ہم ایک دوسرے کو دیکھنے لگے ایک بزرگ جو ظریف الطبع تھے کہنے لگے اللہ تعالیٰ بدن کے بغیر سروں کو پیدا کرنے پر قادر ہے وہ فرماتے ہیں ہم نے وہ رات بھوکے رہ کر گزاری اور سحری تک روٹی کے ٹکڑوں کی طلب میں رہے۔ تو مستحب یہ ہے کہ تمام کھانے ایک وقت آگے رکھ دے یا جو کچھ اس

---

(۱) پیاز کی شکل کی ایک بدبودار سبزی گندنا کہلاتی ہے۔

کے پاس ہے، اس کے بارے میں بتادے۔

۴۔ کھانا جلدی نہ اٹھانا:

جب تک وہ سیر ہو کر نہ کھالیں ان کے سامنے سے کوئی کھانا نہ اٹھائے یہاں تک کہ وہ خود ہاتھ اٹھالیں ممکن ہے ان میں سے کوئی ان موجودہ کھانوں میں سے کسی دوسری قسم کے کھانے کی زیادہ خواہش رکھتا ہو یا اسے کھانے کی حاجت باقی ہو لہذا جلدی کرنے میں اس کا حرج ہو گا اور یہ جو کہا گیا کہ زیادہ قسم کے کھانوں کے مقابلے میں دستر خوان پر ہر ایک کو کھانا پہنچنا بہتر ہے اس سے یہی مراد ہے۔

اور یہ بھی ممکن ہے کہ اس سے برتنوں کا جلدی نہ اٹھانا مراد ہو اور مکان کی کشادگی بھی مراد ہو سکتی ہے۔

حضرت سنوری ایک خوش طبع صوفی تھے ان کے بارے میں منقول ہے کہ وہ ایک دنیا دار کے ہاں دستر خوان پر موجود تھے صاحب خانہ نے ان کے سامنے بکری کا بھنا ہوا بچہ رکھا اور گھر والا بخیل قسم کا آدمی تھا۔ جب حاضرین نے اس بکرے کو چیر پھاڑ اور بوٹی بوٹی کر دیا تو اس کے سینے میں گھٹن محسوس ہوئی اور کہا اسے غلام اسے بچوں کے لیے اٹھا کرلے جاؤ۔

چنانچہ وہ بکرا گھر کے اندر لے جایا گیا سنوری کھڑے ہوئے اور بکرے کے پیچھے جانے لگے پوچھا گیا آپ کہاں جا رہے ہیں؟ انہوں نے فرمایا میں بچوں کے ساتھ کھاؤں گا اس پر صاحب خانہ شرمندہ ہوا اور بکرا واپس لانے کا حکم دیا۔

اسی ادب سے ہے کہ صاحب خانہ مہمانوں سے پہلے ہاتھ نہ اٹھائے بلکہ سب سے آخر تک کھاتا رہے بعض اہل سخاوت کا طریقہ تھا کہ وہ مہمانوں کو تمام قسم کے کھانوں کے بارے میں بتا دیتے اور انہیں سیر ہونے کے لیے چھوڑ دیتے جب وہ فارغ ہونے لگتے تو یہ گھٹنوں کے بل بیٹھ جاتے اور اپنا ہاتھ کھانے کی طرف بڑھا کر کھانا شروع کر دیتے اور فرماتے بسم اللہ، اللہ تعالیٰ تمہیں برکت دے میری مدد کرو، اسلاف اس طریقے کو اچھا سمجھتے تھے۔

۵۔ ضرورت کے مطابق کھانا پیش کرنا:

ضرورت کے مطابق کھانا پیش کرے کیونکہ ضرورت سے کم ہو گا تو یہ مروت کو نقصان پہنچاتا ہے اور کفایت سے زیادہ بناوٹ اور ریاکاری ہے خاص طور پر جب اس کا دل نہ چاہتا ہو کہ وہ سارے کا سارا کھانا کھالیں البتہ یہ صورت ہو کہ اگر وہ سارا کھانا کھا جائیں تو اسے خوشی ہو اور اگر کچھ باقی رہ جائے تو اسے تبرک سمجھے تو کوئی حرج نہیں کیونکہ حدیث میں ہے کہ اس پر کوئی حساب نہیں ہو گا۔

حضرت ابراہیم بن ادھم رحمہ اللہ نے دستر خوان پر بہت سا کھانا رکھا تو حضرت سفیان نے فرمایا اے ابو اسحاق! کیا آپ کو اس کے اسراف ہونے کا خوف نہیں حضرت ابراہیم رحمہ اللہ نے فرمایا کھانے میں اسراف نہیں ہوتا۔

اور اگر یہ نیت نہ ہوتا تو زیادہ کھانا پیش کرنے میں تکلف ہے۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں ہمیں ایسے آدمی کی دعوت قبول کرنے سے منع کیا گیا ہے جو اپنے کھانے

پر فخر کرتا ہے اور صحابہ کرام کی ایک جماعت نے فخریہ کھانا کھانے کو ناپسند کیا ہے اسی لیے وہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے سے زائد کھانا نہیں، اٹھاتے تھے کیوں کہ وہ ضرورت کے مطابق رکھتے تھے اور خوب سیر ہو کر نہیں کھاتے تھے۔

مناسب یہ ہے کہ گھر والوں کا حصہ پہلے الگ کر لے تاکہ ان کی نگاہیں اس میں سے کسی چیز کی واپسی پر نہ لگی رہیں ہو سکتا ہے کچھ بھی واپس نہ آئے اور وہ پریشان ہوں اور مہمانوں کے بارے میں طرح طرح کی باتیں کریں لہٰذا ان کو ایسا کھانا کھلانا جس کے بعد ناپسندیدگی کا اظہار ہو ان کے حق میں خیانت ہے۔

اور کھانے میں سے جو بچ جائے مہانوں کو حق نہیں پہنچتا کہ اسے اٹھالیں صوفیا کرام اسے زلہ کہتے ہیں، البتہ کھانے کا مالک وضاحت کر دے اور دل کی رضامندی سے اجازت دے دے یا قرینۂ حال سے یہ بات معلوم ہو جائے کہ وہ اس پر راضی ہے (تو ٹھیک ہے) اور اگر اس کی ناگواری کا گمان پڑتا ہو تو لینا مناسب نہیں اور جب اس کی رضامندی معلوم ہو تو بھی ساتھیوں کے ساتھ انصاف کی رعایت ضروری ہے ایک آدمی صرف اپنا حصہ لے یا اس کے ساتھ خوشی سے جتنے کھانے پر راضی ہوں حیا کرتے ہوئے ایسا نہ کریں۔

واپسی کے آداب

واپسی کے تین آداب ہیں:

ا۔ مہمان کے ساتھ دروازے تک آنا:

صاحب خانہ مہمان کے ساتھ دروازے تک آئے یہ سنت ہے اور اس میں مہمان کا اعزاز ہے اور اس کی عزت افزائی کا حکم بھی دیا گیا ہے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

"جو شخص اللہ تعالیٰ اور آخرت پر ایمان رکھتا ہے اسے اپنے مہمان کی عزت کرنی چاہیئے۔" (۱)

اور آپ نے ارشاد فرمایا۔

"مہمان نوازی کے طریقوں میں سے یہ بھی ہے کہ اسے رخصت کرنے کے لیے دروازے تک جائے" (۲)

حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں نجاشی بادشاہ کا ایک مرتبہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ ذاتی طور پر ان کی خدمت کے لیے کھڑے ہوئے صحابہ کرام نے عرض کیا یا رسول اللہ! آپ کی جگہ ہم یہ خدمت انجام دیتے ہیں آپ نے فرمایا ہرگز نہیں وہ میرے ساتھیوں کی عزت کرتے تھے تو میں خود اس کا بدلہ دوں گا۔

---

(۱) مشکوٰۃ شریف ص ۳۶۸ باب الضیافۃ۔

(۲) مشکوٰۃ شریف ص ۳۷۰ باب الضیافۃ

مہمان کی عزت کی تکمیل یہ ہے کہ اس کے آتے جاتے اور دستر خوان پر خندہ پیشانی اور اچھی گفتگو سے پیش آئے۔
حضرت اوزاعی رحمہ اللہ سے پوچھا گیا کہ مہمان کی عزت کیسے ہوتی ہے، فرمایا خندہ پیشانی سے پیش آنا اور اچھی گفتگو کرنا۔
حضرت یزید بن ابی زیاد فرماتے ہیں میں جب بھی حضرت عبد الرحمن بن ابی لیلیٰ کے پاس گیا تو انہوں نے ہمیں اچھی باتیں سنائیں اور اچھا کھانا کھلایا۔

۲۔ مہمان خوشی خوشی واپس ہو:

مہمان کو خوشی خوشی واپس ہونا چاہیے اگرچہ اس کے حق میں کوتاہی ہوتی ہو۔ یہ اچھے اخلاق اور تواضع سے ہے۔
نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا آدمی اچھے اخلاق کے ذریعے (رات کو) قیام کرنے (اور دن کو) روزہ رکھنے والے کا درجہ پا لیتا ہے۔
پہلے بزرگوں میں پہلے سے ایک بزرگ کے پاس ایک قاصد بھیج کر انہیں دعوت دی گئی وہ گھر پر نہ تھے لہٰذا قاصد کے ملاقات نہ ہو سکی جب انہوں نے سنا تو حاضر ہو گئے حالانکہ باقی لوگ فارغ ہو کر جا چکے تھے اور بکھر گئے تھے صاحب خانہ باہر نکلے اور کہا لوگ تو جا چکے ہیں انہوں نے پوچھا کیا کچھ باقی ہے؟ اس نے کہا نہیں۔ انہوں نے کہا کوئی ایک ٹکڑا باقی ہو؟ اس نے کہا کچھ بھی باقی نہیں۔
انہوں نے فرمایا میں ہنڈیا ہی چاٹ لوں گا اس نے کہا وہ تو میں نے دھو ڈالی ہے چنانچہ وہ اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتے ہوئے واپس ہو گئے۔ ان سے اس بارے میں پوچھا گیا تو انہوں نے فرمایا اس شخص نے اچھا کیا، ہمیں نیت کے ساتھ بلایا اور نیت کے ساتھ واپس کیا تو تواضع اور اچھے اخلاق کا یہی مفہوم ہے۔
منقول ہے کہ استاذ ابو القاسم جنید کو ایک بچے نے اپنے باپ کی دعوت پر چار مرتبہ بلایا چاروں مرتبہ اس کے باپ نے ان کو لوٹا دیا لیکن وہ ہر بار چلے جاتے تاکہ بچے کا دل بلانے پر اور اس کے باپ کا دل واپس کرنے پر خوش ہو۔
تو یہ نفوس قدسیہ ہیں جنہوں نے اللہ تعالیٰ کے لیے تواضع کی خاطر رسوائی برداشت کی اور توحید پر مطمئن ہوئے۔ وہ کسی کے رد یا قبول کرنے کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے سمجھتے تھے بندوں کی طرف سے رسوائی سے شکستہ دل نہیں ہوتے تھے جیسے ان کی طرف سے عزت افزائی پر خوش نہ ہوتے بلکہ وہ سب کچھ ذات واحد قہار کی طرف سے دیکھتے تھے اسی لیے ان میں سے بعض نے فرمایا کہ میں دعوت اس لیے قبول کرتا ہوں کہ اس کے ذریعے جنت کے کھانے کو یاد کروں یعنی وہ کھانا بھی عمدہ ہوگا اور اس میں ہمیں کوئی مشقت محنت اور حساب وکتاب نہیں ہوگا۔

۳۔ صاحب خانہ کی اجازت:

واپسی صاحب خانہ کی مرضی اور اجازت سے ہونی چاہیے اور وہاں ٹھہرنے کی مقدار میں اس کے دل کی رعایت

رکھے جب کسی کے ہاں مہمان بنے تو تین دن سے زیادہ نہ ٹھہرے ورنہ بعض اوقات وہ اس پر اکتا جاتا ہے اور اسے چلے جانے کے لیے کہتا ہے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اَلضِّیَافَۃُ ثَلَاثَۃُ اَیَّامٍ فَمَا زَادَ فَصَدَقَۃٌ۔ (۱)

مہمان نوازی تین دن ہے اس سے زیادہ صدقہ ہے۔

البتہ گھر والا خلوص کے ساتھ اصرار کرے تو اس وقت ٹھہرنا جائز ہے اور صاحب خانہ کے پاس آنے والے مہمان کے لیے ایک بستر رہنا چاہیئے۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

ایک بستر آدمی کے اپنے لیے، ایک بستر اس کی بیوی کے لیے ایک بستر مہمان کے لیے ہو اور چوتھا بستر شیطان کے لیے ہے۔ (۲)

(تعداد کی پابندی نہیں بلکہ مطلب یہ ہے کہ ضرورت سے زائد نہ ہو گھر کے جتنے افراد ہیں ان کے لیے الگ الگ بستر اور پھر مہمانوں کے لیے مناسب تعداد میں بستر ہوں ہزاروی)

طبّی اور شرعی آداب اور ممنوعات

یہ نو ہیں :-

۱- حضرت ابراہیم نخعی رحمہ اللہ سے منقول ہے انہوں نے فرمایا کہ بازار میں کوئی چیز کھانا کمینگی ہے (۳)

انہوں نے اسے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب کیا ہے اور اس کی سند غریب ہے۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے اس کے خلاف منقول ہے وہ فرماتے ہیں۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں ہم چلتے چلتے کھاتے تھے اور کھڑے ہو کر پیتے تھے (۴)

بعض معروف صوفیا کو بازار میں کھاتے دیکھا گیا ان سے پوچھا گیا تو انہوں نے فرمایا تمہیں کیا ہو گیا ہے مجھے بھوک

---

(۱) مسند امام احمد بن حنبل جلد ۲ ص ۲۸۸ مرویات ابوہریرہ

(۲) صحیح مسلم جلد ۲ ص ۱۹۴ کتاب اللباس

(۳) المعجم الکبیر للطبرانی جلد ۸ ص ۲۹۸ حدیث ۷۹۷

(۴) مشکواۃ المصابیح ص ۳۷۱ باب الاشربہ

بازار میں لگے اور میں کھانا گھر میں کھاؤں۔ عرض کیا گیا آپ مسجد میں چلے جاتے، فرمایا مجھے حیا آتی ہے کیا اللہ تعالیٰ کے گھر میں کھانا کھانے کے لیے جاؤں گا۔

دونوں قسم کے اقوال کو یوں جمع کیا جا سکتا ہے کہ بعض لوگوں کے اعتبار سے بازار میں کھانا تواضع اور بے تکلفی ہے اور یہ اچھا ہے اور بعض کے اعتبار سے بے عزتی ہے لہٰذا مکروہ ہے پس شہروں کے رسم و رواج اور بندوں کے حالات کی بنیاد پر اس میں اختلاف ہے جس آدمی کے اعمال کے مناسب نہ ہو اس کے حق میں یہ بے غیرتی اور حرص کی زیادتی پر محمول ہوگا اور اس کی گواہی پر اثر انداز ہوگا اور جس آدمی کے تمام اعمال بے تکلفی سے ہوتے ہوں اس سے تواضع شمار ہوگا۔

۲۔ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے فرمایا جو شخص اپنے کھانے کو نمک سے شروع کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس سے ستر قسم کی مصیبتیں دور کر دیتا ہے اور جو شخص ایک دن میں سات عجوہ کھجوریں (ایک عمدہ قسم کی کھجور) کھاتا ہے تو اس کے پیٹ کے کیڑے مر جاتے ہیں جو آدمی روزانہ اکیس سرخ کشمش کھائے وہ اپنے جسم میں کوئی ناپسندیدہ بات نہیں دیکھتا گوشت، گوشت کو بڑھاتا ہے ثرید (شوربے میں روٹی کو چورا بنا کر کھانا (عربوں کا کھانا ہے بسقار جات (گوشت کے شوربے سے بنایا ہوا ایک کھانا) پیٹ کو بڑھا دیتا ہے اور اس سے حصیتیں (کپورے) لٹک جاتے ہیں گائے کا گوشت بیماری ہے، اس کے دودھ میں شفا ہے اور، اس کا گھی دوا ہے اور چربی اپنے برابر بیماری کو نکال دیتی ہے جس عورت کے ہاں بچہ پیدا ہو اس کے لیے کھجور سے بڑھ کر کوئی چیز شفاء دینے والی نہیں۔ مچھلی سے جسم پگھل جاتا ہے قرآن پاک کی قرأت اور مسواک بلغم کو ختم کر دیتی ہے۔ اور جو آدمی باقی رہنا چاہے اور ایسا نہیں ہو سکتا تو وہ صبح کا کھانا سویرے سویرے کھائے (لمبی عمر کا راز بتایا) اور شام کا کھانا کم کھائے اور جوتا پہنے پہنے، انسان کے لیے گھی سے بہتر کوئی علاج نہیں عورتوں سے میل جول کم رکھے اور چادر ہلکی رکھے یعنی قرض نہ لے۔

۳۔ حجاج نے کسی طبیب سے کہا مجھے کوئی ایسی بات بتائیں جسے میں اختیار کروں اور اس سے تجاوز نہ کروں اس نے کہا نکاح کرنا ہو تو نوجوان لڑکی سے کرو، گوشت کھائیں تو جوان جانور کا، پکی ہوئی چیز جب تک خوب نہ پکے نہ کھانا، بیماری کے بغیر دوائی نہ کھانا، پھل خوب پکا ہوا کھائیں کھانا اچھی طرح چبا کر کھانا جو کھانا چاہو کھاؤ لیکن کھانے کے بعد پانی نہ پینا، اور جب پانی پیو تو اس کے اوپر کچھ نہ کھاؤ۔ پاخانہ اور پیشاب نہ روکنا دن کو کھانا کھانے کے بعد سو جاؤ اور رات کو کھانا کھانے کے بعد سونے سے پہلے چہل قدمی کرو اگرچہ ایک سو قدم ہوں عربوں کا یہ قول اسی سلسلے میں ہے۔

"تغد تمدد تعش تمش"، دن کا کھانا کھا کر تان لو (سو جاؤ) اور شام کو کھاؤ تو چلو جیسے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

ثُمَّ ذَهَبَ إِلَىٰ أَهْلِهِ يَتَمَطَّىٰ (۱) پھر وہ سینہ تان کر اپنے گھر والوں کی طرف چلا۔

---

(۱) قرآن مجید، سورۃ القیامۃ آیت ۳۳

کہا گیا کہ پیشاب کو روکنا جسم کو خراب کر دیتا ہے جیسے نہر کے بہاؤ کو روکا جائے تو خراب ہو جاتی ہے۔

۴۔ حدیث شریف میں ہے۔

قَطْعُ الْعُرُوْقِ مَسْقَمَةٌ وَتَرْكُ الْعَشَاءِ مَهْرَمَةٌ۔ (۱) رگوں کو کاٹنا بیماری کا باعث ہے اور شام کا کھانا چھوڑ دینا بوڑھا کر دیتا ہے۔

اہل عرب کہتے ہیں صبح کا کھانا چھوڑ دینا سرین کی چربی کو ختم کر دیتا ہے کسی دانا نے اپنے بیٹے سے کہا اے بیٹے! جب تک بردباری ساتھ نہ ہو گھر سے باہر نہ نکلنا اس سے مراد صبح کا کھانا ہے کیونکہ اس کے ذریعے بردباری باقی رہتی ہے اور غصہ دور ہو جاتا ہے نیز وہ بازاری چیزوں کو دیکھ کر ان کی خواہش نہیں کرتا۔ ایک حکیم نے ایک موٹے آدمی سے کہا کہ میں تیرے دانتوں کا بنا ہوا کپڑا تیرے جسم پر دیکھ رہا ہوں یہ کیسے ہوا؟ اس نے کہا کہ میں خالص گندم کی روٹی اور بکری کا گوشت کھاتا ہوں، بنفشے کا تیل ملتا ہوں اور کاٹن کا کپڑا پہنتا ہوں۔

۵۔ تندرست آدمی کو پرہیز اسی طرح نقصان دیتی ہے جیسے بیمار کو پرہیز کا چھوڑ دینا نقصان دیتا ہے کسی بزرگ نے کہا کہ جو آدمی (اچھی چیزیں کھانے سے) پرہیز کرتا ہے تو اسے بیماری کا یقین اور صحت کے بارے میں شک ہوتا ہے اور صحت کی حالت میں ایسا کرنا اچھا ہے۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت صہیب رضی اللہ عنہ کو دیکھا کہ وہ کھجوریں کھا رہے تھے اور ان کی ایک آنکھ پر آشوب تھی آپ نے فرمایا تم کھجور کھاتے ہو حالانکہ تمہیں آشوب چشم کی تکلیف ہے؟ انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ! میں دوسری طرف سے کھاتا ہوں یعنی جو آنکھ صحیح ہے اس طرف کی داڑھ سے کھاتا ہوں (۲) اس پر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مسکرا پڑے۔

۶۔ میت کے گھر والوں کو کھانا دینا مستحب ہے جب حضرت جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کی میت آئی تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بے شک آل جعفر اپنی میت کی وجہ سے اپنا کھانا نہیں پکا سکتے لہٰذا ان تک کھانا پہنچاؤ۔ (۳)۔ تو یہ سنت ہے جب اس قسم کا کھانا اجتماع میں آئے تو اس سے کھانا جائز ہے لیکن جو کھانا پیٹنے والی عورتوں یا رونے پر ان کی مدد کرنے والوں کے لیے ہو تو ان کے ساتھ نہیں کھانا چاہیئے۔

۷۔ ظالم کے کھانے میں شرکت نہیں کرنی چاہیئے اگر مجبور کیا جائے تو کم کھائے اور عمدہ کھانوں کا قصد نہ کرے ایک تزکیہ کرنے والے نے اس شخص کی گواہی کو رد کر دیا جو بادشاہ کے کھانے میں حاضر ہوا تھا اس نے کہا مجھے مجبور کیا گیا تھا اس

---

(۱) کنز العمال جلد ۱۰ ص ۲۸۴۸۰/الاسرار المرفوعہ ص ۹۴ حدیث ۳۶۰

(۲) المستدرک للحاکم جلد ۳ ص ۳۹۹ کتاب معرفۃ الصحابۃ

(۳) سنن ابن ماجہ ص ۱۱۶ باب ماجاء فی الجنائز

نے کہا میں نے دیکھا کہ تم عمدہ کھانوں کی طرف ہی ہاتھ بڑھا رہے تھے اور بڑے بڑے لقمے ڈالتے تھے اس پر تم مجبور نہیں کئے گئے ہے بادشاہ نے اس تزکیہ کرنے والے کو کھانے پر مجبور کیا تو انہوں نے کہا اگر میں کھاؤں گا تو تزکیہ چھوڑ دوں گا اور اگر میں تزکیہ کروں گا تو یہ کھانا نہیں کھاؤں گا تو اس نے تزکیہ کو ضروری سمجھتے ہوئے ان کا عذر مان لیا، کہا جاتا ہے کہ حضرت ذوالنون مصری رحمہ اللہ قید ہو گئے اور انہوں نے قید خانے میں کچھ دن کھانا نہ کھایا ان کی ایک دینی بہن تھی اس نے سوت کات کر کے اس سے کھانا حاصل کیا اور داروغے کے ہاتھ بھیج دیا انہوں نے انکار کر دیا اور نہ کھایا بعد میں اس خاتون نے شکایت کی تو آپ نے فرمایا ٹھیک ہے کھانا حلال تھا لیکن ظالم کے برتن میں میرے پاس آیا تھا اور اس سے جیل کے داروغہ کا ہاتھ مراد لیا یہ انتہائی درجہ کا تقویٰ ہے۔

۸۔ حضرت فتح موصلی رحمہ اللہ کے بارے میں منقول ہے کہ وہ حضرت بشر حافی رحمہ اللہ سے ملاقات کے لیے ان کے پاس تشریف لے گئے تو حضرت بشر رحمہ اللہ نے اپنے خادم احمد جلاء کو ایک درہم دیا کہ اس سے اچھا کھانا یا اچھا سالن لے آؤ احمد کہتے ہیں میں نے ایک صاف ستھری روٹی خریدی اور دل میں کہا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دودھ کے سوا کسی چیز کے بارے میں یوں نہیں فرمایا اے اللہ! اس میں ہمارے لیے برکت ڈال اور اضافہ فرما (۱) تو میں نے دودھ بھی خرید لیا نیز عمدہ کھجوریں بھی خریدیں اور ان کے سامنے پیش کر دیں تو وہ کھانے کے بعد باقی اپنے ساتھ لے گئے۔

حضرت بشر رح نے اپنے خادم سے فرمایا تمہیں معلوم ہے میں نے کیوں کہا تھا کہ عمدہ کھانا خرید لاؤ اس لیے کہ پاکیزہ کھانا خالص شکر کا باعث ہوتا ہے اور تم جانتے ہو انہوں نے مجھے کیوں نہیں کہا کہ میرے ساتھ کھاؤ اس لیے کہ مہمان صاحب خانہ نہیں کہتا کہ کھاؤ اور تمہیں معلوم ہے کہ وہ باقی کھانا کیوں اپنے ساتھ لے گئے؟ اس لیے کہ جب توکل صحیح ہو تو لے جانے میں کوئی حرج نہیں۔

حضرت ابو علی روذباری رحمہ اللہ ایک شخص کے بارے میں نقل کرتے ہیں کہ اس نے ایک ضیافت کا اہتمام کیا اور اس میں ایک ہزار چراغ جلائے ایک شخص نے کہا تم نے اسراف (ضرورت سے زائد خرچ) کیا ہے۔ اس نے کہا اندر آؤ اور میں نے جو چراغ غیر خدا کے لئے روشن کیا ہے اسے بجھا دو وہ شخص اندر گیا لیکن ان میں سے ایک چراغ کو بھی بجھا نہ سکا چنانچہ اس نے اعتراض چھوڑ دیا ——— ابو علی روذباری نے شکر کے بہت سے وزن خریدے اور حلوائیوں کو حکم دے کر شکر کی دیوار بنائی جس پر کنگرے اور محراب بنے ہوئے تھے جو منقش ستون پر قائم تھے اور یہ سب کچھ شکر سے تھا پھر صوفیاء کرام کو بلایا تو انہوں نے اس کو گرا دیا اور لوٹ لیا۔ (یعنی یہ ان کے خلوص کی دلیل ہے)

۹۔ حضرت امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کھانے کی چار صورتیں ہیں۔

---

(۱) مسند امام احمد بن حنبل جلد اول ص ۲۲۵ مرویات خالد بن ولید

اللہ تعالیٰ کی ناراضگی کے باعث ایک انگلی سے کھانا، تکبر کے طور پر دو انگلیوں سے کھانا، سنت طریقے پر تین انگلیوں سے کھانا (۱) اور بہت زیادہ حرص کرتے ہوئے چار اور پانچ انگلیوں سے کھانا۔

چار چیزیں بدن کو قوت بخشتی ہیں گوشت کھانا، خوشبو سونگھنا، جماع کے بغیر بکثرت غسل کرنا اور سوتی کپڑا (کاٹن) پہننا۔

چار چیزیں بدن کو سست کرتی ہیں جماع کی کثرت، زیادہ غمگین رہنا، نہار منہ زیادہ پانی پینا اور ترش چیزیں زیادہ کھانا چار چیزیں آنکھوں کی (بینائی کی) تقویت کا باعث ہیں قبلہ رُخ بیٹھنا سوتے وقت سرمہ لگانا، سبزے کی طرف نظر کرنا اور لباس کو پاک صاف رکھنا چار چیزیں آنکھوں کو سست کرتی ہیں گندگی کی طرف دیکھنا، سُولی چڑھائے گئے شخص کو دیکھنا عورت کی شرمگاہ کو دیکھنا اور قبلہ کی طرف پیٹھ کر کے بیٹھنا چار چیزیں مقوی باہ ہیں چڑیا کھانا، اطریفل اکبر کا کھانا، پستہ کھانا اور ترہ تیزک (پانی میں پیدا ہونے والی سبزی) کھانا۔

سونے کے چار طریقے ہیں گدّی پر (پیٹھ کے بل) سونا یہ انبیاء کرام کا سونا ہے۔

وہ آسمانوں اور زمین کی تخلیق میں غور و فکر کرتے تھے دائیں پہلو پر سونا یہ علماء اور عبادت گزار لوگوں کا طریقہ ہے، بائیں پہلو پر سونا اور یہ بادشاہوں کا سونا ہے کہ کھانا ہضم ہو، اور چہرے کے بل سونا، یہ شیطانوں کا طریقہ ہے۔

چار چیزیں عقل کو بڑھاتی ہیں۔ فضول گفتگو نہ کرنا، مسواک کرنا، اولیاء کرام اور علماء کی مجلس اختیار کرنا۔

چار چیزیں عبادت سے ہیں ــــ وضو کے بغیر کوئی قدم نہ اٹھانا، زیادہ سجدے کرنا، مساجد سے تعلق زیادہ رکھنا، قرآن پاک کی تلاوت زیادہ کرنا وہ مزید فرماتے ہیں کہ مجھے اس شخص پر تعجب ہے جو نہار منہ حمام میں جا کر غسل کرے پھر وہاں سے نکلنے کے بعد دیر سے کھانا کھائے تو وہ مرتا کیوں نہیں۔ اور مجھے اس بات پر بھی تعجب ہے کہ ایک شخص سینگی لگوانے (خون نکلوانے) کے بعد جلدی کھانا کھائے اور اس کی موت واقع نہ ہو۔

آپ نے فرمایا کہ میں نے وباء (بیماری) میں بنفشہ کا تیل ملنے اور اسے پینے سے زیادہ نفع بخش کوئی چیز نہیں دیکھی۔ واللہ اعلم بالصواب۔

ــــــــ ٥ ــــــــ

(۱) صحیح مسلم جلد ۲ ص ۵ ۱۷ کتاب الاشربۃ

آدابِ نکاح کا بیان

ہر قسم کی حمد و ستائش اللہ تعالیٰ کے لیے ہے جس کی مصنوعاتِ عجیبہ تک وھموں کے تیر راہ نہیں پاتے اور عقل اس کے عجائبِ قدرت کے شروع سے ہی یوں لوٹتی ہے کہ اس کا ادراک ختم ہو چکا ہوتا ہے اور وہ حیران رہ جاتی ہے۔ اس کی نعمتوں سے بھرپور مہربانیاں تمام جہانوں پر مسلسل ہوتی ہیں۔ وہ چاہیں یا نہ بہر حال اس کی نعمتوں سے مسلسل متمتع ہوتے رہتے ہیں اور اس کی عجیب و غریب مہربانیوں میں سے ایک یہ ہے کہ اس نے پانی سے انسان کو پیدا کیا اور اس کو نسبت اور سسرالی رشتے والا بنایا۔ مخلوق پر خواہشات کو مسلط کیا جس کے ذریعے انہیں نکاح پر مجبور کر دیا اور اس کے ذریعے ان کی نسل کو زبردستی باقی رکھا پھر نسبوں کے معاملے کو عظمت عطا کر کے اس کو قدر و منزلت والا بنایا اس کے سبب سے زنا کو حرام کیا، اس کی شدید مذمت فرمائی۔ اور اس کے ارتکاب کو بہت بڑا جرم قرار دیا نکاح کی ترغیب دی اور اسے مستحب قرار دیا وہ ذات پاک ہے جس نے اپنے بندوں پر موت کو لازم کر دیا اور اس کے ذریعے ان کی توڑ پھوڑ کر کے ان کے غرور کو ختم کر دیا۔

پھر ارحام کی زمینوں میں نطفوں کا بیج پھیلا دیا اور اس سے مخلوق کو پیدا کیا اور پھر موت کے ذریعے اسے معدوم کیا یہ اس بات پر آگاہی ہے کہ تمام جہانوں کو نفع و نقصان تاخیر و شر تنگی و آسانی، روکنا اور جاری کرنا سب کچھ تقدیرات کے سمندروں سے آتا ہے۔

اور رحمت و سلام حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر ہو جنہیں ڈرانے اور خوشخبری سنانے کے لیے مبعوث فرمایا اور آپ کے اہل و اصحاب پر اس قدر رحمت ہو جو حساب و کتاب اور گنتی میں نہیں آسکتا نیز بہت زیادہ سلام ہو۔ حمد و صلوٰۃ کے بعد۔ نکاح دین پر مدد کرتا ہے شیطان کو رسوا کرتا اور اللہ تعالیٰ کے دشمن سے بچنے کے لیے ایک مضبوط قلعہ ہے۔ اور اس چیز کو بڑھانے کا سبب ہے جس کے باعث سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم تمام انبیاء کرام پر فخر فرمائیں گے لہٰذا اس کے اسباب میں غور و فکر کرنا، اس کے سنن و آداب کا تحفظ کرنا، اس کے مقاصد کو یاد کرنا زیادہ مناسب ہے پس اس کے احکام سے ضروری باتیں تین بابوں میں بیان کی جائیں گی۔

پہلا باب: نکاح کرنے اور اس سے اعراض کی ترغیب

دوسرا باب: عقد اور عاقدین سے متعلق جو آداب ملحوظ رہتے ہیں ان کا بیان۔

تیسرا باب: عقد کے بعد سے جدائی تک کے آدابِ معاشرت۔

پہلا باب

نکاح کرنے اور اس سے بچنے کی ترغیب

نکاح کی فضیلت کے بارے میں علماء کا اختلاف ہے بعض لوگوں نے اس سلسلے میں مبالغہ کرتے ہوئے اسے عبادت کے لیے گوشہ نشینی سے بہتر قرار دیا جب کہ دوسرے حضرات نے اس کی فضیلت کا اعتراف تو کیا لیکن عبادت کے لئے گوشہ نشینی کو اس پر مقدم قرار دیا جب کہ نفس کو اس قدر شوق نہ ہو جس سے حال خراب ہو جاتے اور وہ جماع کی دعوت دے کچھ دوسرے حضرات نے فرمایا کہ ہمارے اس زمانے میں اسے چھوڑ دینا افضل ہے۔ البتہ پہلے دور میں اس کی فضیلت تھی کیوں کہ اس وقت لوگوں کی کمائی حرام نہیں تھی اور عورتوں کے اخلاق بھی برے نہ تھے۔

اس سلسلے میں حق بات کو واضح کرنے کے لیے اس کی ترغیب اور اس سے رُکنے کے بارے میں احادیث و آثار کو پہلے ذکر کرنا ہوگا۔ پھر ہم نکاح کے فوائد اور اس کی خرابیوں کی وضاحت کریں گے تاکہ ہر وہ شخص جو اس کی خرابیوں سے محفوظ ہو اس کے حق میں نکاح کی فضیلت اور جو بچ نہ سکے اس کے حق میں ترک کی فضیلت ظاہر ہو۔

نکاح کی ترغیب

آیات کریمہ:

ارشاد خداوندی ہے:

وَاَنْكِحُوا الْاَيَامٰى مِنْكُمْ (۱) — غیر شادی شدہ لڑکیوں کی شادی کردو۔

یہ امر کا صیغہ ہے۔

اور ارشاد خداوندی ہے:

فَلَا تَعْضُلُوْهُنَّ اَنْ يَّنْكِحْنَ اَزْوَاجَهُنَّ۔ (۲) — اور ان (عورتوں) کو اپنے خاوندوں سے نکاح کرنے سے نہ روکو۔

---

(۱) قرآن مجید، سورۂ نور آیت ۳۲

(۲) قرآن مجید، سورۂ نور آیت ۲۳۲

اور یہ روکنے سے ممانعت ہے۔

رسل عظام کی تعریف و توصیف میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلًا مِّنْ قَبْلِكَ وَجَعَلْنَا لَهُمْ اَزْوَاجًا وَّذُرِّيَّةً ۔ (۱)

اور بے شک ہم نے آپ سے پہلے کئی رسول بھیجے اور ہم نے ان کے لیے بیویاں اور اولاد بنائی۔

تو یہ بات احسان جتانے اور اظہارِ فضل کے طور پر ارشاد فرمائی اور اولیاء کرام نے جب اس بات کا سوال کیا تو اس پر ان کی تعریف فرمائی ارشاد خداوندی ہے۔

وَالَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا هَبْ لَنَا مِنْ اَزْوَاجِنَا وَذُرِّيّٰتِنَا قُرَّةَ اَعْيُنٍ ۔ (۲)

اور وہ لوگ جو کہتے ہیں اے ہمارے رب! ہمیں ہماری بیویوں اور ہماری اولاد سے آنکھوں کی ٹھنڈک عطا فرما۔

اور کہا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب (قرآن مجید) میں انہی انبیاء کرام کا ذکر فرمایا جو اہل و عیال والے تھے اور فرماتے ہیں کہ حضرت یحییٰ علیہ السلام نے شادی کی تھی لیکن جماع نہیں کیا کہا گیا کہ انہوں نے یہ شادی فضیلت کے حصول اور اس طریقے کو جاری رکھنے کے طور پر کی تھی اور یہ بھی کہا گیا کہ آنکھیں پست رکھنے کے لیے یہ شادی کی تھی، اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام جب زمین پر اتریں گے تو شادی کریں گے اور ان کی اولاد ہوگی۔

احادیث مبارکہ:

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اَلنِّكَاحُ سُنَّتِيْ فَمَنْ رَغِبَ عَنْ سُنَّتِيْ فَقَدْ رَغِبَ عَنِّيْ (۳)

نکاح میرا طریقہ ہے پس جس نے میرے طریقے سے اعراض کیا اس نے مجھ سے منہ پھیرا۔

اور آپ نے فرمایا:

اَلنِّكَاحُ سُنَّتِيْ فَمَنْ اَحَبَّ فِطْرَتِيْ فَلْيَسْتَنَّ بِسُنَّتِيْ ۔ (۴)

نکاح میری سنت ہے پس جو شخص فطرت (اسلام) سے محبت کرتا ہے وہ میری سنت کو اپنائے۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

---

(۱) قرآن مجید، سورۂ رعد آیت ۳۸

(۲) قرآن مجید، سورۂ فرقان آیت ۷۴

(۳) سنن ابن ماجہ ص ۱۳۴ ابواب النکاح

(۴) مسند ابو یعلیٰ جلد ۳ ص ۱۷۳ حدیث ۲۷۴۰

تَنَاكَحُوْا تَكْثُرُوْا فَاِنِّيْ اُبَاهِيْ بِكُمُ الْاُمَمَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ حَتّٰى بِالسِّقْطِ۔ (۱)

نکاح کرو اور زیادہ ہو جاؤ پس بے شک میں قیامت کے دن تمہارے سبب دوسری امتوں پر فخر کروں گا، حتیٰ کہ اس بچے پر بھی جو ناتمام پیدا ہوا۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

جس نے میری سنت سے منہ پھیرا اس کا مجھ سے کوئی تعلق نہیں اور بے شک میری سنّت سے نکاح ہے پس جو آدمی مجھ سے محبت کرتا ہے وہ میرے سنت کو اختیار کرے (۲)

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

مَنْ تَرَكَ التَّزْوِيْجَ مَخَافَةَ الْعَيْلَةِ فَلَيْسَ مِنَّا (۳)

جو شخص محتاجی کے ڈر سے نکاح کرنا ترک کر دے وہ ہم میں سے نہیں ہے۔

اس حدیث میں نکاح سے رُکنے کی وجہ کی مذمت فرمائی ہے نکاح چھوڑنے کی مذمت نہیں فرمائی۔

آپ نے ارشاد فرمایا:

مَنْ كَانَ ذَا طَوْلٍ فَلْيَتَزَوَّجْ (۴)

جو شخص مالدار ہو اسے نکاح کر لینا چاہیئے۔

اور آپ نے ارشاد فرمایا:

تم میں سے جو شخص جماع کی طاقت رکھتا ہو وہ نکاح کرے یہ آنکھوں کو زیادہ پست کرنے والا اور شرمگاہ کی زیادہ حفاظت کرنے والا ہے اور جو طاقت نہ رکھتا ہو وہ روزہ رکھے اس کے لیے روزہ خصی ہونے کے مترادف ہے (۵)

تو یہ حدیث اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ اس میں ترغیب کا سبب آنکھ اور شرمگاہ کے خراب ہونے کا خوف ہے حدیث میں فرمایا گیا کہ روزہ اس کے لیے "وجاء" ہے اور وجاء کا معنیٰ نر جانور کے خصیوں کو کوٹ دینا ہے تاکہ اس کے نر ہونے کی صلاحیت ختم ہو جائے یہاں روزے کی صورت میں جماع سے کمزوری مراد ہے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

---

(۱) مصنف عبدالرزاق جلد ۶ ص ۱۷۳ حدیث ۱۰۳۹۱

(۲) مسلم شریف جلد اول ص ۴۴۹ باب استحباب النکاح، حدیث کا بعض حصہ مسند ابی یعلیٰ میں ہے حوالہ پیچھے گزر چکا ہے۔

(۳) کنزالعمال جلد ۱۶ ص ۲۷۹ حدیث ۴۴۴۶۰

(۴) سنن ابن ماجہ ص ۱۳۴ ابواب النکاح

(۵) صحیح مسلم جلد اول ص ۴۴۹ کتاب النکاح

جب تمہارے پاس ایسے لوگ آئیں جن کے دین اور امانتداری کو تم پسند کرتے ہو تو (اپنی بیٹیوں کا) ان سے نکاح کردو اگر ایسا نہیں کرو گے تو زمین میں فساد اور بہت بڑا فتنہ ہو گا۔ (۱)

تو اس میں بھی علتِ ترغیب، خوفِ فساد ہے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

جو شخص اللہ تعالیٰ کے لیے نکاح کرے وہ اللہ تعالیٰ کی ولایت کا مستحق ہو جاتا ہے (۲)

اور آپ نے ارشاد فرمایا:

جس نے نکاح کیا اس نے اپنے دین کا نصف بچا لیا اب اسے دوسرے نصف کے بارے میں اللہ تعالیٰ سے ڈرنا چاہیے۔ (۳)

یہ بھی اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ اس کی فضیلت کا باعث، مخالفت سے بچنا اور فساد سے محفوظ ہونا ہے کیونکہ تمام طور انسان کے دین کو اس کی شرمگاہ اور پیٹ خراب کرتا ہے اب نکاح کرنے سے ان میں سے ایک سے کفایت ہو گئی۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

كُلُّ عَمَلِ ابْنِ اٰدَمَ يَنْقَطِعُ اِلَّا ثَلَاثٌ وَلَدٌ صَالِحٌ يَدْعُوْ لَهٗ۔ (۴)

انسان کا ہر عمل (مرنے کے بعد) منقطع ہو جاتا ہے مگر تین عمل باقی رہتے ہیں ان میں سے ایک نیک اولاد ہے جو اس کے لیے دعا مانگتی ہے۔

اور اس بات تک رسائی، نکاح کے ذریعے ہی ہو سکتی ہے۔

آثار:

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے فرمایا نکاح سے دو ہی باتیں روکتی ہیں ایک عاجز ہونا اور دوسرا گناہ ـــــ تو آپ نے بتایا کہ اس میں دینی رکاوٹ نہیں اور آپ نے اس رکاوٹ کو دو بری باتوں میں بند کر دیا۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا۔ عابد کی عبادت اس وقت تک مکمل نہیں ہوتی جب تک وہ نکاح نہ کرے

---

(۱) جامع ترمذی ص ۱۷۵ ابواب النکاح

(۲) مسند امام احمد بن حنبل جلد ۳ ص ۴۳۸ مرویات معاذ بن انس

(۳) العلل المتناہیۃ جلد ۲ ص ۶۱۳ حدیث ۱۰۰۵

(۴) صحیح مسلم جلد ۲ ص ۴۱ کتاب الوصیۃ

تو اس میں اس بات کا احتمال ہے کہ آپ نے اسے عبادت بلکہ عبادت کی تکمیل قرار دیا لیکن ظاہراً آپ کی مراد یہ ہے کہ غلبۂ شہوت کی وجہ سے پیدا ہونے والی خرابی سے اس کا دل نکاح کے ذریعے ہی محفوظ رہ سکتا ہے اور عبادت بھی تب ہی پوری ہوتی ہے جب دل (دوسرے امور سے) فارغ ہو، اسی لیے آپ اپنے غلاموں حضرت عکرمہ اور کریب اور دوسروں کو جب وہ بالغ ہو جاتے تو جمع کر کے فرماتے اگر تم نکاح کرنا چاہو تو میں تمہارا نکاح کر دوں، کیوں کہ بندہ جب زنا کرتا ہے تو اس کے دل سے ایمان نکل جاتا ہے۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے اگر میری عمر سے صرف دس دن بھی باقی رہ جائیں تو میں نکاح کر لوں کیونکہ میں غیر شادی شدہ ہونے کی صورت میں اللہ تعالیٰ سے ملاقات کرنا پسند نہیں کرتا حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کی دو بیویاں طاعون سے انتقال کر گئیں اور آپ کو بھی طاعون ہو گیا تھا آپ نے فرمایا میرا نکاح کر دو میں اللہ تعالیٰ سے مجرد ہونے کی صورت میں ملنا پسند نہیں کرتا تو ان دونوں حضرات کا یہ ارشاد اس بات کی دلیل ہے کہ وہ نکاح میں فضیلت سمجھتے تھے۔ صرف شہوات نفسانیہ بچنا ہی مقصود نہ تھا۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ زیادہ نکاح کرتے تھے اور فرماتے تھے کہ میں اولاد کے حصول کے لیے نکاح کرتا ہوں۔

ایک صحابی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت کیا کرتے تھے اور رات کو بھی آپ کے پاس رہتے تھے کہ شاید کوئی ضرورت پڑ جائے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا کیا تم نکاح نہیں کرتے؟ انہوں عرض کیا یا رسول اللہ! میں محتاج ہوں میرے پاس کچھ نہیں نیز اس طرح میں آپ کی خدمت سے علیحدہ ہو جاؤں گا آپ خاموش رہے دوبارہ سوال کیا انہوں نے وہی جواب دیا پھر ان صحابی نے غور و فکر کیا اور دل میں کہا! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس بات کو زیادہ بہتر جانتے ہیں جو میری دنیا اور آخرت کو بہتر بنا دے اور مجھے اللہ تعالیٰ کے قریب کر دے اگر آپ نے تیسری مرتبہ پوچھا تو میں ضرور یہی بات کہوں گا۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے تیسری بار پوچھا کیا تم نکاح نہیں کرتے؟ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! میرا نکاح کر دیجئے آپ نے فرمایا فلاں قبیلے والوں کے پاس جاؤ اور کہو کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے تمہیں حکم دیا کہ اپنی لڑکی کا نکاح مجھ سے کر دو فرماتے ہیں میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! میرے پاس کچھ نہیں اس پر آپ نے صحابہ کرام سے فرمایا اپنے بھائی کے لیے ایک گٹھلی کے برابر سونا جمع کرو۔ چنانچہ انہوں نے جمع کیا اور ان لوگوں کے پاس لے گئے تو انہوں نے ان سے نکاح کر دیا پھر آپ نے فرمایا ولیمہ کرو، تو صحابہ کرام نے ان کے ولیمہ کے لیے بکری کا اہتمام کیا۔ (۱)

تو یہ بار بار سوال کرنا نفسِ نکاح کی فضیلت کی دلیل ہے اور اس بات کا بھی احتمال ہے کہ آپ نے ان میں

---

(۱) المستدرک للحاکم جلد ۲ ص ۱۷۲، ۳ ۱۷ کتاب النکاح

نکاح کی حاجت محسوس فرمائی ہو۔

حکایات میں ہے کہ پہلی امتوں میں ایک شخص عبادت میں اپنے زمانے کے لوگوں پر فوقیت لے گیا تو اس زمانے کے نبی کے سامنے اس شخص کی عبادت کا ذکر کیا گیا انہوں نے فرمایا وہ اچھا آدمی ہوتا اگر اس نے ایک سنت کو نہ چھوڑا ہوتا اس عابد نے جب یہ بات سنی تو غمگین ہو گیا اور نبی علیہ السلام سے استفسار کیا انہوں نے فرمایا تو نے نکاح کو ترک کیا ہے اس نے کہا میں اسے حرام نہیں سمجھتا لیکن میں فقیر ہوں۔ اور میرا خرچ بھی دوسروں کے ذمہ ہے انہوں نے فرمایا میں اپنی بیٹی کا نکاح تجھ سے کرتا ہوں چنانچہ انہوں نے اپنی بیٹی اس کے نکاح میں دے دی۔

حضرت بشر بن حارث رحمہ اللہ فرماتے ہیں، حضرت امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کو مجھ پر تین وجہ سے فضیلت حاصل ہے ایک یہ وہ اپنے لیے بھی اور دوسروں کے لیے بھی طلب حلال میں رہتے ہیں اور میں صرف اپنے لیے تلاش کرتا ہوں۔ دوسرا یہ کہ انہیں نکاح کی گنجائش ہے مجھے اس بات کی تنگی ہے، تیسرا یہ کہ وہ عوام کے لیے امام ہیں کہا جاتا کہ حضرت امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ نے اپنے بیٹے حضرت عبداللہ رحمہ اللہ کی والدہ کی وفات کے دوسرے دن نکاح کر لیا۔ اور فرمایا مجھے حالتِ تجرد میں رات گزرنا اچھا معلوم نہیں ہوتا۔

اور حضرتِ بشر رحمہ اللہ کا معاملہ یوں ہے کہ جب ان سے کہا گیا لوگ آپ کے بارے میں باتیں کرتے ہیں کہ آپ نے ترکِ نکاح کیا ہے اور وہ کہتے ہیں کہ آپ تارکِ سنت ہیں تو انہوں نے فرمایا ان سے کہہ دیجئے کہ وہ سنت کے مقابلے میں فرض میں مشغول ہے ایک اور مرتبہ جب ان پر اعتراض کیا گیا تو انہوں نے فرمایا مجھے نکاح سے سوائے اس آیت کے کوئی چیز رکاوٹ نہیں ہے۔

ارشاد خداوندی ہے:

وَلَهُنَّ مِثْلُ الَّذِي عَلَيْهِنَّ بِالْمَعْرُوفِ۔ (۱)	اور ان عورتوں کے لیے اسی کی مثل ہے جو ان کے ذمہ ہے۔

جب حضرت امام احمد رحمہ اللہ سے یہ بات ذکر کی گئی تو انہوں نے فرمایا حضرت بشر جیسا آدمی کہاں؛ وہ بھالے کی نوک پر بیٹھے ہیں اس کے باوجود منقول ہے کہ مرنے کے بعد ان کو خواب میں دیکھا گیا اور پوچھا گیا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کے ساتھ کیا سلوک کیا؟ انہوں نے فرمایا جنت میں میری منازل کو بلند کیا گیا اور مجھے انبیاء کرام کے مقامات تک پہنچا دیا گیا لیکن میں نکاح کرنے والوں کے درجے تک نہ پہنچ سکا۔

ایک روایت میں ہے کہ انہوں نے فرمایا مجھے کہا گیا ہمیں یہ پسند نہ تھا کہ تم غیر شادی شدہ حالت میں ہم سے ملو گے۔

---

(۱) قرآن مجید، سورۂ بقرہ آیت ۲۲۸

راوی کہتے ہیں میں نے پوچھا ابو نصر تمار کا کیا حال ہے؟ تو انہوں نے فرمایا انہیں مجھ سے ستر درجے بلند کیا گیا ہم نے کہا کیوں؟ حالانکہ ہم آپ کو ان سے بلند دیکھتے تھے، تو انہوں نے فرمایا اس لیے کہ انہوں نے اپنی بیٹیوں اور خاندان پر صبر کیا۔

حضرت سفیان بن عیینہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں بیویوں کی کثرت دینا نہیں ہے کیوں کہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ صحابہ کرام میں سے سب سے زیادہ زاہد تھے لیکن آپ کی چار بیویاں اور ستر لونڈیاں تھیں۔ پس نکاح قدیم سنت اور انبیاء کرام کی سیرتوں میں سے ہے ایک شخص نے حضرت ابراہیم ادھم رحمہ اللہ سے کہا آپ کو مبارک ہو آپ نے نکاح نہ کر کے عبادت کے لیے فراغت حاصل کر لی انہوں نے فرمایا اولاد کی موجودگی میں تمہاری ایک حالت میری تمام حالتوں سے بہتر ہے پوچھا پھر آپ کو نکاح میں کیا رکاوٹ ہے انہوں نے فرمایا مجھے کسی عورت کی حاجت نہیں اور میں کسی عورت کو اپنی جانب سے دھوکہ دوں کہا گیا کہ اہل وعیال والے کو مجرد پر اسی طرح فضیلت حاصل ہے جیسے مجاہد کو گھر میں بیٹھ جانے والے پر فضیلت ہے اور شادی شدہ کی ایک رکعت، مجرد کی ستر رکعتوں سے افضل ہے۔

نکاح سے اعراض کرنا

نکاح سے کنارہ کشی اختیار کرنے کے سلسلے میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا دو سو برسوں کے بعد لوگوں میں بہتر وہ شخص ہو گا جو ہلکی پیٹھ والا ہوں۔ جس کے بیوی بچے نہیں ہوں گے (۱)

اور آپ نے ارشاد فرمایا:

لوگوں پر ایسا زمانہ آئے گا کہ آدمی کی ہلاکت اس کی بیوی، ماں باپ اور اولاد کے باعث ہوگی وہ اسے مفلسی کی عار دلائیں گے اور اسے ایسے کام کی تکلیف دیں گے جو اس کے بس سے باہر ہو گا اور اس طرح وہ ایسے راستوں پر چل پڑے گا جس کے باعث اس کا دین چلا جائے گا اور وہ ہلاک ہو جائے گا۔ (۲)

ایک روایت میں ہے کہ اولاد کی قلت دو مالداریوں میں سے ایک ہے اور ان کا زیادہ ہونا دو محتاجیوں میں سے ایک ہے۔ (۳)

حضرت ابو سلیمان دارانی سے نکاح کے بارے میں پوچھا گیا تو انہوں نے فرمایا عورتوں سے صبر کر لینا، ان کی حرکات

---

(۱) شعب الایمان جلد ۷، ص ۲۹۲ حدیث ۱۰۳۵۰

(۲) حلیۃ الاولیاء جلد اول ص ۲۵، مقدمہ

(۳) الدر المنثور جلد ۴ ص ۱۷۹ تحت آیت ولا تجعل یدك مغلولة

پر صبر کرنے سے بہتر ہے اور ان کی بدسلوکی پر صبر کرنا آگ پر صبر کرنے سے بہتر ہے۔
انہوں نے یہ بھی فرمایا کہ مجرد آدمی کو عمل کی حلاوت اور دل کی فراغت اس قدر حاصل ہوتی ہے جو اہل و عیال والے کو حاصل نہیں ہوتی۔
ایک مرتبہ انہوں نے فرمایا کہ ہم نے اپنے ساتھیوں میں سے کسی کو نہیں دیکھا کہ وہ شادی کرنے کے بعد اپنے پہلے مرتبہ پر رہا ہو۔ انہوں نے یہ بھی فرمایا کہ تین کام ایسے ہیں کہ جو شخص ان کو طلب کرتا ہے وہ دنیا کی طرف مائل ہو جاتا ہے معاش طلب کرنا، کسی عورت سے نکاح کی خواہش رکھنا اور حدیث لکھنا حضرت حسن رحمہ اللہ فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ جب کسی بندے سے بھلائی کا ارادہ فرماتا ہے تو اسے اہل و مال میں مشغول نہیں کرتا۔
ابن ابی حواری فرماتے ہیں ایک جماعت نے اس بات پر مناظرہ کیا تو ان کی رائے اس بات پر ٹھہری کہ اس کا معنیٰ یہ نہیں کہ اس کے پاس یہ چیزیں نہ ہوں بلکہ مطلب یہ ہے کہ یہ چیزیں ہوں لیکن وہ اسے اللہ تعالیٰ سے غافل نہ کریں اور یہ حضرت ابو سلیمان دارانی رحمہ اللہ کے قول کی طرف اشارہ ہے انہوں نے فرمایا تیرے اہل، مال اور اولاد تجھے خدا سے غافل رکھیں تو یہ تیرے لیے نحوست کا باعث ہیں۔
خلاصۂ کلام یہ ہے کہ نکاح سے اعراض کی ترغیب مطلقاً نہیں ہے جن حضرات سے بھی منقول ہے کچھ شرائط سے مشروط ہے۔ لیکن نکاح کرنے کی ترغیب مطلقاً بھی ہے اور شرائط سے مشروط بھی، پس ہم نکاح کی آفات اور فوائد کو ذکر کر کے اس کی تشریح کرتے ہیں۔

نکاح کے فوائد

نکاح کے پانچ فائدے ہیں:
(۱) اولاد (۲) شہوت کا خاتمہ (۳) گھر کی دیکھ بھال (۴) قبیلے کا بڑھنا (۵) عورتوں کے ساتھ رہنے کے ذریعے مجاہدۂ نفس۔

پہلا فائدہ:

یعنی اولاد کا حصول، یہ بنیادی فائدہ ہے اسی مقصد کے لیے نکاح رکھا گیا ہے یعنی نسل کو باقی رکھا جائے اور یہ کائنات انسانیت سے خالی نہ رہے اور شہوت تو اس کا ایک متحرک باعث ہے کہ مرد کی پیٹھ سے بیج نکال کر عورت کے رحم میں ڈالا جاتا ہے تو یہ اولاد کے حصول کی ایک تدبیر ہے جیسے جانور کو جال میں پھنسانے کے لیے اس میں دانے پھیلا دیئے جاتے ہیں۔
اللہ تعالیٰ کی ازلی قدرت اس بات سے قاصر نہیں تھی کہ انسان کو نکاح اور جماع کے بغیر پیدا کر دیا جاتا لیکن حکمت کا تقاضا تھا کہ اسباب اور مسبب میں ترتیب ہو حالانکہ اس کی حاجت نہ تھی لیکن اس نے اپنی قدرت کو ظاہر کرنے

اور عجائب صنعت کو پورا کرنے کے لیے اس طرح کیا نیز اپنی اس مشیت کو ثابت کیا جو پہلے لکھی جا چکی تھی اور اس کے ساتھ قلم چل چکا تھا اور اولاد کے حصول میں چار طرح کی عبادت ہے جب وہ شہوت کے شبہات سے امن میں ہوحتی کہ اسلاف میں سے کوئی بھی اللہ تعالیٰ سے حالت تجرد میں ملاقات کو پسند نہیں کرتا تھا پہلی بات اولاد کے حصول کی کوشش کر کے اللہ تعالیٰ کی محبت حاصل کرنا ہے کیوں کہ اس طرح جنس انسانیت باقی رہتی ہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ اس سے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت حاصل ہوتی ہے کیونکہ آپ قیامت کے دن امت کی کثرت کے باعث دوسروں پر فخر فرمائیں گے تیسری صورت یہ ہے کہ نیک اولاد اس کے مرنے کے بعد دعا کے ذریعے اس کے لیے برکت کا سبب بنتی ہے اور چوتھی بات یہ ہے کہ جب بچہ چھوٹی عمر میں مر جائے تو وہ ماں باپ کی شفارش کرے گا۔

جہاں تک پہلی وجہ کا تعلق ہے تو وہ عام لوگوں کی سمجھ سے بالاتر ہے اور بہت باریک ہے لیکن جو لوگ اصحاب بصیرت ہیں اللہ تعالیٰ کی صنعتوں اور اس کی حکمتوں کے مقامات کو دیکھتے ہیں ان کے نزدیک زیادہ درست اور زیادہ مضبوط ہے۔ اس کا بیان یہ ہے کہ جب مالک اپنے غلام کو بیج اور کھیتی باڑی کے آلات دیتا ہے اور اس کے لیے قابل کاشت زمین مہیا کرتا ہے اور غلام کھیتی باڑی پر قادر بھی ہوتا ہے اور مالک اس پر ایک اور شخص کو مقرر کر دے جو اس سے اس بات کا تقاضا کرتا رہے تو اس صورت میں اگر وہ غلام سستی کرے اور کھیتی کے آلات کو بیکار چھوڑ دے بیج کو کو ضائع ہونے کے لیے چھوڑ دے حتی کہ وہ خراب ہو جائے اور اس نگران کو حیلے بہانوں سے ٹال دے تو اپنے مالک کی طرف سے عذاب اور سزا کا مستحق ہو گا ــــ تو اللہ تعالیٰ نے میاں بیوی کو پیدا کیا مرد کو آلہ تناسل اور خصیے عطا کئے اس کی پیٹھ میں نطفہ پیدا کر کے خصیتین میں اس کے راستے بنائے عورت میں رحم پیدا کر کے اسے نطفہ کا ٹھکانہ بنایا پھر عورت اور مرد دونوں پر شہوت کے تقاضوں کو مسلط کیا تو یہ افعال اور آلات، فصیح زبان سے اپنے خالق کی مراد کو ظاہر کرتے ہیں اور عقلمند لوگوں کو بتاتے ہیں کہ ہمیں کس مقصد کے لیے پیدا کیا گیا یہ بھی اس صورت میں ہے جب اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان پر اس مقصد کو ظاہر نہ کیا لیکن آپ نے اپنے ارشاد گرامی کے ذریعے اس بات کو واضح کر دیا اور پوشیدہ بات کو ظاہر فرما دیا۔

آپ نے فرمایا:

تَنَاكَحُوا تَنَاسَلُوا (۱) نکاح کرو اور اس طرح نسل کو بڑھاؤ۔

تو جو شخص نکاح سے منہ پھیرتا ہے وہ اس کھیتی سے اعراض کرتا ہے اور بیج کو ضائع کر رہا ہے اور اللہ تعالیٰ نے جو

---

(۱) احکام القرآن للقرطبی جلد ۵ ص ۳۹۱ تحت آیت ولا تعضلوھن

آلات بنائے ہیں ان کو بے کار چھوڑتا ہے فطرت کے اس مقصود اور حکمت کی خلاف ورزی کرتا ہے جو شواہد سے سمجھے جاتے ہیں اور ان اعضاء پر خطِ الٰہی سے لکھے ہوئے ہیں حروف اور آواز سے ان کا کوئی تعلق نہیں اور ہر وہ شخص جسے ربانی بصیرت حاصل ہے جس کے ذریعے وہ حکمت ازلیہ کے دقائق کا ادراک کرسکتا ہے وہ اسے پڑھ سکتا ہے اسی لیے شریعت نے اولاد کے قتل اور انہیں زندہ درگور کرنے کو بڑا جرم قرار دیا کیونکہ یہ وجود کی تکمیل میں رکاوٹ ہے اور جس نے کہا کہ عزل (۱) زندہ درگور کرنے کی ہی ایک صورت ہے اس نے اسی بات کی طرف اشارہ کیا تو نکاح کرنے والا اس چیز کو مکمل کرنے کی کوشش کرتا ہے جسے پورا کرنا اللہ تعالیٰ کو پسند ہے اور اس سے اعراض کرنے والا اس چیز کو بیکار چھوڑتا اور ضائع کرتا ہے جسے ضائع کرنا اللہ تعالیٰ کو ناپسند ہے اور چونکہ اللہ تعالیٰ کو انسانی بقا پسند ہے اس لیے اس نے کھانا کھلانے کا حکم دیا اور اس کی ترغیب دی اور اسے قرض سے تعبیر کیا ارشاد خداوندی ہے

مَنْ ذَا الَّذِيْ يُقْرِضُ اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا (۲) کون شخص ہے جو اللہ تعالیٰ کو اچھا قرض دے۔

سوال: تمہارا یہ کہنا کہ نسل اور نفس کا باقی رہنا پسندیدہ ہے اس سے وہم ہوتا ہے کہ اس کا فنا ہونا اللہ تعالیٰ کو پسند نہیں ہے اور اللہ تعالیٰ کی طرف نسبت کرتے ہوئے موت وحیات میں یہی فرق ہے اور یہ بھی معلوم ہے کہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کی مشیت سے ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ تمام جہانوں سے بے نیاز ہے تو اس کے ہاں ان کی موت ان کی زندگی سے کس طرح ممتاز ہوتی ہے یا ان کا باقی رہنا ان کی موت سے کس طرح ممتاز ہوگا۔

جواب: یہ بات ٹھیک ہے لیکن اس سے باطل معنیٰ مراد لیا گیا ہے کیوں کہ جو کچھ ہم نے ذکر کیا وہ اس بات کے خلاف نہیں کہ تمام کائنات کو اللہ تعالیٰ کے ارادے کی طرف منسوب کیا جائے وہ خیر ہو یا شر، نفع ہو یا نقصان البتہ محبت اور کراہت دو متضاد چیزیں ہیں لیکن دونوں ارادے کے خلاف نہیں ہیں بعض اوقات مراد مکروہ ہوتی ہے اور بعض اوقات محبوب، گناہ مکروہ ہیں لیکن اس کراہت کے باوجود مراد ہوتے ہیں اور عبادات بھی مراد ہوتی ہیں اور اس کے ساتھ ساتھ وہ محبوب اور باعثِ رضا ہوتی ہیں لیکن کفر اور شر کے بارے میں ہم نہیں کہہ سکتے کہ وہ پسندیدہ اور محبوب ہے بلکہ وہ صرف مراد ہوتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشادِ گرامی ہے:

وَلَا يَرْضٰى لِعِبَادِهِ الْكُفْرَ (۱) اور اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے لیے کفر کو پسند نہیں کرتا۔

---

(۱) جماع کرتے وقت جب انزال کا وقت ہو تو بیوی سے الگ ہو جانا عزل ہے۔

(۲) قرآن مجید، سورۂ بقرہ آیت ۲۴۵

(۳) قرآن مجید سورۂ زمر آیت ۷

تو فنا کو اللہ تعالیٰ کی پسندیدگی اور ناپسندیدگی کی طرف منسوب کرتے ہوئے کیسے بقا کی طرح قرار دیا جائے اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے (حدیث شریف میں ہے)

"مجھے کسی کام میں اس قدر تردد نہیں ہوتا جیسے مجھے اپنے مسلمان بندے کی رُوح قبض کرنے میں ہوتا ہے وہ موت کو ناپسند کرتا ہے اور میں اس کی برائی کو ناپسند کرتا ہوں لیکن اس کے لیے موت ضروری ہے،، (۱)

تو اس کا یہ قول کہ اس کے لیے موت ضروری ہے اس ارادے اور تقدیر کی سیفت کی طرف اشارہ ہے جو اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد گرامی میں مذکور ہے۔

نَحْنُ قَدَّرْنَا بَيْنَكُمُ الْمَوْتَ (۲) ہم نے تمہارے درمیان موت کو مقدر کر دیا۔

اور ارشاد خداوندی ہے:

اَلَّذِیْ خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَيٰوةَ (۳) وہی ذات ہے جس نے موت اور زندگی کو پیدا فرمایا۔

تو اللہ تعالیٰ کے اس قول کہ ہم نے ان کے درمیان موت کو مقدر فرمایا اور اس قول کہ مجھے اس کی برائی ناپسند ہے، کے درمیان کوئی فرق نہیں لیکن امرِ حق کو واضح کرنے کے لیے ارادہ، محبت اور کراہت کے معنیٰ کی تحقیق ضروری ہے کیونکہ عام طور پر ذہنوں میں یہی بات آتی ہے کہ اللہ تعالیٰ کا ارادہ، محبت اور کراہت مخلوق کے ارادہ، محبت اور کراہت کی طرح ہے حالانکہ اللہ تعالیٰ کی صفات اور مخلوق کی صفات میں اتنی دُوری ہے جتنی اس کی ذات اقدس اور ان کی ذاتوں کے درمیان ہے مخلوق کے وجود جوہر اور عرض ہوتے ہیں جب کہ اللہ تعالیٰ کی ذات اس سے پاک ہے اور جو ذات جوہر اور عرض ہونے سے پاک ہو وہ اس کے مشابہ کیسے ہوگی جو جوہر یا عرض ہے اسی طرح اس کی صفات بھی مخلوق کی صفات جیسی نہیں ہیں یہ حقائق علم مکاشفہ میں داخل ہیں۔ اور اس کے پیچھے تقدیر کا وہ راز ہے جسے ظاہر کرنے سے منع کیا گیا اس لیے ہم اس کے ذکر سے رُک جاتے ہیں اور جو کچھ ہم نے نکاح کرنے اور اس سے رُکنے کے درمیان فرق بیان کیا ہے اسی پر اکتفا کرتے ہیں ان میں سے ایک اس نسل کو ضائع کرتا ہے جسے اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام سے نسلاً بعد نسلٍ اس شخص تک پہنچایا تو نکاح سے رُکنے والا اس نسل کو کھو رہا ہے جو آدم علیہ السلام سے اس تک موجود تھی تو یہ شخص بے اولاد مرنا چاہتا ہے اگر نکاح کا باعث محض شہوت کی تکمیل ہوتی تو حضرت معاذ رضی اللہ عنہ طاعون کی حالت میں یہ بات نہ فرماتے کہ میرا نکاح کر دو میں حالتِ تجرد میں اللہ تعالیٰ سے ملنا نہیں چاہتا۔

---

(۱) صحیح بخاری جلد ۲ ص ۹۶۳ کتاب الرقاق

(۲) قرآن مجید، سورۂ واقعہ آیت ۶۰

(۳) قرآن مجید سورۂ ملک آیت ۲

سوال:۔ اس وقت حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کو اولاد کی توقع نہ تھی تو ان کی رغبت کی کیا وجہ تھی؟

جواب: میں کہتا ہوں اولاد جماع کے ذریعے حاصل ہوتی ہے اور جماع، شہوت کی وجہ سے ہوتا ہے اور یہ معاملہ اختیار میں نہیں ہوتا بندے کے اختیار میں شہوت محرکہ کو لانا ہے اور اس کی توقع ہر حال میں ہوتی ہے تو جس نے نکاح کیا اس نے اپنی ذمہ داری کو پورا کر دیا اور اپنے فائدے کا کام کیا باقی اس کے اختیار سے خارج ہے اسی لیے عنین (نامرد) کے لیے بھی نکاح کرنا مستحب ہے کیونکہ شہوت کی صلاحیتیں پوشیدہ ہیں ان پر اطلاع نہیں ہو سکتی حتیٰ کہ جس شخص کے خصیے کاٹ دیئے گئے اور اس سے اولاد کی توقع نہیں ہوتی اس کے حق میں بھی یہ استحباب منقطع نہیں ہوتا جیسے دوسروں کی اقتداء میں (حج کے موقعہ پر) گنجے کے لیے بھی سر پر استرا پھیرنا مستحب ہے کہ وہ سلف صالحین سے مشابہت اختیار کرے اور جس طرح آج بھی حج کے موقعہ پر طواف میں اکڑ کر چلنا اور چادر کا اضطباع کرنا (دائیں کاندھے کے نیچے سے لے جا کر بائیں کاندھے پر ڈالنا) پسندیدہ ہے حالانکہ شروع شروع میں اس کا مقصد کفار کے سامنے مسلمانوں کی بہادری کا اظہار تھا تو بعد والوں کے حق میں ان لوگوں سے مشابہت سنت قرار پائی جنہوں نے اس شجاعت کا اظہار کیا تھا۔

تو جماع پر قادر شخص کے لیے نکاح کرنا جس انداز میں مستحب ہے اس کے مقابلے میں اس کے حق میں یہ استحباب کمزور ہے اور بعض اوقات یہ استحباب اور بھی کمزور ہو جاتا ہے جب اس سے عورت کو بیکار چھوڑنا اور ضائع کرنا ہو یعنی اس سے مقصد حاصل نہ کر سکے یہ ایک قسم کی خطرناک بات ہے تو اس معنی کے اعتبار سے لوگ شہوت کی کمی کے باعث نکاح کرنا چھوڑ دیتے ہیں اور اس سے شدت سے انکار کرتے ہیں۔

دوسری وجہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت اور رضا کے حصول کی کوشش کرنا ہے کیوں کہ اس کے ذریعے وہ چیز زیادہ ہوتی ہے جس کے باعث سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم فخر فرمائیں گے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بات کو وضاحت سے بیان فرمایا ہے۔ اور اولاد کی رعایت کو پیش نظر رکھنے پر یہ روایت اجمالی طور پر دلالت کرتی ہے کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ بہت زیادہ نکاح کرتے تھے اور فرماتے تھے کہ میں اولاد کے لیے نکاح کرتا ہوں اور وہ جو بانجھ عورت کی خرابی کے بارے میں روایات آئی ہیں۔

سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

لَحَصِيْرٌ فِيْ نَاحِيَةِ الْبَيْتِ خَيْرٌ مِّنِ امْرَأَةٍ لَا تَلِدُ (۱)

گھر کے کونے میں ایک چٹائی اس عورت سے بہتر ہے جو اولاد نہیں جنتی۔

---

(۱)

اور آپ نے فرمایا:

خَيْرُ نِسَائِكُمُ الوَلُودُ الوَدُودُ۔ (۱)

تمہاری عورتوں میں سے بہترین عورت وہ ہے جو زیادہ بچے جنتی اور زیادتی محبت کرتی ہے۔

اور آپ نے ارشاد فرمایا:

سَوْدَاءُ وَلُودٌ خَيْرٌ مِنْ حَسْنَاءَ لَا تَلِدُ۔ (۲)

بچے جننے والی سیاہ رنگ کی عورت نہ جننے والی خوبصورت عورت سے بہتر ہے۔

یہ اس بات پر دلالت ہے کہ شہوت کے جوش کو دور کرنے کی نسبت طلب اولاد، فضیلتِ نکاح کا زیادہ باعث ہے کیوں کہ خوبصورت عورت کی وجہ سے حفاظت ہوجاتی ہے، آنکھیں جھک جاتی ہیں اور شہوت ختم ہوجاتی ہے۔

تیسری وجہ یہ ہے کہ اس کے بعد نیک اولاد باقی رہے جو اس کے لیے دعا مانگے۔ جیسے حدیث میں آیا ہے۔ کہ انسان کے تمام اعمال (مرنے کے بعد) منقطع ہوجاتے ہیں البتہ تین عمل باقی رہتے ہیں تو آپ نے نیک اولاد کا ذکر فرمایا۔

ایک حدیث شریف میں ہے۔

اِنَّ الْاَدْعِيَةَ تُعْرَضُ عَلَى الْمَوْتٰى عَلٰى اَطْبَاقٍ مِنْ نُوْرٍ (۳)

مرنے والوں کے سامنے دعائیں نور کے تھالوں میں رکھ کر پیش کی جاتی ہیں۔ (۴)

کسی شخص کا یہ قول کہ بعض اوقات اولاد نیک نہیں ہوتی کوئی معنیٰ نہیں رکھتا کیوں کہ وہ مومن ہے اور دیندار آدمی کی اولاد عام طور پر نیک ہوتی ہے بالخصوص جب وہ اس کی تربیت کا عزم کرے اور اس کو نیک کاموں کی ترغیب دے بہرحال مومن کی دعا ماں باپ کے حق میں مفید ہوتی ہے چاہے اولاد نیک ہو یا بری۔ اسے اور نیکیوں کا ثواب ملتا ہے کیوں کہ یہ بھی اس کی ایک کمائی ہے اور کوئی بھی شخص دوسرے کی برائیوں میں نہیں پکڑا جاتا ہے کیونکہ کوئی بوجھ اٹھانے والا دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھائے گا۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا۔

اَلْحَقْنَا بِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ وَمَا اَلَتْنٰهُمْ

ہم نے ان کی اولاد کو ان کے ساتھ ملا دیا اور ہم نے ان

---

(۱) کنز العمال جلد ۱۶ ص ۲۹۷ حدیث ۴۴۵۶۹

(۲) مجمع الزوائد جلد ۴ ص ۲۵۸ کتاب النکاح

(۳)

(۴) معلوم ہوا کہ فوت شدہ کو دعاؤں کا ثواب پہنچنا مطلقاً جائز ہے اور میت کو دوسروں کی دعاؤں سے فائدہ پہنچتا ہے وہ اس کی اولاد ہو یا کوئی اور (اتحاف جلد ۵ ص ۲۹۸)

مِنْ عَمَلِهِمْ مِنْ شَيْءٍ (۱) کے عمل سے کچھ بھی کم نہیں کیا۔

یعنی ہم نے ان کے اعمال سے کچھ کم نہیں کیا بلکہ ان کی نیکیوں میں ان کی اولاد کا اضافہ کیا۔

چوتھی وجہ یہ ہے کہ اگر اولاد پہلے فوت ہو جائے تو وہ ماں باپ کی سفارشی ہوگی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے آپ نے ارشاد فرمایا۔

(قیامت کے دن) بچہ اپنے ماں باپ کو کھینچ کر جنت میں لے جائے گا (۲)

بعض روایات میں ہے آپ نے (راوی سے) فرمایا کہ جس طرح اس وقت میں تمہارا کپڑا پکڑ رہا ہوں اس طرح وہ اس (والد) کے کپڑے کو پکڑے گا۔ (۳)

آپ نے یہ بھی فرمایا کہ بچے سے کہا جائے گا جنت میں داخل ہو تو وہ جنت کے دروازے پر کھڑا ہو جائے گا اور وہ غصے میں بھرا ہوا ہوگا اور کہے گا کہ جب تک میرے ماں باپ میرے ساتھ نہیں ہوں گے میں جنت میں داخل نہیں ہوں گا۔ تو کہا جائے گا اس کے ماں باپ کو بھی اس کے ساتھ جنت میں داخل کر دو (۴)

ایک دوسری روایت میں ہے۔ کہ قیامت کے دن بچے ایک جگہ پر جمع ہوں گے جب مخلوق کو حساب کے لیے پیش کیا جائے گا تو فرشتوں سے کہا جائے ان کو جنت میں لے جاؤ تو وہ جنت کے دروازے پر کھڑے ہو جائیں گے ان سے کہا جائے گا اے مسلمانوں کی اولاد تمہیں خوش آمدید ہو، داخل ہو جاؤ تم پر کوئی حساب نہیں وہ کہیں گے ہمارے باپ اور ہماری مائیں کہاں ہیں؟ فرشتے کہیں گے کہ تمہارے باپ اور تمہاری مائیں تمہاری طرح نہیں ہیں وہ گناہ گار اور خطا کار تھے ان کا حساب ہوگا اور ان سے مطالبہ ہوگا آپ نے فرمایا اس پر وہ جنت کے دروازوں پر زور زور سے چیخیں گے۔ اللہ تعالیٰ پوچھے گا حالانکہ وہ ان کے بارے میں زیادہ جانتا ہے کہ یہ کس قسم کی چیخ ہے؟ وہ جواب دیں گے اے ہمارے رب! یہ مسلمانوں کے بچے ہیں کہتے ہیں ہم اپنے والدین کے بغیر جنت میں نہیں جائیں گے اللہ تعالیٰ فرمائے گا اس جماعت کے اندر جاؤ اور ان کے والدین کے ہاتھ پکڑ کر ان کو بھی جنت میں داخل کر دو۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"جس آدمی کے دو بچے (بچپن میں) فوت ہو جائیں تو اس کے لیے جہنم سے ایک آڑ (دیوار) بن جائے گی۔ (۵)

---

(۱) قرآن مجید، سورۂ طور آیت ۲۱

(۲) سنن ابن ماجہ ص ۱۱۶ ابواب ماجاء فی الجنائز (۳)

(۴) مجمع الزوائد جلد ۴ ص ۲۵۸ کتاب النکاح

(۵) صحیح مسلم جلد ۲ ص ۳۳۱ کتاب البر والصلۃ

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا :

مَنْ مَاتَ لَہٗ ثَلَاثَۃٌ لَمْ یَبْلُغُوا الْحِنْثَ اَدْخَلَہُ اللّٰہُ الْجَنَّۃَ بِفَضْلِ رَحْمَتِہٖ اِیَّاھُمْ قِیْلَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ وَاثْنَانِ قَالَ وَاثْنَانِ (۱)

جس آدمی کے تین بچے بالغ ہونے سے پہلے فوت ہو جائیں اللہ تعالیٰ اپنی رحمت کے فضل سے جوان پر فرمائے گا، اسے جنت میں داخل کرے گا عرض کیا گیا یا رسول اللہ! اگر دو ہوں تو بھی؟ فرمایا (ہاں) دو ہوں تو بھی۔

منقول ہے کہ ایک نیک شخص کو نکاح کے لیے کہا جاتا رہا لیکن ایک عرصہ تک وہ انکار کرتے رہے ایک دن وہ نیند سے بیدار ہوئے تو کہنے لگے میرا نکاح کردو میرا نکاح کردو، چنانچہ انہوں نے ان کا نکاح کر دیا ان سے اس بارے میں پوچھا گیا تو کہنے لگے شاید اللہ تعالیٰ مجھے کوئی بچہ عطا فرمائے اور پھر اس کی روح قبض کرلے۔ تو وہ آخرت میں مجھے آگے لے جانے والا ہو پھر فرمایا میں نے خواب میں دیکھا کہ گویا قیامت قائم ہوگئی ہے اور میں میدان حشر میں لوگوں کے درمیان ہوں اور مجھے اس قدر پیاس لگی ہوئی ہے کہ قریب ہے میری گردن کٹ جائے۔

اسی طرح باقی سب لوگ بھی سخت پیاس اور تکلیف میں مبتلا ہیں ہم اسی حالت میں تھے کہ کچھ بچے صفوں کو چیرتے ہوئے آئے ان پر نور کے رومال ہیں اور ان کے ہاتھوں میں چاندی کے کٹورے اور سونے کے کوزے ہیں وہ باری باری سب کو پلا رہے ہیں اور صفوں کو چیرتے ہوئے بڑھ رہے ہیں اور کئی لوگوں کو چھوڑتے ہوئے جا رہے ہیں میں نے ان میں سے ایک کی طرف ہاتھ بڑھایا اور کہا کہ مجھے پلاؤ مجھے پیاس نے تنگ کر رکھا ہے اس نے کہا ہم میں آپ کا کوئی لڑکا نہیں ہے ہم تو صرف اپنے باپوں کو پلا رہے ہیں میں نے پوچھا تم کون ہو؟ تو انہوں نے کہا ہم مسلمانوں کے فوت شدہ بچے ہیں۔

قرآن پاک کی درج ذیل آیت کریمہ کا ایک مطلب یہی ہے کہ بچوں کو آخرت کی طرف بھیجنا۔

فَاْتُوْا حَرْثَکُمْ اَنّٰی شِئْتُمْ وَقَدِّمُوْا لِاَنْفُسِکُمْ (۲)

اپنی کھیتوں میں جیسے چاہو آؤ اور اپنے نفسوں کے لئے آگے بھیجو۔

ان (مذکورہ بالا) چار وجوہ سے ظاہر ہوا کہ نکاح کی فضیلت کا زیادہ باعث یہ ہے کہ یہ اولاد کا سبب ہے۔

دوسرا فائدہ :

شیطان سے محفوظ رہنا خواہشات کو ختم کرنا شہوت کی ہلاکتوں کو دور کرنا، نگاہوں کو پست کرنا اور شرمگاہ کی

---

(۱) صحیح مسلم جلد ۲ ص ۳۳۰ کتاب البر والصلۃ

(۲) قرآن مجید، سورۂ بقرہ آیت ۲۲۳

حفاظت کرنا ہے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد گرامی میں اسی بات کی طرف اشارہ ہے۔
آپ نے فرمایا:

مَنْ نَكَحَ فَقَدْ حَصَّنَ نِصْفَ دِيْنِهٖ فَلْيَتَّقِ اللّٰهَ فِي الشَّطْرِ الْآخَرِ (۱)

جس نے نکاح کیا اس نے اپنے نصف دین کو محفوظ کر لیا تو اب اسے دوسرے نصف کے بارے میں اللہ تعالیٰ سے ڈرنا چاہیئے۔

٭ ٭ ٭

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد گرامی میں بھی اسی بات کی طرف اشارہ ہے۔

عَلَيْكُمْ بِالْبَاءَةِ فَمَنْ لَّمْ يَسْتَطِعْ فَعَلَيْهِ بِالصَّوْمِ فَاِنَّ الصَّوْمَ لَهٗ وِجَاءٌ۔ (۲)

تم پر (نکاح کے ذریعے) شہوت کو پورا کرنا لازم ہے اور جسے طاقت نہ ہو وہ روزہ رکھے بے شک روزہ شہوت کو کچل دیتا ہے۔

ہم نے جتنے آثار و روایات نقل کی ہیں وہ سب اسی بات کی طرف اشارہ کرتی ہیں اور یہ فائدہ، پہلے فائدے سے کم ہے کیوں کہ شہوت، اولاد کے تقاضا کے لیے رکھی گئی ہے تو اس میں مشغولیت کے لیے نکاح کافی ہے جو اسے اس کے شر سے بچاتا ہے اور جو آدمی اپنے مولا کی رضا جوئی کے لیے اس کے حکم کو مانتا ہے وہ اور وہ شخص جو اس مقرر شدہ بات کی آفت سے چھٹکارا چاہتا ہے دونوں برابر نہیں ہیں شہوت اور اولاد دونوں تقدیر کا فیصلہ ہیں اور ان کے درمیان ایک ربط و تعلق ہے اور یہ کہنا جائز نہیں کہ مقصود تو لذت ہے اور اولاد اس کو لازم ہے جیسے کھانے سے حاجت کی تکمیل لازم ہے لیکن وہ ذاتی طور پر مقصود نہیں ہے، بلکہ فطرت و حکمت کی بنیاد پر اولاد ہی مقصود ہے اور شہوت اس کا باعث ہے۔

اور شہوت میں اولاد کی طرف لے جانے کے علاوہ بھی ایک حکمت ہے یعنی اس کو پورا کرنے میں وہ لذت ہے کہ اگر یہ دائمی ہو تو کوئی لذت اس کے مساوی نہیں ہو سکتی یہ لذت ان لذتوں کی خبر دیتی ہے جن کا جنت میں وعدہ کیا گیا ہے کیوں کہ جس لذت کا ذائقہ معلوم نہ ہو اس کی ترغیب نفع بخش نہیں ہوتی اگر نامرد کو جماع کی لذت اور بچے کو حکومت و سلطنت کی لذت کی ترغیب دی جائے تو یہ بے فائدہ ہے اور دنیوی لذتوں کا ایک فائدہ یہ ہے کہ اس سے جنت میں اس کے دوام کی رغبت پیدا ہوتی ہے اور وہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کا باعث ہے۔

تو اللہ تعالیٰ کی حکمت اور رحمت کو دیکھو کہ کس طرح اس نے ایک شہوت کے تحت دو زندگیاں رکھی ہیں ایک ظاہری

---

(۱) العلل المتناہیۃ جلد ۲ ص ۱۲۲ حدیث ۱۰۰۵

(۲) صحیح مسلم جلد اول ص ۴۴۹ کتاب النکاح

زندگی اور دوسری باطنی زندگی ـــــ ظاہری زندگی کی صورت یہ ہے کہ بقائے نسل سے انسان زندہ رہتا ہے کیوں کہ یہ وجود کے دائمی ہونے کی ایک قسم ہے اور باطنی زندگی سے اخروی زندگی مراد ہے۔

پس یہ ناقص لذت جو جلدی ختم ہو جاتی ہے لذّتِ کاملہ کو حرکت دیتی ہے جو دائمی ہے پس اسے عبادت کی انگیخت ہوتی ہے جو اس دائمی لذت تک پہنچاتی ہے اور اس شدید رغبت کے باعث بندے کے لیے اس عمل پہ دوام آسان ہو جاتا ہے جو جنتی نعمتوں تک پہنچاتا ہے اور انسانی بدن میں ظاہری اور باطنی طور پر کوئی ایسا ذرہ نہیں بلکہ آسمانوں اور زمین کی بادشاہی میں کوئی ایسا ذرہ نہیں مگر اس کے تحت حکمت کی لطیف اور عجیب باتیں ہیں جن سے عقل بھی دنگ رہ جاتی ہے لیکن یہ حکمتیں پاک دلوں پر اس انداز سے منکشف ہوتی ہیں جس قدر وہ دل صاف ہوتے ہیں اور جس قدر وہ دنیا کی چہل پہل، اس کے دھوکے اور فریب سے منہ پھیرنے والے ہوتے ہیں۔

(خلاصہ یہ کہ) اس شخص کے لیے جو عاجز اور نامرد نہ ہو، شہوت کے جوش کو ختم کرنے کے باعث نکاح ایک اہم دینی امر ہے اور اس قسم کے لوگوں کی اکثریت ہے کیونکہ جب شہوت غالب ہوتی ہے اور اس کو روکنے کے لیے تقویٰ کی قوت حاصل نہیں ہوتی تو وہ برائیوں کے ارتکاب کی موجب بنتی ہے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس آیت کے ذریعے اسی بات کی طرف اشارہ فرمایا ہے۔

إِلَّا تَفْعَلُوهُ تَكُنْ فِتْنَةٌ فِي الْأَرْضِ وَفَسَادٌ كَبِيرٌ (۱)

اگر تم ایسا نہیں کرو گے تو زمین میں فتنہ اور بہت بڑا فساد ہو گا۔

اور اگر اسے تقویٰ کی لگام دی جائے تو اس کا نتیجہ یہ ہو گا کہ اعضاء شہوت کی بات قبول کرنے سے انکار کر دیں گے۔ پس وہ آنکھ کو جھکائے گا اور شرمگاہ کی حفاظت کرے گا جہاں تک وسوسوں اور تفکرات سے دل کی حفاظت کا تعلق ہے تو وہ اس کے اختیار میں نہیں ہے بلکہ اس کا نفس مسلسل اسے ان امور جماع کی طرف کھینچے گا اور اسی کی باتیں کرے گا اور جو شیطان وسوسے ڈالتا ہے وہ اکثر اوقات اس میں کوتاہی نہیں کرے گا بلکہ اسے بعض اوقات یہ معاملہ نماز میں بھی پیش آئے گا حتیٰ کہ اس کے دل میں جماع سے متعلق ایسے ایسے خیالات آتے ہیں کہ اگر وہ انہیں نہایت ادنیٰ شخص کے سامنے ظاہر کرے تو وہ بھی اس سے حیا کرے اور اللہ تعالیٰ دل پر مطلع ہے اور اللہ تعالیٰ کے حق میں دل اسی طرح ہے جس طرح مخلوق کے حق میں زبان ہوتی ہے اور آخرت کے راستے پر چلنے ہوئے مرید کے لیے، اصل چیز اس کا دل ہے اور ہمیشہ روزہ رکھنا اکثر لوگوں کے دلوں سے وسوسوں کو ختم نہیں کرتا البتہ یہ کہ اس کا بدن کمزور ہو جائے اور مزاج بگڑ جائے اسی لیے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ عابد کی عبادت نکاح ہی سے پوری ہوتی ہے۔

---

(۱) قرآن مجید، سورۂ انفال آیت ۷۳۔

اور یہ (غلبۂ شہوت) ایک عام ابتلا ہے بہت کم لوگ اس سے محفوظ ہیں حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ اس آیت کے ضمن میں فرماتے ہیں کہ اس آیت سے جوش شہوت مراد ہے۔

وَلَا تُحَمِّلْنَا مَالَا طَاقَةَ لَنَا (۱) اور ہم سے وہ بوجھ نہ اٹھوانا جس کی ہمیں طاقت نہیں۔

حضرت عکرمہ اور حضرت مجاہد رحمہما اللہ اس آیت میں مذکور ضعف سے عورتوں سے صبر نہ کر سکنا مراد لیتے ہیں۔

ارشاد خداوندی ہے:

خُلِقَ الْاِنْسَانُ ضَعِيْفًا (۲) انسان کو کمزور پیدا کیا گیا۔

حضرت فیاض بن نجیح فرماتے ہیں جب انسان کا عضو مخصوص انتشار کی حالت میں ہو تو اس کی عقل کا دو تہائی چلا جاتا ہے۔ اور ان (بزرگوں) میں سے بعض نے فرمایا کہ اس کے دین کا تہائی حصہ چلا جاتا ہے نوادر التفسیر میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے وہ فرماتے ہیں۔

وَمِنْ شَرِّ غَاسِقٍ اِذَا وَقَبَ - (۳) اور اندھیری ڈالنے کے شر سے جب وہ ڈوبے۔

سے آلہ تناسل کا کھڑا ہونا مراد ہے۔ غرضیکہ یہ وہ غالب آنے والی آزمائش ہے کہ عقل اور دین اس کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔ اس کے باوجود کہ یہ دو زندگیوں کا باعث ہے، یہ انسان پر شیطان کا سب سے مضبوط ہتھیار ہے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اس ارشاد گرامی میں اسی بات کی طرف اشارہ کیا ہے۔

مَارَاَيْتُ مِنْ نَاقِصَاتِ عَقْلٍ وَدِيْنٍ اَغْلَبَ لِذَوِي الْاَلْبَابِ مِنْكُنَّ۔ (۴) (اے عورتو!) میں نے عقل و دین کے اعتبار سے تم سے بڑھ کر کسی کو ناقص نہیں دیکھا جو عقلمندوں پر غالب آجائے۔

اور یہ بات شہوت کے ہیجان کے باعث ہوتی ہے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یوں دعا مانگی۔

اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَعُوْذُبِكَ مِنْ شَرِّ سَمْعِيْ وَبَصَرِيْ وَقَلْبِيْ وَشَرِّ مَنِيِّيْ (۵) یا اللہ میں اپنے کانوں آنکھوں اور دل کے شر سے نیز مادہ منویہ کے شر سے تیری پناہ چاہتا ہوں۔

---

(۱) قرآن مجید، سورۂ بقرہ آیت ۲۸۶

(۲) قرآن مجید، سورۂ نساء آیت ۲۸

(۳) قرآن مجید، سورۂ علق آیت ۳

(۴) صحیح مسلم جلد اوّل ص ۴۴ کتاب الحیض

۵ مسند امام احمد بن حنبل جلد ۳ ص ۲۹ ۴ مرویات

اور آپ نے یوں دعا مانگی۔

اَسْئَالُكَ اَنْ تُطَهِّرَ قَلْبِيْ وَتَحْفَظَ فَرْجِيْ۔ یا اللہ! میں تجھ سے سوال کرتا ہوں کہ میرے دل کو پاک کر دے اور میری شرمگاہ کی حفاظت فرما۔ (۱)

تو جس چیز سے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم پناہ مانگیں دوسروں کے لیے اس سے سستی برتنا کیسے جائز ہو گا ـــــ بعض صوفیاء کرام کثرت سے نکاح کرتے تھے حتیٰ کہ دو یا تین بیویوں سے خالی نہیں رہتے تھے اس پر بعض صوفیاء نے اعتراض کیا تو انہوں نے جواباً پوچھا کیا تم میں سے کوئی ایسا ہے جو اللہ تعالیٰ کے سامنے ایک نشست بیٹھا یا کچھ دیر اس کے حضور کھڑا ہوا ہو اور اس دوران اس کے دل پر شہوت کا گزرا ہوا ہو انہوں نے کہا ہمارے ساتھ اکثر یہ معاملہ ہوتا ہے انہوں نے فرمایا ایک وقت میں جو تمہاری حالت ہوتی ہے اگر میں زندگی بھر اس پر راضی رہتا تو نکاح نہ کرتا لیکن میرے دل میں جب کوئی خیال گزرتا ہے جو مجھے میرے حال سے پھیر دے تو میں اسے پورا کر کے راحت حاصل کرتا ہوں اور اپنے کام میں مصروف ہو جاتا ہوں اور چالیس سال سے میرے دل میں گناہ کا خیال بھی نہیں آیا۔ کسی شخص نے صوفیاء کرام کے حال پر اعتراض کیا تو ایک دین دار شخص نے اسے جواب دیتے ہوئے پوچھا تمہیں ان کی کس بات پر اعتراض ہے؟ اس نے کہا وہ زیادہ کھاتے ہیں اس نے کہا اگر ان جیسی بھوک تمہیں بھی لگے تو تم بھی ان کی طرح کھانے لگو گے۔

اس نے کہا وہ نکاح زیادہ کرتے ہیں اس نے جواب دیا اگر تم بھی ان کی طرح اپنی آنکھوں اور شرمگاہ کی حفاظت کرو تو ان کی طرح تم بھی نکاح کرو گے۔

حضرت جنید بغدادی رحمہ اللہ فرمایا کرتے تھے کہ میں جماع کی ضرورت اسی طرح محسوس کرتا ہوں جس طرح رزق کی ضرورت محسوس کرتا ہوں تو درحقیقت بیوی ایک رزق اور قلبی طہارت کا سبب ہے یہی وجہ ہے کہ جس شخص کی نظر کسی عورت پر پڑے اور اس کے نفس کو اس کا شوق ہو تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ وہ اپنی بیوی سے جماع کرے (۲) کیوں کہ اس کے ذریعے دل سے وسوسے ختم ہو جاتے ہیں۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک عورت کو دیکھا تو حضرت زینب رضی اللہ عنہا کے پاس تشریف لے گئے اور اپنی حاجت کو پورا کر کے باہر تشریف لائے۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا عورت جب سامنے آتی ہے تو شیطان کی صورت میں آتی ہے پس جب تم میں سے کوئی شخص کسی عورت کو دیکھ کر پسند کرے تو اپنی بیوی کے پاس آجائے کیونکہ اس کے پاس بھی وہی

---

(۱)

(۲) مسند امام احمد بن حنبل جلد ۴ ص ۲۳۱ مرویات ابو کبشہ انماری

کچھ ہے جو اس کے پاس ہے۔ (۱)

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ان عورتوں کے پاس نہ جاؤ جن کے خاوند موجود نہ ہوں کیوں کہ شیطان تم میں سے ایک میں خون کی طرح گردش کرتا ہے (صحابی فرماتے ہیں) ہم نے عرض کیا آپ کے ساتھ بھی یہی معاملہ ہے؛ فرمایا مجھ سے بھی، لیکن اللہ تعالیٰ نے اس پر میری مدد کی پس میں محفوظ ہوگیا (۲)

حضرت سفیان بن عیینہ فرماتے ہیں اُسْلِمُ کا یہی مطلب یہ ہے کہ میں اس سے محفوظ ہو گیا۔

فرماتے ہیں اس کا یہی مفہوم ہے کیوں کہ شیطان اسلام نہیں لاتا۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما جو زاہد اور عالم صحابہ کرام میں شامل تھے، ان کے بارے میں منقول ہے کہ وہ کھانا کھانے سے پہلے جماع کے ذریعے روزہ افطار کرتے تھے اور بعض اوقات مغرب کی نماز پڑھنے سے پہلے جماع کرتے پھر غسل کر کے نماز پڑھتے۔ اس کا مقصد یہ تھا کہ عبادتِ خداوندی کے لیے دل فارغ ہو جائے۔ اور شیطان کا حصہ چلا جائے اور ایک روایت میں ہے کہ انہوں نے رمضان المبارک میں نمازِ عشاء سے پہلے تین لونڈیوں سے جماع کیا۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں اس امت کا بہتر انسان وہ ہے جس کی بیویاں زیادہ ہیں (۳) (اس سے سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم مراد ہیں) جب اہل عرب کے مزاج پر شہوت کا غلبہ ہوتا تھا تو ان میں سے زیادہ پرہیزگار لوگ نکاح بھی زیادہ کرتے تھے اور دل کی فراغت کے لیے ہی زنا کے خوف کے وقت لونڈی سے نکاح کو جائز قرار دیا گیا ہے۔ حالانکہ اس سے نکاح کی صورت میں بچے کو غلام بنانا ہے اور یہ اسے ایک قسم کی ہلاکت میں ڈالنا ہے۔ اور جو شخص آزاد عورت سے نکاح پر قادر ہو اس کے لیے لونڈی سے نکاح حرام ہے لیکن دین کو تباہ کرنے کی نسبت بچے کو غلام بنانا آسان ہے۔ کیوں کہ اس میں بچے کی زندگی کو ایک عرصہ کے لیے بدمزہ کرنا ہے جب کہ بے حیائی کے ارتکاب میں اُخروی زندگی کو ختم کرنا ہے جس کے ایک دن کے مقابلے میں دنیا کی بڑی بڑی عمریں ہیچ ہیں۔

ایک روایت میں ہے کہ ایک دن حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی مجلس سے لوگ واپس لوٹ گئے لیکن ایک نوجوان

---

(۱) جامع ترمذی ص ۱۸۷ ابواب الرضاع

(۲) جامع ترمذی ص ۱۸۸ ابواب الرضاع

(۳) صحیح بخاری جلد ۲ ص ۷۵۸ کتاب النکاح

(۴) یہ حضرت امام شافعی رحمہ اللہ کا مسلک ہے احناف کے نزدیک آزاد عورت سے نکاح کی طاقت کے باوجود لونڈی سے نکاح کرنا جائز ہے اگرچہ آج کل لونڈیاں نہیں ہیں ۱۲ ہزاروی

وہاں ٹھہرا رہا واپس نہ گیا۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے پوچھا نہیں کوئی کام ہے؟ اس نے کہا جی ہاں میں آپ سے ایک مسئلہ پوچھنا چاہتا ہوں لیکن مجھے لوگوں سے حیا آتی تھی اور اب مجھے آپ سے ڈر لگتا ہے اور آپ کی ہیبت رکاوٹ ہے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا عالم، باپ کی طرح ہوتا ہے لہذا جو بات تم اپنے والد سے کہہ سکتے ہو مجھ سے کہہ دو، اس نے کہا میں جوان آدمی ہوں اور میری بیوی نہیں ہے اور بعض اوقات مجھے اپنے اوپر زنا کا ڈر ہوتا ہے اور کبھی میں مشت زنی کر لیتا ہوں تو اس میں گناہ ہے؟ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے رُخ پھیر لیا اور فرمایا افسوس، اس کی نسبت لونڈی سے نکاح کر لینا بہتر ہے اور وہ زنا سے بہتر ہے تو یہ اس بات پر تنبیہ ہے کہ غیر شادی شدہ آدمی کو تین خرابیوں میں سے ایک کو اپنانا پڑتا ہے کہ لونڈی سے نکاح کرنا اور اس صورت میں بچے کو غلام بنانا ہے اس سے زیادہ سخت مشت زنی ہے اور اس سے بھی زیادہ سخت زنا ہے (۱)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے ان میں سے کسی بات کی مطلقاً اجازت نہیں دی کیونکہ ان دونوں سے سخت بات میں مبتلا ہونے کے ڈر سے ان کو اپنانے کی اجازت نہیں ہے، جیسے نفس کی ہلاکت کے باعث انسان مردار کھا لیتا ہے تو دو برائیوں سے آسان برائی کو اپنانے کی مطلقاً اجازت نہیں پایہ کہ وہ مطلقاً بہتر ہے بلکہ اضطرار کے وقت اس کو اختیار کرنے کی اجازت ہے۔ جس طرح جلے ہوئے ہاتھ کو کاٹنا مطلقاً اچھا کام نہیں اگرچہ نفس کی ہلاکت کا خطرہ ہو تو اس کی اجازت ہے۔

غرضیکہ نکاح کرنے میں بہت فضیلت ہے لیکن یہ سب لوگوں کے لیے نہیں بلکہ اکثر حضرات کے لیے ہے۔ بعض اوقات بڑھاپے یا بیماری یا کسی اور وجہ سے کسی شخص کی شہوت کم ہوتی ہے تو اس کے حق میں یہ باعث فضیلت نہیں ہوگا البتہ اولاد کی توقع اس کے لیے بھی باقی ہے کیونکہ یہ عام ہے سوائے نامردوں کے، اور یہ (نامردی) نادر ہے بعض طبیعتوں پر شہوت اس قدر غالب ہوتی ہے کہ ایک عورت ان کی حفاظت نہیں کر سکتی تو ایسے لوگوں کے لیے ایک سے زیادہ یعنی چار تک عورتوں کی اجازت ہے، اگر اللہ تعالیٰ کے لیے محبت اور رحمت آسان کر دے اور دل اس کا دل ان سے مطمئن ہو جائے ورنہ تبدیلی مستحب ہے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے حضرت خاتون جنت فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا کے وصال کے سات دن بعد نکاح کر لیا تھا۔

---

(۱) حضرت امام غزالی رحمہ اللہ کے قول کا مطلب یہ ہے کہ اس صورت میں کم از کم خرابی یعنی لونڈی سے نکاح کے راستے پر چلے یہ مطلب نہیں کہ باقی امور اس کے لیے جائز ہو جائیں گے آج کل لونڈیوں کا سلسلہ نہیں ہے لہذا اب اس کا علاج روزہ رکھنا ہے مشت زنی یا زنا کی اجازت نہیں ہے ۱۲ ہزاروی

کہا جاتا ہے کہ حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہما بہت زیادہ نکاح کرنے والے تھے حتیٰ کہ انہوں نے ایک سو سے زائد عورتوں سے نکاح کیا بعض اوقات آپ ایک وقت میں چار عورتوں سے نکاح کرتے اور بعض اوقات ایک ہی وقت میں چار عورتوں کو طلاق دیتے اور ان کی جگہ دوسری عورتوں کو لے آتے۔ اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حسن رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ آپ سیرت اور صورت میں مجھ سے مشابہ ہیں۔ (۱)

اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشادِ گرامی ہے "حضرت حسین مجھ سے ہیں اور حضرت حسین، حضرت علی المرتضیٰ سے ہیں (رضی اللہ عنہم) (۲)

کہا گیا کہ ان کا زیادہ نکاح کرنا رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت سے مشابہت کی ایک صورت ہے۔ حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ نے "اسی" عورتوں سے نکاح کیا اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے بعض کی تین اور بعض کی چار بیویاں ہوتی تھیں جب کہ دو بیویوں والے تو بے شمار تھے اور جب سبب معلوم ہو جائے تو بیماری کی مقدار کے مطابق علاج کیا جائے مقصد تو نفس کو ٹھہرانا ہے تو کثرت اور قلت کے سلسلے میں اسی بات کو پیش نظر رکھا جائے۔

تیسرا فائدہ:

نکاح کا تیسرا فائدہ یہ ہے کہ بیوی کی ہمنشینی، اس کی طرف دیکھنے اور اس سے کھیل کود کے ذریعے نفس کو راحت اور اُنس حاصل ہوتا ہے اور یہ بات دل کے آرام اور عبادت پر اس کی تقویت کا باعث ہے کیونکہ نفس پریشان ہو جاتا ہے اور حق سے بھاگتا ہے کیونکہ یہ اس کی طبیعت کے خلاف ہوتا ہے اگر اسے اس کے مخالف کام پر بجبر واکراہ مداومت کا حکم دیا جائے تو وہ انکار کر دے گا اور سرکشی کرے گا اور اگر اسے کبھی کبھی لذات کے ذریعے راحت حاصل ہوتی رہے تو وہ مضبوط اور خوش ہو جاتا ہے اور عورتوں سے مانوس ہونے کی صورت میں ایسی راحت حاصل ہوتی ہے جس سے پریشانی زائل ہوتی ہے اور دل کو آرام پہنچتا ہے اور متقی لوگوں کے نفسوں کو جائز کاموں کے ذریعے آرام پہنچانا چاہیئے۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

لِيَسْكُنَ إِلَيْهَا (۳) تاکہ وہ (مرد) اس (عورت) کے ذریعے سکون حاصل کرے۔

حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے فرمایا اپنے دلوں کو ایک گھڑی آرام پہنچاؤ کیونکہ جب اسے مجبور کیا جائے تو یہ اندھا ہو جائے گا اور ایک حدیث شریف میں ہے۔

---

(۱) صحیح بخاری جلد اول ص ۵۳۰ کتاب المناقب

(۲) مسند امام احمد بن حنبل جلد ۴ ص ۱۷۲ مرویات یعلی بن مرۃ

(۳) قرآن مجید، سورۂ اعراف آیت ۱۸۹

"عقل مند آدمی پر لازم ہے کہ اس کے لیے تین ساعتیں ہوں ایک وہ گھڑی ہے جس میں وہ اپنے رب سے مناجات کرے ایک ساعت میں اپنے نفس کا محاسبہ کرے اور تیسرا وہ وقت ہے جسے وہ اپنے کھانے پینے کے لیے مختص کرے۔" (۱)

کیوں کہ اس گھڑی میں دوسرے اوقات کے لیے مدد ہوتی ہے۔

ایک دوسری روایت میں اسی مفہوم کو بیان کیا گیا۔

"عقل مند آدمی صرف تین باتوں کی حرص کرتا ہے آخرت کے لیے سامان کی تیاری، گزران زندگی کے لیے فکر، اور حلال چیز سے لذت حاصل کرنا" (۲)

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

لِكُلِّ عَامِلٍ شِرَّةٌ وَلِكُلِّ شِرَّةٍ فَتْرَةٌ فَمَنْ كَانَتْ فَتْرَتُهُ إِلَىٰ سُنَّتِيْ فَقَدِ اهْتَدٰى۔ (۳)

ہر کام کرنے والے کے لیے مشقت ہے اور ہر مشقت کے بعد استراحت ہے تو جس کی راحت میرے طریقے کے مطابق ہوگی وہ ہدایت پائے گا۔

"شرۃ" کا معنیٰ سخت معنیٰ اور مشقت ہے اور یہ ارادے کے آغاز میں ہوتی ہے اور "فترہ" کا معنیٰ آرام کے لیے ٹھہر جانا ہے۔

حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے کہ میں اپنے نفس کو کسی قدر کھیل سے بہلاتا ہوں تاکہ اس کے بعد عبادت پر قوت حاصل کروں بعض روایات میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے کہ آپ نے فرمایا میں نے حضرت جبریل علیہ السلام سے اپنی مردانہ قوت کی کمزوری کی شکایت کی تو انہوں نے مجھے ہریسہ بتایا (۴)

(ہریسہ ایک کھانا ہے جو گندم، گوشت اور گھی وغیرہ سے بنتا ہے) اگر یہ روایت صحیح ہو تو اس کا مطلب بھی آرام کے حصول کے لیے تیاری ہے۔ اسے شہوت کی تکمیل کے لیے قرار دینا صحیح نہیں کیوں کہ اس صورت میں شہوت کے لیے مشورہ لینا لازم آئے گا اور جس آدمی کی شہوت ختم ہو جائے اس کو اس قسم کا اُنس کم ہی حاصل ہوتا ہے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

حُبِّبَ إِلَيَّ مِنْ دُنْيَاكُمْ ثَلَاثٌ اَلطِّيْبُ

تمہاری دنیا سے مجھے تین چیزوں کی محبت دی گئی ہے خوشبو،

---

(۱) تاریخ ابن عساکر جلد ۶ ص ۳۵۷ فی ذکر شیث

(۲) ایضاً 〃 〃 〃

(۳) مسند امام احمد بن حنبل جلد ۲ ص ۱۵۸ مرویات عبداللہ بن عمرو

(۴) الاسرار المرفوعہ جلد ۶۶ حدیث ۲۳۱-

وَالنِّسَاءُ وَقُرَّةُ عَيْنِيْ فِي الصَّلٰوةِ۔ (۱) عورتیں اور میری آنکھوں کی ٹھنڈک نماز میں ہے۔

یہ بھی ایک فائدہ ہے جو شخص افکار و اذکار اور مختلف قسم کے اعمال میں اپنے نفس کو تھکا دینے کا تجربہ رکھتا ہے وہ اس کا انکار نہیں کر سکتا ہے اور یہ پہلے دو فائدوں سے الگ ہے۔

حتی کہ یہ بات اس شخص کے حق میں بھی ہے جو خصی ہو یا اس کا عضو مخصوص کٹا ہوا ہو البتہ اسے نکاح کی فضیلت کا باعث نیت کی بنیاد پر قرار دیا جا سکتا ہے۔ اور بہت کم لوگ نکاح سے اس بات کا ارادہ کرتے ہیں عام طور پر یہ اولاد کے حصول دفع شہوت اور اس قسم کی دوسری باتوں کا ارادہ کیا جاتا ہے پھر کئی لوگ جاری پانی اور سبزیوں وغیرہ کو دیکھ کر مانوس ہوتے ہیں لیکن عورتوں کے ساتھ گفتگو اور ہنسی کھیل کے ذریعے راحت حاصل کرنے کی ضرورت محسوس نہیں کرتے لہٰذا یہ بات حالات اور شخصیات کے بدلنے سے تبدیل ہوتی رہتی ہے اس پر آگاہ رہو۔

چوتھا فائدہ:

(نکاح کے ذریعے) گھر کے انتظام، پکانے کے کام، جھاڑو دینے، بچھونا بچھانے، برتن صاف کرنے اور خانہ داری کے معاملات سے فرصت مل جاتی ہے اگر انسان کو جماع کی خواہش نہ ہو تو گھر میں تنہا زندگی گزارنا مشکل ہو جائے کیوں کہ اگر گھر کے تمام کام اسے خود کرنا پڑیں تو اس کا بہت سا وقت ضائع ہو جائے اور وہ علم و عمل کے لیے فارغ نہ ہو سکے۔ تو نیک عورت جو گھر کی اصلاح کرتی ہے اس طریقے پر مددگار بنتی ہے اور اس قسم کے امور وہ مشاغل ہیں جو دل کو پریشان کرتے اور زندگی کو مکدر کر دیتے ہیں اسی لیے حضرت سلیمان دارانی رحمہ اللہ نے فرمایا "نیک بیوی دنیا سے (شمار) نہیں ہوتی وہ تجھے آخرت کے لیے فارغ رکھتی ہے وہ تدبیر منزل اور قضائے شہوت دونوں سے فارغ رکھتی ہے۔

حضرت محمد بن کعب قرظی رحمہ اللہ نے

رَبَّنَا اٰتِنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً (۲) اے ہمارے رب! ہمیں دنیا میں بھلائی عطا فرما۔

کی تفسیر میں فرمایا کہ اس سے نیک عورت مراد ہے۔

سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

تم میں سے ہر ایک کو چاہیے کہ وہ قلبِ شاکر، لسانِ ذاکر اور نیک مومنہ عورت حاصل کرے جو اس کی آخرت پر اس کی مدد کرے۔ (۳)

---

(۱) المستدرک للحاکم جلد ۲ ص ۱۶۰ کتاب النکاح

(۲) قرآن مجید، سورۂ بقرہ آیت ۲۰۱

(۳) سنن ابن ماجہ ص ۱۳۴، ۱۳۵ ابواب النکاح

تو دیکھئے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کس طرح نیک عورت اور ذکر و شکر کو جمع فرمایا۔
بعض تفاسیر میں ——
فَلَنُحْيِيَنَّهُ حَيَاةً طَيِّبَةً ۔(۱) بس ہم انہیں اچھی زندگی عطا کریں گے۔
کی تفسیر میں فرمایا کہ اس سے نیک بیوی مراد ہے۔
حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے بندے کو ایمان کے بعد نیک عورت سے بڑھ کر کوئی چیز عطا نہیں کی۔ان میں سے بعض ایسی غنیمت ہیں کہ ان کا عوض نہیں ہو سکتا اور ان میں سے بعض گردن کا طوق ہیں کہ کسی وزیر کے ذریعے بھی اس سے جان نہیں چھوٹتی۔
رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:
مجھے حضرت آدم علیہ السلام پر دو خصلتوں کے باعث فضیلت حاصل ہے ان کی بیوی لغزش پر ان کی مددگار ہوئی اور میری بیویاں عبادت پر میری مددگار ہیں ان کا شیطان کافر تھا اور میرا شیطان (جسے قرین کہا جاتا ہے) مسلمان ہو گیا جو صرف بھلائی کا مشورہ دیتا ہے۔ (۲)
تو یہ بھی فوائد ہیں نیک لوگ ان کا ارادہ کرتے ہیں لیکن یہ ان بعض لوگوں کے ساتھ خاص ہیں جن کے امور خانہ داری کا کوئی کفیل اور تدبیر کرنے والا نہ ہو۔ اور یہ بات دو بیویوں کا تقاضا نہیں کرتی کیوں کہ بعض اوقات دو کا اکٹھا ہونا زندگی کو مکدر کر دیتا ہے اور امور خانہ داری میں گڑبڑ پیدا ہو جاتی ہے اور اس فائدے میں یہ بات بھی داخل ہے کہ عورت کے قبیلے کی وجہ سے کثرت حاصل ہو جائے۔
اور قبائل کے باہم ملنے سے قوت حاصل ہو جائے کیوں کہ شرارتوں کو دور کرنے اور طلبِ سلامتی کے لیے اس کی ضرورت ہے، اسی لیے کہا گیا ہے کہ جس آدمی کا کوئی مددگار نہ ہو وہ ذلیل و رسوا ہو جاتا ہے اور جو آدمی شرارتوں کو دور کرنے کا ذریعہ حاصل کرے اس کا حال محفوظ ہو جاتا ہے اور اس کا دل عبادت کے لیے فارغ ہو جاتا ہے کیونکہ ذلت، دل کو تشویش میں مبتلا کر دیتی ہے اور کثرت کے ذریعے عزت کا حصول ذلت کو دور کر دیتا ہے۔

پانچواں فائدہ:

نکاح کے ذریعے گھر والوں کے حقوق کی ذمہ داری اور ان حقوق کے قیام، ان کی عادات پر صبر، ان سے اذیت برداشت کرنے، ان کی اصلاح، ان کو دین کے راستے کی طرف بلانے، ان کے لیے کسب حلال کی کوشش کرنے اور

---

(۱) قرآن مجید، سورۂ نحل آیت ۹۷

(۲) کنز العمال جلد ۱۱ ص ۱۳۱۳ حدیث ۳۱۹۳۶

تربیت اولاد کے لیے قائم رہنے کے ذریعے مجاہدۂ نفس اور اس کی ریاضت حاصل ہوتی ہے اور یہ تمام اعمال فضیلت کا باعث ہیں کیوں کہ یہ ایک قسم کی حکومت ہے اور اہل وعیال رعایا ہیں اور رعایا کا خیال رکھنے میں بڑی فضیلت ہے اور اس سے وہی شخص بچنے کی کوشش کرے گا جسے یہ ڈر ہو کہ کہیں ان کے حقوق قائم کرنے میں کوتاہی نہ ہو جائے۔ ورنہ اس سلسلے میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشادِ گرامی ہے۔

يَوْمٌ مِنْ وَالٍ عَادِلٍ اَفْضَلُ مِنْ عِبَادَةِ سَبْعِيْنَ سَنَةٍ۔ (۱)

عادل حکمران کا ایک دن ستر سال کی عبادت سے افضل ہے۔

اور آپ نے ارشاد فرمایا:

اَلَا كُلُّكُمْ رَاعٍ وَكُلُّكُمْ مَسْئُوْلٌ عَنْ رَعِيَّتِهٖ۔ (۲)

سنو! تم سب نگران ہو اور تم سب سے تمہارے ماتحت لوگوں کے بارے میں سوال ہوگا۔

اپنی اور دوسروں کی اصلاح میں مشغول ہونے والا اور جو صرف اصلاح میں مشغول ہوتا ہے، برابر نہیں ہو سکتے اسی طرح جو آدمی اذیت پر صبر کرتا ہے وہ اور جو اپنے نفس کو آرام پہنچاتا ہے، دونوں برابر نہیں ہو سکتے۔ پس اہل و اولاد کی خاطر تکلیف اٹھانا جہاد کی طرح ہے۔

اسی لیے حضرت بشر رحمہ اللہ نے فرمایا کہ حضرت امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کو مجھ پر تین وجہ سے فضیلت حاصل ہے ان میں سے ایک یہ ہے کہ وہ اپنے اور دوسرے کے لیے رزق حلال تلاش کرتے ہیں۔

اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

آدمی جو کچھ اپنے گھر والوں پر خرچ کرتا ہے وہ صدقہ ہے اور بے شک بندے کو اس لقمہ پر بھی اجر ملے گا جو اٹھا کر اپنی بیوی کے منہ میں ڈالتا ہے۔ (۳)

کسی بزرگ نے ایک عالم سے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے ہر عمل سے حصہ عطا فرمایا ہے حتیٰ کہ انہوں نے حج اور جہاد وغیرہ کا بھی ذکر کیا تو انہوں نے فرمایا تمہارے اعمال، ابدال کے اعمال کے مقابلے میں کیا حیثیت رکھتے ہیں انہوں نے پوچھا وہ کیا ہیں؟ فرمایا کسب حلال اور اہل وعیال پر خرچ کرنا۔

حضرت ابن مبارک رحمہ اللہ اپنے بھائیوں کے ہمراہ ایک جہاد میں تھے تو انہوں نے فرمایا ہم جس عمل میں مصروف ہیں

---

(۱) السنن الکبریٰ للبیہقی جلد ۸ ص ۱۶۲ کتاب قتال اہل البغی

(۲) صحیح بخاری جلد ۲ ص ۱۰۵۷ کتاب الاحکام۔

(۳) صحیح بخاری جلد اول ص ۱۳ مقدمۃ الکتاب

اس سے بہتر عمل جانتے ہو انہوں نے کہا ہمیں معلوم نہیں، آپ نے فرمایا میں جانتا ہوں انہوں نے پوچھا وہ کیا ہے؛ فرمایا وہ شخص جو عیالدار ہو اور مانگنے سے بچتا ہوں۔ وہ رات کو اُٹھ کر اپنے بچوں کو سویا ہوا دیکھتا ہے اور ان کے اوپر سے کپڑا ہٹا ہوا دیکھ کر انہیں اپنے کپڑے سے ڈھانپ دیتا ہے اس کا یہ عمل ہمارے عمل سے افضل ہے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

مَنْ حَسُنَتْ صَلَاتُہٗ وَکَثُرَ عِیَالُہٗ وَقَلَّ مَالُہٗ وَلَمْ یَغْتَبِ الْمُسْلِمِیْنَ کَانَ مَعِیَ فِی الْجَنَّۃِ کَھَاتَیْنِ۔ (۱)

جو آدمی اچھی طرح نماز پڑھتا ہو اس کے اہل وعیال زیادہ اور مال کم ہو اور وہ مسلمانوں کی غیبت نہ کرتا ہو وہ جنت میں میرے ساتھ اس طرح ہو گا (دو انگلیوں کے ساتھ اشارہ فرمایا یعنی میرے قریب ہو گا۔

ایک دوسری حدیث میں اس طرح ہے۔

اِنَّ اللّٰہَ یُحِبُّ الْفَقِیْرَ الْمُتَعَفِّفَ اَبَا الْعِیَالِ (۲)

بے شک اللہ تعالیٰ اس فقیر کو پسند فرماتا ہے جو مانگنے سے بچے اور عیال دار ہو۔

ایک دوسری حدیث میں ہے۔

اِذَا کَثُرَ ذُنُوْبُ الْعَبْدِ اِبْتَلَاہُ اللّٰہُ بِھَمِّ الْعِیَالِ لِیُکَفِّرَھَا عَنْہُ۔ (۳)

جب بندے کے گناہ زیادہ ہو جاتے ہیں تو اللہ تعالےٰ اسے عیال کی فکر میں مبتلا کر دیتا ہے تاکہ اس کے گناہ مٹا دے۔

ایک روایت میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے۔

آپ نے فرمایا۔

بعض گناہ ایسے ہیں جنہیں معیشت کی طلب کا فکر ہی مٹا سکتا ہے (۴)

اور آپ نے فرمایا:

جس شخص کی تین بیٹیاں ہوں وہ ان پر خرچ کرے اور ان سے اچھا سلوک کرے حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ ان کو اس سے

---

(۱) کنز العمال جلد ۱۵ ص ۸۷، حدیث ۴۳۴۸

(۲) سنن ابن ماجہ ص ۳۱۳ ابواب الزھد

(۳) مسند امام احمد بن حنبل جلد ۶ ص ۱۵۷ مرویات عائشہ

(۴) مجمع الزوائد جلد ۴ ص ۶۳، ۶۴ کتاب البیوع

بے نیاز کر دے تو اللہ تعالیٰ نے یقینی طور پر اس کے لیے جنت کو واجب کر دیا،
البتہ یہ کہ وہ ایسا عمل کرے جس کی بخشش نہیں ہوتی (۱)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما جب یہ حدیث بیان کرتے تو فرماتے اللہ تعالیٰ کی قسم یہ حدیث نہایت عجیب اور عمدہ ہے۔

کہا جاتا ہے کہ ایک عبادت گزار بزرگ اپنی بیوی کے ساتھ نہایت حُسن سلوک سے پیش آتے یہاں تک کہ اس کا انتقال ہو گیا۔ پھر انہیں نکاح کی پیش کش ہوئی تو انہوں نے انکار کر دیا اور فرمایا تنہائی میرے دل کی رُوح اور میرے تفکرات کو مجتمع کرنے والی ہے۔ پھر فرمایا میں نے بیوی کی وفات کے ایک ہفتہ بعد خواب میں دیکھا کہ آسمان کے دروازے کھلے ہیں اور لوگ فضا میں اترتے ہیں اور ایک دوسرے کے پیچھے چلے آتے ہیں جب بھی کوئی اترتا ہے مجھے دیکھتا ہے اور اپنے بعد والے سے کہتا ہے کہ یہ منحوس ہے دوسرا کہتا ہے ہاں یہی بات ہے تیسرا بھی اسی طرح کہتا ہے اور چوتھا کہتا ہے ہاں، میں ڈر کے مارے ان سے پوچھ بھی نہیں سکتا تھا۔ یہاں تک کہ ان میں سے آخری آدمی میرے پاس سے گزرا اور وہ ایک لڑکا تھا میں نے اس سے کہا اے لڑکے! وہ منحوس کون ہے جس کی طرف تم اشارہ کرتے ہو؟ اس نے کہا تم ہو میں نے پوچھا کیوں؟ اس نے کہا ہم تمہارے اعمال کو مجاہدین کے اعمال کے ساتھ اُٹھا کر لے جاتے تھے اب ایک ہفتے سے ہمیں حکم ملا ہے کہ ہم تمہارے اعمال ان لوگوں کے اعمال کے ساتھ رکھیں جو یہاں سے پیچھے رہنے والے ہیں، ہمیں معلوم نہیں کہ تم نے کیا کیا ہے، چنانچہ اس بزرگ نے اپنے بھائیوں سے کہا میری شادی کرا دو میری شادی کر دو، تو اب اس کی دو یا تین بیویاں ہمیشہ رہتی تھیں۔

انبیاء کرام علیہم السلام کے واقعات میں لکھا ہے کہ ایک جماعت حضرت یونس علیہ السلام کے پاس آئی تو انہوں نے ان کی مہمان نوازی کی وہ گھر میں داخل ہوتے اور باہر نکلتے تو ان کی بیوی ان کو ستاتی اور زبان درازی کرتی لیکن آپ خاموش رہے مہمانوں کو اس بات پر تعجب ہوا تو آپ نے فرمایا تعجب نہ کرو میں نے اللہ تعالیٰ سے سوال کرتے ہوئے عرض کی تھی کہ تو نے مجھے جو سزا آخرت میں دینی ہے وہ دنیا میں دے دے تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا فلاں آدمی کی بیٹی آپ کی سزا ہے اس سے نکاح کر لیں چنانچہ میں نے اس سے نکاح کر لیا اور جو کچھ تم دیکھ رہے ہو میں اس پہ صبر کرتا ہوں اور اس صبر میں نفس کی ریاضت غصے کا خاتمہ اور اخلاق کی درستگی ہے کیونکہ جو آدمی مجرد ہو یا اچھے اخلاق والی بیوی رکھتا ہو اس سے اس کی باطنی خباثتیں ظاہر نہیں ہوتیں اور نہ اندر کے عیب سامنے آتے ہیں لہٰذا آخرت کے راستے پر چلنے والے پر لازم ہے کہ اس قسم کے معاملات میں داخل ہو کر اپنے نفس کا تجربہ کرے اور اس پہ صبر کی عادت بنائے تاکہ اس کے اخلاق حالت اعتدال پر ہوں نفس راہ راست پر رہے اور اس کا باطن برے امور سے صاف

---

(۱) سنن ابی داؤد جلد ۲ ص ۳۴۴ کتاب الادب

ہو جائے اہل وعیال پر صبر کرنا ریاضت و مجاہدہ کے ساتھ ساتھ ان کی کفالت بھی ہے ان کی معاملات کو قائم کرنا بھی اور فی نفسہا عبادت بھی ہے۔

یہ بھی نکاح کے فوائد میں سے ہے لیکن اس سے دو آدمیوں میں سے ایک نفع حاصل کرتا ہے وہ شخص جو مجاہدے، ریاضت اور تہذیب اخلاق کا ارادہ کرے کیوں کہ وہ راستے کے شروع میں ہے لہذا یہ بات بعید نہیں کہ وہ اس کو مجاہدے کا راستہ سمجھے اور اس سے اپنے نفس کی درستگی کا سامان کرے یا عابدین میں سے وہ شخص جو باطن کی سیر نہ کر رہا ہو نہ اس کو فکر اور قلب کی حرکت حاصل ہو بلکہ وہ ابھی اعضا کے ساتھ عمل میں مشغول ہو، نماز پڑھتا ہے یا حج وغیرہ کرتا ہے تو اس کا اہل وعیال کے لیے حلال مال کمانا اور ان کی تربیت کے لیے کمربستہ ہونا بدنی عبادات سے افضل ہے (فرض عبادت بہر حال ضروری ہے) کیونکہ بدنی عبادت کا فائدہ دوسروں تک نہیں پہنچتا۔ لیکن جو شخص اخلاقِ حسنہ کا حامل ہے یا تو وہ پیدائشی طور پر اچھے اخلاق سے بہرہ ور ہے یا اس سے پہلے مجاہدے کے ذریعے اسے یہ اعزاز ہوا اور اب وہ باطنی سیاحت اور علوم و مکاشفات میں فکر قلب کے ساتھ متحرک ہے تو اسے اس مقصد کے لیے نکاح نہیں کرنا چاہیے کیوں کہ بقدرِ کفایت اسے ریاضت حاصل ہے جہاں تک اہل وعیال کے لیے کسب کے ذریعے عبادت کے حصول کا تعلق ہے تو اس سے علم افضل ہے کیونکہ وہ بھی ایک عبادت ہے اور اس کا فائدہ اس سے زیادہ ہے اور تمام مخلوق تک پہنچتا ہے جب کہ اہل وعیال کے لیے مال کمانے کا فائدہ اس انداز کا نہیں ہے۔ تو دینی اعتبار سے نکاح کے یہ (مندرجہ بالا) فوائد ہیں جن کے بنیاد پر اس کی فضیلت مستحکم ہوتی ہے

نکاح کے نقصانات

نکاح کے نقصانات تین ہیں۔

پہلا نقصان:

یہ سب سے بڑا نقصان ہے اور وہ حلال مال کمانے سے عاجز ہونا ہے کیونکہ یہ ہر شخص کو حاصل نہیں بالخصوص اس زمانے میں جب کہ اسبابِ معشیت میں بگاڑ ہے لہذا نکاح، طلبِ رزق میں زیادتی کا باعث ہوگا اور حرام کھلانے کی نوبت آئے گی۔ اور اس میں اس کی اپنی اور اولاد دونوں کی ہلاکت ہے اور نکاح نہ کرنے والا اس برائی سے محفوظ رہتا ہے لیکن جو آدمی شادی کرتا ہے وہ عام طور پر برائیوں میں داخل ہو جاتا ہے بیوی کی خواہش پر چلتا ہے اور اپنی آخرت کو دنیا کے بدلے بیچ ڈالتا ہے ایک حدیث شریف میں ہے۔

ایک شخص (قیامت کے دن) میزان (ترازو) کے پاس کھڑا کیا جائے گا اور اس کی نیکیاں پہاڑوں جیسی ہوں گی اس سے اہل وعیال کی خبر گیری اور خدمت کے بارے میں سوال ہوگا اور مال کے بارے میں پوچھا جائے گا کہ کہاں

سے حاصل کیا اور کہاں خرچ کیا حتیٰ کہ اس کے تمام اعمال ان مطالبات میں خرچ ہو جائیں گے اور اس کے لیے کوئی نیکی باقی نہیں رہے گی اس وقت فرشتے آواز دیں گے یہ وہ شخص ہے کہ دنیا میں اس کے اہل و عیال اس کی نیکیاں کھا گئے اور آج وہ اپنے اعمال کے ساتھ گروی ہے (۱)

کہا جاتا ہے کہ قیامت کے دن سب سے پہلے جو لوگ انسان سے حقوق کا مطالبہ کریں گے وہ اس کی بیوی بچے ہوں گے وہ اسے اللہ تعالیٰ کے سامنے کھڑا کر کے کہیں گے یا اللہ! اس سے ہمارا حق لے کر ہمیں عطا فرمائیں کہ ہمیں جو چیز معلوم نہ تھی اس نے کبھی ہمیں نہ بتائی اور ہمیں بے خبری میں حرام کھلاتا رہا چنانچہ اس سے ان کا بدلہ لیا جائے گا۔ بعض بزرگوں نے فرمایا جب اللہ تعالیٰ کسی شخص کے لیے برائی کا ارادہ فرماتا ہے تو دنیا میں اس پر اس کے دانت مسلط کر دیتا ہے جو اس کو نوچتے رہتے ہیں اس سے مراد اس کے اہل و عیال ہیں۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

لَا يَلْقَى اللّٰهَ اَحَدٌ بِذَنْبٍ اَعْظَمَ مِنْ جَهَالَةِ اَهْلِهٖ۔ (۲)

کوئی شخص اللہ تعالیٰ کے ساتھ اس سے بڑے گناہ کے ساتھ ملاقات نہیں کرے گا کہ وہ گھر والوں سے بے خبر ہو۔ (یعنی گھر والوں سے بے خبر رہنا بہت بڑا گناہ ہے)

یہ ایک عام مصیبت ہے بہت کم لوگ اس سے محفوظ ہیں۔

البتہ وہ شخص جسے وراثت میں مال حاصل ہوا یا حلال سے مال کمائے جو اسے اور اس کے گھر والوں کو کفایت کرتا ہو۔ اور اسے قناعت کی دولت حاصل ہو جو زیادہ کی (تمنا) سے روکے یہ شخص اس مصیبت سے بچ سکتا ہے یا وہ شخص جو کاریگر ہو اور جائز چیزوں سے حلال کمائی پر قادر ہو مثلاً لکڑیاں کاٹے یا شکار کرے یا ایسی صنعت کو اختیار کرے جو حکمرانوں سے متعلق نہ ہو اور ایسے لوگوں سے معاملات رکھے جو نیک ہوں اور ان کی ظاہری حالت محفوظ ہو، اور اس کا اکثر و غالب مال حلال سے ہو حضرت ابن سالم رحمہ اللہ سے نکاح کرنے کے بارے میں پوچھا گیا تو انہوں نے فرمایا۔ ہمارے زمانے میں یہ اس کے لیے افضل ہے جس پر گدھے کی طرح شہوت غالب ہو گئی ہو کہ وہ گدھی کو دیکھ کر مار کھانے کے باوجود باز نہیں آتا۔ اور وہ اپنے آپ پر کنٹرول نہیں کر سکتا اگر کوئی شخص اپنے اوپر قابو پا سکتا ہو تو نکاح نہ کرنا بہتر ہے۔

دوسری مصیبت:

عورتوں کے حقوق کو پورا کرنے میں کوتاہی ہو جاتی ہے ان کی عادات پر صبر کرنا پڑتا ہے اور ان کی طرف سے اذیت برداشت کرنا پڑتی ہے اور یہ مصیبت، پہلی مصیبت کی نسبت کم پائی جاتی ہے کیونکہ پہلی پر قادر ہونے کی نسبت اس پر

---

(۱)

(۲)

قادر ہونا آسان ہے نیز حلال مال کمانے کی نسبت عورتوں سے اچھے اخلاق سے پیش آنا اور ان کے حقوق بجالانا آسان ہے لیکن اس میں بھی خطرہ ہے کیونکہ یہ ذمہ دار ہے اور اس سے اس کے ماتحت لوگوں کے بارے میں پوچھا جائے گا۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

كَفَىٰ بِالْمَرْءِ إِثْمًا أَنْ يُضَيِّعَ مَنْ يَعُولُ۔ (۱) کسی انسان کے گناہ گار ہونے کے لیے اتنا ہی کافی ہے کہ وہ اپنے اہل وعیال کو ضائع کردے۔

ایک روایت میں ہے کہ اپنے اہل وعیال سے بھاگنے والا بھاگنے والے غلام کی طرح ہے کہ جب تک وہ واپس نہ لوٹے اس کی نماز اور روزہ قبول نہیں ہوتے۔ اور جو آدمی ان لوگوں کے حقوق قائم کرنے میں کوتاہی کرے وہ اگرچہ موجود ہو لیکن بھاگنے والے کی طرح ہے۔

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

قُوْا أَنْفُسَكُمْ وَأَهْلِيكُمْ نَارًا۔ (۲) اپنے آپ کو اور گھر والوں کو جہنم سے بچاؤ۔

ہمیں حکم دیا گیا کہ جس طرح ہم اپنے آپ کو جہنم سے بچاتے ہیں اسی طرح ان کو بھی بچائیں۔ اور بعض اوقات آدمی اپنے نفس کا حق پورا کرنے سے عاجز ہوتا ہے اور جب وہ نکاح کرے گا تو اس پر حقوق بڑھ جائیں گے۔ اور اس کے نفس کے ساتھ ایک دوسرے نفس کا اضافہ ہو جائے گا۔ اور نفس برائی کا حکم دیتا ہے اگر نفوس بڑھیں تو برائی کا حکم بھی بڑھ جائے گا اور عام طور پر ایسا ہوتا ہے اسی لیے بعض بزرگوں نے نکاح کرنے سے معذرت کرلی۔ اور فرمایا کہ نہیں اپنے نفس میں مبتلا ہوں میں کس طرح ایک اور نفس کو ساتھ ملالوں، جیسے کسی شاعر نے کہا ہے۔

(ترجمہ) "چوہے کا بل (سوراخ) خود اس کے لیے ناکافی تھا اب اس کی دُم کے ساتھ جھاڑو بھی بندھ گیا"

اسی طرح حضرت ابراہیم بن ادھم رحمہ اللہ نے (نکاح سے) معذرت کرتے ہوئے فرمایا، "میں اپنے نفس کے حوالے سے کسی عورت کو دھوکے میں رکھنا نہیں چاہتا اور مجھے عورتوں کی کوئی حاجت بھی نہیں یعنی میں ان کے حقوق کی بجاآوری ان کی حفاظت اور ان کے لیے مال ومتاع مہیا کرنے سے عاجز ہوں۔

اسی طرح حضرت بشر رحمہ اللہ نے عذر پیش کرتے ہوئے فرمایا کہ مجھے اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد گرامی نے نکاح سے روکا ہے۔

وَلَهُنَّ مِثْلُ الَّذِي عَلَيْهِنَّ (۳) اور ان عورتوں کے لیے فرائض کی مثل حقوق بھی ہیں۔

---

(۱) سنن ابی داؤد جلد اول ص ۲۳۸ کتاب الزکوٰۃ

(۲) قرآن مجید، سورۂ تحریم آیت ۶ (۳) قرآن مجید

وہ فرمایا کرتے تھے کہ اگر میں ایک مرغی کے نفقہ کی ذمہ داری اٹھاؤں تو مجھے ڈر ہے کہ پل صراط پہ جلاد نہ بن جاؤں۔
حضرت سفیان بن عیینہ رحمہ کو بادشاہ کے دروازے پر دیکھا گیا تو پوچھا گیا یہاں کیوں کھڑے ہیں؟ تو انہوں نے فرمایا کیا تم نے کسی صاحب اولاد کو کامیاب دیکھا ہے۔ حضرت سفیان رحمہ اللہ فرمایا کرتے تھے۔
کاش تنہائی ہو گھر کی چابی اپنے پاس ہو اور مکان ایسا ہو کہ اسے ہوائیں نقصان نہ پہنچا سکیں اور نہ اس میں کوئی شور و شغب ہو۔
تو یہ بھی ایک عام مصیبت ہے اگرچہ اس کی شمولیت و عموم پہلی کی نسبت کم ہے اس سے صرف صاحب حکمت عقلمند اور خوش اخلاق آدمی بچ سکتا ہے جو عورتوں کی عادات سے واقف ہو ان کی گفتگو پہ صبر کرنے والا ہو اور ان کی خواہشات پر نہ چلنے والا ہو ان کے حقوق کو پورا کرنے کی حرص رکھتا ہو ان کی لغزشوں سے بے خبر ہو (چشم پوشی کرنے والا) ہو اپنی عقل سے ان کی عادات کا مقابلہ کرے لیکن اب تو اکثر لوگ بیوقوف، سخت مزاج، تند خو، بداخلاق اور بے انصاف ہیں حالانکہ اپنے لیے مکمل انصاف کے خواہاں ہیں۔ تو اس قسم کا آدمی اس وجہ سے ہمیشہ نکاح سے نقصان اٹھاتا ہے لہذا تنہائی میں زیادہ سلامتی ہے۔

تیسری مصیبت:

یہ مصیبت، پہلی اور دوسری مصیبت سے کم ہے۔ اس کی صورت یہ ہے کہ اس کی اولاد اور بیوی اسے اللہ تعالی کی عبادت سے غافل کر کے طلب دنیا کی طرف متوجہ کر دیں وہ اولاد کے لیے اچھی معیشت اور زیادہ مال جمع کرنے اور لوگوں کے مقابلے فخر و تکبر میں مصروف رہتا ہے اور جو چیز انسان کو اللہ تعالی کی یاد سے پھیر دے چاہے وہ بیوی بچے ہوں یا مال وہ اس شخص کے لیے نحوست کا باعث ہے۔
ہمارا مطلب یہ نہیں کہ یہ امور اسے کسی ممنوع کام کی طرف لے جائیں یہ باتیں تو پہلی اور دوسری مصیبت کے تحت درج کر دی گئی ہیں بلکہ اسے جائز چیزوں سے فائدہ حاصل کرنے کی دعوت دیتی ہیں۔ اور وہ عورتوں کے ساتھ لہو و لعب، محبت، اور دل لگی وغیرہ میں مصروف رہتا ہے اور نکاح کی وجہ سے کئی قسم کی مشغولیت پیدا ہو جاتی ہے اور اس کا دل اس میں مستغرق ہو جاتا ہے حتی کہ صبح و شام یہی کام رہتا ہے اور انسان فکر آخرت اور اس کی تیاری کے لیے فارغ نہیں ہوتا۔ اسی لیے حضرت ابراہیم بن ادھم رحمہ اللہ نے فرمایا کہ جو شخص عورتوں کے گھٹنوں سے لگا رہنے کا عادی ہو جائے وہ کوئی کام نہیں کر سکتا حضرت ابو سلیمان رحمہ اللہ نے فرمایا جس نے نکاح کیا وہ دنیا کی طرف مائل ہو گیا یعنی نکاح کرنا اسے دنیا کی طرف مائل کر دیتا ہے۔ تو نکاح کے یہ فوائد اور نقصانات ہیں (جو مذکور ہو چکے ہیں)

فیصلہ:

لیکن کسی شخص کے بارے فیصلہ کرنا کہ اس کے لیے نکاح کرنا بہتر ہے یا مجرد رہنا تو مطلقاً کچھ نہیں کہا جا سکتا۔

بلکہ ان فوائد اور نقصانات کو معیار بنایا جائے اور وہ شخص جو نکاح کرنا چاہتا ہے اپنے آپ کو اس کسوٹی پہ پرکھے اگر اس کے حق میں نقصانات کی نفی ہو رہی ہو اور فوائد جمع ہوتے ہوں مثلاً یہ کہ مال حلال ہو اخلاق اچھا ہو، اور دین میں کوشش مکمل ہو نکاح کرنا اسے اللہ تعالیٰ سے غافل نہ کرتا ہو اور اس کے ساتھ ساتھ وہ نوجوان بھی ہو شہوت کو پورا کرنے کی ضرورت بھی محسوس کرتا ہو اور تنہا ہونے کی وجہ سے گھر کے امور کی تدبیر اور خاندان کے ذریعے حفاظت کی ضرورت محسوس کرتا ہو تو اس میں کوئی شک نہیں کہ اس شخص کے لیے نکاح کرنا افضل ہے اور اس کا یہ بھی فائدہ ہے کہ اس کے ذریعے حصولِ اولاد کی کوشش کرے گا اور اگر یہ فوائد نہ ہوں بلکہ نقصانات کا اجتماع ہو تو اس کے لیے مجرد رہنا افضل ہے اور اگر دونوں باتیں جمع ہوں جیسے عام طور پر ہوتا ہے تو اسے انصاف کے ترازو سے تولنا چاہیے کہ ان فوائد کے اعتبار سے دین میں زیادتی کس قدر ہے اور نقصانات کے اعتبار سے دینی نقصان کس قدر ہے جب اس کے گمان میں ایک پہلو کو ترجیح حاصل ہو جائے تو اس کے مطابق فیصلہ کرے مثلاً فوائد میں دو باتیں زیادہ ظاہر ہیں ایک اولاد کا ہونا اور دوسرا شہوت کو پورا کرنا اور اسی طرح نقصان میں بھی دو باتیں زیادہ ظاہر ہیں حرام مال کمانا اور ذکرِ خداوندی سے غفلت کا پایا جانا۔ تو ہم ان چاروں امور کو ایک دوسرے کے مقابل کرتے ہوئے کہتے ہیں۔

اگر کوئی شخص شہوت کی اذیت میں نہ ہو اور اس کے نکاح کا فائدہ حصول اولاد کے لیے سعی میں ہو اور نقصان کسب حرام کی حاجت اور اللہ تعالیٰ کی عبادت سے غفلت کی صورت میں ہو تو تجرد زیادہ بہتر ہے کیوں کہ جو چیز اللہ تعالیٰ سے غافل کر دے اس میں کوئی بھلائی نہیں اور نہ حرام کمائی میں کوئی بہتری ہے اور ان دونوں کا نقصان، طلب اولاد کے لیے سعی سے پورا نہیں ہوتا کیونکہ اولاد کی خاطر نکاح کرنا زندہ اولاد کی طلب میں کوشش کرنا ہے اور یہ ایک غیر یقینی بات ہے اور دوسری طرف دینی نقصان یقینی ہے تو اپنی زندگی اور اسے ہلاکت سے بچانے کے لیے اپنے دین کی حفاظت کرنا اولاد حاصل کرنے کے لیے کوشش کرنے سے اہم ہے یہ نفع ہے اور دین اصل مال ہے اور دین کے بگاڑ سے اُخروی زندگی باطل ہو جاتی ہے اور اصل مال چلا جاتا ہے تو یہ فائدہ ان آفتوں میں سے ایک کے مقابل بھی نہیں ہو سکتا البتہ جب اولاد کی طلب کے ساتھ ساتھ شہوت کو پورا کرنا بھی ضروری ہو تو اس وقت دیکھنا چاہیے اگر تقویٰ کی لگام مکمل طور پر اس کے ہاتھ میں نہ ہو اور اسے زنا میں پڑنے کا خطرہ ہو تو نکاح کرنا زیادہ بہتر ہے۔ کیونکہ اب وہ زنا کے ارتکاب اور حرام کھانے کے درمیان متردد ہے یعنی دونوں باتوں کا ڈر ہے اور حرام کھانا ان دونوں برائیوں میں ہلکی برائی ہے اور اگر زنا نہ کرنے کا یقین ہو لیکن غیر محرم پر نگاہ ڈالنے سے بچ نہ سکتا ہو۔ تو نکاح چھوڑ دینا افضل ہے اور ناجائز طریقے پہ مال کمانا حرام ہے اور یہ عمل ہمیشہ باقی ہے بلکہ اس میں وہ خود بھی گناہ گار ہوتا ہے اور اس کے گھر والے بھی جب کہ غیر محرم پہ نظر تو کبھی کبھی پڑتی ہے اور پھر یہ عمل اس کے ساتھ خاص ہے دوسرے اس میں شریک نہیں ہیں نیز یہ عمل جلد ختم ہو جاتا ہے اگرچہ دیکھنا آنکھ کا زنا ہے لیکن جب شرمگاہ سے اس کی تصدیق نہ ہو

(یعنی زنا نہ کرے، تو حرام کھانے کی نسبت اس کی معافی کی زیادہ امید ہے، مگر جب نظر شرمگاہ تک پہنچ جائے تو زنا کا خطرہ ہوگا تو جب یہ بات ثابت ہوگئی تو ایک تیسری حالت یعنی وہ آنکھوں کو جھکانے پر قادر ہو، لیکن دل کو مختلف قسم کے تفکرات سے پاک نہ رکھ سکتا تو ترکِ نکاح بہتر ہے کیوں کہ دل کا عمل معافی کے زیادہ قریب ہے اور دل کو عبادت کے لیے فارغ کیا جاتا ہے لیکن حرام کمائی اور حرام کھانے کی صورت میں عبادت کی تکمیل نہیں ہو سکتی۔

تو اسی طرح ان آفات کا فوائد سے موازنہ کیا جائے اور اس کے مطابق فیصلہ کیا جائے اور جو آدمی اس بات کا احاطہ کرے گا اس پر وہ باتیں مخفی نہیں رہیں گی جو ہم نے اسلاف سے نکاح کی ترغیب اور اس سے اعراض کے سلسلے میں نقل کی ہیں۔ کیونکہ یہ بات حالات کے مطابق صحیح ہے۔

سوال :

جو شخص آفات سے محفوظ ہو اس کے لیے کیا بات بہتر ہے عبادت کے لیے گوشہ نشینی اختیار کرنا یا نکاح کرنا؟

جواب :

میں کہتا ہوں دونوں باتوں کو جمع کرے کیونکہ نکاح، عبادت کے لیے تنہائی اختیار کرنے سے رکاوٹ نہیں ہے کیونکہ یہ ایک عقد ہے لیکن اس میں کسب حلال کی بھی حاجت ہوتی ہے پس جو شخص کسبِ حلال پر قادر ہو تو اس کے لیے نکاح افضل ہے کیوں کہ رات اور دن کے باقی اوقات میں عبادت کے لیے گوشہ نشینی اختیار کرنا ممکن ہے اور آرام کیے بغیر مسلسل عبادت میں مصروف رہنا ممکن نہیں ہے۔

اگر فرض کیا جائے کہ اس کا تمام وقت حلال کمائی میں صرف ہو جاتا ہے حتی کہ فرض نماز، نیند اور قضائے حاجت کے علاوہ کسی کام کے لیے وقت نہیں بچتا پس اگر وہ ایسا شخص ہے کہ آخرت کے راستے پر صرف نفل نماز یا حج یا اس جیسے دوسرے بدنی اعمال کے ذریعے چلتا ہے تو اس کے لیے نکاح افضل ہے کیوں کہ حلال مال کمانے، اہل وعیال کی خدمت کرنے، اولاد کے حصول کے لیے کوشش کرنے اور عورتوں کے اخلاق پر صبر کرنے میں کئی قسم کی عبادات ہیں اور نفلی عبادات سے ان کی فضیلت کم نہیں ہے۔ اور اگر وہ علم، تفکر، باطنی سیر کے ذریعے عبادت کرتا ہے اور مال کمانے کی وجہ سے خلل پیدا ہوتا ہے تو نکاح کو ترک کر دینا افضل ہے۔

سوال :

نکاح کی فضیلت کے باوجود حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اسے کیوں چھوڑا اور اگر عبادتِ خداوندی کے لیے گوشہ نشینی اختیار کرنا افضل ہے تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کثرت کے ساتھ شادیاں کیوں کی ہیں۔

جواب :

جو شخص طاقت رکھتا ہو اس کی ہمت بلند ہو اور کوئی عمل اسے اللہ تعالیٰ سے پھیر نہ سکتا ہو تو اس کے لیے نکاح

افضل ہے۔ اور ہمارے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ قوت حاصل تھی اس لئے آپ نے عبادت اور نکاح کی فضیلت کو جمع کیا اور آپ کی نو ازواجِ مطہرات تھیں (۱) اس کے باوجود آپ عبادت خداوندی کے لیے گوشہ نشینی اختیار فرماتے تھے اور نکاح کے ذریعے قضائے حاجت آپ کے حق میں رکاوٹ نہ تھی۔ جیسے دنیوی تدابیر میں مشغول لوگوں کا قضائے حاجت کے لیے جانا ان کی تدبیر میں رکاوٹ نہیں بنتا حتیٰ کہ وہ ظاہراً قضائے حاجت میں مشغول ہوتے ہیں لیکن ان کے دل اپنے مقاصد میں مستغرق ہوتے ہیں۔

اور چونکہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا درجہ بہت بلند ہے اس لیے اس عالم کے معاملات آپ کو اللہ تعالیٰ کے ہاں حضورِ قلب سے مانع نہ تھے۔ آپ پر وحی نازل ہوتی اور آپ اپنی زوجہ کے بستر پر ہوتے (۲) اور اگر کسی دوسرے کے لیے یہ درجہ فرض کیا جائے تو یہ بات بعید نہیں کہ نالیوں کو وہ چیز خراب کر دے جو سمندر میں تبدیلی نہیں کر سکتی لہٰذا دوسروں کو آپ پر قیاس نہیں کیا جا سکتا۔

جہاں تک حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا تعلق ہے تو انہوں نے قوت کی بجائے احتیاط کو اختیار کیا اور ممکن ہے آپ کی حالت ایسی ہو کہ اہل و عیال میں مشغولیت اس میں مؤثر ہو۔ یا طلبِ حلال مشکل ہو یا آپ کے لیے نکاح اور عبادت کے لیے گوشہ نشینی کو جمع کرنا آسان نہ ہو، تو آپ نے عبادت کے لیے تنہائی کو ترجیح دی اور وہ اپنے حالات کے بھیدوں کو خوب جانتے تھے نیز وہ حلال مال کمانے اور عورتوں کے اخلاق کے سلسلے میں اپنے زمانے کے حالات سے خوب واقف تھے وہ یہ بھی جانتے تھے کہ نکاح کرنے والے کو کیا امور نقصان پہنچاتے ہیں اور اس کا فائدہ کیا ہے اور بعض اوقات حالات مختلف ہوتے ہیں حتیٰ کہ بعض حالات میں نکاح کرنا افضل ہوتا ہے اور دوسرے مواقع پر ترکِ نکاح بہتر ہوتا ہے تو ہمیں چاہیے کہ ہم انبیاء کرام علیہم السلام کے افعال کو ہر حالت میں افضل بات پر محمول کریں۔ واللہ اعلم۔

---

(۱) صحیح بخاری جلد ۲ ص ۵۸، کتاب النکاح۔

(۲) صحیح بخاری جلد اول ص ۵۳۲ کتاب المناقب

دوسرا باب

عقد نکاح کے وقت کن امور کا خیال رکھا جائے

نکاح کے ارکان اور شرائط عقد کے ارکان اور شرائط جن سے نکاح منعقد ہو جاتا ہے اور عورت، مرد کے لیے حلال ہو جاتی ہے چار ہیں۔

۱- ولی کی اجازت اور اگر وہ نہ ہو تو بادشاہ (کی اجازت ہونی چاہیے)[۱]

۲- اگر عورت ثیبہ (۲) بالغہ ہو تو اس کی رضامندی ضروری ہے اور اگر کنواری بالغہ ہو باپ دادا کے علاوہ کوئی ولی نکاح کر کے دے تو بھی رضامندی ضروری ہے (احناف کے نزدیک جب لڑکی بالغہ ہو جائے تو باپ دادا بھی اس کی مرضی کے بغیر اس کا نکاح نہیں کر سکتے ۱۲ ہزاروی)

۳- ایسے دو گواہوں کی موجودگی جن کا نیک ہونا واضح ہو اور اگر ان کا حال پوشیدہ ہو تو بھی ہم ضرورت کے تحت انعقاد نکاح کا حکم دیتے ہیں۔

۴- عقد کے وقت ایجاب اور اس کے ساتھ ہی قبول کا ہونا، لفظ نکاح یا تزویج استعمال کریں جو لفظ ان دونوں کے معنیٰ میں ہو اور کسی زبان کے ساتھ خاص ہو، ایجاب و قبول ایسے دو آدمیوں کے درمیان ہو جو شریعت کے مکلف ہوں اور ان میں کوئی عورت نہ ہو چاہے وہ شخص خاوند یا ولی ہو یا دونوں کے وکیل ہوں ۔ (۳)

مستحباب عقد عقد نکاح سے پہلے عورت کے ولی کو پیام نکاح دیا جائے لیکن اس وقت عورت عدت میں نہ ہو بلکہ اس کی عدت ختم ہو چکی ہو۔ (اگر وہ عدت گزار رہی ہو) اور نہ ہی اس سے پہلے کسی نے منگنی کا پیغام دیا ہو کیوں کہ منگنی کے پیغام پر پیغام دینے سے منع کیا گیا ہے (۴)

---

(۱) احناف کے نزدیک بالغہ عورت کے نکاح کے لیے ولی کا ہونا شرط نہیں البتہ مستحب ہے ۱۲ ہزاروی۔

(۲) ثیبہ وہ عورت ہوتی ہے جس تک اس سے پہلے خاوند پہنچ چکا ہو مثلاً بیوہ یا مطلقہ ۱۲ ہزاروی۔

(۳) احناف کے نزدیک ایسی کوئی قید نہیں لڑکی اور لڑکا دو گواہوں کی موجودگی میں خود بھی ایجاب و قبول کر سکتے ہیں اور دونوں طرف سے یا ایک طرف سے ولی بھی ہو سکتا ہے اور وکیل بھی ۱۲ ہزاروی۔

(۴) صحیح بخاری جلد ۲ ص ۲۰۷، کتاب النکاح

نکاح سے پہلے خطبے کا ہونا بھی مستحب ہے اور ایجاب و قبول کے ساتھ بھی اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا ملی ہوئی ہو مثلاً وہ یوں کہے الحمدللہ والصلوٰۃ علی رسول اللہ میں نے اپنی فلاں لڑکی کا تجھ سے نکاح کیا اور خاوند (یا اس کا ولی) یوں کہے الحمدللہ والصلوٰۃ علی رسول اللہ میں نے اس کا نکاح اتنے مہر کے عوض میں قبول کیا لیکن مہر معلوم اور ہلکا پھلکا ہونا چاہیے اور خطبہ سے پہلے الحمدللہ پڑھنا بھی مستحب ہے۔

عقدِ نکاح کے مستحبات میں سے یہ بات بھی ہے کہ مرد کا حال عورت کو بتا دیا جائے اگرچہ وہ کنواری ہو یہ زیادہ مناسب ہے اور باہمی محبت کے حصول کے زیادہ لائق ہے۔ اسی لیے نکاح سے پہلے عورت کو دیکھنا مستحب ہے کیونکہ یہ باہمی محبت کا باعث ہے اس موقع پر نیک لوگوں کو جمع کرنا بھی مستحب ہے یعنی ان دو گواہوں سے زیادہ افراد ہونے چاہئیں جن کی موجودگی صحتِ نکاح کے لیے ضروری ہے یہ بات بھی مستحب ہے کہ نکاح سے سنت پر عمل آنکھوں کی حفاظت طلب اولاد اور ان تمام فوائد کی نیت کرے جن کا ہم نے ذکر کیا ہے محض شہوت پرستی اور نفع اندوزی مقصد نہ ہو اس طرح یہ دینوی عمل قرار پائے گا اور ان امور کی نیت اس کے راستے میں رکاوٹ نہیں ہے۔ کئی مرتبہ امرِ حق، نفسانی خواہشات کے موافق ہو جاتا ہے۔

حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ فرماتے ہیں جب حق، خواہش کے مطابق ہو جائے تو یہ اس محاورے کی طرح ہے کہ چپڑی ہوئی بھی اور دو دو بھی۔ نفس کی خواہش اور دین کے حق کا بیک وقت باعث بننا محال نہیں ہے مستحب یہ ہے کہ نکاح مسجد میں اور شوال کے مہینے میں ہو۔ ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے شوال کے مہینے میں مجھ سے نکاح کیا اور شوال ہی میں میری رخصتی ہوئی (۱)

منکوحہ سے متعلق

جس عورت سے نکاح کیا جا رہا ہے اس کے بارے میں دو قسم کی باتوں کا اعتبار کیا جائے ایک اس کے حلال ہونے سے متعلق ہے اور دوسری بات اچھی طرح زندگی گزارنا اور مقاصد کا حصول ہے۔

پہلی قسم: جو امور اس کے حلال ہونے سے متعلق ہیں یعنی وہ نکاح کی رکاوٹوں سے خالی ہو۔ اور موانع انیس (۱۹) ہیں۔

۱۔ کسی دوسرے کے نکاح میں ہونا۔

۲۔ کسی دوسرے کی عدت گزارنے والی ہو چاہے عدت وفات ہو یا عدت طلاق یا وطی بالشبہ کی عدت ہو یا لونڈی ہونے کی صورت میں اس کے مالک کی وطی سے حمل سے برائت منظور ہو۔

۳۔ دین سے پھر جانے والی ہو یعنی اس نے اپنی زبان پر کوئی کلمۂ کفر جاری کیا ہو۔

---

(۱) صحیح مسلم جلد اوّل ص ۴۵۶ کتاب النکاح

۴۔ ستارہ پرست ہو۔

۵۔ بت پرست ہو یا زندیق ہو یعنی کسی نبی یا کتاب کی طرف منسوب نہ ہو وہ عورتیں بھی اس میں داخل ہیں جو حرام چیز کو حلال سمجھتی ہیں، لہذا ان سے نکاح کرنا جائز نہیں ہے۔ اسی طرح ہر وہ عورت جو فاسد مذہب کا عقیدہ رکھتی ہو یعنی جس اعتقاد پر کفر کا حکم لگتا ہو۔

۶۔ وہ اہل کتاب سے ہو لیکن اس نے دین میں تبدیلی یا رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے بعد یہ دین اختیار کیا ہو اور اس کے ساتھ ساتھ وہ بنی اسرائیل کے نسب سے نہ ہو جب یہ دونوں خصلتیں نہ پائی جائیں تو اس سے نکاح جائز نہ ہوگا اور اگر صرف نسب معدوم ہو تو اس میں اختلاف ہے۔

۷۔ وہ لونڈی ہو اور نکاح کرنے والا مرد آزاد ہو اور آزاد عورت سے نکاح کی طاقت بھی رکھتا ہو (۱) یا اسے زنا میں پڑنے کا ڈر نہ ہو۔

۸۔ نکاح کرنے والے مرد کی مکمل طور پر یا جزوی طور پر مملوکہ ہے۔

۹۔ خاوند (نکاح کرنے والے) کی قریبی رشتہ دار ہو یعنی اس کے اصول و فروع میں سے ہو (ماں، نانی دادی، بیٹی، پوتی، نواسی) یا پہلے اصل کی فرع ہو (بہن اور اس کی اولاد) یا ہر اس اصل کی پہلی فرع ہو جس کے بعد بھی اصل ہے (پھوپھی خالہ وغیرہ)

اصول سے مائیں اور دادیاں نانیاں مراد ہیں۔

اور فروع سے اولاد اور پوتے نواسے مراد ہیں پہلی اصل کی فرع سے مراد بہن بھائی اور ان کی اولاد ہے۔ ہر اصل جس کے بعد اصل ہو سے پھوپھیاں اور خالائیں مراد ہیں ان کی اولاد مراد نہیں ہے۔

۱۰۔ دودھ کی وجہ سے حرام ہو اور دودھ کی وجہ وہ تمام اصول و فروع حرام ہو جاتے ہیں جو نسب کی وجہ سے حرام ہوتے ہیں جیسے گزر چکا ہے۔

لیکن پانچ بار دودھ پینے سے حرمت آتی ہے اس سے کم کے ساتھ نہیں (۲)

(۱۱) حرمت مصاہرت (سسرال رشتہ) کے باعث حرام ہو مثلاً اس نکاح کرنے والے نے اس کی بیٹی یا دادی سے نکاح کیا ہو یا اس سے پہلے کسی عقد یا شبہ عقد کے ذریعے اس کا مالک ہوا ہو یا عقد میں شبہ کے باعث اس سے وطی کی ہو، یا اس کی ماں یا کسی ایک دادی سے۔

---

(۱) احناف کے نزدیک لونڈی سے نکاح کرنے کے لیے آزاد عورت سے نکاح کی طاقت نہ ہونا شرط نہیں ہے ۱۲ ہزاروی

(۲) احناف کے نزدیک رضاعت مطلقاً حرمت کا سبب ہے تھوڑا دودھ پیئے یا زیادہ البتہ اڑھائی سال کے اندر اندر پینا شرط ہے ۱۲ ہزاروی

عقد نکاح یا شبہ عقد کے ذریعے وطی کی ہو عورت سے محض نکاح کرنے کی صورت میں اس کی ماں حرام ہو جاتی ہے (اس سے جماع کرے یا نہ) لیکن اس کی فروع (بیٹی وغیرہ) اس وقت تک حرام نہیں ہوتیں جب تک اس عورت سے جماع نہ کرے۔ یا اس سے پہلے اس عورت سے اس کے باپ یا بیٹے نے نکاح کیا ہو۔

(۱۲)۔ یہ منکوحہ پانچویں بیوی ہو یعنی پہلے سے اس کے نکاح میں چار عورتیں ہوں اور یہ پانچویں ہو البتہ صرف نکاح ہو یا ان چار میں سے ایک طلاقِ بائن کی عدت گزار رہی ہو تو جائز ہے۔(۱)

(۱۳) اس نکاح کرنے والے کے نکاح میں اس عورت کی بہن یا پھوپھی یا خالہ ہو تو اس طرح دونوں کو نکاح میں جمع کرنا پایا جائے گا۔

ضابطہ:

جب دو عورتوں کے درمیان ایسی قرابت ہو کہ اگر ان میں سے ایک کو مرد تصور کیا جائے تو دوسری اس کے نکاح میں نہ آسکتی ہو تو یہ دونوں ایک آدمی کے نکاح میں جمع نہیں ہو سکتیں۔

۱۴۔ اس شخص نے اس عورت کو تین طلاقیں دے دی ہوں اب اس کے لیے یہ عورت اس وقت تک حلال نہیں ہوگی جب تک اس سے کوئی دوسرا خاوند نکاح صحیح کے ساتھ جماع نہ کر لے۔

۱۵۔ اس شخص نے اس عورت سے لعان کیا ہو تو اب یہ عورت ہمیشہ کے لیے اس پر حرام ہو جائے گی۔(۲)

۱۶۔ عورت یا مرد نے حج اور عمرہ کا احرام باندھا ہوا ہو جب تک مکمل طور پر احرام سے فارغ نہ ہو نکاح منعقد نہیں ہوتا۔(۳)

---

(۱) احناف کے نزدیک اس صورت میں بھی پانچویں عورت کو نکاح میں لانا جائز نہیں ہے ۱۲ ہزاروی

(۲) جب خاوند اپنی بیوی پر زنا کا الزام لگائے اور گواہ پیش نہ کر سکے تو لعان کیا جاتا ہے یعنی خاوند قاضی کے سامنے چار مرتبہ گواہی دے کہ میں نے اس کے بارے میں جو کچھ کہا میں اس میں سچا ہوں پانچویں مرتبہ کہے کہ اگر وہ جھوٹوں میں سے ہے تو اس پر لعنت ہے عورت بھی چار مرتبہ گواہی دے کہ یہ جھوٹ بولتا ہے اور پانچویں مرتبہ کہے کہ اگر وہ سچا ہے تو اس (عورت) پر اللہ تعالیٰ کا غضب ہو اس کے بعد ان میں تفریق کر دے۔ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک یہ طلاق بائن ہے اور وہ عورت اس پر ہمیشہ کے لیے حرام نہیں ہوتی ۱۲ ہزاروی۔

(۳) احناف کے نزدیک حالتِ احرام میں نکاح منعقد ہو جاتا ہے۔

البتہ جماع جائز نہیں سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ام المومنین حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا سے احرام کی حالت میں نکاح کیا ۱۲ ہزاروی۔

۱۷۔ ثیبہ صغیرہ ہو تو جب تک بالغ نہ ہو جائے اس کا نکاح صحیح نہیں (۱)

۱۸۔ وہ بچی یتیم ہو تو اس کا نکاح بالغ ہونے کے بعد ہی صحیح ہوتا ہے۔(۲)

۱۹۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات جن سے آپ نے قربت کا تعلق قائم فرمایا آپ کے وصال کے وقت آپ کی ازواج تھیں چوں کہ وہ مومنوں کی مائیں ہیں لہٰذا ان سے نکاح ناجائز تھا (اب ہمارے زمانے میں تو یہ صورت ہی نہیں ہے۔)

تو نکاح کے راستے میں یہ رکاوٹیں جن کی وجہ سے نکاح منعقد نہیں ہوتا۔ جہاں تک خوشگوار زندگی گزارنے کا تعلق ہے تو اس سلسلے میں عورت میں کچھ خصلتوں کا ہونا ضروری ہے تاکہ یہ عقد دائمی ہو سکے۔ اور اس کے مقاصد پورے ہو سکیں یہ آٹھ خصلتیں ہیں۔

(۱) دین داری (۲) حسنِ اخلاق (۳) حسن صورت (۴) مہر کا کم ہونا (۵) بچہ پیدا کرنے والی ہونا (۶) کنواری ہونا (۷) اچھے خاندان والی ہونا (۸) زیادہ قریب کی قرابت نہ ہونا۔

تفصیل

دینداری عورت نیک دین دار ہو اور یہ سب سے پہلی اور بنیادی بات ہے اور اس کا بہت خیال رکھا جائے کیونکہ اگر وہ اپنی ذات یا شرمگاہ کے بارے میں دینی اعتبار سے کمزور ہوگی تو اپنے خاوند کو رسوا کرے گی اور لوگوں میں اس کا منہ کالا کرے گی (ذلیل کرے گی) غیرت کی وجہ سے اس کا دل پریشان ہوگا اور اس سے اس کی زندگی مکدر ہوگی اگر وہ غیرت اور حمیت سے کام لیتا ہے تو ہمیشہ پریشان اور رنج میں مبتلا رہے گا اور اگر تساہل سے کام لے گا تو دین اور عزت کے اعتبار سے رسوا ہوگا اور غیرت و حمیت کی کمی کا طعنہ ملے گا اور اگر اس خرابی کے ساتھ ساتھ وہ عورت خوبصورت بھی ہو تو اس کی آزمائش اور زیادہ ہوگی کیونکہ اسے چھوڑنا خاوند پر بھاری ہوگا لہٰذا وہ اسے جدا کر کے بھی صبر نہیں کر سکتا اور اس کو اپنے پاس رکھ کر بھی صبر نہیں کر سکے گا اور یہ اس شخص کی طرح ہوگا جو سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا یا رسول اللہ! میری بیوی کسی کے ہاتھ کو نہیں روکتی آپ نے فرمایا اسے طلاق دے دے اس نے عرض کیا میں اس سے محبت کرتا ہوں آپ نے فرمایا اسے اپنے آپ روک لے۔ (۳)

---

(۱) احناف کے نزدیک جس طرح باکرہ صغیرہ کا نکاح صحیح ہوتا ہے اسی طرح ثیبہ کا نکاح بھی صحیح ہو جاتا ہے ۱۲ ہزاروی

(۲) یتیم بچی کا نکاح بھی بلوغت سے پہلے صحیح ہوتا ہے اس کا کوئی ولی نکاح کر کے دے گا یہ احناف کا مسلک ہے۔ ۱۲ ہزاروی

(۳) سنن نسائی جلد ۲ ص ۳۶ کتاب النکاح

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے روکنے کا حکم اس لیے دیا کہ اگر وہ اسے طلاق دے دیتا تو اس کی توجہ اس کی طرف ہی رہتی اور یوں اس کے ساتھ یہ بھی خراب ہوتا تو آپ نے دیکھا کہ دل کی تنگی کے باوجود اسے نکاح میں رکھنے کی صورت میں وہ شخص فساد سے بچ سکتا ہے۔

اور اگر عورت میں دینی خرابی کی صورت یہ ہو کہ وہ اپنے خاوند کا مال ضائع کرتی ہے یا کوئی دوسری صورت ہے تو وہ ہمیشہ پریشان رہے گا اب اگر وہ خاموش رہے اور اس پر اعتراض نہ کرے تو گناہ میں شریک ہوگا اور اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد گرامی کا مخالف ہوگا۔

ارشاد خداوندی ہے:

قُوْٓا اَنْفُسَكُمْ وَاَهْلِيْكُمْ نَارًا۔ (١) اپنے آپ کو اور اپنے گھر والوں کو جہنم سے بچاؤ۔

اور اگر اعتراض کرے اور اس سے جھگڑے تو زندگی برباد ہو جائے گی اسی لیے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دیندار عورت سے نکاح کرنے کی زیادہ ترغیب دی ہے آپ نے ارشاد فرمایا۔

عورت سے اس کے مال، حسن، خاندان اور دین کے پیش نظر نکاح کیا جاتا ہے تو تمہیں چاہیے کہ دین دار عورت کو اختیار کرو تمہارے ہاتھ خاک آلود ہوں (٢)

ایک دوسری حدیث میں ارشاد فرمایا:

جو شخص کسی عورت سے (محض) اس کے مال اور حسن کی وجہ سے نکاح کرتا ہے تو وہ اس کے حسن اور مال سے محروم رہتا ہے اور جو شخص اس کے دین کی وجہ سے نکاح کرتا ہے اسے اللہ تعالیٰ اس کا حسن اور مال بھی عطا کر دیتا ہے۔ (٣)

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا،

عورت سے اس کے حسن کی وجہ سے نکاح نہ کرو ممکن وہ ہے اس عورت کو پھسلا دے اور نہ مال کی وجہ سے نکاح کرو ہو سکتا ہے مال اس عورت کو سرکش بنا دے عورت سے اس کے دین کے باعث نکاح کرو۔ (٤)

آپ نے دین کے بارے میں بہت زیادہ ترغیب دی کیوں کہ اس قسم کی عورت دین کے معاملے میں مددگار ہوتی ہے لیکن جب وہ دین دار نہیں ہوگی تو وہ دین سے پھیرنے والی اور پریشانی میں مبتلا کرنے والی ہوگی۔

---

(١) قرآن مجید، سورۂ تحریم آیت ٦

(٢) صحیح بخاری جلد ٢ ص ٧٦٢، کتاب النکاح

(٣) مجمع الزوائد جلد ٤ ص ٢٥٤ کتاب النکاح

(٤) سنن ابن ماجہ ص ١٣٥ ابواب النکاح

۱۴۔ حُسنِ اخلاق

فراغت کے حصول اور دین پر مدد کے لیے یہ ایک اہم اور بنیادی بات ہے کیوں کہ اگر عورت زبان دراز اور بدخُلق ہو نعمتوں کا انکار کرتی ہو تو نفع کی نسبت نقصان زیادہ ہوگا اور عورتوں کی بدکلامی پر صبر کرنا ان امور میں سے ہے جن کے ساتھ اولیاءِ کرام کی آزمائش ہوتی ہے بعض عرب کہتے ہیں۔ چھ قسم کی عورتوں سے نکاح نہ کرو۔

(۱) انّانہ :۔ جو عورت زیادہ روتی ہو، شکایت کرنے والی ہو اور سر پر کپڑا باندھے رکھتی ہو۔ لہٰذا دائمی بیمار اور خود ساختہ بیمار عورت سے نکاح کرنے میں کوئی بھلائی نہیں۔

(۲) منّانہ :۔ وہ عورت جو اپنے خاوند پر احسان جتاتی ہو اور کہے کہ میں نے تمہارے لیے یہ کیا وہ کیا۔

(۳) حنّانہ :۔ حنّانہ وہ عورت ہے جو اپنے پہلے خاوند یا اس کی اولاد پر فریفتہ ہو۔ ایسی عورت سے بھی بچنا واجب ہے

(۴) حداقہ :۔ وہ عورت جو ہر چیز پر نظر ڈالے اور اس کی خواہش رکھے اور خاوند کو اس کے خریدنے پر مجبور کرے۔

(۵) براقہ :۔ اس کے دو معنیٰ ہیں ایک یہ کہ وہ دن بھر زیب و زینت اور بناؤ سنگھار میں لگی رہے تاکہ اس کا چہرہ بناوٹی طور پر چمکتا رہے۔ دوسرا معنیٰ یہ ہے کہ وہ عورت جو کھانے پر رُوٹھ جائے تنہا کھائے اور ہر چیز میں اپنے حصے کو کم شمار کرے، یہ مفہوم یمنی لغت کے مطابق ہے جب کوئی عورت یا بچہ کھانے پر رُوٹھ جائے تو اہل یمن کہتے ہیں "برقت المراۃ و برق الصبی الطعام"۔

۶۔ شداقہ :۔ وہ عورت جو منہ بھر کر اور بہت زیادہ گفتگو کرے اسی سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے۔

اِنَّ اللّٰہَ تَعَالٰی یُبْغِضُ الثَّرْثَارِیْنَ الْمُتَشَدِّقِیْنَ (۱)

بے شک اللہ تعالیٰ بک بک کرنے والوں اور تکلف کے ساتھ منہ کھول کر گفتگو کرنے والوں کو پسند نہیں فرمایا۔

٭ ٭ ٭ ٭

منقول ہے کہ ازدی سیاح نے اپنی سیاحت کے دوران حضرت الیاس علیہ السلام سے ملاقات کی اور انہیں نکاح کرنے اور تجرد کی زندگی چھوڑنے کا مشورہ دیا پھر کہا کہ چار قسم کی عورتوں سے نکاح نہ کرنا، مختلعہ وہ عورت ہے جو بلاوجہ سے ہر وقت خلع کا مطالبہ کرے مبار یہ وہ عورت ہے جو دنیوی مال و اسباب کے ذریعے دوسروں پر فخر کا اظہار کرے۔

عاہرہ وہ فاسقہ عورت ہے جو آشناؤں کے ساتھ مشہور ہو۔

اسی کے بارے میں ارشاد خداوندی ہے۔

۱۔ جامع الترمذی ص ۲۹۵ کتاب البر والصلۃ

وَلَا مُتَّخِذَاتِ اَخْدَانٍ (۱) وہ چوری چھپے یاری لگانے والی نہ ہوں۔

ناشزہ وہ عورت ہے جو اپنے قول و فعل میں خاوند سے آگے بڑھنے کی کوشش کرے کیونکہ زمین کے بلند حصے کو "نشز" کہا جاتا ہے۔

حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ فرماتے تھے۔

مردوں کی بری اور عورتوں کی اچھی عادت بخل، خود پسندی اور بزدلی ہے۔ کیوں کہ عورت جب بخیل ہوگی تو اپنے اور خاوند کے مال کی حفاظت کرے گی اور جب خود پسند ہوگی تو ہر کسی سے نرم اور فریفتہ کرنے والی گفتگو سے نفرت کرے گی اور جب بزدل ہوگی تو ہر چیز سے الگ رہے گی اور وہ گھر سے باہر نہیں جائے گی اور خاوند سے ڈرتے ہوئے تہمت کی جگہوں پر بھی نہیں جائے گی۔ یہ حکایات ان جامع اخلاق کا راستہ دکھاتی ہیں جو نکاح میں مطلوب ہیں۔

۳۔ خوبصورتی یہ بھی مطلوب ہے کیونکہ اس کے ذریعے آدمی محفوظ رہتا ہے کیوں کہ عورت بدصورت ہو تو عام طور پر انسانی طبیعت اس پر اکتفا نہیں کرتی اور یہ کیسے ہو سکتا ہے جب کہ حسن سیرت اور حسن صورت میں کوئی تفریق نہیں ہے اور جو کچھ ہم نے دین پر ترغیب کے سلسلے میں نقل کیا ہے اور یہ کہ عورت سے اس کے حسن کی وجہ سے نکاح نہ کیا جائے تو وہ حسن کی ترک کرنے کے سلسلے میں جھڑک نہیں ہے بلکہ اس بات پر تنبیہ ہے کہ محض حسن کی وجہ سے نکاح نہ کیا جائے جب کہ عورت میں دینی اعتبار سے فساد ہو کیوں کہ محض حسن عام طور پر نکاح کی رغبت دیتا ہے لیکن دین کے معاملے کو ہلکا کر دیتا ہے اور حسن کی طرف متوجہ ہونے کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ اس کے ذریعے عام طور پر خاوند بیوی کے درمیان محبت و الفت پیدا ہوتی ہے اور شریعت کے نزدیک محبت و الفت کے اسباب کی رعایت مستحب ہے اسی لیے عورت کو (نکاح سے پہلے) دیکھنا مستحب ہے۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اِذَا وَقَعَ اللّٰہُ فِیْ نَفْسِ اَحَدِکُمْ مِنِ امْرَاَۃٍ فَلْیَنْظُرْ اِلَیْھَا فَاِنَّہٗ اَحْرٰی اَنْ یُّؤْدَمَ بَیْنَھُمَا۔ (۲)

جب اللہ تعالیٰ تم میں سے کسی ایک کے دل میں کسی عورت کا خیال پیدا کرے (یعنی نکاح کرنا چاہے) تو اسے دیکھ لینا چاہیے کیونکہ یہ ان کے درمیان دائمی محبت کے زیادہ لائق ہے۔

یعنی ان کے درمیان ایسی الفت پیدا ہوگی جیسے جسم کے ظاہری چمڑے کا باطنی جلد کے ساتھ اتصال ہے آپ نے یہ

---

(۱) قرآن مجید، سورۃ النساء آیت ۲۵

(۲) سنن ابن ماجہ ص ۳۵ ابواب النکاح

بات باہمی محبت میں مبالغہ کے طور پر ذکر فرمائی ہے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔

بے شک انصار کی عورتوں کی آنکھوں میں کچھ خرابی ہے جب تم میں سے کوئی ان سے نکاح کرنا چاہے تو انہیں دیکھ لے۔(۱)

بعض متقی لوگ جب شریف زادیوں سے نکاح کرتے تو انہیں پہلے دیکھ لیتے تاکہ دھوکے سے بچیں، حضرت اعمش رحمہ اللہ فرماتے ہیں جو نکاح دیکھے بغیر ہو اس کا نتیجہ غم اور پریشانی ہوتی ہے اور یہ بات واضح ہے کہ دیکھنے سے اخلاق، دین اور مال کا پتہ نہیں چلتا بلکہ حسن و قبح کا امتیاز ہوتا ہے۔

ایک روایت میں ہے کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے دور میں ایک شخص نے نکاح کیا اور وہ خضاب لگایا کرتا تھا جب اس کا خضاب اتر گیا تو سسرال والوں نے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی خدمت میں شکایت کی اور کہا کہ ہم نے اسے جوان سمجھا تھا تو حضرت عمر فاروق نے اسے سزا دی اور فرمایا تو نے ان لوگوں کو دھوکہ دیا۔

ایک روایت میں ہے کہ حضرت بلال اور حضرت صہیب رضی اللہ عنہما ایک عربی گھرانے کے پاس آئے اور انہوں نے منگنی کا پیغام دیا ان سے پوچھا گیا کہ تم کون ہو؟ حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے فرمایا میں بلال ہوں اور یہ میرے (اسلامی) بھائی حضرت صہیب رضی اللہ عنہ ہیں ہم بھٹکے ہوئے تھے تو اللہ تعالیٰ نے ہمیں ہدایت دی ہم غلام تھے تو اللہ تعالیٰ نے ہمیں آزادی عطا فرمائی اللہ تعالیٰ نے ہمیں مالدار کر دیا اگر تم اپنے ہاں ہماری شادی کر دو تو الحمد للہ اور اگر رد کر دو تو سبحان اللہ، گھر والوں نے کہا تمہاری شادی ہو جائے گی والحمد للہ۔ حضرت صہیب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ سے فرمایا اگر آپ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہماری قربانیوں اور اسلام میں سبقت کا ذکر کر دیتے تو اچھا ہوتا انہوں نے فرمایا خاموش رہو میں نے سچ کہا تو اس سچائی نے ہمارا نکاح کر دیا۔

دھوکہ حسن اور اخلاق دونوں میں ہو سکتا ہے لہذا حسن کا دھوکہ دیکھنے سے دور ہو گا اور اخلاق سے متعلق دھوکہ اوصاف سننے سے دور ہو جاتا ہے لہذا یہ بات نکاح سے پہلے معلوم ہونی چاہیے اور حسن و جمال اور اخلاق کے بارے وہی آدمی بیان کرتا ہے جو سچا ہو صاحب بصیرت ہو اور ظاہر و باطن سے خبردار ہو نہ عورت کی طرف داری کرے کہ اس کی تعریف میں مبالغہ کرے اور نہ اس سے حسد کرنے والا ہو کہ اوصاف بیان کرنے میں کوتاہی کرے کیونکہ اب لوگوں کی طبیعتیں نکاح کے سلسلے میں عورتوں کے اوصاف میں افراط و تفریط کی طرف مائل ہیں۔ بہت کم لوگ سچ بولتے اور اعتدال سے کام لیتے ہیں بلکہ دھوکہ بازی زیادہ ہے اور جو شخص اجنبی عورتوں کو دیکھنے کے بارے میں اپنے نفس پر خوف رکھتا ہو اسے اس معاملے میں زیادہ محتاط ہونا چاہیے،

---

(۱) صحیح مسلم جلد اول ص ۴۵٦ کتاب النکاح

اور جو آدمی محض سنت پر عمل کرنے، یا اولاد کے حصول یا گھریلو نظام کو قائم کرنے کے لیے نکاح کرنا چاہتا ہے وہ اگر حُسن کی طرف رغبت نہ کرے تو یہ بات زہد کے زیادہ قریب ہے۔ کیونکہ نکاح بہر حال دنیا سے متعلق ہے اگرچہ بعض لوگوں کے حق میں دین پر مدد کا ذریعہ بھی ہے۔

حضرت ابو سلیمان دارانی فرماتے ہیں ہر چیز میں زہد ہے حتی کہ عورت کے معاملے میں بھی، ایک شخص بوڑھی عورت سے نکاح کرتا ہے تو وہ دنیا سے بے رغبتی کو ترجیح دیتا ہے۔

حضرت مالک بن دینار رحمہ اللہ فرمایا کرتے تھے کہ تم یتیم لڑکی سے نکاح نہیں کرتے حالانکہ اس میں ثواب بھی ہے اور اس کے کھانے اور لباس پر خرچ بھی کم ہوتا ہے اور وہ کم پر راضی ہو جاتی ہے اور تم دنیا داروں کی بیٹیوں سے نکاح کرتے ہو تو وہ خواہشات کا اظہار کرتی ہیں وہ لڑکی مطالبہ کرتی ہے مجھے فلاں فلاں کپڑا پہناؤ۔

حضرت امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ نے ایک اندھی لڑکی سے نکاح کیا حالانکہ اس کی بہن خوبصورت تھی لیکن آپ نے پوچھا تھا کہ ان میں سے کون سی زیادہ عقلمند ہے تو کہا گیا کہ جو اندھی ہے آپ نے فرمایا تو پھر اسی سے میرا نکاح کر دو۔

تو یہ ان لوگوں کا طریقہ ہے جنہیں لذت کے حصول سے کوئی غرض نہ ہو۔

لیکن وہ شخص جو لطف اندوز ہوئے بغیر اپنے دین پر بے خوف نہ ہو تو وہ خوبصورت عورت تلاش کرے کیوں کہ جائز چیز سے لذت حاصل کرنا دین کی حفاظت ہے۔

کہا گیا کہ اگر عورت خوبصورت ہو اس کے اخلاق اچھے ہوں اس کی آنکھیں اور بال سیاہ ہوں نیز آنکھ بڑی اور رنگ سفید ہو خاوند سے محبت کرنے والی ہو کہ اپنی نظر کو اسی پر محدود رکھے تو یہ جنتی حوروں کی صفات ہیں۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ اہل جنت کی بیویوں کا یہی وصف بیان کیا ہے۔

ارشاد خداوندی ہے۔

خَيْرَاتٌ حِسَانٌ (۱)

وہ اچھے اخلاق والی خوبصورت ہیں (خیرات سے اچھے اخلاق والی ہونا مراد ہے)

٭ ٭ ٭

اور ارشاد خداوندی ہے:

قَاصِرَاتُ الطَّرْفِ (۲)

وہ اپنی نظر کو خاوند تک محدود رکھتی ہیں۔

اور ارشاد خداوندی ہے:

---

(۱) قرآن مجید، سورۂ رحمٰن آیت ۷۰

(۲) قرآن مجید، سورۂ رحمٰن آیت ۵۶

عُرُبًا اَتْرَابًا (۱) ہم عُمر پیار کرنے والیاں ۔

"عروب" اس عورت کو کہتے ہیں جو اپنے خاوند سے محبت کرنے والی جماع کی خواہش رکھنے والی ہو اور اسی سے لذت پوری ہوتی ہے اَلْحَوَرُ سے مراد سفید اور الحوراء سے مراد وہ عورت ہے جس کی آنکھ کی سفیدی زیادہ ہو اور اس کی سیاہی بالوں کی سیاہی جیسی ہو اور العیناء اس عورت کو کہتے ہیں جس کی آنکھیں بڑی ہوں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔

تمہاری عورتوں میں سے بہترین عورت وہ ہے کہ جب اس کا خاوند اسے دیکھے تو خوشی حاصل ہو جب اسے کوئی حکم دے تو وہ فرمانبرداری کرے جب خاوند غائب ہو تو اپنے نفس اور خاوند کے مال کی حفاظت کرے (۲) اور خاوند اسے دیکھ کر اسی وقت خوش ہو گا جب وہ اس سے محبت کرنے والی ہو گی ۔

۴۔ مہر کم ہو

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

خَیْرُ النِّسَاءِ اَحْسَنُهُنَّ وُجُوهًا وَاَرْخَصُهُنَّ مُهُوْرًا (۳) بہترین عورتیں وہ ہیں جو خوبصورت ہوں اور ان کے مہر کم ہوں ۔

اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مہر زیادہ رکھنے سے منع فرمایا (۴)

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بعض ازواج مطہرات سے دس درھموں (۵) اور گھر کے سامان پر نکاح کیا اور وہ ہاتھ کی چکی، گھڑا اور چمڑے کا ایک گدا تھا جس میں چھال بھری ہوئی تھی ۔ (۶)

اور آپ نے بعض ازواج مطہرات کے ولیمہ میں دو مُد (تقریباً ایک کلو) جَو خرچ کئے (۷) اور کسی کا ولیمہ دو مُد کھجوروں اور دو مُد ستّو سے کیا ۔ (۸)

---

(۱) قرآن مجید، سورۂ واقعہ آیت ۳۷ (۲) سنن نسائی جلد ۲ ص ۶۴ کتاب النکاح

(۳) المعجم الکبیر للطبرانی جلد ۱۱ ص ۹۷ حدیث ۱۱۱۰۱

(۴) جامع الترمذی ص ۱۷۹ ابواب النکاح

(۵) الکامل لابن عدی جلد ۵ ص ۱۷۸۵ ۔

(۶) مجمع الزوائد جلد ۴ ص ۲۸۲، ۲۸۳ کتاب النکاح

(۷) مسند امام احمد بن حنبل جلد ۶ ص ۱۱۳ مرویات عائشہ

(۸) صحیح مسلم جلد اول ص ۴۶۰ کتاب النکاح ۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ بھی زیادہ مہر رکھنے سے منع کیا کرتے تھے اور آپ فرماتے تھے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ازواج مطہرات سے نکاح اور اپنی صاحبزادیوں کے نکاح میں چار سو درھم سے زیادہ مہر نہیں رکھا (۱)
اگر زیادہ مہر مقرر کرنا عزت کا باعث ہوتا تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اس میں سبقت اختیار فرماتے۔
نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعض صحابہ کرام نے ایک گٹھلی کے برابر سونے پر نکاح کیا اور اس کی قیمت پانچ درھم تھی (۲/۳)

حضرت سعید بن مسیب رضی اللہ عنہ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے اپنی بیٹی کا نکاح دو درھم پر کیا پھر خود رات کے وقت ان کی رخصتی کی اور خود اسے دروازے سے اندر کر کے واپس ہو گئے سات دن کے بعد تشریف لائے اور اپنی بیٹی کو سلام کیا اور اگر علماء کے اختلاف سے بچنے کے لیے دس درہم پر نکاح کرے تو اس میں کوئی حرج نہیں (یہ شافعی مسلک کے مطابق ہے ورنہ احناف کے نزدیک دس درھم، سے کم مہر نہیں ہو سکتا)
ایک حدیث شریف میں ہے۔
عورت کی برکت سے یہ ہے کہ اس کی شادی جلدی کی جائے اس کے ہاں جلدی اولاد پیدا ہو اور اس کا مہر کم ہو (۴)
اَبْرَكُهُنَّ اَقَلُّهُنَّ مُهُراً۔ عورتوں میں سے سب سے زیادہ بابرکت وہ عورتیں ہیں جن کے مہر کم ہوں۔ (۵)

اور جس طرح عورت کی طرف سے مہر کا بہت زیادہ ہونا مکروہ ہے اسی طرح مرد کی طرف سے عورت کے مال کا مطالبہ بھی ناپسندیدہ ہے۔
حضرت ثوری رحمہ اللہ فرماتے ہیں:
جب کوئی شخص نکاح کرتے وقت پوچھے کہ عورت کے پاس کیا کیا ہے (مثلاً آج کل جہیز کا سوال کیا جاتا ہے) تو جان لو کہ وہ شخص ڈاکو ہے اور جب مرد کچھ تحفہ سسرال کے ہاں بھیجے تو یہ نیت نہیں ہونی چاہیے کہ وہ اس کے پاس اس سے

---

(۱) جامع الترمذی ص ۱۷۹ ابواب النکاح۔
(۲) حدیث شریف کے مطابق احناف کے نزدیک حق مہر کم از کم دس درھم ہے ہو سکتا ہے مہر معجل دو درھم دیا ہو اور باقی بعد میں دیا ہو ۱۲ ہزاروی۔
(۳) صحیح مسلم جلد اول ص ۴۵۸ کتاب النکاح
(۴) المستدرک للحاکم جلد ۲ ص ۱۸۱ کتاب النکاح
(۵) المعجم الکبیر للطبرانی جلد ۱۱ ص ۹۷ حدیث ۱۱۱۰۱

زیادہ بھیجیں۔

اسی طرح جب سسرال والے اس کے پاس کوئی تحفہ بھیجیں تو وہ بھی زیادہ حاصل کرنے کی نیت نہ کریں کیوں کہ یہ نیت فاسد ہے جہاں تک تحفوں کے تبادلے کا تعلق ہے تو یہ مستحب ہے اور باہمی محبت کا باعث ہے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

تَهَادَوْا تَحَابُّوْا۔ (۱) ایک دوسرے کو تحائف دیا کرو اس سے محبت پیدا ہوتی ہے۔

لیکن زیادہ کی طلب اس آیت کے تحت آتی ہے ارشاد خداوندی ہے:

وَلَا تَمْنُنْ تَسْتَكْثِرُ۔ (۲) اور زیادہ حاصل کرنے کی غرض سے کسی کے ساتھ نیکی نہ کرو۔

یعنی تم اس لیے کسی کو دو کہ اس سے زیادہ کا مطالبہ کرو۔

نیز قرآن پاک کی اس آیت کا بھی مصداق بنتا ہے۔

وَمَا اٰتَيْتُمْ مِنْ رِبًا لِيَرْبُوَا فِي اَمْوَالِ النَّاسِ (۳) اور وہ جو تم سود دیتے ہو تاکہ لوگوں کے مال میں بڑھتا رہے۔

کیوں کہ "ربوا"، خود اضافہ ہے اور اس صورت میں بھی کسی نہ کسی طرح زیادہ حاصل کرنا پایا جاتا ہے اگرچہ یہ سودی مال میں سے نہیں۔

تو یہ سب باتیں نکاح میں مکروہ اور بدعت ہیں یہ تجارت اور جوئے سے مشابہ ہیں اور ان سے نکاح کے مقاصد فوت ہو جاتے ہیں۔

۵۔ کثیر الاولاد عورت

عورت زیادہ بچے جننے والی ہو اگر تمہیں معلوم ہو جائے کہ وہ بانجھ ہے تو اس کے ساتھ نکاح کرنے سے بچو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

عَلَيْكُمْ بِالْوَلُوْدِ الْوَدُوْدِ۔ (۴) تمہیں زیادہ بچے جننے والی اور زیادہ محبت کرنے والی عورت اختیار کرنی چاہیے۔

---

(۱) السنن الکبریٰ للبیہقی جلد ۶ ص ۱۶۹ کتاب الہبات

(۲) قرآن مجید، سورۂ مدثر آیت ۶ (۳) قرآن مجید، سورۂ روم ایت ۳۹

(۴) سنن ابی داؤد جلد اول ص ۲۸۰ کتاب النکاح

اور اگر اس سے پہلے اس کا کوئی خاوند نہ تھا اور نہ ہی اس کی حالت معلوم ہوئی تو اس کی صحت اور جوانی کا لحاظ کیا جائے کیونکہ عام طور پر ان دو صفات سے متصف عورت زیادہ بچے جننے والی ہوتی ہے۔

۶۔ کنواری عورت

وہ لڑکی کنواری ہو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے فرمایا تم نے کنواری لڑکی سے نکاح کیوں نہیں کیا تم اس سے کھیلتے اور وہ تمہارے ساتھ کھیلتی، یہ اس وقت کی بات ہے جب انہوں نے ثیبہ (غیر کنواری) خاتون سے نکاح کیا۔(۱)

کنوارے پن میں تین فائدے ہیں۔

(۱) ایسی لڑکی اپنے خاوند سے محبت کرتی اور الفت رکھتی ہے تو یہ بات حصول محبت میں موثر ہے اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بہت محبت کرنے والی عورت سے نکاح کرو۔

اور انسانی فطرت ہے کہ جس سے پہلے پہل الفت ہو اس سے محبت ہوتی ہے اور جس عورت نے کئی خاوند آزمائے ہوں اور مختلف حالات سے گزری ہو تو ہو سکتا ہے وہ بعض ایسے اوصاف پائے جن سے وہ پہلے مانوس نہیں ہے تو اس طرح وہ خاوند سے نفرت کرے گی۔

۲۔ اس صورت میں خاوند کو عورت سے کامل محبت ہوتی ہے کیوں کہ انسانی طبیعت اس عورت سے کچھ نہ کچھ متنفر ہوتی ہے جسے خاوند کے علاوہ کسی نے چھوا ہو۔ اور جب بھی اس کا ذکر ہو گا طبیعت پر بوجھ پڑے گا بلکہ بعض طبیعتیں اس سلسلے میں بہت زیادہ نفرت کرتی ہیں۔

۳۔ چونکہ یہ کنواری ہے اس لیے پہلے خاوند کو یاد نہیں کرتی اور پہلے محبوب سے بہت زیادہ محبت کرتی ہے

۷۔ خاندانی عورت

عورت اچھے خاندان سے ہو یعنی دین دار گھرانے کی ہو کیوں کہ ایسی عورت اپنے بیٹوں اور بیٹیوں کی تربیت کرتی ہے جب وہ خود باادب نہیں ہو گی تو اچھی طرح ادب نہیں سکھائے گی اور نہ تربیت کرے گی اسی لیے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

إِيَّاكُمْ وَخَضْرَاءَ الدِّمَنِ۔ گوبر کے اوپر کی سبزی سے بچو۔

عرض کیا گیا "خضراء الدمن" کیا ہے؟ آپ نے فرمایا خوبصورت عورت جو برے گھر میں پیدا ہو جائے۔(۲)

اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

تَخَيَّرُوا لِنُطَفِكُمْ فَإِنَّ الْعِرْقَ اپنے مادہ منویہ کے لیے اچھی عورتوں کا انتخاب کرو

---

(۱) صحیح بخاری جلد ۲ ص ۷۶۰ کتاب النکاح

(۲) کنزالعمال جلد ۱۶ ص ۳۰۰ حدیث ۴۴۵۸۷

نَزَّاعٌ (۱) کیوں کہ رگِ قرابت کھینچنے والی ہے۔

(یعنی عورت جیسے خاندان کی ہو گی اسی قسم کے اثرات اولاد میں ظاہر ہوں گے ۱۲ ہزاروی)۔

۸۔ قریبی رشتہ دار نہ ہو

اگر زیادہ قریبی رشتہ دار ہو گی تو شہوت کم ہو گی۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

لَا تَنْكِحُوا الْقَرَابَةَ الْقَرِيْبَةَ فَاِنَّ الْوَلَدَ يُخْلَقُ ضَاوِيًا۔ (۲)

قریبی رشتہ دار عورت سے نکاح نہ کرو اس سے بچہ کمزور پیدا ہوتا ہے۔

اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ بات شہوت کو کم کرتے ہیں مؤثر ہوتی ہے کیوں کہ شہوت دیکھنے اور ہاتھ لگانے کے ذریعے قوتِ احساس سے پیدا ہوتی ہے اور احساس کی قوت تب پیدا ہوتی ہے جب معاملہ اجنبی اور جدید ہو کیونکہ جس عورت سے تعلق ہو اور ایک عرصہ تک اس پر نظر پڑتی رہی ہو تو اس وجہ سے اس پر شہوت کا احساس مکمل نہیں ہوتا اور شہوت پیدا نہیں ہوتی،

یہ وہ امور ہیں جو عورت کے بارے میں ترغیب دیتے ہیں۔ (عورت کے) ولی پر بھی لازم ہے کہ وہ لڑکے (خاوند) کی عادت کو ملحوظ رکھے اور اپنی لڑکی پر شفقت کرتے ہوئے اس کا نکاح ایسے شخص سے نہ کرے جس کی صورت و سیرت اچھی نہ ہو یا وہ دینی اعتبار سے کمزور ہو یا وہ اس کا حق ادا کرنے میں کوتاہی کرنے والا ہو یا نسبی اعتبار سے اس (لڑکی) کا ہم پلہ نہ ہو،

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اَلنِّكَاحُ رِقٌّ فَلْيَنْظُرْ اَحَدُكُمْ اَيْنَ يَضَعُ كَرِيْمَتَهٗ۔ (۳)

نکاح کرنا عورت کو لونڈی بنانا ہے تو تم میں سے ایک کو دیکھنا چاہیے کہ وہ اپنی پیاری چیز (بیٹی) کو کہاں رکھ رہا ہے۔

اور بچیوں کے حق میں احتیاط برتنا بہت اہم ہے کیوں کہ نکاح کے ذریعے وہ غلامی میں جاتی ہے رہائی نہیں پاتی، اور خاوند تو ہر حالت میں طلاق دینے پر قادر ہے اس لیے جب وہ اپنی بیٹی کو کسی ظالم فاسق، بدعتی یا شراب نوش کے نکاح میں دے گا تو اس نے دینی اعتبار سے جرم کیا اور اللہ تعالیٰ کی ناراضگی مول لی کیونکہ اس نے قطع رحم کیا اور اپنے

---

(۱) سنن ابن ماجہ ص ۱۴۲ ابواب النکاح / الفردوس بماثور الخطاب جلد ۲ ص ۵۱

(۲) المعجم الکبیر للطبرانی جلد اول ص ۱۱۳ حدیث ۲۰۶

(۳)

اختیارات کو غلط استعمال کیا، ایک شخص نے حضرت حسن بصری رحمہ اللہ سے پوچھا کہ لوگوں کی ایک جماعت نے مجھ سے میری بیٹی کا رشتہ مانگا ہے میں کس سے نکاح کروں؟ آپ نے فرمایا اس سے نکاح کرو جو اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہے اگر وہ اس (لڑکی) سے محبت کرے گا تو اس کی عزت کرے گا اور اگر ناپسند کرے گا تو ظلم نہیں کرے گا۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

مَنْ زَوَّجَ كَرِيْمَتَهُ مِنْ فَاسِقٍ فَقَدْ قَطَعَ رَحِمَهَا۔ (۱)

جس نے اپنی بیٹی کا نکاح کسی فاسق سے کیا اس نے قطع رحمی کی۔

---

(۱) تنزیہ الشریعۃ المرفوعۃ جلد ۲ ص ۲۰۰ کتاب النکاح
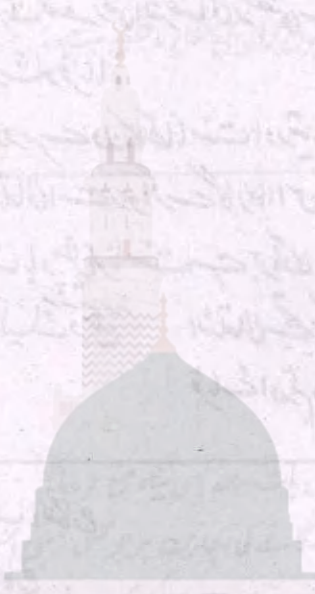
تیسرا باب

آدابِ معاشرت

وہ امور جو نکاح کے دائمی ہونے کی ضمانت ہیں نیز مرد پر کیا لازم ہے اور عورت پر کیا۔

خاوند کی ذمہ داری

خاوند پر لازم ہے کہ وہ بارہ امور میں میانہ روی اور ادب کا خیال رکھے ولیمہ، حسن سلوک، مزاح، سیاست، غیرت، عورت کا نفقہ، تعلیم، تقسیم، نافرمانی کی صورت میں تادیب، جماع، بچے کی پیدائش اور طلاق کے ذریعے جدا کرنا۔

پہلا ادب (ولیمہ)

ولیمہ مستحب ہے حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ پر زرد رنگ کا اثر دیکھا تو پوچھا یہ کیا ہے؟ انہوں نے عرض کیا کہ میں نے ایک عورت سے ایک گٹھلی کے برابر سونے پر نکاح کیا ہے آپ نے فرمایا۔ اللہ تعالیٰ تمہیں برکت دے ولیمہ کرو اگرچہ ایک بکری ہو (۱)

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کی رخصتی کے موقعہ پر کھجور اور ستو کے ساتھ ولیمہ کیا (۲)

نیز رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"پہلے دن کا کھانا حق (لازم) ہے دوسرے دن کا کھانا سنت اور تیسرے دن کا کھانا ریاکاری ہے اور جو شخص لوگوں میں شہرت کے لیے ایسا کرے اللہ تعالیٰ اسے رسوا کرے گا (۳) اس حدیث کو صرف زیاد بن عبداللہ نے مرفوعاً روایت کیا اور یہ حدیث غریب ہے دولہا کو مبارک باد پیش کرنا سنت ہے جو آدمی دولہا کے پاس جائے تو یوں کہے۔

بَارَكَ اللّٰهُ لَكَ وَبَارَكَ عَلَيْكَ وَجَمَعَ بَيْنَكُمَا فِيْ خَيْرٍ۔ — اللہ تعالیٰ تجھے برکت عطا فرمائے اور تجھ پر برکت نازل فرمائے اور تم دونوں کو بھلائی پر اکٹھا رکھے۔

---

(۱) تنزیہ الشریعۃ المرفوعۃ جلد ۲ ص ۲۰۰ کتاب النکاح

(۲) صحیح مسلم جلد اول ص ۴۵۸ کتاب النکاح

(۳) صحیح مسلم جلد اوّل ص ۴۵۸ کتاب النکاح

(۴) جامع الترمذی ص ۱۷۶ ابواب النکاح۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بات کا حکم دیا ہے (۱)
نکاح کو ظاہر کرنا بھی مستحب ہے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :۔

فَصْلُ مَابَیْنَ الْحَلَالِ وَالْحَرَامِ الدَّفُّ وَالصَّوْتُ (۲)

حلال اور حرام کے درمیان دف اور آواز سے امتیاز ہوتا ہے۔

اَعْلِنُوْا هٰذَا النِّكَاحَ وَاجْعَلُوْهُ فِي الْمَسَاجِدِ وَاضْرِبُوْا عَلَيْهِ الدُّفُوْفَ (۳)

اس نکاح کا اعلان کرو اور اسے مساجد میں منعقد کرو اور اس پر دف بجاؤ (۴)

حضرت ربیع بنت معوذ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں جس رات میری رخصتی ہوئی اس سے اگلی صبح سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اور میرے بچھونے پر تشریف فرما ہوئے ہماری کچھ لڑکیاں دف بجا رہی تھیں اور میرے آباؤ اجداد میں سے جو قتل ہو گئے تھے ان کا ذکر کر رہی تھیں حتیٰ کہ ان میں سے ایک نے کہا "اور ہم میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہیں جو کل کی بات جانتے ہیں ،،" آپ نے فرمایا اس بات سے خاموش رہو اور جو کچھ پہلے کہہ رہی تھیں وہی کہو (۵)

دوسرا ادب (عورتوں سے حسن سلوک)

دوسرا ادب یہ ہے کہ عورتوں سے اچھے اخلاق سے پیش آئے اور ان کی طرف سے اذیت پہنچے تو اسے برداشت کرے یعنی ان پر رحم کرتے ہوئے ایسا کرے کیوں کہ ان کی عقل ناقص ہے۔
اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا :

---

(۱) سنن ابن ماجہ ص ۱۳۸ ابواب النکاح

(۲) سنن ابن ماجہ ص ۱۳۸ ابواب النکاح

(۳) جامع الترمذی ص ۱۷۵ ابواب النکاح

(۴) صحیح بخاری جلد اول ص ۵۰۰ کتاب المناقب۔

(۵) سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بات سے اس لیے منع فرمایا کہ
چوں کہ یہ گانے بجانے کا موقعہ ہے (اگرچہ ایسے گانے کی اجازت ہو جو فحش نہ ہو) اس لیے اس دوران سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ذکر سے منع فرما دیا اس لیے منع فرمایا کہ آپ نے مناسب نہ سمجھا کہ آپ کے سامنے آپ کی تعریف کی جائے ورنہ یہ بات حقیقت کے خلاف نہیں تھی سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوۂ بدر سے ایک دن پہلے میدان جنگ میں نشانات لگا کر قتل ہونے والے کفار کے نام اور جگہ بتائی تھی ۱۲ ہزاروی

وَعَاشِرُوهُنَّ بِالْمَعْرُوفِ (۱) اور ان (عورتوں) سے اچھا سلوک کرو۔

اور ان کے حق کی عظمت ظاہر کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

وَاَخَذْنَ مِنْكُمْ مِّيْثَاقًا غَلِيْظًا (۲) اور ان (بیویوں) نے تم سے پکا وعدہ لیا۔

اور ارشاد فرمایا۔

وَالصَّاحِبِ بِالْجَنْبِ (۳) اور پہلو کے ساتھی (بیوی) سے احسن سلوک کرو)

کہا گیا ہے کہ اس سے بیوی مراد ہے۔

اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی آخری وصیت تین باتیں تھیں کہ ان کا ذکر کرتے کرتے آپ کی زبان مبارک لڑکھڑانے لگی اور آپ کی گفتگو میں آہستگی آگئی۔ آپ فرما رہے تھے۔

نماز کا خیال رکھو، نماز کا خیال رکھو، جن لونڈیوں اور غلاموں کے تم مالک ہو ان کا خیال رکھو ان کو طاقت سے زیادہ تکلیف نہ دو۔ عورتوں کے بارے میں اللہ تعالیٰ سے ڈرو وہ تمہارے ہاتھوں میں قیدی ہیں تم نے انہیں اللہ تعالیٰ کی امانت کے ساتھ لیا ہے اور اللہ تعالیٰ کے کلمہ کے ساتھ ان کی شرمگاہوں کو حلال کیا ہے (۴)

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

جو شخص اپنی بیوی کی بد اخلاقی پر صبر کرے اللہ تعالیٰ اسے وہ اجر عطا فرمائے گا جو حضرت ایوب علیہ السلام کو ان کی آزمائش پر عطا فرمایا۔ اور جو عورت اپنے خاوند کے بُرے اخلاق پہ صبر کرے اللہ تعالیٰ اسے فرعون کی بیوی حضرت آسیہ کے ثواب کی مثل عطا فرمائے گا۔ (۵)

جان لو کہ حسن اخلاق صرف اسی بات کا نام نہیں کہ عورت کو تکلیف نہ پہنچاؤ بلکہ اس کی طرف سے اذیت برداشت کرنا بھی اچھا اخلاق ہے نیز سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی اقتداء ہیں۔ بیوی کے غصے اور جذبات کو بھی برداشت کرنا چاہیئے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات (بعض اوقات) آپ کو جواب تک دیتی تھیں اور ان میں سے ایک نے سارا دن شام تک آپ سے گفتگو نہ کی (۶)

---

(۱) قرآن مجید، سورۂ نساء آیت ۱۹ (۲) قرآن مجید، سورۂ نساء آیت ۲۱

(۳) قرآن مجید، سورۂ نساء آیت ۳۶

(۴) سنن ابن ماجہ ص ۱۱۸ کتاب الجنائز / مسند امام احمد بن حنبل جلد ۵، ص ۳۷ مرویات عم ابی مرۃ

(۵) الاحادیث الضعیفہ الموضوعۃ جلد ۲ ص ۹۰ حدیث ۶۲۷

(۶) صحیح مسلم جلد اول ص ۴۸۲ کتاب الطلاق

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی زوجہ نے ان کی بات کا جواب دیا تو انہوں نے فرمایا اے گستاخ! تو مجھے جواب دیتی ہے انہوں نے عرض کیا کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات آپ کو جواب دیتی ہیں حالانکہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم آپ سے بہتر ہیں۔

اس پر حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے فرمایا اگر حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا (حضرت عمر فاروق کی صاحبزادی اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ) نے جواب دیا تو اس نے نقصان اٹھایا پھر حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی بیٹی (حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا) کو دیکھ کر دھوکے میں نہ آجانا ان سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو محبت ہے۔ اور آپ نے حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کو جواب دینے سے ڈرایا (۱)

ایک روایت میں ہے کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی کسی زوجہ نے آپ کے سینے پر ہاتھ رکھ کر آپ کو دھکا دیا تو ان کی والدہ نے ڈانٹ پلائی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا انہیں چھوڑ دو بیویاں تو اس سے بھی زیادہ (حرکت) کرتی ہیں (۲)

(ایک دفعہ) سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم اور ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے درمیان مباحثہ ہوا تو ان دونوں نے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو اپنے درمیان فیصل اور گواہ بنایا۔ اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا تم پہلے گفتگو کرتی ہو یا میں کروں؟ انہوں نے عرض کیا نہیں بلکہ آپ پہلے گفتگو کریں۔ لیکن سچی سچی بات کہنا اس پر حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے ان کے منہ پر تھپڑ مارا حتیٰ کہ ان کے منہ سے خون آگیا آپ نے فرمایا اے اپنے نفس کی دشمن کیا حضور علیہ السلام ناحق بات فرمائیں گے چنانچہ ام المومنین رضی اللہ عنہا نے حضور کے پاس پناہ حاصل کی اور آپ کی پیٹھ کے پیچھے بیٹھ گئیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے (حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سے) فرمایا ہم نے آپ کو اس مقصد کے لیے نہیں بلایا تھا اور نہ ہی ہمارا آپ سے یہ ارادہ تھا (۳)

ایک مرتبہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے غصے میں یوں کہا کہ کیا آپ یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ آپ اللہ تعالیٰ کے نبی ہیں تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بات کو نہایت بردباری اور اپنی کریمانہ شان کے ساتھ برداشت کیا اور مسکرا پڑے (۴)۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا کرتے تھے کہ مجھے تیرے غصے اور خوشی کی حالت

---

(۱) صحیح مسلم جلد اول ص ۴۸۲ کتاب الطلاق

(۲) 〃 〃 〃 〃

(۳) 〃 〃 〃 〃

(۴) 〃 〃 〃 〃

کا علم ہو جاتا ہے انہوں نے عرض کیا آپ کو کیسے معلوم ہو جاتا ہے آپ نے فرمایا جب تم راضی ہوتی ہو تو کہتی ہو حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے معبود کی قسم اور جب غصے کی حالت میں ہوتی ہو تو کہتی ہو حضرت ابراہیم علیہ السلام کے معبود کی قسم ــــــ انہوں نے عرض کیا حضور! آپ نے ٹھیک فرمایا (لیکن) میں تو صرف آپ کا نام چھوڑتی ہوں۔(۱)
کہا جاتا ہے کہ اسلام میں سب سے پہلی محبت جو واقع ہوئی وہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے محبت ہے (۲) آپ ان سے فرمایا کرتے تھے کہ میں تمہارے لیے اس طرح ہوں جس طرح ابوزرع، ام زرع کے ساتھ تھے لیکن میں تمہیں طلاق نہیں دوں گا۔ (۳) (ابوزرعہ کو اپنی بیوی ام زرعہ سے بہت محبت تھی پھر طلاق دے دی تو حضور علیہ السلام نے ان کی مثال بیان فرمائی ۱۲ ہزاری)
نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی ازواج مطہرات سے فرمایا کرتے تھے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے معاملے میں مجھے اذیت نہ دو۔ کیونکہ اللہ کی قسم جب بھی مجھ وحی نازل ہوتی ہے ان کے علاوہ تم میں سے کسی کے بستر پہ نہیں ہوتا۔(۴)
حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم عورتوں اور بچوں کے ساتھ عام لوگوں کی نسبت زیادہ محبت کرنے والے تھے (۵)

تیسرا ادب:

بیوی کے ساتھ خوش طبعی

بیوی کی طرف سے اذیت برداشت کرنے کے ساتھ ساتھ اس سے خوش اور ہنسی مذاق بھی کرے اس سے عورتوں کے دل خوش ہوتے ہیں۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی ازواج مطہرات سے مزاح کیا کرتے تھے۔ اور اعمال و اخلاق میں ان کی عقلوں کے مراتب پہ اتر آتے حتیٰ کہ روایت میں ہے کہ آپ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ دوڑنے کا مقابلہ کرتے تھے ایک مرتبہ وہ آپ سے آگے نکل گئیں اور ایک مرتبہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم سبقت لے گئے آپ نے فرمایا مقابلہ برابر ہو گیا۔ (۶)

---

(۱) صحیح بخاری جلد ۲ ص ۸۹۸ کتاب الادب
(۲) صحیح مسلم جلد ۲ ص ۲۸۳ کتاب الفضائل (۳) صحیح مسلم جلد ۲ ص ۲۸۸ کتاب الفضائل
(۴) صحیح بخاری جلد اول ص ۵۳۲ کتاب المناقب
(۵) صحیح مسلم جلد ۲ ص ۲۵۴ کتاب الفضائل
(۶) سنن ابی داود جلد اول ص ۳۴۸ کتاب الجہاد

ایک حدیث شریف میں ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی ازواج مطہرات کے ساتھ باقی لوگوں کی نسبت زیادہ خوش مزاجی فرماتے تھے (۱)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں عاشورا کے دن حبشی کھیل رہے تھے میں نے ان کی آواز سنی تو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا تم ان کا کھیل دیکھنا پسند کرتی ہو؟ فرماتی ہیں میں نے عرض کیا جی ہاں، تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو بلایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دروازے کے درمیان کھڑے ہو گئے آپ نے اپنی ہتھیلی دروازے پر رکھ دی اور ہاتھ کو آگے بڑھا دیا میں نے اپنی ٹھوڑی اس پر رکھ دی چنانچہ وہ کھیلنے لگے اور میں دیکھتی رہی رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دو یا تین مرتبہ فرمایا تجھے کافی ہے تو میں نے عرض کیا آپ خاموش رہیں آپ نے پھر فرمایا اے عائشہ! تمہیں اسی قدر کافی ہے میں نے عرض کیا جی ہاں چنانچہ آپ نے ان لوگوں کو اشارہ کیا تو وہ چلے گئے (۲)

تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اَکْمَلُ الْمُؤْمِنِیْنَ اِیْمَانًا اَحْسَنُہُمْ خُلُقًا وَاَلْطَفُہُمْ بِاَھْلِہٖ (۳)

مومنوں میں سے اس شخص کا ایمان زیادہ کامل ہے جس کے اخلاق سب سے اچھے ہوں اور وہ اپنے گھر والوں پر زیادہ مہربان ہو۔

✣ ✣ ✣

نیز آپ نے ارشاد فرمایا:

خَیْرُکُمْ خَیْرُکُمْ لِنِسَائِہٖ وَاَنَا خَیْرُکُمْ لِنِسَائِیْ۔ (۴)

تم میں سے بہتر وہ شخص ہے جو اپنی بیویوں کے لیے اچھا ہے اور میں اپنے بیویوں کے لیے تم سب سے بہتر ہوں۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے سخت مزاج ہونے کے باوجود فرمایا۔

آدمی کو اپنے گھر میں بچے کی طرح ہونا چاہیے اور جب اس سے وہ چیز مانگی جائے جو اس کے پاس ہے تو مرد ہو جائے (یعنی اب بچوں کی طرح نہ رہے)

---

(۱) کنز العمال جلد ۷ ص ۱۰۴ حدیث ۱۸۳۰۰۔

(۲) صحیح مسلم جلد اول ص ۲۹۱ کتاب العیدین

(۳) جامع الترمذی ص ۳۷۵ ابواب الایمان

(۴) سنن ابن ماجہ ص ۱۴۳ ابواب النکاح

حضرت لقمان رحمہ اللہ نے فرمایا:
عقلمند آدمی کو چاہیئے کہ وہ اپنے گھر میں بچے کی طرح رہے۔ اور جب وہ اپنی قوم میں ہو تو مرد کی صورت میں ہو۔

ایک حدیث میں ہے:
اِنَّ اللّٰهَ يُبْغِضُ الْجَعْظَرِيَّ الْجَوَّاظَ ۔ (۱) بے شک اللہ تعالیٰ سخت مزاج متکبر کو ناپسند کرتا ہے۔
اس حدیث کی تشریح میں کہا گیا ہے کہ اس سے مراد وہ شخص ہے جو اپنے گھر والوں پر سخت اور ذاتی طور پر متکبر ہو۔ قرآن پاک کی ایک آیت کریمہ میں "عُتُلٍّ" (۲) کا جو لفظ آیا ہے اس کا ایک معنیٰ یہی بیان کیا گیا ہے کہ وہ اپنے گھر والوں پر سخت زبان اور سخت دل ہے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے فرمایا:
هَلَّا بِكْرًا تُلَاعِبُهَا وَتُلَاعِبُكَ ۔ (۳) تم نے کنواری لڑکی سے شادی کیوں نہیں کی تم اس سے کھیلتے اور وہ تم سے کھیلتی۔

ایک اعرابیہ (دیہاتی عورت) نے اپنے فوت شدہ خاوند کے بارے میں بیان کیا کہ اللہ کی قسم وہ جب گھر میں داخل ہوتا تو مسکراتا ہوا آتا جب باہر جاتا تو خاموش رہتا جو کچھ مل جاتا کھا لیتا اور جو کچھ نہ ملتا اس کے بارے میں پوچھتا نہیں تھا۔

۴۔ خوش خلقی میں اعتدال

مزاج، حسن اخلاق اور عورت کی خواہش کے پیچھے چلتے ہیں اس حد تک نہ چلا جائے کہ اس کے اخلاق بگڑ جائیں اور اس پر کوئی دبدبہ ہی نہ رہے بلکہ اس سلسلے میں اعتدال کی راہ اختیار کرے اور جب کبھی کوئی بری بات دیکھے تو رعب ڈالنے اور اظہار ناراضگی کو ترک نہ کرے اور کسی صورت میں بھی برائیوں پر تعاون کا دروازہ نہ کھولے بلکہ جب بھی شرع اور مروت کے خلاف کوئی بات دیکھے تو غصے سے آگ بگولا ہو جائے۔

حضرت حسن بصری رحمہ اللہ فرماتے ہیں۔
اللہ کی قسم! جو شخص بھی عورت کی (بری) خواہشات پر اس کی اطاعت کرے گا اللہ تعالیٰ اسے جہنم میں اوندھا ڈالے گا۔
حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

---

(۱) صحیح مسلم جلد ۲ ص ۳۸۲ کتاب الجنۃ۔
(۲) قرآن مجید، سورۃ القلم آیت ۱۳
(۳) صحیح مسلم جلد اول ص ۴۷۴ کتاب الرضاع

عورتوں کی مخالفت کرو بے شک ان کی مخالفت میں برکت ہے۔
یہ بھی کہا گیا کہ ان سے مشورہ کرو اور ان کی مخالفت کرو۔ (۱)
نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

تَعِسَ عَبْدُ الزَّوْجَةِ (۲) بیوی کا غلام ہلاک ہوا۔

آپ نے یہ بات اس لیے فرمائی کہ اگر وہ اس کی خواہشات کو مانتا ہے تو گویا وہ اس کا غلام ہے اور وہ اس لیے ہلاک ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے اسے عورت پر ملکیت دی تھی اور اب اس نے اس عورت کو اپنا مالک بنا لیا اور یوں اس نے معاملہ الٹ کر دیا۔ اور شیطان کی پیروی کی (۳) کیوں کہ شیطان نے کہا قرآن پاک میں ہے

وَلَاٰمُرَنَّهُمْ فَلَيُغَيِّرُنَّ خَلْقَ اللّٰهِ۔ (۴) میں انہیں ضرور بضرور حکم دوں گا تو وہ تخلیق خداوندی کو بدل ڈالیں گے۔

کیوں کہ مرد کا حق یہ ہے کہ وہ متبوع ہو تابع نہ ہو اور اللہ تعالیٰ نے مردوں کا عورتوں پہ حاکم کے طور پر ذکر کیا نیز خاوند کو سید (سردار) کہا۔
ارشاد خداوندی ہے:

وَاَلْفَيَا سَيِّدَهَا لَدَى الْبَابِ (۵) اور ان دونوں (حضرت یوسف علیہ السلام اور حضرت زلیخا) نے ان (حضرت زلیخا) کے سردار (خاوند) کو دروازے پر پایا۔

٭ ٭ ٭

توجب سردار مسخر ہو جائے تو اس نے اللہ تعالیٰ کی نعمت کی ناشکری کی نفس عورت تمہارے نفس کی مثل ہے اگر تم اس کی لگام تھوڑی سی بھی ڈھیلی کر دو تو وہ سرکش ہو جائے گی اور اگر تم اس کی لگام کو ایک بالشت ڈھیلی کر دگے وہ تمہیں ایک گز کھینچے گی اور اگر تم اس کی لگام کو کھینچ کر رکھو گے اور سختی کے موقعہ پہ اس پر سخت ہاتھ رکھو گے تو اس کے مالک بن جاؤ گے۔

---

(۱) اس کا مطلب یہ ہے کہ نہ عورتوں کو بالکل نظر انداز کر دو اور نہ ان کے پیچھے چلنا شروع کر دو ۱۲ ہزاروی
(۲) صحیح بخاری جلد ۲ ص ۹۵۲ کتاب الرقاق
(۳) جس ملک کے لوگ عورت کو اپنا حکمران بنا لیں وہ بھی اسی حکم میں داخل ہیں ۱۲ ہزاروی۔
(۴) قرآن مجید، سورۂ نساء آیت ۱۱۹۔
(۵) قرآن مجید، سورۂ یوسف آیت ۲۵

حضرت امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں تین قسم کے لوگ وہ ہیں کہ اگر تم ان کی عزت کرو گے تو وہ تمہاری توہین کریں گے اور اگر تم ان کے ساتھ توہین آمیز سلوک (سختی مراد ہے) کرو گے تو وہ تمہاری عزت کریں گے۔ عورت، خادم اور نبطی (ایک قبیلہ ہے جو عجمی ہیں لیکن عراقیوں میں رہتے ہیں) آپ کا مطلب یہ ہے کہ اگر تم صرف ان کی عزت کرو گے اور نرمی کے ساتھ سختی نہیں ملاؤ گے (تو یہ نقصان دہ ہے)

عرب کی عورتیں اپنی بیٹیوں کو سکھاتی تھیں کہ وہ اپنے خاوندوں کی آزمائش کرتی رہیں ایک عورت اپنی بیٹی سے کہتی کہ خاوند پر جرأت کرنے سے پہلے اس کی آزمائش کرو۔ یعنی اس کے نیزے کی بھال اکھاڑ دینا اگر وہ خاموش رہے تو اس کی ڈھال پر گوشت کاٹنا اگر خاموشی اختیار کرے تو اس کی تلوار سے ہڈیاں توڑنا اگر اس پر بھی چپ رہے تو اب اس کی پیٹھ پر پالان ڈال کر سوار ہو جانا کیونکہ وہ تمہارا گدھا ہو چکا ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ عدل کی وجہ سے آسمان اور زمین قائم ہیں جو چیز بھی حد سے تجاوز کر جائے تو معاملہ اس کے برعکس ہو جاتا ہے لہٰذا تمہیں درمیانے راستے پر چلنا چاہیے نہ بالکل موافقت اور نہ ہی بالکل مخالفت ہو۔ اور ان تمام باتوں میں حق کی اتباع کرنا تاکہ تم عورتوں کے شر سے محفوظ رہو کیونکہ ان کا مکر بہت بڑا ہے ان کا شر واضح ہے اور ان پر بداخلاقی اور کم عقلی غالب ہے۔

لہٰذا ان سے اعتدال کی توقع تب ہی ہو سکتی ہے جب کچھ نرمی کی جائے لیکن وہ سیاست سے مخلوط ہو (یعنی حکمتِ عملی سے کام لیا جائے)

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

نیک عورت کی مثال ایسے ہی ہے جیسے سو کووں میں ایک سفید پیٹ والا کوا ہوتا ہے (۱)

حضرت لقمان حکیم نے اپنے بیٹے کو ایک وصیت یہ بھی کی تھی کہ بیٹا! بُری عورت سے بچنا وہ تمہیں بڑھاپے سے پہلے بوڑھا کر دے گی اور شر پسند عورتوں سے بچنا کیونکہ وہ نیکی کی طرف نہیں بلاتیں اور نیک عورتوں سے بھی بچتے رہنا۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اِسْتَعِیْذُوْا مِنَ الْفَوَاقِرِ الثَّلَاثِ۔ تین مصیبتوں سے پناہ مانگتے رہو۔

اور آپ نے ان تین میں سے بری عورت کو بھی شمار کیا کیونکہ بڑھاپا آنے سے پہلے بوڑھا کر دیتی ہے (۲)

ایک دوسری حدیث کے الفاظ اس طرح ہیں کہ اگر تم اس کے پاس جاؤ تو وہ تمہیں پریشان کرے گی اور اگر تم اس

---

(۱) المعجم الکبیر للطبرانی جلد ۸ ص ۲۳۸ حدیث ۷۸۱۷

(۲) کنز العمال جلد ۱۶ ص ۲۸۴ حدیث ۴۴۳۸۷۵

سے غائب رہو تو خیانت کرے گی۔ (۱)
نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے نیک عورتوں کے بارے میں فرمایا:
کہ تم یوسف علیہ السلام کے زمانے کی عورتوں کی طرح ہو۔ (۲)
یعنی جب تم یہ کہتی ہو کہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کو مصلے پر کھڑا نہ کیا جائے تو تم حق سے خواہش کی طرف جھکتی ہو۔
جب انہوں نے (سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات نے) آپ کا راز فاش کیا تو اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

اِنْ تَتُوْبَا اِلَى اللّٰهِ فَقَدْ صَغَتْ قُلُوْبُكُمَا۔ (۳)
اگر تم اللہ تعالیٰ کے ہاں توبہ کرو تحقیق تمہارے دل خواہش کی طرف جھک گئے۔ (۴)

یعنی تمہارے دل مائل ہو گئے اور یہ بات نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بہترین ازواج کے بارے میں فرمائی۔
نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

لَا يُفْلِحُ قَوْمٌ تَمْلِكُهُمْ اِمْرَاَةٌ۔ (۵)
عورت جس قوم کے معاملات کی مالک بن جائے وہ قوم کبھی فلاح نہیں پا سکتی۔

جب حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی زوجہ نے ان کی بات کا جواب دیا تو انہوں نے اسے جھڑکا اور فرمایا تو گھر کے ایک کونے میں پڑے کھلونے کی طرح ہے اگر ہمیں تمہاری حاجت ہوئی تو ٹھیک ورنہ اپنی جگہ بیٹھی رہو۔
تو جب عورتوں میں شر بھی ہے اور کمزوری بھی تو شر کا علاج سختی اور سیاست (حکمت عملی) ہے اور کمزوری کا علاج اچھی گفتگو اور رحمت و شفقت ہے، تو ماہر ڈاکٹر وہ ہوتا ہے جو بیماری کے مطابق علاج کرتا ہے تو مرد کو پہلے، تجربے کے ذریعے عورت کے اخلاق کو دیکھنا چاہیئے پھر اس کی حالت کے مطابق اس کے ساتھ معاملہ کرے۔
۵۔ غیرت میں اعتدال | یعنی جن امور سے عورت کی سرکشی کا خطرہ ہو ان کی ابتدا سے غفلت نہ برتے اور نہ

---

(۱) کنز العمال جلد ۱۶ ص ۲۸۷ حدیث ۴۵۸۵۳
(۲) صحیح مسلم جلد اول ص ۱۸۰ کتاب الصلوٰۃ۔
(۳) قرآن مجید، سورۂ تحریم آیت نمبر ۴
(۴) صحیح بخاری جلد ۲ ص ۷۳۱ کتاب التفسیر
(۵) مسند امام احمد بن حنبل جلد ۵ ص ۴۳

ہی بد گمانی کرے اور اس کے باطن حالات کی جستجو میں رہے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے عورتوں کے پوشیدہ معاملات کے تجسس سے منع فرمایا ایک روایت میں ہے کہ آپ نے عورتوں کے پاس اچانک جانے سے منع فرمایا۔ (۱)

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب ایک سفر سے واپس تشریف لائے تو آپ نے مدینہ طیبہ میں داخل ہونے سے پہلے فرمایا رات کے وقت عورتوں کے پاس نہ جانا (۲) دو آدمیوں نے آپ کی مخالفت کی اور چلے گئے تو ان میں سے ہر ایک نے اپنے گھر میں ناپسندیدہ بات دیکھی۔

ایک مشہور حدیث میں ہے آپ نے فرمایا:

عورت پسلی کی ہڈی کی طرح ہے اگر تم اسے سیدھا کرو گے تو توڑ دو گے لہذا اسے اسی طرح چھوڑ دو اور اس کے ٹیڑھاپن کے باوجود اس سے نفع حاصل کرو۔ (۳)

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ایک وہ غیرت ہے جسے اللہ تعالیٰ ناپسند فرماتا ہے اور وہ مرد کا کسی شک و کے بغیر عورت پر غیرت کرنا ہے (۴)

کیوں کہ یہ وہ بدگمانی ہے جس سے ہمیں منع کیا گیا ہے کیوں کہ بعض گمان گناہ ہیں۔ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

اپنے بیوی پر زیادہ غیرت نہ کرو ایسا نہ ہو کہ وہ تمہاری وجہ سے بدنام ہو جائے۔

جہاں تک مناسب غیرت کا تعلق ہے تو وہ ضروری ہے اور پسندیدہ بھی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اللہ تعالیٰ غیرت فرماتا (جیسے اس کے شایانِ شان ہے) ہے اور بندہ بھی غیرت کرتا ہے اللہ تعالیٰ کی غیرت یہ ہے کہ انسان حرام کام کا ارتکاب کرے (۵)

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا تم حضرت سعد رضی اللہ عنہ کی غیرت پر تعجب کرتے ہو اللہ کی قسم میں ان سے زیادہ غیرت مند ہوں اور اللہ تعالیٰ مجھ سے بھی زیادہ غیرت کرتا ہے۔ (۶)

اسی غیرت کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے ظاہری اور باطنی بے حیائیوں کو حرام قرار دیا اور اللہ تعالیٰ سے بڑھ کر کسی کو

---

(۱) تاریخ بغداد جلد اول ص ۱۸۱ ترجمہ ۷۴۳ / صحیح مسلم جلد ۲ ص ۱۴۴ کتاب العمرۃ۔

(۲) المستدرک للحاکم جلد ۴ ص ۲۹۳ کتاب الادب

(۳) صحیح بخاری جلد ۲ ص ۷۷۹ کتاب النکاح

(۴) سنن ابی داؤد جلد ۲ ص ۴ کتاب الجہاد

(۵) صحیح بخاری جلد ۲ ص ۷۸۶ کتاب النکاح

(۶) صحیح مسلم جلد اول ص ۴۹۱ کتاب اللعان

عذر کرنا زیادہ پسندیدہ نہیں ہے اسی وجہ سے اس نے ڈرانے اور خوشخبری دینے والے رسول بھیجے۔ اور اللہ تعالیٰ سے بڑھ کر کسی کو تعریف پسند نہیں ہے اسی لیے اس نے جنت کا وعدہ فرمایا۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں میں نے شب معراج ایک محل دیکھا جس کے صحن میں ایک لونڈی تھی میں نے پوچھا یہ کس کا محل ہے؟ کہا گیا حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا میں نے وہاں دیکھنے کا ارادہ کیا لیکن مجھے اے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ تمہاری غیرت کا خیال آ گیا۔

(یہ سن کر) حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ رو پڑے اور عرض کیا یا رسول اللہ! آپ پر غیرت کروں گا۔ (۱)

حضرت حسن بصری رحمہ اللہ فرماتے تھے کیا تم عورتوں کو اس بات کی اجازت دیتے ہو کہ بازاروں میں کافروں کے ساتھ رگڑ کر چلیں۔ جو شخص غیرت مند نہیں اللہ تعالیٰ اسے رسوا کرے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

وہ غیرت بھی ہے جسے اللہ تعالیٰ پسند فرماتا ہے اور وہ غیرت بھی ہے جسے اللہ تعالیٰ ناپسند کرتا ہے اسی طرح بعض تکبر اللہ تعالیٰ کو پسند ہیں اور بعض ناپسند، وہ غیرت جو اللہ تعالیٰ کے ہاں پسندیدہ ہے وہ غیرت شک کی جگہ پر ہے اور جو غیرت اللہ تعالیٰ کو پسند نہیں وہ شک کے بغیر ہے جس تکبر کو اللہ تعالیٰ پسند کرتا ہے وہ لڑائی اور صدقہ کے موقعہ پر دل ہی دل میں اترانا ہے اور جو تکبر اللہ تعالیٰ کو ناپسند ہے وہ ناحق بات پر تکبر کرنا ہے۔ (۲)

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بے شک میں غیرت کھاتا ہوں اور جسے غیرت نہیں وہ اندھے دل کا مالک ہے (۳) غیرت سے بے نیاز کرنے والا طریقہ یہ ہے کہ بیوی کے پاس مرد نہ آئیں اور نہ وہ بازاروں میں جائے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی صاحبزادی حضرت فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا سے پوچھا عورت کے لیے کیا بات بہتر ہے؟ انہوں نے عرض کیا کہ "نہ وہ کسی مرد کو دیکھے اور نہ کوئی مرد اسے دیکھے" (۴) اس پر آپ نے انہیں اپنے سینے سے لگایا اور قرآن پاک کے یہ الفاظ تلاوت فرمائے۔

ذُرِّيَّةً بَعْضُهَا مِنْ بَعْضٍ (۵) یہ اولاد ہے ان میں سے بعض، بعض سے ہیں۔

---

(۱) صحیح بخاری جلد اول ص ۶۰۴ کتاب بدء الخلق۔

(۲) مسند امام احمد بن حنبل جلد ۵ ص ۴۴۵

(۳)

(۴) مجمع الزوائد جلد ۴ ص ۲۵۵ کتاب النکاح مرویات جابر بن عبداللہ

(۵) قرآن مجید، سورۂ آل عمران آیت ۳۴

(یعنی اس بات کی طرف اشارہ فرمایا کہ میری بیٹی ہے اس لیے اس کا جواب ایسا ہی ہونا چاہیئے تھا) چنانچہ آپ نے حضرت خاتون جنت کی بات کو اچھا قرار دیا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم دیواروں کے سوراخ اور روشن دان بند کر دیا کرتے تھے تاکہ عورتیں، مردوں کو نہ دیکھ سکیں۔ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نے اپنی بیوی کو روشندان میں سے باہر جھانکتے ہوئے دیکھا تو اسے سزا دی اس طرح انہوں نے دیکھا کہ ان کی بیوی نے سیب میں سے کچھ کھانے کے بعد باقی سیب اپنے غلام کو دے دیا تو آپ نے اسے، مارا۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے فرمایا عورتوں کو اچھا لباس نہ دو تاکہ گھروں میں بیٹھی رہیں آپ نے یہ بات اس لیے فرمائی کہ عورتیں پرانے کپڑوں میں باہر جانا پسند نہیں کرتی تھیں اور فرمایا عورتوں کو لفظ "لا" کہنے کی عادت ڈالو کیونکہ اس طرح عورت دوسروں کے ساتھ میل جول سے محفوظ رہے گی)

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے عورتوں کو مسجد میں حاضر ہونے کی اجازت دی ہے (۱)

لیکن اب بہتر یہی ہے کہ منع کیا جائے البتہ بوڑھی عورتوں کو اجازت ہے بلکہ یہ بات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے زمانے میں ہی بہتر قرار دی گئی تھی۔ حتی کہ ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا اگر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے یہ بات ہوئی جو آپ کے بعد عورتوں نے اختیار کر لی تو آپ ان کو باہر جانے سے روک دیتے۔ (۲)

جب حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے۔

لَا تَمْنَعُوْا اِمَاءَ اللّٰهِ مَسَاجِدَ اللّٰهِ (۳) اللہ تعالی کی بندوں کو مساجد خداوندی سے نہ روکو۔

تو ان کے کسی بیٹے نے کہا ہاں کیوں نہیں اللہ کی قسم ہم ضرور روکیں گے اس پہ انہوں نے اسے مارا اور غصہ کرتے ہوئے فرمایا تم سن رہے ہو میں کہتا ہوں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ منع نہ کرو اور تم کہتے ہو ہاں کیوں نہیں لیکن انہوں نے اس مخالفت کی جرأت زمانے کی تبدیلی کی وجہ سے کی تھی۔ اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما اس لیے ان پہ غضبناک ہوئے کہ انہوں نے کسی عذر کے اظہار کے بغیر ظاہراً مطلق طور پر مخالفت کی تھی۔

اسی طرح رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے عورتوں کو خاص طور پہ عید کے موقع پہ باہر نکلنے کی اجازت دی تھی لیکن وہ اپنے خاوندوں کی اجازت کے بغیر باہر نہیں جاتی تھیں (۴) اور آج کل بھی پاکدامن عورت کے لیے خاوند کی اجازت

---

(۱) صحیح بخاری جلد اول ص ۱۲۳ کتاب الجمعۃ

(۲) صحیح مسلم جلد اول ص ۱۸۳ کتاب الصلوٰۃ

(۳) صحیح بخاری جلد اول ص ۱۲۳ کتاب الجمعۃ

(۴) صحیح بخاری جلد اول ص ۱۳۲ کتاب العیدین

سے باہر جانا جائز ہے لیکن گھر میں موجود رہنے میں زیادہ سلامتی ہے اور عورت کو چاہیئے کہ کسی ضروری کام کے بغیر باہر نہ جائے کیونکہ نظارے کرنے اور غیر ضروری امور کے لیے باہر جانا مروت میں خرابی کا باعث ہے بلکہ بعض اوقات فساد کی طرف لے جاتا ہے۔ اور جب باہر جائے تو اپنی نگاہوں کو مردوں کو دیکھنے سے پست رکھے ہم یہ نہیں کہتے کہ مردوں کے چہرے اس کے لیے پردے کی چیز ہیں جسے عورت کا چہرہ مرد کے حق میں (پردہ کے لائق) ہے بلکہ مرد کا چہرہ عورت کے لیے اس طرح ہے جیسے مرد کے لیے امرد (بلوغت کے قریب بچے) کا چہرہ ہوتا ہے کہ صرف فتنے کے خوف کے وقت اس کی طرف دیکھنا حرام ہوتا ہے اگر فتنہ نہ ہو تو حرام نہیں ہے، کیوں کہ لوگ راستوں میں ننگے چہروں کے ساتھ جاتے ہیں اور عورتیں نقاب پہن کر نکلتی ہیں اگر مردوں کے چہرے عورتوں کے حق میں ستر ہوتے تو انہیں بھی نقاب ڈالنے کا حکم دیا جاتا یا گھر سے باہر جانے سے روک دیا جاتا۔

۶۔ اخراجات میں اعتدال

مرد کو چاہیے کہ عورت کے نفقہ میں تنگی نہ کرے اور نہ ضرورت سے زائد دے بلکہ میانہ روی اختیار کرے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا۔

كُلُوا وَاشْرَبُوا وَلَا تُسْرِفُوا ۔ (۱)

کھاؤ پیو اور ضرورت سے آگے نہ بڑھو۔

اور ارشاد خداوندی ہے:

وَلَا تَجْعَلْ يَدَكَ مَغْلُولَةً إِلَىٰ عُنُقِكَ وَلَا تَبْسُطْهَا كُلَّ الْبَسْطِ (۲)

اور اپنے ہاتھ کو اپنی گردن سے باندھے نہ رکھو اور نہ ہی اسے مکمل کھول دو۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

خَيْرُكُمْ خَيْرُكُمْ لِأَهْلِهِ ۔ (۳)

تم میں سے بہتر وہ شخص ہے جو اپنے گھر والوں کے لیے بہتر ہے۔

اور آپ نے ارشاد فرمایا:

ایک دینار وہ ہے جسے تو اللہ تعالیٰ کے راستے میں خرچ کرتا ہے ایک دینار وہ ہے جسے تو غلام آزاد کرانے پر خرچ کرتا ہے ایک دینار وہ ہے، جسے تو اپنے گھر والوں پر خرچ کرتا ہے تو ان میں سے سب سے زیادہ ثواب اس (دینار) کا ہے جسے تو اپنے گھر والوں پر خرچ کرتا ہے۔ (۴)

---

(۱) قرآن مجید، سورۂ اعراف آیت ۳۱ (۲) قرآن مجید، سورہ اسراء آیت ۲۹

(۳) سنن ابن ماجہ ص ۱۴۳، ابواب النکاح

(۴) صحیح مسلم جلد اول ص ۳۲۲ کتاب الزکوٰۃ

کہا گیا ہے کہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی چار بیویاں تھیں تو آپ ان میں سے ہر ایک کے لیے ہر چار دن بعد ایک درھم کا گوشت خریدتے تھے۔

حضرت حسن بصری رحمہ اللہ نے فرمایا کہ اسلاف (پہلے بزرگ) گھریلو اخراجات کے بارے میں کشادہ دست رہتے اور سازو سامان اور کپڑوں کے معاملے میں میانہ روی اختیار کرتے تھے۔ یعنی عیاشی نہیں کرتے تھے البتہ گھر والوں کے ضروری اخراجات میں ہاتھ کشادہ رکھتے تھے۔

حضرت ابن سیرین رحمہ اللہ فرماتے ہیں مرد کے لیے مستحب ہے کہ وہ ہفتہ میں ایک بار اپنے گھر والوں کے لیے فالودہ (کوئی میٹھی چیز) تیار کرے گویا میٹھی چیز اگرچہ ضروریات میں سے نہیں ہے لیکن اسے بالکل چھوڑ دینا بخل کی عادت میں شامل ہے۔

مرد کو چاہیئے کہ وہ عورت کو باقی ماندہ کھانا صدقہ کرنے کا حکم دے اسی طرح وہ کھانا بھی جو چھوڑنے سے خراب ہو سکتا ہے اور یہ خیرات کا کم از کم درجہ ہے اور عورت حالات کے مطابق خاوند کی واضح اجازت کے بغیر بھی ایسا کر سکتی ہے اور اچھے کھانے میں اپنے آپ کو گھر والوں پر ترجیح نہ دے کہ (خود کھائے اور) ان کو نہ کھلائے۔ اس سے دلوں میں کینہ پیدا ہوتا ہے اور یہ بات حسن معاشرت سے بہت دور ہے اگر اس نے لازماً ایسا کرنا ہو تو چھپ کر کھائے کہ گھر والوں کو پتہ نہ چلے اور مرد کو چاہیئے کہ گھر والوں کے سامنے ایسے کھانے کی تعریف نہ کرے جو انہیں کھلانا نہیں چاہتا۔ اور جب کھانا کھائے تو سب گھر والوں کو دستر خوان پر بٹھالے۔

حضرت سفیان رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں:

ہمیں یہ بات پہنچی ہے کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتے اس گھر والوں پر رحمت بھیجتے ہیں جو اکٹھے بیٹھ کر کھاتے ہیں۔

نفقہ دینے میں سب سے اہم بات جس کا مرد کو خیال رکھنا چاہیئے وہ یہ ہے کہ اسے حلال مال سے کھلائے۔ اور اس کی وجہ سے بری جگہوں میں داخل نہ ہو اس صورت میں یہ عورت کے حقوق کی رعایت نہیں بلکہ گناہ ہے ہم نے آفاتِ نکاح کے بیان میں اس سلسلے میں وارد احادیث ذکر کی ہیں۔

۷۔ مرد حیض کے احکام سیکھے

نکاح کرنے والے مرد کو چاہیے کہ وہ حیض اور اس کے احکام سے متعلق مسائل سیکھے کہ اس دوران کن کن امور سے بچنا واجب ہے۔ نیز عورت کو نماز کے احکام سکھائے اور بتائے حیض کے دنوں کی کونسی عبادت قضا کی جائے اور کس کی قضا نہیں ہے کیونکہ مرد کو حکم دیا گیا ہے کہ وہ بیوی کو جہنم کی آگ سے بچائے۔ ارشاد خداوندی ہے۔

قُوْٓا اَنْفُسَكُمْ وَاَهْلِيْكُمْ نَارًا (۱) اپنے آپ کو اور اپنے گھر والوں کو جہنم سے بچاؤ۔

---

(۱) قرآن مجید، سورۂ تحریم آیت ۶

اسے چاہیئے کہ وہ اسے عقائد اہل سنت سکھائے اور اس کے دل سے بدعت کو دور کرے اگر اس نے اس پر کان دھرا ہو۔ اسے اللہ تعالیٰ کے عذاب سے ڈرائے اگر وہ دینی معاملات میں سستی کرے۔ (۱) مرد کو چاہیے کہ وہ عورت کو حیض اور استحاضہ کے ضروری مسائل بھی سکھائے۔

علم استحاضہ بہت زیادہ ہے لیکن عورتوں کو جو کچھ بتانا ضروری ہے وہ یہ ہے کہ نمازوں کی قضا ہو گی یعنی جب مغرب سے اتنی دیر پہلے حیض کا خون بند ہو جائے جتنی دیر میں ایک رکعت پڑھی جا سکتی ہے تو اس پر ظہر اور عصر کی نماز بھی قضا کرنا ہو گی اور اگر صبح سے ایک رکعت کے مطابق پہلے خون بند ہو تو اس پر مغرب اور عشاء کی قضا بھی ہو گی یہ وہ امور ہیں کہ عورتیں ان کا خیال بہت کم کرتی ہیں (۲)

اگر مرد اسے تعلیم دے سکتا ہے تو اب علماء سے پوچھنے کے لیے عورت کا باہر جانا جائز نہیں اور اگر مرد کا علم زیادہ نہ ہو لیکن وہ اس کے نائب کی حیثیت سے پوچھے اور مفتی کی بات اسے بتا دے تو بھی عورت کا اس مقصد کے لیے باہر جانا جائز نہیں اگر یہ صورت بھی نہ ہو تو اب عورت مسئلہ پوچھنے کے لیے جا سکتی ہے۔ بلکہ اس پر لازم ہے اور اگر مرد اسے روکے گا تو گناہ گار ہو گا اور اگر عورت ان مسائل کو سیکھ لے جن کا سیکھنا اس پر فرض ہے تو اب وہ کسی مجلس ذکر میں شمولیت کے لیے باہر نہیں جا سکتی اور نہ مزید علم کے حصول کے لیے جا سکتی ہے البتہ خاوند اجازت دے تو ایسا کر سکتی ہے۔

اگر عورت نے حیض یا استحاضہ کے کسی حکم کو چھوڑ دیا اور مرد نے بھی اسے نہیں سکھایا تو خاوند اس کے ساتھ جائے۔ (کیوں کہ) وہ بھی اس کے ساتھ گناہ میں شریک ہے۔

۸۔ عدل و انصاف کا قیام

اگر بیویاں زیادہ ہوں تو ان کے درمیان انصاف کرنا چاہیے ایسا نہ ہو کہ بعض کی طرف مائل ہو جائے (اور دوسری بیویوں کا خیال نہ رکھے) اگر سفر پہ جائے اور ان میں سے کسی ایک کو ساتھ لے جانا چاہیئے تو ان کے درمیان قرعہ اندازی کرے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم

---

(۱) بعض جگہ دیکھا گیا کہ کچھ بد عقیدہ فرقوں کے لوگ (مثلاً دیوبندی وہابی) گھر میں بچوں کو ٹیوشن پڑھانے آتے ہیں اور خواتین کو گمراہ کرنے کی کوشش کرتے ہیں اس لیے ضروری ہے کہ گھر میں عقائد اہل سنت کی کتابیں رکھی جائیں اور وقتاً فوقتاً محفل میلاد، گیارھویں شریف اور مجلس ذکر کا انعقاد کیا جائے اور گھر کے تمام افراد کو بتایا جائے کہ بدعت کیا ہوتی ہے یعنی بدعت وہ کام ہے جو سنت کے خلاف ہو اس لیے ہر نئے کام کو بدعت کہنا جائز نہیں مطلب یہ ہے کہ گھر کے چھوٹے بڑے افراد کو عقائد اہل سنت پہ مضبوط کیا جائے تاکہ کوئی بد باطن انہیں گمراہ نہ کر سکے۔ ۱۲ ہزاروی

(۲) احناف کے نزدیک صرف اسی نماز کی قضا ہو گی جس کے وقت میں خون بند ہوا کیوں کہ ظہر کے وقت (مثلاً) حیض سے تھی لہٰذا اس وقت کی نماز قضا پڑھنے کا کیا مطلب ہے ۱۲ ہزاروی

اسی طرح کیا کرتے تھے۔ (۱)

اگر کسی رات ایک عورت (کے پاس نہ جانے کی وجہ سے اس) پر ظلم کرے تو اس کی قضا کرے کیوں کہ اس پر قضا واجب ہے اور اس صورت میں اس کے لئے ان کے درمیان باری مقرر کرنے کے احکام کا جاننا ضروری ہے یہ ایک لمبی گفتگو ہے۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

جس آدمی کی دو بیویاں ہوں اور وہ ان میں سے ایک کی طرف مائل ہو۔ اور دوسری کی طرف متوجہ نہ ہو (۲)

ایک روایت میں یوں ہے کہ وہ ان کے درمیان انصاف قائم نہ کرے تو وہ قیامت کے دن یوں آئے گا کہ اس کا ایک پہلو جھکا ہوا ہوگا (۳)

مرد پر لازم ہے کہ عطیات اور شب بسری میں انصاف سے کام لے جہاں تک محبت اور جماع کا تعلق ہے تو یہ بات اس کے اختیار میں نہیں ہے۔

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

وَلَنْ تَسْتَطِيعُوا أَنْ تَعْدِلُوا بَيْنَ النِّسَاءِ وَلَوْ حَرَصْتُمْ - (۴)

اور تم عورتوں کے درمیان ہرگز (مکمل) انصاف قائم نہیں کر سکتے اگرچہ تمہیں اس کی حرص ہو۔

یعنی دل کی خواہش اور نفس کے میلان کے اعتبار سے انصاف نہیں کر سکتے۔ اور یہ فرق جماع کے سلسلے میں بھی ہوتا ہے۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم عطیات اور رات گزارنے کے اعتبار سے ازواج مطہرات کے درمیان برابری اختیار فرماتے اور بارگاہ خداوندی میں عرض کرتے۔

اَللّٰهُمَّ هٰذَا جُهْدِي فِيمَا أَمْلِكُ وَلَا طَاقَةَ لِي فِيمَا تَمْلِكُ وَلَا أَمْلِكُ - (۵)

یا اللہ! جس چیز کا میں مالک ہوں اس میں میری یہ کوشش ہے اور جس بات کا تو مالک ہے میں مالک نہیں ہوں اس کی مجھے طاقت نہیں۔

---

(۱) صحیح بخاری جلد اول ص ۳۵۳ کتاب الجمعۃ

(۲) سنن النسائی جلد ۲ ص ۸۳ کتاب عشرۃ النساء

(۳) جامع الترمذی ص ۱۸۴ ابواب النکاح

(۴) قرآن مجید، سورۂ نساء آیت ۱۲۹

(۵) سنن ابی داؤد جلد اوّل ص ۲۹۰ کتاب النکاح

اس سے محبت مراد ہے اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو دوسری ازواج کے مقابلے میں زیادہ محبت تھی۔ اور آپ کی تمام بیویوں اس بات کا علم تھا (۱) جب آپ علیل تھے تو آپ کو اٹھا کر ہر دن اور ہر رات لے جایا جاتا اور آپ ان میں سے ہر ایک کے ہاں رات گزارتے اور فرماتے ہیں کل کہاں ہوں گا۔ آپ کی ایک زوجہ اس بات کو سمجھ گئیں چنانچہ انہوں نے عرض کیا کہ آپ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی باری کے بارے میں دریافت فرما رہے ہیں (وہ فرماتی ہیں) ہم نے عرض کیا (یا رسول اللہ!) ہماری طرف سے آپ کو اجازت ہے کہ آپ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے ہاں رہیں کیوں کہ ہر رات آپ کو اٹھا کر لے جایا جاتا ہے تو آپ کو اذیت پہنچتی ہے آپ نے فرمایا "تم سب اس بات پر راضی ہو"؟

انہوں نے عرض کیا جی ہاں آپ نے فرمایا تو پھر مجھے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے گھر منتقل کر دو۔ (۲)

اور جب ایک بیوی اپنی رات دوسری بیوی کو ہبہ کر دے اور خاوند بھی اس پر راضی ہو تو اس (دوسری) کے لیے حق ثابت ہو جاتا ہے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی ازواج مطہرات کے درمیان باری مقرر فرماتے (ایک مرتبہ) آپ نے حضرت سودہ بنت زمعہ رضی اللہ عنہا کو طلاق دینے کا ارادہ کیا اور اس وقت وہ عمر رسیدہ ہو چکی تھیں تو انہوں نے اپنی باری حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو دے دی (۳) اور عرض کیا کہ آپ مجھے اپنی زوجیت میں رہنے دیں تاکہ (قیامت کے دن) میں آپ کی بیویوں میں سے اٹھائی جاؤں چنانچہ آپ نے طلاق کا ارادہ ترک فرما دیا لیکن آپ ان کو باری نہیں دیتے تھے بلکہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو دو راتیں عطا فرما دیتے۔ جب کہ باقی ازواج مطہرات کے لیے ایک ایک رات ہوتی لیکن نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے حُسنِ عادل اور قوت کی وجہ سے جب کسی زوجہ کی خواہش رکھتے اور ان کی باری نہ ہوتی اور ان سے جماع کرتے تو اس دن یا رات تمام ازواج مطہرات کے پاس تشریف لے جاتے اسی سلسلے میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک رات تمام ازواج مطہرات کے پاس چکر لگایا (۴)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے (فرماتے ہیں) نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم چاشت کے وقت نو ازواج مطہرات کے پاس تشریف لے گئے۔ (۵)

---

(۱) صحیح مسلم جلد ۲ ص ۲۰۴ کتاب الفضائل۔ (۲) صحیح بخاری جلد ۲ ص ۶۴۰ کتاب المغازی

(۳) السنن الکبرٰی للبیہقی جلد ۷، ص ۲۹۷ کتاب القسم والنشوز

(۴) صحیح بخاری جلد اول ص ۴۱ کتاب الغسل

(۵) " " " "

۹۔ باہمی اختلاف

جب ان دونوں کے درمیان کوئی جھگڑا پیدا ہو اور ان کا معاملہ درست نہ ہو سکے تو دیکھا جائے اگر دونوں کی طرف سے اختلاف ہے یا مرد کی طرف سے ہے تو عورت کو اپنے خاوند پر مسلط ہونے کا اختیار نہیں اور نہ خاوند اصلاح کر سکتا ہے بلکہ اس صورت میں دو فیصل مقرر کرنا ضروری ہے ایک فیصل (حکم) مرد کے خاندان سے اور دوسرا عورت کے خاندان سے ہو تاکہ وہ ان دونوں کے حالات کا جائزہ لے کر ان کے درمیان صلح کروا دیں اگر وہ صلح کا ارادہ کریں گے تو اللہ تعالیٰ ان دونوں کو توفیق عطا فرمائے گا۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے ایک شخص اور اس کی بیوی کے پاس حکم بھیجا تو واپس لوٹ آیا اور ان کے درمیان صلح نہ ہو سکی حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اس پر درہ اٹھایا اور فرمایا اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے۔

اِنْ يُّرِيْدَآ اِصْلَاحًا يُّوَفِّقِ اللّٰهُ بَيْنَهُمَا۔ (۱) اگر وہ حکم اصلاح کا ارادہ کریں تو اللہ تعالیٰ ان میاں بیوی کی درمیان موافقت پیدا کر دے گا۔

چنانچہ وہ شخص دوبارہ گیا اور اس نے اپنی نیت کو درست کیا اور دونوں سے نرمی کے ساتھ گفتگو کی تو ان کے درمیان صلح ہو گئی۔

اور اگر نافرمانی صرف عورت کی طرف سے ہو تو مرد عورتوں پر حاکم ہیں اس لیے مرد اسے ادب سکھا کر زبردستی اطاعت پر مجبور کر سکتا ہے۔

اسی طرح جب عورت نماز نہ پڑھتی ہو تو وہ زبردستی اسے نماز پر مجبور کر سکتا ہے لیکن مناسب یہی ہے کہ اسے تدریجاً ادب سکھائے۔ یعنی پہلے اسے وعظ و نصیحت کرے اور ڈرائے دھمکائے اور اگر یہ طریقہ کارگر نہ ہو تو سونے میں اس سے پیٹھ پھیر لے یا اپنا بستر الگ کر دے اور گھر کے اندر ہی اس کا بائیکاٹ کرے یہ عمل کم از کم ایک اور زیادہ سے زیادہ تین راتیں کرے اگر اس طرح بھی کامیابی نہ ہو تو ہلکی پھلکی مار مارے یعنی اسے درد پہنچے لیکن ہڈی نہ ٹوٹے اور نہ خون نکلے چہرے پر بھی نہ مارے کیونکہ اس سے منع کیا گیا ہے۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا کہ عورت کا مرد پر کیا حق ہے؟ آپ نے فرمایا جب کھانا کھائے تو اسے بھی کھلائے جب خود لباس پہنے تو اسے بھی پہنائے اس کی برائی بیان نہ کرے اور نہ اسے تکلیف دہ مار مارے اور اس کا بائیکاٹ بھی صرف گھر میں کرے۔ (۲)

مرد کو حق ہے کہ کسی دینی معاملے میں عورت پر غصہ کرے اور اس کا بائیکاٹ کرے اور یہ بائیکاٹ دس سے

---

(۱) قرآن مجید، سورۂ نساء آیت ۳۵

(۲) المعجم الکبیر للطبرانی جلد ۱۹ ص ۴۲۸، حدیث ۱۰۳۹/ سنن ابن ماجہ ص ۱۳۸ ابواب النکاح

بیس دن تک بلکہ ایک مہینے تک کر سکتا ہے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی طرح کیا تھا جب آپ نے حضرت زینب رضی اللہ عنہا کی طرف ہدیہ بھیجا تو انہوں نے واپس کر دیا۔ اس وقت آپ جس زوجہ کے گھر میں تھے انہوں نے کہا کہ حضرت زینب نے ہدیہ واپس بھیج کر آپ کی توہین کی ہے۔ تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میری بے قدری کرنے کی وجہ سے تم سب اللہ تعالیٰ کے ہاں بے قدر اور بے قیمت ہو پھر آپ نے ان سب سے ایک مہینے تک ناراض رہے اس کے بعد ان کی طرف رجوع فرمایا۔ (۱)

۱۰۔ جماع کے آداب

بسم اللہ سے ابتدا کرنا مستحب ہے پہلے قل ہو اللہ احد (پوری سورت) پڑھے پھر اللہ اکبر اور لا الہ الا اللہ پڑھے اور یوں کہے۔

بِسْمِ اللّٰهِ الْعَلِيِّ الْعَظِيْمِ اَللّٰهُمَّ اجْعَلْهَا ذُرِّيَّةً طَيِّبَةً إِنْ كُنْتَ قَدَّرْتَ اَنْ تُخْرِجَ ذٰلِكَ مِنْ صُلْبِيْ۔

اللہ تعالیٰ بلند اور عظیم کے نام سے، یا اللہ اس کو پاک اولاد دے اگر تو نے میری پیٹھ سے اسے نکالنا مقدر فرمایا ہے۔

(نوٹ: یہ سب کچھ برہنہ ہونے سے پہلے پڑھنا چاہیئے)

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اگر تم میں سے کوئی ایک اپنی بیوی کے پاس جاتے ہوئے یوں کہے۔

یا اللہ! مجھے شیطان سے دور رکھ اور شیطان کو اس سے دُور رکھ جو تو ہمیں عطا فرمانے والا ہے، تو اگر ان کی اولاد پیدا ہو تو شیطان اسے کچھ نقصان نہیں دے سکے گا۔ (۲)

اور جب انزال (مادہ منویہ کے خروج) کے قریب ہو تو ہونٹوں کو حرکت دیئے بغیر دل میں کہو۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ خَلَقَ مِنَ الْمَاءِ بَشَرًا

تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں جس نے پانی سے انسان کو پیدا فرمایا۔

٭ ٭ ٭

بعض محدثین اتنی بلند آواز سے تکبیر کہتے کہ گھر والے ان کی آواز سن لیتے۔ پھر قبلہ سے رُخ پھیر لے اور قبلہ کے احترام کی وجہ سے جماع کے وقت ادھر منہ نہ کرے اور اپنے آپ کو اور بیوی کو کپڑے سے ڈھانپ لے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنا سر مبارک ڈھانپ لیتے آواز پست کر دیتے اور اپنی زوجہ سے فرماتے تم پر سکون لازم ہے۔ (۳)

---

(۱) حلیۃ الاولیاء جلد ۹ ص ۴۰ ترجمہ ۴۱۴

(۲) صحیح بخاری جلد اوّل ص ۴۶۳ کتاب بدء الخلق

(۳) تاریخ بغداد جلد ۵ ص ۶۲ ترجمہ ۲۶۰۸۔

ایک حدیث شریف میں ہے کہ جب تم میں سے کوئی جماع کرے تو (میاں بیوی) ننگے نہ ہوں جس طرح گدھے ننگے ہوتے ہیں۔[1]
اور جماع سے پہلے گفتگو اور بوسہ بازی کے ذریعے لطف اندوز ہو۔
نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا؛
تم میں کوئی اپنی بیوی پر یوں نہ جا پڑے جیسے جانور پڑتا ہے بلکہ ان دونوں کے درمیان ایلچی ہونا چاہیئے عرض کیا گیا یا رسول اللہ! ایلچی سے کیا مراد ہے؟
آپ نے فرمایا بوسہ اور گفتگو (۲)

نیز آپ نے فرمایا۔
مرد میں تین باتیں عاجزی کی علامت ہیں ایک یہ کہ ایسے آدمی سے ملاقات کرے جس سے آشنائی چاہتا ہو لیکن اس کا نام ونسب معلوم کئے بغیر اس سے جدا ہو جائے۔ دوسرا یہ کہ کوئی شخص اس کی عزت کرے اور یہ اس کو رد کر دے اور تیسری بات یہ ہے کہ کوئی آدمی اپنی لونڈی یا بیوی کے پاس جائے اور اس سے بات چیت کرتے، مانوس ہونے اور اسے اپنے ساتھ لٹانے سے پہلے ہی اپنی حاجت پوری کر لے حالانکہ ابھی تک عورت کی حاجت اس سے پوری نہیں ہوئی۔ (۳)
مہینے کی تین راتوں یعنی پہلی، آخری اور پندرھویں رات میں جماع کرنا مکروہ ہے کہا جاتا ہے کہ ان راتوں میں جماع کے وقت شیطان موجود ہوتا ہے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ ان راتوں میں شیطان جماع کرتے ہیں یہ کراہت حضرت علی المرتضیٰ، حضرت معاویہ اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہم سے مروی ہے۔
(نوٹ:۔ یاد رہے یہاں مہینے سے اسلامی مہینہ مراد ہے)
بعض علماء جمعۃ المبارک کی رات اور دن میں جماع کو اچھا سمجھتے ہیں اور یہ سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد گرامی کے ایک مفہوم کے اعتبار سے ہے۔
آپ نے فرمایا:
رَحِمَ اللّٰہُ مَنْ غَسَّلَ وَاغْتَسَلَ (۴)
اللہ تعالیٰ اس شخص پر رحم فرمائے جو (جمعۃ المبارک کے دن) غسل کرے اور غسل کرائے۔

* * *

(نوٹ: اس کا ایک مفہوم یہ ہے کہ بیوی سے جماع کرے اس طرح یہ عمل عورت کے غسل کا باعث ہو جائے گا)

---

(۱) سنن ابن ماجہ ص ۱۳۹ ابواب النکاح
(۲)
(۳)
(۴) سنن ابن ماجہ ص ۷۷، ۷۸، ابواب اقامۃ الصلوٰۃ

پھر جب اپنا کام مکمل کر چکے تو عورت پر کچھ دیر ٹھہرے تاکہ وہ بھی اپنی خواہش پوری کر لے کیوں کہ بعض اوقات عورت کا انزال دیر سے ہوتا ہے اور اس کی شہوت جوبن پر ہوتی ہے اس صورت میں اس سے ہٹنا اسے ایذا دینا ہے اور انزال میں فطری طور پر اختلاف باہمی نفرت کا موجب ہوتا ہے بعض اوقات خاوند کو پہلے انزال ہوتا ہے جب کہ عورت کے نزدیک انزال میں موافقت زیادہ لذت کا سبب ہوتی ہے تاکہ مرد خود بخود اس سے الگ ہو جائے کیوں کہ عورت بعض اوقات حیا کرتی ہے (اور مرد کو نہیں بتاتی) مرد کو چاہیئے کہ چار راتوں میں ایک بار عورت کے پاس جائے اس میں زیادہ عدل ہے کیوں بیویوں (کی شرعی) تعداد چار ہے تو اس حد تک تاخیر جائز ہے البتہ کمی زیادتی بھی ہو سکتی ہے یعنی جس قدر عورت کو پاکدامنی کے حصول کے لیے حاجت ہو کیونکہ اس کو پاکدامن رکھنا مرد پر واجب ہے اگرچہ یہ بات صحبت کے مطالبہ سے ثابت نہیں ہوتی کیوں کہ اس کا مطالبہ اور اسے پورا کرنا مشکل ہے۔

حیض کے دنوں میں عورت کے قریب نہ جائے اسی طرح حیض کے اختتام پر غسل سے پہلے بھی جماع نہ کرے قرآن پاک کی نص سے اس کی حرمت ثابت ہے کہا گیا کہ اس سے بچے میں جذام (کوڑھ) کا مرض پیدا ہوتا ہے البتہ وہ حائضہ عورت کے باقی بدن سے نفع اٹھا سکتا ہے اور عورت سے غیر فطری فعل نہ کرے کیونکہ حیض والی عورت سے اس لیے جماع منع ہے کہ یہ اذیت کا باعث ہے اور دوسرے مقام پر صحبت ہمیشہ کے لیے اذیت ہے۔ لہذا حیض والی عورت سے جماع کے مقابلے میں یہ زیادہ حرام ہے۔

ارشادِ خداوندی ہے:

نَآؤُكُمْ حَرْثٌ لَّكُمْ فَاْتُوْا حَرْثَكُمْ اَنّٰى شِئْتُمْ۔(۱) — اپنی کھیتوں میں جس طرح چاہو جاؤ۔

یعنی جس وقت چاہو جاؤ (مطلب یہ ہے کہ راستہ ایک ہی ہے لیکن جماع کے طریقے پر کوئی پابندی نہیں ۱۲ ہزاروی) (ایسی حالت میں) مرد کے لیے جائز ہے کہ عورت کے ہاتھ سے اپنی منی نکالے اور چادر کے نیچے سے بھی جو چاہے نفع حاصل کرے البتہ جماع نہیں کر سکتا عورت کو چاہیئے کہ وہ حالتِ حیض میں اپنی کھوکھ (جہاں ازاربند باندھتے ہیں) سے گھٹنوں کے نیچے تک چادر باندھے یہ آداب میں سے ہے مرد، حائضہ بیوی کے ساتھ کھانا کھا سکتا ہے اور اس کے ساتھ لیٹ بھی سکتا ہے اس سلسلے میں پرہیز ضروری نہیں ہے۔

اگر کوئی شخص اپنی بیوی سے ایک کے بعد دوسری بار جماع کرنا چاہیئے تو پہلے اپنی شرمگاہ کو دھولے اور اگر اسے احتلام آیا ہو تو جب تک شرمگاہ کو نہ دھوئے یا پیشاب نہ کرے جماع نہیں کرنا چاہیے۔

رات کے پہلے حصے میں جماع مکروہ ہے کیوں کہ اس طرح طہارت کے بغیر سونا لازم آتا ہے اگر سونا یا کھانا چاہیے

---

(۱) قرآن مجید، سورۂ بقرہ آیت ۲۲۳

تو پہلے نماز کے وضو جیسا وضو کرے یہ سنت ہے۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں میں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ کیا ہم میں سے کوئی ایک، حالت جنابت میں سو سکتا ہے۔ آپ نے فرمایا ہاں لیکن وضو کرکے سوئے، (۱) البتہ اس میں رخصت بھی آتی ہے ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم حالتِ جنابت میں آرام فرما ہو جاتے اور پانی کو ہاتھ تک نہ لگاتے (۲)

پھر جب اپنے بستر کی طرف لوٹے تو اس کے اوپر والے حصے پر ہاتھ پھیرے یا اسے جھاڑ دے کیوں کہ اسے معلوم نہیں اس کے بعد اس پر کیا کچھ ہوا۔

حالتِ جنابت میں سر منڈوانا، ناخن کاٹنا، زیرِ ناف بال صاف کرنا، خون نکالنا یا اپنے بدن سے کوئی چیز دور کرنا مناسب نہیں کیونکہ آخرت میں یہ تمام اجزاء اس کی طرف واپس آئیں گے تو یہ جنابت کی صورت میں لوٹیں گے اور کہا جاتا ہے کہ ہر بال اس شخص سے اپنی جنابت کا مطالبہ کرے گا (شکایت کرے گا)

جماع کے آداب سے یہ بات بھی ہے کہ عزل (۳) نہ کرے بلکہ منی کو اس کی کھینچ ہی تک پہنچائے اور وہ رحم ہے کیوں کہ جس روح کو اللہ تعالیٰ نے مقدر فرمایا ہے اس نے آنا ہے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی طرح فرمایا ہے (۴)

عزل (ضبط تولید)

عزل کے بارے میں علماء کرام کے مختلف اقوال ہیں کسی نے جائز کہا اور کسی نے مکروہ۔ یہ چار مذاہب ہیں۔

(۱) ہر حالت میں مطلقاً جائز ہے۔ (۲) ہر حالت میں مطلقاً حرام ہے (۳) عورت کی مرضی سے جائز ہے اور اس کی مرضی کے خلاف جائز نہیں ہے گویا اس قول والوں نے ایذا کو حرام قرار دیا عزل کو نہیں۔

(۴) بعض حضرات لونڈی سے عزل جائز قرار دیتے ہیں آزاد عورت سے نہیں ہمارے (امام غزالی رحمہ اللہ) کے نزدیک صحیح بات یہ ہے کہ یہ جائز ہے جہاں تک کراہت کا تعلق ہے تو وہ نہی تحریمی، نہی تنزیہی اور ترک فضیلت (تینوں) پر بولی جاتی ہے۔ تو یہاں یہ تعبیر تیسرے معنیٰ میں ہے یعنی ترکِ فضیلت ہے، جیسے کہا جاتا ہے کہ مسجد میں بیٹھنے والے کے لیے مکروہ ہے کہ وہ فارغ بیٹھے ذکر اور نماز میں مشغول نہ ہو، اور مکہ مکرمہ میں موجود مقیم شخص کے لیے مکروہ ہے کہ وہ ہر سال حج نہ کرے تو اس کراہیت سے مراد فقط اولیٰ اور فضیلت کا ترک ہے اور یہ بات ثابت ہے جیسے

---

(۱) صحیح مسلم جلد اول ص ۱۴۴ کتاب الحیض

(۲) سنن ابی داؤد جلد اول ص ۳۰ کتاب الطہارۃ

(۳) جماع کرتے وقت جب منی نکلنے لگے تو عورت سے الگ ہو جائے اور مادہ منویہ باہر خارج ہو اسے عزل کہتے ہیں ۱۲ ہزاروی

(۴) صحیح بخاری جلد اول ص ۳۴۵ باب العتق و فضلہ

ہم نے اولاد کی فضیلت کے سلسلے میں ذکر کیا ہے۔ اور جیسا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے۔ آپ نے فرمایا۔ بے شک آدمی اپنی بیوی سے جماع کرتا ہے تو اس جماع کی وجہ سے اس کے لیے ایک نر بچے کا اجر لکھ دیا جاتا ہے جو اللہ تعالیٰ کے راستے میں لڑ کر شہید ہو جاتا ہے۔ (۱)

آپ نے یہ بات اس لیے فرمائی ہے کہ اگر اس کے ہاں اس قسم کا بچہ پیدا ہو گا تو اسے اس کا سبب بننے کا ثواب بھی ملے گا باوجودیکہ اس بچے کو پیدا کرنے والا، اسے زندہ رکھنے والا اور جہاد پر قادر کرنے والا اللہ تعالیٰ ہے اور جو کچھ یہ کر سکتا تھا یعنی جماع کے ذریعے اس کی پیدائش کا سبب بننا تو وہ اس نے کیا اور یہ اسی صورت میں ہے جب منی کو رحم میں پہنچایا جائے۔

ہم نے جو یہ کہا کہ یہاں کراہت تحریمی یا تنزیہی نہیں تو یہ اس لیے کہ نہی کو یا تو نص سے ثابت کیا جاتا ہے یا کسی منصوص پر قیاس کر کے ثابت کرتے ہیں۔ یہاں نہ تو کوئی نص ہے اور نہ قیاس کی کوئی اصل ہے۔

بلکہ یہاں ایک اصل ہے جس پر قیاس کیا جاتا ہے وہ یہ کہ یا تو نکاح کو بالکل چھوڑ دیا جائے یا نکاح کے بعد جماع نہ کیا جائے یا ادخال کے بعد انزال نہ کیا جائے اور یہ تمام امور، افضل کو چھوڑنا ہے کسی نہی کا ارتکاب نہیں ہے اور اس میں کوئی فرق نہیں کیونکہ بچہ اس وقت وجود میں آتا ہے جب نطفہ رحم میں چلا جائے اور اس کے چار اسباب ہیں۔

(۱) نکاح (۲) اس کے بعد جماع (۳) انزال تک ٹھہرے رہنا (۴) اس کے بعد منی کے رحم میں پہنچنے کے لیے توقف کرنا۔

ان میں سے بعض اسباب دوسرے بعض کے زیادہ قریب ہیں تو تیسرے سبب سے رکنا چوتھے سے بھی رکنا ہے اسی طرح تیسرا، دوسرے کے لیے اور دوسرا پہلے کے لیے ہے۔ اور یہ عمل، اسقاط حمل اور زندہ درگور کرنے کی طرح نہیں کیونکہ وہ تو ایک موجود حاصل چیز پر ظلم ہے اور اس کے بھی کئی مراتب ہیں وجود کا سب سے پہلا مرتبہ یہ ہے کہ نطفہ رحم میں جائے، عورت کے پانی کے ساتھ مل جائے اور قبولیت حیات کے لیے تیار ہو اب اسے خراب کرنا جرم ہے پھر اگر وہ جما ہوا خون اور گوشت کا لوتھڑا بن جائے تو یہ زیادہ بڑا جرم ہے اور اگر اس میں جان بھی پڑ جائے اور اعضا برابر ہو جائیں تو اب جرم مزید بڑھ جائے گا اور سب سے آخری درجے کا جرم یہ ہے کہ جب بچہ زندہ حالت میں ماں کے پیٹ سے الگ ہو اور اسے ختم کیا جائے۔

ہم نے کہا کہ سبب وجود کی ابتدا منی کا رحم میں جانا ہے آلۂ تناسل سے نکلنا نہیں کیونکہ بچہ صرف مرد کی منی سے پیدا نہیں ہوتا بلکہ دونوں کی منی کے جمع ہونے سے پیدا ہوتا ہے یا تو عورت اور مرد کی منی سے یا مرد کی منی اور عورت کے

---

(۱) الاحسان بترتیب صحیح ابن حبان جلد ۷ ص ۹۷ حدیث ۴۱۸

خون حیض سے۔

بعض اہل تشریح نے فرمایا کہ مضغہ (گوشت کا لوتھڑا) تقدیر الہٰی سے حیض کے خون سے پیدا ہوتا ہے اور خون کو اس سے وہ نسبت ہے جو دودھ کو دھی سے ہوتی ہے اور خونِ حیض کے جمنے کے لیے مرد کا نطفہ اسی طرح شرط ہے جس طرح دودھ کے لیے (دھی جمانے والی) دہی کی جاگ ہوتی ہے بہرحال جو بھی صورت ہو عورت کا پانی نطفہ کے ٹھہرنے میں رکن ہے تو یہ دونوں پانی (مرد اور عورت کی منی) عقود میں ایجاب و قبول کی طرح ہیں پس جو شخص ایجاب کرے اور قبول سے پہلے رجوع کرے تو وہ عقد توڑنے کا مجرم نہیں کہلائے گا اور جب ایجاب قبول جمع ہو جائیں تو اس کے بعد رجوع کرنا عقد کو توڑنا اور نسخ کرنا ہے تو جس طرح مرد کی پیٹھ میں نطفے کے رہنے سے بچہ پیدا نہیں ہوتا اسی طرح جب وہ آلۂ تناسل سے نکلتا ہے تو جب تک عورت کے مادہ منویہ یا خون کے ساتھ مل نہ جائے بچہ پیدا نہیں ہوتا یہ واضح قیاس ہے۔

سوال :

اگر عزل اس وجہ سے مکروہ نہیں کہ یہ وجودِ اولاد کو دور کرنا ہے تو جس نیت سے یہ عمل کیا جا رہا ہے اس کی وجہ سے اس کا مکروہ ہونا کوئی بعید بات نہیں ہے کیوں کہ ایک غلط نیت اس کا باعث بن رہی ہے اور اس میں شرک کا شائبہ پایا جاتا ہے۔

جواب :

عزل کا باعث پانچ قسم کی نیت ہو سکتی ہے۔

(۱) لونڈیوں سے عزل کرنا اور اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ اسے آزادی کے استحقاق سے اپنی ملکیت کو بچایا جائے۔ اور آزاد نہ کرنے کی وجہ سے ملک کو پورا کرنا مقصود ہوتا ہے اور اس بات کے اسباب کو دور کرنا منع نہیں ہے (جب لونڈی کے ہاں بچہ پیدا ہو جاتا تھا تو وہ ام ولد بن کر آزادی کی مستحق ہو جاتی تھی اور مالک کے مرنے پر خود بخود آزاد ہو جاتی ۱۲ ہزاروی)

۲۔ عورت کے حسن اور موٹاپے کو باقی رکھنا تاکہ اس سے ہمیشہ نفع حاصل کر سکے اور اسے دردِ زہ (پیدائش کے وقت کا درد) کا خوف کھاتے ہوئے عزل کرنا ہے تاکہ وہ عورت زندہ رہے اور یہ بات بھی منع نہیں ہے۔

۳۔ اولاد کی کثرت کے باعث بہت زیادہ حرج کا خوف ہوتا ہے اور وہ زیادہ کمائی کی وجہ سے پیدا ہونے والی تھکاوٹ اور کمائی کی بری جگہوں سے بچنا چاہتا ہے تو یہ بھی منع نہیں کیونکہ حرج زیادہ نہ ہو تو دین پر مدد حاصل ہوتی ہے ہاں کمال اور فضیلت تو اللہ تعالیٰ پر توکل کرنے اور اس کی ضمان پر یقین کرنے سے حاصل ہوتا ہے۔

ارشاد خداوندی ہے :

وَمَا مِنْ دَابَّةٍ فِي الْأَرْضِ إِلَّا عَلَى اللّٰهِ　　اور زمین میں چلنے والے ہر جاندار کا رزق اللہ تعالیٰ کے

رِزْقُهَا۔ (۱) ذمہ کرم پر ہے

اور یقیناً یہ کمال کی بلندی سے نیچے اترنا اور فضیلت کو ترک کرنا ہے لیکن انجام کار پر نظر ڈالی جاتی ہے اور مال کی حفاظت کی جاتی ہے اور اسے جمع کیا جاتا ہے اس کے باوجود کہ یہ توکل کے خلاف ہے لیکن منع نہیں ہے۔

۴۔ مادہ اولاد کے خوف سے عزل کرنا کیونکہ اس کا اعتقاد یہ ہے کہ ان کی شادی کرنے میں عار ہوتی ہے جیسے عربوں کی عادت تھی کہ وہ بیٹیوں کو قتل کر دیتے تھے تو یہ نیت فاسد ہے اگر اس وجہ سے کوئی شخص نکاح ہی نہ کرے یا جماع نہ کرے تو وہ گناہ گار ہوتا ہے لیکن نکاح یا وطی کو چھوڑنے کی وجہ سے نہیں، اسی طرح عزل کا مسئلہ ہے اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت (نکاح) میں عیب کا اعتقاد رکھنا بہت برا ہے اور یہ ایسے ہی ہے جیسے عورت اس وجہ سے نکاح نہ کرے کہ کوئی مرد اس پر سوار ہوگا (جماع کرے گا) گویا وہ مردوں سے مشابہت اختیار کرنا چاہتی ہے تو یہ کراہت عینِ نکاح کی طرف نہیں لوٹتی۔

۵۔ عورت خود انزال سے بچنا چاہتی ہے کیونکہ وہ اپنے آپ کو معزز سمجھتی ہے اور صفائی میں مبالغہ کرتی ہے نیز وہ دردِ زہ، نفاس اور دودھ پلانے سے بچنا چاہتی ہے اور یہ خارجیوں کی عورتوں کی عادت تھی کیوں کہ وہ پانی بہت زیادہ استعمال کرتی تھیں حتیٰ کہ وہ ایام حیض کی نمازوں کی قضا بھی کرتی تھیں اور بیت الخلاء میں ننگی ہو کر داخل ہوتی تھیں تو یہ بدعت ہے جو خلاف سنت ہے۔ اور یہ فاسد نیت ہے عورتوں میں سے ایک عورت نے ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس حاضر ہونے کی اجازت مانگی جب آپ بصرہ تشریف لے گئیں تو آپ نے اسے اجازت نہ دی — تو گویا نیت میں فساد ہے بچے کی ولادت کو روکنے میں نہیں۔

سوال:

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے تین بار ارشاد فرمایا:

مَنْ تَرَكَ النِّكَاحَ مَخَافَةَ الْعِيَالِ فَلَيْسَ مِنَّا۔ (۲)

جس شخص نے اولاد کے خوف سے نکاح کرنا چھوڑ دیا وہ ہم میں سے نہیں۔

جواب:

عزل، ترکِ نکاح کی طرح ہے اور آپ کا ارشاد گرامی کہ وہ ہم میں سے نہیں اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ ہمارے طریقے اور سنت پر ہماری موافقت نہیں کر رہا اور ہماری سنت یہ ہے کہ افضل کام کیا جائے۔

---

(۱) قرآن مجید سورۂ ہود آیت ۶۔

(۲) کنز العمال جلد ۱۶ ص ۲۷۹ حدیث ۴۴۴۶۰

سوال :

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے عزل کے بارے میں فرمایا :

ذَالِكَ الْوَأْدُ الْخَفِيُّ (۱) یہ خفیہ طور پر زندہ درگور کرنا ہے۔

اور آپ نے پڑھا۔

وَاِذَا الْمَوْءُدَةُ سُئِلَتْ۔ (۲) اور جب اس بچی سے پوچھا جائے گا جسے زندہ درگور کیا گیا (کہ اسے کس گناہ کی پاداش میں قتل کیا گیا۔)

اور یہ صحیح کتب احادیث کی روایت ہے :

جواب :

ہم کہتے ہیں کہ صحیح احادیث میں اس عمل کی اباحت بھی ثابت ہے (۳)
اور اسے خفیہ طور پر زندہ درگور کرنا کہنا اسی طرح ہے جس طرح شرکِ خفی کا لفظ استعمال کیا گیا تو اس سے محض کراہت ثابت ہوتی ، حرام ہونا ثابت نہیں ہوتا۔

سوال :

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا عزل ، چھوٹا زندہ درگور کرنا ہے کیونکہ اس وجہ سے بچے کے وجود کو روکنا ہے لہذا وہ چھوٹا زندہ درگور کیا ہوا ہو گیا۔

جواب :

ہم کہتے ہیں یہ وجود کے روکنے کو ، وجود کے ختم کرنے پر قیاس کرنا ہے اور یہ کمزور قیاس ہے اسی لیے جب حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے یہ بات سنی تو اعتراض فرمایا اور فرمایا کہ زندہ درگور کرنا اس وقت ہوتا ہے جب بچہ سات مراحل سے گزر جائے اور آپ نے پیدائش کے مراحل سے متعلق وارد یہ آیت تلاوت فرمائی۔

لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ سُلٰلَةٍ مِّنْ طِيْنٍ ثُمَّ جَعَلْنٰهُ نُطْفَةً فِىْ قَرَارٍ مَّكِيْنٍ ثُمَّ خَلَقْنَا النُّطْفَةَ عَلَقَةً فَخَلَقْنَا الْعَلَقَةَ

بے شک ہم نے انسان کو مٹی کے جوہر سے پیدا کیا پھر ہم نے اسے پانی کی بوند بنا کر ایک محفوظ مقام میں رکھا پھر ہم نے نطفہ کو خون کا لوتھڑا بنا دیا پھر ہم نے اس

---

(۱) صحیح مسلم جلد اول ص ۴۶۵ کتاب النکاح

(۲) قرآن مجید ، سورۂ تکویر آیت ۸

(۳) صحیح مسلم جلد اول ۴۶۵ کتاب النکاح

مُضۡغَةً فَخَلَقۡنَا الۡمُضۡغَةَ عِظٰمًا فَكَسَوۡنَا الۡعِظٰمَ لَحۡمًا ثُمَّ اَنۡشَاۡنٰهُ خَلۡقًا اٰخَرَ (۱)

لوتھڑے کو گوشت کی بوٹی بنایا پھر ہم نے اس بوٹی سے ہڈیاں پیدا کیں پھر ہم نے ان ہڈیوں کو گوشت پہنایا پھر ہم نے (روح پھونک کر) اسے دوسری مخلوق بنا دیا۔

پھر آپ نے پڑھا۔

وَاِذَا الۡمَوۡءٗدَةُ سُئِلَتۡ ۔ (۲)

اور جب اس بچی سے پوچھا جائے گا جسے زندہ درگور کیا گیا۔

اور جب تم قیاس کے طریقے سے متعلق ہماری پہلی بحث پر نظر کرو گے تو تمہیں معانی پر غور کرنے اور علوم کے ادراک کے سلسلے میں حضرت علی المرتضیٰ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہم کے مناصب میں فرق معلوم ہو جائے گا اور یہ عزل کیسے جائز نہ ہوگا جب صحیحین (صحیح بخاری و مسلم) کی متفق علیہ حدیث میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں ہم عہد رسالت میں عزل کیا کرتے تھے اور قرآن پاک اتر رہا تھا اور دوسری روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ ہم عزل کیا کرتے تھے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو علم ہوا تو آپ نے ہمیں منع نہ فرمایا (۳)

اس سلسلے میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے ہی مروی ہے فرماتے ہیں ایک شخص سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس نے عرض کیا میری ایک لونڈی ہے وہ ہماری خدمت کرتی ہے اور ہمارے درختوں کو پانی دیتی ہے میں اس سے جماع کرتا ہوں لیکن اس کا حاملہ ہونا مجھے پسند نہیں۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر تم چاہو تو عزل کرو عنقریب وہ آئے گا جو اس کے لیے مقدر ہے چنانچہ کچھ عرصے بعد وہ شخص حاضر ہوا اور عرض کیا کہ وہ لونڈی حاملہ ہو گئی ہے آپ نے فرمایا میں نے کہا تھا کہ جو کچھ اس کے لیے مقدر ہو چکا ہے وہ آ جائے گا۔ (۴)

یہ دونوں روایتیں صحیحین میں ہیں۔

۱۱۔ ولادت کے آداب

یہ پانچ آداب ہیں :

(۱) بچے کی ولادت پر زیادہ خوشی اور بچی کی پیدائش پر دکھ کا اظہار نہ کرے کیوں کہ وہ نہیں جانتا کہ ان میں سے کس میں بھلائی ہے۔ کتنے ہی بیٹے والے تمنا کرتے ہیں کہ ان کے ہاں بیٹی ہو۔ بلکہ بیٹیوں میں

---

(۱) قرآن مجید سورۂ مومنون آیات ۱۲، ۱۳، ۱۴

(۲) قرآن مجید سورۂ تکویر آیت ۸

(۳) صحیح مسلم جلد اول ص ۴۶۵ کتاب النکاح

(۴) صحیح مسلم جلد اول ص ۴۶۵ کتاب النکاح

سلامتی زیادہ ہے اور ثواب بھی بہت ملتا ہے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

جس آدمی کی ایک بیٹی ہو تو وہ اسے اچھی طرح ادب سکھائے اور اسے غذا بھی اچھی دے اور اسے ان نعمتوں سے نوازے جو اللہ تعالیٰ نے اسے عطا کی ہیں تو وہ بچی اس کے لیے دوزخ کے دائیں بائیں سے آڑ بن کر جنت کی طرف لے جائے گی۔ (۱)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس آدمی کی دو بیٹیاں ہوں اور وہ جب تک اس کے پاس ہوں وہ ان سے اچھا سلوک کرے تو وہ اس کے لیے جنت میں جانے کا سبب بنیں گی (۲)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص کے پاس اس کی دو بیٹیاں یا دو بہنیں ہوں اور وہ ان سے اچھا سلوک کرے جب تک وہ اس کے پاس رہیں تو میں اور وہ شخص ان دو (انگلیوں) کی طرح (قریب قریب) ہوں گے۔ (۳)

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص مسلمانوں کے کسی بازار میں جائے اور وہاں سے کوئی چیز خرید کر اپنے گھر لائے اور صرف عورتوں (بیٹیوں وغیرہ) کو دے مردوں (لڑکوں وغیرہ) کو نہ دے تو اللہ تعالیٰ اس کی طرف نظر رحمت فرماتا ہے اور جسے اللہ تعالیٰ نظر رحمت سے دیکھے اسے عذاب نہیں دے گا (۴)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ جو شخص بازار سے کوئی عمدہ چیز اپنے گھر والوں کے پاس لائے تو گویا اس نے انہیں صدقہ دیا حتیٰ کہ وہ ان کے منہ میں ڈالے مردوں سے پہلے عورتوں کو دے کیونکہ جو آدمی عورت کو خوش کرتا ہے گویا وہ اللہ تعالیٰ کے خوف سے رویا اور جو آدمی اللہ تعالیٰ کے خوف سے روتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے بدن کو آگ پر حرام کر دیتا ہے (۵)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ جس آدمی کی تین بیٹیاں یا بہنیں ہوں وہ ان کی مشکلات اور سختیوں پر صبر کرے تو اللہ تعالیٰ اسے جنت میں داخل کرے گا کیونکہ اس نے ان سے رحمت بھرا سلوک کیا ایک شخص نے عرض کیا یا رسول اللہ! اور دو بھی؟ آپ نے فرمایا "دو بھی" اس نے پوچھا کیا ایک بھی؟ آپ نے

---

(۱) المعجم الکبیر للطبرانی جلد ۱۰ ص ۳۴۳ حدیث ۱۰۴۴۷

(۲) سنن ابن ماجہ ص ۲۶۹ ابواب الادب

(۳) جامع الترمذی ص ۲۸۵ ابواب البر والصلۃ

(۴)

(۵) الکامل لابن عدی جلد ۴ ص ۱۵۵۴ ترجمہ عبداللہ بن ضرار

فرمایا "ایک بھی،، (۱)

۲۔ بچے کے کان میں اذان دینا — حضرت رافع اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں وہ فرماتے ہیں میں نے دیکھا کہ جب حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہ کے ہاں حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ کی ولادت ہوئی تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے کان میں اذان دی (۲)

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے آپ فرماتے ہیں۔

جس کے گھر میں بچہ پیدا ہوا اور وہ اس کے دائیں کان میں اذان اور بائیں کان میں تکبیر کہے تو اس بچے سے اُم الصبیان (بیماری) دور رہتی ہے (۳)

جب بچہ بولنے لگے تو سب سے پہلے اس کے سامنے لا الہ الا اللہ پڑھا جائے تاکہ اس کا سب سے پہلا کلام یہی ہو۔ اور ساتویں دن اس کا ختنہ کیا جائے حدیث شریف میں اسی طرح آیا ہے (۴)

۳۔ اس کا اچھا نام رکھو، یہ بچے کے حقوق میں سے ہے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب (بچے کا) نام رکھو تو اس میں لفظ عبد ہونا چاہیئے۔ (۵)

اور آپ نے فرمایا۔

اللہ تعالیٰ کے ہاں پسندیدہ نام عبداللہ اور عبدالرحمٰن ہیں (۶)

اور آپ نے فرمایا کہ میرے نام پر نام رکھو لیکن میری کنیت (ابوالقاسم) پر اپنی کنیت نہ رکھو (۷)

علماء کرام فرماتے ہیں کہ یہ مخالفت، رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ظاہری حیات طیبہ کے ساتھ مختص ہے کیونکہ وہ ابوالقاسم کہہ کر پکارتے تھے لیکن اب کوئی حرج نہیں ہاں آپ کے نام اور کنیت کو جمع نہ کیا جائے۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

---

(۱) کنزالعمال جلد ۱۶ ص ۵۲۴، ۵۳۴ حدیث ۴۵۳۹۳

(۲) مسند امام احمد بن حنبل جلد ۶ ص ۹ مرویات ابورافع

(۳) شعب الایمان جلد ۶ ص ۳۹۰ حدیث ۸۶۱۹

(۴) مجمع الزوائد جلد ۴ ص ۵۹ کتاب الصید

(۵) مجمع الزوائد جلد ۸ ص ۵۰ کتاب الادب

(۶) مسند امام احمد بن حنبل جلد ۴ ص ۳۴۵ مرویات ابووہب الجشمی

(۷) صحیح بخاری جلد اول ص ۲۱ کتاب العلم

لَا تَجْمَعُوا بَيْنَ اِسْمِيْ وَكُنْيَتِيْ۔ (۱) میرے نام اور کنیت کو جمع نہ کرو۔

کہا گیا کہ یہ بھی آپ کے زمانہ کے ساتھ خاص ہے ایک شخص کا نام ابوعیسیٰ تھا تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا باپ نہیں (۲) تھا چنانچہ یہ کنیت ناپسندیدہ ہے۔

جو بچہ پیدا ہونے کے وقت سے پہلے گر جائے اس کا بھی نام رکھا جائے حضرت عبدالرحمٰن بن یزید بن معاویہ فرماتے ہیں مجھے یہ خبر پہنچی ہے کہ کچا گرا ہوا بچہ قیامت کے دن اپنے باپ کے پیچھے چیخے گا اور کہے گا تو نے مجھے ضائع کر دیا اور بغیر نام کے چھوڑ دیا۔

حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ نے پوچھا کہ اس کا نام کیسے رکھا جا سکتا ہے جب کہ اس کے بارے معلوم نہیں کہ وہ لڑکا ہے یا لڑکی؟ حضرت عبدالرحمٰن نے فرمایا کہ بعض اپنے نام ہیں جو دونوں پر بولے جاتے ہیں جیسے حمزہ، عمارۃ، طلحہ اور عتبہ۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

اِنَّكُمْ تُدْعَوْنَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ بِاَسْمَائِكُمْ وَاَسْمَاءِ اٰبَائِكُمْ فَاَحْسِنُوْا اَسْمَاءَكُمْ۔ (۳)

بے شک قیامت کے دن تمہیں تمہارے اپنے ناموں اور تمہارے باپوں کے ناموں سے پکارا جائے گا۔ پس اپنے اچھے نام رکھو۔

اور جس آدمی کا نام ناپسندیدہ ہو اسے بدل دینا مستحب ہے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے عاص نام بدل کر عبداللہ رکھا (۴) حضرت زینب رضی اللہ عنہا کا نام برّہ تھا تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا خود اپنی پاکیزگی بیان کرتی ہو چنانچہ آپ نے ان کا نام زینب رکھا (۵) اسی طرح افلح، یسار، نافع اور برکت نام رکھنے سے ممانعت آئی ہے (۶) کیوں کہ جب پوچھا جائے (گھر میں) برکت ہے تو جواب میں کہا جائے گا نہیں ہے (یعنی برکت نہیں ہے)

۴۔ عقیقہ۔ لڑکے کی طرف سے دو بکریاں اور لڑکی کی طرف سے ایک بکری عقیقہ کرنا چاہیئے بکری کے نر یا مادہ ہونے سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔

---

(۱) مسند امام احمد بن حنبل جلد ۲ ص ۴۳۳ مرویات ابی ہریرہ

(۲) سنن ابی داؤد جلد ۲ ص ۳۲۲ کتاب الادب۔

(۳) سنن ابی داؤد جلد ۲ ص ۳۲۰ کتاب الادب

(۴) السنن الکبریٰ للبیہقی جلد ۹ ص ۳۰۷، ۳۰۸

(۵) صحیح مسلم جلد ۲ ص ۲۰۸ کتاب الآداب

(۶) صحیح مسلم جلد ۲ ص ۲۰۷ کتاب الآداب

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے لڑکے کے لیے دو برابر کی بکریوں اور لڑکی کے لیے ایک بکری عقیقہ کرنے کا حکم دیا۔ (۱)

ایک روایت میں ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ کا عقیقہ ایک بکری سے کیا (۲) تو یہ ایک بکری پر اکتفا کے سلسلے میں رخصت ہے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

مَعَ الْغُلَامِ عَقِيقَتُهُ فَاهْرِيقُوا عَنْهُ دَمًا وَأَمِيطُوا عَنْهُ الْأَذَى (۳)

بچے کے ساتھ عقیقہ ہے پس اس کی طرف سے خون بہاؤ اور اس سے آلودگی دور کرو (بال منڈواؤ)

سنت یہ ہے کہ اس کے بالوں کے وزن کے برابر سونا یا چاندی صدقہ کیا جائے اس سلسلے میں روایت میں آیا ہے کہ جب حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ سات دن کے ہوئے تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا سے فرمایا کہ ان کے بال مونڈوا اور بالوں کے وزن کے برابر چاندی صدقہ کرو (۴)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں عقیقہ کے جانور کی ہڈی نہ توڑی جائے۔

۵۔ کھجور یا کسی میٹھی چیز کے ساتھ بچے کو گھٹی دی جائے (چبا کر اس کے تالو سے ملی جائے) حضرت اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے فرماتی ہیں میرے ہاں حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما قبا میں پیدا ہوئے پھر میں انہیں لے کر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی اور انہیں آپ کی گود میں ڈال دیا اس کے بعد آپ نے کھجور منگوا کر اسے چبایا اور ان کے منہ میں اپنا لعاب مبارک ڈال دیا تو ان کے پیٹ میں سب سے پہلے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا لعاب مبارک داخل ہوا۔ پھر آپ نے وہ کھجور ان کے تالو سے ملی اور ان کے لیے برکت کی دعا فرمائی اسلام میں سب سے پہلے (ہجرت کے بعد) حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ پیدا ہوئے تھے چنانچہ ان کی پیدائش پر مسلمان بہت خوش ہوئے کیونکہ ان سے کہا گیا تھا کہ یہودیوں نے تم پر جادو کر دیا ہے لہٰذا تمہارے ہاں اولاد نہیں ہوگی۔ (۵)

۱۲۔ طلاق دینا جاننا چاہیے کہ طلاق دینا جائز ہے لیکن اللہ تعالیٰ کے نزدیک یہ جائز امور میں سے سب سے

---

(۱) جامع الترمذی ص ۲۳۷ ابواب الاضاحی

(۲) جامع الترمذی ص ۲۳۸ ابواب الاضاحی

(۳) صحیح بخاری جلد ۲ ص ۸۲۲ کتاب العقیقۃ

(۴) جامع الترمذی ص ۲۳۸ ابواب الاضاحی

(۵) صحیح بخاری جلد ۲ ص ۸۲۲ کتاب العقیقۃ

زیادہ ناپسند ہے اور جواز اسی صورت میں ہے جب باطل طریقے پر ایذا پہنچانا مقصود نہ ہو تو جب اسے طلاق دی تو گویا اسے ایذا پہنچائی اور دوسرے شخص کو تکلیف پہنچانا جائز نہیں البتہ یہ کہ اس عورت کی طرف سے کوئی جرم یا ضرورت ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے:

فَإِنْ أَطَعْنَكُمْ فَلَا تَبْغُوا عَلَيْهِنَّ سَبِيلًا۔ (۱)

پس اگر وہ (عورتیں) تمہاری بات مان لیں تو ان کے خلاف راستہ تلاش نہ کرو۔

یعنی جدائی کا حیلہ بہانہ تلاش نہ کرو اور اگر مرد کا باپ اس عورت کو ناپسند کرتا ہے تو اسے چاہیے کہ طلاق دے لے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں میری ایک بیوی تھی جسے میں پسند کرتا تھا اور میرے والد ماجد اسے ناپسند کرتے اور مجھے حکم دیتے تھے کہ میں اسے طلاق دے دوں۔ میں نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف رجوع کیا تو آپ نے فرمایا اے ابن عمر! اپنی بیوی کو طلاق دے دو۔ (۲)

تو یہ واقعہ اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ والد کا حق مقدم ہے لیکن والد کی ناپسندیدگی کسی غرض فاسد کی وجہ سے نہ ہو جیسے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کسی فاسد غرض کی وجہ سے اس سے نفرت نہیں کرتے تھے۔

اور جب عورت اپنے خاوند کو اذیت پہنچائے اور اس کے گھر والوں کو برا بھلا کہے تو وہ مجرم ہے اسی طرح جب وہ بداخلاق ہو یا دینی اعتبار سے اس میں خرابی پائی جاتی ہو۔

حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ اس آیت کریمہ

وَلَا يَخْرُجْنَ إِلَّا أَنْ يَأْتِينَ بِفَاحِشَةٍ مُبَيِّنَةٍ۔ (۳)

اور وہ (گھر سے) نہ نکلیں مگر یہ کہ واضح بے حیائی کا ارتکاب کریں۔

کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ جب خاوند کے گھر والوں کو برا بھلا کہے اور خاوند کو اذیت پہنچائے تو وہ فاحشہ ہے عدت کے بیان میں یہ مضمون بیان ہوا یہاں مقصود سے آگاہی مطلب ہے۔

اور اگر اذیت خاوند کی طرف سے ہو تو وہ مال دے کر جان چھڑا سکتی ہے لیکن مرد کے لیے مکروہ ہے کہ اس نے جس قدر دیا ہے اس سے زیادہ لے کیونکہ اس صورت میں اسے برباد کرنا اور زیر بار کرنا ہے علاوہ ازیں یہ شرمگاہ کی تجارت ہے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

---

(۱)

(۲) مسند امام احمد بن حنبل جلد ۲ ص ۲۰ مرویات عبد اللہ بن عمر

(۳)

فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا فِيمَا افْتَدَتْ بِهٖ (۱)
اور عورت جو مال دے کر اپنی جان چھڑائے تو اس میں ان دونوں (میاں بیوی) پر کوئی حرج نہیں۔

یعنی عورت نے جتنا مال خاوند سے لیا وہی یا کچھ کم لوٹا دینا فدیہ کے لائق ہے اور اگر عورت بلا ضرورت طلاق کا مطالبہ کرے تو وہ گناہ گار ہو گی۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

جو عورت کسی ضرورت کے بغیر خاوند سے طلاق کا مطالبہ کرے وہ جنت کی خوشبو نہیں سونگھے گی (۲)

دوسری روایت میں یوں ہے کہ اس پر جنت حرام ہے اور ایک روایت میں ہے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اَلْمُخْتَلِعَاتُ هُنَّ الْمُنَافِقَاتُ۔ (۳)
خلع کرنے والی عورتیں منافق عورتیں ہیں۔

امور ملحوظہ طلاق میں چار باتوں کو پیش نظر رکھا جائے۔

(۱) ایسے طہر میں طلاق دے جس میں جماع نہ کیا ہو۔ کیونکہ حیض میں یا ایسے طہر میں طلاق دینا جس میں جماع کیا گیا ہو طلاق بدعت ہے اور حرام ہے اگرچہ یہ طلاق واقع ہو جاتی ہے، بدعت ہونے کی وجہ یہ ہے کہ اس صورت میں عدت بڑھ جاتی ہے اگر ایسا کرے تو رجوع کرے۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے اپنی بیوی کو حیض کی حالت میں طلاق دی تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے فرمایا انہیں حکم دیں کہ وہ رجوع کر لیں۔ یہاں تک کہ وہ عورت پاک ہو جائے پھر اسے حیض آئے اور پھر جب پاک ہو تو اب اگر چاہیں تو طلاق دیں اور چاہیں تو روک لیں (۴)

تو یہ وہ عدت (گنتی) ہے جس کے مطابق عورتوں کو طلاق دینے کا اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے (۵) اور اسے رجوع کے بعد دو طہروں تک صبر کا حکم دیا تاکہ معلوم ہو کہ رجعت کا مقصود صرف طلاق نہ ہو۔

---

(۱)

(۲) سنن ابن ماجہ ص ۱۴۹ ابواب الطلاق

(۳) مصنف ابن ابی شیبہ جلد ۵ ص ۲۷۱ کتاب الطلاق

(۴) صحیح بخاری جلد ۲ ص ۹۰، کتاب الطلاق

(۵) ارشاد خداوندی ہے فَطَلِّقُوْهُنَّ لِعِدَّتِهِنَّ۔ یعنی انہیں اس طریقے پر طلاق دو کہ وہ عدت کی گنتی پوری کر سکیں مثلاً طہر میں طلاق دیں اور اس میں جماع بھی نہ ہوا ہو تو معلوم ہو جائے گا کہ اس کی عدت نہیں حیض میں بچے کا پیدائش نہیں ۱۲ ہزاروی

(ب) ایک طلاق پر اکتفا کرے اور تینوں طلاقیں اکٹھی نہ دے کیوں کہ ایک طلاق عدت کے بعد مقصود کا فائدہ دیتی ہے اور اس صورت میں رجوع بھی ہو سکتا ہے اگر وہ عدت کے دوران پشیمان ہو جائے اور عدت کے بعد چاہے تو نئے سرے سے نکاح کر لے لیکن جب تین طلاقیں دے گا تو بعض اوقات ندامت ہوتی ہے تو اس صورت میں کسی مُحَلِّل کا اس سے نکاح کرنا ضروری ہوگا (یعنی حلالہ لازمی ہو جائے گا) اور عدت تک ٹھہرنا بھی پڑے گا اور حلالہ کے لیے نکاح کرنا ممنوع ہے اور یہ اس سلسلے میں کوشش کر رہا ہے پھر اس کا دل دوسرے کی بیوی اور اس کی طلاق سے معلق رہے گا یعنی وہ محلل جب نکاح کرے تو اب یہ چاہے گا کہ وہ اسے طلاق دے دے پھر اس وجہ سے عورت کی طرف سے نفرت بھی پیدا ہوگی اور یہ تمام باتیں اکٹھی تین طلاقیں دینے سے پیدا ہوتی ہیں (۱)

اور ایک طلاق دینے سے مقصود (یعنی عورت سے جان چھڑانا) بھی حاصل ہو جاتا ہے اور کسی قسم کی خرابی بھی لازم نہیں آتی۔ میں (امام غزالی) یہ نہیں کہتا کہ اکٹھی تین طلاقیں دینا حرام ہے لیکن اس (مذکورہ بالا) وجہ سے مکروہ ہے اور کراہت سے مراد بھی یہ ہے کہ اپنے فائدے کے لیے ایسا کرنا چھوڑ دے۔

(ج) اسے طلاق دینے کے لیے کوئی لطیف عذر بنائے یہ نہ کہے کہ اسے اس سے نفرت ہے یا وہ اسے حقیر سمجھتا ہے اور اس نے جو اسے جدائی کا صدمہ پہنچایا ہے اس کے مداوا کے لیے سامان وغیرہ کے ذریعہ تحفہ دے۔

ارشاد خداوندی ہے:

وَمَتِّعُوهُنَّ (۲) اور انہیں سامان دو۔

جس عورت کے لیے نکاح کے وقت مہر بالکل مقرر نہ کیا گیا ہو اسے متعہ (کپڑوں کا جوڑا) دینا واجب ہے۔
حضرت امام حسن بن علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہما بہت طلاق دیتے اور بہت زیادہ نکاح کرتے تھے ایک دن آپ نے ایک شخص کو بھیجا کہ وہ آپ کی دو بیویوں کو طلاق دے دے اور فرمایا ان سے کہو کہ عدت گزارو نیز اسے حکم دیا کہ ان میں سے ہر ایک کو دس ہزار درہم دے دو چنانچہ اس نے اسی طرح کیا جب وہ آپ کے پاس واپس آیا تو آپ نے فرمایا انہوں نے کیا ردعمل ظاہر کیا؟ اس نے جواب دیا کہ ایک نے سر جھکا دیا اور اس نے تسلیم کر لیا جب کہ دوسری دیر تک روتی رہی میں نے سنا کہ وہ کہہ رہی تھی کہ یہ جدا کرنے والے محبوب کے مقابلے میں بہت تھوڑا سامان ہے۔
حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ نے سر جھکا لیا اور آپ کو اس پر رحم آیا اور فرمایا اگر میں کسی بیوی سے رجوع کرتا جسے میں نے جدا کیا تو میں ضرور اس سے رجوع کر لیتا۔

---

(۱) احناف کے نزدیک حلالہ کی نیت سے نکاح کرنا حرام ہے لیکن اگر کیا تو ہو جائے گا تفصیل کے لیے راقم کی کتاب "تحقیق حلالہ" دیکھیے۔ ۱۲ ہزاروی

(۲) قرآن مجید سورۂ بقرہ آیت ۲۳۶

ایک دن حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ فقیہ مدینہ حضرت عبدالرحمٰن بن حرث بن ہشام کے پاس گئے وہ امیر مدینہ بھی تھے اور مدینہ طیبہ میں ان جیسا کوئی نہ تھا حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے ان کی مثال دیتے ہوئے فرمایا اگر میں اس سفر پر نہ جا رہی ہوتی تو مجھے یہ بات پسند تھی کہ حضرت عبدالرحمٰن بن حارث بن ہشام جیسے سولہ اشخاص رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی یادگار سے میرے پاس ہوتے، حضرت حسن رضی اللہ عنہ ان کے گھر گئے تو انہوں نے آپ کی بہت تعظیم کی اپنی مسند پر بٹھایا اور فرمایا کہ آپ نے مجھے کیوں نہیں بلایا میں حاضر ہو جاتا آپ نے فرمایا ضرورت تو ہمیں تھی۔ انہوں نے پوچھا وہ کیا؟ فرمایا میں آپ کی بیٹی سے نکاح کرنا چاہتا ہوں حضرت عبدالرحمٰن نے سر جھکا لیا اور پھر سر اٹھاتے ہوئے فرمایا۔

میرے نزدیک اس زمین پر چلنے والوں میں سے کوئی بھی آپ سے زیادہ معزز نہیں ہے لیکن آپ جانتے ہیں کہ میری لڑکی میرے جسم کا ایک ٹکڑا ہے جو چیز اسے رنجیدہ کرتی ہے مجھے بھی اس سے رنج ہوتا ہے اور اس کو جس بات سے خوشی ہوتی ہے وہ میرے لیے بھی باعث مسرت ہوتی ہے اور آپ بہت زیادہ طلاق دینے والے ہیں پس مجھے ڈر ہے کہ ہیں آپ اسے بھی طلاق نہ دے دیں۔ اور اگر آپ ایسا کریں گے تو مجھے ڈر ہے کہ آپ کی محبت کے بارے میں میرا دل بدل نہ جائے اور مجھے یہ بات پسند نہیں کہ آپ کے بارے میں میرا دل بدل جائے۔ کیوں کہ آپ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے جگر پارہ ہیں ہیں اس شرط پر آپ سے نکاح کر دوں گا کہ آپ اپنی بیوی کو طلاق نہ دیں اس پر حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ خاموش ہو گئے اور اُٹھ کر چلے گئے ان کے گھر والوں میں سے بعض نے سنا کہ آپ فرما رہے تھے حضرت عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ اپنی بیٹی کو میرے گلے کا طوق بنانا چاہتے ہیں ——— حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ انہیں زیادہ طلاقیں دینے پر تنبیہ فرمایا کرتے تھے اور وہ منبر پر اپنا عذر پیش کرتے ہوئے فرماتے کہ حضرت حسن رضی اللہ عنہ اکثر طلاق دے دیتے ہیں لہذا ان کے نکاح میں نہ دو، حتی کہ ہمدان کا ایک آدمی کھڑا ہوا اور اس نے کہا اللہ کی قسم! اے امیر المومنین! وہ جس قدر چاہیں ہم ان کے نکاح میں دیں گے اگر وہ چاہیں تو رکھیں اور چاہیں تو چھوڑ دیں اس پر حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ خوش ہوتے فرمایا "اگر میں جنت کے دروازے پر دربان ہوا تو ہمدان سے کہوں گا کہ سلامتی کے ساتھ داخل ہو جاؤ۔

اور یہ اس بات پر تنبیہ ہے کہ اگر کسی شخص کے اہل و اولاد میں سے کسی محبوب پر کسی حیا کی بات پر طعن کیا جائے تو وہ اس کی موافقت نہ کرے کیوں کہ یہ موافقت بری ہے بلکہ مستحب یہ ہے کہ جس حد تک ممکن ہو اس کی مخالفت کرے اس سے اس کے دل کو سرور حاصل ہوتا ہے۔ اور باطنی بیماری کا علاج ہو جاتا ہے۔

اس بیان سے ہمارا مقصود یہ ہے کہ طلاق دینا جائز ہے اللہ تعالیٰ نے جدائی اور نکاح دونوں کی صورت میں مالدار کرنے کا وعدہ کیا ہے۔

ارشاد خداوندی ہے :

وَاَنْكِحُوا الْاَيَامٰى مِنْكُمْ وَالصّٰلِحِيْنَ مِنْ عِبَادِكُمْ وَاِمَائِكُمْ اِنْ يَّكُوْنُوْا فُقَرَاءَ يُغْنِهِمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ - (۱)

اور جو تم میں بے نکاح ہوں اور تمہارے نیک غلام اور لونڈیاں ہیں ان کا نکاح کر دو اگر وہ تنگدست ہوں تو اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے انہیں غنی کر دے گا۔

اور ارشاد خداوندی ہے :

وَاِنْ يَّتَفَرَّقَا يُغْنِ اللّٰهُ كُلًّا مِّنْ سَعَتِهٖ (۲)

اور اگر وہ (میاں بیوی) جدا جدا ہو جائیں تو اللہ تعالیٰ اپنی وسیع رحمت سے دونوں کو غنی کر دے گا۔

(د) طلاق اور نکاح کے وقت عورت کے راز کو نہ پھیلائے کیوں کہ ایک صحیح حدیث میں عورتوں کے راز افشا کرنے پر بڑی سزا کا ذکر ہے (۳)

ایک نیک شخص کے بارے میں منقول ہے کہ انہوں نے اپنی بیوی کو طلاق دینے کا ارادہ کیا تو ان سے پوچھا گیا آپ کو اس عورت کی کس بات پر شک ہے؟ انہوں نے فرمایا عقلمند آدمی اپنی بیوی کا پردہ نہیں اٹھاتا جب طلاق دے دی تو پوچھا گیا آپ نے کیوں طلاق دی؟ فرمایا میرا کسی غیر عورت سے کیا تعلق ہے —— یہ اس بات کا بیان ہے جو خاوندوں پر لازم ہے۔

دوسری قسم :

عورت کے ذمہ خاوند کے حقوق

اس سلسلے میں شافی قول یہ ہے کہ نکاح ایک قسم کی غلامی ہے اور عورت، خاوند کے لیے لونڈی (کی طرح) ہے اور عورت سے اس کے نفس سے متعلق خاوند جو بھی مطالبہ کرے اس پر اس کی اطاعت لازم ہے بشرطیکہ وہ گناہ کا کام نہ ہو خاوند کے حقوق کی عظمت کے سلسلے میں بے شمار روایات آئی ہیں۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :

اَيُّمَا امْرَاَةٍ مَاتَتْ وَزَوْجُهَا عَنْهَا رَاضٍ

جو عورت اس حال میں فوت ہو کہ اس کا خاوند اس

---

(۱) قرآن مجید سورۂ نور آیت ۳۲

(۲) قرآن مجید سورۂ نساء آیت ۱۳۰

(۳) صحیح مسلم جلد اول ص ۴۶۴ کتاب النکاح

دَخَلَتِ الْجَنَّۃَ۔ (۱) سے راضی ہو وہ جنت میں داخل ہو گی۔

(روایات میں ہے کہ) ایک شخص سفر کے لیے نکلا اور اس نے اپنی بیوی سے وعدہ لیا کہ اوپر والی منزل سے نیچے نہ اترے اور اس عورت کا باپ نچلی منزل میں بیمار تھا اس خاتون نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پیغام بھیجا اور اپنے باپ کی طرف اترنے کی اجازت طلب کی تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ "اپنے خاوند کی فرمانبرداری کرو" چنانچہ اس کا باپ مر گیا اس نے پھر اجازت مانگی تو آپ نے ہی فرمایا "اپنے خاوند کی فرمانبرداری کرو" چنانچہ اس کے باپ کو دفن کیا گیا تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس خاتون کو اطلاع بھیجی کہ اللہ تعالیٰ نے تیرے والد کو بخش دیا کیوں تو نے اپنے خاوند کی اطاعت کی۔ (۲)

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اِذَا صَلَّتِ الْمَرْأَۃُ خَمْسَهَا وَصَامَتْ شَهْرَهَا وَحَفِظَتْ فَرْجَهَا وَاَطَاعَتْ زَوْجَهَا دَخَلَتْ جَنَّۃَ رَبِّهَا (۳)

جب عورت پانچ نمازیں پڑھے، ماہ رمضان کے روزے رکھے، اپنی شرمگاہ کی حفاظت کرے اور اپنے خاوند کی فرمانبرداری کرے تو اپنے رب کی جنت میں داخل ہو گی۔

تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے خاوند کی اطاعت کو اسلام کے بنیادی امور سے ملایا۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے عورتوں کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا:

"حاملہ عورتیں، بچہ جننے والی، دودھ پلانے والی، اپنی اولاد پر رحم کرنے والی اگر اپنے خاوند سے یہ بدسلوکی نہ کرتیں (جو وہ کرتی ہیں) تو ان میں سے نمازی عورتیں جنت میں داخل ہوتیں۔" (۴)

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

میں نے جہنم میں جھانکا تو وہاں عورتوں کو زیادہ پایا عورتوں نے پوچھا کیوں یا رسول اللہ! آپ نے فرمایا وہ لعن طعن زیادہ کرتی ہیں اور خاوندوں کی ناشکری کرتی ہیں (۵)

ایک دوسری حدیث میں ہے، آپ نے فرمایا:

---

(۱) سنن ابن ماجہ ص ۱۳۴، ابواب النکاح

(۲) مجمع الزوائد جلد ۴ ص ۳۱۳ کتاب النکاح

(۳) مجمع الزوائد جلد ۴ ص ۳۰۵ کتاب النکاح

(۴) سنن ابن ماجہ ص ۱۴۶ ابواب النکاح

(۵) صحیح بخاری جلد اول ص ۴۴ کتاب الحیض

میں نے جنت میں جھانک کر دیکھا تو وہاں عورتیں کم تھیں میں نے پوچھا عورتیں کہاں ہیں فرمایا انہیں دو سرخ چیزوں سونے اور زعفران نے روک رکھا ہے (۱)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں ایک نوجوان عورت بارگاہ نبوی میں حاضر ہوئی اور اس نے عرض کیا یا رسول اللہ میں نوجوان عورت ہوں مجھے نکاح کا پیغام ملتا ہے لیکن میں نکاح کرنا پسند نہیں کرتی تو خاوند کا عورت پر کیا حق ہے؟ آپ نے فرمایا بالفرض اگر خاوند کے سر کی چوٹی سے پاؤں تک پیپ ہو اور عورت اسے چاٹے تو وہ اس کا شکریہ ادا نہیں کر سکتی اس نے پوچھا کیا میں نکاح نہ کروں فرمایا کیوں نہیں نکاح کرو یہ بہتر ہے (۲)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں خثعم قبیلہ کی ایک عورت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی اور اس نے عرض کیا میں بے شوہر ہوں اور نکاح کرنا چاہتی ہوں تو خاوند کا کیا حق ہے؟

آپ نے فرمایا خاوند کے بیوی پر حقوق میں سے یہ بات بھی ہے کہ جب خاوند اس کا ارادہ کرے اور اس کا طلبگار ہو اور عورت اونٹ کی پیٹھ پر بھی ہو تو انکار نہ کرے۔ خاوند کا ایک حق یہ بھی ہے کہ اس کی اجازت کے بغیر اس کے گھر سے کوئی چیز نہ دے اگر وہ ایسا کرے گی تو اسے گناہ ہوگا اور خاوند کو ثواب ملے گا اس کا یہ حق بھی ہے کہ عورت اس کی اجازت کے بغیر نفلی روزہ نہ رکھے اگر وہ ایسا کرے گی تو (قیامت کے دن) اس طرح آئے گی کہ وہ پیاسی ہوگی اور روزہ بھی قبول نہ ہوگا۔ اور اگر وہ اس کے گھر سے اس کی اجازت کے بغیر باہر نکلے تو واپسی تک فرشتے اس پر لعنت بھیجتے ہیں یا وہ توبہ کرے (۳)

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

اگر میں کسی کو کسی کے لیے سجدے کا حکم دیتا تو بیوی کو حکم دیتا کہ وہ اپنے خاوند کو سجدہ کرے کیوں کہ اس کا اس (عورت) پر بڑا حق ہے (۴)

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

عورت کو اللہ تعالیٰ کے ہاں اس وقت زیادہ قرب حاصل ہوتا ہے جب وہ اپنے گھر کے بالکل اندر ہو اور اس کا مکان کے صحن میں نماز پڑھنا مسجد میں نماز پڑھنے سے افضل ہے اور گھر میں نماز پڑھنا صحن میں پڑھنے سے افضل ہے اور بالکل اندر والی کوٹھڑی میں نماز پڑھنا گھر (کے عام حصے) میں پڑھنے سے بہتر ہے (۵) کیوں کہ اس میں پردہ زیادہ ہوتا ہے۔

---

(۱) شعب الایمان جلد ۵ ص ۶۰ حدیث ۶۱۹۰

(۲) المستدرک للحاکم جلد ۲ ص ۱۸۸-۱۸۹ کتاب النکاح

(۳) کنز العمال جلد ۱۶ ص ۳۳۹ حدیث ۴۴۸۰۸

(۴) سنن ابن ماجہ ص ۱۳۴ ابواب النکاح (۵)

اسی لئے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:
عورت پردے کی چیز ہے جب وہ باہر نکلتی ہے تو شیطان اسے جھانکتا ہے (۱)
نیز آپ نے فرمایا:
عورت کے لیے دس بے پردگیاں ہیں جب وہ نکاح کرتی ہے تو خاوند ایک برہنگی کو ڈھانپ لیتا ہے اور جب وہ فوت ہوتی ہے تو قبر دس کی دس کو ڈھانپ لیتی ہے۔ (۲)

خاوند کے بیوی کے ذمہ بہت سے حقوق ہیں اور ان میں سے دو باتیں اہم ہیں ان میں سے ایک حفاظت و پردہ ہے اور دوسری بات حاجت سے زیادہ کا مطالبہ نہ کرنا ہے اور جب اس کی کمائی حرام ہو تو اس سے بچنا ہے بزرگوں کی بیویوں کی عادات اسی طرح کی تھیں جب کوئی مرد گھر سے باہر جاتا تو اس کی بیوی یا بیٹی کہتی کہ حرام کمائی سے بچنا کیونکہ ہم بھوک اور تکلیف پر صبر کر سکتی ہیں لیکن جہنم کی آگ پر صبر نہیں ہو سکتا۔ اسلاف میں سے ایک شخص نے سفر کا ارادہ کیا تو اس کے پڑوسیوں نے اس کے سفر کو ناپسند کرتے ہوئے اس کی بیوی سے کہا کہ تم اس کے سفر پر کیوں راضی ہو حالانکہ اس نے تمہارے لیے نفقہ نہیں چھوڑا، اس نے کہا نے جب سے اپنا خاوند کو جانا ہے تو کھانے والا جانا ہے رزق دینے والا نہیں میرا ایک رب ہے جو بہت رزق دینے والا ہے لہذا کھانے والا جا رہا ہے اور رزق دینے والا موجود ہے۔

حضرت رابعہ بنت اسماعیل رحمہما اللہ نے حضرت احمد بن ابی الحواری کو نکاح کا پیغام دیا تو انہوں نے ناپسند کیا کیونکہ وہ بہت زیادہ عبادت کرتے تھے اور فرمایا اللہ کی قسم مجھے عورتوں کی خواہش نہیں کیوں کہ میں اپنے حال میں مشغول ہوں انہوں نے فرمایا میں اپنے حال میں تم سے زیادہ مشغول ہوں اور مجھے کوئی خواہش نہیں لیکن میں نے اپنے (سابق) خاوند سے بہت مال پایا ہے اور میں چاہتی ہوں کہ تو اسے اپنے بھائیوں پر خرچ کرے اور میں تمہارے ذریعے نیک لوگوں کو پہچان لوں اس طرح میرے لیے اللہ تعالیٰ کی طرف راستہ ہو جائے گا۔

انہوں نے فرمایا اچھا پہلے میں اپنے استاذ سے اجازت لے لوں چنانچہ وہ حضرت ابو سلیمان دارانی رحمہ اللہ کی طرف لوٹے وہ فرماتے ہیں کہ میرے استاذ مجھے نکاح کرنے سے منع کیا کرتے تھے اور فرماتے تھے کہ ہمارے ساتھیوں میں سے جس نے بھی شادی کی وہ بدل گیا لیکن جب انہوں نے حضرت رابعہ کی گفتگو سنی تو فرمایا ان سے شادی کر لو وہ اللہ تعالیٰ کی ولیہ ہیں۔ کیونکہ یہ سچے لوگوں کا کلام ہے وہ فرماتے ہیں کہ میں نے ان سے شادی کر لی اور ہمارے گھر میں چونے کا ایک نہہ خانہ تھا جو لوگ کھانا کھا کر جلدی جاتے تھے ان کے ہاتھ دھونے سے وہ خراب ہو گیا اور جو اشنان (ایک بوٹی) سے ہاتھ دھوتے تھے وہ الگ تھا فرماتے ہیں میں ان کے بعد مزید تین عورتوں سے شادی کی تو حضرت رابعہ مجھے

---

(۱) جامع الترمذی ص ۱۸۹ ابواب الرضاع

(۲) مجمع الزوائد جلد ۴ ص ۳۱۲ کتاب النکاح

اچھے کھانے کھلاتیں اور خوشبو لگا کر فرماتیں اپنی بیویوں کے پاس خوش خوش اور طاقت کے ساتھ جاؤ یہ حضرت رابعہ اہل شام میں ایسے تھیں جیسے بصرہ میں حضرت رابعہ بصریہ تھیں۔

بیوی پر لازم ہے کہ وہ اپنے خاوند کے مال کو کم نہ کرے بلکہ اس کی حفاظت کرے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

عورت کے لیے جائز نہیں کہ وہ خاوند کے گھر سے اس کی اجازت کے بغیر کھلائے ہاں ایسا خشک کھانا (کھلا سکتی ہے) جس کے خراب ہونے کا ڈر ہو اور اگر اس کی مرضی سے کھلائے تو اس کے برابر اسے بھی ثواب ملے گا اور اس کی اجازت کے بغیر کھلائے تو خاوند کو ثواب حاصل ہوگا اور اسے گناہ ہوگا۔ (۱)

عورت کا اپنے والدین پر حق ہے کہ وہ اسے آدابِ معاشرت اور خاوند کے ساتھ زندگی گزارنے کا طریقہ سکھلائیں جیسے ایک روایت میں آتا ہے کہ حضرت اسماء بنت خارجہ فزاری نے اپنی بیٹی کی شادی کے وقت ان سے کہا کہ تم جس گھر میں آتی تھیں (پیدا ہوئی تھیں) وہاں سے جا رہی ہو اور تم ایسے بستر پر جاؤ گی جس سے تم ناواقف ہو اور ایک ایسے ساتھی کے پاس رہو گی جس سے تمہیں ہرگز الفت نہیں ہے تم اس کے لیے زمین بن جانا وہ تیرے لیے آسمان ہوگا تم اس کے لیے بچھونا بن جانا وہ تمہارے لیے ستون ہوگا تم اس کی لونڈی بننا وہ تمہارا غلام بنے گا اس سے اس قدر قریب نہ ہونا کہ وہ تم سے نفرت کرنے لگے اور نہ اس سے دور ہونا کہ وہ تمہیں بھول ہی جائے اگر وہ تمہارے قریب ہو تو تم بھی اس کے قریب ہونا اور اگر وہ دور رہے تو تم بھی دور رہنا اس کے ناک، کان اور آنکھ کی حفاظت کرنا پس وہ تم سے خوشبو ہی سونگھے، اچھی بات ہی سنے اور جب بھی دیکھے اچھی بات دیکھے۔

ایک شخص نے اپنی بیوی سے کہا (ترجمہ اشعار)

مجھ سے درگزر کرنا کہ میری محبت حاصل کرے اور جب میں غصے میں ہوں تو مجھ سے گفتگو نہ کرنا اور مجھے ڈھول کی طرح نہ بجانا کیوں کہ تجھے معلوم نہیں اندر سے کیا آئے زیادہ شکوے نہ کرنا کہ اس سے قلبی محبت ختم ہو جائے گی کیوں کہ دل بدلتے رہتے ہیں کیوں کہ میں دیکھتا ہوں کہ جب دل میں محبت اور ایذاء جمع ہو جائیں تو محبت چلی جاتی ہے۔

تو کسی طوالت کے بغیر عورت کے آداب کے سلسلے میں جامع قول یہ ہے کہ وہ گھر کے اندر رہے چرخہ کاتے (۲) مکان

---

(۱) سنن ابی داؤد جلد اول ص ۲۴۳ کتاب الزکوٰۃ۔

(۲) آج کل عام طور پر کہا جاتا ہے کہ مرد کے ساتھ ساتھ بیوی کو کمانا چاہیئے تاکہ گھریلو اخراجات پورے ہو سکیں تو حضرت امام غزالی رحمہ اللہ کی اس ہدایت پر عمل کرتے ہوئے اگر عورت کو گھر میں دستکاری وغیرہ پر لگا دیا جائے تو گھر کی آمدنی بھی بڑھے گی اور وہ گھر میں باپردہ عزت کے ساتھ روزی بھی کمائے گی اور گھر کی حفاظت بھی ہوگی ۱۲ ہزاروی

کے اوپر زیادہ نہ جائے اور نہ جھانکے پڑوسیوں سے گفتگو کم کرے اور ان کے پاس اسی وقت جائے جب وہاں جانا ضروری ہو۔ خاوند کی عدم موجودگی میں اس کی حفاظت کرے اور تمام امور میں اس کی خوشی چاہے اپنے نفس اور خاوند کے مال میں خیانت نہ کرے اور اس کی اجازت کے بغیر گھر سے باہر نہ جائے اور جب اس کی اجازت سے باہر جائے تو معمولی لباس میں اور اپنے آپ کو لپیٹ کر جائے خالی راستوں پر جائے عام سڑکوں اور بازاروں میں نہ جائے اس بات سے اجتناب کرے کہ کوئی اجنبی اس کی آواز سنے یا کوئی اسے پہچان لے اگر خاوند کے دوست سے بھی کوئی کام ہو تو ایسا طریقہ اختیار کرے کہ وہ اسے پہچان نہ سکے بلکہ جس آدمی کے بارے میں گمان ہو کہ وہ اسے پہچانتا ہے یا یہ اسے پہچانتی ہے تو آواز بدل دے اس کا اہم کام اپنی حالت کی اصلاح اور گھر کو درست رکھنا ہے نماز اور روزے کی طرف متوجہ رہے جب اس کے خاوند کا دوست دروازے پر کھڑا اندر آنے کی اجازت مانگے اور خاوند گھر میں موجود نہ ہو تو اپنی اور خاوند کی غیرت کا لحاظ کرتے ہوئے نہ اس سے کچھ پوچھے اور نہ جواب دے اللہ تعالیٰ نے اس کے خاوند کو جو رزق عطا فرمایا ہے اس پر صبر کرے اور اپنے حق پر خاوند کے حق کو مقدم رکھے اسی طرح اپنے تمام رشتہ داروں کے حقوق سے بھی مقدم رکھے صفائی کا خیال رکھے اور ہر وقت اس تیاری میں رہے کہ خاوند چاہے تو اس سے نفع حاصل کر سکے اولاد پر شفقت کرنے والی ہو اور ان کے راز افشا نہ کرے اولاد کو گالی گلوچ نہ کرے اور نہ خاوند کی بات کا جواب نہ دے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

میں اور وہ عورت جس کے رخساروں کا رنگ پھیکا پڑ گیا جنت میں ان دو (انگلیوں) کی طرح (قریب قریب) ہوں گے وہ عورت جس کے خاوند سے اس کی اولاد ہوئی اور خاوند مر گیا اور اس نے اپنی بیٹیوں کے لیے اپنے آپ کو پابند رکھا حتیٰ کہ وہ (جوان ہو کر) اس سے الگ ہو جائیں یا انتقال کر جائیں (۱)

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اللہ تعالیٰ نے ہر شخص پر حرام کیا کہ وہ جنت میں مجھ سے پہلے داخل ہو لیکن میں اپنی دائیں جانب دیکھتا ہوں کہ ایک عورت مجھ سے پہلے جنت میں جا رہی ہے میں کہتا ہوں یہ مجھ سے آگے کیوں بڑھتی ہے؟ تو مجھے کہا جاتا ہے اے محمد! یہ عورت خوبصورت تھی اور اس کے پاس اس کی یتیم بچیاں تھیں اس نے ان پر صبر کیا حتیٰ کہ ان کا معاملہ وہاں تک پہنچا تھا تو اللہ تعالیٰ نے اس کے اس عمل کو پسند فرمایا۔ (۲)

عورت کے آداب میں سے یہ بھی ہے کہ اپنے حُسن کے ذریعے خاوند پر فخر کا اظہار نہ کرے اور خاوند کی بدصورتی کی

---

(۱) مشکوٰۃ المصابیح ص ۴۲۳ باب الشفقۃ والرحمۃ۔

(۲)

وجہ سے اسے حقیر نہ سمجھے ایک روایت میں ہے حضرت اصمعی نے فرمایا کہ میں ایک جنگل میں داخل ہوا تو وہاں ایک نہایت خوبصورت عورت کو پایا جس کا خاوند نہایت بدصورت تھا میں نے عورت سے پوچھا یہ کیا ہے؟ کیا تو ایسے شخص کی بیوی بننے پر راضی ہو گئی؟ اس نے کہا اے فلاں! خاموش رہو، تم نے غلط بات کہی ہے ممکن ہے اس نے اللہ تعالیٰ کے لیے کوئی ایسی نیکی کی ہو کہ اس نے مجھے بطور ثواب اسے عطا کر دیا ہو سکتا ہے میں نے کوئی ایسا گناہ کیا ہو تو میرے خالق نے مجھے اس کی صورت میں سزا دی ہو تو کیا جو اللہ تعالیٰ نے میرے لیے پسند کیا ہے میں اس پر راضی نہ رہوں؟ —— حضرت اصمعی ہی فرماتے ہیں میں نے ایک جنگل میں ایک عورت کو دیکھا اس پر سرخ قمیص تھی ہاتھوں پر مہندی لگائی ہوئی تھی اور تسبیح پکڑی ہوئی تھی میں نے کہا یہ (تسبیح) اس کے لائق نہیں۔ اس نے کہا ہے جو کچھ خالق کی طرف سے مجھ پر لازم ہے اس کو میں ضائع نہیں کرتی اور ایک طرف مجھے اس بہادر (خاوند) کے لیے کچھ زیبائش بھی کرنا ہوتی ہے حضرت اصمعی فرماتے ہیں میں جان گیا کہ یہ ایک نیک خاتون ہے جو اپنے خاوند کے لیے زینت اختیار کرتی ہے۔

عورت کے آداب میں سے یہ بھی ہے کہ خاوند کی عدم موجودگی میں نیکو کار اور بجھی سی رہے اور خاوند کی موجودگی میں کھیل کود، خوشی اور لذت کے اسباب اختیار کرے اور اس کے لیے مناسب نہیں کہ کسی بھی حالت میں خاوند کو اذیت پہنچائے۔

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

جب دنیا میں کوئی عورت اپنے خاوند کو اذیت پہنچاتی ہے تو جنتی حور جو اس کی زوجہ بننے والی ہے کہتی ہے اللہ تعالیٰ تجھے ہلاک کرے اسے اذیت نہ دے وہ تیرے پاس مہمان ہے عنقریب تجھ سے جدا ہو کر ہمارے پاس آئے گا (۱)

حقوقِ نکاح میں سے عورت پر واجب ہے کہ اگر اس کا خاوند فوت ہو جائے تو چار مہینے دس دن سے زیادہ سوگ نہ منائے اور اس مدت میں خوشبو اور زینت سے بچے حضرت زینب بنت ابی سلمہ رضی اللہ عنہما فرماتی ہیں جب حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کے والد حضرت ابوسفیان بن حرب کا انتقال ہوا تو میں ان کے پاس حاضر ہوئی انہوں نے خوشبو منگوائی جس میں خلوق (ایک خوشبو) کی زردی تھی یا کوئی اور خوشبو تھی انہوں نے وہ خوشبو ایک لونڈی کو لگائی اور پھر اپنے رخساروں پر ملی اس کے بعد فرمایا اللہ کی قسم مجھے خوشبو کی ضرورت نہ تھی لیکن میں نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا آپ نے فرمایا۔

اللہ تعالیٰ اور آخرت پر ایمان رکھنے والی عورت کے لیے جائز نہیں کہ وہ کسی میت پر تین دن سے زیادہ سوگ منائے البتہ اپنے خاوند پر چار مہینے دس دن سوگ منائے۔ (۲)

---

(۱) سنن ابن ماجہ ص ۱۴۶ ابواب النکاح (۲) صحیح بخاری جلد اول ص ۱۷۱ کتاب الجنائز

اور اس کے لیے ضروری ہے کہ جس گھر میں نکاح ہوا (یعنی رخصتی ہوئی) عدت کے آخر تک وہیں رہے نہ اپنے گھر والوں کی طرف جائے اور نہ بلا ضرورت کہیں اور جائے۔

عورت کے آداب میں سے یہ بھی کہ جس قدر ممکن ہو گھر کے کام کاج کرے حضرت اسماء بنت ابی بکر صدیق رضی اللہ عنہما سے مروی ہے فرماتی ہیں حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نے مجھ سے نکاح کیا تو ان کے پاس نہ مال تھا نہ کوئی غلام اور نہ کوئی دوسری چیز، البتہ ایک گھوڑا اور پانی لانے والی ایک اونٹنی تھی تو میں ان کے گھوڑے کو چارہ دیتی اس کی دیکھ بھال کرتی اور اونٹنی کے لیے گٹھلیاں کوٹتی نیز اسے چارہ دیتی اور پانی لاتی، ان کا ڈول سیتی اور آٹا گوندھتی اور دو تہائی کوس (ایک کوس آٹھ کلومیٹر ہوتا ہے) سے گٹھلیاں سر پر اٹھا کر لاتی حتیٰ کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے میرے پاس ایک لونڈی بھیجی تو اس نے گھوڑے کی دیکھ بھال سے مجھے فارغ کر دیا گویا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے مجھے آزاد کر دیا ایک دن سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات ہوئی آپ کے ساتھ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بھی تھے اور گٹھلیاں میرے سر پر تھیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اونٹ کو بٹھا کر مجھے اپنے پیچھے سوار کرنے کے لیے اونٹ سے فرمایا اُخ اُخ (اونٹ بٹھانے کے لیے عربوں کے ہاں یہ الفاظ استعمال ہوتے ہیں) تو مجھے مردوں کے ساتھ جانے سے شرم محسوس ہوئی اور مجھے حضرت زبیر رضی اللہ عنہ اور ان کی غیرت یاد آگئی۔ اور وہ لوگوں میں بہت زیادہ غیرت مند تھے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سمجھ گئے کہ میں شرما رہی ہوں میں حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کے پاس آئی تو واقعہ سنایا تو انہوں نے فرمایا اللہ کی قسم! مجھے تمہارا اپنے سر پر یہ گٹھلیاں اٹھانا، حضور علیہ السلام کے ساتھ سوار ہونے سے زیادہ سخت محسوس ہوا۔ (۱)

اللہ تعالیٰ کی حمد اور احسان سے آداب نکاح کا بیان ختم ہوا ہر منتخب بندے پر اللہ تعالیٰ کی رحمت ہو۔

کسب معاش کے آداب

اس موحد کی طرح اللہ تعالیٰ کی حمد کرتے ہیں جو اس واحد برحق کے غیر سے (الگ ہو کر) اس کی توحید میں گم ہو جاتا ہے اور ہم اس شخص کی طرح اللہ تعالیٰ کی بزرگی بیان کرتے ہیں جو واضح الفاظ میں اعلان کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا سب کچھ باطل ہے اور وہ کسی کی استثناء نہیں کرتا اور یہ کہ آسمانوں اور زمین کی تمام مخلوق مل کر بھی نہ ایک مکھی پیدا کر سکتی ہے اور نہ ہی پروانہ۔

اور ہم اس کا شکر ادا کرتے ہیں کہ اس نے اپنے بندوں کے لیے آسمان کو بلند کر کے چھت بنایا اور ان کے لیے زمین کو بچھونے کے طور پر بچھایا، دن کو رات کے ساتھ ڈھانپا تو اس طرح رات کو آرام کا باعث اور دن کو ذریعہ روزگار

---

(۱) صحیح بخاری جلد ۲ ص ۷۸۶، کتاب النکاح

بنایا۔ تاکہ وہ اس کے فضل کی تلاش میں پھیل جائیں اور حاجات کی سستی سے چست ہو جائیں اور ہم اس کے اس رسول پر درود بھیجتے ہیں کہ جن کے حوض سے مومن پیاسے آنے کے بعد سیراب ہو کر واپس جاتے ہیں آپ کے آل واصحاب پر رحمت ہو جنہوں نے ان کے دین کی مدد میں کسی تیزی کو ترک نہیں کیا اور بہت زیادہ سلام ہو۔

حمد و صلوٰۃ کے بعد ـــــ تمام ارباب کے رب اور اسباب کو پیدا کرنے والے نے آخرت کو ثواب و عذاب کا گھر بنایا اور دنیا کو طلب اور حرکت نیز کمانے کی جگہ بنایا، دنیا میں عمل محض آخرت کے لیے نہیں بلکہ دنیا کا مال کمانا آخرت کا ذریعہ اور اس کا مددگار ہے پس دنیا آخرت کی کھیتی ہے اور اس کے لیے زینہ ہے۔

اور لوگ تین قسم کے ہیں۔

(۱) وہ لوگ جو دنیوی معیشت میں مشغول ہو کر آخرت کو بھول جاتے ہیں وہ ہلاک ہونے والوں میں سے ہیں۔

(۲) جس کی آخرت نے اس دنیا سے غافل کر دیا وہ کامیاب لوگوں میں سے ہے۔

(۳) اعتدال کے قریب تیسرے قسم کے لوگ ہیں اور یہ وہ لوگ ہیں جو اپنی آخرت کے لیے دنیا کمانے میں مشغول ہوتے ہیں یہ میانہ روی اختیار کرنے والے لوگ ہیں۔ اور اعتدال کا مرتبہ وہی شخص حاصل کر سکتا ہے جو طلب معیشت میں سیدھے راستے پر چلتا ہے اور طلب دنیا جو آخرت کا وسیلہ اور ذریعہ بنتی ہے اسی کی طرف اسی طرح اٹھ سکتا ہے کہ اس کی طلب میں آداب شریعت سیکھے۔

اب ہم تجارت اور کاریگری کے آداب، تجارت کی اقسام اور ان کے طریقے بیان کرتے ہیں ہم پانچ بابوں میں ان کی تشریح کریں گے۔

پہلا باب :۔ کسب کی فضیلت اور ترغیب

دوسرا باب :۔ صحیح خرید و فروخت اور معاملات کا علم

تیسرا باب :۔ معاملات میں عدل

چوتھا باب :۔ معاملات میں احسان

پانچواں باب :۔ تاجر کا اپنی ذات اور دین پر شفقت کرنا۔

پہلا باب

کسب کی فضیلت اور ترغیب

قرآن مجید:

ارشاد خداوندی ہے:

وَجَعَلْنَا النَّهَارَ مَعَاشًا (۱)

اور ہم نے دن کو روزی کمانے کا ذریعہ بنایا۔

اللہ تعالیٰ نے یہ بات احسان جتانے کے موقع پر ارشاد فرمائی ہے۔

ارشاد خداوندی ہے:

وَجَعَلْنَا لَكُمْ مَعَايِشَ قَلِيلًا مَّا تَشْكُرُونَ (۲)

اور ہم نے تمہارے لیے اسباب رزق پیدا کئے اور تم بہت کم شکر ادا کرتے ہو،

تو اللہ تعالیٰ نے اسے (کسبِ حلال کو) نعمت قرار دے کر اس پر شکر کا مطالبہ کیا۔

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ أَنْ تَبْتَغُوا فَضْلًا مِنْ رَبِّكُمْ (۳)

تم پر کوئی حرج نہیں کہ تم اپنے رب کا فضل تلاش کرو۔

ٖ ٖ ٖ

ارشاد خداوندی ہے:

وَآخَرُونَ يَضْرِبُونَ فِي الْأَرْضِ يَبْتَغُونَ مِنْ فَضْلِ اللَّهِ (۴)

اور کچھ دوسرے لوگ ہیں جو زمین میں سفر کرتے ہیں (اور) اللہ تعالیٰ کا فضل تلاش کرتے ہیں۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

---

(۱) قرآن مجید، سورۃ النباء آیت ۱۱

(۲) قرآن مجید، سورۃ الحجر آیت ۲۰

(۳) قرآن مجید، سورۃ بقرہ آیت ۱۹۸

(۴) قرآن مجید، سورۃ مزمل آیت ۲۰

فَانْتَشِرُوْا فِي الْاَرْضِ وَابْتَغُوْا مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ (۱)

پس زمین میں پھیل جاؤ اور اللہ تعالیٰ کا فضل تلاش کرو۔

احادیث مبارکہ :

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا :

مِنَ الذُّنُوْبِ ذُنُوْبٌ لَا يُكَفِّرُهَا اِلَّا الْهَمُّ فِيْ طَلَبِ الْمَعِيْشَةِ - (۲)

گناہوں میں سے کچھ گناہ ایسے ہیں جنہیں صرف طلب معاش کا ارادہ ہی مٹا سکتا ہے۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :

اَلتَّاجِرُ الصَّدُوْقُ يُحْشَرُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ مَعَ الصِّدِّيْقِيْنَ وَالشُّهَدَاءِ - (۳)

سچا تاجر قیامت کے دن سچے لوگوں اور شہدا کے ساتھ اٹھایا جائے گا۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

جو شخص حلال مال تلاش کرتا ہے، مانگنے سے بچتا ہے اپنے اہل وعیال کے لیے محنت کرتا اور پڑوسیوں پہ مہربانی کرتا ہے وہ اللہ تعالیٰ سے اس طرح ملاقات کرے گا کہ گویا اس کا چہرہ چودھویں رات کے چاند کی طرح ہے۔ (۴)

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ایک دن اپنے صحابہ کرام کے ساتھ تشریف فرما تھے تو ان کی نظر ایک مضبوط نوجوان پر پڑی جو سویرے سویرے کام کر رہا تھا صحابہ کرام نے فرمایا کاش اس کی جوانی اور جسم اللہ تعالیٰ کے راستے میں صرف ہوتا۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ایسا نہ کہو اگر وہ اپنے لیے کام کرتا ہے تاکہ وہ مانگنے سے بچے اور لوگوں سے بے نیاز رہے تو وہ اللہ تعالیٰ کے راستے میں ہے اگر وہ اپنے کمزور ماں باپ یا کمزور اولاد کے لیے کماتا ہے تاکہ ان کو بے نیاز کردے اور کفایت کرے تو وہ اللہ تعالیٰ کے راستے میں ہے اور اگر وہ دوسروں پر تکبر کرنے اور مال بڑھانے کی غرض سے محنت کرتا ہے تو وہ شیطان کے راستے میں ہے۔ (۵)

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :

---

(۱) قرآن مجید سورۃ الجمعۃ آیت ۱۰

(۲) مجمع الزوائد جلد ۴ ص ۶۳، ۶۴ کتاب البیوع

(۳) جامع الترمذی ص ۱۹۵ ابواب البیوع

(۴) مصنف ابن ابی شیبہ جلد ۷ ص ۱۶، ۱۷ کتاب البیوع

(۵) المعجم الکبیر للطبرانی جلد ۱۹ ص ۱۲۹ حدیث ۲۸۲

اللہ تعالیٰ اس آدمی کو پسند فرماتا ہے جو اس لیے کام کاج کرتا ہے تاکہ لوگوں سے مستغنی ہو جائے اور اللہ تعالیٰ اس بندے کو ناپسند کرتا ہے جو علم اس لیے حاصل کرتا ہے کہ اس کے ذریعے مال کمائے۔ (۱)

ایک حدیث شریف میں ہے۔

اِنَّ اللّٰہَ یُحِبُّ الْمُؤْمِنَ الْمُحْتَرِفَ۔ (۲)	بے شک اللہ تعالیٰ کوئی پیشہ اختیار کرنے والے مومن کو پسند کرتا ہے۔

آپ نے ارشاد فرمایا،

آدمی سب سے حلال مال جو کھاتا ہے وہ اس کی کمائی ہوئی ہے اور ہر بیع مقبول ہے (اللہ تعالیٰ اس میں برکت دیتا ہے) (۳)

ایک دوسری حدیث میں ہے۔

سب سے زیادہ حلال کھانا وہ ہے جو بندہ، کاریگر کے ہاتھ سے کھاتا ہے۔ بشرطیکہ وہ خیر خواہی کرے۔ (۴)

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

عَلَیْکُمْ بِالتِّجَارَۃِ فَاِنَّ فِیْھَا تِسْعَۃَ اَعْشَارِ الرِّزْقِ۔ (۵)	تم پر تجارت اختیار کرنا لازم ہے کیونکہ رزق کے دس میں سے نو حصے اس میں ہیں۔

ایک روایت میں ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے ایک شخص کو دیکھا تو پوچھا کیا کرتے ہو؟ اس نے کہا عبادت کرتا ہوں فرمایا اخراجات کون پورا کرتا ہے اس نے کہا میرا بھائی کرتا ہے آپ نے فرمایا تمہارا بھائی تم سے زیادہ عبادت گزار ہے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

جس چیز کے بارے میں، میں جانتا ہوں کہ وہ تمہیں جنت کے قریب کرتی ہے اور جہنم سے دور رکھتی ہے اس سے تمہیں روکتا ہوں اور بے شک روح الامین (حضرت جبریل علیہ السلام) نے میرے دل میں ڈالا کہ کوئی نفس اس وقت تک ہرگز نہیں مرتا جب تک وہ اپنا (مقررہ) رزق پورا نہ کرے اگرچہ وہ اسے دیر سے ملے پس تم اللہ تعالیٰ سے

---

(۱) المعجم الکبیر للطبرانی جلد ۲ ص ۲۶۸ حدیث ۲۱۲۸

(۲) مجمع الزوائد جلد ۴ ص ۶۲ کتاب البیوع

(۳) مسند امام احمد بن حنبل جلد ۴ ص ۱۴۱ مرویات رافع بن خدیج

(۴) مسند امام احمد بن حنبل جلد ۲ ص ۳۳۴ مرویات ابی ہریرہ

(۵) المطالب العالیہ جلد اول ص ۴۰۹ حدیث ۱۳۶۸

ڈرو اور اچھی طرح مانگو۔ (۱)

حضور علیہ السلام نے اچھی طرح مانگنے کا حکم دیا ترک طلب کے بارے میں نہیں فرمایا پھر اس حدیث کے آخر میں فرمایا رزق میں سے کسی چیز کی تاخیر تمہیں اس بات پر مجبور نہ کرے کہ تم اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کے ذریعے طلب کرو کیونکہ جو کچھ اللہ تعالیٰ کے پاس ہے وہ اس کی نافرمانی کے ذریعے حاصل نہیں ہوتا۔ (۲)

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بازار اللہ تعالیٰ کے دسترخوان ہیں پس جو شخص وہاں آئے گا اس سے حصہ پائے گا۔ (۳)

نیز آپ نے ارشاد فرمایا کہ تم میں سے کوئی ایک رسی لے کر اپنی پیٹھ پر لکڑیاں لاتے یہ اس سے بہتر ہے کہ کسی ایسے آدمی کے پاس جائے جسے اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے عطا فرمایا ہے یہ اس سے مانگے (اب اس کی مرضی) وہ اسے دے یا انکار کر دے (۴)

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص اپنے آپ پر سوال کا ایک دروازہ کھولتا ہے اللہ تعالیٰ اس پر محتاجی کے ستر دروازے کھولتا ہے (۵)

اقوال و آثار:

لقمان حکیم نے اپنے بیٹے سے کہا اے میرے بیٹے کسبِ حلال کے ذریعے فقر سے بے نیاز ہو جا کیوں کہ جو شخص محتاج ہو جاتا ہے اسے تین باتیں پہنچتی ہیں دین میں نرمی (کمزوری)، عقل میں کمی اور عزت و وقار کا خاتمہ ان سب سے بڑی بات یہ ہے کہ وہ لوگوں کی نظروں سے گر جاتا ہے۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے فرمایا تم میں سے کوئی رزق کی تلاش سے بیٹھ نہ جائے اور یوں کہے کہ یا اللہ! مجھے رزق عطا فرما۔ تمہیں معلوم ہے کہ آسمان سے سونے اور چاندی کی بارش نہیں ہوتی۔

حضرت زید بن مسلمہ رضی اللہ عنہ اپنی زمین میں درخت لگا رہے تھے تو حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے ان سے فرمایا تم نے ٹھیک کیا لوگوں سے بے نیاز ہو جاؤ تمہارا دین بہت زیادہ محفوظ ہوگا اور ان پر زیادہ کرم کر سکو گے۔

---

(۱) شرح السنۃ للبغوی جلد ۱۴ ص ۳۰۴ حدیث ۴۱۱۲

(۲) شرح السنۃ للبغوی جلد ۱۴ ص ۳۰۵ حدیث ۴۱۱۲

(۳)

(۴) صحیح بخاری جلد اول ص ۱۹۹ کتاب الزکوٰۃ

(۵) مسند امام احمد بن حنبل جلد اول ص ۱۹۳ مرویات عبدالرحمٰن بن عوف

جیسے تمہارے ساتھی احیحہ (شاعر) نے کہا ہے "میں ہمیشہ کنویں پر رہتا ہوں (کام کرتا ہوں) کیونکہ اپنے بھائیوں پر کرم و سخاوت وہی کرسکتا ہے جو صاحبِ مال ہو"۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں میں اس آدمی کو ناپسند کرتا ہوں جو فارغ ہو نہ دنیا کا کام کررہا ہو اور نہ آخرت کا۔

حضرت ابراہیم نخعی رحمہ اللہ سے پوچھا گیا کہ کیا آپ کو سچا تاجر پسند ہے یا وہ شخص جو عبادت کے لیے فارغ رہتا ہے؟ انہوں نے فرمایا مجھے سچا تاجر پسند ہے کیونکہ وہ جہاد میں مشغول ہے شیطان اس کے پاس ماپ اور تول کے پیمانے کے ذریعے نیز لین دین کے ذریعے آتا ہے تو وہ اس سے جہاد کرتا ہے، لیکن حضرت حسن بصری رحمہ اللہ نے اس سلسلے میں ان کی مخالفت کی ہے۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں مجھے یہ بات پسند ہے کہ مجھے اس جگہ موت آئے جہاں میں گھر والوں کے لیے خرید و فروخت کر رہا ہوں۔ حضرت ہیثم فرماتے ہیں بعض اوقات مجھے یہ بات پہنچتی ہے کہ فلاں شخص میرے بارے میں غلط باتیں کرتا ہے پھر مجھے یاد آتا ہے کہ مجھے اس کی حاجت نہیں تو اس کی بات (برداشت کرنا) میرے لیے آسان ہو جاتی ہے۔ حضرت ایوب نے فرمایا کہ کمائی کرنا جس کے ذریعے مجھے کچھ مل جائے میرے نزدیک لوگوں کے سامنے دست سوال دراز کرنے سے زیادہ پسندیدہ ہے۔

(ایک دفعہ) سمندر میں طوفان آگیا تو کشتی والوں نے حضرت ابراہیم بن ادھم رحمہ اللہ سے جو ان کے ہمراہ تھے، کہا کہ کیا آپ یہ شدت دیکھ نہیں رہے؟ انہوں نے فرمایا یہ کیا سختی ہے، سختی درحقیقت لوگوں کا محتاج ہونا ہے۔

حضرت ایوب رحمہ اللہ فرماتے ہیں مجھ سے حضرت ابو قلابہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ بازار کو اختیار کیے رکھو کیونکہ مالداری، سلامتی سے ہے یعنی وہ لوگوں سے بے نیاز کر دیتی ہے۔

حضرت امام احمد رحمہ اللہ سے پوچھا گیا کہ جو شخص اپنے گھر یا مسجد میں بیٹھ جاتا ہے اور کہتا ہے کہ میں اس وقت تک کام نہیں کروں گا جب تک میرا رزق میرے پاس نہ آجائے؟ اس کے بارے میں آپ کیا کہتے ہیں؟

حضرت امام احمد رحمہ نے فرمایا یہ شخص علم سے ناواقف ہے کیا اس نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشادِ گرامی نہیں سنا، آپ نے فرمایا۔

إِنَّ اللّٰهَ جَعَلَ رِزْقِي تَحْتَ رُمْحِي۔ (۱)

بے شک اللہ تعالیٰ نے میرا رزق میرے نیزے کے سائے میں رکھا ہے۔

---

(۱) مسند امام احمد بن حنبل جلد ۲ ص ۹۲ مرویات ابن عمر

نیز آپ نے پرندے کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا:

تَغْدُوْ خِمَاصًا وَتَرُوْحُ بِطَانًا۔ (۱)

وہ صبح کے وقت خالی پیٹ ہوتا ہے اور شام کے وقت اس کا پیٹ بھرا ہوتا ہے۔

تو آپ نے بتایا کہ وہ صبح کے وقت رزق کی تلاش میں نکلتا ہے۔

سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرام خشکی اور سمندر میں تجارت کیا کرتے تھے اور وہ اپنے باغوں میں کام کرتے تھے اور یہ لوگ ہمارے پیشوا ہیں۔

حضرت ابوقلابہ رضی اللہ عنہ نے ایک شخص سے فرمایا میں تجھے طلب معاش میں دیکھوں یہ اس بات سے اچھا ہے کہ تجھے مسجد کے کونے میں دیکھوں۔

مروی ہے کہ حضرت اوزاعی رحمہ اللہ نے حضرت ابراہیم بن ادھم رحمہ اللہ سے ملاقات کی تو ان کی پیٹھ پر لکڑیوں کا ایک گٹھا تھا انہوں نے فرمایا اے ابواسحٰق! یہ کام کب تک؟ آپ کے بھائی آپ کو کفایت کرتے ہیں۔

انہوں نے فرمایا اے ابوعمرو! چھوڑیئے مجھے یہ بات پہنچی ہے کہ جو شخص طلبِ حلال میں کسی ذلت کی جگہ پر کھڑا ہو اس کے لیے جنت واجب ہو جاتی ہے حضرت ابوسلیمان دارانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں ہمارے نزدیک عبادت یہ نہیں کہ تم اپنے پاؤں کو ملائے رکھو اور دوسرے تمہارے لئے روزی تلاش کریں بلکہ پہلے اپنی دو روٹیوں کی فکر کرو پھر عبادت کرو۔

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں قیامت کے دن ایک منادی اعلان کرے گا کہ اللہ تعالیٰ کی زمین میں اس کے ناپسندیدہ لوگ کہاں ہیں تو وہ لوگ کھڑے ہوں گے جو مسجدوں میں مانگتے تھے"

تو مانگنے اور دوسروں کی طرف سے کفایت پر بھروسہ کرنے کی شریعت میں یوں مذمت آئی ہے اور جس شخص کے پاس موروثی مال نہ ہو تو اسے اس (مانگنے) سے کسب اور تجارت ہی نجات دے سکتی ہے۔

سوال:

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میری طرف یہ وحی نہیں آئی کہ تم مال جمع کرو اور تاجروں میں سے ہو جاؤ بلکہ میری طرف وحی بھیجی گئی ہے کہ اپنے رب کی حمد کے ساتھ اس کی تسبیح بیان کرو اور سجدہ کرنے والوں میں سے ہو جاؤ اور وصال تک اپنے رب کی عبادت کرو۔ (۲)

اور حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ سے کہا گیا کہ ہمیں وصیت کیجئے تو انہوں نے فرمایا تم میں سے جو شخص حاجی، غازی

---

(۱) جامع الترمذی ص ۳۲۹ ابواب الزھد

(۲) الدر المنثور جلد ۴ ص ۱۰۹ تحت آیت ولقد نعلم

یا مسجد تعمیر کرنے والا ہو کر دنیا سے رخصت ہو سکتا ہے تو وہ ایسا کرے لیکن تم نہ تو تاجر بن کر مرنا اور نہ خیانت کرنے والے ہو کر۔

جواب:

ان روایات میں حالات کی تفصیل کے مطابق تطبیق دی جا سکتی ہے پس ہم کہتے ہیں کہ ہمارا یہ دعویٰ نہیں کہ تجارت مطلقاً ہر عمل سے افضل ہے بلکہ تجارت کا مقصد یا تو حسب ضرورت مال حاصل کرنا ہوتا ہے یا امیر بننا مقصود ہوتا ہے یا ضرورت سے زیادہ حاصل کرنا ہوتا ہے اگر ضرورت سے زیادہ اس لیے حاصل کرتا ہے کہ مال زیادہ ہو جائے اور اسے جمع کیا جائے خیرات و صدقات میں خرچ کرنا مقصود نہ ہو تو یہ مذموم ہے کیونکہ یہ دنیا کی طرف متوجہ ہونا ہے جس کی محبت تمام گناہوں کی اصل ہے۔ اگر اس کے ساتھ ساتھ ظالم اور خائن بھی ہو تو یہ ظلم اور فسق ہے۔

حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ نے جب یہ فرمایا کہ تاجر اور خائن ہو کر نہ مرنا تو اس کا یہی مطلب ہے اور تاجر سے ان کی مراد زیادہ مال طلب کرنے والا ہے لیکن جب اپنے آپ اور اولاد کی ضرورت کے لیے حاصل کرے اور مانگنے سے بھی بقدر کفایت اسے مل سکتا ہے تو سوال سے بچنے کے لیے تجارت کرنا افضل ہے اور اگر اسے سوال کی ضرورت نہیں پڑتی اور مانگنے کے بغیر اسے دیا جاتا ہے تو کمانا افضل ہے کیونکہ اسے اس لیے دیا جاتا ہے کہ وہ زبان حال سے سوال کرتا ہے اور فقر کے ذریعے لوگوں کے درمیان آوازیں لگاتا ہے تو سوال سے بچنا اور اپنا پردہ رکھنا بیکاری سے بہتر ہے بلکہ یہ کام تو بدنی عبادات سے بھی افضل ہے۔

ترکِ کسب

ترکِ کسب چار قسم کے آدمیوں کے لیے افضل ہے جو عبادات بدنیہ میں مصروف رہتا ہے یا وہ شخص جو احوال و مکاشفات کے علوم میں باطنی سیر اور قلبی عمل میں مشغول ہوتا ہے یا وہ عالم جو علم ظاہر کی تربیت کرتا ہے جس کے ذریعے لوگوں کو ان کے دین کے بارے میں نفع حاصل ہوتا ہے جیسے مفتی، مفسر، محدث وغیرہ۔ یا وہ شخص جو مسلمانوں کے معاملات میں مصروف ہوتا ہے اور اس نے ان کے کاموں کی ذمہ داری اٹھائی ہے جیسے بادشاہ، قاضی، اور گواہ (آج کل کے سرکاری ملازمین بھی ان میں شامل ہیں ۱۲ ہزاروی)

یہ لوگ جب ان اموال سے کفایت کیے جائیں جو (امت مسلمہ کے) مصالح کے لیے مقرر ہے یا اوقاف کے مال سے فقراء اور علماء کو دیا جائے تو ان کے لیے مال کمانے میں مشغولیت کی نسبت یہ امور افضل ہیں اسی لیے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف وحی بھیجی گئی کہ آپ اپنے رب کی حمد کے ساتھ اس کی پاکیزگی بیان کریں اور سجدہ کرنے والوں میں سے ہو جائیں اور آپ کی طرف یہ وحی نہیں بھیجی گئی کہ آپ تاجروں میں سے ہو جائیں۔ کیونکہ آپ میں یہ چاروں باتیں جمع تھیں بلکہ اس سے بھی زیادہ امور جو بیان سے باہر ہیں اسی لیے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو مشورہ دیا تھا کہ آپ تجارت چھوڑ دیں جب آپ مسلمانوں کے امور کے والی بنے تھے کیوں کہ یہ عمل امت کے

مسائل کے راستے میں رکاوٹ بنتا تھا اور آپ بیت المال سے ضرورت کے مطابق لیتے تھے اور آپ نے اسی کو بہتر سمجھا پھر جب آپ کے وصال کا وقت قریب ہوا تو آپ نے یہ مال بیت المال کی طرف لوٹانے کی وصیت فرمائی لیکن ابتداء میں اسے لینا بہتر سمجھا۔

ان (مذکورہ بالا) چار قسم کے لوگوں کی دو حالتیں اور ہیں ان میں سے ایک یہ ہے کہ جب وہ مال نہ کمائیں اور ان کی ضروریات لوگوں کے ہاتھوں سے یعنی زکوٰۃ و صدقات وغیرہ سے پوری ہوں اور انہیں سوال کرنے کی ضرورت نہ پڑے تو ایسی صورت میں کوئی پیشہ اختیار نہ کرنا اور اپنی ذمہ داری میں مشغول ہونا زیادہ بہتر ہے کیوں کہ اس میں خیرات پر لوگوں کی مدد کرنا ہے اور ان سے وہ چیز وصول کرنا ہے جو ان پر لازم ہے اور اس کی ادائیگی ان کے حق میں افضل ہے۔

دوسری حالت سوال کی حاجت ہے اور یہ بات قابل غور ہے سوال کرنے کے بارے میں شدت اور مذمت کی جو روایات ہم نے نقل کی ہیں ان سے بظاہر یہی معلوم ہوتا ہے کہ سوال سے بچنا بہتر ہے اور اس سلسلے میں حالات اور اشخاص کا لحاظ کئے بغیر مطلق قول مشکل ہے۔

بلکہ یہ خود بندے کی سوچ اور اپنے نفس کی طرف نظر پر موقوف ہے اسے چاہیے کہ ایک طرف سوال کی ذلت اور ہتک عزت نیز دوسروں کے سامنے کھڑا ہونے اور منت سماجت کرنے کو رکھے اور دوسری طرف اس علم و عمل میں مشغولیت کو رکھے جس میں اس کا اپنا اور دوسروں کا فائدہ ہے اور اس طرح دونوں میں مقابلہ کرے کیونکہ بہت سے لوگ ایسے ہیں جن کی علم و عمل میں مشغولیت سے مخلوق کو اور خود ان کو بہت فائدہ پہنچتا ہے اور انہیں معمولی سوال سے بقدر کفایت رزق حاصل ہو جاتا ہے اور بعض اوقات اس کے برعکس ہوتا ہے اور بعض اوقات مطلوب و ممنوع برابر برابر ہوتے ہیں لہٰذا اس وقت طالب کو اپنے دل سے فتویٰ لینا چاہیئے اگرچہ مفتیان کرام کوئی فیصلہ دیں کیونکہ فتاویٰ صورتوں کی تفاصیل اور حالات کی باریکیوں کا احاطہ نہیں کر سکتے۔

پہلے بزرگوں میں سے ایک صاحب کے تین سو ساٹھ دوست تھے وہ ان میں سے ہر ایک کے پاس ایک رات مہمان بنتے اور بعض کے صرف تیس دوست تھے (ہر ایک کے پاس مہینے میں ایک رات رہتے تھے) اور خود یہ لوگ عبادت میں مشغول رہتے تھے کیونکہ وہ جانتے تھے کہ ان کی خدمت کرنے والے اسے اپنے لیے سعادت سمجھتے ہیں اور ان کا ان کی خدمات کو قبول کرنا ان کی عبادت کے وجہ سے ان کے حق میں بھلائی قرار پاتا ہے لہٰذا اس مسئلے میں خوب غور و فکر کرے کیوں کہ لینے والے کو بھی دینے والے کی طرح اجر و ثواب ملتا ہے جب کہ لینے والا اس کے ذریعے دین پر مدد حاصل کرے اور دینے والا اسے خوش دلی سے دے جو شخص ان باتوں پر مطلع ہوتا ہے وہ اپنے نفس کی حالت کو پہچان سکتا ہے اور وہ اپنی حالت اور وقت کے اعتبار سے افضل بات کو دل سے جان

لیتا ہے۔

تو یہ مال کمانے کی فضیلت ہے لیکن چونکہ وہ عقد جس کے ذریعے آدمی مال کماتا ہے چار چیزوں یعنی صحت، انصاف، احسان اور دین پر شفقت کا جامع ہونا چاہیئے اس لیے ہم نے ان میں سے ہر ایک کے لیے ایک الگ باب باندھا ہے۔ ہم دوسرے باب میں ان معاملات کے صحیح ہونے کے اسباب ذکر کرتے ہیں۔

دوسرا باب

علمِ کسب

بیع، سود، بیع سلم، اجارہ، قرض اور شرکت کے ذریعے مال کمانے کے علم کے بارے میں۔ نیز وہ تصرفات جن پہ کسب کا دارومدار ہے، شریعت کے اعتبار سے ان کی صحت کا بیان۔

جان لو! اس باب کا علم حاصل کرنا ہر کمانے والے مسلمان پر واجب ہے کیوں کہ علم کی تلاش ہر مسلمان (مرد و عورت) پر فرض ہے اور یہ اس علم کی تلاش ہے جس کی ضرورت ہے کمانے والا علم کسب کا محتاج ہوتا ہے اور جب اسے اس باب کا علم حاصل ہو جاتا ہے تو وہ معاملات کو فاسد کرنے والی چیزوں سے آگاہ ہونے کی وجہ سے ان سے اجتناب کرتا ہے اور اسے جو مشکل فروعی طور پیش آئے گی تو، وہ اس میں توقف کرے گا یہاں تک کہ وہ اس کے بارے میں کسی سے سوال کرے کیوں کہ جب تک وہ اجمالی علم کے ذریعے اسبابِ فساد کو معلوم نہ کرلے تو اسے معلوم نہیں ہوگا کہ کب اس پر توقف واجب ہے اور کب پوچھنا، اور اگر وہ کہے کہ میں علم کی طرف متوجہ نہیں ہوتا لیکن جب "تک کوئی واقعہ درپیش نہ ہو صبر کروں گا اور اس وقت سیکھوں گا اور فتویٰ حاصل کروں گا۔ تو اسے کہا جائے گا کہ جب تک تمہیں عقود کے مفسدات کا اجمالی علم نہ ہو، کسی واقعہ کے وقوع کا علم کیسے حاصل ہوگا؟ چنانچہ وہ تصرفات کرتا رہے گا اور انہیں صحیح اور جائز سمجھے گا لہٰذا اس کے لیے تجارت سے متعلق اس قدر علم حاصل کرنا ضروری ہے۔ تاکہ مباح اور ممنوع میں امتیاز کر سکے اسی لیے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آپ بازار کا چکر لگاتے رہتے اور بعض تاجروں کو دُرّے سے مارتے تھے اور فرماتے تھے کہ ہمارے بازار میں وہی تجارت کرے جسے تجارت کی سمجھ ہو ورنہ وہ سود کھاتا ہے چاہے مرضی سے ہو یا بغیر مرضی کے، عقودِ کسب کا علم بہت زیادہ ہے لیکن کمائی کرنے والا ان چھ عقود سے الگ نہیں ہو سکتا اور وہ یہ ہیں، خرید و فروخت، سود، بیع سلم، اجارہ، شرکت اور قرض دینا، پس ہم ان کی شروط کی تشریح کرتے ہیں۔

عقد اوّل:

خرید و فروخت

اللہ تعالیٰ نے بیع (خرید و فروخت) کو حلال قرار دیا اور اس کے تین ارکان ہیں عقد کرنے والا، جس چیز پہ عقد کیا جائے اور الفاظ۔

پہلا رکن :

عاقد ـــ تاجر کو چاہیئے کہ چار قسم کے لوگوں سے سودا نہ کرے بچہ، پاگل، غلام اور اندھا۔
کیونکہ بچہ شرعی احکام کا مکلّف نہیں ہے اسی طرح مجنون بھی (مکلّف نہیں) لہذا ان دونوں کی بیع باطل ہے لہذا بچے کی بیع صحیح نہیں اگرچہ اس کا ولی اجازت دے یہ امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک ہے۔ اور جو آدمی ان دونوں سے لے گا تو (ضائع ہونے کی صورت ہیں) ان دونوں کے لیے اس پر تاوان ہوگا اور معاملہ کرتے ہوئے جو کچھ ان کے حوالے کرے گا تو اگر وہ ان کے ہاتھوں میں ضائع ہو جائے تو وہ اسی شخص کا ضائع ہوگا۔
عقلمند غلام کی خرید و فروخت اس کے مالک کی اجازت کے بغیر صحیح نہیں لہذا سبزی فروش، نانبائی اور قصاب وغیرہ کو چاہیئے کہ وہ غلاموں سے معاملات نہ کریں (آجکل غلاموں کا سلسلہ نہیں ہے) جب تک ان کے مالک ان کے ساتھ معاملہ کرنے کی اجازت نہ دیں اور یہ (اجازت) یا تو صریح الفاظ میں سنے یا شہر میں مشہور ہو جائے کہ فلاں غلام کو اس کے آقا کی طرف سے خرید و فروخت کی اجازت دی گئی ہے یا تو یہ بات مشہور ہو یا کوئی عادل اسے خبر دے دے اگر وہ اس کے مالک کی اجازت کے بغیر اس سے معاملہ کرے گا تو یہ عقد باطل ہوگا۔ اور اس نے اس سے جو کچھ لیا ہے اس کے مالک کے ہاں تاوان دے گا۔ اور جو کچھ اس کے حوالے کیا ہے اگر وہ غلام کے پاس ضائع ہو جائے تو یہ اس غلام کی گردن سے متعلق نہیں ہوگا اور نہ ہی اس کا آقا اس کا ضامن ہوگا۔ بلکہ وہ اسی وقت مطالبہ کر سکتا ہے جب وہ غلام آزاد ہو جائے۔
نابینا آدمی چونکہ ایسی چیز کا سودا کرتا ہے جسے اس نے دیکھا نہیں لہذا یہ صحیح نہیں لہذا اسے کہا جائے کہ وہ کسی کو وکیل مقرر کرے جو اس کے لیے خرید و فروخت کرے اس کا کسی کو وکیل بنانا صحیح ہے، اسی طرح اس کے وکیل کی خرید و فروخت بھی صحیح ہے اور اگر تاجر خود اس نابینا سے معاملہ کرے گا تو یہ عقد فاسد ہوگا اور اس نے اس سے جو کچھ لیا ہے وہ قیمت کے اعتبار سے اس تاجر پر تاوان ہوگا اور جو کچھ اس کے حوالے کیا ہے وہ قیمت کے اعتبار سے ملے گا۔ (مطلب یہ ہے کہ اب ان کی اپنی مقرر کردہ قیمت کا اعتبار نہیں ہوگا بلکہ بازاری قیمت کا اعتبار ہوگا)
کافر کے ساتھ معاملات جائز ہیں لیکن اس پر قرآن پاک اور مسلمان غلام نہ بیچا جائے اور اگر وہ حربی کافر ہو تو اس پر اسلحہ بھی نہ بیچا جائے۔ اگر کوئی شخص اسی طرح کرے گا تو یہ معاملات رد ہو جائیں گے اور وہ اللہ تعالیٰ کے ہاں گناہ گار ہوگا۔
جہاں تک ترکی، ترکمانی، عربی اور کردی سپاہیوں کا تعلق ہے یا چور، خائن، سود خور، ظالم اور وہ لوگ جو اکثر حرام مال کھاتے ہیں تو جو کچھ ان کے پاس ہے اسے اپنی ملکیت میں نہیں لانا چاہیئے کیونکہ وہ حرام ہے البتہ کسی خاص معین چیز کے بارے میں علم ہو کہ وہ حلال ہے۔
اس کی تفصیل حلال و حرام کے بیان میں آئے گی۔

دوسرا رکن :

بیع کا دوسرا رکن معقود علیہ ہے یہ وہ چیز ہے جو سودا کرنے والے دو آدمیوں میں سے ایک کی طرف سے دوسرے کی طرف منتقل ہوتی ہے چاہیے یہ ثمن (قیمت) ہو یا مال، اس میں چھ شرائط معتبر ہیں۔

(ا) یہ چیز نجس لعینہ (ذاتی طور پر ناپاک) نہ ہو لہذا کتے اور خنزیر کی بیع جائز نہیں اسی طرح گوبر اور پاخانے کا سودا بھی جائز نہیں۔ ہاتھی کا دانت اور اس سے بنے ہوئے برتنوں کا سودا بھی جائز نہیں کیونکہ جانور کے مرنے سے اس کی ہڈی ناپاک ہو جاتی ہے اور ہاتھی ذبح کرنے سے پاک نہیں ہوتا اور نہ اس کی ہڈی ذبح کی وجہ سے پاک ہوتی ہے شراب کی خرید و فروخت اور وہ جانور جو کھائے نہیں جاتے ان کی چربی کا سودا بھی جائز نہیں اگرچہ اسے چراغ میں جلانے یا کشتیوں پر ملنے کا فائدہ حاصل ہوتا ہے پاک تیل میں اگر کوئی نجاست یا چوہا وغیرہ گر جائے اور اس طرح وہ ناپاک ہو جائے تو اس سے کھانے کے علاوہ نفع حاصل کیا جا سکتا ہے اور یہ ذاتی طور پر ناپاک نہیں ہے۔ اسی طرح میں (امام غزالی رحمہ اللہ) ریشم کے کیڑوں کی بیع میں بھی حرج نہیں سمجھتا کیوں کہ وہ ایک ایسے حیوان کی اصل ہیں جس سے فائدہ اٹھایا جاتا ہے اور اسے انڈے سے تشبیہ دینا جو حیوان کی اصل ہے لید کے مشابہ قرار دینے سے بہتر ہے مشک نافہ (کستوری) کی بیع جائز ہے اور اسے پاک قرار دیا جائے گا جب وہ ہرن کی زندگی میں اس سے جدا ہو۔

(ب) وہ ایسی چیز ہے جس سے نفع حاصل کیا جا سکے لہذا کیڑے مکوڑوں کی خرید و فروخت جائز نہیں اسی طرح چوہیا اور سانپ کی خرید و فروخت بھی صحیح نہیں، شعبدہ بازوں کو جو سانپ سے فائدہ پہنچتا ہے اس کا کوئی اعتبار نہیں اسی طرح وہ مداری جو ڈبیہ میں سے نکال کر لوگوں کو دکھاتے ہیں ان کا اس سے نفع حاصل کرنا بھی غیر معتبر ہے بلی اور شہد کی مکھی کی بیع جائز ہے، چیتے اور شیر کی خرید و فروخت بھی جائز ہے اسی طرح ہر وہ جانور جو شکار کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے یا اس کے چمڑے سے نفع اٹھایا جا سکتا ہے اس کی بیع بھی جائز ہے، بوجھ اٹھانے کے لیے ہاتھی کی خرید و فروخت بھی جائز ہے طوطے کی خرید و فروخت جائز ہے، مور اور خوش رنگ پرندوں کی بیع بھی جائز ہے اگرچہ انہیں کھایا نہ جاتا ہو، کیونکہ انکی آوازوں اور ان کی طرف دیکھ کر خوشی حاصل کرنا ایک جائز غرض اور مقصود ہے البتہ کتے کو محض خوبصورتی کی وجہ سے حاصل کرنا جائز نہیں ہے کیونکہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منع فرمایا۔ (۱)

بانسری، سارنگی اور لہو و لعب کے دوسرے آلات خریدنا اور بیچنا جائز نہیں کیوں کہ شرعی طور پر ان کا کوئی نفع نہیں۔ اسی طرح مٹی سے بنائے گئے کھلونے (پلاسٹک وغیرہ کا بھی یہی حکم ہے) جس طرح جانور کی شکلیں بنا کر بچوں کے کھیلنے کے لیے عید کے موقع پر بیچے جاتے ہیں (ان کی خرید و فروخت بھی جائز نہیں) کیونکہ شرعی طور پر ان کو توڑنا واجب ہے۔ درختوں کی تصویروں میں کوئی حرج نہیں (کیوں کہ وہ غیر ذی روح ہیں) جن کپڑوں اور پلیٹوں پر جانوروں کی تصویریں ہوں ان کی خرید و فروخت جائز ہے اسی طرح پردوں کا حکم ہے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا

---

(۱) صحیح بخاری جلد ۲ ص ۸۲۴ کتاب الذبائح والصید

سے فرمایا:

اِتَّخِذِیْ مِنْهَا نَمَارِقَ (۱) ان کے بچھونے بنا لو۔

لیکن ان کو لٹکانے کے ذریعے استعمال کرنا درست نہیں بلکہ بچھایا جائے تو جب کسی نہ کسی صورت میں ان کا استعمال جائز ہے تو اس اعتبار سے ان کی خرید و فروخت بھی جائز ہوگی۔

(ج) جس چیز کا سودا ہو رہا ہے وہ سودا کرنے والے کی ملکیت ہو، یا مالک کی طرف سے اسے اجازت حاصل ہو۔ غیر مالک سے اس نیت پر خریدنا جائز نہیں کہ چلو مالک اجازت دے ہی دے گا۔ بلکہ اگر وہ بعد میں راضی ہو تو نئے سرے سے سودا کرنا پڑے گا، کسی شخص کا مال اس کی بیوی سے خریدنا بھی جائز نہیں اور نہ بیوی کا مال خاوند سے خریدنا جائز ہے۔ اسی طرح بیٹے کا مال باپ سے اور باپ کا مال بیٹے سے خریدنا بھی جائز نہیں یعنی یہ سوچے کہ اگر اسے معلوم ہوا تو راضی ہو جائے گا۔ کیونکہ جب تک رضامندی سودا کرنے سے پہلے نہ پائی جائے سودا جائز نہیں ہوتا۔ بازاروں میں اس قسم کی صورتیں پائی جاتی ہیں لہٰذا دین دار آدمی کو اس سے بچنا چاہیئے۔

د۔ جس چیز کا سودا ہو رہا ہے وہ شرعی اور حسی طور پر فریق ثانی کو سونپا جا سکے جس چیز کو ظاہری طور پر سونپا نہیں جا سکتا اس کا سودا جائز نہیں جیسے بھاگا ہوا غلام، پانی میں مچھلی، پیٹ میں بچہ، اور نر جانور کو مادہ پر ڈالنا، اسی طرح جانور کی پیٹھ پر اُون اور تھنوں میں دودھ کا سودا بھی جائز نہیں کیونکہ اسے سونپنا مشکل ہے اس لیے کہ جس چیز کا سودا ہو رہا ہے وہ اس چیز کے ساتھ ملی ہوئی ہے جس کا سودا نہیں ہو رہا اور جو شرعی طور پر نہ دی جا سکتی ہو اس کی بیع بھی جائز نہیں مثلاً رہن رکھی ہوئی چیز، وقف کی ہوئی چیز اور اُم ولد (لونڈی) کا سودا صحیح نہیں۔ ماں کو بچے کے بغیر بیچنا جب کہ بچہ چھوٹا ہو، صحیح نہیں اسی طرح ماں کے بغیر بچے کو بیچنا بھی صحیح نہیں کیوں کہ اس کے سونپنے میں دونوں کے درمیان تفریق کرنا ہے اور یہ حرام ہے۔ لہٰذا سودے کے ذریعے ان میں تفریق جائز نہیں (اب انسانوں کی خرید و فروخت جائز نہیں یہ اس وقت کی بات ہے جب غلامی کا سلسلہ تھا ۱۲ ہزاروی)

ہ۔ جس چیز کا سودا ہو رہا ہے وہ ذاتی طور پر معلوم ہو، نیز اس کی مقدار اور وصف بھی معلوم ہونا چاہیئے اس کی ذات کا معلوم ہونا یوں ہے کہ اس کی طرف اشارہ کیا جائے اگر وہ کہے کہ میں نے اس ریوڑ سے ایک بکری تجھ پر بیچی ان میں جو بکری چاہو یا جو کپڑے تیرے سامنے ہیں ان میں سے ایک کپڑا بیچا یا اس کپڑے میں سے ایک گز بیچا جس طرف سے چاہے لے لے یا اس زمین سے دس گز زمین بیچی جس طرف سے چاہے لے لے تو یہ بیع باطل ہے، دین میں سستی کرنے والے ان تمام باتوں کے عادی ہو چکے ہیں البتہ یہ کہے کہ اس چیز کا ایک حصہ مثلاً نصف یا دسواں

---

(۱) صحیح بخاری جلد ۲ ص ۸۸۱ کتاب اللباس

حصہ بیچتا ہوں تو یہ جائز ہے ۔ (اگر وہ تمام کپڑے ایک جیسے ہوں تو کوئی حرج نہیں) مقدار کا علم ماپ اور تول کے ذریعے یا اس کی طرف دیکھنے سے ہوتا ہے اگر کہے کہ میں تجھ پر یہ کپڑے اتنی قیمت پر بیچتا ہوں جس پر فلاں نے بیچا ہے اور وہ دونوں اس بات کا علم نہیں رکھتے تو یہ سودا باطل ہے اگر کہے کہ اس پتھر کے وزن کے مطابق بیچتا ہوں تو بھی باطل ہے جبکہ اس پتھر کا وزن معلوم نہ ہو ۔ اگر کہے کہ تجھ پر گندم کا یہ ڈھیر بیچتا ہوں تو یہ بھی باطل ہے اگر کہے کہ درھموں کا یہ ڈھیر یا سونے کا یہ ٹکڑا بیچتا ہوں اور وہ اسے دیکھ رہا ہے تو بیع صحیح ہے اور مقدار کی پہچان کے لیے دیکھ کر اندازہ لگانا کافی ہے جہاں تک وصف کا تعلق ہے تو معین چیز میں دیکھنے سے معلوم ہو جاتا ہے غائب چیز کا سودا صحیح نہیں البتہ اسے پہلے دیکھا ہو اور اتنی مدت نہ گزری ہو جس میں وہ تبدیلی ہو سکتی ہے تو جائز ہے وصف ، دیکھنے کے قائم مقام نہیں ہو سکتا ۔ دو مذہبوں میں سے ایک یہی ہے کپڑا جب کھڈی کے اوپر ہو تو اس کے نقش و نگار کا اعتبار کرتے ہوئے اس کا سودا صحیح نہیں ، گندم کے خوشے میں اس کا سودا صحیح نہیں اور چاولوں کا چھلکا جس کے ساتھ ہی اسے ذخیرہ کیا جاتا ہے اس میں اس کا سودا صحیح ہے (یعنی دھان کی بیع صحیح ہے) اخروٹ اور بادام کو اس کے اندرونی چھلکے کے ساتھ بیچنا جائز ہے لیکن دو چھلکوں میں جائز نہیں ضرورت کے تحت ترلوبیا چھلکے سمیت بیچنا جائز ہے کشمش کے جوس کا سودا کرنے میں چشم پوشی سے کام لیا جاتا ہے کیوں پہلے لوگوں کا طریقہ چلا آیا ہے لیکن ہم اسے کسی چیز کے عوض میں جائز قرار دیتے ہیں اگر اسے بیچنے کے بلے خریدے تو قیاس یہ ہے کہ یہ باطل ہو کیونکہ وہ اپنی پیدائش کے اعتبار سے پوشیدہ نہیں رہتا ۔ اور یہ بھی ممکن ہے کہ چشم پوشی سے کام لیا جائے کیوں کر باہر نکالنے سے ہے وہ انار کی طرح خراب ہو جاتا ہے اور جن چیزوں کی خلقت پوشیدہ ہے ان کا یہی حکم ہے۔

(و) جس چیز کا سودا ہوا ہے اگر معاوضہ کے ذریعے اس کی ملکیت حاصل ہوئی ہے تو اس پر قبضہ ہونا چاہیئے یہ خاص شرط ہے کیونکہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسی چیز کے سودے سے منع فرمایا جس پر قبضہ نہ کیا ہو۔ (۱)

اس میں زمین اور منقولہ اشیاء برابر ہیں لہذا قبضہ سے پہلے جس چیز کو خریدے یا بیچے اس کی بیع باطل ہوگی اور منقول چیز کا قبضہ منتقل کرنے سے ہوتا ہے جب کہ زمین کا قبضہ اس کو خالی کرنے سے ہوتا ہے اور جس چیز کو ماپ کرنے کی شرط پر خریدا ہے جب تک اس کا ماپ نہ کیا جائے سودا پورا نہیں ہوتا ۔ میراث ، وصیت اور امانت نیز وہ چیز جس کی ملکیت کسی معاوضہ سے حاصل نہیں ہوتی ان کا سودا قبضہ کرنے سے پہلے بھی جائز ہے۔

تیسرا رکن :

بیعہ کا تیسرا رکن لفظ عقد ہے لہذا ایجاب اور اس کے ساتھ ہی قبول کے الفاظ جاری کرنا ضروری ہے یعنی ایسے الفاظ

---

(۱) صحیح بخاری جلد اول ص ۲۸۶ کتاب البیوع

بولے جو مقصد پر دلالت کریں اور سمجھے جائیں چاہے وہ صریح الفاظ ہوں یا کنایہ۔ اگر اس نے کہا کہ میں نے تجھے یہ چیز فلاں چیز کے بدلے میں دی اور یہ نہیں کہا کہ میں نے تجھ پر بیچی۔ اور دوسرے نے کہا کہ میں نے قبول کیا اگر سودے کا ارادہ ہو تو جائز ہے کیونکہ یہ ادھار کا بھی احتمال رکھتا ہے جب دو کپڑوں یا دو جانوروں میں ہو اور نیت کی وجہ سے احتمال ختم ہو جاتا ہے اور واضح لفظ جھگڑے کو ختم کر دیتا ہے لیکن کنایہ میں جوبات اختیار کرے اس سے ملک اور حلال ہونے کا فائدہ حاصل ہوتا ہے سودا کرتے وقت ایسی شرط نہ لگائی جائے جو تقاضۂ عقد کے خلاف ہو اگر یہ شرط رکھتا ہے کہ کچھ زیادہ دینا یا بیع اس کے گھر تک پہنچا دینا تو یہ شرائط فاسد ہو جائیں گی البتہ پہنچانے کی اجرت الگ طے کریں اور وہ معلوم بھی ہو تو کوئی حرج نہیں۔ بعض اوقات محض ہاتھوں ہاتھ سودا ہوتا ہے زبان سے کچھ نہیں کہا جاتا تو حضرت امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک یہ بیع بالکل واقع نہیں ہوتی جب کہ حضرت امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک معمولی چیزوں میں ایسی بیع واقع ہو جاتی ہے لیکن معمولی چیزوں کا شمار کرنا مشکل ہے۔ اور اگر لوگوں کے رواج پر چھوڑ دیں تو وہ حقیر چیزوں کے ساتھ ساتھ نفیس چیزوں میں بھی ایسا کرنے لگیں گے۔ کیونکہ ایک دلال کپڑا بیچنے والے کے پاس جاتا ہے اور ریشمی کپڑا دس دینار پر لے جاتا ہے اور خریدار کو دے کر اس سے دس دینار لے کر بیچنے والے کو دے دیتا ہے اور کہتا ہے کہ خریدار اس پر راضی ہے چنانچہ وہ اس سے رقم لے کر اس میں تصرف کرتا ہے اور خریدار کپڑے کو کاٹتا ہے حالانکہ ان کے درمیان ایجاب وقبول بالکل نہیں ہوا اسی طرح چند خریدار بیچنے والے کی دوکان پر جمع ہو جاتے ہیں تو وہ سامان دکھاتا ہے جس کی قیمت مثلاً ایک سو دینار ہے تو ان میں سے ایک کہتا ہے یہ نوے دینار میں میرا ہوا دوسرا کہتا ہے پچانوے دینار میں میرا ہوا تیسرا کہتا ہے میں ایک سو میں خریدتا ہوں تو وہ کہتا ہے گن دو چنانچہ وہ رقم گن کر اس کے حوالے کرتا ہے اور سامان لے لیتا ہے حالانکہ ان کے درمیان ایجاب وقبول نہیں ہوا اور یہ عادت بن گئی ہے اور یہ ان مشکلات میں سے ہے جس کا کوئی علاج نہیں اس لیے کہ یہاں تین احتمال ہیں۔

پہلا احتمال:

یا تو ہاتھوں ہاتھ سودے کا دروازہ معمولی اور نفیس تمام چیزوں میں کھول دیا جائے اور یہ محال ہے۔ کیوں کہ اس صورت میں کسی کی ملک کو کسی ایسے لفظ کے بغیر منتقل کرنا ہے جو اس پر دلالت کرنے والا ہو۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ نے بیع (خرید وفروخت) کو حلال قرار دیا اور بیع ایجاب وقبول کو کہتے ہیں بعض لین دین پر بیع کا نام نہیں بولا جاتا۔ تو دونوں طرف سے ملک کو منتقل کرنے کا حکم کس طرح لگایا جائے گا۔ خصوصاً عمدہ قسم کی لونڈیوں، غلاموں اور چارپایوں میں نیز ان چیزوں میں جن میں جھگڑا زیادہ ہوتا ہے کیونکہ ممکن ہے سونپنے والا رجوع کرلے اور کہے کہ میں پشیمان ہوں اور میں اسے نہیں بیچتا کیوں کہ میں نے تو صرف سونپا ہے (اور زبان سے کچھ نہیں کہا) اور یہ بیع نہیں ہے۔

دوسرا احتمال:

یہ دروازہ بالکل بند کر دیا جائے جس طرح حضرت امام شافعی رحمہ اللہ بیع کے بطلان کا قول کرتے ہیں لیکن اس میں

دو وجہ سے اشکال ہے وہ یوں کہ صحابہ کرام کے زمانے میں معمولی چیزوں میں اس کا پایا جانا درست قرار پاتا اور اگر وہ سبزی فروش، نانبائی اور قصاب کے ساتھ ایجاب وقبول کے چکر میں پڑتے تو یہ عمل ان کے لیے مشکل ہو جاتا اور ان کا یہ فعل نقل متواتر کے ساتھ نقل کیا جاتا اور کسی وقت اس عادت کے بالکل ترک کی شہرت ہوتی کیونکہ اس قسم کی باتوں میں زمانے مختلف ہوتے ہیں دوسری مشکل یہ ہے کہ لوگ اس بات میں بہت زیادہ مبتلا ہیں اور انسان کوئی بھی چیز مثلاً کھانا وغیرہ اس صورت میں خریدتا ہے جب اسے معلوم ہوا کہ بیچنے والے نے اسے دیتے ہوئے مالک بنایا ہے تو جب معاملہ یوں ہے تو عقد کے لیے الفاظ بولنے کا کیا فائدہ ہے؟

تیسرا احتمال:

معمولی اور غیر معمولی چیزوں کے درمیان فرق کیا جائے جیسا کہ حضرت امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ نے فرمایا اس صورت میں معمولی چیزوں کو شمار کرنا مشکل ہوگا اور یہ بھی معلوم نہیں ہوگا کہ انتقال ملک پر الفاظ کے بغیر کیا چیز دلالت کرتی ہے۔

حضرت ابن سریج نے حضرت امام شافعی رحمہ اللہ کے قول کو حضرت امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے قول کے مطابق کیا ہے اور یہ احتمال اعتدال کے زیادہ قریب ہے چونکہ اس کی حاجت بھی ہے اور لوگوں کے درمیان جاری بھی۔ لہٰذا اس کی طرف مائل ہونے میں کوئی حرج نہیں نیز غالب گمان بھی یہی ہے کہ پہلے زمانوں میں یہی طریق کار تھا۔

اس میں جو دو اشکال ہیں ان کا جواب دیتے ہوئے ہم کہتے ہیں کہ معمولی اور غیر معمولی چیزوں میں امتیاز کرنے اور ان کی تفصیل سامنے لانے کے ہم مکلف نہیں ہیں کیونکہ یہ ناممکن ہے بلکہ اس کے دو کنارے واضح ہیں کیوں کہ یہ بات مخفی نہیں کہ سبزی اور تھوڑا بہت پھل خریدنا، اسی طرح گوشت اور معدود روٹیاں خریدنا ان معمولی چیزوں میں ہیں جن کے سودے کا ہاتھوں ہاتھ لین دین کا رواج ہے اور اس سلسلے میں ایجاب وقبول کا مطالبہ کرنا خسیس شمار ہوتا ہے اور اس کے تکلف کو بوجھ سمجھا جاتا ہے اور کہا جاتا ہے کہ فلاں آدمی ایک چھوٹی چیز کو تولتا ہے حالانکہ اس کی کوئی ضرورت نہیں۔

تو یہ حقارت کی جانب ہے دوسری جانب جانور، غلام، زمینیں اور عمدہ کپڑے ہیں اور ان میں ایجاب وقبول کے تکلف کو خلاف عقل نہیں سمجھا جاتا ہے ان دونوں کے درمیان والی چیزیں ایک دوسرے کے متشابہ ہیں اور ان میں شک پایا جاتا ہے چونکہ وہ محل شک میں ہیں لہٰذا دین دار آدمی کو چاہیے کہ وہ ان میں احتیاط کی راہ اختیار کرے اور شریعت کے وہ تمام ضوابط جن کی پہچان رسم ورواج سے ہوتی ہے وہ دونوں واضح طرفوں اور درمیان والی مشتبہ صورتوں میں تقسیم ہوتے ہیں۔

دوسرے اشکال یعنی ملکیت کو منتقل کرنے کے لیے سبب طلب کرنا تو ہاتھ سے لین دین کے فعل کو ہی سبب قرار دیا جائے کیونکہ الفاظ اسباب معینہ نہیں ہیں بلکہ وہ اپنی دلالت کی وجہ سے سبب بنتے ہیں اور یہ عمل عرف میں ہمیشہ سے مقصود پر دلالت کرتا چلا آیا ہے پھر یہ کہ اس کی طرف حاجت بھی ہے اور اسلاف کا طریقہ بھی یہی ہے حالانکہ عرف میں تحائف کا لینا دینا ایجاب وقبول کے بغیر ہوتا ہے اور اس میں تصرف کیا جاتا ہے تو اس بات سے کوئی فرق نہیں

پڑتا کہ کوئی چیز کسی دوسری چیز کے عوض میں ہو یا عوض کے بغیر ہو کیوں کہ ہبہ (اور تحائف) میں بھی تو ملک تبدیل ہوتی ہے البتہ بزرگوں کا طریقہ معمولی اور عمدہ تحائف میں ایک جیسا ہے بلکہ اس سلسلے میں ایجاب وقبول کے مطالبے کو قبیح سمجھا جاتا ہے اور یہ مطالبہ کیسے ہو سکتا ہے جب کہ سودا کرنے کی صورت میں معمولی چیزوں کے علاوہ اشیاء کے سودے میں اسے برا نہیں سمجھا جاتا۔ تو ہمارے نزدیک تینوں احتمالات میں سے یہ زیادہ اعتدال پر مبنی ہے۔

البتہ متقی پرہیز گار آدمی کو چاہیے کہ وہ اختلاف کے شبہ (امام ابوحنیفہ اور امام شافعی رحمہما اللہ کے درمیان اختلاف) سے نکلنے کے لیے ایجاب وقبول کو نہ چھوڑے اسے ایسا نہیں کرنا چاہیئے کہ وہ صرف اس وجہ سے ایجاب وقبول کو ترک کر دے کہ بیچنے والا ایجاب وقبول کے بغیر اس کا مالک ہوا تھا (لہذا میں بھی اسی طرح مالک بن جاؤں) کیونکہ یہ بات تحقیقی طور پر معلوم نہیں کیونکہ بعض اوقات وہ ایجاب وقبول کے ساتھ خریدتا ہے اور اگر وہ اس کے خریدنے کے وقت وہاں موجود تھا یا بائع نے خود اس بات کا اقرار کیا تو اب اس سے رُک جائے اور کسی دوسرے سے خریدے اگر وہ معمولی چیز ہو اور وہ اس کا حاجت مند بھی ہو تو ایجاب وقبول کے الفاظ استعمال کرے کیونکہ اس کے ذریعے مستقبل میں پیدا ہونے والا جھگڑا ختم ہو جاتا ہے۔ کیونکہ لفظ صریح سے رجوع ناممکن ہوتا ہے اور فعل سے رجوع ممکن ہوتا ہے۔

سوال:

اگرچہ یہ بات خریدنے کی صورت میں ممکن ہے لیکن جب کسی ضیافت میں یا دستر خوان پر ہو تو اس صورت میں کیا کرے گا۔ اور وہ جانتا ہے کہ اس کے ساتھی خرید و فروخت میں ہاتھوں ہاتھ لین دین پر اکتفا کرتے ہیں یا ان سے سنتا ہے یا خود اس نے یہ عمل دیکھا ہو تو کیا اس پر اس چیز کے کھانے سے رُکنا واجب ہوگا؟

جواب:

اس پر اس چیز کی خریداری سے رُکنا واجب ہے جب کہ وہ عمدہ چیز ہو اور معمولی اشیاء میں سے نہ ہو لیکن اس کے کھانے سے رُکنا واجب نہیں ہے کیونکہ میں کہتا ہوں کہ اگر ہم اس فعل کو انتقال ملک پر دلالت قرار دینے میں تردد کریں تو مناسب نہیں کہ اسے اس کی اباحت (جواز) پر دلالت قرار نہ دیں۔ کیونکہ اباحت کا معاملہ وسیع ہے اور انتقالِ ملک کا معاملہ تنگ ہے تو جب کھانے میں ہاتھوں ہاتھ (ایجاب وقبول کے بغیر) سودا جاری ہو تو بائع کی طرف سے سونپ دینا کھانے کی اجازت قرار پاتا ہے اور یہ بات قرینۂ حال سے معلوم ہوتی ہے جیسے حمام والے کی طرف سے حمام میں داخل ہونے کی اجازت قرینہ سے معلوم ہوتی ہے اسی طرح بائع کا وہ چیز مشتری کے حوالے کرنا اس بات کی اجازت ہے کہ وہ جسے چاہے کھلائے اور یہ اس کے اس قول کے قائم مقام ہے کہ میں نے تمہیں اس کے کھانے کی اجازت دے دی ہے یا تو جسے کھلانا چاہے کھلا سکتا ہے تو یہ اس کے لیے جائز ہے اور اگر وہ واضح الفاظ استعمال کرتے ہوئے کہے کہ یہ کھانا کھاؤ پھر مجھے اسی کا عوض دے دینا تو اب کھانا حلال ہوگا اور اس پر اس کا تاوان (قیمت) کھانے کے

بعد واجب ہو گی۔ میرے نزدیک یہ فقہ کے مطابق ہے لیکن جب اس کے سپرد کر دیا اور ایجاب و قبول کے بغیر سودا ہو گیا تو وہ اس (بائع) کی ملک کو کھا رہا ہے اور اسے ہی ضائع کر رہا ہے پس اس پر تاوان لازم ہو گا اور اس کے ذمہ واجب ہو گا اور جو ثمن (قیمت) اس نے دی ہے اگر اس کی بازاری قیمت کے مطابق ہے تو اس نے بائع کا حق دے کر اپنا حق حاصل کر لیا جب کہ وہ ان لوگوں کا مطالبہ پورا کرنے سے عاجز ہو جن کا اس پر حق بنتا ہے اور اگر وہ اس کے مطالبے پر قادر ہو تو جو کچھ اس (خریدار) کی ملک سے حاصل کیا ہے اس کی ملکیت اسے حاصل نہ ہو گی۔

کیوں کہ بعض اوقات وہ (بیچنے والا) اس بات راضی نہیں ہوتا کہ یہ چیز بعینہٖ قرض میں صرف کی جائے لہٰذا اس پر رجوع کرنا لازم ہے لیکن یہاں اسے قرینے کے ساتھ اس کی رضا معلوم ہو گئی۔ جب اس نے اسے اس کے حوالے کیا لہٰذا فعل کو رضا پر دلالت قرار دینا کوئی بعید بات نہیں کہ جو کچھ اس کے حوالے کیا گیا ہے اس کے ذریعے اپنا حق حاصل کرے لیکن ہر صورت میں بائع کی جانب بہت دقیق ہے کیونکہ جو کچھ اس نے حاصل کیا ہے تو بعض اوقات مالک اس میں تصرف کرنا چاہتا ہے اور اس کا مالک بننا ممکن نہیں ہاں یہ کہ عین طعام کو مشتری کے ہاتھ میں ضائع کر دے پھر وہ نئے سرے سے ملک حاصل کرنے کا محتاج ہو گا پھر ایسا بھی ہوتا ہے کہ اس نے محض بائع کی رضا سے ملکیت حاصل کی ہو اور یہ فعل کے ذریعے ہو الفاظ استعمال نہ کئے ہوں لیکن کھانے وغیرہ کے سلسلے میں مشتری کی جانب یہ صورت ہے کہ وہ محض کھانا چاہتا ہے لہٰذا اس کی طرف سے معاملہ آسان ہے کیونکہ یہ اباحت کے ساتھ مباح ہو جاتا ہے جو قرینۂ حال سے سمجھی گئی لیکن بعض اوقات اس کی مشاورت سے لازم آتا ہے کہ مہمان نے جو کچھ کھایا وہ اس کا ضامن ہے اور اس سے ضمانت اس وقت ساقط ہو گی جب بائع اس چیز کا مالک ہو جو اس نے خریدار سے حاصل کی ہے پس ضمان ساقط ہو جائے گی گویا کہ وہ اس کا قرض ادا کر رہا ہے اور اسے اپنے ذمہ لیتا ہے۔

تو ہاتھوں ہاتھ سودے کا قاعدہ بہت باریک ہے اور اللہ تعالیٰ کو اس کا علم ہے یہ احتمالات اور گمان ہیں۔ جو ہم نے ذکر کئے ہیں اور ان ہی احتمالات پر فتویٰ دینا ممکن ہے جہاں تک تقویٰ کا تعلق ہے تو اس صورت میں دل سے فتویٰ لینا چاہیے اور شبہ کے مقامات سے بچنا چاہیے۔

دوسرا عقد:

سودی کاروبار

اللہ تعالیٰ نے سود کو حرام قرار دیا اور اس معاملے میں سخت حکم دیا ہے لہٰذا صرّاف جو سونے چاندی کا کاروبار کرتے ہیں نیز غلے کا کاروبار کرنے والوں پر اس سے بچنا واجب ہے کیوں کہ سود سونے چاندی یا غلے میں ہوتا ہے صرّاف پر لازم ہے کہ وہ ادھار اور کمی زیادتی کے ساتھ سودے سے بچے (یعنی دونوں طرف سونا برابر ہونا چاہیے اسی طرح چاندی

بھی کیوں کہ ایک طرف کم اور دوسری طرف زیادہ ہو تو سود ہے حضرت امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک ہر وہ چیز جو ناپی جاتی ہو یا اس کا وزن کیا جاتا ہے دونوں طرف ایک ہی جنس ہو تو اس میں کمی زیادتی سود کہلاتی ہے ۱۲ ہزار روپے -)

جہاں تک ادھار کا تعلق ہے تو سونے چاندی میں سے جس کا بھی سودا کرے ہاتھوں ہاتھ ہونا چاہیئے یعنی دونوں طرف سے قبضہ مجلس میں ہو یہ ادھار سے بچنا ہے صراف کا سونا ٹکسال میں پہلے دینا اور پھر اسے دینار کی صورت میں بعد میں لینا (یعنی ادھار کے طور سودا کرنا) حرام ہے اور اس اعتبار سے بھی حرام ہے کہ عام طور پر اس میں کمی زیادتی ہوتی ہے کیونکہ سونا ٹھپہ لگنے کے بعد اسی وزن کے مطابق واپس نہیں آتا۔

زیادتی سے بچنے کے لئے تین باتوں سے بچنا ہوگا۔

(۱) سکے کے ٹکڑے کو صحیح سکے کے ساتھ برابر برابر بیچے اور کھرے کھوٹے کا سودا بھی برابر ہو اس طرح نہ کرے کہ کھرے سکے بدلے میں کھوٹا خریدتے ہوئے وزن میں اس سے کم لے۔ یا کھرے کے بدلے میں کھوٹا سکہ وزن وزن میں اس سے زیادہ بیچے۔ مطلب یہ ہے کہ جب سونے کو سونے کے بدلے اور چاندی کو چاندی کے بدلے میں بیچے (تو برابر برابر ہونا چاہیے) جب جنس مختلف ہو تو زیادہ لینے میں کوئی حرج نہیں۔

تیسری بات سونے چاندی کے مرکبات میں ہے جیسے وہ دینار جو سونے اور چاندی سے مخلوط ہیں اگر مقدار معلوم نہ ہو تو سودا بالکل صحیح نہیں ہوگا البتہ یہ کہ وہ سکہ شہر میں چلتا ہو ہم اس معاملے کی صحت کے سلسلے میں آسانی برتیں گے، کیوں کہ اس کے مقابلے میں کوئی سکہ نہیں اسی طرح جن درھموں میں تانبا ملا ہوا ہو اگر وہ شہر میں رائج نہ ہوں تو ان کے ساتھ معاملہ صحیح نہیں ہوگا کیونکہ اس سے مقصود چاندی ہے اور اس کی مقدار مجہول ہے اور اگر وہ ایسا سکہ ہے جو شہر میں چلتا ہے تو ضرورت کی وجہ سے ہم اس میں رعایت برتیں گے نیز اس صورت میں چاندی کو الگ کرنا مقصود نہیں لیکن چاندی کے مقابلے میں اس کا سودا جائز نہیں ہوگا اسی طرح جس زیور میں سونا اور چاندی دونوں ہوں ان کو سونے اور چاندی دونوں کے ساتھ خریدنا جائز نہیں بلکہ مناسب یہ ہے کہ اسے کسی اور سامان کے بدلے خریدے اگر سونے کی مقدار معلوم ہو لیکن جب اس پر سونے کا پانی چڑھا ہوا ہو اور آگ پر پگھلانے کے بعد اس سے سونا حاصل نہ ہو سکے تو اس کی مثل چاندی کے بدلے اس کا سودا جائز ہے یا دوسری جس چیز کے بدلے چاہے خرید سکتا ہے۔

صراف کے لیے، جائز نہیں کہ سونے کے بدلے ایسا ہار خریدے جس میں سونا اور موتی لگے ہوئے ہوں اسی طرح اس کا بیچنا بھی جائز نہیں بلکہ اس کا سودا چاندی کے عوض نقد و نقد کرے بشرطیکہ اس (زیور) میں چاندی نہ ہو۔ جو کپڑا سونے کی تاروں سے بنا گیا ہو اور جب اسے آگ پر رکھا جائے تو مقصود سونا حاصل ہو سکے اسے بھی سونے کے بدلے بیچنا جائز نہیں البتہ چاندی وغیرہ کے بدلے میں بیچ سکتے ہیں۔

جو لوگ غلے کا کاروبار کرتے ہیں تو ان پر لازم ہے کہ مجلس میں قبضہ کریں جس غلے کا سودا ہو رہا ہے اس کی جنس

ایک ہو یا نہ اگر جنس ایک ہو تو اس میں قبضہ اور مماثلث کی رعایت ضروری ہے جانوروں کے بیوپاریوں کے درمیان کچھ معاملات جاری ہیں شلاً وہ بکری دے کر گوشت لیتے ہیں چاہے نقد ہو یا ادہار دونوں صورتوں میں حرام ہے۔
نان بائی (روٹیاں بیچنے والے) کا معاملہ کہ اسے گندم دے کر روٹی خریدی جاتی ہے یہ بھی نقد ہو یا ادہار دونوں طرح حرام ہے جُوس نکالنے والے کو ناریل، تل اور زیتون دیا جاتا ہے تاکہ اس سے تیل لیں حرام ہے۔ اسی طرح دودھ والے کو دودھ دے کر پنیر گھی اور مکھن یا دودھ سے بننے والی کوئی چیز لی جاتی ہے یہ بھی حرام ہے نقد ہو یا ادہار۔ جب غلے کو دوسری جنس کے بدلے بیچا جائے تو کمی زیادتی جائز ہے لیکن) سودا نقد ہو اور جنس کا جنس کے بدلے (مثلاً گندم کے بدلے گندم کا) سودا ہو تو نقد اور برابر برابر ہونا ضروری ہے جو چیزیں کھائی جاتی ہیں ان سے جو کچھ بھی بنتا ہے اسے اس غلے کے مقابلے میں کسی طرح بھی بیچنا اور خریدنا جائز نہیں نہ برابر برابر اور نہ کمی زیادتی کے ساتھ۔ لہذا گندم کے بدلے اس کا آٹا، روٹی، اور ستو نہیں لے سکتے۔ اسی طرح انگور اور کھجور کے بدلے میں، شیرا، سرکہ اور جُوس نہیں لے سکتے، دودھ کے بدلے گھی، مکھن، کھویا اور پنیر وغیرہ کا سودا جائز نہیں یہاں برابری کا بھی کوئی فائدہ نہیں کیونکہ یہ ایک حالت پر ذخیرہ نہیں کی جا سکتیں پس تر کھجور، تر کھجور کے بدلے، انگور، انگور کے بدلے بیچنا زیادتی کے ساتھ ہو یا برابر برابر دونوں طرح ناجائز ہے۔
(احناف کے نزدیک یہ شرط نہیں کہ وہ چیز باقی رہتی ہو بلکہ اگر قدری اور جنسی ہو تو دونوں طرف ایک جنس ہونے کی صورت میں برابری ضروری ہے ورنہ کمی زیادتی کے ساتھ سودا ہو سکتا ہے ۱۲ ہزاروی)
یہ چند جملے ہیں بیع کی تعریف کے سلسلے میں، تاجر کو فساد کے مقامات سے آگاہ کرنے کے لیے کافی ہیں اور اگر کبھی کہیں شک پڑ جائے تو فتوی لے لیا جائے اور اگر ان باتوں کا بھی علم نہیں ہوگا تو اسے یہی معلوم نہیں ہوگا کہ (کسی عالم سے) کیا پوچھنا ہے لہذا وہ لاعلمی میں سودی کاروبار کرتے ہوئے حرام کا مرتکب ہو جائے گا۔
نوٹ:۔ احناف کے نزدیک کمی زیادتی وہاں سود بنے گی جب وہ چیزیں تولی اور ماپی جانے والی ہوں ورنہ کمی زیادتی سود نہیں بنتی ۱۲ ہزاروی۔

تیسرا عقد:

بیع سلم

(نوٹ) جس سودے میں قیمت ‌‌ دی جائے اس کو بیع سلم کہتے ہیں قیمت کو رأس المال اور جس چیز کا سودا ہوتا ہے اسے مسلم فیہ کہتے ہیں۔
اس بیع میں تاجر کو دس شرائط کی رعایت کرنی چاہیئے۔
۱۔ رأس المال (جو مال پہلے دیا جا رہا ہے) اس کی مثل معلوم ہو حتی کہ اگر مُسلم فیہ (جو سودا بعد میں ملے گا) کا سونپنا مشکل ہو تو رأس المال کی قیمت کی طرف رجوع ممکن ہو سکے اگر کسی نے گندم کے ایک کُرّ (ایک پیمانہ) کے لیے اندازے

سے مٹھی بھر درہم دیئے تو دو قولوں میں سے ایک کے مطابق ایسا کرنا صحیح نہیں۔

۲۔ راس المال، مجلس عقد میں جدا ہونے سے پہلے (بائع کے) حوالے کرے اگر قبضہ سے پہلے جدا ہو گئے تو بیع سلم ٹوٹ جائے گی۔

۳۔ مسلم فیہ وہ چیز ہونی چاہیے جس کے اوصاف کی پہچان ہو سکے۔ جیسے غلہ، حیوانات، معدنیات، روئی، اُون، ریشم، دودھ، گوشت، عطر فروشوں کا سامان وغیرہ۔

معجون اور مرکب اشیاء جن کے اجزاء مختلف چیزوں پر مشتمل ہوتے ہیں ان میں بیع مسلم صحیح نہیں جیسے کمانیں اور تیر، موزے اور جُوتے وغیرہ جن کے اجزاء اور عمل مختلف ہوتا ہے جانوروں کے چمڑوں کا بھی یہی حکم ہے۔

روٹی اور وہ چیزیں جن میں کم یا زیادہ پکانے کی وجہ سے نمک کی مقدار مختلف ہوتی ہے ان کی بیع سلم جائز ہے کیونکہ اس قسم کی بات سے چشم پوشی کی جاتی ہے۔

۴۔ جو باتیں اوصاف کے قابل ہیں انہیں اچھی طرح بیان کر دیا جائے حتیٰ کہ کوئی ایسا وصف نہ رہے جس کی وجہ سے قیمت میں بہت زیادہ فرق پڑتا ہے اگر ایسا ہو تو اس کا ذکر کر دے کیوں کہ اس وصف کو بیان کرنا مبیع کو دیکھنے کی طرح ہے۔

۵۔ اگر وہ مؤجّل ہو تو اس کی میعاد معلوم ہو فصل کاٹنے یا پھل پکنے تک نہ ہو بلکہ مہینوں اور دنوں کے حساب سے ہو۔ کیونکہ پھل کے پکنے میں تقدیم و تاخیر ہوتی رہتی ہے۔

۶۔ مسلم فیہ ایسی چیز ہو جسے وعدے پہ دیا جا سکے اور عام طور پر اس کے معدوم ہونے کا ڈر نہ ہو، لہٰذا انگور میں ایسے وقت تک بیع سلم کرنا صحیح نہیں جس میں وہ نہ پک سکے اس طرح دوسرے پھلوں کا حکم ہے اگر اس کے پائے جانے کا غالب گمان ہو اور وقتِ مقررہ آجائے اور وہ کسی آفت کے باعث خریدار کے حوالے نہ کر سکے تو وہ چاہے تو مہلت حاصل کر لے یا بیع توڑ دے اور راس المال واپس کر دے۔

۷۔ اگر مکان کے اعتبار سے اغراض مختلف ہوں تو جس جگہ اس کے حوالے کرے گا اس کا ذکر کرے تاکہ جھگڑا پیدا نہ ہو۔

۸۔ کسی مقرر فصل سے مشروط نہ کرے مثلاً یہ نہ کہے کہ اس کھیتی کی گندم سے یا اس باغ کے پھل سے دوں گا اس سے مسلم فیہ کا دین (قرض) ہونا باطل ہو جائے گا۔ ہاں کسی خاص شہر یا بستی کے پھل کی طرف نسبت کرے تو اس سے کوئی نقصان نہیں ہوتا ہے۔

۹۔ مسلم فیہ ایسی چیز نہ ہو جو نہایت نفیس اور کمیاب ہو مثلاً موتیوں کے ایسے اوصاف بیان کرنا جو نہ پائے جاتے ہوں یا خوبصورت لونڈی ہو اور اس کے ساتھ کا بچہ بھی ہو یا اس کے علاوہ ایسی چیز جس کی ادائیگی عام طور پر نہیں ہو سکتی۔

۱۔ مسلم فیہ غلہ نہ ہو کیوں کہ بعض اوقات رأس المال (قیمت) غلہ ہوتا ہے وہ اس کی جنس سے ہو یا دوسری جنس سے اسی طرح اگر رأس المال سونا چاندی ہو تو مسلم فیہ سونا چاندی نہیں ہونا چاہیے ہم نے سُود کے بیان میں اس کا ذکر کیا ہے۔

__چوتھا عقد:__

اجارہ

اجارے کے دو رکن ہیں (۱) اجرت (۲) منفعت۔

جہاں تک عاقد اور الفاظ کا تعلق ہے تو اس میں وہی بات معتبر ہے جس کا ہم نے بیع کے سلسلے میں ذکر کیا ہے اجرت، ثمن (قیمت) کی طرح ہوتی ہے لہٰذا وہ معلوم ہو اور وہ ان تمام باتوں سے موصوف ہو جن کو بطور شرط، ہم نے بیع میں ذکر کیا۔ یہ اس وقت ہے جب وہ (اجرت) معین چیز ہو اگر دین (قرض) ہو تو اس کی صفت اور قدر معلوم ہونی چاہیئے۔

اجارے کے سلسلے میں ان باتوں سے بچنا چاہیئے جن کا رواج ہے مثلاً گھر کو اس کی تعمیر کے بدلے میں کرایہ پر دینا یہ باطل ہے کیونکہ تعمیری اخراجات کی مقدار معلوم نہیں اور اگر کرایہ کے لیے کچھ درھم مقرر کرکے کرایہ دار پہ شرط رکھ دی کہ وہ اسے تعمیر پر خرچ کرے تو یہ بھی جائز نہیں کیوں کہ تعمیر پر خرچ کرنے کا عمل مجہول ہے۔

ان امور میں سے جانور کی کھال اتارنے کے لیے کسی کو اجرت پر حاصل کرنا ہے کہ وہ کھال اتارنے کے بعد اسے ہی لے لے اور مردار کی کھال کے بدلے اسے اٹھانے کا اجارہ، اجرت پر آٹا پسوانا اور اس کے بھوسہ (چھان بورا) یا کچھ آٹے کو اجرت ٹھہرانا تو یہ بھی باطل ہے اسی طرح ہر وہ اجرت جو مزدور کے عمل سے حاصل ہو اسے اجرت ٹھہرانا جائز نہیں۔

ان صورتوں میں سے ایک یہ ہے کہ مکانات اور دوکانوں کا ایک مدت دراز تک کرایہ مقرر کرلیں اگر یوں کہے کہ ایک مہینے کا ایک دینار، لیکن مہینوں کی تعداد ذکر نہ کرے تو یہ مدت مجہول ہوگی اور اجارہ منعقد نہیں ہوگا۔

اجارہ کا دوسرا رکن وہ منفعت ہے جو اجارے سے مقصود ہوتی ہے اور وہ عمل ہے اگر وہ مباح بھی ہو اور معلوم بھی، عمل کرنے والا اس میں تکلیف برداشت کرتا ہے اور لوگ اخلاقی طور پر ایک دوسرے کی طرف سے کر دیتے ہیں تو ایسے عمل کا اجارہ صحیح ہے اجارہ کے تمام فروع اس ضابطے کے تحت داخل ہیں، لیکن ہم اس کی لمبی چوڑی تشریح نہیں کرتے کیوں ہم نے فقہیات میں اسے تفصیلاً ذکر کر دیا ہے۔ ہم صرف انہی باتوں کی طرف اشارہ کریں گے جن میں لوگ عام طور پر مبتلا ہیں تو اجارہ والے عمل میں پانچ باتوں کا خیال رکھنا چاہیئے۔

۱۔ اس کام کی کوئی قیمت ہو یعنی اس میں محنت اور تھکاوٹ ہو اگر دوکان کی زینت بڑھانے کے لیے کرائے پر غلہ حاصل کرتا ہے یا کپڑے خشک کرنے کے لیے درخت کرایہ پر حاصل کرتا ہے یا درھم لیتا ہے تاکہ اس سے دوکان کو زینت دے

تو یہ جائز نہیں۔

کیوں کہ یہ منافع اس طرح ہے جس طرح اشیاء میں تل اور گندم کا دانا اور ان کی بیع جائز نہیں یہ ایسے ہی ہے جیسے کسی دوسرے کے شیشے میں دیکھنا یا کسی دوسرے آدمی کے کنویں سے پانی پینا اس کی دیوار سے سایہ حاصل کرنا اور اس کی آگ سے فائدہ اٹھانا۔

اسی لیے اگر کسی بیچنے والے کو اس بات کی اجرت دی کہ وہ اپنے کلام کے ذریعے اس کے سامان کو رواج دے تو یہ جائز نہیں اور بیچنے والے حضرات اپنی وجاہت اور دبدبے اور اپنی بات کی قبولیت کی وجہ سے جو کچھ لیتے ہیں وہ حرام ہے کیوں کہ وہ تو صرف ایک کلمہ کہتے ہیں جس میں نہ تھکاوٹ اور نہ وہ قیمتی ہے۔ یہ ان کے لیے اسی صورت میں حلال ہے جب بار بار یہ عمل کرنے سے تھکاوٹ پیدا ہو۔ یا اس معاملے میں نرمی پیدا کرنے کے لیے بار بار گفتگو کرنا پڑے پھر بھی مثلی اجرت کے مستحق بنتے ہیں لیکن بیچنے والوں نے جس بات پر اتفاق کر لیا ہے وہ ظلم ہے اور یہ مال حق کے ساتھ لینا نہیں ہے۔ (مثلی اجرت سے مراد یہ ہے کہ عام طور پر اس کی اجرت یہی ہوتی ہے)

۲۔ اجارہ کے ضمن میں اس مقصود چیز کو حاصل نہ کرے لہٰذا انگور کی پیداوار کے لیے درخت کو ٹھیکہ پر لیا یا دودھ کے لیے جانور کو کرایہ پر حاصل کیا پھلوں کے لیے باغات کا ٹھیکہ کیا تو یہ جائز نہیں۔

دودھ پلانے والی عورت کو اجرت پر حاصل کرنا جائز ہے یہاں دودھ تابع ہوگا کیوں کہ اسے الگ کرنا ممکن نہیں۔ اسی طرح کاتب کی سیاہی اور درزی کے دھاگے کو تابع قرار دیا جاتا ہے کیوں کہ یہ چیزیں مقصود نہیں ہیں۔

۳۔ وہ ایسا عمل ہو جو ظاہری طور پر بھی اور شریعت کی رُو سے بھی بروئے کار لایا جا سکتا ہو۔ لہٰذا بوڑھے شخص کو جو کام نہیں کر سکتا اور گونگا جو تعلیم نہیں دے سکتا، اسے اجرت پر حاصل کرنا صحیح نہیں اور جس کا کرنا حرام ہو شریعت اس کے اجارہ کو بھی منع کرتی ہے جیسے صحیح سالم دانت کو اکھاڑنے یا کسی ایسے عضو کو کاٹنے کے لیے کسی سے اجارہ کرنا جس کو کاٹنے کی اجازت نہیں، مسجد کی صفائی کے لیے حیض والی عورت کو حاصل کرنا، جادو یا بے حیائی کی باتیں سکھانے کے لیے استاذ رکھنا، کسی دوسری عورت کو دودھ پلانے کے لیے اجرت پر رکھنا جب کہ اس کے خاوند نے اجازت نہ دی ہو، کسی مصور کو جاندار چیزوں کی تصاویر بنانے کے لیے اجرت پر حاصل کرنا برتن بنانے والے کو سونے چاندی کے برتن بنانے کے لئے اجرت دینا باطل اور ناجائز ہے (سونے چاندی کے برتنوں میں کھانا پینا ناجائز ہے ویسے رکھے جا سکتے ہیں لہٰذا یہ اجارہ صحیح ہوگا)

۴۔ وہ عمل (جس کا اجارہ ہو رہا ہے) محنت کش پر واجب نہ ہو یا وہ اجیر کا نائب نہ بنتا ہو لہٰذا جہاد اور ان عبادات پر اجرت لینا جائز نہیں جن میں نیابت جاری نہیں ہوتی کیونکہ یہ عمل آجر کی طرف سے ادا نہیں ہوتے بلکہ محنت کش کی طرف سے ادا ہوتے ہیں، حج کرنے میت کو غسل دینے، قبریں کھودنے، مردوں کو دفن کرنے اور جنازے اٹھانے پر

اجرت لینا جائز ہے تراویح کی نماز، اذان، تدریس کے فرائض اور قرآن پاک پڑھانے پر اجرت لینے کے سلسلے میں اختلاف ہے (دور حاضر میں جائز ہے کیونکہ ان امور کی پابندی کی جاتی ہے اگر اجرت نا جائز قرار دی جائے تو تمام دینی نظام ختم ہو کر رہ جائے ۱۲ ہزاروی)

کسی خاص آدمی کو کوئی خاص مسئلہ سکھانے یا قرآن پاک کی کوئی سورت سکھانے پر اجارہ صحیح ہے۔

۵۔ کام اور نفع معلوم ہونا چاہیئے درزی کو معلوم ہو کہ کپڑے ہیں کیا عمل کرنا ہے معلم کو بھی علم ہونا چاہیئے کہ کونسی سورت اور کتنی مقدار میں سکھانی ہے جانوروں پر بوجھ لادنے والے کو علم ہو کہ کتنا بوجھ ہے اور مسافت کتنی ہے، یعنی عرف میں جس چیز کو مہمل چھوڑنے پر جھگڑا پیدا ہوتا ہے اسے مہمل نہ چھوڑا جائے اس کی تفصیل زیادہ ہے ہم نے اسی قدر ذکر کیا تاکہ بڑے بڑے احکامات کی وضاحت ہو جائے اور جہاں اشکال وارد ہوتا ہے وہ مقامات سمجھ میں آ جائیں۔ اور ان کے بارے میں پوچھا جا سکے کیوں کہ مسائل کی چھان بین مفتی کا کام ہے عوام کا نہیں۔

پانچواں عقد:

مضاربت

نوٹ: مضاربت کا مطلب یہ ہے کہ ایک شخص کا پیسہ ہوتا ہے اور دوسرا کاروبار کرتا ہے اور منافع دونوں میں تقسیم ہوتے ہیں۔

مضاربت میں تین ارکان کی رعایت ہونی چاہیے۔

پہلا رکن راس المال:

اور اس کی شرط یہ ہے کہ وہ نقد بھی ہو معلوم بھی اور کام کرنے والے کے حوالے بھی کیا جائے۔ لہذا پیسوں اور سامان پر مضاربت صحیح نہیں ہوگی (۱)

کیوں کہ اس میں تجارت کا راستہ تنگ ہے درھموں کی ایک تھیلی دے دی جائے (کہ مضاربت کرو) تو یہ بھی صحیح نہیں کیونکہ اس میں نفع واضح نہیں ہوتا اور اگر مالک (رقم والا) اپنے قبضے کی شرط رکھے تو بھی جائز نہیں کیونکہ اس صورت میں تجارت کا راستہ تنگ ہوتا ہے۔

دوسرا رکن نفع:

نفع کی چیز معلوم ہو مثلاً اس کے لیے تہائی یا نصف یا جو چاہے شرط رکھے۔ اگر یوں کہا کہ نفع میں سے ایک سو تمہارا

---

(۱) یہاں نقد کرنے سے مراد کھرا کرنا اور پرکھنا ہے چونکہ چاندی میں کھوٹ وغیرہ بھی ہوتی ہے لہذا وہ پیسوں یعنی دراہم کے کھرا پن کو واضح کر کے دے اور اسے پرکھنے سے پہلے پیسوں کی صورت میں نہ دے ۱۲ ہزاروی

اور باقی میرا ہو گا تو یہ جائز نہیں کیونکہ بعض اوقات نفع ایک سو سے زائد نہیں ہوتا لہٰذا کوئی مقدار مقرر کرنا جائز نہیں بلکہ حصوں کے اعتبار سے مقرر کرے۔

تیسرا رکن عمل :

یعنی عامل جو عمل کرے گا اور اس کے لیے شرط یہ ہے کہ کسی خاص مال اور مقرر وقت کی قید نہ ہو بلکہ عام تجارت ہو، اگر وہ شرط رکھے کہ وہ اس مال سے جانور خریدے اور ان سے نسل حاصل کرے اور وہ نسل ان دونوں کے درمیان تقسیم ہو جائے یا گندم خریدے اور اس کی روٹی پکائے اور نفع ان دونوں میں تقسیم ہو تو یہ شرط صحیح نہیں ہے کیونکہ مضاربت کی اجازت تجارت میں ہے اور اس سے خرید و فروخت اور جو باتیں اس سلسلے میں ضروری ہیں وہی مراد ہیں جب کہ یہ باتیں الگ ہیں یعنی روٹی اور جانوروں کی قید لگانا۔

اور اگر وہ اس پر تنگی کرتے ہوتے یہ شرط رکھے کہ وہ صرف فلاں آدمی سے ہی خرید سکتا ہے یا صرف سرخ ریشم میں ہی تجارت کرے یا ایسی شرط رکھے جس سے تجارت کا دروازہ تنگ ہو جاتا ہے تو عقد فاسد ہو جائے گا۔ اور جب عقد مضاربت منعقد ہو جائے تو عامل وکیل ہوتا ہے لہٰذا وہ اس کی بھلائی کے لیے وکلاء کی طرح تصرف کر سکتا ہے۔

اور جب مالک (جسے رب المال کہا جاتا ہے) عقد کو فسخ کرنا چاہیے تو اسے اس بات کا اختیار ہو گا اور جب وہ اس حالت میں فسخ کرے کہ پورا مال رقم کی صورت میں ہو تو تقسیم کا طریقہ مخفی نہیں ہونا چاہیے اور اگر سامان ہو اور اس میں کوئی نفع نہ ہو تو وہ مال والے کی طرف لوٹا دے مالک اسے نقد رقم لوٹانے کی تکلیف نہیں دے سکتا کیونکہ عقد منسوخ ہو گیا اور اس نے کوئی چیز اپنے ذمہ لازم نہیں کی۔

اگر مضارب کہے کہ میں اسے بیچتا ہوں اور مالک انکار کرے تو مالک کی رائے معتبر ہو گی البتہ مضارب کو کوئی گاہک ملے جس سے راس المال پر نفع حاصل ہونے کی امید ہو تو مضارب کی بات مانی جائے گی) اور اگر نفع حاصل ہوا ہو تو عامل پر لازم ہے کہ راس المال کے برابر اسی کی جنس کے بدلے بیچ دے کسی دوسرے سکے کے بدلے نہ بیچے تاکہ معلوم ہو سکے کہ زائد مال نفع ہے اور وہ دونوں اس میں شریک ہوں اور مضارب پر لازم نہیں کہ راس المال سے زائد مال کو بیچے اور جب سال کا آخر ہو تو ان پر مال کی قیمت معلوم کرنا ضروری ہے تاکہ زکوٰۃ ادا کی جا سکے اب اگر کچھ نفع بھی ظاہر ہو تو زیادہ قیاس یہی ہے کہ مضارب کے حصے کی زکوٰۃ اسی پر ہو گی اور نفع ظاہر ہونے پر وہ اس کا مالک ہو گا۔

مضارب، مالک کی اجازت کے بغیر مال مضاربت کے ساتھ سفر نہیں کر سکتا لیکن اگر اس نے ایسا کر لیا تو اس کے تصرفات صحیح ہو جائیں گے لیکن جب ایسا کرے گا تو وہ مال اور قیمت دونوں کا ضامن ہو گا (یعنی ہلاکت کی صورت میں تاوان بھرے گا) کیونکہ باہر لے جانے کی وجہ سے اس کی طرف سے زیادتی پائی گئی اور اگر مالک کی اجازت سے سفر کرے تو جائز ہے مال منتقل کرنے اور اس کی حفاظت کا خرچ مال مضاربت میں سے ہو گا جیسے وزن کرنے، ناپنے

اور اٹھا کرلے جانے کے اخراجات جو اہل تجارت میں مروج نہیں، اصل مال میں سے ہوتے ہیں لیکن کپڑے (کے تھان) کو کھولنا اور لپیٹنا اور معمولی مروج عمل پر مال خرچ کرنا جائز نہیں۔

مضارب کا اپنا خرچ اور رہائش اسی کے ذمہ ہوگی البتہ دوکان کا کرایہ اس کے ذمہ نہیں ہوگا اور جب وہ مالِ مضاربت کے لیے سفر کرے تو سفر کے اخراجات اسی مال میں سے ہوں گے لیکن واپسی پر باقی سامانِ سفر مثلاً لوٹا اور دستر خوان وغیرہ واپس کردے۔

چھٹا عقد:

عقدِ شرکت

شرکت کی چار قسمیں ہیں جن میں سے تین باطل ہیں۔

۱۔ شرکت مفاوضت۔ دو آدمی جن کا مال الگ الگ ہو وہ یوں کہیں کہ ہم نے شرکت مفاوضت کی تاکہ تمام نفع و نقصان میں ہم شریک ہو جائیں یہ باطل ہے۔

۲۔ شرکتِ ابدان (جسمانی شرکت) یعنی کام کی مزدوری میں شرکت کی شرط رکھیں یہ بھی باطل ہے۔

۳۔ شرکتِ وجوہ۔ یعنی ایک شخص کو عزت و مرتبہ حاصل ہو اور اس کی بات مانی جاتی ہو تو یہ اپنی وجاہت کی وجہ سے مال دلائے اور دوسرے کی طرف سے عمل ہو یہ بھی باطل ہے۔

۴۔ چوتھا عقد شرکت صحیح ہے اور اسے شرکتِ عنان کہتے ہیں اس کی صورت یہ ہے کہ دونوں کے مال یوں مل جائیں کہ تقسیم کے بغیر ان میں امتیاز نہ ہو سکے ان میں سے ہر ایک، دوسرے کو تصرف کا اختیار دے پھر اس کا حکم یہ ہے کہ نفع اور نقصان دونوں کے مال کے اندازے پر تقسیم ہو، ان کے لیے جائز نہیں کہ اس کے علاوہ کوئی شرط رکھ کر اس حکم کو تبدیل کر دیں۔ اور جب کوئی ایک معزول کر دیا جائے تو اس کا تصرف صحیح نہیں ہوگا اور تقسیم کے ساتھ دونوں کی ملکیت جدا جدا ہو جائے گی۔

صحیح بات یہ ہے کہ خریدی گئی اشیاء پر عقد شرکت جائز ہے نقد رقم کا ہونا شرط نہیں بخلاف مضاربت کے (اس میں نقد مال ہونا شرط ہے) علم فقہ سے اس قدر سیکھنا سب پر واجب ہے ورنہ نادانستہ طور پر حرام میں مبتلا ہو جائے گا۔

جہاں تک قصاب، نانبائی اور سبزی فروش کے ساتھ معاملات کا تعلق ہے تو تاجر اور غیر تاجر کوئی بھی اس سے بے نیاز نہیں ہو سکتا اور اس میں تین طریقوں پر خلل واقع ہوتا ہے (۱) بیع کی شرائط مہمل ہوں (۲) بیع سلم کی شرائط کا مجہول ہونا اور (۳) ہاتھوں ہاتھ دینے پر اکتفا کرنا۔

کیوں کہ لوگوں میں یہ طریقہ رائج ہے کہ وہ ہر دن کی ضرورت کے مطابق ایک چٹ لکھ دیتے ہیں پھر ایک مدت کے بعد حساب لگایا جاتا ہے۔

پھر جس طرح باہمی رضامندی ہو قیمت لگادی جاتی ہے اور یہ بات ان امور میں سے ہے کہ ہم حاجت کے تحت اس کے جواز کے قائل ہیں اور ان کا عوض کے انتظار کے ساتھ روزمرہ کی چیزیں دے ڈالنا جائز سمجھا جاتا ہے پس اس کا کھانا حلال ہوتا ہے لیکن کھانے سے تاوان لازم ہوتا ہے اور جس دن وہ کھاتا ہے اس دن کی قیمت اس کے ذمہ ہوتی ہے اور وہ تمام قیمتیں اس کے ذمہ میں جمع ہو جاتی ہیں پھر جب کسی مقدار پر باہمی رضامندی ہو جائے تو مناسب ہے کہ اس سے مطلقاً براءت حاصل کی جائے تاکہ قیمتوں کی تبدیلی کا اس پر کچھ اثر نہ ہو۔

تو اس پر قناعت کرنا واجب ہے کیونکہ ہر دن ضرورت کے لیے قیمت کی ادائیگی نہایت دشوار ہے اسی طرح ایجاب و قبول کا مکلف بنانا بھی۔

نیز چھوٹی چھوٹی چیزوں کی قیمت کا اندازہ لگانا مشکل ہوتا ہے لیکن جب ہر قسم کی اشیاء زیادہ ہو جائیں تو ان کی قیمت لگانا آسان ہوتا ہے۔

اللہ تعالیٰ ہی توفیق دینے والا ہے۔

—— ٥ ——

تیسرا باب

معاملات میں عدل کا قیام اور ظلم سے اجتناب

جان لو! بعض اوقات معاملہ یوں جاری ہوتا ہے کہ مفتی اس کی صحت اور انعقاد کا فتویٰ دیتا ہے لیکن وہ ظلم پر مشتمل ہوتا ہے اور معاملہ کرنے والا اللہ تعالیٰ کے غضب کو دعوت دیتا ہے کیونکہ ہر نہی فسادِ عقد کو نہیں چاہتی، اور اس ظلم سے مراد یہ ہے کہ اس سے دوسروں کو ضرر پہنچتا ہے پھر یہ ضرر عام بھی ہوتا ہے اور معاملہ کرنے والے کے ساتھ خاص بھی۔

پہلی قسم:

ضررِ عام

اس کی کئی انواع ہیں۔

(۱) ـــــ ذخیرہ اندوزی ـــــ غلہ بیچنے والا، غلے کا ذخیرہ کر لیتا ہے اور نرخ بڑھنے کا انتظار کرتا ہے یہ عام ظلم ہے اور ایسا کرنے والے کی شریعت میں مذمت کی گئی ہے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

مَنِ احْتَكَرَ الطَّعَامَ أَرْبَعِيْنَ يَوْمًا ثُمَّ تَصَدَّقَ بِهٖ لَمْ تَكُنْ صَدَقَتُهٗ كَفَّارَةً لِاحْتِكَارِهٖ۔ (۱)

جو آدمی چالیس دن تک غلہ جمع رکھے پھر اسے صدقہ کر دے تو یہ اس کی اس ذخیرہ اندوزی کا کفارہ نہیں بن سکتا۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا آپ نے فرمایا۔

مَنِ احْتَكَرَ الطَّعَامَ أَرْبَعِيْنَ يَوْمًا فَقَدْ بَرِئَ مِنَ اللّٰهِ وَبَرِئَ اللّٰهُ مِنْهُ۔ (۲)

جس آدمی نے چالیس دن تک غلے کا ذخیرہ کیا تو اس کا اللہ تعالیٰ سے اور اللہ تعالیٰ کا اس سے کوئی تعلق نہیں۔

کہا گیا ہے کہ گویا اس نے سب لوگوں کو قتل کیا۔

حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں۔

جس نے چالیس دن تک غلہ روک کر رکھا اس کا دل سخت ہو جاتا ہے آپ ہی سے مروی ہے کہ آپ نے ذخیرہ اندوز

---

(۱) تاریخ ابن عساکر جلد ۵ ص ۶، اتر جمہ خالد

(۲) المستدرک للحاکم جلد ۲ ص ۱۲ کتاب البیوع

کے غلہ کو آگ میں جلا دیا تھا۔

ذخیرہ اندوزی نہ کرنے کی فضیلت کے بارے میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے آپ نے فرمایا،

مَنْ جَلَبَ طَعَامًا فَبَاعَهُ بِسِعْرِ يَوْمِهِ فَكَأَنَّمَا تَصَدَّقَ بِهِ (۱)

جس شخص نے غلہ حاصل کر کے اسی دن کے بھاؤ پر بیچ دیا گویا اس نے اسے صدقہ کیا۔

اور دوسری روایت میں یوں ہے کہ گویا اس نے ایک غلام آزاد کیا۔

ارشاد خداوندی ہے:

وَمَنْ يُرِدْ فِيهِ بِإِلْحَادٍ بِظُلْمٍ نُذِقْهُ مِنْ عَذَابٍ أَلِيمٍ۔ (۲)

اور جو شخص اس (مسجد حرام) میں ناحق زیادتی کا ارادہ کرے تو ہم اسے دردناک عذاب چکھائیں گے۔

کہا گیا ہے کہ ذخیرہ اندوزی ظلم ہے اور ڈانٹ ڈپٹ میں اس آیت کے تحت داخل ہے

ایک بزرگ کے بارے میں منقول ہے کہ وہ مقام واسط میں تھے انہوں نے گندم کی ایک کشتی بصرہ کی طرف بھیجی اور اپنے وکیل کو لکھا کہ جس دن یہ غلہ بصرہ میں پہنچے اسی دن اسے بیچ دو دوسرے دن تک بھی نہ رکھنا۔ اتفاق سے وہاں نرخ سستا تھا اور تاجروں نے اس سے کہا کہ اگر تم اسے ایک ہفتہ تک نہ بیچو تو کئی گنا نفع حاصل ہوگا چنانچہ اس نے ایک ہفتہ تاخیر کی اور اسے کئی گنا نفع حاصل ہوا اس نے یہ بات غلے کے مالک کو لکھ بھیجی تو انہوں نے جواباً لکھا اے فلاں! ہم نے اپنے دین کی سلامتی کے ساتھ تھوڑے نفع پر صبر کیا اور تم نے اس کی مخالفت کی ہمیں کئی گنا نفع پسند نہیں جب کہ دین کا نقصان ہو رہا ہو تم نے بہت بڑا جرم کیا ہے پس جب میرا خط تمہارے پاس پہنچے تو تمام مال بصرہ کے فقراء پر صدقہ کر دو۔ شاید میں ذخیرہ اندوزی کے گناہ سے برابر برابر نجات پا سکوں نہ میرا نقصان ہو اور نہ فائدہ۔

جان لو! ذخیرہ اندوزی سے ممانعت مطلق ہے لیکن اس میں وقت اور جنس کا لحاظ ہونا چاہیئے۔

جنس میں ممانعت غذائی اجناس کو شامل ہے لیکن جو چیز رزق نہیں بنتی اور نہ ہی اس کی مددگار ہے مثلاً دوائیاں، بوٹیاں اور زعفران وغیرہ تو ان سے ممانعت نہیں ہے اگرچہ یہ کھائی جاتی ہوں لیکن جو چیزیں غذا پر مددگار ہوں جیسے گوشت اور پھل وغیرہ یا وہ چیزیں جو بعض اوقات غذا کے قائم مقام ہوتی ہیں لیکن وہ ہمیشہ غذا کا کام نہیں دیتیں وہ محل نظر ہیں۔ بعض علماء نے گھی، شہد، شیرے، پنیر، زیتون اور اس طرح کی دیگر اشیاء میں بھی اسے حرام قرار دیا ہے۔

جہاں تک اوقات کا تعلق ہے تو اس میں اس بات کا احتمال ہے کہ ممانعت تمام اوقات سے متعلق ہو اور اس

---

(۱) الدر المنثور جلد ۶ ص ۲۸۰ تحت آیت فاقرءوا ما تیسر منہ

(۲) قرآن مجید، سورہ حج آیت ۲۵

پر وہ حکایت دلالت کرتی ہے جو ہم نے اس غلے کے بارے میں ذکر کی ہے جس کے بصرہ میں پہنچتے وقت وہاں نرخ سستا تھا اور یہ بھی احتمال ہے کہ یہ ممانعت (ہر وقت نہ ہو بلکہ) اس وقت سے متعلق ہو جب غلہ کم ہو اور لوگوں کو اس کی حاجت ہو حتی کہ اسے تاخیر سے بیچنے میں لوگوں کو نقصان پہنچتا ہو لیکن جب غلے کی فراوانی ہو اور لوگوں کو اس کی ضرورت نہ ہو اور اگر کسی کو خواہش بھی ہو تو وہ تھوڑی قیمت لگائے ایسی صورت میں غلے والا انتظار کرے لیکن قحط کے وقت کا منتظر نہ ہو تو اس میں نقصان پہنچانا نہیں ہے اور جب قحط کا وقت ہو تو اس وقت شہد، گھی اور شیرا وغیرہ کی ذخیرہ اندوزی نقصان پہنچاتی ہے لہذا مناسب یہی ہے کہ اسے حرام قرار دیا جائے۔

پس حرمت کی نفی اور اثبات کا دارومدار نقصان پر ہے اور یہ غلے کی تخصیص سے بھی سمجھا جاتا ہے اور جب نقصان نہ ہو تو غلے کی ذخیرہ اندوزی کراہت سے خالی نہیں کیوں کہ غلے کا مالک ضرر کے آغاز کا منتظر ہوتا ہے اور وہ نرخ کا بڑھ جانا ہے، نقصان کے آغاز کا انتظار بھی ممنوع ہے جیسے نقصان کا انتظار جائز نہیں، البتہ یہ کم درجے میں ہے اسی طرح نقصان کا انتظار، نقصان پہنچانے سے ہلکا ہے غرضیکہ جس درجہ کی ضرررسانی ہوگی اسی درجے کی کراہت اور تحریم ہوگی۔

خلاصہ یہ ہے کہ غلے کی تجارت مستحب نہیں کیونکہ تجارت کا مقصد حصول نفع ہے جب غذائیں انسان کے قائم رہنے کے لیے اصل ہیں اور نفع اصل پر زائد ہوتا ہے لہذا اس چیز سے نفع حاصل کرنا چاہیے جو زوائد میں سے ہو اور مخلوق کو اس کی ضرورت نہ ہو اسی لیے ایک تابعی نے ایک شخص کو وصیت کرتے ہوئے فرمایا کہ اپنے بیٹے کو دو قسم کے سودوں اور دو قسم کے پیشوں میں نہ ڈالنا ایک غلے کی تجارت اور دوسری کفن کی تجارت، کیونکہ ایسا شخص مہنگائی اور لوگوں کی موت کی تمنا کرتا ہے۔ (اور پیشوں میں سے) ایک قصاب کا پیشہ ہے کہ اس سے دل سخت ہو جاتا ہے اور دوسرا زرگری کا پیشہ کہ وہ دنیا کو سونے اور چاندی سے زینت دیتا ہے۔

۲۔ نقد میں کھوٹے سکے کو رواج دینا بھی ظلم ہے کیوں کہ معاملہ کرنے والے کو اگر اس کا علم نہ ہو تو نقصان پہنچتا ہے اور اگر وہ جانتا ہے تو وہ آگے رواج دے گا۔ اسی طرح تیسرا اور چوتھا اسی طرح یہ مختلف ہاتھوں میں جائے گا تو ضرر عام ہوگا۔ اور فساد وسیع ہو جائے گا اور اس سب کا بوجھ اور گناہ اس پہلے آدمی کی طرف لوٹے گا کیونکہ اسی نے دروازہ کھولا ہے۔

سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

مَنْ سَنَّ سُنَّةً سَيِّئَةً فَعُمِلَ بِهَا مِنْ بَعْدِهِ كَانَ عَلَيْهِ وِزْرُهَا وَمِثْلُ وِزْرِ مَنْ عَمِلَ بِهَا لَا يَنْقُصُ مِنْ أَوْزَارِهِمْ شَيْئًا۔ (۱)

جو شخص برا طریقہ جاری کرے اور اس کے بعد والے اس پر عمل کریں تو اس پر اس (برائی کے اجراء) کا گناہ بھی ہوگا اور جن جن لوگوں نے پھر عمل کیا ان کے گناہ کے برابر بھی ہوگا اور ان کے گناہ سے کچھ کم نہ ہوگا۔

❊ ❊ ❊

(۱) مسند امام احمد بن حنبل جلد ۴ ص ۳۶۱ مرویات جریر بن عبداللہ

بعض بزرگوں نے فرمایا کہ ایک کھوٹا درھم خرچ کرنا ایک سو درھم چوری کرنے سے زیادہ سخت ہے کیوں کہ چوری ایک گناہ ہے اور وہ ختم ہو چکی جب کہ کھوٹا سکّہ خرچ کرنا دین میں بدعت کو جاری کرنا ہے اور ایک برا طریقہ ہے جس پر بعد والے عمل پیرا ہو رہے ہیں تو اس کے مرنے کے بعد ایک سو یا دو سو سال تک اس پر گناہ کا بوجھ پڑتا رہے گا حتیٰ کہ وہ درھم فنا ہو جائے اور اس کے عمل سے لوگوں کا جو مالی نقصان ہوا اس پر اس کا گناہ بھی ہوگا۔ اور وہ شخص خوش قسمت ہے جس کے مرنے کے بعد اس کے گناہ بھی مر جائیں۔ اور اس آدمی کے لیے بہت لمبی خرابی ہے جو مر جائے اور اس کے گناہ ایک سو یا دو سو سال یا اس سے بھی زیادہ عرصہ تک باقی رہیں اور اسے ان کے باعث قبر میں عذاب ہوتا رہے۔ اور اس کے ختم ہونے تک اس سے باز پرس ہوتی رہے۔

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے :

وَنَكْتُبُ مَا قَدَّمُوا وَاٰثَارَهُمْ۔ (۱) — اور ہم لکھتے ہیں جو کچھ وہ آگے بھیجتے ہیں اور جو ان کے اثرات ہیں۔

یعنی ان کے اعمال کے وہ اثرات جو باقی رہ جاتے ہیں ہم وہ بھی لکھتے ہیں جیسے وہ اعمال لکھتے ہیں جو انہوں نے آگے بھیجے۔

اور اسی سلسلے میں ارشاد خداوندی ہے :

يُنَبَّأُ الْاِنْسَانُ يَوْمَئِذٍ بِمَا قَدَّمَ وَاَخَّرَ۔ (۲) — اس دن انسان کو بتا دیا جائے گا کہ اس نے کون سے اعمال آگے بھیجے اور کون سے پیچھے چھوڑے۔

تو اس نے اپنے اعمال کے جو آثار چھوڑے ان میں وہ برا طریقہ ہے جس پر اس کے غیر نے عمل کیا۔

جاننا چاہیئے کہ کھوٹے سکے کے سلسلے میں پانچ باتیں ہیں۔

۱۔ جب اس میں سے کوئی چیز اس پر لوٹائی جائے تو اسے کنویں میں ڈال دینا چاہیے جہاں کسی کا ہاتھ نہ پہنچ سکے اور اسے دوسرے سودے میں لگانے سے بچے اور اگر اسے یوں خراب کر دے کہ اب اس کے ساتھ معاملات نہ ہو سکیں تو یہ بھی جائز ہے۔

۲۔ تاجر کو روپے پیسے کے نقد کو پرکھنا سیکھنا چاہیئے اس لیے نہیں کہ اپنے لیے پہچان کر سکے بلکہ اس لیے کہ لاعلمی میں کسی مسلمان کو کھوٹا سکّہ نہ دے دے تو اس علم کے حصول میں کوتاہی کی وجہ سے گناہ گار ہوگا۔ کیونکہ ہر عمل کی بنیاد علم ہوتا ہے جس کے ذریعے مسلمانوں کی خیر خواہی مکمل ہوتی ہے لہذا اسے حاصل کرنا، واجب ہے اسی مقصد کے لیے ہمارے اسلاف

---

(۱) قرآن مجید، سورۂ یٰسین آیت ۱۲

(۲) قرآن مجید، سورۂ القیامۃ آیت ۱۳

نقدی علامات سیکھتے ہیں اور ان کا مقصد دین ہوتا تھا دنیا نہیں،

۳۔ اگر اس نے اس کے حوالے کر دیا اور معاملہ کرنے والے کو بتا بھی دیا کہ یہ کھوٹا سکہ ہے تو یہ گناہ سے نہیں نکلے گا کیوں کہ وہ اس لیے لے رہا ہے کہ اسے دوسروں تک پہنچاتے اور انہیں اس کے بارے میں نہ بتائے۔ اگر اس کا یہ ارادہ نہ ہوتا تو وہ اس میں قطعاً دلچسپی نہ لیتا البتہ جو ضرر معاملہ کرنے والے کے ساتھ خاص ہے اس کے گناہ سے بچ جائے گا۔

۴۔ اگر وہ کھوٹا سکہ اس لیے لیتا ہے کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد گرامی پر عمل کرے تو وہ اس (مندرجہ ذیل) دعا کی برکت حاصل کرے گا۔

آپ نے فرمایا:

رَحِمَ اللّٰہُ اِمْرَاءً سَھْلَ الْبَیْعَ سَھْلَ الشِّرَاءِ وَسَھْلَ الْقَضَاءِ سَھْلَ الْاِقْتِضَاءِ۔ (۱)

اللہ تعالیٰ اس شخص پر رحم فرمائے جو تجارت میں آسانی پیدا کرتا ہے خریدنے، ادائیگی قرض اور طلب قرض میں آسانی اختیار کرتا ہے۔

لیکن اس کا ارادہ یہ ہو کہ وہ اس کھوٹے سکے کو لے کر کنویں میں ڈال دے گا اور اگر اس کا ارادہ اسے معاملات میں رواج دینے کا ہے تو یہ شر ہے جو شیطان نے اسے نیکی کی جگہ پر سمجھا دی ہے (یعنی شیطان نے برائی کو اس کی نظر میں نیکی قرار دیا) لہٰذا وہ ان لوگوں میں شامل نہیں ہوتا جو قرض وصول میں آسانی اختیار کرتے ہیں۔

۵۔ کھوٹے سکے سے ہماری مراد وہ سکہ ہے جس میں چاندی بالکل نہ ہو صرف اس کا پانی چڑھا ہوا ہو یا دینار ہو لیکن اس میں سونا نہ ہو لیکن جس میں چاندی ہو لیکن اس میں تانبا (وغیرہ) ملا ہوا ہو اور وہ سکہ شہر میں چلتا ہے تو اس کے ساتھ معاملہ کرنے میں علماء کرام کا اختلاف ہے تو ہماری رائے میں اس کے ذریعے معاملہ کرنا جائز ہے جب کہ وہ ملکی سکہ ہو چاندی کی مقدار معلوم ہو یا نہ اور اگر وہ سکہ شہر میں نہیں چلتا تو جائز نہیں البتہ یہ کہ چاندی کی مقدار معلوم ہو اور اگر اس کے مال میں کوئی ایسا روپیہ ہو جس میں شہر میں مروج سکے کی چاندی سے کم ہو تو اسے چاہیے کہ جس کے ساتھ معاملہ کر رہا ہے اسے بتا دے اور اسی کے ساتھ لین دین کرے جو دھوکہ دہی کے طریقے پر اسے رواج دینے کو جائز نہیں سمجھتا۔ لیکن جو آدمی اسے جائز سمجھتا ہے تو اسے دینا دراصل اسے فساد پر مسلط کرنا ہے یہ اسی طرح ہے جس طرح اس آدمی پر انگور بیچنا جس کے بارے میں معلوم ہو کہ وہ اس سے شراب بنائے گا یہ ممنوع ہے، برائی پر مدد اور اس میں شرکت ہے۔

تجارت میں اس طریقے پر راہ حق پر چلنا نفلی عبادت کے لیے فراغت اور بے حد پابندی سے افضل ہے اسی لیے

---

(۱) صحیح بخاری جلد اول ص ۲۷۸، کتاب البیوع

بعض بزرگوں نے فرمایا:

"سچا تاجر اللہ تعالیٰ کے نزدیک عبادت گزار سے بھی افضل ہے"

اور ہمارے اسلاف اس قسم کی صورت میں محتاط رہتے تھے حتیٰ کہ ایک مجاہد کے بارے میں مروی ہے وہ فرماتے ہیں میں اپنے گھوڑے پر سوار ہوا تاکہ ایک موٹے عجمی کافر کو قتل کروں مگر گھوڑے نے کوتاہی کی تو میں واپس آگیا پھر حملہ کیا حتیٰ کہ جب تیسری بار حملہ کیا تو میرا گھوڑا مجھ سے بھاگ گیا حالانکہ یہ اس کی عادت نہ تھی میں غمگین ہو کر واپس آیا اب شکستہ دل کے ساتھ سر جھکا کر بیٹھ گیا کیوں کہ وہ کافر مجھ سے بچ نکلا اور گھوڑے میں وہ بات دیکھی جو پہلے نہ تھی۔ میں نے خیمے کے ستون پر سر رکھا اور گھوڑے کو کھڑا چھوڑ کر لیٹ گیا میں نے خواب میں دیکھا گویا گھوڑا مجھ سے مخاطب ہے اور کہہ رہا ہے اللہ تعالیٰ کو یاد کرو تم نے تین بار میری پیٹھ پر سوار ہو کر کافر کو پکڑنے کا ارادہ کیا حالانکہ کل تم نے میرے لیے جو چارہ خریدا اس میں ایک کھوٹا سکہ دیا تھا، تو ایسا کبھی نہیں ہوگا وہ فرماتے ہیں میں بیدار ہوا اور چارہ بیچنے والے کے پاس گیا اور اسے دوسرا درہم دیا۔

یہ ضرر عام کی مثال ہے اس پر دوسری مالوں کو قیاس کریں۔

دوسری قسم:

خاص معاملہ کرنے والے کا نقصان

ہر وہ کام جس کے ذریعے معاملہ کرنے والے کو ضرر پہنچایا جائے وہ ظلم ہے کیوں کہ عدل یہ ہے کہ اپنے مسلمان بھائی کو نقصان نہ پہنچائے اور اس میں قاعدہ کلیہ یہ ہے کہ اپنے (مسلمان) بھائی کے لیے وہ چیز پسند نہ کرے جو اپنے لیے پسند نہیں کرتا، تو ہر وہ چیز کے ذریعے اس کے ساتھ معاملہ کیا جائے تو اسے تکلیف ہو اور اس کے دل پر بوجھ پڑے اس کے ذریعے دوسرے کے ساتھ بھی معاملہ نہ کرے بلکہ اس کے نزدیک اپنا اور دوسرے کا درہم برابر ہونا چاہیے بعض بزرگوں نے فرمایا جو شخص کسی آدمی پر کوئی چیز ایک درہم کے بدلے بیچے لیکن خود خریدنے کی صورت میں پانچ دانق (دانق درہم کے چھٹے حصے کو کہتے ہیں) سے زیادہ قیمت مناسب نہ ہو تو اس نے اس خیر خواہی کو چھوڑ دیا معاملات کے بارے میں جس کا حکم دیا گیا ہے۔ اور اس نے اپنے بھائی کے لیے اس چیز کو پسند نہیں کیا جسے وہ اپنے لیے پسند کرتا ہے یہ اجمالی بیان ہے۔

تفصیل:

اس کی تفصیل چار امور میں ہے ایک یہ کہ سامان کی تعریف میں وہ بات بیان نہ کرے جو اس میں نہیں ہے، دوسرا یہ کہ اس کے عیب نہ چھپائے اور اس کی باطنی صفات کو بھی بالکل پوشیدہ نہ رکھے، اس کے وزن اور مقدار میں سے کچھ بھی نہ چھپائے اور اس کے اس بھاؤ کو نہ چھپائے کہ اگر خریدنے والے کو معلوم ہو جائے تو وہ نہ خریدے۔

۱۔ مال کی تعریف نہ کرنا۔ اگر وہ اپنے سامان کی تعریف کرے اور وہ وصف اس میں نہ ہو تو یہ جھوٹ ہے اگر خریدار نے

اسے قبول کرالیا تو یہ دھوکہ دہی ہوگی اور ظلم بھی جب کہ جھوٹ بھی ہے۔
اور اگر اس نے قبول نہ کیا تو یہ جھوٹ اور بے مروتی ہے۔ کیوں کہ جو جھوٹ رائج ہو وہ بعض اوقات مروت پر اثر انداز نہیں ہوتا اور اگر وہ وصف بیان کرے جو اس چیز میں ہے تو یہ بے مقصد گفتگو اور فضول بات ہے اور اسے اپنی گفتگو کے ہر کلمے کا حساب دینا ہوگا۔

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

مَا يَلْفِظُ مِنْ قَوْلٍ اِلَّا لَدَيْهِ رَقِيْبٌ عَتِيْدٌ (۱) جو لفظ بھی زبان سے نکلتا ہے اس کے پاس (لکھنے کے لیے) ایک نگہبان تیار ہوتا ہے۔

البتہ سامان کا وہ وصف بیان کردے جو بتائے بغیر خریدار کو معلوم نہیں ہوتا۔ جیسے غلاموں، لونڈیوں اور جانور کے خفیہ اوصاف بیان کرے تو کسی مبالغے کے بغیر موجود اوصاف کے بیان کرنے میں کوئی حرج نہیں لیکن اس کا مقصد یہ ہونا چاہیئے کہ اپنے مسلمان بھائی کو اس کی پہچان کرائے تاکہ وہ اس میں رغبت رکھے اور اپنی حاجت کو پورا کرے لیکن سودے پر قسم کھانا کسی صورت میں مناسب نہیں کیوں کہ اگر وہ جھوٹا ہے تو وہ جھوٹی قسم لایا ہے اور یہ بہت بڑا گناہ ہے جو شہروں کے شہروں کو برباد کر کے چھوڑتا ہے اور اگر سچا ہے تو اس نے اللہ تعالیٰ کو اپنی قسموں کا نشانہ بنایا اور اس میں وہ گناہ گار ہوا۔ کیوں کہ دنیا اس بات سے زیادہ ہلکی ہے کہ کسی ضرورت کے بغیر اللہ تعالیٰ کے نام کے ساتھ اس (تجارت) کے رواج کا قصد کیا جائے۔

ایک حدیث شریف میں ہے۔

وَيْلٌ لِلتَّاجِرِ مِنْ بَلٰى وَاللّٰهِ وَلَا وَاللّٰهِ وَوَيْلٌ لِلصَّانِعِ مِنْ غَدٍ وَبَعْدَ غَدٍ۔ (۲) تاجر کے لیے قسمیں کھانے سے خرابی ہے اور کاریگر کے لیے کل پرسوں پر ٹالنے کی وجہ سے خرابی ہے۔

ایک دوسری حدیث شریف میں ہے۔

اَلْيَمِيْنُ الْكَاذِبَةُ مُنْفِقَةٌ لِلسِّلْعَةِ مُمْحِقَةٌ لِلْبَرَكَةِ (۳) جھوٹی قسم سے سودا تو فروخت ہو جاتا ہے لیکن یہ برکت کو مٹا دیتی ہے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے وہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں آپ نے فرمایا:
"تین قسم کے لوگ وہ ہیں کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ ان کی طرف نظر رحمت نہیں فرمائے گا فقیر متکبر، عطیہ دے کر

---

(۱) قرآن مجید، سورۂ ق آیت ۱۸
(۲) الاسرار المرفوعۃ ص ۲۶۰ حدیث ۱۰۳۲
(۳) صحیح بخاری جلد اول ص ۲۸۰ کتاب البیوع

احسان جتانے والا اور اپنے سامان کو قسم کے ساتھ بیچنے والا۔" (۱)

تو جب بیچ کی صورت میں سامان کی تعریف کرنا مکروہ ہے کیوں کہ یہ فضول بات ہے اور رزق کو زیادہ نہیں کرتی تو قسم کے معاملے میں شدّت پوشیدہ نہیں ہے۔

حضرت یونس بن عبید جو ریشمی کپڑے کے تاجر تھے ان کے بارے میں مروی ہے کہ ان سے کسی نے ریشم خریدنے کے لیے مانگا غلام نے ریشمی کپڑے کی گٹھڑی کھول کر سامنے پھیلا دی تو انہوں نے فرمایا۔

اے اللہ! ہمیں جنت عطا فرما، پھر غلام سے فرمایا اسے اپنی جگہ پر رکھ دو اور انہوں نے اس کا سودا نہ کیا انہیں اس بات کا خوف ہوا کہ کہیں یہ کپڑے کی تعریف کرنا نہ ہو۔ تو اس قسم کے لوگ تھے جو دنیا میں تجارت کرتے تھے لیکن انہوں نے اپنی تجارت کی وجہ سے اپنے دین کو ضائع نہیں کیا بلکہ اس بات کو جانا کہ دنیوی نفع کی نسبت آخرت کا نفع طلب کرنا زیادہ بہتر ہے۔

۲۔ جس چیز کو بیچ رہا ہے اس کے تمام عیب واضح کر دے وہ ظاہر ہوں یا پوشیدہ، اور ان میں سے کچھ بھی نہ چھپائے یہ واجب ہے۔ اگر چھپائے گا تو ظالم اور دھوکے باز ہوگا اور دھوکہ دینا حرام ہے اور اس طرح وہ معاملات میں خیر خواہی کا تارک ہوگا حالانکہ خیر خواہی واجب ہے اور جب وہ کپڑے کی اچھی طرف کو ظاہر کرے اور دوسری جانب کو چھپائے تو دھوکے باز ہوگا، اسی طرح جب وہ اندھیرے میں کپڑا دکھائے تو یہ بھی دھوکہ ہے، موزے اور جوتے کا اچھا پاؤں دکھائے تو بھی دھوکہ ہے، دھوکہ بازی کے حرام ہونے پر یہ روایت دلالت کرتی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ایک آدمی کے پاس سے گزرے جو غلّہ بیچ رہا تھا آپ کو وہ پسند آیا آپ نے اس میں اپنا دست مبارک ڈالا تو وہ اندر سے تر تھا آپ نے فرمایا یہ کیا ہے؟ اس نے عرض کیا اس پر بارش ہو گئی تھی۔ آپ نے فرمایا تم نے اسے (تر حصے کو) غلے کے اوپر کیوں نہیں کیا تا کہ لوگ اسے دیکھتے ہیں جو شخص دھوکہ دیتا ہے وہ ہم میں سے نہیں۔ (۲)

چیزوں کے عیب ظاہر کرنے کے ذریعے خیر خواہی کے واجب ہونے پر یہ روایت دلالت کرتی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب حضرت جریر رضی اللہ عنہ کو اسلام پر بیعت فرمایا اور وہ واپس جانے لگے تو آپ نے ان کا کپڑا کھینچا اور ان پر ہر مسلمان کی خیر خواہی کو شرط رکھا چنانچہ حضرت جریر رضی اللہ عنہ جب بھی کوئی سامان بیچنا چاہتے اس کے عیب بیان کر دیتے پھر اسے (گاہک کو) اختیار دیتے اور فرماتے چاہو تو لے لو اور چاہو تو چھوڑ دو، ان سے عرض کیا گیا کہ جب آپ اس طرح کریں گے تو آپ کی تجارت نہیں چلے گی، انہوں نے فرمایا ہم نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دست اقدس پر ہر مسلمان کی خیر خواہی کی بیعت کی ہے (۳)

---

(۱) صحیح مسلم جلد اول ص ۷۱ کتاب الایمان (۲) صحیح مسلم جلد اول ص ۷۰ کتاب الایمان

(۳) صحیح بخاری جلد اول ص ۲۸۹ کتاب البیوع۔

حضرت واثلہ بن اسقع رضی اللہ عنہ کھڑے تھے تو ایک شخص نے اپنی اونٹنی تین سو درہم میں بیچ دی حضرت واثلہ ادھر متوجہ نہ تھے اور وہ شخص اونٹنی لے کر چلا گیا چنانچہ آپ اس کے پیچھے دوڑے اور زور زور سے آوازیں دینے لگے کہ اے فلاں شخص! تو نے اسے گوشت کے لئے خریدا ہے یا سواری کے لیے؟ اس نے کہا بلکہ سواری کے لیے خریدا ہے۔

آپ نے فرمایا میں نے اس کے پاؤں میں ایک سوراخ دیکھا اور وہ مسلسل نہیں چل سکتی چنانچہ وہ واپس لوٹا اور اونٹنی واپس کردی بیچنے والے نے ایک سو درہم دیئے اور حضرت واثلہ رضی اللہ عنہ سے کہا اللہ تعالیٰ آپ پر رحم فرمائے آپ نے میرا سودا خراب کر دیا۔

انہوں نے فرمایا ہم نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دست مبارک پر ہر مسلمان کی خیر خواہی کی بیعت کی ہے، اور مزید فرمایا کہ میں نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا آپ نے فرمایا:

لَا يَحِلُّ لِاَحَدٍ يَبِيعُ بَيْعًا اِلَّا اَنْ يُبَيِّنَ آفَتَهٗ وَلَا يَحِلُّ لِمَنْ يَعْلَمُ ذٰلِكَ اِلَّا تَبْيِيْنُهٗ (۱)

کسی سودا کرنے والے کے لیے حلال نہیں مگر یہ کہ وہ اپنے سودے کا نقصان بیان کر دے اور جو آدمی اس کا علم رکھتا ہے اس کے لیے بھی اس کا بیان کرنا ضروری ہے۔

گویا اسلاف خیر خواہی کا یہی مطلب سمجھے کہ اپنے بھائی کے لیے وہ بات پسند نہ کرے مگر وہی خبر جو اپنے لیے پسند کرتا ہے۔ اور وہ لوگ اسے محض فضیلت اور بلندیٔ درجات کی بات نہیں سمجھتے تھے بلکہ ان کا عقیدہ تھا کہ یہ اسلام کی ان شرائط میں سے ہے جو ان کی بیعت میں داخل ہیں اور یہ بات عام لوگوں کے لیے مشکل ہے اسی لیے وہ لوگوں سے الگ تھلگ ہو کر عبادت کے لیے گوشہ نشینی اختیار کرتے تھے کیونکہ لوگوں میں مل جل کر اللہ تعالیٰ کے حقوق قائم کرنا ایسا مجاہدہ ہے جسے صرف صدیقین ہی قائم کر سکتے ہیں اور انسان جب تک دو باتوں کا عقیدہ نہ رکھے یہ کام اس کے لیے آسان نہیں ہو سکتا۔

ایک یہ کہ عیب کو چھپا کر اپنے سامان کو بیچ دینے سے رزق میں اضافہ نہیں ہوتا بلکہ اس سے رزق کم ہوتا اور اس کی برکت چلی جاتی ہے اور وہ جو کچھ متفرق دھوکوں سے جمع کرتا ہے وہ ایک دفعہ ہی تباہ ہو جاتا ہے ایک حکایت میں ہے کہ ایک شخص کی گائے تھی اور وہ اس کا دودھ دوھا کرتا تھا پھر وہ اس میں پانی ملا کر بیچتا چنانچہ سیلاب آیا اور اس کی گائے کو بہا کر لے گیا اس کے ایک بیٹے نے کہا کہ یہ وہ پانی ہے جو ہم متفرق طور پر دودھ میں ڈالتے تھے یہ پانی جمع ہوتا رہا اور گائے کو لے گیا۔ اور یہ کیسے نہیں ہوگا۔

جب کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

دو خرید و فروخت کرنے والوں کو ان کے سودے میں برکت دی جاتی ہے جب سچ بولیں اور خیر خواہی کریں جب

---

(۱) الترغیب والترہیب جلد ۲ ص ۵۷۰ کتاب البیوع

(عیب) چھپا دیں اور جھوٹ بولیں تو برکت چلی جاتی ہے۔ (۱)

ایک دوسری حدیث میں یوں آیا ہے۔

دو شریکوں پر اللہ تعالیٰ کا ہاتھ ہے جب تک خیانت نہ کریں جب خیانت کریں تو اللہ تعالیٰ (کی رحمت) کا ہاتھ اٹھ جاتا ہے (۲) تو خیانت سے مال میں اضافہ نہیں ہوتا جیسے صدقہ سے کم نہیں ہوتا۔ اور جو آدمی کمی زیادتی کو ترازو سے ہی معلوم کرتا ہے وہ اس حدیث کی تصدیق نہیں کرے گا۔ اور جس آدمی کا یقین ہو کہ، ایک درھم میں برکت دی جاتی ہے حتیٰ کہ وہ انسان کے لئے دنیا اور آخرت میں سعادت کا باعث بنتا ہے اور کبھی اللہ تعالیٰ ہزاروں میں سے برکت کو نکال دیتا ہے حتیٰ کہ وہ مالک کی ہلاکت کا باعث بن جاتے ہیں اور وہ تمنا کرتا ہے کہ کاش یہ ہزاروں میرے پاس نہ ہوتے اور بعض حالات میں اس بات (ہزاروں روپے نہ ہوتے) کو اپنے لیے زیادہ مناسب خیال کرتا ہے، تو وہ ہمارے اس قول کا مطلب سمجھ جاتا ہے کہ خیانت سے مال میں اضافہ نہیں ہوتا اور صدقہ مال کو کم نہیں کرتا۔

دوسری بات یہ ہے کہ اسے ایسا عقیدہ رکھنا چاہیئے جس کے ذریعے خیر خواہی مکمل اور آسان ہو جائے وہ یہ کہ اسے معلوم ہونا چاہیئے کہ آخرت کا نفع اور بالداری دینوی نفع سے بہتر ہے اور دینوی مال کے فوائد زندگی ختم ہونے کے ساتھ ہی ختم ہو جاتے ہیں جب کہ ان کی زیادتیاں اور گناہوں کے بوجھ باقی رہتے ہیں، تو عقلمند آدمی اس بات کو کیسے جائز قرار دے گا کہ وہ اعلیٰ کے بدلے ادنیٰ حاصل کرے۔ اور تمام کی تمام بھلائی دین کی سلامتی ہی ہے، رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ (کلمہ طیبہ) ہمیشہ لوگوں سے اللہ تعالیٰ کی ناراضگی کو دُور رکھتا ہے جب تک وہ اپنی دنیا کے معاملہ کو آخرت پر ترجیح نہ دیں"۔ (۳)

ایک دوسری حدیث میں ہے کہ جب تک وہ اس بات کی پرواہ نہ کریں کہ دین کی سلامتی سے کس قدر ان کی دنیا میں نقصان ہوا ہے جب وہ ایسا کریں اور لا الٰہ الا اللہ بھی پڑھیں تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے تم نے جھوٹ کہا تم سچے نہیں ہو۔ (۴)

ایک دوسری حدیث شریف میں ہے۔

مَنْ قَالَ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُخْلِصًا دَخَلَ الْجَنَّۃَ۔

جو آدمی اخلاص سے لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ پڑھتا ہے وہ جنت میں داخل ہوگا۔

---

(۱) صحیح بخاری جلد اوّل ص ۲۷۹ کتاب البیوع

(۲) سنن ابی داؤد جلد ۲ ص ۱۲۴ کتاب البیوع

(۳) مجمع الزوائد جلد ۷ ص ۲۷۷ کتاب الفتن

(۴) مجمع الزوائد جلد ۷ ص ۲۷۷ کتاب الفتن

عرض کیا گیا اس کا اخلاص کیا ہے؟ آپ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ کے حرام کردہ کاموں سے اپنے آپ کو بچائے (۱)
آپ سے یہ بھی فرمایا:

مَا اٰمَنَ بِالْقُرْاٰنِ مَنِ اسْتَحَلَّ مَحَارِمَهٗ۔ جو شخص قرآن پاک کے حرام قرار دیئے گئے کاموں کو حلال جانتا ہے وہ قرآن پاک پر ایمان نہیں لایا۔ (۲)

جو آدمی جانتا ہو کہ یہ امور اس کے ایمان میں خرابی پیدا کرتے ہیں اور اس کا ایمان آخرت میں اس کا مالِ تجارت ہے تو وہ اپنے اصل مال کو جو تیار کیا گیا ہے، اس زندگی کے لیے ضائع نہیں کر سکتا، جو چند روزہ ہے۔ یعنی وہ ایسا نفع حاصل نہیں کرتا جس سے چند دن نفع حاصل کیا جائے۔

ایک تابعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں اگر میں مسجد میں داخل ہوں اور وہ نمازیوں سے بھری ہوا اور مجھ سے پوچھا جائے کہ ان میں سے کون بہتر ہے؟ تو میں کہوں گا ان کے لیے زیادہ خیر خواہ کون ہے؟ جب وہ کہیں فلاں آدمی، تو میں کہوں گا یہی سب سے بہتر ہے۔

اور اگر مجھ سے پوچھا جائے کہ ان میں سے بُرا کون ہے؟ تو میں سوال کروں گا ان میں سے زیادہ دھوکہ دینے والا کون ہے؟ جب وہ کہیں "یہ آدمی" تو میں کہوں گا یہ سب سے بُرا شخص ہے۔

تو دھوکہ دینا تمام قسم کے سودوں اور صنعتوں میں حرام ہے پس کاریگر کو بھی اس قسم کی سستی نہیں کرنی چاہیئے کہ اگر کوئی دوسرا اس کے ساتھ یہ معاملہ کرے تو یہ اس بات کو اپنے لیے پسند نہ کرے بلکہ اسے چاہیے کہ اچھی طرح کام کرے اسے مضبوط بنائے اور پھر بھی اگر کوئی عیب ہو تو بتا دے اس طرح وہ نجات حاصل کر سکتا ہے۔

ایک موچی نے حضرت علی بن سالم بصری رحمہ اللہ سے پوچھا کہ جوتوں کی تجارت میں کس طرح محفوظ رہ سکتا ہوں؟ انہوں نے فرمایا دونوں رُخ برابر کرنا اور دائیں کو بائیں پر فضیلت نہ دینا اور اس میں بھرتی اچھی طرح کرنا تاکہ وہ ایک ہی مکمل چیز ہو جائے سلائی قریب قریب کرنا اور ایک جوتے کو دوسرے پر نہ رکھنا۔

اسی قسم کا سوال حضرت امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ سے کیا گیا آپ سے کپڑے میں رفو کے بارے میں پوچھا گیا، جو واضح نہ ہو؟ تو انہوں نے فرمایا کہ بیچنے والے کے لیے اس کا چھپانا جائز نہیں البتہ جب اسے پتہ ہو کہ دوسرا شخص اسے محض جاننا چاہتا ہے یا وہ خریدنے کا ارادہ نہیں رکھتا تو نہ بتانا جائز ہے۔

سوال:

---

(۱) المعجم الکبیر للطبرانی جلد ۵ ص ۱۹۷ حدیث نمبر ۵۰۷۲

(۲) جامع الترمذی ص ۴۳۱، الباب فضائل القرآن

اگر عیب بیان کرنا ضروری ہو تو سودا کبھی نہ ہو سکے گا۔

جواب :

یہ بات نہیں ہے کیوں کہ تاجر کے لیے شرط ہے کہ وہ بیچنے کے لیے وہی چیز خریدے جو کھری ہو اور اگر وہ خود رکھنا چاہئے تو اسے پسند ہو۔ پھر وہ تھوڑے نفع پر سودا کرنے پر صبر کرے تو اللہ تعالیٰ اسے برکت عطا فرمائے گا۔ اور اسے دھوکہ دینے کی ضرورت نہیں ہوگی یہ بات (عیب بیان کرنا) اس لیے مشکل ہوتی ہے کہ لوگ تھوڑے نفع پر قناعت نہیں کرتے اور زیادہ نفع دھوکے کے بغیر نہیں ملتا۔ تو جس شخص کی یہ عادت ہوگی وہ عیب کو نہیں چھپائے گا، اور اگر کبھی اس کے پاس کوئی عیب والی چیز آئے تو وہ اس کا ذکر کرے گا۔ اور اس کی قیمت پر صبر کرے گا۔ حضرت ابن سیرین رحمہ اللہ نے ایک بکری بیچی اور خریدار سے فرمایا اس میں ایک عیب بھی ہے وہ یہ کہ چارے کو پاؤں سے پلٹ دیتی ہے۔ حضرت حسن بن صالح رحمہ اللہ نے ایک لونڈی بیچی تو خریدار سے فرمایا اسے ہمارے ہاں ایک دفعہ ناک سے خون آیا تھا۔

تو دیندار لوگوں کا طریقہ یہ تھا جو آدمی ایسا نہ کر سکے وہ معاملات کرنا چھوڑ دے یا اپنے آپ کو آخرت کے عذاب کے لئے تیار کرے۔

۲۔ اس کی مقدار میں سے کچھ بھی نہ چھپائے اور یہ اسی صورت میں ہوگا جب ترازو برابر ہو اور اس میں احتیاط کرے اسی طرح ناپتے وقت بھی۔ تو جس طرح دوسروں سے ناپ کر لیتا ہے ان کو بھی اسی طرح ناپ کر دے۔

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا :

وَيْلٌ لِّلْمُطَفِّفِينَ الَّذِينَ إِذَا اكْتَالُوا عَلَى النَّاسِ يَسْتَوْفُونَ وَإِذَا كَالُوهُمْ أَوْ وَّزَنُوهُمْ يُخْسِرُونَ - (۱)

کم تولنے والوں کے لئے خرابی ہے کہ جب وہ لوگوں سے لیتے ہیں تو پورا پورا ناپ کرتے ہیں اور جب ان کے لیے ناپتے یا وزن کرتے ہیں تو کمی کر دیتے ہیں۔

تو اس سے نجات کی صورت یہی ہے کہ جب دے تو زیادہ دے اور جب خود لے تو کم لے کیوں کہ عدلِ حقیقی کا تصور مشکل ہے۔ تو وہ زیادتی اور کمی کے ساتھ اسے ظاہر کرے کیونکہ جو شخص اپنا حق پورا پورا لینا چاہتا ہے تو ممکن ہے اس سے زیادتی ہو جائے۔

ایک بزرگ فرماتے تھے کہ میں ایک دانے کے بدلے میں اللہ تعالیٰ سے ویل (جہنم) نہیں خرید سکتا تو وہ لیتے وقت نصف دانا کم لیتے۔

اور جب دوسروں کو دیتے تو ایک دانا زیادہ دیتے اور فرماتے اس شخص کے لیے خرابی ہے جو ایک دانے کے بدلے

---

(۱) قرآن مجید، سورۂ مطففین آیات ۱، ۲، ۳

اس جنت کو بیچتا ہے جس کی چوڑائی آسمانوں اور زمین کے برابر ہے اور وہ آدمی کس قدر نقصان میں ہے جو طوبیٰ (جنتی درخت) کو جہنم کی ایک وادی کے بدلے بیچ دیتا ہے نوان لوگوں نے اس سلسلے میں اپنے آپ کو خوب بچایا بلکہ شبہات سے بھی محفوظ رہے کیوں کہ یہ مظالم ہیں اور ان سے توبہ ممکن نہیں اس لیے کہ وہ نہیں جانتا کہ یہ کس کس کا حق ہے کہ ان سب کو جمع کر کے دے دے یہی وجہ ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب کوئی چیز خریدتے تو رقم تولنے والے سے فرماتے تولو اور جھکتا تولو۔ (۱)

حضرت فضیل رضی اللہ عنہ نے اپنے بیٹے کو دیکھا کہ وہ دینار کو دھو رہا تھا کہ اسے خرچ کرنا مقصود تھا، وہ اس سے میل کچیل دور کر کے صاف کر رہے تھے تاکہ اس وجہ سے اس کا وزن زیادہ نہ ہو جائے۔ انہوں نے فرمایا بیٹا! تمہارا یہ عمل دو حج اور بیس عمروں سے زیادہ فضیلت کا باعث ہے، ایک بزرگ نے فرمایا کہ مجھے تاجر اور بیچنے والے پر تعجب ہے وہ کیسے نجات پائے گا۔ دن کے وقت وزن کرتے ہوئے قسم کھاتا ہے اور رات کو سویا رہتا ہے (عبادت نہیں کرتا)، حضرت سلیمان علیہ السلام نے اپنے صاحبزادے سے فرمایا اے بیٹے! جیسے دانہ دو پتھروں کے درمیان داخل ہوتا ہے اسی طرح سودا کرنے والے دو آدمیوں کے درمیان گناہ بھی داخل ہوتا ہے کسی نیک بزرگ نے ایک ہجڑے کی نماز جنازہ پڑھائی ان کو بتایا گیا کہ وہ فاسق تھا، تو وہ خاموش رہے دوبارہ یہی بات کہی گئی تو انہوں نے فرمایا گویا تم مجھے یہ بات بتا رہے ہو کہ اس کے پاس دو ترازو (باٹ) تھے ایک کے ساتھ دیتا اور دوسرے کے ساتھ لیتا تھا انہوں نے اس بات کی طرف اشارہ کیا کہ اس کا فسق ایک ایسا ظلم ہے جو اس کے اور اللہ تعالیٰ کے درمیان ہے اور یہ (وزن میں کمی زیادتی) بندوں پر ظلم ہے اور اس میں چشم پوشی کرنا اور معاف کرنا دور کی بات ہے۔

یعنی ترازو کے معاملے میں سختی زیادہ بڑی ہے اور اس سے ایک دانے یا آدھے دانے کے ذریعے چھٹکارا حاصل ہو جاتا ہے۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی قرأت میں ہے۔

لَا تَطْغَوْا فِی الْمِیْزَانِ وَاَقِیْمُوا الْوَزْنَ بِاللِّسَانِ وَلَا تُخْسِرُوا الْمِیْزَانَ (۲)

تولنے میں کمی نہ کرو اور وزن کو زبان کے ساتھ قائم کرو اور کم تول کر نہ دو۔

یعنی آپ کی قرأت " واقیموا الوزن بالقسط " کی جگہ " واقیموا الوزن باللسان " ہے یعنی ترازو کی زبان ——— کیوں کمی اور زیادتی اس کے اِدھر اُدھر ہو جانے سے ہو جاتی ہے۔

---

(۱) سنن ابن ماجہ ص ۱۶۱، ابواب التجارات

(۲) قرآن مجید، سورۃ الرحمٰن آیت ۸، ۹ کی قرأت عبداللہ بن مسعود اس طرح ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ جو شخص اپنے لیے دوسروں سے انصاف چاہتا ہے اگرچہ ایک کلمہ کے ساتھ ہو لیکن جو انصاف چاہتا ہے خود نہیں کرتا تو وہ اسی آیت کریمہ کے تحت داخل ہے۔

وَيْلٌ لِّلْمُطَفِّفِيْنَ الَّذِيْنَ اِذَا اكْتَالُوْا عَلَى النَّاسِ يَسْتَوْفُوْنَ۔ (۱)

ان کم تولنے والوں کے لیے خرابی ہے جو لوگوں سے پورا پورا تول لیتے ہیں۔

تو یہاں ناپ کی کمی اس لیے حرام نہیں کہ وہ ناپ میں کمی ہے بلکہ اس کا مقصد یہ ہے کہ اس نے انصاف کو چھوڑ دیا اور وہ تمام اعمال میں جاری ہوتا ہے تو ترازو والا جہنم کے خطرہ میں ہے اور ہر آدمی اپنے اعمال، اقوال اور خیالات میں وزن کرنے والا ہے تو اس کے لیے خرابی یہ ہے کہ وہ عدل و انصاف سے پھر گیا، اور اس نے سیدھا راستہ چھوڑ دیا اگر یہ بات مشکل اور محال نہ ہوتی تو اللہ تعالیٰ یوں ارشاد نہ فرماتا:

وَاِنْ مِّنْكُمْ اِلَّا وَارِدُهَا كَانَ عَلٰى رَبِّكَ حَتْمًا مَّقْضِيًّا۔ (۲)

اور تم میں سے کوئی ایسا نہیں جس نے دوزخ پر سے نہ گزرنا ہو یہ آپ کے رب کی طرف سے ایک مقرر بات ہے۔

تو کوئی شخص بھی اس میلان سے خالی نہیں یعنی حقیقی استقامت کسی میں نہیں پائی جاتی البتہ راہ حق سے دوسری طرف میلان کے مختلف درجات ہیں اور ان میں بہت زیادہ تفاوت ہے۔ اسی لیے جہنم میں ان کے ٹھہرنے کی مدت میں بھی فرق ہے یہاں تک کہ چھٹکارا پائیں۔ حتیٰ کہ ان میں سے بعض محض قسم کے پورا ہونے کی مقدار ٹھہریں گے اور بعض ہزاروں سال رہیں گے۔ ہم اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں عرض کرتے ہیں کہ وہ ہمیں استقامت اور عدل کے قریب کرے کیوں کہ صراط مستقیم پر اس طرح استقامت کی امید نہیں ہو سکتی کہ کسی طرف میلان نہ ہو کیونکہ وہ بال سے زیادہ باریک اور تلوار سے زیادہ تیز ہے۔ اگر یہ بات نہ ہوتی تو جو شخص اس پر مستقیم ہوتا وہ اس راستے سے گزرنے کی طاقت نہ رکھتا، جو جہنم کے اوپر ہے اور وہ بال سے زیادہ باریک اور تلوار سے زیادہ تیز ہے۔

جو آدمی غلے میں مٹی وغیرہ ملا کر اس کو ناپتا ہے وہ ناپ میں کمی کرنے والوں میں شامل ہے اور ہر وہ قصاب جو گوشت میں ہڈی ملا کر اسے تولتا ہے حالانکہ اس ہڈی کو ساتھ تولنے کا رواج نہیں ہے تو وہ وزن میں کمی کرتا ہے، تمام ناپ تول والی چیزوں کو اسی پر قیاس کر حتیٰ کہ وہ گز جو کپڑا بیچنے والا استعمال کرتا ہے جب وہ کپڑا خریدتا ہے تو ناپتے وقت کپڑے کو ڈھیلا چھوڑتا ہے اور اسے کھینچتا نہیں۔ اور جب بیچتا ہے تو اسے گز کے اوپر کھینچتا ہے تاکہ مقدار میں فرق ظاہر ہو یہ تمام امور اس کمی کرنے میں شامل ہیں جس کا مرتکب جہنم میں جائے گا۔

---

(۱) قرآن مجید، سورۂ مطففین آیات ۱، ۲، ۳

(۲) قرآن مجید، سورۂ مریم آیت ۱،

۴۔ موجودہ نرخ سچ سچ بتائے اور اس سے کچھ بھی نہ چھپائے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے باہر سے آنے والے قافلے سے شہر سے باہر جاکر ملاقات کرنے سے منع فرمایا (۱)

نیز آپ نے محض نرخ بڑھانے کے لئے بولی دینے سے بھی منع فرمایا (۲)

قافلے سے شہر کے باہر جاکر ملنے کا مطلب یہ ہے کہ وہ باہر جاکر ان سے ملاقات کرے اور نرخ کے بارے میں جھوٹ بول کر سامان خریدے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

لَا تَتَلَقَّوُا الرُّكْبَانَ (۳) قافلے والوں سے (باہر جاکر) ملاقات نہ کرو۔

اگر کوئی آدمی جاکر ملے تو سامان کے مالک کو بازار میں آنے کے بعد اختیار رہے اور یہ سودا منعقد ہو جائے گا۔ لیکن اگر اس کا جھوٹ ظاہر ہو جائے تو بیچنے والے کے لیے اختیار ثابت ہوگا۔ اور اگر اس نے سچ کہا ہے تو اب اختیار میں اختلاف ہے کیونکہ دھوکہ دہی کا ازالہ ہو گیا اور اس سلسلے میں روایات میں اختلاف ہے۔ شہری کا دیہاتی کے لیے سودا کرنا بھی ممنوع ہے (۴) اور اس کا مطلب یہ ہے کہ کوئی دیہاتی سامانِ رزق (غلہ وغیرہ) لے کر شہر میں آئے اور وہ فوری سودے کا ارادہ رکھتا ہو تو شہری اس سے کہے کہ میرے پاس چھوڑ جاؤ میں نرخ بڑھنے کا انتظار کروں گا اور مہنگا بیچوں گا۔ رزق کے معاملے میں ایسا کرنا حرام ہے جب کہ باقی سامان میں اختلاف ہے زیادہ ظاہر یہی ہے کہ حرام ہے کیونکہ نہی میں عموم ہے، دوسری بات یہ ہے کہ اس میں تاخیر کی وجہ سے لوگوں کو تنگی میں مبتلا کرنا ہے حالانکہ اس تنگ کرنے والے شہری کا فائدہ بھی کوئی نہیں۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دلالی سے بھی منع فرمایا اس کی صورت یہ ہے کہ کوئی شخص خریدنے میں رغبت رکھنے والے خریدار کے سامنے بیچنے والے سے زیادہ قیمت کے ساتھ طلب کرے حالانکہ وہ خریدنا نہیں چاہتا وہ محض خریدار کی رغبت کو متحرک کرنا چاہتا ہے اگر یہ عمل بیچنے والے کی ملی بھگت سے نہیں ہوا تو ایسا کرنے والے کی طرف سے حرام ہے اور سودا ہو جائے گا اور اگر بیچنے والے کی مرضی بھی شامل ہے تو خریدار کے لیے اختیار کے ثبوت میں اختلاف ہے کیونکہ یہ اس طرح کا دھوکہ ہے جس طرح تھنوں میں دودھ روکنے اور شہر سے باہر جاکر قافلے سے ملنے کی صورت میں دھوکہ ہوتا ہے۔

تو اس قسم کی ممانعت اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ موجودہ نرخ کو بیچنے یا خریدنے والے سے پوشیدہ رکھنا جائز نہیں اور اس سے ایسی بات کو بھی نہ چھپائے کہ اگر وہ اسے جان لیتا تو سودا نہ کرتا اس قسم کا عمل وہ دھوکہ ہے جو حرام ہے

---

(۱) صحیح بخاری جلد اول ص ۲۸۹ کتاب البیوع

(۲) صحیح بخاری جلد اول ص ۲۸۷ کتاب البیوع

(۳) صحیح بخاری جلد اول ص ۲۸۹ کتاب البیوع

(۴) صحیح بخاری جلد اول ص ۲۸۷ کتاب البیوع

اور اس خیر خواہی کے خلاف ہے جو واجب ہے ایک تابعی کے بارے میں منقول ہے کہ وہ بصرہ میں تھے اور ان کا غلام مقام سُوس میں تھا وہ شکر خرید کر اس کے پاس بھیجا کرتے تھے ایک دفعہ غلام نے لکھا کہ اس سال گنے پر آفت پڑگئی ہے تو آپ شکر خریدیں انہوں نے بہت سی شکر خرید لی جب اس کا وقت آیا تو تیس ہزار کا نفع ہوا۔ وہ گھر واپس آئے اور ساری رات سوچتے رہے اور فرمایا کہ مجھے تیس ہزار کا نفع ہوا لیکن مسلمان کی خیر خواہی میں نقصان ہوا دوسرے دن شکر بیچنے والے کے پاس چلے گئے اور اسے تیس ہزار درہم دے دیئے اور فرمایا اللہ تعالیٰ تجھے اس میں برکت عطا فرمائے اس نے کہا یہ میرے لیے کیسے ہوگئے؟ انہوں نے فرمایا کہ میں نے تم سے حقیقت حال کو چھپایا تھا اور اس وقت شکر مہنگی تھی اس نے کہا اللہ تعالیٰ آپ پر رحم فرمائے آپ نے مجھے اب مطلع کر دیا میں نے بخوشی آپ کو دے دیا چنانچہ وہ اپنے گھر واپس آئے اور سوچتے سوچتے رات بھر جاگتے رہے اور فرمایا میں نے خیر خواہی نہیں کی ممکن ہے اس شخص نے مجھ سے حیا کرتے ہوئے یہ رقم میرے لیے چھوڑ دی ہو چنانچہ دوسرے دن سویرے سویرے تشریف لے گئے اور فرمایا اللہ تعالیٰ تجھے معاف کرے اپنا مال لو میرے دل کی خوشی اسی میں ہے چنانچہ اس نے ان سے تیس ہزار درہم لے لئے۔

تو ممانعت کی یہ روایات اور حکایات اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ اس فرصت کو غنیمت سمجھ کر اور مال والے کی غفلت سے فائدہ اٹھا کر بیچنے والے یا خریدار سے نرخ چھپانا جائز نہیں اگر ایسا کرے گا تو ظالم ہوگا، اور مسلمانوں کی خیر خواہی اور انصاف کو چھوڑنے والا ہوگا اور جب نفع کے ساتھ بیچے اور یوں کہے کہ مجھے جتنے میں پڑی ہے اتنے پر بیچ رہا ہوں یا جتنے میں خریدی اتنے پر بیچ رہا ہوں تو اسے سچ بولنا چاہیے پھر اس پر یہ بھی لازم ہے کہ خریدنے کے بعد جو عیب یا نقصان پیدا ہوا اس کے بارے میں بتا دے اگر کسی مقررہ وقت تک ادھار خریدی ہے تو اس کا ذکر بھی کر دے اگر اپنے کسی دوست یا اولاد سے خریدی ہو اور اس کی چھان بین میں چشم پوشی سے کام لیا ہو تو اس کا ذکر بھی ضروری ہے کیوں کہ معاملہ کرنے والے (خریدار) کو اس بات پر اعتماد ہے کہ عام طور پر آدمی چھان بین کے بعد چیز لیتا ہے لہٰذا جب کسی سبب سے اس عمل (چھان بین) کو چھوڑ دیا تو بتانا ضروری ہے کیونکہ وہ اس کی ایمانداری پر اعتماد کرتا ہے۔

——— ٥ ———

چوتھا باب

معاملات میں احسان برتنا

اللہ تعالیٰ نے عدل و احسان دونوں کا حکم دیا ہے اور عدل ہی نجات کا باعث ہے اور تجارت میں وہ مالِ تجارت کی طرح (ضروری) ہے اور احسان، کامیابی اور خوش بختی کا سبب ہے اور تجارت میں یہ نفع کی طرح ہے لہٰذا وہ آدمی عقل مند لوگوں میں شمار نہیں ہوتا جو دنیوی معاملات میں صرف مال پر اکتفا کرے اسی طرح آخرت کا معاملہ ہے۔ لہٰذا دین دار آدمی کے لیے مناسب نہیں کہ عدل قائم کرنے اور ظلم سے بچنے پر ہی اکتفا کرے اور احسان کے دروازوں کو چھوڑ دے۔

ارشادِ خداوندی ہے۔

وَاَحْسِنْ کَمَآ اَحْسَنَ اللّٰہُ اِلَیْکَ - (۱) اور احسان کرو جیسے اللہ تعالیٰ نے تم پر احسان فرمایا۔

ارشادِ خداوندی ہے:

اِنَّ اللّٰہَ یَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ (۲) بے شک اللہ تعالیٰ عدل اور احسان کا حکم دیتا ہے

اور ارشادِ خداوندی ہے:

اِنَّ رَحْمَتَ اللّٰہِ قَرِیْبٌ مِّنَ الْمُحْسِنِیْنَ۔ (۳) بے شک اللہ تعالیٰ کی رحمت احسان کرنے والوں کے قریب ہے۔

احسان سے ہماری مراد وہ فعل ہے جس سے معاملہ کرنے والے کو نفع حاصل ہوتا ہے اگرچہ یہ اس پر واجب نہیں لیکن یہ اس کی طرف سے ایک زائد عمل ہے کیونکہ واجب، انصاف کرنے اور ظلم نہ کرنے میں داخل ہے اور ہم اسے ذکر کر چکے ہیں۔

حصولِ احسان:

مرتبۂ احسان، چھ باتوں میں سے ایک سے حاصل ہوتا ہے۔

ا۔ پہلی بات کا تعلق زیادہ سینے سے ہے تو اسے چاہیے کہ اپنے مقابل سے زیادہ نہ لے البتہ اس قدر جو عرف میں پایا جاتا ہے

---

(۱) قرآن مجید، سورۂ قصص آیت ۷۷

(۲) قرآن مجید، سورۂ النحل آیت ۹۰

(۳) قرآن مجید، سورۂ اعراف آیت نمبر ۵۶

لیکن اصل غبن (زیادہ لینے) کی اجازت ہے کیوں کہ سودے کا مقصد نفع حاصل کرنا ہے اور یہ اس وقت تک حاصل نہیں ہوتا جب تک کچھ زیادہ نہ لے لیکن اس بات کا خیال رکھا جاتا ہے کہ عادت کے مطابق ہو کیوں کہ خریدار جو کچھ عام نفع سے زیادہ دیتا ہے اس کی وجہ یا تو یہ ہوتی ہے کہ وہ اس چیز میں زیادہ رغبت رکھتا ہے یا اسے فوری طور پر شدید ضرورت ہوتی ہے لہذا اسے قبول کرنے سے رکنا چاہیے یہی احسان ہے۔

اور جب دھوکہ دہی نہ ہو تو زیادہ لینا ظلم نہیں لیکن بعض علماء اس طرف گئے ہیں کہ تہائی قیمت سے زیادہ نفع لینے کی صورت میں خریدار کو اختیار ہو گا لیکن یہ ہمارا موقف نہیں البتہ احسان یہ ہے کہ اس زائد رقم کو چھوڑ دے۔

ایک روایت میں ہے کہ یونس بن عبید کے پاس مختلف قیمتوں والے حلّے (قیمتی جوڑے) تھے کوئی چار سو کا اور کوئی دو سو کا تھا وہ نماز کے لیے گئے اور اپنے بھتیجے کو دوکان پر چھوڑ گئے ایک اعرابی آیا اور اس نے چار سو کا حلّہ مانگا اس نے دو سو والے جوڑوں میں سے ایک پیش کر دیا گاہک نے اسے پسند کیا اور خوشی خوشی خرید لیا وہ اسے ہاتھ میں پکڑے لے جا رہا تھا کہ راستے میں حضرت یونس سے ملاقات ہو گئی انہوں نے اپنے حلّے کو پہچان لیا اور اعرابی سے پوچھا کتنے کا خریدا ہے؛ اس نے کہا چار سو کا، انہوں نے فرمایا یہ دو سو سے زیادہ کا نہیں ہے جا کر واپس کر دو۔ اس نے کہا ہمارے شہر میں یہ پانچ سو کا ہے اور مجھے یہ پسند ہے۔ حضرت یونس نے فرمایا واپس جاؤ دین میں خیر خواہی، دنیا اور اس کے تمام مال سے بہتر ہے پھر وہ اسے دوکان پر لے آئے اور دو سو درہم واپس کر دیئے۔ اور اس سلسلے میں اپنے بھتیجے سے جھگڑا کیا اور لڑ پڑے اور فرمایا تجھے شرم نہ آئی؟ تو اللہ تعالیٰ سے نہ ڈرا تو قیمت کے برابر نفع لیتا ہے اور مسلمانوں کی خیر خواہی کو نظر انداز کر رہا ہے؟ اس نے کہا اللہ تعالیٰ کی قسم میں نے اس کی مرضی سے یہ رقم لی ہے انہوں نے فرمایا تو تم نے اس کے لیے اس بات کو کیوں پسند نہیں کیا جسے اپنے لیے پسند کرتے ہو۔

اور اگر اس صورت میں نرخ کو چھپایا جائے اور دھوکہ دیا جائے تو یہ ظلم ہے۔ اور اس کا بیان گزر چکا ہے،

حدیث شریف میں ہے:

غَبْنُ الْمُسْتَرْسِلِ حَرَامٌ (۱) اعتماد کرنے والے سے زیادہ لینا حرام ہے۔

حضرت زبیر بن عدی رحمہ اللہ فرماتے تھے کہ میں نے اٹھارہ صحابہ کرام کی زیارت کی ان میں سے ایک بھی اچھی طرح گوشت کی خریداری نہیں کر سکتے تھے تو اس قسم کے اعتماد کرنے والے اور سادہ لوح لوگوں سے زیادہ لینا ظلم ہے اور اگر دھوکہ نہ دے تو یہ احسان کو چھوڑنا ہے اور یہ عمل اس وقت تک نہیں ہو سکتا جب تک کچھ نہ کچھ دھوکہ نہ ہو، اور موجودہ نرخ کو پوشیدہ نہ رکھا جائے احسان محض وہ ہے جو حضرت سری سقطی رحمہ اللہ سے منقول ہے کہ انہوں نے باداموں کا ایک بورا ساٹھ دینار

(۱)

کے بدلے میں لیا اور اپنے روزنامچے میں اس کا نفع تین دینار لکھ دیا گویا انہوں نے دس پر نصف دینار مناسب سمجھا اب بادام ستر درہم کے ہوگئے دلال آیا اور اس نے بادام مانگے آپ نے فرمایا لے لو اس نے کہا کتنے کے ہیں؟ فرمایا۔ ترسیٹھ درہم کے ــ دلال جو نیکو کار لوگوں میں سے تھا کہنے لگا، بادام ستر درہم کے ہوگئے ہیں حضرت سری سقطی رحمہ اللہ نے فرمایا، میں نے ایک عہد کیا اسے نہیں توڑوں گا میں تو ترسیٹھ میں ہی بیچوں گا۔ دلال نے کہا میں نے بھی اللہ تعالیٰ سے وعدہ کیا ہے کہ کسی مسلمان کو دھوکہ نہیں دوں گا میں تو ستر درہم کے ہی لوں گا۔ حضرت زبیر فرماتے ہیں۔ نہ دلال نے ان سے بادام خریدے اور نہ حضرت سری سقطی رحمہ اللہ نے بیچے، تو یہ دونوں طرف سے احسان ہے کیونکہ حقیقت حال معلوم تھی۔

حضرت محمد بن منکدر رحمہ اللہ کے بارے میں مروی ہے کہ ان کے پاس جُبّے تھے کچھ پانچ اور کچھ دس درہم کے تھے۔ ان کی عدم موجودگی میں غلام نے پانچ درہم قیمت والوں میں سے ایک، دس درہم کے بدلے بیچ دیا جب انہیں علم ہوا تو وہ دن بھر اس دیہاتی خریدار کو تلاش کرتے رہے حتیٰ کہ اسے پالیا اور فرمایا کہ غلام نے غلطی سے پانچ درہم والا دس درہم پر بیچ دیا ہے اس نے کہا حضرت! میں اس قیمت پر راضی ہوں انہوں نے فرمایا اگرچہ تم راضی ہو لیکن میں تمہارے لیے اسی بات کو پسند کرتا ہوں جسے اپنے لیے پسند کرتا ہوں۔

تین باتوں میں سے ایک کو اختیار کر لو یا تو دس درہم قیمت والے جُبّوں میں سے ایک لے لو یا ہم پانچ درہم تمہیں واپس کرتے ہیں یا ہمارا جُبّہ واپس کر کے اپنی رقم لے جاؤ۔ اس نے کہا مجھے پانچ درہم دیجیے چنانچہ انہوں نے پانچ درہم واپس کر دیئے دیہاتی واپس ہوا اور وہ پوچھ رہا تھا کہ یہ بزرگ کون ہیں؟ کہا گیا کہ یہ حضرت محمد بن منکدر رحمہ اللہ ہیں اس نے کلمہ طیبہ پڑھا اور کہا کہ یہ وہ لوگ ہیں کہ ہم اپنی وادی میں قحط کی حالت میں ان کے صدقے میں بارش حاصل کرتے ہیں تو یہ احسان ہے کہ دس پر نصف یا ایک درہم سے زائد نہ لیا جائے جس طرح اس علاقے میں معروف طریقہ ہو۔

اور جو شخص تھوڑے نفع پر قناعت کرتا ہے اس کی تجارت بڑھتی ہے اور تجارت کے بڑھنے سے اسے نفع بھی زیادہ حاصل ہوتا ہے اور اسی وجہ سے برکت بھی ظاہر ہوتی ہے۔ حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ الکریم کوفے کے بازاروں میں دُرّہ لے کر پھرتے تھے اور فرماتے تھے اے تاجروں کے گروہ! اپنا حق لو اور دوسروں کا حق دو محفوظ ہو جاؤ گے تھوڑے نفع کو نہ لوٹاؤ زیادہ سے محروم ہو جاؤ گے۔

حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ سے پوچھا گیا آپ کی مالداری کا سبب کیا ہے انہوں نے فرمایا تین باتیں، میں نفع ہرگز واپس نہیں کرتا، اور جب مجھ سے کوئی جانور طلب کیا جاتا ہے تو میں اس کے سودے میں تاخیر نہیں کرتا اور میں ادھار سود انہیں دیتا کہا جاتا ہے کہ آپ نے ایک مرتبہ ایک ہزار اونٹنیاں بیچیں مگر نفع میں ان کی رسیاں ہی بچیں انہوں نے ہر رسی ایک درہم میں بیچی تو ایک ہزار درہم نفع ہوا اور ایک ہزار درہم ان اونٹنیوں کی اس دن کی خوراک سے بچ گئے۔ (یعنی دو ہزار نفع ہو گیا۔)

۲۔ زیادہ رقم برداشت کرنا، اگر خریدار کسی کمزور آدمی سے غلہ خریدے یا کسی فقیر سے کوئی چیز خریدے تو عام نفع سے کچھ زیادہ رقم دینے اور اس سلسلے میں آسانی پیدا کرنے میں کوئی حرج نہیں اور وہ محسن کہلائے گا۔ اور یہ شخص نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد گرامی کا مصداق ہوگا آپ نے فرمایا:

رَحِمَ اللّٰہُ امْرَأً سَھْلَ الْبَیْعِ سَھْلَ الشِّرَاءِ۔ (۱)

اللہ تعالیٰ اس شخص پر رحم فرمائے جو فروخت کرنے اور خریدنے میں آسانی پیدا کرتا ہے۔

البتہ جب کسی مالدار تاجر سے خریدے اور وہ حاجت سے زیادہ نفع طلب کرے تو اس کو زیادہ رقم دینا قابلِ تعریف نہیں ہے۔ بلکہ کسی اجر و ثواب اور قابل تعریف بات کے بغیر مال ضائع کرنا ہے اہل بیت کے طریقے سے مروی ایک روایت میں ہے:

اَلْمَغْبُوْنُ فِی الشِّرَاءِ لَا مَحْمُوْدٌ وَلَا مَاجُوْرٌ۔ (۲)

جو شخص خریدتے وقت نقصان اٹھائے وہ نہ تو قابل تعریف ہے اور نہ ہی اجر کا مستحق۔

حضرت ایاس بن معاویہ ابن قرہ بصرہ کے قاضی تھے اور وہ ارباب عقل تابعین میں سے تھے وہ فرماتے ہیں میں مکار نہیں ہوں اور نہ کوئی دھوکہ باز مجھے نقصان پہنچا سکتا ہے حضرت ابن سیرین کو بھی کوئی خسارہ نہیں پہنچا سکتا البتہ حضرت حسن بصری اور میرے والد یعنی معاویہ بن قریہ کو سودے میں نقصان ہو جاتا ہے۔

کمال یہ ہے کہ نہ کسی کو خسارہ پہنچاتے اور نہ خود خسارہ اٹھاتے جس طرح بعض حضرات نے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی تعریف میں ذکر کیا اور فرمایا کہ آپ اپنے کرم اور عقل کی وجہ سے دھوکہ نہیں کھاتے تھے حضرت امام حسن اور حضرت امام حسین اور دوسرے بلند مرتبہ اسلاف خرید و فروخت میں چھان بین سے کام لیتے تھے اس کے باوجود اچھا خاصہ مال دے دیتے تھے ان میں سے کسی سے پوچھا گیا کہ آپ تھوڑے سے مال کے لیے اتنی چھان بین کرتے ہیں اور پھر بہت سا مال دے دیتے ہیں اور اس کی پرواہ نہیں کرتے؟ انہوں نے فرمایا دینے والا اپنا فضل دیتا ہے اور جسے خسارہ ہوتا ہے وہ اپنی عقل کو نقصان پہنچاتا ہے ایک بزرگ نے فرمایا کہ میں اپنی عقل اور نگاہ کو خرچ کرتا ہوں بس کوئی دوسرا میری عقل کو نقصان نہیں پہنچا سکتا۔ اور جب میں دیتا ہوں تو اللہ تعالیٰ کے لیے دیتا ہوں پس میں اس سے زیادہ کا مطالبہ نہیں کرتا۔

۳۔ قیمت اور باقی تمام قرض کی وصولی میں احسان ـــــ اس سلسلے میں احسان تین طریقوں سے ہوتا ہے کبھی چشم پوشی کرنے اور کچھ حصہ معاف کر دینے سے ہوتا ہے کبھی مہلت دینے اور تاخیر سے وصول کرنے کے ذریعے ہوتا ہے اور بعض

---

(۱) صحیح بخاری جلد اول ص ۲۷۸ کتاب البیوع

(۲) المعجم الکبیر للطبرانی جلد ۳ ص ۸۳ حدیث ۲۷۳۲

اوقات کھرا سکہ طلب کرنے میں سہولت دینے کے ذریعے احسان ہوتا ہے یہ تمام باتیں مستحب ہیں اور ان کی ترغیب دی گئی ہے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

رَحِمَ اللّٰهُ امْرَاءً سَهْلَ الْبَيْعِ سَهْلَ الشِّرَاءِ سَهْلَ الْقَضَاءِ سَهْلَ الْاِقْتِضَاءِ۔ (۱)

اللہ تعالیٰ اس شخص پر رحم فرمائے جو خرید و فروخت اور لین دین میں آسانی برتتا ہے۔

تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا کو غنیمت سمجھنا چاہیئے آپ نے یہ بھی فرمایا۔

اِسْمَعْ يُسْمَحْ لَكَ (۲)

تم درگزر کرو تم سے درگزر کیا جائے۔

آپ نے ارشاد فرمایا:

مَنْ اَنْظَرَ مُعْسِرًا اَوْ تَرَكَ لَهٗ حَاسَبَهُ اللّٰهُ حِسَابًا يَسِيْرًا (۳)

جو آدمی کسی تنگدست کو مہلت دے یا بالکل معاف کر دے اللہ تعالیٰ اس کا حساب آسان فرمائے گا۔

دوسرے الفاظ میں یوں ہے۔

اَظَلَّهُ اللّٰهُ تَحْتَ ظِلِّ عَرْشِهٖ يَوْمَ لَا ظِلَّ اِلَّا ظِلُّهٗ (۴)

اللہ تعالیٰ اسے اس دن اپنے عرش کے سائے میں رکھے گا جس دن اس کے سایہ کے سوا کوئی سایہ نہ ہوگا۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کا ذکر فرمایا جو اپنے نفس پر زیادتی کرتا تھا (یعنی گناہ گار تھا) اس کا حساب کیا گیا تو کوئی نیکی نہ پائی گئی اس سے پوچھا گیا کیا تو نے کبھی نیکی بھی کی ہے؟ اس نے کہا نہیں البتہ میں لوگوں کو قرض دیا کرتا تھا تو میں اپنے ملازمین سے کہتا خوشحال لوگوں سے چشم پوشی کرو اور تنگ دستوں کو مہلت دو، دوسری روایت میں یوں ہے کہ تنگدست کو معاف کر دو۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔

"ہم اس بات کا اس سے زیادہ حق رکھتے ہیں چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اسے معاف کر دیا اور بخش دیا" (۵)

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"جو شخص ایک خاص وقت تک کے لیے ایک دینار قرض دے اسے اس وقت تک روزانہ صدقے کا ثواب ملتا ہے

---

(۱) صحیح بخاری جلد اول ص ۲۷۸ کتاب البیوع

(۲) مسند امام احمد بن حنبل جلد اول ص ۲۴۸ بروایت ابن عباس

(۳)

(۴) صحیح مسلم جلد ۲ ص ۴۱۶ کتاب الزہد

(۵) صحیح مسلم جلد ۲ ص ۱۸ کتاب المساقات

جب مدت پوری ہو جائے اور اس کے بعد وہ اسے مزید مہلت دے تو اسے اس کی مثل صدقے کا ثواب ملے گا۔" (۱)

اسلاف میں سے ایسے لوگ بھی تھے جو اس حدیث کی وجہ سے اپنے مقروض سے قرض وصول نہیں کرتے تھے تاکہ انہیں ہر روز اس رقم کے برابر صدقے کا ثواب ملے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

میں نے جنت کے دروازے پر لکھا ہوا دیکھا کہ صدقے کا ثواب اس کے دس گنا ملتا ہے اور قرض (میں مہلت) کا ثواب اٹھارہ گنا ملتا ہے۔ (۲)

اس کی وجہ یہ بیان کی گئی ہے کہ صدقہ محتاج اور غیر محتاج دونوں کے ہاتھوں میں جاتا ہے اور قرض لینے کی ذلت وہی برداشت کرتا ہے جو محتاج ہو۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو دیکھا جو قرض کی وصولی کے لیے کسی دوسرے آدمی کے پیچھے پڑا ہوا تھا آپ نے قرض خواہ کو اشارہ فرمایا کہ آدھا چھوڑ دو اس نے ایسا ہی کیا پھر آپ نے قرض دار سے فرمایا اٹھو اور ادا کرو۔ (۳)

جو آدمی کوئی چیز بیچے اور اس کی قیمت فی الحال وصول نہ کرے اور نہ اس کی طلب میں جلدی کرے وہ قرض دینے والے کے حکم میں ہے۔ ایک روایت میں ہے کہ حضرت حسن بصری رحمہ اللہ نے اپنی ایک خچر چار سو درھموں کے بدلے بیچی جب خریدار پر قیمت لازم ہوگئی تو اسے کہا اے ابوسعید! کچھ رعایت کریں آپ نے فرمایا میں نے ایک سو چھوڑ دیئے اس نے کہا اے ابوسعید! احسان فرمایئے آپ نے فرمایا میں مزید ایک سو چھوڑ دیا چنانچہ آپ نے اپنے حق سے دو سو درہموں پر قبضہ کیا انہیں کہا گیا اے ابوسعید! یہ تو نصف قیمت ہے انہوں نے فرمایا احسان تو اسی طرح ہوتا ہے بصورت دیگر نہیں ہوتا ایک حدیث شریف میں ہے۔

خُذْ حَقَّكَ فِي كَفَافٍ وَعَفَافٍ وَافٍ اَوْ غَيْرَ وَافٍ يُحَاسِبْكَ اللّٰهُ حِسَابًا يَسِيْرًا۔ (۴)

اپنے حق بطور کفایت اور عفت کے ساتھ لو پورا ہو یا نہ، اللہ تعالیٰ تمہارا حساب آسانی سے لے گا۔

۴۔ قرض کی ادائیگی:۔ اس میں احسان اچھی طرح ادائیگی کرنا ہے اور اس کی صورت یہ ہے کہ قرض خواہ کے پاس خود جائے اور اسے وصولی کے لیے اپنے پاس آنے کی تکلیف نہ دے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

---

(۱) سنن ابن ماجہ ص ۱۷۶، ابواب الصدقات

(۲) سنن ابن ماجہ ص ۱۷۶، ابواب الصدقات

(۳) صحیح بخاری جلد اول ص ۳۲۶ کتاب الخصومات

(۴) سنن ابن ماجہ ص ۱۷۶، ابواب الصدقات

خَيْرُكُمْ اَحْسَنُكُمْ قَضَاءً۔ (۱) تم ہی سے بہترین انسان وہ ہے جو اچھی طرح ادائیگی کرتا ہے

اور جب بھی ادائیگی پر قادر ہو فی الفور ادا کر دے اگرچہ وقت سے پہلے ہو اور جو شرط رکھی گئی ہے اس سے عمدہ اور اچھا دے اور اگر عاجز ہو تو نیت کرے کہ جب بھی قادر ہوگا ادا کرے گا۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"جو شخص قرض لے اور اسے واپس کرنے کی نیت کرے تو اللہ تعالیٰ اس کے لیے فرشتے مقرر کر دیتا ہے جو اس کی حفاظت کرتے ہیں اور اس کے لیے دعا مانگتے ہیں یہاں تک کہ وہ ادا کر دے۔" (۲)

اسلاف کی ایک جماعت صرف اس مقصد (فرشتوں کی دعاؤں) کے حصول کے لیے ضرورت کے بغیر قرض لیتی تھی اور جب قرض خواہ اس سے تلخ کلامی کرتے تو اسے برداشت کرتے اور مقابلے میں نرم گفتگو کرتے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اقتدا اسی میں ہے کیونکہ جب آپ کا قرض خواہ وقت پورا ہونے کے بعد حاضر ہوا اور آپ اس وقت ادائیگی نہیں کر سکتے تھے تو اس نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے سخت کلامی شروع کر دی صحابہ کرام رضی اللہ عنہ نے اس کے خلاف ارادہ کیا تو آپ نے فرمایا:

دَعُوْهُ فَاِنَّ لِصَاحِبِ الْحَقِّ مَقَالًا (۳) اسے چھوڑ دو حق دار کو بولنے کا حق ہوتا ہے۔

اور جب قرض دار اور قرض خواہ کے درمیان گفتگو ہو تو تیسرے آدمی کو چاہیے کہ وہ زیادہ تر مقروض کی طرف داری کرے کیونکہ قرض دینے والا، مالدار ہوتا ہے اور قرض لینے والا مجبوری کی وجہ سے قرض لیتا ہے اسی طرح عام طور پر خریدار کی حمایت کی جائے کیونکہ بیچنے والا، سامان سے بے غرض ہو کر اسے بیچتا ہے اور اسے رواج دیتا ہے جب کہ خریدار اس چیز کا محتاج ہے یہ زیادہ مناسب بات ہے البتہ مقروض حد سے تجاوز کرے تو اس وقت اس کی یوں مدد کی جائے کہ اسے زیادتی سے منع کیا جائے اور دوسرے شخص کی مدد کی جائے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اپنے بھائی کی مدد کرو وہ ظالم ہو یا مظلوم، عرض کیا گیا ظالم ہونے کی صورت میں ہم اس کی کس طرح مدد کریں؟ آپ نے فرمایا اسے ظلم سے منع کرنا اس کی مدد ہے (۴)

۵۔ اگر وہ سودا توڑنے چاہیے تو اس کی بات مان لے۔ کیونکہ وہی شخص سودا واپس کرتا ہے جو پشیمان ہوتا ہے اور

---

(۱) صحیح مسلم جلد ۲ ص ۳۰ کتاب المساقات

(۲) مسند امام احمد بن حنبل جلد ۶ ص ۲، مرویات عائشہ

(۳) صحیح مسلم جلد دوم ص ۳۰ کتاب المساقات

(۴) صحیح بخاری جلد اول ص ۳۳۱، ابواب المظالم

اسے اس سودے سے نقصان پہنچتا ہے اور اس بات کو پسند کرنا مناسب نہیں کہ وہ اپنے (مسلمان) بھائی کو نقصان پہنچانے کا باعث بنے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فرمایا:

جو شخص نادم ہونے والے کا سودا واپس لے لے اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کی لغزشوں کو معاف فرما دے گا (۱)
یا جیسے بھی آپ نے فرمایا:

۶- اگر فقراء سے معاملہ کرے تو ادھار دے اور یہ ارادہ کرے اگر انہیں میسر نہ ہوا تو وہ ان سے مطالبہ نہیں کرے گا۔ پہلے بزرگوں میں ایک بزرگ تھے جن کے پاس حساب کے دو رجسٹر تھے ان میں سے ایک مجہول تھا اس میں ان فقراء اور کمزور لوگوں کے نام تھے جنہیں وہ جانتے نہیں تھے۔

اور وہ یوں کہ ایک فقیر کھانا یا پھل دیکھتا تو وہ اس کی خواہش کرتا اور وہ کہتا کہ مجھے (مثلاً) پانچ رطل (اڑھائی کلو) کی ضرورت ہے اور میرے پاس پیسے نہیں ہیں وہ فرماتے لے جاؤ اور جب پیسے ہوں گے تو دے دینا اور اسلاف میں ایسے لوگوں کو بھی اچھا نہیں سمجھا جاتا تھا بلکہ اسے اچھے لوگوں میں شمار کیا جاتا جو فقیر کا نام رجسٹر میں بالکل نہ لکھتا اور نہ اسے قرض قرار دیتا بلکہ یوں کہتا کہ جو چاہتے ہو لے جاؤ اگر تمہیں خوش حالی حاصل ہو تو دے دینا ورنہ تمہارے لیے حلال ہے اور تمہارے لئے گنجائش ہے تو پہلے بزرگوں کی تجارت کا یہی طریقہ تھا اور یہ مٹ چکا ہے اب جو اس پر قائم ہو گویا وہ اس سنت کو زندہ کرنے والا ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ تجارت مردوں کے حق میں ایک کسوٹی ہے اور اس کے ذریعے آدمی کے دین اور تقویٰ کی آزمائش ہوتی ہے اسی لیے کہا گیا ہے۔ (ترجمہ اشعار)

"تجھے کسی شخص کی قمیص میں پیوند کا لگا ہونا یا اس کی شلوار کا ٹخنوں سے اوپر ہونا یا اس کی پیشانی کا چمکنا اور اس پر نشان دھوکہ نہ دے بلکہ روپے پیسے کے ذریعے اس کی گمراہی اور تقویٰ کی آزمائش کرو" اسی لیے کہا جاتا ہے کہ جب گھر میں کسی شخص کے پڑوسی سفر میں اس کے ساتھی اور بازاروں میں اس سے لین دین کرنے والے اس کی تعریف کریں تو اس کی نیکی میں شک نہ کرو۔

ایک گواہ نے حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس گواہی دی تو آپ نے فرمایا اپنے کسی جاننے والے کو لاؤ وہ ایک شخص کو لے آیا جس نے اس کی تعریف کی حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا تو اس کا قریبی پڑوسی ہے جو اس کے آنے جانے کی پہچان رکھتا ہے؟ اس نے کہا نہیں۔ آپ نے فرمایا تو اس کا رفیقِ سفر ہے کہ سفر میں اچھے اخلاق کا علم ہو جاتا ہے؟

(۱) سنن ابن ماجہ جلد ص ۱۶۰ ابواب التجارات

اس نے کہا نہیں آپ نے فرمایا کیا تو نے اس کے ساتھ درہم و دینار کا معاملہ کیا ہے جس کے ذریعے انسان کے تقویٰ کا علم ہوتا ہے ؟ اس نے کہا نہیں آپ نے فرمایا میرا خیال ہے تو نے اسے مسجد میں کھڑا دیکھا ہوگا کہ وہ قرآن پاک کو آہستہ آہستہ پڑھتا ہے کبھی سر کو جھکاتا ہے اور کبھی بلند کرتا ہے اس نے کہا جی ہاں (اسی طرح دیکھا ہے) فرمایا جاؤ تم اسے نہیں پہچانتے اور اس گواہ سے فرمایا جاؤ اور ایسے آدمی کو بلا لاؤ جو تمہیں پہچانتا ہو۔
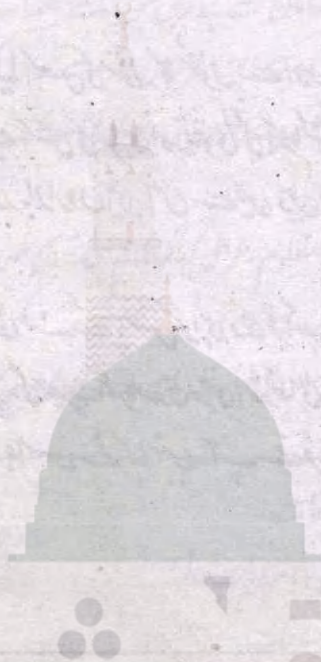
پانچواں باب

تاجر کا اپنے دین اور آخرت کے بارے میں ڈرنا

تاجر کے لیے مناسب نہیں کہ اس کی معیشت اسے آخرت سے غافل کر دے اور یوں اس کی عمر ضائع ہو جائے اور تجارت میں نقصان اٹھائے اس کا جو اُخروی نفع فوت ہو گا دنیا کا حاصل کردہ مال اس کے برابر نہیں ہو سکتا لہٰذا وہ ان لوگوں میں سے ہو جائے گا جو آخرت کے بدلے دنیا حاصل کرتے ہیں بلکہ عقل مند آدمی کو چاہیئے کہ وہ اپنے نفس کا خوف رکھے اور نفس کا خوف یہ ہے کہ اپنے اصل مال کی حفاظت کرے اور اس کا اصل مال اس کا دین اور اس میں تجارت ہے بعض بزرگوں نے فرمایا کہ عقل مند کے لیے زیادہ مناسب وہ چیز ہے جس کی حاجت سر دست ہو اور اس کی فوری ضرورت یہ ہے کہ اس کا انجام اچھا ہو۔ حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ نے اپنی وصیت میں فرمایا۔

تیرے لیے دینوی حصہ ضروری ہے لیکن تو اپنے اُخروی حصے کا زیادہ محتاج ہے پس تو اُخروی حصے سے ابتدا کرتے ہوئے اسے حاصل کر دنیا کا حصہ تو تجھے مل ہی جائے گا اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

وَلَا تَنْسَ نَصِيْبَكَ مِنَ الدُّنْيَا۔ (۱) اور دنیا سے اپنا حصہ بھول نہ جانا۔

یعنی دنیا میں سے اپنے آخرت کے حصے کو بھول نہ جانا کیونکہ یہ آخرت کی کھیتی ہے اور اس میں نیکیاں کمائی جاتی ہیں۔

سات امور:

تاجر کے لیے اپنے نفس کا خوف سات باتوں سے پورا ہوتا ہے۔

۱۔ تجارت کی ابتدا میں اچھی نیت اور عقیدے کا ہونا، پس وہ مانگنے سے بچنے، حلال مال کے ذریعے مالدار ہو کر لوگوں سے لالچ رکھنے سے بچنے کماتے ہوتے مال سے دین پر مدد حاصل کرنے اور اہل و عیال کی کفایت کی نیت کرے تاکہ وہ مجاہدین میں سے ہو جائے۔

اسے چاہیئے کہ وہ تمام مسلمانوں کی خیر خواہی کی نیت کرے اور تمام مخلوق کے لیے وہی بات پسند کرے جو اپنے لیے پسند کرتا ہے اور اپنے معاملات میں انصاف اور احسان کے راستے پر چلنے کی نیت کرے جیسا کہ ہم نے ذکر کیا ہے

---

(۱) قرآن مجید، سورۂ قصص آیت ۷۷

بازار میں جو کچھ دیکھے اس کے بارے میں نیکی کا حکم دیتے اور برائی سے روکنے کی نیت کرے۔

جب اس کی دل میں یہ عقائد اور نیت ہوگی تو وہ راہِ آخرت پر چلنے والا ہوگا پھر اگر مال بھی حاصل ہوگیا تو یہ زائد انعام ہے اور اگر دنیا میں نقصان ہوا تو آخرت کا نفع تو حاصل ہوگیا۔

۲۔ اپنی صنعت اور تجارت میں فرض کفایہ کو قائم کرنے کی نیت کرے کیوں کہ اگر تمام صنعتیں اور تجارتیں چھوڑ دی جائیں تو معیشت ختم ہوجائے اور اکثر لوگ ہلاک ہوجائیں لہٰذا تمام لوگوں کے انتظامات باہمی تعاون سے چلتے ہیں اور ہر فریق کسی ایک کام کی ذمہ داری اٹھاتا ہے اگر تمام کے تمام ایک ہی کام کرنے لگیں تو باقی کام معطل ہوجائیں اور لوگ ہلاک ہوجائیں بعض محدثین نے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد گرامی کا یہی مطلب لیا ہے آپ نے فرمایا۔

اِخْتِلَافُ اُمَّتِیْ رَحْمَۃٌ۔ (۱) میری امت کا اختلاف رحمت ہے۔

یعنی ان کا مختلف صنعتوں اور کاموں میں مصروف ہونا رحمت ہے اور بعض صنعتیں نہایت اہم ہیں اور بعض ضروری نہیں ہیں کیونکہ وہ محض دنیوی عیاشی اور زیب و زینت سے تعلق رکھتی ہیں۔

لہٰذا ایسے عمل میں مشغول ہونا چاہیے جو اہم ہے تاکہ اس کا اس عمل میں مشغول ہونا سب لوگوں کو کفایت کرنے اور دین میں مشغولیت شمار ہو نقش و نگار، زرگری اور چونے کے ذریعے عمارت کی مضبوطی اور وہ تمام کام جو دنیوی زیب و زینت سے تعلق رکھتے ہیں، ان سے بچے، ان تمام کاموں کو دیندار لوگوں نے ناپسند کیا ہے لہو و لعب کے آلات جن کا استعمال حرام ہے ان سے بچنا، ترکِ ظلم ہے۔

ان ہی کاموں میں سے مردوں کے لیے درزی کا مردوں کے لیے ریشمی لباس سینا ہے نیز زرگر کا مردوں کے لیے سونے کی کاٹھی اور انگوٹھی بنانا ہے یہ تمام گناہ کے کام ہیں اور ان کی اجرت لینا حرام ہے اسی لیے ہم اس پر زکوٰۃ واجب سمجھتے ہیں اگرچہ ہم زیورات پر زکوٰۃ فرض نہیں سمجھتے (یہ شافعی مسلک کے مطابق ہے احناف کے نزدیک زیورات پر بھی زکوٰۃ فرض ہے اگر وہ نصاب کو پہنچتے ہوں ۱۲ ہزاروی)

ان کاموں کا کرنا اس لئے ناجائز ہے کہ جب وہ مردوں کے لیے ارادہ کرے گا تو یہ حرام ہے اور جب تک عورتوں کے لیے تیار نہ کئے جائیں اور اس عمل کی نیت نہ کی جائے وہ جائز زیورات کا حکم حاصل نہیں کرسکتے، لہٰذا ان کے حکم کا دار و مدار نیت پر ہے اور ہم بیان کرچکے ہیں کہ غلّہ اور کفن بیچنا مکروہ ہے کیونکہ اس سے لوگوں کے مرنے اور مہنگائی کی صورت میں ان کے محتاج ہونے کا انتظار رہتا ہے قصاب کا پیشہ بھی پسندیدہ نہیں ہے کیوں کہ اس سے دل سخت ہوجاتا ہے پچھنے لگانا اور خاک روب بننا مکروہ ہے کیونکہ ان میں نجاست کے ساتھ اختلاط رہتا ہے اسی طرح

---

(۱) کنز العمال جلد ۱۰ ص ۱۳۶ حدیث ۲۸۶۸۶

کے دوسرے کام بھی ناپسندیدہ ہیں۔

حضرت ابن سیرین رحمہ اللہ نے دلالی کو مکروہ قرار دیا ہے حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ نے دلال کی اجرت کو مکروہ قرار دیا شاید اس کی وجہ یہ ہے کہ دلال جھوٹ بولنے سے بہت کم بچتا ہے نیز وہ سامان کو رواج دینے کے لیے اس کی تعریف میں مبالغہ کرتا ہے نیز اس کا عمل متعین نہیں ہوتا کبھی کم ہو جاتا ہے اور کبھی زیادہ اور اجرت میں کام کی مقدار کو نہیں دیکھا جاتا بلکہ کپڑے کی قیمت کا اندازہ لگایا جاتا ہے یہی طریقہ جاری ہے اور یہ ظلم ہے بلکہ مناسب تو یہ ہے کہ تھکاوٹ کے اندازے کو پیش نظر رکھا جائے۔

علماء کرام نے تجارت کے لیے جانور کی خریداری کو بھی پسند نہیں کیا کیونکہ خریدار کو اس میں حکم خداوندی پسند نہیں ہوتا ہے اور وہ جانور کا مر جانا ہے جو یقیناً واقع ہوتی ہے کہا گیا ہے کہ جانور کو بیچو اور بے جان چیزیں خریدو۔ بزرگوں نے بیع صرف (سونے چاندی کی باہم بیع) کو ناپسند فرمایا کیونکہ اس صورت میں سود کی باریکیوں سے بچنا مشکل ہوتا ہے اور اس لیے بھی کہ یہ صفات کی باریک باتوں کو طلب کرنا ہے اور اصل سونا چاندی مطلوب نہیں ہوتا محض اس کو رواج دینے کا قصد کیا جاتا ہے اور صراف کو اسی صورت میں نفع ہوتا ہے جب اسے معلوم ہو کہ اس کے ساتھ معاملہ کرنے والا نقدی کے باریک امور سے ناواقف ہے لہٰذا وہ احتیاط کے باوجود سلامت نہیں رہ سکتا۔ صراف اور دوسرے لوگوں کے لیے مکروہ ہے کہ اشرفیاں گال دیں البتہ ان کے کھرا ہونے میں شک ہو یا کوئی ضرورت ہو تو ٹھیک ہے۔

حضرت امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ فرماتے ہیں صحیح روایات میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام سے اس سلسلے میں ممانعت آئی ہے۔ اور میں (درھموں کو) توڑنا پسند نہیں کرتا۔ وہ فرماتے ہیں دیناروں کے بدلے درھم خریدے جائیں پھر درھموں کے بدلے سونا خرید کر اسے گالا جائے۔

بزرگانِ دین نے کپڑے کی تجارت کو پسند فرمایا۔ حضرت سعید بن مسیب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں مجھے کپڑے سے زیادہ کسی چیز کی تجارت پسند نہیں جب کہ اس میں قسمیں نہ ہوں ایک روایت میں ہے۔

خَيْرُ تِجَارَتِكُمُ الْبَزُّ وَخَيْرُ صِنَاعَتِكُمُ الْخَرْزُ۔ (۱)	تمہاری تجارتوں میں سے بہترین تجارت کپڑے کی تجارت ہے اور بہترین پیشہ موزے سینے کا ہے۔

ایک دوسری حدیث میں ہے۔

لَوْ تَجَرَ اَهْلُ الْجَنَّةِ لَا تَّجَرُوْا فِى الْبَزِّ وَلَوْ تَجَرَ اَهْلُ النَّارِ لَا تَّجَرُوْا	اگر جنتی تجارت کرتے تو کپڑے کی تجارت کرتے اور اگر جہنمی تجارت کرتے تو سونے چاندی کی تجارت

---

(۱) الاسرار المرفوعۃ ص ۱۱۸ حدیث ۷۴۴

فِی الصَّرْفِ (۱) کرتے۔

ہمارے اسلاف عام طور پر دس صنعتوں میں سے کسی صنعت سے وابستہ ہوتے تھے، موزے سینا، تجارت کرنا، بوجھ اٹھانا، کپڑے سینا، جوتوں کے پلے بنانا، کپڑے دھونا، جوتے سینا، لوہے کا کام کرنا، کاتنا، خشکی اور سمندر کا شکار کرنا اور کتابت کرنا۔

حضرت عبدالوہاب کاتب فرماتے ہیں حضرت امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ نے مجھ سے پوچھا تم کیا کام کرتے ہو؟ میں نے کہا کتابت کرتا ہوں انہوں نے فرمایا یہ اچھا کسب ہے اگر میں بھی اپنے ہاتھ سے کوئی کام کرتا تو تمہارے والا کام کرتا۔ پھر فرمایا کتاب لکھو تو درمیان میں لکھو اور حاشیہ چھوڑ دو اور کاغذ کی دوسری طرف نہ لکھو چار پیشے کرنے والے لوگ، کم عقلی کے ساتھ مشہور ہیں، جولاہے، روئی دھننے والے، کاتنے والے اور مکتب میں بچوں کو پڑھانے والے اس کی وجہ شاید یہ ہے کہ عام طور پر ان کا واسطہ عورتوں اور بچوں سے ہوتا ہے اور کم عقل لوگوں سے میل جول، عقل کو کمزور کر دیتا ہے جیسے عقلمند لوگوں کے ساتھ اٹھنا بیٹھنا عقل کو بڑھاتا ہے۔

حضرت مجاہد رحمہ اللہ سے منقول ہے کہ حضرت مریم علیہا السلام، حضرت عیسٰی علیہ السلام کی تلاش میں نکلیں تو ایک جولاہے پر گزر ہوا انہوں نے راستہ پوچھا تو اس نے غلط راستہ بتا دیا انہوں نے فرمایا یا اللہ! ان کے کسب سے برکت لے جا، انہیں محتاج کر کے مارنا۔ اور انہیں لوگوں میں رسوا کرنا چنانچہ ان کی دعا قبول ہو گئی۔

بزرگوں نے ہر اس عمل پر اجرت لینے کو ناپسند کیا ہے جو عبادات میں سے ہو یا فرض کفایہ ہو جیسے مردوں کو غسل دینا اور دفن کرنا اسی طرح اذان اور نماز تراویح پر اجرت لینا بھی۔ اگرچہ انہوں نے اس کے اجارے کو صحیح قرار دیا ہے۔ (اجرت لینا جائز ہے لیکن بچنا بہتر ہے) قرآن پاک کی تعلیم دینا یا شرعی احکام سکھانا بھی اسی میں شامل ہے۔ یہ وہ اعمال ہیں کہ ان میں آخرت کے لیے تجارت کرنی چاہیئے اور اجرت لینا آخرت کے بدلے دنیا لینا ہے اور یہ اچھی بات نہیں ہے۔

۳۔ دنیوی بازار، آخرت کے بازار سے نہ روکے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا۔

رِجَالٌ لَّا تُلْهِيهِمْ تِجَارَةٌ وَّلَا بَيْعٌ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ وَاِقَامِ الصَّلٰوةِ وَاِيْتَاۗءِ الزَّكٰوةِ۔ (۲)

کچھ وہ لوگ ہیں جنہیں ان کی تجارت اور سوداگری اللہ تعالیٰ کے ذکر قیام نماز اور زکوٰۃ کی ادائیگی سے نہیں روکتی۔

اور ارشاد باری تعالیٰ ہے:

---

(۱) الفردوس بماثور الخطاب جلد ۳ ص ۳،۴ حدیث ۵۱۳۲

(۲) قرآن مجید، سورۂ نور آیت ۳۷

فِي بُيُوْتٍ اَذِنَ اللهُ اَنْ تُرْفَعَ وَيُذْكَرَ فِيهَا اسْمُهٗ (۱) ایسے گھروں میں جن میں اللہ تعالیٰ نے اجازت دی کہ اس کا نام بلند کیا جائے اور اس کا ذکر کیا جائے۔

لہٰذا دن کے پہلے حصے کو بازار جانے تک آخرت کے لیے کرنا چاہیئے پس مسجد میں ٹھہر کر اوراد اور وظائف میں مشغول ہو کر۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ تاجروں سے فرمایا کرتے تھے۔ اپنے دن کے پہلے حصے کو اپنی آخرت کے لیے بناؤ اور بعد والے کو دنیا کے لیے، امت کے نیکوکار لوگ جو گزر گئے وہ دن کے اوّل و آخر کو آخرت کے لیے اور درمیان والے کو تجارت کے لیے بناتے تھے۔ چنانچہ صبح کے وقت ہریسہ (جیسے آجکل حلیم اور چنے وغیرہ) اور بکری کے سری پائے، بچے یا اہل کتاب ذمی بیچا کرتے تھے کیوں دوسرے مسلمان ابھی تک مساجد میں ہوتے تھے، ایک حدیث شریف میں ہے۔

"جب فرشتے کسی بندے کا اعمال نامہ لے کر جاتے ہیں اور اس میں لکھا ہوتا ہے کہ اس نے دن کا اول و آخر ذکر خداوندی اور نیکی میں گزارا ہے تو درمیان والے برے اعمال (صغیرہ گناہوں) کو اللہ تعالیٰ اس سے مٹا دیتا ہے (۲) ایک دوسری روایت میں ہے۔

رات اور دن کے فرشتے طلوع فجر اور عصر کے وقت اکٹھے ہوتے ہیں تو اللہ تعالیٰ ان سے پوچھتا ہے حالانکہ وہ ان سے زیادہ جانتا ہے (وہ پوچھتا ہے) تم نے میرے بندوں کو کس حالت میں چھوڑا؟ وہ عرض کرتے ہیں ہم نے انہیں چھوڑا تو وہ نماز پڑھ رہے تھے اور جب ہم ان کے پاس گئے تو بھی وہ نماز پڑھ رہے تھے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے میں تمہیں گواہ بناتا ہوں کہ میں نے ان کو بخش دیا (۳)

پھر جب دن کے درمیان میں ظہر کی اور اس کے بعد عصر کی اذان سنے تو وہ کام میں مشغول نہ ہو جائے بلکہ اپنی جگہ سے اُٹھے اور اپنی تمام مصروفیت کو چھوڑ دے کیونکہ پہلے وقت میں امام کے ساتھ تکبیر تحریمہ کی فضیلت کا چھوٹنا دنیا اور جو کچھ اس میں ہے اس میں سے کچھ بھی اس کا ازالہ نہیں کر سکتا۔ اور جماعت میں حاضر نہ ہونے سے بعض علماء کے نزدیک گناہ گار ہو جاتا ہے۔ ہمارے اسلاف اذان کے وقت جلدی کرنے اور بازاروں کو بچوں اور ذمی کافروں کے لیے چھوڑ دیتے تھے۔ وہ اوقاتِ نماز میں دوکانوں کی حفاظت کے لیے ان کو کچھ اجرت دیتے تھے۔ اور یہ ان لوگوں (اہل ذمہ) کا ذریعہ رزق تھا۔

ارشاد خداوندی ہے۔

---

(۱) قرآن مجید، سورۂ نور آیت ۳۶

(۲)

(۳) صحیح بخاری جلد ۲ ص ۱۱۱۵ کتاب الرد علی الجھمیۃ

رِجَالٌ لَّا تُلْهِيهِمْ تِجَارَةٌ وَّلَا بَيْعٌ عَنْ ذِكْرِ اللهِ۔ (۱)

وہ لوگ ہیں جن کو ان کی تجارت اور خرید و فروخت اللہ تعالیٰ کے ذکر سے نہیں روکتی۔

کی تفسیر میں ہے کہ وہ لوگ لوہار اور موچی تھے ان میں سے کوئی جب اذان سنتا اور اس نے ہتھوڑا اٹھایا ہوتا یا سوئی دبا رکھی، تو وہ ہتھوڑے کی ضرب نہ مارتے اور سوئی نہ نکالتے بلکہ نماز کے لیے کھڑا ہو جاتا۔

۴۔ صرف اسی (عبادت) پر اکتفا نہ کرے بلکہ بازار میں بھی ذکر خداوندی کو اختیار کرے اور تسبیح و تہلیل میں مشغول ہو بازار میں غافل لوگوں کے درمیان اللہ تعالیٰ کا ذکر افضل ہے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

ذَاكِرُ اللهِ فِي الْغَافِلِيْنَ كَالْمُقَاتِلِ خَلْفَ الْفَارِّيْنَ وَكَالْحَيِّ بَيْنَ الْأَمْوَاتِ۔

غافل لوگوں میں اللہ تعالیٰ کا ذکر کرنے والا ایسا ہے جیسے میدان جنگ سے بھاگنے والوں سے پیچھے رہنے والا اور جیسے مردوں کے درمیان زندہ۔

٭ ٭ ٭

دوسری روایت میں یوں ہے۔

كَالشَّجَرَةِ الْخَضْرَاءِ بَيْنَ الْهَشِيْمِ۔

جیسے سوکھی گھاس میں سرسبز درخت ہو۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"جو شخص بازار میں داخل ہونے کے بعد درج ذیل الفاظ پڑھے اس کے لیے دس لاکھ نیکیاں لکھی جاتی ہے۔ وہ الفاظ یہ ہیں۔

لَا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ يُحْيِيْ وَيُمِيْتُ وَهُوَ حَيٌّ لَّا يَمُوْتُ بِيَدِهِ الْخَيْرُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ (۲)

اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں وہ ایک ہے اس کا کوئی شریک نہیں اسی کی بادشاہی ہے اور وہی لائق حمد ہے۔

وہ زندہ رکھتا اور مارتا ہے وہ خود زندہ ہے اس کے لیے موت نہیں اسی کے اختیار میں بھلائی ہے اور وہ ہر چیز پر قادر ہے۔

حضرت ابن عمر، حضرت سالم بن عبداللہ اور محمد بن واسع رضی اللہ عنہم اسی ذکر کی فضیلت حاصل کرنے کے لیے بازار میں داخل ہوتے تھے۔

---

(۱) قرآن مجید سورۂ نور آیت ۳۷

(۲) جامع ترمذی ص ۴۹۴ ابواب الدعوات

حضرت حسن بصری رحمہ اللہ فرماتے ہیں بازار میں اللہ تعالیٰ کا ذکر کرنے والا قیامت کے دن اس طرح آئے گا کہ اس کی چمک، چاند کی چمک کی طرح ہوگی، اور اس کی برہان (حجت) سورج کی حجت کی طرح ہے اور جو آدمی بازار میں اللہ تعالیٰ سے بخشش طلب کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے گھر والوں کی تعداد کے مطابق اسے بخش دیتا ہے۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ جب بازار میں داخل ہوتے تو یہ کلمات پڑھتے۔

اَللّٰھُمَّ اِنِّیْٓ اَعُوْذُبِکَ مِنَ الْکُفْرِ وَ الْفُسُوْقِ وَمِنْ شَرِّمَا اَحَاطَتْ بِہِ السُّوْقُ اَللّٰھُمَّ اِنِّیْٓ اَعُوْذُبِکَ مِنْ یَمِیْنٍ فَاجِرَۃٍ وَصَفْقَۃٍ خَاسِرَۃٍ۔

اے اللہ! میں، کفر، نافرمانی اور ہر اس چیز کے شر سے تیری پناہ چاہتا ہوں جو بازار میں پائی جاتی ہے، یا اللہ میں جھوٹی قسم اور نقصان وہ سودے سے تیری پناہ کا طالب ہوں۔

حضرت ابو جعفر فرغانی فرماتے ہیں ایک دن ہم حضرت جنید رحمہ اللہ کے پاس تھے تو ان لوگوں کا تذکرہ ہونے لگا جو مساجد میں بیٹھتے ہیں اور صوفیاء کرام سے مشابہت اختیار کرتے ہیں اور مساجد میں بیٹھنے کے حق کے سلسلے میں جو کچھ ان پر واجب ہے اس میں کوتاہی خیال کرتے ہیں اور بازار میں جانے والوں پر اعتراض کرتے ہیں حضرت جنید رحمہ اللہ نے فرمایا بازار والوں میں کتنے ہی لوگ ایسے ہیں جن کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ مسجد میں داخل ہوں اور مسجد میں موجود بعض لوگوں کے کان پکڑ کر باہر نکالیں اور ان کی جگہ بیٹھ جائیں اور میں ایک شخص کو جانتا ہوں جو بازار میں جاتا ہے اور وہ روزانہ تین سو رکعات اور تیس ہزار تسبیحات پڑھتا ہے حضرت ابو جعفر فرغانی فرماتے ہیں میرے ذہن میں یہ بات آئی کہ اس سے وہ خود مراد ہیں۔

تو جو لوگ ضرورت کے تحت تجارت کرتے تھے عیاشی کے لیے نہیں ان کی تجارت اسی طرح ہوتی تھی کیونکہ جو آدمی دنیا کو آخرت پر مدد کے لیے حاصل کرتا ہے وہ اخروی نفع کو کیسے چھوڑ سکتا ہے۔ بازار، مسجد اور گھر کا ایک ہی حکم ہے اور نجات کا دار و مدار تقویٰ پر ہے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اِتَّقِ اللّٰہَ حَیْثُ کُنْتَ۔ (۱)

اللہ تعالیٰ سے ڈرو تم جہاں بھی ہو۔

تو تقویٰ کا وظیفہ دیندار لوگوں سے نہیں چھوٹتا ان پر جو بھی حالات آئیں ان کی زندگی اور عیش کا باعث یہی چیز ہے کیونکہ وہ اسی میں اپنی تجارت اور نفع دیکھتے ہیں کہا گیا ہے کہ جو آدمی آخرت کو پسند کرتا ہے وہ زندہ رہتا ہے اور جو دنیا سے محبت کرتا ہے وہ عقل کھو بیٹھتا ہے۔

بیوقوف آدمی صبح و شام باطل میں رہتا ہے اور عقل مند آدمی اپنے نفس کے عیب ڈھونڈتا رہتا ہے۔

---

(۱) سنن دارمی جلد ۲ ص ۲۳۱ کتاب الرقاق باب ۷۴

۵- بازار اور تجارت پر زیادہ حرص نہیں ہونی چاہیئے اس طرح کہ سب سے پہلے جائے اور سب سے آخر میں آئے (یہ حرص ہے) نیز تجارت کے لیے سمندر کا سفر کرے یہ دونوں باتیں مکروہ ہیں کہا جاتا ہے کہ جو آدمی سمندر کا سفر کرتا ہے وہ طلب رزق میں حد سے بڑھتا ہے۔

ایک حدیث شریف میں ہے۔

لَا يُرْكَبُ الْبَحْرُ اِلَّا بِحَجٍّ اَوْ عُمْرَةٍ اَوْ غَزْوٍ (۱) سمندر کا سفر حج، عمرہ یا جہاد کے علاوہ نہ کیا جائے۔

حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہما فرماتے تھے بازار میں سب سے پہلے داخل ہونے والے اور سب سے آخر میں نکلنے والے نہ ہو جاؤ کیوں کہ اس میں شیطان انڈے اور بچے دیتا ہے (مطلب یہ ہے کہ بازار کوئی اچھی جگہ نہیں لہٰذا ضرورت کے بغیر وہاں نہ جاؤ) حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ اور حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ شیطان اپنے لڑکے زلنبور سے کہتا ہے کہ تو اپنے لشکر کو بازار والوں کے پاس لے جا اور ان کے لیے جھوٹ، قسم، دھوکے اور مکر و خیانت کو مزین کر دے اور پہلے داخل ہونے اور آخر میں نکلنے والے کے ساتھ ہو جاؤ۔ ایک روایت میں ہے۔

شَرُّ الْبِقَاعِ الْاَسْوَاقُ وَشَرُّ اَهْلِهَا اَوَّلُهُمْ دُخُوْلًا وَاٰخِرُهُمْ خُرُوْجًا۔ (۲) بدترین جگہ بازار ہیں اور بازار والوں میں سے برے وہ لوگ ہیں جو بازار میں سب سے پہلے جاتے اور سب سے آخر میں واپس ہوتے ہیں۔

مکمل طور پر بچاؤ کی صورت یہ ہے کہ آدمی اپنے گزرے اوقات کا خیال رکھے جب اسے وقتی ضرورت حاصل ہو جائے واپس ہو جائے اور اُخروی تجارت میں مشغول ہو جائے پہلے بزرگوں کا طریقہ یہی تھا۔ ان میں سے ایسے لوگ بھی تھے کہ جب انہیں ایک دانق (درھم کا چھٹا حصہ) حاصل ہو جاتا تو واپس آجاتے اور اسی پر قناعت کرتے، حضرت حماد بن سلمہ، ریشمی کپڑے کا جامہ دان سامنے رکھ کر بیچتے جب جو کے دانے کے برابر چاندی کا نفع ہو جاتا تو واپس آجاتے۔ حضرت ابراہیم بن بیسار فرماتے ہیں میں نے حضرت ابراہیم بن ادھم رحمہ اللہ سے کہا کہ آج میں جا کر گارے کا کام کروں گا۔ انہوں نے فرمایا اے ابن بشار تو طالب بھی ہے مطلوب بھی۔ تجھے وہ طلب کرتا ہے جس سے تو بچ نہیں سکتا اور تو وہ چیز طلب کرتا ہے جس سے تجھے کفایت کی گئی۔ کیا تو نے حرص والے کو محروم اور کمزور کو رزق والا نہیں دیکھا (فرماتے ہیں) میں نے عرض کیا میرا ایک دانق (درھم کا چھٹا حصہ) سبزی فروش کے پاس ہے انہوں نے فرمایا یہ بات مجھے اور زیادہ گراں معلوم ہوئی کہ تم ایک دانق کے مالک ہو کر کام کرتے ہو۔

---

(۱) سنن ابی داؤد جلد اول ص ۳۴۳ کتاب الجهاد

(۲) مشکوٰۃ المصابیح ص ۷۱، باب المساجد فصل ثانی

ان بزرگوں میں سے بعض حضرات ظہر کے بعد واپس آجاتے تھے اور بعض عصر کے بعد، بعض وہ تھے جو ہفتے میں ایک یا دو دن کام کرتے تھے اور اسی پر اکتفاء کرتے تھے۔

۶۔ صرف حرام سے بچنے پر ہی اکتفاء نہ کرے بلکہ شبہات کے مقامات سے بھی بچے فتاوی کی طرف نہ دیکھے بلکہ اپنے دل سے فتویٰ مانگے جب اس میں کسی قسم کی خلش پائے تو اجتناب کرے اور جب اس کے پاس کوئی ایسا سامان آئے جس میں اسے شبہ ہو تو اس کے بارے میں پوچھ گچھ کرے یہاں تک کہ اس کی معرفت حاصل ہوجائے۔ ورنہ شبہے والی چیز کھاتے گا۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس دودھ لایا گیا تو آپ نے پوچھا تمہارے پاس یہ کہاں سے آیا ہے؟ انہوں نے عرض کیا بکری کا دودھ ہے آپ نے پوچھا تمہارے پاس بکری کہاں سے آئی ہے؟ عرض کیا گیا فلاں جگہ سے اس پر آپ نے وہ دودھ نوش فرمایا۔

پھر فرمایا ہم گروہ انبیاء کو حکم دیا گیا ہے کہ ہم صرف پاکیزہ چیز کھائیں اور اچھے کام کریں (۱)

آپ نے ارشاد فرمایا۔ اللہ تعالیٰ نے مومنوں کو اسی بات کا حکم دیا ہے جس کا انبیاء کرام کو حکم دیا (۲)

ارشاد خداوندی ہے:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُلُوا مِنْ طَيِّبَاتِ مَا رَزَقْنَاكُمْ۔ (۳)

اے ایمان والو! ان پاکیزہ چیزوں سے کھاؤ جو ہم نے تمہیں عطا کی ہیں۔

تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک چیز کی اصل اور اس اصل کی اصل کے بارے میں سوال کیا اس سے زیادہ کے بارے میں استفسار نہیں فرمایا کیونکہ اس سے اوپر کے بارے میں معلومات کا حصول) مشکل ہے۔ اس سوال کے وجوب کا مقام ہم ان شاء اللہ حلال و حرام کے بیان میں ذکر کریں گے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے پاس آنے والی ہر چیز کے بارے میں سوال نہیں کرتے تھے (۴)

تاجر پر واجب ہے کہ جس آدمی سے معاملہ کر رہا ہے اسے دیکھے اور جو آدمی ظلم، خیانت، چوری یا سود کے ساتھ معروف ہو اس سے معاملہ نہ کرے اسی طرح لشکریوں اور ظالم لوگوں کے ساتھ بھی لین دین نہ کرے اسی طرح ان کے دوستوں اور معاونین کے ساتھ بھی نہ کرے کیونکہ اس طرح وہ ظلم پر مدد کرنے والا ہوگا۔

---

(۱)

(۲) صحیح مسلم جلد اول ص ۳۲۶ کتاب الزکوٰۃ

(۳) قرآن مجید، سورۃ بقرۃ آیت ۱۷۲

(۴) مسند امام احمد بن حنبل جلد ۳ ص ۳۵۱ مرویات جابر بن عبداللہ

ایک بزرگ کے بارے میں منقول ہے کہ وہ کسی قلعے کی تعمیر پر مامور ہوئے وہ فرماتے ہیں اس سے میرے دل میں کچھ تردد پیدا ہوا اگرچہ یہ نیکی کا کام تھا، بلکہ اسلامی فرائض میں سے تھا لیکن جس امیر کی نگرانی تھی وہ ظالموں میں سے تھا۔ وہ فرماتے ہیں میں نے حضرت سفیان رضی اللہ عنہ سے پوچھا تو انہوں نے فرمایا کہ تھوڑے یا زیادہ کسی کام پر ان کے مددگار نہ بننا میں نے عرض کیا یہ دیوار تو اللہ تعالیٰ کے راستے میں مسلمانوں کے لیے بن رہی ہے؟ انہوں نے فرمایا یہ ٹھیک ہے لیکن کم از کم بات یہ ہے کہ تم ان لوگوں کی بقا کو پسند کرو گے تاکہ وہ تمہیں اجرت دیتے رہیں تو اس طرح تم اس شخص کا باقی رہنا پسند کرو گے جو اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کرتا ہے۔

حدیث شریف میں ہے۔

مَنْ دَعَا لِظَالِمٍ بِالْبَقَاءِ فَقَدْ اَحَبَّ اَنْ يُّعْصَى اللّٰهُ فِي اَرْضِهٖ (۱)

جو آدمی کسی ظالم کے باقی رہنے کی دعا کرتا ہے وہ اس بات کو پسند کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی زمین میں اس کی نافرمانی کی جائے۔

ایک دوسرے حدیث شریف میں ہے۔

اِنَّ اللّٰهَ لَيَغْضَبُ اِذَا مُدِحَ الْفَاسِقُ۔ (۲)

جب کسی فاسق کی تعریف کی جاتے تو اللہ تعالیٰ ناراض ہوتا ہے۔

ایک اور حدیث شریف میں ہے۔

مَنْ اَكْرَمَ فَاسِقًا فَقَدْ اَعَانَ عَلٰى هَدْمِ الْاِسْلَامِ (۳)

جو شخص کسی فاسق کی عزت کرتا ہے وہ اسلام (کی بنیاد) کو گرانے پر مدد کرتا ہے۔

حضرت سفیان ثوری رحمہ اللہ، مہدی کے پاس تشریف لے گئے اس کے ہاتھ میں سفید کاغذ تھا اس نے کہا اے سفیان مجھے دوات دیجیے تاکہ میں لکھوں انہوں نے فرمایا مجھے بتاؤ کیا لکھو گے اگر وہ حق ہے تو میں تمہیں دوات دوں گا۔ کسی امیر کے پاس کچھ علماء قید میں تھے اس نے ان میں سے ایک سے گیلی مٹی مانگی تاکہ اس کے ساتھ خط کو مہر لگائے انہوں نے فرمایا پہلے مجھے خط دو تاکہ میں دیکھوں کہ اس میں کیا ہے تو یہ لوگ اس طرح ظالم کی معاونت سے بچتے تھے اور معاملات میں نوبت زیادہ مدد ہوتی ہے لہذا دیندار لوگ جب تک بچ سکیں انہیں بچنا چاہیئے، خلاصہ یہ ہے کہ تاجر کو چاہیے کہ وہ لوگوں کو دو قسموں میں تقسیم کرے ایک وہ جن سے معاملہ کرے اور دوسرے وہ جن سے معاملہ نہ کرے اس زمانے میں

---

(۱) الاسرار المرفوعۃ ص ۲۳۱ حدیث ۹۰۶

(۲) شعب الایمان جلد ۴ ص ۲۳۰ حدیث ۴۸۸۵

(۳) مشکوٰۃ المصابیح ص ۳۱ باب الاعتصام بالکتاب والسنۃ فصل ثالث

کم لوگوں سے معاملہ کرنا چاہیے۔ بعض بزرگ فرماتے ہیں لوگوں پر ایسا زمانہ آیا تھا کہ ایک شخص بازار میں جا کر پوچھتا کہ تمہارے خیال میں کس شخص سے معاملہ کرنا مناسب ہے تو وہ فرماتے جس سے چاہو معاملہ کرو پھر دوسرا زمانہ آیا تو وہ کہتے تھے کہ جس سے چاہو معاملہ کرو لیکن فلاں فلاں سے نہ کرو پھر ایک اور زمانہ آیا تو کہا جاتا تھا کہ فلاں فلاں کے علاوہ کسی سے معاملہ نہ کرنا، اور مجھے ڈر ہے کہ ایسا وقت آئے جب یہ بات بھی نہ رہے گویا وہ جس بات سے ڈرتے تھے وہ آج موجود ہے۔ (اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ راجعون)

۷۔ جن لوگوں کے ساتھ معاملات اختیار کرے تو اپنے تمام حالات کی نگرانی کرے کیوں کہ وہ نگران اور محاسب ہے لہٰذا وہ حساب اور عذاب کے دن کے لیے جواب تیار کرے کیونکہ ہر قول و فعل کے بارے میں پوچھا جائے گا کہ وہ کیوں کیا اور کس کے لیے کیا؟ کہا جاتا ہے کہ قیامت کے دن تاجر کو ہر اس شخص کے ساتھ کھڑا کیا جائے جس پر اس نے کوئی چیز بیچی اور اس سے حساب لیا جائے گا اور یہ ان لوگوں کی تعداد کے مطابق ہوگا جن سے اس نے معاملہ کیا ہوگا۔ ایک بزرگ فرماتے ہیں میں نے خواب میں ایک تاجر کو دیکھا تو پوچھا اللہ تعالیٰ نے تیرے ساتھ کیا سلوک کیا؟ اس نے کہا اللہ تعالیٰ نے میرے سامنے پچاس ہزار اعمال نامے کھول کر رکھ دیئے میں نے پوچھا کیا یہ سب گناہ ہیں فرمایا یہ لوگوں کے ساتھ کئے گئے معاملات ہیں اور یہ ان لوگوں کی تعداد کے مطابق ہیں جن سے تو نے دنیا میں معاملہ کیا ہے۔ ہر انسان کے لیے الگ نامہ اعمال تھا جو میرے اور اس کے درمیان شروع سے آخر تک معاملہ ہوا۔

تو مال کمانے والے پر اپنے عمل میں جو عدل، احسان اور دین پر شفقت لازم ہے اس کا یہ بیان تھا۔ اگر صرف عدل کرے تو نیکو کار لوگوں میں سے ہوگا اگر اس کے ساتھ احسان بھی ملا دے تو مقربین لوگوں میں سے ہوگا اور اگر اس کے ساتھ ساتھ دینی ذمہ داریوں کا بھی لحاظ رکھے جیسا کہ پانچویں باب میں ذکر کیا گیا تو صدیقین میں سے ہوگا، واللہ اعلم بالصواب

اللہ تعالیٰ کی حمد و احسان سے آدابِ کسب کا بیان مکمل ہوگیا۔

حلال وحرام کا بیان

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں جس نے انسان کو چکنی، بجتی خشک مٹی (گارے) سے پیدا فرمایا پھر نہایت اچھے ڈھانچے میں اس کی شکل وصورت کو مرکب فرمایا اسے نہایت اعتدال پر رکھا بعد ازاں اس کی ابتدائی نشوونما اس دودھ سے کی جسے گوبر اور خون کے درمیان میں سے نکالا اور وہ پانی کی طرح آسانی کے ساتھ حلق سے اترتا ہے پھر اسے پاکیزہ رزق عطا کر کے کمزوری اور ٹوٹنے سے محفوظ فرمایا اس کے بعد اس کی دشمن شہوت کو اس پر غلبہ کرنے سے (روکتے ہوئے) قید میں رکھا اور اس پر رزقِ حلال کی تلاش فرض کر کے اس کے ذریعے شہوت کو قابو میں رکھا اور اسے توڑتے ہوئے شیطانی لشکر کو جو گمراہ کرنے کے لیے مستعد رہتا ہے بھگا دیا۔ شیطان انسانوں میں خون کی طرح گردش کرتا ہے پس حلال کی عزت نے اس کے راستوں کو تنگ کر دیا کیونکہ رگوں کی گمراہیوں میں اسے وہ شہوت ہی پھیلاتی ہے جو غلبہ اور بے تکلفی کی طرف مائل ہوتی ہے پس جب اسے حلال کی لگام ڈالی گئی تو وہ (شیطان) ذلیل ورسوا ہو گیا نہ اس کا کوئی مددگار ہے اور نہ حمایتی، حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر رحمت ہو جو گمراہی سے ہدایت دینے والے ہیں نیز آپ کی بہترین آل پر بھی رحمت ہو اور بہت زیادہ سلام ہو۔

حمد وصلوٰۃ کے بعد ــــ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

طَلَبُ الْحَلَالِ فَرِيْضَةٌ عَلٰى كُلِّ مُسْلِمٍ (۱) طلبِ حلال ہر مسلمان پر فرض ہے۔

اس حدیث کو حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے روایت کیا ہے تمام فرائض میں سے اس فرض کو سمجھنا عقل کے لیے نہایت مشکل ہے اور اسی طرح اس کی بجا آوری اعضا پر بھاری ہوتی ہے اسی لیے یہ علم وعمل کے اعتبار سے بالکل مٹ چکا ہے۔ اور اس کے علم کے دقیق ہونے کی وجہ سے عمل بالکل مٹ گیا کیوں کہ جاہل لوگوں کا خیال ہے کہ حلال مفقود ہے اور اس تک رسائی کے تمام راستے مسدود ہیں اور پاکیزہ چیزوں سے صرف نہروں کے پانی اور غیر مملوکہ زمین کے گھاس باقی رہ گئے ہیں۔ ان کے علاوہ جو کچھ ہے وہ ظالموں کے ہاتھوں اور معاملات فاسدہ کی وجہ سے خراب ہو چکا ہے تو جب سبزیوں میں سے صرف گھاس پر قناعت کرنا مشکل ہے تو حرام چیزوں سے وسیع فائدہ اٹھانے کے سوا کوئی چارۂ کار نہیں تو انہوں نے

---

(۱) الکامل لابن عدی جلد ۲ ص ۷۷۹، ترجمہ حسان بن سیاہ

دین کی اس اہم بنیاد کو بالکل چھوڑ دیا اور انہوں نے مالوں کے درمیان کوئی امتیاز نہ کیا حالانکہ ایسا نہیں بلکہ حلال بھی واضح ہے اور حرام بھی، اور ان دونوں کے درمیان کچھ شبہے والی چیزیں ہیں اور حالات جو بھی رُخ اختیار کریں یہ تینوں باہم ملے رہیں گے، تو جب اس بدعت کا نقصان دین میں عام ہے اور اس کی چنگاریاں تمام مخلوق میں پھیل گئی ہیں تو اس کی خرابی سے پردہ اٹھانا ضروری ہے اور وہ اس طرح کہ حلال و حرام اور شبہات کے درمیان فرق کے سلسلے میں تحقیقی بیان کے ذریعے راہنمائی کی جائے اور جمع کرنا ممکن ہے ——— ہم اس مضمون کو سات بابوں میں واضح کرتے ہیں۔

پہلا باب :۔ طلب حلال کی فضیلت اور حرام کی برائی نیز حلال و حرام کے درجات

دوسرا باب :۔ شبہات کے مراتب اور ان کے نکلنے کے مقامات

تیسرا باب :۔ حلال و حرام کے مقامات اور ان کے بارے میں بحث و سوال۔

چوتھا باب :۔ مالی جرائم سے توبہ کرنے والا کس طرح بری الذمہ ہو سکتا ہے۔

پانچواں باب :۔ بادشاہوں کے وظائف وانعامات اور ان میں سے کیا حلال ہے اور کیا حرام؟

چھٹا باب :۔ بادشاہوں کے پاس آمد و رفت اور ان سے میل جول۔

ساتواں باب : متفرق مسائل۔

پہلا باب

حلال کی فضیلت، حرام کی برائی، حلال اور حرام کے درجات اور ان میں تقویٰ کے مراتب

حلال کی فضیلت اور حرام کی برائی

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

كُلُوا مِنَ الطَّيِّبَاتِ وَاعْمَلُوا صَالِحًا (۱)

پاکیزہ چیزوں سے کھاؤ اور اچھے اعمال کرو۔

اللہ تعالیٰ نے عمل سے پہلے پاکیزہ چیزیں کھانے کا حکم دیا اور کہا گیا ہے کہ اس سے حلال مراد ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَلَا تَأْكُلُوا أَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ ۔(۲)

اور ایک دوسرے کے مال ناحق طریقے پر نہ کھاؤ۔

ارشادِ خداوندی ہے:

إِنَّ الَّذِينَ يَأْكُلُونَ أَمْوَالَ الْيَتَامَىٰ ظُلْمًا ۔ (۳)

بے شک وہ لوگ جو یتیموں کا مال ظلم کے طور پر کھاتے ہیں (عنقریب وہ بھڑکتی ہوئی آگ میں داخل ہوں گے۔)

ارشاد خداوندی ہے:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَذَرُوا مَا بَقِيَ مِنَ الرِّبَا إِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ ۔ (۴)

اے ایمان والو! اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور جو سود باقی ہے اسے چھوڑ دو اگر تم مومن ہو۔

پھر ارشاد فرمایا:

فَإِنْ لَمْ تَفْعَلُوا فَأْذَنُوا بِحَرْبٍ مِنَ اللَّهِ وَرَسُولِهِ ۔ (۵)

پس اگر ایسا نہ کرو (باز نہ آؤ) تو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے لڑائی کے لیے تیار ہو جاؤ۔

---

(۱) قرآن مجید، سورۂ مومنون آیت ۵۱

(۲) قرآن مجید، سورۂ بقرہ آیت ۱۸۸

(۳) قرآن مجید، سورۂ النساء آیت ۱۰

(۴) قرآن مجید سورۂ بقرۂ آیت ۲۷۸

(۵) قرآن مجید سورۂ بقرۂ آیت ۲۷۹

اس کے بعد ارشاد فرمایا:

وَاِنْ تُبْتُمْ فَلَکُمْ رُؤُوْسُ اَمْوَالِکُمْ۔ (۱) اور اگر تم توبہ کرو تو تمہارے لیے تمہارے اصل مال ہیں۔

اس کے بعد فرمایا:

وَمَنْ عَادَ فَاُولٰٓئِکَ اَصْحٰبُ النَّارِ ھُمْ فِیْھَا خٰلِدُوْنَ (۲) اور جو لوٹ آئے (دوبارہ سود کھائے) وہ لوگ جہنمی ہیں وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے۔

اللہ تعالیٰ نے سود کھانے والوں کو سب سے پہلے اپنے ساتھ لڑائی کا اعلان کیا اور آخر میں جہنم پر پیش ہونے والے قرار دیا۔ حلال و حرام کے سلسلے میں وارد آیات بے شمار ہیں۔

احادیث:

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا آپ نے فرمایا۔

طَلَبُ الْحَلَالِ فَرِیْضَۃٌ عَلٰی کُلِّ مُسْلِمٍ۔ (۳) حلال (رزق) کی تلاش ہر مسلمان پر فرض ہے۔

جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرمایا:

طَلَبُ الْعِلْمِ فَرِیْضَۃٌ عَلٰی کُلِّ مُسْلِمٍ (۴) طلب علم ہر مسلمان پر فرض ہے۔

تو بعض علماء کرام نے فرمایا کہ اس سے حلال و حرام کا علم مراد ہے۔ اور انہوں نے دونوں حدیثوں کی مراد کو ایک ہی قرار دیا (یعنی حلال و حرام کے علم کی تلاش)

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

جو آدمی حلال مال سے اپنے اہل و عیال کے لیے کوشش کرتا ہے وہ اللہ تعالیٰ کے راستے میں جہاد کرنے والے کی طرح ہے اور جو آدمی مانگنے سے بچنے کے لیے حلال دنیا تلاش کرتا ہے وہ شہداء کے درجے میں ہوتا ہے (۵)

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

جو آدمی چالیس دن حلال رزق کھائے اللہ تعالیٰ اس کے دل کو روشن کر دیتا ہے اور اس کے دل سے حکمت

---

(۱) قرآن مجید، سورۂ بقرہ آیت نمبر ۲۷۹

(۲) قرآن مجید، سورۂ بقرہ آیت نمبر ۲۷۵

(۳) الکامل لابن عدی جلد ۲ ص ۷۷۹، ترجمہ حسان بن سیاہ

(۴) المعجم الکبیر للطبرانی جلد ۱۰ ص ۲۴۰ حدیث ۱۰۴۳۹

(۵) تاریخ بغداد جلد ۸ ص ۱۶۸ ترجمہ ۴۲۷۷

کے چشمے اس کی زبان پر جاری کر دیتا ہے (۱)

ایک روایت میں ہے کہ اللہ تعالیٰ اسے دنیا سے بے رغبت کر دیتا ہے ایک روایت میں ہے حضرت سعید رضی اللہ عنہ نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا کہ آپ بارگاہ خداوندی میں عرض کریں کہ مجھے مقبول الدعا بنا دے آپ نے فرمایا اپنے کھانے کو پاکیزہ بناؤ تمہاری دعا قبول ہو گی۔ (۲)

جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دنیا کی حرص کرنے والے کا ذکر کیا تو فرمایا کئی مرتبہ ایک بکھرے ہوئے بالوں اور گرد آلود چہرے والا آدمی جو سفر کی مشقت برداشت کرتا ہے لیکن اس کا کھانا حرام سے اور لباس بھی حرام سے ہوتا ہے اور اس نے حرام سے غذا پائی ہے اپنے ہاتھ اٹھا کر کہتا ہے اے میرے رب اے میرے رب! تو اس کی دعا کیسے قبول ہو۔ (۳)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت میں ہے وہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا ایک فرشتہ بیت المقدس پر مقرر ہے وہ ہر رات پکارتا ہے کہ جو شخص حرام کھاتا ہے اس کے فرض اور نفل کچھ بھی قبول نہیں ہوتے۔ (۴)

کہا گیا کہ لفظ "صرف" سے نفل اور لفظ "عدل" سے فرائض مراد ہیں۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

جو آدمی دس درہم کے بدلے ایک کپڑا خریدے اور ان میں ایک درہم حرام کا ہو تو جب تک اس پر یہ کپڑا ہوتا ہے اللہ تعالیٰ اس کی نماز کو قبول نہیں کرتا (۵)

آپ نے فرمایا:

جو گوشت (جسم)، حرام سے پروان چڑھتا ہے وہ جہنم کا زیادہ مستحق ہے۔ (۶)

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

---

(۱) المقاصد الحسنۃ ص ۳۹۵ حدیث ۱۰۵۴

(۲) مجمع الزوائد جلد ۱۰ ص ۲۹۵ کتاب الزہد

(۳) صحیح مسلم جلد اول ص ۳۲۶ کتاب الزکوٰۃ

(۴) الفردوس بماثور الخطاب جلد ۳ ص ۵۹۱ حدیث ۵۸۵۳

(۵) مسند امام احمد بن حنبل جلد ۲ ص ۹۸ مرویات ابن عمر

(۶) المعجم الصغیر للطبرانی جلد اول ص ۳۲۵ من اسمہ عبداللہ

جو آدمی اس بات کی پرواہ نہ کرے کہ اس نے کہاں سے کمایا تو اللہ تعالیٰ کو اس بات کی پرواہ نہیں کہ وہ اسے جہنم کے کس دروازے سے داخل کرے۔ (۱)

آپ نے ارشاد فرمایا:۔

اَلْعِبَادَةُ عَشْرَةُ اَجْزَاءٍ تِسْعَةٌ مِنْهَا فِیْ طَلَبِ الْحَلَالِ۔ (۲)

عبادت کے دس جز ہیں جن میں سے نو، طلب حلال سے متعلق ہیں۔

یہ حدیث بعض صحابہ کرام سے مرفوعاً اور موقوفاً دونوں طرح مروی ہے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

مَنْ اَمْسٰی دَانِیًا مِنْ طَلَبِ الْحَلَالِ بَاتَ مَغْفُوْرًا وَاَصْبَحَ وَاللّٰهُ عَنْهُ رَاضٍ۔ (۳)

جو آدمی رزق حلال کی طلب سے تھک کر شام کرے وہ رات یوں گزارتا ہے کہ اس کی بخشش ہو جاتی ہے اور صبح یوں کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس سے راضی ہوتا ہے۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

جو آدمی گناہ کے ذریعے مال حاصل کر کے اس کے ذریعے صلہ رحمی کرتا ہے یا صدقہ کرتا ہے یا اللہ تعالیٰ کے راستے میں خرچ کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس سب کو جمع کر کے جہنم میں ڈال دے گا۔ (۴)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

خَيْرُ دِيْنِكُمُ الْوَرَعُ (۵)

تمہارا بہترین دین پرہیزگاری ہے۔

آپ نے ارشاد فرمایا:

مَنْ لَقِيَ اللّٰهَ وَرِعًا اَعْطَاهُ اللّٰهُ ثَوَابَ الْاِسْلَامِ كُلِّهٖ۔ (۶)

جو آدمی اللہ تعالیٰ سے پرہیزگاری کی حالت میں ملاقات کرے گا اللہ تعالیٰ اسے تمام اسلام کا ثواب عطا فرمائے گا۔

ایک روایت میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی (نازل کردہ) کسی کتاب میں لکھا ہے کہ مجھے پرہیزگار لوگوں سے حساب لینے

---

(۱) کنز العمال جلد ۴ ص ۶، حدیث ۹۲۷۱

(۲) الفردوس بماثور الخطاب جلد ۳ ص ۹، حدیث ۴۲۲۲

(۳) مجمع الزوائد جلد ۴ ص ۶۳ کتاب البیوع

(۴) کنز العمال جلد ۴ ص ۱۵ حدیث ۹۲۶۵

(۵) مجمع الزوائد جلد اول ص ۱۲۰ کتاب العلم (۶)

ہوتے چیا آتا ہے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

دِرْهَمٌ مِنْ رِبًا اَشَدُّ عِنْدَ اللهِ مِنْ ثَلَاثِيْنَ زَنْيَةً فِي الْاِسْلَامِ (۱)

سُود کا ایک درھم اللہ تعالیٰ کے نزدیک اسلام کی حالت میں تیس زنا سے زیادہ سخت (گناہ) ہے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ معدہ بدن کا حوض ہے اور رگیں اس کے پاس پیاسی بجھانے جاتی ہیں۔ جب معدہ صحیح ہوگا تو رگیں صحت کے ساتھ لوٹیں گی اور جب وہ بیمار ہوگا تو وہ بیماری کی حالت میں ہوں گی۔ (۲)

دین میں ایک لقمہ اس طرح ہے جس طرح عمارت کی بنیاد ہوتی ہے جب بنیاد موجود اور مضبوط ہو تو عمارت سیدھی اور بلند ہوگی۔ اور جب بنیاد کمزور ہوگی تو عمارت ٹیڑھی ہوگی اور گر پڑے گی۔

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

اَفَمَنْ اَسَّسَ بُنْيَانَهٗ عَلٰى تَقْوٰى مِنَ اللهِ۔ (۳)

تو کیا وہ شخص جس نے اس مسجد (مسجد قبا) کو اللہ تعالیٰ کے خوف اور رضا پر استوار کیا (وہ بہتر ہے) یا جس کی بنیاد گرنے والے کنارے پر رکھی گئی (مسجد ضرار)

حدیث شریف میں ہے کہ جو آدمی حرام مال کماتا ہے اگر وہ اس میں سے صدقہ دے تو اللہ تعالیٰ اسے قبول نہیں کرتا اور اگر وہ اسے اپنے پیچھے چھوڑ جاتا ہے تو وہ اس کے لیے جہنم کا سامان ہے (۴)

ہم نے آدابِ کسب کے بیان میں کچھ روایات ذکر کی ہیں جو کسبِ حلال کی فضیلت کو واضح کرتی ہیں۔

آثار:

روایت میں ہے کہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے اپنے غلام کی کمائی سے دودھ نوش فرمایا پھر غلام سے پوچھا تو اس نے کہا میں نے ایک آدمی کے لیے کہانت کی تھی (نجومیوں کی طرح جھوٹی خبریں بتانا کہانت ہے) تو انہوں نے مجھے دیا ہے (یہ سن کر) آپ نے اپنی انگلی کو منہ میں ڈال کر قے کردی (۵) (راوی کہتے ہیں) حتیٰ کہ میں نے خیال کیا کہ ان کی جان نکل جائے گی۔

---

(۱) مسند امام احمد بن حنبل جلد ۵ ص ۲۲۵ مرویات عبداللہ بن حنظلہ

(۲) کتاب الموضوعات جلد ۲ ص ۲۸۴ کتاب الاطعمہ

(۳) قرآن مجید، سورۂ توبہ آیت ۱۰۹

(۴) السنن الکبریٰ للبیہقی جلد ۴ ص ۸۴ کتاب الزکوٰۃ

(۵) صحیح بخاری جلد اوّل ص ۵۴۲ باب بنیان الکعبۃ

پھر بارگاہ خداوندی میں عرض کیا یا اللہ! جو کچھ رگوں نے اٹھایا اور آنتوں کے ساتھ مل گیا میں اس سے تیری بارگاہ میں عذر پیش کرتا ہوں۔

بعض روایات میں ہے کہ یہ بات رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو بتائی گئی تو آپ نے فرمایا کیا تم نہیں جانتے کہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ اپنے پیٹ میں پاکیزہ چیز کے علاوہ کچھ داخل نہیں کرتے۔

اسی طرح حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے غلطی سے صدقے کی اونٹنی کا دودھ پی لیا تو ہاتھ ڈال کر اُسے قے کر دیا۔

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں تم افضل عبادت سے غافل ہو اور وہ پرہیزگاری ہے (حرام سے بچنا ہے)۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا اگر تم نماز پڑھتے پڑھتے کمان کی طرح جھک جاؤ اور روزہ رکھتے رکھتے چلہ (کمان کی تانت) کی طرح (کمزور) ہو جاؤ تو یہ اسی صورت میں قبول ہو گا جب تم پرہیزگار ہو اور حرام سے بچنے والے۔

حضرت ابراہیم بن ادھم رحمہ اللہ فرماتے ہیں جس کو جو (کمال) ملا اس طرح ملا کہ اس نے جو کچھ پیٹ میں ڈالا سمجھ کر ڈالا۔

حضرت فضیل رحمہ اللہ فرماتے ہیں جس آدمی کو یہ معلوم ہو کہ پیٹ میں کیا ڈالتا ہے اللہ تعالیٰ اسے صدیق (سچا) لکھ دیتا ہے تو اے مسکین! تمہیں دیکھنا چاہیے کہ تم کس کے پاس افطار کر رہے ہو۔

حضرت ابراہیم بن ادھم رحمہ اللہ سے پوچھا گیا کہ آپ آبِ زمزم سے کیوں نہیں پیتے؟ تو انہوں نے فرمایا اگر میرے پاس (اپنا) ڈول ہوتا تو پیتا۔ (اس زمانے میں آبِ زمزم ڈول سے نکالتے تھے آج کل ایسا نہیں ہے۔ ہزاروی)

حضرت سفیان ثوری رحمہ اللہ فرماتے ہیں جو شخص حرام مال میں سے اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں خرچ کرتا ہے وہ اس طرح ہے جیسے کوئی شخص پیشاب کے ساتھ ناپاک کپڑے کو دھوتا ہے ناپاک کپڑے کو صرف پانی پاک کر سکتا ہے اور گناہ کو صرف حلال مال زائل کر سکتا ہے۔

حضرت یحییٰ بن معاذ رحمہ اللہ فرماتے ہیں اطاعت اللہ تعالیٰ کے خزانوں میں سے ایک خزانہ ہے مگر اس کی چابی دعا اور دانت حلال لقمہ ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ اس آدمی کی نماز قبول نہیں کرتا جس کے پیٹ میں حرام (غذا) ہو۔

حضرت سہل تستری رحمہ اللہ فرماتے ہیں جب تک بندے میں چار خصلتیں نہ ہوں وہ حقیقتِ ایمان تک نہیں پہنچ سکتا، فرائض کو سنت کے مطابق ادا کرنا، رزق حلال تقویٰ کے ساتھ کھانا، ظاہر و باطن میں ممنوعات شرعیہ سے بچنا اور ان باتوں پر موت تک صبر (استقامت اختیار) کرنا اور انہوں نے فرمایا جو آدمی چاہتا ہے کہ اس پر سچے لوگوں کی علامات منکشف ہوں وہ صرف حلال کھائے اور سنت اور ضروری کاموں کے علاوہ کوئی کام نہ کرے۔

کہا جاتا ہے کہ جو شخص چالیس دن شبہے والی چیز کھاتا ہے اس کا دل تاریک ہو جاتا ہے اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد گرامی کا یہی معنیٰ ہے۔

كَلَّا بَلْ رَانَ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ مَّا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ (۱) ہرگز نہیں بلکہ ان کے دلوں پر ان کی (حرام) کمائی کا زنگ چڑھ گیا۔

حضرت ابن مبارک رحمہ اللہ فرماتے ہیں شبہے والا ایک درہم واپس لوٹانا مجھے ایک لاکھ درہم سے چھ لاکھ درہم تک صدقہ کرنے سے زیادہ پسند ہے بعض بزرگ فرماتے ہیں کہ بندہ ایک لقمہ کھاتا ہے تو اس سے اس کا دل بگڑ جاتا ہے جس طرح چمڑہ بگڑتا ہے اور وہ کبھی بھی اپنی حالت کی طرف نہیں لوٹتا۔

حضرت سہل رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں جو شخص حرام کھاتا ہے اس کے اعضاء گناہ میں مبتلا ہوتے ہیں وہ چاہے یا نہ، اسے علم ہو یا نہ، اور جس کا کھانا حلال ہو اس کے اعضاء عبادت میں مشغول ہوتے ہیں اور انہیں نیکیوں کی توفیق دی جاتی ہے۔

ایک بزرگ نے فرمایا کہ ایک لقمہ جسے بندہ حلال مال سے کھاتا ہے وہ اس کے تمام گذشتہ گناہوں کی مغفرت کا باعث بن جاتا ہے اور جو آدمی طلب حلال کے لیے رسوائی کے مقام پر جاتا ہے اس کے گناہ درخت کے پتوں کی طرح گرتے ہیں۔

پہلے بزرگوں کی روایات میں ہے کہ جب کوئی واعظ، وعظ کرنے بیٹھتا تو علماء فرماتے اس میں تین باتیں نہیں ہونی چاہئیں اگر وہ بدعت کا عقیدہ رکھتا ہے تو اس کے پاس نہ بیٹھو (۲) کیونکہ وہ شیطان کی زبان سے بولتا ہے اور اگر اس کا کھانا ٹھیک نہیں تو وہ خواہشات سے بولتا ہے اور اگر اس کی عقل پکی نہ ہو تو اس کے کلام میں درستگی کے مقابلے میں خرابی زیادہ ہو گی لہٰذا اس کے پاس بھی نہ بیٹھو۔

مشہور روایات میں حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ اور دوسرے بزرگوں سے مروی ہے کہ دنیا حلال سے ہو تو اس کا حساب ہوتا ہے حرام سے ہو تو اس کا عذاب ہو گا اور دوسروں نے اضافہ کیا کہ شبہے والی چیزوں سے جھڑک ہو گی منقول ہے کہ ایک نیک شخص نے ابدال میں سے ایک بزرگ کو کھانا پیش کیا تو انہوں نے نہ کھایا اس نے ان سے پوچھا تو انہوں نے فرمایا ہم صرف حلال کھاتے ہیں اسی لیے ہمارے دل سیدھے رہتے ہیں ہماری حالت کو دوام حاصل ہوتا ہے ہم عالم ملکوت کی سیر کرتے اور آخرت کا مشاہدہ کرتے ہیں اگر ہم تین دن بھی وہ کچھ کھائیں جو تم کھاتے ہو تو علم یقین میں سے کسی چیز کی طرف نہ لوٹیں اور ہمارے دلوں سے خوف اور مشاہدہ ختم ہو جائے ان سے ایک شخص نے عرض کیا کہ میں ہمیشہ

---

(۱) قرآن مجید، سورۂ مطففین آیت ۱۴

(۲) بدعت کے بارے میں پہلے بھی بیان ہو چکا ہے کہ ہر ایسا کام جو سنت کے خلاف ہو یا دین میں اس کی اصل نہ ہو وہ بدعت ہے جس طرح آج کل دیوبندی وہابی حضرات نے ہر اچھے کام کو بھی بدعت بدعت کہہ کر لوگوں کو اس سے روکنا شروع کر دیا ہے یہ غلط ہے ۱۲ ہزاروی۔

روزہ رکھتا ہوں اور ہر مہینے میں تیس بار قرآن پاک ختم کرتا ہوں تو اس بزرگ نے فرمایا کہ یہ مشروب جو تم دیکھ رہے ہو جسے میں رات کو پیتا ہوں مجھے تمہارے اعمال سے تین سو رکعات میں تیس بار قرآن پاک ختم کرنے سے زیادہ پسند ہے اور ان کا مشروب جنگلی ہرن کا دودھ تھا۔ (رزق حلال کی اہمیت بیان فرمائی)

حضرت امام احمد بن حنبل اور حضرت یحییٰ بن معین کے درمیان ایک طویل صحبت تھی جب حضرت امام احمد بن حنبل نے ان سے سنا کہ وہ فرماتے ہیں میں کسی سے کچھ نہیں مانگتا اور اگر مجھے شیطان بھی کوئی چیز دے دے تو کھا لیتا ہوں تو حضرت امام نے ان سے علیحدگی اختیار کر لی حتیٰ کہ حضرت یحییٰ بن معین نے معذرت پیش کی۔ اور فرمایا کہ میں تو مزاح کر رہا تھا۔ انہوں نے فرمایا دین کے ساتھ مزاح کرتے ہو کیا تم نہیں جانتے کہ (کھانا) کھانا دین سے ہے اللہ تعالیٰ نے اس کو اعمال صالحہ پر مقدم فرمایا:

ارشاد خداوندی ہے:

كُلُوا مِنَ الطَّيِّبَاتِ وَاعْمَلُوا صَالِحًا۔ پاکیزہ چیزوں سے کھاؤ اور نیک اعمال کرو۔

ایک روایت میں ہے کہ تورات میں لکھا ہوا ہے جو شخص اس بات کی پرواہ نہ کرے کہ اس کا کھانا کہاں سے آیا تو اللہ تعالیٰ کو بھی اس بات کی پرواہ نہیں کہ وہ اسے جہنم کے کس دروازے سے داخل کرے۔ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے بارے میں مروی ہے کہ وہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت اور دار الخلافہ کے لٹ جانے کے بعد وہی کھانا کھاتے جس پر آپ کی مہر ہوتی آپ شبہے سے بچنے کے لیے ایسا کرتے تھے۔

حضرت فضیل بن عیاض، ابن عیینہ اور ابن مبارک رحمہم اللہ مکہ مکرمہ میں حضرت وہیب بن ورد رحمہ اللہ کے پاس جمع ہوئے تو انہوں نے تر کھجور کا ذکر کیا حضرت وہیب نے فرمایا وہ مجھے تمام کھانوں سے زیادہ پسند ہے لیکن میں اسے نہیں کھاتا کیونکہ مکہ مکرمہ کی کھجوریں زبیدہ وغیرہ باغوں سے مل گئی ہیں۔ حضرت ابن مبارک رحمہ اللہ نے فرمایا اگر تم ایسی باتیں دیکھو گے تو تم پر روٹی کھانا دشوار ہو جائے گی۔ انہوں نے پوچھا اس کی کیا وجہ ہے؟ فرمایا اصل زمینیں اِدھر اُدھر کی زمینوں سے مل چکی ہیں یہ سن کر حضرت وہیب پر بیہوشی طاری ہو گئی حضرت سفیان نے فرمایا آپ نے اس شخص کو ہلاک کر دیا حضرت ابن مبارک نے فرمایا میں نے تو ان پر آسانی پیدا کرنے کا ارادہ کیا تھا جب انہیں ہوش آیا تو فرمایا اللہ تعالیٰ کے لیے مجھ پر لازم ہے کہ میں کبھی بھی روٹی نہ کھاؤں حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ سے ملاقات کروں۔ وہ فرماتے ہیں کہ اس کے بعد وہ دودھ پیا کرتے تھے۔ ایک بار ان کی والدہ ان کے پاس دودھ لے کر آئیں تو انہوں نے استفسار کیا ماں نے کہا یہ فلاں قبیلے کی بکری کا دودھ ہے انہوں نے اس کی قیمت کے بارے میں پوچھا نیز یہ کہ ان کے پاس یہ کہاں سے آئی ماں نے بتا دیا جب دودھ

---

(۱) قرآن مجید، سورۂ مومنون آیت ۵۱

منہ کے قریب لے گئے تو فرمایا ایک بات رہ گئی وہ کہاں چرتی ہے؟ ماں خاموش رہی تو انہوں نے دودھ نہ پیا کیوں کہ وہ اس جگہ چرتی تھی جس میں مسلمانوں کا حق تھا۔ ماں نے کہا بیٹا اللہ تعالیٰ تمہاری مغفرت فرمائے حضرت وہیب نے فرمایا مجھے یہ بات پسند نہیں کہ میں اس کو پیئوں اور میری بخشش ہو اس طرح میں گناہ کے ذریعے اس کی بخشش حاصل کروں۔

حضرت بشر حافی رحمہ اللہ پرہیز گار لوگوں میں سے تھے ان سے پوچھا گیا آپ کہاں سے کھاتے ہیں؛ انہوں نے فرمایا. جہاں سے تم کھاتے ہو لیکن جو کھائے اور روتا جائے وہ اس جیسا نہیں جو ہنستے ہوئے کھائے نیز فرمایا میرا ہاتھ دوسروں کے ہاتھ کی نسبت چھوٹا ہے اور میرا لقمہ بھی دوسروں کے لقمے سے چھوٹا ہے تو وہ لوگ شبہے والی چیزوں سے اس طرح بچا کرتے تھے۔

حلال کی اقسام اور مقامات

جان لو! حلال و حرام کی تفصیل کا بیان فقہ کی کتب میں ہوتا ہے اگر مرید کا کھانا مقرر ہو فتویٰ کے ذریعے اس کا حلال ہونا معلوم ہو اور اس کے علاوہ سے نہ کھائے تو اسے طویل بحث کی ضرورت نہیں لیکن جو شخص مختلف طریقوں سے کھانے میں وسعت رکھتا ہے وہ حلال و حرام کے مکمل علم کا حاجتمند ہے جیساکہ ہم نے اسے کتب فقہ میں تفصیل سے بیان کیا ہے اب ہم تقسیم کی صورت میں ان تمام امور کی طرف اشارہ کرتے ہیں۔ وہ یہ کہ مال یا تو ایسی وجہ سے حرام ہوتا ہے جو اس کی ذات میں پائی جاتی ہے یا کمانے میں پائے جانے والے کسی خلل کی وجہ سے حرام ہوتا ہے۔

پہلی قسم:

مال کسی ایسی خرابی کی وجہ سے حرام ہوتا ہے جو اس کی ذات میں پائی جاتی ہے جیسے شراب اور خنزیر وغیرہ۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ زمین پر پائی جانے والی وہ اشیاء جو کھائی جاتی ہیں وہ تین اقسام سے زائد نہیں ہیں.

۱۔ یا تو وہ معدنیات سے متعلق ہوں گی جیسے نمک اور مٹی وغیرہ۔

۲۔ یا سبزیاں ہوں گی (۳) یا حیوانات ہوں گے۔

جہاں تک معدنیات کا تعلق ہے تو وہ زمین کے اجزاء اور وہ تمام چیزیں ہیں جو زمین سے نکلتی ہیں تو صرف اس لیے ان کا کھانا حرام ہے کہ ان سے کھانے والے کو نقصان پہنچتا ہے اور بعض تو زہر کی طرح ہیں اگر روٹی بھی مضر ہوتی تو اس کا کھانا بھی حرام ہوتا۔ وہ مٹی جسے کھانے کی بعض لوگوں کو عادت ہوتی ہے وہ اس لیے حرام ہے کہ اس کا کھانا نقصان دہ ہے ہمارا یہ کہنا کہ باوجود اس کے نہ کھائے جانے کے وہ حرام نہیں اس کا فائدہ یہ ہوا کہ اگر ان میں سے کوئی چیز شوربے یا سیال کھانے میں پڑ جائے تو وہ اس کی وجہ سے حرام نہیں ہوگا۔

جہاں تک سبزیوں کا تعلق ہے تو ان میں سے وہی حرام ہیں جو عقل کو زائل کر دیتی ہیں یا ان سے زندگی یا صحت چلی جاتی ہے تو عقل کو زائل کرنے والی چیز بھنگ اور دیگر تمام نشہ آور سبزیاں ہیں زندگی کو ختم کرنے والی چیز زہر اور صحت

کو زائل کرنے والی وہ دوائیاں ہیں جو بے وقت استعمال کی جائیں، ان تمام کا مجموعہ ضرر کا باعث ہے البتہ شراب (انگور کا کچا رس جسے خمر کہا جاتا ہے) اور دیگر نشہ دینے والی چیزیں اگرچہ نشہ نہ دیں (یعنی کم ہوں) تب بھی حرام ہیں وہ قلیل ہونے کے باوجود حرام ہیں اس لیے کہ ایک تو وہ ذاتی طور پر ناپاک ہیں دوسرا یہ کہ ان میں زیادہ سرور پیدا کرنے کا وصف پایا جاتا ہے۔

نوٹ: احناف کے نزدیک خمر (انگور کا کچا رس جب جھاگ چھوڑ دے) مطلقاً حرام ہے تھوڑا ہو یا زیادہ لیکن باقی شرابیں اس وقت حرام ہوتی ہیں جب نشہ دینے کی مقدار کو پہنچ جائیں اگرچہ کم سے بچنا بھی مستحب ہے ۱۲ ہزاروی جہاں تک زہر کا تعلق ہے تو اگر وہ نقصان دہ نہ رہے یعنی تھوڑا ہو یا دوسری چیز کے ساتھ ملا یا جائے تو وہ حرام نہ ہوگا۔

حیوانات کی دو قسمیں ہیں ایک وہ جن کا گوشت کھایا جاتا ہے اور دوسری قسم میں وہ ہے جانور شامل ہیں جن کا گوشت کھایا نہیں جاتا۔ اس کی تفصیل کھانوں کے بیان میں ہے اور اسے مفصل بیان کرنا ایک طویل بحث ہے۔ بالخصوص عجیب وغریب قسم کے پرندے اور خشکی اور سمندر کے جانور۔

اور ان جانوروں میں سے جن کا کھانا حلال ہے وہ بھی اسی صورت میں حلال ہوتے ہیں جب انہیں شرعی طریقے پر ذبح کیا جائے اس میں ذبح کرنے والے، آلۂ ذبح اور ذبح کرنے کی جگہ سے متعلق شرائط کا لحاظ کیا گیا ہے اور یہ تمام باتیں شکار اور ذبیحہ کے بیان میں مذکور ہیں۔ جو جانور شرعی طور پر ذبح نہ کیا جائے یا ویسے ہی مر جائے تو وہ حرام ہے اور ذبح کے بغیر مرنے والے جانوروں میں سے صرف دو چیزیں مچھلی اور ٹڈی حلال ہیں وہ کیڑے بھی ان کے حکم میں ہیں جو غذا سے بن جاتے ہیں مثلاً سیب، سرکہ اور پنیر کے کیڑے، کیوں کہ ان سے بچنا ناممکن ہوتا ہے لیکن جب انہیں الگ کر کے کھایا جائے تو ان کا حکم وہی ہے جو مکھی، گبریلے اور بچھو کا حکم ہے۔ اور جس میں بہنے والا خون نہیں اس کی حرمت کا سبب طبعی نفرت ہے اگر یہ نہ ہوتی تو وہ مکروہ نہ ہوتے اگر کوئی ایسا شخص ہو جسے ان سے گھن نہ آتی ہو تو خاص اس کی طبیعت کا اعتبار نہیں کیا جائے گا (یعنی اس کے باوجود وہ حرام ہوں گے) کیونکہ عام نفرت کی وجہ سے اس چیز کو ناپاک چیزوں سے ملا دیا گیا لہٰذا اس کا کھانا مکروہ ہے جس طرح تھوک اور رینٹھ کو جمع کر کے کھانا مکروہ ہے اور یہ کراہت اس کی نجاست کی وجہ سے نہیں کیونکہ صحیح بات یہ ہے کہ یہ چیزیں مرنے سے ناپاک نہیں ہوتیں۔ کیوں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ جب کھانے میں مکھی پڑ جائے تو اسے ڈبویا جائے (۱) اور بعض کھانا گرم ہوتا ہے اور وہ اس کے مرنے کا باعث ہوتا ہے اور اگر چیونٹی یا مکھی ہانڈی میں ڈوب جائے تو اسے بہانا واجب نہیں کیوں کہ

---

(۱) سنن ابن ماجہ جلد ۲ ص ۲۵۸ ابواب الطب

مگر وہ صرف اس کا جسم ہے جب اس کا جسم باقی رہے اور وہ ناپاک نہیں کہ ناپاکی کی وجہ سے حرام ہو یہ اس بات کی دلیل ہے کہ اس کی حرمت گھن آنے کی وجہ سے ہے اسی لیے ہم کہتے ہیں کہ اگر کسی مردہ آدمی کے جسم کا کوئی حصہ ہانڈی میں پڑ جائے، اگرچہ ایک دانق (درھم کے چھٹے حصے) کے برابر ہو تو وہ تمام ناپاک ہو جاتی ہے لیکن یہ نجاست کی وجہ سے نہیں کیونکہ صحیح بات یہ ہے کہ آدمی مرنے سے ناپاک نہیں ہوتا لیکن اس کا کھانا احترام کے طور پر حرام ہے گھن آنے کی وجہ سے نہیں۔ وہ حیوانات جن کا گوشت کھایا جاتا ہے جب وہ شریعت کی شرائط کے مطابق ذبح کئے جائیں تو بھی ان کے تمام اجزا حلال نہیں ہوتے بلکہ ان میں سے خون اور گوبر حرام ہیں بلکہ ان میں سے ہر وہ چیز جو ناپاک ہو (حرام ہے) بلکہ نجاست کا کھانا تو مطلقاً حرام ہے لیکن حیوانات کے علاوہ کوئی حرام چیز ناپاک نہیں ہوتی سبزیوں میں سے صرف نشہ آور ہیں ناپاک ہیں وہ چیزیں نہیں جو عقل کو زائل کریں لیکن نشہ نہ چڑھے، جیسے بھنگ ہے۔

نشہ آور چیز کی نجاست اس سے روکنے کے لیے جھڑک کے طور پر ہے کیونکہ وہ سرور پیدا کرتی ہے جب نجاست کا ایک قطرہ یا جامد نجاست کا ایک جز شوربے یا کھانے یا تیل میں مل جائے تو اس سب کا کھانا حرام ہو جاتا ہے البتہ کھانے کے علاوہ نفع اٹھانا حرام نہیں ہے ناپاک تیل سے چراغ جلانا، اسے کشتیوں یا جانوروں وغیرہ پر ملنا جائز ہے۔

تو یہ وہ چیزیں ہیں جو اپنی ذات میں پائی جانے والے کسی وصف کے باعث حرام ہیں۔

دوسری قسم:

وہ حرمت جو ثبوتِ قبضہ میں خلل کی وجہ سے پیدا ہوتی ہے اس کی بحث بہت وسیع ہے۔ پس ہم کہتے ہیں کہ کسی مال کا حصول یا تو مالک کے اختیار سے ہوتا ہے یا اس کے اختیار کے بغیر، جو اختیار کے بغیر ہوتا ہے اس کی مثال مالِ وراثت ہے اور جو اس کے اپنے اختیار سے ہوتا ہے تو وہ کسی مالک سے حاصل نہیں ہوتا (یعنی اس کا کوئی مالک نہیں ہوتا) جیسے کانوں سے معدنیات حاصل کرنا یا کسی مالک سے حاصل کیا جاتا ہے پھر جو مال کسی مالک سے حاصل کیا جائے وہ زبردستی لیا جاتا ہے یا باہم رضامندی سے، جو مال زبردستی لیا جائے تو وہ یوں ہوگا کہ اس سے مالک کی عصمت زائل ہو گئی تھی جیسے مالِ غنیمت یا اسے لینے کا حق تھا جیسے نہ دینے والوں سے زکوٰۃ اور دیگر واجب نفقات وصول کرنا، جو مال باہمی رضامندی سے لیا جاتا ہے وہ کسی چیز کا عوض ہوگا جیسے سودے کی قیمت، عورت کا حقِ مہر اور اجرت یا کسی عوض کے بغیر ہوگا جیسے ہبہ اور وصیت، تو اس تقسیم سے چھ اقسام حاصل ہوئیں۔

۱۔ غیر مالک سے حاصل کرنا۔ جیسے معدنیات نکالنا، بنجر زمینوں کو آباد کرنا، شکار کرنا، (جنگل سے) لکڑیاں لانا، نہروں سے پانی لانا اور گھاس کاٹنا، یہ حلال ہے لیکن شرط یہ ہے کہ جو کچھ لیا گیا وہ کسی آدمی کی ملک نہ ہو، جب اس کی ملک کسی کے ساتھ خاص نہ رہے تو اسے لے سکتا ہے اس کی تفصیل غیر آباد زمینوں کو آباد کرنے کے بیان میں مذکور ہے۔

۲۔ کوئی چیز غلبے سے حاصل کرنا اور وہ کسی کی ملک میں نہ ہو جیسے مالِ فے اور مالِ غنیمت نیز کفار اور لڑنے والوں کے

تمام مال، یہ مسلمانوں کے لیے حلال ہیں جب اس میں سے پانچواں حصہ نکال دیں اور باقی مال مستحقین کے درمیان انصاف کے ساتھ تقسیم کریں لیکن جس کافر کی حرمت اور امان اور معاہدہ ہو اس سے نہ لیں (یعنی جو کافر مسلمانوں کے ملک میں رہتے ہیں اور ذمی کہلاتے ہیں ان سے ہمارا عہد و پیمان ہے ان کا مال اسی طرح محترم ہے جس طرح مسلمانوں کا اور اسی طرح جو کافر امن حاصل کرکے ہمارے ملک میں آتے ہیں جیسے آجکل ویزے کے ساتھ آتے ہیں تو ان کا مال بھی محترم ہے[۲] ہزاروی)

ان شرائط کی تفصیل کتاب السیر میں ہے جو فے اور غنیمت کے ضمن میں مذکور ہے نیز جزیہ کے بیان میں ذکر کی گئی ہے۔

۳۔ وہ مال جو استحقاق کی بنیاد پر زبردستی لیا گیا یعنی جس پر واجب تھا جب اس نے دینے سے انکار کیا تو اب اس کی مرضی کے بغیر لیا جائے گا یہ بھی حلال ہے جب استحقاق کا سبب پورا ہو، اور مستحق میں وصف استحقاق کامل ہو اور واجب مقدار پر اکتفا کرے اور وہی وصول کرے جسے وصولی کا حق ہے جیسے قاضی، بادشاہ یا مستحق۔

اس کی تفصیل صدقات کی تفریق کے بیان میں نیز کتاب الوقف اور کتاب النفقات کے بیان میں مذکور ہے کیوں کہ اس میں زکوٰۃ، وقف اور نفقہ وغیرہ حقوق کے مستحقین کے بارے میں بحث ہوتی ہے جب شرائط پوری ہو جائیں تو جو کچھ لیا وہ حلال ہو گا۔

۴۔ وہ مال جو باہمی رضامندی سے کسی چیز کے عوض میں لیا جائے یہ بھی حلال ہے جب دونوں عوضوں کی شرط، عاقدین کی شرط اور الفاظ کی شرط کا لحاظ رکھا جائے الفاظ سے مراد ایجاب و قبول ہیں اس کے علاوہ شریعت کے احکامات کی پابندی ہو یعنی فاسد شرائط سے اجتناب کیا جائے، اس کا بیان مطلق بیع، بیع سلم، اجارہ، حوالہ، ضمان، مضاربت، شرکت، مساقات، شفعہ، صلح، خلع اور کتابت مہر اور باقی معاوضات کے ذکر میں ہوتا ہے۔

۵۔ جو مال رضامندی سے لیکن بلا عوض لیا جائے وہ بھی حلال ہے جب اس معقود علیہ (جس چیز پر عقد ہوا) کی شرط، عاقدین اور عقد کی شرائط کا خیال رکھا جائے اور کسی وارث وغیرہ کو نقصان نہ پہنچایا جائے اس کا ذکر ہبہ، وصیت اور صدقات کے بیان میں ہے۔

۶۔ وہ مال جو اختیار کے بغیر حاصل ہوتا ہے جیسے مال وراثت، یہ بھی حلال ہے جب کہ مورث (جس کی وراثت ہے) نے وہ مال (مذکورہ بالا) پانچ جہتوں سے حلال طریقے پر حاصل کیا ہو پھر اس کے بعد قرض ادا کرنا ہے اور وصیتوں کو پورا کرنا ہے نیز ورثاء کے درمیان تقسیم میں انصاف سے کام لینا ہے نیز اس سے زکوٰۃ نکالنا، حج کرنا اور کفارہ ادا کرنا ہے اگر واجب ہو یہ تمام باتیں وصایا اور فرائض کے بیان میں مذکور ہیں۔

تو یہ حلال و حرام کے راستے ہیں ہم نے ان تمام کی طرف اشارہ کیا ہے تاکہ راہ حق کے مرید کو معلوم ہو جائے کہ اگر اس کا کھانا متفرق ذرائع سے ہو کوئی جہت متعین نہ ہو تو وہ ان امور کے علم سے بے نیاز نہیں ہو سکتا۔ تو وہ ان

ذرائع میں سے کسی ذریعے سے بھی کھائے اس کے لیے مناسب ہے کہ اس میں اہل علم سے فتویٰ حاصل کرے جہالت کے ساتھ آگے نہ بڑھے کیونکہ جس طرح عالم سے پوچھا جائے گا کہ تو نے اپنے علم کے خلاف کیوں کیا اسی طرح جاہل سے بھی پوچھا جائے گا کہ تُو نے کیوں جہالت کو اختیار کئے رکھا اور علم حاصل نہ کیا جب کہ تجھے کہا گیا کہ ہر مسلمان پہ حصولِ علم فرض ہے۔

حلال و حرام کے درجات

یہ بات جاننی چاہیے کہ حرام تمام کا تمام خبیث ہے لیکن بعض، دوسرے بعض کی نسبت زیادہ خبیث ہے اسی طرح حلال پورے کا پورا پاک ہے لیکن ایک حلال دوسرے حلال کی نسبت زیادہ پاک اور صاف ہوتا ہے۔ اور جس طرح حکیم ہر میٹھی چیز کو گرم کہتے ہیں لیکن وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ بعض گرم چیزیں پہلے درجہ میں ہیں جیسے شکر بعض دوسرے درجہ میں گرم ہیں جیسے گُڑ، بعض تیسرے درجہ میں گرم ہیں جیسے پکا ہوا گاڑھا شیرہ اور بعض چوتھے درجہ میں گرم ہیں جیسے شہد، اسی طرح حرام چیزوں میں سے بعض پہلے درجہ کی خبیث ہیں بعض دوسرے، بعض تیسرے اور کچھ چوتھے درجے میں ہیں یوں ہی حلال چیزیں اپنی صفات اور پاکیزگی میں مختلف درجات میں منقسم ہیں پھر ہر درجے میں بے شمار درجات ہیں کیونکہ شکر میں بھی بعض شکر، دوسری کی نسبت زیادہ گرم ہوتی ہے۔

حرام سے پرہیز کے درجات

اسی لیے ہم کہتے ہیں کہ حرام سے پرہیز کے چار درجات ہیں۔

(۱) عادل لوگوں کا بچنا، یہ وہ درجہ ہے کہ آدمی اس میں مبتلا ہونے سے فاسق ہو جاتا اور اس کا عادل ہونا جاتا رہتا ہے، اس کی وجہ سے گناہ ثابت ہوتا ہے اور وہ جہنم کا مستحق ہوتا ہے یہ ان امور سے پرہیز گاری ہے جن کو فقہاء کرام کے فتاویٰ میں حرام کہا گیا ہے۔

۲۔ نیکو کار لوگوں کا تقویٰ ـــ یعنی ہر اس چیز سے بچنا جس میں حرام ہونے کا احتمال ہو لیکن مفتی نے ظاہر کی بنیاد پر اسے کھانے کی اجازت دی ہو یہ شبہے کے مقامات ہیں ہم اسے پرہیز گاروں کا تقویٰ کہتے ہیں اور یہ دوسرا درجہ ہے۔

۳۔ وہ چیز جسے فتویٰ کی رُو سے حرام نہیں کہا جاتا اور اس کے حلال ہونے میں شبہ بھی نہیں لیکن اس کی وجہ سے حرام کے ارتکاب کا ڈر ہوتا ہے اور یہ ایسی چیز کو چھوڑنا ہے جس میں کوئی حرج نہیں صرف اس وجہ سے کہ حرج والی چیز میں نہ پڑ جائے یہ متقی لوگوں کا پرہیز ہے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

لَا يَبْلُغُ الْعَبْدُ دَرَجَةَ الْمُتَّقِيْنَ حَتّٰى يَدَعَ مَا لَا بَاسَ بِهٖ مَخَافَةَ مَا بِهٖ بَاْسٌ (۱)	بندہ، متقی لوگوں کے درجہ تک اس وقت تک نہیں پہنچتا جب تک وہ حرج والے امور میں پڑنے کے ڈر سے ان امور کو نہ چھوڑ دے جن میں حرج نہیں ہے۔

---

(۱) سنن ابن ماجہ ص ۳۲۱ ابواب الزہد

۴- وہ امور جن میں بالکل کوئی حرج نہیں اور نہ ان کی وجہ سے حرج والے امور میں پڑنے کا ڈر ہوتا ہے لیکن غیر خدا کے لیے حاصل کئے جاتے ہیں نیز ان کے حصول سے عبادت خداوندی پر قوت حاصل کرنا مقصود نہ ہو، یا وہ چیز جن اسباب سے حاصل ہوئی ہے ان میں کسی قسم کی کراہیت یا گناہ ہو تو ایسی چیزوں کو چھوڑنا صدیقین کی پرہیز گاری ہے۔

تو یہ حلال کے درجات ہیں ہم مثالوں اور شواہد کے ساتھ ان کی تفصیل بیان کرتے ہیں۔

وہ حرام جس کا ہم نے پہلے درجے میں ذکر کیا ہے اور یہ، وہ ہے کہ اس سے اجتناب کی وجہ سے عدالت قائم رہتی ہے اور وہ شخص فاسق نہیں کہلاتا خباثت میں اس کے بھی کئی درجات ہیں۔ عقد فاسد کے ساتھ جو کچھ لیا گیا مثلاً جو سودا ایجاب و قبول کے بغیر محض ہاتھوں سے دینے لینے کی وجہ سے حرام ہوا اس میں ایجاب و قبول نہ کرنا اور لین دین کرنا حرام ہے۔ لیکن یہ اس درجہ میں (حرام) نہیں ہے جس میں کسی سے زبردستی چھینا حرام ہے۔ بلکہ چھیننا زیادہ سخت ہے کیونکہ اس صورت میں مال کمانے کا شرعی طریقہ چھوڑ دیا جاتا ہے نیز دوسرے کو ایذا بھی پہنچانا ہے جبکہ ہاتھوں ہاتھ سودے میں دوسرے کو تکلیف پہنچانا نہیں ہے اس میں محض شرعی طریقے کو چھوڑنا ہے پھر اس طریقے پر سودے میں ترکِ شریعت، سود کے مقابلے میں کم درجے پر ہے اس فرق کا علم یوں ہوتا ہے کہ جن طریقوں کے بارے میں شریعت میں زیادہ سخت، عذاب کا ذکر اور ممانعت کی زیادہ تاکید ہے ان کا اختیار کرنا زیادہ سخت ہے جیسا کہ توبہ کے باب میں اس کا بیان ہوگا جہاں کبیرہ اور صغیرہ گناہ کے درمیان فرق بیان کیا جائے گا۔ بلکہ کسی فقیر، نیک آدمی، یا یتیم سے ظلم کے طور پر مال لینا، کسی مضبوط، مالدار یا فاسق سے لینے کے مقابلے میں زیادہ برا اور بڑا گناہ ہے۔ کیونکہ ایذا رسیدہ لوگوں کے درجات کے اختلاف کے اعتبار سے ایذا کے درجات بھی مختلف ہوتے ہیں تو خبیث چیزوں کی تفصیل کے سلسلے میں یہ باریک باتیں ہیں ان سے غفلت نہیں برتنی چاہیئے اگر گناہ گار کے مختلف مراتب نہ ہوتے تو جہنم کے درجات بھی مختلف نہ ہوتے تو جب نرم سختی کے مراکز کو پہچان چکے تو اب انہیں تین یا چار درجات میں بند کرنے کی ضرورت نہیں ہے کیونکہ یہ زبردستی ہے اور اس چیز کو بند کرنا ہے جو بند نہیں ہو سکتی۔ خباثت میں حرام کے درجات کے اختلاف پر وہ بات دلالت کرتی ہے جو عنقریب ذکر کی جائے گی، اور وہ ممنوعات کا باہم تعارض ہے، نیز بعض کو بعض پر ترجیح ہے حتیٰ کہ جب کوئی شخص مردار کھانے یا کسی دوسرے کا مال یا حرم شریف کا شکار کھانے پر مجبور ہو جائے تو ان میں سے بعض کو بعض پر مقدم کریں گے۔

پرہیزگاری کے چار درجات کی مثالیں

پہلا درجہ جو عدل والے لوگوں کی پرہیزگاری ہے یہ ہر وہ چیز ہے جو فتویٰ کی رو سے حرام ہوتی ہے اور یہ ان چھ راستوں میں داخل ہے جو ہم نے حرام کے سلسلے میں ذکر کئے ہیں کیوں کہ اس میں کوئی نہ کوئی شرط مفقود ہوتی ہے یہ مطلق حرام ہے اور اس کا مرتکب فاسق اور گناہ گار شمار ہوتا ہے حرام مطلق سے ہماری یہی مراد ہے اور اس کی مثالوں اور شواہد کی ضرورت نہیں ہے دوسرے درجہ کی مثالوں میں وہ چیزیں شامل ہیں جن میں شبہ پایا جاتا ہے اور ہم ان سے اجتناب کو واجب قرار نہیں دیتے البتہ ان سے بچنا مستحب ہے جیسے شبہات کے باب میں آئے گا کیونکہ بعض شبہات وہ ہیں جن سے بچنا واجب ہے اور

وہ حرام سے ملتی ہے بعض شبہات سے بچنا مکروہ ہے تو ان سے پرہیز کرنا ان لوگوں کی پرہیزگاری ہے جو وسوسوں کا شکار ہیں جیسے وہ شخص جو شکار سے اس خوف کی بنیاد پر روکتا ہے کہ شاید یہ کسی انسان سے چھوٹ کر آیا ہو یعنی اس نے اس کو پکڑ کر اپنی ملک بنایا ہو، اور یہ محض وسوسہ ہے بعض مشتبہ چیزیں ایسی ہیں جن سے بچنا مستحب ہے لیکن واجب نہیں ہے ان کے بارے میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد گرامی ہے۔

دَعْ مَا یُرِیْبُكَ اِلٰی مَا لَا یُرِیْبُكَ - (۱) شک والی چیز کو چھوڑ کر غیر مشکوک کو اپناؤ۔

ہم اسے نہی تنزیہی پر محمول کرتے ہیں اسی طرح نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے۔

کُلْ مَا اَصْمَیْتَ وَدَعْ مَا اَنْمَیْتَ - (۲) جو شکار تمہارے سامنے مرے اسے کھاؤ اور جو تیر کھانے کے بعد غائب ہو جائے اسے چھوڑ دو۔

انماء کا مطلب یہ ہے کہ شکار زخمی ہو کر غائب ہو جائے پھر وہ مردہ پایا جائے۔

کیونکہ ممکن ہے وہ گرنے کی وجہ سے مرا ہو اور یہ بھی احتمال ہے کہ کسی اور وجہ سے مرا ہو اور ہمارے نزدیک مختار بات یہ ہے جیسے آگے آرہا ہے کہ یہ حرام نہیں ہے لیکن اسے چھوڑنا نیک لوگوں کی پرہیزگاری ہے اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی کہ شک والی چیز کو چھوڑ دو تنزیہی امر ہے (یعنی حرام نہیں) کیونکہ بعض روایات میں آیا ہے کہ اس سے کھاؤ اگرچہ تم سے غائب ہو جائے جب تک اس میں تمہارے تیر کے علاوہ کسی چیز کا اثر نہ ہو اسی لیے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے شکاری کتے کے بارے میں حضرت عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ "اگر وہ کھالے تو تم نہ کھاؤ کیونکہ مجھے ڈر ہے کہ اس نے اپنے لیے روک رکھا ہو" تو ہو سکتا ہے آپ نے یہ بات خوف کی وجہ سے تنزیہی طور پر فرمائی ہو۔

کیونکہ آپ نے حضرت ابو ثعلبہ خشنی رضی اللہ عنہ سے فرمایا اس سے کھاؤ انہوں نے پوچھا اگرچہ وہ اس سے کھائے؟ آپ نے فرمایا (ہاں) اگرچہ وہ اس سے کھائے (۳) یہ اس لیے کہ حضرت ابو ثعلبہ رضی اللہ عنہ کی حالت یہ تھی کہ وہ فقیر محنت کش تھے وہ اس قسم کی پرہیزگاری کو برداشت نہیں کر سکتے تھے جب کہ حضرت عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ کی حالت اسے برداشت کر سکتی تھی۔

حضرت ابن سیرین رحمہ اللہ کے بارے میں مروی ہے کہ انہوں نے اپنے ایک شریک کے لیے چار ہزار درہم چھوڑ دیئے تھے کیونکہ ان کے دل میں کچھ کھٹکا تھا اگرچہ علماء کا اتفاق ہے کہ اس میں کوئی مضائقہ نہیں۔ ہم اس درجے کی مثالیں

---

(۱) صحیح بخاری جلد اول ص ۲۷۵ کتاب البیوع

(۲) المعجم الکبیر للطبرانی جلد ۱۲ ص ۲۷ حدیث ۱۲۳۷۰

(۳) صحیح بخاری جلد ۲ ص ۸۲۳ کتاب الذبائح

درجاتِ شبہات کے ضمن میں ذکر کریں گے تو ہر وہ شبہ جس سے بچنا واجب نہ ہو وہ اسی درجے کی مثال ہے۔

تیسرا درجہ جو متقی لوگوں کی پرہیزگاری ہے اس پر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشادِ گرامی گواہ ہے۔

آپ نے فرمایا:

لَا يَبْلُغُ الْعَبْدُ دَرَجَةَ الْمُتَّقِيْنَ حَتّٰى يَدَعَ مَا لَا بَأْسَ بِهٖ مَخَافَةَ مَا بِهٖ بَأْسٌ۔ (۱)

بندہ، متقی لوگوں کے درجہ کو اس وقت تک نہیں پہنچ سکتا جب تک وہ حرج والی چیز سے ڈرتے ہوئے اس چیز کو نہ چھوڑے جس میں کوئی حرج نہیں۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں ہم حلال چیز کے دس میں سے نو حصے حرام میں پڑنے کے خوف سے چھوڑ دیتے تھے۔ کہا گیا کہ یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے۔ حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں تقویٰ کی تکمیل میں سے یہ بات بھی ہے کہ انسان ایک ذرّے کے برابر سے بھی بچے، حتیٰ کہ وہ بعض چیزیں جنہیں وہ حلال سمجھتا ہے حرام ہونے کے خوف سے چھوڑ دے تاکہ وہ اس کے اور جہنم کے درمیان حجاب بن جائے۔ یہی وجہ ہے کہ ایک بزرگ کے کسی کے ذمہ ایک سو درہم تھے وہ لے کر حاضر ہوا تو انہوں نے ننانوے درہم لے لیے اور زیادہ کے خوف سے تمام درہم لینے سے پرہیز کیا۔ اور کچھ ایسے بزرگ تھے کہ وہ پرہیز کرتے ہوئے جو کچھ وصول کرتے جَو کے دانے کے برابر کم کرکے لیتے اور جب دیتے تو ایک جَو کے دانے کے برابر زیادہ دیتے، تاکہ وہ جہنم کے راستے میں رکاوٹ بن جائے۔

اسی درجے سے متعلق وہ چیز بھی ہے جو لوگ ایک دوسرے کو چشم پوشی کے طور پر چھوڑ دیتے ہیں جب کہ فتویٰ کی رُو سے وہ حلال ہوتی ہے، لیکن وہ اس بات سے ڈرتے ہیں کہ اگر یہ دروازہ کھول دیا جائے تو یہ آگے کو بڑھے گا۔ اور نفس سستی کرتے ہوئے پرہیزگاری کو چھوڑ دے گا۔ اسی سلسلے میں حضرت علی بن معبد سے مروی ہے وہ فرماتے ہیں میں ایک کرائے کے مکان میں رہتا تھا میں نے ایک خط لکھا تو دیوار کی مٹی سے اسے خشک کرنے کا ارادہ کیا پھر میں نے سوچا کہ دیوار تو میری نہیں ہے میرے دل نے کہا دیوار کی کس قدر مٹی لے لو گے؟ چنانچہ میں نے ضرورت کے مطابق مٹی لے لی جب رات کو سویا تو دیکھا کہ ایک شخص کھڑا کہہ رہا ہے اے علی بن معبد! کل کے دن اس شخص کو معلوم ہو جائے گا جو کہتا ہے کہ دیوار کی اس قدر مٹی کی کیا حیثیت ہے شاید اس کا مطلب یہ تھا کہ وہ دیکھ لے گا کہ اس کو اپنے مقام سے کس قدر گرایا جاتا ہے کیوں کہ تقویٰ کا ایک درجہ ایسا ہے جو متقی لوگوں کی پرہیزگاری باقی نہ رہنے سے فوت ہو جاتا ہے۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ وہ اپنے اس عمل کی وجہ سے عذاب کے مستحق ہو گئے۔

اسی سے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے بارے مروی روایت ہے کہ آپ کے پاس بحرین سے کستوری آئی

---

(۱) سنن ابن ماجہ ص ۳۲۱، ابواب الزھد

تو انہوں نے فرمایا میں چاہتا ہوں کہ کوئی خاتون اس کا وزن کرے اور میں اسے مسلمانوں میں تقسیم کر دوں۔ آپ کی زوجہ حضرت عاتکہ نے عرض کیا کہ میں اچھی طرح وزن کر سکتی ہوں آپ خاموش رہے پھر وہ بات ارشاد فرمائی انہوں نے دوبارہ جواب دیا۔ آپ نے فرمایا میں نہیں چاہتا کہ تم اسے اپنی ہتھیلی میں رکھو پھر تم اس کے غبار کو اپنی گردن پر مل لو اور اس طرح مجھے دوسرے مسلمانوں سے زیادہ حاصل ہو۔

حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کے سامنے مسلمانوں کی کستوری کا وزن کیا جا رہا تھا تو انہوں نے اپنا ناک پکڑ لیا تاکہ انہیں خوشبو نہ پہنچے۔ جب لوگوں نے یہ بات محسوس کی تو آپ نے فرمایا اس سے خوشبو حاصل ہوتی ہے (اور میں لوگوں سے زیادہ نفع حاصل کرنا نہیں چاہتا)

حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ نے بچپن کے زمانے میں صدقے کی کھجوروں میں سے ایک کھجور لی تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "کخ کخ" یعنی اسے پھینک دو (۱) اسی سلسلے میں ایک بزرگ کے بارے میں منقول ہے کہ وہ قریب الموت تھے اور اسی رات ان کا وصال ہوا انہوں نے فرمایا چراغ بجھا دو۔

اب تیل میں ورثاء کا حق آچکا ہے۔

حضرت سلیمان تیمی نے حضرت نعیمہ عطار سے روایت کیا وہ فرماتی ہیں حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ مسلمانوں کی خوشبو میں سے کچھ اپنی زوجہ کو بیچنے کے لیے دیتے انہوں نے اسے مجھ پر بیچ دیا تو بڑھاتے گھٹاتے ہوئے دانتوں سے توڑتی تھیں اس طرح ان کی انگلیوں کے ساتھ کچھ لگی رہی (حضرت نعیمہ عطار نے انگلی سے اشارہ کرتے ہوئے بتایا) پھر انہوں نے اسے اپنے دوپٹے سے پونچھ لیا حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ تشریف لائے تو فرمایا یہ کیسی خوشبو ہے؟ انہوں نے بتایا تو آپ نے فرمایا تم نے مسلمانوں کی خوشبو لے لی؟ انہوں نے ان کے سر سے دوپٹہ اتارا اور پانی کا گھڑا لے کر اس پر ڈالنا شروع کر دیا پھر اسے مٹی میں ملتے اور سونگھتے پھر پانی ڈال کر مٹی میں ملتے اور سونگھتے حتیٰ کہ خوشبو نہ رہی۔ راویہ فرماتی ہیں میں دوسری بار حاضر ہوئی جب انہوں نے وزن کیا تو اس سے کچھ ان کے ہاتھ کے ساتھ لگ گئی انہوں نے اپنی انگلی منہ میں ڈالی اور پھر اسے مٹی سے پونچھ دیا تو یہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا تقویٰ تھا کیونکہ آپ کو خوف تھا کہ یہ کسی دوسری طرف نہ پہنچا دے ورنہ دوپٹہ دھونے سے خوشبو مسلمانوں تک نہیں پہنچ سکتی تھی لیکن انہوں نے ان کو (اپنی زوجہ کو) ڈانٹتے ہوئے اور باز رکھنے کے لیے اسے ضائع کروایا نیز آپ نے اس بات سے ڈرتے تھے کہ کہیں معاملہ دور تک نہ پہنچ جائے۔

اسی سلسلے کی ایک مثال یہ ہے کہ حضرت امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ سے ایک شخص کے بارے میں پوچھا گیا جو ایسی

---

(۱) صحیح بخاری جلد اول ص ۲۰۲

مسجد میں ہو جس میں بعض بادشاہوں کے لئے انگیٹھی میں عُود (خوشبو) سلگائی جاتی ہے (جیسے آجکل اگربتی جلائی جاتی ہے) اور مسجد میں وہ خوشبو پھیل جاتی ہے انہوں نے فرمایا اسے مسجد سے نکل آنا چاہیئے کیوں کہ عُود سے تو صرف خوشبو کا نفع ہی حاصل کیا جاتا ہے اور یہ حرام کے قریب ہے کیوں کہ جس قدر خوشبو اس کے کپڑوں میں لگے گی کبھی اس کے مالک کی طرف سے اجازت ہوتی ہے اور کبھی وہ بخیل ہوتا ہے نہ معلوم وہ اس سے چشم پوشی کرتا ہے یا نہیں۔

حضرت امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ سے پوچھا گیا کہ ایک شخص سے کوئی کاغذ گر جاتا ہے جس میں احادیث لکھی ہوتی ہیں تو کیا اسے پانے والا اس سے احادیث نقل کر کے اسے واپس کر سکتا ہے ؟ انہوں نے فرمایا نہیں، بلکہ وہ اجازت لے کر لکھے۔ کیونکہ اس میں بھی شک ہوتا ہے کہ پتہ نہیں اس کا مالک اس (لکھنے) پر راضی ہو گا یا نہیں لہذا جو چیز شک کے مقام پر ہو اور اصل کے اعتبار سے حرام ہو وہ بھی حرام ہوتی ہے اور اسے چھوڑنا پہلے درجے میں شمار ہوتا ہے۔

اس کی ایک مثال زینت اختیار کرنے میں پرہیز کرنا ہے کیونکہ اس سے کسی گناہ کی طرف جانے کا ڈر ہوتا ہے اگرچہ زینت ذاتی طور پر جائز ہے، حضرت امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ سے سبتی (نوک والے) جوتے کے بارے میں پوچھا گیا تو انہوں نے فرمایا میں تو استعمال نہیں کرتا لیکن اگر کیچڑ کی وجہ سے ہو تو کوئی حرج نہیں لیکن زینت کا ارادہ نہیں ہونا چاہیے۔

اسی سے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا واقعہ ہے کہ جب آپ مسلمانوں کے امیر بنے تو آپ کی ایک زوجہ تھیں آپ نے اس ڈر سے انہیں طلاق دے دی کہ کہیں وہ ناجائز کام میں سفارش نہ کر دے پس وہ اس کی خوشی کے لیے اس کی بات مان لیں تو یہ اس چیز کو چھوڑنا ہے جس کو اختیار کرنے میں کوئی حرج نہیں لیکن حرج والی چیز میں پڑنے کے خوف سے چھوڑا جاتا ہے۔

لیکن مباح (جائز) کام ممنوعات کی طرف لے جاتے ہیں حتیٰ کہ زیادہ کھانے کی طلب، اور غیر شادی شدہ کا خوشبو لگانا شہوت کو حرکت دینے کا باعث ہوتا ہے پھر شہوت سوچنے پر مجبور کرتی ہے سوچ دیکھنے تک پہنچاتی ہے اور دیکھنا کسی اور کام کی طرف لے جاتا ہے، اسی طرح مالدار لوگوں کے گھر اور ان کی زیب و زینت کو دیکھنا جائز ہے لیکن اس سے حرص پیدا ہوتی ہے اور اس کی مثل کی دعوت دیتا ہے پھر اس کو حاصل کرنے کے لیے حرام امور کا ارتکاب کرنا پڑتا ہے، تمام مباح اور جائز امور کا یہی حال ہے اگر دو باتوں کا خیال نہ رکھا جائے تو اس کا انجام خطرے سے خالی نہیں ایک یہ کہ اسے (مباح چیز کو) ضرورت کے وقت اور ضرورت کے مطابق لیا جائے نیز اس کی آفات کو جان کر ان سے پرہیز کیا جائے۔

دوسرا یہ کہ ان آفات سے ہمیشہ بچتے رہیں اسی طرح جو چیز خواہش کے مطابق لی جاتی ہے وہ بھی خطرے سے خالی نہیں ہوتی حتیٰ کہ حضرت امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ نے دیواروں پر قلعی کرنے کو ناپسند فرمایا وہ فرماتے ہیں زمین پر لپائی کرنے سے گرد و غبار نہیں اٹھتی دیواروں پر قلعی کا کیا فائدہ ہے۔ یعنی کہ انہوں نے مساجد کو قلعی کرنے اور زینت اختیار کرنے پر بھی اعتراض کیا انہوں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اس روایت سے استدلال کیا آپ سے پوچھا گیا کہ مسجد کی چھت پر گِل لگائیں ؟ آپ نے فرمایا نہیں حضرت موسیٰ کی چھت کی طرح چھت بنائیں (محض سایہ دار ہونا کافی ہے) شہتیر کی طرح

کی ایک چیز جس کو کسی جگہ ملا جاتا ہے یا لگایا جاتا ہے۔
تو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی اجازت نہ دی۔
پہلے بزرگوں نے باریک کپڑے کو ناپسند فرمایا اور فرمایا کہ جس کے کپڑے باریک ہوں اس کا دین پتلا ہوتا ہے اور یہ سب کچھ اس بات کے خوف سے تھا کہ کہیں جائز کاموں میں خواہشات کی اتباع ناجائز کاموں تک نہ پہنچا دے کیوں کہ نفس کی شہوت ممنوع اور جائز کام دونوں میں ایک جیسی ہوتی ہے۔ اور جب خواہش میں چشم پوشی کی عادت ہو جائے تو وہ آگے کو بڑھتی ہے لہذا خوف کا تقاضا یہ ہے کہ ان تمام چیزوں سے پرہیز کیا جائے۔
تو جو حلال اس خوف سے خالی ہو وہ حلال پاکیزہ ہے اور تیسرے درجہ میں ہے اور یہ ہر وہ کام ہے جس کی ادائیگی سے گناہ میں پڑنے کا خطرہ بالکل نہیں ہوتا چوتھا درجہ جو متقی لوگوں کی پرہیز گاری ہے تو ان کے نزدیک ہر وہ چیز حلال ہے جس کے اسباب میں کوئی گناہ نہ ہو اور اس کے ذریعے گناہ پر مدد حاصل نہ ہو اور نہ اس سے اپنی حاجت کو پورا کرنا مقصود ہو نہ فی الحال اور نہ مستقبل میں، بلکہ صرف اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی اس کی عبادت پر قوت کے حصول اور مقرر وقت تک زندگی کو باقی رکھنے کے لیے کھائے۔
یہ وہ لوگ ہیں جو ہر اس چیز کو حرام سمجھتے ہیں جو اللہ تعالیٰ کے لیے نہ ہو۔
کیونکہ ارشاد خداوندی ہے:

قُلِ اللّٰهُ ثُمَّ ذَرْهُمْ فِيْ خَوْضِهِمْ يَلْعَبُوْنَ۔ (۱)	آپ فرما دیجئے اللہ تعالیٰ ہے پھر ان کو چھوڑ دیں اپنی بیہودگیوں میں کھیلتے ہیں۔

یہ ان لوگوں کا مرتبہ ہے جو توحید کو ماننے والے ہیں اور اپنی نفسانی خواہشات سے الگ تھلگ رہتے ہیں۔ اور وہ صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کی رضا چاہتے ہیں اور اس بات میں کوئی شک نہیں کہ جو شخص اس چیز سے بچتا ہے جو اسے گناہ تک پہنچاتی ہے یا اس پر مددگار ثابت ہوتی ہے اس آدمی کو اس چیز سے بھی اجتناب کرنا چاہیئے جس کے کمانے سے گناہ ہوتا ہے یا کم از کم وہ مکروہ ہے۔
حضرت یحییٰ بن کثیر رحمہ اللہ کے بارے میں ایک روایت اسی سلسلے کی ایک کڑی ہے وہ یہ کہ انہوں نے دوائی پی تو ان کی بیوی نے کہا اگر آپ گھر میں تھوڑا سا چلیں تو اچھا ہے تاکہ دوا اپنا عمل کرے۔ انہوں نے فرمایا میں اس چلنے کو نہیں جانتا اور میں تیس سال سے اپنے نفس کا محاسبہ کر رہا ہوں گویا ان کے لیے اس چلنے میں ایسی نیت ظاہر نہیں ہوئی

(۱) قرآن مجید، سورۂ انعام آیت ۹۱

جو دین سے متعلق ہو لہٰذا انہوں نے اس کو جائز نہ سمجھا۔

حضرت سری سقطی رحمہ اللہ کے بارے میں منقول ہے انہوں نے فرمایا کہ میں پہاڑ میں ایک سبزی تک پہنچا وہاں سے پانی بھی نکلتا تھا تو میں سبزی کھائی اور پانی بھی پیا پھر میں نے دل میں کہا کہ اگر تو نے آج حلال اور پاکیزہ چیز کھائی ہے تو وہ یہ ہے اتنے میں ایک غیبی آواز آئی کہ جس قوت نے تجھے یہاں تک پہنچایا وہ کہاں سے حاصل ہوئی، فرماتے ہیں میں واپس لوٹا اور شرمندہ ہوا۔

اسی سلسلے میں حضرت ذوالنون مصری رحمہ اللہ کا واقعہ ہے کہ آپ بھوکے تھے اور قید میں تھے ایک نیک عورت جیل کے داروغہ کے ہاتھ ان کے لیے کھانا بھیجا تو انہوں نے نہ کھایا پھر عذر پیش کرتے ہوئے فرمایا کہ یہ ظالم تھال سے آیا تھا یعنی جس قوت نے مجھے یہ کھانا پہنچایا وہ پاک نہ تھی تو پرہیزگاری میں یہ انتہائی درجہ ہے۔

حضرت بشر رحمہ اللہ کا یہ عمل بھی اسی سلسلے کی ایک مثال ہے، کہ وہ ان نہروں سے پانی نہیں پیتے تھے جن کو حکمرانوں نے کھدوایا تھا کیونکہ نہر پانی کے جاری ہونے اور اس تک پہنچنے کا سبب ہے اگرچہ پانی اپنی ذات میں مباح تھا۔ گویا وہ اس نہر سے نفع حاصل کر رہے ہوں جو مزدوری کرنے والوں نے کھودی اور انہیں حرام مال سے مزدوری دی گئی۔ اسی لیے بعض بزرگوں نے حلال انگور سے بھی پرہیز کیا اور اس کے مالک سے فرمایا کہ تم نے اسے ان نہروں کا پانی دے کر خراب کر دیا جن کو ظالموں نے کھودا تھا۔ تو پانی پینے کی وجہ سے جو ظلم ہو سکتا تھا یہ اس سے دور رہنا ہے کیوں کہ یہ اس پانی سے انگور کو نفع پہنچانے سے بچنا ہے بعض بزرگ حج کے لیے جاتے ہوئے ان حوضوں وغیرہ سے پانی نہیں پیتے تھے جنہیں ظالموں نے بنایا تھا حالاں کہ پانی مباح تھا لیکن وہ اپنے آپ کو اس حوض سے محفوظ رکھتے تھے جو حرام مال سے بنایا گیا۔ گویا کہ اسی سے نفع حاصل کرنا ہے۔

حضرت ذوالنون رحمہ اللہ کا جیل کے داروغہ سے کھانا نہ لینا ان تمام سے بڑی پرہیزگاری ہے کیونکہ اس کا ہاتھ حرام کے ساتھ موصوف نہیں ہوتا بخلاف اس کے کہ غصب کیے ہوئے تھال میں کھانا دیا جائے لیکن وہ اس قوت کے ذریعے ان تک پہنچا جو حرام غذا کے ذریعے حاصل کی گئی تھی اسی لیے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے دودھ کی قے کر دی کیوں کہ آپ کو ڈر تھا کہ کہیں اس میں حرام نے قوت پیدا نہ کر دی ہو حالانکہ لاعلمی میں نوش فرما رہے تھے، اور آپ پر اس کا (منہ سے) نکالنا واجب بھی نہ تھا لیکن خبیث چیز سے پیٹ کو خالی رکھنا صدیقین کی پرہیزگاری ہے۔

درزی کی وہ کمائی جو اس نے مسجد میں سلائی کر کے حاصل کی اس سے بچنا بھی اسی قسم کی پرہیزگاری ہے حضرت امام احمد رحمہ اللہ نے درزیوں کا مسجد میں بیٹھنا (بیٹھ کر کپڑے سینا) ناپسند فرمایا ہے۔ ایک کاتنے والا بارش کے ڈر سے قبرستان کے ایک قبے میں بیٹھ جاتا، حضرت امام احمد رحمہ اللہ سے اس بارے میں پوچھا گیا تو انہوں نے فرمایا یہ (قبرستان) امر آخرت سے ہے۔ اور آپ نے وہاں بیٹھنا پسند نہ کیا۔

ایک بزرگ نے اپنا چراغ اس لیے بجھا دیا کہ ان کے غلام نے ایسی قوم (کے چراغ) سے اسے روشن کیا جن کا مال مکروہ تھا، اور وہ اس تنور کو روٹی کے لیے گرم کرنے سے رک گئے جس میں مکروہ لکڑی کی کوئی چنگاری باقی رہ گئی اور ایک بزرگ نے بادشاہ کی مشعل کی روشنی میں جوتے کا تسمہ باندھنا پسند نہیں فرمایا۔

تو آخرت کے راستے پر چلنے والوں کی پرہیزگاری کی یہ باریک باتیں ہیں۔ اور اس میں تحقیق یہ ہے کہ پرہیزگاری کی ایک ابتدا ہے اور وہ اس چیز سے رُکنا ہے جو فتویٰ کی رُو سے حرام ہے اور یہ عادل (غیر فاسق) لوگوں کی پرہیزگاری ہے اور ایک اس کی انتہا ہے اور یہ صدیقین کا تقویٰ ہے اور یہ ہر اس کام سے بچنا ہے جو اللہ تعالیٰ کے لیے نہ ہو یعنی خواہش کے تحت کیا جائے یا کسی مکروہ طریقے پر اس تک پہنچے یا اس کے ذریعے کسی مکروہ کا مرتکب ہونا پڑے۔ ان دونوں کے درمیان احتیاط کے درجات ہیں۔

تو جب انسان اپنے نفس پر زیادہ سختی نہیں کرتا تو قیامت کے دن اس کا بوجھ بھی ہلکا ہوگا اور وہ پُل صراط پر تیزی سے گزرے گا اور اس کے گناہوں کا پلڑہ نیکی کے پلڑے پر بھاری نہیں ہوگا ۔ تقویٰ کے ان درجات کے تفاوت کی وجہ سے آخرت کی منازل میں بھی فرق ہے جس طرح خباثت میں حرام کے درجات مختلف ہونے کی وجہ سے ظالموں کے حق میں جہنم کے درجات مختلف ہیں۔ جب حقیقت حال تم پر واضح ہوگئی تو تمہیں اختیار ہے اگر چاہو تو زیادہ احتیاط کرو اور اگر چاہو تو رخصت پر عمل کرو۔

اگر احتیاط برتو گے تو تمہارا اپنا فائدہ ہے اور اگر رخصت سے فائدہ اٹھاؤ گے تو تمہارا اپنا نقصان ہوگا۔ والسلام۔

دوسرا باب

شبہات کے مراتب اور حلال وحرام سے ان کا امتیاز

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

حلال بھی واضح ہے اور حرام بھی، اور ان دونوں کے درمیان کچھ مشتبہ چیزیں ہیں جنہیں اکثر لوگ نہیں جانتے پس جو آدمی شبہات سے بچا اس نے اپنی عزت اور دین کو محفوظ کر لیا اور جو آدمی مشتبہ امور میں پڑا (گویا) حرام میں پڑ گیا جس طرح چرواہا جو سرکاری (ممنوع) چراگاہ کے گرد چراتا ہے تو قریب ہے کہ وہ اس میں چلا جائے۔ (۱)

یہ حدیث تین اقسام کو ثابت کرنے میں واضح نص ہے، ان میں سے درمیان والی قسم مشکل ہے اسے عام لوگ نہیں جانتے اور یہ شبہ ہے لہذا اس کا بیان ضروری ہے تاکہ پردہ ہٹ جائے کیونکہ جس چیز کو زیادہ لوگ نہیں جانتے اسے تھوڑے لوگ جانتے ہیں۔ پس ہم کہتے ہیں،

مطلق حلال

مطلق حلال وہ چیز ہے جس کی ذات میں وہ صفات نہ پائی جائیں جو اس کو ذاتی طور پر حرام کرتی ہوں اور اس کے اسباب میں بھی وہ بات نہ پائی جائے جو اسے حرام یا مکروہ بنا دے اس کی مثال وہ پانی ہے جسے آدمی بارش سے حاصل کرتا ہے اس سے پہلے کہ وہ کسی کی ملک میں آئے نیز وہ جمع ہونے کے بعد ٹھہر جائے اسی طرح وہ اسے فضا سے اپنی ملک میں لے یا کسی مباح زمین سے حاصل کرے۔

حرام محض وہ ہے جس میں کوئی حرام کرنے والی صفت پائی جائے اور اس میں کسی قسم کا شبہ نہ ہو جیسے خمر (شراب) میں شدید قسم کا نشہ یا پیشاب کی نجاست، یا وہ ایسے سبب سے حاصل ہو جو قطعی طور پر ممنوع ہے جیسے ظلم اور سود وغیرہ کے ذریعے حاصل کرنا، یہ دونوں (حلال وحرام) کنارے ہیں جو واضح ہیں۔

ان دونوں کے ساتھ وہ چیز ملتی ہے جس کا حکم متحقق ہو چکا لیکن اس میں غیر کا بھی احتمال ہو اور اس احتمال پر دلالت کرنے والا کوئی سبب نہ پایا جاتا ہو۔ مثلاً خشکی اور سمندر کا شکار حلال ہے اب جو آدمی ہرن کو پکڑتا ہے تو یہ بھی احتمال ہے کہ کوئی شکاری اس کا مالک بنا ہو پھر وہ اس سے بھاگ نکلی ہو اسی طرح مچھلی کے بارے میں احتمال ہے کہ وہ شکاری سے کھسک گئی ہو یعنی پہلے اس کے ہاتھ یا جال میں پھنسی ہو، بارش کے پانی میں اس قسم کے احتمالات کی کوئی

---

(۱) صحیح بخاری جلد اول ص ۲۷۵ کتاب البیوع

گنجائش نہیں یعنی جب وہ فضا سے براہ راست حاصل کیا جائے لیکن یہ (شکار) بارش کے پانی کے حکم میں ہے اور اس سے بچنا محض وسوسے کی بنیاد پر ہے اور ہم اسے وسوسہ والوں کی پرہیز گاری کہتے ہیں تاکہ ہم اس کی مثالیں اس کے ساتھ ملا دیں کیونکہ یہ محض وہم ہے جس پر کوئی دلالت نہیں پائی جاتی، ہاں اگر اس پر کوئی دلیل دلالت کرتی ہو تو دیکھیں گے یا تو وہ دلیل قطعی ہو گی جیسے مچھلی کے کان میں کوئی کڑا وغیرہ ہو یا اس میں بھی احتمال ہو گا جیسے ہرن پر کوئی زخم پایا گیا جس میں احتمال ہے کہ وہ داغا گیا ہو اور یہ شکار کے بعد بھی ہو سکتا ہے اور یہ بھی احتمال ہے کہ وہ زخم ہو تو یہ پرہیزگاری کا مقام ہے اور جب کسی قسم کی دلالت نہ پائی جاتی ہو تو احتمال کا نہ ہونا تو اس کی دلیل ہے جیسا کہ اس کی ذات میں احتمال معدوم ہو۔ اسی جنس سے ہے کہ اگر شخص کسی سے بطور ادھار مکان لیتا ہے اب ادھار دینے والا اس سے غائب ہو جاتا ہے اور یہ شخص باہر آکر کہتا ہے کہ شاید وہ مر گیا ہو اور یہ وارث کا حق بن گیا ہو تو یہ محض وسوسہ ہے۔

کیونکہ اس کی موت پر کوئی قطعی یا مشکوک دلیل نہیں ہے کیوں کہ ممنوعہ شبہ، شک سے پیدا نہیں ہوتا اور شک ایسے دو عقیدوں کا نام ہے جو ایک دوسرے کے مقابل ہوتے ہیں اور وہ دو سببوں سے پیدا ہوتے ہیں لہٰذا جس کا کوئی سبب نہیں ہو گا اس کا عقیدہ نفس میں ثابت نہیں ہو گا تاکہ وہ اپنے مقابل نظریے کے برابر ہو جائے اور شک قرار پائے۔ اسی لیے ہم کہتے ہیں کہ جس آدمی کو شک ہو کہ اس نے تین رکعات پڑھی ہیں یا چار؟ تو وہ تین کو اختیار کرے کیونکہ اصل، زیادہ کا نہ ہونا ہے۔ اور اگر کسی انسان سے پوچھا جائے کہ اس نے آج سے دس سال قبل جو ظہر کی نماز پڑھی تھی وہ تین رکعات تھیں یا چار؟ تو وہ قطعی طور پر نہیں کہہ سکتا کہ چار تھیں جب قطعی طور پر نہیں کہہ سکتا تو جائز ہے کہ وہ تین ہوں اور یہ جواز شک نہیں کہلاتا کیوں کہ یہاں کوئی ایسا سبب نہیں پایا جاتا جو اس اعتقاد کو واجب کرے کہ وہ تین رکعات تھیں تو تمہیں حقیقتِ شک کو معلوم کرنا چاہیے تاکہ کسی سبب کے بغیر وہم اور تجویز متحقق نہ ہو تو یہ مطلق حلال کے ساتھ مل جاتا ہے۔

اور حرام مطلق کے ساتھ وہ ملتا ہے جس کا حرام ہونا ثابت ہو۔ اگرچہ کسی حلال کرنے والی چیز کا آنا ممکن ہے لیکن اس پر کوئی سبب دلالت نہیں کرتا جیسے کسی شخص کے ہاتھ میں اس مورث کا کھانا ہو جس کا اس کے سوا کوئی وارث نہ ہو پھر وہ مورث غائب ہو جائے اور یہ کہے کہ شاید وہ مر گیا ہو اور یہ ملکیت میری طرف منتقل ہو گئی پس میں اسے کھاتا ہوں تو اس کا یہ اقدام محض حرام کی طرف بڑھنا ہے کیونکہ اس احتمال کی کوئی سند نہیں لہٰذا اس طریقے کو شبہات کی اقسام میں شمار میں کیا جا سکتا ہے۔ یہ شک شبہ یعنی کسی بات کا معاملہ ہم پر پوشیدہ ہو جائے وہ یہ ہے کہ ہمارے سامنے اس میں دو قسم کے عقیدے ایک دوسرے سے ٹکرا جائیں اور ان دونوں کے دو الگ الگ سبب ہوں جو ان اعتقادات کو چاہتے ہوں۔

شبہ پیدا ہونے کے پانچ مقامات ہیں۔ جو یہ ہیں۔

شبہ کا پہلا منبع

حلال اور حرام کرنے والے سبب میں شبہ دونوں احتمال یا تو ایک دوسرے کے برابر ہوں گے یا ایک احتمال دوسرے پر غالب ہو گا اگر دونوں برابر ہوں تو حکم پہلے سے معلوم

صورت کے مطابق ہوگا جسے استصحاب کہتے ہیں اور شک کو چھوڑا نہیں جائے گا اور اگر ایک احتمال غالب ہو مثلاً وہ معتبر دلالت سے پیدا ہو تو غالب کے غالب کے مطابق حکم ہوگا اور اس بات کی وضاحت مثالوں اور شواہد کے ذریعے ہو سکتی ہے پس ہم اس کو چار قسموں میں تقسیم کرتے ہیں۔

پہلی قسم:۔ اس سے پہلے اس کا حرام ہونا معلوم ہو پھر حلال کرنے والے سبب میں شک ہو یہ وہ شبہ ہے جس سے اجتناب ضروری ہے اور اس کی طرف بڑھنا حرام ہے۔ اس کی مثال یہ ہے کہ شکار پر تیر پھینک کر اسے زخمی کر دے اب وہ پانی میں گر جائے اور مرا ہوا ملے لیکن معلوم نہیں کہ وہ ڈوبنے سے مرا یا زخم سے تو یہ شکار حرام ہے کیوں اصل حرام ہونا ہے۔

البتہ یہ کہ وہ کسی معین طریقے پر مرے اور مرنے کے طریقے میں اختلاف ہو تو اب یقین، شک کے ساتھ زائل نہیں ہوگا جیسے حدث، نجاست اور نماز کی رکعات وغیرہ کے بارے میں ہوتا ہے (کہ یقین کو شک سے زائل نہیں کیا جاتا ہے)

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا حضرت عدی بن حاتم کو یہ فرمانا کہ اسے نہ کھاؤ ممکن ہے تمہارے کتے کے علاوہ (کسی دوسرے کتے) نے اسے ہلاک کیا ہو" (۱) سے یہی مراد ہے اور یہی وجہ ہے کہ جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس کوئی ایسی چیز آتی جس میں شبہ ہوتا کہ شاید یہ صدقہ ہے یا ہدیہ؟ تو آپ اس کے بارے میں سوال کرتے حتیٰ کہ آپ کو معلوم ہو جاتا کہ وہ کیا ہے۔ (۲)

ایک روایت میں ہے کہ ایک رات نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بے چین رہے تو آپ کی کسی زوجہ نے عرض کیا یا رسول اللہ! آپ کو نیند نہیں آئی آپ نے فرمایا ہاں میں نے ایک کھجور پائی تو مجھے ڈر ہوا کہ شاید یہ صدقہ سے ہو (۳)

ایک روایت میں ہے کہ آپ نے فرمایا میں نے اسے کھا لیا اور مجھے ڈر ہے کہ شاید وہ صدقہ سے ہو اسی سلسلے میں ایک صحابی سے مروی ہے وہ فرماتے ہیں ہم ایک سفر میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ تھے ہمیں بھوک محسوس ہوئی تو ہم ایک منزل پر اترے جہاں گوہ بہت زیادہ تھیں اس دوران (گوہوں) کے ساتھ ہانڈیاں جوش مار رہی تھیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بنی اسرائیل کی ایک جماعت کی شکلیں بگاڑی گئی تھیں مجھے ڈر ہے کہ یہ وہی ہو (۴) چنانچہ ہم نے ہانڈیاں انڈیل دیں پھر اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے آپ کو بتایا کہ اس نے جن کی شکلیں بگاڑی ہیں

---

(۱) صحیح بخاری جلد اول ص ۲۷۶ کتاب البیوع

(۲) صحیح مسلم جلد اول ص ۳۴۵ کتاب الزکوٰۃ

(۳) مسند امام احمد بن حنبل جلد ۲ ص ۱۹۳ مرویات عمرو بن شعیب

(۴) مسند امام احمد بن حنبل جلد ۳ ص ۱۹ ابو سعید خدری

ان کی نسل کو باقی نہیں رکھا (۱) تو آپ کا شروع میں اس سے رکنا اس لیے تھا کہ اصل میں وہ حلال نہ تھی اور آپ کو اس بارے میں شک تھا کہ کیا اس کو ذبح کرنا اس کو حلال کر سکتا ہے (اس کے باوجود حضور علیہ السلام خود نہیں تناول فرماتے تھے اور ارشاد فرماتے کہ یہ میری قوم کی زمین میں نہیں پائی جاتی)

دوسری قسم یہ ہے کہ حلت معلوم ہو اور حرام ہونے میں شک ہو تو اصل حلال ہونا ہے اور اسی کے لیے حکم ہوتا ہے جیسے دو آدمی دو عورتوں سے نکاح کریں اور ایک پرندہ اُڑے تو ان میں سے ایک کہے اگر یہ کوّا ہوا تو میری بیوی کو طلاق ہے اور دوسرا کہے کہ اگر یہ کوّا نہ ہوا تو میری بیوی کو طلاق ہے اب پرندے کا معاملہ مشتبہ ہو جائے تو ان میں سے کسی ایک عورت کے بھی حرام ہونے کا حکم نہیں دیا جائے گا اور نہ ان سے بچنا لازم ہوگا ۔ البتہ تقویٰ یہ ہے کہ انہیں چھوڑ دیں اور طلاق دے دیں تاکہ وہ دوسروں کے لیے حلال ہو جائیں ۔ حضرت مکحول رحمہ اللہ نے اس مسئلے میں اجتناب کا فتویٰ دیا ہے ۔

دو آدمیوں کے درمیان جھگڑا ہو گیا ایک نے دوسرے سے کہا کہ تم بہت حاسد ہو دوسرے نے کہا ہم میں سے جو زیادہ حاسد ہے اس کی بیوی کو طلاق ہے پہلے نے کہا ہاں ٹھیک ہے ، اب معاملہ مشکل ہو گیا تو حضرت شعبی رحمہ اللہ نے اجتناب کا فتویٰ دیا ۔ یہ اس صورت میں ہے جب تقویٰ کی بنیاد پر بچنا مقصود ہو اور اگر قطعی حرمت کا ارادہ ہو تو اس کی کوئی وجہ نہیں ہے ۔ کیونکہ پانی ، نجاستوں اَحداث (بے وضو ہونا یا غسل کا فرض ہونا حدث کہلاتا ہے) اور نمازوں کے بارے میں ثابت ہے کہ شک کی بنیاد پر اسے چھوڑا نہیں جا سکتا اور یہ بھی اسی معنی میں ہے ۔

اگر تم کہو کہ اس میں اور ان کے درمیان کیا مناسبت ہے ؟ تو جان لو کہ مناسبت کی ضرورت نہیں ہے یہ اس کے بغیر بھی بعض صورتوں میں لازم ہے کیونکہ جب پانی کے پاک ہونے کا یقین ہو پھر اس کے ناپاک ہونے میں شک ہو تو اس سے وضو کرنا جائز ہے تو اب اس سے پینا کیسے جائز نہ ہوگا اور جب پینا جائز ہوا تو مان لیا گیا کہ شک کے ساتھ یقین زائل نہیں ہوتا البتہ یہاں ایک نہایت باریک بات ہے وہ یہ کہ پانی کے ساتھ یہ مثال تب صحیح ہوتی جب وہ اس بات میں شک کرتا کہ آیا اس نے اپنی بیوی کو طلاق دی ہے یا نہیں پس کہا جاتا کہ اصل یہ ہے کہ اس نے طلاق نہیں دی ،

لیکن پرندے والے مسئلہ کو اس پر قیاس کرنا صحیح نہیں اس کی مثال یہ ہو سکتی ہے کہ دو برتنوں میں سے ایک کے ناپاک ہونے کا یقین ہو اور یہ معلوم نہ ہو کہ وہ کونسا ہے تو اجتہاد کے بغیر کسی ایک کو بھی استعمال نہ کرے کیوں کہ اب نجاست کا یقین ، طہارت کے یقین کے مقابل آ گیا ۔ لہٰذا استصحاب (پہلی حالت پر ہونا) باطل ہو گیا اسی طرح یہاں بھی ایک عورت کا مطلقہ ہونا یقینی ہے البتہ اس کے تعین میں التباس ہے ۔

---

(۱) مسند امام احمد بن حنبل جلد اول ص ۳۰۹ مرویات عبداللہ

تو ہم کہتے ہیں حضرت امام شافعی رحمہ اللہ کے اصحاب نے دو برتنوں کے سلسلے میں تین طریقوں پر اختلاف کیا ہے بعض نے کہا کسی اجتہاد کے بغیر پہلے والی صورت (استصحاب) پر عمل کیا جائے دوسرے حضرات نے فرمایا کہ جب یقینی طہارت کے مقابلے میں یقینی نجاست آگئی تو اب اجتناب واجب ہے اور اجتہاد کی ضرورت نہیں جب کہ اعتدال کی راہ اختیار کرنے والوں نے فرمایا کہ اجتہاد کیا جائے۔ اور یہی صحیح بات ہے لیکن یہ مثال کہ کسی کی دو بیویاں ہوں اور وہ کہے کہ اگر یہ پرندہ کوا ہے تو زینب کو طلاق ہے اور اگر کوا نہیں ہے تو عمرہ کو طلاق ہے تو اب پہلی حالت (حلت) کی وجہ سے اس کے لیے جائز نہیں کہ ان میں سے کسی ایک سے جماع کرے اور نہ اجتہاد ہو سکتا ہے کیونکہ یہاں کوئی علامت نہیں۔ اور ہم اس پر ان دونوں کو اس لئے حرام قرار دیتے ہیں کہ اگر وہ ان دونوں سے وطی کرے تو حرام کا مرتکب ہوگا اور اگر ایک سے وطی کرے اور کہے کہ میں اسی پر اکتفا کرتا ہوں تو وہ کسی ترجیح کے بغیر تعیین کرنے والا ہوگا تو اس طرح ایک آدمی اور دو آدمیوں کے حکم میں فرق معلوم ہوگیا (یعنی دو کی بیویاں ہوں تو الگ حکم ہے اور اگر ایک آدمی کی دو بیویاں ہوں تو الگ حکم ہے) کیونکہ ایک آدمی پر حرام ہونے کا حکم ثابت ہے جب کہ دو آدمیوں کے بارے میں ایسا نہیں ہے کیونکہ ہر ایک کو اپنے اوپر عورت کے حرام ہونے کے بارے میں شک ہے۔ اگر کہا جائے کہ اگر دو برتن دو آدمیوں کے ہوں تو مناسب ہے کہ یہاں بھی اجتہاد کی ضرورت نہ ہو اور ہر ایک اپنے برتن سے وضو کرے کیونکہ اسے اپنے برتن کے پاک ہونے کا یقین تھا اور اب شک پیدا ہوا۔ ہم کہتے ہیں فقہ میں اس کا احتمال ہے لیکن میرے خیال میں اس سے منع کیا جانا چاہیئے اور یہاں شخصیات کا متعدد ہونا ایک کی طرح ہے۔

کیونکہ وضو کا صحیح ہونا مِلک کا تقاضا نہیں کرتا (کہ پانی اپنی مِلک ہی ہو) بلکہ حدث کو دور کرنے کے لیے کسی دوسرے کے پانی سے وضو کرنا اپنے پانی سے وضو کرنے کی طرح ہے لہٰذا اپنی مِلک کا ہو یا دوسرے کی ملکیت ایک ہی بات ہے لیکن دوسرے آدمی کی بیوی سے جماع کرنا جائز نہیں ہے نیز علامات کا نجاستوں میں دخل ہوتا ہے اور ان میں اجتہاد ممکن ہے جب کہ طلاق کا حکم اس طرح نہیں ہے لہٰذا پانی میں استصحاب (پہلی حالت) کی تقویت کسی علامت کے ساتھ ضروری ہے تاکہ اس کے ذریعے اس یقینی نجاست کی قوت زائل ہو جائے جو یقینی طہارت کے مقابلے میں ہے استصحاب اور ترجیحات کے ابواب فقہ کی گہرائیوں اور باریکیوں میں سے ہیں ہم نے کتب فقہ میں ان پر مکمل بحث کی ہے یہاں ہم صرف قواعد کی طرف اشارہ کرتے ہیں۔

تیسری قسم یہ ہے کہ اصل حرمت ہو لیکن اس پر ایسا حکم طاری ہو گیا جو غالب گمان کے مطابق اس کی حلت کو واجب کرتا ہے تو یہ چیز مشکوک ہے اور غالب یہی ہے کہ حلال ہو لہٰذا اس میں غور کیا جائے اگر غالب گمان کسی ایسے سبب کی طرف منسوب ہے جو شرعی طور پر معتبر ہے تو ہمارے نزدیک مختار قول یہ ہے کہ وہ حلال ہے اور اس سے بچنا تقویٰ ہے۔ اس کی مثال یہ ہے کہ شکار کی طرف تیر پھینکا جاتے پھر وہ شکار غائب ہو جائے اس کے بعد مرا ہوا ملے اور اس پر تیر کے نشان کے علاوہ کوئی نشان نہ پایا جائے لیکن یہ بھی احتمال ہو کہ وہ گرنے کی وجہ سے یا کسی اور سبب سے مرا ہو اگر اس پر

کسی صدمہ یا کسی اور زخم کا نشان ہو تو اسے پہلی قسم کے ساتھ ملایا جائے گا اور اس قسم میں حضرت امام شافعی رحمہ اللہ کے مختلف اقوال ہیں اور مختار قول یہ ہے کہ وہ حلال ہے اور ضابطہ یہ ہے کہ اس پر کوئی دوسری بات طاری نہیں ہوتی لہٰذا اس دوسری بات کا طاری ہونا مشکوک ہوا اور یقین کو شک سے زائل نہیں کیا جا سکتا۔

سوال:

اگر کہا جائے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: کہ اگر وہ تمہارے لیے چھوڑے تو اسے کھاؤ اور اگر وہ غائب ہو کر مرے تو نہ کھاؤ۔ اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ ایک شخص رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک خرگوش لے کر حاضر ہوا اور عرض کیا کہ یہ میرے تیر سے مرا ہے میں اس میں اپنے تیر کو پہچانتا ہوں آپ نے فرمایا کیا وہ تیر لگنے کے بعد سامنے ہی گر گیا یا غائب ہو گیا تھا؟ اس نے عرض کیا غائب ہو گیا تھا آپ نے فرمایا "اللہ تعالیٰ کی مخلوقات میں سے ایک مخلوق ہے اس کا اندازہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں کر سکتا جو اس کا خالق ہے ممکن ہے اس مارنے پر کسی دوسری چیز نے مدد کی ہو (۱)

اسی طرح آپ نے سکھائے گئے کتے کے بارے میں حضرت عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ اگر اس نے کھایا ہے تو تم نہ کھاؤ مجھے ڈر ہے کہ کہیں اس نے اپنے لیے نہ روکا ہو۔ (۲)

اور غالب یہ ہے کہ شکاری کتا اپنی عادت نہیں بھولتا اور وہ اپنے مالک کے لیے ہی روک کر رکھتا ہے اس کے باوجود آپ نے منع فرمایا اور یہ تحقیق ہے یعنی حلت تب متحقق ہوتی ہے جب اس کا سبب پورا ہو جائے اور سبب کی تکمیل اس طرح ہوتی ہے کہ وہ موت کی طرف یوں جائے کہ دوسری بات اس پر طاری نہ ہوتی ہو حالانکہ اس میں شک کیا گیا اور یہ شک تکمیلِ سبب میں ہے حتیٰ کہ اس کی موت کا حلت یا حرمت پر ہونا مشتبہ ہو گیا تو اس کے حکم میں نہیں جس کی موت اسی وقت حلت پر واقع ہوئی۔ اور پھر اس بات میں شک ہوا جو اس پر طاری ہوئی۔

جواب:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی نہی اور اسی طرح رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے ممانعت تقویٰ اور کراہت تنزیہی پر محمول ہے اس کی دلیل بعض روایات میں مروی یہ بات ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

كُلْ مِنْهُ وَإِنْ غَابَ مَالَمْ تَجِدْ فِيْهِ أَثَرًا غَيْرَ سَهْمِكَ (۳)

اس سے کھاؤ اگرچہ وہ غائب ہو جائے جب تک اس میں اپنے تیر کے علاوہ کوئی اثر نہ پاؤ۔

---

(۱) السنن الکبریٰ للبیہقی جلد ۹ ص ۲۴۱ کتاب الصید۔

(۲) صحیح بخاری جلد ۲ ص ۸۲۴ کتاب الذبائح

(۳) صحیح بخاری جلد ۲ ص ۸۲۴ کتاب الذبائح

اور یہ اس بات پر تنبیہ ہے جو ہم نے ذکر کی ہے وہ یہ کہ اگر کوئی دوسرا اثر پائے تو اب تعارضِ ظن کی وجہ سے دو سبب باہم متعارض ہوں گے اور اگر اس کے اپنے لگائے ہوئے زخم کے علاوہ کوئی نہ ہو تو غلبۂ ظن حاصل ہو جائے گا۔ اب اس کی وجہ سے استصحاب پر حکم لاگو ہوگا جس طرح خبر واحد کی بنا پر استصحاب کے مطابق فیصلہ کیا جاتا ہے اسی طرح ظنی قیاس اور عمومی حالات وغیرہ کے وقت استصحاب کے مطابق فیصلہ ہوتا ہے۔

جہاں تک معترض کی اس بات کا تعلق ہے کہ فی الفور اس کی موت حلت پر نہیں پائی گئی تو وہ اس طرح نہیں بلکہ سبب تو متحقق ہو گیا کیوں کہ زخم موت کا سبب ہے پس غیر کا جریان ہونا باعث شک ہے اور اس بات کے صحیح ہونے کی دلیل یہ ہے کہ اس بات پر اجماع ہو چکا ہے کہ جو شخص کسی کو زخمی کرے پھر وہ (زخمی) غائب ہو جائے اور مرا ہوا ملے تو زخمی کرنے والے پر قصاص ہوگا بلکہ اگر وہ غائب نہ ہو تو اس بات کا احتمال ہے کہ کسی اندرونی گڑبڑ کی وجہ سے اس کی موت واقع ہوئی ہو۔ جیسے انسان اچانک مر جاتا ہے پس مناسب تو یہ ہے کہ قصاص اسی صورت میں واجب ہو جب گردن کٹ جائے نیز ایسا زخم ہو جو جلدی اثر کرنے والا ہے کیوں کہ موت کے باطنی اسباب سے بے خوف نہیں ہو سکتے اسی وجہ سے صحیح آدمی اچانک مر جاتا ہے حالانکہ وہاں کوئی قاتل نہیں ہوتا اس کے باوجود قصاص کی بنیاد وہ شبہ ہے۔ اسی طرح ذبح کئے گئے جانور کے پیٹ سے نکلنے والا بچہ بھی حلال ہوتا ہے حالانکہ ممکن ہے کہ وہ، اصل (اس بچے کی ماں) کو ذبح کرنے سے پہلے مرا ہو۔ اس جانور کو ذبح کرنے کی وجہ سے نہیں۔ یا اس میں روح ہی نہ پھونکی گئی ہو۔ جنین (پیٹ کے بچے) کا تاوان واجب ہے حالانکہ ممکن ہے اس میں جان نہ پڑی ہو۔ یا ہو سکتا ہے وہ جنایت (جرم) سے پہلے کسی اور سبب سے مرا ہو لیکن یہ ظاہری اسباب پر مبنی ہے اور دوسرا احتمال جب کسی ایسی دلیل کی طرف منسوب نہ ہو جو اس پر دلالت کرتی ہے تو وہ وہم اور وسوسوں سے مل جاتا ہے تو یہ بھی اسی طرح ہے۔

جہاں تک نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد گرامی کا تعلق ہے کہ "مجھے ڈر ہے شاید اس نے اسے اپنے لیے روک رکھا ہو تو اس صورت میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دو قول ہیں اور ہمارا مختار قول یہ ہے کہ یہ حرام ہے کیونکہ سبب میں تعارض ہے کیونکہ سکھایا ہوا (شکاری) کتا آلہ اور وکیل کی طرح ہے وہ اپنے مالک کے لیے روکے تو حلال ہے اور اگر وہ خود بخود جا کر پکڑے تو حلال نہیں ہوگا کیوں کہ ممکن ہے اس نے اپنے لیے شکار کیا ہو اور اگر وہ اس کے اشارے پر چلے پھر کھائے تو ابتدائی طور پر اس کا اٹھنا اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ وہ مالک کے لیے آلہ ہے اور وہ اس کے وکیل اور نائب کے طور پر کوشش کرتا ہے اور اب اس کا کھانا اس بات کی دلیل ہے کہ اس نے اپنے لیے شکار کیا مالک کے لیے نہیں، اور بعض اوقات دلالت کرنے والے سبب میں تعارض ہوتا ہے لہٰذا احتمال متعارض ہوگا اور اصل حرام ہونا ہے لہٰذا اصل (استصحاب) پر عمل کیا جائے گا اور یہ شک کے ساتھ زائل نہیں ہوگا یہ اسی طرح ہے جیسے کوئی شخص، کسی کو وکیل بناتا ہے کہ وہ اس کے لیے لونڈی خریدے اس نے لونڈی خریدی اور اس بات کی وضاحت

کرنے سے پہلے وہ مرگیا کہ آیا اس نے یہ لونڈی اپنے لیے خریدی ہے یا اپنے موکل کے لیے؛ تو اب موکل کے لیے اس سے وطی کرنا جائز نہیں کیوں کہ وکیل اپنے لیے بھی خرید سکتا ہے اور موکل کے لیے بھی، اور کسی ایک بات کی ترجیح پر کوئی دلیل نہیں ہے جب کہ اصل اس کی حرمت ہے تو اسے پہلی قسم کے ساتھ ملایا جائے گا تیسری قسم کے ساتھ نہیں۔

چوتھی قسم: حلال ہونا معلوم ہو لیکن غالب گمان کے مطابق اس پر کوئی حرام کرنے والی چیز داخل ہو گئی ہو یعنی کوئی ایسا سبب پایا گیا جو غالب گمان کے سلسلے میں شرعاً معتبر ہو، اب استصحاب (اصل حالت) ختم ہو جائے گی اور حرام ہونے کا حکم دیا جائے گا کیوں کہ ہمارے لیے ظاہر ہو گیا کہ استصحاب ضعیف ہے اور غالب گمان کی صورت میں اس کا حکم باقی نہیں رہتا۔

اس کی مثال یہ ہے کہ اس کا اجتہاد دو برتنوں میں سے ایک کی نجاست تک پہنچتا ہے یعنی کوئی ایسی معتمد علامت پائی جاتی ہے جس سے وہ معین ہوتی ہے اور غلبہ ظن کو واجب کرتی ہے پس اس کا پینا حرام ہوگا، جس طرح اس غلبۂ ظن کی وجہ سے اس کے ساتھ وضو کرنا ممنوع ہے۔

اسی طرح جب کسی شخص نے کہا کہ اگر زید، عمر کو قتل کر دے یا زید، شکار کو ہلاک کر دے اور وہ اس عمل میں اکیلا ہو تو میری بیوی کو طلاق ہے، چنانچہ زید نے اسے زخمی کیا پھر وہ (عمر) غائب ہو گیا اور اس کے بعد مردہ پایا گیا تو اس (زید) کی بیوی حرام ہو جائے گی کیونکہ ظاہراً وہ قتل کرنے میں تنہا ہے جیسے پہلے گزر چکا ہے حضرت امام شافعی رحمہ اللہ نے بیان فرمایا کہ جو شخص نالابوں میں ایسا پانی پائے جس کا رنگ بدل گیا ہو تو اس بات کا احتمال ہے کہ زیادہ ٹھہرنے کی وجہ سے یا نجاست کی وجہ سے بدلا ہو تو وہ اسے استعمال کرے اور اگر اس نے دیکھا کہ ہرن نے اس میں پیشاب کیا ہے پھر اسے تبدیل شدہ پایا اب بھی یہ احتمال ہے کہ یہ تبدیلی زیادہ ٹھہرنے کی وجہ سے ہوئی ہو یا پیشاب کی وجہ سے، تو اس صورت میں اس کا استعمال جائز نہیں کیونکہ پیشاب جس کا مشاہدہ ہوا ایسی دلالت ہے جو نجاست کے احتمال کو غالب کر رہی ہے اور یہی مثال ہم نے ذکر کی ہے یہ اس غلبۂ ظن کی صورت میں ہے جو کسی ایسی علامت کی طرف منسوب ہو جو معین چیز سے متعلق ہے، اور اگر غلبۂ ظن کسی ایسی علامت کی جہت سے نہ ہو جو معین چیز سے متعلق ہے تو اس میں حضرت امام شافعی رحمہ اللہ کے اقوال مختلف ہیں یعنی کیا اصل حالت اس کے ساتھ زائل ہو جائے گی کیونکہ مشرکین کے برتنوں، اور عادی شرابی کے برتنوں سے وضو کرنے نیز کھودی گئی قبروں میں نماز پڑھنے اور راستے کے کیچڑ کے ساتھ نماز پڑھنے میں ان کے قول میں اختلاف ہے کیچڑ سے مراد وہ مقدار ہے جو اس مقدار سے زائد ہو جس سے بچنا مشکل ہے حضرت امام شافعی رحمہ اللہ کے شاگردوں نے ان کی طرف سے اس کی وضاحت یوں کی ہے کہ جب اصل اور غالب میں تعارض ہو تو کس کا اعتبار ہوگا؛ اور یہ ضابطہ عادی شرابی اور مشرکین کے برتنوں میں پانی پینے کی حالت میں جاری ہوتا ہے کیوں کہ ناپاک چیز کا پینا جائز نہیں اب نجاست اور حلت کا ماخذ ایک ہو گیا لہٰذا ایک میں سوچ بچار، دوسرے میں سوچ بچار کو واجب

کرتی ہے اور میرا مختار قول یہ ہے کہ اصل ہی معتبر ہے اور علامت جب عین اس چیز سے متعلق نہ ہو جس کو کھایا جا رہا ہے تو اس سے اصل ختم نہیں ہوگا اس کا بیان اور دلیل دوسرے ماخذ کے بیان میں آئے گی اور وہ اختلاط میں شبہ ہے۔

تو اس سے اس حلال کا حکم واضح ہو گیا جس پر کوئی حرام کرنے والی دلیل داخل ہو جائے یا حرام ہونے کا گمان ہو، اور اس گمان میں جو کسی معین چیز کی طرف منسوب ہو اور جو اس کی طرف منسوب نہ ہو دونوں کے درمیان فرق ظاہر ہو گیا ان چاروں اقسام میں ہم نے جن چیزوں کو حلال قرار دیا ہے وہ پہلے درجے میں حلال ہیں لیکن ان کو چھوڑنے میں احتیاط ہے لہٰذا ان کی طرف بڑھنے والا متقی اور صالح لوگوں کی جماعت میں شمار نہیں ہوگا بلکہ وہ ان عادل لوگوں میں شمار ہوگا کہ شرعی فتویٰ ان کے فسق، گناہ اور استحقاق عذاب کا فیصلہ نہیں کرتا البتہ جس کو ہم نے وسوسوں کے مرتبہ کے ساتھ ملایا ہے اس سے بچنا بالکل تقویٰ نہیں ہے۔

دوسرا مقام شبہ:

حرام وحلال کے اختلاط سے پیدا ہونے والا شبہ

اس کی صورت یہ ہے کہ حرام اور حلال مخلوط ہو جائیں اور معاملہ مشتبہ ہو جانے کی وجہ سے تمیز نہ ہو سکے، باہم ملنا یا ایسی تعداد کے ساتھ ہوگا جو دونوں طرف سے یا ایک طرف سے شمار میں نہیں آتی یا وہ تعداد شمار میں آسکتی ہے اگر معدود تعداد ہو تو دو حال سے خالی نہیں یا تو اس قدر مل جل گئے ہوں گے کہ ان میں اشارے کے ساتھ تمیز نہ ہو سکے جس طرح مائع (بہنے والی) چیزوں کا باہم مل جانا یا وہ اختلاط ابہام کے ساتھ ہوگا لیکن ان اشیاء میں تمیز ہو سکتی ہے جیسے غلاموں، مکانات اور گھوڑوں کا مل جل جانا اور جو اختلاط، ابہام کے طور پر ہوتا ہے وہ یا ان اشیاء میں ہوگا جو ذاتی طور پر مقصود ہوتی ہیں جیسے سامان یا وہ مقصود نہیں ہوتیں جیسے روپیہ پیسہ، تو اس تقسیم سے تین اقسام نکلتی ہیں۔

پہلی قسم:

چند چیزیں یوں مل جائیں کہ ان میں ابہام ہو، جس طرح مردار، ذبح کئے ہوئے ایک جانور یا دس جانوروں سے مل جائے یا ایک دودھ پلانے والی عورت دوسری دس عورتوں میں مخلوط ہو جائے یا وہ بہنوں میں سے ایک سے نکاح کرے پھر شبہ پیدا ہو جائے۔ تو یہ وہ شبہ ہے جس سے بچنا بالاتفاق ضروری ہے کیونکہ یہاں اجتہاد اور علامات کی کوئی گنجائش نہیں اور جب شمار میں آنے والی تعداد میں اختلاط ہو تو وہ ایک شے کی طرح ہو جاتی ہیں تو اس میں یقینی حرمت، یقینی حلت کے مقابلے میں آتی ہے اور اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا کہ حلت ثابت ہو پھر وہ حرام سے مل جائے جیسے پرندے والے مسئلے میں دو بیویوں میں سے ایک پر طلاق واقع کی (یہ مثال گزر چکی ہے) یا اس کی حلت ثابت ہونے سے پہلے ان میں اختلاط ہوا جیسے دودھ پلانے والی عورت کسی اجنبی عورت کے ساتھ مل جل گئی اب وہ ان میں سے ایک کو حلال کرنا چاہتا ہے (تو یہ

دونوں صورتیں ایک جیسی ہیں البتہ) حرام کے طاری ہونے میں مشکل پڑتی ہے جیسے دو بیویوں میں سے ایک کو طلاق دینا جس طرح پہلے استصحاب کے سلسلے میں بیان ہو چکا ہے ہم نے وہاں جواب کی طرف بھی اشارہ کر دیا ہے وہ یہ کہ حرام ہونے کا یقین، علت کے یقین کے مقابل میں ہے لہذا استصحاب کمزور ہو گیا اور شریعت کی نگاہ میں ممانعت کی جہت زیادہ غالب ہے اسی لیے اس کو ترجیح ہوتی ہے اور یہ اس صورت میں ہے جب معدود حلال معدود حرام سے مل جائے اگر معدود حلال غیر معدود حرام سے مل جائے تو اس میں کوئی پوشیدگی نہیں کہ اجتناب کا واجب ہونا اولیٰ ہے۔

دوسری قسم:

معدود و محصور حرام، غیر معدود حلال سے مل جائے جیسے ایک دودھ پلانے والی یا دس دودھ پلانے والی عورتیں ایک بہت بڑے شہر کی عورتیں مل جل جائیں تو اب اس شہر کی عورتوں سے نکاح کرنے سے اجتناب ضروری نہ ہوگا بلکہ وہ ان میں سے جس سے چاہے نکاح کر سکتا ہے۔ اس قسم میں کثرتِ حلال کو علت ٹھہرانا صحیح نہیں کیونکہ اس طرح لازم آئے گا کہ جب ایک حرام عورت، تو حلال عورتوں میں مخلوط ہو جائے تو نکاح جائز ہو حالانکہ اس بات کا کوئی بھی قائل نہیں بلکہ علت غلبہ اور حاجت دونوں باتیں ہیں اس لیے کہ جس کا دودھ بھائی یا قریبی رشتہ یا سسرال کی طرف سے حرام ہونے والا رشتہ دار ہو یا کسی دوسرے سبب سے حرام ہونے والا مخلوط ہو جائے تو نکاح کا دروازہ بند کرنا ممکن نہیں، اسی طرح جس آدمی کو معلوم ہو کہ دنیوی مال میں قطعی حرام مال مل گیا ہے تو اس پر خرید و فروخت کو چھوڑنا لازم نہیں کیونکہ اس میں حرج ہے جبکہ دین میں حرج نہیں ہے اور اس بات کا علم اس طرح حاصل ہوتا ہے کہ جب سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں ایک ڈھال چوری ہو گئی۔ (۱)

اور ایک شخص نے مالِ غنیمت سے ایک کوٹ لے لیا تھا (۲) تو کسی کو بھی دنیا میں ڈھال یا کوٹ کی خرید و فروخت سے منع نہیں کیا گیا اسی طرح ہر اس چیز کا حکم ہے جو چوری ہو جائے اسی طرح یہ بھی معلوم تھا کہ بعض لوگ سونے چاندی میں سودی کاروبار کرتے ہیں لیکن (اس وجہ سے) نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام نے درھم و دینار کو بالکل چھوڑ نہیں دیا۔

خلاصہ یہ ہے کہ حرام کی وجہ سے دنیا کو اس وقت چھوڑا جاتا ہے جب سب لوگ گناہ سے معصوم ہوں اور یہ محال ہے تو جب یہ بات دنیا میں شرط نہیں تو ایک شہر میں بھی شرط نہیں ہوگی البتہ یہ کہ محدود لوگوں کی ایک جماعت میں اختلاط واقع ہو وہاں اس سے بچنا وسوسہ والوں کی پرہیزگاری ہے کیونکہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے کسی صحابی سے یہ بات منقول نہیں ہے۔ اور نہ ہی کسی دین یا زمانے میں اس بات کو پورا کرنے کا تصور کیا جا سکتا ہے۔

سوال:

اللہ تعالیٰ کے علم میں ہر گنتی، محصور و معدود ہے تو محصور کی حد کیا ہے؟ اور اگر کوئی انسان کسی شہر کے باشندوں

---

(۱) صحیح مسلم، جلد ۲ ص ۶۳ کتاب الحدود

(۲) سنن ابن ماجہ ص ۲۰۹ ابواب الجہاد

کا شمار کرنا چاہے تو کر سکتا ہے اگر وہ اس پر قادر ہو اور جان لو کہ ان امور کی مثالوں کی حد بندی ممکن نہیں ہے اسے تقریباً تقریباً کے انداز پر ضبط میں لایا جاتا ہے۔

جواب:

اگر غیر معدود تعداد ایک میدان میں جمع ہو جائے تو دیکھنے والے کے لیے محض دیکھنے سے ان کا شمار کرنا مشکل ہو گا جیسے ہزار دو ہزار ہوں تو اسے بے شمار (گنتی میں نہ آنے والے) کہیں گے اور جس کو گننا آسان ہو مثلاً دس بیس تو وہ معدود ہوں گے۔ اور ان دونوں کناروں کے درمیان گنتی متشابہ ہے جو دونوں میں سے کسی بھی کنارے سے مل سکتی ہے اور جہاں شک واقع ہو وہاں دل سے فتویٰ لے لیا جائے۔ کیونکہ گناہ کا کھٹکا دل پر ہوتا ہے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد گرامی اسی قسم کے مقام سے متعلق ہے آپ نے فرمایا۔

وَاسْتَفْتِ قَلْبَكَ وَاِنْ اَفْتُوْكَ وَاِنْ اَفْتُوْكَ وَاِنْ اَفْتُوْكَ۔ (۱)

اور اپنے دل سے پوچھو اگرچہ لوگ تمہیں فتویٰ دیں (دوسری بات تین بار فرمائی)

اسی طرح ان چار قسموں میں بھی کنارے ایک دوسرے کے مقابلے میں ہوتے ہیں جن اقسام کا ذکر ہم نے شبہ کے پہلے مقام میں کیا ہے وہ نفی اور اثبات میں واضح ہیں اسی طرح درمیان میں کچھ مشابہات ہیں تو مفتی اپنے گمان کے مطابق فتویٰ دیتا ہے لہٰذا فتویٰ لینے والے کو اپنے دل سے فتویٰ لینا چاہیئے کیوں کہ اگر دل میں کوئی بات کھٹکتی ہو گی تو غلام تو گناہ گار ہو گا لہٰذا آخرت میں مفتی کا فتویٰ نجات نہیں دے گا کیونکہ وہ ظاہر کے مطابق فتویٰ دیتا ہے اور اللہ تعالیٰ دلوں کا مالک ہے۔

تیسری قسم:

غیر محصور حرام، غیر محصور حلال کے ساتھ مل جائے جیسا کہ ہمارے زمانے کے مالوں کا حکم ہے تو جو لوگ مختلف صورتوں سے احکام حاصل کرتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ غیر محصور کو غیر محصور سے نسبت اس طرح ہے جس طرح محصور کو محصور سے ہوتی ہے اور ہم نے وہاں حرام ہونے کا حکم لگایا ہے تو یہاں بھی یہی فیصلہ کرنا چاہیئے لیکن ہم اس کے خلاف کو پسند کرتے ہیں یعنی اس اختلاط کی وجہ سے کوئی معین چیز حرام نہیں ہوتی بلکہ اس میں حرام و حلال دونوں باتوں کا احتمال ہوتا ہے البتہ یہ کہ اس معین چیز کے ساتھ کوئی علامت مل جائے جو اس کے حرام ہونے پر دلالت کرے۔

اور اگر اس معین چیز پر کوئی علامت نہ ہو جو اس کی حرمت پر دلالت کرتی ہو تو اسے چھوڑنا پرہیز گاری ہے اور اختیار کرنا حلال ہے اسے کھانے والا فاسق نہیں ہے اور علامات یہ ہیں کہ مثلاً اسے ظالم بادشاہ کے قبضے سے لیا ہو اور اس طرح

۱۔ کنز العمال جلد ۱ ص ۲۵۰ حدیث ۲۹۳۳۹

کی دوسری علامات جن کا ذکر آگے آئے گا اس پر روایت وقیاس دلالت کرتے ہیں۔

روایت یہ کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں اور آپ کے بعد خلفائے راشدین کے زمانے میں جب شرابوں کی قیمتیں اور سُود کے درہم جو ذمی لوگوں کے ہاتھوں سے وصول ہو کر دوسرے مالوں میں مل جاتے تھے اسی طرح مالوں میں خیانت نیز غنیمت میں خیانت ہوتی تھی اور جب آپ نے سود سے منع فرمایا اور ارشاد فرمایا:

اَوَّلُ رِبًا اَضَعُہٗ رِبَا الْعَبَّاسِ۔ (۱) سب سے پہلا سُود جسے میں چھوڑتا ہوں۔

وہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ کا سود ہے تو اس وقت تمام لوگوں نے سُود کا لین دین ترک نہیں کیا تھا جس طرح انہوں نے شراب نوشی اور دوسرے گناہوں کو ترک نہیں کیا تھا حتیٰ کہ روایت میں آتا ہے کسی صحابی نے شراب بیچی تو حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے فرمایا اللہ تعالیٰ فلاں پر لعنت بھیجے وہ پہلا شخص ہے جس نے شراب فروخت کرنے کا طریقہ جاری کیا، (انہوں نے اس لیے فروخت کی کہ) انہوں نے شراب کی حرمت سے اس کی قیمت کا حرام ہونا نہیں سمجھا تھا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

بے شک فلاں آدمی جہنم میں وہ عبا (کوٹ) کھینچ رہا ہے جو اس نے بطور خیانت لی تھی۔ (۲)

ایک شخص قتل ہو گیا انہوں نے اس کا سامان دیکھا تو اس میں یہودیوں کے منکوں میں سے ایک کچھ منکے (موتی یا نگینے) تھے جو درہم کے برابر بھی نہ تھے اس نے خیانت کی تھی (۳)

اسی طرح صحابہ کرام نے ظالم بادشاہوں کو پایا لیکن ان میں سے کوئی بھی بازار میں خرید و فروخت سے اس وجہ سے نہ رُکا کہ کہیں یہ چیز مدینہ طیبہ سے لُوٹ مار کر کے نہ لی گئی ہو۔ اور یزید کے ساتھیوں (لشکریوں) نے تین دن تک لُوٹ مار کی تھی۔ اب جو آدمی ان احوال سے بچتا تھا تقویٰ کے سلسلے میں اس کی طرف اشارہ کیا جاتا تھا، لیکن اکثر لوگ نہیں رُکتے تھے حالانکہ مال ملا جُلا تھا اور ظالم کے دور میں لُوٹ مار کے مال کی کثرت تھی اور جو آدمی اس بات کو واجب کرتا ہے جسے صالح اسلاف نے واجب نہیں کیا اور وہ خیال کرتا ہے کہ اسے شریعت کے سلسلے میں اس بات کی سمجھ آگئی ہے جس کی سمجھ ان لوگوں کو نہ تھی تو وہ وسوسوں کا شکار ہے اور اس کی عقل میں خرابی ہے۔ اگر اس کی مثالوں میں ان لوگوں سے بڑھ کر کوئی بات کی جا سکتی تو ان مسائل میں ان کی مخالفت جائز ہوتی جن میں ان کے اتفاق کے سوا کوئی دلیل نہیں جیسے وہ فرماتے ہیں کہ حرام ہونے میں دادی، ماں کی طرح ہے، پوتا بیٹے کی طرح ہے اور خنزیر کے بال اور چربی اسکی گوشت کی طرح ہے

---

(۱) سنن ابن ماجہ ص ۲۲۸، ابواب المناسک

(۲) مسند امام احمد بن حنبل جلد ۵ ص ۷۷ مرویات عبداللہ بن شقیق

(۳) سنن نسائی جلد اول ص ۲۲۵ کتاب الجنائز

جس کا حرام ہونا قرآن پاک میں مذکور ہے اور سود چھ چیزوں کے علاوہ میں بھی جاری ہوتا ہے تو ان مسائل میں ان کی مخالفت کرنا محال اور باطل ہے کیوں کہ وہ لوگ دوسروں کی نسبت شریعت کو زیادہ سمجھتے تھے۔

جہاں تک قیاس سے دلیل کا ثابت ہونا ہے تو وہ اس طرح ہے کہ اگر یہ دروازہ (حلال کو حرام سمجھنا) کھول دیا گیا تو تمام تصرفات کا دروازہ بند ہو جائے گا اور نظامِ عالم بگڑ جائے گا کیونکہ لوگوں میں فسق غالب ہے اور وہ اس کے باعث سودوں میں شریعت کی شرائط میں سستی سے کام لیتے ہیں اور ظاہر ہے کہ یہ بات مالوں کے اختلاط تک پہنچاتی ہے۔

سوال :

تم نے نقل کیا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے گوہ (کے کھانے) سے اجتناب فرمایا اور فرمایا مجھے ڈر ہے کہ کہیں یہ ان (لوگوں) میں سے نہ ہو جن کی شکلیں اللہ تعالیٰ نے بگاڑی تھیں اور وہ غیر معدود چیزوں میں مخلوط تھی۔

جواب :

ہم کہتے ہیں اس بات کو مکروہ تنزیہی اور تقویٰ پر محمول کیا جائے گا یا ہم کہتے ہیں کہ گوہ ایک عجیب شکل کا جانور ہے بعض اوقات معلوم ہوتا ہے کہ یہ ان میں سے ہے جن کی شکلیں بگاڑی گئی تھیں تو اس صورت میں نفس شے میں حرمت پر دلالت پائی جاتی ہے۔

سوال :

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام کے زمانے میں تو یہ بات معلوم تھی کہ یہ اختلاط سود، چوری، لوٹ مار اور غنیمت میں خیانت کی وجہ سے تھا لیکن یہ حلال کے مقابلے میں کم تھا تو ہمارے زمانے میں آپ کیا فرماتے ہیں جب کہ لوگوں کے ہاتھوں میں حرام زیادہ ہے کیوں کہ معاملات میں فساد آ گیا اور شرائط کو نظر انداز کر دیا گیا نیز ظالم بادشاہوں کے مال اور سود بہت زیادہ ہے تو جو آدمی ایسا مال لیتا ہے جس کی ذاتی حرمت پر کوئی معین علامت نہیں پائی جاتی تو کیا وہ حرام ہو گا یا نہیں؟

جواب :

میں کہتا ہوں یہ حرام نہیں ہو گا پرہیز گاری تو اس کے چھوڑنے میں ہے اور قلیل کے مقابلے میں اس میں پرہیز گاری زیادہ ہو گی لیکن اس کا جواب یہ ہے کہ کسی آدمی کا یہ کہنا کہ ہمارے زمانے میں زیادہ مال حرام ہیں یہ محض غلط ہے اور اس سوچ کی بنیاد زیادہ اور بہت زیادہ میں فرق نہ کرنا ہے اکثر لوگ بلکہ اکثر فقہاءِ کرام کا خیال ہے کہ جو کمیاب نہ ہو وہ اکثر ہوتا ہے اور ان کی سوچ یہ ہے کہ یہ دونوں (کمیاب اور اکثر) دو مقابلے کی قسمیں ہیں ان کے درمیان کوئی تیسری قسم نہیں ہے، حالانکہ یہ بات نہیں۔ بلکہ تین اقسام ہیں۔

۱۔ قلیل جو نادر و نایاب ہے (۲) کثیر (۳) اکثر۔

اس کی مثال یہ ہے کہ مخلوق کے درمیان خنثیٰ (ہیجڑے) کم پائے جاتے ہیں لیکن جب ان کے مقابلے میں مریض

کو دیکھا جائے تو بیمار زیادہ ہوں گے اسی طرح سفر ہے کہا جاتا ہے بیماری اور سفر عام عذر ہیں اور استحاضہ (کا خون) نادر عذروں میں سے ہے حالانکہ یہ بات معلوم ہے کہ بیماری نادر نہیں ہے اور نہ ہی اکثر ہے بلکہ وہ کثیر ہے فقیہ جب سستی سے کام لیتے ہوئے کہے کہ سفر اور مرض غالب ہیں اور یہ عذر عام ہے تو اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ وہ نادر نہیں ہے۔ اور اگر اس کی مراد یہ نہ ہو تو اس کا قول غلط ہوگا اور صحیح و مقیم لوگ بہت زیادہ ہیں اور مسافر و مریض زیادہ ہیں جب کہ استحاضہ والی عورتیں اور ہیجڑے نادر ہیں۔

جب یہ بات معلوم ہو گئی تو اب ہم کہتے ہیں کہ حرام کے لیے اکثر کا قول کرنا باطل ہے کیونکہ اس کی دلیل یہ ہے کہ ظالم اور لشکری زیادہ ہیں یا سود اور معاملاتِ فاسدہ زیادہ ہیں یا آج کے دور میں موجود مالوں میں اسلام کے آغاز سے ہمارے زمانے تک بہت سے ہاتھ بدلتے آئے ہیں۔ جہاں تک پہلی بات کا تعلق ہے تو یہ باطل ہے کیونکہ ظالم کثیر ہیں اکثر نہیں اور وہ پولیس والے ہیں کیونکہ ظلم وہی کرتا ہے جسے غلبہ اور شوکت حاصل ہو اور جب تمام دنیا کے مقابلے میں ان کو دیکھا جائے تو وہ ان کے عشر عشیر بھی نہیں ہیں مثلاً جس بادشاہ کی فوج ایک لاکھ ہو تو اس کے ملک میں دس لاکھ یا اس سے زیادہ باشندے ہوں گے اور ایسا بھی ممکن ہے کہ اس کے ملک کے کسی شہر کے لوگ اس کے سپاہیوں سے زیادہ ہوں اور اگر بادشاہوں کی تعداد رعایا کی تعداد سے زیادہ ہو تو سب لوگ ہلاک ہو جائیں گے کیوں کہ رعایا میں سے ہر فرد پر لازم ہوگا کہ وہ دس بادشاہوں کی خدمت کرے جب کہ وہ عیش و عشرت کی زندگی گزارتے ہیں اور یہ بات تصور میں نہیں آسکتی بلکہ ان میں سے ایک، رعایا میں سے ایک ہزار بھی کفایت نہیں کرتا۔ اسی طرح چوروں کا معاملہ ہے کہ ایک بڑے شہر میں وہ بھی تھوڑے ہوتے ہیں۔

جہاں تک دوسری دلیل کا تعلق ہے یعنی سود اور معاملات فاسدہ کا زیادہ ہونا تو یہ بھی کثیر ہیں اکثر نہیں ہیں کیونکہ مسلمانوں کی اکثریت شریعت کی شرائط کے مطابق معاملہ کرتی ہے تو ان کی تعداد اکثر ہے اور جو لوگ سودی معاملات یا اس طرح کے دوسرے معاملات کرتے ہیں اگر ان کے معاملات کو ہی دیکھا جائے تو ان کے اپنے معاملات، فاسد کے مقابلے میں زیادہ صحیح ہوتے ہیں۔

البتہ اگر شہر میں کوئی ایسا آدمی فرض کر لیا جائے جو خباثت اور بے دینی کے ساتھ خاص ہو اور یوں تصور کیا جائے کہ اس کے اکثر معاملات فاسد ہوتے ہیں تو اس قسم کے مخصوص لوگ نادر ہوتے ہیں اور اگر کثیر بھی ہوں تو اکثر پھر بھی نہیں ہوتے اگر اس کے تمام معاملات فاسد ہوں اور یہ کیسے ہو سکتا ہے جب کہ وہ صحیح معاملات سے خالی نہیں ہوتا جو معاملات فاسدہ کے برابر یا ان سے زیادہ ہوتے ہیں جو آدمی اس سلسلے میں غور کرتا ہے اسے اس بات کا یقین ہو جاتا ہے لیکن چوں کہ دلوں میں فساد کی کثرت اور عظمت بیٹھی ہوتی ہے اس لیے دل میں یہی خیال غالب ہوتا ہے اگرچہ فساد نادر ہو حتیٰ کہ بعض اوقات گمان کیا جاتا ہے کہ زنا اور شراب نوشی حرام کی طرح عام ہو چکے ہیں اور خیال کیا جاتا ہے کہ یہ لوگ اکثر ہیں حالانکہ یہ غلط سوچ ہے کیوں کہ ایسے لوگ سب سے کم شمار ہوتے ہیں اگرچہ ان کی کثرت ہو۔

جہاں تک تیسری دلیل کا تعلق ہے تو وہ قیاس کے زیادہ مطابق ہے وہ یوں کہ کہا جاتے مال، معدنیات، سبزیوں اور حیوانات کے ذریعے حاصل ہوتے ہیں اور سبزیاں اور جانور نسل بڑھانے سے حاصل ہوتے ہیں مثلاً جب ہم بکری کو دیکھتے ہیں تو وہ ہر سال بچے پیدا کرتی ہے تو ان کی اصل سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے تک تقریباً پانچ سو ہوگی اور یقیناً ان میں سے کسی اصل میں غصبؔ یا فاسد معاملے کا دخل ہوا ہوگا تو کیسے اندازہ لگایا جاتے کہ وہ ہمارے زمانے تک باطل تصرف سے محفوظ رہا اسی طرح غلے اور پھلوں کے بیجوں کا معاملہ ہے وہ بھی پانچ سو اصول یا مثلاً ایک ہزار کے محتاج ہوں گے اور یہ شروع زمانے تک ہوگا اور یہ اس وقت تک حلال نہیں ہوگا جب تک اس کی اصل اور اس اصل کی اصل اول زمانۂ نبوت تک حلال نہ ہو۔

جہاں تک معدنیات کا تعلق ہے تو ان کو ابتداءً حاصل کرنا ممکن ہے اور یہ سب سے کم مال ہے اور ان میں سے درہم اور دینار زیادہ استعمال ہوتے ہیں، اور یہ ٹکسال میں بنتی ہیں اور کانوں کی طرح ٹکسال بھی ظالموں کے قبضے میں ہیں وہ لوگوں کو وہاں سے روکتے ہیں اور فقراء پر زبردستی کر کے کھدواتے ہیں پھر ان سے چھین کر لیتے ہیں جب اس بات کو دیکھا جائے تو معلوم ہوگا کہ کوئی ایک دینار بھی ایسا نہیں ہوگا جس میں عقد فاسد نہ ہوا ہو اور لیتے وقت ظلم نہ کیا گیا ہو، اسی طرح ٹکسال میں بناتے وقت بھی ظلم ہوا ہوگا اور بعد میں بیع صرف (سونے چاندی کی باہم بیع کو بیع صرف کہا جاتا ہے) اور سود کے ذریعے اس کے عقد میں خرابی ہوئی ہوگی خرابی کا نہ ہونا نادر ہے یا محال۔ اب صرف شکار اور لاوارث زمین یا جنگل کا گھاس اور مباح لکڑیاں باقی رہ جاتی ہیں پھر جو آدمی اسے حاصل کرتا ہے وہ اس کے کھانے پر قادر نہیں ہوتا پس وہ غلہ حیوانات خریدنے کا محتاج ہوتا ہے جو توالد و تناسل کے ذریعے حاصل ہوتے ہیں تو اس طرح بعض اوقات وہ حرام کے مقابلے میں حلال خرچ کرتا ہے اور حرمت کی یہ وجہ زیادہ سخت ہے۔

جواب:

یہ غلبہ اس حرام کی کثرت سے پیدا نہیں ہوتا جو حلال کے ساتھ مخلوط ہے پس یہ اس قسم سے خارج ہوگیا جس میں ہم گفتگو کر رہے ہیں اور یہ اس کے ساتھ مل گیا جس کا ہم پہلے ذکر کیا ہے اور یہ اصل اور غالب کے درمیان تعارض ہے، کیونکہ ان مالوں میں اصل ان کو تصرفات کے لیے قبول کرنا اور اس پر رضامندی کا جائز ہونا ہے اور بعض اوقات کوئی سبب غالب اس کے مقابلے میں آتا ہے جو اس کی صلاحیت کو باقی نہیں چھوڑتا۔ پس یہ نجاستوں کے بارے میں حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے دو قولوں کے مشابہ ہوگیا اور ہمارے نزدیک صحیح یہ ہے کہ راستوں پر جب نجاست نہ ہو تو وہاں نماز پڑھنا جائز ہے کیونکہ راستوں کا کیچڑ پاک ہوتا ہے اور مشرکین کے برتنوں سے وضو کرنا جائز ہے اسی طرح اکھاڑی گئی قبروں میں نماز پڑھنا بھی جائز ہے پہلے یہ بات ثابت ہوگئی پھر اس پر موضوع زیر بحث کو قیاس کرتے ہیں اور اس بات پر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا مشرکین کے توشہ دان (برتن) سے وضو کرنا دلالت کرتا ہے نیز حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ

نے ایک نصرانیہ کے گھڑے سے وضو فرمایا حالانکہ وہ لوگ شراب پیتے اور حرام کھاتا تھے اور جس چیز کو ہماری شریعت ناپاک قرار دیتی ہے وہ اس سے اجتناب نہیں کرتے تھے تو ان کے برتن ان کے ہاتھوں سے کیسے محفوظ رہ سکتے تھے بلکہ ہم کہتے ہیں کہ ہمیں قطعی طور پر معلوم ہے کہ ہمارے بزرگ و باعث دبے ہوئے چمڑے کی پوستین اور رنگے ہوئے نیز دھلے ہوئے کپڑے پہنتے تھے اور جو آدمی دباعت دینے والوں، دھوبیوں اور رنگنے والوں کے حالات کے بارے میں غور و فکر کرتا ہے اسے معلوم ہو جاتا ہے کہ ان پر نجاست غالب ہوتی ہے اور ان کپڑوں میں طہارت محال یا نادر (کمیاب) ہوتی ہے بلکہ ہم تو کہتے ہیں کہ وہ لوگ گندم اور جو کی روٹی کھاتے تھے اور اسے دھوتے نہیں تھے حالانکہ اسے گائے اور دیگر جانوروں کے ذریعے گاہا جاتا تھا اور وہ اس پر پیشاب اور گوبر کرتے تھے اور وہ بہت کم اس سے محفوظ رہتا تھا اسی طرح وہ جانوروں پر سوار ہوتے اور انہیں پسینہ آیا ہوتا تھا لیکن وہ ان کی پیٹھوں کو دھوتے نہ تھے حالانکہ وہ جانور نجاستوں میں لوٹ پوٹ ہوتے تھے بلکہ ہر جانور اپنی ماں کے پیٹ سے اسی طرح نکلتا ہے کہ اس پر نجاست کی رطوبتیں ہوتی ہیں بعض اوقات بارش انہیں زائل کرتی ہے اور کبھی دور نہیں کرتی اور اس سے اجتناب نہیں کیا جاتا تھا۔ اسی طرح وہ لوگ راستوں میں ننگے پاؤں بھی چلتے تھے اور جوتے پہن کر بھی لیکن اسی طرح نماز پڑھ لیتے وہ مٹی پر بیٹھے اور کیچڑ میں چلتے حالانکہ اس کی ضرورت بھی نہ ہوتی۔ لیکن وہ پیشاب اور پاخانہ پر نہیں چلتے تھے اور نہ ان پر بیٹھتے بلکہ ان سے دور رہتے اور راستے نجاستوں سے کیسے پاک رہ سکتے ہیں جب کہ کتوں کی کثرت تھی اور وہ پیشاب کرتے تھے اسی طرح دیگر جانور بھی زیادہ تھے اور وہ بھی راستے پر گوبر کرتے تھے اور یہ خیال کرنا مناسب نہیں کہ زمانے اور شہروں کا حال جدا جدا ہے یہاں تک کہ یہ گمان کیا جائے کہ ان کے زمانے میں راستے دھوئے جاتے ہوں گے یا وہ جانوروں سے محفوظ رہتے ہوں گے ایسا نہیں ہے کیوں کہ عادتاً اس کا محال ہونا معلوم ہے تو یہ اس بات پر دلالت ہے کہ ہمارے اسلاف اسی نجاست سے بچتے تھے جو نظر آتی تھی یا اس پر کوئی علامت موجود ہو۔

لیکن جہاں تک ظن غالب کا تعلق ہے جو وہم کو حالات پر دوڑانے سے پیدا ہوتا ہے تو وہ اس کا اعتبار نہیں کرتے تھے یہ حضرت امام شافعی رحمہ اللہ کا مسلک ہے ان کا خیال ہے کہ تھوڑا پانی ایسی نجاست گرنے کے بغیر ناپاک نہیں ہوتا جو اس کے اوصاف کو بدل دے کیونکہ صحابہ کرام حماموں میں جاتے اور حوضوں سے وضو کرتے تھے اور ان میں پانی تھوڑا ہوتا تھا۔ اور ان میں طرح طرح کے ہاتھ ڈالے جاتے تھے اور اس غرض میں یہ قطعی بات ہے تو جب نصرانیہ عورت کے گھڑے سے وضو کرنا ثابت ہوا تو اس کے پینے کا جواز بھی ثابت ہو گیا اور حلال ہونے کا حکم نجاست سے مل گیا (یعنی دونوں کا ایک حکم ہو گیا)

سوال:

حلت کو نجاست پر قیاس نہیں کیا جا سکتا کیونکہ وہ حضرات طہارتوں کے سلسلے میں چشم پوشی سے کام لیتے تھے

لیکن حرام کے شبہ سے بھی بچتے تھے اور یہ انتہائی درجے کی پرہیزگاری ہے تو اسے (حلّت) کو نجاست پر کیسے قیاس کیا جا سکتا ہے؟

جواب:

اگر اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ نجاست کے ساتھ ہی نماز پڑھ لیتے تھے حالانکہ نجاست کے ساتھ نماز پڑھنا گناہ ہے اور نماز دین کا ستون ہے تو یہ خیال (نجاست کے باوجود نماز پڑھنا) بدگمانی ہے بلکہ ہم پر یہ عقیدہ رکھنا واجب ہے کہ اسلاف ہر اس نجاست سے پرہیز کرتے تھے جس سے بچنا واجب ہے وہ اس صورت میں چشم پوشی سے کام لیتے جب بچنا واجب نہ ہوتا تو ان کی چشم پوشی کا محل یہ صورت ہوتی تھی جس میں اصل اور غالب باہم متعارض ہوتے تھے تو اس سے ظاہر ہوا کہ وہ ظن غالب جس کی کوئی علامت نہ ہو جو اس متعین چیز سے متعلق ہے جس میں غور و فکر ہو رہا ہے تو اس ظن کو چھوڑ دیا جائے گا۔ لیکن حلال میں ان کی پرہیزگاری تقویٰ کی بنیاد پر تھی اور یہ حرج والی چیز میں پڑنے کے ڈر سے غیر حرج والی چیز کو چھوڑنا ہے، کیونکہ اموال کا معاملہ خطرناک ہے اگر نفس کو کنٹرول نہ کیا جائے تو وہ ادھر مائل ہو جاتا ہے جب کہ طہارت کا معاملہ ایسا نہیں۔ اسلاف میں سے ایک گروہ حلال چیز سے محض اس لیے اجتناب کرتا تھا کہ انہیں اس میں دل کی مشغولیت کا ڈر تھا ان میں سے ایک بزرگ کے بارے میں منقول ہے کہ انہوں نے دریا کے پانی سے وضو کرنے سے پرہیز کیا حالانکہ وہ محض پاک ہوتا ہے تو اس سلسلے میں دونوں (حلّت اور نجاست) کے حکم کا جدا جدا ہونا ہماری اس غرض کے خلاف نہیں ہے۔ علاوہ اس کے ہم اس کا جواب اس طرح بھی دے سکتے ہیں جس طرح پہلی دو دلیلوں کا جواب دیا ہے اور جو کچھ انہوں نے ذکر کیا اکثر حرام ہی ہوتا ہے ہم اس بات کو تسلیم نہیں کرتے کیونکہ مال کے اصول اگرچہ زیادہ ہیں لیکن اس کے اصول میں حرام کا ہونا ضروری نہیں بلکہ اس وقت جو مال موجود ہیں یہ ان اموال میں سے ہیں جن میں سے بعض کے اصول تک ظلم پہنچا اور بعض تک نہیں پہنچا۔ اور جس طرح آج کوئی مال غصب کیا گیا ہو وہ غیر مغصوب اور غیر مسروق مال کے مقابلے میں کم ہوتا ہے، اسی طرح ہر زمانے کے ہر مال کا حکم یہی ہے اور ہر ایک کے لیے ایک اصل ہے لہٰذا ہر زمانے میں جو دنیوی مال چھینا گیا یا فساد کے ذریعے کھایا گیا وہ دوسرے مال کے مقابلے میں کم ہوتا ہے اور ہمیں معلوم نہیں کہ یہ معین فرع کس قسم سے تعلق رکھتی ہے لہٰذا ہم اس بات کو تسلیم نہیں کرتے کہ حرام ہونے کا حکم غالب ہوگا کیونکہ چھینا ہوا مال تو الد و تناسل سے بڑھتا ہے جو نہیں چھینا گیا وہ بھی بڑھتا ہے لہٰذا اکثر کی فرع ہر زمانے میں اکثر ہی ہوگی بلکہ عام طور پر غصب کیا ہوا (چھینا ہوا) غلّہ کھانے کے لیے غصب کیا جاتا ہے، بیج ڈالنے کے لیے نہیں (لہٰذا اس کی فرع نہ ہوگی) اسی طرح غصب کئے ہوئے جانور اکثر کھاتے جاتے ہیں اور ان کو نسل بڑھانے کے لئے نہیں رکھا جاتا۔ لہٰذا کس طرح کہا جائے گا کہ حرام کی فروع اکثر ہیں حالانکہ ہمیشہ حلال کے اصول، حرام کے اصول سے زیادہ رہے ہیں تو راہِ ہدایت پر چلنے والے کو اس طریقے پر اکثر کی پہچان حاصل کرنی چاہیے کیونکہ یہاں قدم پھسلتے ہیں اور اس میں اکثر علماء مغالطے میں پڑ جاتے ہیں عوام کیسے مغالطہ آمیزیوں کا

شکار نہیں ہوں گے تو یہ بات حیوانات اور غلہ سے پیدا ہونے والی اشیاء کے بارے میں ہے۔

جہاں تک معدنیات کا تعلق ہے تو وہ مباح متروکہ ہوتے ہیں ترکی وغیرہ میں جو چاہتا ہے لے جاتا ہے لیکن بعض اوقات ان میں سے کچھ کو بادشاہ لے جاتے ہیں یا کم از کم پر تو وہ قبضہ کر لیتے ہیں اگرچہ اکثر پرنہ کریں اور جس کان پر بادشاہ قبضہ کر لے تو وہ لوگوں کو اس سے منع کرنے کی صورت میں ظلم کرتا ہے لیکن جو آدمی بادشاہ سے لیتا ہے تو وہ اجرت پر لیتا ہے۔

اور صحیح بات یہ ہے کہ مباح چیزوں پر قبضہ کرنا اس میں ملک ثابت ہونا اور اسے ٹھیکے پر لینا جائز ہے جو آدمی پانی لانے پر اجارہ کرتا ہے جب وہ پانی اٹھا کر لیتا ہے تو جس کے لیے پانی لایا گیا وہ اس کی ملک میں داخل ہو جاتا ہے۔

اور یہ شخص اجرت کا مستحق ہو جاتا ہے اسی طرح معدنیات کا پانا ہے جب ہم نے اس کو اس (پانی والے) مسئلہ پر متفرع کیا تو سونا ذاتی طور پر حرام نہیں ہوگا البتہ یہ کہ اس کے ظلم کا کام کی اجرت سے اندازہ لگایا جاتے اور اس صورت میں وہ قلیل سے پھر یہ سونے کو ذاتی طور پر حرام نہیں کرتا بلکہ وہ اس لیے ظالم ہوتا ہے کہ اجرت اس کے ذمہ باقی ہوتی ہے۔

جہاں تک ٹکسال کا تعلق ہے تو بعینہ وہ سونا نہیں جو بادشاہ نے چھین کر لیا اور اس کے ذریعے لوگوں پر ظلم کیا بلکہ تاجر ان کے پاس ڈھالا ہوا سونا یا کھوٹے سکے لے کر جاتے ہیں اور وہ ان کے ڈھالنے اور سکہ بنانے کی اجرت لے کر اس وزن کے برابر لیتے ہیں جس قدر انہوں نے ان کو دیا تھا البتہ تھوڑا سا مزدوری کے طور پر چھوڑ دیتے ہیں اور یہ جائز ہے اگر فرض کیا جائے کہ بادشاہ کے دیناروں سے بھی آگے دینار بنائے جاتے ہیں تو تاجروں کی مال کی نسبت یہ بہت کم ہے، ہاں بادشاہ ٹکسال کے مزدوروں پر ظلم کرتے ہیں کہ ان سے یہ کام کرواتے ہیں کیونکہ انہوں نے ان کو باقی لوگوں سے منتخب کیا حتیٰ کہ بادشاہ کی حشمت اور دبدبے کی وجہ سے ان کے پاس مال زیادہ ہو جاتا ہے اب بادشاہ جو کچھ لیتا ہے وہ اپنے دبدبے اور حشمت کے عوض لیتا ہے اور یہ بھی ایک قسم کا ظلم ہے اور یہ اس کے مقابلے میں کم ہے جو ٹکسال سے نکلتا ہے پس ٹکسال والوں اور بادشاہ کو اس تمام آمدنی میں سے ایک سو میں سے ایک بھی نہیں دیا جاتا اور یہ بہت معمولی ہے تو یہ کس طرح اکثر ہو جائے گا۔ تو یہ مغالطے ہیں جو وہم کے ذریعے دلوں میں پیدا ہوتے ہیں۔ کچھ کمزور دین والوں نے اس کو بڑھا چڑھا کر پیش کیا حتیٰ کہ پرہیزگاری کو برا جانا اور اس کا دروازہ بند کر دیا اور جو آدمی مختلف مالوں کے درمیان امتیاز کرتا ہے انہوں نے اسے بھی ناپسند کیا اور یہ بدعت و گمراہی ہے۔

سوال:

اگر غلبۂ حرام فرض کیا جائے اور غیر محدود، غیر محدود سے مل جائے تو اس وقت تم کیا کہو گے کیوں کہ اب کھائی جانے والی چیز میں کوئی علامت نہیں پائی جاتی۔

جواب:

ہمارے خیال میں اسے چھوڑنا پرہیزگاری ہے اور اسے اختیار کرنا حرام ہے کیونکہ اصل، حلت ہے اور یہ اس وقت

تک ختم نہیں ہوتی جب تک کوئی معین علامت نہ پائی جائے جس طرح راستوں کا کیچڑ اور اس جیسی دوسری مثالیں ہیں بلکہ اس سے بھی بڑھ کر ہم کہتے ہیں کہ اگر حرام تمام دنیا کو ڈھانپ لے حتیٰ کہ یقین سے معلوم ہو جائے کہ دنیا میں حلال کا نشان بھی باقی نہیں رہا تو میں کہوں گا کہ ہم اس وقت اپنے زمانے کے مطابق از سر نو شرائط مرتب کریں گے اور جو گزر گیا اسے چھوڑ دیں گے اور ہم کہیں گے کہ جو چیز اپنی حد سے تجاوز کر جائے وہ اپنی ضد کی طرف بدل جاتی ہے تو جب سب کچھ حرام ہو جائے اس وقت سب حلال ہو جائے گا۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ جب اس قسم کا واقعہ رونما ہوا تو پانچ قسم کی احتمالات ہوں گے۔

۱۔ یا تو کہا جائے کہ لوگ کھانا چھوڑ دیں اور سب مر جائیں۔

۲۔ وہ صرف ضرورت اور زندگی باقی رکھنے کی مقدار پر اکتفا کریں۔ اور موت تک اسی طرح زندگی گزاریں۔

۳۔ یوں کہاں جائے کہ ضرورت کے مطابق جس طرح چاہیں کھائیں چاہے چوری یا غصب ہو اور مال اور اس کی جہت کا امتیاز چھوڑ دیں اور اس تمیز کے بغیر ہی راضی ہو جائیں۔

۴۔ شریعت کی شرائط پر چلیں اور حاجت پر اکتفا کرنے کی بجائے نئے سرے سے قواعد بنائیں۔

۵۔ شرائط شریعت کے مطابق ضرورت پر اکتفا کریں۔

جہاں تک پہلی بات کا تعلق ہے تو اس کا باطل ہونا پوشیدہ نہیں ہے اور دوسرا احتمال بھی قطعی طور پر باطل ہے کیوں کہ جب لوگ محض زندگی بچانے پر اکتفاء کریں گے اور زندگی کے دن کمزوری پر کاٹیں گے تو ان میں موت پھیل جائے گی اور تمام کام اور صنعتیں باطل ہو جائیں گی اور یوں دنیا بالکل ہی برباد ہو جائے گی اور دنیا کی خرابی میں دین کی خرابی ہے کیونکہ وہ آخرت کی کھیتی ہے خلافت و قضا اور سیاست کی احکام بلکہ فقہ کے اکثر احکام کا مقصود دنیوی مصالح کی حفاظت ہے تاکہ اس کے ذریعے دینی مصالح کی تکمیل ہو۔

جہاں تک تیسرے احتمال کا تعلق ہے اور وہ حاجت کے اندازے پر اکتفاء کرنا ہے اس سے زائد نہیں اور مالوں کا حکم بھی ایک جیسا ہو یعنی غصب کے ذریعے ہو یا چوری کے ذریعے یا جس طرح بھی ہو باہم رضامندی سے ہو، تو یہ، فسادی لوگوں کے لیے شریعت کی اس رکاوٹ کو ختم کرتا ہے جو ان کے اور فساد کی مختلف انواع کے درمیان کھڑی ہے اس طرح لوگوں کے ہاتھ غصب، چوری اور ظلم کے دوسرے طریقوں کے ساتھ آگے بڑھیں گے اور انہیں روکنا ممکن نہ ہوگا۔ کیوں وہ کہیں گے قابض کا ہاتھ ہم سے زیادہ استحقاق نہیں رکھتا اس لیے کہ یہ ہم پر بھی حرام ہے اور اس پر بھی اور قبضہ والے کے لیے صرف حاجت کے مطابق ہے اور اگر وہ محتاج ہے تو یہ بھی محتاج ہیں اور اگر میں نے چوری کے ذریعے اپنا حاجت سے زائد لیا ہے تو یہ اس مال میں سے لیا ہے جو اس کی بوجہ حاجت سے زیادہ ہے اور جب اس نے ایک دن اور مال کی حاجت کا اندازہ نہیں لگایا تو ہم کتنی مقدار کا اندازہ لگائیں اور اسے کیسے شمار میں لائیں اور یہ بات شریعت کو فساد پر ابھارتی ہے۔

لہذا اب صرف چوتھا احتمال باقی رہ گیا یعنی یوں کہا جائے کہ جس کے پاس جو کچھ ہے وہ اس کا زیادہ حق رکھتا ہے اس سے چوری یا غصب کے ذریعے لینا جائز نہیں بلکہ اس کی مرضی سے لیا جائے اور رضا مندی ہی شرعی طریقہ ہے اور جب مرضی کے بغیر لینا جائز نہیں تو اس رضامندی کے لیے بھی شریعت نے بنیاد قائم کی ہے جس کے ساتھ مصلحتیں متعلق ہیں اگر ان کا اعتبار نہ کیا جائے تو اصل رضامندی کا تعین نہیں ہوگا اور اس کی تفصیل معطل ہو جائے گی۔

پانچویں احتمال کی صورت یہ ہے کہ حاجت کی مقدار پر قناعت کرے اور مال جن لوگوں کے قبضے میں ہے ان سے شرعی طریقے کے مطابق حاصل کرے جو آدمی آخرت کے راستے پر چلتا ہے ہمارے نزدیک اس کے لیے پرہیزگاری کے زیادہ لائق یہی طریقہ ہے۔ لیکن اسے سب لوگوں پر واجب نہیں کیا جا سکتا اور نہ ہم اسے عام فتویٰ میں داخل کر سکتے ہیں کیوں کہ ظالموں کے ہاتھ اس مال کی طرف بڑھیں گے جو لوگوں کے پاس حاجت سے زیادہ ہے اسی طرح چور بھی دست درازی کریں گے اور جو غالب ہوگا وہ چھین لے گا۔ اور جسے موقع ملے گا وہ چوری کرے گا اور کہے گا کہ اسے تو ضرورت کے مطابق حق حاصل ہے اور ہم محتاج ہوں اب بادشاہ پر لازم ہوگا کہ اہل قبضہ سے زائد از ضرورت چیزیں لے کر حاجتمندوں کو دے دے اور ہر ایک کے لیے یومیہ یا سالانہ وظیفہ مقرر کر دے اس میں بہت زیادہ تکلیف اور مالوں کو ضائع کرنا ہے۔

زیادہ تکلیف اس طرح ہے کہ مخلوق کی کثرت کی وجہ سے بادشاہ یہ نظام قائم نہیں کر سکتا بلکہ اس کا بالکل تصور نہیں ہو سکتا۔

اور مال کو ضائع کرنا یوں ہے کہ جو غلّہ، گوشت اور پھل ضرورت سے زائد ہوں گے انہیں دریا میں پھینکنا مناسب ہوگا اور اگر چھوڑ دیں تو بدبو پھیلے گی کیوں کہ اللہ تعالیٰ نے پھل اور غلّہ لوگوں کی خوشحالی اور وسعت سے بھی زیادہ پیدا کیا ہے تو یہاں مقدارِ حاجت کی کیا صورت ہو سکتی ہے۔

پھر اس سے حج، زکوٰۃ اور تمام مالی کفارے اور وہ تمام عبادات ساقط ہو جائیں گی جن کا مالداری سے تعلق ہے اور یہ نہایت قبیح بات ہے بلکہ میں کہتا ہوں کہ اگر (بفرضِ محال) اس زمانے میں کوئی نبی آجائے تو اس پر واجب ہوگا کہ نئے سرے سے کام شروع کرے اور ملکیتوں کے اسباب کا نئے سرے سے تعین کرے چاہے باہمی رضامندی سے ملکیت حاصل ہوئی ہو یا کسی اور طریقے سے۔ اور وہ اس صورت کے مطابق عمل کرے کہ اگر وہ تمام مال کو کسی فرق کے بغیر حلال پاتا تو جو عمل کرتا۔

میں نے جو یہ کہا کہ اس پر واجب ہوتا اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر وہ نبی ان لوگوں سے ہوتا جو مخلوق کی دینی اور دنیوی مصلحتوں کے لیے مبعوث ہوئے۔ کیونکہ مصلحت اس بات سے پوری نہیں ہوتی کہ تمام لوگوں کو ضرورت وحاجت کے مطابق دیا جائے اور اگر وہ اصلاح احوال کے لیے مبعوث نہیں ہوا تو اس پر واجب نہیں اور ہمارے نزدیک یہ بات جائز ہے کہ اللہ تعالیٰ کوئی ایسا سبب مقرر فرما دے جس کے ذریعے تمام لوگوں کو ہلاک کر دے اس طرح ان کی دنیا ختم ہو جائے

اور وہ دینی اعتبار سے بھی گمراہ رہیں کیوں کہ وہ جسے چاہتا ہے گمراہ کرتا ہے اور جسے چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے جسے چاہے موت دیتا ہے اور جسے چاہے زندہ رکھتا ہے لیکن ہم اللہ تعالیٰ کے جاری طریقے کے مطابق یہی خیال کرتے ہیں کہ وہ انبیاء کرام کو دین و دنیا کی اصلاح کے لیے بھیجتا ہے۔

اور مجھے یہ بات فرض کرنے کی ضرورت بھی نہیں کیوں کہ میں جو کچھ فرض کروں گا وہ وقوع پذیر ہو گیا ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے رسولوں کی آمد بند ہونے کے بعد مبعوث فرمایا اس وقت حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی شریعت کو گزرے ہوئے چھ سو سال کے قریب عرصہ گزر چکا تھا اور لوگ تقسیم ہو چکے تھے یہودی اور بت پرست آپ کو جھٹلاتے تھے اور کچھ لوگ آپ کی تصدیق کرتے تھے لیکن ان میں فسق و فجور اسی طرح عام ہو گیا تھا جس طرح ہمارے زمانے میں پھیل گیا ہے۔ اور کفار بھی شریعت کے فروعات (احکامات) کے مخاطب ہوتے ہیں اور اس وقت مال، جھٹلانے والوں کے پاس بھی تھے اور تصدیق کرنے والوں کے پاس بھی جھٹلانے والے شریعت عیسوی کے بغیر عمل کرتے تھے اور تصدیق کرنے والے تصدیق کے باوجود سستی سے کام لیتے تھے جیسا کہ آج کل مسلمان سستی کا مظاہرہ کرتے ہیں حالانکہ زمانۂ نبوت زیادہ قریب ہے تو اس وقت تمام مال یا ان میں سے اکثر یا کثیر حرام تھے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے گذشتہ معاف فرما دیا اور اسے نہیں چھیڑا بلکہ جن لوگوں کا قبضہ تھا اسے ان ہی کا مال قرار دے کر شریعت کا آغاز فرمایا اور شریعت میں جس چیز کا حرام ہونا ثابت ہو جائے وہ بعثتِ رسول کی وجہ سے حلال نہیں ہو جاتا اور جس کے قبضے میں حرام مال ہو اس کے اسلام لانے سے بھی وہ حلال نہیں ہوتا ہم، ذمی لوگوں سے جزیہ میں وہ مال نہیں لیتے جس کے بارے میں تعین کے ساتھ ہمیں معلوم ہے کہ یہ شراب کی قیمت ہے یا سودی مال ہے۔ اس زمانے میں ان لوگوں کے مال اسی طرح تھے جس طرح آجکل ہمارے مال ہیں، اور عربوں کا معاملہ بہت سخت تھا کیونکہ ان میں لوٹ مار زیادہ تھی۔

تو ظاہر ہوا کہ فتویٰ کے لیے چوتھا احتمال متعین ہے جب کہ پانچواں احتمال پرہیز گاری کا راستہ ہے بلکہ کمال تقویٰ تو یہ ہے کہ حاجت کے مطابق مباح چیز پر اکتفا کیا جائے اور دنیا میں فراوانی اور کشادگی کو بالکل چھوڑ دیا جائے یہی آخرت کا راستہ ہے۔ اب ہم اس فقہ میں گفتگو کرتے ہیں جس پر مخلوق کی مصلحتوں کا دارومدار ہے اور ظاہری فتویٰ کے لیے مصلحتوں کے تقاضے کے مطابق ایک حکم اور راستہ ہے اور دین کے راستے پر تو خال خال لوگ چلتے ہیں اگر تمام لوگ آخرت کا راستہ اختیار کر لیں تو دنیا کا نظام باطل ہو جائے اور تمام جہاں خرابی کا شکار ہو جائے کیوں کہ آخرت کے راستے پر چلنا وہاں کی بڑی سلطنت کو طلب کرنا ہے جس طرح دنیا کی سلطنت تمام لوگوں کی مطلوب ہو جائے اور لوگ ادنیٰ کاموں اور خسیس صنعتوں کو چھوڑ دیں تو نظام باطل ہو جاتے پھر اس کے باطل ہونے سے بادشاہی بھی ٹوٹ پھوٹ جائے کاریگر لوگ اس لیے مسخر ہیں اور کام میں لگے ہوئے ہیں کہ بادشاہوں کی بادشاہی چلتی رہی۔ اسی طرح جو لوگ دنیا کی طرف متوجہ ہیں تو وہ اس لیے مسخر ہیں کہ دین دار لوگوں کے لیے دین کا راستہ محفوظ ہو جائے اور یہ آخرت کی بادشاہی ہے

اگر یہ بات نہ ہوتی تو دیندار لوگوں کے لیے ان کا دین بھی محفوظ نہ ہوتا تو ان کے لیے دین کی سلامتی کی شرط یہ ہے کہ اکثر لوگ ان کے راستے سے منہ پھیریں اور امور دنیا میں مصروف رہیں یہ وہ تقسیم ہے جو ازلی مشیت کے مطابق ہے اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد گرامی میں اسی بات کی طرف اشارہ ہے۔

نَحْنُ قَسَمْنَا بَيْنَهُمْ مَعِيشَتَهُمْ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَرَفَعْنَا بَعْضَهُمْ فَوْقَ بَعْضٍ دَرَجَاتٍ لِيَتَّخِذَ بَعْضُهُمْ بَعْضًا سُخْرِيًّا۔ (۱)

ہم نے ان کے درمیان ان کی روزی کو دنیا کی زندگی میں تقسیم کر دیا ہے اور ان میں سے بعض کو بعض پر درجات میں بلندی عطا فرمائی تاکہ وہ ایک دوسرے کے لیے مسخر ہو جائیں۔

سوال:

یہ بات فرض کرنے کی ضرورت نہیں ہے کہ حرام عام ہو جائے اور حلال ختم ہو جائے کیونکہ یہ بات واقع نہیں ہوتی یہ بات معلوم ہے اور اس میں کوئی شک نہیں کہ بعض مال حرام ہیں یہ کم ہیں یا زیادہ یہ بات محل نظر ہے اور جو کچھ آپ نے ذکر کیا کہ کل کی نسبت سے یہ بہت کم ہیں، واضح بات ہے لیکن اس پر کوئی دلیل ہونی چاہیے کہ یہ مصالح مرسلہ سے نہیں ہے آپ نے جو تقسیمات ذکر کی ہیں وہ تمام مصالح مرسلہ ہیں لہذا اس پر کوئی معین نظیر پیش کرنی چاہیے جس پر قیاس کیا جا سکے تاکہ دلیل بالاتفاق قبول ہو کیوں کہ بعض علماء مصالح مرسلہ کو تسلیم نہیں کرتے۔

جواب:

اگر یہ بات مان لی جائے کہ حرام بہت کم ہے تو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام کا زمانہ ہمارے لیے بطور دلیل کافی ہے حالانکہ اس میں سود، چوری، خیانت اور لوٹ مار تھی اور اگر ایسا زمانہ فرض کیا جائے جس میں حرام بہت زیادہ ہو تو بھی اس کا لینا جائز ہوگا اس کی دلیل تین باتیں ہیں۔

۱۔ وہ تقسیم جو ہم نے ذکر کی ہے اور ان میں سے چار کو باطل کر کے پانچویں قسم کو ثابت کیا ہے جب یہ قسم اس صورت میں جاری ہوتی ہے جب تمام مال حرام ہو تو جس میں بہت زیادہ یا بہت کم مال حرام ہو وہاں اس کا جاری ہونا زیادہ مناسب ہے اور کسی کہنے والے کا اسے فرضی قرار دینا محض ہوس ہے کیونکہ فرضی صورت تو ان امور میں ہوتی ہے جن میں ظن پایا جاتا ہو یہ تو قطعی بات ہے کیوں کہ اس میں شک نہیں کہ دین و دنیا کی بھلائی شریعت کی مراد ہے اور یہ بات بدیہی طور پر معلوم ہے محض ظن نہیں ہے اور اس میں بھی کوئی شک نہیں کہ لوگوں کو ضرورت یا حاجت کی مقدار یا گھاس اور شکار کی طرف پھیر دینا پہلے دنیا کو اور پھر اس کے واسطے دین کو خراب کرنا ہے تو جس بات میں شک نہ ہو وہ کسی ایسی دلیل کی محتاج نہیں ہوتی جو اس پر گواہی

---

(۱) قرآن مجید، سورہ زخرف آیت ۳۲

دے گواہی تو ان خیالات پر لائی جاتی ہے جو محض ظن پر بنی ہوں اور خاص خاص انسان سے متعلق ہوں۔

۲۔ اس کی علت ایسا تحری قیاس ہو جس کو ایسے اصل کی طرف پھرا جائے کہ جزئیات قیاسیہ سے مانوس تمام فقہاء کرام اس پر متفق ہوں اگرچہ ارباب تحصیل کے نزدیک یہ جزئیات اس امر کلی کے مقابلے میں حقیر محسوس ہوں جس کا ہم نے ذکر کیا کہ اگر بالفرض حرام عام ہو جائے اور کسی نبی کی ضرورت پڑ جاتے حتیٰ کہ اگر وہ بھی اس کے خلاف حکم کرے تو نظام عالم خراب ہو جائے قیاس جزئی کی صورت یہ ہو سکتی ہے کہ جن محدود امور سے معینہ علامات منقطع ہو جائیں ان میں اصل اور غالب کے درمیان تعارض ہو جاتے تو اصل پر حکم لگایا جاتا ہے غالب پر نہیں اور یہ راستوں کے کیچڑ، نصرانی عورت کے گھڑے اور مشرکین کے برتنوں پر قیاس کر کے ہوتا ہے اور ہم نے اس کو اس سے پہلے صحابہ کرام کے عمل سے ثابت کیا ہے۔ ہمارا یہ کہنا کہ علامات معینہ ختم ہو جائیں یہ ان برتنوں سے احتراز ہے جن میں اجتہاد کیا جا سکتا ہے اور ہم نے جو کہا کہ وہ محدود ہوں یہ مردار اور ذبح کئے ہوئے نیز دودھ پلانے والی عورت اور اجنبیہ عورت کے اختلاط والی صورتوں سے احتراز ہے۔

سوال:

پانی کا پاک ہونا یقینی ہے اور یہی اصل ہے اور اس بات کو کون تسلیم کرتا ہے کہ مالوں کی اصل، حلال ہونا ہے بلکہ ان کی اصل تو حرام ہونا ہے۔

جواب:

وہ چیزیں جو شراب اور خنزیر، کی طرح ذاتی صفت کی وجہ سے حرام نہیں ہیں وہ ایسی صفت پر پیدا کی گئی ہیں جو باہم رضامندی کے ساتھ کئے گئے معاملات کو قبول کرنے کی صلاحیت رکھتی ہیں۔ جیسے پانی میں وضو کی استعداد پیدا کی گئی اور کبھی ان سے استعداد کے باطل ہو جانے کا شک ہوتا ہے تو دونوں باتوں میں کوئی فرق نہیں کیوں کہ وہ ظلم کی وجہ سے باہمی رضامندی سے معاملات کو قبول کرنے کی صلاحیت سے نکل جاتا ہے جیسا کہ نجاست پڑنے کی وجہ سے پانی میں وضو کی استعداد باقی نہیں رہتی اور ان دونوں باتوں میں فرق نہیں۔

دوسرا جواب یہ ہے کہ قبضہ، ملکیت پر دلالت ظاہرہ ہے یہ استصحاب (اصل) کے قائم مقام ہے بلکہ اس سے زیادہ مضبوط ہے کیوں کہ شریعت نے اس کو اس کے ساتھ جوڑا ہے کیونکہ جس آدمی پر قرض کا دعویٰ کیا جائے تو اس کا قول معتبر ہوتا ہے کیوں کہ اصل اپنی ذمہ داری سے عہدہ برآ ہونا ہے اور یہ استصحاب ہے۔ اور جس آدمی کے قبضے میں کوئی چیز ہو اور اس پر کوئی ملکیت کا دعویٰ کرے تو اس (قابض) کی بات معتبر ہو گی کیوں کہ قبضہ استصحاب کے قائم مقام ہے تو انسان کے قبضے میں جو چیز پائی جائے اصل یہ ہے کہ وہ اس کی ملک ہے جب تک اس کے خلاف کوئی معین دلیل نہ پائی جائے (مثلاً مدعی گواہ پیش کر دے تو اب یہ مدعی کو دی جائے گی۔)

۳۔ جو چیز جنس غیر محدود پر دلالت کرے اور معین چیز پر دلالت نہ کرے اس کا اعتبار نہیں ہوتا اگرچہ قطعی ہو تو

جب ظن کی صورت میں دلالت کرے تو بدرجۂ اولیٰ غیر معتبر ہو گی۔ اس کی تفصیل اس طرح ہے کہ مثلاً جس چیز کے بارے میں معلوم ہوا کہ وہ زید کی ملکیت ہے تو اب اس میں اس کی اجازت کے بغیر تصرف نہیں ہو سکتا اور اگر یہ بات معلوم ہو کہ دنیا میں اس کا کوئی مالک ہے لیکن اس سے آگاہی سے مایوسی ہو چکی ہو اور نہ اس کے وارثوں کا علم ہو وہ مال مسلمانوں کی بھلائی کے لیے رکھا جائے گا اور اس میں مصلحت کے تحت تصرف جائز ہو گا۔

اور اگر معلوم ہو کہ اس کا کوئی مالک ہے اور وہ دس بیس آدمیوں کے درمیان ہے تو مصلحت کے تحت اس میں تصرف جائز نہ ہو گا اور جس کے بارے میں شک ہو کہ اس قابض کے علاوہ کوئی اس کا مالک ہے یا نہیں تو وہ اس سے زائد حکم نہیں رکھتا جو یقینی ہے یعنی اس کا کوئی مالک ہے لیکن وہ معلوم نہیں تو اب مصلحت کے تحت اس میں تصرف ہو سکتا ہے۔ اور مصلحت وہ ہے جس کا ذکر ہم نے پانچ قسموں میں کیا ہے تو یہ اصل اس کے لیے شاہد ہے اور کیسے نہیں ہو گا جب کہ ہر وہ مال جو ضائع ہو سکتا ہو اور اس کا مالک گم ہو تو بادشاہ مسلمانوں کی بہتری میں اسے صرف کرتا ہے اور فقراء وغیرہ ان مصالح میں شامل ہیں۔ اب اگر اسے فقیر پر خرچ کیا جائے تو وہ اس کا مالک بن جائے گا اور اس میں اس کا تصرف نافذ ہو گا۔ اور اگر کوئی چور اس سے چوری کرے تو اس کا ہاتھ کاٹا جائے گا۔ تو غیر کی ملک میں اس کا تصرف کیسے نافذ ہو گا تو یہ بات اسی صورت میں صحیح ہو سکتی ہے جب ہم یہ فیصلہ کریں کہ مصلحت کے تحت ملک اس کی طرف منتقل ہونی چاہیئے، اور یہ اس کے لیے حلال ہو تو ہم مصلحت کے مطابق فیصلہ کرتے ہیں۔

سوال:

یہ تصرف بادشاہ کے ساتھ خاص ہے (دوسروں کے لیے نہیں)

جواب:

بادشاہ بھی کسی دوسرے شخص کی ملک میں اس کی اجازت کے بغیر تصرف نہیں کر سکتا لہٰذا اس کا سبب مصلحت ہے۔ اور مصلحت یہ ہے کہ اگر اسے چھوڑ دیا جائے تو وہ ضائع ہو جائے گا تو اب یہ دو باتوں کے درمیان ہے یا تو اسے ضائع ہونے دیا جائے یا کسی اہم کام میں خرچ کر دیا جائے اور ضائع کرنے کی بجائے ضروری جگہ پر خرچ کرنا زیادہ بہتر ہے لہٰذا اسی کی طرف رجوع کیا جائے گا۔ جس میں شک ہو اور اس کا حرام ہونا معلوم نہ ہو تو اس میں مصلحت یہ ہے کہ قبضہ کی دلالت کے مطابق فیصلہ کیا جائے اور قابضین کے پاس ہی چھوڑ دیا جائے۔ کیوں کہ شک کی بنیاد پر ان سے لے لینا اور انہیں حاجت پر اکتفا کا مکلف بنانا اس نقصان تک پہنچاتا ہے جس کا ہم نے ذکر کیا ہے اور مصلحت کی جہات مختلف ہیں بعض اوقات بادشاہ دیکھتا ہے کہ اس مال سے پل بنانا بہتر ہے کبھی اسلامی لشکر پر خرچ کرنا مناسب سمجھتا ہے، بعض اوقات فقراء پر خرچ کرنے میں مصلحت ہوتی ہے لہٰذا وہ مصلحت کے مطابق تصرف کرتا ہے اس قسم کی صورت میں فتویٰ یہی ہے کہ مصلحت کے مطابق خرچ کیا جائے۔ اس سے نتیجہ یہ نکلا کہ جن مالوں میں کسی دلالت کے بغیر محض ظن

پایا جائے یعنی کسی خاص معین آدمی کی ملک پر کوئی دلالت نہ ہو اس پر لوگوں کا مواخذہ نہیں ہوتا جیسے بادشاہ اور فقراء جو اس مال سے لیتے ہیں ان سے مواخذہ نہیں ہوگا، حالانکہ وہ جانتے ہیں کہ اس کا کوئی مالک ہے لیکن اس کا کوئی معین مالک نہیں جس کی طرف اشارہ کیا جاسکے تو اس معنیٰ کے اعتبار سے ذاتِ مالک اور ذاتِ مال میں کوئی فرق نہیں ہوگا۔

تو یہ اختلاط کے باعث پیدا ہونے والے شبہ کا بیان ہے اب ایک بات رہ گئی وہ یہ کہ جب بہنے والی چیزیں روپے پیسے اور سامان ایک آدمی کے قبضے میں مخلوط ہو جائے تو اس میں غور و فکر کرنا ضروری ہے تو اس کا بیان مظالم سے نکلنے کے طریقوں کے ضمن میں آئے گا۔

شبہ کا تیسرا مقام:

حلال کرنے والے سبب میں گناہ کا مل جانا

یہ گناہ یا تو اس کے قرائن میں ہوگا یا اس سے ملنے والی چیزوں میں یا اس کے مقدمات میں اور یا اس کے عوض میں شامل ہوگا۔ لیکن یہ گناہ ایسا نہ ہو جس سے عقد فاسد اور حلال کرنے والا سبب باطل ہو جاتا ہے قرائن میں معصیت کے اختلاط کی مثالیں یہ ہیں۔

جمعۃ المبارک کے دن اذان کے وقت خرید و فروخت، غصب کی ہوئی چھری کے ساتھ ذبح کرنا، چھینی ہوئی کلہاڑی سے لکڑیاں کاٹنا، دوسرے کے سودے پر سودا کرنا اور دوسرے کی بولی پر بولی دینا۔

سودوں کے سلسلے میں وارد ہونے والی نہی جو فسادِ عقد پر دلالت نہ کرتی ہو اس سے بچنا تقویٰ ہے اگرچہ اس پر حرام ہونے کا حکم نہیں لگایا جاتا اس قسم کا نام شبہ رکھنے میں بھی چُوک (بھول) ہے کیوں کہ عام طور پر شبہ اس جگہ ہوتا ہے جہاں اشتباہ اور جہالت ہو جب کہ اشتباہ نہیں ہے بلکہ یہ بات معلوم ہے کہ کسی دوسرے کی چھری سے ذبح کرنا گناہ ہے اسی طرح ذبیحہ کا حلال ہونا بھی معلوم ہے لیکن شبہ، مشابہت سے مشتق ہے اور اس قسم کے امور سے کراہت پیدا ہوتی ہے اور کراہت حرمت کے مشابہ ہوتی ہے لہٰذا اگر شبہ سے یہ مراد ہے تو اسے شبہ کہنے کی کوئی وجہ ہوسکتی ہے ورنہ مناسب یہ ہے کہ اس کا نام ایسی کراہت رکھا جائے جس میں کوئی شبہ نہیں اور جب معنیٰ معلوم ہوگیا تو ناموں پر کوئی اعتراض نہیں ہوسکتا کیونکہ نام رکھنے میں فقہاء کرام تسامح (چشم پوشی) سے کام لیتے ہیں۔

درجاتِ کراہت

پھر جان لو کہ کراہت کے تین درجے ہیں۔

پہلا درجہ حرام کے قریب ہے اور اس سے بچنا بہت ضروری ہے اور آخری درجہ میں ایک گونہ مبالغہ ہوتا ہے قریب ہے کہ وہ وسوسے میں پڑنے والوں کی پرہیزگاری سے مل جائے۔ اور ان کے درمیان متوسطہ درجات ہیں جو دونوں طرفوں سے مل جاتے ہیں کسی سے چھینے ہوئے کتے سے شکار کرنا چھینی ہوئی چھری سے ذبح کرنے

اور چھینے ہوئے تیر سے شکار کرنے کی نسبت زیادہ مکروہ ہے کیوں کہ کتے کو اختیار ہوتا ہے۔

اس سلسلے میں اختلاف ہے کہ اس قسم کے کتے کا شکار کتے کے مالک کا ہوگا یا شکار کرنے والے کا غصب کی ہوئی زمین میں بوئے ہوئے بیج کا شبہ بھی اس سے ملحق ہے کیونکہ کھیتی بیج کے مالک کی ہے لیکن اس میں شبہ ہے اور اگر ہم ثابت کریں کہ زمین کے مالک کے لیے روکنے کا حق حاصل ہے تو یہ حرام قیمت کی طرح ہوگا۔ لیکن زیادہ مناسب بات یہ ہے کہ اس کے لیے روکنے کا حق ثابت نہ کیا جائے۔ جیسے کوئی شخص غصب کی ہوئی چکی سے آٹا پیسے یا غصب کئے ہوئے جال کے ساتھ شکار کرے۔ کیوں کہ اس شکار میں جال کے مالک کا کوئی حق نہیں غصب کی ہوئی کلہاڑی سے لکڑیاں کاٹنا بھی اس کے قریب قریب ہے کراہت کا اس سے نچلا درجہ یہ ہے کہ اپنی ذاتی ملکیت کو غصب کی ہوئی چھری سے ذبح کرے کیونکہ کوئی بھی اس ذبیحہ کے حرام ہونے کا قائل نہیں۔ جمعہ کی اذان کے وقت خرید و فروخت بھی اس سے ملحق ہے کیوں کہ مقصود عقد بیع سے اس کا تعلق ضعیف ہے اگرچہ بعض حضرات کے نزدیک یہ عقد فاسد ہو جاتا ہے (عقد فاسد نہ ہونے کی دلیل یہ ہے کہ اس میں صرف اتنی خرابی ہے کہ وہ دوسرے واجب (جمعہ کے لیے سعی) کو چھوڑ کر خرید و فروخت میں مشغول ہو گیا اگر اس قسم کی صورت سے بیع فاسد ہوتی تو ہر اس شخص کی بیع فاسد ہوتی جس کے ذمے زکوٰۃ کا ایک درہم باقی ہے یا ایسی فوت شدہ نماز اس کے ذمہ ہے جس کی ادائیگی فوری طور پر ضروری ہے یا اس کے ذمہ ایک دانق (درھم کا چھٹا حصہ) کسی کے حق کے طور پر واجب ہو کیوں کہ (اس وقت) خرید و فروخت میں مشغولیت اسے واجبات کے قیام سے روکتی ہے اور اذان کے بعد جمعہ کی نماز بھی واجب ہوتی ہے۔ یہ بات یہاں تک پہنچاتی ہے کہ ظالم لوگوں کی اولاد اور ان لوگوں کا نکاح صحیح نہ ہو جن کے ذمہ ایک درھم ہو کیونکہ وہ واجب کو چھوڑ کر نکاح میں مشغول ہوئے لیکن چونکہ جمعۃ المبارک کے سلسلے میں خاص طور پر نہی وارد ہوئی ہے لہٰذا ذہنوں میں اس کی خصوصیت کا تصور فوری طور پر آتا ہے لہٰذا اس کی کراہت زیادہ سخت ہے اور اس سے بچنے میں کوئی حرج نہیں لیکن اس سے وسوسے پیدا ہونے ہیں حتیٰ کہ ظالم لوگوں کی بیٹیوں سے نکاح کرنے اور ان کے ساتھ دیگر معاملات میں حرج سمجھا جاتا ہے۔

ان اسلاف میں سے ایک کے بارے میں منقول ہے کہ انہوں نے ایک شخص سے کوئی چیز خریدی پھر سنا کہ اس شخص نے اسے جمعہ کے دن خریدا تھا تو اس خوف سے واپس کر دی کہ شاید اذان جمعہ کے وقت خریدی ہو۔ یہ انتہائی درجہ کا مبالغہ ہے کیوں کہ انہوں نے شک کی بنیاد پر رد کر دیا۔ اگر منہیات اور مفسدات میں اس طرح کا وہم کیا جائے تو ہفتہ اور دیگر دنوں سے یہ وہم دور نہ ہوگا (یعنی یہ خدشہ تمام دنوں کے بارے میں ہوگا) پرہیزگاری اچھی چیز ہے اور اس سلسلے میں مبالغہ نہایت اچھا ہے لیکن ایک معلوم حد تک ــــ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

هَلَكَ الْمُتَنَطِّعُونَ (۱) مبالغہ کرنے والے ہلاک ہوئے۔

---

(۱) صحیح مسلم جلد ۲ ص ۳۳۹ کتاب العلم

تو اس قسم کے مبالغوں سے بچنا چاہیئے کیوں کہ یہ مبالغہ اگرچہ اس مبالغہ کرنے والے کو نقصان نہیں پہنچاتا لیکن بعض اوقات دوسرے لوگوں کو یہ وہم ہوتا ہے کہ یہ اہم بات ہے پھر وہ اس سے آسان بات سے عاجز ہو کر اصل پرہیزگاری کو چھوڑ دیتے ہیں۔ اور ہمارے زمانے میں اکثر لوگ اس بات کو دلیل بناتے ہیں کیوں کہ ان پر راستہ تنگ ہوتا ہے تو وہ اسے قائم کرنے سے مایوس ہو جاتے ہیں چنانچہ وہ اس (حلال کے راستے کو) چھوڑ دیتے ہیں تو جس طرح طہارت کے سلسلے میں وسوسے کا شکار بعض اوقات طہارت سے عاجز آکر اسے چھوڑ دیتا ہے اسی طرح حلال مال میں وسوسہ کرنے والے بعض لوگوں کا یہ وہم ہوتا ہے کہ دنیا کا تمام مال حرام ہے پس وہ وسیع راستہ اختیار کرتے ہیں اور یوں وہ (حلال وحرام کی) تمیز چھوڑ دیتے ہیں اور یہ عین گمراہی ہے۔

لواحق کی مثال ہر وہ تصرف ہے جو گناہ کی طرف لے جاتا ہے اس سلسلے میں سب سے اہم شراب بنانے والے لوگوں پر انگور بیچنا اور ایسے لوگوں سے غلام خریدنا ہے جو بچوں کے ساتھ گناہوں میں مصروف رہتے ہیں اسی طرح ڈاکوؤں پر تلوار بیچنا ہے اس سودے کے صحیح ہونے اور اس کی قیمت کے حلال ہونے میں علماء کرام کا اختلاف ہے لیکن زیادہ مناسب یہی ہے کہ یہ بیع صحیح ہے اور اس کی قیمت حلال ہے البتہ وہ شخص اس سود کی وجہ سے گناہ گار ہوتا ہے جیسے غصب کی ہوئی چھری سے ذبح کرنے کی وجہ سے گناہ گار ہوتا ہے جب کہ وہ ذبیحہ (جانور) حلال ہوتا ہے لیکن اسے گناہ پر مدد کے باعث گناہ ہوتا ہے کیونکہ یہ بات عین عقد سے متعلق نہیں ہے لہٰذا اس سودے کی بنیاد پر جو قیمت لی ہے وہ سخت مکروہ ہے اور اسے چھوڑنا اہم درجہ کی پرہیزگاری ہے۔ لیکن یہ کام حرام نہیں ہے اس سے ملحق مرتبہ شراب پینے والے پر انگور بیچنا ہے جب کہ وہ شراب بناتا نہ ہو اور جو آدمی جہاد بھی کرتا ہو اور ظلم بھی کرتا ہو تو ایسے شخص پر تلوار بیچنا بھی اسی زمرے میں آتا ہے کیوں کہ احتمال میں تعارض ہے۔ پہلے بزرگوں نے فتنے کے وقت اس خوف سے تلوار بیچنے کو ناپسند کیا ہے کہ شاید کوئی ظالم اسے خریدے تو یہ پہلے درجہ سے اوپر کی پرہیزگاری ہے اور اس میں کراہیت کم ہے اس سے ملحق وہ ہے جس میں مبالغہ کیا جاتا ہے اور قریب ہے کہ وہ وسوسوں سے مل جائے اور یہ ایک جماعت کا قول ہے کہ کاشتکار لوگوں سے آلات زراعت کا سودا کرنا جائز نہیں کیوں کہ وہ ان کے ذریعے کھیتی باڑی پر مدد حاصل کرتے ہیں اور ظالم لوگوں پر غلہ بیچتے ہیں اور گائے ہل اور کاشتکاری کے آلات ان پر نہ بیچے جائیں تو یہ وسوسے کی پرہیزگاری ہے کیوں کہ اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ کاشتکار پر غلہ نہ بیچا جائے کیوں کہ وہ اس کے ذریعے زراعت پر تقویت حاصل کرتا ہے اور نہ اسے عام پانی دیا جائے اور خیال آہستہ آہستہ اس مبالغہ تک پہنچائے گا جس سے منع کیا گیا ہے اور جو شخص نیک نیتی سے کسی کام کی طرف متوجہ ہوتا ہے اگر علم محقق اسے نہ روکے تو وہ صرف حد سے تجاوز کرتا ہے اور بعض اوقات وہ کام کر بیٹھتا ہے جو دین میں بدعت ہے اور اس سے بعد والے لوگوں کو نقصان پہنچتا ہے حالانکہ وہ یہ سمجھتا ہے کہ وہ نیکی میں مشغول ہے اسی لیے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

فَضْلُ الْعَالِمِ عَلَى الْعَابِدِ كَفَضْلِي عَلَى اَدْنٰی رَجُلٍ مِنْ اَصْحَابِي۔(۱)

عالم کو عابد پر اس طرح فضیلت حاصل ہے جسے مجھے اپنے ادنیٰ صحابی پر فضیلت حاصل ہے۔

اور "مُتَنَطِّعُوْنَ"، مبالغہ کرنے والے وہ لوگ ہیں جن کے بارے میں خوف ہے کہ شاید یہ ارشاد خداوندی ان کے بارے میں ہو۔

اَلَّذِيْنَ ضَلَّ سَعْيُهُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَهُمْ يَحْسَبُوْنَ اَنَّهُمْ يُحْسِنُوْنَ صُنْعًا۔(۲)

وہ لوگ کہ دنیا کی زندگی میں ان کی محنت رائیگاں گئی اور وہ خیال کرتے ہیں کہ اچھا کام کر رہے ہیں۔

خلاصہ یہ ہے کہ انسان کو پرہیزگاری کی باریکیوں میں نہیں پڑنا چاہیئے جب تک کسی بڑے اور قابل اعتماد عالم سے معلوم نہ کرلے کیوں کہ جب وہ مقرر حد سے تجاوز کرے اور (کسی عالم سے) سنے بغیر محض اپنے ذہن سے تصرف کرے گا تو اصلاح کی بجائے فساد زیادہ ہوگا۔

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کے بارے میں مروی ہے کہ انہوں نے انگور کا باغ جلا دیا تھا کیوں کہ انہیں خوف تھا کہ شاید انگور، شراب بیچنے والوں پر بیچے جائیں، اور اس قسم کے عمل کے لیے ہمیں کوئی وجہ معلوم نہیں ہے۔ ہوسکتا ہے ان کے سامنے کوئی اور سبب ہو جس کی وجہ سے جلانا واجب ہو کیوں کہ جو صحابہ کرام آپ سے زیادہ قدر و منزلت والے تھے انہوں نے اپنے باغ کو نہیں جلایا، اگر یہ بات جائز ہوتی تو زنا میں پڑنے کے خوف سے آلۂ تناسل کو کاٹنا اور جھوٹ کے خوف سے زبان کو کاٹنا جائز ہوتا اس کے علاوہ اور کئی چیزوں کو ضائع کرنا جائز ہوتا۔ جہاں تک مقدمات (یعنی گناہ کے ملنے) کا تعلق ہے تو اس میں گناہ کے اختلاط کے تین درجے ہیں۔

سب سے بڑا درجہ جس میں کراہت زیادہ سخت ہے یہ ہے کہ اس کا اثر اس چیز میں باقی ہو جو حاصل کی گئی ہے جیسے اس بکری کا گوشت کھانا جسے چھینے ہوئے گھاس سے چارہ دیا گیا یا وہ حرام چراگاہ میں چرتی رہی۔ کیوں کہ یہ گناہ ہے اور یہ اس کے باقی رہنے کا سبب ہے۔ اور ہوسکتا ہے کہ اس کا خون، گوشت اور دوسرے اجزا جو باقی ہیں اسی گھاس سے ہوں یہ اہم درجے کی پرہیزگاری ہے اگرچہ واجب نہیں ہے اور یہ بزرگوں کی ایک جماعت سے منقول ہے۔

حضرت ابوعبداللہ محوسی ترو غندی کے پاس ایک بکری تھی وہ روزانہ اسے اپنے کاندھے پر اٹھا کر صحرا میں لے جاتے وہاں چرتی رہتی اور آپ نماز پڑھتے آپ اس کا دودھ نوش فرماتے تھے۔ کچھ دیر کے لیے وہ اس سے غافل ہوئے تو وہ ایک باغ کے کنارے سے انگور کے پتے کھانے لگی چنانچہ آپ نے اسے وہیں چھوڑ دیا اور اسے لانا حلال نہ جانا۔

---

(۱) المعجم الکبیر للطبرانی جلد ۸ ص ۲۰۸، حدیث ۷۹۱۱

(۲) قرآن مجید، سورۂ کہف آیت ۱۰۴

سوال :

حضرت عبداللہ بن عمر اور حضرت عبیداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے کچھ اونٹ خریدے اور سرکاری چراگاہ کی طرف بھیج دیئے وہ وہاں چرتے رہے حتی کہ موٹے تازے ہو گئے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے پوچھا کیا تم نے سرکاری چراگاہ میں ان کو چرایا ہے؟ انہوں نے عرض کیا جی ہاں۔ تو آپ نے ان سے نصف اونٹ لے لیے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کے نزدیک اس گھاس کی وجہ سے حاصل ہونے والا گوشت، گھاس کے مالک کا تھا تو یہ بات حرمت کو واجب کرتی ہے۔

جواب :

یہ بات اس طرح نہیں ہے کیونکہ کھانے کی وجہ سے گھاس ختم ہو جاتی ہے اور گوشت ایک نئی پیدائش ہے یہ عین گھاس نہیں ہے لہذا گھاس کے مالک کے لیے شرعی طور پر کوئی شرکت نہیں ہے۔

لیکن حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے بطور تاوان ان سے گھاس کی قیمت وصول کی اور یہ نصف اونٹوں کے برابر خیال فرمائی لہذا اجتہاد کے طور پر نصف اونٹ لئے جس طرح حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ جب کوفہ سے آئے تو ان سے بھی نصف مال لے لیا اسی طرح حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے بھی لیا کیونکہ آپ سمجھتے تھے کہ عامل اس سب کا مستحق نہیں ہے اور آپ ان کے عمل کے مطابق نصف کو کافی سمجھتے تھے۔ اور نصف کا اندازہ لگانا بطور اجتہاد تھا۔

درمیانہ درجہ وہ ہے جو حضرت بشر بن حارث رحمہ اللہ سے منقول ہے کہ انہوں نے اس نہر سے پانی نہ پیا جسے ظالموں نے کھدوایا تھا کیونکہ نہر کے ذریعے ان تک پانی پہنچتا تھا اور اس کے کھودنے میں اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی گئی۔ اسی طرح ایک دوسرے بزرگ نے اس انگور سے نہ کھایا جسے ایسی نہر کا پانی پہنچتا تھا جو ظلماً کھودی گئی تھی۔ یہ اس پہلے درجہ سے زیادہ بلند اور پرہیزگاری میں زیادہ مبالغہ ہے اسی طرح ایک دوسرے بزرگ نے بادشاہوں کی جانب سے راستوں میں بنائے گئے کنوؤں سے پانی نہ پیا اور اس سے بھی بلند حضرت ذوالنون مصری رحمہ اللہ کی پرہیزگاری ہے کہ انہوں نے جیل کے داروغہ کے ہاتھوں سے پہنچنے والے کھانے سے اجتناب فرمایا اور فرمایا کہ یہ ایک ظالم کے ہاتھ سے آیا ہے ان مراتب کے درجات بے شمار ہیں۔

تیسرا درجہ :۔ یہ وسوسوں اور مبالغہ کے قریب ہے یعنی وہ ایسی حلال چیز سے پرہیز کرے جو اس آدمی کے ہاتھ سے پہنچی ہو جس نے زنا یا الزام تراشی کے ذریعے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی ہے۔ لیکن یہ نافرمانی حرام کھانے والوں کے گناہ جیسی نہیں ہے کیونکہ اس صورت میں وہ قوت پہنچا رہی ہے جو حرام غذا سے حاصل ہوتی ہے، جب کہ زنا اور کسی پر زنا کا الزام ایسی قوت کو لازم نہیں کرتا جس کے ذریعے کھانے جانے پر مدد حاصل کی جائے بلکہ کافر کے ہاتھوں سے پہنچنے والی حلال چیز سے رکنا محض وسوسہ ہے بخلاف حرام کھانے کے، کیونکہ کفر کھانا اٹھانے سے متعلق نہیں ہوتا بلکہ اس کا نتیجہ یہ نکلے گا کہ کسی ایسے شخص کے ہاتھ سے نہ لے جس نے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی ہو چاہے وہ غیبت کے ذریعے ہو یا جھوٹ بولنے

سے۔ یہ انتہائی درجے کا مبالغہ اور حد سے تجاوز ہے بلکہ تقویٰ میں وہ بات یاد رکھنی چاہیئے جو حضرت ذوالنون مصری اور حضرت بشر رحمہما اللہ کے عمل سے معلوم ہوئی یعنی وہ سبب جو پہنچانے والا ہے اس میں گناہ ہو جیسے نہر اور اس ہاتھ کی قوت جس نے حرام غذا سے فائدہ حاصل کیا ہے لیکن اگر وہ کوزے سے پانی نہ پیئے کہ کوزہ بنانے والے کمہار نے ایک دن کسی شخص کو مانے یا گالی دینے کے ذریعے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی تھی تو یہ وسوسہ ہے اور بکری کا گوشت اس لیے نہ کھائے کہ اسے حرام کھانے والے نے ہانکا ہے تو یہ بات داروغہ جیل کے ہاتھ والے مسئلہ سے زیادہ بعید ہے کیوں کہ کھانے کو داروغے کا ہاتھ اُٹھا کے پہنچاتا ہے اور بکری خود چل کر جاتی ہے اور چلانے والا اس کو صرف راستے سے ادھر اُدھر ہونے سے روکتا ہے تو یہ وسوسے کے قریب ہے تو دیکھو ہم نے کس طرح ان باتوں کو درجہ وار بیان کیا جو ان امور کی مقتضی ہیں۔

جان لو! یہ تمام باتیں علمائے ظاہر کے فتویٰ سے خارج ہیں کیونکہ فقیہ کا فتویٰ پہلے درجہ کے ساتھ خاص ہے جس کا عام مخلوق کو مکلف بنایا جا سکتا ہے اور اگر وہ سب اس پر جمع ہو جائیں (عمل پیرا ہوں) تو دنیا میں خرابی نہ ہو اس کے علاوہ جو کچھ ہے وہ متقی اور صالح لوگوں کی پرہیزگاری ہے اور اس سلسلے میں فتویٰ وہ ہے جو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت وابصہ رضی اللہ عنہ کو بتایا کہ آپ نے فرمایا۔ اپنے دل سے پوچھ لو اگرچہ (فتویٰ دینے والے) تمہیں فتویٰ دیں (تین بار فرمایا)(۱) اور اس کی پہچان کرائی جب فرمایا:

اَلْاِثْمُ حَزَّازُ الْقُلُوْبِ۔ (۲) گناہ دلوں کا کھٹکا ہے۔

اور مرید کے دل میں ان اسباب میں سے جو بات کھٹکے تو اگر وہ اس کھٹکے کے باوجود اس کا اقدام کرے تو نقصان اٹھائے گا اور جس قدر وہ کھٹکا پاتا ہے اسی قدر اپنے دل پر ظلم کرتا ہے بلکہ اگر وہ ایسا کام کرے جو اللہ تعالیٰ کے علم میں حرام ہے اور وہ اسے حلال خیال کرتا ہے تو یہ اس کے دل کی سختی میں مؤثر نہیں ہوگی اور اگر وہ اس چیز کو اختیار کرے جو علمائے ظاہر کے فتویٰ کے مطابق حلال ہے لیکن اس کے دل میں کچھ کھٹکا ہو تو یہ عمل نقصان دِہ ہے ہم نے مبالغہ سے ممانعت کے سلسلے میں جو کچھ ذکر کیا ہے اس سے ہماری مراد وہ صاف اور معتدل دل ہے جو اس قسم کے امور میں کھٹکا نہیں پاتا اور اگر کسی وسوسہ کرنے والے کا دل راہِ اعتدال سے ہٹ جائے اور وہ کھٹکا محسوس کرے اور اپنے دل میں جو کچھ پائے اس پر عمل پیرا ہو تو یہ اسے نقصان دے گا۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ اور اس کے درمیان جو معاملات ہیں ان کے بارے میں وہ اپنے دل کے فتویٰ میں ماخوذ ہوگا۔ اسی طرح جس شخص کو وسوسہ رہتا ہو طہارت اور نماز کی نیت کے سلسلے میں اس پر سختی کی گئی ہے جب اس کے دل میں غالب بات ہو کہ تین مرتبہ دھونے سے پانی اس کے تمام اجزاء

---

(۱) کنز العمال جلد ۱۰ ص ۲۵۰ حدیث ۲۹۳۲۹

(۲) شعب الایمان جلد ۴ ص ۳۶۷ حدیث ۵۴۳۴

پر نہیں پہنچا اور یہ محض وسوسے کی وجہ سے ہو تو اس پر واجب ہے کہ چوتھی بار استعمال کرے اور یہ حکم خاص اس کے حق میں ہے اگرچہ حقیقت میں وہ غلطی پر ہو یہی وجہ ہے کہ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قوم نے گائے کے بارے میں زیادہ سوالات کئے تو ان پر سختی کی گئی اگر وہ شروع میں ہی لفظ بقرہ (گائے) کے عموم پر عمل کرتے اور جس پر لفظ گائے صادق آتا ہے اسے اپنا تے تو انہیں کفایت کرتا ۔۔۔ تو تمہیں ان باریک باتوں سے غافل نہیں ہونا چاہیئے جو ہم نے نفی اور اثبات کے طور پر ذکر کی ہیں کیوں کہ جو شخص کلام کی گہرائی تک نہ پہنچے اور اس کے مضامین سے واقف نہ ہو سکے تو قریب ہے کہ وہ اپنے مقاصد کو پانے میں لغزش کا شکار ہو جائے ۔

عوض میں گناہ

عوض میں گناہ کے بھی کئی درجات ہیں ۔
سب سے بڑا درجہ جس میں کراہیت زیادہ ہوتی ہے وہ یہ ہے کہ کوئی چیز ادھار خریدے اور اس کی قیمت غصب یا حرام کے مال سے ادا کرے پس دیکھا جائے گا اگر بائع نے قیمت پر قبضہ کرنے سے پہلے وہ غلہ خوشی خوشی اس کے حوالے کر دیا اور اس نے قیمت ادا کرنے سے پہلے اسے کھالیا تو یہ (کھانا) حلال ہے اور قیمت ادا کرنے سے پہلے اسے چھوڑنا بالاتفاق واجب نہیں ہے اور نہ یہ اس پرہیزگاری سے ہے جس کی تاکید کی گئی ہے ۔

اب اگر وہ اسے کھانے کے بعد حرام مال سے قیمت ادا کرے تو گویا اس نے قیمت ادا نہیں کی اور اگر وہ حقیقت میں قیمت ادا نہ کرتا تو وہ ظلم کرنے والا ہوتا کیونکہ اس طرح وہ بائع کا وہ حق ادا نہ کرتا جو اس کے ذمہ ہے لیکن یہ حرام نہیں ہو گا۔ اور اگر وہ حرام مال سے قیمت ادا کرے اور بائع یہ جانتے ہوئے کہ یہ حرام ہے بری الذمہ قرار دے تو اس کی ذمہ داری پوری ہو جائے گی اب اس کے ذمہ صرف یہ گناہ رہ جائے گا کہ اس نے بائع کو حرام مال دیتے ہوئے حرام درھموں میں تصرف کیا اور اگر بائع یہ سمجھتے ہوئے کہ یہ حلال مال ہے اسے بری الذمہ قرار دیتا ہے تو یہ برأت حاصل نہ ہو گی کیوں کہ وہ تو اسے یوں بری الذمہ قرار دے رہا ہے کہ اس نے اپنا حق وصول کر لیا حالانکہ یہ مال ادائیگی حق کے لائق نہیں ہے تو خریدنے والے کا حکم اس غلے سے کھانے اور جو کچھ اس کے ذمہ ہے اس کا یہ (مذکورہ بالا) حکم ہے۔

اور اگر بائع نے اسے یہ چیز (خوشی) سے نہیں دی بلکہ اس نے خود حاصل کی تو اب اس (خریدار) کے لیے اس کا کھانا حرام ہے، حرام مال سے قیمت ادا کرنے سے پہلے کھائے یا بعد میں ۔ کیونکہ اس سلسلے میں فتویٰ سے اس بات کی طرف اشارہ ہوتا ہے کہ بائع کو روکنے کا حق ہے یہاں تک کہ وہ قیمت پر قبضہ کر کے اپنی ملک ثابت کرے جیسے خریدار کی ملک متعین ہوئی ہے بائع کو جو روکنے کا حق حاصل ہے وہ دو صورتوں میں باطل ہوتا ہے ایک یہ کہ وہ خریدار کو معاف کر دے دوسرا یہ کہ قیمت وصول کرے اور یہاں دونوں میں سے ایک بات بھی نہیں پائی گئی لیکن اس نے اپنی ملکیت سے کھایا ہے اور اسے اسی طرح گناہ ہو گا جس طرح رہن رکھنے والا مرتہن (جس کے پاس رہن رکھا) کے مال سے اس کی اجازت کے بغیر کھائے اس مسئلے میں اور غیر کا مال کھانے میں فرق ہے ۔ لیکن اصل حرمت ہے جو ان سب کو شامل ہے ۔ یعنی اس

وقت جب ثمن ادا کرنے سے پہلے اس چیز پر قبضہ کرے چاہے بیچنے والے کی خوشی دلی سے ہو یا بد دلی سے۔

اور اگر پہلے حرام مال سے قیمت ادا کرے پھر قبضہ کرے تو دیکھا جائے گا اگر بائع کو علم ہے کہ قیمت حرام مال سے ہے اور اس کے باوجود وہ اس چیز کا قبضہ دے دیتا ہے تو اب اس کے روکنے کا حق باطل ہو جائے گا اور قیمت خریدار کے ذمہ باقی ہوگی کیوں کہ جو کچھ اس نے لیا ہے وہ قیمت نہیں ہے اور قیمت باقی رہنے کی وجہ سے مبیع کا کھانا حرام ہوگا۔

لیکن اگر اسے اس مال کے حرام ہونے کا علم نہ ہوا اور اس کی حالت یہ ہے کہ اگر اسے معلوم ہوتا تو وہ اس پر راضی نہ ہوتا اور نہ مبیع کا قبضہ دیتا تو اس دھوکہ بازی سے روکنے کا حق باطل نہیں ہوگا۔ پس اس کا کھانا اسی طرح حرام ہے جیسے رہن رکھا ہوا مال کھانا، یہاں تک کہ وہ اسے معاف کر دے یا خریدار حلال مال سے قیمت ادا کرے یا بائع حرام مال پر راضی ہو جائے اور اسے معاف کر دے تو اس کا معاف کرنا صحیح ہوگا لیکن حرام پر راضی ہونا درست نہ ہوگا۔

یہ فقہ کا تقاضا ہے اور پہلے درجہ میں حلال وحرام کا بیان ہے لیکن اس سے رکنا اہم تقویٰ ہے کیونکہ جب کسی چیز تک پہنچانے والے سبب میں گناہ آجائے تو اس میں کراہیت سخت ہوتی ہے جیسے گزر چکا ہے، اور ان میں سے زیادہ مضبوط سبب قیمت ہے اگر یہ حرام قیمت نہ ہوتی تو بائع وہ چیز اس کے حوالے کرنے پر راضی نہ ہوتا تو اس کا راضی ہونا اس کو سخت کراہیت سے خارج نہیں کرتا۔

لیکن اس کی وجہ اس شخص کی عدالت ختم نہیں ہوتی بلکہ اس اسے تقویٰ اور پرہیزگاری کا درجہ زائل ہو جاتا ہے مثلاً اگر کوئی بادشاہ کپڑا یا زمین خریدے اور قیمت ادا کرنے سے پہلے بائع کی مرضی سے اس پر قبضہ کرلے اور کسی عالم کو بطور صلہ رحمی یا تحفہ کے طور پر دے دے اور اسے شک ہو کہ نامعلوم اس کی قیمت حلال مال سے ادا کرے گا یا حرام سے، تو کم درجہ کی کراہیت ہے کیوں کہ اس کو قیمت میں گناہ کے داخل ہونے کا شک ہوا اور اس (کی کراہت) کا خفیف ہونا اس بادشاہ کے مال میں حرام کی قلت اور کثرت کے اعتبار سے مختلف ہوتا ہے یا غلبۂ ظن سے معلوم ہوگا۔ اور اس کا بعض، دوسرے بعض سے زیادہ سخت ہے اور اس سلسلے میں دل کی خلش کی طرف رجوع کرنا چاہیئے۔

درمیانہ درجہ

درمیانہ درجہ یہ ہے کہ (مبیع کا) عوض: چھینا ہوا مال ہو اور نہ حرام، لیکن اسے گناہ کے لیے تیار کیا جاتا ہو جیسے قیمت میں انگور دے دے اور لینے والا شراب نوش ہو، یا عوض میں تلوار دے اور وہ لینے والا ڈاکو ہو تو اس سے اس مبیع میں حرمت نہیں آتی جو بطور اُدھار لی ہے لیکن اس میں کراہیت ہے جو غصب کی کراہیت سے کم ہے۔ اس رتبہ میں درجات مختلف ہیں جیسے قیمت پر قبضہ کرنے والے پر گناہ کے غلبہ یا گناہ نہ ہونے کے احتمال میں تفاوت ہے جب عوض حرام ہوگا تو اس کا خرچ کرنا بھی حرام ہوگا اور اگر اس کے حرام ہونے کا احتمال ہو لیکن جائز ہونے کا گمان بھی ہو تو اسے خرچ کرنا مکروہ ہوگا۔ اور میرے خیال میں سینگی لگانے والے کی کمائی سے ممانعت اور

اس کی کراہت اسی وجہ سے ہے کیوں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کئی بار منع فرمایا۔ (۱)
پھر حکم دیا کہ اس سے اپنے پانی لانے والے اونٹ کو چارہ کھلا دے (۲)
اور یہ جو وہم کیا جاتا ہے کہ اس کا سبب نجاست اور گندگی سے ملوث ہونا ہے تو یہ وہم فاسد ہے کیوں کہ اگر یہ بات ہوتی تو چمڑا رنگنے والے اور جھاڑو دینے والے کے کسب میں بھی کراہت ہوتی، اور اس کا کوئی بھی قائل نہیں اور اگر یہ قول کیا جائے تو قصاب کی کمائی میں یہ قول نہیں چل سکے گا کیوں اس کا کسب کیسے مکروہ ہوگا حالانکہ وہ گوشت کا بدل ہے اور گوشت ذاتی طور پر مکروہ نہیں ہے حالانکہ پچھنے لگانے والے اور سینگی لگانے کی نسبت قصاب کا نجاست سے زیادہ تعلق ہوتا ہے کیوں کہ سینگی لگانے والا سینگی لگانے کے آلے سے خون نکالتا اور روئی سے صاف کرتا ہے لیکن سبب یہ ہے کہ سینگی اور پچھنے لگانے میں حیوان کی بنیاد کو خراب کرنا اور خون نکالنا ہے حالانکہ اس سے اس کی زندگی قائم رہتی ہے اور اس میں اصل حرمت ہے اور یہ ضرورت کے تحت حلال ہے اور حاجت و ضرورت کا علم اندازے اور اجتہاد سے ہوتا ہے اور بعض اوقات اسے نفع بخش سمجھا جاتا ہے لیکن وہ نقصان دہ ہوتا ہے لہٰذا وہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک حرام ہوگا۔ لیکن اندازے سے اس کے حلال ہونے کا حکم لگایا جائے گا۔

یہی وجہ ہے کہ پچھنے لگانے والے کے لیے جائز نہیں کہ وہ کسی بچے، غلام اور بیہوش آدمی کو اس کے ولی کی اجازت اور ڈاکٹر کی ہدایت کے بغیر پچھنے لگائے اگر ظاہراً یہ حلال نہ ہوتی تو سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم سینگی لگانے والے کو اجرت نہ دیتے اور اگر اس حرام ہونے کا احتمال نہ ہوتا تو اس سے منع نہ کیا جاتا تو اجرت دینے اور اس سے ممانعت کو اسی علت کے تحت جمع کیا جا سکتا ہے۔

اور مناسب یہ تھا کہ ہم اس بات کو ان قرائن کے تحت ذکر کرتے جو اسباب سے ملے ہوئے ہیں کیوں کہ یہ ان کے زیادہ قریب ہے۔

سب سے کم مرتبہ یہ وسوسہ کرنے والوں کا درجہ ہے اس کی صورت یہ ہے کہ مثلاً کوئی شخص قسم کھائے کہ وہ اپنی ماں کا کاتا ہوا کپڑا نہیں لے گا پھر وہ اس کا کاتا ہوا دھاگہ بیچ کر اس سے کپڑا خریدے تو اس میں کراہت نہیں اور اس سے بچنا محض وسوسہ ہے۔

حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے انہوں نے اس قسم کی صورت کے بارے میں عدم جواز کا فتویٰ دیا ہے اور یہ دلیل پیش کی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

---

(۱) سنن ابن ماجہ ص ۱۵۷، ابواب التجارات۔

(۲) صحیح بخاری جلد اول ص ۳۰۴، کتاب الاجارات۔

لَعَنَ اللّٰہُ الْیَھُوْدَ حُرِّمَتْ عَلَیْھِمُ الْخُمُوْرُ فَبَاعُوْھَا وَاَکَلُوْا اَثْمَانَھَا۔ (۱)

اللہ تعالیٰ یہودیوں پر لعنت بھیجے ان پر شراب حرام تھی تو انہوں نے اسے بیچ کر اس کی قیمت کھالی (استعمال کر لی)

اور یہ بات (واقعی) غلط ہے کیوں کہ شراب کا سودا کرنا باطل ہے کیونکہ شریعت میں شراب کے لیے منفعت باقی نہیں رہتی اور بیع باطل کی قیمت حرام ہے جب کہ یہ مذکورہ بالا مثال) اس طرح نہیں ہے بلکہ اس کی مثال اس طرح ہے جیسے کوئی شخص کسی لونڈی کا مالک ہوجائے اور وہ اس کی رضاعی بہن ہو اور اسے کسی اجنبیہ لونڈی کے بدلے میں بیچ دیا جائے کسی شخص کے لیے یہاں پرہیزگاری کی ضرورت نہیں ہے اور اسے شراب بیچنے سے تشبیہ دینا نہایت درجہ کی زیادتی ہے تحقیق ہم نے اس سلسلے میں تمام درجات اور ان میں تدریج کی کیفیت کو جان لیا اگرچہ ان درجات کا تفاوت تین یا چار یا اس سے زیادہ تعداد میں منحصر نہیں ہے بلکہ تعداد اور حد بندی سے مقصود بات کو سمجھنا ہے۔

سوال:

اگر کہا جائے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

مَنِ اشْتَرٰی ثَوْبًا بِعَشْرَۃِ دَرَاھِمَ فِیْھَا دِرْھَمٌ حَرَامٌ لَمْ یَقْبَلِ اللّٰہُ صَلٰوۃً مَا کَانَ عَلَیْہِ۔ (۲)

جو شخص دس درھم کا کپڑا خریدے اور ان میں ایک درھم حرام ہو تو جب تک وہ کپڑا اس کے اوپر ہوگا اللہ تعالیٰ اس کی نماز قبول نہیں کرے گا۔

پھر حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے اپنی انگلیاں اپنے کانوں میں ڈال کر فرمایا اگر میں نے یہ بات نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے نہیں سنی تو میرے یہ کان بہرے ہوجائیں۔

جواب:

یہ اس بات پر محمول ہے جب معین درھموں کے بدلے خریدا ہوا دھار نہ ہو اور جب ادھار خریدے تو ہم نے اکثر صورتوں میں حرمت کا فتویٰ دیا ہے پس اسی پر محمول کیا جائے پھر کئی ایسی ملکیتیں ہیں جن کے سبب میں گناہ پائے جانے کی وجہ سے نماز قبول نہ ہونے کی وعید ہے اگرچہ اس سے فسادِ عقد لازم نہیں آتا جس طرح جمعۃ المبارک کی اذان کے وقت خریدنے والا ہے۔

شک کا چوتھا مقام:

دلائل میں اختلاف

یہ اختلاف، سبب میں اختلاف کی طرح ہے کیونکہ سبب، حلت و حرمت کے حکم کا سبب ہے اور دلیل حلت و حرمت

---

(۱) صحیح بخاری جلد اول ص ۴۹۱ کتاب الانبیاء

(۲) مسند امام احمد بن حنبل جلد ۲ ص ۹۸ مرویات ابن عمر

کی پہچان کا سبب ہے پس وہ معرفت کے حق میں سبب ہے اور جو چیز غیر کی معرفت میں ثابت نہ ہو فی ذاتہٖ اس کے ثبوت کا کیا فائدہ ہے اگرچہ اللہ تعالیٰ کے علم میں اس کا سبب جاری ہو۔

یہ اختلاف یا تو دلائل شرع کے درمیان تعارض کی وجہ سے ہوگا یا ان علامات کے تعارض کی وجہ سے ہوگا جو ان پر دلالت کرتی ہیں یا مشابہت کے تعارض کی وجہ سے ہوگا۔

پہلی قسم:

دلائل شرع میں تعارض کی مثال یہ ہے کہ قرآن پاک کی دو آیات یا دو حدیثیں جن میں عمومی حکم ہو باہم متعارض ہوں یا دو قیاس باہم ٹکراتے ہوں یا ایک قیاس اور ایک عام آیت (یا حدیث) میں تعارض ہو، ان تمام سے شک پیدا ہوتا ہے۔ اور اس صورت میں استصحاب (اصل) کی طرف لوٹنا ہوتا ہے۔

یا ترجیح نہ ہونے کی صورت میں اس اصل کی طرف لوٹتے ہیں جو پہلے سے معلوم ہے اگر ممانعت کی جانب ترجیح ظاہر ہو تو اسے اختیار کرنا واجب ہے اور اگر حلت کی جانب ترجیح ظاہر ہو تو اسے اختیار کرنا جائز ہے لیکن تقویٰ چھوڑنے میں ہے اور مفتی اور مقلد کے لیے اختلافی مقامات سے بچنا تقویٰ میں اہم ہے اگرچہ مقلد کے لیے جائز ہے کہ اپنے شہر میں جس کو سب سے افضل عالم سمجھتا ہے اس کے فتویٰ پر عمل کرے اور یہ بات سننے سے معلوم ہوتی ہے جس طرح شہر کے سب سے بڑے ڈاکٹر کی معرفت لوگوں سے سننے سنانے اور قرائن کی ذریعے ہوتی ہے اگرچہ وہ اچھی طرح علاج نہ کر سکتا ہو۔ فتویٰ لینے والے کے لیے جائز نہیں کہ وہ مذاہب میں سے جس میں زیادہ وسعت پائے اسے چھانٹ لے بلکہ چھان بین کرتا ہے حتیٰ کہ اسے افضل کے بارے میں ظن غالب ہو جائے پھر اس کی اتباع کرے اور اس کی مخالفت ہرگز نہ کرے ہاں اگر اس کا امام کسی بات پر فتویٰ دے اور اس میں کسی دوسرے امام کا اختلاف پایا جاتا ہو تو اختلاف سے بچتے ہوئے اجماع کی طرف جانا مؤکد پرہیزگاری ہے اسی طرح جب مجتہد کے ہاں دلائل میں تعارض ہو اور اندازہ اور گمان سے حلت کی جانب کو ترجیح حاصل ہو تو بچنے میں تقویٰ ہے مفتیان کرام بعض اشیاء کے حلال ہونے کا فتویٰ دیتے تھے لیکن اس میں شبہ سے بچنے کی بنیاد پر خود اس پر عمل نہیں کرتے تھے۔ ہم اسے بھی تین مراتب پر تقسیم کرتے ہیں۔

پہلا مرتبہ:

اس سے بچنا نہایت درجے کا استحباب ہے اور یہ اس صورت میں ہے جب مخالف کی دلیل قوی ہو اور دوسرے مذہب کی وجہ ترجیح دقیق ہو، شکاری کتا جب اپنے شکار کو خود کھانے لگے تو اس سے بچنا اہم تقویٰ ہے اگرچہ مفتی اس کے حلال ہونے کا فتویٰ دے کیوں کہ اس میں ترجیح نہایت باریک و دقیق ہے اور ہم نے اس کے حرام ہونے کو اختیار کیا۔ اور یہ حضرت امام شافعی رحمہ اللہ کے ایک قول کے مطابق ہے اور جس صورت میں حضرت امام شافعی رحمہ اللہ کا جدید قول حضرت امام ابو حنیفہ یا کسی دوسرے امام رحمہم اللہ کے مذہب کے موافق ہو تو اس میں پرہیز کرنا اہم ہے

اگرچہ مفتی دوسرے قول پر فتویٰ دے۔

اسی سے ہے بسم اللہ نہ پڑھنے سے بچنا اگرچہ اس میں حضرت امام شافعی رحمہ اللہ کا قول مختلف ہے کیوں کہ آیت اسے واجب کرتے میں ظاہر ہے اور اس سلسلے میں احادیث متواتر ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے جس نے شکار کے بارے میں سوال کیا آپ نے اس سے فرمایا:

اِذَا اَرْسَلْتَ كَلْبَكَ الْمُعَلَّمَ وَذَكَرْتَ عَلَيْهِ اِسْمَ اللّٰهِ فَكُلْ۔ (۱)

جب تم اپنے شکاری کتے کو چھوڑو اور اس پر اللہ تعالیٰ کا نام ذکر کرو ہوا تو (اسے) کھاؤ۔

اور یہ ارشاد گرامی تکرار کے ساتھ منقول ہوا ہے اور بسم اللہ پڑھ کر ذبح کرنا مشہور ہے (۲)

لیکن جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد گرامی،

اَلْمُؤْمِنُ يَذْبَحُ عَلٰى اِسْمِ اللّٰهِ تَعَالٰى سَمّٰى اَوْ لَمْ يُسَمِّ۔ (۳)

مومن اللہ تعالیٰ کے نام پر ذبح کرتا ہے وہ بسم اللہ پڑھے یا نہ پڑھے۔

میں اس بات کا احتمال ہے کہ یہ عام ہو اور آیت کریمہ اور تمام روایات کو ظاہر سے پھیرنے والا ہو اور یہ بھی احتمال ہے کہ یہ بھولنے والے کے ساتھ خاص ہو اور آیت کریمہ اور دیگر روایات اپنے ظاہر پر ہوں ان میں کوئی تاویل نہ ہو اور اسے بھولنے والے سے خاص کرنا ممکن بھی ہے کیوں کہ اسے بھول کر چھوڑنے کا عذر لاحق ہے اور اسے عام رکھنا اور آیت کریمہ کی تاویل کرنا بھی ممکن ہے بلکہ زیادہ قریب ہے تو ہم نے اسے ترجیح دی اور ہم اس کے مقابل احتمال کا انکار بھی نہیں کرتے تو اس قسم کے جانور سے پرہیز کرنا اہم ہے اور پہلے درجہ میں واقع ہے۔

دوسرا مرتبہ:

یہ وسوسہ والے درجہ سے مزاحم ہے اور اس کی صورت یہ ہے کہ انسان اس بچے کے کھانے سے پرہیز کرے جو ذبح کیے ہوئے جانور کے پیٹ میں پایا جائے اور اسی طرح گوہ کے کھانے سے بھی پرہیز کرے۔ صحیح احادیث کی کتب میں ایک حدیث صحیح ثابت ہے کہ جنین (جانور کے پیٹ میں پائے جانے والے بچے) کا ذبح اس کی ماں ہی کا ذبح ہے (۴) (یعنی اسے الگ ذبح کرنے کی ضرورت نہیں) یہ حدیث اس قدر صحیح ہے کہ اس کے متن میں کوئی احتمال اور سند میں

---

(۱) صحیح بخاری جلد ۲ ص ۸۲۴ کتاب الذبائح

(۲) صحیح بخاری جلد ۲ ص ۸۲۴ کتاب الذبائح

(۳) السنن الکبریٰ للبیہقی جلد ۹ ص ۲۴۰ کتاب الصید

(۴) سنن ابی داؤد جلد ۲ ص ۳۵ کتاب الضحایا۔

کوئی کمزوری نہیں اسی طرح صحیح حدیث سے ثابت ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دستر خوان پر گوہ کھائی گئی۔ (۱) اور یہ حدیث صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں منقول ہے اور میرا خیال ہے حضرت امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تک یہ حدیث نہیں پہنچی۔ (۲) اور اگر ان تک پہنچتی تو وہ بھی اس کے قائل ہوتے اگر انصاف سے کام لیتے۔ اور اگر کوئی منصف اس سلسلے میں انصاف نہ کرے تو اس کا اختلاف غلط ہے جس کا کوئی اعتبار نہیں اور نہ اس سے کوئی شبہ پیدا ہوتا ہے جیساکہ اگر اس کی مخالفت نہ ہوتی اور کوئی چیز خبر واحد سے ثابت ہوتی۔

تیسرا امر متبہ:

مسئلہ میں اختلاف بالکل مشہور نہ ہوا لیکن اس کی حلت خبر واحد سے معلوم ہو پس کوئی شخص کہے کہ لوگوں نے خبر واحد میں اختلاف کیا پس ان میں سے کوئی قبول نہیں کرتا لہذا میں پرہیز گاری اختیار کرتا ہوں کیوں کہ نقل کرنے والے اگرچہ عادل ہوں پھر بھی ان سے غلطی کا امکان ہے اور کسی مخفی غرض کے لیے جھوٹ جائز ہے کیونکہ عادل آدمی بھی کبھی جھوٹ بولتا ہے اور ان سے وہم کا پایا جانا بھی ممکن ہے کیونکہ بعض اوقات ان کے کانوں میں کہنے والے کی بات کے خلاف سنائی دیتا ہے۔ اسی طرح ان کی سمجھ میں بھی وہ بات نہیں آتی اس قسم کی پرہیز گاری صحابہ کرام سے منقول نہیں بلکہ جب وہ کسی عادل سے کوئی بات سنتے تو انہیں اس پر اطمینان ہوتا تھا۔ البتہ جب کسی خاص سبب یا دلالت معینہ سے راوی کے حق میں شبہ پیدا ہو تو توقف کرنے کی وجہ ظاہر ہے اگرچہ عادل ہو اور جو شخص اخبارِ آحاد کی مخالفت کرے اس کا اعتبار نہیں اور یہ ایسے ہی جیسے نظام نے اصلِ اجماع سے اختلاف کرتے ہوئے کہا کہ یہ حجت نہیں ہے اگر اس قسم کی پرہیز گاری جائز ہوئی تو یہ بھی پرہیز گاری ہوتی کہ انسان اپنے دادا کی وراثت لینے سے اجتناب کرتا اور کہتا کہ قرآن پاک میں صرف بیٹوں کا ذکر ہے (پوتوں کا نہیں) جب کہ پوتے کو بیٹے کے ساتھ ملانا صحابہ کرام کے اجماع سے ثابت ہے اور وہ معصوم نہ تھے ان سے غلطی کا امکان بھی ہے تو نظام کا اس سلسلے میں اختلاف محض ہوس ہے اور اس کا مطلب تو یہ ہے کہ جو کچھ قرآن پاک کے عمومی الفاظ سے ثابت ہے اسے چھوڑ دیا جائے۔ کیوں کہ بعض متکلمین کا خیال ہے کہ عموم کا کوئی صیغہ نہیں ہوتا اور ان میں سے جو بات صحابہ کرام نے قرائن اور دلالتوں کے ساتھ دیکھی ہے وہی حجت ہے تو یہ سب وسوسے ہیں۔

تو نتیجہ یہ ہوا کہ شبہات کی کسی جانب کو لے لیں اس میں زیادتی اور تجاوز ہی ہے اسے سمجھو۔ اور جب ان میں سے کسی بات میں اشکال پاؤ تو اپنے دل سے پوچھ لو اور پرہیز گاری کے مطابق مشکوک بات کو چھوڑ کر غیر مشکوک کو اختیار کیا جائے دل کے

---

(۱) صحیح بخاری جلد ۲ ص ۸۱۴ کتاب الاطعمہ

(۲) حضرت امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے بارے میں یہ تصور صحیح نہیں بلکہ آپ نے اس سلسلے میں مروی تمام احادیث کو سامنے رکھتے ہوئے گوہ کا کھانا مکروہ قرار دیا تفصیل کے لیے شرح معانی الآثار کا مطالعہ کیجئے ۱۲ ہزاروی

کھٹکے اور دل کے وسوسوں کو چھوڑ دیا جائے اور یہ بات شخصیات اور واقعات کے اعتبار سے مختلف ہے لیکن اپنے دل کو وسوسے پیدا کرنے والے امور سے محفوظ رکھنا چاہیئے۔ تاکہ وہ حق کے ساتھ ہی فیصلہ کرے اور جہاں وسوسوں کا گمان ہو وہاں دل میں کوئی خلش پیدا نہ ہو اور کراہت کے مقام پر کھٹکے سے خالی نہ ہو۔ اور اس قسم کا دل بہت کم پایا جاتا ہے اسی لیے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر شخص کو دل کے فتویٰ کی طرف متوجہ نہیں فرمایا یہ بات حضرت وابصہ رضی اللہ عنہ سے فرمائی اور آپ کو ان کے دل کی حالت معلوم تھی۔

دوسری قسم :

حلت و حرمت پر دلالت کرنے والی علامات میں تعارض ہے بعض اوقات سامان کی کوئی قسم لوٹ لی جاتی ہے اور اس قسم کی چیز لوٹنے کے بغیر بہت کم ملتی ہے اب وہ چیز کسی نیک آدمی کے ہاتھ میں دکھائی دے تو اس کی نیکی اس بات کی دلیل ہے کہ یہ حلال ہے لیکن اس کا کمیاب ہونا اور لوٹ مار کے بغیر اس کا نہ ملنا حرام ہونے کی دلیل ہے تو یہاں دو باتوں میں تعارض پیدا ہو گیا اسی طرح ایک عادل خبر دیتا ہے کہ یہ حرام ہے اور دوسرا کہتا ہے کہ حلال ہے۔ یا دو فاسق آدمیوں کی گواہی میں تعارض پیدا ہو گیا یا بچے اور بالغ آدمی کے قول میں تعارض ہوا اگر ترجیح ظاہر ہو تو اس کے ساتھ فیصلہ کر دیا جائے اور اگر ترجیح ظاہر نہ ہو تو توقف واجب ہو گا۔ اس کی تفصیل عنقریب تعرف (پہچان) کی بحث اور سوال کے بیان میں آئے گی۔

تیسری قسم :

شبہات کا تعارض ان صفات میں ہو جن پر احکام کا دارومدار ہے مثلاً کسی مال کی وصیت فقہاء کے لیے کی جائے تو یہ بات معلوم ہے کہ جو شخص فقہ میں فاضل ہے وہ وصیت میں داخل ہے اور جس نے ابھی اسی دن یا ایک مہینہ پہلے علم حاصل کرنا شروع کیا وہ اس میں داخل نہیں اور ان دونوں کے درمیان بے شمار درجات ہیں جن میں شک واقع ہوتا ہے تو مفتی اپنے ظن کے مطابق فتویٰ دیتا ہے جب کہ تقویٰ کا تقاضا یہ ہے کہ اجتناب کیا جائے یہ مقامات شبہ میں سے سب سے گہرا اور باریک ہے۔

کیونکہ اس میں کچھ ایسی صورتیں ہیں جن میں مفتی حیران رہ جاتا ہے اور کوئی تدبیر نہیں پاتا کیوں کہ جو شخص ان دو مقابلے کے درجات کے درمیان میں کسی صفت سے متصف ہوتا ہے تو کسی ایک طرف میلان کی صورت واضح نہیں ہوتی اسی طرح جو صدقہ دو محتاج آدمیوں کو دیا جائے تو جس کے پاس کچھ بھی نہ ہو اس کا محتاج ہونا واضح ہے اور جس کے پاس بہت زیادہ مال ہو اس کا مالدار ہونا معلوم ہے اور ان دونوں کے درمیان بہت سے باریک مسائل ہیں جیسے کسی شخص کے پاس مکان بھی ہو، ساز و سامان، کپڑے اور کتابیں بھی ہوں تو اگر یہ چیزیں حاجت کے مطابق ہیں تو اسے زکوٰۃ دینے میں رکاوٹ نہیں اور اگر زائد ہوں تو نہیں دے سکتے اور حاجت کی کوئی حد نہیں یہ محض اندازے سے معلوم ہوتی ہے اور اس میں مکان

کی کشادگی، عمارت اور اس کی قیمت کو سامنے رکھا جاتا ہے کہ وہ شہر کے درمیان ہے اور صرف ایک مکان پر اکتفا کرنا، اسی طرح گھر کے ساز و سامان کی اقسام کو دیکھا جاتا ہے جب کہ وہ سونے یا پیتل کے ہوں مٹی کے نہیں پھر ان کی تعداد پر نظر دوڑائی جاتی ہے اور ان کی قیمت کو دیکھا جاتا ہے علاوہ ازیں ہر روز کی حاجت کیا ہے اور کونسی چیز اسے سال میں صرف سردیوں کے موسم میں کام آتی ہے اور کونسی چیز ایسی ہے جس کی سالوں کے بعد ضرورت پڑتی ہے، اور ان میں سے کسی چیز کی کوئی حد نہیں اور اس سلسلے میں سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ حدیث ہی راہنمائی کرتی ہے کہ آپ نے فرمایا:

دَعْ مَا یُرِیْبُکَ اِلٰی مَا لَا یُرِیْبُکَ۔ جو چیز تمہیں شک میں ڈالے اسے چھوڑ کر شک سے پاک چیز کو اختیار کرو۔ (۱)

یہ سب چیزیں محل شک میں ہیں اگر مفتی اس موقعہ پر توقف کرے تو توقف کے بغیر چارہ کار نہیں اور اگر وہ گمان اور اندازے سے فتویٰ دے تو اب تقویٰ کا تقاضا ہے کہ پرہیز کیا جائے۔ اسی طرح قریبی رشتہ داروں کے نفقہ اور بیویوں کے لباس سے متعلق بقدر کفایت جو کچھ واجب ہے اور بیت المال میں سے علماء اور فقہاء کے لیے جو کچھ کافی ہے اس میں دو طرفیں ہیں یہ بات معلوم ہے کہ ان میں سے ایک کم ہے اور دوسری زائد ہے اور ان دونوں کے درمیان مشتبہ امور ہیں جو شخصیات اور حالات کے بدلنے سے بدلتے رہتے ہیں۔ اور حاجات پر اطلاع تو صرف اللہ تعالیٰ کو ہے ان کی حدود سے انسان واقف نہیں ہو سکتا کہ رطل (آدھ سیر) ایک موٹے شخص کی یومیہ حاجت سے کم ہے اور تین رطل سے زیادہ قدر کفایت سے زائد ہے اور اس کے درمیان جو کچھ ہے اس کے لیے کوئی حد ثابت نہیں ہو سکتی۔ تو پرہیزگاری کا تقاضا ہے کہ شک والی چیز کو چھوڑ کر غیر مشکوک کو اختیار کرے۔ یہ قاعدہ ہر اس حکم میں جاری ہوتا ہے جس کا کسی سبب پر دار و مدار ہو اور یہ سبب عربی الفاظ سے معلوم ہوتا ہے کیونکہ اہل عرب بلکہ تمام زبانوں والوں نے لغات کے مشمولات کو حدود سے محدود نہیں کیا کہ ان کے اطراف ان کے مقابلے سے منقطع ہو جائیں جیسے لفظ سِتَّۃٌ (چھ) ہے یہ اپنے سے کم اور زیادہ کا احتمال نہیں رکھتا۔ حساب اور مقدار کے تمام الفاظ کا یہی حکم ہے جب کہ لغوی الفاظ اس طرح نہیں ہیں۔ قرآن پاک اور سنت میں جتنے الفاظ ہیں ان کے مقتضیٰ میں درمیانہ رتبہ میں شک واقع ہوتا ہے جو دونوں طرفوں کے درمیان واقع ہوتا ہے تو وصیتوں اور اوقاف میں اس فن کی بہت زیادہ ضرورت ہے مثلاً صوفیا پر وقف کیا جائے تو یہ درست ہے لیکن اس لفظ سے جو کچھ واجب ہوتا ہے وہ کون کون ہیں؟ یہ باریک باتیں ہیں باقی تمام الفاظ کی حالت بھی یہی ہے۔ ہم عنقریب اس بات کی طرف اشارہ کریں گے کہ لفظ صوفیا کا مقتضیٰ کیا ہے تاکہ اس کے ذریعے الفاظ میں تصرف کا

(۱) مسند امام احمد بن حنبل جلد اول ص ۲۰۰ مرویات حسن بن علی

طریقہ معلوم ہو ورنہ تمام الفاظ کا ذکر ناممکن ہے۔ یہ شبہات متعارض علامات سے پیدا ہوتے ہیں اور دو مقابل جانبوں کی طرف کھینچے جاتے ہیں جب حلّت کی جانب کو غلبۂ ظن یا استصحاب (سابقہ حالت) کے ذریعے ترجیح حاصل نہ ہو تو ان شبہات سے بچنا واجب ہے کیوں کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا شک والی بات کو چھوڑ کر اسے اپناؤ جس میں شک نہ ہو۔ اسی طرح ان تمام دلائل کا تقاضا بھی یہی ہے جو ہم پہلے ذکر کر چکے ہیں۔

تو یہ شبہات پیدا ہونے کے مقامات ہیں ان میں سے بعض، دوسروں سے زیادہ سخت ہیں اور ایک چیز میں کئی شبہات آ جائیں تو معاملہ بہت زیادہ سخت ہوگا مثلاً کوئی شخص جمعہ کی اذان کے بعد شراب فروش سے انگور کے بدلے ایسا کھانا خریدتا ہے جس میں اختلاف اور بیچنے والے نے اپنے مال میں حرام کو بھی ملایا ہوا ہو اگرچہ زیادہ مال حرام نہ ہو لیکن یہ اس کی وجہ سے مشتبہ ہو گیا اور بعض اوقات شبہات کا جمع ہونا اس کام پر اقدام کے دشوار ہونے تک پہنچا تا ہے یہ مراتب ہیں کہ ہم نے ان پر واقف ہونے کے طریقے کو پہچان لیا لیکن انسان ان کو شمار نہیں کر سکتا اس وضاحت سے جو کچھ واضح ہوا اسے اختیار کیا جائے اور جس میں التباس ہو اسے چھوڑ دیا جائے کیوں کہ گناہ دل میں کھٹکتا ہے اور ہم نے جہاں دل سے پوچھنے کی بات کی ہے تو اس سے ہماری مراد یہ ہے کہ جسے مفتی نے جائز قرار دیا ہو لیکن جسے حرام قرار دیا اس سے بچنا ہوگا پھر اس میں ہر دل کا اعتبار نہیں کیوں کہ بعض وسوسہ کا شکار لوگ ہر چیز سے بھاگتے ہیں اور بعض نہایت حریص لوگ سستی سے کام لیتے ہوئے ہر چیز پر مطمئن ہو جاتے ہیں (دل سے فتویٰ لیتے ہیں) اس عالم کے دل کا اعتبار ہے جسے توفیق دی گئی اور وہ باریک حالات کی حفاظت کرتا ہے یہ وہ معیار ہے جس کے ساتھ مخفی امور کی آزمائش ہوتی ہے۔ اور اس قسم کا دل کس قدر معزز ہے اور جس آدمی کو اپنے دل پر یقین نہ ہو تو وہ اس صفت سے موصوف دل سے نور حاصل کرے اور اس کے سامنے اپنا حال پیش کرے۔ زبور میں ہے اللہ تعالیٰ نے حضرت داؤد علیہ السلام کی طرف وحی بھیجی کہ آپ بنی اسرائیل سے فرما دیں کہ میں تمہاری نمازوں اور روزوں کو نہیں دیکھتا ہوں بلکہ میں اس شخص کو دیکھتا ہوں جسے کسی چیز میں شک ہو تو وہ اسے میری وجہ سے چھوڑ دیتا ہے تو میں اسے دیکھتا ہوں اور اپنی تائید سے اس کی مدد کرتا ہوں اور فرشتوں کے سامنے اس پر فخر کرتا ہوں۔

تیسرا باب

چھان بین، سوال، ہجوم، ترک تفتیش اور ان امور کے مقامات

جان لو! جو شخص تمہیں کھانا یا کوئی تحفہ بھیجے یا تم اس سے کچھ خریدنا چاہو یا ہبہ میں لینا چاہو تو تمہیں اس کی چھان بین اور اس کے بارے میں پوچھنے کا حق نہیں اور تم یوں کہو کہ چوں کہ میں نے اس کے حلال ہونے کی تحقیق نہیں کی پس میں اسے نہیں لیتا بلکہ تفتیش کروں گا اور یہ بھی نہیں کہ تم بحث مباحثہ کو چھوڑ دو اور جن چیزوں کی حرمت یقینی نہیں انہیں لے لو بلکہ کبھی سوال کرنا واجب ہوتا ہے، کبھی حرام کبھی مستحب اور کبھی مکروہ پس اس کی تفصیل ضروری ہے۔

اس سلسلے میں قولِ شافعی یہ ہے کہ سوال وہاں کیا جائے جہاں شک کا مقام ہو، اور شک کی بنیاد یا تو ایسی بات ہوتی ہے جو مال سے متعلق ہوتی ہے یا مال والے کے ساتھ۔

پہلی بنیاد:

مالک کے حالات تمہاری معرفت کے اعتبار سے مالک کی تین حالتیں ہوتی ہیں یا وہ مجہول ہوگا یا مشکوک ہوگا یا کسی طرح کے ظن سے معلوم ہو یعنی کوئی دلالت پائی جاتی ہو۔

پہلی حالت۔ یعنی جب مالک مجہول ہو اس کا مطلب یہ ہے کہ کوئی قرینہ اس کے فساد اور ظلم پر دلالت کرنے والا نہ ہو جیسے سپاہیوں کا لباس، اور نہ اس کے صحیح ہونے پر کوئی علامت ہو جیسے تصوف والوں، تاجروں اور اہل علم کے کپڑے اور نہ کوئی اور علامت ہو۔ جب تم کسی ایسی بستی میں جاؤ جس کی حالت سے ناواقف ہو وہاں کسی شخص کو دیکھو جس کی حالت سے تم خبردار نہیں ہو اور نہ اس پر کوئی علامت ہو جس سے پتہ چلے کہ یہ شخص فساد کرنے والوں میں سے ہے یا نیک لوگوں میں سے، تو یہ مجہول ہے اور جب کسی اجنبی شہر میں جاؤ اور بازار میں داخل ہو جاؤ وہاں روٹیاں پکانے والے یا قصاب وغیرہ کو دیکھو اور اس پر کوئی ایسی علامت نہ ہو جس سے اس کا مشکوک یا بددیانت ہونا معلوم ہو اور نہ اس کی نفی پر دلالت پائی جاتی ہو تو وہ مجہول ہے اس کی حالت کا علم نہیں ہم یہ نہیں کہتے کہ وہ مشکوک ہے کیوں کہ شک، دو باہم مقابل عقیدوں کی صورت میں ہوتا ہے جب ان کے دو سبب ہوں اور ایک دوسرے سے ٹکراتے ہوں اور اکثر فقہاء اس بات میں فرق نہیں کرتے کہ جس کی حالت معلوم نہ ہو وہ اور ہوتا ہے اور جو مشکوک ہو وہ اور ہوتا ہے اور آپ اس سے پہلے معلوم کر چکے ہیں کہ جس کے بارے میں علم نہ ہو اسے چھوڑنا پرہیزگاری ہے۔

حضرت یوسف بن اسباط رحمہ اللہ فرماتے ہیں تیس سال سے جو بات میرے دل میں کھٹکتی ہے میں اسے چھوڑ دیتا ہوں ایک جماعت نے سب سے مشکل بات میں گفتگو کی تو فرمایا یہ تقویٰ ہے، حضرت حسان بن ابی سنان نے ان سے فرمایا میرے لیے تقویٰ سے بڑھ کر کوئی چیز آسان نہیں کیونکہ میرے دل میں جب کوئی چیز کھٹکتی ہے تو میں اسے چھوڑ دیتا ہوں۔

تو یہ تقویٰ کی شرط تھی اب ہم ظاہر حکم بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں۔ اس حالت کا حکم یہ ہے کہ جب کوئی مجہول شخص تمہارے سامنے کھانا رکھے یا تجھے ہدیہ پیش کرے یا تم اس کی دکان سے کوئی چیز خریدنا چاہو تو تم پر پوچھنا لازم نہیں بلکہ اس کا قبضہ اور اس کا مسلمان ہونا اسے لینے کے لیے کافی ہے۔ اور تمہیں یہ کہنے کا حق نہیں کہ فساد اور ظلم لوگوں پر غالب ہے کیونکہ یہ وسوسہ اور اس معین مسلمان پر بدگمانی ہے اور بعض گمان گناہ ہوتے ہیں۔ اور چونکہ یہ شخص مسلمان ہے لہذا اس کا حق ہے کہ تم اس کے بارے میں بدگمانی نہ کرو اور جب دوسروں میں خرابی دیکھ کر اس شخص کے بارے میں بدگمانی کرو گے تو تم مجرم ٹھہرو گے اور کسی شک کے بغیر تم فوراً گناہ گار ہو جاؤ گے اور اگر تم ‌ ‌ مال لے لو گے تو زیادہ سے زیادہ یہی ہو گا کہ یہ مشکوک حرام ہے (قطعی نہیں) اور اس پر یہ بات دلالت کرتی ہے کہ ہم جانتے ہیں صحابہ کرام اپنے غزوات اور سفروں میں دیہات میں اترتے تھے اور مہمان نوازی کو رد نہیں کرتے تھے اور وہ شہروں میں داخل ہوتے لیکن بازاروں سے اجتناب نہیں کرتے تھے۔ حالانکہ ان کے زمانے میں بھی حرام موجود تھا اور ان سے صرف شک والی چیز کے بارے میں سوال منقول ہے کیونکہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہر اس چیز کے بارے میں سوال نہیں کرتے تھے جو آپ کی خدمت میں پیش کی جاتی بلکہ جب آپ شروع شروع میں مدینہ طیبہ تشریف لائے تو جو کچھ پیش کیا جاتا آپ پوچھتے کیا یہ صدقہ ہے یا ہدیہ (۱)؟ کیوں کہ اس وقت قرینۂ حال اسی طرح تھا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ مہاجرین صحابہ کرام مدینہ طیبہ میں داخل ہوئے تو فقراء تھے لہذا غالب گمان یہ تھا کہ انہیں جو کچھ دیا جاتا تھا وہ صدقہ ہوتا تھا پھر دینے والے کا مسلمان ہونا اور اس کا قبضہ اس بات پر دلالت نہیں کرتے تھے کہ یہ صدقہ ہے اور آپ کو دعوتوں پر بلایا جاتا تو قبول فرماتے اور یہ نہ پوچھتے کہ صدقہ ہے یا نہیں؟(۲) کیونکہ صدقہ کے مال سے مہمان نوازی کا رواج نہ تھا یہی وجہ ہے کہ آپ کو حضرت ام سلیم رضی اللہ عنہا نے دعوت دی (۳) اور ایک درزی نے بھی دعوت دی جیسا کہ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے اور آپ کی خدمت میں کدو پیش کئے۔ (۴)

---

(۱) مسند امام احمد بن حنبل جلد ۵ ص ۳۵۴ مرویات بریدہ

(۲) صحیح بخاری جلد ۲ ص ۸۱۷ کتاب الاطعمہ

(۳) صحیح بخاری جلد ۲ ص ۸۱۰ کتاب الاطعمہ

(۴) ایضاً

ایک فارسی آدمی نے آپ کی دعوت کی تو حضور علیہ السلام نے پوچھا میں اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا؟ انہوں نے عرض کیا نہیں تو آپ نے فرمایا مجھے قبول نہیں پھر آپ نے دعوت قبول فرمالی اور آپ اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا تشریف لے گئے آپ ایک دوسرے کے پیچھے چل رہے تھے (۱) دونوں کے سامنے پرانی چربی رکھی لیکن روایات میں منقول نہیں کہ آپ نے اس سلسلے میں کوئی سوال کیا ہو۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو جب اپنے غلام کی کمائی میں شک ہوا تو آپ نے اس کے بارے میں سوال کیا، حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو شک ہوا تو آپ نے صدقہ کی اونٹنیوں کا دودھ پلانے والے سے سوال کیا اور آپ کو یہ دودھ زیادہ پسند تھا۔ آپ کو اس لیے شک ہوا کہ آپ جیسا دودھ پیا کرتے تھے اس کا ذائقہ اس طرح کا نہ تھا اور یہ شک کے اسباب ہیں اور اگر مجہول الحال شخص دعوت کرے تو تفتیش کے بغیر اسے قبول کرنے میں کوئی حرج نہیں بلکہ اگر اس کے گھر میں زیب و زینت اور بہت مال دیکھے تو اسے یہ کہنے کا حق نہیں کہ حلال مال تو بہت کم ہے اور یہ زیادہ ہے تو حلال میں اس قدر کیسے اکٹھا ہو گیا کیونکہ   اس شخص نے وراثت میں یا کمانے کے ذریعے مال حاصل کیا ہے تو یہ شخصی طور پر اس کے بارے میں اچھا گمان ہونا چاہیئے بلکہ ہم تو اس سے بھی بڑھ کر یہ کہتے ہیں کہ اس سے سوال کرنے کا حق نہیں اگر وہ پرہیز گاری اختیار کرتے ہوئے اپنے پیٹ میں وہی چیز ڈالتا ہو جس کا پتہ ہو کہ وہ کہاں سے آئی ہے یہ اچھی بات ہے لہذا نہایت اچھے طریقے سے اسے چھوڑ دے اور اگر کھانا ضروری ہو تو پوچھے بغیر کھائے کیوں کہ پوچھنے سے دوسرے آدمی کو تکلیف پہنچتی ہے، اس کا پردہ فاش ہوتا ہے اور وہ پریشان ہوتا ہے اور یقیناً یہ کام حرام ہے۔

سوال:

ممکن ہے اسے اس سوال سے ایذا نہ پہنچے۔

جواب:

ممکن ہے اسے ایذا پہنچے تو اس امکان سے بچتے ہوئے تم سوال کرنا چھوڑ دو اگر شاید پر ہی عمل کرنا ہے تو شاید اس کا مال حلال ہو اور مسلمان کو ایذا پہنچانے کا گناہ شبہ والی چیز اور حرام چیز کھانے کے گناہ سے کم نہیں ہے اور عام طور پر چھان بین سے انسان پریشان ہوتا ہے اور اس کے بارے میں کسی دوسرے سے بھی اس طرح نہ پوچھے کہ اس کو علم ہو جائے کیوں کہ اس میں زیادہ اذیت پہنچتا ہے اور اگر یوں پوچھے کہ اس کو خبر نہ ہو تو یہ بدگمانی اور پردہ فاش کرنا ہے۔ اور اس میں تجسس بھی ہے اور غیبت کا ارتکاب ہے اگرچہ وہ صریح نہ ہو اور ایک آیت کریمہ میں ان تمام باتوں سے منع کیا گیا ہے ارشاد خداوندی ہے۔

---

(۱) صحیح مسلم جلد ۲ ص ۱۷۶ کتاب الاشربۃ

اِجْتَنِبُوْا كَثِيْرًا مِّنَ الظَّنِّ اِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ اِثْمٌ وَّلَا تَجَسَّسُوْا وَلَا يَغْتَبْ بَّعْضُكُمْ بَعْضًا۔ (۱)

زیادہ گمانوں سے بچو کیونکہ بعض گمان گناہ ہیں اور تجسس نہ کرو اور نہ تم میں سے بعض بعض کی غیبت کریں۔

اور کتنے ہی جاہل زاہد ہیں جو چھان بین کے ذریعے لوگوں کے دلوں میں وحشت پیدا کرتے ہیں اور نہایت سخت ایذا دینے والی گفتگو کرتے ہیں اور شیطان یہ بات اس کے لیے اچھی قرار دیتا ہے تاکہ اسے حلال کھانے کے ساتھ شہرت حاصل ہو اور اگر دینداری کی وجہ سے ایسا ہوتا تو غیر معلوم چیز کو اپنے پیٹ میں ڈالنے کے خوف سے مسلمان کے دل کو تکلیف پہنچانے کا خوف زیادہ ہوتا اور جس چیز کا اسے علم نہیں اس کے بارے میں اس سے مواخذہ نہیں ہوگا کیوں کہ وہاں کوئی ایسی علامت نہیں جس کی وجہ سے بچنا واجب ہوتا۔

تو جاننا چاہیئے کہ تقویٰ کا طریقہ اسے چھوڑنا ہے چھان بین نہیں اور جب کھانا ضروری ہو تو تقویٰ یہ ہے کہ اسے کھائے اور حسن ظن سے کام لے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا یہی طریقہ تھا اور جو شخص ان سے زیادہ پرہیزگاری کا دعویٰ کرتا ہے وہ گمراہ بدعتی ہے ان کی اتباع کرنے والا نہیں کیونکہ کوئی شخص تمام زمین میں جو کچھ ہے، خرچ کر دے تب بھی ان کے ایک سیر یا نصف کو نہیں پہنچ سکتا۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا کا کھانا تناول فرمایا آپ سے عرض کیا گیا یہ صدقہ ہے تو آپ نے فرمایا وہ ان کے لیے صدقہ ہے اور ہمارے لیے تحفہ ہے (۲) آپ صدقہ دینے والے کو نہیں جانتے تھے لیکن اس کے باوجود آپ کھانے سے باز نہ رہے۔

دوسری حالت یہ ہے کہ مالک میں کسی وجہ سے شک پیدا ہو گیا تو ہم شک کی صورت اور اس کا حکم بیان کرتے ہیں دھوکے کی صورت یہ ہے کہ اس کے پاس جو کچھ ہے اس کے حرام ہونے پر اس شخص کی شکل و صورت یا لباس اور کپڑے یا کوئی فعل اور قول دلالت کرے مثلاً وہ ترکیوں اور دیہاتیوں کی شکل پر ہو یا ان لوگوں جیسی شکل ہو جو ظلم اور ڈاکے کے ساتھ مشہور ہیں اور اس کی مونچھیں لمبی لمبی ہوں یا اس کے سر پہ بال فسادی لوگوں کی زلفوں کی صورت میں ہوں اور لباس جیسے جُبہ، ٹوپی اور ظالم سپاہیوں کی طرح ہو فعل اور قول سے مراد یہ ہے کہ وہ ایسا اقدام کرتا دکھائی دے جو حلال نہیں ہے تو یہ باتیں اس پر دلالت کرتی ہیں کہ وہ مال کے معاملے میں بھی سستی کرتا ہوگا اور حرام مال لیتا ہوگا تو یہ مقام شک ہے۔

پس جب کوئی شخص اس قسم کے آدمی سے کوئی چیز خریدنا چاہیے یا تحفہ کے طور پر لے یا اس کی ضیافت کو قبول کرے اور وہ اجنبی ہو اور یہ اسے نہ جانتا ہو اور اس کے ہاں صرف یہی علامات پائی گئی ہوں تو اس بات کا احتمال ہے کہ کہا جائے کہ

---

(۱) قرآن مجید، سورۂ حجرات آیت ۱۲۔

(۲) صحیح بخاری جلد اول ص ۲۰۲ کتاب الزکوٰۃ

قبضہ ملکیت کی دلیل ہے اور یہ دلالتیں کمزور ہیں لہذا یہ اقدام جائز ہوگا۔ لیکن چھوڑنا پرہیزگاری ہے اور یہ بھی احتمال ہے کہ کہا جائے قبضہ کمزور دلالت ہے اور اس کے مقابلے یہ دلالتیں پائی جاتی ہیں جن کی وجہ سے شبہ پیدا ہوگیا پس یہ اقدام درست نہ ہوگا ہم اسی بات کو پسند کرتے ہیں اور یہی فتویٰ دیتے ہیں کیوں کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا:

دَعْ مَا يَرِيْبُكَ اِلٰى مَا لَا يَرِيْبُكَ ۔ جو چیز تمہیں شک میں ڈالے اسے چھوڑ دو اور غیر مشکوک چیز اختیار کرلو۔ (۱)

اس حدیث کے ظاہر کے مطابق حکم دیا جارہا ہے اگرچہ مستحب ہونے کا بھی احتمال ہے کیوں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا گناہ دل کے کھٹکے کا نام ہے (۲) اور اس سے دل میں جو بات پیدا ہوتی ہے اس کا کوئی انکار نہیں کرتا نیز نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا کہ صدقہ ہے یا ہدیہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اپنے غلام سے پوچھا، اسی طرح حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے بھی سوال کیا اور یہ تمام سوالات شک کے مقام تھے اسے تقویٰ قرار دینا اگرچہ صحیح ہے لیکن قیاس حکمی کے بغیر اس پر محمول نہیں کیا جاسکتا اور قیاس اس کے حلال ہونے کی گواہی نہیں دیتا کیوں کہ قبضے اور اسلام کی دلالت کے مقابلے میں دلالتیں ہیں جو شک پیدا کرتی ہیں جب دونوں ایک دوسرے کے مقابل ہیں تو حلال سمجھنا بلا دلیل ہوگا اور قبضے اور استصحاب کا حکم کسی ایسے شک کی وجہ سے چھوڑا نہیں جاسکتا جس پر کوئی دلیل نہ ہو۔ جیسے ہم کوئی پانی پائیں جس میں تبدیلی آگئی ہو تو یہ احتمال ہے کہ زیادہ دیر ٹھہرنے کی وجہ سے ایسا ہوا ہو اور اگر ہم دیکھیں کہ کسی ہرن نے اس میں پیشاب کیا پھر اس کی وجہ سے تبدیلی کا احتمال ہو تو پہلی حالت کو چھوڑ دیں گے۔ اور یہ صورت بھی اس کے قریب ہے لیکن ان دلالتوں میں فرق ہے مثلاً بڑی بڑی مونچھوں والا ہونا اور ظالموں جیسا پہننا اور لشکریوں جیسی شکل بنانا اس بات پر دلالت ہے کہ مال ظلم سے لیا ہوگا۔

قول و فعل جو شریعت کے مخالف ہوں اگر مال کے ظلم سے متعلق ہوں تو یہ بھی ظاہر دلیل ہے جیسے کسی سے سنے کہ وہ چھیننے یا ظلم کا حکم دیتا ہے یا سود کا معاملہ کرتا ہے تو یہ باتیں مال سے متعلق ہیں۔ لیکن جب دیکھے کہ غصے کی حالت میں دوسرے کو گالی دیتا یا گزرنے والی عورت کو گھور گھور کر دیکھتا ہے تو کمزور دلالت ہے کیوں کہ کتنے ہی انسان ہیں جو طلبِ مال میں تنگی برداشت کرتے ہیں لیکن حلال ہی کماتے ہیں لیکن اس کے باوجود وہ غصے اور شہوت کی شدت کے وقت اپنے نفس پر قابو نہیں پاسکتے لہذا اس قسم کے تفاوت کا خیال رکھنا چاہیے اور اس کی کوئی حد نہیں جس کا احاطہ ہوسکے لہذا اس قسم کی صورت میں بندے کو اپنے دل سے فتویٰ لینا چاہیے۔

---

(۱) صحیح بخاری جلد اول ص ۲۷۵ کتاب البیوع۔

(۲) شعب الایمان جلد ۴ ص ۳۶۷ حدیث نمبر ۵۴۳۴

میں کہتا ہوں کہ حکم اس صورت میں ہے جب کسی نامعلوم آدمی سے دیکھے اور کسی ایسے آدمی سے دیکھے جو طہارت، نماز اور قرأت قرآن کے ساتھ معروف ہے تو اس کا حکم دوسرا ہے جب مال کی طرف اضافت کرتے ہوئے دونوں دلالتیں ٹکرا کر کالعدم قرار پائیں اور وہ شخص نامعلوم کی طرح قرار پائے کیونکہ دو دلالتوں میں سے ایک خاص طور پر مال سے مناسبت نہیں رکھتی کیوں کہ کتنے ہی لوگ ایسے ہیں جو مال کے معاملے میں حرج سمجھتے ہیں لیکن دوسرے معاملات میں حرج نہیں سمجھتے اور کتنے ہی لوگ ایسے ہیں جو اچھی طرح نماز پڑھتے ہیں نیز وضو اور قرأت میں بھی اچھا طریقہ اختیار کرتے ہیں لیکن جہاں سے ملے کھا لیتے ہیں تو اس قسم کی صورتوں میں حکم وہی ہوگا جس کی طرف دل مائل ہو کیونکہ یہ معاملہ بندے اور اللہ تعالیٰ کے درمیان ہے تو بعید نہیں کہ اس کا دارومدار کسی پوشیدہ سبب پر ہو جس پر اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی مطلع نہ ہو اور دل کے کھٹکے کا یہی حکم ہے۔

پھر ایک دوسری باریک بات سے خبردار ہونا چاہیئے وہ یہ کہ دلالت ایسی ہونی چاہیئے جو اس پر دلالت کرے کہ اس کا اکثر مال حرام ہے مثلاً وہ سپاہی ہو، یا بادشاہ کی طرف سے مقرر کردہ عامل ہو یا پیشہ ور رونے پیٹنے والی عورت ہو یا گانے بجانے والی ہو۔ اور اگر اس بات پر دلالت ہو کہ اس کے مال میں تھوڑا مال حرام ہے تو سوال واجب نہ ہوگا بلکہ سوال کا تعلق تقویٰ سے ہوگا۔

تیسری حالت: مالک کا حال کسی تجربہ وغیرہ کے ذریعے معلوم ہو کہ مال کی حلت اور حرمت میں ظن واجب ہو مثلاً ظاہری طور پر اس شخص کا نیک، عادل اور دیانت دار ہونا معلوم ہو اور ممکن ہے باطن اس کے خلاف ہو تو اس صورت میں سوال واجب نہیں ہوگا، اور مجہول کی طرح جائز بھی نہ ہوگا تو یہ اقدام بہتر ہوگا اور یہ اقدام اس شبہ سے زیادہ بعید ہے جو مجہول کھانے کے اقدام سے پیدا ہوتا ہے۔ اور یہ تقویٰ سے زیادہ دور ہے اگرچہ حرام نہیں ہے لیکن نیک لوگوں کا کھانا، کھانا انبیاء کرام اور اولیاء عظام کا طریقہ ہے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

لَا تَأْكُلْ إِلَّا طَعَامَ تَقِيٍّ وَلَا يَأْكُلْ طَعَامَكَ إِلَّا تَقِيٌّ۔ (۱)

تم صرف متقی لوگوں کا کھانا کھاؤ اور تمہارا کھانا بھی متقی لوگ ہی کھائیں۔

اور اگر تجربے سے معلوم ہو جائے کہ وہ لشکری ہے یا گانا گانے والا یا سود خور ہے اور شکل وصورت اور کپڑوں وغیرہ سے استدلال کی ضرورت نہ ہو تو یہاں یقیناً سوال واجب ہوگا جیسے شک کے مقام پر ہوتا ہے بلکہ یہاں اولیٰ ہے۔

(۱) مسند امام احمد بن حنبل جلد ۳ ص ۳۸ مرویات ابو سعید خدری

دوسرا مقام:

اس میں شک مال کے سبب میں ہوتا ہے مالک کی حالت میں نہیں،

اس کی صورت یہ ہے کہ حلال مال حرام میں مل جائے جیسے بازار میں چھینے ہوئے غلے کے کچھ بوجھ آئیں اور بازار والے انہیں خرید لیں تو اس شہر اور بازار میں خریدنے والے پر واجب نہیں کہ وہ پوچھے کہ تم نے اسے کہاں سے خریدا ہاں جب یہ بات ظاہر ہو جائے کہ ان کے قبضے میں جو مال ہے اس میں زیادہ حرام سے ہے اس وقت سوال واجب ہوگا اور اگر حرام مال زیادہ نہ ہو تو جستجو محض تقویٰ ہے واجب نہیں ہے اور بڑے بازار کا حکم ایک شہر کا حکم ہوتا ہے زیادہ مال حرام نہ ہونے کی صورت میں سوال اور تفتیش کے واجب نہ ہونے کی دلیل یہ ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بازاروں میں خریداری سے نہیں رکتے تھے حالانکہ وہاں سود اور غنیمت میں خیانت کے درہم ہوتے تھے۔ اور وہ ہر سودے کے بارے میں نہیں پوچھتے تھے اور ان میں سے بعض شخصیات سے بعض احوال میں انفرادی طور پر سوال منقول ہے۔ اور یہ اس خاص شخص کے حق میں شک کے مقامات تھے۔ اسی طرح وہ لوگ ان کفار سے مالِ غنیمت لیتے تھے جو مسلمانوں سے لڑ چکے تھے اور بعض اوقات وہ ان مسلمانوں کے مال بھی لیتے تھے تو ان غنیمتوں میں احتمال ہوتا تھا کہ شاید یہ ان مالوں میں سے ہوں جو انہوں نے مسلمانوں سے لیا۔ اور اسے مفت میں لینا بالاتفاق جائز نہیں بلکہ حضرت امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک اسے اس کے مالک کی طرف لوٹایا جائے اور حضرت امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک اس کا مالک اس کی قیمت کا زیادہ حق رکھتا ہے اور اس سلسلے میں تحقیق و جستجو کا کہیں بھی ذکر نہیں۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے آذر بائیجان (والوں) کی طرف لکھا کہ تم ایسے علاقے میں ہو جہاں مردار کے چمڑے سکھائے جاتے ہیں لہٰذا ذبیحہ اور مردار کا فرق کر لیا کرو آپ نے اس سلسلے میں تحقیق کا حکم دیا لیکن ان چمڑوں کی قیمت کے بارے میں سوال کا حکم نہیں دیا۔ کیوں کہ ان کے عام دراہم چمڑوں کی قیمت سے نہیں ہوتے تھے اگرچہ انہیں بھی بیچا جاتا تھا وہاں عام چمڑوں کی یہی حالت تھی، اسی طرح حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا تم ایسے علاقے میں ہو جہاں زیادہ قصاب آتش پرست ہیں تو ذبح کئے ہوئے جانور اور مردار میں فرق کر لیا کرو (یعنی شریعت کے مطابق ذبح ہوا یا نہیں) تو سوال کا حکم وہاں دیا جہاں وہ لوگ زیادہ تھے اس بات کے مقصود کی وضاحت اس وقت تک نہیں ہوگی جب تک ایسے مسائل کی کچھ فرضی صورتیں ذکر نہ کی جائیں جو عام طور پر واقع ہوتے ہیں۔

مسئلہ:

ایک شخص معین کے مال میں حرام مل گیا مثلاً ایک دوکان پر غصب یا لوٹ مار کا مال بکتا ہے یا قاضی، رئیس اور عامل کو ظالم کی طرف سے وظیفہ ملتا ہے لیکن اس کے پاس موروثی مال بھی ہے یا وہ کاشتکاری کرتا ہے یا تجارت بھی کرتا ہے یا

ایک تاجر ہے جو صحیح معاملات بھی کرتا ہے اور سُود بھی کھاتا ہے اگر اس کے مال میں زیادہ حرام ہے تو اس کے ہاں ضیافت کھانا جائز نہیں نہ اس کا ہدیہ قبول کرنا جائز ہے اور نہ ہی صدقہ ۔ البتہ پہلے تحقیق کر لی جائے اگر ظاہر ہو کہ یہ ضیافت حلال مال سے ہے تو ٹھیک ہے قبول کرلے ورنہ چھوڑ دے۔ اور اگر حرام کم ہو اور جو کچھ اس نے لیا وہ مشکوک ہو تو یہ قابلِ غور ہے کیوں کہ یہ دو درجوں کے درمیان ہے اس لیے کہ ہم نے فیصلہ کیا کہ اگر دس مردار بکریوں میں شرعی طور پر ذبح کی گئی ایک بکری مشتبہ ہو جائے تو تمام سے اجتناب واجب ہے اور یہ ایک صورت میں اس مال کے مشابہ ہے کہ ایک شخص کا مال محصور (محدود) مال کی طرح ہے خاص طور پر جب وہ بادشاہ کی طرح زیادہ مال والا نہ ہو لیکن ایک طرح سے یہ اس کے خلاف ہے کیوں کہ مردار کا اس وقت پایا جانا یقینی طور پر معلوم ہے اور وہ حرام جو اس کے مال میں مل گیا اس میں احتمال ہے کہ شاید وہ اس کے ہاتھوں سے نکل گیا ہو اور اس وقت موجود نہ ہو اور اگر مال کم ہو اور قطعی طور پر معلوم ہو کہ فی الحال حرام موجود ہے تو اب یہ مسئلہ اور بکری کے مل جانے والا مسئلہ ایک ہی ہیں ۔ اور اگر مال زیادہ ہو اور اس بات کا احتمال ہو کہ حرام اس وقت موجود نہیں ہے تو یہ اسی سے کم درجے میں ہے لیکن غیر محدود میں مل جانے کے اعتبار سے اس کے مشابہ ہے جیسا کہ بازاروں اور شہروں میں ہوتا ہے ، لیکن چونکہ ایک آدمی کے ساتھ خاص ہے لہٰذا اس کا حکم زیادہ سخت ہے ۔ اور اس میں کوئی شک نہیں کہ اس پر اقدام تقویٰ سے بہت دُور ہے ۔

لیکن دیکھنا یہ ہے کہ کیا یہ فسق ہے جو عدالت کے خلاف ہوتا ہے تو یہ بات عقلی طور پر بھی بہت دقیق ہے کیوں کہ شبہات میں اِدھر اُدھر کھینچنا ہوتا ہے اور نقلی طور پر بھی نہایت مشکل ہے کیوں کہ اس قسم کی صورت میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور تابعین کی طرف سے اجتناب منقول نہیں ہے ، جسے تقویٰ پر محمول کرنا ممکن ہو ۔ اور یہاں حرام ہونے پر کوئی نص بھی نہیں ہے ۔ اور یہ جو منقول ہے کہ وہ کھاتے تھے مثلاً حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا کھانا کھایا اگر فرض کیا جائے تاکہ جو کچھ ان کے ہاتھ میں تھا اس میں حرام بھی تھا تو بھی اس بات کا احتمال ہے کہ انہوں نے تحقیق و جستجو کے بعد جو کچھ کھا رہے ہیں یہ جائز طریقے سے حاصل ہوا ہے ، کھانے کا اقدام کیا ہو۔

تو اس سلسلے میں افعال کی دلالت کمزور ہے اور بعد والے "'' کے مذاہب مختلف ہیں حتیٰ کہ ان میں سے بعض نے فرمایا اگر بادشاہ مجھے کچھ دے تو میں لے لوں گا ۔ اور جس صورت میں اکثر مال حرام ہو اس میں انہوں نے اباحت کو عام رکھا ہے جب تک اس معین چیز کے بارے میں معلوم نہ ہو جو انہوں نے لی ہے ۔ اور اس کے حلال ہونے کا احتمال بھی ہو یہ انہوں نے اس بات سے استدلال کیا کہ بعض اسلاف بادشاہوں سے وظائف لیتے تھے جیسا کہ بادشاہوں کے مالوں سے متعلق بیان میں آئے گا۔

اور اگر حرام زیادہ کم ہو اور یہ بھی احتمال ہو کہ وہ (حرام) اس وقت موجود نہ ہو تو کھانا حرام نہ ہوگا اور اگر فی الحال اس کا پایا جانا ثابت ہو جیسا کہ مردار بکریوں کے ساتھ حلال بکری کا مشتبہ ہونا ہے یہ وہ بات ہے جس کے بارے میں ، میں

نہیں جانتا کہ کیا کہوں اور یہ ان متشابہات میں سے ہے جس کے بارے میں فتویٰ دینے والے بھی حیران رہ جاتے ہیں کیونکہ یہ محدود اور غیر محدود مشابہت کے درمیان متردد ہے (یعنی معلوم نہیں ہوتا ہے کہ اس میں عموم ہے یا یہ محدود ہے)
اور جب دودھ پلانے والی کسی بستی میں دس عورتوں میں مشتبہ جائے تو اجتناب ضروری ہے اور اگر اس شہر میں دس ہزار عورتیں ہوں تو واجب نہیں اور ان دونوں کے درمیان بہت عدد ہیں اگر ان کے بارے میں مجھ سے پوچھا جائے تو مجھے معلوم نہیں میں کیا کہوں گا علماء کرام نے اُن مسائل میں توقف فرمایا جو اس سے زیادہ واضح تھے۔
حضرت امام احمد رحمہ اللہ سے ایسے شخص کے بارے میں پوچھا گیا جو شکار پر تیر چلاتا ہے اور وہ دوسرے کی ملک میں جا گرتا ہے تو کیا یہ شکار تیر انداز کے لیے ہوگا یا زمین کے مالک کے لیے؛ انہوں نے فرمایا مجھے معلوم نہیں۔ اسی سلسلے میں ان سے بار بار رجوع کیا گیا تو انہوں نے یہی فرمایا کہ میں نہیں جانتا ہم نے علم کے بیان میں اس قسم کی بہت سی مثالیں بزرگوں سے نقل کی ہیں تو مفتی کو تمام صورتوں کے بارے میں قطعی حکم معلوم ہونے کی لالچ نہیں کرنی چاہیے۔
حضرت عبداللہ بن مبارک رحمہ اللہ کے کسی بصری شاگرد نے ان سے ان لوگوں کے بارے میں پوچھا جو بادشاہوں کے ساتھ معاملات کرتے ہیں تو انہوں نے فرمایا اگر وہ صرف بادشاہوں سے معاملہ کرتے ہیں تو تم ایسے لوگوں سے معاملات نہ کرو اور اگر بادشاہ کے علاوہ دوسرے لوگوں سے بھی معاملات کرتے ہیں تو ان سے معاملہ کر سکتے ہو تو یہ قول کم تعداد کے سلسلے میں چشم پوشی اختیار کرنے پر دلالت کرتا ہے زیادہ میں چشم پوشی کا احتمال بھی رکھتا ہے خلاصہ یہ ہے کہ صحابہ کرام سے منقول نہیں کہ انہوں نے قصاب، نانبائی اور تاجر وغیرہ سے معاملہ کرنا صرف اس لیے چھوڑ دیا کہ ایک بار اس نے عقد فاسد کیا یا بادشاہ سے معاملہ کیا تھا۔ اس میں معاملات کی تعداد مقرر کرنا بعید بات ہے اور مسئلہ ذاتی طور پر مشکل ہے۔

سوال:

حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انہوں نے اس سلسلے میں اجازت دی ہے اور فرمایا جو کچھ تمہیں سلطان دے وہ لے لو کیوں کہ وہ حلال سے دیتا ہے اور وہ حرام کی نسبت حلال مال زیادہ لیتا ہے۔ اور اس سلسلے میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے سوال کیا گیا اور پوچھنے والے نے کہا میرا ایک پڑوسی ہے اور میرے علم کے مطابق وہ خبیث ہے وہ ہمیں دعوت دیتا ہے یا ہمیں ضرورت ہوتی ہے تو ہم اس سے قرض لیتے ہیں؟ انہوں نے فرمایا وہ دعوت دے تو قبول کر لو اور جب ضرورت ہو تو قرض بھی لے لیا کرو تمہاری لئے ٹھیک ہے وہ خود گناہ گار ہوگا حضرت سلمان رضی اللہ عنہ نے بھی اسی قسم کا فتویٰ دیا۔ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے کثرتِ مال کو علت ٹھہرایا اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے اشارے کے طور پر بیان فرمایا کہ اس پر گناہ ہوگا کیونکہ ایسے حال معلوم ہے اور تیرے لیے ٹھیک ہے کیونکہ تم نہیں جانتے۔ ایک روایت میں ہے کہ ایک شخص نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ

سے عرض کیا کہ میرا ایک پڑوسی ہے جو سُود کھاتا ہے اور وہ ہمیں کھانے کی دعوت بھی دیتا ہے تو کیا ہم اس کے پاس جا سکتے ہیں ؟ آپ نے فرمایا ہاں جا سکتے ہو۔

اس سلسلے میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے بہت سی مختلف روایات منقول ہیں حضرت امام شافعی رح اور حضرت مالک رحمہما اللہ نے خلفاء اور سلاطین سے وظائف لیے ہیں حالانکہ وہ جانتے تھے کہ ان کے مال میں حرام شامل ہوتا ہے۔

جواب :

جو کچھ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا گیا تو ان کے تقویٰ کے بارے میں جو کچھ مشہور ہے وہ اس کے خلاف پر دلالت کرتا ہے آپ بیت المال کے مال سے اجتناب فرماتے تھے حتیٰ کہ آپ تلوار بیچ دیتے تھے اور غسل کے وقت آپ کے پاس صرف ایک قمیص ہوتی تھی ہم اس بات سے انکار نہیں کرتے کہ جواز کے بارے میں ان کی رخصت صریح ہے اور آپ کے فعل میں تقویٰ کا احتمال ہے اور اگر یہ قول صحیح ثابت ہو تو بادشاہ کے مال کے لیے دوسرا حکم ہے کیوں کہ کثرت کی وجہ سے وہ غیر محصور مال سے مل جاتا ہے۔ اور عنقریب اس کا بیان آئے گا اسی طرح حضرت امام شافعی اور حضرت امام مالک رحمہما اللہ کا عمل بھی بادشاہ کے مال سے متعلق ہے اور عنقریب اس کا حکم آئے گا۔ ہماری گفتگو عام لوگوں کے بارے میں ہے اور ان کے مال محدود مال کے قریب ہوتے ہیں۔

جہاں تک حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے قول کا تعلق ہے تو کہا گیا ہے کہ اسے خواب تیمی نے نقل کیا ہے اور اس کا حافظہ کمزور ہے آپ سے جو بات مشہور ہے وہ شبہات سے اجتناب پر دلالت کرتی ہے۔ کیونکہ آپ نے فرمایا کوئی شخص یہ نہ کہے کہ میں ڈرتا ہوں اور امید بھی رکھتا ہوں کیونکہ حلال بھی واضح ہے اور حرام بھی۔ اور ان کے درمیان مشتبہات ہیں لہٰذا شک والی چیز کو چھوڑ کر غیر مشکوک کو اختیار کرو۔ اور آپ نے فرمایا جن باتوں میں خلش و اضطراب ہو ان سے بچو کیونکہ ان میں گناہ ہے۔

سوال :

تم نے کہا کہ جب حرام مال زیادہ ہو تو لینا جائز نہیں حالانکہ جو مال لیا گیا خاص اس میں حرام ہونے کی کوئی دلیل نہیں جب کہ قبضہ ملکیت کی علامت ہے حتیٰ کہ جو شخص اس قسم کے آدمی کا مال چوری کرے اس کا ہاتھ کاٹا جاتا ہے اور مال کی کثرت سے بھی ایک گمان ہوتا ہے جو کسی معین چیز سے متعلق نہیں ہوتا تو یہ حکم راستے کے کیچڑ کے بارے میں ظن غالب کی طرح ہے۔ اور جب غیر محصور میں اختلاط ہو تو حرام کے زیادہ ہونے کی صورت میں ہی غالب گمان ہوتا ہے اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد گرامی "شک والی چیز کو چھوڑ کر غیر مشکوک کو اختیار کرو"، کے عموم سے اس پر استدلال صحیح نہیں کیوں کہ وہ بالاتفاق بعض مقامات سے مخصوص ہے یعنی عین ملک میں کسی علامت کی وجہ سے

شک نہ کرے کیونکہ قلیل، غیر محصور میں مل گیا اس سے شک پیدا ہوتا ہے اس کے باوجود تم قطعی طور پر کہتے ہو کہ یہ حرام نہیں

جواب:

استصحاب کی طرح قبضہ بھی کمزور دلالت ہے یہ اس وقت موثر ہوتا ہے جب اس کے مقابلے میں کوئی مضبوط حجت نہ ہو جب اختلاط ثابت ہوگیا اور یہ بات بھی ثابت ہوگئی کہ حرام جو اس میں ملا ہوا اس وقت بھی موجود ہے اور مال اس سے خالی نہیں اور یہ بھی ثابت ہوگیا کہ اکثر حرام ہے اور یہ کسی معین شخص کے حق میں ہے جس کا مال محصور کے قریب ہوتا ہے تو قبضے کے تقاضے سے اعراض کرنا واجب ہے اگر حضور علیہ السلام کے ارشادِ گرامی کہ شک والی چیز کو چھوڑ کر غیر مشکوک کو اختیار کرو، کو اس پر محمول نہ کیا جائے تو پھر اس کا کونسا محل ہوگا۔ کیوں کہ اسے اس صورت پر محمول نہیں کیا جا سکتا جب غیر محصور حلال مال میں تھوڑا حرام مل جائے کیونکہ یہ آپ کے زمانے میں موجود تھا اور آپ اسے چھوڑتے نہیں تھے اسے جس جگہ پر محمول کیا جائے یہ اپنے معنیٰ پر ہوگی اور اسے مکروہ تنزیہی پر محمول کرنا قیاس کے بغیر ظاہر سے پھیرنا ہے کیوں کہ اس کا حرام ہونا علامات اور استصحاب (اصل حالت) کے قیاس سے بعید نہیں ہے اور کثرت کی وجہ سے ظن کو ثابت کرنے میں بھی تاثیر ہے اسی طرح اس کا محدود ہونا بھی تاثیر رکھتا ہے اور یہ دونوں باتیں جمع ہوگئیں حتیٰ کہ حضرت امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ نے فرمایا کہ اگر زیادہ برتن پاک ہوں (اور تھوڑے ناپاک) تو ان میں غور و فکر کرے تو آپ نے علامات اور قوت کثرت کے ساتھ استصحاب اور اجتہاد کا جمع ہونا شرط قرار دیا ہے، اور جس نے کہا کہ جو برتن چاہے کسی سوچ و بچار کے بغیر لے لے یعنی محض استصحاب پر عمل کرے تو انہوں نے پینا بھی جائز قرار دیا تو یہاں صرف قبضے کی وجہ سے جائز قرار دیا یہ ضابطہ اس پیشاب میں جاری نہیں ہوتا جو پانی کے ساتھ مشتبہ ہوگیا کیونکہ وہاں کوئی اصل حکم نہیں اسی طرح ہم یہ حکم اس مردار میں بھی جاری نہیں کرتے جو مذبوحہ جانور سے مشتبہ ہوگیا کیونکہ مردار میں اصل حکم نہیں ہے اور قبضہ کی دلالت اس کے مردار نہ ہونے پر دلالت نہیں کرتی اور مباح کھانے میں اس کے مملوک ہونے پر دلالت کرتا ہے یہاں چار متعلقات ہیں۔

(۱) استصحاب (اصل حکم کا باقی رہنا) (۲) مخلوط چیز میں قلت یا کثرت (۳) مخلوط چیز کا محصور یا غیر محصور ہونا۔

(۴) کسی معین چیز میں خاص علامت جس سے اجتہاد متعلق ہو تو جو آدمی ان چار کے مجموعہ سے غافل ہو وہ بعض اوقات غلطی میں مبتلا ہوتا ہے تو اس طرح وہ بعض مسائل کو ان کے مشابہ کر دیتا ہے جن کے مشابہ وہ نہیں ہیں۔

تو جو کچھ ہم نے ذکر کیا ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ ایک شخص کی ملک میں جو مخلوط چیز ہو یا اس کا اکثر حصہ حرام ہو گا یا بہت کم، اور ہر شخص یا تو یقین کے ساتھ جانتا ہے یا کسی علامت کی بنیاد پر ظن کے ذریعے یا وھم کی بنیاد پر جانتا ہے تو دو جگہوں پر سوال واجب ہوتا ہے ایک یہ کہ حرام یقین یا ظن کی بنیاد پر زیادہ ہو جیسے اگر تم کسی نامعلوم ترکی کو دیکھو تو یہ احتمال بھی ہو گا کہ اس کا تمام مال غنیمت سے ہو اور اگر کم مال یقین سے معلوم ہو تو وہ مقام توقف ہے اور اکثر بزرگوں کی سیرت اور

حالات کی ضرورت کا میلان رخصت کی طرف ہے اور باقی تین اقسام میں سوال بالکل واجب نہیں ہے۔

مسئلہ:

جب کسی آدمی کا کھانا حاضر ہو اور اسے معلوم ہو کہ کسی سرکاری وظیفہ کے ذریعے یا کسی دوسری وجہ سے اس کے پاس حرام مال آیا ہے لیکن یہ معلوم نہیں کہ وہ اب تک باقی بھی ہے یا نہیں تو وہ اس سے کھا سکتا ہے اور اس پر چھان بین ضروری نہیں البتہ تحقیق کرنا تقویٰ ہے اور اگر اسے معلوم ہو کہ اس میں سے کچھ باقی ہے لیکن یہ معلوم نہ ہو کہ وہ اقل ہے یا اکثر؛ تو وہ اسے اقل سمجھ کر لے لے اور یہ بات گزر چکی ہے کہ اقل کا مسئلہ مشکل ہے اور یہ اس کے قریب ہے۔

مسئلہ:

جب خیرات، اوقاف یا وصیتوں کے متولی کے قبضے میں دو مال ہوں اور ایک شخص ان میں سے ایک کا مستحق ہو لیکن دوسرے کا مستحق نہ ہو کیونکہ وہ (مال) اس صفت (استحقاق) سے موصوف نہیں تو کیا کوئی شخص اس مال کو لے سکتا ہے جو اس صاحب وقف نے اسے دیا ہے، تو دیکھا جائے اگر یہ صفت ظاہر ہو جیسے متولی بھی جانتا ہے اور متولی کی عدالت واضح ہو تو وہ کسی بحث کے بغیر لے سکتا ہے کیونکہ ولی کے بارے میں یہی گمان ہے کہ وہ اسے مال سے دے گا جس کا وہ مستحق ہے اور اگر صفت پوشیدہ ہو تو پھر دیکھیں گے اگر ولی کی حالت یوں معلوم ہے کہ وہ پرواہ نہیں کرتا بلکہ خلط ملط کر دیتا ہے تو اب سوال کرے کیوں یہاں نہ تو قبضہ ہے اور نہ اصل حکم جس کی طرف رجوع کیا جائے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا بدلہ اور صدقہ کے بارے میں سوال کی صورت یہی تھی کہ دونوں میں تردد تھا۔ کیونکہ قبضہ اور استصحاب ھدیہ کو صدقہ سے خاص نہیں کرتا لہٰذا اس سے نجات کا راستہ صرف پوچھنا ہے کیوں کہ مجہول میں جہاں ہم نے سوال کو ساقط کیا ہے تو قبضے اور اسلام کی وجہ سے ساقط کیا ہے۔ حتیٰ کہ اگر اس کا مسلمان ہونا معلوم نہ ہو اور کوئی شخص اس سے اس کے ذبیحہ کا گوشت لینا چاہے اور احتمال ہو کہ وہ مجوسی ہے تو جب تک اس کا مسلمان ہونا معلوم نہ ہو، گوشت لینا جائز نہیں۔ کیونکہ قبضے کی مردار پر کوئی دلالت نہیں ہوتی اور نہ شکل وصورت اس کے مسلمان ہونے پر دلالت کرتی ہے البتہ شہر کے اکثر باشندے مسلمان ہوں تو اس صورت میں جس آدمی پر کفر کی علامت نہ ہو اسے مسلمان سمجھنا جائز ہے اگرچہ اس میں غلطی کا امکان ہوتا ہے تو اسے ان مقامات کو جہاں قبضے اور حالت کی دلالت گواہی دیتی ہے اس میں نہیں ملانا چاہیے جہاں یہ گواہی نہیں ہے۔

مسئلہ:

شہر کا کوئی مکان خریدنا جائز ہے اگرچہ یہ معلوم ہو کہ اس شہر میں مغصوبہ مکانات بھی ہیں کیونکہ یہ غیر محصور کے ساتھ اختلاط ہے لیکن احتیاط اور تقویٰ کا تقاضا ہے کہ سوال کرے اور اگر کسی گلی میں دس مکان ہوں اور ان میں ایک غصب کیا ہوا یا وقف کا ہو تو جب تک امتیاز نہ ہو جائے، ناجائز نہیں اور اس سلسلے میں بحث واجب ہے۔ اور جو آدمی کسی

شہر میں داخل ہوا اور اس میں مخصوص سرائیں ہوں جو مختلف مذاہب کے لوگوں کے لیے وقف ہیں اور یہ ان مذاہب میں سے کسی ایک مذہب سے تعلق رکھتا ہے تو اسے یہ حق نہیں کہ جس سرائے میں چاہے رہے اور اس کے وقف سے کھائے بلکہ اپنے مذہب والوں کی سرائے کے بارے میں پوچھے کیونکہ یہ اختلاط محصور سے ہے، لہٰذا امتیاز ضروری ہے ابہام کے ساتھ اقدام کرنا جائز نہیں۔ کیونکہ شہر میں سرائیں اور مدارس محدود ہوتے ہیں۔

مسئلہ:

جہاں ہم نے سوال کرنا، تقویٰ سے قرار دیا ہے تو اگر کھانے اور مال کے مالک کے بارے ڈر ہو کہ پوچھنے پر اسے غصہ آئے گا تو خود اس سے سوال نہ کرے (بلکہ کسی اور سے پوچھے) اور سوال اس وقت واجب ہوگا جب اس کا اکثر مال حرام سے ہو اس وقت اس کے غصے کی پرواہ نہ کرے کیونکہ ظالم کو تو اس سے زیادہ ایذا دینا ضروری ہے عام طور پر اس قسم کے لوگ سوال پر غصہ نہیں کرتے ہاں اگر اپنے وکیل یا غلام یا شاگرد یا گھر کے کسی فرد سے لے جو اس کے ماتحت ہے تو شک کی صورت میں سوال کرے کیوں کہ وہ اس کے سوال سے غصہ نہیں کرتے۔ دوسرا یہ کہ اس پر سوال کرنا لازم ہے تاکہ وہ ان کو حلال کا طریقہ سکھا دے اسی لیے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اپنے غلام سے سوال کیا اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اس سے سوال کیا جس نے صدقہ کے اونٹوں سے پلایا۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کے پاس جب زیادہ مال آیا تو انہوں نے بھی سوال کیا اور فرمایا اللہ تم پر رحم کرے کیا یہ سب مال پاک ہے۔ کیوں کہ آپ کو اس کے زیادہ ہونے پر تعجب ہوا تھا اور وہ شخص آپ کا ماتحت تھا اور خاص طور پر جب آپ نے سوال بھی نرمی کے ساتھ کیا اسی طرح حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے فرمایا اللہ تعالیٰ کو حاکم کی نرمی سے کوئی چیز زیادہ پسند نہیں اور اس کے ظلم و ستم سے زیادہ ناپسندیدہ چیز کوئی نہیں۔

مسئلہ:

حضرت حارث محاسبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں اگر کسی شخص کا دوست یا بھائی ہو اور سوال کی صورت میں اسے اس کے غصے کا ڈر نہ ہو تو محض تقویٰ کی خاطر سوال نہ کرے کیونکہ بعض اوقات اس کے سامنے وہ چیز ظاہر ہوتی ہے جو اس سے پوشیدہ تھی تو گویا یہی اس کی پردہ دری کا باعث ہوا پھر اس کی وجہ سے دشمنی پیدا ہوتی ہے۔ حضرت حارث نے جو کچھ ذکر کیا ہے یہ اچھی بات ہے کیونکہ جب سوال کرنا محض تقویٰ ہو واجب نہ ہو تو اس قسم کی صورتوں میں پردہ دری اور دشمنی سے بچنا ہی تقویٰ ہے انہوں نے اس پر اضافہ کرتے ہوئے فرمایا کہ اگر اس میں کچھ شک ہو تب بھی سوال نہ کرے اور یہ گمان کرے کہ وہ اسے پاک مال سے کھلا رہا ہے اور ناپاک مال سے بچاتا ہے اگر اس کا دل مطمئن نہ ہو تو نہایت اچھے طریقے سے اجتناب کرے اور سوال کر کے اس کی پردہ دری نہ کرے وہ فرماتے ہیں یہ اس لیے کہ میں نے کسی عالم کو ایسا کرتے نہیں دیکھا، حالانکہ وہ تقویٰ کے ساتھ مشہور ہیں اس کے باوجود ان کا یہ فرمانا اس بات پر دلالت

ہے کہ اس قسم کی صورتوں میں چشم پوشی سے کام لیا جائے یعنی جب مال میں تھوڑا حرام مل جائے، لیکن یہ اس وقت ہے جب محض وہم ہو، تحقیق نہ ہو کیوں کہ لفظ شک وہم پر دلالت کرتا ہے اور اس پہ دلالت پائی جاتی ہے یہ یقین کو واجب نہیں کرتا تو سوال کے سلسلے میں ان باریک باتوں کا خیال رکھنا چاہیئے۔

مسئلہ:

بعض اوقات کوئی شخص کہتا ہے کہ جس شخص کا بعض مال حرام ہے اس سے سوال کرنے کا کیا فائدہ ہے اور جو آدمی حرام مال کو حلال کہتا ہے وہ بعض اوقات جھوٹ بولتا ہے اگر اس کی امانت پر یقین ہے تو حلال مال کے سلسلے میں اس کی دیانت پر بھی یقین ہونا چاہیئے۔ تو میں کہتا ہوں جب یہ معلوم ہو کہ کسی انسان کے مال میں حرام ملا ہوا ہے۔ اور اگر تم اس کی ضیافت میں جاؤ یا اس کا ہدیہ قبول کرو تو اس سے اس کی کوئی غرض متعلق ہوتی ہے تو اس شخص کی بات پر یقین نہیں ہو سکتا تو اس سے سوال کرنے کا کوئی فائدہ نہیں لہذا کسی دوسرے آدمی سے پوچھے اسی طرح اگر وہ سوداگر ہے اور وہ نفع حاصل کرنے کے لیے سودے میں رغبت رکھتا ہے تو اس کا یہ کہنا کہ یہ حلال ہے معتبر نہ ہوگا لیکن اس سے سوال کرنے کا کوئی فائدہ نہیں لہذا کسی دوسرے سے سوال کرے قبضہ والے سے اس وقت سوال کیا جاتا ہے جب اس پر کوئی تہمت نہ ہو جیسا کہ متولی سے اس مال کے بارے میں پوچھا جاتا ہے جو وہ کسی کے حوالے کرتا ہے کہ یہ کس جہت سے ہے۔
اور جیسے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہدیہ اور صدقہ کے بارے میں پوچھا۔ کیوں کہ یہ اذیت ناک نہیں اور نہ اس میں قائل پر کوئی تہمت لگائی جاتی ہے اسی طرح جب اس پر یہ تہمت ہو کہ وہ حلال کمائی کا طریقہ نہیں جانتا تو جب صحیح طریقے پر خبر دی جائے تو اس پہ تہمت نہ لگائی جائے۔ اسی طرح وہ اپنے غلام اور خادم سے بھی سوال کر سکتا ہے تاکہ اسے کمائی کا طریقہ معلوم ہو جائے تو یہاں سوال کا فائدہ ہے اور اگر صاحب مال پہ کوئی تہمت نہ ہو تو کسی اور سے سوال کرے اگر اسے کوئی ایک عادل خبر دے تو اسے قبول کرے اور اگر کوئی فاسق اسے خبر دے لیکن اس کی حالت سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ جھوٹ نہیں بولتا کیونکہ اسے کوئی غرض نہیں تو اس کو قبول کرنا جائز ہے کیوں کہ یہ معاملہ اللہ تعالیٰ اور اس کے درمیان ہے اور مقصود تو اطمینان قلبی ہے اور بعض اوقات فاسق کے قول سے وہ اطمینان حاصل ہوتا ہے جو بعض حالات میں کسی عادل کی بات سے حاصل نہیں ہوتا۔ اور ہر فاسق جھوٹ نہیں بولتا اور ہر وہ شخص جو بظاہر عادل (غیر فاسق) ہو ضروری نہیں کہ سچ ہی بولے فیصلے کی ضرورت کے تحت شہادت کا دارومدار عدالت پر ہے کیوں کہ دلوں پر کسی کو اطلاع نہیں ہوتی۔
حضرت امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ نے فاسق کی شہادت کو قبول کیا کتنے ہی ایسے لوگ ہیں جنہیں تم جانتے ہو اور تم یہ بھی جانتے ہو کہ وہ گناہوں کا ارتکاب کرتے ہیں پھر جب وہ تمہیں کوئی خبر دیتے ہیں تو تم اس پر یقین کر لیتے ہو اسی طرح جب کوئی سمجھدار بچہ جس پر تمہیں اعتماد ہو خبر دیتا ہے تو اس کے قول سے اطمینان حاصل ہوتا ہے پس اس پر اعتماد جائز ہوتا ہے لیکن جب کوئی مجہول الحال آدمی خبر دے جس کی حالت کے بارے میں کچھ بھی معلوم نہ ہو تو ہم نے اس کے ہاتھ سے کھانے

کو جائز قرار دیا ہے۔ کیوں کہ اس کا قبضہ اس کی ملکیت پر ظاہری دلالت ہے اور یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ اس کا اسلام اس کی صداقت پر ظاہری دلالت ہے اور یہ قابل غور ہے اور اس کی بات کا دل پر کچھ نہ کچھ اثر تو ہوتا ہے حتیٰ کہ اگر ایسے کئی آدمی جمع ہو جائیں تو ظن قوی کا فائدہ حاصل ہوتا ہے لیکن اس سلسلے میں ایک آدمی کی بات کا اثر کمزور ہوتا ہے تو دل میں اس کی تاثیر کی حد کو دیکھنا چاہیے کیونکہ ایسی صورت میں فتویٰ دل ہی تو دیتا ہے اور دل کی پوشیدہ قرائن کی طرف توجہ ہوتی ہے جو زبان پر نہیں آ سکتی پس اس میں غور کرنا چاہیئے۔

اس کی طرف توجہ کے وجوب پر حضرت عقبہ بن حارث رضی اللہ عنہ کی روایت دلالت کرتی ہے کہ وہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ میں نے ایک عورت سے نکاح کیا تو ایک سیاہ فام عورت آئی اس کا خیال ہے کہ اس نے ہم دونوں کو دودھ پلایا ہے اور وہ جھوٹ بولتی ہے آپ نے فرمایا اس (بیوی) کو چھوڑ دو۔ انہوں نے عرض کی وہ عورت سیاہ فام ذلیل ہے آپ نے فرمایا تم اسے کیسے نہیں چھوڑتے حالانکہ تمہارا خیال ہے کہ اس نے تم دونوں کو دودھ پلایا ہے اس زوجہ میں تمہارے لیے کوئی بھلائی نہیں اسے چھوڑ دو ایک دوسری روایت میں ہے کہ تم اسے کیسے رکھو گے جب کہ یہ بات کہی گئی (۱)

اور بعض اوقات مجہول الحال شخص کا جھوٹ معلوم نہیں ہوتا اور اس کی کسی غرض کی علامت ظاہر نہیں ہوتی۔ تو اس کی بات کا دل پر اثر ضرور ہوتا ہے اسی لیے اس سے بچنے کا حکم تاکید کے ساتھ دیا جاتا ہے اگر اس کے قول پر اطمینان ہو جائے تو بچنا واجب ہو گا۔

مسئلہ:

جہاں سوال واجب ہو جاتا ہے وہاں اگر عادل آدمیوں کے قول آپس میں ٹکرا جائیں تو وہ ساقط ہو جائیں گے۔ اسی طرح دو فاسقوں کا قول بھی ساقط ہو جاتا ہے اور یہ بھی جائز ہے کہ اس کے دل میں دو عادلوں یا دو فاسقوں کے قولوں میں سے ایک قول کو ترجیح حاصل ہو جائے اور یہ بھی جائز ہے کہ کثرت یا تجربہ کی بنیاد پر کسی ایک طرف کو ترجیح دے۔ اس مسئلہ کی صورتیں اکثر پیش آتی ہیں۔

مسئلہ:

اگر مخصوص سامان لوٹ لیا جائے اور اس قسم کا سامان کسی آدمی کے پاس پایا جائے اور کوئی شخص اسے خریدنا چاہتا ہو اور یہ بھی احتمال ہو کہ وہ غصب کئے ہوئے مال میں سے نہیں ہے اگر یہ شخص نیکی کے ساتھ مشہور ہے تو اس سے خریدنا جائز ہے لیکن تقویٰ یہ ہے کہ نہ خریدے اور اگر اس شخص کی حالت مجہول ہو اس کے بارے میں کچھ بھی معلوم نہ ہو تو

---

(۱) صحیح بخاری جلد اول ص ۲۷۶ کتاب البیوع۔

دیکھا جائے اگر اس قسم کی چیز لوٹ مار کے علاوہ بھی عام ملتی ہے تو اسے خرید سکتا ہے اور اس سرزمین میں یہ چیز بہت کم ملتی ہے اور لوٹ مار کی وجہ سے اس کی فراوانی ہوئی ہے تو اب اس کے حلال ہونے پر صرف قبضہ دلیل ہے اور اس کے مقابل ایک خاص علامت آگئی ہے اور وہ اس چیز کی شکل اور قسم ہے تو اس قسم کی چیز خریدنے سے بچنا تقویٰ ہے لیکن اس میں غور وفکر کرنا واجب ہے کیوں کہ علامت میں ٹکراؤ ہے اور میں اس سلسلے میں کوئی حکم نہیں لگا سکتا البتہ یہ کہ اسے فتویٰ لینے والے کے دل کی طرف لوٹا دوں تاکہ وہ دیکھے کہ اس کے دل میں کیا چیز زیادہ قوی ہے۔ اگر اس کے مغصوب ہونے کے بارے میں زیادہ قوی خیال ہو تو اسے چھوڑنا ضروری ہے ورنہ اسے خریدنا جائز ہے۔

اس قسم کے واقعات میں عام طور پر شبہ پڑجاتا ہے اور یہ ان متشابہات میں سے ہے جنہیں زیادہ لوگ نہیں جانتے پس جو ان سے بچتا ہے وہ اپنی عزت اور دین کو بچا لیتا ہے اور جو ان میں پڑجاتا ہے وہ ممنوعہ چراگاہ کے گرد پہنچ گیا اور اپنے آپ کو خطرے میں ڈال دیا۔

مسئلہ:

اگر کوئی شخص کہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس دودھ کے بارے میں پوچھا جو آپ کو پیش کیا گیا تو بتایا گیا کہ یہ بکری کا دودھ ہے آپ نے بکری کے بارے میں پوچھا کہ وہ کہاں سے آئی جب بتایا گیا تو آپ خاموش ہوگئے

تو کیا اصل مال کے بارے میں سوال واجب ہے یا نہیں؟ اگر واجب ہے تو ایک اصل کے بارے میں یا دو یا تین کے بارے میں؟ تو اس میں ضابطہ کیا ہے؟

تو میں کہتا ہوں اس میں کوئی ضابطہ یا طریقہ مقرر نہیں بلکہ اس شک کو دیکھا جائے جس کی وجہ سے سوال ہوتا ہے تو کبھی وہ سوال واجب ہوتا ہے اور کبھی محض تقویٰ اور پرہیزگاری کے طور پر ہوتا ہے تو سوال کی کوئی انتہا نہیں جہاں شک ختم ہوتا ہے وہاں سوال بھی ختم ہوجاتا ہے اور یہ حالات کے اختلاف کے مطابق مختلف ہوتا ہے اگر تہمت کی صورت یہ ہے کہ جس کا قبضہ ہے اسے حلال کمانے کا طریقہ معلوم نہیں اگر وہ کہے کہ میں نے خریدا ہے تو سوال ختم ہوجائے گا اور اگر کہے کہ یہ نیزی بکری کا دودھ ہے تو اب بکری میں شک ہوگا جب وہ کہے کہ میں نے اسے خریدا ہے تو سوال ختم ہوجائے گا اور اگر شک ظلم کے بارے میں ہو یعنی وہ چیز جو عربوں کے ہاتھ میں ہے اور ان کے پاس چھینی ہوئی چیز کی نسل بڑھتی ہے تو اب یہ کہنے سے شک ختم نہیں ہوگا کہ یہ میری بکری کا دودھ ہے یا اس بکری کو میری بکری نے جنا ہے اور اگر اسے وہ باپ کی وراثت کی طرف منسوب کرے اور اس کے باپ کی حالت معلوم نہ ہو تو سوال ختم ہوجائے گا اور اگر اسے معلوم ہو کہ اس کے باپ کا تمام مال حرام ہے تو حرمت ظاہر ہوگی، اور اگر اسے معلوم ہوا کہ اس کا زیادہ مال حرام سے ہے تو اس کی نسل کے زیادہ ہونے، زمانے کے خراب ہونے اور وراثت جاری ہونے سے اس کا حکم نہیں بدلے گا، تو ان معانی میں غور کرنا چاہیئے۔

مسئلہ:

خانقاہِ صوفیہ میں مقیم ایک جماعت کے بارے میں سوال کیا گیا کہ ان کا جو متولی ان کو کھانا دیتا ہے اس کے پاس ایک وقف وہ ہے جو اس خانقاہ کے لیے وقف ہے اور دوسرا وقف کسی اور جہت سے ہے اور وہ دوسرے لوگوں کے لیے ہے اور وہ سب کو ملا کر ان پر بھی خرچ کرتا ہے اور اُن پر بھی، تو کیا اسے کھانا حلال ہے یا حرام یا مشتبہ ہے؟ تو میں نے اس کے جواب میں کہا کہ یہاں سات اصول پیش نظر ہوں گے۔

پہلا اصل:

وہ کھانا جو اُن کے سامنے پیش کیا جاتا ہے عام طور پر دست بدست خریدتا ہے اور ہمارا مختار مذہب یہ ہے کہ ایجاب و قبول کے بغیر) ہاتھوں ہاتھ خریدنا بالخصوص کھانے کی اشیاء اور معمولی چیزوں میں جائز ہے، اس میں محض اختلاف کا شبہ ہے۔

دوسرا اصل:

اس بات کو دیکھا جائے کہ اس چیز کو عین حرام چیز کے بدلے میں خریدا ہے یا بطور ادھار خریدا ہے اگر عین حرام کے ساتھ خریدا ہے تو وہ حرام ہے اور اگر معلوم نہ ہو تو غالب گمان یہ ہوگا کہ ادھار خریدا ہے اور غالب کو اختیار کرنا جائز ہے اور اس سے حرمت پیدا نہیں ہوتی بلکہ احتمال بعید کا شبہ ہوتا ہے یعنی ہو سکتا ہے کہ حرام مال سے خریدا ہو۔

تیسرا اصل:

کہاں سے خریدا ہے اگر اس آدمی سے خریدا جس کا زیادہ مال حرام ہے تو کھانا جائز نہیں اور اگر اس کا کم مال حرام سے ہو تو اس میں غور و فکر کی ضرورت ہے جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے۔ اور جب اسے معلوم نہ ہو تو لینا جائز ہے اس خیال سے کہ اس نے اس آدمی سے خریدا جس کا مال حلال ہے یا وہ ایسا شخص ہے جس کا مال خریدار کو یقین سے معلوم نہیں جیسا کہ مجہول الحال شخص ہوتا ہے اور اس سے پہلے بیان ہوا کہ مجہول الحال شخص سے لینا جائز ہے کیوں کہ یہی غالب ہے لہٰذا اس سے حرمت نہیں بلکہ احتمال کا شبہ پیدا ہوتا ہے۔

چوتھا اصل:

اپنے لیے یا جماعت کے لئے خریدے کیونکہ متولی اور خادم، نائب کی طرح ہوتے ہیں اور وہ اپنے لیے بھی اور قوم کے لیے بھی خرید سکتا ہے لیکن یہ کام نیت یا صریح الفاظ کے ساتھ ہونا چاہیے اور اگر دست بدست خرید و فروخت کا رواج ہو تو الفاظ جاری نہیں ہوتے اور غالب یہ ہے کہ ہاتھوں ہاتھ سودے میں نیت نہیں کی جاتی ہوگی اور قصاب نانبائی اور دوسرے معاملہ کرنے والے اسی پر اعتماد کرتے ہوں گے اور اسی پر بیچتے ہوں گے ان لوگوں پر جو حاضر نہیں پس وہ بیع اسی متولی کی طرف سے جاری ہوتی ہوگی اور اسی کی ملک میں داخل ہوتی ہوگی اس اصل (مضابطے)

میں نہ حرمت ہے اور نہ شبہ، لیکن یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ وہ خادم کی ملکیت سے کھاتے ہیں۔

پانچواں اصل:

خادم انہیں کھانا پیش کرتا ہے پس اسے ضیافت یا عوض کے بغیر ہدیہ قرار نہیں دیا جا سکتا کیوں کہ اس متولی کا اس پر راضی نہیں ہوگا وہ ان کے سامنے اس اعتماد پر کھانا رکھتا ہے کہ اسے وقف میں سے عوض ملے گا تو یہ درحقیقت معاوضہ ہوا لیکن یہ بیچنا اور قرض دینا نہیں ہے اس لیے کہ اگر وہ ان سے قرض مانگنا شروع کر دے تو یہ بات اچھی نہیں سمجھی جائے گی اور قرینۂ حال اس پر دلالت نہیں کرتا تو اس حالت میں ثواب کی شرط پر ہبہ ہوگا یعنی یہ وہ ہدیہ ہے جس میں ہدیہ دینے والے نے کوئی لفظ نہیں کہا جس سے یہ معلوم ہوتا ہو کہ اسے ثواب کا لالچ ہے اور یہ صحیح ہے اور ثواب لازم ہے۔ اور یہاں خادم کو ثواب کا کوئی لالچ نہیں بلکہ وہ وقف سے ان کا حق لینا چاہتا ہے تاکہ اس کے ساتھ نانبائی، قصاب اور سبزی فروش کا قرض ادا کرے۔ اور اس میں کوئی شبہ نہیں کیونکہ ہدیہ اور کھانا پیش کرنے میں کوئی لفظ کہا شرط نہیں ہے اگرچہ ثواب کا انتظار ہو۔ اور جو لوگ ثواب کی لالچ میں ہدیہ دینے کو صحیح قرار نہیں دیتے ان کے قول کی پرواہ نہیں کرنی چاہیے۔

چھٹا اصل:

اس صورت میں جو عوض لازم ہوگا اس سلسلے میں اختلاف ہے بعض نے کہا کہ ادنیٰ مال جتنا ہو بعض نے کہا قیمت کے مطابق ہونا چاہیے اور بعض حضرات کہتے ہیں کہ جتنے پر ہبہ کرنے والا راضی ہو۔ یہاں تک کہ اسے حق ہے کہ وہ قیمت بڑھانے پر راضی نہ ہو صحیح یہی ہے کہ وہ اس کی اتباع کرے اگر وہ راضی نہ ہو تو لوٹا دے اور یہاں خادم اس چیز پر راضی ہے جو وقف میں سے ان رہائش پذیر لوگوں کے حق سے وصول کرتا ہے اگر ان کا حق اسی قدر ہے جتنا وہ کھاتے ہیں تو معاملہ پورا ہو گیا۔ اور اگر کم ہو اور خادم راضی ہو جائے تب بھی صحیح ہے اور اگر معلوم ہو کہ خادم راضی نہ ہوگا اگر اس کے پاس کوئی دوسرا وقف نہ ہوتا جو جسے وہ ان رہائش پذیر لوگوں کے رزق کے لیے حاصل کرتا تو گویا وہ عوض میں ایسی مقدار پر راضی ہوا جس کا بعض حلال اور بعض حرام ہے اور حرام ان رہنے والوں کے ہاتھ میں نہیں آتا تو یہ ایسا خلل ہے جو قیمت میں واقع ہوا اور اس کا حکم ہم اس سے پہلے ذکر کر چکے ہیں اور یہ بھی بتا چکے ہیں کہ یہ کب حرمت کو چاہتا ہے اور کب شبہ کو؟ اور جیسا کہ ہم نے بیان کیا یہ حرمت کو نہیں چاہتا لہٰذا ہدیہ کے توسل سے ہدیہ دینے والے کے حرام تک پہنچنے کی وجہ سے ہدیہ حرام نہیں ہوگا۔

ساتواں اصل:

وہ شخص (خادم) دونوں وقفوں کی آمدنی سے نانبائی، قصاب اور سبزی فروش کا قرض ادا کرتا ہے پس اگر وہ مال جو ان کے حق میں لیا گیا وہ ان کے کھانے کی قیمت کے برابر ہو تو معاملہ صحیح ہو جائے گا اور اگر کم ہو لیکن قصاب

اور نانبائی کو قیمت میں جو بھی دیا جائے وہ اس پر راضی ہو جائیں چاہے وہ حلال سے ہو یا حرام سے تو یہ ایک ایسا خلل ہے جو کھانے کی قیمت میں داخل ہو گیا لہٰذا اس بات کی طرف توجہ کرنا چاہیے جو ہم نے ادھار خریدنے کے سلسلے میں پہلے ذکر کی ہے کہ ادھار خریدا اور پھر حرام مال سے قیمت ادا کی۔ اور یہ اس صورت میں ہے جب معلوم ہو کہ حرام مال سے ادا کیا ہے اگر اس کا احتمال ہو اور اس کے غیر کا بھی تو شبہ کم ہو گا۔

اس تمام بحث کا خلاصہ یہ ہوا کہ صوفیاء کرام کے لیے اس کا کھانا حرام نہیں بلکہ شبہ والی چیز کو کھانا ہے اور یہ تقویٰ سے بعید ہے کیونکہ جب یہ اصول زیادہ ہو جائیں اور ہر ایک میں احتمال پیدا ہو جائے تو اس کثرت کی وجہ سے حرام کا احتمال نفس میں زیادہ مضبوط ہو جائے گا جس طرح کسی خبر کی سند طویل ہو جائے تو چھوٹی سند والی خبر کی نسبت اس میں جھوٹ اور غلطی کا احتمال زیادہ ہو جاتا ہے۔ تو اس واقعہ کا یہ حکم ہے اس کا تعلق فتویٰ سے ہے ہم نے اسے اس لیے ذکر کیا ہے تاکہ مشتبہ واقعات کا حکم نکالنے کا طریقہ معلوم ہو جائے نیز انہیں اصول کی طرف کیسے پھیرا جائے کیونکہ اکثر مفتی حضرات اس سے عاجز ہیں۔

چوتھا باب

مالی مظالم سے توبہ کا طریقہ

جان لو کہ جو شخص توبہ کرے اور اس کے قبضے میں مخلوط مال ہو تو اس پر لازم ہے کہ حرام کو الگ کرے اور دوسری ذمہ داری یہ ہے کہ اس نکالے ہوئے مال کو خرچ کرے لہٰذا ان دونوں مسئلوں میں غور کرنا چاہیے۔

پہلی بحث:

حرام مال کو علیحدہ کرنا

جو شخص توبہ کرے اور اس کے پاس حرام مال ہو جو معین معلوم ہو کسی سے چھینا ہوا ہو یا امانت کا مال ہو یا کسی دوسرے طریقے سے لیا ہو، تو اس کا معاملہ آسان ہے اس پر حرام کو الگ کرنا لازم ہے اور اگر دوسرے مال میں مخلوط ہے تو دیکھا جائے اگر وہ ایسے مال میں ہے جو مثلی ہے جیسے غلّہ، روپے پیسے اور تیل وغیرہ یا وہ ایسی چیزوں میں ہے جو ایک جیسی (مثلی) نہیں ہوتیں جیسے غلام، مکانات اور لباس، اگر وہ مثلی چیزوں میں ہے یا تمام مال میں ملا ہوا ہے جیسے کسی نے تجارت کے ذریعے مال کمایا اور وہ جانتا ہے کہ بعض سودے میں نفع کے سلسلے میں اس نے جھوٹ بولا ہے اور بعض میں سچ کہا ہے، یا کسی نے تیل غصب کر کے اپنے ذاتی میل میں ملا لیا یا اس نے غلّے اور روپے پیسے میں ایسا کام کیا تو اب دیکھیں گے اس کی مقدار معلوم ہے یا مجہول؛ اگر اس کی مقدار معلوم ہو مثلاً کل مال کا نصف حرام ہے تو نصف کو الگ کر دے، اگر مقدار معلوم نہ ہو تو اس کے دو طریقے ہیں ایک یہ کہ یقین پر عمل کرے اور دوسرا یہ کہ ظن غالب پر عمل کرے نماز کی رکعات میں اشتباہ کی صورت میں علماء کرام سے یہ دونوں قول کئے ہیں اور ہم (امام غزالی رحمہ اللہ) نماز کے سلسلے میں صرف یقین پر عمل کے قائل نہیں کیونکہ اصل یہ ہے کہ وہ ذمہ داری کو پورا کرے لہٰذا اصل پر عمل کرے اور جب تک کوئی قوی دلیل نہ ہو اس میں تبدیلی نہ کرے اور رکعات کی تعداد میں کوئی ایسی علامات نہیں ہیں جن پر یقین کیا جائے، اور یہاں یہ نہیں کہہ سکتے کہ اصل یہ ہے کہ جو کچھ اس کے قبضے میں ہے وہ حرام ہے بلکہ یہ مشتبہ ہے لہٰذا بطور اجتہاد غالب گمان پر عمل کرے لیکن یقین پر عمل کرنا تقویٰ ہے اگر تقویٰ کا ارادہ کرے تو سوچ و بچار کی صورت یہ ہوگی کہ صرف وہی مقدار باقی رہے جس کے حلال ہونے کا یقین ہو اور اگر گمان کے ساتھ لینے کا ارادہ کرے تو اس کا طریقہ یہ ہے مثلاً اس کے پاس تجارت کا مال ہو جس میں سے

بعض حرام ہو تو یہ یقین کرے کہ نصف حلال ہے اور مثلاً تیسرا حصہ حرام ہے اور چھٹا حصہ باقی رہ گیا جو مشتبہ ہے تو اس میں غالب گمان پر عمل کرے سارے مال میں اسی طرح سوچ بچار کرے یعنی دونوں طرفوں (حلال و حرام) کو الگ کر دے اور جتنی مقدار میں شبہ ہے اگر اس کے گمان میں وہ حرام ہے تو اسے الگ کر دے اور اگر یہ گمان ہو کہ حلال ہے تو اسے روکنا جائز ہے لیکن تقویٰ یہ ہے کہ اسے الگ کر دے اور اس تقویٰ کی زیادہ تاکید ہے کیونکہ یہ مشکوک ہے اور قبضہ پر اعتماد کرتے ہوئے اسے روکنا بھی جائز ہے کیوں کہ قبضہ کی صورت میں حلت غالب ہوتی ہے لیکن اب اس میں حرام کے اختلاط کا یقین ہونے کی وجہ سے یہ گمان کمزور ہو گیا اور یہ بھی احتمال ہے کہ کہا جائے اصل حرمت ہے لہٰذا وہی مال لے جس کے حلال ہونے کا غالب گمان ہو۔ اور کوئی ایک جانب اولیٰ نہیں ہو گی اور میرے لیے فی الحال ترجیح کی صورت واضح نہیں ہو رہی یہ مشکل مسائل میں سے ہے۔

سوال:

یہ ٹھیک ہے کہ اس نے یقین کے ساتھ لیا لیکن اس نے جو کچھ نکالا ہے بعینہ اس کے حرام ہونے کا علم نہیں ہے ممکن ہے حرام وہ ہو جو اس کے پاس ہے لہٰذا یہ اقدام کیسے صحیح ہو گا، اور اگر یہ جائز ہوتا تو یہ کہنا بھی جائز ہوتا کہ جب ایک مردار، نو مذبوحہ جانوروں میں مل جائے تو یہ کل کا دسواں حصہ ہوا تو ان میں کسی ایک کو چھوڑ سکتا ہے جسے چھوڑنا چاہے اور باقی کو رکھ لے یہ اس کے لیے حلال ہیں لیکن کہا جا سکتا ہے کہ مردار ان میں ہو جن کو اس نے اپنے پاس رکھا ہے بلکہ اگر وہ نو کو چھوڑ دے اور ایک کو رکھ لے تو یہ بھی حلال نہ ہو گا کیوں کہ اس کے حرام ہونے کا احتمال ہے۔

جواب:

ان دونوں مسئلوں میں موازنہ تب صحیح ہوتا جب یہ بات نہ ہوتی کہ وہ مال معاوضہ نکالنے کے بعد حلال ہو جاتا ہے کیونکہ اس میں معاوضہ جاری ہوتا ہے لیکن مردار کا معاملہ الگ ہے کیوں کہ اس میں معاوضہ جاری نہیں ہوتا تو اس اشکال کو دُور کرنے کے لیے ہم فرض کرتے ہیں کہ ایک معین درھم ایک دوسرے درھم سے مشتبہ ہو گیا یعنی ایک شخص کے پاس دو درھم ہیں اور ان میں سے ایک حرام ہے لیکن اس کا تعین نہیں ہو سکتا۔

حضرت امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ سے اس قسم کا مسئلہ پوچھا گیا تو انہوں نے فرمایا جب تک وضاحت نہ ہو تمام درھموں کو چھوڑ دے۔ آپ نے ایک برتن رہن رکھا جب آپ نے قرض ادا کر دیا تو مرتہن نے آپ کو دو برتن دیئے اور کہا کہ مجھے معلوم نہیں آپ کا کونسا برتن ہے چنانچہ انہوں نے دونوں کو چھوڑ دیا اب مرتہن نے کہا آپ کا برتن یہ ہے میں تو آپ کی آزمائش کر رہا تھا تو انہوں نے قرض واپس کر دیا لیکن رہن رکھا ہوا برتن واپس نہ لیا تو یہ تقویٰ ہے لیکن ہم اسے واجب قرار نہیں دیتے۔

ہم اس مسئلہ میں فرض کرتے ہیں کہ ایک درھم کا مالک معین حاضر ہے پس ہم کہتے ہیں جب اس نے دو میں سے

ایک درھم لوٹایا اور وہ حقیقت حال جاننے کے باوجود اس پر راضی ہو گیا تو اس (پہلے) شخص کے لئے دوسرا درھم حلال ہے کیوں کہ یہاں دو صورتیں ہو سکتی ہیں ایک یہ کہ جو درھم لوٹایا ہے علم الٰہی کے مطابق یہی درھم لیا ہو تو مقصود حاصل ہو گیا اور اگر اس کے علاوہ کوئی دوسرا درھم ہے تو ہر ایک کا درھم دوسرے کے ہاتھ میں چلا گیا تو احتیاط کا تقاضا ہے کہ الفاظ کے ذریعے ایک دوسرے سے سودا کریں اور اگر ایسا نہ کریں تب بھی محض ہاتھوں ہاتھ دینے سے ایک دوسرے کا حق مجروح ہو گیا اور اگر غاصب کے ہاتھ میں مغصوب منہ (جس سے غصب کیا ہے) کا درھم ضائع ہو گیا اور بعینہٖ اس تک پہنچنا مشکل ہو گیا اور وہ ضمان کا مستحق ہو گیا تو جب وہ اس سے لے گا تو محض قبضہ کرنے سے ضمان کی ادائیگی ہو جائے گی۔ اور اس کی جانب یہ بات واضح ہے کیوں کہ جس کے لیے ضمان ہے وہ کچھ الفاظ بولے بغیر محض قبضہ سے ضمان کا مالک ہو جائے گا۔ لیکن دوسری طرف اشکال ہے کہ وہ اس کی ملک میں داخل نہیں ہوتا۔

تو ہم کہتے ہیں کہ اگر اس نے اپنا خاص درھم لے لیا تو اس کا درھم بھی دوسرے کے ہاتھ میں چلا گیا جس کی وصولی ممکن نہیں۔ تو یہ غائب کی طرح ہے لہٰذا اگر معاملہ اسی طرح ہے تو وہ علم الٰہی میں اس درھم کا بدل ہو جائے گا۔ اور اللہ تعالیٰ کے علم میں یہ ایک دوسرے درھم کا بدل ہو جائے گا۔ اور اللہ تعالیٰ کے علم میں یہ ایک دوسرے کا بدل ہو جائیں گے جس طرح دو آدمی ایک دوسرے کا درھم ضائع کریں تو وہ ایک دوسرے کی طرف سے ادا ہو جاتا ہے بلکہ اسی طرح کا مسئلہ ہے کہ دونوں کے ہاتھ میں جو کچھ ہے اگر وہ اس کو دریا میں ڈال دیں یا جلا دیں تو ایسے ہی ہے جیسے ضائع کر دیا اور ایک دوسرے کو کچھ نہیں دینا پڑے گا اسی طرح اگر ضائع نہ کریں تو بھی یہی حکم ہونا چاہیے تو یہ قول اس بات سے بہتر ہے کہ کہا جائے کہ جو شخص ایک درھم لے کر دوسرے آدمی کے ایک لاکھ درھم میں ڈال دے تو وہ تمام مال اس کے لیے ممنوع ہو گا اور اس کے لیے اس میں تصرف کرنا جائز نہیں۔

اور یہ مذہب اس بات کی طرف پہنچا رہا ہے تو اس میں جس قدر دوری ہے اسے دیکھ اور ہم نے جو کچھ ذکر کیا ہے (یعنی ایک دوسرے کو مجرا کر دینا) اس میں فقط الفاظ کو چھوڑا گیا ہے اور ہاتھوں ہاتھ دینا سودا ہی ہوتا ہے اور جو لوگ اسے سودا قرار نہیں دیتے تو وہ اس صورت میں ہے جب اس میں احتمال ہو کیوں کہ عمل اس کی دلالت کو کمزور کر دیتا ہے اور وہاں بھی یہ سودا نہیں بنے گا جہاں تلفظ ممکن ہو اور یہاں ایک دوسرے کو سونپنا قطعی طور پر مبادلہ کے لیے ہے اور بیع ناممکن ہے کیونکہ بیع کی طرف اشارہ نہیں کیا گیا اور نہ وہ بعینہٖ معلوم ہے اور بعض اوقات وہ بیع کو قبول نہیں کرتا جیسے کسی ایک آدمی کا ایک رطل (آدھ سیر) آٹا دوسرے آدمی کے ہزار رطل آٹے میں مل جائے اسی طرح خشک اور تر کھجوروں کو ملایا جائے نیز ہر اس چیز کا یہی حکم ہے جس کا کچھ حصہ، بعض کے بدلے میں بیچ نہیں سکتے۔

سوال:

آپ نے اس صورت میں اس (دوسرے آدمی) کا حق سونپنے کو جائز قرار دیا اور اسے سودے سے تعبیر کیا ہے؟

جواب:

ہم اس کو سودا قرار نہیں دیتے بلکہ ہم کہتے ہیں کہ جو کچھ اس کے ہاتھ میں ضائع ہوا یہ اس کا بدل ہے لہذا وہ اس کا اس طرح مالک ہوگا جس طرح وہ شخص مالک ہوتا ہے جس کی کھجوریں ضائع ہوئیں اور اس نے اس کی مثل لے لیں۔ یہ اس صورت میں ہے جب مال کا مالک اس کی موافقت کرے اور اگر وہ اس کی موافقت نہ کرے بلکہ اسی پر اصرار کرے اور کہے کہ میں تو صرف اپنے والا درھم ہی لوں گا۔ اگر وہ مل جل گیا ہے تو میں اسے چھوڑتا ہوں لیکن تجھے ہبہ نہیں کرتا بلکہ میں تیرے مال کو ضائع کر دوں گا۔

تو میں کہتا ہوں اس صورت میں قاضی اس کا نائب بن کر قبضہ کرے تاکہ اس شخص کا باقی مال اس کے لیے حلال ہو جائے۔ کیوں کہ یہ تو محض ہٹ دھرمی اور دوسرے کو تنگ کرنا ہے اور شریعت اس کی اجازت نہیں دیتی ہے اور اگر قاضی دستیاب نہ ہو تو کسی دیندار آدمی کو مقرر کرے کہ وہ اس کی طرف سے قبضہ کرے اگر ایسا آدمی بھی نہ ملے تو خود متولی بن کر اس کا حق اس نیت سے الگ کر دے کہ اس کو دے دوں گا اب یہ امن دوسرے شخص کے لیے متعین ہو جائے گا اور اس شخص کے لیے باقی مال پاک ہوگا اور یہ بات بہنے والی چیزوں کے باہم مل جانے کی صورت میں زیادہ لازم ہے۔

سوال:

ایسی صورت میں اس کے لیے لینا جائز ہونا چاہیئے اور حق اس کے ذمہ ادھار ہو جائے تو اب اسے پہلے الگ کرنے اور پھر باقی میں تصرف کی کیا ضرورت ہے۔

جواب:

کچھ لوگ کہتے ہیں کہ جب تک حرام کی مقدار باقی ہو، اس کے لیے لینا جائز ہے لیکن تمام مال لینا جائز نہیں اور اگر لے گا تو یہ جائز نہ ہوگا۔ سبب کہ بعض حضرات کہتے ہیں کہ جب تک توبہ یا بدلنے کی نیت سے حرام کی مقدار کو الگ نہ کر دے اس کے لیے لینا جائز نہیں۔ کچھ دوسرے حضرات نے کہا کہ لینے والے کے لئے لینا جائز ہے لیکن اس کے لیے دینا جائز نہیں اگر دے گا تو یہ گناہ گار ہوگا لینے والا نہیں اور کسی نے بھی پورے مال کا لینا جائز قرار نہیں دیا یہ اس لیے کہ اگر مالک مل جائے تو اس کے لئے جائز ہے کہ کل مال میں سے اپنا حق لے لے۔ کیوں کہ وہ کہہ سکتا ہے کہ جو کچھ مجھے ملے گا شاید بعینہ یہ میرا حق ہو اور جب وہ متعین ہو جائے اور غیر کے حق کو الگ کر کے ممتاز کر لیا جائے تو یہ احتمال ختم ہو جائے گا۔ اور اس احتمال کی وجہ سے یہ مال دوسرے مال پر ترجیح پائے گا اور جو حق کے زیادہ قریب ہو وہ مقدم ہوتا ہے۔ جیسے

کسی چیز کی مثل، قیمت پر مقدم ہوتی ہے اور جو کچھ لیا ہے بعینہٖ اس کی واپسی مثل پر مقدم ہوتی ہے اسی طرح جس چیز میں مثل کے لوٹانے کا احتمال ہو وہ اس پر مقدم ہوتی ہے جس میں قیمت کے ذریعے لوٹانے کا احتمال ہو اور جس صورت میں عین شئے کو لوٹانے کا احتمال ہو وہ اس صورت میں مقدم ہے جس میں مثل کو لوٹانے کا احتمال ہوتا ہے اگر بالفرض قابض کے لیے یہ بات کہنا درست ہو تو دوسرے درھم کے مالک کے لئے جائز ہوگا کہ وہ درھم لے اور ان میں تصرف کرے اور کہے کہ مجھ پر تمہارے حق کی ادائیگی دوسری جگہ سے لازم ہے کیونکہ دونوں طرف سے اختلاط ہے اور دونوں میں سے ایک کے حق کو فوت کرنا ترجیح بلا مرجح ہے۔

البتہ یہ کہ اس میں سے کم کو دیکھا جائے اور فرض کیا جائے کہ یہی دوسرے میں مل گیا جو زیادہ ہے یا اسے دیکھا جاتے جس نے ملایا ہے اور اس کے عمل کو دوسرے کے حق کو فوت کرنے والا قرار دیا جائے اور یہ دونوں باتیں (ماننے سے) بہت بعید ہیں یہ بات مثلی چیزوں میں واضح ہے کیونکہ مثلی چیزیں کسی کا مال ضائع کرنے کی صورت میں کسی عقد کے بغیر عوض بن جاتی ہیں۔

اگر کوئی مکان دوسرے مکانات میں، یا غلام دوسرے غلاموں میں مشتبہ ہو جائے تو مصالحت اور باہمی رضامندی کے علاوہ کوئی صورت نہیں اگر وہ بعینہٖ اپنا حق ہی لینا چاہیئے اور یہ شخص اس پر قادر نہ ہو جب کہ دوسرا آدمی اس پاس کی تمام ملک برباد کرنا چاہتا ہو اگر تمام قیمت میں برابر ہوں تو اس کا طریقہ یہ ہے کہ قاضی تمام مکانات کو بیچ دے قیمت سب پر متناسب طریقے پر تقسیم کر دے اگر قیمت مختلف ہو جو آدمی بیچنے کا مطالبہ کرتا ہے اس سے سب سے اعلیٰ مکان کی قیمت وصول کر کے بیع کا انکار کرنے والے کو ادنیٰ مکان کی قیمت دے دے اور جو کچھ ان دونوں کے درمیان ہے اس میں (مدعی کے) بیان (دونوں کی) صلح تک توقف کرے کیونکہ یہ مشکل مسئلہ ہے اگر قاضی نہ ملے تو جو شخص حرام سے بچنا چاہتا ہے اور کل مال پر قابض ہے وہ خود ذمہ داری اٹھائے یہی مصلحت ہے اس کے علاوہ جو کچھ ہے وہ کمزور احتمالات ہیں ہم انہیں اختیار نہیں کرتے اور جو کچھ گزر گیا وہ علت پر تنبیہ ہے گندم میں یہ بات ظاہر ہے اور نقدی میں اس سے کم اور سامان میں زیادہ دقیق ہے کیونکہ بعض، بعض کا بدل نہیں ہو سکتا اسی لیے بیع کی ضرورت ہوتی ہے ہم کچھ مسائل بیان کرتے ہیں اس کے ساتھ اس اصل کا بیان مکمل ہو جائے گا۔

مسئلہ:

ایک شخص کچھ دوسرے لوگوں کے ساتھ وارث ہوا اور بادشاہ نے ان کے مورث کی زمین غصب کی تھی اب اس نے زمین کا ایک خاص ٹکڑا واپس کیا تو یہ تمام ورثا کا ہوگا اور اگر اس زمین کا نصف واپس کیا تو اس کے حصہ کے مطابق ہوگا اور اس میں بھی تمام وارث شریک ہوں گے کیونکہ اس کا نصف ممتاز نہیں کہ کہا جائے کہ صرف اسی کا حق واپس ہوا ہے اور باقی مال مغصوب ہے، اور اگر بادشاہ اپنے ارادے اور نیت سے دوسروں کے حصے کو غصب میں منحصر کر دے تو بھی یہ ممتاز نہیں ہوگا۔

مسئلہ:

جب کسی آدمی کے پاس ظالم بادشاہ سے مال آیا پھر اس نے توبہ کر لی اور وہ مال زمین ہے اور اس سے آمدنی بھی حاصل ہوتی ہو تو اسے چاہیئے کہ اس مدت کے مطابق اس کی اجرت کی مثل کا شمار کر کے مالک کو دے اسی طرح ہر مغصوب جس سے کوئی نفع یا آمدنی حاصل ہوتی ہو تو جب تک اس مغصوب کا کرایہ مالک کو نہ دے اس کی توبہ صحیح نہ ہو گی۔ غلام، کپڑوں اور برتنوں یا ان کی طرح کی دوسری اشیاء جن کی اجرت کا رواج نہیں ہے یہ نہایت مشکل مسئلہ ہے اور یہ اجتہاد اور اندازے سے معلوم ہو سکتا ہے، اسی طرح تمام قیمتوں کا اندازہ سوچ بچار سے ہو گا۔

نوٹ:۔ احناف کے نزدیک منافع کی ضمان نہیں ہوتی یعنی جو نفع اٹھایا ہے اس کی ضمان نہیں ہوتی۔ ۱۲ ہزاروی اور تقویٰ کا تقاضا یہ ہے کہ کم از کم اجرت وصول کرے اور اگر اس نے ادھار اشیاء لے کر سودا کیا اور یوں مال مغصوب سے نفع حاصل کیا اور اسی سے قیمت ادا کی تو یہ چیزیں اس کی ملک ہوں گی لیکن اس میں شبہ ہو گیا کیونکہ اس نے حرام مال سے قیمت ادا کی ہے جیسے پہلے گزر چکا ہے اور اگر بعینہ مغصوب مال سے قیمت ادا کرے تو یہ بیع فاسد ہو گی اور کہا گیا ہے جس کا مال غصب کیا ہے وہ اجازت دے دے تو یہ بیع صحیح ہو گی کیونکہ یہ مصلحت کا تقاضا ہے اور اب یہ اشیاء مالک کی ہوں گی غاصب کی نہ ہوں گی نیز قیاس کا تقاضا یہ ہے کہ اس قسم کے سودے توڑ دیئے جائیں اور قیمت واپس لے کر وہ اشیاء بیچنے والے کو لوٹا دی جائیں اور اگر زیادہ ہونے کی وجہ سے اس سے عاجز ہو تو یہ حرام مال نہیں جو اس کے قبضے میں آتے ہیں تو مغصوب منہ (جس کا مال ہے) کے لیے اصل مال کے مطابق ہو گا اور زائد حرام ہو گا اور اسے الگ کرنا ضروری ہو گا تاکہ صدقہ کر دے۔ یہ مال غاصب اور مالک دونوں میں سے کسی کے لیے حلال نہیں ہو گا بلکہ اس کا حکم وہی ہے جو ہر اس حرام مال کا ہوتا ہے جو کسی آدمی کے ہاتھ آجائے۔

مسئلہ:

کوئی شخص کسی مال کا وارث بنے اور اسے معلوم نہ ہو کہ اس کے مورث نے یہ مال کہاں سے کمایا اور کیا یہ حلال سے ہے یا حرام؟ اور وہاں کوئی علامت بھی نہ ہو تو اس پر علماء کا اتفاق ہے کہ یہ حلال ہے اور اگر معلوم ہو جائے کہ اس میں حرام بھی ہے لیکن اس کی مقدار میں شک ہو تو سوچ بچار کر کے حرام مقدار نکال دے اگر حرام ہونا معلوم نہ ہو لیکن یہ بات ہو کہ اس کا مورث بادشاہوں کے ہاں کام کرتا تھا اور یہ بھی احتمال ہو کہ وہ اپنے کام پر کچھ نہیں لیتا تھا یا لیتا تو تھا لیکن مدت دراز گزر جانے کی وجہ سے وہ اس کے پاس باقی نہیں رہا تو اس شبہ کی وجہ سے پرہیز کرنا اچھا ہے لیکن واجب نہیں ہے۔

اور اگر معلوم ہو کہ مال کا کچھ حصہ ظلماً حاصل ہوا تو سوچ بچار کر کے اتنی مقدار نکالنا لازم ہے بعض علماء فرماتے ہیں اس پر یہ مال علیحدہ کرنا لازم نہیں اور مورث گناہ گار ہو گا انہوں نے اس روایت سے استدلال کیا ہے کہ ایک

شخص جو بادشاہ کے کارندوں میں تھا انتقال کر گیا تو ایک صحابی رضی اللہ عنہ نے فرمایا اب اس کا مال اس کے وارث کے لیے پاک ہو گیا لیکن یہ روایت ضعیف ہے کیوں کہ انہوں نے صحابی کا نام نہیں لیا اور ہو سکتا ہے اس صحابی نے تساہل سے کام لیا ہو اور صحابہ کرام میں سے بعض اس طرح کرتے تھے لیکن صحابیت کے احترام میں ہم ان کا ذکر نہیں کرتے۔ اور کسی شخص کی موت اس مال کو کیسے حلال کرے گی جس کے بارے میں یقین ہے کہ اس میں حرام ملا ہوا ہے اور یہ مسئلہ کہاں سے لیا جائے گا؟ ہاں اگر یقین نہ ہو تو جائز ہے کہ کہا جائے اسے جس بات کا علم نہیں اس پر اس کا مواخذہ نہیں ہوگا لہٰذا جس وارث کو یقین سے معلوم نہ ہو اس کے لیے یہ مال حلال ہوگا۔

دوسری بحث:

مصرف کے بیان میں

جب حرام مال کو الگ کرے تو اس کی تین حالتیں ہیں۔

یا تو اس کا کوئی خاص مالک ہے تو اسے دے دے یا اس کے وارث کو دے اگر وہ غائب ہو تو اس کے آنے کا انتظار کرے یا اس تک پہنچائے اور اگر وہ چیز بڑھی ہے یا اس سے نفع حاصل ہوا ہے تو اس کے آنے تک نفع کو جمع کر رکھے۔

یا اس کا مالک غیر معین ہوگا اور خاص مالک کی واقفیت سے مایوس ہو گیا اور یہ بھی معلوم نہیں کہ وہ کسی وارث کو چھوڑ کر مرا یا نہیں؟ تو اس صورت میں مالک کی طرف لوٹانا ممکن نہیں لہٰذا جب تک معاملہ واضح نہ ہو جائے توقف کرے اور بعض اوقات مالکوں کی کثرت کی وجہ سے لوٹانا ممکن نہیں ہوتا جیسے مال غنیمت سے خیانت کی گئی تو مجاہدین کے بکھر جانے کے بعد انہیں جمع کرنے پر کیسے قادر ہوگا اور اس پر قادر بھی ہو جائے تو ایک دینار کو (مثلاً) ایک یا دو ہزار پر کیسے تقسیم کرے گا تو یہ مال صدقہ کرنا مناسب ہے۔

یا وہ مال، مال فے سے ہوگا یا اس مال سے جو مسلمانوں کے مصالح پر خرچ کرنے کے لیے ہوتا ہے تو اسے پلوں، مساجد اور سراؤں پر خرچ کیا جائے یا مکہ مکرمہ کے راستے میں چشموں پر خرچ کیا جائے۔ یا اس طرح کے مشترکہ امور پر خرچ کیا جائے۔ تاکہ عام مسلمان فائدہ اٹھائیں پہلی قسم کے حکم میں کوئی شبہ نہیں یا تو صدقہ کر دے اور پل بنا دے تو یہ کام قاضی کو کرنا چاہیے لہٰذا یہ شخص وہ مال قاضی کے حوالے کر دے اگر دیانت دار قاضی مل جائے اور اگر قاضی حرام کو حلال قرار دینے والا ہو تو اب اسے دینے کی وجہ سے یہ شخص اس صورت میں بھی ضامن ہوتا ہے جب وہ اسے ابتداءً وہ چیز دے جو قابلِ ضمان نہیں اور جب وہ اسے اس پر مسلط کر دے تو ضمان کیسے ساقط ہوگی بلکہ شہر کے کسی دیانت دار عالم کو اس کام کی ذمہ داری سونپے کیونکہ اسے مقرر کرنا اکیلے فیصلہ کرنے سے بہتر ہے اور اگر وہ نہ ملے تو خود یہ کام کرے کیوں کہ مقصود تو اس مال کو

صرف کرنا ہے۔ اور کسی خاص صرف کرنے والے کو ہم اس لیے تلاش کرتے ہیں کہ مصالح پر اس کو صرف کرنے کا معاملہ نہایت دقیق ہے لیکن ایسا آدمی نہ ملنے کی وجہ سے صرف کرنا چھوڑ نہ دے کیونکہ اگر وہ مل جاتا تو زیادہ سے زیادہ بہتر ہی ہوتا۔ اگر کہا جائے کہ حرام مال کو صدقہ کرنے کی دلیل کیا ہے اور جس چیز کا وہ مالک نہیں اسے کیسے صدقہ کر سکتا ہے؟ اور ایک جماعت نے اسے ناجائز قرار دیا ہے کیوں کہ یہ حرام ہے حضرت فضیل رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ ان کے پاس دو درہم آئے جب انہیں معلوم ہوا کہ یہ ناجائز طریقے سے آئے ہیں تو انہوں نے پتھروں میں پھینک دیا اور فرمایا میں پاک مال ہی صدقہ کروں گا اور میں جس چیز کو اپنے لیے پسند نہیں کرتا دوسرے کے لیے بھی پسند نہیں کرتا ــــــ تو اس کے جواب میں ہم کہتے ہیں ہاں اس کی ایک وجہ اور احتمال ہے لیکن ہم نے حدیث، اقوال صحابہ اور قیاس کی وجہ سے اس کے خلاف موقف اختیار کیا ہے۔

حدیث یہ ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بکری کو صدقہ کرنے کا حکم دیا جو بھنی ہوئی آپ کے سامنے پیش کی گئی اور اس نے آپ سے کلام کرتے ہوئے کہا کہ وہ حرام ہے تو آپ نے فرمایا یہ قیدیوں کو کھلا دو (۱)

اور جب یہ آیت کریمہ نازل ہوئی۔

الٓمّٓ ○ غُلِبَتِ الرُّوْمُ فِیْٓ اَدْنَی الْاَرْضِ وَهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ غَلَبِهِمْ سَیَغْلِبُوْنَ۔ (۲)	اہل روم قریب کی زمین میں مغلوب ہو گئے اور وہ اس مغلوبیت کے بعد عنقریب غالب آئیں گے۔

تو (اس آیت کے نازل ہونے پر) مشرکین نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو جھٹلایا اور صحابہ کرام سے کہا کیا دیکھتے نہیں تمہارے ساتھی کیا کہہ رہے ہیں؟ ان کا خیال ہے کہ رومی عنقریب غالب آئیں گے تو حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے آپ کی اجازت سے شرط رکھی جب اللہ تعالیٰ نے آپ کو سچا کر دیا تو حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ وہ چیزیں لائے جو آپ نے کفار سے شرط کے طور پر مقرر کی تھیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ حرام ہے چنانچہ اسے صدقہ کر دیا (۳)

اور مسلمان اللہ تعالیٰ کی مدد پر خوش ہوئے اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو کفار سے شرط رکھنے کی اجازت دینے کے بعد جُوئے کی حرمت نازل ہوئی۔

اقوال صحابہ و تابعین

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے ایک لونڈی خریدی جب اس کا مالک نہ ملا کہ اسے قیمت ادا کرتے تو اسے بہت تلاش کیا لیکن کہیں بھی نہ ملا تو آپ نے قیمت صدقہ کر دی اور بارگاہِ

---

(۱) مسند امام احمد بن حنبل جلد ۵ ص ۲۹۴ مرویات ابوالسوار عن خالہ۔

(۲) قرآن مجید، سورۂ روم آیت ۱، ۲، ۳

(۳) جامع الترمذی ص ۴۵۹ ابواب التفسیر

خداوندی میں عرض کیا یا اللہ! یہ اس شخص کی طرف سے ہے اگر وہ راضی ہو ورنہ مجھے ثواب عطا فرما۔

حضرت حسن بصری رحمہ اللہ سے اس شخص کی توبہ کے بارے میں سوال کیا گیا جو مال غنیمت میں خیانت کرتا ہے لشکر کے منتشر ہونے کے بعد اس سے جو کچھ وصول کیا جاتا ہے اسے کہاں خرچ کیا جائے تو انہوں نے فرمایا اسے صدقہ کر دیا جائے۔

ایک روایت میں ہے کہ ایک شخص کے دل نے اسے ورغلایا تو اس نے غنیمت کے ایک سو دینار چوری کئے پھر اپنے امیر کے پاس آیا تاکہ واپس کر دے اس نے لینے سے انکار کر دیا اور کہا کہ لوگ تو منتشر ہو گئے ہیں وہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس آیا تو انہوں نے بھی لینے سے انکار کر دیا تو وہ ایک عابد کے پاس آیا تو اس نے کہا اس کا پانچواں حصہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ (جو مسلمانوں کے حکمران تھے) کو دے دو اور باقی صدقہ کر دو یہ بات حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ تک پہنچی تو افسوس کا اظہار کیا کہ ان کے دل میں یہ بات نہ آئی حضرت امام احمد بن حنبل، حضرت حارث محاسبی اور متقی لوگوں کی ایک جماعت کا یہی موقف ہے۔

قیاس:

یوں کہا جائے کہ اس مال کو یا تو ضائع کر دیا جائے یا کسی اچھے کام پر خرچ کیا جائے کیونکہ اس کے مالک کی امید باقی نہیں ہے اور یہ بات واضح ہے کہ اسے دریا میں ڈالنے کی نسبت اچھی جگہ خرچ کرنا زیادہ بہتر ہے اگر ہم اسے دریا میں ڈال دیتے ہیں تو ہم نے اپنا نقصان بھی کیا اور مالک کا بھی اور اس سے کوئی فائدہ بھی حاصل نہ ہوا اور اگر ہم اسے کسی فقیر کے حوالے کر دیں تو وہ اس کے مالک کے لیے دعا مانگے گا مالک کو اس کی دعا کی برکت حاصل ہوگی اور فقیر کی حاجت بھی پوری ہوگی اور مالک کو اس کے اختیار کے بغیر صدقہ کا ثواب ملنا ایسی بات ہے جس کا انکار کرنا مناسب نہیں۔ صحیح حدیث شریف میں ہے۔

اِنَّ لِلزَّارِعِ وَالْغَارِسِ اَجْرًا فِیْ کُلِّ مَا یُصِیْبُہُ النَّاسُ وَالطُّیُوْرُ مِنْ ثِمَارِہٖ وَزَرْعِہٖ (۱)	کھیتی باڑی کرنے والے اور درخت لگانے والے کو اس کا ثواب ملتا جو اس کے پھل یا کھیتی سے لوگوں اور پرندوں تک پہنچتا ہے۔

جہاں تک اس بات کا تعلق ہے کہ صدقہ تو دل کی خوشی سے ہوتا ہے اور یہ اس صورت میں ہے جب ہم اپنے لیے ثواب طلب کریں اور اس وقت ہم گناہ سے چھٹکارا حاصل کرنا چاہتے ہیں اجر نہیں اور ہمیں تردد ہے کہ ہم اس کو ضائع کر دیں یا صدقہ کریں؟ تو ہم نے ضائع کرنے پر صدقہ کرنے کو ترجیح دی۔

---

(۱) صحیح بخاری جلد ۲ ص ۸۸۹ کتاب الادب

اور یہ کہنا کہ ہم جو کچھ اپنے لیے پسند نہیں کرتے دوسرے کے لیے بھی پسند نہ کریں تو یہ بات ٹھیک ہے لیکن چونکہ ہمیں ضرورت نہیں لہٰذا یہ مال ہمارے لیے حرام ہے اور فقیر کے لیے حلال ہے کیوں کہ شرعی دلیل نے اس کے لیے حلال قرار دیا۔ اور جب مصلحت کا تقاضا ہو کہ اسے حلال قرار دیا جائے تو اسے حلال ہی قرار دینا چاہیے جب (فقیر کے لیے) حلال ہوا تو ہم اس کے لیے حلال چیز پر راضی ہوئے اور ہم کہتے ہیں کہ اگر وہ فقیر ہو تو وہ اپنے آپ پر اور اہل و عیال پر خرچ کرے۔ جہاں تک اس کے اہل و عیال کا تعلق ہے تو یہ بات مخفی نہیں کیوں کہ وہ اس کے اہل وعیال ہیں لہٰذا وہ بھی فقیر نہیں بلکہ وہ صدقہ کے زیادہ مستحق ہیں اور وہ بھی حاجت کے مطابق لے سکتا ہے کیوں کہ وہ بھی فقیر ہے اگر وہ کسی فقیر کو صدقہ دے دے تو جائز ہے تو اسی طرح خود فقیر ہو تو وہ بھی لے سکتا ہے اس ضابطے کے مطابق ہم کچھ مسائل ذکر کرتے ہیں۔

مسئلہ:

جب کسی شخص کے پاس بادشاہ کی طرف سے مال آئے تو ایک جماعت کا خیال ہے کہ اسے بادشاہ کی طرف لوٹا دے کیونکہ وہ جانتا ہے کہ اسے کہاں خرچ کرنا ہے لہٰذا صدقہ کرنے کے مقابلے میں واپس کرنا زیادہ بہتر ہے حضرت حارث محاسبی نے اسی بات کو اختیار کیا ہے اور فرمایا کہ وہ اسے کیسے صدقہ کر سکتا ہے؟ ہو سکتا ہے کہ اس کا کوئی خاص مالک ہو اگر یہ بات جائز ہوتی تو یہ بھی جائز ہوتا کہ وہ بادشاہ سے چوری کر کے اسے صدقہ کر دے۔ ایک جماعت کا خیال ہے کہ اگر اسے معلوم ہو کہ بادشاہ اسے مالک تک نہیں پہنچائے گا تو واپس نہ کرے کیوں کہ یہ ظلم پر مدد کرنا ہے اور اس کے ظلم کے اسباب کو بڑھانا ہے لہٰذا اسے واپس دینا مالک کے حق کو ضائع کرنا ہے۔

مختار بات یہ ہے کہ اگر اسے بادشاہ کی عادت معلوم ہو کہ وہ مالک کی طرف نہیں لوٹاتا تو مالک کی طرف سے صدقہ کر دے کیونکہ یہ مالک کے حق میں بہتر ہے یہ اس صورت میں ہے جب مالک معین ہو بادشاہ کی طرف لوٹانے سے یہ بات بہتر ہے کیوں کہ بعض اوقات مالک معین نہیں ہوتا اور یہ مسلمانوں کا حق ہوتا ہے تو اس صورت میں بادشاہ کو دینا مسلمانوں کے حق کو ضائع کرنا ہے اگر اس کا مالک معین ہو تو بادشاہ کی طرف لوٹانا مال کو ضائع کرنا اور ظالم بادشاہ کی مدد کرنا ہے۔ نیز اس طرح مالک فقیر کی دعا کی برکت سے محروم ہو جاتا ہے اور یہ ظاہر ہے اور جب اس کے پاس وراثت کا مال آئے اور اس نے بادشاہ سے لینے میں کوئی زیادتی نہیں کی تو یہ گمشدہ مال کے مشابہ ہے جس کے مالک کی پہچان سے مایوسی ہو گئی کیونکہ اس (گمشدہ مال جو کسی کو ملا) کو مالک کی طرف سے صدقہ نہیں کر سکتے البتہ وہ اس کا مالک بن سکتا ہے۔

اگرچہ وہ مالدار ہے یعنی جب جائز طریقے پر حاصل کی ہو مثلاً پڑی ہوئی چیز اٹھائی لیکن یہاں جائز طریقے پر مال حاصل نہیں ہوا لہٰذا مالک بننے کی نسبت صدقہ کرنے کو ترجیح حاصل ہو گی۔

مسئلہ:

جب اسے ایسا مال حاصل ہو جس کا کوئی مالک نہ ہو تو ہم اس کی محتاجی کی بنیاد پر ضرورت کے مطابق لینا جائز قرار

دیتے ہیں اور حاجت کی مقدار میں بحث ہے جسے ہم نے اسرارِ زکوٰۃ کے بیان میں ذکر کیا ہے ایک جماعت کہتی ہے کہ وہ اپنی اور گھر والوں کی سال بھر کفایت کے مطابق لے لے۔ اگر وہ اس سے کوئی زمین خرید سکے یا تجارت کر سکے جس کے ذریعے اہل وعیال کے گزر اوقات کا سامان کر سکے تو ایسا کرے حضرت محاسبی نے اسی بات کو اختیار کیا ہے لیکن انہوں نے فرمایا کہ اگر وہ توکل کر سکتا ہے تو بہتر یہ ہے کہ اس سب مال کو صدقہ کر دے اور حلال مال کے لیے اللہ تعالیٰ کے لطف وکرم کا منتظر رہے اور اگر وہ توکل پہ قادر نہ ہو تو اس کے لیے جائز ہے کہ وہ زمین خریدے یا اصل مال سے مناسب طریقے پر گزر اوقات کرے اور جس دن حلال مال حاصل ہو اس دن اس سے رک جائے اور جب ختم ہو جائے تو دوبارہ اس کی طرف رجوع کرے اور جب معین ومقرر حلال مال حاصل ہو تو اس سے پہلے جو کچھ خرچ کیا اس قدر صدقہ کر دے اور اور یہ اس کے ذمہ قرض رہے گا اگر ممکن ہو تو اس سے روٹی کھائے اور گوشت نہ کھائے ورنہ گوشت کھا سکتا ہے لیکن عیاشی کے طور پر نہ کھائے ــــ یہ جو کچھ محاسبی نے ذکر کیا اس پر کچھ اضافہ نہیں کیا اس پر کچھ اضافہ نہیں کیا جا سکتا لیکن اس نے جو کچھ خرچ کیا اسے قرض قرار دینا قابل غور ہے یقیناً تقویٰ کے مطابق اسے قرض قرار دیا جا سکتا ہے لیکن جب اس فقیر پر یہ واجب نہیں جسے قرض دیا گیا تو جب اس شخص نے فقیر کی وجہ سے لیا ہے تو اس پر قرض کیوں ہوگا خاص طور پر جب مال وراثت سے اس کے پاس آیا ہو اور اس نے غصب اور کمانے میں کسی پر ظلم نہیں کیا کہ اس پر اس معاملے میں سختی کی جائے۔

مسئلہ:

جب کسی آدمی کے پاس حلال وحرام جمع ہو یا حلال کے ساتھ مشتبہ مال بھی ہو اور یہ سب اس کی حاجت سے زائد نہ ہو پس اگر اس کے اہل وعیال بھی ہوں تو اپنے آپ کو حلال تک محدود رکھے کیوں کہ اس کے غلام، گھر والوں اور چھوٹے بچوں کی نسبت خود اس کی اپنی ذات کے بارے میں باز پرس زیادہ ہوگی، اور بالغ اولاد کو بھی حرام سے بچائے اگر اس سے بڑھ کسی بات تک نوبت نہ پہنچی ہو اگر زیادہ خرابی تک لے جائے تو انہیں ضرورت کے مطابق کھلائے۔ خلاصہ یہ کہ جو بات دوسروں کے حق میں ممنوع ہے وہ اس کے حق میں زیادہ ممنوع ہے یعنی علم کے باوجود اسے کھاتا ہے جب کہ اولاد بعض اوقات لاعلمی کی وجہ سے معذور سمجھی جاتی ہے کیونکہ یہ ان کے اختیار میں نہیں تو آدمی کو چاہیئے کہ پہلے خود حلال کھائے پھر گھر والوں کو کھلائے۔

جب اپنی ذات سے متعلق رزق اور لباس اور دوسرے اخراجات مثلاً حجام، رنگریز، دھوبی، بوجھ اٹھانے والے کی اجرت، چونا اور تیل کا استعمال، مکان کی تعمیر، جانور کا چارہ وغیرہ تنور گرم کرانا، لکڑیوں کی قیمت اور چراغ کے تیل وغیرہ (کی قیمت) میں تردد ہو تو حلال مال کو اپنے رزق اور لباس پر خرچ کرے کیونکہ جو کچھ اس کے بدن سے متعلق ہے، اور وہ اس کے لیے ضروری ہو تو

اس کا پاک ہونا بہتر ہے اور جب روزی اور لباس کے درمیان تردد ہو تو کہا جا سکتا ہے کہ حلال مال کو روزی کے ساتھ خاص کرے کیوں کہ وہ اس کے گوشت اور خون کے ساتھ مل جاتا ہے اور جو گوشت حرام سے بنے وہ آگ کے زیادہ لائق ہے جہاں تک لباس کا تعلق ہے تو اس کا فائدہ شرمگاہ کو ڈھانپنا اور اپنے جسم کو گرمی سردی اور لوگوں کے دیکھنے سے بچانا ہے میرے نزدیک زیادہ ظاہر بات یہی ہے اور حضرت حارث محاسبی فرماتے ہیں لباس کو مقدم رکھا جائے کیونکہ وہ ایک عرصہ تک باقی رہتا ہے جب کہ کھانا باقی نہیں رہتا اور سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے، آپ نے فرمایا:

لَا يَقْبَلُ اللّٰهُ صَلَاةَ مَنْ عَلَيْهِ ثَوْبٌ اِشْتَرَاهُ بِعَشَرَةِ دَرَاهِمَ فِيْهَا دِرْهَمٌ حَرَامٌ (۱)

اللہ تعالیٰ اس شخص کی نماز قبول نہیں کرتا جس نے ایسا کپڑا پہن رکھا ہو جو دس درھموں سے خریدا اور ان میں ایک درھم حرام کا تھا۔

یہ ایک احتمال ہے لیکن اس قسم کی احادیث ان لوگوں کے بارے میں آئی ہیں جن کے پیٹوں میں حرام مال جاتا ہے اور ان کا گوشت حرام سے پروان چڑھتا ہے (۲) اور گوشت اور ہڈی کا حلال مال سے بڑھنا اولیٰ ہے اسی لئے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے بے خبری میں جو دودھ پیا تھا اسے قے کر دیا تاکہ اس سے ایسا گوشت پیدا نہ ہو جو پائیدار اور باقی رہنے والا ہے۔

سوال:

جب سب مال اپنے مقاصد میں خرچ کرنا ہے تو اپنے اور غیر میں کیا فرق ہے نیز ایک جہت اور دوسری کے درمیان کیا فرق ہے نیز یہ فرق کہاں سے معلوم ہوا؟

جواب:-

یہ بات ایک روایت سے معلوم ہوتی ہے وہ یہ کہ حضرت رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ کا انتقال ہو گیا اور انہوں نے ایک پانی لانے والا اونٹ اور ایک سینگی لگانے والا غلام چھوڑا اس سلسلے میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا تو آپ نے سینگی لگانے والے کی کمائی سے منع فرما دیا (۳)

---

(۱) مسند امام احمد بن حنبل جلد ۲ ص ۹۸ مرویات ابن عمر۔

(۲) مسند امام احمد بن حنبل جلد ۳ ص ۳۹۹ مرویات جابر بن عبداللہ

(۳) مسند امام احمد بن حنبل جلد ۴ ص ۱۴۱ مرویات رافع بن خدیج

آپ سے کئی مرتبہ رجوع کیا گیا تو آپ نے منع فرمادیا آپ سے عرض کیا گیا کہ ان کے یتیم بچے ہیں (۱) آپ نے فرمایا پھر اس مال سے اونٹ کو چارہ کھلا دو تو حدیث آدمی کے اپنے کھانے اور جانور کے کھانے میں فرق پر دلالت کرتی ہے جب فرق کا راستہ واضح ہو گیا تو جو تفصیل ہم نے ذکر کی ہے اسے اس پر قیاس کیجئے۔

مسئلہ:

جو حرام مال کسی آدمی کے ہاتھ میں ہو اور وہ اسے فقراء پر صدقہ کرے تو اس میں کشادگی اختیار کرے اور جب اپنے اوپر خرچ کرے تو تنگی اختیار کرے اور جو کچھ اپنے اہل و عیال پر خرچ کرے اس میں میانہ روی سے کام لے تو فراخی اور تنگی کے درمیان معاملہ ہونا چاہیے اور یوں اس معاملے کے تین مرتبے ہوں گے یعنی اگر اس کے پاس کوئی مہمان آئے اور وہ مفلس ہو تو اس پر فراخی سے خرچ کرے اور اگر وہ مالدار ہو تو اسے کچھ نہ کھلائے البتہ اگر وہ جنگل میں ہو (جہاں کھانے کو کچھ نہیں ملتا) یا رات کے وقت آئے اور اسے کوئی چیز میسر نہ ہو تو اس وقت وہ فقیر ہے اور اگر وہ آنے والا فقیر مہمان متقی ہو اور اگر اسے یہ بات معلوم ہو (کہ یہ کھانا ایسا ہے) تو وہ اس سے پرہیز کرے تو کھانا بھی پیش کرے اور صورت حال بھی واضح کر دے تاکہ حق ضیافت بھی ادا ہو جائے اور دھوکہ دہی بھی نہ ہو۔

اپنے (مسلمان) بھائی کی تواضع ایسی چیز کے ساتھ نہیں ہونی چاہیے جسے خود ناپسند کرتا ہو اور یہ خیال نہ کرے کہ اسے تو علم نہیں لہذا اسے کیا نقصان ہوگا۔ کیوں کہ جب معدے میں حرام چیز جاتی ہے تو وہ دل کی سختی میں اثر کرتی ہے اگرچہ کھانے والا نہ جانتا ہو اسی لئے حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہما نے قے کر دی حالانکہ انہوں نے لاعلمی میں پیا تھا اگرچہ ہم نے اس قسم کے کھانے کو فقراء کے لیے حلال قرار دیا ہے لیکن حاجت کی بنیاد پر حلال ہونے کا فتویٰ دیا ہے تو یہ خنزیر اور شراب کی طرح ہے جب ہم انہیں ضرورت کے تحت حلال قرار دیں لہذا اسے پاک چیزوں کے ساتھ نہیں ملایا جا سکتا۔

مسئلہ:

جب حرام یا مشتبہ چیز اس کے ماں باپ کے پاس ہو تو ان کے کھانے سے پرہیز کرے اور اگر وہ ناراض ہوتے ہوں تو بھی محض حرام پر ان کی موافقت نہ کرے بلکہ ان کو روکے کیونکہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی میں مخلوق کی اطاعت نہیں ہو سکتی اور اگر شبہ والی چیز ہو اور اس کا رکنا تقویٰ کی بنیاد پر ہو تو اس کے مقابلے میں یہ بات ہے کہ ماں باپ کی رضا جوئی بھی تقویٰ ہے بلکہ یہ واجب ہے لہذا رکنے میں مناسب اور نرمی کا طریقہ اختیار کرے اور اگر ایسا نہ کر سکے تو (ان کی) موافقت کرے لیکن تھوڑا کھائے یعنی چھوٹے چھوٹے لقمے لے اور دیر تک چباتا رہے زیادہ کشادگی سے نہ کھائے کیوں کہ

(۱) المعجم الکبیر للطبرانی جلد ۲ ص ۹۵ حدیث ۲۲ ۸۴

یہ زیادتی ہے۔ بھائی اور بہن بھی اس کے قریب قریب ہیں کیونکہ ان کے حق کی بھی زیادہ تاکید کی گئی ہے اسی طرح جب اس کی ماں اسے شبہ کے مال سے لباس پہنائے اور واپس کرنے پر ناراض ہوتی ہو تو قبول کرلے اور اس کے سامنے پہن لے لیکن جب الگ ہو تو اتار دے اور کوشش کرے کہ ان کپڑوں میں نماز نہ پڑھے البتہ جب ماں کے سامنے ہو تو مجبوری کے تحت پڑھ لے اور جب تقویٰ کے اسباب باہم ٹکرا جائیں تو ان باریک باتوں کی تلاش کرکے ان پر عمل کرے۔

حضرت بشر رحمہ اللہ کے بارے میں منقول ہے کہ ان کی والدہ نے ان کو کھجور دی اور فرمایا کہ تمہیں میرے حق کی قسم اسے کھاؤ اور وہ ناپسند کرتے تھے انہوں نے کھالی پھر بالاخانے پر تشریف لے گئے ان کی ماں بھی پیچھے پیچھے گئیں انہوں نے دیکھا کہ وہ قے کررہے ہیں۔ انہوں نے اس لیے ایسا کیا کہ وہ ماں کی رضا اور معدے کی حفاظت دونوں باتیں چاہتے تھے۔ حضرت امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کو بتایا گیا کہ حضرت بشر رحمہ اللہ سے سوال کیا گیا کہ کیا شبہ والی چیز میں ماں باپ کا حکم ماننا چاہیے؟ انہوں نے فرمایا نہیں حضرت امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ نے فرمایا یہ سخت حکم ہے ان سے کہا گیا کہ حضرت محمد بن مقاتل عبادانی رحمہ اللہ سے اس بارے میں پوچھا گیا تو انہوں نے فرمایا ماں باپ سے اچھا سلوک کرو تو آپ کیا فرماتے ہیں؟ انہوں نے سوال کرنے والے سے فرمایا تم دونوں کی بات سن چکے ہو پس مجھے معاف رکھو پھر فرمایا بہتر یہ ہے کہ دونوں باتوں کا خیال رکھو (ماں باپ کی اطاعت بھی اور شبہے سے احتراز بھی)

مسئلہ:

جس شخص کے پاس حرام مال ہو اس پر نہ حج فرض ہے اور نہ مالی کفارے، کیونکہ وہ مفلس ہے اور اس پر زکوٰۃ بھی فرض نہیں ہے کیونکہ زکوٰۃ کا مفہوم یہ ہے کہ چالیسواں حصہ نکالا جائے اور اس پر تمام مال نکالنا واجب ہے یا تو مالک کی طرف لوٹائے اگر اس کے بارے میں علم ہو اور اگر اس کے بارے میں معلوم نہ ہو تو فقراء پر خرچ کرے۔

اور اگر مال میں شبہ ہو اور حلال کا بھی احتمال ہو تو جب تک وہ اسے نہ نکالے حج فرض ہوگا کیونکہ اس کا حلال ہونا ممکن ہے اور حج، فقر کی وجہ سے ساقط ہوتا ہے جب کہ اس کا فقر متحقق نہیں ہے۔

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

وَلِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ إِلَيْهِ سَبِيلًا (۱)

اور اللہ تعالیٰ کے لیے ان لوگوں پر بیت اللہ شریف کا حج فرض ہے جو اس کی طرف جانے کی طاقت رکھتے ہوں۔

اور جب اس پر فرض ہے کہ حاجت سے زائد صدقہ کردے جب اسے اس کے حرام ہونے کا غالب گمان ہو تو

(۱) قرآن مجید، سورۂ آل عمران آیت ۹۷

زکوٰۃ کی ادائیگی بدرجہ اولیٰ واجب ہوگی) اور اگر اس پر کفارہ لازم ہو تو روزے اور غلام کی آزادی کو جمع کرے تاکہ یقین کے ساتھ ادائیگی ہو۔ ایک جماعت کہتی ہے کہ اس پر روزہ لازم ہے کھانا کھلانا نہیں کیونکہ اسے یقینی طور پر فراخی حاصل نہیں۔

حضرت محاسبی فرماتے ہیں اسے کھانا کھلانا کفایت کرتا ہے اور ہمارا مختار قول یہ ہے کہ ہر وہ شبہ کہ ہم نے اس سے بچنا واجب قرار دیا ہے اور اسے اپنے قبضے سے نکالنے کا حکم دیا کیوں کہ اس میں حرام ہونے کا احتمال غالب ہے جیسا کہ ہم نے ذکر کیا تو ایسی صورت میں روزے اور کھانا کھلانے کو جمع کرنا واجب ہے روزہ اس لیے کہ وہ حکماً مفلس ہے اور کھانا کھلانا اس لیے کہ جب اس پر تمام مال صدقہ کرنا لازم ہے اور یہ بھی احتمال ہے کہ وہ مال اس کا اپنا ہو تو یہ لزوم، کفارہ کے طور پر ہوگا۔

مسئلہ:

جس شخص کے پاس حرام مال ہو جسے اس نے ضرورت کے لیے رکھ چھوڑا ہو اب وہ نفلی حج کرنا چاہتا ہے پس اگر وہ پیدل جاتا ہے تو کوئی حرج نہیں کیونکہ عنقریب وہ یہ مال غیر عبادت میں کھائے گا تو عبادت کے موقع پر کھانا اولیٰ ہے اور اگر پیدل چلنے پر قادر نہ ہو سواری کا محتاج ہو تو راستے میں ایسی حاجت کے لیے لینا جائز نہیں (جیسے شہر کے اندر اس مال سے) سواری خریدنا جائز نہیں اور اگر اسے توقع ہو کہ کچھ دن ٹھہرنے سے حلال مال مل جائے گا اور وہ باقی حرام مال سے بے نیاز ہو جائے گا تو حرام مال کے ساتھ پیدل حج کرنے سے یہ انتظار بہتر ہے۔

مسئلہ:

جو شخص فرض حج کے لیے ایسے مال کے ساتھ گیا جس میں شبہ تھا تو وہ کوشش کرے کہ اس کا کھانا حلال مال سے ہو اگر اس پر قادر نہ ہو تو احرام باندھنے کے وقت سے احرام کھولنے تک ہو، اگر اس کی طاقت بھی نہ ہو تو نویں ذوالحجہ (یوم عرفات) کو ایسے وقت میں اللہ تعالیٰ کے سامنے کھڑا نہ ہو اور نہ دعا مانگے جب اس کا کھانا اور لباس حرام مال سے ہو تو کوشش کرنی چاہیئے کہ پیٹ میں حرام کھانا نہ جائے اور نہ اس کی پیٹھ پر حرام (لباس) ہو ہم نے اگرچہ حاجت کی وجہ سے اسے جائز قرار دیا ہے لیکن یہ ایک قسم کی ضرورت ہے اور ہم نے اسے پاک چیزوں کے ساتھ نہیں ملایا اگر اس پر قادر نہ ہو تو اپنے دل میں خوف اور غم اختیار کرے کہ وہ غیر پاک کھانا کھانے پر مجبور ہوا قریب ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کی طرف نظرِ رحمت فرمائے اور اس کے غم، خوف اور ناپسندیدگی کے سبب اس سے درگزر فرمائے۔

مسئلہ:

حضرت امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ سے سوال کیا گیا سائل نے کہا کہ میرے والد کا انتقال ہو گیا ہے اور اس نے مال چھوڑا ہے اور وہ ایسے لوگوں سے معاملات کرتا رہا ہے جن سے معاملہ کرنا مکروہ ہے انہوں نے فرمایا نفع کی مقدار چھوڑ دو اس نے کہا اس کا دوسروں پر اور دوسروں کا اس پر قرض بھی ہے۔ فرمایا اس کے ذمے کا قرض ادا کرو

اور جو دوسروں کے ذمہ ہے وہ وصول کروا اس نے پوچھا کیا آپ اسے جائز سمجھتے ہیں ؟ فرمایا کیا تم اسے قرض میں پھنسا ہوا دیکھنا چاہتے ہو ؟ حضرت امام احمد رحمہ اللہ کا یہ جواب صحیح ہے اور یہ اس بات پر دلالت ہے کہ انہوں نے حرام مقدار نکالنے کے لیے غور وفکر کو جائز قرار دیا۔ کیوں کہ آپ نے فرمایا نفع کی مقدار نکال دے نیز آپ کے نزدیک اصل مال کا وہ مالک ہو جائے گا کیونکہ اس نے فاسد معاملات میں جو عوض دیا اور بعض اوقات تصرفات زیادہ ہوتے ہیں اور مال واپس لوٹانا مشکل ہوتا ہے لہذا یہ ان کے بدلے میں مجرا ہو گیا اور قرض کی ادائیگی میں انہوں نے اس پر یقین کیا لہذا شبہے کی بنیاد پر اس مال کو چھوڑا نہیں جائے گا۔
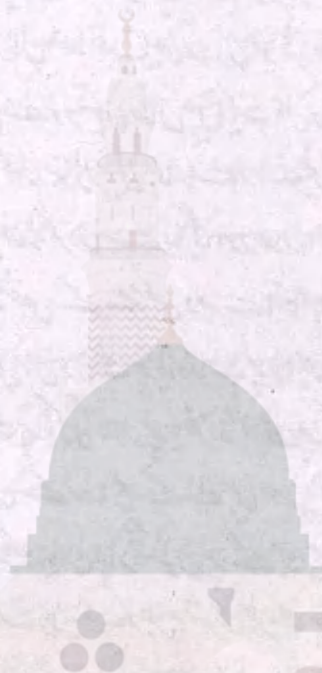
پانچواں باب

بادشاہوں کے وظائف اور انعامات ہیں کونسے حلال اور کونسے حرام

جان لو کہ جو شخص بادشاہ سے مال لیتا ہے اسے تین باتوں کا خیال رکھنا چاہیئے (۱) وہ مال بادشاہ کے پاس کس آمدنی کے ذریعے آیا (۲) یہ خود کسی طریقے پر اسے لینے کا حقدار ہوا (۳) وہ جتنی مقدار لیتا ہے اگر اسے اس کی حالت کی نسبت یا استحقاق میں اس کے ساتھ دوسرے شریکوں کی حالت کی نسبت سے دیکھا جائے تو کیا وہ اس کا مستحق بنتا ہے۔

پہلی بحث:

بادشاہ کی آمدنی کے ذرائع

غیر آباد زمین کو آباد کرنے کے علاوہ جو کچھ بادشاہ کے لیے حلال ہے اور اس میں رعایا شریک ہے اس کی دو قسمیں ہیں۔

(۱) کفار سے حاصل کیا گیا، اور یہ مال غنیمت ہے جو غلبے کے طور پر لیا گیا اور مال فے جو لڑائی کے بغیر کفار کے مال سے حاصل ہوتا ہے اس کے علاوہ جزیہ اور مالِ مصالحت یعنی وہ مال جو شروط اور معاہدات کے ذریعے حاصل ہوتا ہے۔

(۲) وہ مال جو مسلمانوں سے لیا گیا اس سے دو قسمیں حلال ہیں ایک مال وراثت اور اس کے علاوہ وہ زمینیں جن کا کوئی مالک متعین نہ ہو دوسرا مال اوقاف جس کا کوئی متولی نہیں ہمارے زمانے میں صدقات نہیں پاتے جاتے اس کے علاوہ وہ خراج (ٹیکس) جو مسلمانوں پر مقرر کیا گیا یا غنڈہ گردی سے لیا گیا اور علاوہ ازیں رشوت کی تمام صورتیں حرام ہیں۔

جب بادشاہ کسی عالم یا کسی دوسرے شخص کے لئے کسی وجہ سے انعام یا صلہ یا خلعت وغیرہ لکھے تو وہ آٹھ حالتوں سے خالی نہیں ہے۔ یا تو جزیہ کی آمدنی پر لکھے گا یا مال وراثت پر یا اوقاف پر یا ایسی ملکیت پر جسے بادشاہ نے زندہ کیا یا جسے اس نے خریدا یا مسلمانوں کا خراج وصول کرنے والے پر یا کسی تاجر پر یا خزانۂ خاص پر لکھے گا۔

(۱) جزیہ — جس کے چار خمس مسلمانوں کے مصالح کے لیے ہیں اور پانچواں خمس خاص اور معینہ مصارف کے لیے ہے پس جو کچھ ان مصارف کے خُمس پر لکھے یا ان چار خُمسوں پر لکھے جن میں مسلمانوں کی بہتری ہے اور اس کی مقدار میں احتیاط برتی جائے تو یہ جائز ہے لیکن شرط یہ ہے کہ جزیہ شرعی طریقے پر مقرر کیا گیا ہو وہ ایک دینار یا چار دینار (دو سالانہ) سے زیادہ نہ ہو اور یہ بھی محل اجتہاد میں ہے اور جس بات میں اختلاف ہو وہاں بادشاہ کو اختیار ہوتا ہے۔

اور یہ بھی شرط ہے کہ جس ذمی سے جزیہ لیا جائے وہ ایسے طریقے پر کمانے والا ہو جو اس کے علم کے مطابق حرام نہیں ہے بادشاہ کا عامل ظالم نہ ہو نہ شراب بیچتا ہو نہ بچہ ہو اور نہ عورت کیوں کہ ان دونوں پر جزیہ نہیں۔

جزیہ مقرر کرنے کی کیفیت سے متعلق ان امور کی رعایت ضروری ہے جس کو دیا جائے اس کا وصف معلوم ہو نیز کس قدر دیا جاتے تو ان تمام امور کو سامنے رکھنا ضروری ہے۔

۲۔ میراث اور لاوارث اموال ۔ یہ مسلمانوں کے مفاد عامہ کے لیے ہوتے ہیں تو دیکھنا چاہیئے کہ جس شخص نے مال چھوڑا ہے کیا اس کا تمام مال حرام ہے یا اکثر یا کمتر مال حرام ہے اور اس کا حکم گزر چکا ہے۔ اگر وہ حرام نہ ہو تو اب صرف اس شخص کی صفت کو دیکھنا باقی ہے جس کو دیا جا رہا ہے کہ اسے دینے میں کوئی بھلائی ہے؛ پھر جو کچھ دیا ہے اس کی مقدار کو بھی دیکھا جائے۔

۳۔ اوقاف :۔ جس طرح مال وراثت میں دیکھا جاتا ہے اس میں بھی دیکھنا ضروری ہے لیکن یہاں ایک بات کا اضافہ ہے اور وہ وقف کرنے والے کی شرط ہے تاکہ جو کچھ لیا گیا وہ سب واقف کی شرائط کے موافق ہو۔

۴۔ جس زمین کو بادشاہ نے آباد کیا ۔ اس میں کوئی شرط نہیں کیونکہ بادشاہ اپنی ذاتی ملکیت میں جو چاہے جس قدر چاہے جس کو چاہے دے سکتا ہے البتہ یہ بات دیکھنا ہوگی کہ بادشاہ نے مزدوروں کو زبردستی پکڑ کر تو اسے آباد نہیں کیا یا انہیں حرام مال سے تو اجرت نہیں دی کیوں کہ زمین کو آباد کرنے کے لیے نہریں کھودی جاتی ہیں، دیواریں بنائی جاتی ہیں اور زمین کو برابر کیا جاتا ہے اور یہ تمام کام بادشاہ خود نہیں کرتا اگر ان لوگوں کو اس کام پر مجبور کیا گیا تھا تو بادشاہ اس زمین کا مالک نہیں ہے اور یہ حرام ہے اور اگر انہیں اجرت پر حاصل کر کے حرام مال سے اجرت دی ہو تو اس سے شبہ پیدا ہوتا ہے جس کے بارے میں ہم نے معاوضات میں کراہت سے متعلق، بحث میں لکھ دیا ہے۔

۵۔ بادشاہ نے جو زمین، کپڑے، خلعت اور گھوڑے وغیرہ ادھار خریدے ہوں وہ اس کی ملک ہیں اور اسے ان میں تصرف کا حق ہے لیکن اگر ان کی قیمت حرام مال سے دے گا تو اس سے بعض اوقات حرمت ثابت ہوتی ہے اور کبھی شبہ پیدا ہوتا ہے اور اس کی تفصیل گزر چکی ہے۔

۶۔ عامل جو مسلمانوں سے خراج وصول کرتا ہے یا وہ جو مال غنیمت لیتا ہے یا جو غنڈہ گردی کے ذریعے لیتا ہے اگر ان لوگوں کو لکھ دے تو یہ مال حرام محض ہے جس میں کوئی شبہ نہیں آج کل کی اکثر جاگیریں ایسی ہی ہیں البتہ عراق کی زمینیں ایسی نہیں ہیں، حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ کے نزدیک یہ مسلمانوں کے مصالح کے لیے وقف کی گئی ہیں۔

۷۔ ایسے تاجر کے نام لکھے جو خود بادشاہ سے معاملہ کرتا ہے اگر وہ کسی اور سے معاملہ نہیں کرتا تو اس کا مال شاہی خزانے کے مال کی طرح ہے اگر بادشاہوں کے علاوہ لوگوں سے زیادہ معاملات کرتا ہے تو جو کچھ وہ (بادشاہ کے لکھنے پر) دے گا وہ بادشاہ پر قرض ہوگا اور وہ اسے خزانے سے وصول کرے گا تو یوں اس کے عوض میں خلل آگیا۔

اور حرام قیمت کا حکم گزر چکا ہے۔

۸۔ خزانہ خاص کو یا ایسے عامل کو لکھے جس کے پاس حلال و حرام جمع ہوتا ہے اگر بادشاہ کی آمدنی حرام ہی سے معروف ہو تو وہ محض حرام ہے اور اگر یقینی طور پر معلوم ہو کہ خزانہ حلال مال اور حرام مال دونوں پر مشتمل ہے اور اس بات کا احتمال ہو کہ جو کچھ اس کے حوالے کیا گیا وہ بعینہٖ حلال مال سے ہے اور دل اس احتمال کو قبول کرتا ہو اور یہ بھی احتمال ہو کہ یہ حرام سے ہے اور عام طور پر اسی طرح ہوتا ہے کیونکہ اس زمانے میں بادشاہوں کے عام مال حرام ہوتے ہیں اور حلال مال ان کے پاس یا تو بالکل نہیں ہوتا یا نادر ہوتا ہے تو اس میں اختلاف ہے ایک جماعت کہتی ہے کہ ہمیں جس چیز کے حرام ہونے کا یقین نہ ہو ہم اسے لے سکتے ہیں جب کہ دوسرے حضرات فرماتے ہیں کہ جب تک حلال ہونے کا یقین نہ ہو اس کا لینا جائز نہیں، کیوں کہ شبہ کبھی حلال نہیں ہوتا اور یہ دونوں قول حد سے بڑھنا ہے اور اعتدال وہ ہے جو ہم نے اس سے پہلے ذکر کیا ہے وہ یہ کہ جب زیادہ حرام ہو تو یہ حرام ہوگا اور اگر زیادہ حلال ہو لیکن حرام ہونے کا بھی یقین ہو تو اس مقام پر ہم نے توقف کیا ہے جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے۔

جن لوگوں نے بادشاہ کے اس مال کا لینا جائز قرار دیا ہے جس میں حرام بھی ہو اور حلال بھی، اور جب تک اس خاص لیے گئے مال کا حرام ہونا ثابت نہ ہو انہوں نے صحابہ کرام کی ایک جماعت سے متعلق روایت سے استدلال کیا ہے کہ انہوں نے ظالم بادشاہوں کا زمانہ پایا اور ان سے مال لیا ان میں حضرت ابوہریرہ، ابوسعید خدری، زید بن ثابت، ابوایوب انصاری، جریر بن عبداللہ، حضرت جابر، انس بن مالک، اور حضرت مسور بن مخرمہ رضی اللہ عنہم شامل ہیں۔

حضرت ابوسعید خدری اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہما نے مروان اور یزید بن عبدالملک سے مال لیا حضرت ابن عمر اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہم) نے حجاج بن یوسف سے مال لیا اور بہت سے تابعین نے لیا ان میں حضرت شعبی، حضرت ابراہیم، حضرت حسن بصری اور ابن ابی لیلیٰ رحمہم اللہ شامل ہیں حضرت امام شافعی نے ایک دفعہ ہارون الرشید سے ایک ہزار دینار لیے اور حضرت امام مالک رحمہ اللہ نے خلفاء سے بہت مال لیا۔

حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں بادشاہ جو کچھ تمہیں دے لے لو کیوں کہ وہ تمہیں حلال مال سے دیتا ہے اور جو کچھ اسے حلال کے ذریعے ملتا ہے وہ زیادہ ہے جن حضرات نے بادشاہوں کے عطیات نہیں لیے تو انہوں نے تقویٰ کی بنیاد پر ایسا کیا ہے انہیں اپنے دین پر اس بات کا خوف ہوا کہ کہیں اسے حرام چیز نہ دے دی جائے کیا تم حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کا قول نہیں دیکھتے جو انہوں نے حضرت احنف بن قیس سے فرمایا کہ جب تک دل مانے عطیہ قبول کرو، اور جب تمہارے دین کی قیمت بن جائے تو چھوڑ دو۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں جب ہمیں دیا جاتا ہے تو ہم قبول کرتے ہیں اور جب نہیں دیا جاتا تو مانگتے نہیں۔ حضرت سعید بن مسیب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جب حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ، حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ

کو عطیہ دیتے تو وہ خاموش ہو جاتے اور اگر نہ دیتے تو کچھ کہا کرتے تھے اور حضرت شعبی، حضرت مسروق رضی اللہ عنہ سے نقل کرتے ہیں عطیہ لینے والے ہمیشہ عطیہ لیتے رہیں گے حتی کہ وہ اسے جہنم میں داخل کردے گا یعنی یہ اسے حرام پر مجبور کرے گا یہ مطلب نہیں کہ یہ عطیہ لینا حرام ہے۔

حضرت نافع، حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہم اسے روایت کرتے ہیں کہ مختار انہیں عطیات بھیجا کرتا تھا اور وہ قبول کرتے تھے پھر فرماتے ہیں نہ تو کسی سے سوال کرتا ہوں اور نہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ملنے والے رزق کو رد کرتا ہوں وہ آپ کو اونٹنی کا تحفہ دیتا تو آپ قبول فرماتے اور اسے مختار کی اونٹنی کہا جاتا۔ لیکن یہ روایت اس روایت کے خلاف جس میں منقول ہے کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما مختار کے تحفہ کے علاوہ کسی دوسرے کا تحفہ رد نہیں کرتے تھے مختار کا تحفہ رد کرنے کے سلسلے میں جو روایت ہے وہ زیادہ ثابت ہے۔

حضرت نافع سے مروی ہے فرماتے ہیں ابن معمر نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کے پاس ساٹھ ہزار (درھم یا دینار) بھیجے تو آپ نے لوگوں میں تقسیم کر دیئے آپ کے پاس ایک سائل آیا تو آپ نے جن لوگوں کو عطیہ دیا تھا ان میں سے ایک سے قرض لے کر سائل کو دے دیا۔

جب حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہما حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس تشریف لے گئے تو انہوں نے فرمایا میں آپ کو ایسا انعام پیش کرتا ہوں جو میں نے آپ سے پہلے کسی عربی کو نہیں دیا۔ اور نہ آپ کے بعد کسی عربی کو دوں گا۔ پھر انہوں نے آپ کو چار لاکھ درھم دیئے اور آپ نے لے لیے۔

حضرت حبیب بن ابی ثابت رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں میں نے دیکھا کہ مختار، حضرت ابن عمر اور ابن عباس (رضی اللہ عنہم) کو عطیات دیتا اور وہ قبول فرماتے پوچھا گیا وہ کیا عطیہ ہوتا؟ فرمایا مال اور لباس حضرت زبیر بن عدی رحمہ اللہ فرماتے ہیں حضرت سلمان فرماتے ہیں جب تمہارا کوئی دوست عامل یا تاجر ہو اور وہ سود کا لین دین کرتا ہو اور تمہیں کھانے وغیرہ کی دعوت دے یا کوئی چیز دے تو قبول کرلو کیونکہ تمہارے لیے وہ بہتر ہے اور اس پر گناہ ہوگا، جب سود والے کی دعوت قبول کرنے کا جواز ثابت ہوا تو ظالم کا بھی یہی حکم ہے۔

حضرت جعفر رضی اللہ عنہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت امام حسن اور حضرت امام حسین رضی اللہ عنہما، حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا عطیہ قبول فرماتے تھے۔ حضرت حکیم بن جبیر فرماتے ہیں ہم حضرت سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ کے پاس سے گزرے اور وہ فرات کے نچلے علاقے پر عامل مقرر کیے گئے تھے انہوں نے عشر وصول کرنے والوں کے پاس پیغام بھیجا کہ جو کچھ تمہارے پاس ہے اس میں سے ہمیں بھی کھلاؤ۔ انہوں نے کھانا بھیجا تو حضرت سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ نے بھی اسے کھایا اور ہم نے بھی ان کے ہمراہ کھایا۔

حضرت علاء بن زہیر ازدی فرماتے ہیں حضرت ابراہیم نخعی میرے والد کے پاس آئے وہ اس وقت حلوان پر عامل تھے

انہوں نے انہیں عطیہ دیا تو انہوں نے قبول کر لیا حضرت ابراھیم نخعی فرماتے ہیں عاملین کا عطیہ قبول کرتے ہیں کوئی حرج نہیں کیونکہ وہ محنت کر کے رزق حاصل کرتے ہیں اور ان کے گھر میں حلال اور حرام دونوں طرح کا مال ہوتا ہے پس وہ جو کچھ تمہیں دیتا ہے وہ حلال مال سے دیتا ہے تو ان تمام حضرات نے ظالم حکمرانوں کے عطیات وصول کئے اور ان سب نے ان لوگوں کی مذمت (بھی) کی ہے جو اللہ تعالیٰ کی نافرمانی میں ان بادشاہوں کی اطاعت کرتے تھے۔

اس جماعت کا خیال ہے کہ اسلاف کی ایک جماعت جو ان عطیات سے پرہیز کرتی تھی تو یہ ان کے حرام ہونے کی دلیل نہیں بلکہ یہ ان کا تقویٰ تھا۔ جیسے خلفاء راشدین حضرت ابوذر غفاری اور دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جو مقام زہد پر فائز تھے ان لوگوں نے زہد کی بنیاد پر مطلق حلال سے بھی پرہیز کیا ہے اور تقویٰ کے طور پر اس حلال سے بھی اجتناب کیا جس سے ممنوع چیز تک پہنچنے کا ڈر تھا تو ان لوگوں کا عطیات لینا جواز پر دلالت ہے اور نہ لینا حرام ہونے کی دلیل نہیں ہے حضرت سعید بن مسیب رضی اللہ عنہ کے بارے میں جو کچھ منقول ہے کہ انہوں نے عطیات لینا جواز پہ دلالت ہے اور نہ لینا حرام ہونے کی دلیل نہیں ہے حضرت سعید بن مسیب رضی اللہ عنہ کے بارے میں جو کچھ منقول ہے کہ انہوں نے عطیات بیت المال میں جمع کر دیئے حتی کہ وہ تیس ہزار سے کچھ زائد ہو گئے اور وہ جو حضرت حسن رضی اللہ عنہ کے بارے میں منقول ہے انہوں نے فرمایا میں زرگر کے پانی سے وضو نہیں کروں گا اگرچہ نماز کا وقت تنگ ہو جائے کیونکہ مجھے اس کے مال کی اصل کا پتہ نہیں، تو یہ سب تقویٰ ہے جس کا انکار نہیں کیا جا سکتا تو اس سلسلے میں ان کی اتباع واضح اجازت کی نسبت بہتر ہے لیکن عموم جواز میں ان کی اتباع بھی حرام نہیں۔ تو یہ ان لوگوں کا شبہ ہے جو ظالم بادشاہ سے مال لینا جائز قرار دیتے ہیں۔

تو اس کا جواب یہ ہے کہ جو کچھ ان لوگوں کے بارے میں نقل کیا گیا کہ وہ عطیات لیتے تھے یہ محدود اور قلیل ہے جب کہ اس کے مقابلے میں ان کا رد کرنا اور نہ لینا زیادہ ہے اگر ان کا انکار تقویٰ پر مبنی ہو سکتا ہے تو جن لوگوں نے لیا ہے ان کے لینے میں تین احتمال ہو سکتے ہیں جن کے درجات مختلف ہیں کیونکہ تقویٰ کے درجات مختلف ہیں اس لیے کہ بادشاہوں کے حق میں تقویٰ کے چار درجات ہیں۔

پہلا درجہ:

ان کے مال سے کچھ بھی نہ لے جیسا کہ ان میں سے پرہیزگار لوگ کرتے ہیں اور جیسے خلفاء راشدین نے کیا حتی کہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے اس مال کا حساب لگایا جو بیت المال سے لیا تھا تو وہ چھ ہزار درہم نکلے تو آپ نے بیت المال کو دلوا دیئے۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ ایک دن بیت اللہ المال کا مال تقسیم فرما رہے تھے کہ آپ کی صاحبزادی حاضر ہوئیں اور اس مال میں سے ایک درہم لے لیا آپ اس کو پکڑنے کے لیے اس تیزی کے ساتھ اٹھے کہ آپ کے ایک کاندھے

سے چادر اتر گئی بچی روتی ہوئی گھر کے اندر چلی گئی اور درہم اپنے منہ میں ڈال لیا حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے ہاتھ ڈال کر وہ درہم نکال لیا اور خراج - (مال) میں ڈال دیا اور فرمایا اے لوگو! حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور آپ کی اولاد کے لیے اس میں اسی قدر ہے جتنا قریب یا دُور کے مسلمانوں کے لیے ہے۔

حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے بیت المال میں جھاڑو دیا تو ایک درہم پایا وہاں سے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا ایک بچہ گزر رہا تھا تو انہوں نے وہ درہم بچے کو دے دیا حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے بچہ کے ہاتھ میں درہم دیکھ کر استفسار فرمایا تو بچے نے کہا مجھے حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ نے دیا ہے آپ نے فرمایا اے ابو موسیٰ! تمہیں مدینہ طیبہ میں حضرت عمر کے گھر سے زیادہ حقیر گھر نظر نہیں آیا تم چاہتے ہو کہ حضور علیہ السلام کی امت میں سے کوئی آدمی باقی نہ رہے جو ہم سے اپنا حق طلب نہ کرے اور آپ نے وہ درہم بیت المال میں لوٹا دیا اس کے باوجود کہ یہ مال حلال تھا لیکن آپ کو خوف تھا کہ شاید اس کے مستحق نہ ہوں لہذا آپ اپنے دین کی حفاظت فرماتے ہوئے بہت کم پر اکتفا فرماتے تھے اور یوں آپ، سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد گرامی پر عمل کرتے تھے کہ مشکوک چیز کو چھوڑ کر اسے اختیار کرو جس میں شک نہ ہو۔ (۱)

نیز آپ کا ارشاد گرامی ہے کہ جس نے مشتبہ چیز کو چھوڑ دیا، اس نے اپنی عزت اور دین کو بچا لیا (۲)

نیز آپ نے سلطانی مالوں کے بارے میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے سخت باتیں سنی تھیں حتیٰ کہ جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عبادہ بن ثامت رضی اللہ عنہ کو صدقہ لینے بھیجا تو فرمایا۔

اے ابو الولید! اللہ تعالیٰ سے ڈرنا قیامت کے دن یوں نہ آنا کہ اونٹ تمہاری گردن پر سوار ہو اور وہ آواز نکال رہا ہو یا گائے ہو جو بول رہی ہو یا بکری ہو جو آواز دے رہی ہو انہوں نے عرض کیا یا رسول اس طرح ہو گا؟ آپ نے فرمایا اس ذات کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے اسی طرح ہو گا البتہ جس پر اللہ تعالیٰ رحم فرمائے انہوں نے عرض کیا اس ذات کی قسم جس نے آپ کو حق کے ساتھ بھیجا میں آئندہ کوئی ذمہ داری نہیں اٹھاؤں گا۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اِنِّی لَا اَخَافُ عَلَیْکُمْ اَنْ تُشْرِکُوْا بَعْدِیْ اِنَّمَا اَخَافُ عَلَیْکُمْ اَنْ	مجھے اس بات کا ڈر نہیں کہ تم میرے بعد شرک کرو گے بلکہ مجھے اس بات کا خوف ہے کہ مال کی حرص میں ایک

---

(۱) صحیح بخاری جلد اول ص ۲۷۵ کتاب البیوع

(۲) صحیح مسلم جلد ۲ ص ۲۸ کتاب المساقات

(۳) تاریخ ابن عساکر جلد ۷، ص ۲۱۳ ذکر من اسمہ عبادہ

تَنَافَسُوْا ۔ (۱) دوسرے سے آگے بڑھو گے۔

آپ نے مال کی حرص کا خوف فرمایا اسی لیے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے ایک طویل حدیث ہیں جس میں بیت المال کا ذکر ہے فرمایا میں اس مال سے اپنا تعلق اسی قدر سمجھتا ہوں جتنا کہ مال یتیم کے ساتھ اس کے ولی کا تعلق ہوتا ہے اگر مجھے ضرورت نہ ہو تو بچتا ہوں اور اگر ضرورت ہو تو مناسب طریقے پر کھاتا ہوں۔

ایک روایت میں ہے کہ حضرت طاؤس کے لڑکے نے ان کی طرف سے ایک جعلی خط بنا کر حضرت عمر بن عبد العزیز رضی اللہ عنہ کو دیا تو انہوں نے اسے تین سو دینار دے دیئے چنانچہ حضرت طاؤس نے اپنی زمین بیچ کر اس کی قیمت سے تین سو دینار حضرت عمر بن عبد العزیز کے پاس بھیجے۔ تو حضرت عمر بن عبد العزیز رضی اللہ عنہ جیسے متقی حکمران کی موجودگی میں یہ عمل تقویٰ کا اعلیٰ درجہ ہے۔

دوسرا درجہ:

وہ بادشاہ کا مال لے لیکن اس وقت لے جب یہ معلوم ہو کر جو کچھ اس نے لیا ہے یہ حلال طریقے کا ہے حکمران کا دوسرے حرام مال پر قبضہ اسے نقصان نہیں دیتا۔ صحابہ کرام کے جتنے اقوال و آثار نقل کئے گئے ہیں وہ سب یا ان میں سے اکثر اسی پر محمول ہیں یا جو اکابر اور پرہیز کرنے والے صحابہ کرام سے متعلق واقعات ہیں وہ اسی طرح کے ہیں جیسے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کا واقعہ ہے کیونکہ آپ تقویٰ میں بہت مبالغہ کرنے والوں میں سے تھے تو آپ بادشاہ کے مال کو کیسے سوچے سمجھے بغیر لیتے۔

حالانکہ آپ ان سب سے زیادہ بادشاہوں کے مالوں سے انکار کرتے والے اور سب سے زیادہ مذمت کرنے والے تھے۔ چنانچہ ایک مرتبہ لوگ ابن عامر کے پاس جمع ہوئے وہ بیمار تھے اور اس بات سے ڈر رہے تھے کہ کہیں اللہ تعالیٰ ان کی گرفت نہ فرمائے انہوں نے کہا ہم آپ کے بیے بہتری کے امیدوار ہیں آپ نے کنویں کھودے اور حاجیوں کو پانی پلایا اور فلاں فلاں کام کئے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ خاموش بیٹھے تھے انہوں نے فرمایا میں کہتا ہوں یہ اس وقت ہے جب کمائی نیک ہو اور نفقہ پاکیزہ ہو عنقریب تم جا کر دیکھ لو گے ۔ دوسری روایت میں اس طرح ہے کہ انہوں نے فرمایا حرام مال، حرام کا کفارہ نہیں بن سکتا۔ تمہیں بصرہ کا والی مقرر کیا گیا اور میرا خیال ہے کہ تم نے اس سے برائی ہی کمائی ہے ابن عامر نے کہا کیا آپ میرے لیے دعا نہیں کرتے؟

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا میں نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا آپ فرماتے تھے۔

لَا يَقْبَلُ اللّٰهُ صَلَاةً بِغَيْرِ طُهُوْرٍ وَلَا اللہ تعالیٰ طہارت کے بغیر نماز کو اور خیانت کے مال

---

(۱) صحیح بخاری جلد ۲ ص ۵۸۵ کتاب المغازی۔

صَدَقَۃً مِنْ غُلُوْلٍ ۔ (۱) سے صدقہ قبول نہیں فرماتا۔

اور تم بصرہ کے حکمران مقرر ہوئے۔

تو حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کا قول اس مال کے بارے میں تھا جو ابن عامر نے خیرات میں خرچ کیا۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کے بارے میں منقول ہے کہ انہوں نے حج کے دنوں میں فرمایا کہ جب سے دار الخلافہ لوٹا گیا اس دن سے آج تک میں نے کبھی سیر ہو کر کھانا نہیں کھایا۔

حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے بارے میں مروی ہے کہ ان کے پاس ایک سر بمہر برتن میں ستو تھے اور آپ ان سے پیتے تھے آپ سے پوچھا گیا کہ عراق میں کھانے پینے کی اشیاء کی فراوانی ہے پھر آپ ایسا کیوں کرتے ہیں؟ آپ نے فرمایا میں بخل (کنجوسی) کے طور پر اسے سر بمہر نہیں کرتا لیکن مجھے یہ بات ناپسند ہے کہ اس میں وہ چیز ڈال دی جائے جو اس سے نہ ہو اور مجھے یہ بات بھی پسند نہیں کہ میرے پیٹ میں کوئی ناپاک چیز داخل ہو۔ تو ان لوگوں سے یہ بات معروف تھی۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کو جب کوئی چیز اچھی معلوم ہوتی تو اسے اپنی ملک سے خارج کر دیتے ان سے حضرت نافع رضی اللہ عنہ (آپ کے غلام) تیس ہزار میں مانگے گئے تو آپ نے فرمایا مجھے ڈر ہے کہ ابن عامر کے درہم مجھے فتنے میں نہ ڈال دیں اور یہ مطالبہ ابن عامر نے ہی کیا تھا چنانچہ آپ نے حضرت نافع رضی اللہ عنہ کو آزاد کر دیا۔ حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں ہم میں سے ہر آدمی دنیا کی طرف مائل ہو گیا لیکن حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما مائل نہیں ہوئے۔

تو اس سے واضح ہوا کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما اور ان کے منصب کے دوسرے لوگوں کے بارے میں یہ گمان نہیں کیا جا سکتا کہ انہوں نے وہ مال لیا جس کے بارے میں انہیں معلوم نہ تھا کہ وہ حلال ہے۔

تیسرا درجہ:

جو کچھ بادشاہ سے لیتا ہے وہ اس لیے کہ اسے صدقہ کر دے یا مستحقین میں تقسیم کر دے کیونکہ جس چیز کا مالک متعین نہ ہو اس کا شرعی حکم یہی ہے اور اگر یہ بادشاہ سے نہ لیتا تو وہ خود تقسیم نہ کرتا اور اس مال کے ذریعے ظلم پر مدد حاصل کرتا تو ہم کہتے ہیں کہ اس مال کو لے کر تقسیم کر دینا بادشاہ کے ہاتھ میں چھوڑنے سے زیادہ بہتر ہے بعض علماء کرام کی یہی رائے ہے اور اس کی وجہ آگے بیان ہوگی۔ اور ان (اسلاف) میں سے اکثر نے جو کچھ لیا اسے اسی حکم پر محمول کیا جا سکتا ہے۔

اسی لیے حضرت ابن مبارک رحمہ اللہ نے فرمایا کہ جو لوگ آج کے زمانے میں شاہی عطیات لیتے ہیں اور حضرت ابن عمر

---

(۱) صحیح مسلم جلد اول ص ۱۱۹ کتاب الطہارۃ۔

اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہم کے عمل سے استدلال کرتے ہیں وہ ان حضرات کی اقتدا نہیں کر رہے کیوں کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے جو کچھ لیا اسے تقسیم کر دیا حتیٰ کہ اسی مجلس میں آپ کو قرض لینا پڑا جس میں آپ نے ساٹھ ہزار درہم تقسیم کیے تھے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بھی اسی طرح کیا۔ حضرت جابر بن زید رضی اللہ عنہ کے پاس مال آیا تو انہوں نے بھی تقسیم کر دیا اور فرمایا کہ میرے خیال میں ان لوگوں سے لے کر تقسیم کر دینا ان کے ہاتھوں میں چھوڑ دینے سے بہتر ہے۔ حضرت امام شافعی رحمہ اللہ نے جو کچھ ہارون الرشید سے قبول کیا اسے چند دنوں میں ہی تقسیم کر دیا حتیٰ کہ اپنے لیے ایک دانہ بھی نہ چھوڑا۔

چوتھا درجہ:

اس کا حلال ہونا ثابت نہ ہو اور وہ اسے تقسیم بھی نہ کرے بلکہ اپنے پاس رکھے لیکن ایسے بادشاہ سے ملے جس کا اکثر مال حلال ہو خلفائے راشدین کے بعد صحابہ کرام اور تابعین کے زمانے کے خلفاء اسی طرح کے تھے اور ان کا زیادہ مال حرام نہیں ہوتا تھا۔ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کا ارشاد گرامی کہ بادشاہ جو کچھ حاصل کرتا ہے اس کا اکثر حلال ہوتا ہے اس بات کی دلیل ہے۔ علماء کرام کی ایک جماعت نے اسے جائز قرار دیا کیونکہ انہوں نے اکثر پہ اعتماد کیا ہم نے اس سلسلے میں عام لوگوں کے مال میں توقف کیا ہے (کیونکہ یہ مال محدود ہوتا ہے)، اور بادشاہ کا مال حد حصر سے خارج معلوم ہوتا ہے (یعنی محدود نہیں ہے) تو بعید نہیں کہ کسی مجتہد کا اجتہاد اس بات کی طرف جائے کہ جب تک اس کے حرام ہونے کا یقین نہ ہو اسے لینا جائز ہے اور یہ زیادہ غالب پر اعتماد ہے، ہم تو اس صورت میں منع کرتے ہیں جب اکثر مال حرام ہو۔

جب تم نے ان درجات کو سمجھ لیا تو ثابت ہو گیا کہ ہمارے زمانے میں ظالم حکمرانوں کے عطیات ان عطیات کے قائم مقام نہیں ہو سکتے یہ عطیات دو قطعی وجہ سے ان سے جدا ہیں۔

(۱) ہمارے زمانے میں بادشاہوں کے تمام مال یا زیادہ حصہ حرام ہوتا ہے اور یہ کیسے حرام نہیں ہو گا جب کہ حلال مال تو صدقات، مالِ فے اور مالِ غنیمت ہے اور ان کا وجود نہیں اور ان میں سے کوئی چیز بادشاہوں کے پاس نہیں ہوتی۔ اب تو صرف جزیہ رہ گیا ہے اور وہ اس قسم کے مظالم کے ساتھ لیا جاتا ہے جن کے ساتھ اس کا لینا جائز نہیں کیوں کہ وہ جو کچھ لیتے ہیں اور جس سے لیتے ہیں دونوں کے بارے میں شرعی حدود سے بڑھ جاتے ہیں، اور شرائط کو بھی پورا نہیں کرتے پھر جب اس کی نسبت اس خراج کی طرف کی جائے جو وہ مسلمانوں پر ڈالتے ہیں یا غنڈہ گردی اور رشوت بلکہ ظلم کی مختلف صورتوں کے ذریعے لیتے ہیں تو یہ (جزیہ) ان کا عشر عشیر بھی نہیں ہوتا۔

۲۔ پہلے دور میں خلفائے راشدین کے زمانے سے قرب کی وجہ سے حکمران اپنے ظلم کا شعور رکھتے تھے اور صحابہ کرام اور تابعین کے دلوں کو اپنی طرف مائل کرنے کا شوق بھی رکھتے تھے اور اس بات کے حریص تھے کہ

وہ ان کے عطیات وغیرہ کو قبول کریں اور وہ ان سے مانگنے اور رسوائی اٹھانے کے بغیر ہی ان کے پاس بھیج دیتے تھے بلکہ ان کے قبول کرنے پر وہ ان کے احسان مند ہوتے اور خوش ہوتے تھے اور وہ (صحابہ کرام اور تابعین) ان سے لے کر تقسیم کر دیتے نیز وہ بادشاہوں کی اغراض کو تسلیم نہیں کرتے تھے نہ ان کی مجالس میں جاتے تھے اور نہ اس کی جماعت میں اضافے کا باعث بنتے تھے نہ ان حکمرانوں کے باقی رہنے کو پسند کرتے تھے بلکہ ان کے خلاف دعا کرتے تھے ان کی مذمت کرتے اور جو برائیاں ان میں دیکھتے ان کا رد کرتے تھے تو ان سے اس بات کا ڈر نہ تھا کہ جس قدر دنیوی مال وہ لیں گے اس قدر اپنا دین ضائع کر دیں گے تو (اس بنیاد پر) وہ لینے میں حرج نہیں سمجھتے تھے لیکن اب تو بادشاہ ایسے ہی عطیات دینے کی طرف مائل ہوتے ہیں جس سے یہ لالچ ہو کہ وہ ان کی خدمت کرے گا ان کی جماعت کے بڑھنے کا باعث بنے گا ان کے مقاصد کو پورا کرنے میں مددگار ہو گا ان کی مجالس میں شامل ہو کر ان کی رونق کو بڑھائے گا اور ہمیشہ ان کے حق میں دعا کرے گا، تعریف کرے گا، پاکیزگی بیان کرے گا اور سامنے بھی اور پیٹھ پیچھے بھی تعریف کے پل باندھے گا۔

(۱) اگر عطیات وصول کرنے والا مانگنے کے ذریعے اپنے آپ کو ذلیل ورسوا نہ کرے (۲) پھر اس کی خدمت میں مصروف بھی نہ ہو (۳) اس کی تعریف نہ کرے اور نہ اس کے لیے (اس وجہ سے) دعا مانگے اور (۴) نہ ہی اس کے مقاصد میں مدد کرے (۵) مجلس اور جلوس کے وقت ان کی تعداد بڑھانے کا موجب نہ بنے (۶) ان کے دشمنوں کے سامنے ان (بادشاہوں) سے محبت اور ان کی مدد کا اظہار نہ کرے اور (۷) نہ ان کے مظالم اور برے اعمال پر پردہ ڈالے تو وہ اسے ایک درہم بھی نہ دیں اگرچہ وہ (مثال کے طور پر) حضرت امام شافعی رحمہ اللہ جیسی فضیلت رکھتا ہو۔ تو اس صورت میں اس زمانے میں ان سے حلال مال بھی لینا جائز نہیں کیونکہ اس سے ان (مذکورہ بالا) امور کی طرف جانا پڑتا ہے تو جب معلوم ہوا کہ یہ حرام مال ہے یا اس میں شک ہو تو اس وقت میں لینا کیسے جائز ہو گا۔ اب جو آدمی ان لوگوں کے مال پر جرأت کرے اور اپنے آپ کو صحابہ کرام اور تابعین کے مشابہ قرار دے اس نے لوہاروں کو فرشتوں پر قیاس کیا۔ اگر ان سے مال لیا جائے تو ان سے میل جول رکھنا پڑے گا ان کی رعایت کرنا ہو گی ان کے افسروں کی خدمت کرنا ہو گی اور ذلت کا بھی احتمال ہو گا پھر ان کی تعریف کرنا اور بار بار ان کے دروازے پر جانا بھی پڑے گا اور یہ تمام کام گناہ ہیں جیسا کہ ہم آئندہ باب میں بیان کریں گے جب گذشتہ بحث سے ان (حکمرانوں) کی آمدنی کے ذرائع معلوم ہو گئے اور یہ کہ ان میں سے کونسا مال حلال ہے اور کونسا حلال نہیں ہے تو اب فرض کیجئے کہ کسی انسان کو اس کے استحقاق کے مطابق حلال مال میں سے گھر بیٹھے بٹھائے مل جائے اور اسے عاملوں کی خوشامد کی ضرورت نہ پڑے، نہ ان کی خدمت کرنی پڑے اور نہ ہی تعریف و توصیف کی ضرورت ہو تو، لینا حرام نہ ہو گا لیکن ان امور کی وجہ سے حرام ہو گا جن کا ذکر ہم آئندہ باب میں کریں گے۔

دوسری بحث:

کس قدر مال لیا جائے اور لینے والا کیسا ہو

ہم ان اموال کی بات کرتے ہیں جو مصالح کے اموال میں سے ہیں جیسے مال فے کے چار خُمس اور میراث کے مال کیونکہ جو مال ان کے علاوہ ہیں ان کے مستحقین بعض اوقات معین ہوتے ہیں جیسے وقف یا صدقہ ہو یا مال فے اور مال غنیمت کا خمس (یا پانچواں حصہ) ہو۔

جو مال بادشاہ کی ملکیت ہے مثلاً بنجر زمین کو آباد کیا یا کوئی چیز خریدی تو وہ اس میں سے جسے چاہے جتنا چاہے دے سکتا ہے اس لیے ہم ان اموال میں بحث کرتے ہیں جو مسلمانوں کے مفاد کے لیے ہیں جن کا اوپر ذکر ہوا تو ایسا مال وہاں ہی صرف ہو سکتا ہے جس میں مصلحت عامہ ہو یا کوئی ایسا شخص اس کا محتاج ہو جو کمانے سے عاجز ہے۔

لیکن مال دار آدمی کو دیتے ہیں اگر بہتری نہ ہو تو بیت المال کا مال اسے دینا جائز نہیں صحیح بات یہی ہے اگرچہ علماء کا اس میں اختلاف ہے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا کلام اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ بیت المال میں ہر مسلمان کا حق ہے کیونکہ وہ مسلمان ہے اور اس کے ذریعے مسلمانوں کی جماعت بڑھتی ہے لیکن اس قول کے باوجود آپ (بیت المال کا) مال عام مسلمانوں پر تقسیم نہیں کرتے تھے بلکہ ان لوگوں کو دیتے تھے جو کچھ صفات کے ساتھ مخصوص تھے۔

جب یہ بات ثابت ہو گئی تو ہر وہ شخص جو ایسے کام پر مقرر ہوتا ہے جس کا فائدہ مسلمانوں کو پہنچتا ہے اور اگر وہ کمانے میں مشغول ہو جائے تو وہ کام معطل ہو جائے تو اس شخص کو بقدر کفایت بیت المال سے دیا جا سکتا ہے اس میں تمام علماء شامل ہیں اس سے مراد وہ علماء ہیں جو مصالح دین سے متعلق ہیں جیسے علم فقہ، حدیث تفسیر اور قراءت، حتیٰ کہ اس میں معلمین اور موذن بھی شامل ہیں اور ان علوم کے طلباء بھی شامل ہیں کیوں کہ اگر ان کی ضرورتوں کو پورا نہ کیا جائے تو وہ علم حاصل نہیں کر سکیں گے۔ اس میں وہ سرکاری کارندے بھی شامل ہیں جن کے عمل سے دینوی مصالح وابستہ ہیں اور یہ وظیفہ خوار لشکر ہے جو تلواروں کے ذریعے مملکت کو دشمنوں، باغیوں اور اہل اسلام سے محفوظ رکھتے ہیں اور ان لوگوں میں کاتب (منشی) حساب دان اور وکلاء (امانت دار جن کے پاس مال رکھا جائے) اور ہر وہ شخص شامل ہے کہ دفتر خراج کے لیے اس کی ضرورت ہو یعنی حلال مال پر کام کرنے والے نہ کہ حرام پر۔ کیونکہ یہ (حلال) مال لوگوں کے مصالح کے لیے ہے اور مصلحت یا تو دین سے متعلق ہوتی ہے یا دنیا سے علماء کے ذریعے دین کی حفاظت کی جاتی ہے اور فوج کے ذریعے دنیا کی، جب کہ دین اور مُلک جڑواں ہیں لہٰذا ان میں سے ایک، دوسرے سے بے نیاز نہیں ہو سکتا۔

ڈاکٹر (اور حکیم) اگرچہ اپنے علم سے کوئی دینی کام نہیں کرتا لیکن اس پہ جسمانی صحت کا دار و مدار ہے اور دین صحت کے تابع ہوتا ہے لہذا جائز ہے کہ اس علم (علم طب) اور اس طرح کے دوسرے علوم جو اس کے قائم مقام ہوں کہ ان پہ جسمانی بھلائی یا ملکی بھلائی کا دار و مدار ہو، ان (علوم) کے لیے ان اموال میں سے روز بہ مقرر ہونا چاہیئے تاکہ وہ مسلمانوں کے علاج کے لیے فارغ ہوں اور اس سے مراد یہ ہے کہ جو مفت علاج کرانا چاہے وہ کرا سکے۔ ان لوگوں کا محتاج ہونا شرط نہیں بلکہ مالداری کے باوجود انہیں دینا جائز ہے خلفائے راشدین مہاجرین و انصار کو عطا فرماتے تھے اور ان کی حاجات کو نہیں جانتے تھے اور اس کی کوئی مقدار مقرر نہیں، بلکہ یہ حاکم کے اجتہاد پر مبنی ہے وہ اتنا زیادہ دے سکتا ہے جس سے وہ غنی ہو جائے اور وقت کی مصلحت اور مال کی گنجائش کے مطابق بقدر کفایت بھی دے سکتا ہے۔ حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سے ایک وقت میں چار لاکھ درہم وصول فرمائے اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ ایک جماعت کو سالانہ بارہ ہزار درہم دیتے تھے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا اسم گرامی بھی اسی فہرست میں تھا ایک گروہ کو دس ہزار اور ایک کو چھ ہزار درہم دیے تھے اسی طرح (ترتیب سے دیا جاتا تھا) تو یہ ان لوگوں کا مال ہے لہذا ان پر تقسیم کیا جائے حتی کہ اس میں سے کچھ باقی نہ بچے۔ اور اگر ان میں سے ایک کو خاص کرتے ہوئے بہت سا مال دے تو بھی کوئی حرج نہیں، اسی طرح حکمران کو یہ حق بھی پہنچتا ہے کہ وہ اس میں سے کچھ مال خاص لوگوں کی خلعتوں اور انعامات کے لیے مخصوص کر دے، اسلاف میں ایسا عمل ہوتا تھا لیکن مناسب یہ ہے کہ مصلحت کو دیکھا جاتے جب کسی عالم اور بہادر شخص کو کسی صلہ کے ساتھ خاص کیا جائے گا تو اس میں لوگوں کے لیے ترغیب ہوگی اور وہ اس میں مشغولیت اور ان جیسا بننے کا شوق رکھیں گے۔

تو خلعتیں اور انعامات وغیرہ دینے اور کچھ شخصیات کو خاص کرنے کا یہ فائدہ ہے اور یہ سب کچھ سلطان کی سوچ پہ منحصر ہے ظالم بادشاہوں کے سلسلے میں دو باتیں پیش نظر رکھنی چاہیں۔

۱۔ ظالم بادشاہ کو اس کی ولایت سے روکنا لازم ہے اور اس کی صورت یہ ہے کہ یا تو وہ معزول ہے کہ اس کو معزول کرنا واجب ہے لہذا جب وہ حقیقتاً سلطان ہی نہیں تو اس سے کچھ لینا کیسے جائز ہوگا۔

۲۔ وہ تمام مستحقین کو مال نہیں دیتا تو انفرادی طور پہ اس سے لینا کیسے جائز ہوگا۔

اب رہا یہ مسئلہ کہ کیا اپنے حصے کے مطابق ان سے لے سکتے ہیں یا بالکل لینا جائز نہیں یا جیسے وہ دیں اس کے لیے لینا جائز ہے پہلی صورت میں ہماری رائے یہ ہے کہ اپنا حق لینے سے منع نہ کیا جائے کیونکہ ظالم جاہل بادشاہ کو جب شوکت و دبدبہ حاصل ہے اور اسے اتارنا مشکل ہے اور ان کو بدلنے میں ایک ناقابل برداشت فتنے کا خوف ہے تو اسے (اسی حالت پر) چھوڑنا واجب ہے اور اس کی اطاعت واجب ہے جیسے امراء کی اطاعت واجب ہوتی ہے کیونکہ

حدیث شریف میں امراء کی اطاعت کا حکم آیا ہے (۱) نیز ان کے تعاون سے ہاتھ کھینچنے سے ممانعت آئی ہے (۲) اس سلسلے میں متعدد امر اور نہی وارد ہیں اور ہمارا خیال یہ ہے کہ بنو عباس میں سے کوئی شخص یہ ذمہ داری اٹھاتا ہے تو خلافت منعقد ہو جائے گی۔

اور مختلف علاقوں کے جن سلاطین نے خلیفہ سے عہد کر لیا وہاں ان کی حکومت نافذ ہے ہم (امام غزالی رحمہ اللہ) نے اسے کتاب المظہری میں ذکر کیا ہے یہ کتاب قاضی ابو الطیب کی کتاب "کشف الاسرار وہتک الاستار" سے اخذ کی گئی ہے جو شیعہ باطنیہ کے رد میں ہے۔ کتاب مظہری میں ہم نے ایسی بات ذکر کی ہے جو اس مصلحت کی طرف اشارہ کرتی ہے مختصر بات یہ ہے کہ ہم بادشاہوں میں صفات اور شروط کا لحاظ اس لیے کرتے ہیں کہ اس ہی مصلحت کی زیادہ توقع ہوتی ہے اگر ہم اس وقت ولایت کو باطل قرار دیں تو مصالح بالکل ختم ہو جائیں گے۔ تو نفع کی طلب میں اصل مال کو کیسے ہلاک کیا جا سکتا ہے بلکہ اس وقت تو حکومتیں، شوکت اور دبدبہ کی مرہون منت ہیں ارباب شوکت جس کی بیعت کریں وہی خلیفہ ہے اور جس کی شوکت مستقل ہو اور وہ اصل خطبہ اور سکہ میں خلیفہ کا حکم مانتا ہو وہ سلطان ہے اور اطراف واکناف میں اس کا حکم اور فیصلہ نافذ ہوتا ہے ہم نے اس مسئلہ کی تحقیق اعتقاد میں اعتدال کے ضمن میں امامت کا ذکر کرتے ہوئے، بیان کی ہے۔ لہذا اب ہم اس مسئلہ کو طول دینا نہیں چاہتے۔

دوسرا اشکال یہ ہے کہ جب سلطان تمام مستحقین کو عطیات نہ دے تو کیا کسی ایک ایک کے لیے جائز ہے کہ اس سے وصول کرے اس سلسلے میں علماء کرام کے چار مختلف اقوال ہیں بعض نے مبالغہ سے کام لیتے ہوئے کہا کہ وہ جتنا مال لیتا ہے تمام مسلمان اس میں شریک ہیں اور اسے معلوم نہیں کہ اس کا حصہ ایک دانق (درہم کا چھٹا حصہ) ہے یا ایک دانہ ہے لہذا وہ کل مال کو چھوڑ دے۔

ایک جماعت نے کہا کہ صرف ایک دن کے رزق کے برابر لے کیونکہ اسے باقی مسلمانوں پر اسی مقدار کا استحقاق حاصل ہے۔

ایک دوسرے گروہ نے کہا کہ ایک سال کی روزی (کی مقدار) لے سکتا ہے کیوں کہ ہر دن کی کفایت کے حساب سے لینا مشکل ہو جاتا ہے اور اس مال میں اس کا حق ہے تو وہ اسے کیسے چھوڑ سکتا ہے؟ ایک اور جماعت نے کہا کہ اسے جتنا دیا جائے اتنا ہی لے اور باقی لوگ مظلوم ہوں گے قیاس یہی ہے۔ کیونکہ مال مسلمانوں کے درمیان مشترک نہیں جس طرح مال غنیمت مسلمانوں کے درمیان مشترک ہوتا ہے اور نہ مال میراث کی طرح ہے جو ورثاء کے درمیان

---

(۱) صحیح مسلم جلد ۲ ص ۱۲۴ کتاب الامارۃ

(۲) صحیح بخاری جلد ۲ ص ۱۰۵۷ کتاب الاحکام

مشترک ہوتی ہے کیونکہ وہ ان کی ملک بن جاتی ہے اور یہ مال اگر تقسیم نہ کیا جائے حتیٰ کہ یہ لوگ مر جائیں تو ان کے وارثوں پر بطور وراثت تقسیم کرنا واجب نہیں بلکہ یہ حق، غیر متعین ہے اور قبضہ سے متعین ہوتا ہے بلکہ وہ صدقات کی طرح ہے اور مال صدقہ جب فقراء کو دیا جاتے اس وقت وہ ان کی ملکیت بنتا ہے اور مال کا مالک ظلم کرتے ہوئے دوسرے لوگوں یعنی مسافروں، مساکین اور قرضداروں کو نہ دے اور ان کا حق روک لے تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ اس وجہ سے فقراء کو ملک حاصل نہ ہوگی۔ اور یہ اس صورت میں ہے جب اسے کل مال نہ دیا جائے بلکہ اسے صرف اتنا مال دیا جائے اگر دوسروں کو مال دیتے ہوئے اسے اس زائد مال کے ساتھ ترجیح دی جاتی تو اس کے لیے لینا جائز ہوتا۔ اور عطیات میں کسی کو فضیلت دینا جائز ہے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے برابر دیا تو حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے ان کی طرف رجوع کیا تو انہوں نے جواباً فرمایا اللہ تعالیٰ کے ہاں ان لوگوں کی فضیلت ہے لیکن دنیا تو بقدر کفایت ہے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اپنے زمانے میں فضیلت دی اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو بارہ ہزار اور حضرت زینب رضی اللہ عنہا کو دس ہزار درہم دیئے حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا اور اسی طرح حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کو بھی چھ چھ ہزار دیئے۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے حضرت علی المرتضیٰ کے لیے ایک قطعۂ زمین مختص کیا اسی طرح حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے بھی عراق کی زمین سے ان کے لیے پانچ باغ خاص کر دیئے اور حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو اس سلسلے میں ترجیح دی اور انہوں نے اسے قبول فرمالیا اور کوئی اعتراض نہیں کیا۔ اور یہ تمام باتیں اجتہاد کی صورت میں جائز ہیں اور یہ ان اجتہادی مسائل میں سے ہیں جن کے بارے میں، میں کہتا ہوں کہ ہر مجتہد صحیح نتیجے پر پہنچا ہے اور یہ ہر اس مسئلے میں ہوتا ہے جس میں بعینہا کوئی نص نہ ہو۔ اور نہ ان کے قریب کسی مسئلے پر نص ہو کہ وہ بھی قیاس جلی کے اعتبار سے اس کے حکم میں ہو جاتا ہے جیسے یہ مسئلہ اور شراب نوشی کی سزا کا مسئلہ کہ انہوں نے چالیس کوڑے بھی مارے اور اسی بھی اور دونوں باتیں سنت اور حق ہیں اور صحابہ کرام کے اتفاق کے باعث حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہما دونوں کی سوچ صحیح تھی کیونکہ جس کو فضیلت حاصل نہیں ہے اس نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے زمانے میں جو کچھ لیا حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے زمانے میں وہ چیز افضل کی طرف لوٹائی۔ اور نہ فضیلت والے نے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے زمانے میں زائد مال لینے سے انکار کیا اور اس سلسلے میں تمام صحابہ کرام مشترک ہیں اور ان کا اعتقاد تھا کہ یہ دونوں رائے صحیح ہیں لہٰذا اس قسم کی بات کو ان اختلافات میں دستور بنا لیا جائے جن میں ہر مجتہد کو درست قرار دیا جاتا ہے اور ہر وہ مسئلہ جس میں نص تھی یا قیاس جلی تھا اور اور مجتہد نے غفلت یا غلط رائے کی وجہ سے خلاف قیاس بات کی یا نص کو چھوڑ دیا حالانکہ اس نص یا قیاس جلی میں اتنی قوت تھی کہ اس کے ذریعے مجتہد کا حکم ٹوٹ جاتا تو اس صورت میں ہم یہ بات نہیں کہتے کہ ہر مجتہد درست کہتا ہے بلکہ اس کی بات درست ہوگی جو نص یا اس کے معنیٰ کے مطابق کہے۔

اس تمام گفتگو کا خلاصہ یہ ہوا کہ جو شخص خاص لوگوں سے ہو جو ایسی صفت سے موصوف ہوتے ہیں جس (صفت) کے ساتھ دین یا دنیا کے مصالح متعلق ہیں اور وہ بادشاہ سے کوئی خلعت یا وظیفہ مال میراث یا جزیہ سے لے تو وہ محض لینے سے فاسق نہیں ہوگا بلکہ وہ ان (حکمرانوں) کی خدمت اور ان کی معاونت نیز ان کے پاس جانے اور ان کی قصیدہ گوئی کی وجہ سے یا ان امور کو اختیار کرنے کی وجہ سے فاسق ہوگا جن کے بغیر عام طور پر بادشاہ مال نہیں دیتے۔ جیسا کہ ہم بیان کریں گے۔
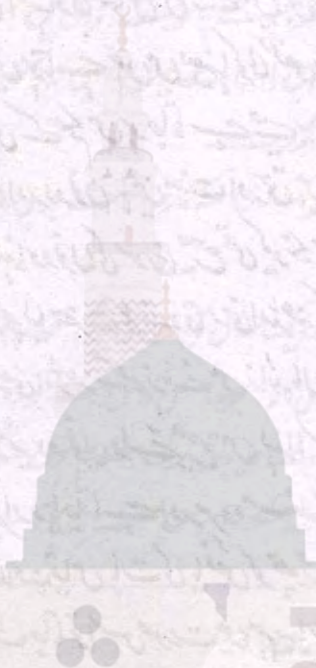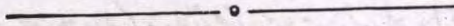
چھٹا باب

بادشاہوں کی مجالس میں اٹھنا بیٹھنا اور ان کا احترام کرنا

جان لو! امراء، عمال (حکمران) اور ظالم قسم کے لوگوں کے ساتھ تمہارا رویہ تین طرح کا ہو سکتا ہے پہلی حالت یہ ہے کہ تم ان کے پاس جاؤ اور یہ سب سے بری حالت ہے یا دوسری حالت اس سے ذرا کم بری ہے وہ یہ کہ وہ تمہارے پاس آئیں اور تیسری حالت محفوظ ترین حالت ہے وہ یہ کہ تم ان سے الگ رہو نہ تم ان کو دیکھو اور نہ وہ تمہیں دیکھیں۔

پہلی حالت:

ان کے پاس جانا شریعت میں نہایت درجہ مذموم ہے اور اس سلسلے میں سخت تنبیہات آئی ہیں جو روایات و آثار میں منقول ہیں ہم انہیں نقل کرتے ہیں تاکہ تمہیں معلوم ہو جائے کہ شریعت نے اس بات کی مذمت کی ہے پھر ہم بتائیں گے کہ اس سلسلے میں حرام صورت کون سی ہے، مباح کونسی اور مکروہ صورت کون سی ہے جیسے ظاہر علم کے فتویٰ کا تقاضا ہے۔

احادیث:

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب ظالم امراء کی وضاحت فرمائی تو ارشاد فرمایا۔

مَنْ نَّابَذَهُمْ نَجَا وَمَنِ اعْتَزَلَهُمْ سَلِمَ أَوْكَادَ أَنْ يَسْلَمَ وَمَنْ وَقَعَ مَعَهُمْ فِي دُنْيَاهُمْ فَهُوَ مِنْهُمْ (۱)

جو آدمی ان سے مقابلہ کرے گا وہ نجات پائے گا اور جو اُن سے الگ رہا وہ محفوظ ہوا یا عنقریب محفوظ ہو جائے گا اور جس نے ان کے ساتھ میل جول رکھا وہ ان ہی میں سے ہے۔

یہ اس لیے کہ جو شخص ان سے الگ رہتا ہے وہ ان کے گناہوں سے بچ جاتا ہے لیکن اگر ان پر عذاب نازل ہو تو جو شخص ان سے الگ نہیں ہوتا وہ بھی اس عذاب کی لپیٹ میں آجائے گا۔

اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

سَيَكُوْنُ مِنْ بَعْدِي أُمَرَاءُ يَكْذِبُوْنَ

عنقریب میرے بعد ایسے حکمران ہوں گے جو جھوٹ بولیں گے

(۱) کنز العمال جلد ۵ ص ۹۳، حدیث ۱۴۲۰۴

وَيَظْلِمُونَ فَمَنْ صَدَّقَهُمْ بِكَذِبِهِمْ وَأَعَانَهُمْ عَلَى ظُلْمِهِمْ فَلَيْسَ مِنِّي وَلَسْتُ مِنْهُ وَلَمْ يَرِدْ عَلَى الْحَوْضِ۔

اور ظلم کریں گے جو آدمی ان کے جھوٹ کے باوجود ان کی تصدیق کرے اور ان کے ظلم پر ان کی مدد کرے اس کا مجھ سے اور میرا اس سے کوئی تعلق نہیں اور نہ ہی وہ حوض (میرے حوض کوثر) پر آسکے گا۔

(۱)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اَبْغَضُ الْقُرَّاءِ اِلَى اللّٰهِ تَعَالٰى الَّذِيْنَ يَزُوْرُوْنَ الْاُمَرَاءَ۔ (۲)

اللہ تعالیٰ کے ہاں سب سے زیادہ ناپسندیدہ وہ قاری (عالم) ہیں جو حکمرانوں سے ملاقات کرتے ہیں۔

ایک دوسری حدیث میں ہے۔

خَيْرُ الْاُمَرَاءِ الَّذِيْنَ يَاْتُوْنَ الْعُلَمَاءَ وَشَرُّ الْعُلَمَاءِ الَّذِيْنَ يَاْتُوْنَ الْاُمَرَاءَ۔ (۳)

بہترین حکمران وہ ہیں جو علماء کے پاس جاتے ہیں اور بدترین علماء وہ ہیں جو حکمرانوں کے ہاں جاتے ہیں۔

ایک دوسری روایت میں یوں آیا ہے۔

اَلْعُلَمَاءُ اُمَنَاءُ الرُّسُلِ عَلٰى عِبَادِ اللّٰهِ مَا لَمْ يُخَالِطُوا السُّلْطَانَ فَاِذَا فَعَلُوْا ذٰلِكَ فَقَدْ خَانُوا الرُّسُلَ فَاحْذَرُوْهُمْ وَاعْتَزِلُوْهُمْ۔ (۴)

علماء اللہ تعالیٰ کے بندوں پر رسولوں کے امین ہیں جب تک بادشاہ سے میل جول نہ رکھیں جب انہوں نے ایسا کیا تو انہوں نے رسولوں سے خیانت کی پس ان سے بچو اور الگ رہو۔

اس حدیث کو حضرت انس رضی اللہ عنہ نے روایت کیا ہے۔

اقوال صحابہ وتابعین (رضی اللہ عنہ)

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا اپنے آپ کو فتنوں کی جگہوں سے بچاؤ، پوچھا گیا، وہ کیا ہیں؟ فرمایا حکمرانوں کے دروازے ہیں تم میں سے ایک حکمران کے پاس جاتا ہے اور اس کے جھوٹ کی تصدیق کرتا ہے اور وہ بات کہتا ہے جو اس میں نہیں پائی جاتی۔

---

(۱) السنن الکبریٰ للبیہقی جلد ۸ ص ۱۶۵ کتاب قتال اہل البغی

(۲) کنز العمال جلد ۱۰ ص ۱۸۸ حدیث ۲۸۹۸۵

(۳) الفردوس بماثور الخطاب جلد اول ص ۱۵۵ حدیث ۵۶۶

(۴) کنز العمال جلد ۱۰ ص ۱۸۳ حدیث ۲۸۹۵۲

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ نے حضرت سلمہ رضی اللہ عنہ سے فرمایا اے سلمہ! بادشاہوں کے دروازوں پر مت جاؤ تمہیں ان کی دنیا سے کچھ نہیں ملے گا لیکن وہ تمہارے دین سے وہ بات لے لیں گے جو اس دنیا سے افضل ہے۔

حضرت سفیان رحمہ اللہ فرماتے ہیں جہنم میں ایک وادی ہے جس میں صرف وہ قاری حضرات رہیں گے جو بادشاہوں سے بار بار ملاقاتیں کرتے ہیں۔ (اس میں علماء و قراء دونوں داخل ہیں)

حضرت اوزاعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ کے ہاں اس عالم سے زیادہ ناپسندیدہ شخص کوئی نہیں جو کسی عامل (سرکاری کارندے) کے پاس جاتا ہے۔

حضرت سمنون رحمہ اللہ فرماتے ہیں وہ عالم کتنا بُرا ہے کہ کوئی اس کی مجلس میں آئے اور اسے نہ پاتے ہوئے اس کے بارے میں پوچھے تو کہا جائے کہ وہ تو حکمران کے پاس ہے اور میں سنتا تھا کہا جاتا کہ جب تم کسی عالم کو دیکھو کہ وہ دنیا سے محبت کرتا ہے تو اسے اس کے دین پر تہمت زدہ کرو اب میں نے خود اس بات کا تجربہ کر لیا ہے کیونکہ میں جب بھی اس حکمران کے پاس جاتا ہوں تو باہر آنے کے بعد اپنا محاسبہ کرتا ہوں تو میں اس پر میل پاتا ہوں حالانکہ میں ان کی خواہشات کے خلاف ان کے منہ پر سخت لہجے میں بولتا ہوں۔

حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں عبادت گزار قاری (عالم) کا امراء سے محبت کرنا منافقت ہے اور اس کا دولت مند لوگوں سے محبت کرنا ریاکاری ہے۔

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں جو شخص کسی قوم کی تعداد کو بڑھاتا ہے وہ ان ہی میں سے ہے یعنی جو ظالم لوگوں کی جماعت کو زیادہ کرتا ہے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں ایک شخص اپنے دین کے ساتھ بادشاہ کے پاس جاتا ہے پھر جب نکلتا ہے تو اس کے ساتھ اس کا دین نہیں ہوتا۔ پوچھا گیا کیوں؟ فرمایا اس لیے کہ وہ بادشاہ کو ایسی باتوں سے خوش کرتا ہے جن سے اللہ تعالیٰ ناراض ہوتا ہے۔

حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ نے ایک شخص کو ایک ذمہ داری سونپی آپ کو بتایا گیا کہ وہ حجاج بن یوسف کا عامل رہا ہے تو آپ نے اسے معزول کر دیا اس شخص نے کہا میں نے تو حجاج کے لیے تھوڑا سا کام کیا تھا حضرت عمر بن عبدالعزیز نے فرمایا اس کے ساتھ ایک دن یا اس سے بھی کم کی صحبت تیری بدبختی اور برائی کیلئے کافی ہے۔

حضرت فضیل رحمہ اللہ فرماتے ہیں جو شخص بادشاہ کا قرب اختیار کرتا ہے وہ اللہ تعالیٰ سے بہت دور ہو جاتا ہے۔

حضرت سعید بن مسیب رضی اللہ عنہ زیتون کی تجارت کیا کرتے تھے اور فرماتے اس کے ذریعے مجھے بادشاہوں سے نجات حاصل ہوتی ہے حضرت وہیب رحمہ اللہ نے فرمایا جو لوگ بادشاہوں کے پاس جاتے ہیں وہ امت کے لیے جواریوں سے بھی زیادہ نقصان دہ ہیں۔

حضرت محمد بن سلمہ رحمہ اللہ نے فرمایا گندگی پر مکھی اس قاری (اور عالم) سے بہتر ہے جو ان حکمرانوں کے

دروازے پہ جاتا ہے۔

جب حضرت زہری رحمہ اللہ کا بادشاہ سے میل جول ہوا تو ان کے ایک دینی بھائی نے انہیں لکھا اے ابوبکر (ان کی کنیت تھی) اللہ تعالیٰ تجھے اور ہمیں فتنے سے بچائے جو اسی حالت میں مبتلا ہو چکا ہے کہ تجھے پہچاننے والوں کو چاہیئے کہ وہ تیرے لیے اللہ تعالیٰ سے رحمت کی دعا مانگیں تم ایک بوڑھے بزرگ ہو اور تمہیں اللہ تعالیٰ کی نعمتوں نے بوجھل بنا دیا ہے اللہ تعالیٰ نے تمہیں اپنی کتاب کی سمجھ عطا کی اپنے نبی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کا علم عطا فرمایا تو کہا اللہ تعالیٰ نے علماء سے وعدہ نہیں لیا کہ

لَتُبَيِّنُنَّهٗ لِلنَّاسِ وَلَا تَكْتُمُوْنَهٗ۔ (۱)

کہ تم اسے ضرور بضرور لوگوں سے بیان کرنا اور اسے نہ چھپانا۔

جان لو کہ تم نے کم از کم جو کام لیا اور جو ہلکا سا بوجھ اٹھایا وہ یہ ہے کہ بادشاہ کی وحشت کو ذائل کر دیا اور تم نے بادشاہ کے قریب ہو کر اس شخص پر بغاوت کا راستہ آسان کر دیا جس نے نہ کبھی حق ادا کیا اور نہ باطل کو چھوڑا۔ انہوں نے تمہیں مرکز بنایا اب ان کے ظلم کی چکی تمہارے گرد گھومتی ہے اور تمہیں پل بنایا کہ وہ اپنی مصیبتیں تمہارے ذریعے عبور کرتے ہیں اور تم ان کی سیڑھی بن گئے جس کے ذریعے وہ گمراہی کی طرف بڑھتے ہیں اور وہ تمہارے ذریعے علماء پر شک ڈالیں گے، تمہارے ذریعے وہ جاہلوں کے دلوں کو شکار کریں گے تو انہوں نے جس قدر تمہیں بگاڑا اس کے مقابلے میں فائدہ کچھ بھی نہیں اور انہوں نے تمہارے دین کو نقصان پہنچا کر تم سے بہت کچھ لے لیا تو کیا تمہیں اس آیت کا مصداق بننے کا خوف نہیں ہو۔

فَخَلَفَ مِنْۢ بَعْدِهِمْ خَلْفٌ اَضَاعُوا الصَّلٰوةَ۔ (۲)

پھر ان کے بعد کچھ ناخلف آئے جنہوں نے نماز کو ضائع کر دیا۔

تم ایسے شخص کے ساتھ معاملہ کر رہے ہو جو تمہارے مرتبے سے ناواقف نہیں اور تمہارے اعمال کے محافظ وہ لوگ ہیں جو غافل نہیں پس اپنے دین کا علاج کرو کیونکہ اس میں بیماری آگئی ہے اپنے سامان کو درست کرو کہ دُور کا سفر درپیش ہے۔

ارشادِ خداوندی ہے۔

وَمَا يَخْفٰى عَلَى اللّٰهِ مِنْ شَيْءٍ فِي الْاَرْضِ

اللہ تعالیٰ پر زمین و آسمان کی کوئی چیز پوشیدہ

---

(۱) قرآن مجید، سورۃ آل عمران آیت ۱۸۷

(۲) قرآن مجید سورۂ مریم آیت ۵۹

وَدَمٍ فِي السَّمَاءِ۔ (۱) نہیں۔

یہ روایات، و آثار ان مختلف قسم کے فتنوں اور فسادات پر دلالت کرتے ہیں جو بادشاہوں سے میل جول کی وجہ سے پیدا ہوتے ہیں لیکن ہم فقہی اعتبار سے اس کی تفصیل بیان کرتے ہیں تاکہ حرام میل جول مباح اور مکروہ سے ممتاز ہو جائے۔ پس ہم کہتے ہیں۔

بادشاہ کے پاس جانے والا اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کے لیے پیش کرتا ہے چاہے وہ نافرمانی عملی طور پر ہو یا خاموش رہتے ہوئے یا گفتگو کے ذریعے ہو یا اعتقاد کے ذریعے ان میں کوئی نہ کوئی بات پائی جائے گی۔

عملی اور فعلی صورت یہ ہے کہ ان کے پاس جانے والے عام طور پر غصب کئے ہوئے مکانات میں جاتے ہیں اور ان مکانات کے مالکان کی اجازت کے بغیر وہاں سے گزرنا اور داخل ہونا حرام ہے اور کسی قائل کے اس قول سے تمہیں دھوکہ نہیں ہونا چاہیے کہ اس قسم کے امور میں لوگ چشم پوشی سے کام لیتے ہیں جیسے ایک کھجور یا روٹی کا ٹکڑا اٹھا لینے میں کوئی حرج نہیں کیونکہ یہ بات ان چیزوں میں صحیح ہوتی ہے جو غصب شدہ نہ ہوں مغصوبہ مال میں نہیں یہی حکم گزرنے کا ہے اگر اسے جائز سمجھا جائے تو ہر ایک کے لیے یہی حکم ہوگا اور سب پر نافذ ہوگا اور غصب سب کے فعل میں پورا ہوا چشم پوشی وہاں ہوتی ہے جہاں انفرادی مسئلہ ہو کیوں کہ اس صورت میں بعض اوقات مالک جاننے کے باوجود ناپسند نہیں کرتا لیکن جب سب حضرات مشترکہ طور پر اس پر عمل پیرا ہو جائیں تو حرمت کا حکم ان سب پر لاگو ہوگا لہٰذا کسی کی ملکیت کو راستہ بنانا جائز نہیں اور یہ خیال نہیں کرنا چاہیئے کہ ہر شخص ایک قدم رکھتا ہے اس سے کیا نقصان ہوتا ہے کیوں کہ ان علم کا مجموعہ مالک کو نقصان پہنچاتا ہے جیسے تعلیم کے سلسلے میں ہلکی سزا جائز ہے لیکن شرط یہ ہے کہ ایک آدمی مارے اگر ایک جماعت مل کر مارنا شروع کر دے تو قتل ہو جائے گا جس کی وجہ سے ان سب پر قصاص لازم ہوگا۔ حالانکہ ان میں سے ہر ضرب کو الگ دیکھا جائے تو قصاص واجب نہیں ہوتا اگر فرض کیا جائے کہ ظالم کسی مغصوبہ زمین میں نہیں ہے مثلاً کسی غیر آباد جگہ میں ہے پس اگر وہ خیمہ وغیرہ کے نیچے ہو تو بھی اس کے پاس جانا حرام ہے کیونکہ وہ حرام مال سے ہے کیوں کہ اس طرح حرام مال سے نفع اٹھانا اور اس کا سایہ حاصل کرنا ہے اگر فرض کیا جائے کہ یہ سب چیزیں حلال مال سے ہیں تو محض داخل ہونے یا سلام کرنے سے گناہ گار نہیں ہوگا لیکن اگر وہ سجدہ کرے یا جھکے یا سلام اور اطاعت کے لیے کھڑا رہے گا تو یہ اس ظالم کی حکومت کی وجہ سے اس کی تعظیم ہے اور یہ حکومت ظلم کا ذریعہ ہے اور ظالم کے لئے تواضع کرنا گناہ ہے۔ بلکہ جو شخص کسی ایسے مال دار کے لیے تواضع کرے جو ظالم نہیں لیکن اس کی مالداری پیش نظر ہو تو اس کا دو تہائی دین چلا جاتا ہے تو جب کسی ظالم کے لیے عاجزی اختیار کرے تو کیسے ہوگا لہٰذا صرف سلام کرنا جائز ہے اس کے ہاتھ چومنا اور اس کے

---

(۱) قرآن مجید، سورۂ ابراہیم آیت ۳۸

ادب واحترام میں جھکنا گناہ ہے البتہ اس کا خوف ہو یا وہ انصاف کرنے والا ہو یا عالم ہو یا کسی دینی وجہ سے اس اعزاز کا مستحق ہو تو جائز ہے۔ حضرت ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ نے جب حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ سے شام میں ملاقات کی تو آپ کے ہاتھ کو چوما اور آپ نے اس پر کوئی اعتراض نہیں فرمایا۔

بعض علماء نے شدت سے کام لیتے ہوئے ان کے سلام کا جواب دینے سے منع فرمایا اور ان کی حقارت ظاہر کرنے کے لیے ان سے منہ پھیرنے کا حکم دیا ہے اور اس بات کو عبادت کے حسن میں سے قرار دیا ہے جہاں تک کہ سلام کے جواب کا مسئلہ ہے تو یہ قابل غور ہے کیونکہ یہ واجب ہے لہٰذا کسی کے ظلم کی وجہ سے یہ ساقط نہیں ہو سکتا۔

اب حکمرانوں کے پاس جانے والا باقی تمام کام چھوڑ دے اور سلام پر اکتفا کرے تو ان کے بچھونوں پر بیٹھنا ہی پڑتا ہے اور جب ان کے زیادہ مال حرام سے ہیں تو ان کے بچھونوں پر بیٹھنا جائز نہیں ہوگا۔ یہ صورت عمل کے اعتبار سے ہے۔

جہاں تک خاموشی کا تعلق ہے تو یہ شخص ان کی مجالس میں ریشمی بچھونے اور چاندی کے برتن نیز ان کے اور ان کے بچوں کے ریشمی لباس دیکھتا ہے جو حرام ہیں اور جو آدمی برائی دیکھ کر اس پر خاموش رہے وہ اس گناہ میں شریک ہوتا ہے، بلکہ وہ ان کی گفتگو سنتا ہے جو بے حیائی اور جھوٹ نیز گالی گلوچ اور ایذا رسانی پر مشتمل ہوتی ہے اور ان تمام باتوں پر خاموش رہنا حرام ہے۔ بلکہ وہ دیکھتا ہے کہ انہوں نے حرام لباس پہنا ہوا ہے اور وہ حرام کھانا کھاتے ہیں نیز جو کچھ ان کے پاس ہے وہ حرام ہے اور ان باتوں پر خاموشی جائز نہیں اس پر لازم ہے کہ وہ اپنی زبان سے نیکی کا حکم دے اور بری باتوں سے روکے اگر عملاً ایسا نہیں کر سکتا۔

سوال:

چونکہ اسے اپنی جان کا خطرہ ہوتا ہے لہٰذا وہ خاموشی پر مجبور ہوتا ہے۔

جواب:

یہ ٹھیک ہے لیکن وہ ایسا تو کر سکتا ہے کہ وہاں نہ جائے غیر مباح کام کا ارتکاب صرف عذر کی بنیاد پر جائز ہوتا ہے اگر وہ وہاں نہ جاتا اور ان تمام باتوں کا مشاہدہ نہ کرتا تو اسے شرعی خطاب نہ ہوتا اور یوں وہ معذور سمجھا جاتا۔

اس بنیاد پر میں کہتا ہوں کہ جس شخص کو کسی جگہ فساد کے بارے میں معلوم ہو اور وہ جانتا ہو کہ وہ اس کا ازالہ نہیں کر سکتا تو اس کے لیے جائز نہیں کہ وہ وہاں جائے اور یہ سب کچھ اس کے سامنے ہو اور وہ دیکھ کر خاموشی اختیار کرے بلکہ اسے اس کے دیکھنے سے بچنا چاہیے۔

زبانی طور پر (ظالموں کا تعاون) یہ ہے کہ وہ ظالم کے لیے دعا مانگتا ہے، یا اس کی تعریف کرتا ہے، یا اس کے جھوٹے قول کی صراحتاً تصدیق کرتا ہے مثلاً زبان سے اس کو سچا قرار دیتا ہے یا سر ہلا دیتا ہے یا اس کے چہرے پر مسرت ظاہر ہوتی ہے یا وہ اس شخص سے محبت، دوستی ظاہر کرتا ہے اور اس سے ملاقات کا شوق رکھتا ہے۔ اس کی عمر میں اضافہ

اور اس کے بقا کی حرص رکھتا ہے تو یہ شخص عام طور پر صرف سلام ہی نہیں کرتا بلکہ کچھ بولتا بھی ہے اور وہ اسی قسم کا کلام ہوتا ہے اس شخص کے لیے دعا مانگنا جائز نہیں البتہ یوں کہہ سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ تجھے راہ راست پہ لائے اللہ تعالیٰ تجھے نیکی کی توفیق دے یا اللہ تعالیٰ اپنی عبادت میں تیری عمر کو بڑھائے یا اس قسم کے دوسرے الفاظ ہوں لیکن اسے مولیٰ کہتے ہوئے اس کی حفاظت اور لمبی زندگی نیز نعمتوں کی تکمیل اور اس طرح کی دوسری دعائیں مانگنا جائز نہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

مَنْ دَعَا لِظَالِمٍ بِالْبَقَاءِ فَقَدْ اَحَبَّ اَنْ يُّعْصَى اللّٰهُ فِيْ اَرْضِهٖ (۱)

جو آدمی کسی ظالم کے باقی رہنے کی دعا کرتا ہے وہ اس بات کو پسند کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی زمین میں اس کی نافرمانی کی جائے۔

اور اگر دعا کے ساتھ ساتھ تعریفی کلمات بھی ہوں اور وہ ان باتوں کا ذکر کرے جو اس میں نہیں ہیں تو یہ شخص جھوٹا، منافق اور ظالم کا اعزاز کرنے والا ہے اور یہ تین گناہ ہیں۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اِنَّ اللّٰهَ لَيَغْضِبُ اِذَا مُدِحَ الْفَاسِقُ۔ (۱)

اللہ تعالیٰ، فاسق کی تعریف پہ ناراض ہوتا ہے۔

ایک دوسری حدیث میں ہے۔

مَنْ اَكْرَمَ فَاسِقًا فَقَدْ اَعَانَ عَلٰى هَدْمِ الْاِسْلَامِ (۲)

جس نے فاسق کی عزت کی اس نے اسلام کو ختم کرنے کا اعلان کیا۔

اور اگر اس کے ساتھ ساتھ وہ اس کی باتوں کی تصدیق بھی کرے اور اس کے کاموں کی تعریف کرے اس کی پاکیزگی بیان کرے تو اس تصدیق اور اعانت کی وجہ سے گناہ گار ہوگا کیونکہ تزکیہ اور تعریف گناہ پہ مدد کرنا ہے اور اس میں رغبت کی تحریک ہے جیسے اس کو جھٹلانا، مذمت کرنا، برا بھلا کہنا، اسے روکنا اور گناہ کے اسباب کو کمزور کرتا ہے اور گناہ پر مدد کرنا بھی گناہ ہے اگرچہ نصف کلمہ کے ساتھ ہو۔

حضرت سفیان ثوری رحمہ اللہ سے ایسے ظالم کے بارے میں پوچھا گیا جو کسی جنگل میں ہلاک ہو رہا ہو کہ کیا اسے پانی پلایا جائے؟۔ انہوں نے فرمایا اسے اسی طرح چھوڑ دو یہاں تک کہ وہ مر جائے کیونکہ یہ (پانی پلانا) اس کی مدد کرنا ہے

---

(۱) الاسرار المرفوعة ص ۲۴۱ حدیث ۹۰۷

(۲) شعب الایمان جلد ۴ ص ۲۳۰ حدیث ۴۸۸۵

(۳) مشکوٰۃ المصابیح ص ۳۱ باب الاعتصام بالکتاب والسنۃ فصل ثالث

جب کہ دوسرے حضرات نے فرمایا کہ اسے پانی پلایا جائے یہاں تک کہ اس کے دم میں دم آجائے پھر اسے چھوڑ دیا جائے۔
اور اگر اس سے بھی تجاوز کرتے ہوئے اس سے محبت، اس سے ملاقات کے شوق اور اس کی زندگی کے بقا کا اظہار کرے تو دیکھیں گے اگر یہ شخص ان باتوں میں جھوٹا ہے تو اس نے جھوٹ اور منافقت کا گناہ کیا اور اگر سچا ہے تو ظالم کے باقی رہنے کی تمنا کی وجہ سے گناہ گار ہوگا حالانکہ اس پر لازم تھا کہ اللہ تعالیٰ کے لیے اس سے ناراضگی اختیار کرتا کیوں کہ اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے اس سے نفرت کرنا واجب ہے جب کہ گناہ گار سے محبت کرنے والا اور اس پر راضی ہونے والا گناہ گار ہوتا ہے۔ جو آدمی کسی ظالم سے محبت کرتا ہے اگر وہ اس کے ظلم کی وجہ سے اسے پسند کرتا ہے تو اس محبت کی وجہ سے یہ گناہ گار ہوگا اور اگر کسی اور وجہ سے محبت کرتا ہے تو اس لیے گناہ گار ہوگا اور اگر کسی اور وجہ سے محبت کرتا ہے تو اس لیے گناہ گار ہوگا کہ وہ اس سے نفرت کیوں نہیں کرتا حالاں کہ اس پر واجب ہے کہ اس سے دشمنی رکھے۔

اگر کسی آدمی میں اچھائی اور برائی جمع ہو جائیں تو اس بھلائی کی وجہ سے اس سے محبت کرنا اور برائی کی وجہ سے نفرت کرنا واجب ہے بھائی چارے اور اللہ تعالیٰ کے لیے ایک دوسرے سے محبت کرنے کے باب میں نفرت و محبت کو جمع کی صورت بیان ہوگی۔

اگر ان تمام باتوں سے بچ بھی جائے جب کہ ایسا ناممکن ہے تو دل کے اس کی طرف میلان کی وجہ سے جو فساد آتا ہے اس سے نہیں بچ سکتا کیوں کہ وہ اس کے پاس نعمتوں کی فراوانی اور اپنے پاس کمی دیکھے گا تو اس صورت میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے منع کردہ کام کا مرتکب ہوگا۔

آپ نے فرمایا:

يَا مَعْشَرَ الْمُهَاجِرِيْنَ لَا تَدْخُلُوْا عَلٰى	اے مہاجرین کی جماعت دنیا داروں کے پاس نہ جاؤ
أَهْلِ الدُّنْيَا فَإِنَّهَا مَسْخَطَةٌ لِلرِّزْقِ۔(۱)	کیوں کہ یہ روزی کی ناراضگی کا باعث ہے۔

اس کے علاوہ یہ خرابی بھی ہے کہ اس کے وہاں جانے کی وجہ سے دوسرے لوگ اس کی اقتدا کریں گے ظالموں کی جماعت بڑھے گی اور اگر وہ اس کو اپنی رونق کا باعث سمجھتے ہیں تو اس کے جانے سے ان کی رونق بڑھے گی۔
اور یہ تمام باتیں مکروہ ہیں یا ممنوع۔

حضرت سعید بن مسیب رضی اللہ عنہ کو عبدالملک بن مروان کے بیٹوں ولید اور سلیمان کی بیعت کے لیے بلایا گیا تو انھوں نے فرمایا جب تک رات دن بدلتے ہیں میں دو کی بیعت نہیں کروں گا کیوں کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم

---

(۱) المستدرک للحاکم جلد ۴ ص ۳۱۲ کتاب الرقاق۔

نے دو بیٹھنوں سے منع فرمایا (۱) تو لوگوں نے کہا آپ ایک دروازے سے داخل ہو کر دوسرے دروازے سے نکل جائیں، انہوں نے فرمایا نہیں اللہ کی قسم میں ایسا نہیں کروں گا کہ کہیں کوئی شخص میری اقتدا نہ کرے چنانچہ آپ کو سو کوڑے مارے گئے اور ٹاٹ کا لباس پہنایا گیا۔

حکمرانوں کے پاس دو عذروں کے بغیر جانا جائز نہیں ایک یہ کہ ان کی طرف سے ضروری حکم ہو محض اعزازی حکم نہ ہو اور اسے معلوم ہو کہ اگر وہ نہ گیا تو اسے اذیت دی جائے گی یا رعایا کی فرمانبرداری میں خرابی پیدا ہو جائے گی اور نظام سیاست بگڑ جائے گا لہٰذا اس پر حکم کی تعمیل واجب ہے لیکن ان کی اطاعت کے طور پر نہیں بلکہ لوگوں کی مصلحت کا خیال رکھتے ہوئے تاکہ حکومت میں گڑبڑ پیدا نہ ہو، دوسرا عذر یہ کسی مسلمان سے ظلم کو دُور کرے یا اپنے آپ سے ظلم کو دور کرنے کی نیت ہو یا توسمجھانے کے طور پر یا گزارش کے ذریعے ظلم کو دور کروائے اس کی اجازت ہے لیکن شرط یہ ہے کہ نہ جھوٹ بولے، نہ اس کی تعریف کرے اور نہ نصیحت کرنا چھوڑے اگر اس کی قبولیت کی توقع ہو تو یہ ان حکمرانوں کے پاس جانے کا حکم ہے (جو بیان ہوا)

دوسری حالت:

دوسری حالت یہ ہے کہ ظالم بادشاہ خود تمہاری ملاقات کے لیے تمہارے پاس آئے تو اب سلام کا جواب دینا تو ضروری ہے جہاں تک کھڑا ہونا اور تعظیم کرنا ہے تو یہ بھی حرام نہیں کیوں کہ اس نے اس کی تعظیم کر کے دراصل علم اور دین کی تعظیم کی ہے اور اس طرح وہ تعریف کا مستحق ہو گیا جس طرح وہ ظلم کی وجہ سے دُوری کا مستحق ہوتا ہے تو عزت کرنا، عزت کرنے کے بدلے میں اور سلام کا جواب، سلام کے بدلے میں ہو گا لیکن اگر وہ علیحدگی میں آئے تو بہتر یہ ہے کہ کھڑا نہ ہو تاکہ اس عمل کے ذریعے اسے دین کی عزت اور ظلم کی حقارت معلوم ہو جائے اور اسے یہ بھی معلوم ہو کہ یہ اس سے دین کی وجہ سے ناراض ہے اور اس لیے منہ پھیر رہا ہے کہ جو شخص اللہ تعالیٰ سے منہ پھیرتا ہے یہ بھی اس کی طرف توجہ نہیں کرتا تو گویا اللہ تعالیٰ نے اسے اس ظالم سے پھیر دیا ہے اور اگر وہ کچھ لوگوں کے ہمراہ آئے تو رعایا کے سامنے ارباب حکومت کی حشمت و عزت کا خیال رکھنا ضروری ہے تو اس نیت سے کھڑا ہونے میں کوئی حرج نہیں اور اگر معلوم ہو کہ اس کی وجہ سے رعایا کو کوئی فرق نہیں پڑے گا۔ اور نہ اس شخص کے غصے سے اسے کوئی تکلیف پہنچے گی تو قیام کے ذریعے اس کی عزت افزائی کو ترک کر دینا زیادہ بہتر ہے، پھر جب ملاقات ہو تو اس کو نصیحت کرنا واجب ہے اور اگر وہ ایسے کام کا مرتکب ہو رہا ہے جس کے حرام ہونے کا اسے علم نہیں ہے اور اسے معلوم ہے کہ جب اسے معلوم ہو گا تو چھوڑ دے گا تو اسے بتا دینا چاہیے کیوں کہ یہ واجب ہے لیکن جن چیزوں کی حرمت سے وہ واقف ہے مثلاً ظلم و

---

(۱) حلیۃ الاولیاء جلد ۲ ص ۲۷۰ ترجمہ ۱۷۰

زیادتی، تو اس کے بتانے میں کوئی فائدہ نہیں بلکہ وہ جن گناہوں میں مبتلا ہے ان سے اسے ڈرائے جب یہ گمان ہو کہ ڈرانا موثر ہوگا اور اس پر لازم ہے کہ اسے مصلحت کی راہ کی طرف بلائے اگر کوئی راستہ شریعت کے مطابق جانتا ہو کیونکہ اس طرح ظالم کو کسی گناہ کے بغیر مقصد حاصل ہو جائے گا اس طرح وہ اسے ظلم کے ذریعے غرض کے حصول سے روک دے گا۔ لہذا جو بات بادشاہ کو معلوم نہ ہو اسے بتادے اور جس کام پر وہ جرأت کر رہا ہے اس سے ڈرائے اور جس کام سے وہ غافل ہے حالانکہ وہ اسے ظلم سے بچا سکتا ہے تو اس کے بارے میں اس کی راہنمائی کرے جب گفتگو کے موثر ہونے کی توقع ہو تو یہ تین باتیں لازم ہیں اسی طرح ہر وہ شخص جو کسی عذر یا عذر کے بغیر بادشاہ کے پاس جاتا ہے اس پر بھی یہ تین باتیں لازم ہیں۔

حضرت محمد بن صالح رحمہ اللہ سے مروی ہے فرماتے ہیں میں حماد بن سلمہ رحمہ اللہ کے پاس تھا اور اس وقت گھر میں صرف ایک چٹائی تھی اور وہ اس پر بیٹھے قرآن پڑھ رہے تھے، ایک بستہ تھا جس میں کتابیں تھیں اور ایک لوٹا تھا جس کے ساتھ وہ وضو کرتے تھے جس وقت میں ان کے پاس تھا ایک شخص نے دروازہ کھٹکھٹایا دیکھا تو وہ محمد بن سلیمان تھا انہوں نے اجازت دے دی وہ داخل ہوا اور ان کے سامنے بیٹھ گیا پھر کہا کیا وجہ ہے کہ جب میں آپ کو دیکھتا ہوں تو مجھ پر رعب طاری ہو جاتا ہے حضرت حماد بن سلمہ رحمہ اللہ نے فرمایا اس لیے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

إِنَّ الْعَالِمَ إِذَا أَرَادَ بِعِلْمِهِ وَجْهَ اللّٰهِ هَابَهُ كُلُّ شَيْءٍ وَإِنْ أَرَادَ أَنْ يَكْنِزَ بِهِ الْكُنُوزَ هَابَ مِنْ كُلِّ شَيْءٍ۔ (۱)

جب عالم اپنے علم سے اللہ تعالیٰ کی رضا چاہتا ہے تو اس سے ہر چیز ڈرتی ہے اور جب وہ اس کے ذریعے دولت جمع کرنا چاہتا ہے تو وہ ہر چیز سے ڈرتا ہے۔

پھر محمد بن سلیمان نے انہیں چالیس ہزار درہم پیش کئے اور کہا یہ لیجئے اور ان سے مدد حاصل کریں انہوں نے فرمایا انہیں ان لوگوں کو واپس کر دو جن پر تم نے ظلم کیا ہے اس نے کہا اللہ کی قسم میں نے آپ کو مال وراثت سے دیا ہے۔ انہوں نے فرمایا مجھے اس کی حاجت نہیں اس نے کہا اسے تقسیم کر دیں انہوں نے فرمایا مجھے اس بات کا ڈر ہے کہ اگر میں نے تقسیم میں انصاف کیا تو جسے نہیں ملے گا وہ کہے گا کہ تقسیم میں انصاف نہیں کیا اس طرح وہ گناہ گار ہوگا لہذا اسے مجھ سے علیحدہ رکھو۔

<u>تیسری حالت</u>: حکمرانوں سے دور رہے نہ وہ انہیں دیکھے اور نہ وہ اسے دیکھیں یہی واجب ہے کیونکہ

---

(۱) کنز العمال جلد ۱۶ ص ۲۳۰ حدیث ۴۴۱۲۱

سلامتی اسی میں ہے اس پر لازم ہے کہ ان کے ظلم کی وجہ سے ان سے نفرت کا عقیدہ رکھے اور ان کا باقی رہنا پسند نہ کرے اور نہ ان کی تعریف کرے اور نہ ہی ان کے حالات معلوم کرے جو لوگ ان کے قریب ہیں ان کے قریب بھی نہ جائے۔

ان سے علیحدگی کی وجہ سے جو نقصان ہوا اس پر افسوس نہ کرے اور یہ اس وقت ہے جب اس کے دل میں ان کا دھیان گزرے اور اگر ان سے غافل ہو تو یہ زیادہ اچھا ہے اور جب اس کے دل میں یہ خیال گزرے کہ ان لوگوں کے پاس بہت مال ہے تو اس وقت حضرت حاتم اصم رحمہ اللہ کی بات یاد کرے وہ فرماتے ہیں میرے اور بادشاہوں کے درمیان ایک دن کا فرق ہے کیونکہ وہ کل (گذشتہ) کی لذت نہیں پاتے اور آئندہ (قیامت) میں اور وہ دونوں خوف زدہ ہوں گے لہٰذا آج کا دن ہی رہ گیا اور ایک دن میں کیا ہو سکتا ہے اور حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ کی بات یاد رکھنی چاہیے آپ نے فرمایا مال والے بھی کھانا کھاتے ہیں اور ہم بھی کھاتے ہیں وہ بھی پانی پیتے ہیں اور ہم بھی پیتے ہیں وہ بھی لباس پہنتے ہیں اور ہم بھی۔ اور ان کے پاس زائد مال ہوتا ہے وہ اس طرف دیکھتے ہیں اور ہم بھی ان کے ساتھ اس کی طرف دیکھتے ہیں ان لوگوں کے ذمہ اس مال کا حساب ہے لیکن ہم اس سے بری الذمہ ہیں اور جو آدمی کسی ظالم کے ظلم اور گناہ گار کے گناہ سے آگاہ ہونا چاہے تو مناسب یہی ہے کہ یہ اس کے دل میں اس شخص کے درجہ کو گھٹا دے یہ اس پر واجب ہے کیونکہ جب کسی آدمی سے ناپسندیدہ بات ظاہر ہو تو یہ بات اس شخص کو دل سے نکال باہر کرتی ہے۔

گناہ سے نفرت ہونی چاہیے کیوں کہ یا تو اس سے غفلت ہوتی ہے یا وہ اس پر راضی ہوتا ہے یا ناپسند کرتا ہے، علم کے ساتھ غفلت نہیں ہو سکتی رضامندی کی کوئی وجہ نہیں لہٰذا ناپسندیدگی ضروری ہے پس جو شخص اللہ تعالیٰ کے حق میں کوتاہی کرتا ہے اسے اپنے حق میں کوتاہی کرنے والے کی طرح جانتے۔

سوال:

ناپسند کرنا اختیاری بات نہیں ہے تو واجب کیسے ہوگی؟

جواب:

بات اس طرح نہیں ہے بلکہ محب طبعی طور پر اس چیز کو ناپسند کرتا ہے جسے اس کا محبوب ناپسند کرتا ہے اور اس کی مخالفت کرتا ہے کیونکہ جو شخص اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کو ناپسند نہیں کرتا وہ اللہ تعالیٰ سے محبت نہیں کرتا اور جو اس کو پہچانتا نہیں وہ بھی اس سے محبت نہیں کر سکتا اس کی پہچان واجب ہے اور اللہ تعالیٰ سے محبت کرنا بھی واجب ہے اور جب اس سے محبت کرے گا تو جسے وہ ناپسند کرتا ہے یہ بھی ناپسند کرے گا۔ اور جسے وہ پسند کرتا ہے یہ بھی پسند کرے گا اس کی تحقیق عنقریب محبت و رضا کے بیان میں آئے گی۔

سوال :

پہلے زمانے میں علماء کرام بادشاہوں کے پاس جایا کرتے تھے ۔

جواب :

میں کہتا ہوں ٹھیک ہے پہلے ان سے جانے کا طریقہ سیکھ لو پھر جاؤ جیسا کہ ہشام بن عبدالملک کے بارے میں منقول ہے کہ وہ حج کرنے مکہ مکرمہ آیا جب وہاں داخل ہوا تو کہا کسی صحابیٔ رسول کو میرے پاس لاؤ، کہا گیا اے امیرالمومنین! وہ تو انتقال کر گئے ہیں، اس نے کہا تابعین میں سے کسی کو لاؤ تو حضرت طاؤس یمنی رحمہ اللہ کو لایا گیا جب آپ داخل ہوئے تو جوتا فرش کے ایک کنارے پر اتارا اور امیرالمومنین کہہ کر سلام نہ کیا بلکہ یوں کہا اے ہشام! تم پر سلامتی ہو اس کی کنیت بھی ذکر نہ کی اور اس کے سامنے بیٹھ گئے پوچھا اے ہشام! تمہارا کیا حال ہے؟ اس پر ہشام کو بہت غصہ آیا حتیٰ کہ انہیں قتل کرنے کا ارادہ کیا اسے بتایا گیا کہ تم اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے حرم میں ہو اور یہاں قتل کرنا ممکن نہیں، اس نے کہا اے طاؤس! تم نے یہ کام کیوں کیا؟ آپ نے پوچھا میں نے کیا کیا ہے؟ اس پر اس کا غصہ مزید تیز ہو گیا اس نے کہا آپ نے اپنا جوتا میرے فرش کے کنارے پر اتارا، میرے ہاتھ کو بوسہ نہ دیا، مجھے امیرالمومنین کہہ کر سلام نہ کہا اور نہ میری کنیت ذکر کی اور میری اجازت کے بغیر میرے سامنے بیٹھ گیا اور پوچھا کہ اے ہشام! تمہارا کیا حال ہے؟

انہوں نے فرمایا جہاں تک تمہارے بچھونے کے کنارے پر جوتا اتارنے کا تعلق ہے تو میں دن میں پانچ مرتبہ اپنے رب کے سامنے جوتا اتارتا ہوں لیکن وہ آج تک مجھ سے ناراض نہیں ہوا اور نہ مجھے جھڑکا۔ اور تمہارا یہ کہنا کہ میں نے تمہارے ہاتھوں کو بوسہ نہیں دیا تو میں نے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو فرماتے ہوئے سنا کہ کسی شخص کے لیے جائز نہیں کہ وہ کسی کے ہاتھوں کو بوسہ دے البتہ اپنی بیوی کے ہاتھوں کو شہوت کے طور پر اور بچوں کو رحمت کے طور پر بوسہ دے سکتا ہے۔ (۱)

اور تمہارا یہ کہنا کہ میں نے تمہیں امیرالمومنین کہہ کر سلام نہیں کیا تو تمام لوگ تمہاری حکمرانی پر راضی نہیں تو مجھے جھوٹ بولنا ناپسند ہے تجھے تیری کنیت سے نہ پکارنے کی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انبیاء کرام علیہم السلام کے نام لیے ہیں اے داؤد! اے یحییٰ! اے عیسیٰ! (علیہم السلام) اور اپنے دشمنوں کو کنیت سے پکارا فرمایا "تبت یدا ابی لہب"۔ ابو لہب کے ہاتھ ٹوٹ جائیں اور میں تیرے سامنے اس لیے بیٹھا کہ میں نے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے سنا آپ نے فرمایا جب تم کسی جہنمی کو دیکھنا

---

(۱) کسی شخص کے دینی منصب یا روحانی مقام کی وجہ سے اس کے ہاتھوں کو بوسہ دینا جائز ہے اس کی حکمرانی یا دولت کی وجہ سے نہیں احادیث میں اس کا ذکر ہے مشکوٰۃ شریف میں یہ باب ملاحظہ کیجئے ۱۲ ہزاروی

چاہو تو اس آدمی کو دیکھو جو بیٹھا ہوا ہو اور لوگ اس کے گرد کھڑے ہوں، ہشام نے کہا مجھے کوئی نصیحت فرمائیں انہوں نے فرمایا میں نے حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ سے سنا آپ نے فرمایا جہنم میں پہاڑوں کی چوٹیوں کی طرح کے سانپ ہیں اور خچروں کے برابر بچھو ہیں وہ ہر اس حکمران کو کاٹیں گے جو رعایا کے ساتھ انصاف نہیں کرتا یہ سن کر ہشام اٹھا اور وہاں سے جلدی جلدی چل دیا۔

حضرت سفیان ثوری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں منیٰ میں مجھے ابوجعفر منصور کے پاس لے جایا گیا تو اس نے کہا اپنا کوئی کام بتائیے میں نے کہا اللہ تعالیٰ سے ڈر تم نے زمین کو ظلم و زیادتی سے بھر دیا ہے فرمایا اس نے اپنا سر جھکایا پھر اٹھایا تو کہا اپنی کوئی حاجت بتائیے میں نے کہا تمہیں یہ مقام مہاجرین و انصار کی تلواروں کے طفیل ملا ہے اور ان کی اولاد بھوکی مر رہی ہے اللہ تعالیٰ سے ڈر اور ان کے حقوق ادا کر۔ اس نے پھر سر جھکایا اور جب اٹھایا تو کہا اپنی حاجت بتائیے میں نے کہا حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے حج کیا تو اپنے خازن سے پوچھا کتنا خرچ کیا ہے؟ اس نے کہا دس درہم سے کچھ اوپر، اور میں اور یہاں میں اتنا مال دیکھ رہا ہوں جس کو کوئی اونٹ اٹھا نہیں سکتے یہ کہہ کر آپ تشریف لے آئے۔

تو وہ بزرگ اس طرح بادشاہوں کے پاس جایا کرتے تھے وہ بھی اس وقت جب انہیں مجبوراً جانا پڑتا اور اللہ تعالیٰ کے لیے ان کے مظالم کا بدلہ لینے کے لیے اپنی جان جوکھوں میں ڈال دیتے تھے۔

حضرت ابن ابی شمیلہ، عبد الملک بن مروان کے پاس تشریف لے گئے تو اس نے کہا کچھ بیان کریں انہوں نے فرمایا قیامت کے دن اس کی سختیوں اور تباہیوں کو دیکھنے سے وہی لوگ بچیں گے جنہوں نے اپنے نفس کو راضی کر کے اللہ تعالیٰ کو راضی کیا ہوگا۔ (یہ سن کر) عبد الملک رو پڑا اور کہا کہ میں جب تک زندہ رہوں گا اس کلمہ کو اپنی آنکھوں کے سامنے رکھوں گا، جب حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ نے حضرت عبد اللہ بن عامر کو عامل بنایا تو صحابہ کرام ان کے پاس آئے حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ دیر سے تشریف لائے اور وہ ان کے دوست تھے انہوں نے ناراضگی کا اظہار کیا تو حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ نے فرمایا میں نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا آپ نے فرمایا۔

إِنَّ الرَّجُلَ إِذَا وَلِيَ وِلَايَةً تَبَاعَدَ اللّٰهُ عَنْهُ ۔ (۱) جب کوئی شخص کوئی منصب حکومت سنبھالتا ہے تو وہ اللہ تعالیٰ سے دور ہو جاتا ہے۔

حضرت مالک بن دینار رحمہ اللہ، امیر بصرہ کے پاس تشریف لے گئے تو فرمایا اے امیر! میں نے بعض کتب میں پڑھا ہے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ بادشاہ سے زیادہ کوئی بیوقوف نہیں، میری نافرمانی کرنے والے سے بڑھ کر کوئی جاہل نہیں اور جو شخص میری اطاعت کرتا ہے اس سے بڑھ کر کوئی معزز نہیں اسے برے چرواہے! میں نے تمہیں موٹی تازی اور

---

(۱) الاحادیث الضعیفۃ الموضوعۃ جلد ۲ ص ۱۰۴ حدیث ۱۰۷

تندرست بکریاں دی تھیں تو تو نے ران کا گوشت کھا لیا، اُون پہن لی اور محض ہڈیاں چھوڑ دیں جن سے آواز آتی ہے،
والئ بصرہ نے ان سے کہا کیا آپ کو معلوم ہے کہ آپ ہم پر کیوں دلیر ہیں اور ہم سے دور کیوں رہتے ہیں۔؟
انہوں نے فرمایا نہیں اس نے کہا اس لیے کہ آپ ہم سے بہت کم طمع رکھتے ہیں اور جو کچھ ہمارے پاس ہے
اس کا اہتمام نہیں کرتے (یا اسے جمع نہیں کرتے)
حضرت عمر بن عبد العزیز رضی اللہ عنہ، سلیمان بن عبد الملک کے ساتھ کھڑے تھے تو سلمان بجلی کی آواز سن کر
ڈر گیا اور اپنا سینہ کجاوے کے اگلے حصے پر رکھ دیا حضرت عمر بن عبد العزیز نے فرمایا یہ تو اس کی رحمت کی آواز ہے
جب تو اس کے عذاب کی آواز سنے گا تو پھر کیا ہو گا؟ پھر سلیمان نے لوگوں کی طرف دیکھا اور کہا کہ کتنے زیادہ لوگ ہیں،
حضرت عمر بن عبد العزیز رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اے امیر المؤمنین یہ سب تمہارے دشمن (تجھ پر اپنے حقوق کا دعویٰ کرنے والے ہیں)
اس پر سلیمان نے کہا اللہ تعالیٰ تمہیں ان کے ساتھ آزمائش میں ڈالے۔

منقول ہے کہ سلیمان بن عبد الملک مکہ مکرمہ جاتے ہوئے مدینہ طیبہ آیا اور اس نے ابو حازم کو بلایا جب وہ داخل ہوئے
تو سلیمان نے کہا اے ابو حازم! ہم موت کو ناپسند کیوں کرتے ہیں؟ انہوں نے فرمایا اس لیے کہ تم نے اپنی آخرت کو خراب
کیا اور دنیا کو آباد کیا تو تم آباد کو چھوڑ کر خراب اور ویران جگہ کی طرف جانا پسند نہیں کرتے اس نے کہا اے ابو حازم! اللہ
تعالیٰ کے سامنے حاضری کس طرح ہوگی انہوں نے فرمایا اے امیر المومنین! نیکوکار آدمی یوں حاضر ہوگا جیسے کوئی مسافر اپنے گھر
والوں کے پاس آتا ہے اور گناہ گار اس بھاگے ہوئے غلام کی طرح حاضر ہوگا جو اپنے مالک کے پاس آتا ہے۔ یہ سن
کر سلیمان رو پڑا اور کہا کاش ہمیں معلوم ہوتا کہ ہم کیسے حاضر ہوں گے حضرت ابو حازم رحمہ اللہ نے فرمایا اپنے آپ کو کتاب اللہ
پر پیش کرو اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔

إِنَّ الْأَبْرَارَ لَفِي نَعِيمٍ وَإِنَّ الْفُجَّارَ لَفِي جَحِيمٍ۔ (۱)

بے شک نیک لوگ نعمتوں میں ہوں گے اور بلاشبہ بدکار لوگ جہنم میں ہوں گے۔

سلیمان نے کہا اللہ تعالیٰ کی رحمت کہاں ہوگی؟ فرمایا وہ مومنوں کے قریب ہوگی پھر سلیمان نے کہا اے ابو حازم! اللہ تعالیٰ
کا کونسا بندہ زیادہ معزز ہے؟ آپ نے فرمایا نیکی اور تقویٰ کو اختیار کرنے والا، اس نے پوچھا کونسا عمل افضل ہے؟
آپ نے فرمایا حرام سے بچتے ہوئے فرائض کی ادائیگی اس نے کہا کونسا کلام اچھا ہے؟ فرمایا جس آدمی سے ڈر اور
امید ہو اس کے پاس سچی بات کہنا اس نے پوچھا کونسا مومن زیادہ عقلمند ہے؟ فرمایا وہ شخص جو اللہ تعالیٰ کی اطاعت
کرتا ہے اور لوگوں کو بھی اس کی دعوت دیتا ہے اس نے پوچھا کونسا مسلمان زیادہ نقصان میں ہے؟ فرمایا وہ شخص جو

---

(۱) قرآن مجید، سورۃ الانفطار آیت ۱۳، ۱۴

اپنے ظالم بھائی کی خواہش پر چلے اور دوسرے کی دنیا کے لیے اپنی آخرت بیچ دے، سلیمان نے کہا ہمارے اعمال کے بارے میں آپ کا کیا خیال ہے؟ انہوں نے فرمایا جانے دو (نہ پوچھو) اس نے کہا نہیں یہ ضروری ہے یہ ایک نصیحت ہے جو آپ کی طرف سے مجھے ملے گی۔ آپ نے فرمایا اے امیر المومنین! آپ کے آباؤاجداد نے تلوار کے ذریعے لوگوں کو قابو کیا اور یہ ملک زبردستی لیا اس میں مسلمانوں کا مشورہ یا رضا شامل نہیں ہے حتیٰ کہ ان میں سے بہت لوگوں کو قتل کر کے چلے گئے کاش تمہیں معلوم ہوتا کہ انہوں نے کیا کہا اور انہیں کیا جواب دیا گیا، اس پر مجلس میں بیٹھے ہوئے ایک شخص نے کہا کہ آپ نے اچھی بات نہیں کہی۔

حضرت ابو حازم رحمہ اللہ نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے علماء سے وعدہ لیا ہے کہ وہ لوگوں کے سامنے اسے بیان کریں اور نہ چھپائیں۔

سلیمان نے عرض کیا کہ ہم اس خرابی کو کیسے دور کریں؟ حضرت ابو حازم رحمہ اللہ نے فرمایا حلال طریقے پر حاصل کر کے اس کے مقام تک پہنچاؤ، سلیمان نے کہا اس پر کون قادر ہو سکتا ہے؟ آپ نے فرمایا جو جنت کو طلب کرے اور جہنم سے ڈرے۔ سلیمان نے کہا میرے لیے دعا فرمائیں آپ نے دعا مانگی "اے اللہ! اگر سلیمان تیرا دوست ہے تو دنیا اور آخرت کی بھلائی اس کے لیے آسان کر دے اور اگر تیرا دشمن ہے تو اس کو پکڑ کر اپنی پسندیدہ اور محبوب چیز کی طرف پھیر دے۔

سلیمان نے کہا کوئی وصیت کریں آپ نے فرمایا میں تجھے مختصر وصیت کرتا ہوں اپنے رب کی عظمت اور پاکیزگی اس طریقے پر سامنے رکھو کہ اس نے جس جگہ سے منع فرمایا ہے وہ تمہیں وہاں نہ دیکھے یا جہاں جانے کا حکم دیا وہاں غیر حاضر نہ پائے۔

حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ نے حضرت ابو حازم سے فرمایا مجھے بھی نصیحت فرمائیں فرمایا جب لیٹ جاؤ تو موت کو اپنے سر کے پاس رکھو پھر دیکھو کہ اس وقت تمہیں کیا چیز پسند آتی ہے اسے اختیار کرو اور اس وقت جس بات کا اپنے اندر پانا ناپسند ہو اسے چھوڑ دو کیوں کہ ہو سکتا ہے یہی آخری وقت ہو۔

ایک دیہاتی، سلیمان بن عبدالملک کے پاس آیا تو اس نے کہا اعرابی! گفتگو کرو اس نے کہا اے امیر المومنین! میں کچھ کہتا ہوں لیکن اسے برداشت کرنا اگرچہ تمہیں ناپسند ہو کیوں کہ اس کے بعد وہ بھی ہوگا جسے تم پسند کرتے ہو بشرطیکہ اسے قبول کرو اس نے کہا اے اعرابی! ہمارا ظرف اتنا وسیع ہے کہ جس شخص سے ہمیں نصیحت کی توقع نہیں ہوتی ہم اس کی بات بھی قبول کرتے ہیں حالانکہ ہم اس کے دھوکے سے بے خوف نہیں ہوتے تو جس کے دھوکے سے ہم بے خوف ہوں اور اس سے نصیحت کی امید رکھیں اس کی بات قبول کیونکہ نہیں کریں گے۔

اعرابی نے کہا اے امیر المومنین! آپ کے گرد ایسے لوگ بھی ہیں جنہوں نے اپنے نفسوں کے لیے برائی

اختیار کی اور اپنے دین کے بدلے دنیا اور تیری رضا کے بدلے اپنے رب کی ناراضگی خرید لی۔ وہ اللہ تعالیٰ کے حق میں تجھ سے ڈرتے ہیں اور تیرے حق میں اللہ تعالیٰ سے نہیں ڈرتے انھوں نے آخرت سے لڑائی کی اور دنیا سے صلح کر لی لہٰذا اللہ تعالیٰ نے تجھے جو امانت دی ہے وہ ان کے سپرد نہ کرو۔ کیونکہ وہ امانت کو ضائع کرتے اور امت کی تباہی میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کریں گے انھوں نے جو عمل کیا اس کی باز پرس تم سے ہوگی۔ لیکن تمہارے اعمال کے بارے میں ان سے سوال نہیں ہوگا لہٰذا تو ان کی دنیا کو ٹھیک کرنے کے لیے اپنی آخرت کو خراب نہ کر، کیونکہ سب سے زیادہ خسارہ اسے ہوتا ہے جو دوسروں کی دنیا کے لیے اپنی آخرت کا سودا کر دے۔ سلیمان نے اس سے کہا اے اعرابی تیری زبان کی تلوار تو تیری تلوار سے بھی زیادہ کاٹتی ہے، اس نے کہا امیر المومنین! یہ ٹھیک ہے لیکن اس میں تمہارا فائدہ ہے نقصان نہیں۔

بیان کیا گیا ہے کہ حضرت ابو بکرہ، حضرت معاویہ (رضی اللہ عنہما) کے پاس تشریف لے گئے اور فرمایا اے معاویہ! اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور جان لو کہ ہر دن جو گزر رہا ہے اور ہر رات جو آتی ہے دنیا سے دوری اور آخرت سے قریب ہو رہا ہے، اور آپ کے پیچھے ایک متلاشی (موت) ہے جس سے آپ بچ نہیں سکتے اور تمہارے لیے ایک حد مقرر کی گئی ہے جس سے آگے نہیں گزر سکتے تم بہت جلد اس تک پہنچنا چاہتے ہو اور وہ تمہارا متلاشی تمہیں آپکڑتا ہے ہم اور جس میں ہم ہیں سب فانی ہے اور جس کی طرف ہم جا رہے ہیں وہ باقی ہے اگر بھلائی کا بدلہ ہے تو بہتر ہے اور اگر برائی کی ہے تو وہ بھی برا ہے۔

تو اسی طرح اہل علم بادشاہوں کے پاس جایا کرتے تھے اس سے مراد آخرت والے علماء ہیں جہاں تک علماء دنیا کا تعلق ہے تو وہ صرف اس لیے داخل ہوتے ہیں کہ ان کا قرب حاصل ہو وہ ان کو شریعت میں آسانیاں بتاتے ہیں۔ اور ان کی اغراض کے مطابق نہایت دقیق حیلے گھڑتے ہیں اور اگر وہ وعظ کے دوران اس قسم کی باتیں بھی کہیں جو ہم نے ذکر کی ہیں تو بھی ان کا مقصد اصلاح نہیں ہوتا بلکہ ان (بادشاہوں) کے ہاں جاہ و مرتبہ اور مقبولیت حاصل کرنا ہوتا ہے اور اس میں دو طرح کا دھوکہ ہے جس میں بے وقوف لوگ مبتلا ہوتے ہیں۔

۱۔ وہ یہ ظاہر کرتے ہیں کہ وہ ان لوگوں کے پاس اس لیے جا رہے ہیں کہ وعظ و نصیحت کے ذریعے ان کی اصلاح کریں اور بعض اوقات ان کے دل میں یہ بات نہیں ہوتی بلکہ وہ صرف اس لیے جاتے ہیں کہ ان کے دل میں شہرت کی خواہش پوشیدہ ہوتی ہے نیز وہ ان کے ہاں پہچان حاصل کرتے ہیں طلب اصلاح میں سچا ہونے کی علامت یہ ہے کہ اگر کوئی دوسرا عالم جو اس کا ہم عصر ہو، وعظ و نصیحت کی اس ذمہ داری کو اختیار کرے اور قبولیت کا امکان بھی ہو اور اصلاح کے آثار بھی ظاہر ہوں تو اسے اس پر خوش ہونا چاہیے اور خدا کا شکر ادا کرنا چاہیے کہ جس کام کو وہ کرنا چاہتا تھا وہ دوسرے کے ہاتھوں پورا ہو گیا، جیسے ایک شخص پر کسی لاعلاج مریض کا علاج واجب ہو اور کوئی دوسرا معالج اس کا علاج کرے تو وہ اس پر بہت خوش ہوتا ہے اور اگر وہ اپنے دل میں اپنے کلام کو دوسرے کے کلام پر ترجیح دے تو وہ دھوکے

میں ہے۔

۲۔ وہ یہ خیال کرے کہ میں کسی مسلمان سے ظلم کو دور کرنا چاہتا ہوں یہ بھی ایک فریب ہے اور اس کا معیار وہ ہے جو ہم پہلے ذکر کر چکے ہیں۔

اب جب بادشاہوں کے پاس جانے کا طریقہ ظاہر ہوگیا تو ہم بادشاہوں کے ساتھ میل جول اور ان کا مال لینے کے سلسلے میں جو عوارض پیش آتے ہیں ان کا ذکر کرتے ہیں۔

مسئلہ :

جب بادشاہ تمہارے پاس مال بھیجے تاکہ تم فقیروں میں تقسیم کردو تو اگر اس کا مالک کوئی معین شخص ہے تو اسے لینا جائز نہیں اور اگر اس کا کوئی معین مالک نہیں بلکہ اس کا حکم یہ ہے کہ اسے مساکین پر صدقہ کردیا جائے جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے تو تم لے سکتے ہو اور اب تم تقسیم کرنے کے ذمہ دار ہو اور اس طرح لینے سے تم گناہ گار نہیں ہو گے لیکن بعض علماء نے اس سے منع کیا ہے تو اس صورت میں بہتر بات کو دیکھا جائے تو ہم کہتے ہیں اگر تم تین قسم کے خطرات سے محفوظ ہو تو لے لینا چاہیے۔

پہلا خطرہ :

تمہارے مال لینے کی وجہ سے بادشاہ یہ سمجھے کہ اس کا مال پاک ہے اور اگر وہ پاک نہ ہوتا تو تم اس کی طرف ہاتھ نہ بڑھاتے اور اپنی ضمان میں داخل نہ کرتے اگر یہ صورت حال ہے تو نہ لو یہ ممنوع ہے کیوں کہ تمہارے تقسیم کرنے سے جو بھلائی پیدا ہوگی وہ اس برائی سے کم ہوگی جو سلطان کے حرام کمانے پر جرأت کرنے سے پیدا ہوگی۔

دوسرا خطرہ :

دوسرا یہ کہ علماء اور جاہل لوگ نہیں دیکھیں گے اور یہ اعتقاد رکھیں گے کہ یہ حلال ہے اور تمہاری پیروی کرتے ہوئے وہ بھی لیں گے اور اس کے جواز پر اسے دلیل بنائیں گے اور پھر وہ تقسیم نہیں کریں گے یہ پہلے خطرے سے بڑا خطرہ ہے کیونکہ حضرت امام شافعی رحمہ اللہ کے مال لینے کو بعض لوگ اس پر جواز کی دلیل کے طور پر پیش کرتے ہیں اور اس بات سے غفلت اختیار کرتے ہیں کہ انہوں نے اسے تقسیم کیا تھا اور اسی نیت سے لیا۔

لہٰذا ایسا شخص جس کی اقتدا کی جاتی ہے اور لوگ اس سے اختیار کرتے ہیں اسے اس سے انتہائی درجہ احتراز کرنا چاہیے کیونکہ اس کا عمل بہت زیادہ لوگوں کی گمراہی کا سبب بنے گا۔

حضرت وہب بن منبہ کہتے ہیں کہ ایک شخص لوگوں کی موجودگی میں بادشاہ کے پاس لایا گیا کہ وہ اسے خنزیر کا گوشت کھانے پر مجبور کرے لیکن اس نے نہ کھایا اس کے سامنے بکری کا گوشت رکھا گیا اور تلوار کے ذریعے مجبور کیا گیا لیکن اس نے نہ کھایا اس سلسلے میں اس سے پوچھا گیا تو اس نے کہا لوگوں کو یقین ہوگیا تھا کہ مجھ سے خنزیر کا

گوشت کھانے کا مطالبہ کیا گیا اب جب صحیح سالم باہر آؤں اور کچھ کھایا بھی ہو تو لوگوں کو معلوم نہ ہوگا کہ میں نے کیا کھایا ہے تو اس طرح وہ گمراہ ہو جائیں گے۔

حضرت وہب بن منبہ اور حضرت طاؤس (دونوں) حجاج کے بھائی محمد بن یوسف کے پاس تشریف لے گئے اور وہ کسی علاقے کا عامل تھا سردی کی صبح تھی اور وہ ایک کھلی مجلس میں بیٹھا تھا اس نے غلام سے کہا ایک چادر لاکر ابو عبدالرحمٰن (حضرت طاؤس) کو اوڑھا دو وہ کرسی پر بیٹھے ہوئے تھے وہ مسلسل اپنے کاندھوں کو ہلاتے رہے حتیٰ کہ اپنے آپ سے چادر کو گرا دیا محمد بن یوسف کو غصہ آیا تو حضرت وہب نے فرمایا اگر آپ اس چادر کو لے کر صدقہ کر دیتے تو اس کے غصے سے بچ جاتے انہوں نے فرمایا ہاں ٹھیک ہے اگر مجھے ڈر نہ ہوتا کہ میرے بعد کہا جائے گا کہ طاؤس نے چادر لے لی تھی اور جو کچھ میں کرتا وہ کچھ نہ کہا جاتا (تو میں لے لیتا)

تیسرا خطرہ:

تمہارے دل میں اس کی محبت کے لیے حرکت پیدا ہو کیونکہ اس نے یہ مال تجھے دے کر تیری تخصیص کی اور تجھے ترجیح دی۔ اگر معاملہ یوں ہو تو قبول نہ کیا جائے کیونکہ یہ زہر قاتل ہے اور پوشیدہ بیماری ہے مطلب یہ ہے کہ تمہارے دل میں ان ظالموں کی محبت آجائے کیونکہ تو جس سے محبت کرے گا لازماً اس کی حرص بھی رکھے گا اور اس سلسلے میں منافقت سے کام لے گا۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ محسن سے محبت انسان کی فطرت ہے اور سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اَللّٰھُمَّ لَا تَجْعَلْ لِفَاجِرٍ عِنْدِیْ یَدًا فَیُحِبَّہٗ قَلْبِیْ۔ (۱)

یا اللہ! مجھے کسی فاجر کا احسان مند نہ بنا اس طرح میرے دل میں اس کی محبت پیدا ہو جائے گی۔

تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے واضح فرمایا کہ دل کو اس سے روکا نہیں جا سکتا۔

بیان کیا گیا ہے کہ کسی حکمران نے حضرت مالک بن دینار رحمہ اللہ کے پاس دس ہزار درہم بھیجے تو انہوں نے تمام تقسیم کر دیئے حضرت محمد بن واسع ان کے پاس آئے اور پوچھا کہ اس مخلوق (حکمران) نے آپ کے پاس جو کچھ بھیجا تھا اسے کیا کیا؟ انہوں نے فرمایا میرے دوستوں سے پوچھ لیں۔ انہوں نے بتایا کہ وہ سارا مال تقسیم کر دیا ہے انہوں نے فرمایا میں آپ کو اللہ تعالیٰ کی قسم دے کر پوچھتا ہوں بتائیے اس کی محبت آپ کے دل میں یہ رقم آنے سے پہلے کے مقابلے میں زیادہ ہے یا پہلے زیادہ تھی؟ انہوں نے فرمایا اب زیادہ ہے حضرت محمد بن واسع نے فرمایا مجھے اسی بات کا ڈر تھا اور

---

(۱) الدر المنثور جلد ۶ ص ۱۸۷ تحت آیت لاتجد قوما

انہوں نے سچ فرمایا کیونکہ جب بندہ اس سے محبت کرے گا تو اس کا باقی رہنا پسند ہوگا جب کہ اس کی معزولی اور ذلت اور موت ناپسند ہوگی نیز وہ خواہش رکھے گا کہ اس کی حکومت اور مال بہت وسیع ہو اور یہ تمام امور اسبابِ ظلم سے محبت میں اور یہ مذموم ہے۔

حضرت سلمان اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہما نے فرمایا جو شخص کسی کام پر راضی ہو اگرچہ وہ اس سے غائب ہو وہ موجود تصور کیا جاتا ہے۔

ارشاد خداوندی ہے :

وَلَا تَرْكَنُوْٓا اِلَى الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا۔ (۱) اور ظالموں کی طرف مائل نہ ہو۔

کہا گیا ہے کہ اس کا مطلب ہے ان کے اعمال کو پسند نہ کرو۔ اور اگر تم اس قدر مضبوط ہو کہ اس (مال کے لینے) سے ان کی محبت نہیں بڑھے گی تو کوئی حرج نہیں۔

بصرہ کے ایک عبادت گزار بزرگ کے بارے میں بیان کیا گیا ہے کہ وہ مال لے کر تقسیم کر دیا کرتے تھے ان سے پوچھا گیا کہ آپ کو ان لوگوں سے (جن سے مال لے رہے ہیں) محبت کا خوف نہیں انہوں نے فرمایا اگر کوئی شخص میرا ہاتھ پکڑ کر مجھے جنت میں داخل کر دے پھر اپنے رب کی نافرمانی کرے تو میرے دل میں اس کی محبت نہیں ہوگی کیونکہ جس ذات نے اسے میرا ہاتھ پکڑنے پر مسخر کیا میں اسی کی خاطر اس سے نفرت کرتا ہوں تاکہ اس طرح اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کروں کی اس نے اسے میرے لیے مسخر کیا تھا۔

اس سے واضح ہو گیا کہ اب ان لوگوں سے مال لینا ممنوع و مذموم ہے اگرچہ وہ مال کسی طریقے پر حلال ہو کیونکہ وہ ان خطرات سے خالی نہیں۔

مسئلہ :

اگر کوئی شخص کہے کہ جب اس (سلطان) سے مال لے کر تقسیم کرنا جائز ہے تو کیا اس کا مال چوری بھی کیا جا سکتا ہے؟ یا اس کی امانت کو چھپا کر انکار کر دیا جائے اور اسے لوگوں پر تقسیم کر دیا جائے؟

تو ہم کہتے ہیں کہ یہ ناجائز ہے کیوں کہ بعض اوقات اس کا مالک معین ہوتا ہے اور وہ (سلطان) اسے واپس کرنا چاہتا ہے اور جو مال وہ خود تمہاری طرف بھیجے اس کی صورت مختلف ہے۔ کیونکہ ہر کوئی عقل مند اس کے بارے میں یہ گمان نہیں کرتا کہ وہ جس مال کے مالک کو جانتا ہے اسے صدقہ کرے گا تو اس کا، یہ مال تمہارے حوالے کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ وہ اس کے مالک کے بارے میں کچھ نہیں جانتا اور اگر بادشاہ ایسا ہو کہ اس قسم کے حالات اس پر مشتبہ رہتے ہوں تو

---

(۱) قرآن مجید، سورۂ ہود آیت ۱۱۳

اس سے غیر معروف مال لینا جائز نہیں تو چوری کرنا کیسے جائز ہوگا؟ کیوں کہ یہ بھی احتمال ہے کہ اس نے وہ مال ادھار خریدا ہو اور اب وہ اس کا مالک ہو کیونکہ قبضہ ملکیت کی دلیل ہے لہٰذا چوری کی کوئی صورت نہیں بلکہ اگر گری پڑی چیز مل جائے اور ظاہر میں معلوم ہو کہ یہ کسی سپاہی کی ہے اور یہ بھی احتمال ہے کہ اس نے یہ چیز ادھار لی ہو جس کی رقم اس کے یا کسی دوسرے کے ذمہ ہو تو لوٹانا واجب ہے تو ان (سلاطین) کا مال چوری کرنا جائز نہیں نہ خود ان سے اور نہ ان سے جن کے پاس امانت رکھا گیا اگر امانت رکھا گیا ہو تو اس کا انکار کرنا بھی جائز نہیں اور جو آدمی ان کا مال چوری کرے گا اسے سزا دی جائے گی البتہ جب چور یہ دعویٰ کرے کہ یہ ان کا نہیں تو اس دعویٰ کی وجہ سے حد (ہاتھ کاٹنے کی سزا) ساقط ہو جائے گی۔

مسئلہ:

ان لوگوں کے ساتھ معاملات حرام ہیں کیونکہ ان کا اکثر مال حرام ہوتا ہے تو جو عوض لیا جائے گا وہ حرام ہوگا۔ اگر وہ قیمت ایسی جگہ سے دیں جس کا حلال ہونا معلوم ہو تو اب جو کچھ ان کو دیا جا رہا ہے اس میں نظر کرنا باقی ہے اگر معلوم ہو جائے کہ وہ اس میں اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کے مرتکب ہوں گے جیسے ان پر ریشمی کپڑا بیچنا ہے وہ جانتا ہے کہ وہ (سلاطین) اسے پہنیں گے تو یہ حرام ہے جیسے شراب بنانے والے پر انگور بیچنا حرام ہے اختلاف اس صورت میں ہے کہ سودا صحیح ہے یا نہیں اگر یہ بھی احتمال ہو کہ وہ خود پہنے گا اور یہ بھی کہ وہ اپنی خواتین کو پہنائے گا تو یہ مکروہ شبہ ہے یہ ان چیزوں کے بارے میں ہے جن میں خود گناہ ہے اور اسی کے حکم میں ان پر گھوڑا بیچنا بھی ہے بالخصوص جب وہ اس پر سوار ہو کر مسلمانوں سے لڑائی کریں۔ یا ان (مسلمانوں) کے مالوں کا خراج وصول کرنے جائیں تو یہ گھوڑے کے ذریعے ان کی مدد ہے اور یہ ممنوع ہے لیکن ان پر درہم و دینار بیچنا یا وہ چیز جس کی ذات میں کوئی گناہ نہیں بلکہ وہ گناہ تک پہنچاتی ہے تو اس کا بیچنا مکروہ ہے کیونکہ اس میں ظلم پر ان کی مدد کرنا ہے اس لیے کہ وہ لوگ اپنے مالوں، جانوروں اور باقی تمام اسباب کے ساتھ ظلم پر مدد حاصل کرتے ہیں اور یہ کراہیت ان کو ان چیزوں کا تحفہ دینے اور اجرت کے بغیر ان کا کام کرنے کی صورت میں ہے حتیٰ کہ ان کو اور ان کی اولاد کو کتابت اور حساب و کتاب سکھانے میں بھی کراہیت ہے البتہ قرآن پاک سکھانا مکروہ نہیں بشرطیکہ اجرت نہ لے کیونکہ یہ حرام ہے البتہ اس کا حلال ہونا قطعی طور پر معلوم ہو تو ٹھیک ہے (کیونکہ وہ حرام مال سے اجرت دیتے ہیں) اگر وہ (بادشاہ) کسی کو وکیل مقرر کرے کہ وہ بازار سے کسی اجرت کے بغیر اس کے لیے خرید و فروخت کرے تو یہ مکروہ ہے کیوں کہ اس میں اس کی مدد کرنا ہے اور اگر وہ ان (بادشاہوں) کے لیے وہ چیز خریدے جس کے بارے میں علم ہو کہ وہ اس سے گناہ کا قصد کریں گے جیسے غلام، بچھونے یا لباس کے لیے ریشمی کپڑا اور ظلم و قتل کے لیے سوار ہو کر جانے کی خاطر گھوڑا تو یہ حرام ہے۔ اور جب اس خریدی گئی چیز کے ساتھ گناہ کا ارادہ کیا جائے تو حرمت آجائے گی اور جہاں یہ ارادہ ظاہر نہ ہو لیکن اس پر حالت یا کوئی دلالت گواہی دیتی ہو تو کراہیت ہوگی۔

مسئلہ:

جن بازاروں کو انہوں نے حرام مال سے بنایا ہے ان میں تجارت بھی حرام ہے اور ان میں ٹھہرنا بھی جائز نہیں اگر کوئی تاجر وہاں سکونت اختیار کرے اور شرعی طریقے پر مال کمائے تو اس کا کسب حرام نہیں ہوگا۔

البتہ وہ وہاں ٹھہرنے کی وجہ سے گناہ گار ہوگا اور لوگوں کو اس بات کا حق حاصل ہے کہ ان سے خرید و فروخت کریں لیکن اگر کوئی دوسرا بازار میسر ہو تو وہاں سے خریدنا زیادہ بہتر ہے کیونکہ یہ وہاں رہنے والوں کی مدد کرنا اور ان کی دوکانوں کے کرایوں کو بڑھانا ہے اسی طرح وہ بازار جس پر بادشاہ کی طرف سے خراج مقرر نہیں ہے وہ اس بازار میں معاملہ کرنے سے بہتر ہے جس پر خراج (ٹیکس) مقرر کیا ہے۔ ایک جماعت نے تو اس سلسلے میں مبالغہ سے کام لیا ہے حتیٰ کہ انہوں نے ان کاشتکاروں اور زمینداروں سے معاملہ کرنے سے بھی پرہیز کیا جن پر ان (بادشاہوں) کی طرف سے خراج ہوتا ہے کیونکہ بعض اوقات وہ حاصل شدہ مال کو خراج پر صرف کرتے ہیں تو اس طرح ان لوگوں (بادشاہوں) کی مدد ہو جاتی ہے لیکن یہ دین میں زیادتی ہے اور مسلمانوں کو حرج میں ڈالنا ہے کیونکہ خراج سب زمینوں پر ہو گیا اور لوگ زمین کی پیداوار کے بغیر نہیں رہ سکتے اور ان کو روکنے کی بھی کوئی وجہ نہیں، اور اگر یہ بات جائز ہوتی تو مالکِ زمین پر کھیتی باڑی حرام ہوتی کہ اس سے خراج نہ مانگا جائے اس طرح تو بات بڑھتے بڑھتے معاش کا دروازہ ہی بند ہو جائے گا۔

مسئلہ:

ان (سلاطین) کے قاضیوں، خدام اور عاملوں سے معاملہ کرنا ان کے ساتھ معاملہ کرنے کی طرح ہے بلکہ اس سے بھی زیادہ سخت ہے جہاں تک قاضیوں کا تعلق ہے تو وہ اس لیے کہ یہ لوگ ان حکمرانوں کے مالوں سے واضح حرام لیتے ہیں ان کی جماعت کو بڑھاتے ہیں اور اپنے لباس سے لوگوں کو دھوکہ دیتے ہیں کیونکہ یہ علماء کے لباس میں ہوتے ہیں اور ان سے میل جول رکھتے اور مال حاصل کرتے ہیں۔ اور فطرت کا تقاضا ہے کہ جاہ و حشمت والوں سے مشابہت اختیار کی جاتی ہے اور ان کی اقتدا کی جاتی ہے تو یہ لوگوں کو ان کی طرف کھینچنے کا سبب ہے اور جہاں تک خدام وغیرہ کا تعلق ہے تو ان کا اکثر مال، چھینا ہوا ہوتا ہے اور ان کے پاس میراث یا جزیہ یا مسلمانوں کی بہبود کا مال نہیں ہوتا اور اس کے حلال ہونے کی بھی کوئی وجہ نہیں کہ ان کے مال میں حلال کا شبہ بڑھ جائے حضرت طاؤس فرماتے ہیں میں ان کے پاس گواہی نہیں دیتا اگرچہ سچی ہو کیونکہ مجھے ڈر ہے کہ میں جس کے خلاف گواہی دوں وہ اس پر زیادتی کریں۔

خلاصہ یہ کہ بادشاہوں کی خرابی سے رعایا میں فساد آجاتا ہے اور بادشاہ کی خرابی، علماء کی خرابی کی وجہ سے ہوتی ہے۔ اگر برے قاضی اور برے علماء نہ ہوتے تو بادشاہوں کا فساد کم ہوتا کیونکہ اعتراض کا خوف ہوتا اسی لیے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

لَا تَزَالُ هٰذِهِ الْاُمَّةُ تَحْتَ يَدِ اللّٰهِ وَكَنَفِهٖ مَالَمْ تُمَالِئْ قُرَّاؤُهَا اُمَرَاءَهَا۔ (۱)

یہ امت ہمیشہ اللہ تعالیٰ کی پناہ اور حفاظت میں رہے گی جب تک اس کے علماء حکمرانوں کی موافقت اور اعانت نہیں کریں گے۔

یہاں لفظ قاری ارشاد فرمایا کیونکہ وہ علماء ہوتے تھے۔ اس وقت ان کا علم قرآن پاک اور سنت سے اس کے معانی کا مفہوم ہی ہوتا تھا باقی علوم تو بعد میں پیدا ہوئے۔

حضرت سفیان ثوری رحمہ اللہ نے فرمایا بادشاہ سے بھی میل جول نہ رکھو اور ان لوگوں سے بھی جو ان سے ملتے ہیں اور فرمایا (بادشاہ کا) قلم اٹھانے والا دوات اٹھانے والا، کاغذ اور صُوف اٹھانے والا سب ایک دوسرے کے شریک ہیں، اور انہوں نے سچ فرمایا کیونکہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے شراب کے سلسلے میں دس آدمیوں پر لعنت فرمائی ہے حتیٰ کہ اسے کشید کرنے والا اور کشید کروانے والا بھی اس لعنت میں شامل ہیں (۲)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔

سُود کھانے والا، کھلانے والا، اس کے گواہ اور کاتب ان سب پر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے لعنت بھیجی گئی ہے (۳)

اسی طرح حضرت جابر اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہما نے بھی رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا ہے۔ (۴)

حضرت ابن سیرین رحمہ اللہ فرماتے ہیں بادشاہ کا خط اس وقت تک نہ لے جایا جائے جب تک یہ معلوم نہ ہو کہ اس میں کیا لکھا ہوا ہے حضرت سفیان رحمہ اللہ نے اپنے زمانے میں خلیفہ کو دوات اٹھا کر دینے سے انکار کر دیا تھا۔ اور فرمایا جب تک مجھے یہ علم نہ ہو کہ اس میں کیا لکھا جائے گا میں نہیں اٹھاؤں گا بادشاہوں کے ارد گرد جتنے خدام وغیرہ ہیں یہ سب ان کی طرح ظالم ہیں اور ان سے اللہ تعالیٰ کے لیے بُغض رکھنا واجب ہے۔

حضرت عثمان بن زائدہ رحمہ اللہ سے مروی ہے کہ ایک فوجی نے ان سے پوچھا کہ راستہ کدھر ہے؟ وہ خاموش رہے گویا کہ بہرے ہیں انہیں اس بات کا ڈر تھا کہ کہیں یہ ظلم کرنے جا رہا ہو، اور وہ راستہ دکھانے کی وجہ سے اس ظلم پر مددگار ہوں گے اسلاف کا بادشاہوں کے ساتھ یہ مبالغہ فاسقوں تاجروں، جولاہوں پچھنے لگانے والوں، حمام والوں،

---

(۱) الفردوس بماثور الخطاب جلد ۵ ص ۱۰۰ حدیث ۷۵۹۵

(۲) سنن ابن ماجہ ص ۲۵۰ ابواب الاطعمۃ

(۳) جامع الترمذی ص ۱۹۴، ابواب البیوع

(۴) صحیح مسلم جلد ۲ ص ۲۷ کتاب المساقات

زرگروں، رنگریزوں اور دیگر کام کرنے والوں کے ساتھ نہیں تھا حالانکہ یہ لوگ بھی زیادہ جھوٹ بولتے اور فسق و فجور میں مبتلا ہوتے ہیں، بلکہ ذمی کافروں کے ساتھ بھی یہ معاملہ نہیں ہوتا اس قسم کا سلوک صرف ان لوگوں کے ساتھ ہوتا تھا جو ظالم تھے، یتیموں اور مساکین کا مال کھاتے تھے اور مسلمانوں کو ایذا پہنچاتے اور شریعت کی نشانیوں کو مٹاتے تھے ان سے اس سلوک کی وجہ یہ تھی کہ گناہ کی دو قسمیں ہیں ایک لازم اور دوسرا متعدی۔

فسق وہ گناہ ہے جو لازم ہے دوسروں تک متعدی نہیں ہوتا اور کفر کا بھی یہی حکم ہے، اور یہ اللہ تعالیٰ کے حق کی خلاف ورزی ہے اور اس کا حساب اللہ تعالیٰ لے گا لیکن حکمرانوں کا ظلم کرنا وہ گناہ ہے جو متعدی ہوتا ہے اسی لیے ان کا معاملہ سخت ہے۔ اور ظلم و تعدی کے عام ہونے کے اعتبار سے اللہ تعالیٰ کی ان پر ناراضگی ہوتی ہے لہذا ان سے بہت زیادہ بچنا چاہیے اور ان کے ساتھ معاملات سے احتراز کرنا چاہیے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

يُقَالُ لِلشُّرْطِيِّ دَعْ سَوْطَكَ وَادْخُلِ النَّارَ (۱) — پولیس والے سے کہا جائے گا اپنی لاٹھی چھوڑ دو اور جہنم میں داخل ہو جاؤ۔

اور آپ نے ارشاد فرمایا:

مِنْ أَشْرَاطِ السَّاعَةِ رِجَالٌ مَعَهُمْ سِيَاطٌ كَأَذْنَابِ الْبَقَرِ (۲) — قیامت کی ایک نشانی یہ بھی ہے کہ کچھ لوگوں کے پاس گائے کی دم جیسے کوڑے ہوں گے۔

تو یہ ان کا حکم ہے پس ان میں سے جو شخص ان باتوں کے ساتھ معروف ہو تو وہ پہچانا جاتا ہے اور جو معروف نہ ہو اس کی علامت یہ ہے کہ بڑا گوٹ پہنا ہوتا ہے اور ان کی مونچھیں لمبی ہوتی ہیں اور ان کی شکلیں مشہور ہیں تو جو شخص اس شکل میں نظر آئے اس سے بچنا ضروری ہے اور یہ بدگمانی قرار نہیں پائے گی۔ کیونکہ اس نے ان لوگوں جیسا لباس پہن کر خود اپنے آپ پر ظلم کیا ہے اور لباس میں برابری دل کے ایک جیسا ہونے پر دلالت ہے اور دیوانہ وہی بنتا ہے جو دیوانہ ہو اور فاسق لوگوں کے ساتھ مشابہت بھی وہی شخص اختیار کرتا ہے جو فاسق ہوتا ہے ہاں بعض فاسق دھوکہ دیتے ہوئے نیک لوگوں سے مشابہت اختیار کرتے ہیں لیکن نیک آدمی کے لیے جائز نہیں کہ وہ فاسق لوگوں سے مشابہت اختیار کرے کیونکہ اس طرح ان کی جماعت میں اضافہ کرتا ہے جو مسلمان مشرکین سے میل جول رکھتے ہوئے ان کی جماعت میں اضافہ کرتے تھے ان کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔

إِنَّ الَّذِينَ تَوَفَّاهُمُ الْمَلَائِكَةُ — بے شک وہ لوگ کہ فرشتے ان کی جانیں نکالتے ہیں وہ

---

(۱) کتاب الموضوعات جلد ۳ ص ۱۰۰ کتاب الاحکام۔

(۲) مسند امام احمد بن حنبل جلد ۲ ص ۳۴۴ مرویات ابوہریرہ

ظَالِمِیْ اَنْفُسِهِمْ۔ (۱) اپنے نفسوں پہ ظلم کرنے والے ہیں۔

ایک روایت میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت یوشع بن نون علیہ السلام کی طرف وحی بھیجی کہ میں آپ کی امت میں سے چالیس ہزار نیکوکار اور ساٹھ ہزار بدکار لوگوں کو ہلاک کروں گا انہوں نے عرض کیا یا اللہ! نیک لوگوں کو کس وجہ سے ہلاک فرمائے گا؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا جب میں کسی پر غضبناک ہوتا ہوں تو انہیں ان لوگوں پر غصہ نہیں آتا بلکہ وہ ان کے ساتھ کھاتے پیتے ہیں۔

اس سے ظاہر ہوا کہ ظالم لوگوں سے نفرت کرنا اور اللہ تعالیٰ کے لئے ان پر غضب ناک ہونا واجب ہے۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

اِنَّ اللّٰهَ لَعَنَ عُلَمَاءَ بَنِیْ اِسْرَائِیْلَ اِذْخَالَطُوا الظَّالِمِیْنَ فِیْ مَعَاشِهِمْ۔ (۲) اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کے علماء پر لعنت بھیجی کہ وہ ظالموں کی معیشت میں ان کے ساتھ میل جول رکھتے ہیں۔

مسئلہ:

وہ جگہیں جو ظالم لوگوں نے تعمیر کی ہیں جیسے پُل، سرائے، مساجد، پانی کی سبیلیں وغیرہ ان میں بھی احتیاط مناسب ہے جہاں تک پُل کا تعلق ہے تو ضرورت کے تحت اس کے اوپر سے گزرنا جائز ہے لیکن جس قدر ممکن ہو بچنا چاہیے یہ تقویٰ ہے اور اگر اس کو چھوڑا جا سکتا ہو تو تقویٰ زیادہ تاکیدی ہوگا ہم نے اسے عبور کرنا جائز قرار دیا ہے اگرچہ متبادل راستہ ہو کیونکہ جب ان خاص چیزوں کا مالک معلوم نہ ہو تو ان کا حکم یہ ہے کہ انہیں خیرات میں خرچ کیا جائے یہ بہتر ہے۔ اور اگر معلوم ہو کہ اس کی اینٹیں اور پتھر فلاں معلوم مقام سے منتقل ہوئی ہیں یا کوئی مسجد اور مقبرہ معین ہو تو ضرورت کے بغیر اس سے گزرنا بالکل جائز نہیں کیونکہ ایسی صورت میں (ضرورت کے وقت) غیر کا مال بھی حلال ہو جاتا ہے پھر اس پر لازم ہے کہ اس کے مالک سے جیسے وہ جانتا ہے اسے اپنے لئے حلال کروالے۔

جہاں تک مسجد کا تعلق ہے تو اگر مغصوبہ زمین میں بنائی گئی ہو یا کسی دوسری مسجد سے اینٹیں چھین کر اس میں لگائی گئی ہوں یا کسی کی ذاتی ملکیت سے غصب کی گئی ہوں تو اس میں داخل ہونا بالکل جائز نہیں بلکہ جمعۃ المبارک کے لیے جانا بھی جائز نہیں۔ بلکہ اگر امام اس میں کھڑا ہو تو یہ امام کے پیچھے مسجد سے باہر کھڑا ہو کیونکہ مغصوبہ زمین میں نماز پڑھنے سے فرضیت ساقط ہو جاتی ہے اور اقتداء کے حق میں نماز منعقد ہو جاتی ہے اسی لیے ہم نے مقتدی کے لیے اس شخص کی اقتدا جائز قرار دی ہے جو مغصوبہ زمین میں نماز پڑھتا ہے اگرچہ وہ غصب والے مقام پہ کھڑا ہونے کی وجہ سے گناہ گار ہوتا ہے

---

(۱) قرآن مجید، سورۃ النساء آیت ۹۷

(۲) مسند امام احمد بن حنبل جلد اوّل ص ۳۹۱ مرویات عبداللہ

اور اگر وہ ایسے مال سے بنائی گئی ہو جس کا مالک معلوم نہ ہو تو تقویٰ یہی ہے کہ دوسری مسجد میں جائے اگر دوسری مسجد ہو اور اگر کوئی دوسری مسجد نہ ملے تو جمعہ اور جماعت نہ چھوڑے کیونکہ اس بات کا بھی احتمال ہے کہ شاید بنانے والے نے اپنے ذاتی مال سے بنائی ہو اگرچہ یہ احتمال بعید ہے۔ اگر اس کا مالک معین نہ ہو تو یہ مسلمانوں کے مصالح کے لیے ہے اور اگر بڑی مسجد میں کچھ حصہ ظالم بادشاہ نے بنایا ہو تو اب وہاں نماز پڑھنے والے کے لیے کوئی عذر نہیں کیوں کہ مسجد وسیع ہے۔ مطلب یہ ہے کہ تقویٰ کے اعتبار سے عذر نہیں۔

حضرت امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ سے پوچھا گیا کہ آپ جماعت کے ساتھ نماز کے لیے باہر نہیں نکلتے حالانکہ ہم لشکر میں ہیں تو آپ کی دلیل کیا ہے؟ انہوں نے فرمایا میری دلیل یہ ہے کہ حضرت حسن بصری اور ابراہیم تیمی رحمہما اللہ کو یہ ڈر تھا کہ حجاج بن یوسف ان کو فتنے میں نہ ڈالے تو میں کسی فتنے میں مبتلا ہونے سے ڈرتا ہوں لیکن مسجد کی رنگ سازی اور چونا وغیرہ وہاں داخل ہونے میں رکاوٹ نہیں کیونکہ نماز میں ان چیزوں سے نفع نہیں اٹھایا جاتا وہ محض زینت ہے اور بہتر یہ ہے کہ ادھر نہ دیکھے اور مسجد میں جو چٹائیاں ڈالی جاتی ہیں اگر ان کا مالک معین ہو تو ان پر بیٹھنا حرام ہے ورنہ مصلحتِ عامہ کے لیے تیار کئے جانے کی وجہ سے اب ان کو بچھانا جائز ہے البتہ پرہیز گاری یہی ہے کہ ان سے دور رہے کیونکہ یہ مقام شبہ ہے۔

ٹینکیوں کا بھی وہی حکم ہے جو ہم نے ذکر کیا ان سے پانی پینا اور وضو کرنا پرہیز گاری کے خلاف ہے اسی طرح ان کی طرف جانا بھی، البتہ جب نماز کے نکل جانے کا خطرہ ہو تو وضو کرے مکہ مکرمہ کے راستوں کا بھی یہی حکم ہے۔

سرائیں اور مدارس اگر مغصوبہ زمین میں بنائے گئے ہوں یا اینٹیں کسی معین جگہ سے اٹھا کر لائی گئی ہوں اور اس کے مستحق کی طرف لوٹانا ممکن ہو تو وہاں داخل ہونے کی اجازت نہیں اور اگر مالک کا حال مشتبہ ہو تو اچھے کام میں استعمال ہونے کی وجہ سے کوئی حرج نہیں لیکن تقویٰ یہی ہے کہ اجتناب کیا جائے۔ البتہ وہاں داخل ہونے سے آدمی فاسق نہیں ہو جاتا۔ اگر یہ عمارتیں بادشاہوں کے خدام نے بنائی ہوں تو اس کا حکم زیادہ سخت ہے کیوں کہ انہیں اس بات کا حق نہیں کہ وہ لاوارث مال کو مصالح پر خرچ کریں نیز ان کے مال عام طور پر حرام ہوتے ہیں کیونکہ لوگوں کے مصالح کے لیے رکھا گیا مال ان کے لیے لینا جائز نہیں یہ مال اربابِ حکومت ہی لے سکتے ہیں۔

مسئلہ :

اگر مغصوبہ زمین کو سڑک بنا دیا جائے تو اس میں سے گزرنا قطعاً جائز نہیں اور اگر اس کا مالک معین نہ ہو تو جائز ہے لیکن تقویٰ یہی ہے کہ جس قدر ممکن ہو اجتناب کیا جائے اور اگر سڑک مباح ہو اور اس کے اوپر چھت پڑی ہو تو وہاں سے گزرنا بھی جائز ہے اور اس چھت کے نیچے اس طرح بیٹھنا بھی جائز ہے کہ چھت کی ضرورت نہ پڑے جس طرح عام کھلی جگہ پر کسی کام کے لیے بیٹھ جاتے ہیں اور اگر گرمی یا بارش سے بچنے کے لیے چھت سے نفع اٹھائے تو یہ حرام ہے کیونکہ چھت

کا مقصد تو یہی ہے جو شخص اسی مسجد میں داخل ہو جس کی چھت یا چار دیواری غصب سے ہو اس کا بھی یہی حکم ہے وہ محض گزرنے سے دیواروں یا چھت سے نفع اندوز شمار نہیں ہوتا البتہ جب اسے دیواروں اور چھت سے گرمی یا سردی یا کسی سے پوشیدہ ہونے کے اعتبار سے فائدہ ہو رہا ہو تو یہ حرام ہے کیونکہ حرام سے نفع اٹھانا ہے غصب کی گئی زمین پر بیٹھنا اس لیے حرام نہیں کہ اس سے جسم چھو جاتا ہے بلکہ نفع حاصل کرنے کی وجہ سے حرام ہے اور زمین پر استقرار مقصود ہوتا ہے جب کہ چھت سے سایہ حاصل کرنا ہوتا ہے لہٰذا دونوں میں کوئی فرق نہیں۔
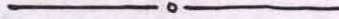
ساتواں باب

متفرق ضروری مسائل وفتاویٰ

صوفیاءِ کرام کا ایک خادم بازار جاتا ہے وہاں سے کھانا جمع کرتا ہے یا پیسے اکٹھے کر کے ان سے کھانا خریدتا ہے تو اس کھانے سے کون کون لوگ کھا سکتے ہیں؟ اور کیا یہ کھانا ان صوفیاء کے ساتھ خاص ہے یا نہیں؟

تو میں (امام غزالی رحمہ اللہ) کہتا ہوں کہ صوفیا کرام کے کھانے میں تو کوئی شبہ نہیں لیکن دوسرے لوگ اسی صورت میں کھا سکتے ہیں جب وہ خادم رضامند ہو لیکن شبہ سے پھر بھی خالی نہیں، حلال ہونے کی وجہ یہ ہے کہ صوفیا کے خادم کو جو کچھ دیا جاتا ہے وہ صوفیا کی وجہ سے دیا جاتا ہے لیکن دیا تو اسے ہی جاتا ہے صوفیا کو نہیں دیا جاتا جیسے کسی عیالدار شخص کو اس کے بچوں کے سبب سے دیا جاتا ہے کیونکہ وہ ان کا کفیل ہے۔ اور وہ جو کچھ لیتا ہے وہ اس کی ملک ہے بچوں کی نہیں لہٰذا وہ بچوں کے علاوہ کسی اور کو بھی کھلا سکتا ہے کیونکہ یہ نہیں کہا جا سکتا کہ وہ دینے والے کی ملک سے نہیں نکلا اور نہ یہ کہ خادم اس میں کوئی تصرف نہیں کر سکتا کیونکہ اس کا مطلب یہ ہوگا کہ ہاتھوں ہاتھ لین دین کافی نہیں اور یہ بات ضعیف ہے اور خاص طور پر صدقات و خیرات میں تو لینا دینا ہی ہوتا (ایجاب وقبول نہیں ہوتا) یہ بھی نہیں کہا جا سکتا کہ وہ صوفیوں کی ملک میں آگیا ہے جو سوال کے وقت خانقاہ میں تھے۔ کیونکہ اس بات میں کوئی اختلاف نہیں کہ ان کے بعد جو آئے خادم اسے بھی کھلا سکتا ہے اور اگر وہ تمام یا ان میں سے کوئی ایک مر جائے تو اس کا حصہ اس کے وارثوں کو نہیں دیا جاتا۔ یہ بھی نہیں کہا جا سکتا ہے کہ یہ تصوف کی بنیاد پر دیا گیا ہے اور اس کا مستحق متعین نہیں کیونکہ اس ملک کا کسی جنس کی طرف منتقل ہونا اس بات کا موجب نہیں کہ چند افراد کو اس پر مسلط کر دیا جائے کیونکہ اس میں بے شمار لوگ داخل ہوتے ہیں بلکہ وہ بھی شامل ہوتے ہیں جو قیامت تک پیدا ہوں گے، لہٰذا یہی کہا جا سکتا ہے کہ یہ اس خادم کی ملک ہے اور وہ صوفیا کرام کو ان کے تصوف اور مروّت کی بنیاد پر دیتا ہے اور اگر وہ ان سے روک لے تو وہ بھی اسے منع کر دیں گے کہ ہمارے نام پر مت لو اور اس طرح اس کے ساتھ یہ سلوک نہیں کریں گے جس طرح کسی کے بچے فوت ہو جائیں تو اب لوگ (بچوں کے نام پر) اسے نہیں دیتے۔

مسئلہ:

صوفیا کے لئے ایک مال کی وصیت کی گئی تو اسے کس کس پر صرف کیا جا سکتا ہے؟

میں (امام غزالی رحمہ اللہ) کہتا ہوں کہ تصوف ایک باطنی معاملہ ہے اس پر اطلاع نہیں ہو سکتی اور اس کی حقیقت

پر کوئی حکم بھی نہیں لگایا جا سکتا، بلکہ عرف میں کچھ ظاہری امور کی بنیاد پر لفظ صوفی استعمال کیا جاتا ہے اس سلسلے میں قاعدہ کلیہ یہ ہے کہ جو شخص ایسی صفت پر ہو کہ جب وہ صوفیا کی خانقاہ میں جائے تو وہ اس کے وہاں آنے اور ان سے میل جول کو ناپسند نہ کریں تو یہ شخص ان کے زمرے میں داخل ہوگا تفصیل یہ ہے کہ اس میں پانچ صفات دیکھی جائیں۔

علامات صوفی :

تفصیل یہ ہے کہ اس شخص میں پانچ صفات دیکھی جائیں حالت کی درستگی، فقر، صوفیا کا لباس، کسی کام میں عدم مشغولیت اور خانقاہ میں بطور سکونت ان لوگوں کے ساتھ ملا جلا رہنا۔

پھر ان میں سے بعض امور کا زائل ہونا اس نام کے زوال کا باعث بنتا ہے، اور بعض صفات دوسری صفات کی جگہ کفایت کرتی ہیں مثلاً فسق اس استحقاق کو ختم کر دیتا ہے کیونکہ صوفی ایک ایسے شخص کو کہا جاتا ہے جو مخصوص صفات کے ساتھ نیکوکار لوگوں میں سے ہو تو جس شخص کا فسق ظاہر ہو اگرچہ وہ صوفیا کے لباس میں ہو، اس وصیت کا مستحق نہیں ہوگا جو صوفیا کے لیے کی گئی ہو۔ اور ہم اس میں صغیرہ گناہوں کو شمار نہیں کرتے۔

کسی پیشے یا کسب میں مشغولیت بھی اس استحقاق کو منع کرتی ہے پس کسان، عامل، تاجر اور اپنی دکان یا گھر پر کوئی چیز بنانے والا، اجرت پر کام کرنے والا، یہ سب لوگ اس چیز کے حقدار نہیں ہیں جس کی وصیت صوفیا کے لیے کی گئی ہے، اور یہ کمی لباس اور صوفیا کے ساتھ میل جول سے پوری نہیں ہوتی۔

البتہ کتابت یا سلائی اس قسم کے دوسرے کام جو صوفیا کے لائق ہوں استحقاق سے مانع نہیں ہیں پس اگر وہ ان کاموں کو دکان میں نہ کرے اور نہ بطور پیشہ کرے تو استحقاق حاصل ہوگا اور اس کا باقی صفات کے ساتھ ان لوگوں کے ساتھ رہن سہن اس کمی کو پورا کر دیتا ہے۔ اور اگر مختلف پیشوں پر قادر ہو لیکن ان پر عمل پیرا نہ ہو تو یہ مانع استحقاق نہیں۔

وعظ و تدریس، اسم تصوف کے منافی نہیں ہے جب باقی خصلتیں پائی جائیں یعنی صوفیا کا لباس، ان کے ساتھ رہن سہن اور فقر پایا جائے کیوں کہ صوفی قاری، صوفی واعظ، صوفی عالم یا مدرس میں کوئی تناقض نہیں البتہ کاشتکار صوفی، تاجر صوفی اور عامل صوفی کہنا مناسب نہیں۔

جہاں تک فقر کا تعلق ہے کہ اگر اس کے پاس اتنا مال ہو کہ لوگ اسے صاحب ثروت کہیں تو اس صورت میں صوفیا کے لیے کی گئی وصیت کا مال لینا جائز نہیں اور اگر اس کے پاس مال ہو لیکن اس کی آمدن، اخراجات کو پورا نہ کرتی ہو تو اس کا حق باطل نہیں ہوگا اسی طرح اگر اس کا مال وجوب زکوٰۃ سے کم ہو اگرچہ اس کا خرچ کچھ نہ ہو۔ یہ وہ امور ہیں جن پر صرف عادات ہی دلیل ہیں۔

صوفیا کے ساتھ میل جول اور رہن سہن کا اثر ہوتا ہے لیکن جو آدمی ان کے ساتھ نہ رہتا ہو بلکہ اپنے گھر میں ہو یا مسجد میں ہو اور ان کے لباس میں ہو، ان کے اخلاق سے متصف ہو وہ ان کے حصے میں شریک ہوگا۔ اور ان کے ساتھ میل جول

نہ ہونے کی کمی کو لباس پورا کر دیتا ہے۔ اور اگر وہ ان کے لباس میں نہ ہو اور اس میں باقی صفات پائی جائیں تو وہ اسی صورت میں مستحق ہوگا جب وہ ان کے ساتھ سرائے میں رہائش پذیر ہو۔ توان کے تابع بنانے ہوئے اس پر یہ حکم لگایا جائے گا۔

پس میل جول اور لباس ایک دوسرے کے قائم مقام ہو جاتے ہیں جو فقیہ ان کے لباس میں نہ ہو اس کا یہی حکم ہے اگر وہ ان کے ساتھ خانقاہ میں نہیں رہتا تو صوفیا میں شمار نہیں ہوگا۔ اور اگر وہ ان کے ساتھ رہتا ہو اور باقی صفات بھی پائی جائیں تو اس پر بالتبع یہ حکم لگانا بعید نہیں۔

ان کے مشائخ میں سے کسی شیخ کے ہاتھوں سے خرقہ پہننا استحقاق کی شرط نہیں ہے اور جب دوسری شرائط پائی جائیں تو اس کا نہ پایا جانا نقصان نہیں دیتا۔ اور جو شخص شادی شدہ ہو اور وہ کبھی گھر میں اور کبھی خانقاہ میں رہتا ہو تو وہ ان کے زمرے سے خارج نہیں ہوگا۔

مسئلہ:

جو کچھ صوفیا کی خانقاہ، اور وہاں کے رہنے والوں پر وقف کیا جاتا اور وصیت کی جاتی ہے اس کا معاملہ اس سے زیادہ وسیع ہے جس کی ان (صوفیا) کیلئے وصیت کی جاتی ہے کیونکہ وقف کا مطلب یہ ہے کہ ان کی بھلائی کے لیے خرچ کیا جائے تو ان صوفیا کی مرضی سے ان کے دستر خوان پر دوسرے لوگ بھی ایک یا دو مرتبہ کھا سکتے ہیں کیونکہ کھانوں کے معاملے میں کشادہ دلی کا اظہار کیا جاتا ہے حتیٰ کہ مشترکہ مال غنیمت سے ایک آدمی کے لیے کھانا جائز ہے اور صوفیوں کے ساتھ ان کے مال وقف میں سے قوال بھی کھا سکتے ہیں کیونکہ یہ مال ان کے مصالح سے شمار ہوتا ہے۔

اور جس مال کی ان صوفیا کے لئے وصیت کی جائے وہ صوفیا کے قوالوں پر خرچ نہیں کیا جا سکتا۔ لیکن وقف کا حکم الگ ہے۔ اسی طرح جو عالم، تاجر، قاضی اور فقہاء جو وہاں موجود ہوں جو صوفیا کے دلوں کو اپنی طرف متوجہ کرنا چاہتے ہوں وہ بھی ان (صوفیا) کی مرضی سے کھا سکتے ہیں کیونکہ وقف کرنے والا اسی طریقے پر وقف کرتا ہے جو صوفیا کے درمیان جاری ہے لہذا یہ عرف کے مطابق ہوتا ہے لیکن یہ کھانا ہمیشہ کے لیے نہیں، لہذا جو لوگ صوفی نہیں ہیں ان کا ان (صوفیاء کرام) کے ساتھ مستقل ٹھہرنا اور ان کے ساتھ کھانا جائز نہیں اگرچہ وہ اس پر راضی ہوں کیونکہ دوسرے لوگوں کو اپنے ساتھ شریک کر کے وقف کرنے والے کی شرط کو بدلنے کے مجاز نہیں ہیں۔

جہاں تک فقیہ کا تعلق ہے تو اگر وہ ان کے لباس اور اخلاق سے متصف ہے تو وہ ان کے پاس جا سکتا ہے اور اس کا فقیہ ہونا، صوفی ہونے کے منافی نہیں ہے اور جو لوگ تصوف کو جانتے ہیں ان کے لئے صوفی کا حاصل ہونا شرط نہیں اور بعض بیوقوفوں کی اس بات کی طرف توجہ نہ کی جائے کہ علم حجاب ہے کیونکہ حجاب تو جہالت ہے ہم نے کتاب العلم میں اس جملے کا مفہوم بیان کیا ہے اور حجاب وہ علم ہے جو قابل مذمت ہے نہ وہ علم جو قابل تعریف ہے اس کی وضاحت بھی ہم نے ذکر دی ہے ہم نے محمود و مذموم علوم دونوں کا ذکر وضاحت سے کیا ہے۔

نفقیہ جب ان کے لباس اور اخلاق پر نہ ہو تو وہ اسے اپنے پاس آنے سے منع کر سکتے ہیں اور اگر وہ اس کے ہاں جانے پر راضی ہوں تو اس کے لیے ان کے تابع ہو کر کھانا جائز ہے لباس کے نہ ہونے کی کمی ہم سکونت ہونے سے پوری ہو جاتی ہے لیکن ان لوگوں کی رضا سے ایسا ہو سکتا ہے یہ وہ امور ہیں جن پر عادات گواہ ہیں اور ان میں کچھ امور ایسے ہیں جو ان کے مقابلے ہیں ہیں اور نفی واثبات ہیں ان کے اطراف پوشیدہ نہیں اور ان کے درمیان جو کچھ ہے متشابہ ہے تو جو شخص شبہات کے مقامات سے بچتا ہے وہ اپنے دین کو بچا لیتا ہے جیسا کہ ہم نے شبہات کے بیان میں اس سے آگاہ کیا ہے۔

مسئلہ:

رشوت اور ہدیہ میں فرق کے بارے میں سوال کیا گیا حالانکہ دونوں مرضی سے ہوتے ہیں اور کوئی نہ کوئی غرض بھی ہوتی ہے حالانکہ ان میں سے ایک حرام ہے اور دوسرا حرام نہیں۔ میں اس کے جواب میں کہتا ہوں کہ مال خرچ کرنے والا کسی غرض کے تحت خرچ کرتا ہے لیکن غرض یا تو اُخروی ہوتی ہے جیسے ثواب اور یا فوری غرض ہوتی ہے اور فوری غرض یا تو مال ہوتا ہے یا وہ فعل اور معیّن مقصود پر اعانت ہوتی ہے یا جیسے تحفہ دیا جاتا ہے اس کی محبت حاصل کر کے اس کے دل میں قرب حاصل کرتا ہے یا تو محض محبت مقصود ہوتی ہے یا اس محبت کے ذریعے کسی اور غرض تک پہنچنا ہوتا ہے اس سے پانچ قسمیں حاصل ہوتی ہیں۔

پہلی قسم:

آخرت میں ثواب حاصل کرنا مطلوب ہو اور یہ اس طرح کی جس کو ہدیہ دے رہا ہے وہ محتاج ہو یا عالم، ہو یا عالی نسب ہو یا فی نفسہٖ نیک دیندار ہو۔ اگر لینے والے کو معلوم ہو کہ وہ اسے حاجت مند سمجھ کر دے رہا ہے تو اگر وہ محتاج نہیں تو اس کے لیے لینا جائز نہیں اور اگر لینے والے کو معلوم ہو کہ اسے اس کی شرافتِ نسب کی وجہ سے دیا جا رہا ہے تو اس کے لیے لینا جائز نہیں جب اسے معلوم ہو کہ وہ دعویٔ نسب میں جھوٹا ہے اور اگر اسے علم کی وجہ سے دیا جا رہا ہو تو اس کیلئے لینا جائز نہیں جب تک وہ علم میں اسی مرتبہ پر نہ ہو جس کا اعتقاد دینے والے کو حاصل ہے اگر وہ اس خیال سے دیتا ہے کہ یہ علم میں درجۂ کمال رکھتا ہے اور وہ ثواب کی نیت سے دے رہا ہے اور وہ کامل فی العلم نہیں ہے تو اس کے لیے لینا جائز نہیں اور اگر اس کو دیندار اور نیک سمجھ کر دیا جا رہا ہے لیکن وہ باطنی طور پر فاسق ہے یہاں تک کہ اگر دینے والے کو اس کے فسق باطنی کا علم ہو جائے تو وہ اسے نہ دے تو اس صورت میں لینا جائز نہیں اور بہت کم نیک لوگ ایسے ہوتے ہیں کہ اگر ان کا باطن ظاہر ہو جائے تو لوگ اس کی طرف مائل رہیں، بلکہ اللہ تعالیٰ نہایت اچھی طرح پردہ پوشی فرماتا ہے وہی ذات ہے جس نے مخلوق کو مخلوق کا محبوب بنایا، پرہیزگار لوگ خرید و فروخت میں ان لوگوں کو وکیل بناتے تھے جن کے بارے میں لوگوں کو معلوم نہیں ہوتا تھا کہ یہ ان (بزرگوں) کا وکیل ہے تاکہ لوگ سودے میں چشم پوشی سے کام نہ لیں

وہ اس بات سے ڈرتے تھے کہ کہیں وہ دین کی قیمت نہ کھائیں کیونکہ یہ خطرناک بات ہے اور تقویٰ پوشیدہ بات ہے وہ علم، نسب اور فقر کی طرح نہیں لہذا دین کی وجہ سے لینے میں حتی الامکان اجتناب کرنا چاہیئے۔

دوسری قسم:

عطیہ دینے سے کوئی فوری غرض مطلوب ہو جیسے فقیر، مالدار کو عطیہ دیتا ہے تاکہ اسے خلعت سے نوازے تو یہ ہبہ عوض کی شرط پر ہے جس کا حکم مخفی نہیں یہ اس وقت حلال ہوگا جب وہ اجر دیا جائے جس کا طمع کیا گیا اور اسی طرح جب عقد کی تمام شرائط پائی جائیں۔

تیسری قسم:

کسی خاص فعل کے ساتھ مدد کرنا ہو جیسے کسی شخص کو بادشاہ تک کام ہو اور وہ بادشاہ کے وکیل اور اس کے خاص اور مقرب لوگوں کو ہدیہ دے تو اس کا مقصد حصولِ عوض ہے جو قرینۂ حال سے معلوم ہوتا ہے تو اس عمل کو دیکھنا چاہیئے جو اس کے عوض میں ہے اگر وہ کام حرام ہے جیسے حرام روزینہ جاری کرانے کے لیے کوشش کرنا یا کسی انسان پر ظلم ہو تو اس صورت میں یہ ہدیہ وصول کرنا حرام ہے۔

اور اگر وہ عوض واجب ہو جیسے خاص ظلم کو دور کرنا کہ جس کو اس کی طاقت ہو اس پر واجب ہے یا خاص گواہی دینا تو اس صورت میں بھی ہدیہ لینا حرام ہے اور یہ رشوت ہے جس کے حرام ہونے میں کوئی شک نہیں اور اگر وہ کام مباح ہے نہ حرام ہے اور نہ ہی واجب اور اس میں مشقت بھی ہو کہ عرف میں اس پر اجرت لینا صحیح ہو تو اس صورت میں وہ ہدیہ لینا جائز ہے جب وہ اس شخص کی غرض کو پورا کر سکے، اور یہ اجرت کے قائم مقام ہے جیسے کوئی کہے کہ یہ بات بادشاہ یا فلاں تک پہنچا دو تمہیں ایک دینار ملے گا اور اس میں مشقت اور قیمت والے عمل کی ضرورت پڑتی ہو یا کہے کہ فلاں سے درخواست کرو کہ فلاں کام میں میری مدد کرے یا مجھے فلاں چیز دے اور اس کی یہ بات پہنچانے میں کافی طویل گفتگو کی ضرورت ہو تو یہ اجرت ہے جیسے وکیل قاضی کے سامنے مقدمے کی پیروی کرتے ہوئے لیتا ہے یہ حرام نہیں ہے کیونکہ وہ حرام کی کوشش نہیں کرتا اگرچہ اس کا مقصد ایسے کلمہ سے حاصل ہو جاتا ہے جس میں کوئی مشقت نہیں لیکن یہ کلمہ اسی آدمی کی طرف سے فائدہ دیتا ہے جو جاہ و مرتبے والا ہو جیسے دربان سے کہہ دیا جائے کہ اس شخص پر بادشاہ کا دروازہ بند نہ کرنا یا صرف بادشاہ کے سامنے درخواست پیش کرنا تو یہ ہدیہ حرام ہے کیونکہ یہ اپنے مرتبے کی قیمت وصول کرنا ہے اور شریعت میں اس کا جواز ثابت نہیں ہے بلکہ ایسی بات ثابت ہے جو اس سے ممانعت پر دلالت کرتی ہے۔ جیسا کہ بادشاہوں کے تحائف کے سلسلے میں آئے گا شفعہ چھوڑنے، عیب کی وجہ سے کسی چیز کے واپس کرنے اور درخت کی شاخیں جو ہوا میں پھیلتی ہیں اور وہ بادشاہ کی ملک ہے ان باتوں کی اجرت لینا جائز نہیں جب کہ یہ مقصود ہیں تو جاہ و مرتبہ کی اجرت و عوض لینا کیسے جائز ہوگا۔

کسی طبیب کا کسی کو دوائی بتانا جس کے بارے میں صرف وہی معرفت رکھتا ہے اور اس کے بدلے میں کوئی چیز لینا بھی اس کے قریب ہے جیسے کسی آدمی کو معلوم ہو کہ فلاں بوٹی کے ساتھ بواسیر ختم ہو جاتی ہے اور یہ نسخہ صرف اسی کو معلوم ہو اور وہ عوض لئے بغیر نہ بتائے تو یہ جائز نہیں کیونکہ زبان کو تھوڑا سا حرکت دینا کوئی قیمتی چیز نہیں جیسے تل کے ایک دانے کی کوئی قیمت نہیں اسی طرح علم پر اجرت لینا بھی جائز نہیں کیونکہ اس کا علم دوسرے آدمی تک منتقل نہیں ہوتا بلکہ دوسرے کو اس کی طرح علم حاصل ہو جاتا ہے اور اس کا علم بھی باقی رہتا ہے اور اس سے کم اس شخص کی اجرت ہے جو کسی کام میں ماہر ہو مثلاً وہ زنگ دور کرتا ہے وہ اتنا ماہر ہے کہ ایک بار رگڑنے سے تلوار یا شیشے کی میل کو دور کر دیتا ہے تو اس کی اجرت میں کوئی حرج نہیں کیونکہ اس سے بعض اوقات تلوار اور شیشے کی قیمت میں اضافہ ہو جاتا ہے اور یہ شخص اس فن کو سیکھنے میں مشقت برداشت کرتا ہے تاکہ اس کے ذریعے مال کمائے اور اپنے آپ سے عمل کی کثرت کو کم کر دے۔

چوتھی قسم:

جیسے تحفہ دیا جا رہا ہے اس کی محبت حاصل کرنا مقصود ہو کوئی دوسری غرض نہ ہو بلکہ صرف اُنس اور تاکید صحبت اور دلوں کی باہمی محبت پیش نظر ہو تو یہ بات عقلمند لوگوں کا مقصود ہے اور شریعت میں اس کی دعوت دی گئی ہے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

تَهَادَوْا تَحَابُّوا (۱)　　ایک دوسرے کو تحفہ دو اس سے محبت بڑھتی ہے۔

اگرچہ انسان دوسرے سے محبت بھی کسی غرض کے تحت ہی کرتا ہے محض محبت مقصود نہیں ہوتی لیکن جب وہ فائدہ متعین نہ ہو اور دل میں کوئی خاص غرض بھی جاگزیں نہ ہو جو اسے فی الحال یا آئندہ فائدہ دے تو اسے ہدیہ کیا جاتا ہے اور اس کا لینا حلال ہے۔

پانچویں قسم:

وہ اس کا قرب اور محبت حاصل کرنا چاہے لیکن مقصد یہ نہ ہو کہ وہ اس سے محض مانوس ہونا چاہتا ہے بلکہ وہ اس کے جاہ و مرتبہ کو وسیلہ بنا کر کچھ معدود مقاصد حاصل کرنا چاہتا ہے لیکن وہ متعین نہیں ہیں اور اگر یہ شخص اس منصب اور مرتبے پر فائز نہ ہوتا تو وہ اسے تحفہ پیش نہ کرتا۔ اور اگر اس کا مرتبہ علم یا خاندانی عظمت کی وجہ سے ہے تو یہ معاملہ ذرا ہلکا ہے اور اس وقت تحفہ لینا مکروہ ہے کیونکہ اس میں رشوت سے مشابہت ہے لیکن ظاہر میں یہ ہدیہ ہے۔ اور اگر اس کا مرتبہ و مقام قاضی یا حکمران ہونے کی وجہ سے ہے یا وہ صدقہ وغیرہ یعنی سرکاری ذمہ داریوں پر فائز ہے مثلاً اوقاف کا متولی ہے اور اگر یہ ولایت نہ ہوتی تو وہ اسے ہدیہ نہ دیتا تو یہ رشوت ہے جو تحفہ بنا کر پیش کی گئی کیوں کہ فی الحال

---

(۱) السنن الکبریٰ للبیہقی جلد ۶ ص ۱۶۹ کتاب الہبات

اس کا قرب اور محبت حاصل کرنا مقصد ہے لیکن کسی ایسی غرض کے لیے ہے جس کی جنس محدود ہے کیوں کہ اس تک پہنچنے کے لیے حکومت کا ہونا ضروری ہے یہ بات پوشیدہ نہیں ہے اور وہ صرف محبت کا متلاشی نہیں اس کی نشانی یہ ہے کہ اگر اس وقت کوئی دوسرا حاکم ہوتا تو یہ اس کو تحفہ دیتا یہ عمل بالاتفاق سخت مکروہ ہے۔

البتہ اس کے حرام ہونے میں اختلاف ہے اور اس کے مفہوم میں تعارض ہے کیونکہ یہ محض ہدیہ اور اس رشوت کے درمیان ہے جو کسی معین غرض کے لیے محض مرتبہ حاصل کرنے کے لیے دی جاتی ہے اور جب قیاسی مشابہت میں تعارض ہو اور روایات و آثار ان میں سے ایک کی تائید کریں تو اس کی طرف میلان متعین ہوگا اور اس معاملے کی شدت پہ روایات دلالت کرتی ہیں۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

يَأْتِي عَلَى النَّاسِ زَمَانٌ يُسْتَحَلُّ فِيهِ السُّحْتُ بِالْهَدِيَّةِ وَالْقَتْلُ بِالْمَوْعِظَةِ يُقْتَلَ الْبَرِيُّ لِتَوْعَظَ بِهِ الْعَامَّةُ۔

لوگوں پر ایک ایسا زمانہ آئے گا جس میں حرام کو ہدیہ کے نام پہ حلال سمجھا جائے گا اور عبرت کے لیے قتل کیے جائیں گے ایک بے گناہ کو قتل کیا جائے گا تاکہ عام لوگ عبرت حاصل کریں۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے سحت (حرام) کے بارے میں پوچھا گیا تو انہوں نے فرمایا کہ ایک شخص کسی کا کام کرے گا تو اس کے پاس ہدیہ بھیجا جائے گا شاید کام کرنے سے آپ کی مراد یہ ہے کہ اس کی معمولی بات سے کام ہو جائے اور اسے کوئی مشقت اٹھانا نہیں پڑے گی یا اس نے اجرت حاصل کرنے کی نیت کے بغیر محض اپنی طرف سے کام کیا ہو تو اب اس کے لیے جائز نہیں کہ اس کے بعد بطور عوض کوئی چیز لے۔

حضرت مسروق رضی اللہ عنہ نے کسی کی سفارش کی تو اس شخص نے آپ کو بطور تحفہ ایک لونڈی پیش کی آپ غصے میں آگئے اور اسے واپس کرتے ہوئے فرمایا اگر مجھے معلوم ہوتا کہ تیرے دل میں کیا ہے تو میں تیرے کام کی سفارش نہ کرتا اور جس قدر حاجت باقی ہے اس کے بارے میں، میں کوئی گفتگو نہیں کروں گا۔

حضرت طاؤس رحمہ اللہ سے بادشاہ کے عطیات کے بارے میں پوچھا گیا تو انہوں نے فرمایا حرام ہے، حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہما کے دو بیٹوں نے جو مال بیت المال سے بطور قرض لیا تھا آپ نے ان سے اس کا نفع لے لیا اور فرمایا تمہیں یہ مال میرے مقام و مرتبے کی وجہ سے ملا ہے۔ کیونکہ آپ کو معلوم تھا کہ انہیں یہ مال آپ کی حکومت کی وجہ سے ملا ہے۔

حضرت ابو عبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ کی زوجہ نے ملکہ روم کے پاس خوشبو بھیجی تو اس نے بدلے میں موتی بھیجے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے ان سے وہ موتی لے کر بیچ دیئے اور ان کی خوشبو کے برابر قیمت عطا فرما کر باقی مال، مسلمانوں کے بیت المال میں جمع کرا دیا۔

حضرت جابر اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں "بادشاہوں کے تحفے خیانت کا مال ہے۔

جب حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ نے تحفہ رد کر دیا تو ان سے کہا گیا کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بھی تحائف قبول فرمایا کرتے تھے (۱) تو آپ نے فرمایا وہ آپ کے لیے ہدیہ تھا اور ہمارے لیے رشوت ہے مطلب یہ کہ آپ کی نبوت کی وجہ سے آپ کا قرب حاصل کیا جاتا تھا حکومت کی وجہ سے نہیں۔ اور ہمیں تو اقتدار کی وجہ سے دیا جاتا ہے اس سے بڑی بات وہ ہے جو حضرت ابوحمید ساعدی رضی اللہ عنہ نے روایت کی ہے وہ یہ کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مقام ازد کے صدقات پر ایک والی کو بھیجا جب وہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا تو کچھ مال اپنے پاس رکھ لیا اور عرض کیا کہ یہ آپ لوگوں کے لیے ہے اور یہ میرے لیے ہے۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

تم اپنے باپ اور اپنی ماں کے گھر میں کیوں نہیں۔ بیٹھ گئے کہ تمہارے پاس تحفہ آتا اگر تم سچے ہو۔ اس کے بعد آپ نے فرمایا مجھے کیا ہے کہ میں تم میں سے ایک شخص کو عامل مقرر کرتا ہوں تو وہ کہتا ہے کہ یہ تمہارے لیے ہے اور یہ میرے لئے ہے تو وہ اپنی ماں کے گھر کیوں نہیں بیٹھ جاتا کہ اسے تحفہ دیا جائے اس ذات کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے جو شخص ناحق طور پر کوئی چیز لے گا تو وہ اللہ تعالیٰ کے پاس یوں آئے گا کہ اسے اٹھائے ہوئے ہوگا تو تم میں سے کوئی ایک قیامت کے دن اس طرح نہ آئے کہ اس پر اونٹ بلبلا رہا ہو یا گائے آواز نکال رہی ہو یا بکری ممیاتی ہو۔

اس کے بعد آپ نے ہاتھ مبارک بلند کئے حتیٰ کہ آپ کی مبارک بغلوں کی سفیدی دکھائی دینے لگی پھر فرمایا یا اللہ! میں نے پہنچا یا کہ نہیں؟ (۲)

جب اس قسم کی سختیاں ثابت ہیں تو قاضی اور حکمران کو چاہیے کہ وہ اپنے آپ کو خانہ نشین فرض کرلے کیونکہ جو کچھ معزول ہونے کے بعد دیا جاتا ہے وہ خانہ نشینی کی صورت میں ہوتا ہے وہ مال حکومت کے دوران بھی لے سکتا ہے اور جس مال کے بارے میں معلوم ہو کہ وہ اقتدار کی وجہ سے دیا جاتا ہے اس کا لینا حرام ہے اور دوستوں کے جن تحائف کے بارے میں فیصلہ مشکل ہو کہ کیا وہ معزول ہونے کے بعد بھی اسے دیں گے تو یہ شبہ ہے اس سے بچنا چاہیے۔

الحمدللہ! توفیق خداوندی سے حلال و حرام کا بیان مکمل ہوا۔

(واللہ اعلم)

---

(۱) صحیح بخاری جلد اول ص ۳۵۲ کتاب الہبتہ

(۲) صحیح بخاری جلد اول ص ۳۵۳ کتاب الہبتہ

الفت اور بھائی چارے کا بیان

تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں جس نے اپنے خاص بندوں کو فضل وکرم کی چادر سے ڈھانپ لیا اور ان کے دلوں میں محبت ڈال دی حتیٰ کہ وہ اس کی نعمت سے بھائی بھائی بن گئے اور ان کے دلوں سے کینہ نکال باہر کیا چنانچہ وہ دنیا میں ایک دوسرے کے دوست اور آخرت میں رفیق و خلیل ہوں گے۔

اور رحمتِ کاملہ حضرت محمد مصطفیٰ (صلی اللہ علیہ وسلم) پر اور آپ کے آل و اصحاب پر ہو جنہوں نے قول و فعل اور عدل و احسان میں آپ کی اتباع کی۔

حمد وصلوٰۃ کے بعد ــ اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے باہمی محبت اور دین کے اعتبار سے بھائی چارہ، قربِ خداوندی کا بہترین ذریعہ اور عبادت کا نہایت عمدہ نتیجہ ہے، اور اس کے لیے کچھ شرائط ہیں جن کی ادائیگی سے باہم دوستی کرنے والے اللہ تعالیٰ کے لیے محبت کرنے والوں میں شمار ہوتے ہیں۔ اور کچھ حقوق ہیں جن کی رعایت کرنے سے بھائی چارہ شیطانی اثرات اور دیگر خرابیوں سے پاک صاف رہتا ہے اور ان حقوق کی ادائیگی سے اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل ہوتا ہے اور ان کی حفاظت سے اعلیٰ درجات حاصل ہوتے ہیں۔ ہم اس بیان کے مقاصد کو تین بابوں میں بیان کریں گے۔

پہلا باب :۔ اللہ تعالیٰ کے لیے محبت اور بھائی چارے کی فضیلت اس کی شرائط درجات اور فوائد۔

دوسرا باب :۔ محبت کے حقوق، آداب اور حقیقت و لوازمات۔

تیسرا باب :۔ مسلمانوں، رشتہ داروں، پڑوسیوں اور غلاموں کے حقوق اور ان کے ساتھ سلوک کی کیفیت اور اس کے اسباب وغیرہ۔
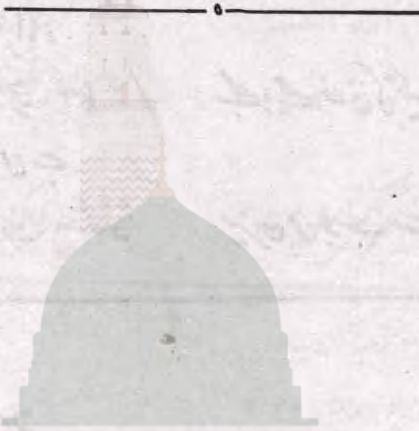
پہلا باب

محبت واخوت اس کی شرائط، درجات اور فوائد کا بیان

محبت واخوّت کی فضیلت

جان لو! باہم محبت، اچھے اخلاق اور اختلاف بد اخلاقی کا نتیجہ ہے، اچھے اخلاق باہم محبت، الفت اور موافقت کا باعث ہیں اور بُرے اخلاق سے بغض وعداوت، حسد اور ایک دوسرے سے پیٹھ پھیرنے جیسی برائیاں پیدا ہوتی ہیں۔ جب درخت اچھا ہو تو اس کا پھل بھی عمدہ ہوتا ہے دین میں اچھے اخلاق کی فضیلت کوئی پوشیدہ بات نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اس بات پر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی یوں تعریف کی ہے۔

وَاِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيْمٍ (۱)

اور بے شک آپ خلق عظیم کے مالک ہیں۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اَكْثَرُ مَا يُدْخِلُ النَّاسَ الْجَنَّةَ تَقْوَى اللهِ وَحُسْنُ الْخُلُقِ۔ (۲)

تقویٰ اور اچھے اخلاق کے باعث زیادہ لوگ جنت میں داخل ہوں گے۔

حضرت اسامہ بن شریک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں ہم نے عرض کیا یارسول اللہ! انسان کو کونسی اچھی بات عطا کی گئی ہے؟ آپ نے فرمایا "اچھے اخلاق"۔ (۳)

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

بُعِثْتُ لِاُتَمِّمَ مَكَارِمَ الْاَخْلَاقِ۔ (۴)

مجھے اچھے اخلاق کی تکمیل کے لیے بھیجا گیا ہے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے۔

اَثْقَلُ مَا يُوْضَعُ فِى الْمِيْزَانِ خُلُقٌ

میزان میں جو سب سے زیادہ وزنی چیز رکھی جائے گی وہ

---

(۱) قرآن مجید، سورۃ القلم آیت ۴

(۲) جامع ترمذی ص ۲۹۴ ابواب البر والصلۃ

(۳) مسند امام احمد بن حنبل جلد ۴ ص ۲۷۸ مرویات اسامہ بن شریک

(۴) السنن الکبریٰ للبیہقی جلد ۱۰ ص ۱۹۲ کتاب الشہادات

حَسَنٌ (۱) — اچھے اخلاق ہیں۔

اور آپ نے ارشاد فرمایا:

مَا حَسَّنَ اللّٰہُ خَلْقَ امْرِئٍ وَخُلُقَہٗ فَیَطْعَمَہُ النَّارُ۔ (۲)

اللہ تعالیٰ نے جس کی صورت وسیرت کو اچھا بنایا اسے آگ نہیں جلائے گی۔

اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہی ارشاد گرامی ہے۔

یَا اَبَا ھُرَیْرَۃَ عَلَیْکَ بِحُسْنِ الْخُلُقِ۔

اے ابوہریرہ! تم پر اچھے اخلاق کو اپنانا لازم ہے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا یا رسول اللہ! حُسن خلق کیا ہے؟

آپ نے فرمایا۔

تَصِلُ مَنْ قَطَعَکَ وَتَعْفُوْ عَمَّنْ ظَلَمَکَ وَتُعْطِیْ مَنْ حَرَمَکَ۔ (۳)

جو تم سے قطع رحمی کرے تم اس سے صلہ رحمی کرو، جو تم پر ظلم کرے اسے معاف کر دو اور جو تمہیں نہ دے تم اسے دو۔

اور یہ بات پوشیدہ نہیں کہ اچھے اخلاق کا نتیجہ محبت کا پیدا ہونا اور وحشت کا خاتمہ ہے اور جب پھل دینے والا درخت اچھا ہو تو پھل بھی اچھا ہوتا ہے اور یہ کیسے نہیں ہوگا جب کہ نفسِ اُلفت کی تعریف کی گئی ہے خصوصاً جب کہ تقویٰ، دین اور اللہ تعالیٰ کے لیے محبت کی بنیاد پر رابطہ ہو اس سلسلے میں آیات، احادیث اور آثار اس قدر وارد ہیں جو اس کی فضیلت کے لیے کافی ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے مخلوق پر اپنا بہت بڑا احسان ظاہر کرتے ہوئے نعمتِ اُلفت کا ذکر فرمایا ارشادِ خداوندی ہے۔

لَوْ اَنْفَقْتَ مَا فِی الْاَرْضِ جَمِیْعًا مَّا اَلَّفْتَ بَیْنَ قُلُوْبِھِمْ وَلٰکِنَّ اللّٰہَ اَلَّفَ بَیْنَھُمْ۔ (۴)

اگر آپ وہ تمام کچھ خرچ کرتے جو زمین میں ہے تو ان کے دلوں کو جوڑ نہ سکتے لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کے درمیان الفت پیدا فرمائی۔

اور ارشاد فرمایا:

فَاَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِہٖ اِخْوَانًا۔ (۵)

پس تم اس کی نعمت سے بھائی بھائی بن گئے۔

---

(۱) سنن ابی داؤد جلد ۲ ص ۳۰۵ کتاب الادب

(۲) شعب الایمان جلد ۶ ص ۲۴۹ حدیث ۸۰۳۸

(۳) شعب الایمان جلد ۶ ص ۲۶۱ حدیث ۸۰۸۱

(۴) قرآن مجید، سورۂ انفال آیت ۶۳ (۵) قرآن مجید، سورۂ آل عمران آیت ۱۰۳

اس سے الفت مراد ہے۔
پھر تفرقہ بازی کی مذمت کرتے ہوئے اس سے یوں منع فرمایا۔

وَاعْتَصِمُوا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوا وَاذْكُرُوا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ كُنْتُمْ اَعْدَاءً فَاَلَّفَ بَيْنَ قُلُوْبِكُمْ فَاَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهٖ اِخْوَانًا وَكُنْتُمْ عَلٰى شَفَا حُفْرَةٍ مِّنَ النَّارِ فَاَنْقَذَكُمْ مِّنْهَا كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اٰيٰتِهٖ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ۔ (۱)

اور اللہ تعالیٰ کی رسی (دین اسلام) کو سب مل کر مضبوطی سے پکڑو اور جدا جدا نہ ہو جاؤ اور اپنے اوپر اللہ تعالیٰ کی نعمت کو یاد کرو جب تم ایک دوسرے کے دشمن تھے تو اس نے تمہارے دلوں میں محبت ڈال دی پس تم اس کی نعمت سے بھائی بھائی بن گئے اور تم جہنم کے گڑھے کے کنارے پر پہنچ گئے تھے تو اس نے تمہیں اس سے بچا یا۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ اپنی آیات بیان کرتا ہے تاکہ تم ہدایت پاؤ۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

اِنَّ اَقْرَبَكُمْ مِّنِّىْ مَجْلِسًا اَحَاسِنُكُمْ اَخْلَاقًا اَلْمُوَطَّئُوْنَ اَكْنَافًا اَلَّذِيْنَ يَاْلِفُوْنَ وَيُؤْلَفُوْنَ - (۲)

تم میں سے وہ شخص مجلس میں میرے زیادہ قریب ہیں جن کے اخلاق سب سے اچھے ہوں جو اپنے پہلوؤں کو جھکا دیتے ہیں وہ دوسروں سے محبت کرتے اور دوسرے ان سے محبت کرتے ہیں۔

٭ ٭

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اَلْمُؤْمِنُ اِلْفٌ مَّاْلُوْفٌ وَلَا خَيْرَ فِيْمَنْ لَا يَاْلِفُ وَلَا يُؤْلَفُ (۳)

مومن محبت کرنے والا ہوتا ہے اور اس سے محبت کی جاتی ہے۔ جو لوگ دوسروں سے محبت نہیں کرتے اور نہ ان سے محبت کی جاتی ہو ان میں کوئی بھلائی نہیں۔

٭ ٭

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دینی اخوت کی تعریف کرتے ہوئے فرمایا:

مَنْ اَرَادَ اللّٰهُ بِهٖ خَيْرًا رَزَقَهُ اللّٰهُ خَلِيْلًا صَالِحًا اِنْ نَسِيَ ذَكَّرَهٗ

اللہ تعالیٰ جس شخص کے ساتھ بھلائی کا ارادہ فرماتا ہے اسے اچھا دوست عطا کر دیتا ہے اگر یہ بھول جائے تو وہ اسے

(۱) قرآن مجید سورۂ آل عمران آیت ۱۰۳
(۲) شعب الایمان جلد ۶ ص ۲۳۴ حدیث ۸۹۸۸
(۳) تاریخ ابن عساکر جلد ۳ ص ۲۲ من اسمہ اسماعیل

وَاِنْ ذَكَرَ اَعَانَهٗ (۱) یاد دلاتا ہے اور اگر اسے یاد ہو تو وہ اس کی مدد کرتا ہے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

جب دو بھائیوں کی باہم ملاقات ہوتی ہے تو وہ دونوں ہاتھوں کی طرح ہوتے ہیں کہ ان میں سے ایک، دوسرے کو دھوتا ہے اور جب بھی دو مومن ملاقات کرتے ہیں اللہ تعالیٰ انہیں ایک دوسرے سے فائدہ پہنچاتا ہے۔ (۲)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کے لیے بھائی چارے کی ترغیب دیتے ہوئے ارشاد فرمایا۔

مَنْ آخیٰ اَخًا فِی اللّٰهِ رَفَعَهُ اللّٰهُ دَرَجَةً فِی الْجَنَّةِ لَا يَنَالُهَا بِشَیْءٍ مِنْ عَمَلِهٖ (۳) جو آدمی کسی شخص کو اللہ تعالیٰ کے لیے اپنا بھائی بناتا ہے اللہ تعالیٰ جنت میں اس کا ایک درجہ بلند کرے گا جس تک وہ کسی دوسرے عمل کے ذریعے نہیں پہنچ سکتا۔

حضرت ابوادریس خولانی رضی اللہ عنہ نے حضرت معاذ رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ میں آپ سے اللہ تعالیٰ کے لیے محبت کرتا ہوں۔ انہوں نے فرمایا تمہیں خوشخبری ہو (دو بار فرمایا) کیونکہ میں نے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا آپ نے فرمایا۔ قیامت کے دن لوگوں کی ایک جماعت کے لیے عرش کے گرد کرسیاں رکھی جائیں گی ان لوگوں کے چہرے چودھویں رات کے چاند کی طرح ہوں گے اور وہ خوفزدہ نہیں ہوں گے حالانکہ لوگ خوفزدہ ہوں گے ان لوگوں کو کوئی ڈر نہیں ہوگا اور یہ اللہ تعالیٰ کے دوست ہیں جن پر نہ کوئی خوف ہوگا اور نہ کوئی غم۔ عرض کیا گیا یا رسول اللہ! (صلی اللہ علیک وسلم) یہ کون لوگ ہیں؟ آپ نے فرمایا یہ وہ لوگ ہیں جو ایک دوسرے سے خدا کے لیے محبت کرتے ہیں۔ (۴)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی ایک روایت میں ہے آپ نے فرمایا بے شک عرش کے گرد نور کے منبر ہوں گے ان پر کچھ لوگ ہوں گے جن کے لباس نورانی اور چہرے بھی روشن ہوں گے وہ انبیا و یا شہدا نہیں ہوں گے، لیکن انبیاء کرام اور شہداء ان پر رشک کریں گے (ان لوگوں کے مقام کی عظمت کا بیان ہے) انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ! ہم سے ان کا وصف بیان فرمائیں آپ نے فرمایا یہ وہ لوگ ہیں جو اللہ تعالیٰ کے لیے ایک دوسرے سے محبت کرتے ہیں، اللہ تعالیٰ کی خاطر ایک دوسرے کی مجلس اختیار کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی رضا کی خاطر ایک دوسرے سے ملاقات کرتے ہیں (۵)

---

(۱) سنن ابی داؤد جلد ۲ ص ۵۱ کتاب الخراج

(۲) الفردوس بماثور الخطاب جلد ۴ ص ۱۳۲ حدیث ۶۴۱۱

(۳) فیض القدیر جلد ۵ ص ۱۲ ۴۱۲ حدیث ۸۹۰۷

(۴) مسند امام احمد بن حنبل جلد ۵ ص ۳۲۸ مرویات عبادہ بن صامت

(۵) مشکوٰۃ شریف ص ۴۲۶ کتاب الآداب فصل ثانی

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب دو آدمی آپس میں اللہ تعالیٰ کے لیے محبت کرتے ہیں تو ان میں سے جو شخص دوسرے سے زیادہ محبت کرتا ہے وہ اللہ تعالیٰ کو زیادہ محبوب ہوتا ہے (۱)

کہا گیا ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ کے لیے بھائی چارہ قائم کرنے والے دو بھائیوں میں سے ایک بلند مقام پر فائز ہو تو وہ دوسرے کو بھی اٹھا کر اپنے ساتھ کر لیتا ہے اور وہ اس کے ساتھ اس طرح مل جاتا ہے جس طرح اولاد اپنے ماں باپ کے ساتھ لاحق ہو جاتی ہے اور رشتہ دار ایک دوسرے سے مل جاتے ہیں کیونکہ جب اللہ تعالیٰ کے لیے بھائی چارہ ہو تو وہ نسبی اخوت سے کم نہیں ہوتا۔

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

اَلْحَقْنَا بِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ وَمَآ اَلَتْنٰهُمْ مِّنْ عَمَلِهِمْ مِّنْ شَيْءٍ ۔ (۲)

ہم نے ان کی اولاد کو بھی ان کے پاس پہنچا دیا اور ہم ان کے اعمال میں سے کچھ بھی کم نہیں کریں گے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے کہ میری محبت ان لوگوں کے لیے ثابت ہو گئی جو میرے لیے ایک دوسرے سے ملاقات کرتے ہیں، میری محبت ان لوگوں کے لیے ثابت ہو گئی جو میرے لیے ایک دوسرے سے محبت کرتے ہیں، میری محبت ان لوگوں کے لیے ثابت ہو گئی جو میرے لیے ایک دوسرے پر خرچ کرتے ہیں اور میری محبت ان لوگوں کے لیے ثابت ہو گئی جو میرے لیے ایک دوسرے کی مدد کرتے ہیں۔ (۳)

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

اللہ تعالیٰ قیامت کے دن فرمائے گا وہ لوگ کہاں ہیں جو میرے جلال کی خاطر ایک دوسرے سے محبت کرتے ہیں آج میں ان کو اپنے سائے میں جگہ دوں گا جب کہ میرے سائے کے علاوہ کوئی سایہ نہیں (۴)

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

سات قسم کے آدمیوں کو اس دن اللہ تعالیٰ سایہ عطا فرمائے گا جس دن اس کے سائے کے علاوہ کوئی سایہ نہ ہو گا انصاف کرنے والا حکمران، وہ نوجوان جو اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری میں پروان چڑھا، وہ شخص جو مسجد سے نکلے تو واپسی تک اس کا دل مسجد سے

---

(۱) المستدرک للحاکم جلد ۴ ص ۱۷۱ کتاب البر والصلۃ

(۲) قرآن مجید، سورہ طور آیت ۲۱

(۳) مسند امام احمد بن حنبل جلد ۵ ص ۳۲۸ مرویات عبادہ بن صامت

(۴) السنن الکبریٰ للبیہقی جلد ۱۰ ص ۲۳۲ کتاب الشہادات

ہی متعلق رہے، وہ دو آدمی جو اللہ تعالیٰ کے لیے محبت کرتے ہیں اسی پر اکٹھے ہوتے ہیں اور اسی پہ جدا ہوتے ہیں، وہ شخص جو علیحدگی میں اللہ تعالیٰ کو یاد کرتا ہے تو اس کی آنکھوں سے آنسو جاری ہوتے ہیں، وہ مرد جسے کوئی خوبصورت اور خاندانی عورت (گناہ کی طرف) بلاتی ہے تو وہ کہتا ہے میں اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہوں اور وہ آدمی جو صدقہ دیتا ہے تو اسے اس طرح چھپا کر دیتا ہے کہ اسی کے بائیں ہاتھ کو بھی معلوم نہیں ہوتا کہ دائیں ہاتھ نے کیا خرچ کیا ہے (۱)

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

جو شخص اللہ تعالیٰ کی رضا کی خاطر کسی دوسرے شخص سے اس کی ملاقات کا شوق اور رغبت کرتے ہوئے اس سے ملاقات کرتا ہے تو اس کے پیچھے سے ایک فرشتہ آواز دیتا ہے کہ تو پاک ہوا، تیرا چلنا پاک ہے اور تیرے لیے پاکیزہ جنت ہے (۲)

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

ایک شخص اپنے ایک دینی بھائی سے ملاقات کے لیے گیا تو اللہ تعالیٰ نے اس کے راستے میں ایک فرشتہ بٹھا دیا اس نے پوچھا کہاں جا رہے ہو؟ اس نے جواب دیا فلاں بھائی سے ملاقات کے لیے جا رہا ہوں، اس نے پوچھا اس تک کوئی کام ہے اس نے جواب دیا نہیں، فرشتے نے پوچھا تمہارے درمیان کوئی رشتہ داری ہے؟ اس نے کہا نہیں، پوچھا اس نے تم پہ کوئی احسان کیا ہے؟ اس نے جواب دیا نہیں۔ اس نے پوچھا تو پھر کیوں اس سے ملاقات کر رہے ہو؟ اس نے کہا اللہ تعالیٰ کے لیے اس سے محبت کرتا ہوں۔ فرشتے نے کہا اللہ تعالیٰ نے مجھے تمہاری طرف بھیجا ہے اور وہ تمہیں مطلع کرتا ہے کہ وہ (اللہ تعالیٰ) تم سے محبت کرتا ہے اور اس نے تمہارے لیے جنت واجب کر دی ہے۔ (۳)

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اَوْثَقُ عُرَى الْاِيْمَانِ الْحُبُّ فِي اللّٰهِ وَالْبُغْضُ فِي اللّٰهِ (۴)	ایمان کی رسیوں میں سے سب سے زیادہ مضبوط رسی اللہ تعالیٰ کے لیے محبت اور اللہ تعالیٰ کے لیے نفرت کرنا ہے۔

اسی لیے واجب ہے کہ آدمی کے کچھ دشمن ہونے چاہیں جن سے وہ اللہ تعالیٰ کے لیے دشمنی رکھتا ہو جیسے اس کے دوست اور بھائی ہوتے ہیں جن سے اللہ تعالیٰ کے لیے محبت کرتا ہے۔

---

(۱) صحیح بخاری جلد اوّل ص ۱۹۱ کتاب الزکوٰۃ

(۲) جامع ترمذی ص ۲۹۳ ابواب البر

(۳) صحیح مسلم جلد ۲ ص ۳۱۶ کتاب البر

(۴) مصنف ابن ابی شیبہ جلد ۱۱ ص ۴۱ حدیث ۱۰۴۹۲

ایک روایت میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ایک نبی کی طرف وحی بھیجی۔ کہ تم نے دنیا میں جو زہد و تقویٰ اختیار کیا اس کا فوری بدلہ آرام کی صورت میں مل گیا تم نے لوگوں سے قطع تعلق کر کے مجھ سے تعلق جوڑا تو میری وجہ سے تم معزز ہو گئے لیکن کیا تم نے میری وجہ سے کسی سے دشمنی بھی کی ہے؟ اور کیا میری خاطر کسی سے دوستی بھی لگائی ہے۔؟

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

اَللّٰھُمَّ لَا تَجْعَلْ لِفَاجِرٍ عَلَيَّ مِنَّةً فَتَرْزُقَهُ مِنِّي مَحَبَّةً۔(۱)

یا اللہ! مجھے کسی فاجر کا احسان مند نہ کرنا کہ تو اسے میری محبت عطا کر دے۔

ایک روایت میں ہے اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی طرف وحی بھیجی کہ اگر آپ تمام آسمانوں اور زمین والوں کی عبادت کے برابر عبادت کریں لیکن اللہ تعالیٰ کے لیے کسی سے محبت اور اللہ تعالیٰ کے لیے کسی سے دشمنی نہ رکھیں تو یہ عبادت آپ کو کچھ فائدہ نہ دے گی۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا نافرمان لوگوں سے دشمنی کے ذریعے اللہ تعالیٰ کی محبت حاصل کرو، ان سے دوری کے ذریعے اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کرو اور ان سے ناراضگی کے باعث اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل کرو۔ انہوں نے عرض کیا اے روح اللہ! ہم کس کی مجلس اختیار کریں؟ آپ نے فرمایا ان لوگوں کے ہمنشین بنو جن کو دیکھنے سے اللہ تعالیٰ یاد آجائے اور ان کی گفتگو سے تمہارے اعمال میں اضافہ ہو نیز ان کے عمل سے آخرت کی رغبت پیدا ہو۔

گذشتہ خبروں میں مروی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرف وحی بھیجی فرمایا اے ابن عمران! بیدار و ہوشیار رہو، اور اپنے لیے دوست طلب کرو اور جو دوست اور ساتھی میری خوشی پر تمہارا موافق نہ ہو وہ تمہارا دشمن ہے۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت داؤد علیہ السلام کی طرف وحی بھیجی کہ اے داؤد! (علیہ السلام) کیا بات ہے کہ میں آپ کو الگ تھلگ دیکھتا ہوں؟ انہوں نے عرض کیا یا اللہ! میں نے تیری خاطر مخلوق کو چھوڑ دیا ہے اللہ تعالیٰ نے فرمایا اے داؤد علیہ السلام، ہوشیار رہیں اور اپنے آپ کے لیے دوست تلاش کریں اور جو دوست میری مسرت پر آپ کی موافقت نہ کرے اس سے دوستی نہ لگائیں وہ آپ کا دشمن ہے وہ آپ کے دل کو سخت کر دے گا اور آپ کو مجھ سے دور کر دے گا۔

حضرت داؤد علیہ اسلام کے واقعات میں ہی ہے انہوں نے عرض کیا اے میرے رب! کس طرح ہو گا کہ سب لوگ مجھ سے محبت کریں اور میرا تیرے ساتھ معاملہ بھی سلامت رہے؟

اللہ تعالیٰ نے فرمایا لوگوں کے ساتھ اچھے اخلاق سے پیش آؤ اور میرے ساتھ معاملے کو بھی اچھا رکھو، بعض روایات میں ہے فرمایا دنیا والوں سے دنیوی طور طریقے اپناؤ اور آخرت والوں سے آخرت کے طریقوں کو اپناؤ۔

---

(۱) الاسرار المرفوعۃ ص ۳۰۱ حدیث ۳۹۲

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ؛
بے شک اللہ تعالیٰ کے ہاں تم میں سے سب سے زیادہ محبوب وہ لوگ ہیں جو دوسروں سے محبت کرتے اور وہ ان سے محبت کرتے ہیں اور سب سے زیادہ برے لوگ وہ ہیں جو چغل خور ہیں اور مسلمان بھائیوں کے درمیان تفریق ڈالتے ہیں۔(۱)

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ؛
اللہ تعالیٰ کا ایک فرشتہ ہے جس کا نصف آگ سے اور نصف برف سے بنا ہوا ہے وہ کہتا ہے یا اللہ! جس طرح تُونے برف اور آگ میں الفت پیدا کی ہے اسی طرح اپنے نیک بندوں کے دلوں کو بھی جوڑ دے (۲)

نیز آپ نے ارشاد فرمایا۔
"جو شخص اللہ تعالیٰ کے لیے کسی کو بھائی بناتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے لیے جنت میں ایک درجہ بناتا ہے (۳)

آپ نے فرمایا :
باہم محبت کرنے والے سرخ یاقوت کے ایک ستون پر ہوں گے اور اس ستون کے سرے پر ستر ہزار کھڑکیاں ہوں گی وہ اہل جنت کی طرف جھانکیں گے تو ان سے جنتی اس طرح روشن ہوں گے جس طرح اہل دنیا سورج سے روشنی حاصل کرتے ہیں، چنانچہ جنتی کہیں گے ہمیں لے چلو تاکہ ہم ان لوگوں کو دیکھیں جو اللہ تعالیٰ کے لیے ایک دوسرے سے محبت کرتے ہیں تو اب ان سے جنتیوں کو اس طرح چمک حاصل ہوگی جس طرح سورج کی روشنی ہوتی ہے' ان پر سبز ریشمی لباس ہوگا اور ان کی پیشانیوں پر لکھا ہوگا کہ یہ لوگ اللہ تعالیٰ کے لیے ایک دوسرے سے محبت کرتے تھے۔ (۴)

اقوال صحابہ و تابعین :

حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں تمہیں (اسلامی) بھائی بنانے چاہیں وہ دنیا میں بھی تمہارے کام آئیں گے اور آخرت میں بھی، کیونکہ تم نے جہنمیوں کی بات نہیں سنی وہ کہیں گے۔

فَمَا لَنَا مِنْ شَافِعِيْنَ وَلَا صَدِيْقٍ حَمِيْمٍ ۔ (۵) — پس ہمارے لیے نہ تو کوئی سفارشی ہے اور نہ کوئی گہرا دوست۔

---

(۱) الترغیب والترہیب جلد ۳ ص ۱۰ ۴ کتاب الادب
(۲) کنز العمال جلد ۶ ص ۲ ۴ ۱ حدیث ۲ ۷ ۱ ۵ ۱
(۳) الفردوس بماثور الخطاب جلد ۴ ص ۱۳۲ حدیث ۱۱ ۴ ۶
(۴) مصنف ابن ابی شیبہ جلد ۱۳ ص ۵ ۱۴ حدیث ۸ ۴ ۹ ۵ ۱
(۵) قرآن مجید، سورہ شعراء آیت ۱۰۰، ۱۰۱

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں۔
اللہ تعالیٰ کی قسم اگر میں دن کو روزہ رکھوں اور اسے افطار نہ کروں اور رات کو قیام کروں سونے کے قریب نہ جاؤں اور وقفے وقفے سے اللہ تعالیٰ کے راستے میں مال خرچ کروں تو جس دن میں مروں گا اگر اس دن میرے دل میں اطاعت خداوندی کرنے والوں کی محبت اور نافرمان لوگوں سے نفرت نہیں ہوگی تو مجھے ان اعمال سے کچھ فائدہ نہ ہوگا۔

حضرت ابن سماک رحمہ اللہ نے فوت ہوتے کہا۔
"اے اللہ! تو جانتا ہے کہ جب میں گناہ گار تھا تیری نافرمانی کرتا تھا تو تیرے فرمانبردار بندوں سے محبت تو کرتا تھا یا اللہ! میرے اسی عمل کو اپنے قرب کا ذریعہ بنا دے۔"

اور حضرت حسن بصری رحمہ اللہ نے اس کے خلاف یوں فرمایا۔
"اے ابن آدم! تجھے کسی کا یہ قول فائدہ نہیں دے گا کہ انسان اسی کے ساتھ ہوتا ہے جس سے محبت کرتا ہے کیونکہ اعمال کے بغیر نیک لوگوں کے ساتھ مل نہیں سکتے کیونکہ یہود و نصاریٰ اپنے انبیاء کرام سے محبت کرتے تھے لیکن وہ ان کے ساتھ نہیں ہیں یہ اس بات کی طرف سے اشارہ ہے کہ بعض یا کل اعمال میں نیک لوگوں کی موافقت سے خالی محبت نفع نہیں دیتی۔

حضرت فضیل رحمہ اللہ نے اپنے بعض کلام میں فرمایا۔
ہائے افسوس! تم جنت الفردوس میں رہنا اور اللہ تعالیٰ کے گھر میں انبیاء کرام، صدیقین اور شہداء کے ساتھ اس کا پڑوس چاہتے ہو لیکن بتاؤ کس عمل کے ذریعے جو تم نے کیا ہو؟ تم نے کس خواہش کو چھوڑا ہے؟ کس غصے کو پیا ہے؟ کون سے قطع رحم کرنے والے سے صلہ رحمی کی ہے؟ تم نے اپنے مسلمان بھائی کی کون سی غلطی معاف کی ہے؟ تم نے اپنے کون سے رشتہ دار سے اللہ تعالیٰ کی خاطر دوری اختیار کی ہے؟ اور کس غیر رشتہ دار کو اللہ تعالیٰ کی خاطر اپنے قریب کیا ہے؟

ایک روایت میں ہے اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرف وحی بھیجی کہ آپ نے میرے لیے کوئی عمل نہیں کیا انہوں نے عرض کیا یا اللہ! میں نے تیرے لیے نماز پڑھی، روزہ رکھا، صدقہ اور زکوٰۃ دی اللہ تعالیٰ نے فرمایا بے شک نماز آپ کے لیے دلیل ہے، روزہ ڈھال ہے صدقہ سایہ ہے، زکوٰۃ نور ہے، بتائیے آپ نے خالص میرے لیے کیا عمل کیا؟ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا یا اللہ! مجھے بتا تیرے لیے کونسا عمل ہے؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا اے موسیٰ! کیا آپ نے کبھی میری خاطر کسی سے دوستی لگائی؟ کسی سے میری وجہ سے دشمنی کی؟ چنانچہ حضرت موسیٰ علیہ السلام سمجھ گئے کہ سب سے افضل عمل اللہ تعالیٰ کے لیے محبت کرنا اور اللہ تعالیٰ کے لئے دشمنی رکھنا ہے۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں۔
اگر کوئی شخص کعبہ شریف کی دیوار اور مقام ابراہیم کے درمیان کھڑا ہو کر ستر سال اللہ تعالیٰ کے لیے عبادت کرے تو اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اسے اس کے ساتھ اٹھائے گا جس سے وہ محبت کرتا ہے۔

حضرت حسن رحمہ اللہ فرماتے ہیں فاسق سے قطع تعلق کرنا قربِ خداوندی کا ذریعہ ہے۔

ایک شخص نے حضرت محمد بن واسع رحمہ اللہ سے کہا کہ میں آپ سے اللہ تعالیٰ کے لیے محبت کرتا ہوں انہوں نے فرمایا جس کی خاطر تم مجھ سے محبت کرتے ہو وہ تم سے محبت کرے پھر رُخ پھیرتے ہوئے دعا مانگی اے اللہ! میں اس بات سے تیری پناہ چاہتا ہوں کہ تیری وجہ سے مجھ سے محبت کی جائے اور تو مجھ سے نفرت کرے ایک شخص حضرت داؤد طائی رحمہ اللہ کے پاس حاضر ہوا انہوں نے فرمایا کیا کام ہے؟ اس نے کہا آپ کی زیارت کرنے آیا ہوں، انہوں نے فرمایا تم نے تو زیارت کر کے اچھا کام کیا لیکن جب مجھ سے پوچھا جائے گا کہ تو کون ہے جس کی زیارت کی جاتی ہے، کیا تو زاہدین میں سے ہے؟ اللہ کی قسم نہیں کیا، عبادت گزار لوگوں میں سے ہے؟ اللہ کی قسم نہیں، کیا صالحین سے ہے؟ قسم بخدا نہیں۔ تو اس وقت میری حالت کیا ہوگی؟ پھر آپ نفس کو ملامت کرنے اور جھڑکنے لگے۔ آپ فرماتے تھے۔ جوانی میں تو نافرمان تھا اب ریاکار ہوگیا ہے۔ اللہ کی قسم ریاکار، فاسق سے بھی برا ہے۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے فرمایا جب تم میں کسی سے کوئی مسلمان بھائی محبت کرے تو اسے مضبوطی سے پکڑے کیونکہ ایسے لوگ کم ملتے ہیں۔

حضرت مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں جب اللہ تعالیٰ کے لیے ایک دوسرے سے محبت کرنے والے باہم ملاقات کرتے وقت خوش ہوتے ہیں تو ان کے گناہ اس طرح جھڑتے ہیں جیسے موسم خزاں میں درختوں کے پتے خشک ہو کر گرتے ہیں۔

حضرت فضیل رحمۃ اللہ فرماتے ہیں کسی آدمی کا اپنے مسلمان کی طرف مودّت و رحمت کے ساتھ دیکھنا عبادت ہے۔

اخوت کا مفہوم نیز دینی اور دنیوی بھائی چارے میں فرق

جان لو کہ اللہ تعالیٰ کے لیے محبت اور اس کے لیے دشمنی ایک دقیق بات ہے ہم جو کچھ ذکر کریں گے اس کے ذریعے اس سے پردہ کھل جائے گا صحبت کی دو قسمیں ہیں ایک وہ جو اتفاقاً ہو جاتی ہے جیسے پڑوسی ہونے کے باعث کسی مکتب میں یا مدرسہ یا بازار میں یا بادشاہ کے دروازے پر یا سفر میں اکٹھے ہونے سے۔

دوسری وہ جو اپنے اختیار اور ارادے سے اپنائی جاتی ہے ہم اسے ہی بیان کرنا چاہتے ہیں۔ کیونکہ دینی بھائی چارہ اسی قسم میں شامل ہے اس لیے کہ ثواب ان کاموں پر ملتا ہے جو انسان اپنے اختیار سے کرتا ہے اور اسی کی رغبت دی جاتی ہے۔ صحبت کا مطلب ایک دوسرے کا ہم مجلس ہونا، مل جل جانا اور پڑوسی بننا ہے اور آدمی کسی دوسرے سے یہ باتیں تب ہی چاہتا ہے جب اس سے محبت کرتا ہے کیونکہ جس سے محبت نہ ہو اس سے پرہیز کیا جاتا ہے اور دوری اختیار کی جاتی ہے، اس سے میل جول کا قصد نہیں کیا جاتا۔

اور جس سے محبت ہوتی ہے تو یا اس کی ذات کی وجہ سے محبت کی جاتی ہے اس لئے نہیں کہ اس کے ذریعے محبوب تک پہنچے اور مقصود کوئی دوسرا ہوتا ہے یا اس لیے محبت کی جاتی ہے کہ وہ محبوب تک پہنچنے کا وسیلہ ہوتا ہے اور

یہ محبوب یا تو دنیا اور اس سے حاصل ہونے والے فوائد تک محدود ہوتا ہے یا آخرت سے متعلق ہوتا ہے یا اس کا تعلق اللہ تعالیٰ سے ہوتا ہے تو یوں یہ چار قسمیں ہوئیں۔

اقسامِ محبت

پہلی قسم:

پہلی قسم کی محبت یہ ہے کہ تم کسی آدمی سے اس کی ذات کی وجہ سے محبت کرو۔ یہ ممکن ہے یعنی وہ تمہارے نزدیک ذاتی طور پر محبوب ہو یعنی تم اسے دیکھ کر یا اس کی معرفت یا اخلاق کا مشاہدہ کر کے لذت حاصل کرو اس لیے کہ تمہارے نزدیک وہ حسن و جمال کا پیکر ہے۔ اور جو شخص کسی کے جمال کا ادراک و شعور رکھتا ہے اس کے نزدیک ہر جمیل چیز لذیذ ہوتی ہے اور ہر لذیذ چیز محبوب ہوتی ہے اور لذت کا تعلق کسی کو حسین سمجھنے سے ہے اور حسین تب سمجھا جاتا ہے جب طبیعتوں میں مناسبت اور موافقت ہو پھر وہ جسے آدمی اچھا سمجھتا ہے وہ یا تو ظاہر صورت کے اعتبار سے حسین سمجھا جاتا ہے یعنی اس کی شکل و صورت اچھی ہے یا باطنی صورت کی وجہ سے اچھا سمجھا جاتا ہے مطلب یہ کہ وہ عقل کامل اور اخلاقِ حسنہ کا مالک ہے اور حسن اخلاق کا تعلق اچھے اعمال سے ہوتا ہے اور کمال عقل کا تعلق علم کی عمدگی سے ہوتا ہے اور یہ تمام امور عقل سلیم کے نزدیک اچھے ہیں اور جس چیز کو اچھا سمجھا جائے اس سے لذت حاصل کی جاتی ہے اور وہ محبوب ہوتی ہے۔

بلکہ دلوں کی باہمی محبت میں تو اس سے بھی ایک گہری بات ہے کیونکہ بعض اوقات دو آدمیوں کے درمیان اچھی صورت کے علاوہ بھی محبت مضبوط ہوتی ہے اسی طرح ظاہری اور باطنی حسن نہ ہونے کی وجہ سے بھی باہم دوستی ہوتی ہے، اس کی وجہ باطنی مناسبت ہے جو الفت اور موافقت پیدا کرتی ہے کیونکہ کسی چیز کی مشابہت فطری طور پر اس کی طرف کھینچتی ہے اور باطنی مشابہتیں پوشیدہ ہیں اور ان کے اسباب بہت دقیق ہیں ان پر مطلع ہونا انسان کے بس میں نہیں ہے۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بات کو یوں تعبیر فرمایا۔

اَلْاَرْوَاحُ جُنُوْدٌ مُّجَنَّدَةٌ فَمَا تَعَارَفَ مِنْهَا ائْتَلَفَ وَمَا تَنَاكَرَ مِنْهَا اخْتَلَفَ۔ (۱)	روحیں مجتمع لشکر ہیں ان میں سے جو ایک دوسرے سے متعارف ہیں وہ ایک دوسرے سے محبت کرتی ہیں اور جو ایک دوسرے کو پہچانتی نہیں ہیں وہ الگ رہتی ہیں۔

عدم پہچان، ایک دوسرے کی ضد ہونے کا نتیجہ ہے اور باہم محبت اس تناسب کا نتیجہ ہے جسے تعارف سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

---

(۱) صحیح بخاری جلد اول ص ۴۶۹ کتاب الانبیاء

بعض روایات میں یوں ہے۔

اَلْاَرْوَاحُ جُنُوْدٌ مُجَنَّدَۃٌ تَلْتَقِیْ فَتَتَشَامُّ فِی الْھَوَاءِ (۱)

رُوحیں جمع لشکر ہیں وہ ہوا میں ایک دوسرے کے قریب ہوتی اور ملاقات کرتی ہیں۔

بعض علماء کرام نے اسی سے کنایہ کرتے ہوئے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے ارواح کو پیدا فرمایا تو ان میں سے بعض کے ٹکڑے کئے اور انہیں عرش کے گرد پھرایا تو ان ٹکڑوں میں سے جن دو جوڑوں نے وہاں ایک دوسرے کو پہچانا وہ دنیا میں بھی ایک دوسرے سے ملتے ہیں۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

اِنَّ اَرْوَاحَ الْمُؤْمِنِیْنَ لَیَلْتَقِیَانِ عَلٰی مَسِیْرَۃِ یَوْمٍ وَمَارَاٰی اَحَدُھُمَا صَاحِبَہٗ قَطُّ۔ (۲)

بے شک دو مومنوں کی رُوحیں ایک دن کی مسافت پر باہم ملتی ہیں حالانکہ ان میں ایک نے بھی دوسرے کو دیکھا نہیں ہوتا۔

ایک روایت میں ہے کہ مکہ مکرمہ میں ایک عورت لوگوں کو ہنسایا کرتی تھی اور مدینہ طیبہ میں ایک دوسری عورت تھی مکہ مکرمہ والی عورت مدینہ طیبہ آئی اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں حاضر ہو کر انہیں ہنسایا انہوں نے پوچھا تم کہاں ٹھہری ہوتی ہو؟ اس نے اپنی سہیلی کا ذکر کیا ام المومنین نے فرمایا رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے سچ فرمایا ہے کہ رُوحیں ایک دوسرے سے ملی ہوئی لشکر ہیں۔ (۳)

اس سلسلے میں حق بات یہ ہے کہ مشاہدہ اور تجربہ اس بات کی گواہی دیتا ہے کہ جب دو آدمیوں میں کوئی مناسبت ہو تو اس وقت باہمی محبت پیدا ہوتی ہے اور طبیعتوں اور اخلاق میں ظاہری اور باطنی طور پر مناسبت ایک معلوم امر ہے۔ وہ اسباب جو اس مناسبت کو پیدا کرتے ہیں انسان کے بس میں نہیں کہ ان پر مطلع ہو سکے۔ زیادہ سے زیادہ کوئی نجومی یوں نامعقول بات کہہ سکتا ہے کہ جب ایک کا زائچہ دوسرے کے زائچے کی تسدیس یا تثلیث پر ہو تو موافقت اور محبت کی دلیل ہے اور یہ مناسبت اور محبت کا تقاضا کرتا ہے لیکن جب اس کے مقابل یا تربیع پر ہو تو یہ باہمی دشمنی اور نفرت کا متقاضی ہے اگر یہ بات یوں سچی ہو کہ اللہ تعالیٰ نے آسمانوں اور زمین کی تخلیق میں جو طریقہ جاری فرمایا ہے وہ بھی اسی طرح ہے تو اصل مناسبت کی نسبت اس میں اشکال زیادہ ہوگا تو جس چیز کا راز انسان کے لیے ظاہر نہیں ہوتا اس میں غور و خوض

---

(۱) کنز العمال جلد ۹ ص ۲۳ حدیث ۲۴۷۴۱

(۲) مسند امام احمد بن حنبل جلد ۲ ص ۲۲۰ مرویات عمرو بن العاص

(۳) صحیح بخاری جلد اول ص ۴۶۹ کتاب الانبیاء

کرنے کی کیا ضرورت ہے اور ہمیں تو بہت کم علم دیا گیا ہے۔ اور ہمیں اس کی تصدیق کے لیے تجربہ اور مشاہدہ ہی کافی ہے۔ ایک حدیث شریف میں ہے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اگر کوئی مومن ایسی مجلس میں جائے جس میں ایک سو منافق اور ایک مومن ہو تو وہ اس مومن کے پاس جا کر بیٹھے گا اور اگر کوئی منافق کسی مجلس میں جائے جہاں ایک سو مومن اور ایک منافق ہو تو وہ منافق کے پاس جا کر بیٹھے گا۔ (۱)

یہ اس بات پر دلالت ہے کہ جو چیز کسی دوسری چیز کے مشابہ ہوتی ہے وہ طبعی طور پر اس کی طرف کھنچی جاتی ہے اگرچہ اسے اس کا شعور نہ ہو۔ حضرت مالک بن دینار رحمہ اللہ فرماتے تھے کہ دس آدمیوں میں جب دو آدمی ایک بات پر متفق ہوتے ہیں تو ان میں سے ایک میں دوسرے کا وصف ہوتا ہے اور انسانوں کی جنس، پرندوں کی جنس کی طرح ہوتی ہے اور پرندوں کی دو قسمیں اڑنے میں ایک دوسرے کی موافقت اس لیے کرتی ہیں کہ ان کے درمیان کوئی مناسبت ہوتی ہے۔ ایک دفعہ آپ نے ایک کوے کے ساتھ کبوتر کو اڑتے ہوئے دیکھا تو اس پر تعجب ہوا فرمایا یہ دونوں متفق ہیں لیکن ان کی شکلیں مختلف ہیں، پھر وہ دونوں اڑے تو دیکھا کہ دونوں لنگڑے تھے آپ نے فرمایا اسی وجہ سے یہ دونوں باہم متفق ہیں اسی لیے کسی دانا آدمی نے کہا ہے کہ ہر شخص اپنی شکل سے مانوس ہوتا ہے جیسا کہ ہر پرندہ اپنے ہم جنس کے ساتھ اڑتا ہے، اور جب دو آدمی کچھ عرصہ ساتھ رہیں اور ان کی حالت ایک جیسی نہ ہو تو وہ ضرور جدا ہو جائیں گے۔ یہ ایک مخفی بات ہے لیکن شعراء نے اسے معلوم کیا چنانچہ ایک شاعر نے کہا۔

"کسی نے پوچھا کہ تم ایک دوسرے سے جدا کیسے ہو گئے تو میں نے انصاف بھری بات کہی کہ وہ میرا ہم شکل نہ تھا پس میں اس سے جدا ہو گیا کیونکہ لوگ ایک جیسے ہوتے ہیں تو باہمی محبت ہوتی ہے۔"

اس سے ظاہر ہوا کہ انسان کبھی کسی کی ذات کی وجہ سے اس سے محبت کرتا ہے کسی فوری یا تاخیر سے ملنے والے نفع کی وجہ سے نہیں بلکہ صرف اس مجانست اور مناسبت کی وجہ سے جو باطنی طبیعتوں اور پوشیدہ اخلاق میں ہوتی ہے محبت کی اس قسم میں حسن کی وجہ سے محبت کرنا بھی داخل ہے، جب کہ مقصود شہوت کا پورا کرنا نہ ہو۔ کیونکہ اچھی صورتیں آنکھوں میں لذت پیدا کرتی ہیں اگرچہ شہوت بالکل نہ ہو حتیٰ کہ پھلوں، شگوفوں، کلیوں، سرخی آمیز سیبوں، جاری پانی اور سبزے کو دیکھ کر آنکھوں کو لذت حاصل ہوتی ہے حالانکہ اس چیز کی ذات کے علاوہ یہاں کوئی دوسری غرض نہیں ہوتی۔ اس محبت میں اللہ تعالیٰ کے لیے محبت داخل نہیں بلکہ یہ فطری اور نفسانی خواہش کے اعتبار سے ہے اور یہ محبت، غیر مسلم کو بھی ہو سکتی ہے البتہ اس کے ساتھ کوئی مذموم غرض مل جائے تو یہ مذموم ہوتی ہے جیسے کسی خوش شکل سے تکمیل

---

(۱) شعب الایمان جلد ۶ ص ۴۹۷ حدیث ۹۰۳۸

شہوت کے لیے محبت کرنا ہے کیونکہ یہ جائز نہیں اور اس کے ساتھ کوئی بری غرض نہ ہو تو جائز ہے نہ قابلِ تعریف ہے اور نہ ہی قابلِ مذمت کیونکہ محبت کی تین صورتیں ہیں محمود ہوگی یا مذموم یا مباح یعنی اس کی تعریف کی جائے اور نہ ہی مذمت۔

دوسری قسم :

کسی سے اس لیے محبت کرے کہ اس کے ذریعے کسی دوسری ذات کو حاصل کرے پس یہ محبوب تک پہنچنے کا وسیلہ ہوگا جو اس کے علاوہ ہے، اور محبوب کا وسیلہ بھی محبوب ہوتا ہے اور جس سے کسی دوسرے کے لیے محبت کی جائے تو حقیقی محبوب وہ دوسرا ہی ہوتا ہے لیکن محبوب تک پہنچنے کا راستہ بھی محبوب ہوتا ہے اسی لیے لوگ سونے اور چاندی سے محبت کرتے ہیں حالانکہ ان دونوں سے کوئی غرض نہیں ہوتی کیونکہ یہ نہ تو کھائے جاتے ہیں اور نہ ہی پہنے جاتے ہیں لیکن یہ دونوں کئی محبوب چیزوں کا وسیلہ ہیں۔ تو بعض لوگوں سے اس طرح محبت کی جاتی ہے جس طرح سونے اور چاندی سے محبت ہوتی ہے کیونکہ وہ مقصود کے لیے وسیلہ ہوتے ہیں ان لوگوں کے ذریعے مقام و مرتبہ یا مال یا علم حاصل ہوتا ہے جیسے بادشاہ سے اس لیے محبت کی جاتی ہے کہ اس کے مال اور مرتبے سے نفع حاصل کیا جائے اور اس کے خاص لوگوں سے محبت اس لیے کی جاتی ہے تاکہ وہ اس کا حال اچھے طریقے پر پیش کریں اور اس کے دل میں اس کے لیے جگہ بنائیں۔ تو جس تک پہنچنے کے لیے اس شخص سے محبت کی جاتی ہے اگر اس کا فائدہ دنیا تک محدود ہے تو اس سے محبت، اللہ تعالیٰ کے لیے نہیں ہوگی اور اگر اس کا فائدہ صرف دنیوی نہ ہو لیکن اس کا مقصود صرف دنیا کا حصول ہو جیسے شاگرد کا اپنے استاذ سے محبت کرنا تو یہ بھی اللہ تعالیٰ کے لیے محبت سے خارج ہے کیونکہ یہ شخص اس سے صرف اس لیے محبت کرتا ہے تاکہ اپنی ذات کے لیے علم حاصل کر سکے تو اس کا محبوب علم ہے پس اگر علم سے قرب خداوندی مقصود نہ ہو بلکہ اس کے ذریعے مقام و مرتبہ، مال اور مخلوق کے نزدیک قبولیت حاصل کرنا مقصود ہو تو اس کا محبوب مرتبہ اور قبولیت ہے اور علم اس کا وسیلہ ہے اور استاذ علم کا وسیلہ ہے لہٰذا یہاں کوئی بھی بات اللہ تعالیٰ کے لیے محبت قرار نہیں پاتی۔ کیونکہ یہ تمام امور تو ان لوگوں سے بھی مقصود ہوتے ہیں جو اللہ تعالیٰ پر ایمان نہیں لاتے۔

پھر اس کی دو قسمیں ہیں ایک مذموم ہے اور دوسری مباح ہے۔ اگر مذموم مقاصد کا حصول مقصود ہو مثلاً ہمعصر لوگوں کو نیچا دکھانا، یتیموں کا مال ہڑپ کرنا اور قاضی بن کر رعایا کو ستانا وغیرہ تو یہ محبت مذموم ہے اور اگر اس کے ذریعے جائز مقصد تک پہنچنا ہو تو یہ محبت بھی مباح ہوگی۔ گویا وسیلہ کا حکم وہی ہوگا جو اصل مقصود کا ہے کیونکہ یہ اس کے تابع ہے ذاتی طور پر قائم نہیں ہے۔

تیسری قسم :

جس سے محبت کی جائے تو اس کی ذات کی وجہ سے نہیں بلکہ غیر کی وجہ سے ہو اور وہ غیر دنیوی مفادات میں سے نہ ہو بلکہ آخرت کے فوائد کی طرف لوٹے یہ بھی ظاہر بات ہے اس میں کوئی گہرائی نہیں مثلاً ایک شخص اپنے استاذ یا مرشد

سے اس لیے محبت کرتا ہے کہ اس کے ذریعے حصول علم اور اچھے عمل تک پہنچتا ہے۔ اور علم سے آخرت کی کامیابی مقصود ہے، یہ شخص ان لوگوں میں شامل ہے جو اللہ تعالیٰ کے لیے ایک دوسرے سے محبت کرتے ہیں، اسی طرح جو شخص اپنے شاگرد سے محبت کرتا ہے کہ وہ اس سے علم حاصل کرتا ہے اور اس کے واسطہ سے اسے رتبہ تعلیم ملتا ہے اور اس کے ذریعے وہ آسمان کی بادشاہی میں تعظیم کے درجہ تک پہنچتا ہے حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا۔

"جو شخص علم حاصل کرتا ہے اور عمل کرتا ہے وہ آسمان کی بادشاہی میں عظیم کہلاتا ہے،، اور تعلیم شاگرد کے ذریعے پوری ہوتی ہے تو اس صورت میں یہ (شاگرد) اس کمال کا آلہ ہے پس اگر وہ اس سے اس لیے محبت کرے کہ یہ اس درجۂ کمال تک پہنچنے کا آلہ ہے کہ اس کے سینے کو اس کے لیے کھیتی بنایا گیا اور یہ اس کی ملکوتِ آسمانی میں مرتبہ تعظیم کا سبب ہے تو یہ شخص بھی اللہ تعالیٰ سے محبت کرنے والا ہوگا۔

بلکہ جو شخص اپنا مال اللہ تعالیٰ کے لیے صدقہ کرتا ہے اور مہمانوں کو جمع کرتا ہے ان کے لیے اچھے اچھے کھانے تیار کرتا ہے اور اس سے اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کرنا چاہتا ہے اب وہ کسی ماہر باورچی سے اس لیے محبت کرتا ہے کہ وہ کھانا اچھا پکاتا ہے تو یہ بھی اللہ تعالیٰ کے لیے محبت کرنے والوں میں سے ہے۔ اسی طرح اگر وہ اس آدمی سے محبت کرے جو اس کی طرف سے مساکین تک صدقہ پہنچا دے تو یہ بھی اس سے اللہ تعالیٰ کے لیے محبت کرتا ہے۔

بلکہ ہم اس پر اضافہ کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ جب وہ اس آدمی سے محبت کرتا ہے جو اس کی خدمت کرتا ہے مثلاً اس کے کپڑے دھوتا ہے، گھر کی صفائی کرتا ہے اور کھانا پکاتا ہے اور یوں اسے علم و عمل کے لیے فارغ رکھتا ہے اور اس آدمی کا اس سے خدمت لینا اس مقصد کے تحت ہے کہ یہ عبادت کے لیے فراغت حاصل کرے تو یہ اس شخص سے اللہ تعالیٰ کے لیے محبت کرتا ہے۔

بلکہ اس سے بھی بڑھ کر ہم یوں کہتے ہیں کہ اس آدمی سے محبت کرنا جو اس پر اپنا مال خرچ کرتا ہے اور لباس اور رہائش کے ذریعے اس کی غمخواری کرتا ہے بلکہ اس کی تمام دینوی اغراض کو پورا کرتا ہے اور ان تمام کاموں سے اس کا مقصد اس کو اس علم و عمل کے لیے فارغ رکھنا ہوتا ہے جو قرب خداوندی کا ذریعہ ہے تو یہ بھی اللہ تعالیٰ کے لیے محبت کرنے والا ہے۔

ہمارے بزرگوں کی ایک جماعت کی کفالت مال داروں کی ایک جماعت کرتی تھی تو یہ دونوں یعنی غم خواری کرنے والے اور جن کی غمخواری کی گئی، اللہ تعالیٰ کے لیے ایک دوسرے سے محبت کرتے ہیں۔

بلکہ اس سے بھی بڑھ کر ہم یوں کہتے ہیں کہ جو شخص نیک عورت سے نکاح کرتا ہے تاکہ اس کے ذریعے شیطان کے وسوسوں سے بچے اور اپنے دین کی حفاظت کرے یا اس سے نیک اولاد پیدا ہو اور عورت سے اس لئے محبت کرتا ہے کہ وہ ان دینی امور کا آلہ اور ذریعہ ہے تو وہ اللہ تعالیٰ کے لیے محبت کرنے والا ہے اور اس سلسلے میں احادیث آئی ہے۔ (۱)

کہ اہل و عیال پر خرچ کرنے کا اجر و ثواب ملتا ہے حتیٰ کہ اس لقمے کا بھی جسے وہ اپنی بیوی کے منہ میں

ڈالتا ہے (۱)

بلکہ ہم کہتے ہیں کہ جو شخص اللہ تعالیٰ کی محبت اس کی رضا کی محبت اور آخرت میں اس کی ملاقات کی چاہت میں مشہور ہے جب وہ کسی اور سے محبت کرے تو بھی وہ اللہ تعالیٰ کے لیے محبت کرنے والا شمار ہوگا کیونکہ اس کے بارے میں یہی تصور ہوتا ہے کہ وہ جس سے بھی محبت کرتا ہے اپنے محبوب کے ساتھ اس کی مناسبت کی وجہ سے کرتا ہے اور یہ اللہ تعالیٰ کی رضا ہے۔

بلکہ اس سے بھی بڑھ کر ہم کہتے ہیں کہ جب اس کے دل میں دو محبتیں جمع ہو جائیں ایک اللہ تعالیٰ کی محبت اور دوسری دنیا کی محبت، اور کسی دوسرے شخص میں بھی یہ دونوں باتیں جمع ہو جائیں حتیٰ کہ یہ اس مقام تک پہنچ جائے کہ اس کے ذریعے اللہ تعالیٰ اور دنیا دونوں تک پہنچا جا سکے تو جب اس وجہ سے اس سے محبت کرے کہ اس میں دونوں باتوں کی صلاحیت ہے تو یہ اللہ تعالیٰ کے لیے محبت کرنے والا ہے جیسا کہ کوئی شاگرد اپنے استاذ سے محبت کرتا ہے جو اسے دین بھی سکھاتا ہے اور مالی امداد کے ذریعے اس کے دنیوی کاموں میں بھی کفایت کرتا ہے تو اس سے محبت کرتا ہے کیونکہ اس (شاگرد) کی طبیعت میں دنیوی راحت اور سعادتِ آخرت دونوں کی طلب ہے اور یہ (استاذ) ان دونوں باتوں تک پہنچانے کا وسیلہ ہے یہ بھی اللہ تعالیٰ کے لیے محبت کرتا ہے اللہ تعالیٰ سے محبت کرنے کے لیے یہ شرط نہیں کہ دنیوی فائدہ پر بالکل محبت نہ کرے کیونکہ انبیاء کرام علیہم السلام کو جس دعا کا حکم دیا گیا ہے اس میں دنیا اور آخرت دونوں کو جمع کیا گیا جیسے یہ دعا ہے۔

"اے ہمارے رب! ہمیں دنیا سے بھلائی اور آخرت سے بھلائی عطا فرما"

حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اپنی دعا میں یوں کہا۔

اَللّٰهُمَّ لَا تُشْمِتْ بِیْ عَدُوِّیْ وَلَا تَسُوْءْ بِیْ صَدِیْقِیْ وَلَا تَجْعَلْ مُصِیْبَتِیْ فِیْ دِیْنِیْ وَلَا تَجْعَلِ الدُّنْیَا اَکْبَرَ هَمِّیْ۔

اے اللہ! میرے دشمن کو مجھ پر ہنسنے کا موقع نہ دے اور میری وجہ سے میرے دوست کو برائی نہ پہنچا میرے دین میں میری مصیبت نہ کرنا اور نہ دنیا کو میرا سب سے اہم مقصد بنانا۔

تو دشمن کی ہنسی اور تمسخر کو دور کرنا دنیوی امور میں سے ہے اور آپ نے یہ نہیں فرمایا کہ دنیا کو میرا مقصد بالکل نہ بنانا بلکہ فرمایا کہ اسے میرا سب سے بڑا مقصد نہ بنانا۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یوں دعا مانگی۔

اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُكَ رَحْمَةً اَنَالُ بِهَا شَرَفَ كَرَامَتِكَ فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَةِ۔ (۲)

یا اللہ! میں تجھ سے ایسی رحمت کا سوال کرتا ہوں جس کے ذریعے دنیا اور آخرت میں تیری کرامت کا شرف حاصل کر سکوں۔

---

(۱) مصنف ابن ابی شیبہ جلد ۹ ص ۷۰ کتاب الادب

(۲) جامع ترمذی ص ۴۹۲ ابواب الدعوات

نیز آپ نے یوں بھی دعا فرمائی ۔

اَللّٰھُمَّ عَافِنِیْ مِنْ بَلَاءِ الدُّنْیَا وَبَلَاءِ الْآخِرَۃِ۔ یا اللہ! مجھے دنیا کی آزمائش اور آخرت کی آزمائش سے عافیت عطا فرما ۔ (۴)

خلاصہ یہ کہ جب آخرت میں سعادت کا حصول، اللہ تعالیٰ کی محبت کے خلاف نہیں تو دنیا میں سلامتی، صحت، کفایت اور کرامت محبتِ خداوندی کے منافی کیسے ہوگی۔ دنیا اور آخرت دو حالتوں کا نام ہے اور ان میں سے ایک، دوسری کی نسبت قریب ہے تو یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ انسان آئندہ کل کے فوائد کو پسند کرے اور آج پسند نہ کرے اور کل کے لیے اس وجہ سے پسند کرتا ہے کہ وہ عنقریب دائمی حالت ہو جائے گی۔ تو دائمی حالت کا مطلوب ہونا بھی ضروری ہے۔

البتہ دینوی فوائد کی دو قسمیں ہیں ایک وہ جو آخرت کے حصوں کے خلاف ہیں اور ان کے لیے رکاوٹ ہیں اور یہ وہ ہیں جن سے انبیاء کرام علیہم السلام نے اجتناب کیا اور پرہیز کرنے کا حکم دیا۔

اور دوسری قسم وہ ہے جو آخرت کے منافی نہیں ہیں اور یہ وہ ہیں جن سے ممانعت نہیں ہے جیسے نکاح صحیح اور حلال کھانا وغیرہ تو جو باتیں آخرت کے خلاف ہیں عقل مند آدمی پر لازم ہے کہ انہیں ناپسند کرے ان سے محبت نہ کرے یعنی عقل و شعور کے ساتھ ناپسند کرے طبعی طور پر نہیں جیسے کسی بادشاہ کی ملکیت سے لذیذ کھانے کھانا جب کہ اسے معلوم ہو کہ کھانے کی صورت میں ہاتھ یا گردن کاٹ دی جائے گی یہ مقصد نہیں کہ وہ طبعی طور پر لذیذ کھانے کو پسند نہیں کرتا اور اگر کھائے گا تو اسے لذت حاصل نہ ہوگی کیونکہ یہ محال ہے بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ اس کی عقل اسے اس اقدام سے روکتی ہے۔ اور اس ناپسندیدگی کی وجہ وہ نقصان ہے جو اس سے متعلق ہے۔

اس بات کا مقصد یہ ہے کہ اگر شاگرد اپنے استاذ سے اس لیے محبت کرتا ہے کہ وہ اس کی خیر خواہی کرتا اور اسے تعلیم دیتا ہے یا استاذ اپنے شاگرد سے اس لیے محبت کرے کہ وہ اس سے سیکھتا اور اس کی خدمت کرتا ہے اور ان میں سے ایک فوری فائدہ ہے جب کہ دوسرا اُخروی ہے۔ تو یہ اللہ تعالیٰ کے لیے محبت کرنے والوں میں شمار ہوں گے۔ لیکن اس کے لیے ایک شرط ہے وہ یہ کہ اگر وہ اسے علم سے منع کر دے یا اس سے علم حاصل کرنا مشکل ہو جائے تو اس وجہ سے اس کی محبت کم ہو جائے تو جس بات کے نہ پائے جانے کی وجہ سے اس کی محبت کم ہوئی وہ اللہ تعالیٰ کے لیے ہے۔ اور اسے اس کے مطابق اللہ تعالیٰ کے لیے محبت کا ثواب ملے گا اور اس بات سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ تم کسی انسان سے اپنی ان اغراض کی بنیاد پر محبت کرو جو اس سے متعلق ہیں اگر بعض مقاصد نہ پورے ہوں تو تمہاری محبت بھی کم ہو جائے گی اور زیادہ ہو جائیں تو وہ بھی بڑھ جائے گی۔ اور تم جس قدر سونے سے محبت کرتے ہو چاندی سے اس قدر نہیں ہوتی اگرچہ دونوں کی مقدار برابر ہو

---

(۱) مسند امام احمد بن حنبل جلد ۴ ص ۱۸۱ مرویات بسر بن ارطاۃ

کیونکہ سونا جن مقاصد تک پہنچاتا ہے وہ ان سے زیادہ ہیں جو چاندی سے حاصل ہوتے ہیں تو اس صورت میں غرض کے بڑھنے سے محبت بھی بڑھتی ہے اور دینوی اور اُخروی اغراض کا جمع ہونا محال نہیں ہے اور یہ سب اللہ تعالیٰ کے لیے محبت میں داخل ہیں اسی طرح محبت میں جو اضافہ ہوگا اگر ایمان نہ ہوتا تو یہ اضافہ نہ ہوتا تو یہ اضافہ بھی اللہ تعالیٰ کے لیے محبت قرار پاتا ہے تو اگرچہ یہ دقیق ہے مگر کمیاب ہے۔

جریری کہتے ہیں لوگوں نے پہلے زمانے میں دین کے ساتھ معاملہ کیا تو اس کا حال پتلا ہوگیا دوسرے زمانے میں وفا کے ساتھ معاملہ کیا تو وہ پتلا ہوگیا تیسرے زمانے میں مروت کے ساتھ معاملات کئے تو مروت ختم ہوگئی تو اب خوف اور رغبت ہی باقی رہ گئے ہیں۔

چوتھی قسم:

اللہ تعالیٰ کے لیے اور محض اسی کی خاطر محبت کرے علم وعمل حاصل کرنے کے لیے نہ ہو اور نہ اس کی ذات کے علاوہ کسی اور بات تک پہنچنا چاہتا ہو یہ سب سے اعلیٰ درجہ ہے اور یہ سب سے گہرا اور مشکل ہے۔ اور یہ قسم بھی ممکن ہے کیونکہ غلبۂ محبت کے آثار یہ ہیں کہ محبوب سے آگے بڑھ کر ہر اس چیز تک پہنچے جو محبوب سے تعلق رکھتی ہے اور اس کے مناسب ہے اگرچہ دُور ہو۔ جو آدمی کسی شخص سے بہت زیادہ محبت کرتا ہے تو وہ اس انسان کے محب سے بھی محبت کرتا ہے اور اس کے محبوب سے بھی، بلکہ اس کے خدام سے بھی محبت کرتا ہے اسی طرح جو آدمی کسی کے محبوب کی تعریف کرے اس سے بھی محبت کرتا ہے نیز جو چیز اس کے محبوب کی رضا کا باعث بنے اس سے بھی محبت کرتا ہے حتیٰ کہ بقیہ بن ولید نے کہا۔

جب مومن کسی دوسرے مومن سے محبت کرتا ہے تو اس کتے سے بھی محبت کرتا ہے اور واقعی یہی بات ہے عاشق لوگوں کے حالات کا تجربہ اس بات پر گواہ ہے نیز شعراء کے اشعار بھی اس کی تصدیق کرتے ہیں اسی لیے وہ اپنے محبوب کے کپڑوں اور موزوں کی حفاظت کرتا ہے اور اس کو یادگار بناتا ہے محبوب کے مکان، محلے اور پڑوسی سے محبت کی جاتی ہے حتیٰ کہ مجنون بن عامر نے کہا۔

میں، لیلیٰ کے علاقے سے گزرتا ہوں تو دیواروں کو بوسے دیتا ہوں اس علاقے کی الفت سے میرا دل نہیں تڑپتا بلکہ میں اس کی محبت میں ایسا کرتا ہوں جس نے وہاں سکونت اختیار کی۔ تو مشاہدہ اور تجربہ اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ محبت، محبوب کی ذات سے بڑھ کر اس کے اردگرد کی اشیاء اور جو کچھ اس کے مناسب ہے، سب تک پہنچ جاتی ہے نیز جن جن کو اس سے مناسبت ہوتی ہے اگرچہ دور کا تعلق ہو وہ ان سے محبت کرتا ہے۔ کیونکہ یہ فرطِ محبت کا خاصہ ہے یہاں محض محبت کافی نہیں اور محبت محبوب سے پھیلتی ہوئی اس کے تمام متعلقات تک جاتی ہے اور یہ بات محبت کی فراوانی اور قوت کی وجہ سے ہوتی ہے اسی طرح اللہ تعالیٰ کی محبت جب دل پر غالب آجاتی ہے اور قوت حاصل کرتی ہے حتیٰ کہ

اس پر قابض ہو جاتی ہے اور فریفتگی و شیفتگی کی حد تک پہنچ جاتی ہے تو وہ اس کے علاوہ تمام موجودات تک پھیلتی ہے کیونکہ ذاتِ خداوندی کے علاوہ جو کچھ ہے وہ سب اس کی قدرت کے آثار ہیں۔ اور جو شخص کسی انسان سے محبت کرتا ہے وہ اس کی صنعت، کتابت اور تمام افعال سے محبت کرتا ہے اسی لئے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جب کوئی نیا پھل لایا جاتا ہے تو آپ اسے آنکھوں سے ملتے اور اس کی عزت کرتے اور فرماتے اس کا زمانہ ہمارے رب کے قریب ہے[1]

اللہ تعالیٰ کی محبت بعض اوقات اس وجہ سے ہوتی ہے کہ اس کے وعدوں کی سچی امید اور آخرت میں اس کی نعمتوں کی توقع ہوتی ہے اور بعض اوقات اس کی گذشتہ عنایات اور طرح طرح کی نعمتوں کی وجہ سے ہوتی ہے اور کبھی اس کی ذات کی وجہ سے ہوتی ہے کوئی دوسری بات پیش نظر نہیں ہوتی، اور یہ محبت سب قسم کی محبتوں سے زیادہ گہری اور اعلیٰ ہے اور اس کی تحقیق نجات دینے والے امور کے بیان میں محبت کے ذکر میں آئے گی، ان شاء اللہ تعالیٰ۔

اللہ تعالیٰ کی محبت جس صورت میں ہو جب وہ مضبوط ہوتی ہے تو ہر اس چیز کی طرف متعدی ہوتی ہے جسے اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی قسم کا بھی تعلق ہوتا ہے حتیٰ کہ اس چیز تک بھی پہنچتی ہے جو ذاتی طور پر تکلیف دہ اور ناپسندیدہ ہوتی ہے لیکن محبت کی فراوانی تکلیف کے احساس کو کمزور کر دیتی ہے اور محبوب کے عمل کی خوشی اور اس کا ارادہ اگرچہ تکلیف کے ساتھ ہی ہو تکلیف کے احساس کو ڈھانپ لیتا ہے۔ اور یہ اس طرح ہے جیسے محبوب کے مارنے یا چٹکی بھرنے سے اگرچہ وہ سزا کے طور پر ہو خوشی ہوتی ہے کیونکہ محبت کی قوت ایسی خوشی پیدا کرتی ہے جس سے تکلیف کا احساس کم ہو جاتا ہے۔ ایک جماعت اللہ تعالیٰ کی محبت میں انتہا کو پہنچ گئی اور انہوں نے کہا کہ ہم تکلیف اور نعمت میں کوئی فرق محسوس نہیں کرتے کیوں کہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے اور ہم اسی بات پر خوش ہوتے ہیں جس میں اس کی رضا ہوتی ہے حتیٰ کہ کسی بزرگ نے یوں کہا کہ اگر اللہ تعالیٰ کی معصیت کے بعد بخشش بھی حاصل ہو تو میں اسے بھی نہیں چاہتا حضرت سمنون رحمہ اللہ نے فرمایا یا اللہ! مجھے تیرے سوا کچھ بھی نہیں چاہیے تو جس طرح چاہے مجھے آزمالے۔

اس کی تحقیق محبت کے بیان میں آئے گی۔

مقصود یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ سے محبت میں جب قوت پیدا ہوتی ہے تو اس کے نتیجے میں ہر اس شخص سے محبت ہو جاتی ہے جو علم یا عمل کے ذریعے اللہ تعالیٰ کے حق کو قائم کرتا ہے اور ہر اس آدمی سے محبت ہو جاتی ہے جس میں اچھے اخلاق یا آداب شرع جیسی پسندیدہ صفات پائی جاتی ہیں۔ جو شخص آخرت سے محبت کرتا اور اللہ تعالیٰ کا محب ہے جب اسے دو قسم کے آدمیوں یعنی ایک عالم عابد اور دوسرے جاہل فاسق کی حالت بتائی جائے تو اس کا قلبی میلان عالم و عابد کی طرف ہوتا ہے پھر ایمان کی مضبوطی اور کمزوری کے اعتبار سے یہ میلان بھی کمزور یا مضبوط ہوتا ہے نیز اس محبت کے مطابق ہوتا

---

(۱) سنن الدارمی جلد ۲ ص ۳۲۳ حدیث ۲۰۷۸

جو انسان کو اللہ تعالیٰ سے ہوتی ہے وہ کمزور رہو یا قوی - اگر وہ لوگ غائب بھی ہوں تب بھی یہ میلان پایا جاتا ہے حالانکہ وہ جانتا ہے کہ اسے ان دونوں سے نہ بھلائی پہنچ سکتی ہے اور نہ برائی نہ دنیا میں اور نہ آخرت میں ۔ یہ وہ محبت ہے جو خالصتًا اللہ تعالیٰ کے لیے ہے اور اس میں کوئی غرض نہیں ہوتی ۔ وہ اس شخص سے اس لیے محبت کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس سے محبت کرتا ہے اور اس لیے کہ وہ اللہ تعالیٰ کا پسندیدہ بندہ ہے اور وہ اس سے محبت کرتا ہے نیز اس لیے بھی کہ وہ اللہ تعالیٰ کی عبادت میں مشغول رہتا ہے البتہ جب یہ میلان کمزور ہو تو اس کا اثر ظاہر نہیں ہوتا اور اس کے ثواب واجر کا ظہور بھی نہیں ہوتا اور جب مضبوط ہوتا ہے تو وہ اسے دوستی اور مال، جان اور زبان سے مدد پر ابھارتا ہے اور اس سلسلے میں جس طرح محبت خداوندی میں لوگ ایک دوسرے سے مختلف ہوتے ہیں اس سلسلے میں بھی ان میں تفاوت ہوتا ہے ۔

اگر محبت صرف اسی وجہ سے کی جاتی ہے کہ محبوب سے فی الحال یا مستقبل میں کچھ حصہ ملے تو فوت شدہ علماء اور عبادت گزار بندوں، صحابہ کرام اور تابعین بلکہ انبیاء کرام (علیہم السلام) سے محبت کا کوئی تصور نہ ہوتا ۔ حالانکہ ہر دین دار مسلمان کے دل میں ان لوگوں کی محبت پوشیدہ ہے اور جب کوئی دشمن ان پاکیزہ شخصیات میں سے کسی کے خلاف زبانِ طعن دراز کرتا ہے تو اس وقت غصے کی حالت میں یہ محبت ظاہر ہوتی ہے اور جب کوئی شخص ان لوگوں کی تعریف کرتا ہے تو یہ محبت خوشی کی صورت میں ظاہر ہوتی ہے ۔ اسی طرح جب ان کی خوبیوں کا ذکر ہوتا ہے اس وقت بھی مسلمان خوش ہوتے ہیں ۔ اور یہ سب اللہ تعالیٰ کے لیے محبت ہے کیونکہ یہ اللہ تعالیٰ کے خاص بندے ہیں اور جو آدمی کسی بادشاہ یا خوبصورت آدمی سے محبت کرتا ہے تو اس کے خاص افراد اور خدمت گاروں بلکہ وہ جن جن سے محبت کرتا ہے، یہ ان سب سے محبت کرتا ہے لیکن محبت کا امتحان اس وقت ہوتا ہے جب نفسانی مفادات سے مقابلہ ہو، اور بعض اوقات یہ محبت غالب ہو جاتی ہے کہ نفس کے لیے صرف وہی حصہ باقی رہتا ہے جو محبوب کا حصہ ہے ایک شاعر نے اسے یوں بیان کیا ہے ۔

میں اس (محبوب) کا وصال چاہتا ہوں اور وہ مجھ سے جدائی کا ارادہ کرتا ہے تو میں اس کے ارادے کی خاطر اپنے ارادے کو چھوڑ دیتا ہوں ۔ (۱)

اور کسی دوسرے شخص نے یوں کہا ۔

" اور جب زخم میں تمہاری رضا ہو تو اس سے تکلیف نہیں پہنچتی "

بعض اوقات محبت کی وجہ سے بعض خواہشات کو چھوڑا جاتا ہے اور بعض کو ترک نہیں کیا جاتا جیسے کوئی شخص اپنے محبوب کو اپنے مال کے نصف یا تہائی یا دسویں حصے میں شریک کرتا ہے تو مالوں کی مقدار، محبت کے ترازو ہیں ۔ کیونکہ محبوب کے درجہ کا پتہ اس محبوب چیز سے معلوم ہوتا ہے جسے اس کے مقابلے میں چھوڑ دیا جاتا ہے پس جس شخص کا دل مکمل طور پر کسی کی محبت کے

---

(۱) اُرِيْدُ وِصَالَهٗ وَيُرِيْدُ هِجْرِيْ ٭ فَاَتْرُكُ مَا اُرِيْدُ لِمَا يُرِيْدُ ۔

سمندر میں غوطہ زن ہو اس کے لیے اس کے علاوہ کوئی محبوب باقی نہیں رہتا اس لیے وہ اپنے لیے کچھ بھی نہیں چھوڑتا۔ جیسے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے اپنے لیے اپنے اہل وماں میں سے کچھ نہ چھوڑا اپنی صاحبزادی جو آپ کی آنکھوں کی ٹھنڈک تھیں، سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ کے حوالے کردیں اور اپنا تمام مال بھی خرچ کردیا۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے فرماتے ہیں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف فرما تھے اور آپ کے پاس حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ بیٹھے ہوئے تھے ان پر ایک کمبل تھا جس کے دونوں پہلوؤں کو سینے پر ایک کانٹے (وغیرہ) سے ملا رکھا تھا کہ حضرت جبریل علیہ السلام حاضر ہوئے اور انہوں نے اللہ تعالیٰ کی طرف سے سلام پیش کیا اور عرض کیا یا رسول اللہ! کیا وجہ ہے میں حضرت صدیق اکبر رضی عنہ پر ایسا کمبل دیکھتا ہوں جسے کانٹے کے ذریعے جوڑ رکھا ہے؟ آپ نے فرمایا انہوں نے اپنا مال فتح سے پہلے مجھ پر خرچ کردیا ہے۔ انہوں نے عرض کیا آپ انہیں میری طرف سے سلام پیش کردیں اور ان سے فرمائیں کہ آپ کا رب آپ سے پوچھتا ہے کہ کیا آپ اس فقر میں مجھ سے راضی ہیں یا ناراض؟ راوی فرماتے ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا۔

اے ابوبکر رضی اللہ عنہ یہ جبریل علیہ السلام ہیں جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے آپ کو سلام کہتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ پوچھتا ہے کیا آپ اس فقر کی حالت میں مجھ سے راضی ہیں یا ناراض؟ راوی فرماتے ہیں (یہ سن کر) حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ رو پڑے اور عرض کیا گیا میں اپنے رب سے ناراض ہوسکتا ہوں؟ میں اپنے رب سے راضی ہوں میں اپنے رب سے راضی ہوں (۱)

نتیجہ یہ ہوا کہ جو آدمی کسی عالم یا عابد سے محبت کرتا ہے یا کسی ایسے شخص سے محبت کرتا ہے جو علم یا عبادت یا کسی اچھے کام میں رغبت رکھتا ہے تو وہ اس سے اللہ تعالیٰ کے لیے محبت کرتا ہے اور اسے محبت کے انداز سے پر اجر و ثواب ملے گا۔ تو یہ اللہ تعالیٰ کے لیے محبت کی تشریح اور درجات ہیں اور اسی سے اللہ تعالیٰ کے لیے کسی سے نفرت کرنے کا حکم بھی واضح ہوجاتا ہے لیکن ہم اسے الگ بیان کرتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کے لئے کسی سے دشمنی کرنا

جان لو کہ جو شخص اللہ تعالیٰ کے لیے محبت کرتا ہے اس کے لیے ضروری ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے لیے دشمنی بھی رکھے کیونکہ جب تم کسی شخص سے اس لیے محبت کرتے ہو کہ وہ اللہ تعالیٰ کا اطاعت گزار بندہ ہے اور اللہ تعالیٰ کا محبوب ہے تو اگر کوئی اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کرے تو ضروری ہے کہ اس سے نفرت کرو اس لیے کہ وہ اللہ تعالیٰ کا نافرمان ہے اور اس پر اللہ تعالیٰ کا غضب ہے اور جو آدمی کسی سبب سے محبت کرتا ہے تو ضروری ہے کہ وہ اس سبب کی ضد کے باعث نفرت کرے یہ دونوں ایک دوسرے کو لازم ہیں جدا نہیں ہوتے۔ اور معاشرے میں محبت و نفرت کے سلسلے میں یہ معروف اور رائج ہے لیکن محبت

---

(۱) حلیۃ الاولیاء جلد ۷، ص ۱۰۵ ترجمہ ۳۸۰۷

اور بغض دونوں دل کی خفیہ بیماریاں ہیں اور غلبہ کے وقت ظاہر ہوتی ہیں اور جب محبت کرنے والوں کی طرف سے قرب و موافقت کے اعمال اور نفرت کرنے والوں کی طرف سے دُوری اور مخالفت کے اعمال ظاہر ہوتے ہیں تو یہ سامنے آتی ہیں جب یہ فعل کی صورت میں سامنے آئیں تو (محبت کو) موالاۃ اور (دشمنی کو) معادات کہا جاتا ہے اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا حدیث میں ہے۔

هَلْ وَالَيْتَ فِيَّ وَلِيًّا وَهَلْ عَادَيْتَ فِيَّ عَدُوًّا۔ کیا تم نے میرے لیے میرے ولی سے دوستی کی اور میرے لیے میرے دشمن کو دشمن سمجھا۔

یہ بات اُس حق میں واضح ہے جس کی اطاعت ہی تمہارے لئے ظاہر ہو تو تم اس سے محبت کرنے پر قادر ہوگے یا صرف اس کا فسق و فجور اور بداخلاقی ظاہر ہو تو اس سے دشمنی پر قادر ہوگے لیکن جب عبادات اور گناہ مخلوط ہوں تو بات مشکل ہوگی کیوں کہ تم کہو گے کہ میں بغض و محبت کو کیسے جمع کروں ان دونوں میں تو تناقض ہے اسی طرح ان کا نتیجہ یعنی موافقت و مخالفت اور دوستی اور دشمنی بھی ایک دوسرے کے خلاف ہیں۔

تو میں کہتا ہوں اللہ تعالیٰ کے حق میں یہ باتیں ایک دوسرے کے خلاف نہیں جیسے بشری خصلتوں میں تناقض نہیں کیوں کہ جب ایک آدمی میں کئی خصلتیں جمع ہو جائیں جن میں سے بعض پسندیدہ اور بعض مکروہ ہوں تو تم اس سے بعض اعتبارات سے محبت کرتے ہو اور بعض وجوہ سے نفرت کرتے ہو جس آدمی کی خوبصورت بدکار بیوی ہو یا اس کا بیٹا سمجھدار اور خدمت گار ہو لیکن فاسق ہو تو وہ بعض وجہ سے اس سے محبت کرتا ہے اور کسی وجہ سے نفرت کرتا ہے اور اس طرح وہ دو حالتوں کے درمیان تیسری حالت ہوتا ہے کیونکہ جب کسی کے لیے تین بیٹے فرض کئے جائیں جن میں سے ایک سمجھ دار نیک ہو، دوسرا کند ذہن اور نافرمان ہوں اور تیسرا کند ذہن لیکن نیک ہو یا سمجھدار نافرمان ہو تو ان کے ساتھ اس کی تین مختلف حالتیں ہوں گی کیوں کہ ان کی خصلتوں میں اختلاف ہے اسی طرح جب کسی شخص پر گناہ اور نافرمانی غالب ہو، دوسرے پر فرمانبرداری غالب ہو اور جس میں دونوں باتیں ہوں تو تینوں کی نسبت سے حالت مختلف ہوگی۔ یعنی ہر صفت کو تم اس کا حصہ دو گے نفرت کی صورت میں ہو یا محبت کی صورت میں۔ اس کی طرف توجہ کرنے یا پیٹھ پھیرنے کی صورت میں، اس کی مجلس اختیار کرنے یا قطع تعلق کی صورت میں اور اسی طرح جو کام اس سے صادر ہوئے ہیں اس حساب سے اس کے ساتھ رویہ اختیار کیا جاتا ہے اگر تم کہو کہ ہر مسلمان کا اسلام، اطاعت ہی ہے، لہٰذا اس کے اسلام کے باوجود اس سے کس طرح نفرت کروں؟

تو میں کہتا ہوں تم اس کے مسلمان ہونے کی وجہ سے اس سے محبت کرو اور گناہ کی وجہ سے اس سے نفرت کرو۔ اور تم اس کے ساتھ ایسی حالت میں رہو کہ اگر تم اسے کافر یا فاجر پر قیاس کرو تو ان دونوں کے درمیان فرق پاؤ اور یہ تفریق اسلام کی وجہ سے محبت اور اس کے حق کی ادائیگی ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کے حق میں کوتاہی اور اس کی اطاعت کو اس طرح سمجھو جس طرح تمہارے حق کو نقصان پہنچانا یا پورا کرنا ہے۔ تو جو آدمی کسی کام میں تمہاری موافقت کرے اور دوسری بات میں تمہاری مخالفت کرے تو تم اس کے ساتھ ایک ایسی حالت میں رہو جو ناراضگی اور رضامندی، توجہ اور اعراض، محبت اور

نفرت کے درمیان ہو اور اس کی عزت میں اس قدر مبالغہ نہ کرو جس طرح اس کی عزت میں کرتے ہو جو تمام اغراض میں تمہاری موافقت کرتا ہے اور اس کی توہین میں اس قدر مبالغہ نہ کرو جس طرح تم اس کی توہین میں مبالغہ کرتے ہو جو تمام امور میں تمہاری مخالفت کرتا ہے پھر اس درمیانے راستے میں کبھی توہین کی طرف میلان ہوتا ہے جب جرم کا غلبہ ہو اور کبھی حسن سلوک اور اعزاز و اکرام کی طرف میلان ہوتا ہے جب موافقت کا غلبہ ہو۔ تو جو آدمی اللہ تعالیٰ کی اطاعت بھی کرتا ہے اور نافرمانی بھی، اس کے ساتھ اسی طرح کا معاملہ ہونا چاہیئے کبھی اس سے خوشی کا اور کبھی ناراضگی کا اظہار کرے۔

اگر تم کہو کہ نفرت کا اظہار کیسے ممکن ہوگا ؟ تو میں کہتا ہوں زبانی طور پر اس کی صورت یہ ہے کہ کسی وقت اس کے ساتھ گفتگو کرنے سے رُک جائے اور کسی وقت اس پر سختی کرے اور سخت کلام کرے اور عملاً اس کی صورت یہ ہے کہ کسی وقت اس کی مدد سے ہاتھ کھینچ لے اور کسی وقت اس کے کاموں کو خراب کرنے اور اس کی مذمت پر مبنی کام کرے اور ان میں سے بعض، بعض کے مقابلے میں سخت ہیں اور یہ امور اس حساب سے انجام پائیں جس قدر اس شخص میں فسق و فجور اور نافرمانی پائی جاتی ہے۔ اور اگر ایسی لغزش ہو جس کے بارے میں معلوم ہو کہ وہ اس پر نادم ہے اور اصرار نہیں کرتا تو اس پر پردہ ڈالنا اور چشم پوشی کرنا بہتر ہے۔ لیکن جس صغیرہ یا کبیرہ گناہ پر وہ ڈٹ جائے تو اگر وہ شخص ایسا ہو کہ تمہارے اور اس کے درمیان پکی دوستی اور صحبت ہو تو اس کا الگ حکم ہے جو عنقریب آئے گا۔ اور اس سلسلے میں علماء کا اختلاف ہے اور اگر تمہارے درمیان دوستی پکی نہ ہو تو نفرت کا اظہار ضروری ہے یعنی یا تو اس سے منہ پھیر لیں اور دُور رہیں اور اس کی طرف توجہ کم کریں یا اس کو ہلکا سمجھیں اور سخت کلامی سے پیش آئیں اور منہ پھیرنے کی نسبت یہ سخت بات ہے اور یہ گناہ کی سختی اور نرمی کے اعتبار سے ہے۔ اسی طرح فعل کے بھی دو رتبے ہیں ایک یہ کہ اس کی مدد اور دوستی وغیرہ ختم کردیں اور یہ سب سے کم درجہ ہے اور دوسرا یہ ہے کہ اس کے مقاصد کو خراب کرنے کی کوشش کریں جیسے نفرت کرنے والے دشمن کرتے ہیں اور یہ ضروری ہے لیکن یہ اسی صورت میں ہو جب اس کے لیے گناہ کا راستہ خراب ہو جائے اور اگر اس کا کوئی اثر نہ ہو تو چھوڑ دیں۔ اس کی مثال یہ ہے کہ ایک شخص شراب نوشی کرتا ہے اور اس نے ایک عورت کو نکاح کا پیغام دیا ہے کہ اگر اس سے نکاح ہو جائے تو لوگ اس کے مال، حسن اور مرتبے پر رشک کریں لیکن یہ نکاح اسے شراب نوشی سے نہیں روک سکتا اور نہ ہی اسے اس کی ترغیب دیتا ہے اب اگر تم اس حالت میں ہو کہ اس کی مدد کرکے اس کی غرض کو پورا کرسکتے ہو اور اس کی غرض کو ختم کرنے کی طاقت بھی رکھتے ہو تو اب اسے پریشان کرنا ضروری نہیں لیکن جہاں تک اس کی مدد کا تعلق ہے تو اگر تم اس کے گناہ کی وجہ سے غصے میں آکر مدد کرنا چھوڑ دو تو کوئی حرج نہیں لیکن ترکِ مدد واجب نہیں کیونکہ ہو سکتا ہے تمہاری نیت یہ ہو کہ اس کی مدد کرکے اس کے لیے نرمی کا سلوک کیا جائے اور شفقت ظاہر کی جائے تاکہ وہ تمہاری دوستی کا اعتقاد رکھے اور تمہاری نصیحت کو قبول کرے۔ تو یہ اچھی بات ہے۔

اگر تمہارے لیے یہ بات ظاہر نہ ہو لیکن تم محض اس کے حقِ اسلام کی وجہ سے اس کے کسی کام پہ مدد کرو تو یہ منع نہیں ہے

بلکہ یہ بہت اچھا ہے جب کہ اس کا گناہ تمہاری حق تلفی ہو یا تمہارے کسی متعلق کے حق کو نقصان پہنچایا ہو۔ اس سلسلے میں قرآن پاک کی آیت نازل ہوئی۔

ارشاد خداوندی ہے :

وَلَا يَأْتَلِ أُولُوا الْفَضْلِ مِنكُمْ وَالسَّعَةِ أَن يُؤْتُوا أُولِي الْقُرْبَىٰ وَالْمَسَاكِينَ وَالْمُهَاجِرِينَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ ۖ وَلْيَعْفُوا وَلْيَصْفَحُوا ۗ أَلَا تُحِبُّونَ أَن يَغْفِرَ اللَّهُ لَكُمْ ۗ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَّحِيمٌ۔ (۱)

اور تم میں سے جو فضیلت اور کشادگی والے ہیں وہ قرابت داروں، مساکین اور اللہ تعالیٰ کے راستے میں ہجرت کرنے والوں کو دینے سے قسم نہ کھائیں بلکہ انہیں چاہیئے کہ معاف کر دیں اور درگزر کریں کیا تم نہیں چاہتے کہ اللہ تعالیٰ تمہیں بخش دے اور اللہ تعالیٰ بخشنے والا مہربان ہے

یہ آیت اس وقت نازل ہوئی جب واقعہ افک (ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پر تہمت لگائی گئی تھی اسے واقعہ افک جھوٹا من گھڑت واقعہ کہا جاتا ہے) اس میں مسطح بن اثاثہ نے حصہ لیا اور گفتگو کی تو حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے قسم کھائی کہ آپ اس سے رفاقت و نرمی ختم کر دیں گے[۲] اور آپ مال کے ذریعے اس کی مدد کیا کرتے تھے تو مسطح کے ایک بہت بڑے جرم کے باوجود یہ آیت نازل ہوئی حقیقت یہ ہے کہ اس سے بڑا جرم کیا ہو سکتا ہے کہ حرم رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے سلسلے میں زبان درازی کی جائے اور ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ عفیفہ رضی اللہ عنہا کے بارے میں کوئی شخص زبان کھولے لیکن چونکہ اس واقعہ کے ذریعے گویا حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو نقصان پہنچایا گیا تھا اور ظالموں کو معاف کر دینا اور برائی کرنے والوں سے احسان کا سلوک کرنا صدیقین کے اخلاق سے ہے اور جو آدمی تم پر ظلم کرے اس سے احسان کرنا اچھا ہے لیکن جو آدمی دوسروں پر ظلم کرے اور اس سے احسان کرنا اچھا ہے لیکن جو آدمی دوسروں پر ظلم کرے اور اس کے ذریعے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کرے اس سے احسان کا سلوک اچھا کام نہیں کیونکہ ظالم سے اچھا سلوک مظلوم کے ساتھ برے سلوک کی طرح ہے جب مظلوم کے حق کی رعایت کرنا زیادہ بہتر ہے اور ظالم سے بچانے ہوئے اس کے دل کی ڈھارس بندھانا اللہ تعالیٰ کے ہاں ظالم کے دل کو مضبوط کرنے سے بہتر ہے لیکن جب تم خود مظلوم ہو تو تمہارے حق میں بہتر یہ ہے کہ اپنا حق معاف کر دو اور درگزر کرو۔

ہمارے اسلاف کے نافرمان لوگوں سے اظہار نفرت کے مختلف طریقے تھے لیکن اس بات پر سب کا اتفاق ہے کہ ظالموں اور بدعتیوں سے نفرت کا اظہار کیا جائے اسی طرح ہر اس شخص سے بھی نفرت کی جائے جو اللہ تعالیٰ کی نافرمانی ایسے

---

(۱) قرآن مجید، سورۂ نور آیت ۲۲

(۲) صحیح بخاری جلد ۲ ص ۵۹۶ کتاب المغازی

گناہ کے ساتھ کرتا ہے جو اس سے دوسروں کی طرف بڑھتی ہے لیکن جو آدمی ایسا گناہ کرے جو اس کی ذات تک محدود ہو تو ان (اسلاف) میں سے بعض نے ایسے تمام گناہ گاروں کو نظر رحمت سے دیکھا ہے لیکن ان میں سے بعض نے ان پر سخت اعتراض کیا اور ان سے قطع تعلق فرمایا۔

حضرت امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ تو اکابر کو بھی چھوٹی سی بات پر چھوڑ دیتے تھے حتی کہ حضرت یحییٰ بن معین نے فرمایا کہ میں کسی سے کچھ نہیں مانگتا لیکن جب بادشاہ میرے پاس کچھ بھیجے تو میں لے لیتا ہوں تو آپ نے انہیں چھوڑ دیا۔ اور انہوں نے حضرت حارث محاسبی کو معتزلہ کے رد میں کتاب تصنیف کرنے پر چھوڑ دیا اور فرمایا کہ تم پر لازم تھا کہ پہلے ان کے اعتراضات پیش کرتے اور لوگوں کو ان پر غور و فکر کی دعوت دیتے پھر ان کا رد کرتے۔ اسی طرح انہوں نے ابوثور سے ملنا جلنا ترک کر دیا کیونکہ انہوں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد گرامی کا مفہوم از خود بیان کیا تھا۔

إِنَّ اللّٰهَ خَلَقَ آدَمَ عَلٰى صُوْرَتِهٖ۔ (۱)

بے شک اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو (اپنی یا) ان کی صورت پر پیدا فرمایا۔

تو یہ ایسا معاملہ ہے جو نیت کے بدلنے سے بدلتا رہتا ہے اور نیت، حالات کے بدلنے سے بدلتی ہے۔ اگر دل میں یہ بات غالب ہو کہ لوگوں کی مجبوری اور عاجزی کو دیکھا جائے نیز یہ کہ جو کچھ ان کے مقدر میں ہے وہ اس کے لیے مسخر کیے گئے ہیں تو یہ بات ان سے دشمنی اور بغض کے معاملے میں سستی پیدا کرتی ہے اور اس کی بھی دلیل ہے۔ لیکن بعض اوقات اس کے ساتھ مداہنت (منافقت) آجاتی ہے اور عام طور پر گناہوں سے چشم پوشی کا باعث منافقت اور دلوں کی رعایت ہوتی ہے، اور یہ ڈر ہوتا ہے کہ انہیں نفرت پیدا ہو جائے گی۔ اور بعض اوقات شیطان کسی غبی بیوقوف آدمی پر معاملہ مشتبہ کر دیتا ہے تو وہ اسے نظرِ رحمت سے دیکھنے لگتا ہے تو اس کی کسوٹی یہ ہے کہ اگر اس نے خاص اسی کے حق کو مارا ہے تو اس پر نظرِ رحمت کرے اور کہے کہ میں تقدیر کا پابند ہوں اور تقدیر اس سے پرہیز کا فائدہ نہیں دے گی اور وہ یہ طریقہ کیسے اختیار نہیں کرے گا جب کہ اس پر لکھ دیا گیا ہے تو اس صورت میں بعض اوقات حقوق اللہ کی خلاف ورزی میں بھی چشم پوشی کرتے ہوئے یہ نیت صحیح ہوتی ہے۔ اور اگر اپنی حق تلفی پر غصہ آئے لیکن اللہ تعالیٰ کے حق پر ڈاکہ ڈالا جائے تو شفقت و رحم کرنے لگے تو ایسا شخص منافق ہے اور شیطان کے جال میں پھنسا ہوا ہے اس سے آگاہ رہنا چاہیے۔

اگر تم کہو کہ نفرت کے اظہار میں کم از کم درجہ قطع تعلق اور اعراض کرنا ہے اور اس سے دوستی اور اس کی مدد کو چھوڑ دینا ہے تو کیا یہ امور واجب ہیں اور ایسا نہ کرنے سے بندہ گناہ گار ہوتا ہے۔؟

میں کہتا ہوں ظاہری علم کے مطابق انسان اس عمل کا مکلف نہیں اور نہ یہ اس پر واجب ہے ہم جانتے ہیں کہ جو لوگ

---

(۱) صحیح مسلم جلد ۲ ص ۳۰۸ کتاب الجنۃ

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے زمانے میں شراب پیتے تھے اور بے حیائی کے کام کرتے تھے ان سے تعلقات بالکل ختم نہیں کئے جاتے تھے بلکہ ان میں سے بعض کو سخت تنبیہ کی جاتی اور اس سے نفرت کا اظہار کیا جاتا اور بعض سے نہ اعراض کیا جاتا اور نہ انہیں کچھ کہا جاتا اور بعض کو رحمت بھری نگاہ سے دیکھا جاتا اور ان کا بائیکاٹ کوئی فائدہ نہ دیتا۔

یہ دینی باریک باتیں ہیں جن میں آخرت کی طرف جانے والوں کے راستے مختلف ہیں اور ہر ایک کا عمل اس کی حالت اور وقت کے تقاضے کے مطابق ہوتا ہے، اور ان امور میں حالات کا تقاضا یہ ہے کہ یہ مکروہ بھی ہوتے ہیں اور مستحب بھی اور ان باتوں کا تعلق فضائل کے درجہ میں ہے حرام یا واجب کرنے سے نہیں کیوں کہ انسان اللہ تعالیٰ کی اصل معرفت اور اصل محبت کا مکلف ہے اور یہ محبوب سے غیر کی طرف متجاوز نہیں ہوتی۔

البتہ محبت کی زیادتی اور غلبہ ہو تو وہ دوسروں تک بھی پہنچتی ہے اور یہ صورت عوام کے لیے فتویٰ اور ظاہری تکلیف کے تحت نہیں آتی۔

قابلِ نفرت لوگوں کے مراتب اور ان سے معاملہ کی کیفیت

اگر تم کہو کہ عملی طور پر بغض و عداوت ظاہر کرنا اگرچہ واجب نہیں لیکن اس میں کوئی شک نہیں کہ مستحب ہے اور نافرمان اور فاسق لوگوں کے مراتب مختلف ہیں تو ان سے معاملات کی فضیلت کیسے حاصل ہوگی اور کیا ان سب سے ایک قسم کا طریقہ اختیار کیا جائے یا نہ؟

تو جان لو کہ اللہ تعالیٰ کے حکم کے خلاف کرنے والا یا تو اپنے عقیدے میں مخالفت کرتا ہے یا عمل میں اور عقیدے میں مخالفت کرنے والا یا تو بدعتی ہوگا یا کافر، اور بدعتی یا تو بدعت کی طرف بلاتا بھی ہے یا خاموش رہتا ہے اگر خاموش رہتا ہے تو عاجز ہونے کی وجہ سے یا اپنے اختیار سے، تو یوں، اعتقاد میں فساد کی تین قسمیں ہوئیں۔

اعتقاد میں فساد کی اقسام

کافر:۔ اگر کافر محارب (لڑنے والا ہو) تو وہ قتل یا غلام بنائے جانے کا مستحق ہے اور ان دو باتوں سے بڑھ کر توہین آمیز سلوک نہیں ہوتا اور اگر ذمی ہے تو اسے صرف اس طرح تکلیف دینا جائز ہے کہ اس سے منہ پھیر لیا جائے اور اسے حقارت کی نظر سے دیکھا جائے مثلاً اسے نیک راستے پر چلنے پر مجبور کر دیا جائے نیز سلام میں ابتدا کو ترک کر دیا جائے اور جب وہ تمہیں "السلام علیک" کہے تو تم صرف "وعلیک" کہہ دو اور بہتر یہی ہے کہ ان کے ساتھ میل جول اور کھانا پینا نہ اپناؤ خوش طبعی اور کھلے بندوں بات چیت جس طرح دوستوں کے ساتھ کی جاتی ہے، ان کے ساتھ اس طرح کا رویہ اختیار کرنا بہت زیادہ مکروہ ہے اور قریب ہے کہ وہ حرام تک پہنچ جائے۔

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

لَا تَجِدُ قَوْمًا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ يُوَادُّوْنَ مَنْ حَادَّ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَلَوْ كَانُوْٓا اٰبَآءَهُمْ اَوْ اَبْنَآءَهُمْ ۔

(۱)

تم ایسی قوم نہیں پاؤ گے جو اللہ تعالیٰ پر اور آخرت پر ایمان رکھتے ہوں پھر وہ ان لوگوں سے دوستی لگائیں جو اللہ تعالےٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے مخالف ہیں اگرچہ وہ ان کے آباؤ اجداد یا اولاد ہی کیوں نہ ہوں ۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

اَلْمُسْلِمُ وَالْمُشْرِكُ لَا تَتَرَاأَى نَارَاهُمَا ۔

(۲)

مسلمان اور مشرک ایک دوسرے کی آگ نہ دیکھیں (مطلب یہ ہے کہ ایک دوسرے سے دُور رہیں)

اور ارشاد خداوندی ہے۔

يَآ اَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْا عَدُوِّيْ وَعَدُوَّكُمْ اَوْلِيَآءَ ۔ (۳)

اے ایمان والو! میرے اور اپنے دشمنوں کو دوست نہ بناؤ۔

بدعتی مبلغ :

وہ بدعتی جو بدعت کی طرف بلاتا ہے اگر اس بدعت کی وجہ سے کفر لازم آتا ہے تو اس شخص کا معاملہ ذمی سے بھی زیادہ سخت ہے کیونکہ یہ شخص نہ تو جزیہ دینے کا اقرار کرتا ہے اور نہ اس کے لیے عقد ذمہ کا لحاظ ہوتا ہے اور اگر اس بدعت کی وجہ سے کفر لازم نہیں آتا تو اللہ تعالیٰ کے ہاں اس شخص کا معاملہ یقیناً کافر کے معاملے سے ہلکا ہے لیکن کافر کے ہاں اس شخص کا معاملہ یقیناً کافر کے معاملے سے ہلکا ہے لیکن کافر کے مقابلے میں اس کا رد زیادہ کیا جائے کیونکہ کافر کا شر آگے نہیں بڑھتا اس لیے کہ مسلمانوں کو علم ہے کہ وہ کافر ہے لہٰذا وہ اس کی بات کی طرف متوجہ نہیں ہوتے وہ نہ تو اسلام کا دعویٰ کرتا ہے اور نہ ہی سچے عقیدے کا۔

لیکن وہ بدعتی جو لوگوں کو بدعت کی دعوت دیتا ہے اس کا خیال یہ ہے کہ وہ حق کی طرف بلاتا ہے لہٰذا یہ شخص لوگوں کی گمراہی کا باعث بنتا ہے اس وجہ سے اس کا نقصان متعدی ہے۔ لہٰذا اس سے بغض و عداوت کا اظہار، اس سے قطع تعلق، اس کی تحقیر اور اس کی بدعت کی برائی بیان کرنا نیز اس سے لوگوں کو نفرت دلانا نہایت اہم مستحب ہے۔ اگر وہ تنہائی میں سلام کرے تو جواب دینے میں کوئی حرج نہیں اور اگر معلوم ہو کہ اس سے اعراض کرنے اور جواب نہ

---

(۱) قرآن مجید، سورۂ مجادلہ آیت ۲۲

(۲) سنن ابی داؤد جلد اول ص ۳۵۶ کتاب الجہاد

(۳) قرآن مجید، سورۂ ممتحنہ آیت ۱

دینے کی وجہ سے وہ اس بدعت کو برا سمجھے گا اور اس کے باز آنے کے لیے یہ بات موثر ہو گی تو جواب نہ دینا بہتر ہے کیونکہ سلام کا جواب اگرچہ واجب ہے لیکن کسی ایسی چھوٹی غرض کی وجہ سے بھی اسے چھوڑا جا سکتا ہے جس میں کوئی بھلائی ہو حتیٰ کہ جب آدمی حمام میں ہو یا قضائے حاجت میں ہو تو سلام کا جواب ساقط ہو جاتا ہے اور اس شخص کو تنبیہ کرنا ان باتوں سے زیادہ اہم ہے۔ اور اگر وہ کسی جماعت میں ہو تو جواب نہ دینا بہتر ہے تاکہ لوگوں کو اس سے نفرت پیدا ہو اور ان کی نگاہوں میں اس کی بدعت کی گمراہی ظاہر ہو۔ اسی طرح اس پر احسان کرنے اور اس کی مدد کرنے سے بھی رُکنا چاہیئے خاص طور پر جب یہ بات لوگوں کے سامنے ظاہر ہو۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :

جو شخص کسی بدعتی کو جھڑکتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے دل کو امن و ایمان سے بھر دیتا ہے (۱) اور جو آدمی کسی بدعتی کی توہین کرتا ہے اللہ تعالیٰ اسے اس دن امن میں رکھے گا جو بہت گھبراہٹ کا دن ہو گا۔ اور جو آدمی اس کے لیے نرمی اختیار کرتا ہے، اس کی عزت کرتا ہے یا خندہ پیشانی سے ملتا ہے اس نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دین کی توہین کی (۲)

عام بدعتی :

ایک عام بدعتی جو دوسروں کو دعوت دینے کی طاقت نہیں رکھتا اور اس کی اقتداء کا خوف نہیں اس کا معاملہ آسان ہے تو بہتر یہ ہے کہ اس پر سختی یا اس کے ساتھ توہین آمیز سلوک نہ کیا جائے بلکہ نہایت نرمی سے اس کو نصیحت کی جائے کیوں کہ عوام کے دل بہت جلدی بدل جاتے ہیں اور اگر نصیحت نفع نہ دے اور اس سے اعراض کرنے میں اس کی نگاہوں میں بدعت کی برائی واضح ہوتی ہو تو اس سے منہ پھیرنا مستحب متوکد ہے۔ اور اگر معلوم ہو کہ یہ بات اثر انداز نہیں ہو گی کیونکہ اس کی طبیعت میں جمود ہے۔ اور اس کا عقیدہ دل میں پختہ ہو گیا ہے تو اعراض کرنا بہتر ہے کیونکہ جب تک بدعت کی برائی بیان کرتے میں مبالغہ نہ کیا جائے وہ مخلوق کے درمیان پھیلتی ہے اور اس کا فساد عام ہو جاتا ہے۔

عملی خرابی :

جس شخص کا عقیدہ خراب نہ ہو بلکہ وہ اپنے فعل اور عمل کی وجہ سے گناہ گار ہو اب اگر اس کی وجہ سے دوسروں کو بھی اذیت پہنچتی ہے جیسے ظلم کرنا کسی کا مال چھیننا جھوٹی گواہی ، غیبت ، لوگوں کو لڑانا ، چغل خوری وغیرہ۔ یا ایسا کام جو صرف اس تک محدود نہیں رہتا بلکہ اس سے دوسروں کو بھی تکلیف پہنچتی ہے تو اس کی دو صورتیں ہیں ایک یہ کہ وہ دوسروں کو بھی فساد کی دعوت دیتا ہے جیسے ایسا شراب خور جو مردوں اور عورتوں کو جمع کر کے فسادی لوگوں کے لیے شراب نوشی اور فساد کے اسباب مہیا کرتا ہے یا یہ کہ دوسروں کو اس عمل کی طرف نہیں بلاتا جیسے ایک آدمی شراب پیتا ہے اور زنا کا ارتکاب کرتا ہے لیکن دوسروں کو

---

(۱) الاسرار المرفوعۃ ص ۲۲۳ حدیث ۸۸۰ -

(۲) کتاب الموضوعات لابن جوزی جلد اول ص ۲۷۰ کتاب ... وذم البدعۃ

اس برائی کی طرف نہیں بلاتا اب اس کا گناہ یا تو صغیرہ ہوگا یا کبیرہ پھر دونوں صورتوں میں یا وہ اس پر مصر ہوگا یا نہیں تو ان تقسیمات سے تین قسمیں حاصل ہوتی ہیں۔

پہلی قسم:

یہ سب سے زیادہ سخت ہے اور یہ وہ صورت ہے جس سے لوگوں کو نقصان پہنچتا ہے جیسے ظلم، غصب، جھوٹی گواہی غیبت اور چغلی ـــــ ایسے لوگوں سے پرہیز کرنا ان سے میل جول کرنے اور ان کے ساتھ معاملات کرنے سے دور رہنا بہت بہتر ہے کیونکہ اس میں مخلوق کو اذیت پہنچانے کے اعتبار سے گناہ سخت ہے پھر ان میں سے بعض لوگ وہ ہیں جو خون ریزی کے ذریعے ظلم کرتے ہیں اور بعض وہ ہیں جو مالی نقصان کے ذریعے ظلم کرتے ہیں اور بعض وہ ہیں جو عزتیں لوٹتے ہیں، تو ان میں سے بعض، دوسرے بعض کی نسبت زیادہ سخت ہیں لہٰذا ان کے ساتھ توہین آمیز سلوک کرنے اور ان سے منہ پھیرنے کی بنسبت بہت زیادہ تاکید ہے اور بعض اوقات اس قسم کے رویہ سے یہ توقع ہوتی ہے کہ وہ باز آجائیں یا دوسرے لوگ فائدہ اٹھائیں تو اس صورت میں ان سے اعراض کی تاکید زیادہ ہوگی۔

دوسری قسم:

وہ فساد برپا کرنے والا جو فساد کے اسباب مہیا کرتا ہے اور مخلوق کے لیے اس (فساد) کے طریقوں کو آسان کرتا ہے یہ شخص لوگوں کو دنیوی اعتبار سے اذیت نہیں پہنچاتا لیکن اپنے اس عمل کی وجہ سے ان کا دین چھینتا ہے اگر وہ ان لوگوں کی مرضی کے مطابق ہے تو یہ پہلی قسم کے قریب ہے لیکن اس سے کم درجہ میں ہے کیونکہ جو گناہ بندے اور اللہ تعالیٰ کے درمیان ہو وہ معافی کے زیادہ قریب ہوتا ہے لیکن چونکہ وہ دوسروں کی طرف متعدی ہوتا ہے لہٰذا شدید ہے یہ بھی اس بات کا تقاضا کرتا ہے کہ ان لوگوں سے اعراض کیا جائے اور ان سے تعلق منقطع کیا جائے اور اگر محسوس ہو کہ اس شخص کو یا دوسروں کو کچھ تنبیہ ہوگی تو ان کو سلام کا جواب بھی نہ دے۔

تیسری قسم:

وہ شخص جو شراب نوشی یا ترک واجب یا کسی ممنوع کام کے ارتکاب کی وجہ سے فاسق ہو تو اس کا معاملہ سب سے ہلکا ہے لیکن گناہ کے ارتکاب کے وقت اگر اسے دیکھ لیا جائے تو اس طرح منع کرنا واجب ہے کہ وہ باز آجائے اگرچہ مارنے یا توہین آمیز سلوک کے ذریعے ہو کیونکہ برے کام سے روکنا ضروری ہے اور جب وہ اس سے فارغ ہو جائے اور معلوم ہو کہ یہ اس کی عادت ہے اور وہ اس پر ڈٹا ہوا ہے تو اگر معلوم ہو کہ نصیحت کی وجہ سے وہ دوبارہ یہ کام نہیں کرے گا تو نصیحت کرنا واجب ہے اور اگر یہ بات یقینی نہ ہو لیکن اس کی امید ہو تو نصیحت اور تنبیہ کرنا افضل ہے چاہے نرمی سے ہو یا سختی سے جب کہ اس میں زیادہ نفع ہو اور اس صورت میں جب وہ اس گناہ پر اصرار کرتا ہو اور یہ معلوم ہو کہ اسے نصیحت کچھ فائدہ نہیں دے گی، اس کے سلام کا جواب نہ دینا اور میل جول ترک کر دینا محل نظر بات ہے۔ اور اس سلسلے میں علماء کرام کا عمل مختلف ہے

صحیح بات یہ ہے کہ یہ کام آدمی کی نیت کے بدلنے سے مختلف ہوتا ہے، اسی صورت میں کہا جاتا ہے کہ اعمال کا دار و مدار نیت پر ہے کیوں کہ مخلوق کو شفقت و مہربانی کی نظر سے دیکھنے میں ایک قسم کی تواضع اور اس سے نفرت کرنے اور منہ پھیرنے میں ایک قسم کی تنبیہ ہے اور اس سلسلے میں دل سے فتویٰ لیا جاتا ہے تو دیکھیے اگر دل کی خواہش اور طبیعت کے تقاضے کی طرف زیادہ میلان ہے تو اس کے خلاف کرنا زیادہ بہتر ہے کیونکہ ہلکا سمجھنا بعض اوقات تکبر و غرور اور اپنے آپ کو بلند اور اچھا سمجھنے کی وجہ سے ہوتا ہے اور بعض اوقات نرمی کا سلوک منافقت اور کچھ فائدہ حاصل کرنے کی غرض سے اس کے دل کو نرم کرنے کی وجہ سے ہوتا ہے یا اس بات کا خوف ہوتا ہے کہ جلدی یا بدیر لوگوں سے نفرت ہمارے مال اور مرتبے کو نقصان نہ پہنچائے یہ تمام باتیں شیطانی اشارے ہیں اور آخرت کے اعمال سے دور ہیں تو جو شخص دینی اعمال کی رغبت رکھتا ہے وہ ان باریک باتوں کی جستجو اور ان حالات کی حفاظت کے لیے کوشش کرتا ہے اور اس سلسلے میں دل ہی فتویٰ دیتا ہے۔ اور وہ اپنے اجتہاد میں کبھی صحیح بات تک پہنچتا ہے اور کبھی غلطی کرتا ہے، کبھی جان بوجھ کر خواہش کی پیروی کرتا ہے اور کبھی اسے یہ دھوکہ ہوتا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے لیے عمل کرتا ہے اور آخرت کے راستے پر چلتا ہے ان باریک باتوں کا بیان ہلاک کرنے والی باتوں کے بیان میں دھوکے کے باب میں آئے گا وہ فسق جو اس طرح کا ہو کہ بندے اور خدا کے درمیان معاملہ ہو اس کے ہلکا ہونے پر یہ روایت دلالت کرتی ہے کہ ایک شراب نوش کو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے کئی بار کوڑے مارے گئے لیکن وہ پھر شراب پی لیتا ایک صحابی نے کہا اللہ تعالیٰ اس پر لعنت بھیجے یہ کس قدر شراب پیتا ہے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اپنے بھائی کے خلاف شیطان کے مددگار نہ بنو(۱) یا کوئی لفظ فرمائے مفہوم یہی ہے۔

اس روایت سے اشارہ ملتا ہے کہ سختی کرنے اور نفرت کا سلوک کرنے کی نسبت نرمی زیادہ بہتر ہے۔

ہم نشین کی صفات

جان لو! ہر آدمی دوستی اور صحبت کے قابل نہیں ہوتا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

اَلْمَرْءُ عَلٰی دِیْنِ اَخِیْہِ فَلْیَنْظُرْ اَحَدُکُمْ مَنْ یُّخَالِلُ (۲)

انسان اپنے بھائی (دوست) کے طریقے پر چلتا ہے تو اسے دیکھنا چاہیے کہ وہ کس سے دوستی لگاتا ہے۔

ان خصلتوں اور صفات کا امتیاز ضروری ہے جن کے باعث وہ کسی کی صحبت اختیار کرتا ہے اور صحبت سے حاصل ہونے والے فائدے کے لیے وہ خصلتیں شرط ہیں کیونکہ شرط وہ چیز ہوتی ہے جو مقصود تک پہنچنے کے لیے ضروری ہو پس مقصود

---

(۱) صحیح بخاری جلد ۲ ص ۱۰۰۲ کتاب الحدود

(۲) مسند امام احمد بن حنبل جلد ۲ ص ۳۰۳ مرویات ابو ہریرہ

کی طرف نسبت کرتے ہوئے شرطیں ظاہر ہوتی ہیں تو صحبت سے دینی اور دنیوی فوائد حاصل کرنا مقصود ہوتا ہے۔ دنیوی فوائد جیسے مال یا مرتبہ وغیرہ یا اس کی ہمنشینی محض حصول اُنس کے لئے ہوتی ہے اور ہمیں ان باتوں سے غرض نہیں۔

جہاں تک دینی اغراض کا تعلق ہے تو اس میں بھی اغراض مختلف ہیں کیونکہ بعض اوقات علم و عمل کا استفادہ مقصود ہوتا ہے، یا ایسا مرتبہ حاصل کرنا مطلوب ہوتا ہے جس کے ذریعے ایسی ایذا سے بچے جو دل کو پریشان کرتی ہے اور عبادت میں رکاوٹ ڈالتی ہے، یا مال حاصل کرنا ہوتا ہے تاکہ رزق کی تلاش میں وقت کو ضائع کرنے سے بچائے اسی طرح مشکل مسائل میں اس کی مدد مطلوب ہوتی ہے تاکہ حوادث اور مختلف حالات میں کام آئے۔ یا محض اس کی دعا سے برکت حاصل کرنا مقصود ہوتا ہے۔ اسی طرح آخرت میں اس کی شفاعت کا انتظار بھی ایک مقصد ہے۔ بعض بزرگوں نے فرمایا کہ (اپنے اسلامی) بھائی زیادہ بناؤ کیونکہ ہر مومن شفاعت کرے گا اور شاید تم اپنے بھائی کی شفاعت میں داخل ہو۔

ارشادِ خداوندی ہے۔

وَيَسْتَجِيبُ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ وَيَزِيدُهُمْ مِنْ فَضْلِهِ (۱)

اور اللہ تعالیٰ ان لوگوں کی دعا سنتا ہے جو ایمان لائے اور انہوں نے اچھے کام کئے اور وہ انہیں اپنا زیادہ فضل عطا کرتا ہے۔

اس آیت کی تفسیر میں مروی ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کے دوستوں کے بارے میں ان کی سفارش قبول کرے گا اور انہیں ان کے ساتھ جنت میں داخل کرے گا۔ کہا گیا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کسی بندے کی بخشش فرماتا ہے تو اس کے دوستوں کے بارے میں اس کی شفاعت قبول کرتا ہے اسی لیے بزرگوں کی ایک جماعت نے باہم مجلس و الفت اور میل جول کی ترغیب دی ہے اور علیحدگی اختیار کرنے کو ناپسند کیا ہے۔

تو ان فوائد میں سے ہر فائدہ کچھ شرائط کا تقاضا کرتا ہے جن کے بغیر وہ فائدہ حاصل نہیں ہوتا، ہم انہیں تفصیل سے بیان کرتے ہیں خلاصہ یہ ہے کہ تم جس آدمی کی صحبت کو اختیار کرنا چاہتے ہو اس میں پانچ باتیں ہونی چاہیں۔ وہ عقل مند ہو، اچھے اخلاق کا مالک ہو، فاسق نہ ہو بدعتی نہ ہو اور نہ دنیا کی حرص رکھتا ہو۔

جہاں تک عقل کا تعلق ہے تو وہ اصل مال ہے اور بیوقوف کی صحبت میں کوئی بھلائی نہیں کیونکہ اس کے نتیجے میں وحشت اور جدائی حاصل ہوتی ہے چاہے وہ کتنی زیادہ ہی کیوں نہ ہو۔

حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

"کسی جاہل بھائی کی صحبت اختیار نہ کرو اس سے اپنے آپ کو بچاؤ کیونکہ کتنے ہی جاہل، عقل مند آدمی کے بھائی بن کر

---

(۱) قرآن مجید، سورۂ شوریٰ آیت ۲۶

اسے برباد کر دیتے ہیں انسان کو دوسرے انسان کے ساتھ سمجھا جاتا ہے اور اشیاء ایک دوسرے کے مشابہ ہوتی ہیں اور دل جب دوسرے دل سے ملتا ہے تو اس سے راہ پاتا ہے،،

اور یہ کیسے نہیں ہوگا جب کہ بیوقوف آدمی تمہیں نفع دینا اور تمہاری مدد کرنا چاہے تب بھی نقصان پہنچاتا ہے اور اسے معلوم نہیں ہوتا۔ اسی لیے کسی شاعر نے کہا میں عقل مند دشمن سے بے خوف ہوں البتہ ایسے دوست سے ڈرتا ہوں جو مجنون ہو عقل ایک ہی فن ہے اور اس کا راستہ مجھے معلوم ہے پس میں اسے دیکھتا ہوں لیکن جنون کئی فنون کا مجموعہ ہے۔

اسی لیے کہا گیا ہے کہ بیوقوف سے تعلق منقطع کرنا اللہ تعالیٰ کے قریب ہونا ہے حضرت سفیان ثوری رحمہ اللہ نے فرمایا۔

،،بے وقوف کے چہرے کو دیکھنا ایک گناہ ہے جو لکھ دیا جاتا ہے،،

اور عقل مند سے ہماری مراد وہ شخص ہے جو کاموں کو ان کی حقیقت کے مطابق سمجھتا ہے یا خود ذاتی طور پر سمجھتا ہے یا سمجھانے سے سمجھ جاتا ہے حُسنِ اخلاق بھی ضروری ہے کیونکہ بعض دفعہ عقل مند آدمی اشیاء کی ماہیت کا ادراک کر لیتا ہے لیکن جب اس پر غصہ یا شہوت یا بخل یا بزدلی کا غلبہ ہوتا ہے تو وہ اپنی خواہش کی پیروی کرتا ہے اور وہ اپنی صفات کے غلبہ سے عاجز ہونے کی وجہ سے جو بات اسے معلوم ہے اس کی بھی مخالفت کرتا ہے نیز وہ اپنے اخلاق کو بھی درست نہیں کر سکتا لہٰذا اس کی صحبت کا کوئی فائدہ نہیں۔

اور وہ فاسق جو اپنے فسق پر ڈٹا ہوا ہو اس کی صحبت کا بھی کوئی فائدہ نہیں کیونکہ جو آدمی اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہے وہ گناہ کبیرہ پر اصرار نہیں کرتا۔ اور جو شخص اللہ تعالیٰ کا خوف نہیں رکھتا اس کے فساد سے بے خوفی نہیں ہوتی اور نہ اس کی صداقت کا یقین کیا جاتا ہے بلکہ اغراض کی تبدیلی سے اس میں بھی تبدیلی آتی رہتی ہے۔

ارشاد خداوندی ہے۔

فَلَا يَصُدَّنَّكَ عَنْهَا مَنْ لَّا يُؤْمِنُ بِهَا وَاتَّبَعَ هَوَاهُ (۱)

اور جو شخص اس پر ایمان نہیں لایا اور اس نے اپنی خواہش کی پیروی کی وہ تجھے اس پر ایمان لانے سے نہ روکے۔

نیز ارشاد فرمایا۔

وَلَا تُطِعْ مَنْ أَغْفَلْنَا قَلْبَهُ عَنْ ذِكْرِنَا وَاتَّبَعَ هَوَاهُ (۲)

اور اس شخص کی بات نہ مانو جس کے دل کو ہم نے اپنے ذکر سے غافل کر دیا اور اس نے اپنی خواہش کی پیروی کی۔

نیز ارشاد خداوندی ہے۔

---

(۱) قرآن مجید، سورۂ طٰہٰ آیت ۱۶

(۲) قرآن مجید، سورۂ کہف آیت ۲۸

فَاَعْرِضْ عَمَّنْ تَوَلّٰی عَنْ ذِکْرِنَا وَلَمْ یُرِدْ اِلَّا الْحَیَاۃَ الدُّنْیَا۔ (۱)

پس اس سے اعراض کریں جس نے ہمارے ذکر سے منہ پھیرا اور دنیوی زندگی ہی کا ارادہ کیا۔

نیز ارشاد فرمایا:

وَاتَّبِعْ سَبِیْلَ مَنْ اَنَابَ اِلَیَّ۔ (۲)

اور اس آدمی کے راستے پر چلیں جس نے ہماری طرف رجوع کیا۔

اس کا مطلب یہ ہے کہ فاسق سے دور رہنا چاہیے۔

جہاں تک بدعتی کا تعلق ہے تو اس کی صحبت میں بدعت کے سرایت کرنے کا خطرہ ہے اور ممکن ہے اس کی بدبختی ادھر متجاوز ہو جائے۔ لہٰذا بدعتی اس لائق ہے کہ اس کو چھوڑ دیا جائے اور اس سے تعلق منقطع کر دیا جائے تو اب اس کی صحبت کیسے سرایت کرے گی، حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے دیندار دوست تلاش کرنے کے بارے میں رغبت دیتے ہوئے فرمایا۔

سچے دوست تلاش کرو اور ان کی پناہ میں زندگی گزارو وہ خوشی کی حالت میں زینت اور آزمائش کے وقت سامان ہیں اپنے دوست کے بارے میں اچھا خیال کیا کرو حتیٰ کہ تمہارے پاس اس کی طرف سے ایسی بات آئے کہ تمہیں ظنِ غالب حاصل ہو جائے۔ اپنے دشمن سے الگ رہو اور اپنے دوست سے بھی بچتے رہو البتہ یہ کہ وہ قوم کا امین ہو اور امین وہی ہوتا ہے جو اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہے کسی فاجر کی صحبت اختیار نہ کرو ورنہ اس سے فجور ہی سیکھو گے اور اس کو اپنے راز بھی نہ بتاؤ اور اپنے معاملات میں ان لوگوں سے مشورہ کرو جو اللہ تعالیٰ سے ڈرتے ہیں۔

حسن اخلاق کے بارے میں حضرت علقمہ عطاری نے اپنی وفات کے وقت وصیت کرتے ہوئے جامع بات فرمائی ہے انہوں نے فرمایا اے بیٹے! جب تمہیں لوگوں کی مجلس اختیار کرنا پڑے تو ایسے آدمی کی صحبت اختیار کر کہ جب تو اس کی خدمت کرے تو وہ تیری حفاظت کرے اگر تو اس کی مجلس اختیار کرے تو وہ تجھے زینت دے اگر تجھے کوئی مشقت پیش آئے تو وہ برداشت کرے اس آدمی کی صحبت اختیار کر کہ جب تو بھلائی کے ساتھ اپنا ہاتھ پھیلائے تو وہ بھی اسے پھیلائے اگر وہ تم میں کوئی اچھائی دیکھے تو اسے شمار کرے اور اگر برائی دیکھے تو اسے روکے اس آدمی سے دوستی اختیار کر کہ جب تو اس سے مانگے تو وہ تجھے دے اور اگر تو خاموش رہے تو خود بخود دے اگر تجھے کوئی پریشانی لاحق ہو تو وہ غمخواری کرے۔ اس آدمی کی صحبت اختیار کرو کہ جب تم بات کہو تو وہ تمہاری بات کی تصدیق کرے اگر تم کسی کام کا قصد کرو تو وہ اچھا مشورہ دے

---

(۱) قرآن مجید سورۃ النجم آیت ۲۹

(۲) قرآن مجید سورۂ لقمان آیت ۱۵۔

اور اگر تم دونوں میں اختلاف ہو جائے تو وہ تمہاری بات کو ترجیح دے ـــــ گویا انہوں نے اس وصیت میں صحبت کے تمام حقوق کو جمع کر دیا اور یہ شرط رکھی کہ وہ ان تمام باتوں کو اپنائے، حضرت ابن اکثم نے فرمایا خلیفہ مامون نے کہا ایسا آدمی کہاں ہے؛ تو اسے کہا گیا آپ کو معلوم ہے کہ حضرت علقمہ نے اتنی شرطیں کیوں لگائی ہیں! اس نے کہا مجھے معلوم نہیں، کہا اس لیے کہ انہوں نے چاہا کہ کوئی شخص کسی کی صحبت اختیار نہ کرے۔

اہل ادب میں سے کسی نے کہا لوگوں میں سے اس آدمی کی دوستی اختیار کرو جو تمہارے راز کو چھپائے اور تیرے عیب پر پردہ ڈالے پس وہ مشکلات میں تمہارا ساتھ دے گا اور عمدہ چیزوں میں تمہیں ترجیح دے گا۔ تیری نیکیوں کو پھیلائے گا اور تیری برائیوں کو لپیٹ دے گا اور اگر ایسا انسان نہ ملے تو تمہارا ہو کسی کی صحبت اختیار نہ کرو۔

حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے فرمایا،

تمہارا سچا دوست وہ ہے جو تمہارا ساتھ دے اور جو تمہیں نفع پہنچانے کے لیے اپنے آپ کو نقصان پہنچائے۔ جب تمہیں گردش زمانہ پہنچے تو وہ تمہارا ساتھ نہ چھوڑے اور تمہارے معاملات کو درست کرنے کے لیے خود پریشانی اٹھائے۔

بعض علماء نے فرمایا دو آدمیوں میں سے ایک کی صحبت اختیار کرو ایک وہ شخص جس سے تم کوئی دینی بات سیکھو جو تمہیں نفع دے یا وہ شخص جسے تم کوئی دینی بات سکھاؤ تو وہ تم سے قبول کرے اور تیسرے آدمی سے بھاگو۔

بعض علماء نے فرمایا کہ انسان چار قسم کے ہیں۔ ایک وہ جو مکمل طور پر میٹھا ہے اس سے سیری حاصل نہیں ہوتی دوسرا مکمل طور پر کڑوا ہے تو اس سے بالکل نہیں کھایا جاتا تیسرا وہ ہے جو کھٹا میٹھا ہے تو اس سے حاصل کرو اس سے پہلے کہ وہ تم سے کچھ حاصل کرے، چوتھا وہ ہے جو نمکین ہو اس سے بوقت ضرورت حاصل کرو۔

حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔

پانچ قسم کے آدمیوں کی مجلس اختیار نہ کرو ایک وہ شخص جو بہت جھوٹ بولتا ہے کیونکہ اس سے تم دھوکہ کھاؤ گے وہ سراب کی طرح ہے (دھوپ میں دور پانی نظر آتا ہے جب قریب جائیں تو کچھ نہیں ہوتا اسے سراب کہتے ہیں) وہ دور والے کو تجھ سے قریب کرے گا اور قریب کو دور کر دے گا۔ دوسرا وہ جو بیوقوف ہو کیونکہ اس سے تمہیں کچھ بھی حاصل نہیں ہو گا۔ وہ تمہیں نفع پہنچانا چاہے گا لیکن نقصان پہنچائے گا۔ تیسرا بخیل آدمی کہ جب تمہیں اس کی زیادہ ضرورت ہو گی وہ دوستی ختم کر دے گا، چوتھا بزدل کہ مشکل وقت میں تمہیں چھوڑ کر بھاگ جائے گا۔ پانچواں فاسق کہ وہ تمہیں ایک لقمے یا اس سے بھی کم قیمت پر بیچ دے گا پوچھا گیا اس سے کم کیا ہے؟ فرمایا کہ لالچ رکھنا اور اسے نہ پانا۔ حضرت جنید رحمہ اللہ فرماتے ہیں میرے پاس اگر خوش اخلاق فاسق بیٹھے تو یہ اس بات سے بہتر ہے کہ بد اخلاق قاری (عالم) بیٹھے۔

حضرت ابن ابی الحواری فرماتے ہیں میرے استاذ حضرت ابو سلیمان نے مجھ سے فرمایا اے احمد! دو آدمیوں میں سے ایک کی مجلس اختیار کر ان کے علاوہ کسی کی نہیں ایک وہ شخص کہ تو اپنے دنیوی معاملات میں اس سے فائدہ حاصل کرے اور

دوسرا وہ آدمی جس سے تو اپنی آخرت کے معاملات میں نفع اٹھائے ان دو باتوں کے علاوہ کسی بات میں مشغول ہونا بیوقوفی ہے۔

حضرت سہل بن عبداللہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں تین قسم کے لوگوں کی مجلس سے اجتناب کرو غافل متکبر، منافق قاری (عالم) اور جاہل صوفی جان لو کہ یہ کلمات عام طور پر صحبت کے تمام مقاصد کا احاطہ نہیں کرتے بلکہ وہ باتیں جامع ہیں جو ہم نے مقاصد اور ان کے ساتھ شرائط کے سلسلے میں ذکر کی ہیں جو باتیں دینوی مقاصد کے سلسلے میں صحبت کے لیے شرط ہیں وہ آخروی دوستی اور بھائی چارے کے سلسلے میں شرط نہیں ہیں جیسے حضرت بشر رحمہ اللہ نے فرمایا۔

بھائی تین قسم کے ہوتے ہیں ایک وہ جو تیری آخرت کے لیے بھائی ہے، دوسرا دنیاوی معاملات کے لیے اور تیسرا اس لیے کہ تو اس سے مانوس ہو اور ایک شخص سے یہ تمام مقاصد بہت کم حاصل ہوتے ہیں بلکہ چند آدمیوں میں متفرق ہوتی ہیں تو ان میں لامحالہ شرائط بھی متفرق ہوں گی۔ مامون نے کہا کہ بھائی تین قسم کے ہوتے ہیں۔ ان میں سے ایک غذا کی مثل ہوتا ہے جس سے آدمی بے نیاز نہیں ہو سکتا، دوسرا دوائی کی مثل ہوتا ہے جس کی ضرورت کسی وقت ہوتی ہے اور کسی وقت نہیں اور تیسرا بیماری کی طرح ہوتا ہے جس کی ضرورت کبھی نہیں ہوتی لیکن بعض اوقات انسان اس میں مبتلا ہو جاتا ہے اور یہ وہ ہے جس سے نہ تو انس حاصل ہوتا ہے اور نہ نفع۔

کہا گیا ہے کہ تمام انسانوں کی مثال درخت اور سبزی کی طرح ہے ان میں سے بعض کا سایہ ہے لیکن پھل نہیں اور یہ اس شخص کی مثال ہے جس سے دینوی فائدہ حاصل ہوتا ہے آخروی نہیں۔ کیونکہ دنیا کا نفع سائے کی طرح ہے جو بہت جلدی ختم ہو جاتا ہے اور بعض وہ درخت ہیں جن کا پھل ہوتا ہے لیکن سایہ نہیں ہوتا یہ اس شخص کی مثال ہے جو آخرت کے لیے اصلاح کرتا ہے دنیا کے لیے نہیں۔ اور بعض وہ درخت ہیں جن کے پھل اور سایہ دونوں چیزیں ہوتی ہیں اور باقی وہ ہیں جن میں ان دونوں میں سے ایک بات بھی نہیں ہوتی جیسے ببول کا درخت جو کپڑے پھاڑتا ہے ان میں کھانے کی کوئی چیز ہے اور نہ پینے کی۔ حیوانات میں سے چوہا اور بچھو اس جیسے ہوتے ہیں۔

جیسے ارشاد خداوندی ہے:

یَدْعُوْا لَمَنْ ضَرُّهٗۤ اَقْرَبُ مِنْ نَّفْعِهٖ لَبِئْسَ الْمَوْلٰى وَلَبِئْسَ الْعَشِیْرُ۔ (۱)

اس کو پوجا کرتے ہیں جس کا نقصان اس کے نفع سے زیادہ قریب ہے یہ ان کا کتنا برا آقا اور برا ساتھی ہے۔

شاعر نے کہا۔

لوگ مختلف ذائقوں والے ہیں اور وہ ایک جیسے نہیں جیسے درخت ایک جیسے نہیں ہوتے ایک درخت کا پھل میٹھا ہوتا ہے اور دوسرے کا نہ ذائقہ ہے نہ پھل۔"

---

(۱) قرآن مجید سورہ حج آیت ۱۳

جب تمہیں ایسا دوست نہ ملے جس کو تم اپنا بھائی بناؤ اور ان مقاصد میں سے کوئی مقصد اس سے حاصل کرو تو تنہائی زیادہ بہتر ہے۔

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں برے ساتھی سے تنہائی بہتر ہے اور نیک ساتھی تنہائی سے اچھا ہے۔ یہ حدیث مرفوعاً مروی ہے (یعنی حضور علیہ السلام کا ارشاد گرامی ہے) جہاں تک دیانت کے ہونے اور فسق کے نہ ہونے کا تعلق ہے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

وَاتَّبِعْ سَبِيْلَ مَنْ اَنَابَ اِلَيَّ (۱) اس شخص کے راستے پر چلو جس نے میری طرف رجوع کیا۔

اور اس لیے بھی کہ فسق اور فساق کو دیکھنے سے دل میں گناہ کا معاملہ ہلکا معلوم ہوتا ہے اور اس سے قلبی نفرت باطل ہو جاتی ہے۔

حضرت سعید بن مسیب رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

ظالموں کو مت دیکھو تمہارے نیک اعمال ضائع ہو جائیں گے۔ بلکہ ان لوگوں کے ساتھ میل جول میں کوئی سلامتی نہیں سلامتی ان سے علیحدگی میں ہے۔

ارشاد خداوندی ہے:

وَاِذَا خَاطَبَهُمُ الْجَاهِلُوْنَ قَالُوْا سَلٰماً۔ (۲) جب جاہل لوگ ان سے مخاطب ہوتے ہیں تو وہ انہیں سلام کہتے ہیں (پیچھا چھڑاتے ہیں)

یہاں لفظ "سلاماً" میں الف، ہا سے بدل کر آیا ہے یعنی "سلامۃ" ہے مطلب یہ ہے کہ ہم تمہارے گناہ سے محفوظ ہیں اور تم ہمارے شر سے محفوظ ہو۔ جہاں تک حریص کا تعلق ہے تو اس کی صحبت زہر قاتل ہے کیونکہ انسانی فطرت ہے کہ وہ دوسروں کی مشابہت اختیار کرتا اور ان کی اقتداء کرتا ہے بلکہ ایک طبیعت دوسری طبیعت سے کچھ چراتی ہے جس کا اسے علم نہیں ہوتا۔ تو دنیا کی حرص رکھنے والے کی مجلس اختیار کرنا حرص کو حرکت دیتا ہے۔ اور زاہد کی مجلس دنیا سے بے رغبت کر دیتی ہے اسی لیے دنیا کے طالب لوگوں کی صحبت مکروہ ہے اور آخرت کی رغبت رکھنے والوں کی مجلس مستحب ہے۔

حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

ان لوگوں کے پاس بیٹھ کر عبادات کو زندہ کرو جن سے حیا کیا جاتا ہے۔

حضرت امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا "مجھے ایسے لوگوں کی صحبت نے آزمائش میں ڈالا جن سے میں

---

(۱) قرآن مجید، سورۂ حج آیت ۱۴

(۲) قرآن مجید، سورۂ فرقان آیت ۲

جھکتا نہیں تھا۔

حضرت لقمان نے اپنے بیٹے سے فرمایا علماء کے پاس بیٹھو اور ان کے گھٹنوں کے ساتھ اپنے گھٹنے ملاؤ کیوں کہ دل حکمت کے ساتھ اس طرح زندہ ہوتے ہیں جس طرح مردہ زمین موسلادھار بارش سے آباد ہوتی ہے ـــــ اخوت (بھائی چارے) کے معانی، شرائط اور فوائد کے بارے میں ہم یہ باتیں ذکر کرنا چاہتے تھے اب ہم اس کے حقوق و لوازم اور اس کے حق کو قائم کرنے کے بارے میں ذکر کرتے ہیں۔

ـــــ ٥ ـــــ

دوسرا باب

اخوت و محبت کے حقوق

جان لو! بھائی چارہ دو آدمیوں کے درمیان ایک رابطہ ہوتا ہے جیسے نکاح میاں بیوی کے درمیان ایک عقد ہے اور جس طرح عقد نکاح کچھ حقوق کا تقاضا کرتا ہے جن کو حقِ نکاح قائم رکھنے کے لیے، پورا کرنا ضروری ہے جس طرح آدابِ نکاح کے بیان میں گزر چکا ہے عقدِ اخوت کا بھی یہی حال ہے۔ تو تمہارے (اسلامی) بھائی کا تمہارے مال اور تمہاری ذات میں حق ہے، اسی طرح زبان اور دل میں بھی کہ تم اس کو معاف کرو، اس کے لیے دعا کرو، اخلاص و وفا سے پیش آؤ، اس پر آسانی برتو اور تکلیف و تکلف کو چھوڑ دو۔ یہ کل آٹھ حقوق ہیں۔

پہلا حق:

یہ حق مال سے متعلق ہے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا دو آدمیوں کی مثال دو ہاتھوں جیسی ہے کہ ان میں سے ایک ہاتھ، دوسرے کو دھوتا ہے۔(۱) آپ نے انہیں دو ہاتھوں کے ساتھ تشبیہ دی ہے ایک ہاتھ اور ایک پاؤں کے ساتھ نہیں کیونکہ یہ دونوں ایک غرض پر ایک دوسرے کا تعاون کرتے ہیں۔ تو جس طرح دو بھائیوں کا بھائی چارہ اس وقت مکمل ہوتا ہے جب وہ ایک مقصد میں ایک دوسرے کے رفیق بنیں تو یہ دونوں ایک اعتبار سے ایک شخص کی طرح ہیں۔ اور اس کا تقاضا یہ ہے کہ وہ خوشی اور تکلیف (دونوں حالتوں) میں ایک دوسرے کے حصے دار ہوں اور حال و مستقبل میں ایک دوسرے کے ساتھ شریک ہوں اور دونوں میں سے کسی ایک کے لیے خصوصیت اور ترجیح باقی نہ رہے اخوت کے ساتھ مالی طور پر غمخواری کے تین مرتبے ہیں۔

سب سے کم مرتبہ یہ ہے کہ تم اسے اپنے غلام یا خادم کی طرح سمجھو اور اپنے زائد مال سے اس کی ضرورت کو پورا کرو جب اسے کوئی حاجت درپیش ہو اور تمہارے پاس تمہاری ضرورت سے زیادہ مال ہو تو تم خود اسے دے دو اور اسے سوال کرنے پر مجبور نہ کرو اگر تم اسے مانگنے پر مجبور کرو گے تو یہ حقِ اخوت میں انتہائی درجہ کی کوتاہی ہے ——

دوسرا درجہ یہ ہے کہ تم اسے اپنی طرح سمجھو اور اسے اپنے مال میں شریک کرنے اور اسے اپنی طرح سمجھنے پر راضی رہو حتیٰ کہ تم اسے نصف مال دینا گوارہ کر لو حضرت حسن بصری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اسلاف میں کوئی ایک اپنی چادر یا اپنے

---

(۱) الفردوس بماثور الخطاب جلد ۴ حدیث ۶۴۶۱

اور اپنے بھائی کے درمیان تقسیم کرنے کے لیے پھاڑ دیتا تھا۔

تیسرا درجہ جو سب سے بلند ہے وہ یہ ہے کہ تم اسے اپنے اوپر ترجیح دو اور اس کی حاجت کو اپنی حاجت پہ مقدم کرو یہ صدیقین کا رتبہ ہے اور باہم محبت کرنے والوں کے درجات کی انتہا ہے۔ اس رتبہ کے نتائج میں سے ایک بات یہ ہے کہ انسان اس پر نفس کو بھی قربان کرنے پر تیار ہو جائے۔ جیسا کہ مروی ہے کہ صوفیا کی ایک جماعت کو کسی خلیفہ کے سامنے پیش کیا گیا تو اس نے ان کی گردنیں مارنے کا حکم دیا۔ ان میں حضرت ابوالحسین نوری بھی تھے وہ جلدی جلدی جلاد کے سامنے ہو گئے تاکہ سب سے پہلے انہیں قتل کیا جائے ان سے اس سلسلے میں پوچھا گیا تو انہوں نے فرمایا میں چاہتا ہوں کہ اس وقت دوسرے بھائیوں کی زندگی کو ترجیح دوں یہ ایک طویل واقعہ ہے اور ان کا یہ قول ان تمام کی نجات کا باعث بنا۔ اگر تم اپنے مسلمان بھائی کو ان مراتب میں سے کسی رتبے میں بھی نہیں سمجھتے تو جان لو کہ عقد اخوت ابھی تک دل میں منعقد نہیں ہوا اور تمہارے درمیان محض رسمی میل جول جاری ہے جس کی عقل اور دین میں کوئی وقعت نہیں ہے۔

حضرت میمون بن مہران رحمہ اللہ فرماتے ہیں۔

جو شخص اپنے مسلمان بھائیوں کو فضیلت دینے پر راضی نہیں اسے اہل قبور سے بھائی چارہ قائم کرنا چاہیئے۔

جہاں تک سب سے کم درجے کا تعلق ہے تو دیندار لوگوں کے نزدیک یہ بھی پسندیدہ نہیں ہے ایک روایت میں ہے کہ حضرت عتبہ غلام ایک آدمی کے گھر آئے جس کے ساتھ انہوں نے رشتہ اخوت جوڑا تھا انہوں نے منہ پھیر لیا اور فرمایا تم نے دنیا کو اللہ تعالیٰ پر ترجیح دے دی تمہیں شرم نہیں آتی کہ اللہ تعالیٰ کے لیے بھائی چارے کا دعویٰ کرتے ہو اور پھر یہ بات کہتے ہو۔ جو آدمی اخوت کے معاملے میں سب سے کم درجے میں ہو تو اسے اس کے ساتھ دنیوی معاملہ بھی نہیں کرنا چاہیئے۔

حضرت ابو حازم فرماتے ہیں۔

جب تمہارا کوئی دینی بھائی ہو تو اس سے دنیوی امور کا معاملہ نہ کرو، تو ان کی مراد یہ ہے کہ جو اس درجہ میں ہو۔

جہاں تک سب سے بلند درجے کا تعلق ہے تو اللہ تعالیٰ نے مومنوں کو اس کے ساتھ موصوف ذکر کیا ارشاد خداوندی ہے۔

وَأَمْرُهُمْ شُورَىٰ بَيْنَهُمْ وَمِمَّا رَزَقْنَاهُمْ يُنْفِقُونَ (۱) — اور ان کے معاملات باہمی مشورے سے طے ہوتے ہیں، اور ہم نے جو کچھ ان کو دیا وہ اس میں سے خرچ کرتے ہیں۔

یعنی ان کے مال ملے جلے تھے وہ ایک دوسرے کے سامان کو الگ الگ نہیں کرتے تھے حتیٰ کہ اگر ان میں کوئی کہتا کہ یہ میرا جوتا ہے تو بعض حضرات اس سے الگ ہو جاتے کیونکہ اس نے اس چیز کو اپنی ذات سے منسوب کیا۔ حضرت فتح موصلی اپنے ایک اسلامی بھائی کے گھر آئے اور وہ موجود نہ تھا آپ نے اس کی بیوی کو حکم دیا تو وہ صندوق لائیں آپ نے اس سے

(۱) قرآن مجید، سورۂ شوریٰ آیت ۳۸

ضرورت کی اشیاء لیں (اور چل دیجئے) لونڈی نے اپنے مالک کو خبر دی تو اس نے کہا اگر تونے سچ کہا ہے تو تو اللہ تعالیٰ کی خاطر آزاد ہے، انہوں نے اس عمل پر خوش ہو کر یہ کام کیا۔

ایک شخص حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ میں اللہ تعالیٰ کے لیے آپ کو اپنا بھائی بنانا چاہتا ہوں انہوں نے فرمایا تم جانتے ہو بھائی چارے کا حق کیا ہے؟ اس نے عرض کیا آپ بتا دیجئے۔ آپ نے فرمایا کہ تو اپنے دینار اور درہم کا مجھ سے زیادہ حق دار نہ ہو اس نے عرض کیا میں ابھی تک اس مقام تک نہیں پہنچا۔ آپ نے فرمایا پھر چلے جاؤ۔

حضرت علی بن حسین رضی اللہ عنہما نے ایک شخص سے پوچھا کیا تم میں سے کوئی ایک اپنا ہاتھ اپنے بھائی کی آستین یا جیب میں ڈال کر جو کچھ لینا چاہے اس کی اجازت کے بغیر لے سکتا ہے؟ اس نے کہا نہیں انہوں نے فرمایا پھر تم ایک دوسرے کے بھائی نہیں ہو۔

ایک جماعت حضرت حسن بصری رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوئی اور پوچھا کیا آپ نماز پڑھ چکے ہیں؟ انہوں نے فرمایا "جی ہاں"، ان لوگوں نے کہا کہ بازار والوں نے ابھی نماز نہیں پڑھی انہوں نے فرمایا کون شخص بازار والوں سے دین سیکھتا ہے؟ پھر آپ نے بطور تعجب فرمایا کہ مجھے معلوم ہوا ہے ان میں سے ایک، اپنے بھائی کو ایک درہم تک نہیں دیتا۔

حضرت ابراہیم بن ادھم رحمہ اللہ بیت المقدس کی طرف جا رہے تھے کہ ایک شخص نے حاضر ہو کر عرض کیا میں بھی آپ کی رفاقت اختیار کرنا چاہتا ہوں، حضرت ابراہیم علیہ الرحمہ نے فرمایا اس شرط پر کہ میں تمہاری چیز کا تم سے زیادہ مالک ہوں گا۔ اس نے کہا ایسا نہیں ہو سکتا آپ نے فرمایا مجھے تمہاری سچائی پر تعجب ہوا ہے۔

راوی کہتے ہیں جب کوئی شخص حضرت ابراہیم بن ادھم رحمہ اللہ کی رفاقت اختیار کرتا تو وہ آپ کی مخالفت نہ کرتا اور آپ اسی کو ساتھی بناتے تھے جو موافق ہو۔ ایک تسمے بنانے والا آپ کا ساتھی بن گیا تو راستے میں ایک شخص نے ثرید کا ایک پیالہ حضرت ابراہیم رحمہ اللہ کی خدمت میں بطور تحفہ پیش کیا آپ نے اپنے ساتھی کی تھیلی کو کھولا اور تسموں کی ایک مٹھی بھر کر پیالے میں ڈال دی اور وہ پیالہ تحفہ پیش کرنے والے کو واپس کر دیا جب آپ کا رفیق سفر آیا تو پوچھا تسمے کہاں ہیں؟ انہوں نے فرمایا تم نے یہ ثرید جو کھائی ہے یہ کیا تھی؟ اس نے کہا آپ دو یا تین تسمے دے دیتے آپ نے فرمایا تم سخاوت کرو تمہیں کشادہ دیا جائے گا۔ ایک مرتبہ آپ نے ایک پیدل آدمی کو اپنے رفیقِ سفر کا گدھا اس کی اجازت کے بغیر دے دیا جب وہ آیا تو خاموش رہا اور اس بات کو پسند نہ کیا۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے کسی صحابی کو بکری کا سر بطور تحفہ پیش کیا گیا انہوں نے فرمایا میرا فلاں بھائی اس کا مجھ سے زیادہ محتاج ہے انہوں نے اس کی طرف بھیجا پھر وہ ایک سے دوسرے تک، دوسرے سے تیسرے تک بھیجا جاتا رہا۔ یہاں تک کہ وہ پہلے آدمی تک واپس آگیا اور یہ سات آدمیوں سے ہو کر آیا۔ ایک روایت میں ہے کہ حضرت مسروق رضی اللہ عنہ نے بھاری قرض لیا اور ان کے دوست حضرت خیثمہ مقروض تھے چنانچہ حضرت مسروق رضی اللہ عنہ

نے ان کی لاعلمی میں ان کا قرض ادا کر دیا اُدھر حضرت خیثمہ رضی اللہ عنہ نے حضرت مسروق رضی اللہ عنہ کا قرض ادا کر دیا اور انہیں پتہ نہ چلا۔

جب سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عبدالرحمٰن بن عوف اور حضرت سعد بن ربیع رضی اللہ عنہما کے درمیان اخوت قائم کی تو حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے اپنے مال وجان میں انہیں اختیار دے دیا۔ حضرت عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ نے فرمایا اللہ تعالیٰ آپ کو ان دونوں چیزوں میں برکت عطا فرمائے (۱) تو انہوں نے ان کو اسی چیز پر ترجیح دے دی جو حضرت سعد نے ان کو دی تھی تو گویا حضرت سعد کی طرف سے ایثار تھا اور اب ان کی طرف سے مساوات ہوئی اور ایثار، مساوات سے افضل ہے۔

حضرت ابو سلیمان دارانی رحمہ اللہ نے فرمایا اگر تمام دنیا میرے لیے ہو جاتی اور میں اسے اپنے مسلمان بھائی کے منہ میں ڈال دیتا تو میں اسے کم سمجھتا انہوں نے ہی فرمایا کہ میں اپنے کسی اسلامی بھائی کو لقمہ کھلاتا ہوں تو اس کا ذائقہ اپنے حلق میں محسوس کرتا ہوں۔

تو جب فقراء کو صدقہ دینے کی نسبت اپنے دینی بھائیوں پر خرچ کرنا افضل ہے تو حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں اپنے دینی بھائی کو بیس درہم دوں تو یہ مساکین پر ایک سو درہم صدقہ کرنے سے بہتر ہے انہوں نے یہ بھی فرمایا کہ میں ایک صاع کھانا پکا کر اپنے دینی بھائیوں کو دعوت دوں تو میرے نزدیک یہ ایک غلام آزاد کرنے سے زیادہ بہتر ہے۔

اس ایثار کے سلسلے میں یہ سب لوگ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی کرتے ہیں آپ اپنے کچھ صحابہ کرام کے ساتھ جنگل میں تشریف لے گئے اور وہاں سے دو مسواکیں حاصل کیں ان میں سے ایک ٹیڑھی تھی اور دوسری سیدھی، آپ نے سیدھی مسواک اپنے صحابی کو دے دی انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ! اللہ تعالیٰ کی قسم آپ سیدھی مسواک کے زیادہ مستحق ہیں آپ نے فرمایا جب بھی کوئی شخص کسی کی رفاقت اختیار کرتا ہے اگرچہ دن کی ایک ساعت ہو تو قیامت کے دن اس رفاقت کے بارے میں سوال کیا جائے گا کہ آیا اس میں اللہ تعالیٰ کا حق قائم کیا یا اسے ضائع کر دیا (۲)

تو آپ نے اس بات سے اشارتاً بتایا کہ دوسرے کو ترجیح دینا اللہ تعالیٰ کے حق کو قائم کرنا ہے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ایک کنویں کی طرف تشریف لے گئے تاکہ وہاں غسل فرمائیں حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کپڑا لے کر کھڑے ہوئے اور آپ کے لیے پردہ کرنے لگے حتیٰ کہ آپ نے غسل فرمالیا پھر حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ غسل کرنے بیٹھے تو آپ نے کپڑا پکڑ لیا اور لوگوں سے آڑ کرنے لگے تو حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے انکار کر دیا اور عرض کیا میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں یا رسول اللہ! ایسا نہ کیجئے۔ لیکن نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بات ماننے سے انکار کر دیا اور آڑ کئے رہے

---

(۱) صحیح بخاری جلد اول ص ۵۳۴ کتاب المناقب

(۲) الاحادیث الضعیفہ والموضوعۃ جلد اول ص ۱۵۶ حدیث ۱۲۴

حتیٰ کہ انہوں نے غسل کر لیا۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

مَا اصْطَحَبَ اثْنَانِ قَطُّ اِلَّا کَانَ اَحَبُّهُمَا اِلَى اللّٰهِ اَرْفَقَهُمَا۔ (۱)

جب دو آدمی ایک دوسرے کے ساتھی بنتے ہیں تو ان میں سے جو زیادہ نرمی کرنے والا ہوتا ہے وہ اللہ تعالیٰ کو زیادہ پسند ہوتا ہے۔

ایک روایت میں ہے کہ حضرت مالک بن دینار اور حضرت محمد بن واسع رحمہما اللہ حضرت حسن بصری رحمہ اللہ کے گھر گئے اور وہ موجود نہیں تھے حضرت محمد بن واسع نے حضرت حسن بصری کی چارپائی کے نیچے سے ایک ڈبہ نکالا جس میں کھانا تھا پھر کھانا کھانے لگے حضرت مالک نے فرمایا جب تک صاحب خانہ نہ آجائیں اپنے ہاتھ کو روکو لیکن حضرت محمد بن واسع نے ان کی طرف توجہ نہ دی اور کھاتے رہے حضرت مالک ان کی نسبت زیادہ خوش خلق اور خوش مزاج تھے حضرت حسن تشریف لائے تو فرمایا بھائی مالک! اسی طرح ہوتا تھا ہم ایک دوسرے سے تکلف نہیں کرتے تھے یہاں تک کہ آپ اور آپ کے زمانے کے لوگ پیدا ہوئے انہوں نے اس بات کی طرف اشارہ کیا کہ دوستوں کے گھروں میں بے تکلفی اخوت و مودت کے خالص ہونے کی دلیل ہے اور یہ کیسے نہیں ہوگا جب کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

اَوْ صَدِيْقِكُمْ (۲)

اپنے دوست کے گھر سے بے تکلف کھا سکتے ہو۔

اور فرمایا:

اَوْ مَا مَلَكْتُمْ مَّفَاتِحَهٗ (۳)

یا جس کی چابیوں کے تم مالک ہو۔

کیونکہ دستور یہ تھا کہ ایک آدمی اپنے گھر کی چابیاں اپنے دینی بھائی کو دے کر اسے اختیار دے دیتا وہ جس طرح چاہے تصرف کرے لیکن اس کا بھائی تقویٰ کی بنیاد پر کھانے میں حرج سمجھتا یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی اور انہیں اپنے مسلمان دینی بھائیوں اور دوستوں کے کھانے میں بے تکلفی کی اجازت دے دی۔

دوسرا حق:

سوال کرنے سے پہلے اس کی ضروریات اور حاجات کو پورا کرنے میں اس کی جسمانی مدد کرے اور اپنی حاجات سے انہیں مقدم رکھے غمخواری کی طرح اس کے بھی کئی درجات ہیں جن میں سے سب سے کم درجہ یہ ہے کہ سوال کرنے اور

---

(۱) المستدرک للحاکم جلد ۴ ص ۱۷۱ کتاب البر والصلۃ

(۲) قرآن مجید، سورۂ نور آیت ۶۱

(۳) ” ” ” ”

طاقت ہونے کے وقت اس کی حاجت کو پورا کرے اور یہ کام خوشی خوشی کرے اور اس کا احسان مند ہو۔

بعض بزرگوں نے فرمایا کہ جب تم کسی بھائی سے اپنی ضرورت کو پورا کرنے کے لیے کہو اور وہ اسے پورا نہ کرے تو دوبارہ ذکر کرو کیونکہ ہو سکتا ہے وہ بھول گیا ہو اور اگر پھر بھی پورا نہ کرے تو تم اس کا جنازہ پڑھو (یعنی اسے مردہ کی طرح سمجھو) انہوں نے یہ آیت کریمہ پڑھی ۔

وَالْمَوْتٰى يَبْعَثُهُمُ اللّٰهُ ۔(۱) اور مُردوں کو اللہ تعالیٰ زندہ کرے گا۔

حضرت شبرمہ نے اپنے ایک دینی بھائی کی ایک بہت بڑی حاجت کو پورا کیا تو وہ ایک تحفہ لے کر آیا انہوں نے پوچھا یہ کیا ہے؟ اس نے کہا آپ نے جو مجھ سے حسن سلوک کیا ہے (اس کا بدلہ ہے) ۔انہوں نے فرمایا! اللہ تعالیٰ تمہیں معاف کرے اپنا مال لے جاؤ ـــــ جب تم کسی دوست سے حاجت برآری چاہو اور وہ اسے پورا کرنے کی کوشش نہ کرے تو نماز کی طرح کا وضو کرو اور اس پر چار تکبیریں پڑھو اور اسے مُردوں میں شمار کرو۔

حضرت جعفر بن محمد فرماتے ہیں میں اپنے دشمنوں کی حاجات کو پورا کرنے میں جلدی کرتا ہوں کیونکہ مجھے ڈر ہوتا ہے کہ کہیں میرے رد کرنے کی وجہ سے وہ مجھ سے بے نیاز نہ ہو جائیں ۔ یہ تو دشمنوں کے ساتھ معاملہ ہے دوستوں کے ساتھ کیا صورت ہو گی ؟

بزرگوں میں ایسے لوگ بھی تھے جو اپنے دوست کی وفات کے بعد چالیس سال تک ان کے اہل و عیال کی خبر گیری کرتے رہے، وہ ان کی ضرورتوں کو پورا کرنے، روزانہ ان کے پاس جاتے اور اپنے مال سے ان کی پرورش کرتے یوں وہ صرف اپنے باپ کو نہیں دیکھ سکتے تھے بلکہ جو کچھ وہ اس کی زندگی میں نہیں دیکھتے تھے اب وہ چیزیں بھی دیکھتے تھے، اور ایک بزرگ اپنے دینی بھائی کے دروازے پر آتے جاتے اور یوں پوچھتے کیا تمہارے پاس زیتون ہے؟ کیا تمہارے پاس نمک ہے؟ کیا تمہیں کوئی حاجت ہے؟ اور وہ اس طرح ان کی ضرورتوں کو پورا کرتے کہ ان کے اس دینی بھائی کو علم نہ ہوتا ۔اس سے شفقت اور اخوت ظاہر ہوتی ہے ۔

اگر شفقت کا نتیجہ یوں نہ نکلے کہ وہ جس طرح اپنے اوپر شفقت کرتا ہے اپنے دوست پر بھی اسی طرح شفیق ہو تو اس اخوت میں کوئی بھلائی نہیں ۔حضرت میمون بن مہران فرماتے ہیں جس کی دوستی تمہیں نفع نہ دے اس کی دشمنی تمہیں نقصان نہیں پہنچا سکتی۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :

سنو! زمین میں اللہ تعالیٰ کے کچھ برتن ہیں اور وہ دل ہیں اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے زیادہ پسندیدہ وہ دل ہے جو سب سے زیادہ پاک ،زیادہ مضبوط اور زیادہ نرم ہے (۲)، مطلب یہ ہے کہ وہ گناہوں سے پاک ، دین میں زیادہ مضبوط اور بھائیوں پر

---

(۱) قرآن مجید، سورۂ انعام آیت ۳۶ (۲) کنز العمال جلد اول ص ۱۴۱ ۳ حدیث ۱۲۰۷

زیادہ نرم ہیں۔

خلاصہ یہ کہ تمہارے بھائی کی حاجت تمہاری اپنی حاجت کی طرح قرار پائے یا اس سے بھی زیادہ اہم ہو اس کے اوقاتِ حاجت کا خیال رکھو اور اس کے حالات سے غافل نہ ہو جیسے تم اپنی حالت سے غافل نہیں ہوتے اور اسے سوال کرنے اور اظہارِ حاجت کی ضرورت نہ پڑے بلکہ تم اس کی ضرورت اس طرح پوری کرو گویا تمہیں علم ہی نہ ہو کہ تم نے اسے پورا کیا ہے اور اس کے باعث تم اپنے لیے کوئی حق نہ سمجھو بلکہ اس کے احسان مند رہو کہ اس نے تمہاری کوشش کو قبول کیا۔

مناسب نہیں کہ تم صرف اس کی حاجت کو پورا کرنے پر اکتفا کرو بلکہ اپنی طرف سے اس کے اعزاز و اکرام میں اضافہ کرنے کی کوشش کرو اسے اپنے رشتہ داروں اور اولاد پر مقدم رکھو۔

حضرت حسن بصری رحمہ اللہ فرماتے تھے ہمارے دوست ہمیں اپنے اہل و عیال اور اولاد سے بھی زیادہ پسند ہیں کیونکہ ہمارے گھر والے ہمیں دنیا کی یاد دلاتے ہیں اور ہمارے دوست ہمیں آخرت کی یاد دلاتے ہیں۔

حضرت حسن بصری رحمہ اللہ فرماتے ہیں۔

جو شخص کسی کو اللہ تعالیٰ کے لیے اپنا ساتھی بناتا ہے اللہ تعالیٰ قیامت کے دن عرش کے نیچے سے فرشتے مقرر فرمائے گا جو جنت تک اس کی رفاقت کریں گے، ایک روایت میں ہے کہ جو شخص شوق کے ساتھ اپنے دینی بھائی کی ملاقات کرتا ہے تو اس کے پیچھے سے ایک فرشتہ آواز دیتا ہے تو نے اچھا کیا اور تیرے لیے جنت خوب ہوئی (۱)

حضرت عطا فرماتے ہیں تین دن بعد دوستوں کی خبر گیری کرو، اگر وہ بیمار ہوں تو ان کی عیادت کرو، کسی کام میں مشغول ہوں تو ان کی مدد کرو اور اگر وہ بھول گئے ہوں تو انہیں یاد دلاؤ۔

ایک روایت میں ہے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر تھے اور دائیں بائیں دیکھ رہے تھے آپ نے استفسار فرمایا تو انہوں نے عرض کیا میں ایک شخص سے محبت کرتا ہوں اور اسے تلاش کر رہا ہوں لیکن وہ نظر نہیں آتا آپ نے فرمایا جب تم کسی سے محبت کرو تو اس کا نام اور اس کے باپ کا نام پوچھو اور اس کے گھر کا پتہ معلوم کرو، اگر وہ بیمار ہو تو اس کی بیمار پرسی کرو اور اگر وہ کسی کام میں مشغول ہو تو اس کی مدد کرو۔ ایک روایت میں ہے اس کے دادا اور خاندان کے بارے میں پوچھو (۲)

حضرت شعبی فرماتے ہیں ایک آدمی دوسرے آدمی کے پاس بیٹھتا ہے اور کہتا ہے میں اسے چہرے سے جانتا ہوں لیکن مجھے اس کا نام معلوم نہیں تو یہ بیوقوفوں والی شناسائی ہے۔

---

(۱) جامع الترمذی ص ۲۹۳، ابواب البر

(۲) کنز العمال جلد ۹ ص ۶ ۳ حدیث ۲۴۶۰۹

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے پوچھا گیا کہ لوگوں میں سے کون شخص آپ کو زیادہ پسند ہے انہوں نے فرمایا میرا ہمنشین۔ آپ نے فرمایا جو شخص میری مجلس میں تین بار کسی کام کے بغیر آتا ہے تو میں جان لیتا ہوں کہ میں دنیا میں اس کا بدلہ نہیں دے سکتا۔

حضرت سعید بن عاص فرماتے ہیں میرے ہمنشین کے مجھ پر تین حق ہیں جب وہ میرے قریب ہو تو میں اسے خوش آمدید کہوں، جب کوئی بات کرے تو میں قبول کروں اور جب بیٹھے تو میں اسے جگہ دوں۔

ارشاد خداوندی ہے۔

رُحَمَاءُ بَيْنَهُمْ (۱) وہ ایک دوسرے پر رحم دل ہیں

اس آیت میں شفقت واکرام کی طرف اشارہ ہے اور تکمیلِ شفقت یہ ہے کہ اس کے بغیر لذیذ کھانا نہ کھائے کسی خوشی کی جگہ اس کے بغیر نہ جائے بلکہ اس کی جدائی پر پریشانی اور وحشت کا شکار ہو جائے۔

تیسرا حق :

یہ حق زبان سے متعلق ہے کہ بعض اوقات خاموش رہے اور بعض اوقات گفتگو کرے ۔ جہاں تک خاموشی کا تعلق ہے تو اس کی عدم موجودگی میں بھی اور اس کے سامنے بھی اس کے عیب بیان کرنے سے خاموش رہے بلکہ ان سے لاعلمی ظاہر کرے اور وہ جو گفتگو کرتا ہے اس کو رد کرنے سے بھی خاموش رہے نہ اس کی بات کاٹے اور نہ اس سے جھگڑا کرے، اس کے حالات کی ٹوہ لگانے اور ان کے بارے میں پوچھنے سے بھی خاموشی اختیار کرے جب اسے راستے میں یا کسی کام میں دیکھے تو اس کی غرض کے بارے میں خود بخود نہ پوچھے کہ کہاں سے آرہے ہو اور کہاں جا رہے ہو، کیونکہ بعض اوقات اس کے لیے بیان کرنا مشکل ہو جاتا ہے یا وہ جھوٹ بولنے پر مجبور ہو گا اسی طرح اس کے بھید جو اس نے بتائے ہوں، ان کے بیان سے خاموش رہے اور دوسروں کو نہ بتائے حتیٰ کہ اپنے یا اس کے خاص دوستوں کو بھی نہ بتائے بلکہ جب دوستی ختم ہو جائے اور باہم محبت نہ رہے تب بھی بیان نہ کرے کیونکہ یہ باطنی خباثت اور طبعی کمینگی سے ہے۔ اسی طرح اس کے گھر والوں اور اولاد پر طعن کرنے سے بھی خاموشی اختیار کرے اور ایسا واقعہ بھی بیان نہ کرے جس میں اس پر طعن ہوتا ہو کیونکہ جس نے تم تک بات پہنچائی گویا گالی اسی نے دی۔

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کسی کے منہ پر وہ بات نہیں کرتے تھے جو اسے ناپسند ہو۔ (۲)

---

(۱) قرآن مجید، سورۃ الفتح آیت نمبر ۲۹

(۲) سنن ابی داؤد جلد ۲ ص ۳۰۴ کتاب الادب

اور ایذا کا آغاز پہنچانے والے سے ہوتا ہے پھر بات کہنے والے کی طرف سے ، ہاں اس کی جو تعریف سنے اسے چھپانا نہیں چاہیئے کیونکہ خوشی پہلے نقل کرنے والے سے حاصل ہوتی ہے اور پھر تعریف کرنے والے کی جانب سے ، اور اسے چھپانا ایک قسم کا حسد ہے ۔

خلاصہ یہ ہوا کہ ہر اس کلام سے خاموشی اختیار کرے جسے وہ ناپسند کرتا ہے اجمالاً ہو یا تفصیلاً ، ہاں نیکی کا حکم دینے اور برائی سے روکنے کے سلسلے میں جو کچھ بیان کرنا اس پر واجب ہو اور خاموشی کی اجازت نہ ہو تو اس صورت میں اس کے برا ماننے کی پرواہ نہ کرے کیوں کہ حقیقتاً یہ اس پر احسان ہے اگرچہ اس کے خیال میں بظاہر یہ برائی ہے ۔

جہاں تک اس کی اور اس کے گھر والوں کی برائیاں اور عیب بیان کرنے کا تعلق ہے تو یہ غیبت ہے اور یہ ہر مسلمان کے حق میں حرام ہے اور اس سے دو باتیں روکتی ہیں ۔

ایک یہ تم خود اپنے حالات پر غور کرو اگر اس میں کوئی قابلِ مذمت بات پاؤ تو جو کچھ اپنے بھائی میں پاتے ہو اسے اپنے اندر ناگوار نہ جانو اور یوں سمجھو کہ وہ اس ایک بات میں اپنے نفس کو قابو کرنے سے عاجز ہے جس طرح تم اس بات کو دور کرنے سے عاجز ہو جس میں تم اس بات کو دور کرنے سے عاجز ہو جس میں تم مبتلا ہو اور اس ایک بری خصلت کی وجہ سے اسے بھاری نہ جانو کیونکہ ایسا آدمی کہاں ہے جو برائی سے خالی ہو اور حقوق خداوندی کے سلسلے میں جو کام تم خود نہیں کرتے اپنے بھائی سے اس کام کی اپنے حق میں انتظار نہ کرو کیونکہ اللہ تعالیٰ کا جس قدر تم پر حق ہے اس پر تمہارا حق اس سے زیادہ نہیں ہے ۔

اور دوسری بات یہ کہ تم جانتے کہ اگر تم ہر عیب سے پاک آدمی تلاش کرو گے تو خود تمہیں مخلوق سے الگ رہنا پڑے گا اور اپنے لیے کوئی ساتھی بالکل نہیں پاؤ گے ۔ کیونکہ ہر انسان میں خوبیاں بھی ہوتی ہیں اور برائیاں بھی ، جب خوبیاں ، برائیوں پر غالب ہوں تو اس پر اکتفا کریں اور اسے غنیمت جانیں کیونکہ مومن کریم اپنے بھائی کی خوبیوں کو ہمیشہ سامنے رکھتا ہے تاکہ اس کے دل میں اس کا احترام ، عزت اور محبت پیدا ہو ۔ لیکن منافق اور کمینہ آدمی ہمیشہ برائیاں اور عیب تلاش کرتا ہے ۔

حضرت عبد اللہ بن مبارک رحمہ اللہ فرماتے ہیں :

مومن معذرت تلاش کرتا ہے اور منافق لغزشوں کا جویاں ہوتا ، حضرت فضیل رحمہ اللہ فرماتے ہیں " بھائیوں کی لغزشوں کو معاف کرنا جوانمردی ہے ، اسی لیے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ۔

اِسْتَعِيْذُوْا بِاللّٰهِ مِنْ جَارِ السُّوْءِ اِنْ رَاٰى خَيْرًا سَتَرَهٗ وَاِنْ رَاٰى شَرًّا اَظْهَرَهٗ ۔ (۱)

بُرے پڑوسی سے اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگو وہ اچھی بات دیکھے تو اسے چھپاتا ہے اور اگر برائی دیکھے تو اسے ظاہر کرتا ہے ۔

---

(۱) المستدرک للحاکم جلد اول ص ۲۳۲ کتاب الدعا

اور ہر آدمی کی کچھ عادات پر اس کی تحسین کی جا سکتی ہے اور کچھ باتوں پر اس کے برائی بیان کرنا بھی ممکن ہے۔
ایک روایت میں ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں ایک شخص نے کسی دوسرے آدمی کی تعریف کی اور دوسرے دن اس نے اس کی برائی بیان کی تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کل تم نے اس کی تعریف کی اور آج اس کی برائی بیان کر رہے ہو؟
اس نے عرض کیا یا رسول اللہ! اللہ کی قسم! میں نے کل بھی اس کے بارے میں سچ کہا تھا اور آج بھی جھوٹ نہیں بولا، کل اس نے مجھے خوش کیا تو مجھے اس کی جو خوبی معلوم تھی بیان کر دی اور آج اس نے مجھے ناراض کیا تو مجھے اس کی جو برائی معلوم تھی میں نے ظاہر کر دی اس پر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بعض بیان جادو ہوتے ہیں (۱)، گویا آپ نے اسے جادو سے تشبیہ دی اور ناپسند فرمایا اسی لیے ایک دوسری روایت میں آیا ہے۔

اَلْبَذَاءُ وَالْبَیَانُ شُعْبَتَانِ مِنَ النِّفَاقِ (۲) فحش گوئی اور مرصع گفتگو منافقت کے دو شعبے ہیں۔

ایک دوسری روایت میں ہے۔

اِنَّ اللّٰہَ یَکْرَہُ لَکُمُ الْبَیَانَ کُلَّ الْبَیَانِ۔ بے شک اللہ تعالیٰ تمہارے انتہائی درجہ کے بیان کو پسند نہیں کرتا (۳)،

اسی طرح حضرت امام شافعی رحمہ اللہ نے بھی فرمایا وہ فرماتے ہیں کوئی مسلمان ایسا نہیں جو اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرتا ہو اور اس کی نافرمانی نہ کرتا ہو اور کوئی مسلمان ایسا نہیں جو اس کی نافرمانی کرتا ہو لیکن فرمانبرداری نہ کرے۔ پس جس کی اطاعت اس کی نافرمانیوں پر غالب ہو تو یہ عدل ہے تو جب انہوں نے اسے اللہ تعالیٰ کے حق میں عدل ٹھہرایا تو اس سے ظاہر ہوا کہ تمہارا اسے اپنے حق میں اور اقتضائے اخوت کے طور پر عدل ٹھہرانا زیادہ مناسب ہے۔ جس طرح تم پر لازم ہے کہ اس کی برائیوں سے زبان کے ساتھ خاموش رہو دل کے ساتھ سکوت بھی ضروری ہے، مطلب یہ کہ اس کے بارے میں برا گمان بھی نہ کرو کیونکہ بدگمانی دل کے ساتھ غیبت کرنا ہے اور اس سے بھی روکا گیا ہے اور اس کی حد یہ ہے کہ تم اس کے فعل کو فاسد وجہ پر محمول نہ کرو اور جس قدر ممکن ہو اس کی کوئی اچھی وجہ بناؤ۔ لیکن جو بات یقین اور مشاہدہ کے ساتھ ظاہر ہو تو تم اسے بتا ہو سکتے ہو لیکن تم پر لازم ہے کہ اسے بھول پر محمول کرو (مطلب یہ ہے کہ اس نے بھول کر کیا ہوگا) اس گمان کی دو قسمیں ہیں ایک کو تفرس کہتے ہیں یعنی جس کی کوئی علامت

---

(۱) المستدرک للحاکم جلد ۳ ص ۶۱۳ کتاب معرفۃ الصحابہ

(۲) مسند امام احمد بن حنبل جلد ۵ ص ۲۶۹ مرویات ابو امامہ

(۳) گفتگو یا تقریر میں تکلف برتنا اور بتکلف فصاحت کا اظہار کرنا تاکہ دوسروں پر علمی رعب ڈالا جائے اس قسم کا بیان قابلِ مذمت ہے اور اگر کسی شخص کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے اچھی تقریر کا ملکہ حاصل ہو اور اس کی نیت غلط نہ ہو تو ایسا بیان ممنوع نہیں۔

(۱۲ ہزاروی)

ہو کیوں کہ اس سے ایسے گمان کو حرکت ملتی جسے دُور نہیں کیا جا سکتا اور دوسری قسم وہ ہے جس کی بنیاد اس شخص کے بارے میں تمہاری بُری سوچ ہے حتیٰ کہ اس سے کوئی فعل سرزد ہوتا ہے جس کو دو باتوں میں سے ایک پر محمول کیا جا سکتا ہے تو تمہارا برا اعتقاد تمہیں اس بات پر مجبور کرے گا کہ تم اسے نہایت گھٹیا وجہ پر محمول کرو حالانکہ اس پر کوئی خاص علامت نہیں پائی جاتی اور یہ باطنی جرم ہے اور یہ ہر مومن کے حق میں حرام ہے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

إِنَّ اللهَ قَدْ حَرَّمَ عَلَى الْمُؤْمِنِ مِنَ الْمُؤْمِنِ دَمَهُ وَمَالَهُ وَعِرْضَهُ وَأَنْ يَظُنَّ بِهِ ظَنَّ السُّوْءِ (۱)

بے شک اللہ تعالیٰ نے ایک مومن پر دوسرے مومن کا خون مال اور عزت نیز اس کے بارے میں برے گمان کو حرام کیا ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

إِيَّاكُمْ وَالظَّنَّ فَإِنَّ الظَّنَّ أَكْذَبُ الْحَدِيْثِ (۲)

اپنے آپ کو بدگمانی سے بچاؤ بے شک بدگمانی سب سے زیادہ جھوٹی بات ہے۔

بدگمانی، تجسس کی طرف بلاتی ہے اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

لَا تَجَسَّسُوْا وَلَا تَحَسَّسُوْا وَلَا تَقَاطَعُوْا وَلَا تَدَابَرُوْا وَكُوْنُوْا عِبَادَ اللهِ إِخْوَانًا۔ (۳)

ایک دوسرے کی جاسوسی نہ کرو نہ ایک دوسرے سے قطع تعلق کرو اور نہ ہی ایک دوسرے سے پیٹھ پھیرو اے اللہ کے بندو! بھائی بھائی بن جاؤ۔

دوسروں کی خبریں معلوم کرنا تجسس اور آنکھوں سے دوسروں کو جھانکنا "تحسس" کہلاتا ہے پردہ پوشی اور دوسروں کے عیب سے اپنے آپ کو لاعلم اور غافل رکھنا دیندار لوگوں کا شیوہ ہے بُری بات پر پردہ ڈالنے اور اچھی بات کو ظاہر کرنے کے سلسلے میں کمال رتبہ پر تمہارے لیے یہ بات کافی ہے کہ دعا میں ان الفاظ کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی صفت بیان کی جاتی ہے کہا جاتا ہے۔

يَا مَنْ أَظْهَرَ الْجَمِيْلَ وَسَتَرَ الْقَبِيْحَ۔

اے وہ ذات جو اچھی بات کو ظاہر کرتا اور بُری بات پر پردہ ڈالتا ہے۔

---

(۱) التمہید لابن عبد البر جلد ۱۰ ص ۲۳۱

(۲) صحیح بخاری جلد اول ص ۳۸۳ کتاب الوصایا

(۳) صحیح مسلم جلد ۳ ص ۱۳۵ کتاب البر والصلۃ

اور وہ شخص اللہ تعالیٰ کے ہاں پسندیدہ ہوتا ہے جو اللہ تعالیٰ کی صفات سے متصف ہو اور وہ عیبوں پر پردہ ڈالنے والا ہے، گناہوں کو بخشتا ہے، بندوں سے درگزر کرتا ہے تو تم کیسے اس شخص سے درگزر نہیں کرتے جو تمہاری مثل ہے یا تم سے بلند مرتبے والا ہے؟ اور وہ کسی حال میں بھی تمہارا بندہ یا مخلوق نہیں ہے حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اپنے حواریوں (ماننے والوں) سے فرمایا جب تمہارا کوئی ساتھی سویا ہوا ہو اور تم اسے یوں دیکھو کہ ہوا نے اس کا کپڑا ہٹا دیا ہو تو تم کیا کرو گے؟ انہوں نے عرض کیا ہم اسے ڈھانپ دیں گے اور اس پر پردہ ڈالیں گے انہوں نے فرمایا نہیں بلکہ تم اسے ننگا کر دو گے انہوں نے عرض کیا سبحان اللہ! کون ایسا کرے گا؟ آپ نے فرمایا تم میں سے ایک اپنے مسلمان بھائی کے بارے میں کوئی بات سنتا ہے پھر اس میں اضافہ کر کے اسے پھیلاتا ہے تو یہ اس (جسم کو ننگا کرنے) سے بڑا گناہ ہے جان لو کہ آدمی کا ایمان اس وقت تک مکمل نہیں ہوتا جب تک وہ اپنے بھائی کے لیے وہ بات پسند نہ کرے جو اپنے لیے پسند کرتا ہے اور اخوت کا کم از کم درجہ یہ ہے کہ اپنے بھائی سے وہ معاملہ کرے جو اپنے لیے پسند کرتا ہے اور اس میں کوئی شک نہیں کہ وہ اس سے اس بات کی توقع رکھتا ہے کہ وہ اس کی پردہ پوشی کرے اور اس کے گناہوں اور عیبوں پر خاموشی اختیار کرے اور اگر اس (دوست) سے اس کے خلاف بات ظاہر ہو تو اسے اس پر سخت غصہ آتا ہے تو کتنی عجیب بات ہے کہ تو اس سے چشم پوشی کی انتظار کرے اور خود اس سے چشم پوشی نہ کرے اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں ایسے لوگوں کے لیے ویل (خرابی) کا ذکر فرمایا۔

ارشاد خداوندی ہے۔

وَيْلٌ لِّلْمُطَفِّفِيْنَ الَّذِيْنَ اِذَا اكْتَالُوْا عَلَى النَّاسِ يَسْتَوْفُوْنَ وَاِذَا كَالُوْهُمْ اَوْ وَّزَنُوْهُمْ يُخْسِرُوْنَ۔ (۱)

کم تولنے والوں کے لیے خرابی ہے کہ جب وہ لوگوں سے ماپ کریں تو پورا لیں اور جب انہیں ماپ کر یا وزن کر کے دیں تو کم کر کے دیں۔

ہر وہ شخص جو دوسرے سے اس سے زیادہ انصاف چاہے جتنا وہ خود کرتا ہے وہ اس آیت کے تقاضے میں داخل ہے کسی کی پردہ پوشی میں کوتاہی کرنا یا اسے ظاہر کرنے کی کوشش ایک باطنی بیماری کی وجہ سے ہوتا ہے اور وہ کینہ اور حسد ہے کیوں کہ کینہ پرور اور حاسد کا باطن خباثت سے بھرا ہوتا ہے لیکن وہ اسے باطن میں روک کے رکھتا ہے اسے چھپاتا ہے ظاہر نہیں کرتا جب تک اسے موقع نہیں ملتا جب اس طرح کا موقع ملتا ہے تو رابطہ ٹوٹ جاتا ہے، حیا اٹھ جاتا ہے اور اندرونی خباثت باہر ٹپکنے لگتی ہے۔

جب دل میں حسد اور کینہ ہو تو اس صورت میں کسی سے دوستی نہ لگانا زیادہ مناسب ہے۔

---

(۱) قرآن مجید، سورۂ مطففین آیت ۱ تا ۳

کسی دانا نے کہا ہے کہ ظاہری طور پر جھڑک دینا پوشیدہ کینے سے بہتر ہے اور کینہ پرور کی نرمی، وحشت میں اضافہ کا باعث ہے اور جس آدمی کے دل میں کسی مسلمان کے لیے کینہ ہوتا ہے اس کا ایمان کمزور ہوتا ہے اور اس کا معاملہ خطرناک ہوتا ہے۔ اس کا دل خبیث ہے جو اللہ تعالیٰ سے ملاقات کے لائق نہیں ہے۔ حضرت عبدالرحمٰن بن جبیر اپنے والد سے روایت کرتے ہیں وہ فرماتے ہیں میں یمن میں تھا اور میرا ایک یہودی پڑوسی تھا جو تورات کی باتیں مجھے بتایا کرتا تھا وہ یہودی ایک سفر سے واپس آیا تو میں نے کہا اللہ تعالیٰ نے ہم میں ایک نبی بھیجا ہے اس نے ہمیں اسلام کی دعوت دی اور ہم نے اسلام قبول کر لیا ہے اور ہمارے اوپر ایک کتاب اتاری گئی ہے جو تورات کی تصدیق کرتی ہے یہودی نے کہا تم نے سچ کہا لیکن جو کچھ تمہارے نبی لے کر آئے ہیں تم اسے قائم نہیں کر سکتے ہم تورات میں ان کی اور ان کی امت کی تعریف پاتے ہیں جس کے مطابق کسی انسان کے لیے جائز نہیں کہ وہ اپنے دروازے کی چوکھٹ سے یوں نکلے کہ اس کے دل میں کسی مسلمان کے لیے کینہ ہو۔

اور حقوقِ اخوت میں سے یہ بھی ہے کہ اپنے مسلمان بھائی کا وہ راز فاش نہ کرے جو اس کے پاس امانت ہے اور وہ اس (راز) کا انکار بھی کر سکتا ہے اگرچہ یہ جھوٹ ہوگا لیکن ہر مقام پر سچ بولنا واجب نہیں (مقصد یہ کہ کسی اہم دینی مقصد کے تحت کبھی خلافِ واقعہ بات کی جا سکتی ہے) جس طرح مرد کے لیے جائز ہے کہ وہ اپنے ذاتی عیب اور راز چھپائے اگرچہ جھوٹ بھی بولنا پڑے کیونکہ وہ اپنے مسلمان بھائی کے لیے ایسا کر رہا ہے اور وہ بھائی خود اسی کی طرح ہے گویا یہ دونوں یک جان و دو قالب ہیں ان میں کوئی اختلاف نہیں اور یہی حقیقی اخوت ہے اسی طرح وہ اس کے سامنے ریا کار بھی نہیں ہوگا اور نہ ہی اس کا عمل باطن سے نکل کر ظاہری عمل قرار پائے گا کیونکہ اس کے بھائی کا اس کے عمل پر مطلع ہونا خود اس کی اپنی آگاہی کی طرح ہے اس میں کوئی فرق نہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

مَنْ سَتَرَ عَوْرَةَ اَخِيْهِ سَتَرَهُ اللهُ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ (۱)

جو شخص اپنے (مسلمان) بھائی کی پردہ پوشی کرتا ہے اللہ تعالیٰ دنیا اور آخرت میں اس کی پردہ پوشی فرمائے گا۔

ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں۔

فَكَاَنَّمَا اَحْيَا مَوْؤُدَةً۔ (۲)

گویا اس نے کسی زندہ درگور کو زندہ کیا۔

اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشادِ گرامی ہے۔

اِذَا حَدَّثَ الرَّجُلُ بِحَدِيْثٍ ثُمَّ الْتَفَتَ

جب کوئی شخص بات کرے پھر ادھر اُدھر دیکھے تو وہ (بات)

---

(۱) صحیح مسلم جلد ۲ ص ۳۲۰ کتاب البر والصلة

(۲) المستدرک للحاکم جلد ۴ ص ۳۸۴ کتاب الحدود

فَهُوَ اَمَانَۃٌ (۱)

امانت ہے۔

اور آپ نے ارشاد فرمایا۔

اَلْمَجَالِسُ بِالْاَمَانَۃِ اِلَّا ثَلَاثَۃَ مَجَالِسَ مَجْلِسٌ یُسْفَکُ فِیْہِ دَمٌ حَرَامٌ وَمَجْلِسٌ یُسْتَحَلُّ فِیْہِ فَرْجٌ حَرَامٌ وَمَجْلِسٌ یُسْتَحَلُّ فِیْہِ مَالٌ مِنْ غَیْرِ حِلِّہٖ (۲)

مجالس امانت ہیں سوائے تین مجلسوں کے —— ایک وہ جس میں ناحق خون بہایا جائے، دوسری وہ مجلس جس میں حرام شرمگاہ کو حلال ٹھہرایا جائے اور تیسری وہ مجلس جس میں حرام مال کو حلال سمجھا جائے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اِنَّمَا یَتَجَالَسُ الْمُتَجَالِسَانِ بِالْاَمَانَۃِ وَلَا یَحِلُّ لِاَحَدِھِمَا اَنْ یُفْشِیَ عَلٰی صَاحِبِہٖ مَا یَکْرَہُ (۳)

دو آدمی ایک دوسرے کے پاس بطور امانت بیٹھتے ہیں اور ان میں سے کسی کے لیے جائز نہیں کہ وہ دوسرے ساتھی کی اس بات کو ظاہر کرے جسے وہ ناپسند کرتا ہے۔

کسی صاحب ادب سے پوچھا گیا کہ تم راز کیسے چھپاتے ہو اس نے کہا میں اس کی قبر بن جاتا ہوں یہ بھی کہا گیا ہے کہ اچھے لوگوں کے سینے رازوں کی قبریں ہیں یہ بھی کہا گیا کہ بیوقوف کا دل اس کے منہ میں ہوتا ہے اور عقل مند کی زبان اس کے دل میں ہوتی ہے مطلب یہ ہے کہ بیوقوف آدمی دل کی بات چھپا نہیں سکتا وہ اسے اس طرح ظاہر کر دیتا ہے کہ اسے خود بھی پتہ نہیں ہوتا اسی لیے بیوقوں سے الگ رہنا واجب ہے بلکہ ان کو دیکھنے سے بھی بچنا ضروری ہے ایک اور شخص سے پوچھا گیا کہ تم راز کی حفاظت کیسے کرتے ہو اس نے کہا خبر دینے والے سے انکار کرتا ہوں اور پوچھنے والے سے قسم کھاتا ہوں۔ ایک اور نے کہا کہ میں اس سے چھپاتا ہوں اور اس بات کو کہ اس سے چھپا رہا ہوں، اس سے پوشیدہ رکھتا ہوں ابن معتز نے اسے یوں بیان کیا ہے

جس نے مجھ سے راز چھپانے کو کہا تو میں نے اسے سینے میں رکھ دیا اور وہ اس کے لیے قبر بن گیا۔

اور ایک دوسرے شاعر نے اس سے بڑھ کر کہا۔

میرے سینے میں راز قبر کے مردوں کی طرح نہیں ہے کیونکہ میں دیکھتا ہوں کہ اہل قبور اٹھنے کے انتظار میں ہیں لیکن میں اسے یوں بھلا دیتا ہوں گویا میں اس سے ایک ساعت بھی آگاہ نہ تھا۔ اور اگر دل سے بھی راز کو چھپا ممکن ہوتا تو اسے

---

(۱) سنن ابی داؤد جلد ۲ ص ۳۱۲ کتاب الادب

(۲) ایضاً۔

(۳) کتاب الزہد والرقائق ص ۲۴۰، ۲۴۱ حدیث ۶۹۱

بھی اس کا پتہ نہ چلتا۔

ایک شخص نے اپنا راز اپنے ایک (دینی) بھائی کو بتایا پھر کہا کہ تم نے یاد کر لیا؟ اس نے کہا میں نے بھلا دیا۔

حضرت ابوسعید ثوری رحمہ اللہ فرماتے تھے جب تم کسی شخص کو اپنا بھائی بنانا چاہو تو پہلے اسے ناراض کر دو پھر ایک آدمی مقرر کر دو جو اس سے تمہارے بارے میں نیز تمہارے رازوں کے بارے میں سوال کرے اگر وہ اچھی بات کہے اور تمہارے راز کو پوشیدہ رکھے تو اس سے دوستی لگاؤ۔ حضرت ابویزید سے پوچھا گیا کس قسم کے آدمی سے دوستی لگائی جائے انہوں نے فرمایا جو آدمی تمہارے بارے میں وہ بات جانتا ہے جو اللہ تعالیٰ کے علم میں ہے پھر وہ تمہاری پردہ پوشی اسی طرح کرے جس طرح اللہ تعالیٰ پردہ ڈالتا ہے۔

حضرت ذوالنون مصری رحمہ اللہ نے فرمایا اس آدمی سے دوستی لگانے میں کوئی بھلائی نہیں جو تمہیں معصوم (کی طرح) دیکھنا پسند نہیں کرتا اور جو آدمی غصے کے وقت راز فاش کر دے وہ کمینہ ہے کیونکہ حالتِ رضا میں راز کو چھپانا تمام محفوظ طبیعتوں کا تقاضا ہے کسی دانا نے فرمایا۔

ایسے شخص سے دوستی نہ لگاؤ جو چار حالتوں میں بدل جائے غصے اور رضا کے وقت نیز طمع اور خواہش کے وقت، بلکہ وہ اخوت میں سچا ہونا چاہیے اور ان حالات کی تبدیلی میں بھی ثابت قدم رہے اسی لیے کہا گیا ہے۔

تم کریم آدمی کو دیکھو گے کہ جب تم اس سے قطع تعلق کرو تو وہ بری بات کو چھپاتا اور اچھی بات کو ظاہر کرتا ہے اور کمینے آدمی کو دیکھو گے جب وہ دوستی لگاتا ہے تو اچھی بات کو چھپاتا اور بری بات کو ظاہر کرتا ہے۔

حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے اپنے صاحبزادے حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ سے فرمایا میں ایک شخص یعنی حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو دیکھتا ہوں کہ وہ تمہیں بزرگوں پر بھی مقدم کرتے ہیں لہذا مجھ سے پانچ باتیں یاد رکھو۔ (۱) ان کے کسی راز کو افشا نہ کرنا (۲) ان کے سامنے کسی کی غیبت نہ کرنا (۳) ان پر جھوٹ کی جرأت نہ کرنا (۴) ان کی نافرمانی نہ کرنا اور (۵) اور وہ تمہاری کسی خیانت پر مطلع نہ ہوں۔

حضرت شعبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں ان پانچ کلمات میں ہر کلمہ ایک ہزار سے بہتر ہے۔

اخوت کے سلسلے میں زبان کے حقوق سے متعلق یہ بات بھی ہے کہ دوست کی بات نہ کاٹے اور نہ اس کی مزاحمت کرے۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کسی بیوقوف کی بات نہ کاٹو کہ وہ تمہیں اذیت دے گا اور کسی عقل مند کی بات نہ کاٹو کہ وہ تم سے بغض رکھے گا۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

جو شخص ناحق بات پر ہوتے ہوئے جھگڑا چھوڑ دے (بات نہ کاٹے) اس کے لیے جنت کے کنارے میں گھر بنایا جائے گا اور جو حق پر ہوتے ہوئے بات نہ کاٹے اس کے لیے جنت کی بلندی میں گھر بنایا جائے گا۔ (۱)

---

(۱) الترغیب والترہیب جلد اوّل ص ۱۳۱ کتاب العلم۔

حالانکہ باطل پر ہونے کی صورت میں اسے چھوڑنا واجب ہے لیکن اس کے باوجود اسے یہ ثواب ملے گا اور نفل کا ثواب اس سے بھی زیادہ قرار دیا کیونکہ حق بات پر ہونے کی صورت میں خاموش رہنا نفس پر اس خاموشی سے زیادہ بھاری ہوتا ہے جو باطل پر ہونے کی صورت میں اختیار کی جاتی ہے، اور اجر تھکاوٹ کے حساب سے ملتا ہے اور دو بھائیوں کے درمیان کینے اور حسد کی آگ بھڑکنے کا سبب یہی بات کاٹنا اور اعتراض کرنا ہے کیونکہ یہ بعینہ پھرنا اور تعلق قطع کرنا ہے کیونکہ تعلقات کے انقطاع کا آغاز رائے کے مختلف ہونے سے ہوتا ہے پھر اقوال مختلف ہوتے ہیں اور اس سے بدنی انقطاع ہوتا ہے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"ایک دوسرے سے پیٹھ نہ پھیرو، نہ ایک دوسرے سے دشمنی کرو، نہ حسد کرو اور نہ تعلقات توڑو اے اللہ کے بندو! بھائی بھائی بن جاؤ مسلمان، مسلمان کا بھائی ہے نہ اس پر ظلم کرتا ہے نہ اسے محروم کرتا ہے اور نہ اسے رسوا کرتا ہے انسان کے لیے اتنی برائی ہی کافی ہے کہ وہ اپنے مسلمان بھائی کو حقیر سمجھے (۱)

اور سب سے زیادہ حقیر سمجھنا اس کی بات کاٹنا ہے کیونکہ جو شخص دوسرے کی بات کو رد کرتا ہے وہ اسے جاہل اور بیوقوف سمجھتا ہے نیز وہ اسے غفلت اور بات نہ سمجھنے کا شکار قرار دیتا ہے اور یہ تمام باتیں دوسرے کو حقیر سمجھنے اور دل میں اس سے کینہ رکھنے اور وحشت کی علامت ہیں۔

حضرت ابو امامہ باہلی رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے فرماتے ہیں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے پاس تشریف لائے تو ہم ایک دوسرے کی بات رد کر رہے تھے، آپ غصے میں آگئے اور فرمایا "ایک دوسرے کی بات کاٹنا ترک کرو اس میں بہت کم بھلائی ہے ایک دوسرے کی بات کاٹنا چھوڑ دو کیونکہ اس کا نفع کم ہے اور یہ (مسلمان) بھائیوں کے درمیان دشمنی کو ابھارتی ہے (۲)

کسی بزرگ نے فرمایا "جو شخص اپنے (مسلمان) بھائیوں سے لڑتا جھگڑتا اور ان کی بات کو رد کر دیتا ہے اس کی مروت کم ہو جاتی ہے اور اس کی عزت بھی جاتی رہتی ہے۔

حضرت عبداللہ بن حسن رحمہ اللہ نے فرمایا لوگوں کی باتیں کاٹنے سے اپنے آپ کو بچاؤ کیونکہ تم کسی عقل مند کے مکر اور کمینے شخص کے اچانک حملے سے بچ نہیں سکو گے۔

بعض بزرگوں نے فرمایا کہ جو شخص (مسلمان) بھائیوں کی طلب میں کوتاہی کرتا ہے وہ لوگوں میں سے سب سے زیادہ عاجز ہے اور اس سے زیادہ عاجز وہ ہے جو مسلمان بھائی کو حاصل کرنے کے بعد اسے ہاتھ سے ضائع کر دیتا ہے اور دوسرے

---

(۱) صحیح مسلم جلد ۲ ص ۳۱۵ کتاب البر والصلۃ

(۲) مجمع الزوائد جلد اول ص ۱۵۶ کتاب العلم

کی بات کو زیادہ کاٹنا اسے ضائع کرنے اور قطع تعلق کا سبب ہے اور اس سے عداوت پیدا ہوتی ہے۔

حضرت حسن رحمہ اللہ نے فرمایا ایک ہزار آدمی کی دوستی کے بدلے ایک شخص کی دشمنی نہ خریدو۔

نتیجہ یہ ہوا کہ دوسرے کی بات کو رد کرنے کا باعث یہی بات ہے کہ انسان دوسرے کی نسبت اپنے آپ کو زیادہ عقلمند اور صاحب فضیلت ظاہر کرے اور جس کی بات رد کر رہا ہے اسے جاہل ظاہر کرے حقیر جانے اور اس صورت میں تکبر کرنا حقیر جاننا اور جہالت و بیوقوفی کی وجہ سے تکلیف پہنچانا اور گالی گلوچ کرنے جیسی خرابیاں پیدا ہوتی ہیں اور دشمنی کا مطلب بھی یہی ہے۔ تو اس صورت میں دوستی اور اخوت کیسے ہوگی؟ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں آپ نے فرمایا:

لَا تُمَارِ اَخَاكَ وَلَا تُمَازِحْهُ وَلَا تَعِدْهُ مَوْعِدًا فَتُخْلِفَهُ۔ (۱)

اپنے بھائی کی بات کو رد نہ کرو نہ اس سے مذاق کرو اور نہ اس سے ایسا وعدہ کرو جسے تم پورا نہ کرو۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

اِنَّكُمْ لَا تَسَعُوْنَ النَّاسَ بِاَمْوَالِكُمْ وَلٰكِنْ يَسَعُهُمْ مِنْكُمْ بَسْطُ وَجْهٍ وَحُسْنُ الْخُلُقِ۔ (۲)

تمہارے پاس لوگوں کو مال دینے کی گنجائش نہیں لیکن خندہ پیشانی اور اچھے اخلاق کے ساتھ پیش آ سکتے ہو۔

اور ایک دوسرے کی بات کاٹنا اچھے اخلاق کے خلاف ہے اور اسلاف بات کاٹنے کے خوف اور ایک دوسرے کی مدد میں اس حد تک پہنچ چکے تھے کہ وہ بالکل سوال نہیں کرتے تھے، وہ فرماتے تھے جب تم اپنے بھائی سے کہو کہ اٹھ اور وہ پوچھے کدھر؟ تو تم اس کے ساتھی نہ بنو بلکہ وہ کہتے تھے کہ اسے کسی سوال کے بغیر اٹھ جانا چاہیے۔

حضرت ابوسلیمان دارانی فرماتے ہیں عراق میں میرا ایک دوست تھا میں حوادث کے وقت اس کے پاس جاتا اور کہتا کہ اپنے مال میں سے کچھ مجھے دو، تو وہ اپنی تھیلی میری طرف پھینک دیتا اور میں جس قدر چاہتا لے لیتا، ایک دن میں اس کے پاس آیا اور کہا کہ مجھے کسی چیز کی ضرورت ہے اس نے پوچھا کس قدر؟ تو میرے دل سے اس کے بھائی چارے کی حلاوت نکل گئی۔

ایک دوسرے بزرگ فرماتے ہیں جب تم اپنے بھائی سے مال طلب کرو اور وہ پوچھے کہ کیا کرو گے؟ تو اس نے بھائی چارہ کا حق چھوڑ دیا اور جان لو کہ بھائی چارہ اسی صورت میں قائم رہتا ہے جب گفتگو، فعل اور شفقت میں موافقت ہو۔ حضرت ابو عثمان حیری فرماتے ہیں بھائیوں پر شفقت کی نسبت ان کی موافقت بہتر ہے اور بات وہی ہے جو انہوں نے فرمائی ہے۔

چوتھا حق:

---

(۱) جامع الترمذی ص ۲۹۳، ابواب البر والصلۃ

(۲) المستدرک للحاکم جلد اول ص ۱۲۴ کتاب العلم

یہ حق زبان سے گفتگو کے اعتبار سے ہے جس طرح اخوت ناپسندیدہ باتوں سے خاموشی کا تقاضا کرتی ہے اسی طرح یہ محبت بھری گفتگو کا تقاضا بھی کرتی ہے بلکہ یہ بات تو اخوت کے لیے زیادہ ضروری ہے کیونکہ جو آدمی خاموشی پر قناعت کرتا ہے اسے اہل قبور سے دوستی لگانی چاہیے۔

بھائی تو اس لیے بنائے جاتے ہیں کہ ان سے فائدہ حاصل کیا جائے یہ مقصد نہیں کہ ان کی طرف سے پہنچنے والی اذیت سے چھٹکارا پایا جائے۔ اور خاموشی کا مطلب تکلیف دینے سے رکنا ہے لہذا اس پر لازم ہے کہ وہ زبان کے ذریعے اس سے دوستی کا اظہار کرے اور اس سے جن باتوں کے بارے میں پوچھنا ضروری ہے ان کے بارے میں پوچھے، جس طرح کوئی عارضہ پیش آجائے تو اس کے بارے میں سوال کرے اور اس کی وجہ سے اس کے دل کو جو پریشانی ہے اسے ظاہر کرے اس کی خیریت دریافت کئے زیادہ عرصہ گزر گیا ہو تو پوچھے اسی طرح اس کے وہ تمام حالات جنہیں یہ ناپسند کرتا ہو تو اپنی زبان اور عمل سے اس ناپسندیدگی کو ظاہر کرے۔ اور وہ تمام حالات جو اس کی خوشی کا باعث ہوں اپنی زبان سے اس خوشی میں شرکت کو ظاہر کرے کیونکہ اخوت کا مطلب خوشی اور تکلیف دونوں حالتوں میں شریک ہونا ہے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

إِذَا أَحَبَّ أَحَدُكُمْ أَخَاهُ فَلْيُخْبِرْهُ۔ (۱)

جب تم میں سے کوئی اپنے (مسلمان) بھائی سے محبت کرے تو اس کو بتا دے۔

آپ نے خبر دینے کا حکم دیا کیوں کہ یہ محبت میں اضافہ کا باعث ہے اگر اسے معلوم ہو جائے کہ تم اس سے محبت کرتے ہو تو وہ لامحالہ فطری طور پر تم سے محبت کرے گا۔ اور جب تمہیں معلوم ہوگا کہ وہ تم سے محبت کرتا ہے تو لازماً اس سے تمہاری محبت بھی بڑھے گی تو مسلسل دونوں طرف سے محبت بڑھتی رہے گی اور دو مومنوں کے درمیان باہمی محبت مطلوب شریعت اور محبوبِ دین ہے اسی لیے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا طریقہ سکھاتے ہوئے فرمایا۔

تَهَادَوْا تَحَابُّوا (۱)

تحائف کا تبادلہ کیا کرو باہم محبت پیدا ہوگی۔

اور اس کی ایک صورت یہ بھی ہے کہ اس کے سامنے اور پیٹھ پیچھے بھی اسے سب سے اچھے نام سے پکارا کرو۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے فرمایا تین باتیں ایسی ہیں جو تمہارے (مسلمان) بھائی کی محبت کو خالص کر دیں گی جب ملاقات ہو تو سلام کرنے میں پہل کرو، مجلس میں اس کے لیے جگہ بناؤ اور اسے اس کے پسندیدہ نام سے پکارو۔

محبت کے زبانی اظہار کی ایک صورت یہ بھی ہے کہ تمہیں اس کے جو اچھے اوصاف معلوم ہیں ان کے ساتھ اس آدمی

---

(۱) المستدرک للحاکم جلد ۴ ص ۱۷۱ کتاب البر والصلۃ

(۲) السنن الکبریٰ للبیہقی جلد ۶ ص ۱۶۹ کتاب الہبات

کے پاس اپنے دوست کی تعریف کرو جس کے پاس وہ اپنی تعریف کو پسند کرتا ہے، حصولِ محبت کا یہ بہت بڑا اور اہم سبب ہے۔ اسی طرح اس کی اولاد، اہل خانہ اور اس کے کام اور فن بلکہ اس کی عقل، شکل وصورت، کتابت، شعر اور تصنیفات وغیرہ بلکہ ہر اس بات پر اس کی تعریف کرو جس پر وہ خوش ہوتا ہے لیکن اس میں جھوٹ یا حد سے تجاوز نہ ہو۔ البتہ جو قابل تحسین ہو اس کی تحسین ضروری ہے، اور اس سے بھی زیادہ تاکید اس بات کی ہے کہ اگر کوئی شخص اس کی تعریف کرے تو تم اس تک یہ بات پہنچاؤ۔ اور خوشی کا اظہار بھی کرو کیونکہ اسے چھپانا محض حسد ہے۔ محبت کے قولی اظہار کی ایک صورت یہ بھی ہے کہ اس نے تمہارے اوپر جو احسان کیا ہو اس پر اس کا شکریہ ادا کرو بلکہ اس عمل کے مکمل نہ ہونے کی صورت میں اس کی نیت پر شکریہ ادا کرو۔

حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔

جو شخص اپنے بھائی کے حُسن نیت پر اس کی تعریف نہیں کرتا وہ اس کے اچھے سلوک پر بھی اس کی تعریف نہیں کرتا۔

محبت کے حصول میں اس سے زیادہ مؤثر بات یہ ہے کہ جب اس کی عدم موجودگی میں کوئی شخص اس سے برائی کا ارادہ کرے یا صراحتاً اس کی عزت کے در پے ہو تو حقِ اخوت یہ ہے کہ اس کی حمایت اور مدد کے ساتھ اس کی طرف داری کرے اور اس بدگو کو رونے پر مجبور کر دے اور اس سے سخت کلامی کرے اس وقت خاموشی اختیار کرنا دل کے کینے اور نفرت کا باعث ہے اور حقِ اخوت کی ادائیگی میں کوتاہی ہے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دو (مسلمان) بھائیوں کو دو ہاتھوں کے ساتھ تشبیہ دی ہے کہ ان میں سے ایک، دوسرے کو دھوتا ہے (۱) مطلب یہ ہے کہ وہ ایک دوسرے کی مدد کریں اور قائم مقام ہوں۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

اَلْمُسْلِمُ اَخُوالْمُسْلِمِ لَا یَظْلِمُهٗ وَلَا یَخْذُ لُهٗ وَلَا یَثْلِمُهٗ۔ (۲)

مسلمان، مسلمان کا بھائی ہے وہ نہ تو اس پر ظلم کرتا ہے نہ اسے ذلیل ورسوا کرتا ہے نہ اسے نقصان پہنچاتا ہے۔

اور اس کی برائی سننا اسے ذلیل ورسوا کرنا اور دشمن کے حوالے کرنا ہے کیونکہ اس کی عزت کو ٹکڑے ٹکڑے ہونے دینا اس کے گوشت کو ٹکڑے ٹکڑے کرنے کے مترادف ہے اس کو یوں سمجھو کہ کتے تمہیں چیرتے پھاڑتے ہیں اور تمہارے گوشت کو بوٹی بوٹی کر رہے ہیں اور تمہارا بھائی خاموش کھڑا ہے۔ تمہارے دفاع کے لیے غیرت یا شفقت اسے حرکت نہیں دیتی اور گوشت کے ٹکڑے کرنے سے عزت کو تار تار کر دینا نہایت گراں ہوتا ہے اسی لیے اللہ تعالیٰ نے اسے مردار کا گوشت

---

(۱) الفردوس بماثور الخطاب جلد ۳ ص ۱۳۲ حدیث ۴۱۱۶

(۲) صحیح مسلم جلد ۲ ص ۳۱۵ کتاب البر والصلۃ۔

کھانے سے تشبیہ دی ہے۔

ارشاد خداوندی ہے:۔

اَیُحِبُّ اَحَدُکُمۡ اَنۡ یَّاۡکُلَ لَحۡمَ اَخِیۡهِ مَیۡتًا (۱)
کیا تم میں سے کوئی ایک چاہتا ہے کہ وہ اپنے مردہ بھائی کا گوشت کھائے۔

خواب میں رُوحوں کو جو کچھ لوح محفوظ سے نظر آتا ہے تو فرشتہ ان چیزوں کو مثالی شکلوں میں دکھاتا ہے اور وہ غیبت کو مردار کا گوشت کھانے کی شکل میں دکھاتا ہے حتیٰ کہ جو آدمی خواب میں دیکھے کہ وہ مردار کا گوشت کھا رہا ہے تو وہ لوگوں کی غیبت کرے گا کیونکہ وہ فرشتہ اس چیز اور اس کی مثال صورت کے درمیان مشارکت اور مناسبت کا لحاظ رکھتا ہے۔

یعنی وہ مثال رُوح کی طرح جاری ہوتی ہے ظاہری صورت ایسی نہیں ہوتی۔ لہٰذا دشمنوں کی مذمت کرکے اپنے بھائی کی حمایت کرنا عقدِ اخوت میں واجب ہے۔

حضرت مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں اپنے بھائی کی عدم موجودگی میں اسے اس طرح یاد کرو جس طرح تم چاہتے ہو کہ تمہاری عدم موجودگی میں تمہیں یاد کیا جائے اس وقت اس کے بارے میں تمہارے دو معیار ہوں گے ایک یہ کہ فرض کیجئے کہ جو بات اس کے بارے میں کہی گئی ہے اگر وہ تمہارے بارے میں کی جاتی اور تمہارا دوست موجود ہوتا تو تم کیا چاہتے کہ وہ کیا جواب دے؟ تو تم بھی اس پر طعن کرنے والے کو وہی جواب دو۔

اور دوسری بات یہ کہ فرض کرو کہ وہ دیوار کے پیچھے موجود تمہاری بات سن رہا ہے اور اس کا خیال یہ ہے کہ تمہیں اس کی موجودگی کا علم نہیں ہے تو اس وقت جو کچھ تم اس کی مدد میں سنانا یاد کھانا چاہتے ہو اور تمہارے دل میں اس کا خیال پیدا ہوتا ہے تو اس کی عدم موجودگی میں بھی اسی قسم کی بات ہونی چاہیئے۔

بعض حضرات نے فرمایا کہ میرے کسی بھائی کی عدم موجودگی میں اس کا ذکر ہوتا ہے تو میں یہ سمجھتا ہوں کہ وہ وہاں بیٹھا ہوا ہے اور میں وہ باتیں کرتا ہوں کہ اگر وہ حاضر ہوتا اور سنتا تو پسند کرتا۔

ایک دوسرے بزرگ نے فرمایا کہ جب میرے دوست کا ذکر ہوتا ہے تو میں اپنے آپ کو اس کی صورت میں تصور کرتا ہوں اور میں اس کے بارے میں وہ باتیں کہتا ہوں جو اپنے لیے کہلانا پسند کرتا ہوں۔ اور یہی سچے مسلمان کی علامت ہے کہ وہ اپنے بھائی کے لیے وہی بات پسند کرے جو اپنے لیے پسند کرتا ہے۔

حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ نے دو بیل دیکھے جو ایک پنجالی میں جوتے ہوئے تھے ان میں سے ایک کھڑا ہو کر جسم کو کھجلانے لگا تو دوسرا بھی کھڑا ہو گیا، آپ رو پڑے اور فرمایا اللہ تعالیٰ کے لیے دوستی کرنے والے اسی طرح ہوتے ہیں کہ وہ اللہ تعالیٰ

---

(۱) قرآن مجید، سورۂ حجرات ص ۱۲

کے لیے عمل کرتے ہیں جب ان میں سے ایک ٹھہر جاتا ہے تو دوسرا بھی اس کی موافقت کرتا ہے اور موافقت کے ساتھ اخلاص مکمل ہوتا ہے اور جو آدمی بھائی چارے میں مخلص نہ ہو وہ منافق ہے اور اخلاص یہ ہے کہ غیب وشہادت، زبان وقلب، ظاہر و باطن اور خلوت وجلوت ایک جیسے ہوں اور اس سلسلے میں اختلاف دوستی میں بگاڑ پیدا کرتا اور دین میں خلل ڈالتا ہے نیز اہل ایمان کے راستے میں رخنہ اندازی کرتا ہے۔

اور جو آدمی اس بات پر قادر نہ ہو اس کے لیے بھائی چارے اور دوستی کی بجائے تنہائی زیادہ بہتر ہے کیوں کہ دوستی کا حق نبھانا مشکل ہے اس کی طاقت وہی رکھتا ہے جو محقق ہو اور یقیناً اس کا اجر بھی بہت بڑا ہے اور یہ اسے حاصل ہوتا ہے جو اس کے لائق ہو۔

اسی لیے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"اے ابوہریرۃ رضی اللہ عنہ! جو آدمی تمہارا ہمسایہ بنے اس کے ساتھ ہمسائیگی اچھی طرح کرو تم مسلمان ہو گے اور جس کے ساتھ دوستی لگاؤ اس کی دوستی اچھی طرح نبھاؤ مومن ہو گے۔(۱)

تو دیکھو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کس طرح ایمان کو دوستی کی جزا اور اسلام کو ہمسائیگی کی جزا قرار دیا اور ایمان کی فضیلت اور اسلام کی فضیلت کے درمیان فرق اسی قدر ہے جس قدر پڑوسی کے حق کو قائم رکھنے میں مشقت اور صحبت کا حق قائم کرنے میں مشقت کے درمیان فرق ہے۔ کیونکہ دوستی بہت سے حقوق کا تقاضا کرتی ہے جو ایک دوسرے کے قریب، ملے ہوئے اور دائمی ہوتے ہیں جب کہ ہمسائیگی کے لیے صرف حقوقِ قریبہ ہوتے ہیں اور وہ بھی کبھی کبھی، ہمیشہ نہیں۔

تو ان حقوق میں سے اپنے دوست کو تعلیم دینا اور نصیحت کرنا بھی ہے کیونکہ تیرے دوست کو علم کی ضرورت مال کی حاجت سے کم نہیں۔ اگر تمہیں ہر قسم کا علم حاصل ہے تو تمہیں چاہیے کہ دین و دنیا کے حوالے سے جو باتیں اسے فائدہ دیتی ہوں، اسے سکھا دو۔ اگر تم اسے سکھاؤ گے اور اس کی راہنمائی کرو گے اور وہ اس علم کے مطابق عمل نہیں کرے گا تو تم پر لازم ہے کہ اسے نصیحت کرو یعنی اسے اس کام (جو وہ کرتا ہے) کی آفات بتاؤ اور اسے چھوڑنے کے فوائد سے آگاہ کرو اور جو باتیں دنیا اور آخرت میں ناپسندیدہ ہیں ان سے ڈراؤ تاکہ وہ باز آئے۔ اور اسے اس کے عیبوں پر مطلع کرو بری بات کی برائی اور اچھی بات کی اچھائی اس کے سامنے واضح کرو لیکن یہ تمام کام پوشیدگی کے ساتھ ہونا چاہیے تاکہ کسی دوسرے کو اس پر اطلاع نہ ہو۔ کیونکہ جو کچھ لوگوں کے سامنے ہوتا ہے وہ جھڑک اور رسوا کرنے میں شامل ہے اور جو کچھ علیحدگی میں ہوتا ہے وہ شفقت ونصیحت ہے

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اَلْمُؤْمِنُ مِرْاٰۃُ الْمُؤْمِنِ (۲) مومن، مومن کا شیشہ ہے۔

---

(۱) جامع ترمذی ص ۳۳۵ الواب الزھد (۲) سنن ابی داؤد جلد ۲ ص ۳۱۷ کتاب الادب

یعنی اس کے ذریعے وہ باتیں دیکھ لیتا ہے جو خود بخود نہیں دیکھ سکتا یعنی آدمی کو اپنے بھائی کے ذریعے اپنے عیوب کی پہچان حاصل ہوتی ہے اگر تنہا ہوتا تو یہ فائدہ حاصل نہ ہوتا، جیسے شیشے کے ذریعے ظاہری صورت کے عیبوں پر واقفیت حاصل کرتا ہے۔

حضرت امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں جو آدمی اپنے (مسلمان) بھائی کو پوشیدہ طور پر وعظ کرتا ہے وہ اسے نصیحت کرتا اور زینت دیتا ہے اور جو اسے کھلے بندوں وعظ کرتا ہے وہ اسے ذلیل کرتا اور عیب ناک بناتا ہے۔

حضرت مسعر سے پوچھا گیا کہ کیا آپ اس آدمی کو پسند کرتے ہیں جو آپ کو آپ کے عیوب پر مطلع کرے انہوں نے فرمایا اگر وہ تنہائی میں مجھے وعظ کرے تو ٹھیک ہے اور اگر لوگوں کے سامنے مجھے ڈانٹے تو مجھے پسند نہیں انہوں نے سچ کہا کیونکہ لوگوں کی موجودگی میں نصیحت، ذلت و رسوائی ہے اور اللہ تعالیٰ قیامت کے دن مومن کو اپنی پناہ اور پردے کے سائے میں عتاب فرمائے گا۔ اور اسے اس کے گناہوں پر پوشیدہ طور پر مطلع کرے گا۔ اور اس کا نامہ اعمال بند کیا ہوا مہر لگا ہوا ان فرشتوں کے حوالے کیا جائے گا جو اسے جنت کی طرف لے جائیں گے جب وہ جنت کے قریب جائیں گے تو وہ اسے اسی طرح مہر بند دیں گے تاکہ وہ پڑھے۔

اور جو لوگ اللہ تعالیٰ کی ناراضگی کے مستحق ہوں گے انہیں سب کے سامنے بلایا جائے گا اور ان کے اعضاء ان کے گناہوں کے بارے میں بتائیں گے۔ اس طرح اس کی ذلت و رسوائی بڑھ جائے گی۔ اس بڑے دن کی ذلت سے ہم اللہ تعالیٰ کی پناہ چاہتے ہیں۔

لہٰذا جھڑک اور نصیحت کے درمیان فرق پوشیدہ رکھنے اور ظاہر کرنے سے ہوتا ہے جس طرح مدارات اور مداہنت میں فرق اس غرض سے کیا جاتا ہے جو چشم پوشی کا باعث ہے اگر تم اپنے دین کی سلامتی کے لیے چشم پوشی اختیار کرو نیز یہ کہ اس طرح تمہارے بھائی کی اصلاح ہو جائے تو اسے مدارات کہتے ہیں اور اگر اپنے فانی فائدے کے لیے خاموشی اختیار کرو نیز خواہشات کی تکمیل اور جاہ و مرتبے کی سلامتی مقصود ہو تو تم مداہن (منافق) کہلاؤ گے۔

حضرت ذوالنون مصری رحمہ اللہ فرماتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کے ساتھ دوستی موافقت کے ساتھ، مخلوق کے ساتھ دوستی خیر خواہی کے تحت اور نفس کے ساتھ مخالفت کے طریقے پر اور شیطان کے ساتھ تعلق دشمنی کے طور پر ہونا چاہیے۔

اگر تم کہو کہ جب نصیحتوں میں عیبوں کا ذکر ہوگا تو اس سے اس کے دل کو وحشت زدہ کرنا ہوگا تو یہ بات حق اخوت سے کیسے ہوگی۔؟

تو جان لو کہ وحشت اس عیب کے ذکر سے ہوگی جسے تمہارا بھائی اپنے بارے میں جانتا ہے لیکن جس عیب کے بارے میں وہ نہیں جانتا اس سے آگاہ کرنا عین شفقت ہے اور اس کے دل کو اپنی طرف مائل کرنا ہے اور اس سے عقل مند لوگوں

کے دل مراد ہیں جہاں تک بیوقوف لوگوں کا تعلق ہے تو ان کی طرف توجہ نہ کی جائے۔

جو آدمی تمہیں کسی ایسے برے کام سے خبردار کرتا ہے جس کے تم مرتکب ہو یا تمہارے اندر کوئی بری عادت پائی جاتی ہے، تو وہ تمہیں پاک کرنا چاہتا ہے جیسے کوئی شخص تمہیں بتائے کہ تمہارے کپڑے کے نیچے سانپ یا بچھو ہے اور وہ تمہیں ہلاک کرنا چاہتا ہے پس اگر تم اس نصیحت کو برا جانو تو تم سے زیادہ بیوقوف کون ہوگا؟ اور بری صفات سانپ اور بچھو ہیں اور وہ آخرت میں ہلاک کریں گی وہ روح اور دل کو کاٹتی ہیں اور ظاہری جسم کو کاٹنے والی چیزوں کی نسبت ان کے کاٹنے سے زیادہ تکلیف ہوتی ہے اور یہ جلانے والی آگ سے پیدا کی گئی ہیں اسی لیے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ اپنے دوستوں سے عیبوں پر آگاہی کا ہدیہ طلب کرتے تھے اور فرماتے اللہ تعالیٰ اس شخص پر رحم کرے جو اپنے بھائی کو عیبوں کا تحفہ دیتا ہے۔ اور یہی وجہ ہے کہ جب حضرت سلمان رضی اللہ عنہ، حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوئے

تو حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے پوچھا میری کون سی ناپسندیدہ بات آپ تک پہنچی ہے؟

انہوں نے فرمایا مجھے معاف کیجئے (نہ پوچھیں) لیکن جب آپ نے اصرار کیا تو حضرت سلمان نے فرمایا مجھے خبر ملی ہے کہ آپ کے پاس دو لباس ہیں ایک دن کے وقت پہنتے ہیں اور دوسرا رات کو، اور مجھے معلوم ہوا کہ آپ کے ہاں ایک دسترخوان پر دو سالن جمع ہوتے ہیں حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے فرمایا جہاں تک ان دو چیزوں کا تعلق ہے تو یہ میری ضرورت ہے اس کے علاوہ کچھ بتائیں۔ انہوں نے فرمایا اور کچھ نہیں۔

حضرت حذیفہ مرعشی نے، یوسف بن اسباط کو لکھا مجھے یہ بات پہنچی ہے کہ تم نے اپنا دین دو پیسوں کے عوض بیچ دیا ہے، تم دودھ والے کے پاس کھڑے ہوئے اور تم نے پوچھا کہ یہ کتنے کا ہے؟ اس نے کہا درہم کے چھٹے حصے کا تم نے کہا نہیں درہم کے آٹھویں حصے کا، اس نے کہا یہ آپ کا ہوا اور وہ آپ کو جانتا تھا ۔۔۔۔ اپنے سر سے غافلین کی چادر ہٹاؤ، غفلت کی نیند سے جاگو اور جان لو کہ جو شخص قرآن پاک پڑھتا ہے لیکن اس کے سبب سے غنی نہیں ہوتا اور دنیا کو ترجیح دیتا ہے تو مجھے ڈر ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی آیات کے ساتھ مذاق کرنے والوں میں سے نہ ہو۔ اور اللہ تعالیٰ نے جھوٹوں کے بارے میں بتایا کہ وہ اپنے ناصحین سے بغض رکھتے ہیں۔

ارشاد خداوندی ہے:

وَلٰكِنْ لَّا تُحِبُّوْنَ النّٰصِحِيْنَ - (۱) لیکن تم نصیحت کرنے والوں کو پسند نہیں کرتے۔

اور یہ (مذکورہ بالا) صورت اسی عیب میں ہے جس سے وہ غافل ہو۔

اور اگر تمہیں معلوم ہو کہ وہ ذاتی طور پر اپنے عیب سے واقف ہے لیکن وہ طبعی طور پر مجبور ہے تو اگر وہ اپنے جرم کو چھپاتا ہے

---

(۱) قرآن مجید، سورۂ اعراف آیت ۷۹

تو اس کا پردہ فاش کرنا مناسب نہیں اور اگر وہ ظاہر کرتا ہے تو نرمی کے ساتھ نصیحت کی جائے کبھی اشارے کنائے سے اور کبھی صراحتاً کہا جائے لیکن اس قدر کہ اسے وحشت نہ ہو۔ اور اگر تمہیں معلوم ہو کہ اس پر نصیحت اثر نہیں کرتی اور وہ طبعی طور پر اس کام کو جاری رکھنے پر اصرار کرتا ہے تو اس سے خاموشی بہتر ہے۔

یہ تمام باتیں وہ ہیں جو تمہارے (دینی) بھائی کی دینی یا دنیوی اصلاح اور فوائد سے متعلق ہیں۔

لیکن جو کچھ وہ تمہارے حق میں کوتاہی کرتا ہے تو اس کو برداشت کرنا، معاف کرنا اور درگزر کرنا واجب ہے اس سے چشم پوشی کی جائے اور اس سلسلے میں مزاحمت کرنا نصیحت نہیں ہے ہاں اگر صورت حال یہ ہو کہ اس کام کا تسلسل قطع تعلق تک پہنچاتا ہو تو تعلق ختم کرنے کی نسبت علیحدگی میں اسے جھڑکنا بہتر ہے اور اس سلسلے میں صراحتاً کہنے کی بجائے اشاروں کنایوں سے بات کرنا زیادہ مناسب ہے، علاوہ ازیں آمنے سامنے گفتگو کی بجائے تحریر زیادہ بہتر ہے اور برداشت کرنا سب سے بہتر ہے کیونکہ تمہارا مقصد یہ ہونا چاہیے کہ اپنے بھائی کی رعایت کرو اپنی اصلاح کرو اس کے حق کو قائم کرو اور اس کی کوتاہی کو برداشت کرو۔ یہ مقصد نہ ہو کہ اس سے مدد حاصل کرو نیز وہ تم سے نرمی کا برتاؤ کرے۔

حضرت ابوبکر کتانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں ایک شخص میرا ساتھی بن گیا اور میرے دل پر بوجھ تھا ایک دن میں نے اسے کوئی چیز بطور تحفہ دی تاکہ میرے دل کا بوجھ اتر جائے لیکن وہ نہ اترا ایک دن میں نے اس کا ہاتھ پکڑا اور اسے اپنے گھر لے جا کر کہا اپنا پاؤں میرے رخسار پر رکھ دو اس نے انکار کیا میں نے کہا یہ ضروری ہے۔ چنانچہ اس نے رکھ دیا تو وہ بوجھ میرے دل سے اتر گیا۔

حضرت ابوعلی رباطی رحمہ اللہ فرماتے ہیں۔ میں حضرت عبداللہ رازی کا ساتھی بن گیا وہ جنگل میں جاتے تھے انہوں نے کہا امیر تم ہو گے یا میں ؟ میں نے کہا آپ ہوں گے انہوں نے فرمایا پھر تمہیں میرا حکم ماننا پڑے گا میں نے کہا جی ہاں مانوں گا۔ انہوں نے ایک تھیلا لے کر اس میں سامان ڈالا اور اپنی پیٹھ پر اٹھا لیا جب میں کہتا آپ مجھے دیں تو وہ فرماتے کیا تم نے نہیں کہا تھا کہ تم امیر ہو ! لہٰذا تم پر حکم ماننا لازم ہے، رات کے وقت بارش نے ہمیں آلیا تو وہ صبح تک میرے سرہانے کھڑے رہے اور ان پر ایک چادر تھی میں بیٹھا ہوا تھا اور وہ مجھے بارش سے بچا رہے تھے میں دل میں کہتا کاش کہ میں مر جاتا اور یہ نہ کہتا کہ آپ امیر ہیں۔

پانچواں حق :

دوست کی لغزشوں اور خطاؤں کو معاف کر دینا ، دوست کی لغزش یا تو دینی اعتبار سے ہو گی کہ وہ گناہوں کا ارتکاب کرتا ہے یا تمہارے حق میں ہو گی کہ اس نے اخوت میں کوتاہی کی اگر گناہ کے ذریعے اس نے دینی اعتبار سے لغزش کی ہے اور وہ اس پر ڈٹا ہوا ہے تو تم پر لازم ہے کہ اسے نرمی سے سمجھاؤ کہ اس کی کج روی راستی میں بدل جائے اس کے حالات درست ہو جائیں اور وہ دوبارہ اصلاح کی طرف آ جائے اور اگر تمہیں اس کی طاقت نہ ہو اور وہ گناہ پر ڈٹا ہوا ہو تو اس سلسلے میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور تابعین رحمہم اللہ کے راستے مختلف ہیں کہ آیا اس سے دوستی کا حق ہمیشہ نبھایا جائے یا تعلق ختم کر دیا جائے۔

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کا نقطۂ نظر یہ ہے کہ تعلق ختم کر دیا جائے۔ انہوں نے فرمایا جب تمہارا دوست پہلی حالت سے بدل گیا تو تم محبت کی بجائے اس سے بغض رکھو ان کے خیال میں اللہ تعالیٰ کے لیے محبت اور اللہ تعالیٰ کے لیے دشمنی کا تقاضا یہی ہے۔
حضرت ابو درداء اور صحابہ کرام کی ایک جماعت رضی اللہ عنہم نے اس کے خلاف موقف اختیار کیا ہے حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں جب تمہارے دوست کی حالت بدل جائے اور وہ پہلی حالت سے پھر جائے تو اس وجہ سے اسے نہ چھوڑو کیونکہ تمہارا بھائی کبھی ٹیڑھے راستے پر چلے گا تو کبھی سیدھے راستے پر آجائے گا۔
حضرت ابراہیم نخعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں گناہ کی وجہ سے اپنے بھائی سے قطع تعلق نہ کرو اور نہ اسے چھوڑو کیونکہ آج وہ گناہ کرتا ہے تو کل اسے چھوڑ دے گا۔ انہوں نے یہ بھی فرمایا عالم کی لغزش کا کسی سے ذکر نہ کرو کیونکہ عالم لغزش کرتا ہے پھر اسے چھوڑ دیتا ہے۔

حدیث شریف میں ہے:

اِتَّقُوْا زَلَّةَ الْعَالِمِ وَلَا تَقْطَعُوْهُ وَانْتَظِرُوْا فَيْئَتَهٗ (۱)

عالم کی لغزش سے ڈرو اور اس سے تعلقات منقطع نہ کرو بلکہ اس کے رجوع کا انتظار کرو۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی ایک روایت میں ہے آپ نے ایک شخص کو اپنا بھائی بنایا تھا وہ شام کی طرف چلا گیا جب ایک شخص شام سے آیا تو آپ نے اس کے بارے میں پوچھا اور فرمایا میرے بھائی کا کیا حال ہے؟ اس نے کہا وہ تو شیطان کا بھائی ہے آپ نے فرمایا کیوں؟ اس نے کہا اس نے بہت کبیرہ گناہ کئے حتیٰ کہ شراب نوشی میں مبتلا ہو گیا آپ نے فرمایا جب جانے لگو تو مجھے بتانا چنانچہ جب وہ جانے لگا تو آپ نے ایک خط لکھا جس میں آپ نے یوں لکھا۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔

حٰمٓ تَنْزِيْلُ الْكِتٰبِ مِنَ اللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْعَلِيْمِ غَافِرِ الذَّنْۢبِ وَقَابِلِ التَّوْبِ شَدِيْدِ الْعِقَابِ (۲)

یہ غالب جاننے والے اللہ تعالیٰ کی طرف سے اتاری گئی کتاب ہے وہ گناہ بخشنا اور توبہ قبول کرنے والا ہے اور سخت عذاب والا ہے۔

پھر اسے عتاب و ملامت کیا ــــ جب اس نے خط پڑھا تو رو پڑا اور کہا اللہ تعالیٰ نے سچ فرمایا اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے مجھے نصیحت فرمائی چنانچہ اس نے توبہ کی اور رجوع کر لیا۔
واقعہ بیان کیا گیا ہے کہ دو (دینی) بھائی تھے جن میں سے ایک نفسانی خواہش میں مبتلا ہو گیا اس نے دوسرے سے کہا میں قصوروار

---

(۱) الکامل لابن عدی جلد ۶ ص ۲۰۸۱ من اسمہ کثیر

(۲) قرآن مجید، سورۂ غافر آیت ۱

ہوں اگر تم مجھ سے اللہ تعالیٰ کے لیے دوستی نہ کرنا چاہو تو تمہیں اجازت ہے ایسا کرلو اس نے کہا میں تمہاری خطا کی وجہ سے عقد اخوت کو نہیں توڑوں گا پھر اس نے عقد اخوت قائم کرتے ہوئے کہا کہ جب تک اللہ تعالیٰ میرے اس بھائی کو خواہش نفسانی سے نہیں بچائے گا میں کھانا نہیں کھاؤں گا وہ چالیس دن تک اس سے اس کی خواہش کے بارے میں پوچھتا رہا وہ کہتا میرا دل اسی پہلی حالت پر قائم ہے وہ غم اور بھوک سے پگھلتا رہا حتیٰ کہ جب چالیس دن گزرے تو اس کے بھائی کے دل سے وہ خیال چلا گیا رہا اس نے اُسے بتایا تو اس نے کھانا کھایا اور پانی پیا اس وقت وہ کمزوری کی وجہ سے مرنے کے قریب ہو چکا تھا۔ اسی طرح بزرگوں میں سے دو اسلامی بھائیوں کے بارے میں منقول ہے کہ ان میں سے ایک ثابت قدم نہ رہا تو دوسرے سے کہا گیا کیا تم اس سے تعلقات ختم نہیں کرتے اور اسے چھوڑ نہیں دیتے انہوں نے کہا کہ اب تو اسے میری زیادہ ضرورت ہے کہ میں اس کا ہاتھ پکڑ کر اور نہایت نرمی سے عتاب کرتے ہوئے اس کے رجوع کے لیے دعا کروں۔

اسرائیلی روایات میں ہے کہ دو عبادت گزار آدمی ایک پہاڑ میں تھے ان میں سے ایک شہر میں گیا تاکہ ایک درہم کا گوشت خریدے اس نے گوشت والے کے پاس ایک فاحشہ عورت کو دیکھا تو اس پر فریفتہ ہو گیا پھر اسے تنہائی میں لے جا کر ہمبستری کی اور تین دن اس کے پاس ٹھہرا رہا اب وہ شرم کے مارے اپنے (دینی) بھائی کے پاس جانے سے ہچکچانے لگا اس کے بھائی نے اسے نہ پایا تو پریشان ہوا اور شہر میں جا کر تلاش کرنے لگا لوگوں سے پوچھتا رہا حتیٰ کہ اسے معلوم ہو گیا وہ اندر داخل ہوا تو وہ اس عورت کے پاس بیٹھا ہوا تھا اس نے اسے گلے لگایا اور اسے بوسہ دیتا اور اپنے ساتھ چمٹاتا رہا لیکن دوسرے نے حیا کی وجہ سے اسے پہچاننے سے انکار کر دیا اس نے کہا بھائی! اٹھو مجھے تمہارے تمام واقعہ کا علم ہو چکا ہے میرے نزدیک تو اس وقت جس قدر معزز اور محبوب ہے اس سے پہلے نہ تھا اس نے جب دیکھا کہ وہ اس کی نظروں سے نہیں گرا تو اٹھ کھڑا ہوا اور اس کے ساتھ چلا گیا۔ تو ایک جماعت کا طریقہ یہ تھا اور یہ طریقہ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کے طریقے سے زیادہ لطیف اور قیاس کے مطابق ہے اور آپ کا طریقہ زیادہ محفوظ ہے۔

اگر تم کہو کہ تم نے اس طریقے کو زیادہ لطیف اور قیاس کے مطابق کیسے کہہ دیا۔ حالانکہ اس قسم کا گناہ کرنے والے کو شروع سے بھائی بنانا جائز نہیں اس لیے اب اس سے انقطاع کرنا واجب ہے، کیونکہ کوئی حکم جب کسی علت سے ثابت ہو تو قیاس یہ ہے کہ اس علت کے زائل ہونے سے وہ حکم بھی زائل ہو جاتا ہے۔ اور اخوت کی علت دین میں تعاون ہے اور ارتکاب گناہ کے ساتھ یہ علت قائم نہیں رہ سکتی؛

تو (جواباً) میں کہتا ہوں کہ یہ طریقہ زیادہ لطیف اس لیے ہے کہ اس میں نرمی اختیار کی جاتی ہے اور ایسا شفقت بھرا سلوک ہوتا ہے جو رجوع اور توبہ تک پہنچاتا ہے کیوں کہ صحبت باقی رہے گی تو حیا بھی باقی ہو گا اور جب دوستی کی طمع باقی نہیں رہے گی تو وہ گناہ پر ڈٹ جائے گا اور برقرار رہے گا۔

اور جہاں تک اس کے قیاس کے مطابق ہونے کا تعلق ہے تو اس کی وجہ یہ ہے کہ اخوت ایسا عقد ہے جو قرابت

کے قائم مقام ہے جب اس کا انعقاد ہوتا ہے تو حق پکا ہو جاتا ہے اور اس کو پورا کرنا واجب ہوتا ہے اب اس کے پکا ہو جانے اور اس کو پورا کرنے کا تقاضا یہ ہے کہ دوست کو ضرورت اور محتاجی کے دنوں میں نہ چھوڑا جائے اور دین کی محتاجی، مال کی محتاجی سے زیادہ سخت ہے اور ارتکاب گناہ کی وجہ سے وہ آفت میں مبتلا ہوا اور زخمی ہو چکا ہے جس کی وجہ سے وہ دینی اعتبار سے محتاج ہے لہٰذا اس کا خیال رکھنا اور اسے چھوڑ نہ دینا ضروری ہے بلکہ اس سے مسلسل مہربانی کا سلوک کیا جائے تاکہ وہ جس حادثے میں پھنسا ہوا ہے اس سے چھٹکارا حاصل کرنے پر اسے مدد ملے۔

دوستی، زمانے کے حادثات اور مصائب کے موقعہ پر کام آنے کے لیے ہی ہوتی ہے اور یہ تو سب سے سخت مصیبت ہے۔ اور فاجر آدمی جب کسی متقی کا ساتھی بنتا ہے تو وہ اس کے خوف اور ہمیشہ ساتھ رہنے کی وجہ سے گناہ پر اصرار سے حیا کرتے ہوئے اس کے قریب ہو جاتا ہے بلکہ سست آدمی جب کام کے حریص کی صحبت اختیار کرتا ہے تو اس سے حیا کرتے ہوئے خود بھی کام کی حرص کرتا ہے۔

حضرت جعفر بن سلیمان فرماتے ہیں جب میں کام میں سُستی کرنے لگتا ہوں تو حضرت محمد بن واسع کی طرف دیکھتا ہوں اور عبادت کی طرف متوجہ ہو جاتا ہوں اس طرح مجھے عبادت میں تازگی اور سرور حاصل ہو جاتا ہے اور سُستی دُور ہو جاتی ہے اور ہفتہ بھر چست رہتا ہوں اور یہ تحقیق ہے مطلب یہ کہ دوستی بھی نسبی رشتہ کی طرح ایک رشتہ ہے اور کسی قریبی رشتہ دار کو اس کے گناہ کی وجہ سے چھوڑا نہیں جاتا۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے فرمایا۔

فَإِنْ عَصَوْكَ فَقُلْ إِنِّي بَرِيءٌ مِّمَّا تَعْمَلُونَ (۱) — پس اگر وہ آپ کی نافرمانی کریں تو فرما دیجئے میں تمہارے اعمال سے بری الذمہ ہوں۔

یہ نہیں فرمایا کہ میں تم سے بیزار ہوں کیونکہ آپ نے حق قرابت اور سلسلۂ نسب کا لحاظ رکھا حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ نے اسی بات کی طرف اشارہ کیا ہے جب ان سے پوچھا گیا کہ کیا آپ اپنے فلاں بھائی سے نفرت نہیں کرتے حالانکہ اس نے فلاں کام کیا ہے؟ انہوں نے فرمایا میں اس کے کام سے نفرت کرتا ہوں ورنہ وہ میرا بھائی ہے اور دینی اخوت، نسبی اخوت سے زیادہ تاکید والی ہے یہی وجہ ہے کہ جب کسی حکیم سے سوال کیا گیا کہ تمہارے بھائی اور دوست میں سے کون تمہیں زیادہ محبوب ہے؟ اس نے کہا میں اپنے بھائی سے محبت کرتا ہوں جب وہ میرا دوست ہو۔

حضرت حسن بصری رحمہ اللہ فرماتے تھے تمہارے کتنے ہی بھائی ایسے ہیں جنہیں تمہاری ماں نے نہیں جنا۔ اسی لیے کہا گیا ہے کہ قرابت، دوستی کی محتاج ہے، دوستی قرابت کی محتاج نہیں۔

حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ نے فرمایا ایک دن کی دوستی صلہ ہے ایک مہینے کی دوستی قرابت اور ایک سال کی دوستی،

---

(۱) قرآن مجید، سورۃ الشعراء آیت ۲۱۶

قریب کی قرابت ہے جو اسے توڑے گا اللہ تعالیٰ اسے توڑے گا۔

لہٰذا جب بھائی چارہ قائم کیا گیا ہو تو اسے پورا کرنا واجب ہے، ابتداءً فاسق کے ساتھ عقدِ مواخات قائم کرنے کے سلسلے میں ہمارا یہ جواب ہے کیونکہ اس کے لیے پہلے سے کوئی حق موجود نہیں اور اگر پہلے سے حقِ قرابت ہو تو اسے قطع کرنا قطعاً مناسب نہیں بلکہ اچھی طرح پیش آنا چاہیے اور اس کی دلیل یہ ہے کہ ابتداءً بھائی چارہ اور صحبت چھوڑ دینا نہ تو مکروہ ہے اور نہ ہی مذموم، بلکہ کہنے والوں نے یوں کہا کہ تنہائی بہتر ہے لیکن ہمیشہ کے لیے اخوت کو قطع کرنا ممنوع اور ذاتی طور پر مذموم ہے اور ابتدائی طور پر اسے ترک کرنے کی طرف نسبت اسی طرح ہے جس طرح طلاق کو ترکِ نکاح سے نسبت ہے اور ترک نکاح کے مقابلے طلاق اللہ تعالیٰ کے ہاں نہایت ناپسندیدہ ہے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

شِرَارُ عِبَادِ اللّٰهِ الْمَشَّاءُوْنَ بِالنَّمِيْمَةِ الْمُفَرِّقُوْنَ بَيْنَ الْاَحِبَّةِ (۱)

اللہ تعالیٰ کے بندوں میں سے برے بندے وہ ہیں جو چغلی کھاتے ہیں اور دوستوں کے درمیان تفریق ڈالتے ہیں۔

بعض اسلاف نے دوستوں کی لغزشوں پر پردہ ڈالنے کے بارے میں یوں فرمایا کہ شیطان چاہتا ہے کہ وہ تمہارے بھائی سے اس قسم کی حرکت کروائے تاکہ تم اسے چھوڑ دو اور اس سے قطع تعلق کرو، تو تم نے اپنے دشمن کی پسندیدہ بات سے کیا باقی چھوڑا، اس لیے کہ دوستوں کے درمیان تفریق شیطان کو پسند ہے جیسے ارتکابِ گناہ اسے پسند ہے تو جب شیطان کو ایک مقصد حاصل ہو گیا تو اسے دوسرا مقصد نہیں ملنا چاہیے۔

جب ایک شخص نے گناہ کیا اور دوسرے نے اسے گالی دی تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا رُک جاؤ، اور آپ نے اسے جھڑک دیا تو اس میں آپ نے اسی بات کی طرف اشارہ فرمایا تھا۔

اور آپ نے ارشاد فرمایا:

لَا تَكُوْنُوْا عَوْنًا لِلشَّيْطَانِ عَلٰى اَخِيْكُمْ ۔ (۲)

اپنے بھائی کے خلاف شیطان کے مددگار نہ ہو۔

تو اس تمام گفتگو سے ابتدائے اخوت اور اسے برقرار رکھنے میں فرق واضح ہو گیا کیونکہ فاسق لوگوں سے میل جول ممنوع ہے اور دوست و احباب سے علیحدگی اختیار کرنا بھی منع ہے اور جہاں دو صورتیں ٹکراتی نہ ہوں وہ تعارض والی صورت سے بہتر ہے اور ابتدا میں وہ دوسری صورت سے جو اس کے معارض ہے، محفوظ ہے (کیونکہ وہاں ایک ہی صورت ہے یعنی دوستی نہ لگانا) لہٰذا ہمارے خیال میں (شروع میں) دوستی نہ لگانا اور دُور رہنا ہی بہتر ہے اور دوستی لگانے کے بعد اسے باقی رکھنے کے سلسلے میں دو صورتیں

---

(۱) مسند امام احمد بن حنبل جلد ۴ ص ۲۲۷ مرویات عبدالرحمٰن بن غنم

(۲) صحیح بخاری جلد ۲ ص ۱۰۰۲ کتاب الحدود

باہم مقابل ہیں تو اب حقِ اخوت کو باقی رکھنا زیادہ بہتر ہے اور یہ سب کچھ اس وقت ہے جب اس میں دینی اعتبار سے لغزش پائی جائے۔

اور وہ خطائیں جو خاص دوست کے حق میں ہوں اور باعثِ نفرت ہوں تو اس میں کوئی اختلاف نہیں کہ معاف کر دینا اور برداشت کرنا اولیٰ ہے بلکہ اس کی کوئی اچھی توجیہ ہو سکے اور قریب یا بعید کا عذر متصور ہو سکے تو حقِ اخوت کے تقاضے کے مطابق اس پر محمول کرنا واجب ہے۔

کہا گیا ہے کہ اپنے بھائی کی لغزش کے ستر عذر تلاش کرو پھر بھی دل نہ مانے تو اپنے نفس کو ملامت کرو اور اپنے دل سے کہو کہ تم کس قدر سخت ہو تمہارے بھائی نے ستر عذر پیش کئے اور تم قبول نہیں کرتے لہٰذا عیب تمہارے اندر ہے تمہارے بھائی میں نہیں۔ اور اگر کسی طرح اس کی کوئی اچھی وجہ قبول نہ ہو تو اگر ممکن ہو تو اس پر غصہ نہ کرو لیکن یہ ممکن نہیں حضرت امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں۔

جس کے سامنے غصے کی بات ہو اور اسے غصہ نہ آئے تو وہ گدھا ہے اور جسے راضی کیا جائے اور وہ راضی نہ ہو وہ شیطان ہے لہٰذا نہ تو تم گدھے بنو اور نہ ہی شیطان، اور اپنے بھائی کے نائب بن کر اپنے دل کو راضی کرو عدمِ قبولیت کی وجہ سے شیطان بننے سے بچو۔

حضرت احنف فرماتے ہیں۔

دوست کا حق ہے کہ اس سے تین باتیں برداشت کرو۔

(۱) غصہ کا ظلم (۲) ناز نخرے کا ظلم (۳) لغزش کا ظلم

ایک دوسرے بزرگ نے فرمایا کہ میں نے کبھی کسی کو گالی نہیں دی کیونکہ اگر کسی معزز آدمی نے مجھے برا بھلا کہا تو مجھے زیادہ حق پہنچتا ہے کہ اسے معاف کر دوں اور اگر کوئی کمینہ گالی دے تو میں اپنی عزت کو اس کا نشانہ بنانا نہیں چاہتا پھر انہوں نے شعر پڑھا۔

معزز آدمی کی خطا معاف کرتا ہوں تاکہ اجر ملے اور کمینوں کی غلطی سے اپنی عزت بچانے کے لیے درگزر کرتا ہوں۔

اور یہ بھی کہا گیا ہے۔

اپنے دوست کی اچھی باتوں کو قبول کرو اور اس میں جو گندگی ہے اسے چھوڑ دو کیونکہ زندگی اس قدر نہیں ہے کہ دوستوں کو دوسری باتوں پر ملامت کرتے رہو تمہارا دوست سچا ہو یا جھوٹا جب عذر پیش کرے تو معاف کر دو کیوں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

مَنِ اعْتَذَرَ اِلَيْهِ اَخُوْهُ فَلَمْ يَقْبَلْ عُذْرَهُ فَعَلَيْهِ مِثْلُ اِثْمِ صَاحِبِ الْمَكْسِ۔ (۱)	جس شخص کا (مسلمان) بھائی اس کے سامنے عذر پیش کرے اور وہ اسکے عذر کو قبول نہ کرے اس ٹیکس لینے والے کی طرح گناہ ہو گا۔

(۱) سنن ابن ماجہ ص ۲۷۲ ابواب الادب

اور آپ نے ارشاد فرمایا:

اَلْمُؤْمِنُ سَرِيْعُ الْغَضَبِ سَرِيْعُ الرِّضَا۔ (۱) مومن کو جلدی غصہ آتا ہے اور وہ جلد ہی راضی ہو جاتا ہے۔

تو یہ نہیں فرمایا کہ اسے غصہ آتا ہی نہیں اسی طرح اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا۔

وَالْكَاظِمِيْنَ الْغَيْظَ ۔ (۲) اور وہ لوگ جو غصے کو پی جاتے ہیں۔

یہ نہیں فرمایا کہ وہ لوگ جنہیں غصہ بالکل نہیں آتا۔ اس لیے کہ عادت یہ نہیں کہ انسانی زخمی ہو اور درد نہ ہو بلکہ عادت یہ ہے کہ وہ اس پر صبر کرے اور برداشت کرے تو جس طرح زخم کی وجہ سے درد کا پایا جانا بدن کا طبعی تقاضا ہے اسی طرح غضب کے اسباب پر دُکھ محسوس کرنا قلبی طبیعت کا تقاضا ہے اور اسے نکال باہر کرنا ممکن نہیں البتہ اسے ضبط کرنا اور اس کے خلاف عمل کرنا ممکن ہے کیونکہ غصّہ کا تقاضا دوسرے سے بدلہ اور انتقام لینا ہے اور اس تقاضا کے خلاف عمل کرنا ممکن ہے کسی شاعر نے کہا ہے۔

تو اپنے بھائی سے آگے نہیں بڑھ سکتا تو اسے اس کے فسادِ حال پر ملامت نہ کر ورنہ کامل مہذب آدمی تجھے کہاں ملے گا۔

حضرت ابو سلیمان دارانی نے حضرت احمد بن ابی الحواری سے فرمایا جب تم اس زمانے میں کسی سے بھائی چارہ قائم کرو تو جو بات تمہیں ناپسند ہو اس پر اسے مت جھڑکو کیونکہ اس بات سے بے خوف نہیں ہو سکتے کہ اس کے جواب میں پہلی بات سے بھی بری بات سنو۔ وہ فرماتے ہیں میں نے اس کا تجربہ کیا تو اسے اسی طرح پایا۔

ان میں سے بعض نے کہا کہ دوست کی غلطی پر صبر کرنا اسے عتاب کرنے سے بہتر ہے اور عتاب کرنا تعلق ختم کرنے سے بہتر ہے اور تعلق منقطع کرنا اس کی غیبت کرنے سے بہتر ہے اور چاہیے کہ غیبت کرتے وقت بغض میں حد سے نہ بڑھے۔

ارشاد خداوندی ہے۔

عَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّجْعَلَ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَ الَّذِيْنَ عَادَيْتُمْ مِّنْهُمْ مَّوَدَّةً ۔ (۳) قریب ہے کہ اللہ تعالیٰ تمہارے اور ان لوگوں کے درمیان جو تم سے دشمنی رکھتے ہیں، دوستی پیدا کر دے۔

اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اپنے دوست سے عام طریقے کے مطابق دوستی کرو ممکن ہے کسی دن وہ تمہارا دشمن ہو جائے اور اپنے دشمن سے دشمنی بھی متوسط طریقے پر کرو ہو سکتا ہے کسی دن وہ تمہارا دوست بن جائے۔ (۴)

---

(۱) مسند امام احمد بن حنبل جلد ۳ ص ۱۹ مرویات ابو سعید خدری

(۲) قرآن مجید، سورۂ آل عمران آیت ۱۳۴

(۳) قرآن مجید، سورۂ ممتحنۃ آیت ۷ (۴) کنز العمال جلد ۹ ص ۴۲ حدیث ۲۴۷۴۲

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے فرمایا تمہاری دوستی تکلف اور دشمنی ضائع کرنے والی نہ ہو مطلب یہ کہ تم خود بھی ہلاک، اور دوست بھی ضائع کردو۔

چھٹا حق :

اپنے دوست کی زندگی میں بھی اور اس کے فوت ہونے کے بعد بھی اس کے لیے دعا مانگنا اور ہر ایسی بات چاہنا جسے وہ اپنے اور اپنے گھر والوں کے لیے پسند کرتا ہے بلکہ اپنے ہر متعلق کے بارے میں چاہتا ہو کیونکہ اس کے حق میں دعا مانگنا درحقیقت اپنے لیے دعا مانگنا ہے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اِذَا دَعَا الرَّجُلُ لِاَخِیْہِ فِیْ ظَھْرِ الْغَیْبِ قَالَ الْمَلَکُ وَلَکَ مِثْلُ ذٰلِکَ۔ (۱)

جب کوئی شخص اپنے دوست کی عدم موجودگی میں اس کے لیے دعا مانگتا ہے تو فرشتہ کہتا ہے اور تیرے لیے بھی اس کی مثل ہو۔

ایک دوسری روایت میں یوں ہے۔

یَقُوْلُ اللہُ تَعَالٰی بِکَ اَبْدَاُ یَا عَبْدِیْ۔ (۲)

اے میرے بندے! میں تجھ سے شروع کروں گا۔

ایک دوسری حدیث میں ہے۔

یُسْتَجَابُ لِلرَّجُلِ فِیْ اَخِیْہِ مَا لَا یُسْتَجَابُ لَہٗ فِیْ نَفْسِہٖ۔ (۳)

آدمی کی دعا اس کے بھائی کے حق میں جس طرح قبول ہوتی ہے خود اس کے حق میں نہیں ہوتی۔

ایک اور حدیث شریف میں ہے۔

دَعْوَۃُ الرَّجُلِ لِاَخِیْہِ فِیْ ظَھْرِ الْغَیْبِ لَا تُرَدُّ (۴)

کسی آدمی کی اپنے بھائی کی عدم موجودگی میں اس کے لیے دعا رد نہیں ہوتی۔

حضرت ابو الدرداء رضی اللہ عنہ فرماتے تھے کہ میں اپنے ستر (مسلمان) بھائیوں کے لیے ان کے نام لے کر سجدے میں دعا کرتا ہوں۔

حضرت محمد بن یوسف اصفہانی فرماتے تھے نیک دوست جیسا آدمی کہاں ہے؟ تمہارے گھر والے (تمہارے مرنے کے بعد)

---

(۱) سنن ابی داؤد جلد اول ص ۲۱۴ کتاب الصلوٰۃ (۲)

(۳) سنن ابی داؤد جلد اول ص ۲۱۴ کتاب الصلوٰۃ۔

(۴) کنز العمال جلد ۲ ص ۹۸ حدیث ۳۳۱۶

تمہاری میراث تقسیم کرنے میں مصروف ہوتے ہیں اور جو کچھ تم نے چھوڑا اس سے لطف اندوز ہوتے ہیں اور وہ تنہا تمہارا غم کرے اور تمہارے گذشتہ اعمال اور تمہاری عاقبت کے بارے میں فکر کرے وہ رات کے اندھیرے میں تمہارے لیے دعا کرتا ہے جب کہ تم مٹی کے ڈھیر کے نیچے ہوتے ہو اور نیک دوست فرشتوں کے طریقے پر چلتا ہے۔

کیونکہ حدیث شریف میں ہے۔

إِذَا مَاتَ الْعَبْدُ قَالَ النَّاسُ مَا خَلَّفَ وَقَالَتِ الْمَلَائِكَةُ مَا قَدَّمَ (۱)

جب بندہ مر جاتا ہے تو لوگ کہتے ہیں کیا چھوڑ کر گیا اور فرشتے کہتے ہیں اس نے آگے کیا بھیجا۔

اس نے جو کچھ آگے بھیجا وہ اس پر خوش ہوتے ہیں اس کے بارے میں پوچھتے ہیں اور اس کے بارے میں فکر مند ہوتے ہیں کہا جاتا ہے کہ جو شخص اپنے دوست کی موت کا سن کر اس کے لیے رحمت اور بخشش کی دعا مانگے اسے اس کے جنازے میں شرکت اور نماز جنازہ پڑھنے کا ثواب ملتا ہے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے آپ نے فرمایا:

قبر میں میت کی مثال ڈوبنے والے شخص کی طرح ہے وہ اپنی اولاد یا والد یا بھائی یا قریبی رشتہ دار کی طرف سے دعا کا منتظر ہوتا ہے اور مرنے والوں کی قبروں میں زندوں کی دعائیں پہاڑوں جیسے انوار کی شکل میں داخل ہوتی ہیں۔ (۲)

کسی بزرگ نے فرمایا کہ فوت شدہ لوگوں کے لیے دعا زندہ لوگوں کے لیے تحفوں کی طرح ہے فرشتہ میت کے پاس اس طرح جاتا ہے کہ اس کے پاس نور کا ایک تھال ہوتا ہے جس پر نور کا ایک رومال ہوتا ہے اور وہ کہتا ہے کہ یہ تیرے فلاں دوست کی طرف سے تیرے لیے ہدیہ ہے یا تیرے فلاں رشتہ دار کی طرف سے ہے، وہ فرماتے ہیں کہ اس پر میت خوش ہو جاتی ہے جس طرح زندہ آدمی تحفہ ملنے پر خوش ہوتا ہے۔

ساتواں حق:

وفاداری اور خلوص کے ساتھ پیش آنا، وفاداری کا مطلب یہ ہے کہ اس کی محبت پر ثابت قدم رہے اور اس کے مرنے تک اسے برقرار رکھے اور جب وہ مر جائے تو اس کی اولاد اور دوستوں سے دوستی رکھے کیونکہ محبت سے اُخروی فائدہ مقصود ہوتا ہے اگر وہ مرنے سے پہلے ختم ہو جائے تو عمل اور کوشش ضائع ہو جاتی ہے اسی لیے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب ان سات قسم کے لوگوں کا ذکر کیا جنہیں قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اپنے عرش کا سایہ عطا فرمائے گا تو فرمایا "دو آدمی جو اللہ تعالیٰ کے لیے ایک دوسرے سے محبت کرتے ہیں اسی پر اکٹھے ہوتے ہیں اور اسی پر الگ ہوتے ہیں (۳)

---

(۱) شعب الایمان جلد ۷ ص ۳۲۸ حدیث ۱۰۴۷۵

(۲)

(۳) شرح السنۃ جلد ۳ ص ۳۸ حدیث ۳۴۶۳

بعض حضرات نے فرمایا کسی کے مرنے کے بعد اس سے تھوڑی سی وفا اس کی زندگی میں زیادہ وفا سے بہتر ہے۔
اسی لیے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے کہ آپ کے پاس ایک بوڑھی خاتون آئیں تو آپ نے اس کی عزت افزائی فرمائی اس سلسلے میں آپ سے پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا یہ خاتون حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے زمانے میں ہمارے پاس آیا کرتی تھی اور گذشتہ بات کو یاد رکھنا دین سے ہے (۱)
اپنے دوست سے وفا کرنے کی ایک صورت یہ بھی ہے کہ اس کے تمام دوستوں، رشتہ داروں اور متعلقین کا خیال رکھا جائے۔ ان کی رعایت کا اثر دوست کے دل میں اس کی اپنی رعایت سے زیادہ مؤثر ہوتا ہے اور وہ اپنے متعلقین کی یادگیری سے زیادہ خوش ہوتا ہے اور شفقت اور محبت کی قوت ایسی قوت معلوم ہوتی ہے جب وہ محبوب سے متجاوز ہو کر اس کے متعلقین تک پہنچے یہتی کہ اس کے دروازے پر جو کتا ہے اسے بھی دوسرے کتوں سے ممتاز سمجھنا چاہیے۔
اور اگر ہمیشہ کے لیے محبت کو پورا کرنا باقی نہ رہے تو شیطان خوش ہوتا ہے کیونکہ وہ نیکی پر ایک دوسرے کا تعاون کرنے والے آدمیوں پر اس قدر حسد نہیں کرتا جس قدر وہ رضائے خداوندی کے لیے باہم مواخات اور دوستی قائم کرنے والوں سے حسد کرتا ہے۔ اور وہ ذاتی طور پر ان کے درمیان فساد کا بیج بوتا ہے۔
اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

وَقُلْ لِعِبَادِيْ يَقُوْلُوا الَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ اِنَّ الشَّيْطَانَ يَنْزَغُ بَيْنَهُمْ۔ (۲)

اور آپ میرے بندوں سے فرمادیں کہ وہی بات کہیں جو نہایت اچھی ہو بے شک شیطان ان کے درمیان فساد ڈالتا ہے۔

اور حضرت یوسف علیہ السلام کا واقعہ ذکر کرتے ہوئے فرمایا:

مِنْ بَعْدِ اَنْ نَزَغَ الشَّيْطَانُ بَيْنِيْ وَبَيْنَ اِخْوَتِيْ۔ (۳)

اس کے بعد کہ شیطان نے میرے اور میرے بھائیوں کے درمیان اختلاف ڈال دیا۔

کہا جاتا ہے کہ جب دو مسلمان، اللہ تعالیٰ کے لیے ایک دوسرے کے ساتھ دوستی قائم کرتے ہیں اور پھر ان کے درمیان تفریق ہو جاتی ہے تو اس کی وجہ ان میں سے کسی ایک کا ارتکاب گناہ ہوتا ہے اور حضرت بشر فرماتے تھے جب کوئی بندہ اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری میں کوتاہی کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس سے اس کے انیس (محبت کرنے والے) کو لے لیتا ہے اس لیے کہ دوستوں

---

(۱) کنز العمال جلد ۱۲ ص ۱۳۲ حدیث ۳۴۴۴۳
(۲) قرآن مجید سورۂ اسراء آیت ۵۳
(۳) قرآن مجید سورۂ یوسف آیت ۱۰۰

کی وجہ سے دل کے غم دُور ہوتے ہیں اور دین پر مدد ملتی ہے اسی لیے حضرت ابن مبارک رحمہ اللہ نے فرمایا۔

" سب سے زیادہ لذیذ چیز دوستوں کی مجلس اور کفایت کی طرف رجوع کرنا ہے "، اور دائمی محبت وہی ہوتی ہے جو اللہ تعالیٰ کی رضا کی خاطر ہو اور جو محبت کسی غرض پر مبنی ہو وہ اس غرض کے ختم ہونے سے ختم ہو جاتی ہے اور اللہ تعالیٰ کے لیے محبت کے نتائج میں سے ایک نتیجہ یہ ہے کہ اس میں دینی یا دنیوی اعتبار سے حسد نہیں ہوتا، اور وہ اس سے کیسے حسد کرے گا جب کہ جو کچھ اس کے دوست کا ہے اس کا فائدہ اسے بھی پہنچتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے ایسے لوگوں کی تعریف میں فرمایا:

وَلَا يَجِدُونَ فِي صُدُورِهِمْ حَاجَةً مِّمَّا أُوتُوا وَيُؤْثِرُونَ عَلَىٰ أَنفُسِهِمْ۔ (۱)

اور وہ اپنے سینوں میں اس چیز سے غرض نہیں پاتے جو ان کو دی گئی اور وہ (اپنے ساتھیوں کو) اپنے نفسوں پر ترجیح دیتے ہیں۔

اور حاجت کا پایا جانا ہی حسد ہے۔

وفا کا تقاضا ہے کہ اپنے بھائی کے ساتھ تواضع میں اس کی حالت نہ بدلے اگرچہ اس کا مرتبہ بلند ہو جائے وسیع اختیار اور بلند مقام حاصل ہو جائے کیونکہ ان جدید حالات کی وجہ سے اپنے بھائیوں پر بڑائی کا اظہار کمینگی ہے۔ کسی شاعر نے کہا۔

معزز لوگ جب خوشحال ہو جائیں تو بھی ان لوگوں کو یاد کرتے ہیں جنہوں نے مفلسی میں ان کے ساتھ محبت و اُنس کا اظہار کیا۔

کسی بزرگ نے اپنے بیٹے کو وصیت کرتے ہوئے فرمایا اے بیٹے! لوگوں میں سے صرف ایسے شخص سے دوستی لگانا جو تمہاری محتاجی کے وقت تمہارے قریب ہو اور جب تم اس کی ضرورت محسوس نہ کرو تو وہ تم سے کوئی لالچ نہ رکھے اور اگر اس کا مرتبہ بڑھ جائے تو تجھ پر بڑائی کا اظہار نہ کرے۔

کسی دانا کا قول ہے کہ جب تمہارا کوئی دوست حکومت کا منصب سنبھال لے اور تم سے آدھی دوستی کرے تو بھی غنیمت ہے۔

حضرت ربیع نے نقل کیا کہ حضرت امام شافعی رحمہ اللہ نے بغداد میں ایک شخص سے اخوّت قائم کی پھر ان کا وہ دوست سیبین کا حاکم ہو گیا اور اس کا رویہ تبدیل ہو گیا چنانچہ حضرت امام شافعی رحمہ اللہ نے اس کی طرف چند اشعار لکھے (ترجمہ یہ ہے)

جاؤ تمہیں میرے دل کی طرف سے ایک طلاق ہے اور یہ طلاق بائن نہیں (رجوع کی گنجائش ہے) اگر تم باز آجاؤ تو یہ ایک کافی ہے اور تمہاری محبت دو دیر باقی رہے گی اور اگر ایسا نہ ہوا تو ایک اور دے کر اسے جفت بنا دوں گا اور یہ دو حیضوں میں دو طلاقیں ہو جائیں گی اور اگر میری طرف سے تمہیں تین طلاقیں قطعی مل گئیں تو تمہیں سیلین کی حکومت بھی

---

(۱) قرآن مجید، سورۂ حشر آیت ۹

کوئی فائدہ نہیں دے گی۔"

یہ بھی جان لو کہ دین سے متعلق کسی بات میں حق کی مخالفت پر اپنے دوست کی موافقت وفا میں شامل نہیں ہے بلکہ وفا کا تقاضا ہے کہ اس کی مخالفت کی جائے حضرت امام شافعی رحمہ اللہ نے حضرت محمد بن عبدالحکم سے اخوت قائم کی تو وہ انہیں قریب کرتے اور ان کی طرف توجہ فرماتے تھے اور فرماتے تھے کہ میں مصر میں صرف اسی شخص کی وجہ سے ٹھہرا ہوا ہوں۔ حضرت محمد بن عبدالحکم بیمار ہوئے تو حضرت امام شافعی رحمہ اللہ نے ان کی عیادت کی اور فرمایا:

دوست بیمار ہوا تو میں اس کی عیادت کے لیے گیا اور اس کی بیماری کے ڈر سے میں خود بیمار ہو گیا۔

اب دوست میری بیمار پرسی کے لیے آیا اور میں اسے دیکھ کر ٹھیک ہو گیا۔ ان دونوں میں سچی دوستی کی وجہ سے لوگوں کا خیال تھا کہ حضرت امام شافعی رحمہ اللہ اپنی وفات کے وقت اپنے حلقہ کا معاملہ ان کے سپرد کر دیں گے چنانچہ حضرت امام صاحب جب بیمار ہوئے اور اسی بیماری میں انہوں نے انتقال فرمایا تو پوچھا گیا اے ابوعبداللہ! آپ کے بعد کس کے پاس بیٹھا کریں؟ حضرت محمد بن عبدالحکم سرہانے کھڑے تھے انہوں نے آگے کی طرف جھانکا تاکہ وہ ان کی طرف اشارہ کریں لیکن حضرت امام شافعی رحمہ اللہ نے فرمایا سبحان اللہ! کیا یہ شک کی بات ہے ابو یعقوب بویطی موجود ہیں اس پر حضرت محمد ابن عبدالحکم کچھ شکستہ دل ہوئے اور حضرت امام صاحب کے شاگرد حضرت بویطی کی طرف متوجہ ہو گئے۔ حالانکہ حضرت محمد بن عبدالحکم نے آپ سے آپ کا تمام مذہب نقل کیا تھا لیکن حضرت بویطی زہد و تقویٰ میں ان سے افضل و اقرب تھے۔

حضرت امام شافعی رحمہ اللہ نے انہیں اللہ تعالیٰ اور مسلمانوں کے بارے میں (ڈرنے کی) وصیت فرمائی نیز یہ کہ وہ مداہنت (دورنگی) اختیار نہ کریں اور اللہ تعالیٰ کی رضا پر مخلوق کی رضا کو ترجیح نہ دیں۔

جب حضرت امام شافعی رحمہ اللہ کا انتقال ہوا تو حضرت محمد بن عبدالحکم نے ان کے مذہب سے رجوع کر کے اپنے والد کے مذہب کو اختیار کر لیا اور حضرت امام مالک رحمہ اللہ کی کتب کا درس دینے لگے اور وہ حضرت امام مالک کے بڑے بڑے اصحاب میں شمار ہوتے تھے۔

حضرت بویطی نے زہد اور خاموشی کو ترجیح دی اور اجتماع اور حلقے میں بیٹھنے کو پسند نہ کیا بلکہ عبادت میں مشغول ہو گئے اور "کتاب الام" تصنیف کی جو آج کل حضرت ربیع بن سلیمان کی طرف منسوب ہے اور ان ہی کے نام سے جانی جاتی ہے لیکن یہ بویطی کی تصنیف ہے اور انہوں نے اس میں اپنا ذکر نہیں کیا اور نہ ہی اسے اپنی طرف منسوب کیا۔ ربیع بن سلیمان نے اس میں ترمیم و اضافہ کر کے مشہور کیا۔

مقصود یہ ہے کہ محبت میں وفا کی تکمیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے لیے خیر خواہی کی جائے ـــــ حضرت احنف نے کہا ہے کہ بھائی چارہ ایک باریک جوہر ہے اگر اس کی حفاظت نہیں کرو گے تو اس پر آفات کا قبضہ ہوگا لہٰذا غصہ پی جانے کے ذریعے اس کی حفاظت کرو حتیٰ کہ جو دوست تم پر ظلم کرے تم خود اس کے سامنے عذر پیش کرو اور اس قدر رضا اختیار کرو کہ اپنے

بارے میں زیادہ فضیلت نہ جانو۔ اور اپنے دوست کی کوتاہی نہ سمجھو۔ صدق، اخلاص اور تمام وفا کی علامات یہ ہیں کہ جدائی سے خوب ڈرو اور اس کے اسباب سے طبیعت کو متنفر کردو جیسے کہا گیا ہے۔

"میں نے زمانے کی تمام مصیبتوں کو احباب کی فرقت کے مقابلے میں آسان پایا۔"

ابن عیینہ نے یہ شعر پڑھا اور کہا کہ میں ایک قوم کے ساتھ رہا اور تیس سال ہو گئے ان سے جدا ہوا ہوں میرا خیال نہیں کہ ان کی حسرت میرے دل سے جائے گی۔

وفا کا تقاضا ہے کہ دوست کے خلاف لوگوں کی شکایات نہ سنے خاص طور پر ایسے لوگوں سے جو پہلے ظاہر کریں کہ وہ اس کے دوست کے ساتھی ہیں تاکہ ان پر تہمت نہ لگے اور پھر یہ گفتگو کریں اور اس کے دوست کی طرف سے ایسی باتیں نقل کریں جو دل میں کینہ پیدا کر دیں ایک دوسرے کے خلاف نفرت پیدا کرنے اور پھوٹ ڈالنے کے لیے یہ نہایت باریک تدبیر ہے۔ اور جو آدمی اس سے نہیں بچتا اس کی محبت بالکل آگے نہیں بڑھ سکتی۔ ایک شخص نے کسی دانا سے کہا کہ میں آپ سے دوستی کرنا چاہتا ہوں اس نے کہا اگر اس کے بدلے میں تین باتوں کو قبول کرو تو میں دوستی کرنے کے لیے تیار ہوں اس نے پوچھا وہ کیا ہیں ؟، اس نے جواب دیا میرے خلاف کوئی شکایت نہ سننا، کسی بات میں میری مخالفت نہ کرنا اور ناز و نخرے سے مجھے پامال نہ کرنا۔

وفا کا ایک تقاضا یہ ہے کہ اپنے دوست کے دشمن سے دوستی نہ کرے حضرت امام شافعی رحمہ اللہ نے فرمایا جب تمہارا دوست، تمہارے دشمن کی بات مانے تو وہ دونوں تمہاری دشمنی میں شریک ہو گئے۔

آٹھواں حق :

آسانی اختیار کرنا اور تکلیف و تکلف کو چھوڑ دینا یعنی اپنے دوست کو اس بات کی تکلیف نہ دے جو اس کے لیے مشکل ہو بلکہ اپنی حاجات اور مشکلات (کے حل کے لیے اس سے مطالبہ نہ کرنے) کے سلسلے میں اس کے دل کو آرام پہنچائے اور اس کا کچھ بوجھ خود برداشت کر کے اسے سکون پہنچائے اس کے مرتبے اور مال کی وجہ سے اس سے مدد طلب نہ کرے اسے اپنے لیے تواضع اور اپنے حال کی خبر گیری پر مجبور نہ کرے اور اپنے حقوق کے قائم کرنے پر اسے پریشان نہ کرے بلکہ اس کے ساتھ محبت محض رضائے خداوندی کے لیے ہو اس کی دعا سے برکت اس کی ملاقات سے اُنسیت اور اس کے ذریعے اپنے دین پر مدد حاصل کرنا مقصود ہو۔

نیز اس کے حقوق ادا کرے اور اس کی مشقت برداشت کر کے اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کرے۔

بعض بزرگوں نے فرمایا کہ جو آدمی اپنے دوستوں سے ایسی بات کی خواہش کرے جس کی خواہش وہ اس سے نہیں کرتے تو اس نے ان پر زیادتی کی اور جس نے ان سے اس چیز کا تقاضا کیا جس کا وہ اس سے تقاضا کرتے ہیں تو اس نے ان کو تھکا دیا اور جو شخص ان سے کوئی مطالبہ نہیں کرتا وہ ان سے حُسن سلوک کرنے والا ہے۔

کسی دانا کا قول ہے کہ جو شخص اپنے دوستوں کے ہاں اپنے آپ کو اپنے مقام سے بلند سمجھتا ہے وہ خود بھی گناہ گار ہوتا ہے اور ان کو بھی گناہ گار کرتا ہے اور جو کوئی اپنی حیثیت کے مطابق ان کے ساتھ رہتا ہے وہ خود بھی مشقت اٹھاتا ہے اور ان کو بھی مشقت میں ڈالتا ہے اور جو آدمی اپنے آپ کو اپنے مقام سے نیچے رکھتا ہے وہ خود بھی محفوظ ہوتا ہے اور وہ بھی محفوظ ہوتے ہیں۔

تخفیف کی تکمیل اس طرح ہو گی کہ تکلف کو بالکل لپیٹ دے حتی کہ اس سے اس بات میں نہ شرمائے جس میں اپنے آپ سے نہیں شرماتا۔

حضرت جنید رحمہ اللہ نے فرمایا جب دو آدمی دینی بھائی بنتے ہیں پھر اگر وہ ایک دوسرے سے وحشت یا حیا محسوس کریں تو کسی ایک میں ضرور کوئی خرابی ہوتی ہے۔

حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں سب سے بُرا دوست وہ ہے جو تیرے لیے تکلف کرے اور پھر تجھے اس کی خاطر تواضع کرنا پڑے یا تجھے عذر پیش کرنے کی ضرورت محسوس ہو۔

حضرت فضیل رحمہ اللہ فرماتے ہیں لوگوں کے تعلقات تکلیف کی وجہ سے ٹوٹتے ہیں ایک شخص اپنے دوست کی ملاقات کو جاتا ہے اور وہ اس کے لیے تکلف کرتا ہے تو یہی ترکِ ملاقات کا باعث بنتا ہے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں۔

"مومن، مومن کا بھائی ہے نہ اُسے لوٹتا ہے اور نہ اس سے شرم کرتا ہے"

حضرت جنید رحمہ اللہ فرماتے ہیں میں صوفیا کرام کے چار طبقات کے ساتھ رہا ہوں اور ہر طبقہ میں تیس افراد تھے حضرت حارث محاسبی اور ان کا طبقہ، حضرت حسن مسوحی اور ان کا گروہ، حضرت سری سقطی اور ان کی جماعت اور حضرت ابن کریبی اور ان کا طبقہ — ان لوگوں میں سے جن دو نے اللہ تعالیٰ کے لیے باہم محبت کی پھر ان میں سے ایک کو دوسرے سے وحشت اور شرم آنے لگی تو اس کی وجہ ان میں سے کسی ایک میں خرابی کا پایا جانا تھا۔

کسی بزرگ سے پوچھا گیا کہ ہم کس کی مجلس اختیار کریں؟ انہوں نے فرمایا جو شخص تم سے تکلف کا بوجھ اُٹھالے اور تمہارے اور اپنے درمیان حیا کی مشقت کو ساقط کر دے۔

حضرت امام جعفر بن محمد صادق رضی اللہ عنہ فرماتے تھے میرے دوستوں میں سے مجھ پر سب سے زیادہ بھاری وہ دوست ہے جو میرے لیے تکلف کرتا ہے اور میں اس سے حیلہ کرتا ہوں اور میرے دل پر سب سے ہلکا وہ ہے جس کے ساتھ میں اس طرح رہتا ہوں جس طرح میں تنہائی میں ہوتا ہوں۔

بعض صوفیاء کرام نے فرمایا کہ ایسے لوگوں کے ساتھ رہو کہ اگر تم نیکی کرو تو اس کے نزدیک زیادہ معزز نہ ہو اور اگر گناہ کرو تو تم اس کی نظروں سے نہ گرو۔ مطلب یہ کہ نیکی تمہارے اپنے فائدے کے لیے اور گناہ تمہارے ہی نقصان کا باعث

ہو اس کے نزدیک تر دونوں حالتوں میں برابر رہو۔

انہوں نے یہ بات اس لیے فرمائی کہ اس طرح آدمی تکلف و حیا سے بچ جاتا ہے ورنہ انسان کو جب معلوم ہو کہ فلاں کام کرنے سے میں اس کی نظروں سے گر جاؤں گا تو وہ طبعی طور پر شرم و حیا محسوس کرتا ہے۔

کسی بزرگ نے فرمایا دنیا داروں کے ساتھ ادب سے رہو، آخرت والوں کے ساتھ علم سے اور عارفین کے ساتھ جیسے چاہو رہو۔

کسی اور بزرگ نے کہا کہ ایسے شخص سے دوستی لگاؤ کہ گناہ تم کرو اور توبہ وہ کرے اور جب تم اس سے برائی کے ساتھ پیش آؤ تو وہ عذر پیش کرے اور وہ اپنی مشقت تم پر نہ ڈالے بلکہ خود اپنی مشقت برداشت کر کے تمہیں کفایت کرے۔ اس قول کے قائل نے اخوت کا راستہ تنگ کر دیا حالانکہ بات اس طرح نہیں ہے بلکہ اس طرح چاہیے کہ ہر عقل مند دین دار آدمی سے اخوت قائم کرے اور ان شرائط کو پورا کرنے کا پکا ارادہ کرے اور دوسروں کو ان شرائط کے پورا کرنے کی تکلیف نہ دے۔ تاکہ دوستوں میں اضافہ ہو کیونکہ اس طرح اللہ تعالیٰ کے لیے دوستی ہوتی ہے ورنہ وہ دوستی ذاتی فوائد کے لیے ہوگی۔

اسی لیے ایک شخص نے حضرت جنید بغدادی رحمہ اللہ سے عرض کیا کہ اس زمانے میں دوست کم ہو گئے ہیں اللہ تعالیٰ کے لیے دوستی قائم کرنے والے کہاں ہیں؟ حضرت جنید رحمہ اللہ نے اس سے منہ پھیر لیا جب اس نے تین مرتبہ یہ بات دہرائی اور اصرار کیا تو آپ نے فرمایا اگر تم ایسا دوست چاہتے ہو جو تمہاری مشقت برداشت کرے اور تیری تکلیف خود اٹھائے تو یقیناً ایسے دوست کم ہیں اور اگر تم اللہ تعالیٰ کے لیے دوست چاہتے ہو کہ تم اس کی مشقت برداشت کرو اور اس کی طرف سے پہنچنے والی اذیت پر صبر کرو تو میرے پاس ایک جماعت ہے میں تمہیں بتا دیتا ہوں اس پر وہ خاموش ہو گیا۔

جان لو کہ لوگ تین قسم کے ہیں ایک وہ شخص ہے جس کی صحبت سے تم نفع اٹھا سکتے ہوں، دوسرا وہ جسے تم نفع پہنچانے پر قادر ہو اور اس سے تمہیں کوئی نقصان نہیں پہنچتا اور نہ ہی نفع پہنچتا ہے اور تیسرا شخص وہ ہے کہ جسے تم نفع نہیں پہنچا سکتے لیکن اس سے تمہیں نقصان پہنچتا ہے تو ایسا شخص بیوقوف بداخلاق ہے اس تیسرے آدمی سے تمہیں بچنا چاہیے جہاں تک دوسرے آدمی کا تعلق ہے اس سے مت بچو کیونکہ وہ تمہیں آخرت میں فائدہ دے گا یعنی اس کی سفارش اور دعا اور اس کے حقوق قائم کرنے کے ثواب کا فائدہ حاصل ہوگا۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرف وحی فرمائی کہ اگر آپ میرا حکم مانیں تو آپ کے بہت سے دوست ہوں گے مطلب یہ کہ آپ ان کی غمخواری کریں۔ ان سے تکلیف برداشت کریں اور ان سے حسد نہ کریں۔

بعض بزرگوں نے فرمایا کہ میں نے پچاس سال تک لوگوں کی مجلس اختیار کی لیکن میرے اور ان کے درمیان کوئی اختلاف واقع نہیں ہوا کیونکہ میں ان کے ساتھ اپنے سہارے رہا کسی پر بوجھ نہیں ڈالا۔ اور جس کا طریق کار یہ ہو اس کے دوست زیادہ

ہوتے ہیں۔

تخفیف اور ترکِ تکلف کی ایک صورت یہ ہے کہ نفلی عبادت میں اس پر اعتراض نہ کرے صوفیا کی ایک جماعت چار باتوں میں مساوات کی شرط پر دوستی لگاتے تھے ایک یہ کہ اگر ان میں سے ایک روزانہ کھانا کھائے تو اس کا ساتھی یہ نہ کہے کہ تم روزہ رکھو اور اگر وہ عمر بھر روزہ رکھے تو یہ نہ کہے کہ اب روزہ رکھنا چھوڑ دو، اگر وہ رات بھر سوئے تو یہ نہ کہے کہ اٹھو، اور اگر وہ ساری رات نماز پڑھے تو یہ نہ کہے کہ سو جاؤ۔

اور اس کے نزدیک اس کے حالات کسی اضافہ اور نقصان کے بغیر ایک جیسے ہوں کیونکہ اگر ان میں تفاوت ہو تو طبیعت یقیناً ریاکاری اور حیا پر مجبور کرے گی۔

کہا گیا ہے کہ جس نے تکلف چھوڑا اس کی محبت دائمی ہو گئی اور جس کی مشقت کم ہوئی اس کی دوستی پکی ہو گئی۔ بعض صحابہ کرام نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ تکلف کرنے والوں پر لعنت فرماتا ہے۔

اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے۔

أَنَا وَأَتْقِيَاءُ مِنْ أُمَّتِي بُرَآءُ مِنَ التَّكَلُّفِ۔ (۱) — میں اور میری امت کے پرہیزگار لوگ تکلف سے بیزار ہیں۔

بعض بزرگوں نے فرمایا کہ جب کوئی شخص اپنے دوست کے گھر میں چار کام کرے تو اس کی محبت و اُنس مکمل ہو جاتا ہے اس کے پاس کھانا کھائے، اس کے ہاں قضائے حاجت پھرے، اس کے ہاں نماز پڑھے اور سو جائے کسی بزرگ سے یہ بات بیان کی گئی تو انہوں نے فرمایا ایک پانچویں بات باقی ہے وہ یہ کہ اپنے دوست کے گھر اپنی بیوی کو ہمراہ لے جائے اور اس سے ہمبستری کرے کیونکہ گھر انہی پانچ باتوں کے لیے بنائے جاتے ہیں ورنہ مساجد عبادت گزار لوگوں کے دلوں کی رُوحیں ہیں۔

لہٰذا جب یہ پانچ کام کرے تو اخوت مکمل ہو گئی اور ایک دوسرے سے شرم ختم ہو گیا اور بے تکلفی پکی ہو گئی۔

اہل عرب سلام کا جواب دیتے ہوئے "اہلاً وسہلاً" کہتے ہیں تو اس کا یہی مطلب ہوتا ہے یعنی تو ہمارے پاس آرام دہ اور پرسکون جگہ پر آیا ہے اور تم ہمارے اپنے ہو تمہیں ہم سے اُنس حاصل ہو گا وحشت نہیں ہو گی اور تم ہماری طرف سے سہولت پاؤ گے یعنی تم جو کچھ مانگو گے ہم پر گراں نہیں گزرے گا۔

تخفیف اور ترکِ تکلّف کی تکمیل اس وقت تک نہیں ہوتی جب تک وہ اپنے آپ کو اپنے دوستوں سے کم نہ سمجھے ان کے بارے میں اچھا گمان کرے اور بدگمانی اپنے بارے میں ہو جب وہ ان کو اپنے آپ سے اچھا سمجھے گا تو اس وقت وہ ان سب سے بہتر ہو گا۔

---

(۱) الاسرار المرفوعۃ ص ۹۸ حدیث ۳۷۶

حضرت ابو معاویہ اسود فرماتے ہیں کہ میرے تمام دوست مجھ سے بہتر ہیں، پوچھا گیا وہ کس طرح؟ انہوں نے فرمایا کہ ان میں سے ہر ایک مجھے اپنے آپ سے افضل سمجھتا ہے اور جو آدمی مجھے اپنے آپ پر فضیلت دے وہ مجھ سے بہتر ہے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اَلْمَرْءُ عَلٰی دِیْنِ خَلِیْلِہٖ وَلَا خَیْرَ فِیْ صُحْبَۃِ مَنْ تَرٰی لَکَ مِثْلَ مَا تَرٰی لَہٗ۔ (۱)

انسان اپنے دوست کے طریقے پر ہوتا ہے اور اس شخص کی مجلس کا کوئی فائدہ نہیں جو تیرے لیے وہ بات جائز نہ سمجھے جو اپنے لیے جائز سمجھتا ہے۔

یہ سب سے کم درجہ ہے یعنی دوست کو مساوات کی نظر سے دیکھا جب کہ کمال یہ ہے کہ اپنے (مسلمان) بھائی کو افضل سمجھے۔ اسی لیے حضرت سفیان ثوری رحمہ اللہ نے فرمایا جب تمہیں کہا جائے اے لوگوں میں سے برے انسان! اور اس پر تمہیں غصہ آئے تو تم (واقعی) برے انسان ہو یعنی اپنے بدتر ہونے کا اعتقاد ہمیشہ تمہارے دل میں ہونا چاہیے اس کی وجہ عنقریب تکبر اور خود پسندی کے بیان میں ذکر کی جائے گی۔ تواضع اختیار کرنے اور اپنے بھائی کو افضل سمجھنے کے بارے میں یہ اشعار کہے گئے ہیں۔ (ترجمہ)

ایسے شخص کے سامنے تواضع اختیار کرو جو اس تواضع کو تمہاری فضیلت کا باعث سمجھے، تمہیں احمق نہ جانیں اور جو آدمی تمہیں سب دوستوں سے بڑا سمجھے اس کا ساتھی بننے سے پرہیز کرو۔

ایک دوسرے شاعر نے کہا۔

کتنے ہی دوست ہیں جن سے شناسائی کسی دوسرے دوست کی وجہ سے ہوتی ہے لیکن وہ پہلے دوست کی نسبت زیادہ گہرے دوست بن جاتے ہیں اور وہ رفیق جسے میں نے راستے میں دیکھا میرے نزدیک وہی حقیقی دوست قرار پایا اور جب وہ اپنے آپ کو افضل سمجھے تو اس نے اپنے بھائی کو حقیر جانا اور یہ بات عام مسلمانوں میں قابلِ مذمت ہے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

بِحَسْبِ الْمُؤْمِنِ مِنَ الشَّرِّ اَنْ یَحْقِرَ اَخَاہُ الْمُسْلِمَ۔ (۲)

کسی مومن کی برائی کے لیے اتنی بات ہی کافی ہے کہ وہ اپنے مسلمان بھائی کو حقیر جانے۔

بے تکلفی کی تکمیل اس بات سے ہوتی ہے کہ وہ جس کام کا ارادہ کرے اس کے لیے اپنے دوستوں سے مشورہ کرے اور ان کے مشوروں کو قبول کرے۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا۔

---

(۱) الکامل لابن عدی جلد ۳ ص ۱۰۹۷ من اسمہ سلیمان

(۲) صحیح مسلم جلد ۲ ص ۳۱۸ کتاب البر والصلۃ

وَشَاوِرْهُمْ فِي الْأَمْرِ۔(۱) اور معاملات میں ان سے مشورہ کیا کرو۔

اسی طرح ان سے اپنے راز بھی نہ چھپائے جیسا کہ مروی ہے حضرت معروف کے بھتیجے یعقوب نے کہا کہ اسود بن سالم میرے چچا معروف کے پاس آئے اور ان کے درمیان بھائی چارہ تھا انہوں نے کہا بشر بن حارث کا تمہارے ساتھ بھائی چارہ تھا انہوں نے کہا بشر بن حارث تمہارے ساتھ بھائی چارے کو پسند کرتے ہیں لیکن وہ تمہارے سامنے آنے سے حیا کرتے ہیں انہوں نے مجھے آپ کے پاس بھیجا ہے اور وہ آپ سے گزارش کرتے ہیں کہ آپ ان سے دوستی قائم کریں جو باعثِ ثواب اور قابل اعتبار ہو لیکن اس میں کچھ شرائط ہیں۔ وہ چاہتے ہیں کہ یہ بات مشہور نہ ہو اور نہ ہی آپ کے اور ان کے درمیان ملاقات ہو کیونکہ وہ زیادہ ملاقات کو پسند نہیں کرتے حضرت معروف نے فرمایا اگر میں کسی سے دوستی لگاؤں تو دن رات اس سے جدا ہونا پسند نہیں کرتا اور ہر وقت ملاقات کو پسند کرتا ہوں اور اسے ہر حال میں اپنے اوپر ترجیح دیتا ہوں پھر انہوں نے اخوت کی فضیلت اور اللہ تعالی کے لیے محبت کے سلسلے میں بہت سی احادیث ذکر کیں اور فرمایا رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے اخوت قائم کی تو انہیں علم میں اپنے ساتھ شریک کیا (۲) اونٹوں (کی قربانی) میں آپ کو حصہ دار بنایا (۳) اور اپنی سب سے افضل اور پیاری بیٹی آپ کے نکاح میں دی (۴) اور اسی وجہ سے آپ کو اپنے بھائی چارے کے لیے خاص کیا۔ حضرت معروف نے مزید فرمایا چونکہ تم ان کا پیغام لے کر آئے ہو اور انہوں نے خواہش کی ہے اس لیے میں نے اللہ تعالی کے لیے ان سے عقد مواخات قائم کیا ٹھیک ہے اگر وہ پسند نہ کریں تو مجھ سے ملاقات نہ کریں لیکن میں جب چاہوں گا ان سے ملاقات کروں گا اور انہیں کہیں کہ وہ اسی جگہ مجھے ملیں جہاں ہم ملاقات کریں گے اور یہ بھی کہیں کہ وہ اپنی کوئی بات مجھ سے نہ چھپائیں اور اپنے تمام حالات مجھے بتائیں۔

ابن سالم نے جب حضرت بشر رحمہ اللہ کو یہ بات بتائی تو وہ اس پر راضی ہوئے اور خوش بھی۔

تو یہ صحبت کے جامع حقوق ہیں ہم نے ایک دفعہ انہیں اجمالی طور پر بیان کیا اور دوسری بار تفصیلی طریقے سے ذکر کیا اور یہ بات اسی صورت میں مکمل ہو سکتی ہے جب تم اپنے نفس پر اپنے بھائیوں کا حق سمجھو ان پر اپنا حق نہ جانو اور اپنے آپ کو ان کے خادم کی حیثیت میں جانو۔ اور اپنے تمام اعضاء ان کے حقوق میں قید کر دو۔

جہاں تک نگاہ کا تعلق ہے تو انہیں محبت اور دوستی کی نظر سے دیکھو جس کو وہ تم سے پہچان لیں نیز ان کی خوبیوں کو دیکھو اور

---

(۱) قرآن مجید سورۂ شوریٰ آیت ۱۵۹

(۲) المستدرک للحاکم جلد ۳ ص ۱۲۶ کتاب معرفۃ الصحابۃ

(۳) صحیح بخاری جلد اول ص ۳۰۸ کتاب الوکالہ

(۴) صحیح بخاری جلد اول ص ۲۸۰ کتاب البیوع

ان کے عیبوں سے اندھے بن جاؤ جب وہ تمہاری طرف متوجہ ہوں تو ان سے اپنی نگاہ کو نہ پھیرو اور نہ ان کی گفتگو سے نظریں چراؤ۔
ایک روایت میں ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی مجلس میں بیٹھنے والے ہر شخص کو اپنی توجہ سے حصہ عنایت فرماتے اور کسی ایک کی طرف زیادہ توجہ اسی صورت میں دیتے جب یہ خیال ہوتا کہ دوسروں کی نسبت زیادہ معزز ہے حتیٰ کہ آپ کی مجلس، سماعت، گفتگو، لطیف انداز میں سوال اور توجہ تمام بیٹھنے والوں کی طرف ہوتی آپ کی مجلس، حیا، تواضع اور امانت کی مجلس ہوتی تھی، نیز نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کرام کے سامنے سب سے زیادہ تبسم فرماتے اور ان کی گفتگو کو پسند فرماتے۔(۱)

نیز صحابہ کرام آپ کے پاس بطور تبسم، ہنستے تھے وہ آپ کی اقتداء کرتے ہوئے نیز آپ کی عزت و احترام میں ایسا کرتے تھے (۲)

جہاں تک سماعت کا تعلق ہے تو اس کی صورت یہ ہے کہ تو اس کا کلام اس طرح سن کہ سننے سے لذت حاصل ہو، اس کی تصدیق کرنے والے ہو اور اس پر خوشی کا اظہار کرو نیز اس پر اعتراض کرتے ہوئے یا مداخلت یا کسی دوسرے صورت میں اس کی گفتگو کو نہ کاٹو اگر تمہیں کوئی بات پیش آجائے (اور اٹھنا پڑے) تو معذرت کرلو۔ نیز جو کچھ وہ (تمہارے) دوست ناپسند کریں اس قسم کی باتیں سننے سے پرہیز کرو۔ جہاں تک زبان کا تعلق ہے تو اس کے حقوق ہم نے ذکر کر دیئے ہیں اس میں تفصیلی گفتگو ہے اور ایک بات یہ ہے کہ ان کے سامنے آواز بلند نہ کرے اور ان سے وہی گفتگو کرے جسے وہ سمجھ جائیں۔

ہاتھوں کے سلسلے میں یہ بات یاد رہے کہ جس چیز کا ہاتھوں سے لین دین ہوتا ہے اس میں اپنے دوستوں کی معاونت سے ہاتھوں کو بند نہ کرے۔

ان کے لیے اپنے پاؤں کو اس طرح استعمال کرے کہ ان کے پیچھے تابع بن کر چلے ان کو اپنا تابع نہ بنائے اور اسی قدر آگے ہو جس قدر وہ آگے کریں اور جس قدر وہ قریب کریں اسی قدر ان کے قریب ہو جب وہ آئیں تو کھڑا ہو اور اس وقت بیٹھے جب وہ بیٹھ جائیں اور جب بیٹھے تو عاجزی کے ساتھ بیٹھے۔

جب اتحاد مکمل ہو جاتا ہے تو ان حقوق کو برداشت کرنا آسان ہو جاتا ہے جیسے ان کے آنے پر کھڑا ہونا، عذر پیش کرنا اور تعریف کرنا یہ حقوق محبت ہیں اور ان کے پورا کرتے ہیں ایک قسم کی اجنبیت اور تکلف ہوتا ہے لیکن جب اتحاد مکمل ہو جاتا ہے تو تکلف مکمل طور پر لپیٹ دیا جاتا ہے۔ اور وہ اس وقت وہی برتاؤ کرتا ہے جو اپنے نفس کے ساتھ کرتا ہے کیونکہ یہ ظاہری آداب، باطنی آداب اور قلبی صفائی کے عنوانات ہیں اور جب دل صاف ہو جاتا ہے تو وہ دل کی بات کو ظاہر کرنے سے بے نیاز ہو جاتا ہے اور جس آدمی کی نظر مخلوق کی محبت پر ہوتی ہے وہ کبھی ٹیڑھا ہوتا ہے اور کبھی سیدھا۔ اور

---

(۱) شمائل الترمذی مع جامع الترمذی ص ۵۹۵ باب ما جاء فی تواضع الرسول علیہ السلام

(۲) جامع الترمذی ص ۵۲۴ ابواب المناقب

جس کی نظر خالق پر ہوتی ہے اس پر ظاہری اور باطنی طور پر استقامت لازم ہوتی ہے اور اس کا دل اللہ تعالیٰ اور اس کی مخلوق کی محبت سے مزین ہوتا ہے اور کیونکہ اللہ تعالیٰ کے لیے خدمات میں سے اعلیٰ درجہ کی خدمت ہے اور بندہ اچھے اخلاق کی وجہ سے رات کو عبادت کرنے والے اور دن کو روزہ رکھنے والے کا ثواب بلکہ اس سے بھی زیادہ حاصل کرتا ہے۔

خاتمہ:

ہم اس مقدمہ میں مختلف قسم کے لوگوں کے ساتھ اٹھنے بیٹھنے اور ہمنشینی کے آداب ذکر کریں گے جو بعض دانا لوگوں کے کلام سے منتخب کئے گئے ہیں۔

اگر تم اچھی طرح زندگی گزارنا چاہتے ہو تو اپنے دوست اور دشمن سے خوشی خوشی ملاقات کرو انہیں ذلیل نہ کرو اور نہ خود مرعوب ہو جاؤ، وقار اختیار کرو لیکن وہ تکبر نہ بن جائے اور عاجزی اختیار کرو لیکن ذلت تک نہ پہنچ جاؤ اپنے تمام کاموں میں اعتدال اختیار کرو۔ اعتدال کی دونوں طرفیں (افراط و تفریط) قابل مذمت ہیں اپنی دونوں جانبوں کو مت دیکھو اور کثرت سے ادھر اُدھر نہ دیکھو، جماعتوں کے پاس کھڑے نہ رہو اور جب بیٹھو تو اطمینان سے بیٹھو فوری اٹھنے والی حالت نہ ہو، انگلیوں میں انگلیاں نہ ڈالو داڑھی اور انگوٹھی کے ساتھ نہ کھیلو، دانتوں میں خلال نہ کرو اور نہ ناک میں انگلی ڈالو کثرت سے نہ تھوکو اور نہ ناک صاف کرو چہرے سے مکھیوں کو زیادہ نہ اڑاؤ، لوگوں کے سامنے انگڑائی اور جمائی زیادہ نہ لو اسی طرح نماز میں بھی۔

تمہاری مجلس باعث ہدایت اور تمہارا کلام مرتب و منظم ہونا چاہیے جو آدمی گفتگو کر رہا ہو اس کے اچھے کلام کو کان لگا کر سنو۔ نہ اس پر بہت تعجب کا اظہار کرو اور نہ دوبارہ کہنے کا مطالبہ کرو، ہنسانے والی باتوں اور قصے کہانیاں بیان کرنے سے خاموش رہو۔ اور یہ بھی بیان نہ کرو کہ مجھے اپنا لڑکا یا لڑکی یا شعر یا تصانیف یا وہ باتیں جو خاص تم سے متعلق ہیں، اچھی لگتی ہیں عورتوں کی طرح بناؤ سنگھار نہ کرو اور نہ غلاموں کی طرح میلے کچیلے رہو زیادہ سرمہ لگانے سے بچو اسی طرح تیل بھی زیادہ نہ لگاؤ، حاجات میں اصرار نہ کرو، کسی ظالم کو بہادر نہ کہو، اپنے گھر والوں اور بچوں کو اپنے مال کی مقدار نہ بتاؤ دوسروں کا تو ذکر ہی کیا کیونکہ وہ جب تھوڑا دیکھیں گے تو ان کی نظروں میں خوار ہو گئے اور اگر زیادہ ہو گا تو کبھی بھی ان کو خوش نہیں رکھ سکو گے انہیں ڈراؤ لیکن باعث نفرت نہ ہو اور نرمی اختیار کرو لیکن کمزوری نہ دکھاؤ، اپنی لونڈی اور غلام سے مذاق نہ کرو ورنہ تمہارا وقار ختم ہو جائے گا۔

جب کسی سے مقدمہ بازی ہو تو وقار اختیار کرو، جہالت کے طریقے سے بچو، جلدی نہ کرو بلکہ اپنی دلیل پر خوب غور کر لو، اپنے ہاتھوں سے زیادہ اشارے نہ کرو اور اپنے پیچھے کی طرف مڑ کر نہ دیکھو نہ دو زانو ہو کر بیٹھو اور جب غصہ تھم جائے تو گفتگو کرو۔

اگر بادشاہ تمہیں اپنے قریب کرے تو اس کے ساتھ بھالے کی نوک کی طرح رہو اگر وہ تم سے ہنسی خوشی کے ساتھ پیش آئے تو اس کے بدلنے سے بے خوف نہ ہو، اس کے ساتھ نرمی اس طرح برتو جس طرح بچوں کے ساتھ اختیار کرتے ہیں اور اس کی خواہش کے مطابق بات کرو جب تک اس میں گناہ نہ ہو، اس کے نرم سلوک کی وجہ سے اس کے اہل و عیال اور خدام کے

معاملات میں دخل نہ دو اگرچہ اس کے نزدیک تم اس بات کا حق رکھتے ہو۔ کیونکہ جو شخص بادشاہ اور اس کے گھر والوں کے مابین معاملات میں دخل اندازی کرتا ہے وہ ایسا گرتا ہے کہ پھر اٹھ نہیں سکتا۔ اور ایسا پھیلتا ہے کہ کھڑا نہیں ہو سکتا۔

جو دوست تندرستی (کے زمانے) کا دوست ہو اس سے بچو کیوں کہ وہ سب سے بڑا دشمن ہے اور اپنے مال کو اپنی عزت سے زیادہ عزیز نہ سمجھو۔

جب کسی مجلس میں داخل ہو تو ادب کا تقاضا ہے کہ پہلے وہاں سلام کرو، دوسروں کی گردنیں نہ پھلانگو بلکہ جہاں جگہ ملے بیٹھ جاؤ اور ایسی جگہ بیٹھو جو تواضع کے زیادہ قریب ہو، بیٹھتے وقت اپنے پاس والوں کو سلام کہو۔

راستے میں مت بیٹھو اگر بیٹھنا پڑے تو اس کے آداب یہ ہیں کہ نگاہ کو پست رکھو، مظلوم کی مدد کرو، فریادی کی فریاد رسی کرو کمزور کی مدد کرو، بھٹکے ہوئے کو راستہ دکھاؤ، مانگنے والے کو عطا کرو، نیکی کا حکم دو اور برائی سے روکو، تھوکنے کے لیے مناسب جگہ تلاش کرو، قبلہ رخ نہ تھوکو دائیں طرف بھی نہ تھوکو بلکہ بائیں طرف یا پاؤں کے نیچے تھوکو۔

بادشاہوں کی مجلس اختیار نہ کرو اگر ایسا کرنا ہو تو اس کے آداب یہ ہیں غیبت نہ کرنا، جھوٹ سے بچنا، راز داری اختیار کرنا، حاجات کم رکھنا، اچھے الفاظ استعمال کرنا اور شستہ گفتگو کرنا شاہانہ طریقے پر گفتگو کرنا، ہنسی مذاق کم کرنا اور اس سے زیادہ پرہیز کرنا ہے اگرچہ وہ تمہارے لیے محبت کا اظہار کرے۔

ان کے سامنے ڈکار نہ لو اور کھانے کے بعد ان کے سامنے خلال نہ کرو، بادشاہ کو بھی چاہیے کہ وہ راز افشاء کرنے، بادشاہی میں خلل ڈالنے اور عزت کے درپے ہونے کے علاوہ باتوں کو برداشت کرے۔

عام لوگوں کے ساتھ بھی نہ بیٹھو اگر ایسا کرنا پڑ جائے تو اس کے آداب یہ ہیں' ان کی باتوں میں غور و فکر نہ کرو، ان کی بیہودہ باتوں کی طرف کم توجہ دو اور ان سے جو برے الفاظ صادر ہوتے ہیں ان سے بے خبری اختیار کرو اگر ان کی حاجت بھی ہو تب بھی ان سے زیادہ ملاقات نہ کرو، کسی سے مزاح نہ کرو وہ عقل مند ہو یا غیر عاقل کیونکہ عقل مند آدمی تم سے کینہ رکھے گا اور بیوقوف تم پر جرأت کرے گا کیوں کہ مذاق انسان کے رعب کو ختم کر دیتا ہے اس سے عزت جاتی رہتی ہے کینہ پیدا ہوتا ہے، محبت کی چاشنی ختم ہو جاتی ہے اور عالم کے علم کو دھبہ لگتا ہے بیوقوف جرأت کا مظاہرہ کرتا ہے اور دانا کے سامنے مرتبہ کم ہو جاتا ہے متقی لوگ اسے برا سمجھتے ہیں اور اس سے دل مر جاتا ہے' اللہ تعالیٰ سے دوری ہوتی ہے، غفلت پیدا ہوتی ہے اور آدمی ذلت کا شکار ہو جاتا ہے' اس سے باطن اندھے ہو جاتے ہیں اور دل مر جاتے ہیں' عیب زیادہ ہونے ہیں اور گناہ ظاہر ہوتے ہیں۔

کہا گیا ہے کہ مذاق (مزاح نہیں کیوں کہ یہ خوش طبعی ہے) وہی شخص کرتا ہے جو احمق یا متکبر ہو اور جو آدمی کسی مجلس میں مذاق یا شور و غوغا کرے وہ اٹھنے سے پہلے اللہ تعالیٰ کا ذکر کرے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جو آدمی کسی مجلس میں بیٹھے اور اس میں اس نے بہت سی فضول باتیں کی ہوں تو وہ اٹھنے سے پہلے یہ کلمات پڑھے اس سے

مجلس میں کی گئی غلط باتوں سے بخشش ہو جائے گی۔

وہ کلمات یہ ہیں۔

سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ وَبِحَمْدِكَ اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ اَسْتَغْفِرُكَ وَاَتُوْبُ اِلَيْكَ۔ (۱)

یا اللہ! تو پاک ہے اور لائق حمد بھی، میں گواہی دیتا ہوں کہ تیرے سوا کوئی معبود نہیں، میں تجھ سے بخشش کا سوال کرتا ہوں اور تیری بارگاہ میں توبہ کرتا ہوں۔

---

(۱) جامع الترمذی ص ۴۹۵، ابواب الدعوات۔
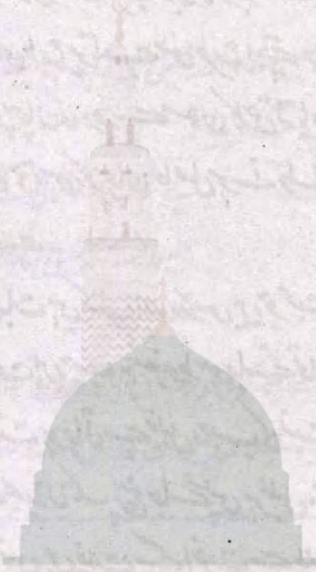
تیسرا باب

مسلمان، رشتہ دار، پڑوسی اور مال کے حقوق اور ان سے سلوک کی کیفیت

جان لو! انسان یا تو اکیلا ہوگا یا کسی دوسرے کے ساتھ رہتا ہوگا اور جب انسانی زندگی اسی صورت میں گزر سکتی ہے جب اپنے ہم جنس سے مل جل کر رہے تو مل جل کر رہنے کے آداب سیکھنا ضروری ہیں۔

ہر وہ شخص جو دوسرے کے ساتھ مل کر رہتا ہے اس کے میل جول کے لیے کچھ آداب ہیں اور وہ اس کے حق کے مطابق ہیں اور وہ اسی قدر ہے جس قدر وہ رابطہ ہے جس کی وجہ سے وہ باہم میل جول رکھتے ہیں اور رابطہ یا تو قرابت کی وجہ سے ہوگا اور یہ سب سے خاص ہے یا اخوتِ اسلامی ہوگی اور یہ سب سے عام ہے اخوت کے معنیٰ میں دوستی اور ہم نشینی شامل ہے۔ یا ہمسائیگی کی وجہ سے رابطہ ہوگا یا سفر کی وجہ سے یا مکتب اور درس کی وجہ سے ہوگا پھر یہ دوستی ہوگی یا اخوت ——

ان روابط میں سے ہر ایک کے کچھ درجات ہیں قرابت کا حق ہے لیکن ذی رحم محرم (ایسا قریبی رشتہ دار جس سے نکاح حرام ہو مثلاً باپ بھائی وغیرہ) کا حق زیادہ تاکیدی ہے اور محرم کا بھی حق ہے لیکن والدین کا حق اس سے بھی زیادہ موکد ہے۔

اسی طرح پڑوسی کا بھی حق ہے لیکن مکان کے قرب و بعد کی وجہ سے یہ حق بھی مختلف ہے اور نسبت کے وقت فرق ظاہر ہوتا ہے مثلاً دوسرے شہروں میں ہمسایہ اسی طرح ہوتا ہے جس طرح اپنے وطن میں رشتہ دار ہوتے ہیں کیونکہ شہر میں وہ ہمسائیگی کے حق کے ساتھ خاص ہے اسی طرح جان پہچان کی وجہ سے مسلمان کا حق زیادہ تاکیدی ہو جاتا ہے اور پہچان کے بھی کئی درجات ہیں جس کی پہچان دیکھ کر ہوتی ہے اس کا حق سن کر پہچان حاصل ہونے والے کے حق سے زیادہ مؤکد ہے اس پہچان کے بعد باہم ملاقات سے حق مزید پکا ہو جاتا ہے۔

اسی طرح محبت کے بھی مختلف درجات ہیں مکتب اور درس میں جو محبت ہوتی ہے اس کا حق سفر کی محبت سے زیادہ ہے۔

اسی طرح دوستی کے درجات بھی مختلف ہیں جب یہ مضبوط ہو جائے تو اخوت بن جاتی ہے اور اگر یہ بڑھ جائے تو محبت قرار پاتی ہے اس سے زیادہ ہو جائے تو خُلت ہو جاتی ہے خلیل، حبیب کی نسبت زیادہ قریب ہوتا ہے محبت وہ ہوتی ہے جو دل میں جگہ پکڑے اور خُلت وہ ہے جو دل کے بھید دل تک پہنچ جائے پس ہر خلیل، حبیب ہے لیکن ہر حبیب خلیل نہیں۔ دوستی کے درجات مشاہدہ اور تجربہ کی بنیاد پر پوشیدہ نہیں ہیں خلت کے اخوت سے بلند ہونے کی وجہ یہ ہے کہ خلت ایک ایسی حالت ہے جو اخوت سے زیادہ مکمل ہے۔ اور یہ بات نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد گرامی سے واضح ہوتی ہے۔

آپ نے فرمایا۔

لَوْكُنْتُ مُتَّخِذًا خَلِيْلًا لَاتَّخَذْتُ اَبَا بَكْرٍ خَلِيْلًا وَلٰكِنْ صَاحِبُكُمْ خَلِيْلُ اللّٰهِ (۱)

اگر میں کسی کو اپنا خلیل بناتا تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو بناتا لیکن تمہارا صاحب (حضور علیہ السلام) اللہ تعالےٰ کا خلیل ہے۔

کیونکہ خلیل وہ ہے کہ محبت اس کے دل کے تمام اجزاء میں سرایت کر جائے ظاہراً بھی اور باطناً بھی۔ اسے گھیرے، اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دل کو اللہ تعالیٰ کی محبت کے علاوہ کسی نے نہیں گھیرا اسی لیے خُلت میں شرکت نہ ہوئی حالانکہ آپ نے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو اپنے بھائی بنایا اور فرمایا۔

عَلِيٌّ مِنِّيْ بِمَنْزِلَةِ هٰرُوْنَ مِنْ مُوْسٰى اِلَّا النُّبُوَّةَ۔ (۲)

حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کا میرے ساتھ تعلق اسی طرح ہے جس طرح حضرت ہارون علیہ السلام کا حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ ہے البتہ میرے بعد نبوت نہیں۔

⁂

تو آپ نے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو نبوت سے الگ رکھا جیسے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو خُلت سے دُور رکھا۔ تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اخوت میں حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے ساتھ شریک ہیں لیکن خلّت والے قرب میں آپ کو زائد مقام حاصل ہے کیونکہ اگر خلّت میں شرکت کی گنجائش ہوتی تو آپ میں اس کی صلاحیت موجود تھی۔ خود نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے آگاہ کرتے ہوئے فرمایا کہ اگر میں کسی کو خلیل بناتا تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو بناتا۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے حبیب بھی تھے اور خلیل بھی ایک روایت میں ہے آپ ایک دن منبر پر تشریف فرما ہوئے آپ نہایت خوشی کی حالت میں تھے آپ نے فرمایا:

اِنَّ اللّٰهَ قَدِ اتَّخَذَنِيْ خَلِيْلًا كَمَا اتَّخَذَ اِبْرَاهِيْمَ خَلِيْلًا (۳) فَاَنَا حَبِيْبُ اللّٰهِ وَاَنَا خَلِيْلُ اللّٰهِ تَعَالٰى۔

بے شک اللہ تعالیٰ نے مجھے خلیل بنایا جیسے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو خلیل بنایا، تو میں اللہ تعالیٰ کا حبیب بھی ہوں اور خلیل بھی۔

تو معرفت سے پہلے کوئی رابطہ نہیں اور خُلّت کے بعد کوئی درجہ نہیں ان دونوں کے علاوہ جو درجات ہیں وہ ان دونوں کے درمیان ہیں، اور ہم نے محبت اور اخوت کا حق ذکر کیا ہے اس میں ان دونوں کے علاوہ محبت اور خلّت بھی داخل ہے البتہ

---

(۱) صحیح بخاری جلد اول ص ۵۱۶ کتاب المناقب

(۲) صحیح بخاری جلد اول ص ۵۲۶ کتاب المناقب

(۳) المعجم الکبیر للطبرانی جلد ۸ ص ۲۳۰، حدیث ۷۸۱۶

ان حقوق میں تفاوت ہے جیسا کہ پہلے گزر گیا کہ محبت اور اخوت کے تفاوت کے اعتبار سے حقوق میں تفاوت ہے۔ حتی کہ اس کے انتہائی درجہ پر پہنچنے کے بعد جان اور مال کو قربان کر دیا جاتا ہے جیسے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے اوپر ترجیح دی اور حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ آپ کو ترجیح دیتے ہوئے اپنے بدن کو آپ کے آگے رکاوٹ بنایا۔

اب ہم اخوت اسلام، حق رحم، والدین کا حق، پڑوسی کا حق، غلاموں اور لونڈیاں کا حق بیان کرنا چاہتے ہیں نکاح کے حقوق ہم نے آدابِ نکاح کے ضمن میں بیان کر دیئے ہیں۔

مسلمانوں کے حقوق

مسلمانوں کے حقوق یہ ہیں کہ جب تم کسی مسلمان سے ملاقات کرو تو اسے سلام کرو، اس کی دعوت کو قبول کرو، اس کے چھینکنے پر "یرحمک اللہ" کہو، وہ بیمار ہو تو مزاج پرسی کرو، مر جائے تو اس کے جنازے میں شرکت کرو، (۱) جب وہ تمہارے بارے میں کوئی قسم کھائے تو اس کی قسم کو پورا کرو، جب تم سے خیر خواہی کا طالب ہو تو اس کی خیر خواہی کرو (۲)

تم سے غائب ہو تو اس کی حفاظت کرو، اس کے لیے وہی چیز پسند کرو جو اپنے لیے پسند کرتے ہو اور جو کچھ اپنے لیے ناپسند کرتے ہو اس کے لیے بھی ناپسند کرو، ان تمام باتوں کے بارے میں احادیث مبارکہ آئی ہیں۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں آپ نے فرمایا۔

اَرْبَعٌ مِنْ حَقِّ الْمُسْلِمِيْنَ عَلَيْكَ اَنْ تُعِيْنَ مُحْسِنَهُمْ وَاَنْ تَسْتَغْفِرَ لِمُذْنِبِهِمْ وَاَنْ تَدْعُوَ لِمُدْبِرِهِمْ اَنْ تُحِبَّ تَائِبَهُمْ۔ (۳)

چار باتیں مسلمانوں کے حق سے تم پر لازم ہیں ان میں سے نیکی کرنے والے کی مدد کرو ان کے گناہ گاروں کے لیے بخشش مانگو پیٹھ پھیرنے والے کے لیے دعا مانگو اور توبہ کرنے والے سے محبت کرو۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، ارشاد خداوندی رُحَمَاءُ بَيْنَهُمْ (۴) کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ ان (مسلمانوں) میں سے نیک، بدکار لوگوں کے لیے اور بدکار شخص نیک لوگوں کے لیے دعا مانگے۔ جب کوئی نیک شخص نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی امت میں سے کسی دوسرے نیک آدمی کو دیکھے تو یوں کہے۔

"یا اللہ! تو نے اس کو جو بھلائی عنایت کی ہے اس میں اسے برکت عطا فرما اسے اس پر ثابت قدم رکھ اور ہمیں اس

---

(۱) صحیح بخاری جلد اول ص ۱۶۶ کتاب الجنائز

(۲) صحیح بخاری جلد اوّل ص ۱۶۶ کتاب الجنائز

(۳) الفردوس بماثور الخطاب جلد اوّل ص ۳۷۲ حدیث ۱۴۹۹

(۴) قرآن مجید، سورۂ فتح آیت ۲۹

سے نفع عطا فرما۔" اور جب نیک آدمی کسی بدکار کو دیکھے تو یوں کہے۔

"اے اللہ! اسے ہدایت عطا فرما اور اس کی توبہ قبول فرما اور اس کے لیے اس کی خطاؤں کو بخش دے۔"

پہلا حق :

حقوقِ مسلم میں سے ایک حق یہ ہے کہ جو کچھ اپنے لیے پسند کرتا ہے وہ دوسرے مومنوں کے لیے بھی پسند کرے اور جو کچھ اپنے لیے ناپسند کرتا ہے ان کے لیے بھی ناپسند کرے۔ حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں میں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا آپ نے فرمایا۔

مَثَلُ الْمُؤْمِنِيْنَ فِيْ تَوَادِّهِمْ وَتَرَاحُمِهِمْ كَمَثَلِ الْجَسَدِ إِذَا اشْتَكٰى عُضْوٌ مِّنْهُ تَدَاعٰى سَائِرُهٗ بِالْحُمّٰى وَالسَّهَرِ (۱)

باہمی محبت اور رحمدلی میں مومنوں کی مثال ایک جسم کی طرح ہے جب جسم کے کسی ایک عضو میں تکلیف ہوتی ہے تو پورا جسم بخار اور تھکاوٹ میں مبتلا ہو جاتا ہے۔

حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا آپ نے فرمایا :

اَلْمُؤْمِنُ لِلْمُؤْمِنِ كَالْبُنْيَانِ يَشُدُّ بَعْضُهٗ بَعْضًا۔ (۲)

ایک مومن، دوسرے مومن کے لیے دیوار کی طرح ہے کہ اس کا بعض حصہ دوسرے بعض کو مضبوط کرتا ہے۔

دوسرا حق :

مسلمان کا دوسرا حق یہ ہے کہ اسے اپنے کسی فعل یا قول کے ذریعے ایذا نہ دے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :

اَلْمُسْلِمُ مَنْ سَلِمَ الْمُسْلِمُوْنَ مِنْ لِّسَانِهٖ وَيَدِهٖ (۳)

(کامل) مسلمان وہ ہے جس کی زبان اور ہاتھ سے مسلمان محفوظ ہوں۔

ایک طویل حدیث جس میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فضائل کے بارے میں تعلیم فرمائی آپ نے ارشاد فرمایا۔

فَاِنْ لَّمْ تَقْدِرْ فَدَعِ النَّاسَ مِنَ الشَّرِّ فَاِنَّهَا صَدَقَةٌ تَصَدَّقْتَ بِهَا عَلٰى نَفْسِكَ۔ (۴)

اگر تم (فائدہ پہنچانے پر) قادر نہ ہو تو لوگوں کو (اپنے) شر سے محفوظ رکھو یہ ایک صدقہ ہے جو تم اپنے نفس پر کرو گے۔

---

(۱) صحیح مسلم جلد ۲ ص ۳۲۱ کتاب البر والصلۃ

(۲) ایضاً

(۳) صحیح بخاری جلد اول ص ۶ کتاب الایمان

(۴) صحیح مسلم جلد اول ص ۶۲ کتاب الایمان

آپ نے مزید ارشاد فرمایا:

اَفْضَلُ الْمُسْلِمِیْنَ مَنْ سَلِمَ الْمُسْلِمُوْنَ مِنْ لِسَانِهٖ وَیَدِهٖ (۱)

افضل مسلمان وہ ہے جس کی زبان اور ہاتھ سے لوگ محفوظ رہیں۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا کیا تم جانتے ہو مسلمان کون ہے؟ صحابہ کرام نے عرض کیا اللہ اور اس کا رسول بہتر جانتے ہیں آپ نے فرمایا:

"مسلمان وہ ہے جس کی زبان اور ہاتھ سے مسلمان محفوظ رہیں"۔ انہوں نے پوچھا مومن کون ہے؟ آپ نے فرمایا "وہ شخص جس سے اہل ایمان اپنے نفسوں اور مالوں کو محفوظ و مامون سمجھیں"۔ انہوں نے پوچھا مہاجر کون ہے؟ آپ نے فرمایا جو آدمی گناہ کو چھوڑ دے اور اس سے بچے، ایک شخص نے پوچھا یا رسول اللہ! اسلام کیا ہے؟ آپ نے فرمایا اسلام یہ ہے کہ تمہارا دل اللہ تعالیٰ کے لئے محفوظ ہو اور مسلمان تمہاری زبان اور ہاتھ سے محفوظ رہیں۔ (۲)

حضرت مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں جہنمی خارش میں مبتلا ہوں گے تو وہ کھجلائیں گے حتیٰ کہ ان میں سے ایک کے چمڑے سے ہڈی ظاہر ہو جائے گی تو اسے پکارا جائے گا اے فلاں! کیا تمہیں اس سے تکلیف ہوتی ہے؟ وہ کہے گا ہاں، تو پکارنے والا کہے گا تو مسلمانوں کو تکلیف پہنچایا کرتا تھا یہ اس کی سزا ہے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:-

میں نے ایک آدمی کو دیکھا کہ وہ جنت میں ادھر اُدھر ٹہل رہا ہے اور یہ اس بات کا صلہ تھا جو اس نے راستے سے ایک درخت اس لیے کاٹا تھا کہ اس سے مسلمانوں کو اذیت پہنچتی تھی۔ (۳)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا یا رسول اللہ! مجھے کوئی ایسا کام بتائیے جس کا مجھے نفع ہو آپ نے فرمایا مسلمانوں کے راستے سے تکلیف دہ چیز کو ہٹا دے۔ (۴)

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "جو شخص مسلمانوں کے راستے سے اذیت ناک چیز کو ہٹا دیتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے لیے ایک نیکی لکھ دیتا ہے اور جس کے لیے اللہ تعالیٰ نیکی لکھ دے اس کے لیے اس نیکی کے باعث جنت واجب کر دیتا ہے (۵)

---

(۱) کنز العمال جلد اول ص ۱۵۱ حدیث ۷۵۰

(۲) مسند امام احمد بن حنبل جلد ۶ ص ۲۱ مرویات فضالہ بن عبید

(۳) صحیح مسلم جلد ۲ ص ۳۲۸ کتاب البر والصلۃ

(۴) صحیح مسلم جلد ۲ ص ۳۲۸ کتاب البر والصلۃ

(۵) مسند امام احمد بن حنبل جلد ۶ ص ۴۴۰ مرویات ابوالدرداء

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

لَا يَحِلُّ لِمُسْلِمٍ اَنْ يُشِيْرَ اِلٰى اَخِيْهِ بِنَظْرَةٍ تُؤْذِيْهِ ـ (۱)

کسی مسلمان کے لیے جائز نہیں کہ وہ اپنے مسلمان بھائی کی طرف ایسی نظر سے اشارہ کرے جو اس کے لیے اذیت کا باعث ہو،

اور آپ نے یہ بھی فرمایا کہ کسی مسلمان کے لیے جائز نہیں کہ وہ کسی مسلمان کو ڈرائے (۲)

آپ کا ارشاد گرامی ہے :۔

اِنَّ اللّٰهَ يَكْرَهُ اَذَى الْمُؤْمِنِيْنَ ـ (۳)

بے شک اللہ تعالیٰ مومنوں کو اذیت دینا ناپسند فرماتا ہے۔

حضرت ربیع بن خثیم فرماتے ہیں لوگ دو قسم کے ہیں ایک مومن ہے اسے ایذا نہ پہنچاؤ اور دوسرا جاہل ہے (کافر مراد ہے) اس کے ساتھ جہالت کا سلوک نہ کرو۔

تیسرا حق :

مسلمان کا تیسرا حق یہ ہے کہ اس کے لیے تواضع کرو اور تکبر کے ساتھ پیش نہ آؤ کیوں کہ اللہ تعالیٰ ہر اکڑنے والے متکبر کو پسند نہیں فرماتا۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اِنَّ اللّٰهَ تَعَالٰى اَوْحٰى اِلَيَّ اَنْ تَوَاضَعُوْا حَتّٰى لَا يَفْخَرَ اَحَدٌ عَلٰى اَحَدٍ ـ (۴)

بے شک اللہ تعالیٰ نے میری طرف وحی بھیجی کہ اے لوگو! عاجزی کرو یہاں تک کہ تم میں سے کوئی، دوسرے پر فخر نہ کرے۔

اور اگر کوئی اس سے تکبر کے ساتھ پیش آئے تو برداشت کرے۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے فرمایا۔

خُذِ الْعَفْوَ وَاْمُرْ بِالْعُرْفِ وَاَعْرِضْ عَنِ الْجَاهِلِيْنَ (۵)

عفو و درگزر سے کام لیں نیکی کا حکم دیں اور جاہلوں سے منہ پھیر لیں۔

---

(۱) کتاب الزھد والرقائق ص ۲۴۰ حدیث ۶۸۹

(۲) کتاب الزھد والرقائق ص ۲۴۰ حدیث ۶۸۸

(۳) کتاب الزھد والرقائق ص ۲۴۱ حدیث ۶۹۳

(۴) سنن ابی داؤد جلد ۲ ص ۳۱۵ کتاب الادب

(۵) قرآن مجید سورۂ اعراف آیت ۱۹۹

حضرت ابن ابی اوفی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہر مسلمان کے لیے تواضع کرتے تھے آپ تکبر و غرور نہ فرماتے اور کسی بیوہ اور مسکین کے ساتھ جا کر اس کی ضرورتوں کو پورا کرنے میں تکبر سے کام نہ لیتے۔ (۱)

چوتھا حق :

لوگوں کی ایک دوسرے کے خلاف شکایات نہ سنی جائیں اور نہ ہی کسی کے بارے میں ایک سے بات سن کر دوسرے تک پہنچائی جائے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :

لَا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ قَتَّاتٌ ۔ (۲)

چغل خور جنت میں داخل نہیں ہوگا۔

حضرت خلیل بن احمد نے فرمایا :

جو شخص دوسروں کی چغلی تیرے سامنے کھاتا ہے وہ دوسروں کے سامنے تیری چغلی کھائے گا اور جو دوسروں کی خبریں تمہیں پہنچاتا ہے وہ تیری خبر دوسروں تک پہنچائے گا۔

پانچواں حق :

جس آدمی سے پہچان ہے جب اس سے ناراض ہو تو تین دن سے زیادہ بول چال نہ چھوڑے حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :

لَا يَحِلُّ لِمُسْلِمٍ اَنْ يَّهْجُرَ اَخَاهُ فَوْقَ ثَلَاثٍ يَلْتَقِيَانِ فَيُعْرِضُ هٰذَا وَيُعْرِضُ هٰذَا وَخَيْرُهُمَا الَّذِيْ يَبْدَءُ بِالسَّلَامِ ۔ (۳)

کسی مسلمان کے لیے جائز نہیں کہ وہ اپنے (مسلمان) بھائی کو تین دن سے زیادہ چھوڑے رکھے کہ دونوں آپس میں یوں ملاقات کریں کہ یہ بھی رُخ پھیر لے اور وہ بھی، اور ان میں سے بہتر وہ ہے جو سلام کے ذریعے ابتدا کرتا ہے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :

مَنْ اَقَالَ مُسْلِمًا عَثْرَتَهٗ اَقَالَهُ اللّٰهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ ۔ (۴)

جو شخص کسی مسلمان کی لغزش معاف کر دے اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کی خطاؤں کو معاف کر دے گا۔

---

(۱) سنن نسائی جلد اول ص ۲۰۹ کتاب الجمعۃ

(۲) صحیح بخاری جلد ۲ ص ۸۹۵ کتاب الادب

(۳) صحیح بخاری جلد ۲ ص ۸۹۷ کتاب الادب

(۴) المستدرک للحاکم جلد ۲ ص ۴۵ کتاب البیوع

حضرت عکرمہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ نے حضرت یوسف علیہ السلام سے فرمایا چونکہ آپ نے اپنے بھائیوں کو معاف کر دیا اس لیے ہم نے دونوں جہانوں میں آپ کے ذکر کو بلند کر دیا۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ذات کے لیے کبھی بدلہ نہیں لیا البتہ اللہ تعالیٰ کی حرمات کی توہین کی جاتی ہے تو آپ اللہ تعالیٰ کے لیے بدلہ لیتے (۱)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں جو شخص کسی کی زیادتی کو معاف کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کی عزت کو بڑھاتا ہے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا صدقہ سے مال کم نہیں ہوتا اور کسی کو معاف کرنے سے عزت ہی بڑھتی ہے اور جو شخص اللہ تعالیٰ کے لیے تواضع کرتا ہے اللہ تعالیٰ اسے بلندی عطا کرتا ہے۔ (۲)

چھٹا حق:

مسلمانوں میں سے جس کے ساتھ جس قدر ہو سکے اچھا سلوک کرے اہل اور غیر اہل کی تمیز نہ کرے حضرت علی بن حسین اپنے والد سے اور وہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں وہ فرماتے ہیں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اِصْنَعِ الْمَعْرُوْفَ فِیْ اَهْلِهٖ وَغَیْرِ اَهْلِهٖ فَاِنْ اَصَبْتَ اَهْلَهٗ فَهُوَ اَهْلُهٗ وَاِنْ لَمْ تُصِبْ اَهْلَهٗ فَاَنْتَ مِنْ اَهْلِهٖ (۳)

اہل اور غیر اہل سب سے اچھا سلوک کرو اگر تم اہل تک پہنچ گئے تو وہ اس کا مستحق ہے اور اگر وہ اس کا اہل نہ تھا تو خود تم اس کے مستحق ہو۔

انہی سے مروی ہے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

رَأْسُ الْعَقْلِ بَعْدَ الدِّیْنِ التَّوَدُّدُ اِلَی النَّاسِ وَاصْطِنَاعُ الْمَعْرُوْفِ اِلٰی كُلِّ بَرٍّ وَّفَاجِرٍ (۴)

دین کے بعد عقل کی بنیاد لوگوں سے محبت کرنا اور ہر نیک و بد سے اچھا سلوک کرنا ہے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب کسی کا ہاتھ پکڑتے تو جب تک وہ نہ چھوڑتا آپ نہ چھوڑتے آپ کا زانو آپ کے جلیس کے زانو سے الگ دکھائی نہ دیتا اور آپ جس سے کلام کرتے اس کی طرف پورے طرح متوجہ ہوتے اور جب تک کلام سے فارغ نہ ہوتے اس سے رخ نہ پھیرتے۔

ساتواں حق:

---

(۱) صحیح بخاری جلد اوّل ص ۵۰۳ کتاب المناقب

(۲) صحیح مسلم جلد ۲ ص ۳۲۱ کتاب البر والصلۃ

(۳) میزان الاعتدال جلد ۲ ص ۵۵۰ حدیث ۴۸۲۳

(۴) کنزالعمال ج ۹ ص ۱۰۵ حدیث ۲۵۰۲۳

کسی کے ہاں اس کی اجازت کے بغیر نہیں جانا چاہیئے بلکہ تین مرتبہ اجازت طلب کرے اگر اجازت نہ ملے تو واپس لوٹ جائے۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

اَلِاسْتِئْذَانُ ثَلَاثٌ فَالْاُوْلٰى يَسْتَنْصِتُوْنَ وَالثَّانِيَةُ يَسْتَصْلِحُوْنَ وَالثَّالِثَةُ يَأْذَنُوْنَ اَوْ يَرُدُّوْنَ۔ (۱)

اجازت تین بار لینا ہے پہلی بار وہ خاموش ہو جائیں گے، دوسری بار وہ مشورہ کریں گے اور تیسری بار اجازت دیں گے یا لوٹا دیں گے۔

آٹھواں حق:

تمام لوگوں کے ساتھ اچھے اخلاق سے پیش آئے اور ہر ایک سے اس کے طریقے کے مطابق معاملہ کرے (یا گفتگو کرے) کیونکہ جاہل کے ساتھ علمی طریقے پر، ان پڑھ کے ساتھ فقہ کے مطابق اور عاجز کے ساتھ بیان و تقریر کے طور پر پیش آئے گا تو اسے بھی اذیت پہنچائے گا اور خود بھی تکلیف اٹھائے گا۔

نواں حق:

بزرگوں کا ادب اور بچوں پر شفقت کی جائے۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

لَيْسَ مِنَّا مَنْ لَّمْ يُوَقِّرْ كَبِيْرَنَا وَلَمْ يَرْحَمْ صَغِيْرَنَا۔ (۲)

وہ شخص ہم میں سے نہیں جو ہمارے بڑوں کی عزت اور چھوٹوں پر رحم نہیں کرتا۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

مِنْ اِجْلَالِ اللّٰهِ اِكْرَامُ ذِى الشَّيْبَةِ الْمُسْلِمِ (۳)

بوڑھے مسلمان کی عزت کرنا تعظیم خداوندی سے ہے۔

بزرگوں کی تعظیم و توقیر کا تقاضا ہے کہ ان کے سامنے ان کی اجازت کے بغیر گفتگو نہ کرے ــ حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں جہینہ کا وفد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا تو ایک لڑکے نے کھڑے ہو کر گفتگو کرنے کا ارادہ کیا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ٹھہر جاؤ بڑا کہاں ہے۔ (۴)

ایک حدیث شریف میں ہے۔

---

(۱) کنز العمال جلد ۹ ص ۵۰۱ حدیث ۲۵۲۰۳

(۲) مسند امام احمد بن حنبل جلد ۲ ص ۲۰۷ مرویات عبداللہ بن عمرو بن عاص

(۳) سنن ابی داؤد جلد ۲ ص ۳۰۹ کتاب الادب

(۴) تاریخ بغداد جلد ۱۲ ص ۴۷۷ ترجمہ ۶۹۴۸

مَا أَكْرَمَ شَابٌّ شَيْخًا إِلَّا قَيَّضَ اللّٰهُ لَهٗ فِي سِنِّهٖ مَنْ يُّكْرِمُهٗ۔ (۱)

جو نوجوان کسی بوڑھے آدمی کی عزت کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے بڑھاپے میں اس کی عزت کے لیے کسی کو مقرر کر دیتا ہے۔

اس حدیث میں لمبی زندگی کی بشارت ہے اور اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ بزرگوں کی عزت کی توفیق اسی شخص کو دی جاتی ہے جس کے لیے طویل عمر کا فیصلہ ہو چکا ہو۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

لَا تَقُوْمُ السَّاعَةُ حَتّٰى يَكُوْنَ الْوَلَدُ غَيْظًا وَّالْمَطَرُ قَيْظًا وَتَفِيْضُ اللِّئَامُ فَيْضًا وَّتَغِيْضُ الْكِرَامُ غَيْضًا وَّيَجْتَرِئُ الصَّغِيْرُ عَلَى الْكَبِيْرِ وَاللَّئِيْمُ عَلَى الْكَرِيْمِ۔ (۲)

قیامت قائم نہیں ہوگی یہاں تک کہ لڑکا (والدین پر) غصے والا ہوگا، بارش کمزور اور کمینوں کی کثرت ہوگی عزت دار لوگ ناپید ہو جائیں گے، چھوٹے بڑوں پر اور کمینے، معزز لوگوں پر جرأت کرنے والے ہوں گے۔

بچوں کے ساتھ نرمی کا سلوک کرنا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت مبارکہ تھی آپ سفر سے واپس تشریف لاتے تو بچوں سے ملاقات کرتے (۳) وہاں کھڑے ہو جاتے اور بچوں کو اٹھا کر اپنے ساتھ بٹھانے کا حکم دیتے تو ان میں سے کسی کو آپ کے آگے اور کسی کو پیچھے بٹھا دیا جاتا اور بعض بچوں کو بٹھانے کے لیے آپ صحابہ کرام کو حکم دیتے (کہ وہ اپنے ساتھ بٹھائیں) کئی مرتبہ بچے ایک دوسرے پر فخر کرتے ہوئے کہتے مجھے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے آگے بٹھایا اور تمہیں اپنے پیچھے سوار کیا اور بعض کہتے کہ تمہیں پیچھے بٹھانے کے لیے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام کو حکم دیا۔

اسی طرح چھوٹے بچے کو لایا جاتا تاکہ آپ اس کے لیے برکت کی دعا فرمائیں اور اس کا نام رکھیں تو آپ اسے پکڑ کر اپنی گود میں بٹھا لیتے کئی مرتبہ بچہ پیشاب کر دیتا اور دیکھنے والے زور زور سے آواز دیتے تو آپ فرماتے بچے کا پیشاب نہ روکو (۴) تو اسے چھوڑ دیتے حتیٰ کہ وہ مکمل طور پر پیشاب کر لیتا پھر اس کے لیے دعا فرماتے اور اس کا نام رکھتے اور اس سلسلے میں اس کے گھر والوں کو خوش کرتے تاکہ وہ یہ خیال نہ کریں کہ بچے کے پیشاب کی وجہ سے آپ کو تکلیف ہوئی ہے۔ جب وہ چلے جاتے تو آپ اپنا کپڑا مبارک دھو لیتے۔

دسواں حق:

---

(۱) کنز العمال جلد ۳ ص ۱۴۲، حدیث ۶۰۱۴

(۲) مجمع الزوائد جلد ۷ ص ۳۲۵ کتاب الفتن

(۳) سنن ابن ماجہ ص ۲۷۵ ابواب الادب

(۴) صحیح مسلم جلد اول ص ۱۳۹ کتاب الطہارت۔

آدمی تمام لوگوں کے ساتھ ہشاش بشاش اور نرم مزاجی کے ساتھ رہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

کیا تم جانتے ہو کس شخص پر جہنم کی آگ حرام کی گئی ہے؟ صحابہ کرام نے عرض کیا اللہ اور اس کا رسول بہتر جانتے ہیں آپ نے فرمایا اس شخص پر جہنم حرام ہے جو نرم خو، منکسر المزاج، آسانی کرنے والا اور ملنسار رہے۔ (۱)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اِنَّ اللّٰہَ یُحِبُّ السَّھْلَ الطَّلْقَ الْوَجْہَ۔ (۲)

بے شک اللہ تعالیٰ نرم خو ہشاش بشاش شخص کو پسند کرتا ہے۔

کسی صحابی نے عرض کیا یا رسول اللہ! مجھے کوئی ایسا عمل بتائیے جو مجھے جنت کا راستہ دکھائے۔

آپ نے فرمایا:

اِنَّ مِنْ مُوْجِبَاتِ الْمَغْفِرَۃِ بَذْلُ السَّلَامِ وَحُسْنُ الْکَلَامِ (۳)

بے شک مغفرت کو واجب کرنے والی باتوں میں سے سلام کا پھیلانا اور حُسنِ کلام بھی ہے۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں۔ نیکی آسان ہے چہرہ ہشاش بشاش ہو اور کلام نرم ہو۔

سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا،

اِتَّقُوا النَّارَ وَلَوْ بِشِقِّ تَمْرَۃٍ فَمَنْ لَّمْ یَجِدْ فَبِکَلِمَۃٍ طَیِّبَۃٍ (۴)

جہنم سے بچو اگرچہ کھجور کے ایک ٹکڑے سے ہو اور جو نہ پائے وہ اچھی گفتگو کے ذریعے بچے)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

جنت میں کچھ کوٹھڑیاں ہیں جن کا باہر اندر سے اور اندر باہر سے نظر آتا ہے ایک اعرابی نے عرض کیا یا رسول اللہ! وہ کس کے لیے ہیں؟ آپ نے فرمایا جو اچھی گفتگو کرے، (بھوکوں کو) کھانا کھلائے اور اس وقت نماز پڑھے جب لوگ سوئے ہوئے ہوں۔ (۵)

---

(۱) مجمع الزوائد جلد ۴ ص ۷۵ کتاب البیوع

(۲) شعب الایمان جلد ۶ ص ۲۵۴ حدیث ۸۰۵۵

(۳) کنز العمال جلد ۹ ص ۱۱۶ حدیث ۲۵۲۵۸

(۴) صحیح بخاری جلد ۲ ص ۹۰۸ کتاب الادب

(۵) مسند امام احمد بن حنبل جلد ۲ ص ۱۷۳ مرویات عبداللہ بن عمرو۔

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے فرمایا میں تجھے تقوی، سچی بات، ایفائے عہد، ادائے امانت، ترکِ خیانت، حفاظت حق ہمسائیگی، یتیم پر رحمت، نرم کلامی، سلام کرنے اور تواضع کی وصیت کرتا ہوں[1]۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں ایک عورت بارگاہ نبوی میں حاضر ہوئی اور اس نے کہا مجھے آپ سے کام ہے، آپ کے ساتھ کچھ صحابہ کرام بھی تھے آپ نے فرمایا تو جس گلی کے کنارے پر بیٹھ جائے میں اسی جگہ بیٹھ کر تیری بات سنوں گا۔ اس نے ایسا ہی کیا تو آپ نے وہاں بیٹھ کر اس کا کام کر دیا (۲)

حضرت وہب بن منبہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں بنی اسرائیل کے ایک شخص نے ستر سال روزہ رکھا وہ ہفتے میں ایک روز افطار کرتا تھا اس نے اللہ تعالیٰ سے سوال کیا کہ وہ اسے دکھائے شیطان انسانوں کو کیسے گمراہ کرتا ہے جب ایک عرصہ گزر گیا اور اس کی دعا قبول نہ ہوئی تو اس نے کہا اگر میں اس خطا پر مطلع ہو جاتا جو میرے اور میرے رب کے درمیان ہے تو اس دعا سے بہتر تھا اللہ تعالیٰ نے ایک فرشتہ بھیجا اس نے کہا اللہ تعالیٰ نے مجھے تیرے پاس بھیجا ہے اور وہ فرماتا ہے تم نے جو کلام کیا ہے وہ میرے نزدیک تیری عبادت سے زیادہ پسندیدہ ہے اللہ تعالیٰ نے تمہاری نگاہ کو کھول دیا ہے اب تو دیکھ اس نے دیکھا تو شیطانوں کے لشکر نے زمین کو گھیرا ہوا تھا اور ان سے کوئی بھی بچا ہوا نہیں تھا وہ مکھیوں کی طرح ان کے گرد تھے اس نے پوچھا یا اللہ! اس سے کون بچے گا؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا پرہیزگار نرم مزاج شخص محفوظ رہتا ہے۔

گیارھواں حق :

مسلمان سے جو وعدہ کیا جائے اسے پورا کیا جائے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

اَلْعِدَۃُ عَطِیَّۃٌ (۳) — وعدہ ایک عطیہ ہے۔

نیز فرمایا:۔

اَلْعِدَۃُ دَیْنٌ ۔ (۴) — وعدہ ایک قرض ہے۔

آپ نے ارشاد فرمایا:

ثَلَاثٌ فِي الْمُنَافِقِ اِذَا حَدَّثَ كَذَبَ وَاِذَا وَعَدَ اَخْلَفَ وَاِذَا ائْتُمِنَ خَانَ ۔ (۵)

تین باتیں منافق کی علامت ہیں جب بات کرتا ہے، تو جھوٹ بولتا ہے جو وعدہ کرتا ہے تو اسے پورا نہیں کرتا اور جب اس کے پاس امانت رکھی جائے تو خیانت کرتا ہے۔

---

(۱) حلیۃ الاولیاء جلد اول ص ۲۴۱ ترجمہ ۳۶

(۲) مسند امام احمد بن حنبل جلد ۳ ص ۲۱۴ مرویات انس بن مالک

(۳) مجمع الزوائد جلد ۴ ص ۱۶۶ کتاب البیوع

(۴) ایضاً۔

(۵) صحیح بخاری جلد اول ص ۱۰ کتاب الایمان

ایک دوسری روایت میں ہے کہ جس آدمی میں تین باتیں ہوں وہ منافق ہے اگرچہ روزہ رکھے اور نماز پڑھے اور یہی تین امور ذکر فرمائے (۱)

بارھواں حق :

لوگوں کو اپنی طرف سے انصاف مہیا کرے اور انہیں وہ کچھ نہ دے جو خود لینا نہیں چاہتا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :

بندے کا ایمان اس وقت تک مکمل نہیں ہوتا جب تک اس میں تین باتیں نہ ہوں مفلسی کی حالت میں خرچ کرنا، انصاف مہیا کرنا اور سلام کرنا (۲) نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا :

جس آدمی کو پسند ہو کہ اسے جہنم سے دور رکھا جائے اور جنت میں داخل کیا جائے تو اس کی موت اس حالت میں آئے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی توحید اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کی گواہی دیتا ہو اور لوگوں کو وہی چیز دے جسے خود لینا پسند کرتا ہے (۳)

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا :

اے ابوالدرداء رضی اللہ عنہ جو شخص تیرا ہمسایہ ہو اس کے ساتھ اچھی ہمسائیگی اختیار کرو، مومن ہو گے اور لوگوں کے لیے وہ بات پسند کرو جو اپنے لیے پسند کرتے ہو مسلمان ہو گے (۴)

حضرت حسن بصری رحمہ اللہ فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کی طرف چار باتوں کی وحی فرمائی اور فرمایا کہ یہ چار باتیں آپ کے لیے اور آپ کی اولاد کے لیے تمام امور کی جامع ہیں ۱ ایک میرے لیے ہے ۲ دوسری آپ کے لیے ۳ تیسری میرے اور آپ کے درمیان ہے اور چوتھی آپ کے اور باقی مخلوق کے درمیان ہے۔ جو بات میرے لیے ہے وہ یہ ہے کہ آپ میری عبادت کریں اور میرے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرائیں، جو آپ کے لیے ہے وہ یہ ہے کہ میں آپ کو آپ کے عمل کا بدلہ اس وقت دوں گا جب آپ کو اس کی بہت زیادہ ضرورت ہوگی، جو بات میرے اور آپ کے درمیان ہے وہ یہ ہے کہ آپ دعا کریں میں اسے قبول کروں گا۔ اور جو آپ کے اور لوگوں کے درمیان ہے وہ یہ ہے کہ آپ ان کے ساتھ مجلس اس طریقے پر اختیار کریں جس طرح آپ چاہتے ہیں کہ وہ آپ کی ہمنشینی کریں۔

---

(۱) مسند امام احمد بن حنبل جلد ۲ ص ۵۳۶ مرویات ابوہریرہ
(۲) صحیح بخاری جلد اول ص ۹ کتاب الایمان
(۳) صحیح مسلم جلد ۲ ص ۱۲۶ کتاب الامارۃ
(۴) کنز العمال جلد ۵ ص ۵۱۸ حدیث ۴۳۲۸۶

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے سوال کیا اے میرے رب! تیرا کونسا بندہ زیادہ عدل والا ہے؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا جو دوسروں کو انصاف مہیا کرے۔

تیرھواں حق:

جس شخص کی شکل وصورت اور لباس اس کے بلند مرتبہ ہونے پہ دلالت کرے اس کی زیادہ عزت کرو یعنی لوگوں کو ان کے مراتب کے مطابق سمجھنا چاہیے۔ ایک روایت میں ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ایک سفر میں تھیں آپ نے ایک جگہ پڑاؤ کیا اور کھانا سامنے رکھا تو ایک سائل آگیا آپ نے فرمایا اس مسکین کو ایک روٹی دے دو پھر ایک شخص سواری پہ گزرا آپ نے فرمایا اسے کھانے کی دعوت دو عرض کیا گیا آپ نے مسکین کو روٹی دی اور اس مالدار کو دعوت دے دی ہے؟ ام المومنین نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے لوگوں کو ان کے مقام پر رکھا ہے لہذا ہمارے لیے بھی ضروری ہے کہ ہر ایک کے ساتھ اس کے مقام ومرتبہ کے مطابق سلوک کریں۔ یہ مسکین ایک روٹی پر راضی ہو جاتا ہے اور بری بات ہے کہ ہم اس مالدار آدمی کو اسی طریقے پر روٹی دے دیں۔

ایک روایت میں ہے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے کسی حجرۂ مبارکہ میں تشریف لے گئے صحابہ کرام بھی اندر داخل ہو گئے حتیٰ کہ مجلس بھر گئی اتنے میں حضرت جریر بن عبداللہ بجلی رضی اللہ عنہ حاضر ہوئے انہیں جگہ نہ ملی تو وہ دروازے پر بیٹھ گئے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی چادر کو لپیٹ کر ان کی طرف پھینک دیا اور فرمایا اس پر بیٹھ جاؤ۔ حضرت جریر رضی اللہ عنہ نے اسے لے کر اپنے چہرے سے لگایا اور اسے چومتے ہوئے رونے لگے پھر اسے لپیٹ کر حضور علیہ السلام کی خدمت میں پیش کر دیا اور عرض کیا میں آپ کے مبارک کپڑے پر نہیں بیٹھ سکتا اللہ تعالیٰ آپ کو اعزاز عطا فرمائے جس طرح آپ نے میری عزت افزائی فرمائی ہے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دائیں بائیں دیکھتے ہوئے ارشاد فرمایا:

اِذَا اَتَاكُمْ كَرِيْمُ قَوْمٍ فَاَكْرِمُوْهُ۔ (۱)

جب تمہارے پاس کسی قوم کا کوئی معزز آدمی آئے تو اس کی عزت کیا کرو۔

اسی طرح جس آدمی کا کوئی پہلے سے حق موجود ہو اس کی بھی عزت کی جائے۔

ایک روایت میں ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی دایہ جنہوں نے آپ کو دودھ پلایا تھا، آپ کے پاس تشریف لائیں تو آپ نے ان کے لیے اپنی چادر بچھائی پھر فرمایا "مَرْحَبًا بِاُمِّیْ" میری ماں کا آنا مبارک ہو اس کے بعد چادر مبارک پہ بٹھایا اور فرمایا۔

آپ سفارش کیجئے مانی جائے گی اور مطالبہ کیجئے دیا جائے گا۔ انہوں نے کہا میری قوم میرے حوالے کر دیں آپ نے فرمایا

(۱) المستدرک للحاکم جلد ۴ ص ۲۹۲ کتاب الادب

جہاں تک میرے اور بنو ہاشم کے حق کا تعلق ہے تو وہ آپ کے لیے ہے (یہ سن کر) ہر طرف سے صحابہ کرام اُٹھ کر عرض کرنے لگے (۱) یا رسول اللہ! ہمارا حق بھی (ان کے حوالے ہے)، پھر ان کے ساتھ حسن سلوک کیا ان کی خدمت کی اور غزوہ حنین سے ملنے والا اپنا حصہ ان کو دے دیا یہ حصہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ پر ایک لاکھ درہم میں فروخت کیا گیا۔

بعض اوقات آپ کی خدمت میں کوئی حاضر ہوتا اور آپ بچھونے پر تشریف فرما ہوتے (۲) اس پر اتنی گنجائش نہ ہوتی کہ وہ آپ کے ساتھ بیٹھے تو آپ اسے نکال کر اس کے نیچے بچھا دیتے تاکہ وہ اس پر اور اگر وہ انکار کرتا تو آپ اصرار فرماتے حتیٰ کہ وہ بیٹھ جاتا۔ (۳)

چودھواں حق:

اگر کوئی صورت بنتی ہو تو مسلمانوں کے درمیان صلح کرائی جائے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

کیا میں تمہیں نہ بتاؤں کہ نماز، روزے اور صدقہ سے بڑھ کر کس چیز کا درجہ ہے؟ صحابہ کرام نے عرض کیا جی ہاں یا رسول اللہ! بتلائیے آپ نے فرمایا آپس میں صلح رکھنا جب کہ باہمی فساد مونڈنے والا ہے (۴)

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اَفْضَلُ الصَّدَقَۃِ اِصْلَاحُ ذَاتِ الْبَیْنِ (۵)   بہترین صدقہ باہمی صلح ہے

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف فرما تھے کہ آپ مسکرائے حتیٰ کہ آپ کے سامنے کے دانت مبارک ظاہر ہو گئے۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے عرض کیا یا رسول اللہ! میرے ماں باپ آپ پر فدا ہوں مسکراہٹ کا باعث کیا ہے؟ آپ نے فرمایا میری امت کے دو مرد اللہ تعالیٰ کے سامنے دوزانو بیٹھے ہوں گے ان میں سے ایک عرض کرے گا یا اللہ! اس سے میرا حق دلا دے اللہ تعالیٰ فرمائے گا اپنے بھائی کا حق واپس دو، وہ کہے گا یا اللہ! میری نیکیوں میں سے کچھ بھی نہیں رہا اللہ تعالیٰ اس مطالبہ کرنے والے سے پوچھے گا تو اپنے بھائی کے ساتھ کیا سلوک کرتا ہے؟ اس کے پاس تو نیکیوں میں سے کچھ بھی نہیں رہا، وہ عرض کرے گا اے میرے رب! میرے گناہوں کا بوجھ اس پر ڈال دے ــــ یہ بیان کرتے ہوئے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے آپ نے فرمایا وہ بہت سخت دن ہوگا اس دن لوگ ضرورت محسوس کریں گے کہ ان کے گناہ کوئی دوسرا اٹھالے آپ نے فرمایا اللہ تعالیٰ فرمائے گا اے مظلوم! آنکھ اٹھا کر جنت کی طرف دیکھ وہ عرض کرے گا اے میرے رب! میں دیکھ رہا ہوں چاندی سے

---

(۱) مجمع الزوائد جلد ۶ ص ۱۸۷، ۱۸۸ کتاب المغازی

(۲) مسند امام احمد بن حنبل جلد ۲ ص ۹۶ مرویات ابن عمر

(۳) سنن ابی داؤد جلد ۳ ص ۳۱۷ کتاب الادب (۴) سنن ابی داؤد جلد ۲، ص ۳۱۸ کتاب الادب

(۵) مجمع الزوائد جلد ۸ ص ۸۰ کتاب الادب

بنے ہوئے شہر ہیں اور کچھ محلات سونے کے ہیں جن پر موتی جڑے ہوئے ہیں یہ کس نبی یا کس صدیق یا کس شہید کے لیے ہیں؟ اللہ تعالیٰ فرمائے گا یہ اس کے لیے ہیں جو ان کی قیمت ادا کرے وہ کہے گا یا اللہ! ان کی قیمت کون دے سکتا ہے؟ اللہ تعالیٰ فرمائے گا تو دے سکتا ہے وہ عرض کرے گا اے میرے رب کس چیز کے ذریعے، اللہ تعالیٰ فرمائے گا اپنے بھائی کو معاف کرنے کے ذریعے وہ عرض کرے گا اے میرے رب! میں نے اسے معاف کر دیا! اللہ تعالیٰ فرمائے گا اپنے بھائی کا ہاتھ پکڑ کر اسے جنت میں ساتھ لے جا۔

اس کے بعد نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور آپس میں صلح رکھو بے شک اللہ تعالیٰ قیامت کے دن ایمان والوں میں صلح کرائے گا۔ (۱)

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

لَيْسَ بِكَذَّابٍ مَنْ اَصْلَحَ بَيْنَ اثْنَيْنِ فَقَالَ خَيْرًا (۲)

وہ شخص جھوٹا نہیں جو دو آدمیوں کے درمیان صلح کراتے ہوئے اچھی بات کہے۔

یہ حدیث اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ لوگوں کے درمیان صلح کرانا واجب ہے کیونکہ جھوٹ کو چھوڑنا بھی واجب ہے اور واجب کسی ایسے واجب سے ہی ساقط ہوتا ہے جو اس سے زیادہ موکد ہو۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

ہر جھوٹے کا گناہ لکھا جاتا ہے مگر وہ شخص جو لڑائی کے سلسلے میں جھوٹ بولتا ہے کیونکہ لڑائی چال کا نام ہے، یا دو آدمیوں کے درمیان صلح کرانے کے لیے جھوٹ بولتا ہے اور اس طرح ان کے درمیان صلح کرواتا ہے یا اپنی بیوی سے جھوٹ بول کر اسے راضی کرتا ہے (۳)

پندرھواں حق:

تمام مسلمانوں کے عیب چھپائے جائیں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

مَنْ سَتَرَ عَلٰى مُسْلِمٍ سَتَرَهُ اللّٰهُ فِى الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ۔ (۴)

جو شخص کسی مسلمان کی پردہ پوشی کرتا ہے اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس (کے عیبوں) پہ پردہ ڈالے گا۔

---

(۱) المستدرک للحاکم جلد ۴ ص ۶، ۵ کتاب الاہوال

(۲) صحیح بخاری جلد اول ص ۳۷۱ کتاب الصلح

(۳) مسند امام احمد بن حنبل جلد ۶ ص ۴۵۴ مرویات اسماء بنت یزید

(۴) صحیح مسلم جلد ۲ ص ۳۴۵ کتاب الذکر

اور آپ نے یہ بھی ارشاد فرمایا:

لَا يَسْتُرُ عَبْدٌ عَبْدًا إِلَّا سَتَرَهُ اللهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ - (۱)
جو شخص بھی کسی بندے کے عیب چھپاتا ہے اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کی پردہ پوشی فرمائے گا۔

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

لَا يَرَى الْمُؤْمِنُ مِنْ أَخِيهِ عَوْرَةً فَيَسْتُرُهَا عَلَيْهِ إِلَّا دَخَلَ الْجَنَّةَ - (۲)
جو مومن اپنے بھائی کا عیب دیکھ کر اس کو چھپاتا ہے وہ جنت میں داخل ہو گا۔

حضرت ماعز رضی اللہ عنہ نے جب اپنا واقعہ (واقعۂ زنا) بتایا تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر تم اسے اپنے کپڑے کے نیچے چھپا دیتے تو اچھا تھا۔ (۳) تو مسلمان پر واجب ہے کہ وہ اپنے عیب چھپائے اس لیے کہ خود اس کے اپنے اسلام کا حق اس پر اسی طرح لازم ہے جس طرح دوسرے کے اسلام کا حق واجب ہے۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں اگر میں کسی شراب نوش کو پاؤں تو مجھے یہ بات پسند ہو گی کہ اللہ تعالیٰ اس پر پردہ ڈال دے اور اگر میں کسی چور کو پاؤں تو بھی پسند کروں گا کہ اللہ تعالیٰ اس کی پردہ پوشی کرے۔

ایک روایت میں ہے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ ایک رات مدینہ طیبہ میں گشت فرما رہے تھے آپ نے ایک مرد و عورت کو زنا کا ارتکاب کرتے ہوئے دیکھا صبح ہوئی تو آپ نے لوگوں سے فرمایا مجھے بتاؤ اگر حاکم ایک مرد اور ایک عورت کو زنا کا مرتکب دیکھے اور ان پر حد قائم کرے تو تم کیا کرو گے، انہوں نے کہا آپ امام ہیں (آپ کو اختیار ہے) حضرت علی المرتضی رضی اللہ عنہ نے فرمایا ایسا نہیں ہو گا بلکہ اس صورت میں آپ پر حد قائم ہو گی کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اس عمل پر کم از کم چار گواہ مقرر کئے ہیں، پھر کچھ دن ٹھہرنے کے بعد آپ نے پوچھا تو صحابہ کرام نے پہلے والا جواب دہرایا اور حضرت علی المرتضی رضی اللہ عنہ بھی وہی پہلے والا جواب دیا۔

؎ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ اس بات پر پریشان تھے کہ کیا حاکم اللہ تعالیٰ کی حدود میں محض اپنے علم سے فیصلہ کر سکتا ہے اسی لیے آپ نے خبر دیتے ہوئے نہیں بلکہ ایک مسئلہ فرض کر کے سوال کیا کیوں کہ آپ کو اس بات کا خوف تھا کہیں ایسا نہ ہو کہ یہ بات میرے لیے درست نہ ہو اور یہ قذف (الزام تراشی) نہ بن جائے اور حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی رائے اس بات کی طرف میلان رکھتی تھی کہ آپ کو یہ اختیار نہیں ہے۔

---

(۱) صحیح مسلم جلد ۲ ص ۳۲۲ کتاب البر والصلۃ

(۲) شرح السنۃ جلد ۳ ص ۹۹ حدیث ۳۵۱۹

(۳) سنن ابی داؤد جلد ۲ ص ۲۵۴ کتاب الحدود

تو شریعت میں کسی کے عیب کو چھپانا مطلوب ہے اور اس کی یہ سب سے بڑی دلیل ہے کیوں کہ زنا سب سے زیادہ بے حیائی کا کام ہے اور اس کے ثبوت کا دارومدار چار عادل گواہوں پر ہے جو اس کی گواہی اس طرح دیں جیسے سُرمہ سلائی، سرمہ دانی میں داخل ہوتی ہے اور اس بات پر کبھی بھی اتفاق نہیں ہو سکتا اور اگر قاضی کو تحقیق کے ساتھ معلوم ہو تب بھی اس کے لیے جائز نہیں کہ اسے ظاہر کرے۔

تو سب سے بڑی سزا رجم کے ذریعے بے حیائی کے دروازے کو بند کرنے کی حکمت کو دیکھو پھر اللہ تعالیٰ کی پردہ پوشی کو بھی دیکھو کہ اپنی مخلوق کے گناہوں پر کسی طرح پردہ ڈالا کہ اس کے ثبوت کا راستہ تنگ کر دیا تو ہمیں امید ہے کہ جس دن بھید کھلیں گے ہم اس کرم خداوندی سے محروم نہیں ہوں گے۔

ایک حدیث شریف میں ہے کہ اللہ تعالیٰ جب دنیا میں کسی بندے کے عیبوں کو چھپاتا ہے تو وہ ذات کریم آخرت میں اسے کیسے ظاہر کرے گی اور اگر دنیا میں اسے ظاہر کر دے تو اس کے کرم کا تقاضا ہے کہ دوبارہ ظاہر نہ کرے۔(۱)

حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں میں ایک رات مدینہ طیبہ میں حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے ہاں باہر نکلا، ہم چل رہے تھے کہ ہم نے ایک چراغ دیکھا تو اس طرف چل پڑے جب اس کے قریب گئے تو دیکھا دروازہ بند ہے اور اندر کچھ لوگ شور و غوغا کر رہے ہیں، حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے میرا ہاتھ پکڑ کر فرمایا کیا تم جانتے ہو یہ کس کا گھر ہے؟ میں نے عرض کیا نہیں، آپ نے فرمایا یہ ربیعہ بن امیہ بن خلف کا گھر ہے اور ان لوگوں نے اس وقت شراب پی رکھی ہے تمہارا کیا خیال ہے؟ فرماتے ہیں میں نے عرض کیا ہم وہ کام کر رہے ہیں جس سے اللہ تعالیٰ نے منع فرمایا ہے۔

ارشاد خداوندی ہے۔

وَلَا تَجَسَّسُوْا (۲) اور دوسروں کی ٹوہ نہ لگاؤ۔

چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ ان کو اسی طرح چھوڑ کر واپس تشریف لے گئے۔

تو یہ اس بات پر دلالت ہے کہ پردہ پوشی واجب ہے اور دوسروں کے عیوب کے پیچھے نہیں لگنا چاہیے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے فرمایا:

اِنَّكَ اِنْ تَتَبَّعْتَ عَوْرَاتِ النَّاسِ اَفْسَدْتَهُمْ اَوْ كِدْتَ تُفْسِدُهُمْ (۳) اگر آپ لوگوں کے عیبوں کے پیچھے لگیں گے تو ان کو خراب کر دیں گے یا قریب ہے کہ ان کو خراب کر دیں۔

---

(۱) مسند امام احمد بن حنبل جلد اول ص ۹۹ مرویات علی المرتضیٰ

(۲) قرآن مجید سورۃ الحجرات آیت ۱۲

(۳) سنن ابی داؤد جلد ۲ ص ۳۱۴ کتاب الادب

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:
اے زبان سے اسلام کا دعویٰ کرنے والو جن کے دلوں میں ایمان داخل نہیں ہوا مسلمانوں کی غیبت نہ کرو اور نہ اس کے رازوں کے پیچھے پڑو۔ جو شخص اپنے مسلمان بھائی کے راز فاش کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کی پوشیدہ باتوں کو ظاہر فرما دیتا ہے اور اللہ تعالیٰ جس کی خفیہ باتوں کو ظاہر کرے اسے ذلیل و رسوا کرتا ہے اگرچہ وہ اپنے گھر کے اندر ہو۔ (۱)

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں اگر میں کسی شخص کو اللہ تعالیٰ کی حدود میں سے کسی حد پر دیکھوں تو میں اسے گرفتار نہیں کروں گا اور نہ ہی کسی اور کو وہاں بلاؤں گا یہاں تک کہ کوئی دوسرا خود وہاں موجود ہو۔

کسی بزرگ نے فرمایا کہ میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے پاس بیٹھا ہوا تھا کہ ایک شخص کسی کو پکڑ کر لایا کہ اس نے نشہ کیا ہے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا اس کا منہ سونگھو انہوں نے منہ سونگھا تو اسے حالتِ نشہ میں پایا! اسے روک لیا حتیٰ کہ اس کا نشہ اتر گیا پھر آپ نے ایک لاٹھی منگوائی اور اس کی چوٹی سے گرہ کھول کر جلاد سے فرمایا اسے کوڑے لگاؤ لیکن ہاتھ او نچے رکھنا اور اعضاء پر متفرق طور پر کوڑے لگانا اس نے کوڑے لگائے اور اس پر کوٹ یا چادر تھی جلاد فارغ ہوا تو آپ نے اس آدمی سے جو اسے لایا تھا، فرمایا یہ تمہارا کیا لگتا ہے؟ اس نے کہا میں اس کا چچا ہوں حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا تم نے نہ تو اس کو اچھی طرح ادب سکھایا اور نہ اس کی پردہ پوشی کی، اور امام کو چاہیئے کہ جب کوئی حد تک پہنچے تو اسے حد لگائے بے شک اللہ تعالیٰ معاف فرمانے والا ہے اور معاف کرنے کو پسند کرتا ہے پھر آپ نے یہ آیت پڑھی۔

وَلْيَعْفُوا وَلْيَصْفَحُوا۔ (۲) — اور چاہیے کہ وہ معاف کریں اور درگزر کریں۔

اس کے بعد فرمایا مجھے یاد ہے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے سب سے پہلے کس کا ہاتھ کاٹا تھا ایک چور لایا گیا تو آپ نے اس کا ہاتھ کاٹ دیا لیکن آپ پریشان ہو گئے مجھے صحابہ کرام نے عرض کیا یا رسول اللہ! گویا آپ نے اس کے ہاتھ کو کاٹنا پسند نہیں فرمایا؟ آپ نے فرمایا مجھے کونسی چیز مانع ہے اپنے بھائی پر شیطان کے مددگار نہ بنو انہوں نے عرض کیا آپ نے معاف کیوں نہیں کر دیا؟ آپ نے فرمایا حکمران کو چاہیئے کہ جب اس کے پاس کوئی حد کو پہنچے تو حد قائم کرے۔ بے شک اللہ تعالیٰ معاف فرمانے والا ہے اور معاف کرنے کو پسند کرتا ہے۔

اور آپ نے پڑھا:۔

وَلْيَعْفُوا وَلْيَصْفَحُوا أَلَا تُحِبُّونَ أَنْ يَغْفِرَ اللَّهُ لَكُمْ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَحِيمٌ (۳) — اور چاہیے کہ وہ معاف کریں اور درگزر کریں کیا تم نہیں چاہتے کہ اللہ تعالیٰ تمہیں بخش دے اور اللہ تعالیٰ بخشنے والا مہربان ہے۔

---

(۱) سنن ابی داؤد جلد ۲ ص ۳۱۴ کتاب الادب (۲) قرآن مجید سورۂ نور آیت ۲۲

(۳) قرآن مجید سورۂ نور آیت ۲۲

ایک روایت میں ہے کہ گویا آپ کا چہرۂ انور گرد آلود ہو گیا ہے یعنی چہرے کا رنگ بدل گیا تھا۔

ایک روایت میں ہے کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ رات کے وقت مدینہ طیبہ میں گشت کر رہے تھے کہ آپ نے ایک گھر میں کسی آدمی کی آواز سنی جو گا رہا تھا آپ دیوار پھلانگ کر اندر تشریف لے گئے تو دیکھا کہ اس کے پاس عورت بھی ہے اور شراب بھی آپ نے فرمایا اے اللہ کے دشمن تیرا خیال تھا کہ تو گناہ کرے گا اور اللہ تعالیٰ تجھ پر پردہ ڈالے گا اس نے عرض کیا امیر المومنین جلدی نہ کیجئے ۔ اگر میں نے اللہ تعالیٰ کی ایک نافرمانی کی ہے تو آپ نے تین گناہ کئے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا :

وَلَا تَجَسَّسُوا (۱) "لوگوں کی جاسوسی نہ کرو"

اور آپ نے جاسوسی کی ۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا :

وَلَيْسَ الْبِرُّ بِأَنْ تَأْتُوا الْبُيُوتَ مِنْ ظُهُورِهَا ۔ (۲) یہ نیکی نہیں ہے کہ تم گھروں کو ان کی پچھلی طرف سے آؤ۔

اور آپ دیوار پھلانگ کر تشریف لائے ہیں۔

ارشاد خداوندی ہے :

لَا تَدْخُلُوا بُيُوتًا غَيْرَ بُيُوتِكُمْ (۳) دوسروں کے گھروں میں (بلا اجازت) داخل نہ ہو۔

اور آپ اجازت اور سلام کے بغیر میرے گھر میں داخل ہوئے۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے فرمایا اگر میں تمہیں چھوڑ دوں تو کیا نیکی کرو گے ؟ اس نے عرض کیا جی ہاں اللہ کی قسم اے امیر المومنین اگر آپ مجھے معاف کر دیں تو میں اس قسم کا کام کبھی نہیں کروں گا ۔ چنانچہ آپ نے اس کو معاف کر دیا اور چھوڑ کر تشریف لے گئے۔

ایک شخص نے حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے عرض کیا اے ابو عبد الرحمٰن ! آپ نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے قیامت کے دن سرگوشی کے بارے میں کیا سنا ہے ؟ انہوں نے فرمایا میں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ اللہ تعالیٰ مومن کو اپنے قریب کرے گا اور اس پر اپنا سایۂ رحمت ڈالتے ہوئے اسے لوگوں سے چھپائے گا اور فرمائے گا فلاں فلاں گناہ کو جانتے ہو ؟ وہ عرض کرے گا ہاں اے میرے رب ! یہاں تک کہ جب وہ اس سے گناہوں کا اقرار کرلے گا۔

---

(۱) قرآن مجید، سورۂ حجرات آیت ۱۲

(۲) قرآن مجید ، سورۂ حجرات آیت ۱۸۹

(۳) قرآن مجید، سورۂ نور آیت ۲۷

اور وہ شخص دل میں خیال کرے گا کہ اب ہلاک ہوا۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا اے میرے بندے! میں نے دنیا میں تیری پردہ پوشی اسی لیے کی تھی کہ آج کے دن تجھے بخش دوں تو اسے نیکیوں کی کتاب دی جائے گی اور کافر و منافق لوگوں پر گواہ گواہی دیں گے اور کہیں گے یہی وہ لوگ ہیں جنہوں نے اپنے رب پر جھوٹ بولا، سنو! ظالموں پر اللہ تعالیٰ کی لعنت ہے (۱)

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

میری تمام امت کو معاف کر دیا جائے گا مگر گناہوں کو ظاہر کرنے والوں کے لیے معافی نہیں ہوگی اور "مجاھرت" (ظاہر کرنا) یہ ہے کہ آدمی پوشیدہ طور پر برائی کرے پھر لوگوں کو اس کی خبر دے۔ (۲)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

جو شخص چوری چھپے لوگوں کی باتیں سنتا ہے حالانکہ وہ اس بات کو ناپسند کرتے ہیں تو قیامت کے دن اس کے کانوں میں سیسہ (پگھلا کر) ڈالا جائے گا۔ (۳)

سولھواں حق:

مسلمان کو تہمت کے مقامات سے بچنا چاہئیے تاکہ لوگوں کے دل اس کے بارے میں بدگمانی سے بچیں اور ان کی زبانیں غیبت سے محفوظ رہیں۔ کیوں کہ جب اس وجہ سے وہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کریں گے تو وہ ان کے ساتھ گناہ میں شریک ہوگا۔

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

وَلَا تَسُبُّوا الَّذِينَ يَدْعُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ فَيَسُبُّوا اللَّهَ عَدْوًا بِغَيْرِ عِلْمٍ (۴)

اور وہ (کفار) اللہ تعالیٰ کے سوا جن (بتوں وغیرہ) کو پوجتے ہیں انہیں گالی نہ دو اس طرح وہ جہالت میں اللہ تعالیٰ کی توہین کریں گے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام سے پوچھا۔

جو شخص اپنے والدین کو گالی دیتا ہے اس کے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے انہوں نے عرض کیا کیا کوئی شخص اپنے والدین کو بھی گالی دیتا ہے؟ آپ نے فرمایا ہاں وہ دوسروں کے ماں باپ کو گالی دیتا ہے اور وہ اس کے ماں باپ کو گالی دیتے ہیں (۵)

---

(۱) صحیح بخاری جلد اوّل ص ۳۳۰، ابواب المظالم۔

(۲) صحیح بخاری جلد ۲ ص ۸۹۶ کتاب الادب

(۳) صحیح بخاری جلد ۲ ص ۱۰۴۲ کتاب التعبیر

(۴) قرآن مجید، سورۃ انعام آیت ۱۰۸

(۵) صحیح مسلم جلد اوّل ص ۶۴ کتاب الایمان

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی زوجۂ مطہرہ سے گفتگو کر رہے تھے کہ وہاں سے ایک شخص کا گزر ہوا آپ نے اسے بلا کر فرمایا اے فلاں! یہ میری بیوی حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا ہیں۔ اس نے عرض کیا یا رسول اللہ! اگر میں کسی پر گمان کرتا تو بھی آپ پر کوئی گمان نہ کرتا آپ نے فرمایا شیطان انسان میں خون کی طرح چلتا ہے۔

ایک روایت میں یہ الفاظ زائد ہیں مجھے ڈر ہے کہ شیطان تم دونوں کے دل میں کوئی بات نہ ڈال دے اور وہ دو آدمی تھے آپ نے فرمایا ٹھہر جاؤ یہ حضرت صفیہ ہیں ام المومنین آپ کی ملاقات کے لیے آئی تھیں جب آپ رمضان المبارک کے آخری عشرہ میں اعتکاف بیٹھے ہوئے تھے۔ (۱)

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں جو شخص اپنے آپ کو تہمت والی جگہوں میں لے جاتا ہے اگر اس کے بارے میں کوئی بدگمانی کرے تو اسے خود اپنے آپ کو ملامت کرنا چاہیئے۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ ایک جگہ سے گزرے تو دیکھا کہ ایک شخص راستے میں اپنی بیوی سے گفتگو کر رہا ہے تو آپ اس کو دُرہ مارنے لگے تو اس نے عرض کیا امیر المومنین! یہ میری بیوی ہے آپ نے فرمایا تم ایسی جگہ کیوں نہیں کھڑے ہوتے جہاں تمہیں کوئی نہ دیکھے۔

سترھواں حق:

ہر حاجتمند مسلمان کے لیے اس شخص کے ہاں سفارش کرے جو اس کی عزت کرتا ہے اور حتی المقدور اس کی ضرورت کو پورا کرنے کی کوشش کرے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

إِنِّي أُوتَى وَأُسْأَلُ وَتُطْلَبُ إِلَيَّ الْحَاجَةُ وَأَنْتُمْ عِنْدِي فَاشْفَعُوا لِتُؤْجَرُوا وَيَقْضِي اللّٰهُ عَلَى يَدَيْ نَبِيِّهِ مَا أَحَبَّ۔ (۲)

میرے پاس لوگ آتے ہیں اور سوال کرتے ہیں اور اپنی حاجت مانگتے ہیں جب تم میرے پاس ہو تو سفارش کیا کرو تاکہ تمہیں اجر ملے اور اللہ تعالیٰ اپنے نبی سے وہی فیصلہ کرواتا ہے جو وہ چاہتا ہے۔

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

میرے پاس سفارش کر کے اجر پاؤ بعض اوقات میں کسی بات کا ارادہ کر کے اسے مؤخر کر دیتا ہوں تاکہ تم میرے پاس سفارش کر کے اجر حاصل کرو۔ (۳)

---

(۱) صحیح بخاری جلد اول ص ۴۶۴ کتاب بدء الخلق

(۲) صحیح بخاری جلد اوّل ص ۱۹۲ کتاب الزکوٰۃ

(۳) سنن نسائی جلد اول ص ۳۵۶ کتاب الزکوٰۃ

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔

"زبان کے صدقہ سے بڑا صدقہ کوئی نہیں" عرض کیا گیا وہ کیسے؟

آپ نے فرمایا سفارش کے ذریعے خون محفوظ ہو جاتے ہیں اور اس کے ذریعے دوسروں کو نفع پہنچتا ہے اور کسی سے ناپسندیدہ بات دُور ہو جاتی ہے (۱)

حضرت عکرمہ، حضرت ابن عباس (رضی اللہ عنہم) سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت بریرہ کا خاوند غلام تھا جس کا نام مغیث تھا گویا میں دیکھ رہا ہوں کہ وہ اس کے پیچھے رو رہا ہے اور آنسو داڑھی پر بہہ رہے ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے فرمایا کیا آپ کو اس بات پر تعجب نہیں ہوتا کہ حضرت مغیث کو حضرت بریرہ سے کس قدر محبت ہے لیکن حضرت بریرہ کو اس سے کس قدر نفرت ہے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر تم واپس اپنے خاوند کے پاس جاؤ تو اچھا ہے کیونکہ وہ تمہاری اولاد کا باپ ہے انہوں نے عرض کیا محمد رسول اللہ! آپ حکم دیتے ہیں تو میں ایسا کر لیتی ہوں آپ نے فرمایا نہیں میں تو صرف سفارش کر رہا ہوں (۲)

اٹھارھواں حق:

ہر مسلمان سے گفتگو کرنے سے پہلے اسے سلام کرنا چاہیئے نیز سلام کے وقت مصافحہ کیا جائے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

مَنْ بَدَءَ بِالْکَلَامِ قَبْلَ السَّلَامِ فَلَا تُجِیْبُوْہُ حَتّٰی یَبْدَاَ بِالسَّلَامِ (۳)

جو شخص سلام سے پہلے کلام کرتا ہے اسے جواب نہ دو جب تک وہ سلام کے ساتھ ابتدا نہ کرے۔

ایک صحابی فرماتے ہیں میں بارگاہ نبوی میں حاضر ہوا لیکن نہ تو سلام کیا اور نہ ہی اجازت مانگی تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا واپس جاؤ اور یوں کہو السلام علیکم کیا میں اندر آسکتا ہوں (۴)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

اِذَا دَخَلْتُمْ بُیُوْتَکُمْ فَسَلِّمُوْا عَلٰی اَھْلِھَا فَاِنَّ الشَّیْطَانَ اِذَا سَلَّمَ اَحَدُکُمْ

جب تم اپنے گھروں میں جاؤ تو گھر والوں کو سلام کرو کیونکہ جب تم میں سے کوئی سلام کہتا ہے تو شیطان اس کے

---

(۱) شعب الایمان جلد ۶ ص ۱۲۶ حدیث ۷۶۸۲

(۲) صحیح بخاری جلد ۲ ص ۹۵، کتاب الطلاق

(۳) حلیۃ الاولیاء جلد ۸ ص ۱۹۹ ترجمہ ۳۹۸

(۴) سنن ابی داؤد جلد ۲ ص ۳۴۷ کتاب الادب

لَمْ يَدْخُلْ بَيْتَهٗ - (۱) گھر میں داخل نہیں ہوتا۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں میں نے آٹھ سال نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت کی ہے آپ نے مجھے فرمایا اے انس! وضو پورا کرو تمہاری عمر میں اضافہ ہوگا میری امت کے جس فرد سے تمہاری ملاقات ہو اسے سلام کہو تمہاری نیکیاں بڑھیں گی جب گھر میں داخل ہو تو گھر والوں کو سلام کہو تمہارے گھر کی بھلائی میں اضافہ ہوگا (۲)

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اِذَا الْتَقَى الْمُؤْمِنَانِ فَتَصَافَحَا قُسِمَتْ بَيْنَهُمَا سَبْعُوْنَ مَغْفِرَةً تِسْعٌ وَسِتُّوْنَ لِاَحْسَنِهِمَا بِشْرًا - (۳)

جب دو مسلمان ملاقات کے وقت مصافحہ کرتے ہیں تو ان کے درمیان ستر بخششیں تقسیم ہوتی ہیں ان میں سے انہتر (۶۹) مغفرتیں اس کے لیے ہوتی ہے جس کے چہرے پر بشاشت ہوتی ہے۔

ارشادِ خداوندی ہے:

وَاِذَا حُيِّيْتُمْ بِتَحِيَّةٍ فَحَيُّوْا بِاَحْسَنَ مِنْهَا اَوْ رُدُّوْهَا - (۴)

جب تمہیں سلام کیا جائے تو اس سے اچھا جواب دو یا وہی لوٹا دو۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اس ذات کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے تم اس وقت تک جنت میں داخل نہیں ہوگے جب تک ایماندار نہ ہو اور اس وقت تک مومن نہیں ہو سکتے جب تک ایک دوسرے سے محبت نہ کرو کیا میں تمہیں ایسا عمل نہ بتاؤں کہ جب تم اسے کرو تو باہم محبت پیدا ہو؟ صحابہ کرام نے عرض کیا ہاں یا رسول اللہ! آپ نے فرمایا سلام کو رواج دو اور پھیلاؤ (۵)

آپ نے یہ بھی فرمایا:

اِذَا سَلَّمَ الْمُسْلِمُ عَلَى الْمُسْلِمِ فَرَدَّ عَلَيْهِ صَلَّتْ عَلَيْهِ الْمَلٰٓئِكَةُ سَبْعِيْنَ

جب کوئی مسلمان دوسرے مسلمان کو سلام کہتا ہے اور وہ اسے جواب دیتا ہے تو فرشتے ستر مرتبہ اس کے لیے رحمت کی دعا

---

(۱) المستدرک للحاکم جلد ۲ ص ۴۰۲ کتاب التفسیر

(۲) شعب الایمان جلد ۶ ص ۴۲۸ حدیث ۸۷۶۴

(۳) مجمع الزوائد جلد ۸ ص ۳۷ کتاب الادب۔

(۴) قرآن مجید، سورۂ نساء آیت ۸۶

(۵) صحیح مسلم جلد اول ص ۵۴ کتاب الایمان

مَرَّةً ۔ (۱) مانگتے ہیں ۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

إِنَّ الْمَلَائِكَةَ تَعْجَبُ مِنَ الْمُسْلِمِ يَمُرُّ عَلَى الْمُسْلِمِ وَلَا يُسَلِّمُ عَلَيْهِ (۲)

بے شک فرشتے اس مسلمان پر تعجب کرتے ہیں جو کسی مسلمان کے پاس سے گزرتا ہے اور اسے سلام نہیں کہتا۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

يُسَلِّمُ الرَّاكِبُ عَلَى الْمَاشِي وَإِذَا سَلَّمَ مِنَ الْقَوْمِ وَاحِدًا أَجْزَأَ عَنْهُمْ ۔ (۳)

سوار، پیدل کو سلام کرے اور جب جماعت میں سے ایک شخص سلام کرے تو ان سب کی طرف سے کافی ہوتا ہے

حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں تم سے پہلے لوگوں کی ملاقات کا تحفہ سجدہ تھا اس امت کو اللہ تعالیٰ نے لفظ سلام عطا فرمایا اور یہ اہل جنت کا طریقہ، سلام ہے۔

حضرت ابو مسلم خولانی لوگوں کے پاس سے گزرتے تو انہیں سلام نہ کہتے اور فرماتے مجھے اس بات کے خوف نے اس سے منع کیا کہ وہ مجھے سلام کا جواب نہ دیں تو فرشتے ان پر لعنت بھیجنا شروع کر دیں۔

سلام کے ساتھ مصافحہ بھی سنت ہے ایک شخص بارگاہ نبوی میں حاضر ہوا اور اس نے "السلام علیکم" کہا آپ نے فرمایا۔ "دس نیکیاں"، پھر دوسرا آیا اور اس نے "السلام علیکم ورحمۃ اللہ" کہا آپ نے فرمایا بیس نیکیاں، اس کے بعد ایک اور شخص آیا اس نے کہا "السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ" آپ نے فرمایا "تیس نیکیاں (۴)

حضرت انس رضی اللہ عنہ بچوں کے پاس سے گزرتے تو انہیں سلام کہتے اور حضور علیہ السلام سے روایت کرتے کہ آپ بھی اس طرح کرتے تھے (۵)

حضرت عبدالحمید بن بہرام رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک دن نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مسجد میں سے گزرے اور صحابہ کرام کی ایک جماعت بیٹھی ہوئی تھی آپ نے اشارے سے سلام کیا حضرت عبدالحمید نے بھی نقل کرتے ہوئے ہاتھ سے اشارہ کیا (۶) (مطلب یہ ہے کہ الفاظ کے ساتھ اشارہ بھی کیا)

---

(۱) (۲)

(۳) التمہید لابن عبدالبر جلد ۴ ص ۲۸۷

(۴) سنن ابی داؤد جلد ۲ ص ۳۵۰ کتاب الادب

(۵) مشکوٰۃ شریف ص ۳۹۷ باب السلام

(۶) مسند امام احمد بن حنبل جلد ۶ ص ۴۵۸ مرویات اسماء بنت یزید (حضور علیہ السلام کا عمل منقول ہے)

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

لَا تَبْدَؤُا الْيَهُوْدَ وَلَا النَّصَارٰى بِالسَّلَامِ وَاِذَا لَقِيْتُمْ اَحَدَهُمْ فِي الطَّرِيْقِ فَاضْطَرُّوْهُ اِلٰى اَضْيَقِهٖ (۱)

یہود و نصاریٰ سے سلام میں پہل نہ کرو اور جب تم ان میں سے ملو تو اسے تنگ راستے کی طرف مجبور کر دو۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

ذمی (غیر مسلم) لوگوں سے مصافحہ نہ کرو اور نہ ان کو سلام کرنے میں پہل کرو اور جب راستے میں ان سے ملاقات ہو تو انہیں نہایت تنگ راستے پر مجبور کر دو۔ (۲)

ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں یہودیوں کا ایک گروہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا تو انہوں نے "السام علیک" کہا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب میں صرف "علیک"، فرمایا حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں میں نے کہا "علیکم السام وَاللَّعْنَةُ"، (تم پر ہلاکت اور لعنت ہو) نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے عائشہ رضی اللہ عنہا! اللہ تعالیٰ ہر معاملے میں نرمی کو پسند کرتا ہے ام المومنین نے عرض کیا حضور! آپ نے سنا نہیں انہوں نے کیا کہا؟ آپ نے فرمایا میں نے بھی تو صرف "علیکم"، کہا (یعنی تم پر ہلاکت ہو) (۳)

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

يُسَلِّمُ الرَّاكِبُ عَلَى الْمَاشِيْ وَالْمَاشِيْ عَلَى الْقَاعِدِ وَالْقَلِيْلُ عَلَى الْكَثِيْرِ وَالصَّغِيْرُ عَلَى الْكَبِيْرِ (۴)

سوار، پیدل کو اور پیدل بیٹھے ہوئے کو نیز تھوڑے زیادہ کو اور چھوٹا بڑے کو سلام کرے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

یہود و نصاریٰ سے مشابہت اختیار نہ کرو یہودیوں کا سلام انگلیوں کے اشارے سے اور عیسائیوں کا سلام ہتھیلی کے اشارے سے ہوتا ہے (۵)

حضرت ابو عیسیٰ (امام ترمذی رحمہ اللہ) فرماتے ہیں اس کی سند ضعیف ہے۔

---

(۱) صحیح مسلم جلد ۲ ص ۲۱۴ کتاب السلام

(۲) کنز العمال جلد ۵ ص ۱۴۱۴ حدیث نمبر ۲۶۳۲۴

(۳) صحیح بخاری جلد ۲ ص ۸۹۰ کتاب الادب

(۴) صحیح بخاری جلد ۲ ص ۹۲۱ کتاب الادب

(۵) جامع الترمذی ص ۳۸۶ ابواب الاستیذان

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:
جب تم میں سے کوئی شخص کسی مجلس میں پہنچے تو سلام کرے اگر وہاں بیٹھنا چاہے تو بیٹھے پھر جب کھڑا ہو تو بھی سلام کہے، کیونکہ پہلا سلام دوسرے سلام کی نسبت زیادہ فضیلت نہیں رکھتا۔ (۱)

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔
جب دو مومن ملاقات کرتے وقت مصافحہ کرتے ہیں تو ان کے درمیان ستر مغفرتیں تقسیم ہوتی ہیں ان میں انہتر (۶۹) اس شخص کے لیے ہوتی ہیں جس کے چہرے پر بشاشت ہوتی ہے (۲)

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں میں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا آپ نے فرمایا جب دو مسلمان باہم ملاقات کرتے ہیں اور ان میں سے ایک، دوسرے کو سلام کرتا ہے اور وہ باہم مصافحہ کرتے ہیں تو ان کے درمیان ایک سو رحمتیں نازل ہوتی ہیں جن میں سے نوے ابتدا کرنے والے کے لیے اور دس مصافحہ کرنے والے کے لیے ہوتی ہیں (۳)

حضرت حسن بصری رحمہ اللہ فرماتے ہیں مصافحہ، محبت کو بڑھاتا ہے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

تَمَامُ تَحِيَّاتِكُمْ بَيْنَكُمُ الْمُصَافَحَةُ (۴) تمہارے درمیان سلام کی تکمیل مصافحہ سے ہوتی ہے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

قُبْلَةُ الْمُسْلِمِ اَخَاهُ الْمُصَافَحَةُ۔ (۵) مسلمان کا اپنے بھائی کو بوسہ دینا مصافحہ ہے (یعنی مصافحہ، بوسہ کے قائم مقام ہے)

البتہ دین میں عظمت کی مالک شخصیات کے ہاتھ کو تبرک کے طور پر اور اس کی تعظیم کی خاطر بوسہ دینے میں کوئی حرج نہیں، حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے فرماتے ہیں ہم نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دستِ مبارک کو بوسہ دیا (۶)

حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں جب میری توبہ کا حکم نازل ہوا تو میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت

---

(۱) جامع الترمذی ص ۳۸۷ ابواب الاستیذان
(۲) مجمع الزوائد جلد ۸ ص ۳۷ کتاب الادب
(۳) شعب الایمان جلد ۶ ص ۳۵۳ حدیث ۸۰۵۲
(۴) جامع الترمذی ص ۳۹۰ کتاب الادب۔
(۵) الکامل لابن عدی جلد ۵ ص ۱۷۹۰ ترجمہ عمرو بن الجبار
(۶) سنن ابوداؤد جلد ۲ ص ۳۵۲ کتاب الادب

میں حاضر ہوا اور آپ کے دستِ مبارک کو بوسہ دیا۔ (۱)

ایک روایت میں ہے کہ ایک اعرابی نے عرض کیا یا رسول اللہ! مجھے اجازت دیجیے کہ میں آپ کے سرِ انور اور ہاتھ مبارک کو بوسہ دوں راوی فرماتے ہیں آپ نے اجازت دی اور اس نے بوسہ دیا (۲)

حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ، حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے پاس حاضر ہوئے تو انہوں نے مصافحہ کیا اور آپ کے ہاتھ کو بوسہ دیا پھر دونوں الگ ہو کر رونے لگے (۳)

حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے انہوں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں سلام عرض کیا آپ وضو فرما رہے تھے اس لیے آپ نے جواب نہ دیا یہاں تک کہ وضو سے فارغ ہوئے تو جواب دیا اور اپنا ہاتھ آگے بڑھا کر مصافحہ کیا انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ! میرے خیال میں یہ عجمیوں کا طریقہ ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اِنَّ الْمُسْلِمَیْنِ اِذَا الْتَقَیَا فَتَصَافَحَا تَحَاتَّتْ ذُنُوْبُھُمَا۔ (۴)

جب دو مسلمان ملاقات کرتے ہوئے ایک دوسرے سے مصافحہ کرتے ہیں تو ان کے گناہ جھڑ جاتے ہیں۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے آپ نے فرمایا:

جب کوئی شخص کسی جماعت کے پاس سے گزرتے ہوئے انہیں سلام کہے اور وہ اسے جواب دیں تو اسے ان پر ایک درجہ زیادہ فضیلت حاصل ہوتی ہے کیونکہ اس نے ان کو سلام یاد دلایا اور اگر وہ سلام کا جواب نہ دیں تو وہ جماعت سلام کا جواب دیتی ہے جو ان سے زیادہ پاکیزہ یا (فرمایا) زیادہ فضیلت والی ہے (یعنی فرشتے اس کے سلام کا جواب دیتے ہیں (۵)

سلام کے وقت جھکنا ممنوع ہے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں ہم نے عرض کیا یا رسول اللہ کیا ہم ایک دوسرے کے لیے جھک سکتے ہیں؟ آپ نے فرمایا نہیں عرض کیا ایک دوسرے کو بوسہ دے سکتے ہیں؟ آپ نے فرمایا نہیں، عرض کیا ایک دوسرے سے مصافحہ کر سکتے ہیں؟ فرمایا ہاں (۶) سفر سے واپسی پر معانقہ کرنے

---

(۱) (۲)

(۳) جب حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ شام تشریف لے گئے تو وہاں کے معززین نے آپ سے ملاقات کی حضرت ابو عبیدہ وہاں کے حکمران تھے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے پوچھا میرا بھائی کہاں ہے لوگوں نے عرض کیا کون؟ آپ نے فرمایا "ابو عبیدہ" انہوں نے عرض کیا ابھی آتے ہیں پھر آپ تشریف لائے اور ملاقات ہوئی اور ان سے گلے ملے یہ اسی موقعہ کی بات ہے

(اتحاف جلد ۶ ص ۲۸۰)

(۴) سنن ابی داؤد جلد ۲ ص ۳۵۲ کتاب الادب (۵) السنن الکبریٰ للبیہقی جلد ۷، ص ۱۰۰ کتاب النکاح۔

اور (گردن یا ہاتھوں یا پیشانی وغیرہ پر) بوسہ دینے کے سلسلے میں حدیث وارد ہے۔(۱)

حضرت ابو ذر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں میں نے جب بھی رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات کی آپ نے مجھ سے مصافحہ فرمایا ایک دن آپ نے مجھے یاد فرمایا اور میں گھر میں نہیں تھا جب مجھے اطلاع ملی تو میں حاضر ہوا آپ چارپائی پر تشریف فرما تھے آپ نے مجھے گلے لگایا تو یہ بہت اچھا ہوا، بہت اچھا ہوا (۲)

علماء کی تعظیم کے لیے رکاب تھامنا حدیث سے ثابت ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ (کی سواری) کی رکاب تھامی حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے بھی ان کی رکاب تھام کر ان کو سوار کرایا اور فرمایا حضرت زید رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھیوں سے اسی طرح کرو۔

کسی شخص کی عزت کے لیے کھڑا ہونا جائز ہے البتہ اس کی تعظیم کے لیے (یوں) کھڑا ہونا (کہ اسے دوسروں سے ممتاز شخصیت قرار دیا جائے یا اس سے اسی میں تکبر و غرور پیدا ہو جائے) جائز نہیں۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے بڑھ کر ہمیں کسی سے محبت نہیں تھی لیکن صحابہ کرام جب آپ کو دیکھتے تو کھڑے نہ ہوتے کیونکہ انہیں معلوم تھا کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اس بات کو پسند نہیں فرماتے۔ (۳)

ایک روایت میں ہے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ فرمایا:

جب مجھے دیکھو تو کھڑے نہ ہو جیسے عجمی لوگ کرتے ہیں (۴)

نوٹ: کسی کے احترام میں کھڑے ہونے سے ممانعت نہیں سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے تواضع کے طور پر منع فرمایا، نیز اس لیے بھی روکا کہ آئندہ آنے والے لوگ اسے ضروری قرار نہ دیں اور خود یہ خواہش نہ کریں کہ لوگ ان کے لیے کھڑے ہوں ۱۲ ہزاروی۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

جس آدمی کو یہ بات پسند ہو کہ لوگ اس کے لیے کھڑے ہوں تو وہ اپنا ٹھکانہ جہنم میں بنائے۔ (۵)

آپ نے ارشاد فرمایا:

---

(۱) جامع الترمذی ص ۳۹۰ کتاب الادب

(۲) سنن ابی داؤد جلد ۲ ص ۳۵۲ کتاب الادب

(۳) جامع الترمذی ص ۳۹۴ ابواب الادب

(۴) سنن ابی جلد ۲ ص ۳۵۴ کتاب الادب

(۵) سنن ابی داؤد جلد ۲ ص ۳۵۴ کتاب الادب

کوئی شخص کسی دوسرے آدمی کو اس کی جگہ سے اٹھا کر نہ بیٹھے بلکہ (مجلس میں) کشادگی پیدا کرو (۱)
اس لیے صحابہ کرام اس کام سے بچتے تھے (مطلب یہ کہ کسی لیے مطلقاً کھڑے ہونے کی ممانعت نہیں ہے)
رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :۔
جب لوگ اپنی اپنی جگہ پر بیٹھ جائیں پھر کوئی ایک اپنے (مسلمان) بھائی کے لیے جگہ بنا کر اسے بلائے تو اسے وہاں آنا چاہیے کیونکہ یہ عزت افزائی ہے جو اس نے اپنے بھائی کے لیے کی ہے اور اگر وہ اس کے لیے کشادگی نہ بنائے تو کشادہ جگہ دیکھ کر وہاں بیٹھ جائے ۔(۲)

ایک روایت میں ہے کہ ایک شخص نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو سلام کیا آپ اس وقت پیشاب فرما رہے تھے تو آپ نے جواب نہ دیا گویا آپ نے قضائے حاجت (یا پیشاب کرنے) والے کو سلام کہنا پسند نہ فرمایا (۳)
سلام کے شروع میں " علیک السلام " کے الفاظ کہنا پسندیدہ نہیں ایک شخص نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اسی طرح سلام کیا تو آپ نے فرمایا " علیک السلام " کے الفاظ فوت شدہ لوگوں کا سلام ہے (تین مرتبہ فرمایا) پھر ارشاد فرمایا جب تم میں سے کوئی ایک اپنے بھائی سے ملے تو " السلام علیکم ورحمۃ اللہ " کہے (۴)
آنے والا شخص جب سلام کہنے کے بعد دیکھے کہ مجلس میں جگہ نہیں تو واپس نہ جائے بلکہ صف کے پیچھے بیٹھ جائے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مسجد میں تشریف فرما تھے کہ تین آدمی آئے ان میں سے دو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف بڑھے ایک نے مجلس میں کشادگی پائی اور وہاں بیٹھ گیا دوسرا پیچھے کھڑا رہا اور تیسرا واپس چلا گیا۔
نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فارغ ہوئے تو فرمایا کیا میں تمہیں ان تینوں کے بارے میں نہ بتاؤں ان میں سے ایک نے اللہ تعالیٰ کے ہاں پناہ لی تو اللہ تعالیٰ نے اسے ٹھکانہ دیا دوسرے نے حیا کیا تو اللہ تعالیٰ نے بھی اس سے حیا فرمایا اور تیسرے نے پیٹھ پھیر لی تو اللہ تعالیٰ نے بھی اس کی طرف توجہ نہ فرمائی ۔(۵)
نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں :
جب دو مسلمان ملاقات کے وقت ہاتھ ملاتے ہیں تو ان کے الگ ہونے سے پہلے انہیں بخش دیا جاتا ہے (۶)

---

(۱) صحیح بخاری جلد ۲ ص ۹۲۸ کتاب الاستیذان
(۲) کتاب التاریخ الکبیر للبخاری جلد ۷ ص ۲۵۳ ترجمہ ۱۰۲۰
(۳) سنن ابی داؤد جلد اول ص ۳ کتاب الطہارۃ
(۴) سنن ابی داؤد جلد دوم ص ۳۵۱ کتاب الادب
(۵) صحیح مسلم جلد ۲ ص ۲۱۷ کتاب السلام (۶) سنن ابی داؤد جلد ۲ ص ۳۵۲ کتاب الادب

حضرت ام ہانی رضی اللہ عنہا نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں سلام پیش کیا تو آپ نے پوچھا یہ کون ہیں؟ عرض کیا گیا حضرت ام ہانی ہیں آپ نے فرمایا حضرت ام ہانی کو "خوش آمدید" (۱)

انیسواں حق :

جس قدر ممکن ہو مسلمان بھائی کی عزت جان اور مال کو دوسروں کے ظلم سے بچایا جائے اس کا دفاع کرے اور مدد کرے اخوت اسلامی کے تحت مسلمان پر یہ بات واجب ہے۔

حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی موجودگی میں ایک شخص کو دوسرے سے کچھ اذیت پہنچی تو کسی دوسرے شخص نے اسے روکا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

مَنْ رَدَّ عَنْ عِرْضِ اَخِیْهِ کَانَ لَهٗ حِجَابًا مِنَ النَّارِ۔ (۲)

جو شخص اپنے (مسلمان) بھائی کا دفاع کرتا ہے تو یہ عمل اس کے لیے جہنم سے رکاوٹ بنے گا۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

جو مسلمان اپنے (مسلمان) بھائی کی عزت کا دفاع کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ کے ذمہ کرم پر واجب ہے کہ قیامت کے دن اس سے جہنم کی آگ کو دور کردے۔ (۳)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

جس شخص کے پاس اس کے مسلمان بھائی کا ذکر کیا گیا اور وہ اس کی مدد کر سکتا ہے لیکن اس نے مدد نہ کی تو اللہ تعالیٰ اسے دنیا اور آخرت میں پکڑے گا اور جس کے پاس اس کے (مسلمان) بھائی کا ذکر ہوا اور اس نے اس کی مدد کی تو اللہ تعالیٰ دنیا اور آخرت میں اس کی مدد کرے گا (۴)

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

جو آدمی دنیا میں اپنے مسلمان بھائی کی عزت کی حفاظت کرتا ہے اللہ تعالیٰ قیامت کے دن ایک فرشتہ بھیجے گا جو اس کو جہنم کی آگ سے بچائے گا۔ (۵)

---

(۱) مسند امام احمد بن حنبل جلد ۶ ص ۴۲۵ مرویات ام ہانی

(۲) جامع الترمذی ص ۲۸۶ ابواب البر والصلۃ

(۳) مسند امام احمد بن حنبل جلد ۶ ص ۴۴۹ مرویات ابو الدرداء

(۴) مسند امام احمد بن حنبل جلد ۶ ص ۴۵۰ مرویات ابو الدرداء

(۵) سنن ابی داؤد جلد ۲ ص ۳۱۳ کتاب الادب

حضرت جابر اور حضرت طلحہ رضی اللہ عنہما سے مروی ہے فرماتے ہیں ہم نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا آپ نے فرمایا۔

کسی مقام پر کسی مسلمان کی عزت پر حملہ کیا جا رہا ہو اور اس کی حرمت کو حلال سمجھا جا رہا ہو تو جو شخص وہاں اس کی مدد کرے (دفاع کرے) گا اللہ تعالیٰ اس جگہ اس کی مدد کرے گا جہاں یہ مدد چاہے گا۔ اور جو آدمی کسی مسلمان کو اس جگہ ذلیل کرتا ہے جہاں اس کی ہتک عزت کی جا رہی ہو تو اللہ تعالیٰ اسے وہاں ذلیل کرے جہاں اسے مدد کا ملنا پسند ہو (۱)

بیسواں حق:

چھینک مارنے والے کو (اس کی چھینک کا) جواب دینا چاہیئے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے چھینک مارنے والے کے بارے میں فرمایا کہ وہ یہ الفاظ کہے "اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ عَلٰی کُلِّ حَالٍ،، (ہر حال میں اللہ تعالیٰ کا شکر ہے) اور سننے والا اسے "یَرْحَمُکُمُ اللّٰہُ (اللہ تعالیٰ تم پر رحم کرے) کے ساتھ جواب دے پھر چھینکنے والا کہے "یَھْدِیْکُمُ اللّٰہُ وَیُصْلِحُ بَالَکُمْ (اللہ تعالیٰ تمہیں ہدایت دے اور تمہارے کام کی اصلاح کرے) (۲)

حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں سکھاتے تھے کہ جب تم ہی سے کسی کو چھینک آئے تو وہ کہے "اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ،، جب وہ یہ کلمات کہے تو جو شخص وہاں موجود ہو وہ کہے "یَرْحَمُکَ اللّٰہُ،، جب وہ (سامعین) یہ الفاظ کہیں تو اب چھینکنے والا کہے "یَغْفِرُ اللّٰہُ لِیْ وَلَکُمْ (۳) (اللہ تعالیٰ مجھے اور تمہیں بخش دے)

(ایک دفعہ) نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک چھینکنے والے کی چھینک پر "یَرْحَمُکَ اللّٰہُ،، کہا اور دوسرے کی چھینک پر یہ الفاظ نہ کہے اس نے اس سلسلے میں پوچھا تو آپ نے فرمایا اس نے الحمد للہ کہا اور تو نے نہیں کہا (۴)

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

چھینکنے والے کو تین بار تک یرحمک اللہ کہیں جب وہ اس سے زیادہ بار چھینکے تو اسے زکام ہے (ایک ہی وقت میں چھینکنا مراد ہے) (۵)

---

(۱) سنن ابی داؤد جلد ۲ ص ۳۱۳ کتاب الادب

(۲) صحیح بخاری جلد ۲ ص ۹۱۹ کتاب الادب

(۳) سنن ابی داؤد جلد ۲ ص ۳۳۰ کتاب الادب

(۴) صحیح بخاری جلد ۲ ص ۹۱۹ کتاب الادب

(۵) سنن ابی داؤد جلد ۲ ص ۳۳۰ کتاب الادب

ایک روایت میں ہے کہ آپ نے ایک چھینکنے والے کو تین بار "یرحمک اللہ" کہا اسے پھر چھینک آئی تو آپ نے فرمایا تجھے زکام لگا ہوا ہے (۱)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں جب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو چھینک آتی تو آپ اپنی آواز کو پست کر دیتے اور ہاتھ یا کپڑے سے پردہ کر لیتے ایک روایت میں ہے کہ اپنے چہرۂ انور کو ڈھانپ لیتے)

حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں یہودی، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس اس امید پر چھینکتے تھے کہ آپ یرحمک اللہ کہیں گے لیکن آپ فرماتے "یَھْدِیْکُمُ اللّٰہُ" "اللہ تعالیٰ تمہیں ہدایت دے)(۲)

حضرت عبداللہ بن عامر بن ربیعہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے نماز پڑھتے ہوئے ایک شخص کو چھینک آئی تو اس نے کہا۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ حَمْدًا كَثِيْرًا طَيِّبًا مُّبَارَكًا فِيْهِ كَمَا يَرْضٰى رَبُّنَا وَبَعْدَ مَا يَرْضٰى وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ عَلٰى كُلِّ حَالٍ۔

تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لیے بہت زیادہ پاکیزہ اور مبارک تعریف جیسے ہمارا رب چاہے اور اس کی رضا کے بعد بھی اور ہر حال میں اللہ تعالیٰ کا شکر ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے سلام پھیرا تو فرمایا کس نے یہ کلمات کہے ہیں؟ اس شخص نے عرض کیا یا رسول اللہ! میں نے اور میں نے ان کلمات کے ذریعے نیکی کا ارادہ کیا ہے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں نے بارہ فرشتوں کو دیکھا ان میں سے ہر ایک اسے لکھنے کی جلدی کر رہا تھا (۳)

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

مَنْ عَطَسَ عِنْدَهٗ فَسَبَقَ اِلَى الْحَمْدِ لَمْ يَشْتَكِ خَاصِرَتَهٗ (۴)

جب کسی شخص کو چھینک آئے اور وہ فی الفور الحمدللہ کہے اسے گردے کا درد نہیں ہوگا۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

اَلْعُطَاسُ مِنَ اللّٰهِ وَالتَّثَاؤُبُ مِنَ

چھینک اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے اور جماہی شیطان کی

---

(۱) صحیح مسلم جلد ۲ ص ۴۱۳ کتاب الزہد

(۲) سنن ابی داؤد جلد ۲ ص ۳۳۰ کتاب الادب

(۳) سنن ابی داؤد جلد ۲ ص ۳۳۱ کتاب الادب

(۴) مسند امام احمد بن حنبل جلد ۳ ص ۱۰۶ مرویات انس رضی اللہ عنہ

(۵) المستدرک للحاکم جلد ۴ ص ۲۶۳ کتاب الرقی والتمائم

اَلشَّیْطَانِ فَاِذَا تَثَاءَبَ اَحَدُکُمْ فَلْیَضَعْ یَدَہٗ عَلٰی فِیْہِ فَاِذَا قَالَ ھَاھَا فَاِنَّ الشَّیْطَانَ یَضْحَکُ مِنْ جَوْفِہٖ (۱)

طرف سے، پس جب تم میں سے کسی کو جماہی آئے تو اپنے ہاتھ منہ پر رکھ لے کیوں کہ جب وہ ہاہا کہتا ہے تو شیطان اس کے اندر سے ہنستا ہے۔

حضرت ابراہیم نخعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں "جب کسی کو قضائے حاجت کے وقت چھینک آئے تو اللہ تعالیٰ کا ذکر کرنے میں کوئی حرج نہیں۔"

حضرت حسن بصری رحمہ اللہ فرماتے ہیں "دل میں اللہ تعالیٰ کی حمد کرے"، حضرت کعب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں حضرت موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا اے میرے رب! کیا تو قریب ہے تو میں تجھ سے دعا مانگوں یا دور ہے تو میں تجھے آواز دوں؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا میں اس شخص کے پاس ہوتا ہوں جو میرا ذکر کرتا ہے انہوں نے عرض کیا کہ بعض اوقات ہم ایسی حالت میں ہوتے ہیں جس میں تیرا ذکر کرنے سے پرہیز کرتے ہیں جیسے پیشاب اور قضائے حاجت وغیرہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا مجھے ہر حال میں یاد کرو (مقصد یہ ہے کہ دل میں یاد رکھو پیشاب وغیرہ کے وقت زبان سے ذکر خداوندی بے ادبی شمار ہوتی ہے ۱۲ ہزاروی)

اکیسواں حق:

جب کسی شریر سے واسطہ پڑے تو اسے برداشت کرنا اور بچنا چاہیے بعض بزرگوں نے فرمایا مومن سے قلبی اخلاق سے پیش آؤ اور فاجر سے ظاہری طور پر اخلاق برتو کیونکہ فاسق ظاہری طور پر اچھے اخلاق پر راضی ہو جاتا ہے۔

حضرت ابو الدرداء رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں ہم کچھ لوگوں کے سامنے ہنستے ہیں اور ہمارے دل ان پر لعنت بھیج رہے ہوتے ہیں اس کو مدارات کہتے ہیں اور یہ ان لوگوں کے ساتھ اختیار کی جاتی ہے جن کی شرارت کا ڈر ہوتا ہے۔

ارشاد خداوندی ہے:

اِدْفَعْ بِالَّتِیْ ھِیَ اَحْسَنُ (۲)

نہایت اچھے (مناسب) طریقے سے (برائی کو) دور کریں۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں:۔

وَیَدْرَءُوْنَ بِالْحَسَنَةِ السَّیِّئَةَ (۳)

اور وہ نیکی کے ذریعے برائی کو دور کرتے ہیں۔

کا مطلب یہ ہے کہ بدکلامی اور اذیت کو سلام اور خاطر مدارات کے ساتھ دور کرو۔

ارشاد خداوندی ہے:۔

---

(۱) صحیح بخاری جلد ۲ ص ۹۱۹ کتاب الادب

(۲) قرآن مجید، سورۂ مومنون آیت ۹۶

(۳) قرآن مجید، سورۂ رعد آیت ۲۲

وَلَوْلَا دَفْعُ اللّٰہِ النَّاسَ بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ (۱)

اگر اللہ تعالیٰ بعض لوگوں کو دوسرے بعض کے ذریعے دور نہ کرتا تو تمام عبادت خانے (یعنی مساجد وغیرہ مٹادی جاتیں)

اس آیت کی تفسیر میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں رغبت، خوف دلانے اور حیاء و مدارات کے ذریعے دور کرنا مراد ہے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے فرماتی ہیں ایک شخص نے بارگاہ نبوی میں حاضر ہونے کے لیے اجازت مانگی تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اسے اجازت دو یہ قبیلے کا برا آدمی ہے جب وہ اندر آیا تو آپ نے نہایت نرم گفتگو فرمائی حتی کہ مجھے خیال ہوا کہ آپ کے ہاں اس کا اچھا مرتبہ ہے جب وہ چلا گیا تو میں نے عرض کیا آپ نے پہلے اس کے بارے میں وہ کلمات کہے اور پھر نرم گفتگو فرمائی؟ آپ نے فرمایا عائشہ ٹھہر جاؤ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے ہاں سب سے برا آدمی وہ ہوگا جس کو لوگ اس کی بد اخلاقی کی وجہ سے چھوڑ دیں۔ (۲)

ایک حدیث شریف میں ہے۔

مَا وَقَى الرَّجُلُ بِهٖ عِرْضَهٗ فَهُوَ لَهٗ صَدَقَةٌ (۳)

آدمی جس عمل کے ذریعے اپنی عزت بچاتا ہے وہ اس کے لیے صدقہ ہے۔

ایک روایت میں ہے؛

لوگوں سے اپنے اعمال کے ذریعے میل جول رکھو اور دلوں کے ذریعے ان سے الگ رہو۔ (مقصد یہ ہے کہ ظاہری طور پر تعلق رکھو لیکن دلی محبت نہ ہو) حضرت محمد بن حنفیہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں وہ شخص دانا نہیں ہے جو ان لوگوں کے ساتھ اچھی طرح نہیں رہتا جن کے ساتھ رہنا ضروری ہے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ اس کے لیے کوئی کشادگی پیدا کر دے۔

بائیسواں حق:

مالدار لوگوں کے ساتھ میل جول سے پرہیز کرے اور مساکین کے ساتھ تعلق رکھے نیز یتیموں کے ساتھ حسنِ سلوک کرے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم یوں دعا مانگا کرتے تھے۔

اَللّٰهُمَّ اَحْيِنِيْ مِسْكِيْنًا وَّاحْشُرْنِيْ فِيْ زُمْرَةِ الْمَسَاكِيْنِ۔ (۴)

یا اللہ! مجھے بطور مسکین زندہ رکھ اور (قیامت کے دن) میرا حشر مساکین کی جماعت کے ساتھ کرنا۔

---

(۱) قرآن مجید، سورۂ بقرہ آیت ۲۵۱

(۲) صحیح بخاری جلد ۲ ص ۸۹۴ کتاب الادب

(۳) الکامل لابن عدی جلد ۷، ص ۲۷۰۰ ترجمۃ یحیی بن ہاشم (۴) سنن ابن ماجہ ص ۳۱۴ کتاب الزھد

حضرت کعب احبار رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں :
حضرت سلیمان علیہ السلام اپنی بادشاہی کے دوران جب مسجد میں داخل ہوتے تو کسی مسکین کو دیکھ کر اس کے پاس بیٹھتے اور فرماتے مسکین، مسکین کے پاس بیٹھا ہوا ہے۔

کہا گیا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو سب سے زیادہ پسند یہ بات تھی کہ آپ کو مسکین کہا جائے۔

حضرت کعب احبار رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں قرآن پاک میں جو "یَا اَیُّہَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا" آیا ہے تورات میں اس کی جگہ "یَا اَیُّہَا الْمَسَاکِیْنُ" آیا ہے۔

حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں جہنم کے سات دروازے ہیں تین مالدار لوگوں کے لیے، تین عورتوں کے لیے، اور ایک فقراء اور مساکین کے لیے۔

حضرت فضیل رحمہ اللہ فرماتے ہیں مجھے یہ بات پہنچی ہے کہ انبیاء کرام علیہم السلام میں سے ایک نبی نے کہا اے میرے رب! مجھے کیسے معلوم ہو کہ تو مجھ سے راضی ہے اللہ تعالیٰ نے فرمایا تم دیکھو مساکین تم سے کس قدر راضی ہیں۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :
مُردوں کی مجالس سے بچا کرو عرض کیا گیا مُردہ سے کون لوگ مراد ہیں؟ آپ نے فرمایا "مال دار لوگ"۔ (۱)

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا یا اللہ! میں تجھے کہاں تلاش کروں؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا شکستہ دل لوگوں کے پاس۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :
کسی صاحبِ نعمت فاجر پر رشک نہ کرو تم نہیں جانتے کہ وہ موت کے بعد کہاں جائے گا کیونکہ اس کے پیچھے ایک جلد باز متلاشی لگا ہوا ہے۔ (۲)

یتیم کے بارے میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :
جو شخص، مسلمان میاں بیوی کے یتیم کو بالغ ہونے تک اپنے پاس رکھے اس کے لیے جنت لازماً واجب ہو گئی۔ (۳)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی دو انگلیوں کے ساتھ اشارہ کرتے ہوئے فرمایا۔
اَنَا وَکَافِلُ الْیَتِیْمِ فِی الْجَنَّةِ کَہَاتَیْنِ (۴) میں اور یتیم کی پرورش کرنے والا جنت میں اس طرح ہوں گے۔

---

(۱) جامع الترمذی ص ۲۶۹ کتاب اللباس

(۲) شعب الایمان جلد ۴ ص ۱۲۹ حدیث ۵۴۲۴

(۳) مسند امام احمد بن حنبل جلد ۴ ص ۳۴۴ مرویات مالک بن الحرث

(۴) صحیح بخاری جلد ۲ ص ۲۸۸ کتاب الادب

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :
جو شخص بطور شفقت یتیم کے سر پر ہاتھ رکھتا ہے تو جتنے بالوں پر اس کا ہاتھ پھرتا ہے اللہ تعالیٰ اسے ان بالوں کے برابر نیکیاں عطا فرماتا ہے (۱)

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :
مسلمانوں کا وہ گھر بہترین گھر ہے جس میں کوئی یتیم ہو اور اس کے ساتھ اچھا سلوک کیا جائے اور مسلمانوں کا وہ گھر نہایت بُرا گھر ہے جس میں کوئی یتیم بچہ ہو اور اس کے ساتھ برا سلوک ہوتا ہو۔ (۲)

تیئسواں حق :

ہر مسلمان کے لیے بھلائی چاہنا اور اس کے دل کو خوش کرنے کی کوشش کرنا۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :
اَلْمُؤْمِنُ يُحِبُّ لِلْمُؤْمِنِ كَمَا يُحِبُّ لِنَفْسِهٖ (۳)
مومن جس طرح اپنے لیے کوئی بات پسند کرتا ہے اسی طرح اپنے (مسلمان) بھائی کے لیے بھی پسند کرتا ہے۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :
لَا يُؤْمِنُ اَحَدُكُمْ حَتّٰى يُحِبَّ لِاَخِيْهِ مَا يُحِبُّ لِنَفْسِهٖ (۴)
تم میں سے کوئی شخص اس وقت تک مومن (کامل) نہیں ہو سکتا جب تک اپنے بھائی کے لیے وہ چیز پسند نہ کرے جو اپنے لیے پسند کرتا ہے۔

⁂

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :
اِنَّ اَحَدَكُمْ مِرْاٰةُ اَخِيْهِ فَاِذَا رَاٰى فِيْهِ شَيْئًا فَلْيُمِطْهُ عَنْهُ۔ (۵)
تم میں سے ایک اپنے (مسلمان) بھائی کے لئے شیشہ ہے پس جب اس میں کوئی بات (خرابی) دیکھے تو اس سے مٹا دے۔

---

(۱) کنز العمال جلد ۳ ص ۱۷۹ حدیث ۶۰۳۶
(۲) سنن ابن ماجہ ص ۲۷۰ ابواب الادب
(۳) صحیح بخاری جلد اوّل ص ۶ کتاب الایمان
(۴) صحیح بخاری جلد اوّل ص ۶ کتاب الایمان
(۵) شرح السنہ جلد ۱۳ ص ۹۲ حدیث ۳۵۱۲

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

مَنْ قَضٰی حَاجَۃً لِاَخِیْہِ فَکَاَنَّمَا خَدَمَ اللّٰہَ عُمُرَہٗ۔ (۱)

جو شخص اپنے (مسلمان) بھائی کی حاجت کو پورا کرتا ہے گویا وہ عمر بھر اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری کرتا ہے۔

آپ نے ارشاد فرمایا:

مَنْ اَقَرَّ عَیْنَ مُؤْمِنٍ اَقَرَّ اللّٰہُ عَیْنَہٗ یَوْمَ الْقِیَامَۃِ (۲)

جو شخص کسی مومن کی آنکھ کو ٹھنڈا کرتا ہے اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کی آنکھ کو ٹھنڈا کرے گا۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

جو شخص اپنے (مسلمان) بھائی کے کام کے لیے رات یا دن کی ایک ساعت میں جاتا ہے وہ اس کام کو پورا کر سکے یا نہ، اس کے لیے یہ عمل دو مہینے کے اعتکاف سے بہتر ہے۔ (۳)

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

جو شخص کسی غمزدہ مومن کی پریشانی دور کرتا ہے یا کسی مظلوم کی مدد کرتا ہے اللہ تعالیٰ اسے تہتر مغفرتیں عطا کرتا ہے (۴)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

اپنے (مسلمان) بھائی کی مدد کرو وہ ظالم ہو یا مظلوم، عرض کیا گیا ظالم کی مدد کیسے کرے؟ آپ نے فرمایا اسے ظلم کرنے سے روکے (۵)

آپ نے ارشاد فرمایا۔

اللہ تعالیٰ کے ہاں پسندیدہ ترین اعمال میں سے ایک یہ ہے کہ مومن کے دل کو خوشی پہنچائے یا اس سے غم کو دور کرے یا اس کا قرض ادا کرے یا بھوک کی حالت میں اسے کھانا کھلائے۔ (۶)

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

جو شخص کسی مومن کو منافق سے بچاتا ہے جو اسے تنگ کرتا ہو قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اس کے لیے ایک فرشتہ بھیجے گا جو

---

(۱) العلل المتناہیہ جلد ۲ ص ۲۰ حدیث ۸۴۳

(۲) کنز العمال جلد ۱۵ ص ۸۲، حدیث ۴۰۸ ۳

(۳) مجمع الزوائد جلد ۸ ص ۱۹۲ کتاب البر والصلۃ

(۴) الکامل لابن عدی ۳ جلد ۳ ص ۱۰۵۲ ترجمہ زیاد بن ابی حسان النبطی

(۵) صحیح بخاری جلد اول ص ۳۳۱، ابواب المظالم والقصاص

(۶) کنز العمال جلد ۶ ص ۳۳۲ حدیث ۱۶۴۱۴

اس کے جسم کو جہنم کی آگ سے بچائے گا (۱)

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

دو کام ایسے ہیں جن سے بڑھ کر کوئی برائی نہیں ایک اللہ تعالیٰ کے ساتھ شریک ٹھہرانا اور دوسرا اللہ تعالیٰ کے بندوں کو تکلیف پہنچانا اور دو کام ایسے ہیں جن سے بڑھ کر کوئی نیکی نہیں اللہ تعالیٰ پر ایمان لانا اور اس کے بندوں کو نفع پہنچانا۔(۲)

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

جو شخص مسلمانوں کی غمخواری نہیں کرتا وہ ان میں سے نہیں ہے (۳)

حضرت معروف کرخی رحمہ اللہ فرماتے ہیں جو شخص روزانہ درج ذیل کلمات کہے اللہ تعالیٰ اسے ابدال (اولیاء کرام) میں لکھ دیتا ہے:

اَللّٰھُمَّ اَصْلِحْ اُمَّۃَ مُحَمَّدٍ اے اللہ تعالیٰ حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی امت پر رحم فرما۔

اَللّٰھُمَّ اَصْلِحْ اُمَّۃَ مُحَمَّدٍ اَللّٰھُمَّ فَرِّجْ عَنْ اُمَّۃِ مُحَمَّدٍ۔ اے اللہ! امت محمدیہ کی اصلاح فرما اے اللہ! امت محمدیہ سے پریشانیوں کو دور فرما۔

جو شخص ہر دن تین مرتبہ یہ کلمات کہتا ہے اللہ تعالیٰ اسے ابدال میں لکھ دیتا ہے۔

ایک دن حضرت علی بن فضیل رحمہ اللہ رو پڑے پوچھا گیا آپ کیوں روئے ہیں؟ تو انہوں نے فرمایا جس نے مجھ پر ظلم کیا میں اس کی وجہ سے رو رہا ہوں کہ جب قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے سامنے کھڑا ہوگا اور اس سے استفسار کیا جائے گا تو اس کے پاس کوئی دلیل نہ ہوگی۔

چوبیسواں حق:

مسلمانوں میں سے جو لوگ بیمار ہوں ان کی بیمار پرسی کرے اس حق کو ثابت کرنے کے لیے پہچان اور اسلام کافی ہیں اس کے علاوہ ثواب کا حصول بھی بیمار پرسی کا سبب ہے، عیادت کرنے والے کو چاہیے کہ مریض کے پاس تھوڑی دیر بیٹھے اور سوال بھی کم کرے نرمی کا اظہار کرے اور اس کی صحت کے لیے دعا مانگے پردے کی جگہوں سے نگاہ کو پست رکھے اندر جانے کی اجازت مانگتے وقت دروازے کے سامنے کھڑا نہ ہو اور دروازہ آہستہ آہستہ کھٹکھٹائے۔ اور جب پوچھا جائے کہ کون ہے؟ تو یہ نہ کہے کہ میں ہوں (بلکہ نام بتائے) اور نہ ہی او لڑکے! کہہ کر پکارے بلکہ اللہ تعالیٰ کی حمد و تسبیح کرے۔

---

(۱) مسند امام احمد بن حنبل جلد ۳ ص ۴۴۱ مرویات سہل بن معاذ

(۲) الفردوس بماثور الخطاب جلد ۲ ص ۱۹۹ حدیث ۲۹۸۸

(۳) المستدرک للحاکم جلد ۴ ص ۳۱۷ کتاب الرقاق

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔
مریض کی بیمار پرسی کی تکمیل یہ ہے کہ تم میں سے ایک اس کی پیشانی یا ہاتھ پہ ہاتھ رکھ کر اس سے پوچھے کہ وہ کیسا ہے اور تمہارے سلام کی تکمیل مصافحہ کے ساتھ ہوتی ہے (۱)

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔
جو شخص کسی بیمار کی عیادت کرتا ہے وہ جنت کے باغات میں بیٹھتا ہے حتی کہ جب وہ اٹھتا ہے تو اس کے لیے ستر ہزار فرشتے مقرر کئے جاتے ہیں جو رات تک اس کے لیے رحمت کی دعا مانگتے ہیں (۲)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا،
جب کوئی شخص کسی مریض کی بیمار پرسی کرتا ہے تو وہ رحمت کے سمندر) میں غوطہ زن ہوتا ہے اور جب وہ اس کے پاس بیٹھتا ہے تو اس میں رحمت مستحکم ہوجاتی ہے (۳)

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:
جب کوئی مسلمان اپنے (مسلمان) بھائی کی عیادت کرتا ہے' یا اس سے ملاقات کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے تو اچھا ہوا، اور تیرا چلنا اچھا ہوا اور تو نے جنت میں ٹھکانہ بنایا (۴)

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا؛
جب بندہ بیمار ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے پاس دو فرشتے بھیجتا ہے اور ان سے فرماتا ہے کہ دیکھو یہ بیمار، بیمار پرسی کرنے والوں سے کیا کہتا ہے اگر وہ ان کے آنے پہ اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا کرتا ہے تو وہ یہ بات اللہ تعالیٰ تک پہنچاتے ہیں حالانکہ وہ خوب جانتا ہے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے میرے ذمہ کرم پہ لازم ہے کہ اگر میں اسے فوت کردوں تو جنت میں داخل کردوں۔ اور اگر اس کو شفا عطا کروں تو اس کے گوشت سے بہتر گوشت اور خون سے اچھا خون عطا کروں گا اور اس کے گناہوں کو بخش دوں گا۔(۵)

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

---

(۱) جامع الترمذی ص ۹۰ ج ۲ ابواب الادب
(۲) سنن ابن ماجہ ص ۱۰۵، ابواب ماجاء فی الجنائز
(۳) مسند امام احمد بن حنبل جلد ۳ ص ۴۶۰ مرویات کعب بن مالک
(۴) سنن ابن ماجہ ص ۱۰۵ ابواب ماجاء فی الجنائز
(۵) موطا امام مالک ص۷۰۲، کتاب الجامع

مَنْ یُّرِدِ اللّٰہُ بِہٖ خَیْرًا یُصِبْہُ مِنْہُ (۱)

اللہ تعالیٰ جس کے لیے بھلائی چاہتا ہے اسے تکالیف میں مبتلا کر دیتا ہے۔

٭ ٭ ٭

حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں میں بیمار ہوا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے میری عیادت فرمائی تو تین بار یہ کلمات پڑھے۔

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ اُعِیْذُکَ بِاللّٰہِ الْاَحَدِ الصَّمَدِ الَّذِیْ لَمْ یَلِدْ وَلَمْ یُوْلَدْ وَلَمْ یَکُنْ لَّہٗ کُفُوًا اَحَدٌ مِنْ شَرِّ مَا تَجِدُ (۲)

اللہ تعالیٰ کے نام سے جو نہایت مہربان رحم والا ہے میں تمہیں اس تکلیف کے شر سے اللہ تعالیٰ کی پناہ میں دیتا ہوں جو ایک ہے بے نیاز ہے نہ اس کی کوئی اولاد ہے اور نہ وہ کسی کی اولاد ہے اور کوئی اس کا ہم پلہ نہیں۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے پاس تشریف لے گئے اور وہ علیل تھے تو آپ نے ان سے فرمایا یوں کہو۔

اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُکَ تَعْجِیْلَ عَافِیَتِکَ اَوْصَبْرًا عَلٰی بَلِیَّتِکَ اَوْخُرُوْجًا مِنَ الدُّنْیَا اِلٰی رَحْمَتِکَ۔

یا اللہ! میں تجھ سے جلد صحت یابی یا تیری آزمائش پر صبر یا دنیا سے تیری رحمت کی طرف نکلنے کا سوال کرتا ہوں۔

٭ ٭ ٭

تمہیں ان تین باتوں (جلد صحت یابی، صبر یا موت) میں سے کوئی دی جائے گی (۳) بیمار آدمی کے لیے مستحب ہے کہ یہ کلمات کہے۔

اَعُوْذُ بِعِزَّۃِ اللّٰہِ وَقُدْرَتِہٖ مِنْ شَرِّ مَا اَجِدُ وَاُحَاذِرُ۔

میں اللہ تعالیٰ کی عزت و قدرت کے ساتھ اس چیز کے شر سے پناہ مانگتا ہوں جس میں میں مبتلا ہوں اور جس کا مجھے ڈر ہے۔

حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں جب تم میں سے کسی ایک کے پیٹ میں درد ہو تو اپنی بیوی سے اس کے مہر میں سے کچھ مانگے اور اس کے ساتھ شہد خرید کر بارش کے پانی میں ملا کر پیئے یہ اس کیلئے نہایت خوشگوار، شفا اور مبارک ہوگا۔ (۴)

---

(۱) صحیح بخاری جلد ۲ ص ۸۴۳، کتاب المرضیٰ

(۲) کتاب عمل الیوم واللیلۃ ص ۱۴۸، باب دعاء المریض لنفسہ

(۳) المستدرک للحاکم جلد اول ص ۵۲۲ کتاب الدعاء

(۴) قرآن پاک کی آیات کی طرف اشارہ ہے مہر کے بارے میں فرمایا اگر عورت اپنی خوشی سے دے تو "کُلُوْہُ ھَنِیْئًا مَّرِیْئًا" خوشگوار طریقے پر کھاؤ) شہد کے بارے میں فرمایا "فِیْہِ شِفَآءٌ لِّلنَّاسِ (اس میں لوگوں کے لیے شفا ہے اور بارش کے بارے میں فرمایا۔ وَاَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَآءِ مَآءً مُّبَارَکًا (ہم نے آسمان سے مبارک پانی اتارا) ــــــ ۱۲ ہزاروی

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:
اے ابوہریرہ! کیا میں تمہیں ایسی بات نہ بتاؤں جو حق ہے اگر آدمی بیمار ہوتے ہی اسے پڑھ لے تو اللہ تعالیٰ اسے جہنم سے نجات دے گا۔ انہوں نے عرض کیا ہاں کیوں نہیں یا رسول اللہ! آپ نے فرمایا یوں پڑھے۔

لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ يُحْيِي وَيُمِيتُ وَهُوَ حَيٌّ لَا يَمُوتُ سُبْحَانَ اللّٰهِ رَبِّ الْعِبَادِ وَالْبِلَادِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ حَمْدًا كَثِيرًا طَيِّبًا مُبَارَكًا فِيهِ عَلٰى كُلِّ حَالٍ ۔ اَللّٰهُ اَكْبَرُ كَبِيرًا اِنَّ كِبْرِيَاءَ رَبِّنَا وَجَلَالَهُ وَقُدْرَتَهُ بِكُلِّ مَكَانٍ ، اَللّٰهُمَّ اِنْ اَنْتَ اَمْرَضْتَنِي لِتَقْبِضَ رُوحِي فِي مَرَضِي هٰذَا فَاجْعَلْ رُوحِي فِي اَرْوَاحِ مَنْ سَبَقَتْ لَهُمْ مِنْكَ الْحُسْنٰى وَبَاعِدْنِي مِنَ النَّارِ كَمَا بَاعَدْتَ اَوْلِيَاءَكَ الَّذِينَ سَبَقَتْ لَهُمْ مِنْكَ الْحُسْنٰى۔

اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں، وہ زندہ رکھنے والا مارنے والا ہے، وہ خود زندہ ہے اس کے لئے موت نہیں، اللہ تعالیٰ پاک ہے جو بندوں اور شہروں کا رب ہے، اللہ تعالیٰ کے لیے حمد ہے جو بہت زیادہ اور پاک و مبارک ہے ہر حال میں کافی ہے، اللہ تعالیٰ سب سے بڑا ہے ہمارے رب کی بڑائی، جلال اور قدرت ہر جگہ ہے، یا اللہ! اگر تو نے مجھے اس لیے بیمار کیا ہے تاکہ اس بیماری میں میری روح قبض کرلے تو میری روح کو ان لوگوں کی روحوں کے ساتھ ملادے جن کے لیے تیری طرف سے نیکی سبقت کرگئی اور مجھے جہنم سے دور رکھ جیسے تو نے اپنے دوستوں کو دور رکھا جن کے لیے تیری طرف سے بھلائی سبقت کرگئی۔

(۱)

ایک روایت میں ہے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

عِيَادَةُ الْمَرِيضِ بَعْدَ ثَلَاثٍ فُوَاقُ نَاقَةٍ۔

تین دن کے بعد مریض کی عیادت اتنی دیر تک ہو جتنی دیر میں اونٹنی دوہتے ہیں۔

(۲)

حضرت طاؤس رحمہ اللہ فرماتے ہیں۔ بہترین بیمار پرسی وہ ہے جو ہلکی پھلکی ہو۔
حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں:۔
ایک بار مریض کی عیادت سنت ہے اس سے زائد نفل کی حیثیت رکھتی ہے بعض بزرگوں نے فرمایا۔ مریض کی عیادت تین دن بعد کرنی چاہیئے۔
نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

---

(۱) الترغیب والترہیب جلد ۴ ص ۲۴۳ کتاب الجنائز۔

(۲) الکامل لابن عدی جلد ۷ ص ۲۴۸۷ من اسمہ النضر

اَغِبُّوا فِي الْعِيَادَةِ وَاَرْبِعُوْ فِيْهَا۔ مریض کی عیادت وقفے کے ساتھ کرو اور (دو دن چھوڑ کر) چوتھے دن بیمار پرسی کرو۔ (۱)

مریض کے لیے مستحب ہے کہ وہ اچھی طرح صبر کرے شکوہ اور اضطراب کم ہو دعا میں التجائیں کرے اور دوائی استعمال کرنے کے بعد خالقِ دوا پر بھروسہ کرے۔

پچیسواں حق:

مسلمان کا حق ہے کہ اس کے جنازے کے ساتھ جائیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ جو آدمی کسی جنازے کے ساتھ جاتا ہے اس کے لیے ایک قیراط کے برابر اجر ہے اگر دفن کرنے تک ٹھہرے تو اس کے لیے دو قیراط ہیں (۲) ایک روایت میں ہے کہ قیراط اُحد پہاڑ کی مثل ہے (۳) جب حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے یہ حدیث روایت کی اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے اسے سنا تو فرمایا اب تک ہم نے کتنے ہی قیراطوں کا نقصان کیا؟ جنازے کے ساتھ جانے کا مقصد مسلمانوں کے حق کی ادائیگی اور عبرت حاصل کرنا ہے۔ حضرت مکحول دمشقی رحمہ اللہ جب کوئی جنازہ دیکھتے تو فرماتے تم جاؤ ہم بھی آرہے ہیں یہ اثر انداز وعظ ہے لیکن غفلت بہت جلد آتی ہے پہلا جاتا ہے اور دوسرے کے لیے عقل نہیں۔

حضرت مالک بن دینار رحمہ اللہ اپنے بھائی کے جنازے کے ساتھ جاتے ہوئے رو رہے تھے اور فرماتے تھے اللہ کی قسم میری آنکھیں اس وقت تک ٹھنڈی نہیں ہوں گی جب تک مجھے معلوم نہ ہو جائے کہ تمہارا ٹھکانہ کیا ہے اور اللہ تعالیٰ کی قسم! جب تک میں زندہ ہوں مجھے معلوم نہیں ہو سکے گا۔

حضرت اعمش رحمہ اللہ فرماتے ہیں ہم جنازوں کے پاس حاضر ہوتے تھے اور ہمیں معلوم نہیں ہوتا تھا کہ کس کا غم بٹائیں کیونکہ تمام لوگ غمگین ہوتے تھے۔

حضرت ابراہیم زیات رحمہ اللہ نے ایک جماعت کو دیکھا جو کسی میت کے لیے دعا کر رہے تھے انہوں نے فرمایا اگر تم اپنے لیے رحمت مانگو تو زیادہ بہتر ہے کیونکہ یہ شخص تین خطرناک مراحل سے نجات پا گیا۔

(۱) موت کے فرشتے کا چہرہ دیکھ چکا ہے (۲) موت کا ذائقہ چکھ چکا ہے (۳) اور (برے) خاتمے کے خوف سے مطمئن ہو چکا ہے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

---

(۱) کنز العمال جلد ۹ ص ۹۷ حدیث ۲۵۱۵۲

(۲) صحیح بخاری جلد اول ص ۱۷۷ کتاب الجنائز

(۳) صحیح مسلم جلد اول ص ۳۰۷ کتاب الجنائز

میت کے ساتھ تین چیزیں جاتی ہیں جن میں سے دو واپس آجاتی ہیں اور ایک باقی رہ جاتی ہے اس کے پیچھے اس کے گھر والے، مال اور عمل جاتا ہے گھر والے اور مال واپس آجاتا ہے اور عمل باقی رہتا ہے (۱)

چھبیسواں حق:

مسلمانوں کے قبرستان میں جانا (زیارت کرنا) اور اس سے مقصود دعا کرنا، عبرت حاصل کرنا اور اپنے دل کو نرم کرنا ہے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

مَا رَأَيْتُ مَنْظَرًا إِلَّا وَالْقَبْرُ أَفْظَعُ مِنْهُ (۲) میں نے قبر سے زیادہ ہولناک منظر نہیں دیکھا۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں ہم نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ باہر نکلے اور قبرستان میں پہنچے آپ ایک قبر کے پاس بیٹھ گئے دوسرے لوگوں کی نسبت میں آپ کے زیادہ قریب تھا۔ آپ رونے لگے اور ہم بھی روئے آپ نے پوچھا تم کیوں روتے ہو؟ ہم نے عرض کیا چونکہ آپ روئے ہیں اس لیے ہم بھی روئے، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ یہ قبر حضرت آمنہ بنت وہب رضی اللہ عنہا (حضور علیہ السلام کی والدہ ماجدہ) کی قبر ہے میں نے اپنے رب سے اس (قبر) کی زیارت کی اجازت مانگی تو اللہ تعالیٰ نے مجھے اجازت دے دی میں نے ان کے لیے طلب مغفرت کی اجازت مانگی تو اللہ تعالیٰ نے اجازت نہ دی تو مجھ پر وہ رقت طاری ہوئی جو اولاد پر ہوتی ہے۔ (۳)

حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ جب کسی قبر کے پاس کھڑے ہوتے تو اس قدر روتے کہ آپ کی داڑھی مبارک تر ہو جاتی اور آپ فرماتے میں نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا آپ نے فرمایا:

"قبر آخرت کی منازل میں سے پہلی منزل ہے اگر صاحب قبر کو وہاں نجات مل گئی تو بعد والا معاملہ آسان ہے اور اگر اس سے نجات نہ ملی تو اس کے بعد کا معاملہ سخت ہے (۴)

حضرت مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں ـــ قبر انسان سے کلام کرتے ہوئے سب سے پہلے یہ الفاظ کہتی ہے "میں کیڑوں کا

---

(۱) صحیح مسلم جلد ۲ ص ۴۰۷ کتاب الزہد

(۲) جامع الترمذی ص ۳۳۵ ابواب الزہد

(۳) صحیح مسلم جلد اول ص ۳۱۴ کتاب الجنائز

نوٹ: رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے آپ کی والدہ ماجدہ کی قبر پر زیارت کرنے کی اجازت دی اس سے ثابت ہوتا ہے کہ حضرت آمنہ رضی اللہ عنہا مومنہ تھیں کیونکہ کفار کی قبروں پر جانے سے منع کیا گیا وہی یہ بات کہ آپ کو استغفار سے کیوں منع کیا گیا تو اس سے وہم پیدا ہوتا کہ آپ کی والدہ گناہ گار تھیں اس وہم کو دور کرنے کے لیے منع کیا گیا تفصیل کے لیے دیکھئے شرح مسلم از علامہ غلام رسول سعیدی جلد ۲ ص ۸۶۷ تا ۸۷۲ (۴) سنن ابن ماجہ ص ۳۲۵ ابواب الزہد

گھر ہوں، میں تنہائی کا گھر ہوں، میں اجنبیت کا گھر ہوں، میں اندھیری کوٹھڑی ہوں یہ وہ کچھ ہے جو میں نے تیرے لیے تیار کیا تو نے میرے لیے کیا تیار کیا!؟۔

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کیا میں تمہیں اپنی محتاجی کا دن نہ بتاؤں! یہ وہ دن ہے جس دن مجھے قبر میں رکھا جائے گا۔

حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ قبرستان میں بیٹھے تھے اس سلسلے میں ان سے پوچھا گیا تو انہوں نے فرمایا میں ایسے لوگوں کے پاس بیٹھا ہوں جو مجھے میری آخرت یاد دلاتے ہیں اور اگر میں ان کے پاس سے اٹھ کو چلا جاؤں تو وہ میری غیبت نہیں کرتے۔

حضرت حاتم اصم رحمہ اللہ فرماتے ہیں جو شخص قبرستان کے پاس سے گزرے اور اپنے لیے غور و فکر اور ان کے لیے دعا نہ کرے اس نے اپنے آپ سے بھی اور ان سے بھی خیانت کی۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔

ہر رات ایک منادی آواز دیتا ہے اے اہل قبور! تم کس پر رشک کرتے ہو؟ وہ کہتے ہیں

ہم اہل مساجد پر رشک کرتے ہیں کیونکہ وہ روزہ رکھتے ہیں اور ہم روزہ نہیں رکھ سکتے۔ وہ نماز پڑھتے ہیں ہم نماز نہیں پڑھتے، وہ اللہ تعالیٰ کو یاد کرتے ہیں ہم اسے یاد نہیں کر سکتے۔ (۱)

حضرت سفیان ثوری رحمہ اللہ فرماتے ہیں جو شخص قبر کو زیادہ یاد کرے وہ اسے جنت کے باغات میں سے ایک باغ کے طور پر پاتا ہے اور جو شخص اس کی یاد سے غافل ہو وہ اسے جہنم کا ایک گڑھا پاتا ہے۔

حضرت ربیع بن خثیم رحمہ اللہ نے اپنے گھر میں قبر کھودی ہوئی تھی جب وہ اپنے دل میں کچھ سختی محسوس کرتے تو اس میں داخل ہو کر لیٹ جاتے اور تھوڑی دیر وہاں ٹھہرتے پھر یہ آیت کریمہ پڑھتے۔

رَبِّ ارْجِعُوْنِ لَعَلِّیْٓ اَعْمَلُ صَالِحًا فِیْمَا تَرَکْتُ (۲)

یا اللہ! مجھے واپس لوٹا دے تاکہ میں نے نیک اعمال میں جو کوتاہی کی ہے اسے پورا کروں۔

پھر فرماتے اے ربیع! تو لوٹا دیا گیا لہٰذا اب اس وقت سے پہلے پہلے عمل کر لے جب تمہیں لوٹایا نہ جائے۔

حضرت میمون بن مہران رحمہ اللہ فرماتے ہیں میں، حضرت عمر بن عبد العزیز رضی اللہ عنہ کے ہمراہ قبرستان کی طرف گیا جب انہوں نے قبروں کو دیکھا تو رو پڑے اور فرمایا اے میمون! یہ میرے آباؤ اجداد بنو امیہ کی قبریں ہیں گویا وہ دنیا والوں کے ساتھ ان کی لذتوں میں شریک نہیں ہوئے کیا تم انہیں نہیں دیکھتے وہ پچھاڑے گئے اور اب محض ان کے قصے باقی ہیں اور ان کے جسموں تک کیڑے پہنچ گئے ہیں۔ پھر آپ رو پڑے اور فرمایا میں ان قبروں والوں سے زیادہ کسی کو عیش میں نہیں دیکھتا یہ اللہ تعالیٰ

---

(۱) الاسرار المرفوعۃ ص ۲۰۵ حدیث ۸۰۶

(۲) قرآن مجید، سورۃ المومنون آیت ۹۹، ۱۰۰

کے عذاب سے محفوظ ہو گئے۔

تعزیت کرنے والے کے آداب یہ ہیں کہ وہ انکساری سے کام لے غم کا اظہار کرے باتیں کم کرے اور ہنسنے سے باز رہے۔

جنازے کے پیچھے جانے کے آداب یہ ہیں کہ خشوع اختیار کرے، باتیں کرنا چھوڑ دے میت کے بارے میں سوچ بچار کرے، موت کے بارے میں سوچے اور اس کی تیاری کرے اور جنازے کے آگے آگے لیکن قریب قریب چلے اور جنازے کو (قدرے) تیز لے جانا سنت ہے۔ (۱)

یہ وہ آداب ہیں جو عام مخلوق کے ساتھ زندگی گزارنے کے سلسلے میں ہیں ان سب کا جامع خلاصہ کچھ یوں ہے۔

کسی انسان کو خواہ وہ زندہ ہو یا مردہ، حقیر نہ جانو اس طرح ہلاک ہو جاؤ گے تمہیں معلوم نہیں شاید وہ تم سے بہتر ہو اگرچہ وہ فاسق ہو لیکن ممکن ہے تمہارا خاتمہ اس کی حالت پر ہو اور اس کا خاتمہ اچھے طریقے پر ہو۔ اور ان کی دنیوی شان و شوکت کی وجہ سے ان کو تعظیم کی نظر سے نہ دیکھو کیونکہ اللہ تعالیٰ کے ہاں دنیا بہت چھوٹی ہے اور جو کچھ اس میں ہے وہ بھی بہت چھوٹا ہے۔ اور بعض اوقات جب تم دنیا والوں کو بڑا سمجھو گے تو دنیا کی تعظیم کرنے لگ جاؤ گے اور اس طرح تم اللہ تعالیٰ کی نگاہ سے گر جاؤ گے۔ اور ان کی دنیا حاصل کرنے کے لیے اپنے دین کا سودا نہ کرو اس طرح تم ان کی نگاہوں میں رسوا ہو گے اور پھر ان کی دنیا سے بھی محروم ہو گے اور اگر محروم نہ بھی ہو تو کم از کم یہ تو ہو گا کہ تم نے بہتر چیز کے بدلے ادنیٰ چیز حاصل کی ——— اور نہ ان سے دشمنی رکھو کہ اس طرح ان کے ساتھ دشمنی کی وجہ سے تم اسی کام میں لگ جاؤ گے اور تمہارا دین اور دنیا ان پر ختم ہو جائے گی۔ اور ان کا دین تمہارے اوپر ختم ہو جائے گا البتہ جب کسی دین کے منکر کو دیکھو تو ایسے لوگوں کے برے کاموں سے نفرت کرو لیکن انہیں رحمت کی نظر سے دیکھو کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی وجہ سے اس کے عذاب اور غضب کے مستحق ہو گئے ہیں اور انہیں جہنم کافی ہے جس میں وہ جائیں گے۔ لہٰذا تمہیں دل سے کینہ رکھنے کی کیا ضرورت ہے اور اگر وہ تم سے دوستی کا اظہار کریں اور تمہارے سامنے تمہاری تعریف کریں تب بھی ان کی مجلس اختیار نہ کرو کیونکہ اگر تم اس بات کی حقیقت تک پہنچنے کی کوشش کرو گے تو سو میں سے کسی ایک کو حقیقت کے مطابق پاؤ گے بلکہ بعض اوقات ایک بھی ایسا نہیں ملے گا۔ ان سے اپنے حالات کی شکایت نہ کرو ورنہ اللہ تعالیٰ تمہیں ان کے حوالے کر دے گا۔ اور یہ لالچ بھی نہ کرو کہ وہ تمہارے بارے میں پس پشت بھی وہی سوچ رکھیں گے جو ظاہر کرتے ہیں یہ جھوٹی لالچ ہے اور تو اسے کیسے حاصل کر سکتا ہے۔

جو کچھ ان لوگوں کے پاس ہے اس کی لالچ نہ کرو اس طرح جلدی ذلیل ہو جاؤ گے اور مقصود بھی حاصل نہیں ہو گا۔ اور اگر تمہیں ان کی حاجت نہ ہو تو تکبر کے طور پر انہیں کاٹ کھانے کو نہ دوڑو اس طرح اللہ تعالیٰ تمہیں ان کا محتاج کر دے گا اور یہ اس بات کی سزا ہو گی کہ تم نے اپنے استغناء کو ظاہر کر کے تکبر کیا اور اگر ان میں سے کسی (مسلمان) بھائی سے اپنی حاجت

---

(۱) صحیح بخاری جلد اول ص ۱۷۶ کتاب الجنائز۔

کاسوال کرو اور وہ اسے پورا کر دے تو یہ ایسا بھائی ہے جس سے فائدہ حاصل ہوا اور اگر وہ پورا نہ کرے تو اس پر ناراض نہ ہو اس طرح وہ تمہارا دشمن بن جائے گا اور تمہیں عرصہ دراز تک اس کا انتقام برداشت کرنا پڑے گا۔ جن لوگوں میں قبولیت کی علامات نہ دیکھو ان کو وعظ و نصیحت کرنے میں مشغول نہ ہو وہ تمہاری نصیحت نہیں سنے گا بلکہ وہ تم سے دشمنی کرے گا۔ وعظ میں اشارے کنائے ہونے چاہییں صراحتاً کسی شخص کا نام لے کر بات نہ کی جائے اور جب تم دیکھو کہ وہ تمہاری عزت کرتے ہیں اور اچھا سلوک کرتے ہیں تو اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرو کہ اس نے ان لوگوں کو تمہارے لیے مسخر کر دیا اور اللہ تعالیٰ کی پناہ چاہو کہ وہ تمہیں ان کے سپرد کر دے اور جب تمہارے پاس ان کی غیبت پہنچے یا ان میں کوئی برائی دیکھو یا ان کی طرف سے کوئی تکلیف دہ بات پہنچے تو ان کے معاملے کو اللہ تعالیٰ کے سپرد کر دو اور ان کے شر سے اللہ تعالیٰ کی پناہ چاہو اور اپنے آپ کو ان سے بدلہ لینے میں مشغول نہ کرو اس طرح نقصان زیادہ ہوگا اور اس کام میں مشغولیت کی وجہ سے عمر ضائع ہو جائے گی اور ان سے یہ نہ کہو کہ تم نے میرے مقام کو کیوں نہ جانا اور یہ عقیدہ رکھو کہ اگر تم اس بات کے مستحق ہوتے تو اللہ تعالیٰ ان کے دلوں میں تمہارا مقام پیدا کر دیتا اللہ تعالیٰ ہی دلوں میں محبت ڈالتا اور نفرتیں پیدا کرتا ہے ان لوگوں میں یوں رہو کہ حق بات کو سننے والے اور باطل سے بہرے رہو ان کی حق بات کو زبان پر لاؤ اور ناحق بات سے خاموشی اختیار کرو۔

عام لوگوں کی مجلس سے بھی بچو نہ وہ لغزش معاف کرتے ہیں، نہ خطا سے درگزر کرتے ہیں اور نہ کسی کا پردہ رکھتے ہیں وہ تھوڑی تھوڑی چیز کا بھی حساب کرتے ہیں اور قلیل و کثیر پر حسد کرتے ہیں خود انتقام لیتے ہیں دوسروں سے انصاف نہیں کرتے خطا اور بھول دونوں پر مواخذہ کرتے ہیں اور معاف نہیں کرتے چغلی اور بہتان کے ذریعے بھائیوں کو بھائیوں سے بہکاتے ہیں لہٰذا ان میں سے اکثر کی محبت باعثِ نقصان ہے اور ان سے علیحدہ رہنا مناسب ہے اگر وہ راضی ہوں تو ان کا ظاہر خوشامد ہے اور اگر ناراض ہوں تو دل میں کینہ اور حسد ہوتا ہے نہ حالت کینہ میں ان سے امن ہے اور نہ خوشامد کی صورت میں کوئی امید، ان کا ظاہر لباس میں ہے جب کہ باطنی طور پر بھیڑیے ہیں محض خیالات سے قطع تعلق کرتے ہیں اور تمہارے پیچھے آنکھوں سے اشارے کرتے ہیں حسد کی وجہ سے دوستوں کے لیے بھی ہلاکت کے منتظر رہتے ہیں، اپنی مجلسوں میں تمہاری خطائیں شمار کرتے ہیں تاکہ غصے اور وحشت کے ساتھ تمہارے اوپر ان کی بھرمار کریں جس آدمی کی اچھی طرح آزمائش نہ کر لو اس سے دوستی نہ لگاؤ، اور اس کا طریقہ یہ ہے کہ ایک مدت تک اس کے ساتھ کسی مکان میں یا کسی جگہ رہو اور اس کی معزولی اور ملازمت، غنا اور فقر ہر حالت میں اس کا تجربہ کرو یا اس کے ساتھ سفر کرو یا اس کے ساتھ روپے پیسے کا کاروبار کرو، یا تم کسی تکلیف میں مبتلا ہو کر اس کے محتاج ہو جاؤ اگر ان حالات میں اس کو اچھا پاؤ تو اگر وہ بڑا ہے تو اسے باپ کی جگہ سمجھو اگر چھوٹا ہو تو بچوں کی طرح جانو اور اگر تمہارے برابر ہو تو بھائی قرار دو ——— تو یہ عام لوگوں کے ساتھ رہن سہن کے آداب ہیں۔

ہمسائیگی کے حقوق

جان لو جس طرح اسلامی اخوت کچھ حقوق کا تقاضا کرتی ہے اسی طرح ہمسائیگی بھی کچھ حقوق چاہتی ہے لہذا۔ جن باتوں کا ایک مسلمان مستحق ہے پڑوسی ان باتوں بلکہ ان سے کچھ زائد امور کا مستحق ہے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اَلْجِیْرَانُ ثَلَاثَۃٌ جَارٌ لَہٗ حَقٌّ وَاحِدٌ وَجَارٌ لَہٗ حَقَّانِ وَجَارٌ لَہٗ ثَلَاثَۃُ حُقُوْقٍ فَالْجَارُ الَّذِیْ لَہٗ ثَلَاثَۃُ حُقُوْقٍ اَلْجَارُ الْمُسْلِمُ ذُو الرَّحِمِ فَلَہٗ حَقُّ الْجِوَارِ وَحَقُّ الْاِسْلَامِ وَحَقُّ الرَّحِمِ، وَاَمَّا الَّذِیْ لَہٗ حَقَّانِ فَالْجَارُ الْمُسْلِمُ لَہٗ حَقُّ الْجِوَارِ وَحَقُّ الْاِسْلَامِ وَاَمَّا الَّذِیْ لَہٗ حَقٌّ وَاحِدٌ فَالْجَارُ الْمُشْرِکُ۔ (۱)

پڑوسی تین قسم کے ہیں ایک وہ پڑوسی ہے جس کا ایک ہی حق ہے، دوسرا وہ پڑوسی ہے جس کے دو حق ہیں اور تیسری قسم کا پڑوسی وہ ہے جس کے تین حق ہیں جس پڑوسی کے تین حق ہیں وہ ایسا پڑوسی ہے جو مسلمان بھی ہے اور قریبی رشتہ دار بھی، اس کے لیے ہمسائیگی کا حق بھی ہے، اسلام کا حق بھی اور رشتہ داری کا حق بھی۔ جس پڑوسی کے دو حق ہیں وہ مسلمان پڑوسی ہے جس کے لیے ہمسائیگی کا حق بھی ہے اور اسلام کا حق بھی اور جس پڑوسی کا صرف ایک حق ہے یہ مشرک پڑوسی ہے۔

تو دیکھو کس طرح آپ نے مشرک کے لیے بھی ہمسائیگی کا حق ثابت فرمایا۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

اَحْسِنْ مُجَاوَرَۃَ مَنْ جَاوَرَکَ تَکُنْ مُسْلِمًا۔ (۲)

جو شخص تمہارا پڑوسی بنے اس سے اچھی ہمسائیگی رکھو (کامل) مسلمان ہو جاؤ گے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

مَازَالَ جِبْرِیْلُ یُوْصِیْنِیْ بِالْجَارِ حَتّٰی ظَنَنْتُ اَنَّہٗ سَیُوَرِّثُہٗ۔ (۳)

حضرت جبریل علیہ السلام مجھے ہمیشہ پڑوسی کے حقوق کے بارے میں بتاتے رہے حتیٰ کہ میں نے خیال کیا کہ وہ اسے وارث بنا کر چھوڑیں گے۔

---

(۱) حلیۃ الاولیاء جلد ۵ ص ۲۰۷ ترجمہ ۳۱۷

(۲) سنن ابن ماجہ ص ۳۳۱، ابواب الزھد

(۳) صحیح بخاری جلد ۲ ص ۸۸۹ کتاب الادب

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:
مَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ فَلْيُكْرِمْ جَارَهُ (۱)

جو شخص اللہ تعالیٰ اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتا ہے اسے اپنے پڑوسی کی عزت کرنی چاہیے۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:
لَا يُؤْمِنُ عَبْدٌ حَتَّى يَأْمَنَ جَارُهُ بَوَائِقَهُ (۲)

کوئی شخص اس وقت تک (کامل) مومن نہیں ہو سکتا جب تک اس کے پڑوسی اس کی شرارتوں سے محفوظ نہ ہوں۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:
أَوَّلُ خَصْمَيْنِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ جَارَانِ (۳)

قیامت کے دن سب سے پہلے جن دو آدمیوں کا جھگڑا پیش ہوگا وہ دو پڑوسی ہوں گے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:
إِذَا أَنْتَ رَمَيْتَ كَلْبَ جَارِكَ فَقَدْ آذَيْتَهُ (۴)

جب تم اپنے پڑوسی کے کتے کو مارو تو تحقیق تم نے اسے (پڑوسی کو) اذیت دی۔

ایک روایت میں ہے کہ ایک شخص حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ میرا پڑوسی مجھے اذیت پہنچاتا ہے مجھے گالیاں دیتا ہے اور مجھ پر سختی کرتا ہے انہوں نے فرمایا چلے جاؤ اگر اس نے تمہارے بارے میں اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی ہے تو تم اس کے بارے میں اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری کرو۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا گیا کہ فلاں شخص دن کو روزہ رکھتا ہے اور رات کے وقت (عبادت کے لیے) قیام کرتا ہے لیکن اپنے پڑوسیوں کو تکلیف پہنچاتا ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا وہ جہنم میں جائے گا۔(۵)

ایک شخص نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر اپنے پڑوسی کی شکایت کی تو آپ نے فرمایا صبر کرو پھر تیسری یا چوتھی مرتبہ (کی شکایت پر) آپ نے فرمایا اپنا سامان راستے میں ڈال دو۔(۶)

---

(۱) صحیح بخاری جلد ۲ ص ۸۸۹ کتاب الادب

(۲) صحیح بخاری جلد ۲ ص ۸۸۹ کتاب الادب

(۳) مسند امام احمد بن حنبل جلد ۴ ص ۱۵۱ مرویات عقبہ بن عامر

(۴)

(۵) مسند امام احمد بن حنبل جلد ۲ ص ۴۴۰ مرویات ابوہریرہ

(۶) سنن ابی داؤد جلد ۲ ص ۳۴۵ کتاب الادب

چنانچہ لوگ راستے سے گزرتے اور پوچھتے تجھے کیا ہوا تو کہا جاتا اسے اس کے پڑوسی نے تکلیف پہنچائی ہے۔ راوی فرماتے ہیں اس طرح لوگ اس پڑوسی پر لعن طعن کرتے چنانچہ اس کا پڑوسی آیا اور کہا اپنا سامان واپس لے جاؤ اللہ کی قسم اب میں نہیں ستاؤں گا۔

حضرت زہری فرماتے ہیں ایک شخص نے بارگاہ نبوی میں حاضر ہو کر اپنے پڑوسی کی شکایت کی تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے حکم دیا کہ مسجد کے دروازے پر کھڑے ہو کر اعلان کرو کہ چالیس گھر پڑوسی ہیں۔ (۱)

حضرت زہری فرماتے ہیں چاروں طرف چالیس چالیس گھر مراد ہیں۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

برکت اور نحوست عورت، رہائش گاہ اور گھوڑے (سواری) میں ہوتی ہے (۲) عورت کی برکت اس کے مہر کا کم ہونا، اس سے نکاح کا آسان ہونا اور اس کا حسن اخلاق ہے جب کہ اس کی نحوست اس کے مہر کا زیادہ ہونا اس سے نکاح کا مشکل ہونا اور اس کا بداخلاق ہونا ہے، رہائش گاہ کی برکت یہ ہے کہ مکان کشادہ ہو اور پڑوسی اچھے ہوں جب کہ اس کی نحوست اس کی تنگی اور برے پڑوسی ہیں گھوڑے کی برکت یہ ہے کہ وہ فرمانبردار اور اچھی عادات والا ہو جب کہ اس کی نحوست یہ ہے کہ اس پر سوار ہونا مشکل ہو اور اس کی عادات اچھی نہ ہوں (۳)

جان لو! ہمسائیگی کا حق صرف یہی نہیں کہ اسے اذیت نہ پہنچائی جائے بلکہ اس کی طرف سے تکلیف برداشت کرنا بھی اس میں شامل ہے۔ کیونکہ پڑوسی بھی اس شخص کی طرف اذیت برداشت کرتا ہے پس اس میں اس کے حق کی ادائیگی نہ ہوئی محض تکلیف برداشت کرنا ہی نہیں بلکہ اس کے ساتھ نرمی برتنا اور اچھے سلوک کرنا بھی اس کا حق ہے کیونکہ کہا جاتا ہے کہ فقیر پڑوسی قیامت کے دن مال دار پڑوسی کا دامن پکڑ کر کہے گا اے میرے رب! اس سے پوچھ اس نے مجھے اپنے حسن سلوک سے کیوں محروم کیا اور مجھ پر اپنا دروازہ کیوں بند کیا؟

حضرت ابن مقفع کو معلوم ہوا کہ ان کا پڑوسی اپنا مکان بیچ کر قرض ادا کرنا چاہتا ہے اور آپ اس کے دیوار کے سائے میں بیٹھا کرتے تھے انہوں نے سوچا اگر اس نے مفلسی کی وجہ سے اپنا گھر بیچ دیا تو ہم سے اس کی دیوار کے سائے میں بیٹھنے کا حق بھی ادا نہ ہوا چنانچہ انہوں نے اسے مکان کی قیمت دے دی اور فرمایا اسے مت بیچو۔

کسی بزرگ نے اپنے گھر میں چوہوں کی کثرت کی شکایت کی تو ان سے کہا گیا اگر تم بلی رکھ لو تو اچھا ہے انہوں نے

---

(۱) المعجم الکبیر للطبرانی جلد ۱۹ ص ۷۳، حدیث ۱۴۳

(۲) صحیح مسلم جلد ۲ ص ۲۳۲ کتاب العدم

(۳) مجمع الزوائد جلد ۵ ص ۱۰۴ کتاب الطب

فرمایا مجھے ڈر ہے کہ چوہا بلی کی آواز سن کر بھاگ کھڑا ہوا اور پڑوسی کے گھر چلا جائے اس طرح میں اس کے لیے وہ بات پسند کرنے والا ہوں گا جسے میں خود اپنے لیے پسند نہیں کرتا۔

پڑوسی کے حقوق میں سے ایک بات یہ ہے کہ اسے سلام کرنے میں پہل کرے، اس سے طویل گفتگو نہ کرے اس کے حالات کے بارے میں زیادہ پوچھ گچھ نہ کرے، وہ بیمار ہو تو اس کی مزاج پرسی کرے، مصیبت کے وقت اس کی غمخواری کرے اور اس کا ساتھ دے، خوشی کے موقعہ پر اسے مبارک باد دے اور اس کے ساتھ خوشی میں شرکت ظاہر کرے اس کی لغزشوں سے درگزر کرے، چھت سے اس کے گھر میں نہ جھانکے، اس کی دیوار پر شہتیر رکھ کر اس کے لیے تنگی پیدا نہ کرے، اس کے پرنالہ سے پانی گرانے یا اس کے صحن میں مٹی ڈالنے کے ذریعے اسے پریشان نہ کرے اس کے گھر کا راستہ تنگ نہ کرے، وہ اپنے گھر میں جو کچھ لے جا رہا ہے اسے دیکھنے کی کوشش نہ کرے، اس کے عیبوں پر پردہ ڈالے اگر وہ کسی حادثے یا تکلیف کا شکار ہو تو فوری طور پر اس کی مدد کرے، جب وہ گھر میں موجود نہ ہو تو اس کے گھر کی حفاظت سے غفلت نہ برتے، اس کے خلاف کوئی بات نہ سنے اور اس کے اہل خانہ سے نگاہوں کو پست رکھے، اس کی خادمہ کی طرف ٹکٹکی نہ باندھے اس کے بچوں سے نرم گفتگو کرے، اسے جو دینی یا دنیوی امور کا علم نہ ہو ان کے بارے میں اس کی راہنمائی کرے یہ ان حقوق کے علاوہ ہیں جو ہم نے عام مسلمانوں کے سلسلے میں ذکر کئے ہیں (یعنی وہ حقوق بھی پڑوسی کے حقوق میں شامل ہیں)

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا کیا تم جانتے ہو پڑوسی کا کیا حق ہے؟

(فرمایا) اگر وہ تم سے مدد مانگے تو اس کی مدد کرو، قرض مانگے تو اسے قرض دو، اگر حاجتمند ہو تو اس کی ضرورت کو پورا کرو، اگر بیمار ہو جائے تو اس کی بیمار پرسی کرو، اگر انتقال کر جائے تو اس کے جنازے کے ساتھ جاؤ، اگر اسے کوئی اچھی بات پہنچے تو مبارک باد دو، اور اگر کوئی مصیبت پہنچے تو اس کی غمخواری کرو۔ اپنے مکان کو اس (کے مکان) سے بلند نہ کرو اس طرح اس تک ہوا نہیں پہنچے گی البتہ اس کی اجازت سے ایسا کر سکتے ہو لیکن اسے اذیت نہ پہنچاؤ، اگر پھل خریدو تو اسے تحفہ بھیجو اگر ایسا نہ ہو سکے تو گھر میں (وہ پھل) پوشیدہ طریقے پر لاؤ اور تمہارا بچہ وہ پھل لے کر باہر نہ جائے کہ اس سے اس کے بچے کو رنج پہنچے گا، اپنی ہانڈی کی خوشبو سے اسے اذیت نہ دو البتہ یہ کہ اسے بھی اس میں سے چلو بھر دے دو۔ پھر فرمایا کیا جانتے ہو پڑوسی کا کیا حق ہے؟ اس ذات کی قسم جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے پڑوسی کا حق وہی شخص پورا کر سکتا ہے جس پر اللہ تعالیٰ رحم فرمائے۔ (۱)

اس (مندرجہ بالا) حدیث کو حضرت عمرو بن شعیب نے اسی طرح روایت کیا ہے وہ اپنے والد سے اور وہ ان (حضرت عمرو) کے دادا سے اور وہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں۔

---

(۱) کنز العمال جلد ۹ ص ۵۸ حدیث ۲۴۹۳۵

حضرت مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں میں حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کے پاس تھا اور ان کا ایک غلام بکری کی کھال اتار رہا تھا انہوں نے فرمایا اے غلام! جب کھال اتار لو تو سب سے پہلے ہمارے یہودی پڑوسی کو دینا۔ (۱)
حتی کہ انہوں نے چند بار یہ بات فرمائی غلام نے عرض کیا آپ کتنی بار فرمائیں گے انہوں نے فرمایا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں پڑوسی کے بارے میں مسلسل وصیت فرماتے رہے حتی کہ ہمیں ڈر ہوا کہ آپ اسے وارث بنا دیں گے۔
حضرت ہشام فرماتے ہیں حضرت حسن بصری رحمہ اللہ، یہودی اور عیسائی پڑوسی کو قربانی کے گوشت سے دینے میں حرج نہیں سمجھتے تھے۔

حضرت ابو ذر غفاری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں مجھے میرے خلیل (نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے وصیت کرتے ہوئے فرمایا۔
جب تم سالن پکاؤ تو اس میں پانی زیادہ ڈالو پھر اپنے پڑوسیوں کو دیکھ کر اس میں سے کچھ ان کو دو (۲)
حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! میرے دو پڑوسی ہیں ان میں سے ایک کا دروازہ میرے سامنے ہے جب کہ دوسرے کا دروازہ مجھ سے کچھ دور ہے اور بعض اوقات جو کچھ میرے پاس ہوتا ہے وہ دونوں کو کفایت نہیں کرتا تو ان میں سے کس کا حق زیادہ ہے؟ آپ نے فرمایا جس کا دروازہ تمہارے سامنے ہے۔ (۳)
امیر المومنین حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اپنے صاحبزادے حضرت عبد الرحمن رضی اللہ عنہ کو دیکھا کہ وہ اپنے ایک پڑوسی سے الجھ رہے تھے آپ نے فرمایا نہ الجھو کیوں کہ یہ بات باقی رہ جاتی ہے اور لوگ چلے جاتے ہیں!
حضرت حسن بن عیسی نیشاپوری رحمہ اللہ فرماتے ہیں میں نے حضرت عبد اللہ بن مبارک رحمہ اللہ سے پوچھا کہ میرا پڑوسی میرے غلام کی شکایت کرتا ہے کہ اس نے اس کا کوئی نقصان کیا ہے لیکن غلام اس بات سے انکار کر رہا ہے اب میں اسے مارنا پسند نہیں کرتا کہ شاید وہ بے گناہ ہو اور اسے چھوڑنا بھی اچھا نہیں لگتا کہ ہمسایہ ناراض ہوگا تو میں کیا کروں؟ انہوں نے فرمایا ہو سکتا ہے تمہارے غلام نے کبھی ایسا کام کیا ہو جس پر اس کی تادیب ضروری ہو تو اس بات کو یاد رکھو پھر جب پڑوسی شکایت کرے تو اسے اس سابق قصور پر سزا دو اس طرح تم اپنے پڑوسی کو بھی راضی کر لو گے اور غلام کو ادب بھی سکھا دو گے۔ تو یہ دونوں حق جمع کرنے کا ایک حیلہ ہے۔

مکارم اخلاق:

ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں دس باتیں مکارم اخلاق (اچھے اخلاق) سے ہیں۔ کسی آدمی میں ہوتی ہیں.

---

(۱) سنن ابن ماجہ ص ۲۳۶ ابواب الذبائح
(۲) صحیح مسلم جلد ۲ ص ۳۲۹ کتاب البر والصلۃ
(۳) السنن الکبری للبیہقی جلد ۷ ص ۲۸ کتاب الصدقات

لیکن اس کے باپ میں نہیں ہوتیں غلام میں ہوتی ہیں لیکن اس کے آقا میں نہیں ہوتیں اللہ تعالیٰ جسے چاہتا ہے عطا فرماتا ہے۔
(وہ دس یہ ہیں)
(۱) سچ بولنا (۲) لوگوں سے سچائی کے ساتھ پیش آنا (۳) سائل کو دینا (۴) حسن سلوک کا بدلہ دینا (۵) صلہ رحمی کرنا (۶) امانت کی حفاظت کرنا (۷) پڑوسی کے حق کی رعایت کرنا (۸) ہم مجلس کے حق کا خیال رکھنا (۹) مہمان نوازی کرنا (۱۰) اور ان سب کی اصل حیاء ہے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

يَا مَعْشَرَ الْمُسْلِمَاتِ لَا تَحْقِرَنَّ جَارَةٌ لِجَارَتِهَا وَلَوْ فِرْسَنُ شَاةٍ۔ (۱)

اے مسلمان عورتو! کوئی پڑوس اپنی پڑوسن (کے عطیہ) کو ہرگز حقیر نہ جانے اگرچہ بکری کا کھر ہی ہو۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

إِنَّ مِنْ سَعَادَةِ الْمَرْءِ الْمُسْلِمِ الْمَسْكَنَ الْوَاسِعَ وَالْجَارَ الصَّالِحَ وَالْمَرْكَبَ الْهَنِيءَ۔ (۲)

مسلمان آدمی کی خوش بختی سے ہے کہ اسے کشادہ مکان، نیک پڑوسی اور اچھی سواری حاصل ہو۔

حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں ایک شخص نے عرض کیا یا رسول اللہ! مجھے کیسے معلوم ہو کہ میں نے جو کام کیا ہے اچھا ہے یا برا؟ آپ نے فرمایا جب تم اپنے پڑوسیوں کو یہ کہتے ہوئے سنو کہ تم نے اچھا کام کیا تو یقیناً تم نے اچھا کام کیا اور جب سنو کہ وہ کہتے ہیں تم نے برائی کی تو یقیناً تم نے برائی کی۔ (۳)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:
جس شخص کے باغ میں اس کا کوئی پڑوسی یا شریک ہو تو وہ اسے اس وقت تک نہ بیچے جب تک اس پر پیش نہ کر دے (۴)
(یعنی ممکن ہے وہ خریدنا چاہتا ہو اور وہ زیادہ حق رکھتا ہے)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فیصلہ فرمایا کہ پڑوسی اپنا شہتیر (یا کڑی) اپنے پڑوسی کی دیوار پر رکھ سکتا ہے وہ اس بات کو پسند کرے یا انکار کرے۔ (۵)

---

(۱) صحیح بخاری جلد اول ص ۳۴۹ کتاب الھبۃ
(۲) مسند امام احمد بن حنبل جلد ۳ ص ۴۰۷ مرویات نافع بن عبدالحرث
(۳) مسند امام احمد بن حنبل جلد اول ص ۴۰۲ مرویات عبداللہ بن مسعود
(۴) کنز العمال جلد ۷ ص ۹ حدیث ۱۷۷۱۴
(۵)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

لَا یَمْنَعَنَّ اَحَدُکُمْ جَارَہٗ اَنْ یَضَعَ خَشَبَۃً فِیْ جِدَارِہٖ۔ (۱)

تم میں کوئی شخص اپنے پڑوسی کو اس بات سے ہرگز منع نہ کرے کہ وہ اس کی دیوار پہ لکڑی (کڑی وغیرہ) رکھے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرمانے تھے کیا وجہ ہے کہ میں تمہیں اس سے اعراض کرتے ہوئے دیکھتا ہوں اللہ تعالیٰ کی قسم میں اسے تمہارے کاندھوں کے درمیان ماروں گا۔ (یعنی وہ لکڑی تمہارے کاندھوں کے درمیان رکھدوں گا)

بعض علماء نے اس بات کو واجب قرار دیا ہے (احناف کے نزدیک واجب نہیں نیز دوسرے پڑوسی کی مرضی ضروری ہے، یہاں صرف پڑوسی کے حق کی اہمیت بیان کی گئی ہے ۱۲ ہزاروی)

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

مَنْ اَرَادَ اللّٰہُ بِہٖ خَیْرًا عَسَلَہٗ قِیْلَ وَمَا عَسَلُہٗ، قَالَ یُحَبِّبُہٗ اِلٰی جِیْرَانِہٖ (۲)

اللہ تعالیٰ جس شخص کے لیے بھلائی چاہتا ہے اسے میٹھا (شہد) بنا دیتا ہے عرض کیا گیا اس کے میٹھا ہونے کا کیا مطلب ہے آپ نے فرمایا اسے اس کے پڑوسیوں کا محبوب بنا دیتا ہے۔

☆ ☆ ☆

رشتہ داروں کے حقوق:

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے میں رحمن ہوں اور اس رحم (رشتہ داری) کا نام میں نے اپنے نام سے مشتق کیا (نکالا) ہے پس جس نے اسے ملایا اس نے میرے ساتھ تعلق قائم کیا اور جس نے رشتہ داروں سے تعلقات منقطع کئے میں اسے الگ کر دوں گا (۳)

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

جس آدمی کو یہ بات پسند ہو کہ اس کی عمر میں برکت اور رزق میں کشادگی دی جائے وہ صلہ رحمی کرے (۴)

ایک دوسری روایت میں ہے کہ جس آدمی کو پسند ہو کہ اس کی عمر کو بڑھایا جائے اور رزق میں وسعت دی جائے وہ

---

(۱) مسند امام احمد بن حنبل جلد دوم ص ۳۷۴ مرویات ابوہریرہ

(۲) مسند امام احمد بن حنبل جلد ۴ ص ۲۰۰ مرویات قیس الجذامی

(۳) مسند امام احمد بن حنبل جلد اول ص ۱۹۱ مرویات عبدالرحمن بن عوف

(۴) المستدرک للحاکم جلد ۴ ص ۱۶۱ کتاب البر والصلۃ

صلہ رحمی کرے (۱)

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا کہ کونسا انسان سب سے زیادہ فضیلت والا ہے؟ آپ نے فرمایا جو اللہ تعالیٰ سے سب سے زیادہ ڈرتا ہے، زیادہ صلہ رحمی کرنے والا ہے اور لوگوں کو نیکی کا حکم دینے والا اور برائی سے روکنے والا ہے (۲)

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں مجھے میرے خلیل (نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم) نے وصیت فرمائی کہ میں صلہ رحمی کروں اگرچہ رشتہ دار پیٹھ پھیر جائیں اور سچ بات کہوں اگرچہ کڑوا ہو۔ (۳)

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

رحم (صلہ رحمی) عرش کے ساتھ لٹکا ہوا ہے نیکی کا بدلہ دینے والا، صلہ رحمی کرنے والا نہیں بلکہ صلہ رحمی کرنے والا وہ ہے کہ جب اس سے رشتہ داری کے تعلقات ختم کئے جائیں تو وہ اس تعلق کو جوڑے (۴)

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

جس نیکی کا ثواب بہت جلد ملتا ہے وہ صلہ رحمی ہے حتیٰ کہ کسی گھر والے اگر سب کے سب بدکار ہوں لیکن صلہ رحمی کریں تو ان کے مال بڑھتے ہیں اور ان کی تعداد میں اضافہ ہوتا ہے (۵)

حضرت زید بن اسلم رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مکہ مکرمہ کی طرف تشریف لے گئے تو ایک شخص آپ کے سامنے آیا اور اس نے کہا اگر آپ سفید عورتیں اور سرخ اونٹنیاں چاہتے ہیں تو بنو مدلج کا قصد کریں۔

آپ نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے مجھے بنو مدلج پر حملہ سے منع فرمایا کیوں کہ وہ صلہ رحمی کرتے ہیں۔ (۶)

حضرت اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہما فرماتی ہیں میری ماں میرے پاس آئیں تو میں نے عرض کیا یارسول اللہ! میری ماں میرے پاس آئی ہیں اور یہ مشرکہ ہیں کیا میں ان سے صلہ رحمی کروں؟ آپ نے فرمایا صلہ رحمی کرو (۷)

ایک روایت میں ہے کہ میں انہیں کچھ عطیہ دوں؟ آپ نے فرمایا ہاں صلہ رحمی کرو۔ (۸)

---

(۱) المستدرک للحاکم جلد ۴ ص ۱۶۰ کتاب البر والصلۃ

(۲) المعجم الکبیر للطبرانی جلد ۲۴ ص ۲۵۸ حدیث ۶۸۷

(۳) مسند امام احمد بن حنبل جلد ۵ ص ۱۵۹ مرویات ابوذر

(۴) مسند امام احمد بن حنبل جلد ۲ ص ۱۹۳ مرویات عبداللہ بن عمرو

(۵) شعب الایمان جلد ۶ ص ۲۳۶ حدیث ۷۹۷۱ (۶)

(۷) صحیح بخاری جلد اوّل ص ۴۵۳ کتاب الجہاد

(۸) السنن الکبریٰ للبیہقی جلد ۴ ص ۱۹۱ کتاب الزکوٰۃ

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اَلصَّدَقَۃُ عَلَی الْمِسْکِیْنِ صَدَقَۃٌ وَعَلٰی ذِی الرَّحِمِ ثِنْتَانِ (۱)

مسکین کو صدقہ دینا ایک صدقہ ہے اور رشتہ دار کو دینے کا دوگنا ثواب ہے۔

حضرت ابو طلحہ رضی اللہ عنہ نے قرآن پاک کی اس آیت پر عمل کرنا چاہا۔

لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰی تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ۔ (۲)

تم ہرگز نیکی نہیں پا سکتے جب تک اپنی پسندیدہ چیز خرچ نہ کرو۔

تو آپ نے اپنا پسندیدہ باغ صدقہ کرنے کا ارادہ کیا اور (بارگاہ نبوی میں) عرض کیا یا رسول اللہ! یہ اللہ تعالیٰ کے راستے میں اور فقراء و مساکین کے لیے ہے۔ آپ نے فرمایا تمہارا ثواب اللہ تعالیٰ کے ذمۂ کرم پر واجب ہو گیا اسے اپنے قریبی رشتہ داروں میں تقسیم کر دو (۳)

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اَفْضَلُ الصَّدَقَۃِ عَلٰی ذِی الرَّحِمِ الْکَاشِحِ۔ (۴)

بہترین صدقہ وہ ہے جو پوشیدہ عداوت رکھنے والے رشتہ دار کو دیا جائے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد گرامی کا یہی مفہوم ہے آپ نے فرمایا:

اَفْضَلُ الْفَضَائِلِ اَنْ تَصِلَ مَنْ قَطَعَکَ وَتُعْطِیَ مَنْ حَرَمَکَ وَتَصْفَحَ عَمَّنْ ظَلَمَکَ (۵)

سب سے بڑی فضیلت یہ ہے کہ تم اس سے صلہ رحمی کرو جو تم سے تعلق توڑتا ہے، اسے دو جو تمہیں محروم رکھتا ہے اور جو تم پر ظلم کرے اسے معاف کر دو۔

ایک روایت میں ہے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اپنے ماتحت حاکموں کو لکھا کہ لوگوں سے کہو کہ وہ رشتہ داروں سے ملاقات کریں لیکن ایک دوسرے کے پڑوسی نہ بنیں — آپ نے یہ بات اس لیے فرمائی کہ اس سے حقوق کی بھیڑ ہو جائے گی (ہمسائیگی اور قرابت کے حقوق جمع ہو جائیں گے) اور بعض اوقات اس سے وحشت اور قطع تعلقی پیدا

---

(۱) سنن ابن ماجہ ص ۱۳۳، ابواب الزکوٰۃ۔

(۲) قرآن مجید، سورۂ آل عمران آیت ۹۲

(۳) صحیح بخاری جلد اوّل ص ۱۹۷، کتاب الزکوٰۃ

(۴) مسند امام احمد بن حنبل جلد ۳ ص ۴۰۲ مرویات حکیم بن حزام۔

(۵) مسند امام احمد بن حنبل جلد ۳ ص ۴۳۸ مرویات سہل ابن معاذ

ہوتی ہے۔

ماں باپ اور اولاد کے حقوق :

یہ بات پوشیدہ نہیں کہ جب قرابت اور رحم کی وجہ سے حقوق کی زیادہ تاکید ہوتی ہے تو سب سے زیادہ خاص اور قریب تر رشتہ ولادت کا رشتہ ہے لہٰذا اس سلسلے میں حقوق کی تاکید بڑھ جاتی ہے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

لَنْ تَجْزِیَ وَلَدٌ وَالِدَہٗ حَتّٰی یَجِدَہٗ مَمْلُوْکًا فَیَشْتَرِیَہٗ فَیُعْتِقَہٗ (۱)

کوئی بیٹا اپنے والد کا حق ادا نہیں کر سکتا حتیٰ کہ اسے (والد کو) غلام پائے تو خرید کر آزاد کر دے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :

ماں باپ سے نیکی کرنا نماز، صدقہ، روزے، حج، عمرہ اور اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد سے زیادہ فضیلت رکھتا ہے (۲)

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

جو شخص اس حالت میں صبح کرے کہ اس کے ماں باپ اس پر راضی ہوں تو وہ یوں صبح کرتا ہے کہ اس کے لیے جنت کی طرف دو دروازے کھلے ہوتے ہیں اور جو آدمی اس حالت میں شام کرے اس کے لیے بھی اس کی مثل ہے۔ اور اگر ایک (ماں یا باپ میں سے ایک) ہو تو ایک دروازہ کھلتا ہے اگرچہ وہ اس پر زیادتی کریں (تین بار فرمایا) اور جو آدمی اس حالت میں صبح کرے کہ اس کے والدین اس پر ناراض ہوں تو وہ اس حالت میں صبح کرتا ہے کہ اس کے لیے جہنم کی طرف دو دروازے کھلے ہوتے ہیں اور اگر شام اسی طرح کرے تو اسی کی مثل ہے اور اگر ان میں سے ایک ہو تو ایک دروازہ کھلتا ہے اگرچہ اس کے ماں باپ اس پر زیادتی کریں (تین بار فرمایا)۔ (۳)

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :

بے شک جنت کی خوشبو پانچ سو سال کی مسافت سے آتی ہے لیکن ماں باپ کا نافرمان اور رشتہ داروں سے قطع تعلق کرنے والا اسے محسوس نہیں کر سکتا۔ (۴)

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :

---

(۱) صحیح مسلم جلد اول ص ۴۹۵ کتاب العتق

(۲) مجمع الزوائد جلد ۸ ص ۱۳۸ کتاب البر والصلۃ

(۳) شعب الایمان جلد ۶ ص ۲۰۶ حدیث ۷۹۱۶

(۴) الکامل لابن عدی جلد ۶ ص ۲۱۵۰ ذکر من اسمہ محمد

بِرَّ اُمَّكَ وَاَبَاكَ وَاُخْتَكَ وَاَخَاكَ ثُمَّ اَدْنَاكَ فَاَدْنَاكَ۔

اپنی ماں، باپ، بہن اور بھائی سے نیکی کا برتاؤ کرو پھر اس سے جو تمہارے قریب ہو پھر ترتیب وار قرابت داروں سے حُسن سلوک کرو۔ (۱)

ایک روایت میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے فرمایا اے موسیٰ! جو شخص ماں باپ سے اچھا سلوک کرے اور میری نافرمانی کرے میں اسے نیکوکار لکھتا ہوں اور جو آدمی مجھ سے نیکی کرے اور والدین کی نافرمانی کرے میں اسے نافرمان لکھتا ہوں۔

کہا گیا ہے کہ جب حضرت یعقوب علیہ السلام، حضرت یوسف علیہ السلام کے پاس تشریف لے گئے تو وہ ان کے لیے کھڑے نہ ہوئے اس پر اللہ تعالیٰ نے ان کی طرف وحی بھیجی کہ کیا آپ اپنے والد کے لیے کھڑا ہونے کو بڑی بات سمجھتے ہیں؟ مجھے اپنی عزت و جلال کی قسم میں آپ کی پیٹھ سے کسی نبی کو پیدا نہیں کروں۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا،

جو شخص صدقہ دیتے ہوئے اسے اپنے والدین کی طرف سے دینا چاہتا ہو اس پر کوئی حرج نہیں جب کہ وہ مسلمان ہوں تو اس صدقہ کا ثواب اس کے والدین کے لیے ہوتا ہے اور اسے بھی ان دونوں کے ثواب جتنا ملتا ہے جب کہ ان کے ثواب سے کچھ کم نہیں ہوتا۔ (۲)

حضرت مالک بن ربیعہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں ہم رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر تھے کہ بنو سلمہ (قبیلے) کا ایک شخص آیا اور اس نے عرض کیا یارسول اللہ کیا میرے والدین کی وفات کے بعد ان کا کوئی حق میرے ذمہ ہے جسے میں پورا کروں؟ آپ نے فرمایا ہاں ان کے لیے رحمت اور مغفرت کی دعا کرو ان کے (کیے گئے) وعدے کو پورا کرو ان کے دوستوں کی عزت کرو اور ان لوگوں سے صلہ رحمی کرو جن سے صرف ان کی وجہ سے صلہ رحمی کی جاسکتی ہے۔ (۳)

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا،

سب سے بڑی نیکی یہ ہے کہ آدمی اپنے والد کی وفات کے بعد اس کے دوستوں سے اچھا سلوک کرے (۴)

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

---

(۱) المستدرک للحاکم جلد ۴ ص ۱۵۰ کتاب البر والصلة

(۲) کنز العمال جلد ۶ ص ۲۸۴ حدیث ۱۹۳۹

(۳) سنن ابی داؤد جلد ۲ ص ۳۴۳ کتاب الادب

(۴) صحیح مسلم جلد ۲ ص ۳۱۴ کتاب البر والصلة

بِرُّ الْوَالِدَةِ عَلَى الْوَلَدِ ضِعْفَانِ (۱)
ماں سے نیکی کرنے کا ثواب دوگنا ہے۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

دَعْوَةُ الْوَالِدَةِ اَسْرَعُ اِجَابَةً۔
(اولاد کے لیے) والدہ کی دعا بہت جلد قبول ہوتی ہے۔

عرض کیا گیا یا رسول اللہ! اس کی وجہ کیا ہے؟ آپ نے فرمایا ماں، باپ کی نسبت زیادہ رحم دل ہوتی ہے اور رحم کرنے والے کی دعا ساقط (ضائع) نہیں ہوتی۔ (۲)

ایک شخص نے عرض کیا یا رسول اللہ! میں کس سے حسن سلوک کروں؟

آپ نے فرمایا اپنے والدین سے اچھا سلوک کرو، اس نے عرض کیا میرے والدین (زندہ) نہیں ہیں۔ آپ نے فرمایا اپنی اولاد سے اچھا سلوک کرو جس طرح تیرے والدین کا تجھ پر حق ہے اسی طرح تمہاری اولاد کا بھی تجھ پر حق ہے۔ (۳)

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا،

رَحِمَ اللّٰهُ وَالِدًا اَعَانَ وَلَدَهٗ عَلٰى بِرِّهٖ۔ (۴)
اللہ تعالیٰ اس باپ پر رحم فرمائے جو نیکی پر اپنی اولاد کی مدد کرتا ہے۔

یعنی اسے اپنے برے عمل کے ذریعے نافرمانی پر مجبور نہیں کرتا۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

سَاوُوْا بَيْنَ اَوْلَادِكُمْ فِي الْعَطِيَّةِ۔ (۵)
عطیہ دیتے وقت اولاد میں برابری قائم کرو۔

کہا گیا ہے کہ تمہاری اولاد، تمہاری خوشبو ہے اسے سات سال تک سونگھو اس کے بعد سات سال تک وہ تمہارا خادم ہوتا ہے پھر وہ تمہارا دشمن ہوگا یا شریک۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

بچے کی پیدائش کے ساتویں دن اس کی طرف سے عقیقہ کیا جائے، اس کا نام رکھا جائے اور اس سے آلائشوں کو دور کیا جائے جب چھ سال کا ہو جائے تو اسے ادب سکھایا جائے، جب نو سال کی عمر کو پہنچ جائے تو اس کا بستر الگ کر دیا جائے، جب تیرہ سال کی عمر کا ہو جائے تو نماز (نہ پڑھنے) پر مارا جائے اور جب سولہ سال کا ہو جائے تو اس کا باپ اس کی شادی کرا دے۔

---

(۱) المستدرک للحاکم جلد ۴ ص ۱۵۰ کتاب البر والصلہ (۲)
(۳) مجمع الزوائد جلد ۸ ص ۱۴۶ کتاب البر والصلۃ
(۴) مصنف ابن ابی شیبہ جلد ۸ ص ۳۵۷ حدیث ۹۰۶
(۵) کنز العمال جلد ۱۶ ص ۴۴۴ حدیث نمبر ۴۵۳۴۶

پھر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت انس رضی اللہ عنہ کا ہاتھ پکڑ کر فرمایا میں نے تمہیں ادب سکھایا، تعلیم دی اور تیرا نکاح کر دیا میں تجھے دنیوی فتنوں اور اُخروی عذاب سے اللہ تعالیٰ کی پناہ میں دیتا ہوں۔ (۱)

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

والد پر اولاد کے حقوق میں سے ہے کہ اس کو اچھی طرح ادب سکھائے اور اس کا اچھا نام رکھے (۲)

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

ہر بچہ (یا بچی) اپنے عقیقے میں گروی ہوتے ہیں ساتویں دن اس کی طرف سے (بکری) ذبح کی جائے اور اس کا سر منڈایا جائے (۳)

حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں جب تم عقیقہ کا جانور ذبح کر دو تو اس کی اُون میں سے لے کر شہ رگ کے سامنے کرو پھر تر کر کے لڑکے کی چندیا پر رکھا جائے یہاں تک کہ اس سے دھاگے کی طرح دھار جاری ہو۔ پھر اس کا سر دھویا جائے اور اس کے بعد منڈوایا جائے۔

ایک شخص حضرت عبداللہ بن مبارک رحمہ اللہ کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس نے اپنے کسی بیٹے کی شکایت کی آپ نے فرمایا تم نے اس کے خلاف بددعا تو نہیں کی؟ اس نے کہا کی ہے فرمایا تم نے اسے خراب کر دیا۔

اولاد کے ساتھ نرمی برتنا مستحب ہے حضرت اقرع بن حابس رضی اللہ عنہ نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ آپ اپنے بیٹے (نواسے) حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ کو چُوم رہے تھے انہوں نے کہا میرے دس بیٹے ہیں لیکن میں نے ان میں سے کسی ایک کو نہیں چوما، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ "جو آدمی رحم نہیں کرتا اس پر رحم نہیں کیا جاتا۔" (۴)

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دن مجھ سے فرمایا۔

حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ کا چہرہ دھو دو میں دھونے لگی لیکن میں گھن کرتی تھی آپ نے میرا ہاتھ جھٹک دیا اور خود انہیں پکڑ کر ان کا چہرہ دھویا اور اس کے بعد ان کا بوسہ لیا پھر فرمایا اس نے ہم پر احسان کیا کہ یہ لڑکی نہیں ہوا۔ (۵)

حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ پھسلے تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے منبر سے اتر کر ان کو اٹھا لیا اور یہ آیت کریمہ پڑھی (۶)

---

(۱) سنن ابی داؤد جلد اول ص ۱، کتاب الصلوٰۃ (کچھ تبدیلی کے ساتھ)

(۲) کنز العمال جلد ۱۶ ص ۴۱۶ حدیث ۴۵۴۳۶

(۳) مسند امام احمد بن حنبل جلد ۵ ص ۱۲ مرویات سمرہ

(۴) صحیح بخاری جلد ۲ ص ۸۸۷ کتاب الادب

(۵) مسند امام احمد بن حنبل جلد ۶ ص ۲۲۲ مرویات عائشہ (۶) جامع الترمذی ص ۵۴۰، ابواب المناقب

اِنَّمَآ اَمْوَالُكُمْ وَاَوْلَادُكُمْ فِتْنَةٌ۔ (۱) بے شک تمہارے مال اور تمہاری اولاد آزمائش ہے۔

حضرت عبداللہ بن شداد رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نماز پڑھا رہے تھے کہ حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ آکر آپ کی گردن پر سوار ہو گئے آپ حالتِ سجدہ میں تھے چنانچہ آپ نے سجدہ لمبا کر دیا حتی کہ صحابہ کرام نے خیال کیا شاید آپ کو کوئی اور بات ہو گئی (آپ کا وصال ہو گیا) جب سلام پھیرا تو صحابہ کرام نے عرض کیا یا رسول اللہ! آپ نے لمبا سجدہ فرمایا حتی کہ ہم نے خیال کیا کوئی اور بات ہو گئی ہے۔ آپ نے فرمایا میرا بیٹا مجھ پر سوار ہو گیا تھا تو میں نے جلدی کرنا مناسب نہ سمجھا جب تک کہ وہ اپنا مطلب پورا نہ کرے۔ (۲)

اس میں کئی فائدے بھی ہوئے ایک یہ اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل ہوا کیونکہ بندہ حالتِ سجدہ میں اللہ تعالیٰ کے زیادہ قریب ہوتا ہے، دوسرا اولاد پر رحم اور نرمی کرنا اور تیسرا امت کو رحم کرنے کی تعلیم دینا پایا گیا۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

رِيْحُ الْوَلَدِ مِنْ رِيْحِ الْجَنَّةِ۔ (۳) اولاد سے آنے والی بُو جنت کی خوشبو سے ہے۔

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے احنف بن قیس کو بلوایا جب وہ آئے تو فرمایا اے ابوالبحر! اولاد کے بارے میں آپ کیا کہتے ہیں انہوں نے کہا اے امیر المومنین وہ ہمارے دلوں کے پھل اور ہماری پشتوں کے ستون ہیں اور ہم ان کے لیے نرم زمین اور سایہ دار آسمان ہیں ان کی وجہ سے ہم بڑی بڑی مہموں میں حصہ لیتے ہیں اگر وہ کچھ مانگیں تو انہیں دیں اور اگر وہ ناراض ہو جائیں تو ان کو راضی کریں وہ آپ کو دل سے چاہیں گے اور حتی الامکان آپ سے محبت کریں گے ان پر بھاری بوجھ نہ بنیں ورنہ وہ آپ کی زندگی سے اُکتا جائیں گے آپ کی وفات کو پسند کریں گے اور آپ کے قرب کو ناپسند کریں گے۔

(اس پر) حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے ان سے فرمایا اللہ کی قسم اے احنف! جب تم آئے تو میں یزید پر جلا بھنا بیٹھا تھا۔ جب احنف چلے گئے تو حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ یزید پر خوش ہوئے اور اس کی طرف دو لاکھ درہم اور دو سو کپڑے بھیجے جن میں سے یزید نے ایک لاکھ درہم اور سو کپڑے احنف کی طرف بھیجے۔

تو ان روایات سے پتہ چلتا ہے کہ والدین کا حق کس قدر مؤکد ہے رہا یہ کہ ان کے حقوق کی ادائیگی کس طرح کی جائے اس کے بارے میں حق اخوت کے سلسلے میں ہماری گذشتہ گفتگو سے تمہیں معلوم ہو گیا ہے کیونکہ یہ رشتہ، اخوت کے رشتہ سے زیادہ تاکید والا ہے۔ بلکہ یہاں دو باتیں زائد ہیں ایک یہ کہ اکثر علماء کے نزدیک شبہات میں بھی والدین کی اطاعت واجب ہے

(۱) قرآن مجید، سورۃ التغابن آیت ۱۵

(۲) مسند امام احمد بن حنبل جلد ۳ ص ۴۹۴ مرویات شداد بن الہاد

(۳)

اگر چہ محض حرام میں واجب نہیں ہے اگر وہ تمہارے الگ کھانے پر ناراض ہوں تو تم پہ لازم ہے کہ ان کے ساتھ کھانا کھاؤ کیوں کہ شبہ کو چھوڑنا تقویٰ ہے اور والدین کی رضا مندی حاصل کرنا ضروری ہے۔ اسی طرح ایسا سفر جو نفلی صورت میں ہو یا محض مباح ہو ان کی اجازت کے بغیر نہیں کر سکتے حتیٰ کہ حج جو اسلام میں فرض ہے اسے فوری طور پہ کرنا محض نفل ہے کیونکہ اس کا وجوب علی التاخیر ہے (یعنی اس میں تاخیر بھی ہو سکتی ہے) طلب علم کے لیے جانا بھی ایک زائد بات ہے البتہ نماز اور روزے سے متعلق فرض علم حاصل کرنا چاہو اور تمہارے شہر میں کوئی سکھانے والا نہ ہو (تو سفر کرنا ضروری ہو گا) جیسے ایک آدمی ایسے شہر میں اسلام قبول کرتا ہے جہاں اسے شریعت کے مسائل سکھانے والا کوئی نہیں تو اس پر دوسرے شہر کی طرف ہجرت لازم ہے اور اس صورت میں والدین کے حقوق کی قید نہ ہو گی۔

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں ایک شخص یمن سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور وہ جہاد کرنا چاہتا تھا آپ نے پوچھا کیا یمن میں تمہارے ماں باپ ہیں؟ اس نے عرض کیا جی ہاں، آپ نے پوچھا کیا انہوں نے تمہیں اجازت دی ہے؟ اس نے عرض کیا نہیں، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اپنے ماں باپ کی طرف لوٹ جاؤ اور ان سے اجازت مانگو اگر وہ اجازت دے دیں تو جہاد کرو ورنہ ان کی خدمت کرو جس قدر ممکن ہو کیونکہ توحید کے بعد یہ عمل ان تمام اعمال سے بہتر ہے جن کے ساتھ تم اللہ تعالیٰ سے ملاقات کرو گے (۱)

ایک دوسرا شخص آپ کی خدمت میں حاضر ہوا تاکہ آپ سے جہاد میں جانے کی اجازت حاصل کرے آپ نے پوچھا کیا تمہاری والدہ ہے؟ اس نے عرض کیا جی ہاں، آپ نے فرمایا اس کے ساتھ رہو کیونکہ جنت اس کے قدموں کے پاس ہے (۲)

ایک اور شخص آیا تاکہ ہجرت پر آپ کی بیعت کرے اور اس نے کہا میں اپنے والدین کو روتا ہوا چھوڑ کر آیا ہوں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ان کے پاس واپس جاؤ اور جس طرح ان کو رُلایا ہے، اسی طرح انہیں خوش کرو (۳)

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بڑے بھائی کا چھوٹے بھائی پر حق اس طرح ہے جس طرح والد کا اپنی اولاد پر ہوتا ہے۔ (۴)

آپ نے فرمایا "جب تم میں سے کسی کی سواری اسے تنگ کرے یا بیوی یا گھر کا کوئی فرد بد اخلاق ہو تو اس کے کان میں اذان دے (۵)

---

(۱) مسند امام احمد بن حنبل جلد ۳ ص ۷۶، مرویات ابو سعید خدری

(۲) سنن ابن ماجہ ص ۲۰۵ ابواب الجہاد۔

(۳) سنن ابن ماجہ ص ۲۰۵ ابواب الجہاد

(۴) الفردوس بماثور الخطاب جلد ۲ ص ۱۳۲ حدیث ۳۶۷۴

(۵) الاحادیث الضعیفہ الموضوعۃ جلد اول ص ۶۸

غلاموں کے حقوق:

جان لو! بلکہ نکاح سے متعلق حقوق کا ذکر آدابِ نکاح کے بیان میں ہو چکا ہے ملکِ یمین (۱) (غلام یا لونڈی کا مالک ہونا) بھی معاشرے میں کچھ حقوق کا تقاضا کرتی ہے جن کی رعایت ضروری ہے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی آخری وصیت میں فرمایا۔

اپنے غلاموں اور لونڈیوں کے سلسلے میں اللہ تعالیٰ سے ڈرو انہیں وہی کھانا دو جو خود کھاتے ہو، اسی لباس سے پہناؤ جو خود پہنتے ہو جو کام کرنے کی انہیں طاقت نہیں اس کی تکلیف نہ دو ان میں سے جن کو پسند کرتے ہو انہیں روک لو اور جن کو پسند نہیں کرتے انہیں بیچ دو، اللہ تعالیٰ کی مخلوق کو عذاب نہ دو، اللہ تعالیٰ نے تمہیں ان کا مالک بنایا اور اگر وہ چاہتا تو انہیں تمہارا مالک بنا دیتا (۲)

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

مملوک (لونڈی غلام) کے لیے دستور کے مطابق کھانا اور لباس ہے اور اسے ایسے کام پر نہ لگایا جائے جس کی اسے طاقت نہیں۔ (۳)

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

دھوکہ باز، متکبر، خائن اور غلاموں (اپنے ماتحتوں سے) بداخلاقی کرنے والے جنت میں نہیں جائیں گے (۴)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں ایک شخص رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس نے عرض کیا ہم اپنے خادم کو کس قدر معاف کریں، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم خاموش رہے پھر فرمایا روزانہ ستر مرتبہ معاف کرو۔ (۵)

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ ہر ہفتے کے دن عوالی (مدینہ طیبہ کا بالائی حصہ) کی طرف جایا کرتے اور جب کسی غلام کو ایسے کام میں دیکھتے جس کی اسے طاقت نہیں تو کچھ کام کم کر دیتے۔

---

(۱) زمانۂ قدیم سے انسانوں کی خرید و فروخت کا سلسلہ جاری تھا جنگی قیدیوں کو بھی غلام بنا کر رکھا جاتا سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے وقت بھی یہ عمل زور شور سے جاری تھا آپ نے آہستہ آہستہ اسے ختم کر دیا الحمد للہ! اب یہ کام باقی نہ رہا اگرچہ غلامی کی کئی دوسری شکلیں موجود ہیں جو اسلام میں پسندیدہ نہیں غلاموں اور لونڈیاں سے حسن سلوک سے متعلق جو احکام ہیں وہ موجود دور کے ملازموں کے سلسلے میں مشعل راہ ہیں ۱۲ ہزاروی۔

(۲) مسند امام احمد بن حنبل جلد ۶ ص ۲۹۰ مرویات ام سلمہ / صحیح مسلم جلد ۲ ص ۵۲ کتاب الایمان / سنن ابی داؤد جلد ۲ ص ۳۴۵ کتاب الادب۔

(۳) صحیح مسلم جلد ۲ ص ۵۲ کتاب الایمان۔

(۴) مسند امام احمد بن احمد بن حنبل جلد اوّل ص، مرویات ابوبکر الصدیق

(۵) مسند امام احمد بن حنبل جلد ۲ ص ۱۱۱ مرویات ابن عمر

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے انہوں نے ایک شخص کو سواری پر دیکھا اور اس کا غلام پیچھے دوڑ رہا تھا انہوں نے فرمایا اے اللہ کے بندے! اسے اپنے پیچھے سوار کر لو یہ تمہارا بھائی ہے اس کی جان بھی تیری جان کی طرح ہے چنانچہ اس نے سوار کر لیا پھر آپ نے فرمایا بندہ اللہ تعالیٰ سے دور رہتا ہے جب تک لوگ اس کے پیچھے پیدل چلتے رہیں (اور وہ خود سواری پر ہو)

حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ کی ایک لونڈی نے ان سے کہا میں نے ایک سال تک آپ کو زہر دیا لیکن اس نے آپ پر کچھ اثر نہ کیا انہوں نے پوچھا تم نے ایسا کیوں کیا؟ اس نے کہا میں آپ سے راحت (چھٹکارا) چاہتی تھی انہوں نے فرمایا جاؤ تم اللہ تعالیٰ کے لیے آزاد ہو۔

حضرت زہری رحمہ اللہ فرماتے ہیں جب تم اپنے غلام سے کہو کہ اللہ تعالیٰ تمہیں ذلیل کرے تو وہ آزاد ہے۔

حضرت احنف بن قیس سے پوچھا گیا کہ تم نے بردباری کہاں سے سیکھی انہوں نے کہا قیس بن عاصم سے، پوچھا گیا ان کی بردباری کس قدر ہے انہوں نے کہا کہ ایک دن وہ اپنے گھر میں بیٹھے ہوئے تھے کہ ان کی لونڈی ان کے پاس سیخ کباب لائی تو وہ کباب اس سے گر کر ان کے بچے پر جا پڑا جس سے وہ زخمی ہو کر مر گیا لونڈی گھبرا گئی انہوں نے سوچا اس لونڈی کا خوف اسی صورت میں ختم ہو گا جب اسے آزاد کر دیا جائے انہوں نے فرمایا جاؤ تو آزاد ہے تجھ پر کوئی حرج نہیں۔

حضرت عون بن عبداللہ رحمہ اللہ کا غلام جب ان کی نافرمانی کرتا تو فرماتے تو کس قدر اپنے آقا کی مثل ہے وہ اپنے مولا (اللہ تعالیٰ) کی نافرمانی کرتا ہے اور تو اپنے مالک کی نافرمانی کرتا ہے ایک دن اس غلام نے آپ کو پریشان کیا تو انہوں نے فرمایا تیرا کیا خیال ہے میں تجھے ماروں گا جا تو آزاد ہے۔

حضرت میمون بن مہران کے پاس مہمان آیا ہوا تھا انہوں نے لونڈی سے جلدی کھانا لانے کو کہا وہ تیز تیز آئی اور اس کے پاس ایک پیالہ (سالن سے) بھرا ہوا تھا وہ پھسلی اور پیالہ اس کے آقا حضرت میمون کے سر پر گر گیا انہوں نے فرمایا اے لونڈی! تم نے مجھے جلا دیا اس نے کہا اے بھلائی سکھانے والے اور لوگوں کو ادب بتانے والے اللہ تعالیٰ کے ارشاد گرامی پر عمل کیجئے۔

انہوں نے پوچھا اللہ تعالیٰ نے کیا فرمایا ہے؟ اس نے کہا ارشاد خداوندی ہے۔

وَالْكَاظِمِينَ الْغَيْظَ (۱) اور غصہ کو پی جانے والے۔

انہوں نے فرمایا میں نے غصہ پی لیا۔ اس نے کہا ارشاد خداوندی ہے۔

وَالْعَافِينَ عَنِ النَّاسِ (۲) اور لوگوں کو معاف کرنے والے

---

(۱) قرآن مجید سورۂ آل عمران آیت ۱۳۴
(۲) ایضاً

انہوں نے فرمایا میں نے تجھے معاف کر دیا۔ اس نے کہا زیادہ کیجئے ارشاد خداوندی ہے۔

وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ (۱) اور اللہ تعالیٰ احسان کرنے والوں کو پسند کرتا ہے۔

انہوں نے فرمایا تو اللہ کے لیے آزاد ہے۔

حضرت ابن منکدر فرماتے ہیں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک صحابی اپنے ایک غلام کو مارنے لگے تو وہ کہنے لگا اللہ تعالیٰ کے نام پر سوال کرتا ہوں اللہ تعالیٰ کے لیے سوال کرتا ہوں (چھوڑ دیجئے) لیکن انہوں نے معاف نہ کیا۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے غلام کی چیخ سنی تو تشریف لے گئے جب اس صحابی نے آپ کو دیکھا تو اپنا ہاتھ روک لیا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس نے اللہ تعالیٰ کے نام پر تجھ سے معافی مانگی اور تو نے معاف نہ کیا لیکن جب مجھے دیکھا تو ہاتھ روک لیا؟ اس صحابی نے عرض کیا یا رسول اللہ! یہ اللہ تعالیٰ کے لیے آزاد ہے آپ نے فرمایا اگر تم ایسا نہ کرتے تو جہنم کی آگ تمہارا منہ پھونک دیتی۔ (۲)

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

جب کوئی غلام اپنے آقا کی خیر خواہی کرے اور اچھی طرح اللہ تعالیٰ کی عبادت کرے تو اس کے لیے دو اجر ہیں۔ (۳)

جب حضرت ابو رافع رضی اللہ عنہ کو آزاد کیا گیا تو وہ رو پڑے اور فرمایا میرے لیے دو اجر تھے اب ان میں سے ایک چلا گیا۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

مجھ پر وہ تین (قسم کے) آدمی پیش کئے گئے جو سب سے پہلے جنت میں داخل ہوں گے اور وہ تین (قسم کے) آدمی بھی جو سب سے پہلے جہنم میں داخل ہوں گے ایک شہید، دوسرا وہ غلام جو اپنے رب کی عبادت اچھی طرح کرتا اور اپنے آقا کی بھلائی چاہتا ہے اور تیسرا وہ عیالدار شخص جو پاکدامن اور حرام سے بچنے والا ہو، سب سے پہلے جنت میں داخل ہوں گے وہ امیر جو مسلط کیا گیا، مال دار جو اللہ تعالیٰ کا حق ادا نہیں کرتا اور فقیر تکبر کرنے والا جہنم میں سب سے پہلے جائیں گے۔ (۴)

حضرت ابو مسعود انصاری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں، اپنے ایک غلام کو مار رہا تھا کہ میں نے اپنے پیچھے کی طرف سے ایک آواز سنی اے ابو مسعود! جان لو، دو مرتبہ یہ آواز آئی میں نے مڑ کر دیکھا تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تھے۔

---

(۱) قرآن مجید سورۂ آل عمران آیت ۱۳۴

(۲) سنن ابی داؤد جلد ۲ ص ۳۴۵ کتاب الادب

(۳) صحیح بخاری جلد اول ص ۳۴۶ باب فی العتق

(۴) مسند امام احمد بن حنبل جلد ۲ ص ۴۲۵ مرویات ابوہریرہ

ہیں نے ہاتھ سے ڈنڈا گرادیا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ کی قسم جس قدر تم اس پر قادر ہو اللہ تعالیٰ اس سے زیادہ تم پر قادر ہے۔(۱)

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

جب تم میں سے کوئی شخص، غلام خریدے تو سب سے پہلے اسے حلوہ کھلائے یہ اس کے لیے زیادہ اچھا ہے (۲)

اس حدیث کو حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نے روایت کیا۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں جب تم میں سے کسی کے پاس اس کا خادم کھانا لے کر آئے تو وہ اسے اپنے ساتھ بٹھا کر کھلائے اگر ایسا نہ کر سکے تو اسے ایک لقمہ دے دے۔ (۳)

ایک دوسری روایت میں ہے آپ نے ارشاد فرمایا:

جب تم میں سے کسی کا خادم اس کے لیے کھانا پکائے تو اس نے اس کی گرمی اور مشقت برداشت کی ہے اور اس کا کھانا اس کے قریب کیا ہے لہٰذا اسے اپنے ساتھ بٹھا کر کھلائے اگر ایسا ممکن نہ ہو تو ایک آدھ لقمہ لے کر اس کو سالن میں تر کرنے پھر آپ نے اپنے دست مبارک سے اشارہ کرتے ہوئے فرمایا کہ اس کے منہ میں ڈال کر کہے اسے کھاؤ۔ (۴)

حضرت سلمان رضی اللہ عنہ کے پاس ایک آدمی آیا اور آپ آٹا گوندھ رہے تھے اس نے پوچھا اے ابو عبداللہ! یہ کیا؟ انہوں نے فرمایا ہم نے خادم کو ایک کام کے لیے بھیجا ہے لہٰذا ہم اسے دو کاموں میں مبتلا کرنا پسند نہیں کرتے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

جس آدمی کے پاس لونڈی ہو وہ اس کی حفاظت کرے اور اس سے اچھا سلوک کرے پھر اسے آزاد کر کے اس کی شادی کرا دے تو اس کے لئے دو اجر ہیں۔ (۵)

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

كُلُّكُمْ رَاعٍ وَكُلُّكُمْ مَسْئُولٌ عَنْ رَعِيَّتِهِ - (۶)

تم میں سے ہر ایک نگران ہے اور تم میں ہر ایک سے اسکی رعایا (ماتحت لوگوں) کے بارے میں پوچھا جائے گا۔

---

(۱) صحیح مسلم جلد ۲ ص ۵۱ کتاب الایمان (۲)

(۳) کنز العمال جلد ۹ ص ۸۰ حدیث ۲۵۰۵۶

(۴) کنز العمال جلد ۹ ص ۸۲ حدیث ۲۵۰۷۰

(۵) صحیح بخاری جلد اول ص ۳۴۶ باب العتق

(۶) صحیح بخاری جلد اول ص ۱۲۲ کتاب الجمعۃ

غلام اور لونڈی (اور آج کل ملازم و خادم) کے حقوق کا خلاصہ یہ ہے کہ اسے اپنے کھانے اور لباس میں شریک کرے، اسے طاقت سے زیادہ کام کی تکلیف نہ دے، اسے تکبر و غرور کی نگاہ سے نہ دیکھے اُس کی لغزش کو معاف کر دے جب اس کی کسی غلطی یا جرم پر غصہ آئے تو سوچے کہ خود وہ (مالک) اللہ تعالیٰ کی کس قدر نافرمانی کر رہا ہے اور اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں کس قدر کوتاہی کرتا ہے حالانکہ اللہ تعالیٰ کے پاس اس سے زیادہ قدرت ہے۔

حضرت فضالہ بن عبید رضی اللہ عنہ سے مروی ہے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ تین (قسم کے) آدمی وہ ہیں جن کے بارے میں سوال نہیں ہوگا وہ شخص جو جماعت (سواد اعظم اہل سنت وجماعت) سے الگ ہو گیا۔ (۱)

وہ آدمی جس نے اپنے امام کی نافرمانی کی اور اسی حالت میں مر گیا۔ ان دونوں کے بارے میں سوال نہیں ہوگا اور وہ عورت جس کا خاوند غائب ہوا (سفر وغیرہ پر گیا) حالانکہ اس نے اس (عورت) کے اخراجات دے دیئے لیکن اس عورت نے اس کے جانے کے بعد بناؤ سنگار کر لیا اور باہر نکل آئی بارے میں بھی سوال نہیں ہوگا تین اور ہیں جن کے بارے میں سوال نہیں ہوگا۔ وہ شخص جو اللہ تعالیٰ سے اس کی چادر کے بارے میں لڑتا ہے اور اس کی چادر اس کی کبریائی ہے اور اس کی ازار عزت ہے، اور وہ شخص جو اللہ تعالیٰ کے بارے میں شک کا شکار ہے اور اللہ تعالیٰ کی رحمت سے ناامید ہوتا ہے (مطلب یہ ہے کہ یہ لوگ ہلاک ہونے والوں میں سے ہیں) (۲)

مختلف لوگوں کی صحبت و معاشرت کے آداب کا بیان مکمل ہوا۔

---

(۱) اس میں وہ تمام فرقے شامل ہیں عامۃ المسلمین کے عقائد سے الگ ہو گئے اور انہوں نے نئے نئے فرقے بنا لیے جیسے دیوبندی، وہابی شیعہ، چکڑالوی وغیرہ اللہ تعالیٰ ہم سب کو محفوظ فرمائے ۱۲ ہزاروی

(۲) مجمع الزوائد جلد اوّل ص ۱۰۵ کتاب الایمان

گوشہ نشینی کے آداب

ہر قسم کی حمد و ستائش اللہ تعالیٰ کے لیے ہے جس نے اپنی منتخب مخلوق (انسانوں) کو عظیم نعمت سے نوازا کہ ان کی ہمتوں کو اپنی محبت کی طرف پھیر دیا، اور انہیں اپنی نعمتوں اور عظمت کے مشاہدہ کی لذت سے بہت بڑا حصہ عطا فرمایا۔ ان کے دلوں میں سامان دنیا اور اس کی چمک دمک کو حقیر قرار دیا۔ حتیٰ کہ جن لوگوں کی فکر کے راستوں سے پردے ہٹ گئے انہوں نے گوشہ نشینی پر رشک کیا، اور خلوت میں تجلیات الٰہیہ کو دیکھ کر مانوس ہوئے۔ اور اس سعادت کے ذریعے انہوں نے انسانوں کے ساتھ اُنس سے نفرت کی اگرچہ وہ خاص الخاص ہی کیوں نہ ہوں۔

اور رحمت کاملہ ہمارے سردار، انبیاء کرام کے سردار اور ان میں سے منتخب شخصیت حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر اور آپ کے صحابہ کرام پر ہو جو مخلوق کے راہنما اور امام ہیں۔

حمد و صلوٰۃ کے بعد ——— گوشہ نشینی اور مل جل کر رہنے کے سلسلے میں لوگوں میں بہت زیادہ اختلاف ہے اسی طرح ان میں سے کسی ایک کو افضل قرار دینے پر بھی اتفاق نہیں حالانکہ ان دونوں میں سے ہر ایک میں خرابیاں بھی ہیں جو قابل نفرت ہیں اور فوائد بھی ہیں جو ان کی طرف بلاتے ہیں، اکثر عبادت گزار زاہد لوگوں کا میلان گوشہ نشینی کو مختار قرار دینے کی طرف ہے وہ اسے مل جل کر رہنے پر فضیلت دیتے ہیں اور ہم نے جو کچھ صحبت کے بیان میں مخالطت، مواخات اور باہمی الفت کی فضیلت کے سلسلے میں ذکر کیا ممکن ہے وہ اس بات کے خلاف ہو جس کی طرف اکثر حضرات مائل ہیں یعنی وہ لوگوں سے وحشت اور تنہائی اختیار کرنے کو ترجیح دیتے ہیں لہٰذا اس سلسلے میں حق بات سے پردہ اٹھانا بہت ضروری ہے اور یہ بات دو بابوں میں بیان ہوگی۔

پہلا باب:۔ مذاہب اور ان کے دلائل

دوسرا باب:۔ فوائد اور خرابیوں کو سامنے رکھتے ہوئے حق بات سے پردہ اٹھانا۔

پہلا باب

مختلف مذاہب، اقوال اور ہر فریق کے دلائل

مذاہب اس سلسلے میں علماء کرام کا اختلاف ہے اور یہ اختلاف تابعین علیہم الرحمہ کے درمیان ظاہر ہوا چنانچہ حضرت سفیان ثوری، ابراہیم بن ادھم، داؤد الطائی، فضیل بن عیاض، سلیمان الخواص، یوسف بن اسباط، حذیفہ مرعشی اور بشر حافی رحمہم اللہ نے گوشہ نشینی کو پسند کیا اور اسے مخالطت (میل جول) سے افضل قرار دیا۔

لیکن اکثر تابعین کے نزدیک لوگوں سے میل ملاپ اور مخالطت، زیادہ جان پہچان اور بھائی چارے کا قیام مومنوں سے محبت اور الفت پیدا کرنا مستحب ہے ان سے دین میں مدد حاصل کی جائے اور نیکی اور تقویٰ پر ایک دوسرے کی معاونت کی جائے اس مذہب کی طرف جن لوگوں کا میلان ہے ان میں حضرت سعید بن مسیب، حضرت شعبی، ابن ابی لیلیٰ، ہشام بن عروہ، ابن شبرمہ، شریح، شریک بن عبد اللہ، ابن عیینہ، ابن مبارک امام شافعی اور امام احمد بن حنبل رحمہم اللہ اور ان کے علاوہ ایک جماعت شامل ہے۔

علماء کرام سے کچھ کلمات منقول ہیں جو دو قسم کے کلمات میں تقسیم ہوتے ہیں۔ ایک مطلق کلمات ہیں جو دو میں سے ایک رائے کی طرف میلان پر دلالت کرتے ہیں، اور دوسرے کلمات ایسی باتوں سے ملے ہوئے ہیں جو اس میلان کی علت کی طرف اشارہ کرتی ہیں۔

اب ہم مطلق کلمات نقل کرتے ہیں تاکہ مذاہب کی وضاحت کر دیں اور جن کلمات میں علتوں کا ذکر ہے ان کلمات کو ہم اس وقت ذکر کریں گے جب خرابیوں اور فوائد کا بیان شروع کریں پس ہم کہتے ہیں۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے مروی ہے انہوں نے فرمایا تنہائی سے اپنا حصہ حاصل کرو۔

حضرت ابن سیرین رحمہ اللہ نے فرمایا "گوشہ نشینی عبادت ہے"۔

حضرت فضیل رحمہ اللہ نے فرمایا "محبت کے لیے اللہ تعالیٰ، اُنس و پیار کے لیے قرآن پاک اور وعظ کے لیے موت کافی ہے" کہا گیا ہے کہ "اللہ تعالیٰ کو ساتھی بناؤ اور لوگوں کو ایک طرف رکھ دو"۔

حضرت ابوالربیع زاہد رحمہ اللہ نے حضرت داؤد طائی رحمہ اللہ سے کہا کہ مجھے کچھ نصیحت فرمائیں انہوں نے فرمایا دنیا سے روزہ رکھو، آخرت میں افطار کرو اور لوگوں سے اس طرح بھاگو جس طرح شیر سے بھاگتے ہیں۔

حضرت حسن بصری رحمہ اللہ فرماتے ہیں میں نے تورات سے کچھ کلمات یاد کئے ہیں وہ یہ ہیں۔

"انسان نے قناعت کی تو وہ بے نیاز ہو گیا، لوگوں سے دُور رہا تو محفوظ ہو گیا، خواہشات کو چھوڑا تو آزاد ہو گیا، حسد کو ترک کیا تو اس کی مروت ظاہر ہو گئی اور تھوڑا صبر کیا تو زیادہ عرصہ تک نفع اٹھایا"۔

حضرت وہیب بن ورد رحمہ اللہ فرماتے ہیں۔

ہمیں یہ بات پہنچی ہے کہ حکمت کے دس اجزا ہیں ان میں سے نو خاموشی میں ہیں اور دسواں لوگوں سے علیحدگی میں ہے۔

حضرت یوسف بن مسلم رحمہ اللہ نے حضرت علی بن بکار رحمہ اللہ سے پوچھا کہ آپ کو تنہائی پر صبر کیسے آ گیا؟ انہوں نے گھر میں گوشہ نشینی اختیار کر لی تھی، انہوں نے فرمایا میں جوانی کے عالم اس سے بھی زیادہ پر صبر کرتا تھا میں لوگوں کے پاس بیٹھتا اور گفتگو نہ کرتا۔

حضرت سفیان ثوری رحمہ اللہ فرماتے ہیں۔

یہ وقت، خاموشی اور گھر میں بند ہو جانے کا وقت ہے۔

کسی بزرگ نے فرمایا کہ میں کشتی میں تھا اور ہمارے ساتھ ایک علوی نوجوان (سوار) تھا وہ ہمارے ساتھ سات دن رہا لیکن ہم نے اس کی کوئی بات نہ سنی۔ ہم نے پوچھا اے فلاں شخص! اللہ تعالیٰ نے تمہیں اور ہمیں ایک ساتھ رکھا ہم سات دن سے اکٹھے ہیں لیکن تیری گفتگو نہیں سنی نہ تو ہم سے میل جول رکھتا ہے اور نہ کلام کرتا ہے؟ تو اس نے ایک شعر پڑھا۔ (ترجمہ)

مجھے زیادہ امور کی فکر نہیں نہ بیٹا فوت ہوا ورنہ کسی اور بات کے فوت ہونے کا ڈر ہے بچپن کا شوق پورا کیا اور علم حاصل کیا اب اس کی انتہا علیحدگی اور خاموشی ہے۔

حضرت ابراہیم نخعی رحمہ اللہ نے ایک شخص سے فرمایا علم حاصل کرو پھر تنہائی اختیار کر لو۔

اسی طرح حضرت ربیع بن خثیم رحمہ اللہ نے بھی فرمایا۔

کہا گیا ہے کہ حضرت مالک بن انس رحمہ اللہ جنازوں میں حاضر ہوتے مریضوں کی مزاج پرسی کرتے (مسلمان) بھائیوں کو ان کے حقوق دیتے اور پھر انہوں نے ایک ایک کر کے یہ تمام کام چھوڑ دیئے وہ فرماتے تھے ہر کام کا عذر بتانا ضروری نہیں۔

حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ سے کہا گیا کہ آپ ہمارے لیے وقت نکالیں انہوں نے فرمایا فراغت کا وقت گزر چکا ہے اب فراغت کا وقت اللہ تعالیٰ کے پاس ہی ملے گا۔

حضرت فضیل رحمہ اللہ فرماتے ہیں میں اس شخص کا احسان مند ہوتا ہوں جو مجھ سے ملاقات کرتے وقت مجھے سلام نہ کرے اور جب میں بیمار ہو جاؤں تو میری بیمار پرسی نہ کرے۔

حضرت ابوسلیمان دارانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں۔ اس دوران کہ حضرت ربیع بن خثیم رحمہ اللہ اپنے مکان کے دروازے پر بیٹھے ہوئے تھے کہ ایک پتھر آیا اور اس سے آپ کی پیشانی پہ لگا اور آپ زخمی ہو گئے آپ خون پونچھتے ہوئے فرمانے لگے اسے ربیع! تمہیں نصیحت مل گئی چنانچہ اٹھ کر اندر چلے گئے اور اس کے بعد کبھی بھی مکان کے دروازے میں نہیں بیٹھے یہاں

تک کہ آپ کا جنازہ نکالا گیا۔

حضرت سعد بن ابی وقاص اور سعید بن مسیب رضی اللہ عنہما نے مقام عقیق میں اپنے اپنے گھروں میں گوشہ نشینی اختیار کرلی وہ دونوں جمعۃ المبارک کی نماز اور کسی دوسرے کام کے لیے بھی مدینہ طیبہ نہیں آتے تھے حتیٰ کہ مقام عقیق ہی میں ان کا انتقال ہوگیا۔

حضرت یوسف بن اسباط فرماتے ہیں میں نے حضرت سفیان ثوری رحمہ اللہ کو فرماتے ہوئے سنا کہ اس ذات کی قسم جس کے سوا کوئی معبود نہیں اب گوشہ نشینی جائز ہے۔

حضرت بشر بن عبد اللہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں لوگوں سے پہچان کم رکھو کیونکہ تمہیں معلوم نہیں قیامت کے دن کیا ہوگا؟ اگر رسوائی ہوئی تو بہتر ہے کہ جاننے والے کم ہو جائیں گے۔

ایک حکمران، حضرت حاتم اصم رحمہ اللہ کے پاس آیا اور کہا آپ کو کوئی حاجت ہے؟ انہوں نے فرمایا ہاں اس نے پوچھا وہ کیا؟ فرمایا تو مجھے نہ دیکھ اور میں تمہیں نہ دیکھوں اور نہ تو مجھ سے جان پہچان رکھ۔

ایک شخص نے حضرت سہل رحمہ اللہ سے کہا کہ میں آپ کا ہمنشین بننا چاہتا ہوں انہوں نے پوچھا جب ہم میں سے ایک مر گیا تو دوسرا کس کو ساتھی بنائے گا؟ اس نے کہا اللہ تعالیٰ کو، حضرت سہل نے فرمایا تو اب بھی اسی کو ساتھی بنانا چاہیئے۔

حضرت فضیل رحمہ اللہ کو بتایا گیا کہ آپ کا بیٹا علی کہتا ہے کہ میں ایسے مکان میں ٹھہرنا چاہتا ہوں جہاں سے میں لوگوں کو دیکھ سکوں لیکن وہ مجھے نہ دیکھیں، اس پر حضرت فضیل رو پڑے اور فرمایا علی پر افسوس اس نے بات پوری نہیں کہی اسے یوں کہنا چاہیئے تھا کہ میں لوگوں کو دیکھوں اور نہ وہ مجھے دیکھیں۔

حضرت فضیل رحمہ اللہ کا ہی قول ہے فرماتے ہیں کسی شخص کے کم عقل ہونے کی دلیل ہے کہ اس کے جاننے والے زیادہ ہوں۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں بہترین مجلس گھر کا اندرونی حصہ ہے نہ تو کسی کو دیکھے اور نہ تو دکھائی دے — یہ گوشہ نشینی کی طرف مائل لوگوں کے اقوال ہیں۔

قائلین مخالطت کے دلائل اور ان کی کمزوری

ان حضرات نے اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد گرامی سے استدلال کیا۔

وَلَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ تَفَرَّقُوا وَاخْتَلَفُوا (۱)

اور ان لوگوں کی طرح نہ ہو جاؤ جو جدا جدا ہوئے اور انہوں نے اختلاف کیا۔

نیز ارشاد خداوندی ہے۔

---

(۱) قرآن مجید، سورۂ آل عمران آیت ۱۰۵

فَأَلَّفَ بَيْنَ قُلُوبِهِمْ (۱) پس اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں کو جوڑ دیا۔

اللہ تعالیٰ نے لوگوں پر احسان کیا کہ ان کے دلوں کو جوڑ دیا۔

یہ استدلال ضعیف ہے کیونکہ یہاں آراء میں ایک دوسرے سے اختلاف مراد ہے نیز قرآن پاک کے معانی میں اختلافِ مذاہب اور اصولِ شریعت میں اختلاف مراد ہے ـــــ اور الفت سے مراد سینوں سے بغض وکینہ کو نکالنا ہے اور یہ وہ اسباب ہیں جن سے فتنے پھیلتے ہیں اور جھگڑے پیدا ہوتے ہیں جب کہ گوشہ نشینی اس کے خلاف نہیں۔

ان حضرات نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد گرامی سے بھی استدلال کیا ہے۔

آپ نے فرمایا:

اَلْمُؤْمِنُ اِلْفٌ مَأْلُوْفٌ وَلَا خَيْرَ فِيْمَنْ لَا يَأْلِفُ وَلَا يُؤْلَفُ ۔ (۲)

مومن محبت کرنے والا ہوتا ہے اور اس سے محبت کی جاتی ہے اور اس آدمی میں کوئی بھلائی نہیں جو دوسروں سے الفت نہیں رکھتا اور نہ لوگ اس سے محبت کرتے ہیں۔

یہ استدلال بھی صحیح نہیں کیونکہ اس حدیث میں بداخلاقی کی طرف اشارہ کیا گیا ہے جس کی وجہ سے باہمی محبت نہیں ہو سکتی اور اس میں حُسنِ اخلاق شامل نہیں ہے جس کی وجہ سے مخالطت (میل جول) بھی باہمی الفت کا باعث ہوتا ہے بلکہ میل جول کو اس لیے چھوڑا جاتا ہے کہ انسان اپنے آپ میں مشغول ہو اور دوسروں سے محفوظ رہے۔

ان حضرات نے ان احادیث سے بھی استدلال کیا ہے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

مَنْ فَارَقَ الْجَمَاعَةَ شِبْرًا خَلَعَ رِبْقَةَ الْاِسْلَامِ مِنْ عُنُقِهِ ۔ (۳)

جو شخص (مسلمانوں کی) جماعت سے الگ ہوا اس نے اپنی گردن سے اسلام کا پٹہ اتار دیا۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

مَنْ فَارَقَ الْجَمَاعَةَ فَمَاتَ فَمِيْتَتُهٗ جَاهِلِيَّةٌ (۴)

جو آدمی جماعت سے الگ ہوا پھر (اسی طرح) مر گیا تو وہ جاہلیت کی موت مرا۔

---

(۱) قرآن مجید، سورۂ آل عمران آیت ۱۰۳

(۲) تاریخ ابن عساکر جلد ۳ ص ۲۲ من اسمہ اسماعیل

(۳) مسند امام احمد بن حنبل جلد ۵ ص ۱۸۰ مرویات ابوذر

(۴) المستدرک للحاکم جلد اول ص ۱۱۹ کتاب العلم

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

مَنْ شَقَّ عَصَا الْمُسْلِمِيْنَ وَالْمُسْلِمُوْنَ فِي إِسْلَامٍ دَامِجٍ فَقَدْ خَلَعَ رِبْقَةَ الْإِسْلَامِ مِنْ عُنُقِهٖ - (۱)

جس نے مسلمانوں کی لاٹھی (قوت واتحاد) کو توڑا جب کہ مسلمان اجتماعی طور پر اسلام سے وابستہ ہوں تو اس شخص نے اسلام کا پٹہ اپنی گردن سے نکال دیا۔

گوشہ نشینی کے خلاف ان احادیث سے استدلال کمزور استدلال ہے کیونکہ اس سے مراد وہ جماعت ہے جن کی آراء ایک امام کی بیعت پر متفق ہوگئی ہوں لہٰذا ان کے خلاف نکلنا بغاوت ہے اور یہ بات مخالفانہ رائے اور مسلمانوں کے خلاف خروج میں پائی جاتی ہے اور یہ بات ممنوع ہے کیونکہ لوگوں کو ایک ایسے امام کی ضرورت ہوتی ہے جس کی اطاعت کی جائے اور سب کی رائے اس پر ایک ہی ہو۔

اور یہ اسی صورت میں ہو سکتا ہے جب اکثر لوگ بیعت کریں تو اس سلسلے میں مخالفت ایسی تشویش ہے جو فتنے پھیلاتی ہے تو اس میں گوشہ نشینی کا کوئی ذکر نہیں۔

ان حضرات نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد سے بھی استدلال کیا ہے کہ آپ نے تین دن سے زیادہ کسی مسلمان بھائی کو چھوڑنے سے منع فرمایا آپ نے فرمایا:

مَنْ هَجَرَ اَخَاهُ فَوْقَ ثَلَاثٍ فَمَاتَ دَخَلَ النَّارَ (۲)

جو شخص اپنے (مسلمان) بھائی کو تین دن سے زیادہ چھوڑے رکھے اور مر جائے تو وہ جہنم میں داخل ہوگا۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

کسی مسلمان شخص کے لیے جائز نہیں کہ وہ اپنے (مسلمان) بھائی کو تین دن سے زیادہ چھوڑے رکھے اور ان میں سے جو (صلح میں) پہل کرے وہ جنت میں داخل ہوگا۔ (۳)

اور ارشاد فرمایا۔

جو آدمی اپنے بھائی کو ایک سال تک چھوڑے رکھے وہ اس کا خون بہانے والے کی طرح ہے (۴)

یہ حضرات فرماتے ہیں کہ گوشہ نشینی تو مکمل طور پر چھوڑنا ہے لیکن یہ استدلال بھی ضعیف ہے کیونکہ اس سے مراد لوگوں سے

---

(۱) المعجم الکبیر للطبرانی جلد ۱ ص ۲۵ حدیث ۱۰۹۲۵

(۲) مجمع الزوائد جلد ۸ ص ۷۶ کتاب الادب

(۳) المعجم الکبیر للطبرانی جلد ۴ ص ۱۴۴ حدیث ۳۹۵۱

(۴) سنن ابی داؤد جلد ۲ ص ۳۱۷ کتاب الادب

ناراضگی ہے نیز ان سے کلام و سلام اور عام میل جول ختم کرنا ہے۔

لہذا ناراضگی کے بغیر میل جول ترک کرنا اس میں بالکل داخل نہیں اس کے باوجود دو جگہوں پر مسلمان کو چھوڑنا جائز بھی ہے ایک یہ کہ وہ سمجھتا ہوں کہ اسے زیادہ دن چھوڑنے سے اس کی اصلاح ہوگی دوسرا یہ کہ اس میں اپنی سلامتی دیکھے۔

نہی اگرچہ عام ہے لیکن وہ ان دو مخصوص مقامات کے علاوہ پر محمول ہے اس کی دلیل حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو ذوالحجہ، محرم اور صفر کے کچھ دن چھوڑے رکھا۔ (۱)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ازواج مطہرات سے علیحدگی اختیار کی اور ایک مہینے تک ان کے قریب نہ جانے کی قسم کھائی اور بالا خانے میں تشریف لے گئے جس میں غلہ وغیرہ رہتا تھا انتیس دن تک آپ وہاں رہے جب اترے تو آپ سے عرض کیا گیا آپ تو وہاں انتیس دن ٹھہرے ہیں آپ نے فرمایا بعض اوقات مہینہ انتیس دن کا ہوتا ہے (۲)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

لَا يَحِلُّ لِمُسْلِمٍ اَنْ يَهْجُرَ اَخَاهُ فَوْقَ ثَلَاثَةِ اَيَّامٍ اِلَّا اَنْ يَكُوْنَ مِمَّنْ لَا تُؤْمَنُ بَوَائِقُهُ (۳)

کسی مسلمان کے لیے جائز نہیں کہ وہ اپنے (مسلمان) بھائی سے تین دن سے زیادہ قطع تعلق کرے البتہ اس شخص کے شر سے محفوظ نہ ہو (تو اجازت ہے)

یہ حدیث صراحتاً تخصیص کا بیان ہے اور حضرت حسن بصری رحمہ اللہ کا قول بھی اسی پر محمول کیا جاتا ہے انہوں نے فرمایا بے وقوف سے قطع تعلق اللہ تعالیٰ کے قرب کا ذریعہ ہے کیونکہ یہ موت تک جاتا ہے اس لیے کہ وہ لا علاج ہے۔

حضرت محمد بن عمر واقدی کے پاس ایک شخص کا ذکر کیا گیا جس نے مرتے دم تک دوسرے آدمی سے تعلق منقطع رکھا اور کہا کہ پہلے لوگ بھی یہ عمل کرتے رہے ہیں۔

حضرت سعد بن ابی وقاص نے حضرت عمار بن یاسر کو چھوڑے رکھا حتی کہ ان کا انتقال ہو گیا، حضرت عثمان بن عفان نے حضرت عبدالرحمن بن عوف سے اور حضرت عائشہ نے حضرت حفصہ سے علیحدگی رکھی (رضی اللہ عنہم)

حضرت طاؤس نے حضرت وہب بن منبہ (رحمہما اللہ) سے تعلقات منقطع رکھے حتی کہ دونوں کا انتقال ہو گیا، اور یہ سب حضرات اسی قطع تعلق میں سلامتی سمجھتے تھے۔

---

(۱) سنن ابی داؤد جلد ۲ ص ۶۷۲ کتاب السنۃ

(۲) صحیح مسلم جلد اول ص ۳۴۴ کتاب الصیام

(۳) الکامل لابن عدی جلد ۶ ص ۲۱۵۷ ترجمہ محمد بن الحجاج

گوشہ نشینی کی مخالفت کرنے والے حضرات نے اس حدیث سے بھی استدلال کیا ہے کہ ایک شخص عبادت کے لیے پہاڑ میں آیا تو اسے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لایا گیا آپ نے فرمایا،

نہ تم ایسا کرو اور نہ کوئی دوسرا ایسا کرے تمہارا اسلام کے بعض مقامات پر صبر کرنا تنہا چالیس سال تک عبادت کرنے سے بہتر ہے (۱)

ظاہر بات یہ ہے کہ اس سے اس لیے منع فرمایا کہ اس سے جہاد کو چھوڑنا لازم آتا تھا جب کہ ابتدائے اسلام میں اس کا وجوب نہایت شدید اور اہم تھا۔ اور اس بات کی دلیل حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی یہ روایت ہے وہ فرماتے ہیں۔

ہم نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ جہاد کیا تو ایک گھاٹی سے گزرے جس میں عمدہ پانی کا ایک چھوٹا سا چشمہ تھا جماعت میں سے ایک نے کہا اگر میں لوگوں سے الگ ہو کر اس وادی میں ٹھہر جاتا تو کیا اچھا ہوتا لیکن جب تک رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ذکر نہ کر لوں ایسا نہیں کروں گا ——— (چنانچہ اس کے ذکر کرنے پر) نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ایسا نہ کرو، تمہارا اللہ تعالیٰ کے راستے میں ٹھہرنا گھر میں ساٹھ سال نماز پڑھنے سے بہتر ہے کیا تم نہیں چاہتے کہ اللہ تعالیٰ تمہیں بخش دے اور تم جنت میں چلے جاؤ اللہ تعالیٰ کے راستے میں جہاد کرو کیونکہ جو شخص اونٹنی کا دودھ دوہنے کی مقدار اللہ تعالیٰ کے راستے میں لڑتا ہے اسے اللہ تعالیٰ جنت میں داخل کرتا ہے۔ (۲)

ان حضرات نے حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کی روایت سے بھی استدلال کیا ہے آپ نے فرمایا۔

شیطان، انسان کے لیے بھیڑیا ہے۔ جیسے بکریوں کے لیے بھیڑیا ہوتا ہے وہ اس بکری کو پکڑتا ہے جو ریوڑ سے الگ تھلگ اور کنارہ کش ہو لہٰذا تمہیں گھاٹیوں سے بچتے ہوئے عام لوگوں کے ساتھ، جماعتوں کے ساتھ اور مساجد میں رہنا چاہیئے (۳)

اس حدیث میں علم کی تکمیل سے پہلے کی گوشہ نشینی سے منع کیا گیا ہے اس کا بیان بھی عنقریب آئے گا اور یہ بھی ضرورت کے تحت جائز ہے۔

افضلیت عزلت پر دلائل:

جو لوگ عزلت (گوشہ نشینی) کو افضل قرار دیتے ہیں انہوں نے قرآن پاک میں مذکور حضرت ابراہیم علیہ السلام کے واقعہ سے متعلق اللہ تعالیٰ کے ارشاد گرامی سے استدلال کیا ہے ارشاد خداوندی ہے۔

وَاَعْتَزِلُكُمْ وَمَا تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ ——— اور میں تم سے اور تمہارے معبودوں سے الگ ہوں اور

---

(۱) کنز العمال جلد ۴ ص ۳۲۷، ۳۲۸ حدیث ۱۰۷۴۱

(۲) مسند امام احمد بن حنبل جلد ۲ ص ۵۲۴ مرویات ابوہریرہ

(۳) مسند امام احمد بن حنبل جلد ۵ ص ۲۳۳ مرویات معاذ بن جبل

اللّٰہِ وَاَدْعُوْ رَبِّیْ (۱) — اپنے رب کی عبادت کرتا ہوں۔

پھر فرمایا:

فَلَمَّا اعْتَزَلَهُمْ وَمَا يَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَهَبْنَا لَهٗۤ اِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ ۭ وَكُلًّا جَعَلْنَا نَبِيًّا ۔ (۲)

جب وہ بت پرستوں اور جن کو وہ خدا کے علاوہ پوجتے تھے ان سے الگ ہو گئے تو ہم نے انہیں حضرت اسحٰق اور حضرت یعقوب (علیہما السلام) عطا کئے اور ان سب کو نبی بنایا۔

یہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ یہ عطیہ، گوشہ نشینی کی برکت سے حاصل ہوا ـــــ لیکن یہ استدلال ضعیف ہے کیونکہ کفار کے ساتھ رہنے کا فائدہ صرف یہی ہے کہ انہیں دین کی طرف بلایا جائے اور جب ان سے ناامید ہو جائیں تو ان کو چھوڑنے کے علاوہ کیا کیا جا سکتا ہے، گفتگو تو مسلمانوں میں ملے جلے رہنے اور اس سے حاصل ہونے والی برکت کے بارے میں ہے۔ کیونکہ ایک روایت میں ہے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا گیا یا رسول اللہ! کیا آپ کو ڈھانپے ہوئے مٹی کے گھڑے سے وضو کرنا اچھا لگتا ہے یا ان برتنوں سے جن سے لوگ وضو کرتے ہیں؟ آپ نے فرمایا ان برتنوں سے اچھا لگتا ہے تاکہ مسلمانوں کے ہاتھوں کی برکت حاصل ہو۔ (۳)

ایک روایت میں ہے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب بیت اللہ شریف کا طواف کیا تو آپ زمزم کی طرف تشریف لے گئے تاکہ اس سے پانی نوش فرمائیں، تو آپ نے دیکھا کہ چمڑے کے تھیلوں میں بھیگی ہوئی کھجوریں ہیں جن کو لوگوں نے اپنے ہاتھوں سے ملا اور وہ ان سے کھاتے اور پیتے تھے، آپ نے فرمایا مجھے بھی پلاؤ۔ حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے عرض کیا یہ نبیذ ایسا مشروب ہے جو لوگوں کے ہاتھوں سے خراب ہو گیا کیا میں آپ کو ڈھانپے ہوئے گھڑے سے ستھرا مشروب نہ لا دوں؟ آپ نے فرمایا نہیں، مجھے اسی سے پلاؤ جس سے لوگ پی رہے ہیں تاکہ مجھے مسلمانوں کے ہاتھوں کی برکت حاصل ہو۔ (۴)

چنانچہ آپ نے اس سے نوش فرمایا:

تو کفار اور بتوں سے علیحدگی کو مسلمانوں سے علیحدگی پر کیسے دلیل بنایا جا سکتا ہے جب کہ ان میں بہت زیادہ برکت ہے۔

ان حضرات نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے قول سے بھی استدلال کیا ارشاد خداوندی ہے۔

وَاِنْ لَّمْ تُؤْمِنُوْا لِيْ فَاعْتَزِلُوْنِ ۔ (۵) — اگر تم مجھ پر ایمان نہیں لاتے تو مجھ سے الگ ہو جاؤ۔

---

(۱) قرآن مجید، سورۂ مریم آیت ۴۸

(۲) قرآن مجید، سورۂ مریم آیت ۴۹

(۳) مصنف ابن ابی شیبہ جلد اوّل ص ۱۲۹ کتاب الطہارات

(۴) کنز العمال جلد ۱۴ ص ۱۲۳ حدیث ۳۸۱۱۸

(۵) قرآن مجید، سورۂ دخان آیت ۲۱

مطلب یہ کہ نا امیدی کی صورت میں آپ نے ان کو الگ ہونے کا حکم دیا۔

اللہ تعالیٰ نے اصحاب کہف کے بارے میں فرمایا۔

وَاِذِ اعْتَزَلْتُمُوْهُمْ وَمَا يَعْبُدُوْنَ اِلَّا اللّٰهَ فَاْوٗۤا اِلَى الْكَهْفِ يَنْشُرْ لَكُمْ رَبُّكُمْ مِّنْ رَّحْمَتِهٖ (۱)

جب تم نے ان سے اور جن کو وہ اللہ تعالیٰ کے سوا پوجتے ہیں ان سے کنارہ کشی کر لی تو غار میں پناہ لے لو تمہارا رب تمہارے لیے اپنی رحمت پھیلا دے گا۔

اللہ تعالیٰ نے ان کو تنہائی اور گوشہ نشینی اختیار کرنے کا حکم دیا۔

اور جب ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو قریش نے اذیت دی اور ظلم وستم کیا تو آپ گھاٹی میں چلے گئے اور صحابہ کرام کو ان لوگوں سے علیحدہ ہو کر سرزمین حبشہ کی طرف ہجرت کا حکم دیا پھر وہ مدینہ طیبہ آگئے جب اللہ تعالیٰ نے اپنے دین اسلام کا پرچم بلند فرمایا۔ (۲)

یہ بھی کفار سے نا امیدی کے بعد ان سے علیحدگی ہے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں سے علیحدگی اختیار نہیں کی اور نہ ان کفار سے علیحدہ ہوئے جن سے اسلام کی توقع تھی، اسی طرح اصحاب کہف بھی ایک دوسرے سے جدا نہیں ہوئے اور وہ سب مومن تھے وہ صرف کفار سے الگ ہوئے ہماری بحث مسلمانوں سے علیحدگی کے بارے میں ہے۔

انہوں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد گرامی سے بھی استدلال کیا ہے۔ جب حضرت عبداللہ بن عامر جہنی رضی اللہ عنہ نے پوچھا یا رسول اللہ! نجات کیا ہے؟ تو آپ نے فرمایا "اپنے گھر میں بند رہو، اپنی زبان کو قابو میں رکھو اور اپنی خطاؤں پر روؤ" (۳)

ایک روایت میں ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا کونسا مسلمان افضل ہے؟

آپ نے فرمایا وہ مومن جو اپنی جان اور مال کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے راستے میں جہاد کرتا ہے، پوچھا گیا پھر کون؟ آپ نے فرمایا وہ شخص جو (لوگوں سے) الگ ہو کر کسی گھاٹی میں اپنے رب کی عبادت کرتا ہے اور اپنے شر سے لوگوں کو بچاتا ہے (۴)

اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْعَبْدَ التَّقِيَّ الْغَنِيَّ الْخَفِيَّ۔ (۵)

بے شک اللہ تعالیٰ پرہیزگار مالدار گوشہ نشین بندے کو پسند کرتا ہے۔

---

(۱) قرآن مجید سورۂ کہف آیت ۱۶

(۲) دلائل النبوۃ جلد ۲ ص ۲۸۵، ۲۸۶ باب الہجرۃ الاولی الی الحبشۃ

(۳) مسند امام احمد بن حنبل جلد ۴ ص ۱۴۸ مرویات عقبہ بن عامر

(۴) صحیح مسلم جلد ۲ ص ۱۳۶ کتاب الامارۃ

(۵) صحیح مسلم جلد ۲ ص ۴۰۸ کتاب الزہد

ان احادیث سے استدلال قابلِ غور ہے جہاں تک حضرت عبداللہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے آپ کے ارشادِ گرامی کا تعلق ہے تو اس کو اس بات پر محمول کیا جا سکتا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے نورِ نبوت سے ان کی حالت کو ملاحظہ فرما لیا ہو اور ان کے لیے گھر میں بیٹھنا اور لوگوں کے ساتھ میل جول نہ رکھنا زیادہ مناسب ہو اور ان کے لیے سلامتی اسی میں ہو۔ کیوں کہ آپ نے تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو اس بات کا حکم نہیں دیا اور بعض لوگوں کے لیے سلامتی گوشہ نشینی میں ہوتی ہے میل جول میں نہیں جیسا کہ بعض اوقات گھر میں بیٹھا رہنا سلامتی کا باعث ہوتا ہے اور جہاد میں جانا اس کے لیے مناسب نہیں ہوتا۔

اور یہ اس بات کی دلیل نہیں کہ جہاد کو چھوڑنا افضل ہے اور لوگوں سے میل جول میں مجاہدہ اور مشقت ہے اسی لیے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

وہ آدمی جو لوگوں کے ساتھ مل جل کر رہتا ہے اور ان کی طرف سے پہنچنے والی اذیت پر صبر کرتا ہے اس شخص سے بہتر ہے جو لوگوں سے میل جول نہیں رکھتا اور ان کی طرف سے پہنچنے والی اذیت برداشت نہیں کرتا (۱)

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشادِ گرامی سے بھی یہی مراد ہے آپ نے فرمایا:

"وہ شخص جو علیحدگی میں اپنے رب کی عبادت کرتا ہے اور لوگوں کو اپنے شر سے بچاتا ہے" یہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ جس کی طبیعت میں شرارت ہو اور اس کے ساتھ میل جول سے لوگوں کو اذیت پہنچتی ہو۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشادِ گرامی کہ اللہ تعالیٰ گوشہ نشین متقی کو پسند کرتا ہے اس میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ وہ شہرت سے بچنے اور مخفی رہنے کو ترجیح دیتا ہے اور یہ بات گوشہ نشینی سے متعلق نہیں ہے، کتنے ہی عبادت گزار لوگ ہیں جو گوشہ نشین ہیں لیکن بے شمار لوگ ان کو جانتے ہیں اور کتنے ہی لوگ ہیں جو لوگوں کے ساتھ مل جل کر رہتے ہیں لیکن گمنام ہیں نہ ان کا ذکر ہوتا ہے اور نہ ہی انہیں شہرت حاصل ہے۔ تو یہ ایک ایسا معاملہ ہے جس کا گوشہ نشینی سے کوئی تعلق نہیں۔

انہوں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشادِ گرامی سے بھی استدلال کیا آپ نے صحابہ کرام سے فرمایا کیا میں تمہیں بہترین انسان کے بارے میں نہ بتاؤں؟ انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ! کیوں نہیں آپ بتائیے آپ نے مغرب کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا ایک شخص اللہ تعالیٰ کے راستے میں اپنے گھوڑے کی لگام پکڑے انتظار کر رہا ہے کہ وہ حملہ کرے یا اس پر حملہ کیا جائے۔ کیا میں اس کے بعد والے اچھے آدمی کی خبر نہ دوں؟ پھر آپ نے حجاز کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا ایک شخص اپنی بکریوں کے ساتھ ہوگا نماز قائم کرے گا اور زکوٰۃ دے گا اور اسے معلوم ہوگا کہ اللہ تعالیٰ کا حق کیا ہے، وہ لوگوں کی شر سے الگ رہے گا (۲)

جب یہ بات ظاہر ہوگئی کہ فریقین کے یہ دلائل تسلی بخش نہیں ہیں تو واضح طور پر پردہ ہٹانے کی ضرورت ہے یعنی اس کے فوائد اور خرابیاں بیان کرکے مقابلہ کیا جائے تاکہ اس سلسلے میں حق واضح ہو جائے۔

---

(۱) سنن ابن ماجہ ص ۳۰۱، ابواب الفتن (۲) مجمع الزوائد جلد ۱۰ ص ۲۳۰ کتاب الزھد

دوسرا باب

تنہائی کے فوائد اور خرابیاں نیز اس کی فضیلت کے سلسلے میں حق بات کی وضاحت

گوشہ نشینی کے سلسلے میں لوگوں کا اختلاف نکاح کی فضیلت اور مجبور رہنے کے سلسلے میں اختلاف کی طرح ہے اور ہم ذکر کر چکے ہیں کہ یہ اختلاف احوال و اشخاص کے اختلاف کی بنیاد پر ہے جیسا کہ ہم نے نکاح کی خرابیوں اور فوائد کے سلسلے میں تفصیلاً ذکر کیا ہے۔

اسی طرح زیر بحث مسئلہ میں بھی ہم یہی کہتے ہیں پہلے ہم تنہائی کے فوائد ذکر کریں گے اور یہ فوائد دنیوی بھی ہیں اور دینی بھی، اور دینی فوائد خلوت میں عبادت کرنے سے بھی حاصل ہوتے ہیں اور عبادت پر پابندی سے بھی ـــــ علاوہ ازیں غور و فکر اور علمی تربیت میں تسلسل ہوتا ہے نیز میل جول کی وجہ سے جو گناہ سرزد ہوتے ہیں ان سے نجات بھی حاصل ہوتی ہے جیسے ریاکاری، غیبت، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر سے خاموشی اختیار کرنا نیز بُرے ساتھیوں کی بداخلاقی اور خبیث اعمال کا اپنی طبیعت میں آجانا وغیرہ۔

خلوت سے بعض دنیوی فوائد بھی حاصل ہوتے ہیں جیسے کوئی پیشہ ور آدمی ان امور سے بچ کر کام کرنے پر زیادہ قادر ہوتا ہے جو امور میل جول سے پیش آتے ہیں مثلاً دنیا کی تروتازگی کو دیکھنا، لوگوں کا اس کی طرف متوجہ ہونا اس کا لوگوں سے اور لوگوں کا اس سے طمع کرنا میل جول کی وجہ سے پردہ مروت کا اُٹھ جانا برے ساتھی کی بداخلاقی یا بات کا طعنے یا بدگمانی یا چغلی یا حسد کی وجہ سے اذیت کا پہنچنا یا اس کے بھاری پن اور بدصورتی کی وجہ سے تکلیف محسوس کرنا انسان گوشہ نشینی کی وجہ سے ان تمام خرابیوں سے بچ جاتا ہے گوشہ نشینی کے فوائد ان امور میں منحصر ہیں اور ہم انہیں چھ فائدوں میں منحصر کرتے ہیں۔

پہلا فائدہ:

عبادت اور غور و فکر کے لیے فارغ ہونا اور مخلوق کے ساتھ گفتگو کی بجائے اللہ تعالیٰ کے ساتھ مناجات سے اُنس حاصل کرنا نیز دنیا اور آخرت کے معاملات میں اللہ تعالیٰ کے اسرار معلوم کرنے میں مشغول ہونا، علاوہ ازیں آسمانوں اور زمین کی بادشاہیوں کے اسرار معلوم کرنا۔ یہ تمام باتیں فراغت کا تقاضا کرتی ہیں اور لوگوں میں رہنے کی وجہ سے فراغت حاصل نہیں ہوتی لہٰذا گوشہ نشینی اس اہم کام کی طرف ایک وسیلہ ہے اسی لیے بعض دانا حضرات نے کہا ہے کہ وہی شخص گوشہ نشینی پر قادر ہو سکتا ہے جو کتاب خداوندی کو مضبوطی سے پکڑتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی کتاب کو مضبوطی سے پکڑنے والے ہی ذکر خداوندی کی وجہ سے

دنیا سے آرام پاتے ہیں۔ جو اللہ تعالیٰ کو اسی کے سبب یاد کرتے ہیں وہ اللہ تعالیٰ کے ذکر کے ساتھ زندہ رہتے ہیں اس کے ذکر پر مرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ سے ملاقات بھی اسی کے ذکر پر کریں گے۔ اور اس میں کوئی شک نہیں کہ لوگوں سے میل جول ذکر و فکر میں رکاوٹ ہے لہذا ان لوگوں کے لیے تنہائی زیادہ بہتر ہے۔

یہی وجہ ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ابتدا میں غار حرا شریف میں سب سے الگ ہو کر گوشہ نشینی فرماتے تھے (۱) حتیٰ کہ جب آپ میں نور نبوت مضبوط ہو گیا تو مخلوق آپ کے لیے اللہ تعالیٰ کے سامنے رکاوٹ نہیں بنتی تھی آپ جسم کے ساتھ مخلوق کے پاس اور دل کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے ہاں ہوتے تھے۔ یہاں تک کہ جب صحابہ کرام نے گمان کیا کہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ آپ کے خلیل ہیں تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بتایا کہ ہماری تمام تر توجہ اللہ تعالیٰ کی طرف ہے آپ نے فرمایا:

لَوْكُنْتُ مُتَّخِذًا خَلِيلًا لَاتَّخَذْتُ اَبَا بَكْرٍ خَلِيلًا وَلٰكِنَّ صَاحِبَكُمْ خَلِيلُ اللّٰهِ۔ (۲)

اگر میں (مخلوق میں سے) کسی کو خلیل بناتا تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو خلیل بناتا لیکن تمہارا صاحب اللہ تعالیٰ کا خلیل ہے۔

ظاہری طور پر لوگوں کے ساتھ میل جول اور باطنی طور پر اللہ تعالیٰ کی طرف توجہ کی طاقت صرف قوت نبوت کو حاصل ہوتی ہے لہذا ہر وہ شخص جو کمزور ہے اسے اپنے نفس کو دھوکے میں ڈال کر اس بات کی طمع نہیں کرنی چاہیئے اور یہ بات بعید نہیں کہ بعض اولیاء کرام اس درجہ تک پہنچ جائیں، حضرت جنید بغدادی رحمہ اللہ سے منقول ہے وہ فرماتے ہیں۔

میں تیس سال سے اللہ تعالیٰ سے ہمکلام ہوں اور لوگ سمجھتے ہیں کہ میں ان سے گفتگو کر رہا ہوں؟ اور یہ بات اس شخص کے لیے آسان ہوتی ہے جو محبت خداوندی میں اس قدر ڈوبا ہوا ہو کہ کسی دوسری طرف اس کے لیے گنجائش ہی نہ ہو اور اس بات کا انکار نہیں کیا جا سکتا۔

کیونکہ جو لوگ مخلوق سے محبت کرتے ہیں ان کا حال یہ ہوتا ہے کہ وہ لوگوں سے میل ملاقات رکھتے ہیں لیکن انہیں پتہ نہیں چلتا کہ وہ کیا کہہ رہے ہیں اور ان سے کیا بات کی جا رہی ہے کیونکہ وہ اپنے محبوب کے عشق میں ڈوبے ہوئے ہوتے ہیں بلکہ جس شخص کو کوئی ایسا اہم مسئلہ درپیش ہوتا ہے جس سے دنیوی امور میں تردد پیدا ہو جاتا ہے تو وہ اس کی فکر میں اس قدر ڈوب جاتا ہے کہ لوگوں سے میل جول کے باوجود اسے کسی بات کا احساس نہیں ہوتا اور نہ ہی وہ لوگوں کی آواز ہی سنتا ہے۔ اور عقل مند لوگوں کے نزدیک آخرت کا معاملہ اس سے بھی زیادہ اہم ہے لہذا اس کی فکر میں اس حالت تک پہنچنا ناممکن نہیں۔

لیکن عام لوگوں کے لیے گوشہ نشینی سے مدد لینا بہتر ہے اسی لیے کسی دانا سے پوچھا گیا کہ لوگ خلوت اور تنہائی سے

---

(۱) صحیح بخاری جلد اوّل ص ۲ باب بدء الوحی

(۲) صحیح بخاری جلد اوّل ص ۵۱۶ کتاب المناقب

کیا چاہتے ہیں؟ انہوں نے جواب دیا کہ اس سے دائمی فکر مطلوب ہوتا ہے اور دلوں میں علوم ثابت ہوتے ہیں تاکہ وہ اچھی طرح زندگی گزاریں اور معرفت کی مٹھاس چکھیں۔

کسی راہب (عبادت گذار گوشہ نشین) سے کہا گیا کہ تم تنہائی پر کس قدر صبر کرتے ہو؟ انہوں نے جواب دیا میں تنہا نہیں ہوں میں اللہ تعالیٰ کا ہمنشین ہوں جب میں چاہتا ہوں کہ وہ مجھ سے ہم کلام ہو تو اس کی کتاب کو پڑھتا ہوں اور جب میں اس سے ہم کلام ہونا چاہتا ہوں تو نماز پڑھتا ہوں۔

کسی دانا سے پوچھا گیا کہ تم لوگوں نے زہد اور خلوت نشینی کس مقصد کے تحت اختیار کی ہے؟ انہوں نے فرمایا اللہ تعالیٰ سے مانوس ہونے کے لیے۔

حضرت سفیان بن عیینہ رحمہ اللہ نے فرمایا کہ میں نے ملک شام میں حضرت ابراہیم بن ادھم رحمہ اللہ سے ملاقات کی تو ان سے کہا آپ نے خراسان کو چھوڑ دیا؟ انہوں نے فرمایا میں نے آرام یہیں پایا ہے میں اپنے دین کے ساتھ ایک پہاڑ سے دوسرے پہاڑ پر منتقل ہوتا ہوں جو شخص مجھے دیکھتا ہے وہ مجھے شکی مزاج یا شتربان یا ملاح سمجھتا ہے۔

غزوان رقاشی سے کہا گیا ٹھیک ہے کہ آپ ہنستے نہیں لیکن دوستوں کی مجلس سے آپ کو کیا رکاوٹ ہے؟ انہوں نے فرمایا میں اپنے دل کا آرام اس ذات کے پاس پاتا ہوں جس سے مجھے غرض ہے۔

حضرت حسن بصری رحمہ اللہ سے کہا گیا اے ابوسعید! یہاں ایک آدمی ہے ہم نے اسے ہمیشہ ستون کے پیچھے تنہا بیٹھا ہوا دیکھا حضرت حسن بصری رحمہ اللہ نے فرمایا جب تم اسے دیکھو تو مجھے بتانا۔ ایک دن انہوں نے اسے دیکھا تو حضرت حسن بصری رحمہ اللہ سے عرض کیا کہ ہم نے آپ کو اس شخص کے بارے میں بتایا تھا اور اس کی طرف اشارہ کیا حضرت حسن اس کے پاس تشریف لے گئے اور پوچھا اے اللہ کے بندے! میں دیکھتا ہوں کہ تمہیں گوشہ نشینی پسند ہے تم لوگوں کے پاس کیوں نہیں بیٹھتے؟ اس نے کہا ایک بات نے مجھے لوگوں سے دور رکھا ہے انہوں نے فرمایا پھر اس شخص کے پاس بیٹھو جس کو حسن کہا جاتا ہے اس سے کیوں دور رہو؟ اس نے کہا ایک بات ہے جس نے مجھے حضرت حسن سے بھی اور باقی لوگوں سے بھی دور رکھا ہوا ہے انہوں نے فرمایا اللہ تعالیٰ تم پر رحم کرے وہ کیا بات ہے؟ اس شخص نے کہا میں نعمت اور گناہ کے درمیان صبح اور شام گزارتا ہوں تو میں سمجھتا ہوں کہ اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کی نعمت پر اس کے شکر اور گناہوں سے استغفار میں مشغول رکھوں حضرت حسن بصری رحمہ اللہ نے فرمایا اے بندۂ خدا تو میرے نزدیک حضرت حسن سے بھی زیادہ سمجھدار ہے اس عمل پر قائم رہنا۔

کہا گیا کہ حضرت اویس قرنی رضی اللہ عنہ بیٹھے ہوئے تھے کہ آپ کے پاس ہرم بن حیان حاضر ہوئے حضرت اویس رضی اللہ عنہ نے پوچھا کیسے آنا ہوا؟ انہوں نے کہا میں آپ سے انس حاصل کرنے آیا ہوں حضرت اویس رضی اللہ عنہ نے فرمایا میں کسی ایسے آدمی کو نہیں جانتا جو اپنے رب کی معرفت رکھتا ہو اور پھر کسی دوسرے سے انس حاصل کرے۔

حضرت فضیل رحمہ اللہ فرماتے ہیں جب میں رات کو آتے ہوئے دیکھتا ہوں تو خوش ہوتا ہوں اور کہتا ہوں کہ اب میں

اپنے رب کے ساتھ خلوت میں ہوں گا۔ اور جب صبح کو دیکھتا ہوں تو "اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ" پڑھتا ہوں کیونکہ لوگوں سے ملاقات کو ناپسند کرتا ہوں نیز مجھے اس بات کی پریشانی ہوتی ہے کہ اب دنیوی امور مجھے اللہ تعالیٰ سے غافل کر دیں گے۔

حضرت عبداللہ بن زید رحمہ اللہ فرماتے ہیں اس شخص کے لیے خوشخبری ہے جس نے دنیا میں بھی عیش کی اور آخرت میں بھی، پوچھا گیا وہ کیسے؟ تو فرمایا دنیا میں اللہ تعالیٰ سے مناجات کرتا رہا اور آخرت میں اس کے پڑوس میں رہے گا۔

حضرت ذوالنون مصری رحمہ اللہ فرماتے ہیں مومن کو خوشی اور لذت اس وقت حاصل ہوتی ہے جب وہ خلوت میں اپنے رب سے مناجات کرتا ہے۔

حضرت مالک بن دینار رحمہ اللہ فرماتے ہیں جو شخص اللہ تعالیٰ سے گفتگو کے ذریعے اُنس حاصل نہیں کرتا اور مخلوق کے ساتھ گفتگو میں رہتا ہے وہ کم علم اور دل کا اندھا ہے نیز اس نے اپنی عمر ضائع کر دی۔

حضرت عبداللہ بن مبارک رحمہ اللہ فرماتے ہیں اس شخص کی حالت کتنی اچھی ہے جو اللہ تعالیٰ کا ہی ہو جاتا ہے۔

کسی بزرگ کے بارے میں مروی ہے وہ فرماتے ہیں جب میں شام کے علاقے میں جا رہا تھا تو وہاں ایک عابد کو دیکھا جو ایک پہاڑ سے باہر آیا جب اس نے مجھے دیکھا تو درخت کی آڑ میں چھپ گیا میں نے کہا سبحان اللہ! تم اس بات میں بخل کر رہے کہ میں تمہیں دیکھوں؟ اس نے کہا اے فلاں شخص میں ایک عرصہ سے اس پہاڑ میں ہوں اور دنیا اور اہل دنیا سے اپنے دل کو صبر دے دکھا ہے میں نے اس میں بہت زیادہ تھکاوٹ برداشت کی اور میری پوری زندگی اس میں گزر گئی میں نے اللہ تعالےٰ سے سوال کیا کہ میری زندگی کے باقی دن قلبی مجاہدہ میں ہی نہ صرف ہو جائیں تو اللہ تعالیٰ نے اسے اضطراب سے سکون عطا فرمایا اور اسے تنہائی سے مانوس کر دیا جب میں نے تمہیں دیکھا تو مجھے ڈر ہوا کہ میں کہیں پہلے والی حالت میں نہ پڑ جاؤں لہٰذا تم اپنا راستہ لو اور مجھے چھوڑ دو میں تیرے شر سے عارفین کے رب اور باادب لوگوں کے محبوب کی پناہ چاہتا ہوں۔

پھر اس شخص نے ایک چیخ ماری اور کہا دنیا میں ایک عرصہ دراز تک ٹھہرنے پر افسوس ہے اس کے بعد اس نے مجھ سے منہ پھیر لیا اور ہاتھ جھاڑتے ہوئے کہا اے دنیا مجھے چھوڑ دے کسی اور کو زینت دے اور جو تجھے پسند کرتے ہیں ان کو دھوکہ دے پھر کہا وہ ذات پاک ہے جس نے عارفین کو عبادت کی لذت اور اپنی بارگاہ میں خلوت کا مزہ چکھایا جس نے ان کے دلوں سے جنتوں اور خوبصورت حوروں کی یاد کو نکال دیا اور ان کی ہمتوں کو اپنے ذکر کے لیے جمع کر دیا تو ان کے نزدیک اللہ تعالیٰ سے مناجات سے بڑھ کر کوئی چیز زیادہ لذیذ نہیں پھر وہ شخص "قدوس، قدوس" کہتا ہوا چلا گیا۔

تو گوشہ نشینی میں اللہ تعالیٰ کے ذکر سے اُنس حاصل ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی معرفت میں اضافہ ہوتا ہے اسی سلسلے میں کہا گیا میں بیہوش نہیں ہوں لیکن جان بوجھ کر بیہوش بن رہا ہوں تاکہ میرے اور تیرے خیالات کی ملاقات ہو جائے اور اپنے ہم نشین ساتھیوں سے اس لیے الگ ہوتا ہوں کہ علیحدگی میں اپنے نفس سے تیرے بارے میں بات چیت کروں۔ اسی لیے بعض دانا حضرات نے کہا ہے کہ انسان اپنے نفس سے اس لیے وحشت کرتا ہے کہ وہ اپنے آپ میں کوئی فضیلت

نہیں دیکھتا اس وقت وہ لوگوں سے بہت زیادہ ملاقات کرتا ہے اور ان کی دوستی کی وجہ سے اپنے آپ سے وحشت کو دُور کرتا ہے۔

لیکن جب اس کی ذات میں کوئی فضیلت آجاتی ہے تو وہ تنہائی کا طالب ہوتا ہے تاکہ اس کے ذریعے غور و فکر پہ مدد حاصل کرے اور علم و حکمت کے موتی نکالے۔

کہا گیا ہے کہ لوگوں کے ذریعے مانوس ہونا مفلسی کی علامت ہے تو اس صورت میں یہ بہت بڑا فائدہ ہے لیکن یہ بعض خاص لوگوں کے لیے ہے جس آدمی کو دوامِ ذکر سے اللہ تعالیٰ کے ساتھ اُنس حاصل ہو یا زیادہ غور و فکر کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کی معرفت مضبوط ہو جائے تو اس کے لیے ان باتوں سے جو میل جول سے متعلق ہیں، تنہائی بہتر ہے کیونکہ عبادات کی غایت اور معاملات کا نتیجہ یہ ہے کہ انسان اللہ تعالیٰ کا محب اور اس کا عارف ہو کر دنیا سے رخصت ہو اور محبت تب ہی حاصل ہوتی ہے جب اُنس ملے جو دائمی ذکر سے حاصل ہوتا ہے اور معرفتِ خداوندی کے لیے دائمی فکر کی ضرورت ہے اور ان دونوں کے لیے دل کا فارغ ہونا ضروری ہے اور جب تک آدمی لوگوں میں ملا جلا رہے، فراغت قلبی حاصل نہیں ہو سکتی۔

دوسرا فائدہ:

تنہائی کی وجہ سے آدمی ان گناہوں سے محفوظ رہتا ہے جو عام طور پر میل جول کی وجہ سے سرزد ہوتے ہیں جب آدمی تنہا ہوتا ہے تو ان سے محفوظ رہتا ہے یہ چار گناہ ہیں۔

(۱) غیبت (۲) چغلی کھانا (۳) ریاکاری، (۴) امر بالمعروف اور نہی عن المنکر سے باز رہنے کا گناہ ——— اور بُرے اخلاق اور خبیث اعمال کا چوری چوری دل میں داخل ہونا اور اس کی بنیاد دنیا کی حرص ہے۔

جہاں تک غیبت کا تعلق ہے تو جب تم کتاب کے چوتھے حصے مہلکات کے بیان میں زبان کی آفات کے بارے میں معلومات حاصل کرو گے تو تمہیں معلوم ہو جائے گا کہ لوگوں میں رہنے کی صورت میں ان باتوں سے بچنا بہت مشکل ہے اور اس سے وہی لوگ نجات پا سکتے ہیں جو صدیقین ہیں کیونکہ عام لوگوں کی عادت ہے کہ وہ جہاں بیٹھتے ہیں لوگوں کی عزتوں کے پیچھے پڑتے ہیں اور ان باتوں میں لذت محسوس کرتے ہیں، یہی عمل ان کا کھانا اور باعث لذت ہے اور وہ خلوت کی وحشت کو اسی عمل سے دُور کرتے ہیں لہٰذا اگر تم ان کے ساتھ میل جول رکھو گے اور ان کی موافقت کرو گے تو گناہ گار ہو گے اور اللہ تعالیٰ کی ناراضگی مول لو گے اور اگر خاموش رہو گے تو ان کے ساتھ شریک ہو گے کیونکہ سننے والا بھی غیبت کرنے والا ہی ہوتا ہے، اور اگر تم ان پر اعتراض کرو گے تو وہ تم سے دشمنی رکھیں گے اور اس آدمی کو جس کی وہ غیبت کرتے ہیں، چھوڑ کر تمہاری غیبت کریں گے اور یوں غیبت میں اضافہ ہو گا بلکہ بعض اوقات وہ غیبت سے آگے بڑھ کر تمہاری توہین اور گالی گلوچ تک پہنچ جائیں گے۔

جہاں تک امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا تعلق ہے تو وہ دین کے اصول سے ہے اور یہ واجب ہے جیسا کہ

اس حصے کے آخر میں آئے گا۔

جو آدمی لوگوں سے میل جول رکھتا ہے وہ بری باتوں کے مشاہدہ سے بچ نہیں سکتا، اگر وہ خاموش رہتا ہے تو اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کرتا ہے اور اگر اعتراض کرتا ہے تو طرح طرح کی تکالیف اٹھاتا ہے کیوں کہ بعض اوقات اس سے چھٹکارا پانے کے لیے آدمی اپنے گناہوں کا مرتکب ہوتا ہے جو ابتداءً ممنوع گناہ سے بھی بڑے گناہ ہیں اور گوشہ نشینی میں اس سے نجات حاصل ہوتی ہے کیونکہ اختلاط کی صورت میں ان اعمال کو چھوڑنا بھی مشکل اور کرنا بھی سخت ——

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ خطبہ دیتے کھڑے ہوئے تو ارشاد فرمایا۔

اسے لوگو! تم (قرآن پاک کی) یہ آیت پڑھتے ہو۔

يَا اَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا عَلَيْكُمْ اَنْفُسَكُمْ لَا يَضُرُّكُمْ مَنْ ضَلَّ اِذَا اهْتَدَيْتُمْ ۔ (۱)

اے ایمان والو! تم اپنی فکر کرو جب تم ہدایت پر ہو تو کوئی گمراہ تمہیں نقصان نہیں پہنچا سکتا۔

لیکن تم اس آیت کو اس کی اصل جگہ پر نہیں رکھتے میں سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا آپ نے فرمایا:

"جب لوگ برائی کو دیکھیں اور اسے نہ بدلیں تو قریب ہے کہ وہ سب عذاب میں مبتلا ہوں" (۲) اور آپ نے یہ بھی فرمایا کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ بندے سے سوال کرے گا حتیٰ کہ اس سے فرمائے گا کہ جب تم نے دنیا میں برائی کو دیکھا تو اسے روکنے سے کیا بات رکاوٹ تھی۔ اور جب اللہ تعالیٰ بندے کو اس کی دلیل سکھا دے گا تو وہ کہے گا اے میرے رب مجھے تیری (رحمت سے) امید تھی لیکن میں لوگوں سے ڈرتا تھا (۳)

یہ اس وقت ہے جب آدمی کو مار پیٹ کا خوف ہو یا کوئی ایسا معاملہ ہے جو اس کی طاقت میں نہ ہو۔ اور اس کی حدود کو پہچاننا مشکل ہے اور اس میں خطرہ ہے جب کہ تنہائی میں چھٹکارا ہے جب کہ نیکی کا حکم دینے اور برائی سے روکنے میں جھگڑے پیدا ہوتے ہیں اور سینوں میں کینہ بھی پیدا ہوتا ہے۔

جیسے کسی شاعر نے کہا:۔

میں نے تمہیں کس قدر نصیحت کی لیکن بعض اوقات نصیحت کرنے والے سے دشمنی پیدا ہو جاتی ہے۔

اور جو آدمی امر بالمعروف کا تجربہ کرتا ہے وہ عام طور پر پشیمان ہوتا ہے یہ ٹیڑھی دیوار کی طرح ہے جسے آدمی سیدھا کرنا چاہتا ہے لیکن قریب ہے کہ وہ اسی پر گر پڑے جب وہ اس پر گرتی ہے تو وہ کہتا ہے ہائے افسوس میں اسے اسی طرح ٹیڑھا

---

(۱) قرآن مجید، سورۂ مائدہ آیت ۱۰۵

(۲) سنن ابی داؤد جلد ۲ ص ۲۴۰ کتاب الملاحم

(۳) سنن ابن ماجہ ص ۲۹۹ ابواب الفتن

چھوڑ دیا البتہ اس کے کچھ مددگار ساتھی ہوں جو دیوار کو تھامے رکھیں یہاں تک کہ وہ اس میں کوئی ٹیک وغیرہ لگا کر کھڑا کر دے تو ایسا ہو سکتا ہے اور آج تمہیں مددگار نہیں ملیں گے لہٰذا ان لوگوں کو چھوڑ کر اپنے آپ کو بچاؤ۔

جہاں تک ریاکاری کا تعلق ہے تو یہ ایک لا علاج بیماری ہے جس سے بچنا ابدال اور اوتاد (بڑے بڑے اولیاء کرام) کے لیے بھی بہت مشکل ہے اور جو آدمی لوگوں میں ہل مِل کر رہتا ہے وہ ان کی خاطر مدارات کرتا ہے اور جو ان کی دلجوئی کرتا ہے انہیں دکھاتا بھی ہے اور جو انہیں دکھاتا ہے وہ ان کاموں میں پڑ جاتا ہے جس میں وہ پڑتے ہیں اور ان کی طرح یہ بھی ہلاک ہو جاتا ہے۔ اور کم از کم جو گناہ اس سے لازم آتا ہے وہ منافقت ہے کیوں کہ جب تم دو باہم مخالف آدمیوں سے میل جول رکھو گے اور ہر ایک سے اس کی مرضی کے مطابق نہیں ملو گے تو وہ دونوں تمہارے دشمن ہو جائیں گے اور اگر ان سے ان کی خواہش کے مطابق ملو گے تو شریر ترین انسان قرار پاؤ گے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

لوگوں میں سے شریر ترین اس آدمی کو پاؤ گے جو دو چہروں والا ہے اس کے پاس الگ چہرے کے ساتھ آتا ہے اور اس کے پاس دوسرے چہرے کے ساتھ۔

آپ نے فرمایا:

بے شک وہ شخص لوگوں میں سے شریر آدمی ہے جو دو چہروں والا ہے ایک کے پاس اور چہرے سے اور دوسرے کے پاس اور چہرے سے جاتا ہے (۲)

لوگوں میں مل جل کر رہنے سے کم از کم جو بات پیدا ہوتی ہے وہ شوق کا اظہار اور اس میں مبالغہ کرنا ہے اور یہ بات جھوٹ سے خالی نہیں ہوتی یا تو اصل بات میں جھوٹ ہو گا یا زائد مقدار میں۔

نیز (دوسرے کے) حالات پوچھتے ہوئے شفقت کا اظہار کیا جاتا ہے یعنی تم پوچھتے ہو تمہارا کیا حال ہے؟ تمہارے گھر والے کیسے ہیں؟ حالانکہ تمہارے دل میں ان کی طرف کوئی توجہ نہیں ہوتی اور یہ محض منافقت ہے۔

حضرت سری سقطی رحمہ اللہ نے فرمایا اگر میرا کوئی (مسلمان) بھائی میرے پاس آئے اور میں اس کے آنے پر اپنے ہاتھ سے داڑھی کو ٹھیک کروں تو مجھے ڈر ہے کہ کہیں میرا نام منافقوں کی فہرست میں نہ لکھ دیا جائے۔

حضرت فضیل رحمہ اللہ مسجد حرام میں تنہا بیٹھے ہوئے تھے تو ان کا ایک دوست آیا انہوں نے پوچھا کیسے آنا ہوا؟ اس نے کہا اے ابو علی! آپ سے دل بہلانے کے لیے آیا ہوں انہوں نے فرمایا اللہ کی قسم یہ تو وحشت کی طرح ہے

---

(۱) صحیح بخاری جلد اول ص ۴۹۶ کتاب المناقب۔

(۲) صحیح مسلم جلد ۲ ص ۳۲۵ کتاب البر والصلۃ۔

کیوں کہ تم چاہتے کہ میں تمہارے لیے زینت اختیار کروں اور تم میرے لیے اختیار کرو۔ تم مجھ سے جھوٹ بولو اور میں تم سے جھوٹ بولوں یا آپ میرے پاس سے چلے جائیں یا میں چلا جاتا ہوں۔

بعض علماء کرام نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ جب کسی بندے سے محبت کرتا ہے تو وہ چاہتا ہے کہ یہ شخص لوگوں میں نہ پہچانا جائے۔

حضرت طاؤس رحمہ اللہ، خلیفہ ہشام کے پاس تشریف لے گئے اور پوچھا ہشام! کیسے ہو؟ وہ غصے میں آیا اور کہا آپ نے مجھے اے امیر المومنین! کہہ کر کیوں نہیں پکارا؟ انہوں نے فرمایا اس لیے کہ تمام مسلمان تمہاری خلافت پر متفق نہیں ہیں تو مجھے ڈر ہے کہ کہیں میں جھوٹا نہ ہو جاؤں، لہٰذا جو آدمی اس قسم کی باتوں سے بچ سکتا ہے وہ لوگوں میں مل جل کر رہے ورنہ وہ اپنا نام منافقوں کی فہرست میں لکھانے پر راضی ہو جائے (اور مل جل کر رہے)

ہمارے اسلاف ایک دوسرے سے ملاقات کرتے تو ان الفاظ سے بھی اجتناب کرتے کہ تم نے صبح کیسے گزاری؟ شام کیسے کی؟ اور تمہارا کیا حال ہے؟ اور اس کے جواب سے بھی پرہیز کرتے۔ وہ دینی حالات کے بارے میں سوال کرتے تھے دنیوی احوال کے بارے میں نہیں۔

حضرت حاتم اصم رحمہ اللہ نے حضرت حامد لفاف سے پوچھا آپ کا کیا حال ہے؟ انہوں نے جواب دیا سالم ہوں، عافیت میں ہوں۔ حضرت حاتم نے اس جواب کو ناپسند فرمایا اور فرمایا اے حامد! سلامتی تو پل صراط کے بعد ہوگی اور عافیت جنت میں ہوگی۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے جب پوچھا جاتا کہ آپ نے صبح کیسے کی؟ تو وہ فرماتے میں نے صبح یوں کی کہ جس چیز کی امید رکھتا ہوں اس کی تقدیم پر قادر نہیں ہوں اور جس کا خوف ہے اسے دور کرنے کی بھی ہمت نہیں۔ میں نے صبح یوں کی کہ اپنے عمل میں گروی ہوں تمام بھلائی کسی اور کے قبضہ میں ہے اور مجھ سے زیادہ کوئی محتاج نہیں۔

جب حضرت ربیع بن خثیم رحمہ اللہ سے پوچھا جاتا کہ آپ نے صبح کس حالت میں کی؟ تو وہ فرماتے ہم ضعیف گناہ گار ہیں، ہم اپنا رزق حاصل کرتے ہیں اور اپنی موت کے منتظر ہیں۔

حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ سے جب پوچھا جاتا آپ کی صبح کیسے ہوئی؟ تو وہ فرماتے اگر میں جہنم سے نجات پا گیا تو اچھی صبح کی ہے۔

حضرت سفیان ثوری رحمہ اللہ سے یہی سوال کیا جاتا تو وہ فرماتے میں ایک کا شکر دوسرے کے سامنے کرتا ہوں اس کی برائی اُس کے سامنے بیان کرتا ہوں اور ایک سے بھاگ کر دوسرے کے پاس جاتا ہوں۔

حضرت اویس قرنی رضی اللہ عنہ سے یہی سوال کیا گیا تو انہوں نے فرمایا وہ شخص کیسے صبح کرے گا جسے شام کے وقت پتہ نہیں ہوتا کہ اسے صبح نصیب بھی ہوگی یا نہیں اور جب وہ صبح کرتا ہے تو اسے پتہ نہیں ہوتا ہے کہ وہ شام تک پہنچے گا یا نہیں۔

حضرت مالک بن دینار رحمہ اللہ سے پوچھا گیا آپ نے صبح کیسے کی؟
انہوں نے فرمایا میں نے یوں صبح کی کہ میری عمر کم ہوگئی اور گناہ بڑھ گئے۔ کسی حکیم (دانا) سے یہی سوال کیا گیا تو انہوں نے جواب میں کہا اس طرح صبح کی کہ میں زندگی کو موت کے لیے اور اپنے نفس کو رب کے لیے پسند نہیں کرتا۔ (مطلب یہ ہے کہ یہ زندگی اس قابل نہیں کہ اس حالت میں موت آجائے اور میرا نفس اللہ تعالیٰ کے سامنے پیش ہونے کے قابل نہیں)
ایک اور دانا سے یہی سوال کیا گیا تو انہوں نے جواب دیا میں اپنے رب کا رزق کھاتا ہوں لیکن اس کے دشمن ابلیس کا حکم مانتا ہوں۔
حضرت محمد بن واسع رحمہ اللہ سے یہی سوال ہوا تو انہوں نے فرمایا تمہارا اس آدمی کے بارے میں کیا خیال ہے جو ہر دن آخرت کی طرف ایک منزل چلتا ہے؟
حضرت حامد اللفاف رحمہ اللہ سے یہی سوال کیا گیا تو انہوں نے فرمایا میں اس طرح صبح کرتا ہوں کہ رات تک پورے دن میں عافیت کی خواہش رکھتا ہوں، پوچھا گیا کیا آپ ہر روز عافیت سے نہیں ہوتے؟ انہوں نے فرمایا۔ عافیت اس دن ہوتی ہے جس دن میں اللہ تعالیٰ کی نافرمانی نہ کروں۔
ایک شخص حالتِ نزع میں تھا اس سے پوچھا گیا تمہارا کیا حال ہے؟ اس نے کہا اس شخص کا کیا حال ہوگا جو دُور کے سفر پر سامان سفر کے بغیر جانا چاہتا ہے اور وحشت والی قبر میں کسی غمگسار کے بغیر جارہا ہے اور عادل بادشاہ کے سامنے کسی دلیل کے بغیر جارہا ہے۔
حضرت حسان بن ابی سنان رحمہ اللہ سے پوچھا گیا کہ آپ کا کیا حال ہے؟ انہوں نے فرمایا اس کا کیا حال ہوگا جو مرجائے گا پھر اٹھایا جائے گا اور اس کے بعد اس کا حساب ہوگا۔
حضرت ابن سیرین رحمہ اللہ نے ایک شخص سے پوچھا تمہارا کیا حال ہے؟ اس نے کہا اس آدمی کا کیا حال ہوگا جس نے پانچ سو درہم قرض دینا ہو اور وہ عیالدار بھی ہو۔ حضرت ابن سیرین رحمہ اللہ اندر تشریف لے گئے اور ایک ہزار درہم لاکر اسے دیئے اور فرمایا پانچ سو سے قرض ادا کردینا اور پانچ سو اپنے اہل وعیال پر خرچ کرنا اور اس وقت ان کے پاس صرف یہی ایک ہزار درہم تھے پھر فرمایا آئندہ میں کسی کا حال نہیں پوچھوں گا۔
انہوں نے یہ بات اس لیے فرمائی کہ اگر وہ پوچھنے کے بعد حاجت کو پورا نہ کرسکیں تو یہ ریاکاری اور منافقت ہوگی۔
نتیجہ یہ ہوا کہ وہ لوگ امور دین کے بارے میں سوال کرتے تھے یا اللہ تعالیٰ سے معاملات کے سلسلے میں ان کے دل کے حالات معلوم کرتے اور اگر دنیوی امور کے بارے میں سوال کرتے تو اس کا اہتمام بھی فرماتے اور جو حاجت سامنے آتی اسے پورا کرنے کا پختہ ارادہ کرتے تھے۔
کسی بزرگ نے فرمایا کہ میں ایسے لوگوں کو جانتا ہوں جو ایک دوسرے سے ملاقات نہیں کرتے تھے اور اگر ان

میں سے ایک دوسرے کے تمام سامان پر کوئی فیصلہ کرتا تو اسے اعتراض نہ ہوتا لیکن اب میں دیکھتا ہوں کہ وہ ایک دوسرے سے ملاقات بھی کرتے ہیں اور حال چال بھی پوچھتے ہیں حتیٰ کہ گھر کی مرغی کے بارے ہیں بھی سوال کرتے ہیں لیکن اگر کوئی شخص اپنے ساتھی کا ایک پیسہ بھی بے تکلفی سے لے لے تو وہ اس کو روک دیتا ہے تو یہ سب کچھ ریاکاری اور منافقت ہی تو ہے۔

اس کی علامت یہ ہے کہ تم ایک دوست کو دیکھ کر پوچھتے ہو کہ تم کیسے ہو؟ وہ کہتا ہے تم کیسے ہو تو پوچھنے والا جواب کا انتظار نہیں کرتا اور مسئول جواب دینے کی بجائے خود سوال کرنے میں مشغول ہو جاتا ہے۔ تو اس کی وجہ یہی ہے کہ وہ جانتے ہیں یہ سب کچھ محض دکھانے کے لیے ہے اور ممکن ہے ان کے دل کینے اور بغض سے خالی نہ ہوں اور زبانوں پر سوال جاری ہو۔

حضرت حسن بصری رحمہ اللہ فرماتے ہیں ہمارے بزرگ اس وقت "السلام علیکم" کہتے تھے جب دل سلامت ہوتے تھے لیکن اب تو کہتے ہیں تم نے کیسے صبح کی؟ اللہ تعالیٰ تمہیں عافیت عطا کرے تم کیسے ہو؟ اللہ تعالیٰ تمہیں ٹھیک ٹھاک رکھے تو اگر ہم ان اقوال پر غور کریں تو یہ سب بدعت ہے احترام و اکرام نہیں ہے چاہے یہ لوگ ہم پر ناراض ہوں یا راضی آپ نے یہ بات اس لیے فرمائی کہ تمہارا یہ کہنا کہ تم نے کیسے صبح کی یہ بدعت ہے ایک شخص نے حضرت ابوبکر بن عیاش رحمہ اللہ سے پوچھا آپ نے صبح کیسے کی؟ تو انہوں نے جواب نہ دیا اور فرمایا ہمیں اس بدعت سے معاف رکھو۔

وہ فرماتے ہیں اس بات کی ابتدا اس طرح ہوئی کہ جب شام کے علاقے میں طاعون پھیلا جسے طاعون عمواس (عمواس ایک شہر ہے) کہا جاتا تھا اور لوگ بکثرت مرنے لگے تو ایک شخص صبح کے وقت اپنے دوست سے ملتا تو پوچھتا تم نے صبح طاعون سے کیسے گزاری (محفوظ رہے یا نہ؟) شام کو ملاقات ہوتی تو پوچھتا شام کیسے گزاری؟ بالعد میں یہ الفاظ عام ہو گئے۔

مقصد یہ ہے کہ عام طور پر جب ملاقات ہوتی ہے تو بناوٹ، ریاکاری اور منافقت کی عام اقسام سے خالی نہیں ہوتی اور یہ تمام باتیں مذموم ہیں بعض حرام ہیں اور کچھ مکروہ، جب کہ تنہائی میں اس سے خلاصی ملتی ہے کیونکہ جب آدمی، لوگوں سے ملتا ہے اور ان کی عادات کو نہیں اپناتا تو وہ اس پر غصہ کرتے ہیں اور اسے بوجھ سمجھتے، اس کی غیبت کرتے ہیں اور اس کی ایذا کے درپے ہوتے ہیں، تو اس طرح اس شخص کے بارے میں ان کا دین برباد ہو جاتا ہے اور اگر وہ ان سے بدلہ لے تو اس کا دین اور دنیا دونوں برباد ہو جاتے ہیں۔

جہاں تک دوسروں کو دیکھ کر ان کی عادات کو اپنانے کا تعلق ہے تو یہ ایک پوشیدہ بیماری ہے عقلمند لوگ بھی بہت کم اس سے آگاہ ہوتے ہیں غافل تو کسی شمار میں ہی نہیں مثلاً اگر کوئی شخص ایک عرصہ تک کسی فاسق کے پاس بیٹھے اگرچہ وہ اسے دل سے برا جانتا ہو پھر بھی جب پہلی حالت سے مقابلہ کرے گا تو بہت فرق پائے گا یعنی اس سے جس قدر نفرت پہلے تھی اب اتنی نہیں ہے کیونکہ اس کا زیادہ مشاہدہ کرنے کی وجہ سے فساد اس کی طبیعت پر آسان اور ہلکا ہو جاتا ہے لہٰذا اس کی برائی دل سے جاتی رہتی ہے آدمی برائی سے اسی لئے رکتا ہے کہ وہ اسے دل سے بہت برا جانتا ہے لیکن جب بار بار دیکھنے سے وہ حقیر نظر آئے تو ممکن ہے روکنے والی قوت کمزور ہو جائے اور آدمی خود اس خرابی یا اس سے کم درجے کی

خرابی کی طرف مائل ہو جائے اور جب آدمی دوسرے آدمی کو کبیرہ گناہ کرتے ہوئے دیکھتا ہے تو صغیرہ گناہ کو معمولی جانتا ہے یہی وجہ ہے کہ جب آدمی، مالدار لوگوں کو ملنے والے انعامِ الٰہی کو دیکھتا ہو تو اپنے اوپر خداوندی نعمتوں کو کم سمجھتا ہے اور جب فقراء کی مجالس اختیار کرتا ہے تو اس کا یہ اثر ہوتا ہے کہ وہ سوچتا ہے کہ اسے اللہ تعالیٰ نے بہت کچھ عطا کیا ہے اسی لئے فقراء کی مجالس کو ترجیح ہے۔ اسی طرح اطاعت گزار اور گناہ گار بندوں کو دیکھنے کا مسئلہ ہے کہ اس کی تاثیر بھی طبیعت پر اسی کی طرح ہے۔

لہٰذا جو شخص صرف صحابہ کرام اور تابعین کے حالات کو دیکھتا ہے کہ انہوں نے کس طرح اللہ تعالیٰ کی عبادت کی اور دنیا سے کنارہ کش رہے تو وہ ہمیشہ اپنے آپ کو حقیر دیکھتا ہے اور اپنی عبادت کو کم سمجھتا ہے۔ لہٰذا وہ مسلسل جدوجہد میں رہتا ہے، عبادت کی تکمیل میں رغبت رکھتا ہے اور کامل اقتداء کا خواہش مند ہوتا ہے۔

اور جو آدمی زمانے کے عام لوگوں کے حالات کو دیکھتا رہتا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ سے منہ پھیرے ہوئے ہیں، دنیا کی طرف متوجہ ہیں، گناہوں کے عادی ہیں تو وہ عبادت کے لیے تھوڑی سی رغبت کو بھی زیادہ سمجھتا ہے اور یہ ہلاکت ہے۔

طبیعت کو بدلنے کے لیے خیر و شر کے بارے میں سننا ہی کافی ہے چہ جائیکہ اس کا مشاہدہ کرے (اس باریک بات (کو سمجھ لینے) سے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی اس حدیث کا راز سمجھ آجاتا ہے آپ نے فرمایا۔

عِنْدَ ذِكْرِ الصَّالِحِيْنَ تَنْزِلُ الرَّحْمَةُ -(۱) نیک لوگوں کے ذکر کے وقت رحمت نازل ہوتی ہے۔

رحمت، جنت میں داخل ہونے اور اللہ تعالیٰ سے ملاقات کا نام ہے اور ذکر کے وقت بعینہ یہ رحمت نازل نہیں ہوتی بلکہ ان کا سبب نازل ہوتا ہے یعنی دل میں رغبت پیدا ہوتی ہے اور ان لوگوں کی اقتداء کی حرص حرکت میں آتی ہے اور اپنے اندر جو کچھ کوتاہیاں ہیں ان سے نفرت ہو جاتی ہے، رحمت کی ابتدا تو نیکی کا عمل ہے اور نیک عمل کی بنیاد رغبت ہے، اور رغبت کی بنیاد نیک لوگوں کے حالات کا ذکر ہے، اور رغبت کی بنیاد نیک لوگوں کے حالات کا ذکر ہے، رحمت کے نزول کا یہی مفہوم ہے۔

عقل مند آدمی اس کلام کے مفہوم سے اشارتاً سمجھ جاتا ہے کہ اس کے اُلٹ کلام کا مفہوم کیا ہو گا مطلب یہ ہے کہ فاسقین کا ذکر کرتے وقت لعنت اترتی ہے کیونکہ ان کے ذکر کی کثرت انسانی طبیعت پر گناہوں کو ہلکا کر دیتی ہے اور لعنت کا معنیٰ رحمت سے دُوری ہے اور اللہ تعالیٰ کی رحمت سے دُوری کی بنیاد اس کی نافرمانی اور اس سے اعراض کر کے دنیوی فوائد کی طرف متوجہ ہونا اور موجودہ خواہشات کو غیر شرعی طریقے پر پورا کرنا ہے۔

گناہوں کی بنیاد اور سبب دل سے ان کی گرانی اور برائی کا نکل جاتا ہے اور اس گرانی کا دل سے نکلنا اس وقت

---

(۱) الاسرار المرفوعۃ ص ۱۶۱ حدیث ۶۲۴

ہوتا ہے جب ان کو زیادہ سننے کی وجہ سے آدمی ان (گناہوں) سے مانوس ہو جائے۔

توجب نیک اور بڑے لوگوں کا ذکر سننے کا حال یہ ہے تو ان کو دیکھنے کے بارے میں تیرا کیا خیال ہے بلکہ اس سلسلے میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے وضاحت سے بیان فرمایا،

آپ کا ارشادِ گرامی ہے:

مَثَلُ الْجَلِيْسِ السَّوْءِ كَمَثَلِ الْكِيْرِ اِنْ لَمْ يَحْرِقْكَ بِشَرَرِهٖ عَلِقَ بِكَ مِنْ رِيْحِهٖ (۱)

برے ہمنشین کی مثال (لوہار کی) بھٹی کی طرح ہے اگر وہ تجھے جلائے نہ بھی، تو اس کی بُو تم تک پہنچے گی۔

تو جیسے بُو کپڑوں تک پہنچتی ہے اور اس کی خبر نہیں ہوتی اسی طرح فساد دل پر آسان ہو جاتا ہے اور آدمی کو اس کا شعور نہیں ہوتا۔

اور آپ نے فرمایا:

مَثَلُ الْجَلِيْسِ الصَّالِحِ مَثَلُ صَاحِبِ الْمِسْكِ اِنْ لَمْ يَهَبْ لَكَ مِنْهُ تَجِدُ رِيْحَهٗ (۲)

نیک ساتھی کی مثال کستوری جیسی ہے اگر وہ تمہیں اس سے نہ بھی دے تو تجھے اس کی خوشبو تو آئے گی۔

اسی لیے میں (حضرت امام غزالی رحمہ اللہ) کہتا ہوں اگر کوئی شخص کسی عالم کی لغزش دیکھے تو دو وجہ سے اس کو بیان کرنا حرام ہے ایک یہ کہ یہ غیبت ہے اور دوسری وجہ جو دونوں میں سے بڑی ہے یہ کہ سننے والوں کے نزدیک عالم کی یہ لغزش معمولی قرار پائے گی اور ان کے دلوں سے یہ خیال نکل جائے گا کہ یہ بڑا جرم ہے تو اس لغزش کا بیان اس کو ہلکا سمجھنے کا سبب ہو گا اور جب کوئی شخص اس کا مرتکب ہو گا اور لوگ اس پر اعتراض کریں گے تو وہ اس اعتراض کا رد کرتے ہوئے کہے گا کہ اس عمل کا ارتکاب کوئی بڑی بات نہیں ہر کوئی مجبور ہے حتیٰ کہ علماء اور عبادت گزار لوگ بھی یہ کام کرتے ہیں۔ اور اگر آدمی کا عقیدہ یہ ہو کہ اس قسم کا گناہ علماء کرام اور معتبر اور توفیق دیئے گئے لوگوں سے سرزد نہیں ہوتا تو اس کا ارتکاب مشکل معلوم ہو گا۔

کتنے ہی لوگ ایسے ہیں جو دنیا (کے مال) پر ایک دوسرے سے جھگڑتے ہیں اور اس کو جمع کرنے کی حرص کرتے ہیں نیز اقتدار اور اس کی زینت کی خاطر کٹ مرتے ہیں اور دل میں اس کی برائی کو معمولی سمجھتے ہیں اور ان کا خیال یہ ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اقتدار کی محبت سے نہیں بچتے تھے اور بعض اوقات وہ اس پر حضرت علی المرتضیٰ اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہما کی باہمی جنگ سے استدلال کرتے ہیں اور خیال کرتے ہیں کہ ان کا یہ مناقشہ طلبِ حق کے لیے نہیں بلکہ حکومت کے حصول کے لیے تھا۔

---

(۱) صحیح بخاری جلد اول ص ۲۸۲ کتاب البیوع

(۲) قرآن مجید، سورۂ زمر آیت ۸

تو یہ عقیدہ غلط ہے اور اس سے اقتدار کی خواہش معمولی گناہ نظر آتا ہے اور لوگ گناہوں کے مرتکب ہوتے ہیں اور بدمعاش لوگوں کی طبیعت لغزشوں کی طرف مائل اور نیکی سے پھرنے والی ہوتی ہے۔ اور جہاں لغزش نہیں ہوتی اسے بھی لغزش مان لیتی ہے تاکہ اس کو دلیل بنا کر اپنی خواہش کی تکمیل کی جا سکے اور یہ شیطان کے نہایت دقیق مکر و فریب ہیں۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے شیطان کی مخالفت کرنے والوں کا ذکر اس طرح کیا ہے ارشاد خداوندی ہے:

اَلَّذِیْنَ یَسْتَمِعُوْنَ الْقَوْلَ فَیَتَّبِعُوْنَ اَحْسَنَہٗ۔ (۱) وہ لوگ جو بات کو غور سے سن کر اس میں سے بات کی اتباع کرتے ہیں۔

اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے لیے ایک مثال بیان فرمائی ہے آپ کا ارشاد گرامی ہے۔

وہ شخص جو (کسی مجلس میں) بیٹھ کر حکمت کی باتیں سنتا ہے پھر ان میں سے جو بری باتیں ہیں ان پر عمل کرتا ہے وہ اس شخص کی طرح ہے جو کسی چرواہے کے پاس جا کر کہتا ہے مجھے اپنی بکریوں میں سے ایک بکری دے۔ وہ کہتا ہے جاؤ اور ان میں سے اچھی بکری لے جاؤ تو وہ جا کر ریوڑ کے کتے کا کان پکڑ لیتا ہے۔ (۲)

تو جو آدمی ائمہ کرام کی لغزشوں سے استدلال کرتا ہے اس کی یہ مثال ہے کسی بات کے تکرار سے اس کی وقعت دل سے ختم ہو جاتی ہے، اس کی دلیل یہ ہے کہ عام مسلمان جب رمضان شریف میں کسی شخص کو دیکھتے ہیں کہ وہ روزہ توڑ رہا ہے تو وہ اس کام کو اتنا بعید جانتے کہ قریب ہے اس کو کفر قرار دے دیں لیکن وہ اس آدمی کو دیکھتے ہیں جو وقت پر نماز نہیں پڑھتا لیکن ان کی طبیعتوں کو اس سے اس طرح نفرت نہیں ہوتی جس طرح روزہ قضا کرنے والے سے نفرت ہوتی ہے حالانکہ ایک جماعت کے نزدیک ایک نماز کو چھوڑنا کفر کا تقاضا کرتا ہے اور دوسرے گروہ کے نزدیک ایسے شخص کی گردن مارنے کا حکم ہے۔ جب کہ پورے ماہ رمضان المبارک کے روزے چھوڑنے کا یہ حکم نہیں ہے تو اس کی وجہ یہ ہے کہ نماز بار بار پڑھی جاتی ہے اور اس میں سستی عام ہوتی ہے لہٰذا ترک نماز کا مشاہدہ دلوں سے اس کی وقعت کو کم کر دیتا ہے۔

اسی طرح اگر کوئی عالم ریشمی لباس یا سونے کی انگوٹھی پہنے یا چاندی کے برتن میں پانی پیئے تو لوگ اس کام کو برا سمجھتے ہیں اور اس پر سخت اعتراض کرتے ہیں اور بعض اوقات دیکھا جاتا ہے کہ ایک طویل مجلس میں لوگوں کی غیبت کے علاوہ کوئی گفتگو نہیں ہوتی لیکن اسے برا نہیں سمجھا جاتا حالانکہ غیبت زنا سے بھی زیادہ سخت گناہ ہے تو وہ ریشم پہننے سے بڑا گناہ کیوں نہیں ہوگا، لیکن غیبت کا کثرت سے سننا اور غیبت کرنے والوں کو دیکھنا دلوں سے اس کی برائی ختم کر دیتا ہے اور انسان پر اس کا معاملہ آسان ہو جاتا ہے۔

ان باریک باتوں کو سمجھو اور لوگوں سے اس طرح بھاگو جیسے شیر سے بھاگا جاتا ہے کیونکہ تم ان سے صرف وہی باتیں

---

(۱) قرآن مجید، سورہ زمر آیت ۸

(۲) سنن ابن ماجہ ص ۳۱۲ ابواب الزہد

دیکھو گے جو دنیوی حرص کو بڑھاتی ہیں اور آخرت سے غفلت پیدا ہوتی ہے نیز اس طرح تمہارے نزدیک گناہ کرنا ایک معمولی بات ہو جائے گی اور عبادت میں تمہاری رغبت کمزور پڑ جائے گی۔

اگر تمہیں کوئی اچھا ساتھی مل جائے جس کی زیارت اور سیرت تمہیں اللہ تعالیٰ کی یاد دلائے تو اس کی مجلس اختیار کرو اس سے الگ نہ ہو اسے غنیمت جانو اور حقیر نہ سمجھو کیونکہ یہ عقل مند کے لیے مالِ غنیمت اور مومن کی گمشدہ میراث ہے یہ بات ثابت ہے کہ تنہائی کے مقابلے میں اچھا ہمنشین بہتر ہے اور بُرے ساتھی کے مقابلے میں تنہائی بہتر ہے۔

اور جب تم ان معانی کو سمجھ جاؤ اور اپنی طبیعت کا بھی جائزہ لے لو اور اس شخص کی حالت کی طرف متوجہ ہو جاؤ جس سے میل جول رکھنا چاہتے ہو تو تم پر یہ بات مخفی نہیں رہے گی کہ تنہائی اختیار کرتے ہوئے اس سے دور رہنا زیادہ بہتر ہے یا اس کے ساتھ میل جول رکھتے ہوئے اس کے قریب ہونا؛ تمہیں نہ تو مطلقاً گوشہ نشینی کا فیصلہ کرنا چاہیے اور نہ ہی میل جول کا کہ ان میں سے ایک (دوسرے کی نسبت) بہتر ہے کیوں کہ دونوں کے بارے میں تفصیل ہے اور مطلقاً ہاں یا نہ کہہ دینا محض اختلاف ہے (دلیل کے ساتھ نہیں ہے) تفصیلی امور میں حق بات یہی ہے کہ تفصیل کے بعد کوئی فیصلہ دیا جائے۔

تیسرا فائدہ:

(گوشہ نشینی کی وجہ سے) آدمی فتنوں اور جھگڑوں سے محفوظ رہتا ہے اور ان باتوں میں پڑنے سے دین اور نفس دونوں کو محفوظ رکھا جاتا ہے اور آدمی ان کے خطرات میں نہیں پڑتا کیوں کہ بہت کم شہر تعصبات، فتنوں اور جھگڑوں سے خالی ہوتے ہیں لہٰذا ان سے الگ رہنے والا ان امور سے محفوظ رہتا ہے۔ حضرت عبد اللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فتنوں اور ان کے اوصاف کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا۔

جب تم لوگوں کو دیکھو کہ ان کے عہد و پیمان درہم برہم ہو گئے اور امانتیں ہلکی پڑ گئیں اور وہ یوں ہو جائیں آپ نے انگلیوں کو انگلیوں میں ڈال کر بتایا (یعنی گتھم گتھا ہو جائیں) ——— میں نے پوچھا آپ اس وقت کے بارے میں مجھے کیا حکم دیتے ہیں؟ آپ نے فرمایا اپنے گھر میں رہنا اور اپنی زبان کو قابو میں رکھنا اچھے کام کو اپناؤ اور برے کام کو چھوڑ دو خاص لوگوں کا معاملہ اختیار کرو اور عام لوگوں کے کاموں کو چھوڑ دو۔ (۱)

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا؛

قریب ہے کہ مسلمان کا بہترین مال بکریاں ہوں وہ ان کو لے کر پہاڑوں کی چوٹیوں اور پانی کے تالابوں پر چلا جائے اور اپنے دین کو بچاتے ہوئے ایک چوٹی سے دوسری چوٹی پر جائے (۲)

---

(۱) مسند امام احمد بن حنبل جلد ۲ ص ۲۱۲ مرویات عبد اللہ بن عمرو

(۲) صحیح بخاری جلد اول ص ۴۶۶ کتاب بدء الخلق

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔
عنقریب لوگوں پر ایک ایسا زمانہ آئے گا کہ کسی دیندار کا دین محفوظ نہیں ہوگا البتہ وہ شخص جو اپنے دین کے ساتھ ایک شہر سے دوسرے شہر میں ایک پہاڑ سے دوسرے پہاڑ پر اور ایک سوراخ سے دوسرے سوراخ میں جائے جیسا کہ لومڑی بچ بچا کر جاتی ہے۔ عرض کیا گیا یا رسول اللہ! ایسا کب ہوگا؟ آپ نے فرمایا جس وقت معیشت کا حصول اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کے بغیر نہیں ہوگا۔ جب ایسا وقت آئے گا تو مجرد رہنا ضروری ہو جائے گا انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ! یہ کس طرح ہوگا جب کہ ہمیں نکاح کرنے کا حکم دیا گیا ہے؟ آپ نے فرمایا جب ایسا زمانہ آئے گا تو آدمی کی ہلاکت اس کے والدین کے ہاتھوں ہوگی، اگر اس کے ماں باپ نہیں ہوں گے تو بیوی اور اولاد کے ہاتھوں تباہی ہوگی اگر یہ بھی نہیں ہوں گے تو رشتہ داروں کے ہاتھوں ہوگی۔ انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ! یہ کیسے ہوگا؟ آپ نے فرمایا وہ اسے تنگدستی کا عار دلائیں گے تو وہ طاقت سے بڑھ کر عمل کرے گا حتیٰ کہ اس طرح وہ ہلاکت والے مقامات میں چلا جائے گا (۱)

یہ حدیث اگرچہ مجرد (نکاح کے بغیر) رہنے کے بارے میں ہے لیکن اس سے تنہائی کا مفہوم سامنے آتا ہے کیونکہ اہل وعیال والا آدمی حصول رزق اور لوگوں کے ساتھ میل جول سے بے نیاز نہیں ہو سکتا۔ پھر حصول رزق بھی گناہ کے بغیر حاصل نہیں ہوتا ـــــ میں یہ نہیں کہتا کہ جو کچھ حدیث میں بیان ہوا اس کا وقت یہ موجودہ وقت ہے بلکہ یہ تو پہلے سے شروع ہو چکا ہے اسی لیے حضرت سفیان ثوری رحمہ اللہ نے فرمایا۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فتنے اور فساد کے دنوں کا ذکر کیا تو میں نے عرض کیا فساد (ہرج) کیا ہے؟ آپ نے فرمایا وہ وقت جب کوئی شخص اپنے ہمنشین سے بھی محفوظ نہیں رہے گا میں نے عرض کیا آپ اس وقت کے بارے میں کیا حکم دیتے ہیں اگر مجھے وہ وقت دیکھنا پڑے تو کیا کروں؟ آپ نے فرمایا اپنے آپ کو اور اپنے ہاتھوں کو روکے رکھو اور اپنے گھر میں داخل ہو جاؤ، میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! اگر وہ میرے گھر میں بھی داخل ہو جائے تو اس وقت کیا کیا جائے؟ آپ نے فرمایا اپنے کمرے میں چلے جاؤ میں نے پوچھا اگر وہ میرے کمرے میں بھی آ جائے تو پھر؟ آپ نے فرمایا اپنی مسجد میں داخل ہو جاؤ اور یوں کرو، آپ نے اپنے انگوٹھے کے ساتھ والے حصے کو پکڑ لیا (مطلب یہ کہ لڑائی سے رک جاؤ) اور یوں کہو کہ اللہ تعالیٰ میرا رب ہے حتیٰ کہ تمہیں موت آ جائے (۲)

حضرت سعد رضی اللہ عنہ کو جب حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے دور حکومت میں لڑائی کے لیے بلایا گیا تو آپ نے فرمایا نہیں، البتہ یہ کہ تم مجھے ایسی تلوار دو جس کی دیکھنے والی دو آنکھیں ہوں اور زبان ہو جو کافر کے بارے میں بتا دے تو میں اسے قتل

---

(۱) الترغیب والترہیب جلد ۳ ص ۴۴۴ کتاب الادب

(۲) مسند امام احمد بن حنبل جلد اول ص ۴۴۸، ۴۴۹ مرویات عبداللہ

کردوں اور مسلمان کی پہچان کرا دے تو میں اس سے مڑک جاؤں انہوں نے فرمایا تمہاری اور ہماری مثال اس قوم کی طرح ہے جو واضح راستے پر ہو وہ چل رہے ہوں تو شدید آندھی چلے جس سے وہ راستہ بھول جائیں اور اب ان پر راستہ مشتبہ ہو جائے، بعض کہیں کہ راستہ دائیں طرف ہے چنانچہ وہ اس طرف چل پڑیں پریشان ہوں اور بھٹک جائیں اور بعض کہیں کہ بائیں طرف ہے چنانچہ وہ اس طرف چل پڑیں اور خستہ حال ہو کر بھٹک جائیں لیکن کچھ لوگ وہاں ٹھہر جائیں اور آندھی تھم جانے کی انتظار کریں تاکہ راستہ واضح ہو جائے اور پھر وہ سفر شروع کریں، چنانچہ حضرت سعد رضی اللہ عنہ اور آپ کے ساتھ ایک جماعت نے علیحدگی اختیار کی فتنوں سے دُور رہے اور لوگوں سے میل جول اسی وقت قائم کیا جب فتنے ختم ہو گئے۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کے بارے میں مروی ہے جب انہیں معلوم ہوا کہ حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ عراق کی طرف چل پڑے ہیں تو آپ ان کے پیچھے چلے حتیٰ کہ تین دن کی مسافت پر ان سے جا ملے اور پوچھا کہاں کا ارادہ ہے؟

حضرت امام نے فرمایا عراق جا رہا ہوں ان کے پاس کچھ خطوط تھے، فرمایا یہ ان لوگوں کے خطوط اور عہد نامے ہیں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا ان کے خطوط کو نہ دیکھیں اور نہ ان کے پاس تشریف لے جائیں۔ لیکن حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ نے انکار کر دیا، حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا میں آپ کو ایک حدیث سناتا ہوں وہ یہ کہ حضرت جبریل علیہ السلام نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ان کو دنیا اور آخرت میں سے ایک کا اختیار دیا تو آپ نے دنیا کے مقابلے میں آخرت کو ترجیح دی (۱) اور آپ جگر گوشہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اللہ کی قسم! آپ لوگوں میں سے کسی کا بھی اس دنیا سے کبھی بھی کوئی تعلق نہ ہوگا اور آپ لوگوں سے دنیا کو اس چیز نے الگ کر رکھا ہے جو آپ کے لیے بہتر ہے۔ لیکن حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ نے واپس لوٹنے سے انکار کر دیا، حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے انہیں گلے لگایا اور رو پڑے پھر فرمایا اے شہید یا قیدی! میں آپ کو اللہ تعالیٰ کے سپرد کرتا ہوں۔ (۱)

صحابہ کرام دس ہزار تھے لیکن چالیس افراد سے زیادہ آگے نہ بڑھے حضرت طاؤس گھر میں بیٹھ گئے ان سے پوچھا گیا تو فرمایا زمانے کے فساد اور حاکموں کے ظلم کی وجہ سے بیٹھا ہوں جب حضرت عروہ رضی اللہ عنہ نے (مقام) عقیق میں محل بنایا اور اس میں تشریف فرما ہوئے اور ان سے پوچھا گیا کہ آپ نے محل بنا کر اس میں رہنا شروع کر دیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مسجد کو چھوڑ دیا تو انہوں نے فرمایا میں نے دیکھا کہ تمہاری مسجدوں میں کھیل کود ہوتا ہے، تمہارے بازاروں میں لغو باتیں ہوتی ہیں اور گلی کوچوں میں فحش کلامی ہوتی ہے اور اس قسم کی آوازیں بلند ہوتی ہیں اور میں نے تمہارے طریقے کو چھوڑ کر جو طریقہ اختیار کیا ہے اس میں نجات ہے تو جھگڑوں اور فتنوں سے بچنا بھی تنہائی کے فوائد میں سے ایک فائدہ ہے۔

---

(۱) المعجم الکبیر للطبرانی جلد ۳ ص ۲۴۵ حدیث ۳۲۹۵

چوتھا فائدہ:

لوگوں کے شر سے محفوظ رہنا ہے کیوں کہ بعض اوقات وہ تمہیں غیبت کے ذریعے ایذا پہنچاتے ہیں کبھی بدگمانی اور تہمت کے ذریعے اور کبھی اس قسم کے مطالبات اور سوال کرتے ہیں اور جھوٹی طمع کرتے ہیں جسے پورا کرنا مشکل ہوتا ہے، کبھی چغلی کھاتے اور جھوٹ بولتے ہیں۔

بعض اوقات تمہیں ایسا کام کرتے ہوئے دیکھتے ہیں جس کی حقیقت تک ان کی عقلوں کی رسائی نہیں ہوتی وہ اسے یاد رکھتے ہیں اور حسبِ موقع شر پھیلاتے ہیں لیکن جب تم ان سے الگ ہو گئے تو ان تمام باتوں سے تحفظ ہو جائے گا یہی وجہ ہے کہ کسی دانا نے دوسرے آدمی سے کہا میں تمہیں ایسے اشعار سکھاتا ہوں جو ہزار درہم سے بہتر ہیں اس نے کہا وہ کیا ہیں؟ تو اس نے پڑھا۔

(ترجمہ) اگر رات کو کوئی بات کرو تو آہستہ کرو اور ان کو بات کرنے سے پہلے سوچو جب بات منہ سے نکل جائے تو واپس نہیں آتی وہ بری بات ہو یا اچھی ـــــ

اس میں کوئی شک نہیں کہ جو آدمی لوگوں سے میل جول رکھتا ہے اور ان کے اعمال میں شریک ہوتا ہے وہ کسی حاسد یا بدگمان دشمن سے الگ نہیں ہو سکتا، وہ یہ وہم کرے گا کہ شاید یہ میری دشمنی پر آمادہ ہے کوئی مکروفریب کرنا چاہتا ہے اور اس کے پس منظر میں کوئی دھوکہ ہے کیونکہ لوگ جب کسی بات کے زیادہ حریص ہوتے ہیں تو وہ ہر کھٹکے کو اپنے لیے نقصان دہ سمجھتے ہیں۔ پس یہ لوگ دشمن ہیں ان سے بچو اور بعض لوگ دنیا کی بہت زیادہ حرص رکھتے ہیں اور دوسروں کو بھی حریص ہی سمجھتے ہیں۔

متنبی (شاعر) نے کہا ہے۔

"جب آدمی کا عمل برا ہو تو وہ بدگمانی کرتا ہے اور معمولی وہم کو بھی سچا سمجھتا ہے، دشمنوں کی بات پر اپنے دوستوں سے دشمنی رکھتا ہے تو اس طرح وہ شک کی تاریکی میں پھنس کر رہ جاتا ہے۔"

کہا گیا ہے کہ برے لوگوں کے ساتھ میل جول نیک لوگوں کے بارے میں بدگمانی پیدا کرتا ہے اور انسان کو اپنے ملنے والوں سے جو شر پہنچتے ہیں، ان کی بے شمار قسمیں ہیں ہم اس تفصیل کو چھوڑتے ہیں کیونکہ جو کچھ ہم نے ذکر کیا اس میں اجمالی طور پر ان کی طرف اشارہ پایا جاتا ہے اور گوشہ نشینی میں ان تمام باتوں سے نجات حاصل ہوتی ہے جن لوگوں نے گوشہ نشینی اختیار کی ہے ان میں سے اکثر نے اس بات کی طرف اشارہ کیا ہے حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں "پہلے تجربہ کرو پھر دشمن جانو" اسے مرفوعاً روایت کیا گیا، کسی شاعر نے کہا۔

جو آدمی، لوگوں کو آزمانے کے بغیر ان کی تعریف کرتا ہے پھر انہیں آزماتا ہے تو جس کی تعریف کی ہے اسی کی مذمت کرے گا۔ جب قریب و بعید سے وحشت ہونے لگتی ہے تو وہ تنہائی سے مانوس ہوتا ہے۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں گوشہ نشینی میں برے ساتھی سے نجات مل جاتی ہے۔

حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ سے کہا گیا کیا آپ مدینہ طیبہ نہیں آتے تو فرمایا اب وہاں وہ لوگ باقی رہ گئے ہیں جو نعمت پہ حسد کرتے ہیں یا تکلیف پر خوش ہوتے ہیں۔

حضرت ابن سماک فرماتے ہیں ہمارے ایک دوست نے ہمیں خط لکھا جس میں حمد و صلوٰۃ کے بعد لکھا کہ (کسی زمانے میں) لوگ دوا تھے جن کے ذریعے علاج کیا جاتا تھا اب وہ ایسی بیماری بن گئے ہیں جس کی کوئی دوا نہیں۔ لہٰذا ان سے اس طرح بھاگو جس طرح شیر سے بھاگتے ہیں۔

حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ سے کہا گیا کیا آپ مدینہ طیبہ نہیں آئے تو فرمایا اب وہاں وہ لوگ باقی رہ گئے ہیں جو نعمت پر حسد کرتے ہیں یا تکلیف پر خوشی ہوتے ہیں۔

حضرت ابن سماک فرماتے ہیں ہمارے ایک دوست نے ہمیں خط لکھا جس میں حمد و صلوٰۃ کے بعد لکھا کہ (کسی زمانے میں) لوگ دوا تھے جن کے ذریعے علاج کیا جاتا تھا اب وہ ایسی بیماری بن گئے ہیں جس کی کوئی دوا نہیں۔ لہٰذا ان سے اس طرح بھاگو جس طرح شیر سے بھاگتے ہیں۔

ایک دیہاتی ہمیشہ ایک درخت کے پاس رہتا اور کہتا یہ ایسا ساتھی ہے جس میں تین خصلتیں ہیں ایک یہ کہ اگر میری بات سنے تو چغلی نہیں کھاتا اگر میں اس پر تھوک دوں تو برداشت کرتا ہے اور اگر مجھے اس پر غصہ آئے تو اسے غصہ نہیں آتا۔ یہ بات ہارون الرشید نے سنی تو کہا اس شخص نے مجھے ساتھیوں کے معاملے میں زاہد بنا دیا ہے۔

کسی بزرگ نے دفتر یا قبرستان کو اختیار کر لیا ان سے پوچھا گیا تو فرمایا تنہائی سے زیادہ سلامتی اور قبر سے زیادہ واعظ کوئی نہیں سا اور نہ دفتر سے زیادہ سود مند کوئی ساتھی ہے۔

حضرت حسن بصری رحمہ اللہ فرماتے ہیں میں نے حج کا ارادہ کیا تو حضرت ثابت بنانی کو اس بات کا علم ہو گیا وہ بھی اولیاء کرام میں سے تھے انہوں نے فرمایا مجھے معلوم ہوا کہ آپ حج کے لیے جانا چاہتے ہیں تو میں آپ کے ساتھ جانا چاہتا ہوں حضرت حسن رحمہ اللہ نے فرمایا چھوڑیئے ہمارے ساتھ نہ جائیں ہم لوگ اللہ تعالیٰ کی پردہ پوشی میں رہتے ہیں جب اکٹھے ہوں گے تو ایک دوسرے سے ایسے کام دیکھیں گے جو بغض و عداوت کا باعث ہوں گے یہ گوشہ نشینی کے ایک اور فائدے کی طرف اشارہ ہے یعنی دین، مروت، اخلاق، فقر اور تمام پردے کی باتوں پر پردہ رہتا ہے اور اللہ تعالیٰ نے اپنی حالت کو چھپانے والوں کی یوں تعریف کی ہے۔

يَحْسَبُهُمُ الْجَاهِلُ أَغْنِيَاءَ مِنَ التَّعَفُّفِ۔ (۱) ان کے بالاصرار نہ مانگنے کی وجہ سے جاہل لوگ ان کو مال دار سمجھتے ہیں۔

---

(۱) قرآن مجید سورۂ بقرہ آیت ۲۷۳

کسی شاعر نے کہا ہے۔
شریف لوگوں سے مال کا چلا جانا عار کی بات نہیں البتہ ان کی عزت و ناموس چلی جائے تو یہ عار کی بات ہے۔
اور آدمی اپنے دین، دنیا، اخلاق اور افعال میں ایسے امور سے خالی نہیں ہوتا جن کو چھپانا ضروری ہوتا ہے، دین و دنیا کے حوالے سے ان کو چھپانا ہی بہتر ہے ان کو سامنے کرنے میں سلامتی نہیں ہے۔
حضرت ابو الدرداء رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں لوگ ایسے پتے تھے جن میں کوئی کانٹا نہ ہو اور اب لوگ ایسے کانٹے ہیں جن کے ساتھ پتے نہ ہوں، تو جب ان کے زمانے کا یہ حال تھا اور وہ پہلے دور کے آخر میں تھے تو اس میں شک کرنا مناسب نہیں کہ آخری دور اس سے بھی بدتر ہے۔
حضرت سفیان بن عیینہ رحمۃ اللہ فرماتے ہیں حضرت سفیان ثوری رحمہ اللہ نے اپنی زندگی میں حالت بیداری میں اور وفات کے بعد خواب میں مجھ سے فرمایا لوگوں سے جان پہچان کم رکھو کیونکہ ان سے بچنا مشکل ہے اور میرے خیال میں مجھے جو بھی برائی پہنچی ہے وہ جان پہچان والوں سے پہنچی ہے۔
کسی بزرگ نے فرمایا کہ میں حضرت مالک بن دینار رحمہ اللہ کے پاس گیا وہ تنہا بیٹھے ہوئے تھے اور ایک کتے نے اپنی گردن ان کے گھٹنے پر رکھی ہوئی تھی میں اسے بھگانے لگا تو انہوں نے فرمایا اسے چھوڑ دو یہ نقصان اور اذیت نہیں پہنچاتا اور یہ برے ساتھیوں سے بہتر ہے۔
ان میں سے کسی بزرگ سے پوچھا گیا کہ آپ نے لوگوں سے علیحدگی کیوں اختیار کر رکھی ہے؟ انہوں نے فرمایا مجھے اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ انسانی طبیعت برے ہم مجلس کی عادات کو اپنا لیتی ہے۔
حضرت ابو الدرداء رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور لوگوں سے بچو وہ اونٹ کی پیٹھ پر سوار ہوتے ہیں تو اسے زخمی کر دیتے ہیں، گھوڑے پر سوار ہوتے ہیں تو اسے ہلاک کر دیتے ہیں اور کسی مومن کے دل میں داخل ہوتے ہیں تو اسے خراب کر کے رکھ دیتے ہیں۔
ایک اور بزرگ نے فرمایا جان پہچان کم رکھو اس سے تمہارا دین اور دل نہایت محفوظ ہوں گے اور حقوق ہلکے پھلکے رہیں گے کیوں کہ جب جاننے والے زیادہ ہوں تو حقوق زیادہ ہوتے ہیں اور ان کی ادائیگی مشکل ہو جاتی ہے۔
کسی دوسرے بزرگ نے فرمایا جس کو جانتے ہو اس سے اجنبی بنو اور جس کو نہیں جانتے اس سے تعارف پیدا نہ کرو۔

پانچواں فائدہ:

(تنہائی کا فائدہ یہ ہوگا کہ) تم سے لوگوں کی اور لوگوں سے تمہاری لالچ ختم ہو جائے گی اور جب تم سے لوگوں کی طمع ختم ہو جائے تو اس میں کئی فائدے ہیں کیوں کہ لوگوں کو خوش کرنا تو کسی صورت میں ممکن نہیں لہذا انسان کا اپنی اصلاح میں مشغول ہونا زیادہ بہتر ہے، حقوق میں سے زیادہ آسان جنازے میں حاضر ہونا، بیمار کی عیادت کرنا، ولیموں اور عقد نکاح

کی مجالس میں حاضر ہونا ہے اور ان تمام میں اوقات کو ضائع کرنا اور آفات کا نشانہ بننا ہے پھر بعض حقوق کی ادائیگی میں کچھ رکاوٹیں ہوتی ہیں اور عذر قبول ہوتا ہے لیکن آدمی عذر کا پوری طرح اظہار نہیں کر سکتا۔ اور لوگ کہتے ہیں تم نے فلاں کے حقوق ادا کئے جب کہ ہمارے حقوق کی ادائیگی نہیں کی اور یہ بات دشمنی کا باعث بنتی ہے۔

کہا گیا ہے کہ جو شخص عیادت کے وقت بیمار کی عیادت نہ کرے تو وہ اپنی موت کی تمنا کرتا ہے کیوں کہ اسے ڈر ہوتا ہے جب بیمار صحیح ہو گیا تو اس (کوتاہی کرنے والے) کو شرمندگی اٹھانا پڑے گی اور جو شخص عدم شرکت میں برابری رکھے اس سے سب راضی ہوتے ہیں لیکن جو آدمی بعض کے ہاں شریک ہو اور کسی کے ہاں شریک نہ ہو تو اس سے وہ نفرت کرتے ہیں۔

اگر کوئی شخص مجرد ہو (غیر شادی شدہ ہو) اور وہ دن رات لوگوں کے حقوق ادا کرنا شروع کر دے تو اس بات پر قادر نہیں ہوتا تو جس شخص کی دینی یا دینوی مصروفیات ہوں وہ سب کے حقوق کی ادائیگی کیسے کر سکتا ہے؟

حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے فرمایا دوستوں کی زیادتی، قرض خواہوں کی کثرت ہے۔

ابن رومی نے اپنے اشعار میں یوں کہا ہے۔

دوست ہی بعد میں دشمن ہوتا ہے لہٰذا زیادہ دوست نہ بناؤ دیکھو تو جتنی بھی بیماریاں ہیں وہ کھانے اور پینے سے ہی پیدا ہوتی ہیں۔

حضرت امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں۔

"ہر دشمنی کی اصل کمینوں کے ساتھ حسن سلوک ہے"

جہاں تک تمہاری طمع کا لوگوں سے منقطع ہونا ہے تو اس میں بھی بے شمار فوائد ہیں کیونکہ جو آدمی دنیا کی تر و تازگی اور زینت کو دیکھتا ہے اس کی حرص بڑھتی ہے اور حرص کے بڑھنے سے طمع بڑھتی ہے اور وہ عام طور پر نامراد ہوتا ہے اور یوں اسے تکلیف پہنچتی ہے لیکن جب گوشہ نشینی اختیار کرے گا تو یہ دنیا کی زینت کو نہیں دیکھے گا اور جب دیکھے گا نہیں تو خواہش پیدا نہیں ہوگی اور جب خواہش نہیں ہوگی تو طمع نہیں ہوگی۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا۔

وَلَا تَمُدَّنَّ عَيْنَيْكَ إِلَىٰ مَا مَتَّعْنَا بِهِ أَزْوَاجًا مِّنْهُمْ۔ (۱)

(اور اے سننے والے) اپنی آنکھوں کو اس کی طرف نہ پھیلا جو ہم نے کافروں کے جوڑوں کو (دینوی آسائش کے لئے) دی ہے۔

اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

اپنے سے نیچے والے لوگوں کو دیکھو اور اپنے سے اوپر والوں کو نہ دیکھو یہ اس بات کے زیادہ لائق ہے کہ اللہ تعالیٰ کی نعمت تمہاری نگاہوں میں حقیر نہ ہو (۲)

---

(۱) قرآن مجید، سورۂ طٰہٰ آیت ۱۳۱

(۲) صحیح مسلم جلد ۲ ص ۴۰۷ کتاب الزھد

حضرت عون بن عبداللہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں میں مالدار لوگوں کے پاس بیٹھتا تھا تو ہمیشہ غم زدہ رہتا' ان کے کپڑوں کو اپنے کپڑوں سے اچھا دیکھتا اور ان کی سواری کو اپنی سواری سے اچھا دیکھتا پھر میں نے فقراء کے پاس بیٹھنا شروع کیا تو اب میں آرام اور سکون میں ہوں منقول ہے کہ حضرت مزنی رحمہ اللہ فسطاط کی جامع مسجد سے نکلے تو آگے سے ابن عبدالحکم اپنے ساتھیوں کے ہمراہ آرہا تھا انہوں نے اس کا اچھا حال دیکھا تو یہ آیت کریمہ پڑھی۔

وَجَعَلْنَا بَعْضَكُمْ لِبَعْضٍ فِتْنَةً أَتَصْبِرُونَ۔ اور ہم نے بعض کو بعض کے لیے آزمائش بنایا تو کیا تم صبر کرو گے۔ (۱)

پھر انہوں نے فرمایا ہاں کیوں نہیں میں صبر کرتا ہوں اور راضی ہوں' اور آپ فقیر بے مایہ تھے اور جو آدمی گھر میں رہتا ہے وہ اس قسم کے فتنوں میں مبتلا نہیں ہوتا اور جو آدمی دنیا کی زینت کو دیکھتا ہے تو دو صورتیں ہیں ایک یہ کہ اس کا دین اور یقین مضبوط ہو اور وہ صبر کرے تو وہ صبر کی تلخی کو برداشت کرے گا اور وہ صبر سے بھی زیادہ تلخ ہے' دوسری صورت یہ ہے کہ اس کی طمع برانگیختہ ہو تو وہ طلب دنیا کے لیے حیلے بہانے تلاش کرے گا اور یوں وہ ہمیشہ ہمیشہ کے لیے تباہ ہو جائے گا۔ یا تو دنیا میں تباہ ہو گا تو اس کی وجہ وہ طمع ہے جو عام طور پر رسوا کر دیتی ہے کیوں کہ ہر طالب دنیا کے لیے دنیا کا حصول آسان نہیں ہوتا یا وہ آخرت میں ہلاک ہو گا کہ اس نے دنیا کے مال و متاع کو اللہ تعالیٰ کے ذکر اور اس کے تقرب پر ترجیح دی' اسی لیے ابن اعرابی نے کہا۔

جب مالداری کی جانب ذلت کا دروازہ کھلتا ہے تو میں فقر کی جانب سے بلندی تک پہنچا۔

انہوں نے اس بات کی طرف اشارہ کیا کہ طمع فوری طور پر ذلت تک پہنچاتی ہے۔

چھٹا فائدہ :

بوجھل اور بیوقوف لوگوں کو دیکھنے سے جان چھوٹ جاتی ہے نیز آدمی ان لوگوں کی بیوقوفی اور بداخلاقی سے محفوظ رہتا ہے کیونکہ ثقیل (جس آدمی کا وجود محض ایک بوجھ ہو) کو دیکھنا چھوٹا اندھا پن ہے حضرت اعمش رحمہ اللہ سے پوچھا گیا آپ کی آنکھیں چندھی کیسے ہو گئیں؟ انہوں نے جواب دیا بوجھل قسم کے لوگوں کو دیکھنے سے بیان کیا گیا ہے کہ حضرت امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ ان کے پاس تشریف لے گئے اور فرمایا حدیث شریف میں آیا ہے کہ اللہ تعالیٰ جس آدمی کی آنکھیں لے جاتا ہے اسے ان کے عوض کوئی بہتر چیز عطا کرتا ہے (۲) آپ کو ان کے عوض کیا ملا؟ انہوں نے ظرافت طبع کے طور پر جواب دیا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے اس کے عوض بیکار لوگوں کو دیکھنے سے بچا لیا۔ اور آپ بھی ان میں سے ہیں۔

حضرت ابن سیرین رحمہ اللہ نے فرمایا کہ میں نے ایک آدمی سے سنا وہ کہہ رہا تھا میں نے ایک دفعہ ایک بوجھل شخص کو دیکھا تو

---

(۱) قرآن مجید، سورۂ فرقان آیت ۲۰

(۲) السنن الکبریٰ للبیہقی جلد ۳ ص ۳۷۵ کتاب الجنائز

مجھ پر بیہوشی طاری ہوگئی۔

جالینوس نے کہا ہر چیز کا ایک بخار ہے اور رُوح کا بخار بوجھل (بے کار) شخص کو دیکھنا ہے۔

حضرت امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں میں کسی بے کار آدمی کے پاس جب بھی بیٹھا تو مجھے محسوس ہوا کہ میرے جسم کی وہ جانب جو اس شخص کی طرف تھی وہ دوسری جانب کی نسبت زیادہ بھاری ہوگئی ہے۔

پہلے دو فائدوں کے علاوہ باقی فوائد دنیوی حاضر مقاصد سے متعلق ہیں لیکن ان کا دین سے بھی تعلق ہے کیونکہ جب آدمی بوجھل (بے کار) آدمی کو دیکھنے سے تکلیف محسوس کرتا ہے تو وہ اس کی غیبت کرنے سے محفوظ نہیں رہ سکتا اور وہ اللہ تعالیٰ کی حکمت کو بُرا سمجھے گا اور جب آدمی غیبت، بدگمانی، حسد، چغلی وغیرہ کے باعث دوسرے آدمی سے اذیت اٹھاتا ہے تو وہ جب تک بدلہ نہ لے چین سے نہیں بیٹھتا۔ اور یہ تمام امور فسادِ دین کی طرف لے جاتے ہیں جب کہ تنہائی میں ان سب سے بچاؤ ہے۔

گوشہ نشینی کی آفات :

بعض دینی یا دنیوی مقاصد وہ ہیں جو دوسروں کی مدد کے بغیر حاصل نہیں ہوتے اور ان کے حصول کے لیے میل جول ضروری ہے لہٰذا جو مقاصد میل جول سے حاصل ہوتے ہیں وہ گوشہ نشینی کی وجہ سے ضائع ہو جاتے ہیں۔

اور ان کا ضائع ہونا گوشہ نشینی کے نقصانات میں سے ہے، تو ان فوائد کو دیکھو جو مِل جُل کر رہنے سے حاصل ہوتے ہیں اور وہ امور جو ان فوائد کی طرف بلاتے ہیں اور وہ سیکھنا اور سکھانا، نفع دینا اور لینا، ادب سکھانا اور سیکھنا، لوگوں سے مانوس ہونا اور انہیں اپنے ساتھ مانوس رکھنا نیز ان کے حقوق کی ادائیگی کر کے ثواب حاصل کرنا اور انہیں بھی اس بات کا موقع فراہم کرنا ہے۔ علاوہ ازیں تواضع کی عادت پڑتی ہے اور حالات دیکھ کر تجربات حاصل ہوتے ہیں۔ تو یہ تقریباً سات فوائد ہیں ہم ان کو تفصیل سے بیان کرتے ہیں۔

مل جل کر رہنے کا پہلا فائدہ :

تعلیم و تعلم:۔ ہم نے علم کے بیان میں حصول علم اور تعلیم (سکھانے) کی فضیلت ذکر کی ہے اور یہ کام دنیا میں سب سے بڑی عبادت ہے اور یہ اسی صورت میں ہو سکتا ہے جب آدمی دوسروں کے ساتھ مل کر رہے۔ البتہ علوم بہت زیادہ ہیں جن میں سے بعض ضروری نہیں ہیں البتہ کچھ علوم کا حاصل کرنا ضروری ہے لہٰذا جس شخص کو ضروری علم حاصل کرنے کی حاجت ہو اس کے لئے تنہائی اختیار کرنا گناہ ہے اور اگر وہ فرض علم حاصل کر چکا ہے اور وہ باقی علوم میں غور و خوض نہیں کر سکتا اور وہ عبادت میں مشغول رہنا چاہتا ہے تو اس کے لیے گوشہ نشینی اختیار کرنا صحیح ہے۔ اور اگر وہ علوم عقلیہ و نقلیہ میں درجہ تکمیل تک پہنچنے پر قادر ہے تو علوم سیکھنے سے پہلے گوشہ نشینی اختیار کرنا نہایت درجہ کا نقصان ہے! اسی لیے حضرت امام نخعی اور دوسرے بزرگوں رحمہم اللہ نے فرمایا۔

"پہلے علم حاصل کرو پھر گوشہ نشینی اختیار کرو"

جو شخص حصولِ علم سے پہلے تنہائی اختیار کرتا ہے وہ عام طور پر اپنے وقت کو نیند یا کسی ہوس کی فکر میں ضائع کر دیتا ہے

زیادہ سے زیادہ یہ کہ وہ تمام وقت اوراد و وظائف میں خرچ کرتا ہے اس کا بدن اعمال میں مصروف رہتا ہے لیکن دل میں طرح طرح کے دھوکے اور فریب پیدا ہوتے ہیں جو اس کی محنت کو بیکار کر دیتے ہیں اور اس کا عمل باطل ہو جاتا ہے جب کہ اسے اس بات کا علم ہی نہیں ہوتا۔ اور اللہ تعالیٰ اور اس کی صفات کے بارے میں اس کا اعتقاد وہم کا شکار ہو جاتا ہے جس سے وہ مانوس ہوتا ہے اور عام طور پر فاسد وسوسوں کا شکار رہتا ہے لہٰذا وہ عام حالات میں شیطان کا کھلونا بنا رہتا ہے حالانکہ وہ اپنے آپ کو عبادت گزار لوگوں میں سے سمجھتا ہے۔

تو دین کی اصل علم ہے لہٰذا عوام اور جاہل لوگوں کا گوشہ نشینی اختیار کرنا یہ مقصد ہے اس سے وہ لوگ مراد ہیں جو لوگ خلوت میں اچھی طرح عبادت نہیں کر سکتے اور انہیں معلوم نہیں کہ خلوت میں کون کونسی باتیں ضروری ہیں۔

نفس کی مثال ایک مریض جیسی ہے جو شفیق طبیب کا محتاج ہوتا ہے تو جاہل مریض جب طبیب سے الگ رہنا چاہے اور علمِ طب بھی حاصل نہ کرے تو یقیناً اس کا مرض بڑھ جائے گا لہٰذا گوشہ نشینی صرف عالم کے لیے مناسب ہے۔

جہاں تک دوسروں کو تعلیم دینے کا تعلق ہے تو اس کا بہت بڑا ثواب ہے جب کہ معلّم اور متعلّم کی نیت صحیح ہو اور اگر جاہ و مرتبہ کا حصول اور شاگردوں اور پیروکاروں کی کثرت مقصود ہو تو یہ دینی اعتبار سے ہلاکت ہے اور ہم نے اس کا سبب علم کے بیان میں ذکر کیا ہے اس زمانے میں (حضرت امام غزالی رحمہ اللہ کے زمانے میں) عالم کا حکم یہ ہے کہ اگر وہ اپنے دین کی سلامتی چاہتا ہے تو لوگوں سے الگ تھلگ رہے، کیونکہ اب کوئی ایسا طالب علم نظر نہیں آتا جو دین کے فائدے کے لیے علم حاصل کرتا ہو بلکہ ایسی چکنی چپڑی باتوں کے طالب ہیں جن کے ذریعے وعظ میں عوام کو اپنی طرف مائل کریں یا مناظرہ بازی سیکھ کر اپنے برابر کے لوگوں کا منہ بند کر دیں اور اس کے ذریعے بادشاہوں کے درباری بن جائیں اور اس علم کو فخر و برتری جتانے کے مقام پر استعمال کریں۔

اور مرغوب علوم میں سے سب سے زیادہ رغبت علمِ مذہب (فقہ) میں ہوتی ہے اور عام طور پر اس کے حصول کا مقصد اپنے ہمعصر لوگوں سے آگے بڑھنا سرکاری عہدے اور مال حاصل کرنا ہوتا ہے۔ تو ان صورتوں میں دین کا تقاضا ہے کہ اس قسم کے طلباء سے احتراز کیا جائے اور اگر کوئی ایسا طالب علم ملے جو اللہ تعالیٰ کی رضا اور اس کا قرب حاصل کرنے کے لیے علم حاصل کرنا چاہتا ہو تو اس سے الگ ہونا اور اس سے علم کو چھپانا گناہِ کبیرہ ہے لیکن اس قسم کے طالب علم اگر بڑے شہروں میں مل بھی جائیں تو ایک دو سے زیادہ نہیں ہوں گے۔

آدمی کو حضرت سفیان ثوری رحمہ اللہ کے اس قول سے دھوکہ نہیں کھانا چاہیے کہ آپ نے فرمایا ہم نے غیر خدا کے لیے علم سیکھا تو علم نے نہ مانا سوائے اس کے کہ وہ صرف اللہ تعالیٰ کے لیے ہو فقہاء غیر خدا کے لیے سیکھتے ہیں پھر اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرتے ہیں ان میں سے اکثر کی زندگی کے آخری مراحل کو دیکھو اور عبرت حاصل کرو کہ ان میں سے اکثر طلبِ دنیا میں مرتے ہیں اس کی حرص کرتے ہیں اور خبر دیکھنے کی طرح نہیں ہوتی۔

تو جان لو کہ حضرت سفیان ثوری رحمہ اللہ نے جس علم کی طرف اشارہ کیا ہے وہ علم حدیث، تفسیر قرآن اور انبیاء کرام اور صحابہ کرام کی سیرت کی پہچان حاصل کرنا ہے کیوں کہ ان کے ذریعے خوف اور ڈر حاصل ہوتا ہے اور آدمی کے دل میں خوفِ خدا پیدا ہوتا ہے۔ اگر وہ فی الحال موثر نہ بھی ہو تو مستقبل میں تو اثر کرے گا لیکن جہاں تک علم کلام اور محض فقہ کا تعلق ہے جو معاملات کے فتاویٰ اور جھگڑوں کے فیصلوں سے متعلق ہے اور اس میں جو اختلاف ہے وہ انسان کو دنیا سے اللہ تعالیٰ کی طرف راغب نہیں کر سکتا بلکہ وہ تو عمر کے آخری حصہ تک حرص کی طرف بڑھاتا رہتا ہے اور شاید وہ باتیں جو ہم نے اس کتاب میں لکھی ہیں اگر سیکھنے والا ان کو دنیا میں رغبت کے لیے سیکھے تو بھی اسے اجازت دی جا سکتی ہے کیونکہ امید ہے کہ وہ عمر کے آخری حصے میں راہ راست پر آجائے کیوں کہ یہ کتاب اللہ تعالیٰ کا خوف بھی دلاتی ہے، آخرت کی رغبت بھی دیتی ہے اور دنیا سے ڈراتی بھی ہے اور یہ وہ باتیں ہیں جو قرآن و حدیث اور تفسیر میں پائی جاتی ہیں، علم کلام یا فقہ میں نہیں ہیں، لہٰذا آدمی کو چاہیے کہ وہ اپنے نفس کو دھوکہ نہ دے کیونکہ جو شخص کوتاہی کرتا ہے اور اس کا علم بھی رکھتا ہے وہ اس جاہل سے زیادہ سعادت مند ہے جو دھوکہ میں ہے یا جو خود جاہل بن کر نقصان اٹھا رہا ہے اور ہر وہ عالم جو سکھانے پر بہت زیادہ حریص ہو تو ممکن ہے اس کی غرض قبولیت اور جاہ و مرتبہ ہو وہ فی الحال نفس میں لذت پاتا ہے کیوں کہ وہ جاہلوں کے خلاف دلیل پیش کرنے کا علم رکھتا ہے اور ان پر تکبر کرتا ہے تو علم کی آفت تکبر ہے جیسا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے (۱)

اسی لیے حضرت بشر رحمہ اللہ سے مروی ہے کہ انہوں نے کتب احادیث کے سترہ صندوق دفن کر دیئے تھے جو احادیث انہوں نے سنی تھیں وہ ان احادیث کو بیان نہیں کرتے تھے وہ فرماتے تھے مجھے حدیث بیان کرنے کی تمنا ہے اس لیے میں بیان نہیں کرتا اور اگر مجھے بیان کرنے کا شوق نہ ہوتا تو میں بیان کرتا اسی وجہ سے انہوں نے فرمایا لفظ "حدثنا" (اس نے ہم سے حدیث بیان کی) دنیا کے دروازوں میں سے ایک دروازہ ہے جب کوئی شخص "حدثنا" کہتا ہے تو وہ کہتا ہے میرے لیے وسعت کرو۔

حضرت رابعہ عدویہ رحمۃ اللہ علیہا نے حضرت سفیان ثوری رحمہ اللہ سے فرمایا اگر آپ دنیا میں رغبت نہ رکھتے تو آپ اچھے آدمی تھے انہوں نے پوچھا میں نے کس چیز میں رغبت کی ہے؟ حضرت رابعہ نے فرمایا حدیث (بیان کرنے) میں۔

اسی لیے حضرت سلیمان دارانی رحمہ اللہ نے فرمایا جو شخص نکاح کرے یا حدیث حاصل کرے یا سفر میں مشغول ہو وہ دنیا کی طرف مائل ہو گیا۔ (مقصد یہ ہے کہ حصولِ علمِ حدیث کا مقصد جاہ و مرتبہ ہو تو نقصان دہ ہے) یہ وہ آفات ہیں جن کے بارے میں ہم نے علم کے بیان میں آگاہ کیا ہے، احتیاط کا تقاضا یہ ہے کہ گوشہ نشینی کے ذریعے ان سے بچے اور جس قدر ممکن ہو کم شاگرد بنائے۔ بلکہ جو شخص تعلیم و تدریس کے ذریعے دنیا تلاش کرتا ہے اگر وہ عقل مند ہے تو اس زمانے میں یہ کام چھوڑ دے۔

---

(۱) کنز العمال جلد ۱۰ ص ۱۸۴ حدیث ۲۸۹۶۰

حضرت ابوسلیمان خطابی رحمہ اللہ نے سچ فرمایا وہ فرماتے ہیں وہ لوگ جو تیری مجلس اور تجھ سے سیکھنے میں رغبت کرتے ہیں ان کو چھوڑ دو تمہیں ان سے مال و جمال حاصل نہیں ہوگا وہ لوگ جو ظاہر میں دوست ہیں وہ پیٹھ پیچھے دشمن ہوتے ہیں جب تم سے ملاقات کرتے ہیں تو خوشامد کرتے ہیں اور جب تم سے غائب ہوتے ہیں تو تمہاری برائی بیان کرتے ہیں۔ ان میں سے جو آدمی تمہارے پاس آئے تو وہ تمہارے کاموں کو دیکھتا رہتا ہے اور جب باہر جاتا ہے تو بیان کرتا ہے۔

یہ لوگ منافقت سے کام لیتے ہیں چغل خور اور دھوکہ باز ہیں لہٰذا اپنے پاس ان کے جمع ہونے سے دھوکہ نہ کھاؤ ان کا مقصد علم (کا حاصل کرنا) نہیں بلکہ مرتبہ اور مال حاصل کرنا چاہتے ہیں بلکہ وہ اپنے مقاصد اور اغراض کے لیے تمہیں سیڑھی بناتے ہیں اور اپنی حاجات کے لیے تمہیں گدھا بناتے ہیں اگر تم ان کی اغراض میں سے کسی غرض کو پورا کرنے میں کوتاہی کرو تو وہ تمہارے بہت سخت دشمن بن جاتے ہیں اور تمہارے پاس آنے کو تم پر احسان قرار دیتے ہیں اور اسے اپنا حق سمجھتے ہیں اور وہ تمہارے اوپر لازم سمجھتے ہیں کہ تم ان کیلئے اپنی عزت، مرتبہ اور دین کو استعمال کرو۔ ان کے دشمنوں سے دشمنی رکھو، ان کے قرابت دار، خادم اور دوست کی مدد کرو اور ان کی خاطر بیوقوف بنو حالانکہ تم سمجھدار فقیہ ہو۔ ان کے تابع ہو جاؤ اور ذلت اٹھاؤ، حالانکہ تم رئیس ہو اور تمہاری اتباع کی جاتی ہے۔

اسی لیے کہا گیا ہے کہ عام لوگوں سے علیحدگی اختیار کرنا کامل مروت ہے۔ حضرت ابوسلیمان خطابی کی تقریر کا یہ خلاصہ ہے اگرچہ الفاظ میں کچھ رد و بدل ہے تو انہوں نے سچ فرمایا ہے کیوں کہ تم دیکھو گے مدرس ہمیشہ غلامی میں رہتے ہیں ان پر ہر کوئی اپنا حق جتاتا ہے۔

ان پر بہت بڑا احسان جتایا جاتا ہے گویا انہیں کوئی تحفہ دیا گیا ہے اور ان پر حق لازم سمجھا جاتا ہے۔ اور بعض اوقات یوں بھی ہوتا ہے کہ اگر وہ اپنے حق الخدمت میں سے طالب علم کو کھانے کے لیے نہ پوچھے تو اس کے پاس کوئی بھی نہیں جاتا حالانکہ وہ اپنی تنخواہ سے اس خرچ کو پورا نہیں کر سکتا چنانچہ وہ بادشاہوں کے پاس حاضری دیتا رہتا ہے اور طرح طرح کی ذلت و رسوائی کا شکار ہوتا ہے حتیٰ کہ بادشاہ کسی حرام آمدنی سے اس کے لیے کچھ لکھ دیتا ہے اب اسے عامل کی خدمت اور غلامی کی ذلت اٹھانا پڑتی ہے اور بہت دنوں تک اس کے پاس ذلیل و رسوا ہونے کے بعد وہ کچھ نہ کچھ حاصل کرتا ہے اور وہ بھی اس طرح کہ گویا وہ اپنی طرف سے دے رہا ہے پھر اسے طلباء میں تقسیم کرنے کا مسئلہ درپیش ہوتا ہے اگر وہ ان میں برابر تقسیم کرے تو ممتاز قسم کے طلباء ناراض ہوتے ہیں اور اسے بیوقوف قرار دیتے ہیں کہ اسے تمیز نہیں ہے کہ اہل فضل کو کتنا دینا ہے نیز اسے انصاف کے ساتھ حقوق کی مقدار کا علم نہیں ہے اور اگر وہ ان میں برابری نہیں رکھتا تو بیوقوف طلباء اپنی زبانِ طعن دراز کرتے ہیں اور اس پر شیر اور اژدھا کی طرح لپکتے ہیں تو دنیا میں وہ یوں رسوا ہوتے ہیں اور آخرت میں اس مال کے سلسلے میں پکڑے جائیں گے جوئے کر تقسیم کیا ہے۔

پھر تعجب نہیں کہ ان سب باتوں کے ساتھ ساتھ مدرس کا نفس اسے جھوٹی باتوں کی آرزو دلاتا ہو اور اسے دھوکے کی رسی میں کھینچتا ہو۔ اور اسے یوں کہتا ہو کہ تم اپنے کام میں سستی نہ کرو کیوں کہ تم جو کچھ کر رہے ہو اس میں تم اللہ تعالیٰ

کی رضا چاہتے ہو شریعت محمدیہ اور علم دین کو پھیلا رہے ہو اور بندگانِ خدا میں سے علم طلب کرنے والوں کی خدمت کر رہے ہو، اور بادشاہوں کے اموال کا کوئی مالک نہیں ہوتا اور یہ امت کی بہتری کے لیے ہوتے ہیں اور علم کے بڑھانے سے بڑھ کر کیا بہتری ہو سکتی ہے۔

ان لوگوں کے ذریعے دین غالب ہوتا اور اہل دین کو تقویت حاصل ہوتی ہے اور اگر یہ مدرس شیطان کا کھلونا نہ ہوتا تو تھوڑی سی توجہ اور غور وفکر سے جان لیتا کہ زمانے کا فساد اس قسم کے فقہاء (علماء) کی وجہ سے ہے جو حاصل ہونے والا ہر مال کھا جاتے ہیں اور حلال وحرام میں تمیز نہیں کرتے اس طرح جاہل لوگ ان کو دیکھ کر اور ان کے گناہوں پر جرأت کو سامنے رکھتے ہوئے جرأت کرتے ہیں یعنی اس سلسلے میں ان کی پیروی کرتے ہیں، اسی لیے کہا گیا ہے کہ رعایا اس وقت خراب ہوتی ہے جب بادشاہ خراب ہوتے ہیں اور بادشاہوں کا بگاڑ، علماء کے بگاڑ کی وجہ سے ہوتا ہے ہم دھوکے اور اندھے پن سے اللہ تعالیٰ کی پناہ چاہتے ہیں کیوں کہ یہ ایسی بیماری ہے جس کا کوئی علاج نہیں

دوسرا فائدہ

لوگوں میں مل جل کر رہنے کا دوسرا فائدہ نفع پہنچانا اور نفع حاصل کرنا ہے لوگوں سے نفع حاصل کرنے کی صورت کمانا اور لین دین کرنا ہے اور یہ اسی صورت میں ہو سکتا ہے جب آدمی، لوگوں کے ساتھ معاشرتی زندگی گزارے اور جس آدمی کو اس بات کی حاجت ہوتی ہے وہ گوشہ نشینی کو چھوڑنے پر مجبور ہوتا ہے۔

اب اگر وہ شریعت کے مطابق چلے تو میل جول میں کافی تکلیف اٹھانا پڑے گی جیسا کہ ہم نے کسب کے بیان میں ذکر کیا ہے۔ اگر اس کے پاس مال ہو اور اس پر صبر کرتے ہوئے کفایت کر سکتا ہو تو اس کے لیے تنہائی افضل ہے کیوں کہ عام طور پر تجارت کے راستے شریعت کی نافرمانی کے بغیر بند ہوتے ہیں اور اگر اس کا مقصد یہ ہو کہ مال کما کر صدقہ کرے گا اور پھر حلال طریقے پر کمائے اور صدقہ کر دے تو یہ عمل اس گوشہ نشینی سے افضل ہے جو نفلی عبادت کے لیے ہو لیکن جب گوشہ نشینی اللہ تعالیٰ کی معرفت اور علوم شرعیہ کی پہچان کے سلسلے میں ہو تو اس تنہائی سے اس صورت میں کسب افضل نہیں ہے اسی طرح جب گوشہ نشینی کا مقصد ہمہ تن اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہونا ہو اور ذکر خداوندی کے لیے علیحدگی اختیار کی جائے یعنی جسے اللہ تعالیٰ سے مناجات کی وجہ سے کشف اور بصیرت حاصل ہو محض وہم اور خیالات فاسدہ نہ ہوں تو اس صورت میں تنہائی اختیار کرنا افضل ہے۔

جہاں تک لوگوں کو نفع پہنچانے کا تعلق ہے تو اس کی صورت یہ ہے کہ مال سے نفع پہنچائے گا یا جسم سے، تو ظاہر ہے کہ کسی اجرت کے بغیر خالص نیت سے مسلمانوں کی ضرورتوں کو پورا کرنے کا ثواب ملتا ہے اور یہ اسی صورت میں ہو سکتا ہے جب باہم میل جول ہو۔ جو شخص حدود شریعت کی پابندی کرتے ہوئے یہ کام کر سکے اس کے لیے مل جل کر رہنا، تنہائی سے افضل ہے جب کہ گوشہ نشینی محض نوافل میں مشغولیت کے لیے ہو اور بدنی عبادت تک ہی محدود ہو اور اگر وہ ایسا شخص ہو جس کے لیے دائمی ذکر وفکر سے قلبی عمل کا دروازہ کھلتا ہو تو کوئی دوسری بات اس کے برابر نہیں ہو سکتی۔

تیسرا فائدہ:

ادب حاصل کرنا اور دوسروں کو سکھانا اس سے ہماری مراد یہ ہے کہ آدمی کا نفس لوگوں کی طرف سے پہنچنے والی اذیت اور تکلیف کو برداشت کرنے کے قابل ہو جائے مطلب یہ ہے کہ وہ اپنے نفس کو یوں کچل دے کہ خواہشات مٹ جائیں اور تکالیف برداشت کی جاسکیں یہ بھی میل جول کے فوائد میں سے ہے اور یہ بات اس آدمی کے حق میں گوشہ نشینی سے بہتر ہے جو ابھی تک اپنے اخلاق کو مہذب نہیں بنا سکا اور اس کی خواہشات حدود شرع کے تابع نہیں ہوئیں اسی لیے خانقاہوں میں صوفیا کی خدمت کرنا مستحب ہے یہ لوگ ان کی خدمت کی وجہ سے لوگوں کے ساتھ مل کر رہتے ہیں اور بازار والوں سے بھی ملتے رہتے ہیں کیوں کہ ان سے مانگتے ہیں۔ تاکہ نفس کی سرکشی ٹوٹ جائے اور صوفیا کرام کی دعا کی برکت سے مدد حاصل ہو اور یہ اپنے ارادوں کو اللہ تعالیٰ کی طرف پھیر دیتے ہیں گذشتہ زمانوں میں یہی مقصد ہوتا تھا لیکن اب اس میں فاسد اغراض شامل ہو گئی ہیں اور یہ بات قانون سے ہٹ گئی ہے جس طرح دین کے باقی شعائر اپنے طریقے سے ہٹ چکے ہیں اب خدمت کے لیے تواضع کا مقصد بہت سے لوگوں کو اپنا تابع بنانا اور مال جمع کرنا ہے تاکہ زیادہ پیروکاروں کے ذریعے فخر و تکبر کا اظہار کیا جائے۔

اگر یہ نیت ہو تو تنہائی افضل ہے اگرچہ قبر کی طرف ہو اور اگر نفس کی ریاضت مقصود ہو تو جو شخص ریاضت نفس کا محتاج ہے اس کے حق میں یہ اختلاط، گوشہ نشینی سے بہتر ہے کیونکہ ابتدائے سلوک میں ریاضت کی حاجت ہوتی ہے اور جب نفس شائستہ ہو جائے تو یوں سمجھا جائے کہ گھوڑے کی مشق کرانے کا مقصد محض مشق کرانا نہیں ہوتا بلکہ اس کا مقصد اس کو سواری بنانا ہے جس کے ذریعے منازل طے کی جائیں اور راستے کی مسافت کو کم کیا جائے اور بدن دل کی سواری ہے اس پر سوار ہو کر آخرت کے راستے پر چلنا ہے اور چونکہ اس میں بے شمار شہوات (خواہشات) ہیں اگر ان کو نہ توڑے تو وہ راستے میں سرکشی کرے گا تو جو آدمی زندگی بھر ریاضت و مجاہدہ میں مشغول رہے وہ اس آدمی کی طرح ہے جو تمام عمر جانور کو مشق کراتا رہے اور اس پر سوار نہ ہو تو اس کا فائدہ صرف یہ ہو گا کہ فی الحال اس کے کاٹنے اور لاتیں وغیرہ مارنے سے محفوظ رہے ٹھیک ہے یہ فائدہ بھی مقصود ہے لیکن یہ فائدہ تو مردہ جانور سے بھی حاصل ہوتا ہے جب کہ حصولِ جانور کا مقصد اس کی زندگی سے کچھ فائدہ حاصل کرنا ہے اسی طرح شہوات کی تکالیف سے سونے اور موت کی صورت میں بھی بچاؤ ہو سکتا ہے اور اس پر قناعت نہیں کرنا چاہیے جیسے کسی راہب سے کہا جائے اے راہب (عبادت گزار) وہ کہے میں راہب نہیں ہوں بلکہ میں تو کاٹنے والا کتا ہوں میں نے اپنے نفس کو اس لیے روک رکھا ہے کہ لوگوں کو نہ کاٹوں جو شخص لوگوں کو اذیت پہنچاتا ہے اس کے حق میں یہ بات بھی بہتر ہے لیکن اسی پر اکتفا نہیں کرنا چاہیے کیونکہ جو آدمی اپنے آپ کو قتل کر دیتا ہے وہ بھی لوگوں کو اذیت نہیں پہنچاتا بلکہ اسے اپنے انتہائے مقصود پر نظر رکھنی چاہیے۔

جو آدمی اس بات کو سمجھ جائے، راستے کی ہدایت پالے اور سلوک پر قادر ہو جائے تو اس پر واضح ہو جاتا ہے کہ اس کے

لیے میل جول کی نسبت گوشہ نشینی زیادہ مددگار ثابت ہوتی ہے تو ایسے شخص کے لیے شروع شروع میں میل جول اور آخر میں تنہائی افضل ہے جہاں تک دوسروں کو ادب سکھانے کا تعلق ہے تو اس سے ہماری مراد یہ ہے کہ دوسروں کو مجاہدے کا خوگر بنائے جیسے صوفیاء کرام کا مرشدان کے ساتھ کرتا ہے اور وہ ان کو ادب اسی صورت میں سکھا سکتا ہے جب ان کے ساتھ رہے اس کی حالت ایک استاد جیسی ہوتی ہے اور اس کا حکم بھی استاذ کے حکم کی طرح ہوتا ہے۔ اس راستے میں بھی نہایت دقیق آفات اور ریاکاریاں ہوتی ہیں جس طرح علم پھیلانے میں ہوتی ہیں لیکن جو لوگ مجاہدے کے طالب ہوتے ہیں طلب دنیا کے حیلے بہانے، طالب علم کے مقابلے میں ان سے دور ہوتے ہیں لہٰذا خلوت سے جو بات آسان ہوتی ہے اس کا اس بات سے مقابلہ کرے جو قوم کے ساتھ میل جول اور ان کو مہذب بنانے کی صورت میں آسان ہوتی ہے دونوں کے درمیان مقابلے کے بعد افضل کو ترجیح دے۔ اور یہ بات دقیق اجتہاد سے متعلق ہے اس کے بغیر حاصل نہیں ہوتی حالات اور شخصیات کے اختلاف سے یہ بھی بدلتا رہتا ہے لہٰذا اس پر نفی یا اثبات کا حکم مطلقاً نہیں لگایا جا سکتا۔

چوتھا فائدہ:

لوگوں سے مانوس ہونا اور ان کو اپنے ساتھ مانوس کرنا، ولیموں اور دعوتوں میں حاضری کا مقصد بھی یہی ہوتا ہے اس طرح دوسرے مقامات جہاں میل جول اور اُنس ہوتا ہے وہاں حاضری اسی مقصد کے تحت ہوتی ہے اس کا فوری فائدہ تو لذتِ نفسانی کا حصول ہے اور بعض اوقات یہ حرام طریقے پر ہوتی ہے یعنی ان لوگوں سے انس اختیار کیا جاتا ہے جن سے یہ طریقہ اختیار کرنا جائز نہیں ہے یا جائز طریقے پر ہوتا ہے اور بعض اوقات دینی مقاصد کے لیے مستحب ہوتا ہے اور یہ کسی شخص کے دینی حالات اور اقوال کے مشاہدہ سے انس حاصل کرنے کی صورت میں ہوتا ہے جیسا ان مشائخ سے مانوس ہونا جو تقویٰ اختیار کئے رکھتے ہیں ـــ بعض اوقات اس اُنس کا تعلق محض خواہشات نفسانیہ سے ہوتا ہے لیکن جب دل کو آرام پہنچانا ہو تو یہ مستحب ہے تاکہ عبادت میں دلچسپی کے اسباب ابھریں کیونکہ دل کو مجبور کیا جائے تو وہ اندھا ہوتا ہے اور بعض اوقات تنہائی میں وحشت ہوتی ہے اور مجلسوں کے ذریعے وہ اُنس حاصل ہوتا ہے جو دل کو آرام پہنچاتا ہے اور یہ زیادہ بہتر ہے کیونکہ عبادت میں نرمی برتنا احتیاطِ عبادت سے ہے۔

اسی لیے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اِنَّ اللّٰہَ لَا یَمَلُّ حَتّٰی تَمَلُّوْا - (۱) بے شک اللہ تعالیٰ نہیں تھکتا یہاں تک کہ تم تھک جاؤ۔

نفس کو جب تک راحت نہ پہنچائی جائے وہ دائمی طور پر حق سے الفت نہیں کرتا اور اگر زبردستی اس سے کام لیا جائے تو وہ گھبرا جاتا ہے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد گرامی کا یہی مطلب ہے۔

۱۔ مسند امام احمد بن حنبل جلد ۶ ص ۴۰ مرویات عائشہ

اِنَّ ھٰذَا الدِّیْنَ مَتِیْنٌ فَادْخُلْ فِیْہِ بِرِفْقٍ (۱) یہ دین مضبوط دین ہے اس میں نرمی کے ساتھ داخل کرو۔

سمجھدار لوگوں کا یہی طریقہ ہے کہ وہ دین کی دعوت نرمی سے دیتے ہیں اسی لیے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا اگر وسوسوں کا ڈر نہ ہوتا تو میں لوگوں کے ساتھ نہ بیٹھتا۔

ایک مرتبہ انہوں نے فرمایا میں ان شہروں میں چلا جاتا جہاں کوئی نہیں نہ ہوتا اور لوگوں میں خرابی بھی تو لوگوں کی وجہ سے ہوتی ہے۔ تو اس صورت میں علیحدگی اختیار کرنے والے کے لیے ایک رفیق ضروری ہے جس کو دن رات دیکھ کر اور اس سے گفتگو کر کے وہ اُنس حاصل کرے لیکن ایسا شخص تلاش کرنا چاہیے جو اس ایک گھنٹے میں تمام اوقات کی محنت کو ضائع نہ کر دے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

اَلْمَرْءُ عَلٰی دِیْنِ خَلِیْلِہٖ فَلْیَنْظُرْ اَحَدُکُمْ مَنْ یُخَالِلُ۔ (۲) آدمی اپنے دوست کے طریقے پر ہوتا ہے تو تمہیں چاہیئے کہ کس سے دوستی لگا رہے ہو۔

اور اسے اس بات کا حریص ہونا چاہیئے کہ جب ملاقات ہو تو دین کے بارے میں گفتگو ہو، حالات دل بیان کیے جائیں، حق پر ثابت قدمی نہ ہونے کی شکایت کی جائے، ہدایت کیسے حاصل ہو اس طرح کے میل جول میں نفس کو راحت ملتی ہے اور جو آدمی اصلاح نفس میں مشغول ہو اس کے لیے اس میں کافی گنجائش ہوتی ہے کیونکہ شکایات کبھی ختم نہیں ہوتیں چاہیے کتنی زیادہ عمر مل جائے اور جو آدمی اپنے نفس سے راضی ہوتا ہے وہ دھوکے میں پڑا ہوا ہے اس قسم کی اُنس پر مبنی مجلس دن کے کسی وقت ہو تو یہ بعض لوگوں کے لیے تنہائی سے افضل ہوتی ہے تو اس سلسلے میں دل کے حالات اور ہم نشین کے حالات کا پہلے جائزہ لیا جائے اور اس کے بعد اس کی مجلس اختیار کی جائے۔

پانچواں فائدہ:

ثواب حاصل کرنا اور دوسروں کے لیے ثواب کا باعث بننا جہاں تک ثواب کا تعلق ہے تو وہ جنازوں میں حاضر ہونے، بیماروں کی عیادت کرنے، عیدین میں حاضر ہونے، جمعۃ المبارک کی نماز میں حاضری اور یومیہ پانچ نمازوں میں شامل ہونے سے ملتا ہے جن کو چھوڑنے کی اجازت نہیں ہے البتہ ایسے ظاہر نقصان کا خوف ہو تو پانچ وقت کی جماعت کو چھوڑا جا سکتا ہے جو جماعت کی فضیلت کے برابر ہو یا اس سے زائد اور ایسا بہت کم ہوتا ہے اسی طرح ولیموں اور دعوتوں میں شرکت سے بھی ثواب حاصل ہوتا ہے کیونکہ اس سے مسلمان کے دل کو خوش کیا جاتا ہے۔

---

(۱) مجمع الزوائد جلد اوّل ص ۶۲ کتاب الایمان

(۲) مسند امام احمد بن حنبل جلد ۲ ص ۳۰۳ مرویات ابوہریرہ

دوسروں کو ثواب پہنچانے کی صورت یہ ہے کہ دروازہ کھلا رکھے تاکہ لوگ اس کی بیمار پرسی کریں یا مصائب میں اسے حوصلہ دیں یا نعمتوں پر اسے مبارک پیش کریں اس طرح انہیں ثواب حاصل ہوگا اسی طرح اگر وہ علماء میں سے ہو اور ان لوگوں کو زیارت کی اجازت دے تو انہیں زیارت وملاقات کا ثواب حاصل ہوگا اور یہ شخص اس کا باعث بنے گا۔

اسے چاہیے کہ میل جول کی ان صورتوں کا ان آفات سے مقابلہ کرے جو ہم نے ذکر کی ہیں اس صورت میں بعض اوقات میل جول کو ترجیح ہوتی ہے بزرگوں کی ایک جماعت کے بارے میں منقول ہے کہ انہوں نے دعوت کی قبولیت، بیماروں کی عیادت اور جنازوں میں شرکت کو چھوڑ دیا تھا وہ گھروں میں بیٹھے رہتے تھے۔ حضرت امام مالک رحمہ اللہ بھی ان میں سے ہیں نہ وہ جمعۃ المبارک کی نماز کے لیے جاتے اور نہ ہی زیارتِ قبور کے لئے بلکہ ان میں سے بعض نے شہروں کو بھی چھوڑ دیا اور پہاڑوں کی چوٹیوں پہ چلے گئے تاکہ وہ مشاغل سے فراغت حاصل کرکے عبادت میں مشغول ہوں۔

چھٹا فائدہ:

میل جول کی صورت میں تواضع اختیار کی جاتی ہے اور یہ بہترین مرتبہ ہے تنہائی کی صورت میں اس پر عمل نہیں ہو سکتا بعض اوقات بڑھاپا گوشہ نشینی کا سبب ہوتا ہے ـــ اسرائیلی روایات میں منقول ہے کہ ایک حکیم نے حکمت میں تین سو ساٹھ کتابیں تصنیف کیں حتی کہ اس نے خیال کیا کہ اسے اللہ تعالیٰ کے ہاں مرتبہ مل چکا ہے، اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کی طرف وحی بھیجی کہ فلاں شخص سے فرمائیں کہ تم نے زمین کو نفاق سے بھر دیا ہے اور مجھے تمہاری منافقت سے کوئی بات پسند نہیں راوی نے کہا کہ اس حکیم نے خلوت اختیار کر لی اور زمین کے نیچے تہہ خانے میں چلا گیا اور کہا کہ اب مجھے میرے رب کی رضا حاصل ہو گی اس پر اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی علیہ السلام کی طرف وحی بھیجی کہ اس آدمی سے فرمادیں کہ میری رضا اس وقت حاصل کرے گا جب وہ لوگوں کے ساتھ مل جل کر رہے گا اور ان کی طرف سے پہنچنے والی اذیت پہ صبر کرے گا، چنانچہ وہ وہاں سے نکل کر بازار میں چلا گیا لوگوں سے گھل مل گیا ان کے ساتھ بیٹھتا اور ان کے ساتھ کھاتا ان کے سامنے کھانا کھاتا اور ان کے ساتھ بازار میں چلتا اب اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کی طرف وحی بھیجی کہ اسے بتائیں کہ اب وہ میری رضا تک پہنچا ہے کتنے ہی لوگ گوشہ نشینی اختیار کرتے ہیں لیکن اس کا سبب تکبر ہوتا ہے اور محفلوں میں اس لیے نہیں جاتے کہ ان کی عزت نہیں کی جائے گی اور ان کو آگے نہیں کیا جائے گا یا وہ سمجھتے ہیں کہ میل جول کی نسبت اس طرح ان کا مقام بلند ہوگا اور لوگوں میں ہمارا ذکر باقی رہے گا۔

بعض اوقات گوشہ نشینی اس لیے اختیار کی جاتی ہے کہ لوگوں سے میل جول کی صورت میں ہماری برائیاں ظاہر ہو جائیں گی۔ اور ہمارے بارے میں جو زہد و تقویٰ اور عبادت میں مشغولیت کا عقیدہ ہے اس کا بھانڈہ پھوٹ جائے گا تو اس طرح وہ اپنی خرابیوں پر پردہ ڈالنے کے لیے گھر میں بیٹھ جاتا ہے تاکہ اس کے بارے میں لوگوں کا عقیدہ باقی رہے

کہ یہ شخص عابد و زاہد ہے۔ حالانکہ وہ خلوت کے وقت اللہ تعالیٰ کے ذکر و فکر میں مشغول نہیں رہتا۔

ایسے لوگوں کی علامت یہ ہے کہ وہ اس بات کو پسند کرتے ہیں کہ لوگ ان سے ملاقات کریں وہ دوسروں سے ملاقات کرنے کو پسند نہیں کرتے اور جب عوام الناس اور حکمران ان کے قریب آئیں تو اس پر خوش ہوتے ہیں وہ چاہتے ہیں کہ ان کے دروازوں اور راستوں میں لوگوں کا جھرمٹ رہے اور لوگ تبرکاً ان کے ہاتھ چومیں اگر ان لوگوں کو عبادت میں مشغولیت کی وجہ سے لوگوں سے میل جول اور ان کے پاس جانے سے نفرت ہوتی تو وہ دوسروں کا اپنے پاس آنا بھی پسند نہ کرتے۔ جیساکہ ہم نے حضرت فضیل رحمہ اللہ سے نقل کیا انہوں نے فرمایا کہ تم میرے پاس اس لیے آئے ہو کہ ہم دونوں ایک دوسرے کے لیے زینت اختیار کریں۔

اور حضرت حاتم اصم رحمہ اللہ کی ملاقات کے لیے جب ایک امیر آیا تو آپ نے فرمایا میری حاجت یہ ہے کہ میں تمہیں نہ دیکھوں اور تم مجھے نہ دیکھو۔ تو جو شخص گوشہ نشینی میں اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کے ذکر میں مشغول نہیں رکھتا اس کی تنہائی کا سبب لوگوں کے ساتھ شدت سے مشغولیت ہے کیونکہ اس کا دل صرف اس بات کو چاہتا ہے کہ لوگ اس کی عزت کریں اور اسے وقار و احترام کی نگاہ سے دیکھیں۔

اس قسم کے سبب سے گوشہ نشینی اختیار کرنا کئی وجوہ سے جہالت ہے ایک یہ کہ جو شخص اپنے علم یا دین کی وجہ سے بڑا ہوتا ہے تواضع اور میل جول سے اس کا منصب کم نہیں ہوتا کیونکہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کھجوریں اور نمک اپنے ہاتھ میں اٹھاتے اور فرماتے "کامل آدمی جب اپنے گھر والوں کے لیے نفع بخش چیز لائے تو اس کے کمال میں کوئی نقص نہیں آتا" (مطلب یہ کہ کام کاج کرنے سے علمی منصب میں کوئی فرق نہیں پڑتا)

حضرت ابوہریرہ، حضرت حذیفہ، حضرت اُبی بن کعب اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہم لکڑیوں کے گٹھے اور آٹے کی بوریاں اپنے کاندھوں پر اٹھاتے تھے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ مدینہ طیبہ کے حکمران تھے آپ نے سر پر لکڑیاں اٹھائی ہوتیں اور فرماتے اپنے امیر کو راستہ دو۔

بلکہ خود نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کوئی چیز خریدتے تو بنفس نفیس اٹھا کر گھر لاتے آپ کا ہمراہی عرض کرتا یا رسول اللہ! مجھے دیجئے میں اٹھاؤں تو آپ فرماتے کسی چیز کے مالک کو خود اپنی چیز اٹھانی چاہیے (۱)

حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ گداگروں کے پاس سے گزرتے اور ان کے سامنے روٹی کے ٹکڑے رکھے ہوتے وہ عرض کرتے اے نواسہ رسول! تشریف لائیں اور ہمارے ساتھ کھانا کھائیں تو آپ اتر کر راستے میں بیٹھ جاتے اور ان کے ساتھ کھانا کھانے کے بعد سوار ہوتے اور فرماتے بے شک اللہ تعالیٰ تکبر کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ جو آدمی اپنے آپ کو لوگوں کی رضا جوئی میں مصروف رکھتا ہے نیز یہ کہ اس کے بارے میں لوگوں کا عقیدہ صحیح ہونا چاہیئے وہ دھوکے میں ہوتا ہے کیونکہ اگر وہ اللہ تعالیٰ کو اچھی طرح پہچان لیتا تو اسے معلوم ہوتا کہ مخلوق (ذاتی طور پر) اسے کوئی نفع نہیں پہنچا سکتی اس کا نفع اور نقصان اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے اور اس ذات کے سوا (حقیقی طور پر) کوئی بھی نفع دینے والا یا نقصان پہنچانے والا نہیں ہے اور جو شخص اللہ تعالیٰ کو ناراض کر کے لوگوں کی رضا اور محبت چاہتا ہے اس پر اللہ تعالیٰ خود بھی ناراض ہوتا ہے اور لوگوں کو بھی اس پر ناراض کر دیتا ہے بلکہ لوگوں کی رضامندی تو حاصل ہو ہی نہیں سکتی لہٰذا بہتر یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل کی جائے۔

اسی لیے حضرت امام شافعی رحمہ اللہ نے حضرت یونس بن عبد الاعلی سے فرمایا اللہ کی قسم میں تو تمہیں نصیحت کی بات کہتا ہوں کہ لوگوں سے بچنے کا کوئی راستہ نہیں لہٰذا جو کچھ اپنے بارے میں بہتر سمجھو وہ کام کرو اسی لیے کہا گیا ہے۔

"جو شخص لوگوں کا خیال رکھے گا وہ غم میں مر جائے گا اور لذت وہی پاتا ہے جو جرأت مند ہو"

حضرت سہل تستری رحمہ اللہ نے اپنے شاگردوں میں سے ایک کو دیکھا تو اسے کسی کام کا حکم دیتے ہوئے فرمایا فلاں کام کرو، اس نے عرض کیا اے استاذ! میں لوگوں کی وجہ سے یہ کام نہیں کر سکوں گا چنانچہ انہوں نے اپنے شاگردوں کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا جب تک آدمی دو باتوں میں سے ایک کے ساتھ موصوف نہ ہو وہ اس بات کی حقیقت تک نہیں پہنچ سکتا، ایک یہ کہ لوگ بندے کی نگاہ میں بے وقعت ہو جائیں تو اب وہ دنیا میں صرف اپنے خالق کو دیکھتا ہے اور یہ عقیدہ رکھتا ہے کہ کوئی شخص بھی اس کو نقصان یا نفع دینے پر قادر نہیں ہے (مطلقاً نفی نہیں مقصد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی چاہت کے بغیر ایسا نہیں ہو سکتا) اور دوسرا وہ شخص جس کا نفس اس کی نظروں سے گر جائے پھر وہ پرواہ نہیں کرتا کہ لوگ اسے کس حال میں دیکھتے ہیں۔

حضرت امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں ہر آدمی کو چاہنے والے بھی ہوتے ہیں اور اس سے نفرت کرنے والے بھی، جب یہ صورت حال ہو تو ان لوگوں کے ساتھ ہو جو اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرتے ہیں۔

حضرت حسن بصری رحمہ اللہ سے کہا گیا اے ابو سعید! کچھ لوگ آپ کی مجلس میں آتے ہیں اور ان کا مقصد آپ کے کلام کی غلطیاں تلاش کرنا اور اعتراض کر کے آپ کو تکلیف پہنچانا ہے آپ مسکرائے اور اس آدمی سے فرمایا اس بات کو معمولی سمجھو میں نے اپنے نفس کو جنت میں ٹھہرنے اور اللہ تعالیٰ کی ہمسائیگی کے لیے کہہ رکھا ہے تو میں اسی بات کی طمع کرتا ہوں میں نے اپنے نفس کو لوگوں سے سلامتی کا وعدہ نہیں کیا مجھے معلوم ہے کہ ان کا خالق، رازق، انہیں زندہ رکھنے والا اور مارنے والا بھی ان سے محفوظ نہیں۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے (بارگاہ خداوندی میں) عرض کیا اے میرے رب! لوگوں کی زبانوں کو مجھ سے روک دے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا اے موسیٰ علیہ السلام! یہ وہ بات ہے جسے میں نے اپنے لیے بھی پسند نہیں کیا تیرے لیے کیسے کردوں۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت عزیز علیہ السلام کی طرف وحی بھیجی کہ اگر آپ کو یہ بات پسند نہیں کہ میں آپ کو چبائی جانے والی گوند بنا دوں جو چبانے والوں کے منہ میں ہو تو میں آپ کو اپنے ہاں تواضع کرنے والوں میں سے نہیں لکھوں گا۔

نتیجہ یہ ہوا کہ جو آدمی اپنے آپ کو گھر میں اس لیے روکتا ہے تاکہ لوگ اس کے بارے میں اچھے خیالات رکھیں اور اچھے الفاظ کہیں تو اسے دنیا میں بھی مشقت اٹھانا پڑتی ہے اور عذاب آخرت تو بہت بڑا ہے۔

ارشاد خداوندی ہے۔

وَلَعَذَابُ الْاٰخِرَةِ اَكْبَرُ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ -(۱) اور البتہ آخرت کا عذاب بہت بڑا ہے اگر وہ جانتے۔

بنابریں، گوشہ نشینی اسی شخص کے لیے جائز ہے جو اپنے اوقات کو اللہ تعالیٰ کے ذکر و فکر اور عبادت نیز حصول علم میں گزارتا ہے اور وہ سمجھتا ہے کہ اگر میں لوگوں میں گھل مل کر رہوں گا تو میرا وقت ضائع ہو جائے گا پریشانیاں زیادہ ہوں گی اور عبادت میں خلل پیدا ہو گا۔

تو تنہائی اختیار کرنے کی یہ پوشیدہ آفات ہیں ان سے بچنا چاہیے کیونکہ یہ بظاہر نجات دہندہ معلوم ہوتی ہیں لیکن حقیقت میں مہلک ہیں۔

ساتواں فائدہ:

لوگوں کے ساتھ میل جول رکھنے سے تجربات حاصل ہوتے ہیں کیوں کہ تجربہ اسی صورت میں ہوتا ہے جب لوگوں سے ملاقات ہوتی رہے اور ان کے حالات دیکھے جائیں، جب دین و دنیا کی مصلحتوں کو سمجھنے کے لیے صرف عقل طبعی ہی کافی نہیں بلکہ تجربات اور مہارت کی ضرورت بھی ہوتی ہے۔ اور جو شخص اچھا تجربہ کار نہ ہو اس کی گوشہ نشینی میں کوئی بھلائی نہیں اگر بچہ تنہائی اختیار کرلے تو وہ ناتجربہ کار اور جاہل رہے گا بلکہ علم حاصل کرنے میں مشغول رہنا چاہیئے اس عرصہ میں اسے ضروری تجربات حاصل ہوں گے اور یہ اس کے لیے کافی ہے پھر حالات سننے سے باقی تجربات حاصل ہوں گے اور اسے لوگوں کے ساتھ میل جول کی ضرورت باقی نہیں رہے گی۔

سب سے اہم تجربہ یہ ہے کہ اپنے نفس، اخلاق اور باطنی صفات کا تجربہ کرتا رہے اور خلوت میں اس بات پر قادر نہیں ہو سکتا کیونکہ ہر تجربہ کار کو خلوت میں آسانی حاصل ہوتی ہے اور ہر وہ شخص جو غصہ کرتا ہے یا کینہ پرور یا حاسد ہے جب وہ تنہائی میں ہوتا ہے تو اس سے خباثت ظاہر نہیں ہوتی اور یہ عادات مہلک ہیں ان کو ختم کرنا ضروری ہے لیکن صرف ان کے محرکات سے دور ہونے کی بنیاد پر ان کو ختم نہیں کیا جا سکتا جو دل ان خباثتوں سے لتھڑا ہوا ہو اس کی مثال اس پھوڑے جیسی ہے جو پیپ اور کچلہو سے بھرا ہوا ہو اور اس شخص کو اس کے درد کا احساس اس وقت تک نہیں ہوتا جب تک

۱۔ قرآن مجید، سورۂ زمر آیت ۲۶

اسے حرکت نہ دے یا کوئی دوسرا اسے نہ چھوئے اب اگر اس کا ہاتھ نہ ہو جس کے ساتھ چھوئے یا آنکھ نہ ہو جس کے ساتھ اسے دیکھے اور اس کے پاس کوئی حرکت دینے والا بھی نہ ہو تو بعض اوقات وہ خیال کرتا ہے کہ وہ سلامت ہے اسے پھوڑے کا خیال تک نہیں ہوتا۔ بلکہ وہ سمجھتا ہے کہ پھوڑا نہیں ہے لیکن جب کوئی حرکت دینے والا اسے حرکت دے یا اسے حجام کا نشتر لگے تو اس سے پیپ بہنے لگتی ہے اور وہ اس طرح بہتی ہے جس طرح بند فوارے کے منہ کو کھول دیا جائے اسی طرح وہ دل جو کینے، بخل، حسد، غضب اور برے اخلاق سے ملوث ہو جب اس کو حرکت دی جائے تو اس کی خباثت پھوٹ کر باہر نکلتی ہے۔

یہی وجہ ہے کہ آخرت کے راستے پر چلنے والے لوگ جو اپنے دلوں کو پاک کرنا چاہتے تھے وہ اپنے نفسوں کا تجربہ کرتے رہتے تھے۔ ان میں سے جو اپنے دل میں تکبر کی بو پاتا تو اسے مٹانے کی کوشش کرتا حتیٰ کہ ان میں سے بعض، لوگوں کے سامنے پانی کا مشکیزہ اپنی پیٹھ پر اٹھاتے یا وہ لکڑیوں کا گٹھا اٹھا کر بازاروں میں آتے جاتے تاکہ اس طرح اپنے نفس کا تجربہ کریں کیوں کہ نفس کی خرابیاں اور شیطان کی مکاریاں پوشیدہ ہیں بہت کم لوگوں کو ان کی سمجھ آتی ہے، اسی لیے ان میں سے بعض کے بارے میں منقول ہے کہ انہوں نے فرمایا میں نے اپنی تیس سال کی نمازوں کو لوٹایا ہے۔

حالانکہ میں پہلی صف میں نماز پڑھتا تھا لیکن ایک دن کسی عذر کی وجہ سے مجھے تاخیر ہو گئی اور مجھے پہلی صف میں جگہ نہ ملی اور میں دوسری صف میں کھڑا ہو گیا تو میں نے محسوس کیا کہ لوگوں کے میری طرف دیکھنے سے مجھے شرمندگی محسوس ہو رہی ہے اور مجھ سے پہلی صف چھوٹ گئی تھی تو میں نے خیال کیا کہ میں نے جتنی نمازیں پڑھی ہیں ان میں ریاکاری شامل تھی۔ اور ان میں اس بات کی لذت حاصل تھی کہ لوگ مجھے دیکھ رہے ہیں اور یہ کہ وہ مجھے نیکی میں سبقت کرنے والوں میں سے سمجھیں۔ تو لوگوں کے ساتھ مل جل رہنے کا ظاہر میں ایک بہت بڑا فائدہ ہے وہ یہ کہ اس طرح خباثتوں کو باہر نکالا جاتا ہے اور وہ ظاہر ہو جاتی ہیں۔ اسی لیے کہا گیا ہے کہ سفر اخلاق کو ظاہر کرتا ہے کیونکہ یہ ایک قسم کا دائمی میل جول ہے۔

ان معانی کی خرابیاں اور باریکیاں عنقریب ہلاک کرنے والے امور کے بیان میں مذکور ہوں گی۔ کیونکہ ان کا علم نہ ہو تو بہت سے اعمال ضائع ہو جاتے ہیں۔ اور ان باتوں کا علم ہو تو تھوڑا عمل بھی پاک ہوتا ہے اگر یہ بات نہ ہوتی تو عمل پہ علم کو فضیلت حاصل نہ ہوتی کیونکہ ایسا نہیں ہو سکتا کہ نماز کا علم ہو اور اس کا مقصد بھی نماز ہی ہو اور وہ نماز سے افضل ہو کیونکہ ہم جانتے ہیں کہ جس چیز کا کسی دوسری چیز کے لیے ارادہ کیا جائے تو وہ دوسری چیز اس سے افضل ہوتی ہے اور شریعت نے عالم کو عابد سے افضل قرار دیا ہے حتیٰ کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

فَضْلُ الْعَالِمِ عَلَى الْعَابِدِ كَفَضْلِي عَلَى أَدْنٰى رَجُلٍ مِنْ أَصْحَابِي (۱)

عالم کی عابد پر فضیلت اس طرح ہے جس طرح مجھے ایک ادنیٰ صحابی پر فضیلت حاصل ہے۔

---

(۱) جامع ترمذی جلد دوم ارد و ص ۲۹۴ باب فضل الفقہ علی العبادۃ (کچھ الفاظ کے تغیر کے ساتھ)

تو علم کی فضیلت کی تین وجوہ ہیں ایک وہی بات جو ہم نے ذکر کردی ہے (کہ اس کے ذریعے تھوڑا سا علم بھی صاف شفاف ہو جاتا ہے) اور دوسری یہ کہ اس کا فائدہ عام ہوتا ہے کیونکہ اس کا فائدہ دوسروں کو بھی پہنچتا ہے جب کہ عمل کا فائدہ
فائدہ آگے نہیں بڑھتا اور تیسری بات یہ کہ اس سے اللہ تعالیٰ
کی ذات و صفات اور افعال کا علم مراد لیا جائے تو یہ تمام اعمال سے افضل ہے بلکہ اعمال کا مقصود، دلوں کو مخلوق سے خالق کی طرف پھیرنا ہے تاکہ اس کی طرف رجوع کے بعد اس کی معرفت اور محبت کے لیے ابھرے تو اس علم سے عمل اور عمل کا علم مراد ہے اور آخرت کا ارادہ کرنے والوں کا منتہائے مقصود یہی علم ہے اور عمل گویا اس کے لیے شرط ہے اور اسی کی طرف اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد گرامی میں اشارہ ہے۔

اِلَیْهِ یَصْعَدُ الْکَلِمُ الطَّیِّبُ وَالْعَمَلُ الصَّالِحُ یَرْفَعُهُ (۱)

اچھے کلمات اسی (اللہ تعالیٰ) کی طرف جاتے ہیں اور وہ اچھے اعمال کو (اپنی طرف) اٹھا لیتا ہے۔

تو طیب کلام سے مراد یہی علم ہے اور عمل بوجھ اٹھانے والے کی طرح ہے کہ اسے اٹھا کر منزل تک لے جاتا ہے تو جسے اٹھایا گیا وہ اٹھانے والے سے افضل ہے یہ گفتگو جملہ معترضہ کے طور پر یہاں آ گئی اس بحث کے ساتھ اس کی مناسبت نہیں لہٰذا ہم اسے چھوڑ کر مقصود کی طرف لوٹتے ہیں اور کہتے ہیں جب تمہیں گوشہ نشینی کے فوائد اور آفات کا علم ہو گیا تو یہ بات ثابت ہو گئی کہ اسے مطلقاً افضل قرار دینا یا افضلیت کی نفی کرنا غلطی ہے بلکہ مناسب یہ ہے کہ ہر شخص اور اس کی حالت کو دیکھا جائے نیز اس کے ہمنشین اور اس کی حالت کی طرف نظر دوڑائی جائے نیز یہ بھی دیکھا جائے کہ اس کے ساتھ میل جول کا باعث کیا ہے اور کیا اس کے ساتھ میل جول کی وجہ سے ان مذکورہ بالا فوائد سے محرومی تو نہیں ہو جائے گی۔ پھر جو کچھ حاصل ہو رہا ہے اس کا اس سے موازنہ کیا جائے جو فوت ہو رہا ہے اس وقت حق واضح ہو جائے گا اور افضل کی وضاحت بھی ہو جائے گی اس سلسلے میں حضرت امام شافعی رحمہ اللہ کی تقریر قول فیصل ہے آپ نے فرمایا "اے یونس! لوگوں سے تنگ تنگ رہنا دشمنی کا باعث ہے اور ان کے ساتھ ہنسی خوشی رہنا برے دوستوں کو پیدا کرتا ہے لہٰذا تمہیں ان سے کھچے کھچے رہنے اور ان کے ساتھ نہایت ہنسی خوشی رہنے کے درمیان رہنا چاہیے" اسی لیے میل جول اور گوشہ نشینی میں اعتدال ضروری ہے اور اس کا مختلف ہونا حالات کے اختلاف کی بنیاد پر ہوتا ہے اور جب فوائد اور آفات کو سامنے رکھا جائے تو افضل صورت واضح ہو جاتی ہے۔ یہی صریح حق ہے اس کے علاوہ جو کچھ ذکر کیا گیا ہے وہ ناقص ہے وہ ہر ایک کی خاص حالت سے متعلق خبر ہے اور جس آدمی کی یہ حالت نہ ہو اس پر یہ حکم نہیں لگایا جا سکتا۔

علم ظاہر میں عالم اور صوفی کے درمیان بھی یہی فرق ہے کیونکہ صوفی اپنی حالت کے بارے میں بات کرتا ہے لہٰذا سوالات

---

(۱) قرآن مجید، سورۂ فاطر آیت ۹

کے جوابات مختلف ہوتے ہیں جب کہ عالم، حق کو اس کی حقیقت کے مطابق پاتا ہے اپنے آپ کو نہیں دیکھتا اس لیے وہ جو کچھ کہتا ہے وہ حق ہوتا ہے اور اس میں اختلاف نہیں ہوتا کیونکہ حق ہمیشہ ایک ہوتا ہے کہ حق سے قاصر باتیں بے شمار ہیں اسی لیے جب صوفیا سے فقر کے بارے میں پوچھا گیا تو ان میں سے ہر ایک نے دوسرے کے خلاف جواب دیا اور ہر جواب اس شخص کی حالت کے اعتبار سے حق ہے لیکن فی نفسہٖ حق نہیں ہے کیونکہ حق تو ہمیشہ ایک ہی ہوتا ہے۔ اسی لیے حضرت ابو عبداللہ الجلاء رحمہ اللہ سے جب فقر کے بارے میں پوچھا گیا تو انہوں نے اپنی دونوں آستینوں کو دیوار پہ مارتے ہوئے کہو میرا رب اللہ تعالیٰ ہے تو یہی فقر ہے، حضرت جنید بغدادی رحمہ اللہ نے فرمایا فقیر وہ ہے جو نہ تو کسی سے مانگے اور نہ کسی کو روکے اور اگر کوئی شخص اس سے مزاحمت کرے تو وہ خاموش رہے۔

حضرت سہل بن عبداللہ رحمہ اللہ نے فرمایا فقیر وہ ہے جو نہ مانگتا ہے اور نہ ہی مال جمع کرتا ہے۔

ایک دوسرے بزرگ نے فرمایا فقر یہ ہے کہ تمہارے پاس کچھ نہ ہو اور اگر ہو تو وہ تمہارا نہ ہو کیونکہ وہ مال تمہارا نہ تھا۔

حضرت ابراہیم خواص رحمہ اللہ نے فرمایا شکایت نہ کرنا اور سختی کے اثرات کا ظاہر ہونا فقر ہے۔

مقصد یہ ہے کہ اگر ان میں سے سو آدمیوں سے بھی پوچھا جائے تو سو مختلف جوابات سننے پڑیں گے بہت کم دو آدمی متفق ہوں گے اور یہ تمام جوابات کسی نہ کسی صورت میں حق ہیں کیونکہ ہر ایک نے اپنی حالت اور جو کچھ اس کے دل پہ غالب ہے اس کی خبر دی ہے یہی وجہ ہے کہ ان میں سے دو آدمی بھی ایسے نہیں دیکھو گے جو اپنے ساتھی کو تصوف پر ثابت قدم سمجھیں۔ یا اس کی تعریف کریں بلکہ ان میں سے ہر ایک یہی دعویٰ کرتا ہے کہ وہ حق تک پہنچا ہوا ہے اور اس سے واقف ہے کیونکہ ان کا تردد ان حالات کے تقاضے کے مطابق ہے جو ان کے دلوں کو پیش آتے ہیں۔ پس وہ صرف اپنے دلوں کے ساتھ مشغول ہوتے ہیں دوسروں کی طرف نہیں دیکھتے اور جب علم کا نور چمکتا ہے تو وہ ان سب باتوں کا احاطہ کر لیتا ہے پردہ اٹھ جاتا ہے اور اختلاف ختم ہو جاتا ہے۔

ان کے اختلاف کی مثل اس طرح ہے جس طرح ہم نے دیکھا کہ زوال کے وقت سایہ اصلی کے سلسلے میں اختلاف کیا جاتا ہے بعض کہتے ہیں کہ گرمیوں میں دو قدم ہوتا ہے جب کہ کسی دوسرے سے یوں منقول ہے کہ نصف قدم ہے ایک اور طبقہ اس پر اعتراض کرتا ہے اور کہتا ہے کہ یہ سردیوں میں سات قدم ہے کسی اور سے پانچ قدم منقول ہے اس پر بھی کسی نے اعتراض کیا تو یہ صوفیا کے جوابات کی طرح اختلاف پر مبنی ہے کیونکہ ہر ایک نے اس سائے کے مطابق جواب دیا جو اس نے اپنے شہر میں خود دیکھا لہٰذا اس کی بات سچی ہے لیکن اسی نے دوسرے کی بات کو غلط قرار دینے میں غلطی کی ہے کیونکہ اس نے سمجھا کہ تمام عالم اس کا شہر یا اس کے شہر کی مثل ہے جیسے صوفی اپنے حالِ نفس کے مطابق عالم پر حکم لگاتا ہے لیکن جو شخص زوال کا علم رکھتا ہے وہ سائے کے بڑھنے اور گھٹنے کی علت کو جانتا ہے اور اسے یہ بھی پتہ ہوتا ہے کہ مختلف شہروں میں اس کے اختلاف کی کیا وجہ ہے لہٰذا وہ مختلف شہروں میں اس کے مختلف احکام کے بارے میں بتاتا ہے اور کہتا ہے کہ بعض شہروں میں سایہ باقی نہیں رہتا اور بعض شہروں میں لمبا ہوتا ہے جب کہ کچھ شہروں میں کم ہوتا ہے۔

تو گوشہ نشینی اور اختلاط کی فضیلت کے سلسلے میں یہی کچھ ہم بتانا چاہتے تھے۔

گوشہ نشینی کے آداب

اگر تم کہو کہ جن لوگوں نے گوشہ نشینی کو ترجیح دی اور اسے انسان کے لیے افضل اور باعث سلامتی قرار دیا تو ان کے لیے گوشہ نشینی کے آداب کیا ہیں؟

تو ہم کہتے ہیں میل جول کے آداب بہت زیادہ ہیں اور ہم نے آداب صحبت کے بیان میں ان کو ذکر کر دیا ہے۔

لیکن گوشہ نشینی کے آداب کو ہم طول نہیں دینا چاہتے بلکہ مختصر طور پر بیان کریں گے۔

گوشہ نشین کو چاہیے کہ وہ سب سے پہلے اپنے نفس کو لوگوں کے شر سے بچانے کی نیت کرے پھر شر پسند لوگوں کے شر سے سلامتی طلب کرے پھر یہ خیال کرے کہ اس طرح وہ مسلمانوں کے حقوق کی ادائیگی میں کوتاہی کی آفت سے بچ جائے گا علاوہ ازیں اس کی نیت یہ ہو کہ وہ اپنی ہمت کو اللہ تعالیٰ کی عبادت کے لیے خاص کرنا چاہتا ہے تو یہ اس کی نیت کے آداب ہیں۔

اس کے بعد خلوت میں علم و عمل اور ذکر و فکر پر دوام اختیار کرے تاکہ تنہائی کا پھل حاصل کرے اور لوگوں کو اپنے پاس آنے سے روک دے تاکہ اس کا زیادہ وقت خراب نہ ہو نیز ان کے حالات کے بارے میں پوچھ گچھ بھی نہ کرے اور نہ شہر میں ہونے والی بیہودہ باتوں پر کان دھرے اور نہ لوگوں کی مشغولیت کی طرف توجہ کرے کیونکہ یہ سب باتیں دل میں جاگزیں ہو جاتی ہیں حتیٰ کہ نماز اور ذکر و فکر کے وقت بھی یہ باتیں اس طرح سامنے آتی ہیں کہ انسان کو خبر بھی نہیں ہوتی کانوں میں خبروں کا آنا اس طرح ہے جس طرح زمین میں بیج ڈالا جاتا ہے کہ وہ لازماً اُگتا ہے اور اس کی شاخیں اور ٹہنیاں بنتی ہیں اسی طرح خبریں بھی ایک دوسری سے پیدا ہوتی ہیں گوشہ نشینی اختیار کرنے والے شخص کی مہمات میں سے ایک اہم بات ایسے وسوسوں کو ختم کرنا ہے جو اللہ تعالیٰ کے ذکر سے روکتے ہیں اور خبریں، وسوسوں کے منبع اور بنیادیں ہیں۔

نیز وہ کم کھانے پر راضی ہو ورنہ زیادہ رزق کے لیے لوگوں کا محتاج ہوگا اور ان سے ساتھ میل جول رکھنا ضروری ہوگا بلکہ اسے پڑوسی سے پہنچنے والی تکلیف پر صبر کرنا چاہیے اور گوشہ نشینی کی وجہ سے جو اس کی تعریف کی جاتی ہے اس پہ کان نہیں دھرنا چاہیئے اسی طرح میل جول ترک کرنے کی وجہ سے اسے جو بُرا بھلا کہا جاتا ہے اس کی پرواہ بھی نہیں کرنی چاہیئے کیونکہ یہ باتیں دل پر اثر انداز ہوتی ہیں اگرچہ تھوڑی مدت کے لئے ہو۔

جب دل آخرت کے امور میں مشغول ہو تو اسے آخرت کے راستے پر چلنے کے بارے میں واقفیت بھی ہونی چاہیئے کیونکہ یہ سیر دیا تو حضورِ قلبی کے ساتھ ہمیشہ ذکر کرنے کے ذریعے ہوتی ہے یا اللہ تعالیٰ کے جلال، اس کی صفات اور افعال نیز اس کی زمینی اور آسمانی بادشاہی میں غور و فکر سے ہوتی ہے یا اعمال کی گہرائیوں اور دل کو خراب کرنے والے امور میں سوچ بچار کرنے اور ان سے بچنے کے طریقوں کی تلاش کے ذریعے یہ سیر حاصل ہوتی ہے اور یہ تمام باتیں فراغت کو چاہتی ہیں۔ اور ان امور کی طرف توجہ اسی وقت دل کو پریشان کر دیتی ہیں اور بعض اوقات ان باتوں کا یاد آنا دوام ذکر میں مخل ہوتا ہے گوشہ نشین کی بیوی یا ساتھی بھی نیک ہونا چاہیے تاکہ مسلسل محنت کی تھکاوٹ سے ایک گھنٹہ اس کے ذریعے راحت اور خوشی حاصل کرے اور اس

دن رات کی باقی گھڑیوں پر مدد حاصل کرے۔

اس شخص کو تنہائی میں صبر کی تکمیل تب حاصل ہوگی جب وہ دنیا اور ان تمام چیزوں سے طمع ختم کر دے جن میں لوگوں مصروف ہیں اور طمع تب ختم ہوگی جب امید کم ہوگی یعنی وہ جانتا ہو کہ وہ طویل عمر پر قادر نہیں ہے بلکہ وہ صبح اس حالت میں کرتا ہے کہ شام نہیں کرے گا اور شام اس طرح کرتا ہے کہ صبح نہیں کرے گا اس طرح اس پر اس دن صبر کرنا آسان ہوگا اور اگر یہ سوچے کہ اس کی موت تاخیر سے آئے گی تو بیس سال صبر کرنے کا عزم بھی نہیں کر سکتا، جب تنہائی سے تنگ پڑ جائے تو موت اور قبر کی تنہائی کو زیادہ یاد کرے اور اس بات کو پلے باندھ لے کہ جس شخص کے دل میں اللہ تعالیٰ کا ذکر اور اس کی معرفت نہیں وہ اس کے ساتھ اُنس حاصل نہیں کر سکتا اور نہ ہی اسے موت کے بعد تنہائی برداشت کرنے کی طاقت ہوتی ہے اور جو آدمی اللہ تعالیٰ کے ذکر اور اس کی معرفت سے اُنس حاصل کرتا ہے تو موت اُس کے اُنس کو زائل نہیں کر سکتی کیونکہ موت، اُنس اور معرفت کے محل کو ختم نہیں کر سکتی بلکہ وہ اپنے اُنس اور معرفت کے ذریعے ہمیشہ زندہ رہتا ہے اور اللہ تعالیٰ کے فضل اور رحمت پر خوش ہوتا ہے۔ جیسا ارشاد خداوندی ہے۔

وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ قُتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتًا بَلْ اَحْيَاءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُوْنَ فَرِحِيْنَ بِمَا اٰتٰهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ (۱)

اور جو لوگ اللہ تعالیٰ کے راستے میں شہید ہو جائیں انہیں مردہ خیال نہ کرو بلکہ وہ زندہ ہیں اپنے رب کے ہاں رزق پاتے ہیں اور اللہ تعالیٰ ان کو جو اپنا فضل عطا فرماتا ہے اس پر خوش ہوتے ہیں۔

اور ہر وہ شخص جو اللہ تعالیٰ کے لیے تنہائی کرتا ہے وہ اپنے نفس سے جہاد کرتا ہے (۲) اسے اگر یوں موت آجائے کہ وہ آگے بڑھتا ہے پیٹھ نہیں پھیرتا تو وہ شہید ہے کیونکہ (اصل) مجاہد وہ ہے جو اپنے نفس اور اس کی خواہش سے لڑتا ہے جس طرح نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے وضاحت سے ذکر کیا ہے اور جہاد اکبر، نفس کے ساتھ جہاد ہے جیسے بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے فرمایا کہ "ہم چھوٹے جہاد سے بڑے جہاد کی طرف لوٹتے ہیں ان کی مراد نفس سے جہاد کرنا تھا"۔

الحمد للہ! گوشہ نشینی کا باب ختم ہوا اب اس کے بعد آداب سفر کا بیان ہوگا۔

---

(۱) قرآن مجید، سورۂ آل عمران آیت ۱۶۹، ۱۷۰

(۲) مسند امام احمد بن حنبل جلد ۶ ص ۲۲ مرویات فضالہ بن عبید

آدابِ سفر

تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں جس نے اپنے دوستوں کی قلبی بصیرتوں کو حکمتوں اور عبرتوں کے ساتھ مضبوط کیا (کھول دیا) اور ان کی ہمتوں اور ارادوں کو سفر و حضر میں اپنی صنعت کے عجائبات کے مشاہدہ کے لیے خالص کر دیا چنانچہ وہ تقدیر کے راستوں پر راضی ہو گئے وہ اپنے دلوں کو ظاہری چمک دمک سے پھیرتے ہیں البتہ یہ کہ وہ نظروں میں آنے والے مظاہر قدرت اور فکری امور میں غور و فکر کریں۔ اب ان کے نزدیک خشکی اور سمندر، نرم اور تنگ زمین، دیہات اور شہر برابر ہیں۔

رحمتِ کاملہ حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر ہو جو انسانوں کے سردار ہیں نیز آپ کے آل و اصحاب پر جو اخلاق اور سیرتوں میں آپ کے موافق ہیں اور بہت زیادہ سلام ہو۔

حمد و صلوٰۃ کے بعد۔ سفر ان باتوں سے چھوٹنے کا وسیلہ ہے جن سے بھاگنا ضروری ہے نیز جو امور مطلوب و مرغوب ہیں ان تک پہنچنے کا ذریعہ ہے۔ اور سفر دو قسم کے ہوتے ہیں ایک ظاہری بدن کے ساتھ اپنے وطن سے صحراؤں اور جنگلوں کا سفر کرنا اور دوسرا سفر دل کے ساتھ سب سے نچلے درجہ سے آسمانوں کی بادشاہی کی طرف سفر کرنا ہے ان میں سے افضل سفر، باطن کا سفر ہے کیونکہ جو شخص اپنی اس حالت پر ٹھہرا رہتا ہے جس پر وہ پیدا ہوا اور جو کچھ اپنے آباء و اجداد کی تقلید سے سیکھا تو وہ درجۂ قصور کو اختیار کیے ہوئے ہے اور ناقص مرتبہ پر قناعت کرتا ہے۔

نیز وہ وسیع جنت جس کی چوڑائی میں تمام زمین و آسمان آتے ہیں، کے مقابلے میں قید خانے کی تاریکی اور تنگی کو اختیار کرتا ہے کسی شاعر نے سچ کہا ہے۔

"میں نے لوگوں کے عیبوں میں کوئی عیب اس عیب کی طرح نہیں دیکھا کہ آدمی تکمیل پر قادر ہونے کے باوجود نقصان اور کمی پر راضی رہے لیکن سفر کرنے والے کو سخت مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے اور وہ کسی راہنما اور رفیق سے بے نیاز نہیں ہو سکتا۔ اب جب کہ راستہ نامعلوم ہے، راہنما و رفیق معدوم ہیں اور آخرت کے راستے پر چلنے والے زیادہ مال سے بچتے ہوئے تھوڑے مال پر قناعت کرتے ہیں تو اب راستے مٹ گئے، دوست نہ رہے اور نفس، آفاق اور ملکوت کی سیر گاہوں میں سیر کرنے والا کوئی نہ رہا اللہ تعالیٰ اسی راستے پر بلاتا ہے ارشاد خداوندی ہے۔

سَنُرِيهِمْ آيَاتِنَا فِي الْآفَاقِ وَفِي أَنْفُسِهِمْ

عنقریب ہم انہیں آفاق میں اور خود ان کے نفسوں میں نشانیاں دکھائیں گے۔

---

(۱) قرآن مجید، سورۂ فصلت آیت ۵۳

اور ارشادِ خداوندی ہے۔

وَفِي الْأَرْضِ آيَاتٌ لِلْمُوقِنِينَ وَفِي أَنْفُسِكُمْ أَفَلَا تُبْصِرُونَ۔ (۱)

اور زمین میں یقین رکھنے والی قوم کے لیے نشانیاں ہیں اور خود تمہارے نفسوں میں بھی، کیا تم دیکھتے نہیں۔

اور سفر سے کنارہ کشی اختیار کرنے کو اللہ تعالیٰ پسند نہیں فرماتا۔

ارشاد خداوندی ہے۔

وَإِنَّكُمْ لَتَمُرُّونَ عَلَيْهِمْ مُصْبِحِينَ وَبِاللَّيْلِ أَفَلَا تَعْقِلُونَ۔ (۲)

اور تم صبح و شام ان کے پاس سے گزرتے ہو تو کیا عقل نہیں رکھتے۔

اور ارشاد فرمایا:

وَكَأَيِّنْ مِنْ آيَةٍ فِي السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ يَمُرُّونَ عَلَيْهَا وَهُمْ عَنْهَا مُعْرِضُونَ۔ (۳)

اور زمین و آسمان میں کتنی ہی آیات ہیں جن سے وہ گزرتے ہیں لیکن وہ ان سے منہ پھیرتے ہیں۔

تو جس آدمی کے لیے یہ سفر آسان ہو جائے وہ ہمیشہ جنت کی نعمتوں سے لطف اندوز ہوتا ہے جس (جنت) کی چوڑائی تمام آسمانوں اور زمین کے برابر ہے حالانکہ وہ بدن کے ساتھ اپنے وطن میں ٹھہرا رہتا ہے۔

یہ وہ سفر ہے جس میں گھاٹیوں اور چشموں پر تنگی کا خطرہ نہیں ہوتا اور نہ ہی بھیڑ سے کوئی نقصان پہنچتا ہے بلکہ جتنے مسافر زیادہ ہوں اسی قدر غنیمتیں بڑھتی ہیں اور اس کے فوائد و ثمرات زیادہ ہوتے ہیں اس کی غنیمت دائمی اور غیر ممنوعہ ہے اور اس کے پھل بڑھتے ہیں کاٹے نہیں جاتے البتہ جب کسی مسافر پر سفر میں سستی طاری ہو جائے اور اس کی حرکت میں وقفہ ہو جائے تو اللہ تعالیٰ کسی قوم کی حالت کو نہیں بدلتا جب تک وہ خود اپنی حالت کو نہ بدلیں اور جب وہ پھر جاتے ہیں تو اللہ تعالیٰ ان کے دلوں کو پھیر دیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ بندوں پر ظلم نہیں کرتا بلکہ وہ خود نفسوں پر ظلم کرتے ہیں۔

اور جو آدمی اس میدان میں اترنے کے لیے تیار نہ ہو اور اس باغ میں سیر و تفریح کے لیے آمادہ نہ ہو تو بعض اوقات وہ ظاہری بدن کے ساتھ ایک طویل مدت چند میل تک سفر کرتا ہے اور دینوی مال یا اُخروی فائدے کی تجارت کرتا ہے، تو اگر اس کا مقصود علم اور دین حاصل کرنا ہے یا دین پر مدد کے لیے ایسا کرتا ہے تو وہ آخرت کے راستے پر چلنے والوں میں سے ہے۔

---

(۱) قرآن مجید سورۃ الذاریات آیت ۲۰، ۲۱

(۲) قرآن مجید، سورۃ الصافات آیت ۱۳۷

(۳) قرآن مجید، سورۃ یوسف آیت ۱۰۵

سفر میں کچھ شرائط اور آداب ہیں اگر ان کو چھوڑ دیا تو دنیا داروں میں سے اور شیطان کی اتباع کرنے والوں میں سے ہوگا اور اگر ان کی پابندی کی تو اس کا سفر ان فوائد سے خالی نہیں ہو گا جو آخرت کے لیے عمل کرنے والوں کو ملتے ہیں ہم سفر کے آداب اور شرائط کو دو بابوں میں ذکر کریں گے ان شاء اللہ تعالیٰ ۔

پہلا باب :۔ سفر شروع کرنے سے واپسی تک کے آداب اور سفر کی نیت اور اس کے فائدے کی بارے میں ہے اور اس میں دو فصلیں ہیں ۔

دوسرا باب :۔ ان باتوں کے بارے میں ہے جو مسافر کے لئے ضروری ہیں کہ سفر میں جن باتوں کی رخصت ہے انہیں سیکھے نیز قبلے کا رُخ معلوم کرنا اور اوقات کا علم ہونا ۔

پہلا باب

سفر شروع کرنے سے واپسی تک کے آداب، سفر کی نیت اور فائدہ اس میں دو فصلیں ہیں۔

پہلی فصل :

سفر کے فوائد، فضیلت اور نیّت

معلوم ہونا چاہیئے کہ سفر ایک قسم کی حرکت اور میل جول کا نام ہے اس کے فوائد بھی ہیں اور نقصانات بھی جیسا کہ ہم نے محبت اور گوشہ نشینی کے بیان میں ذکر کیا ہے اور سفر پر مجبور کرنے والے فوائد یا تو کسی چیز سے گریز کرنے پر مشتمل ہوتے ہیں یا کسی چیز کی طلب پر یعنی مسافر یا تو اس لیے سفر کرتا ہے کہ کوئی چیز اسے زبردستی اپنے مقام سے نکالتی ہے اور اگر وہ بات نہ ہوتی تو جدھر وہ سفر کر رہا ادھر اس کا کوئی مقصد نہ تھا یا اُس طرف اس کا کوئی مقصد اور مطلب ہوگا۔

اب جس چیز سے وہ بھاگ رہا ہے یا تو اس کی تاثیر دنیوی اعتبار سے ہے جیسے کسی شہر میں طاعون یا کوئی دوسری وبا پھیل جائے یا کسی فتنے یا جھگڑے یا مہنگائی کے خوف سے سفر کر رہا ہے پھر یہ اسباب یا تو عام ہوں گے جیسا کہ ہم نے ذکر کیا یا خاص ہوں گے کہ شہر میں صرف اسی شخص کو اذیت پہنچانا مقصود ہے تو یہ آدمی یہاں سے بھاگ رہا ہے یا ان امور کا اثر دینی اعتبار سے ہوگا مثلاً وہ اپنے شہر میں کسی منصب اور مال میں مبتلا ہو گیا اور مالی اسباب پھیل گئے جو اسے اللہ تعالیٰ کے لیے گوشہ نشینی سے روکتے ہیں۔ تو اب اسے چاہیے کہ دوسری جگہ چلے جانے کو ترجیح دے اور مال کی وسعت اور جاہ و مرتبہ سے پرہیز کرے یا کسی شخص کو جبراً بدعت کی طرف بلایا جاتا ہے یا کوئی ایسا عہدہ سونپا جا رہا ہے جیسے اختیار کرنا اس کے لیے جائز نہیں تو اس لیے وہ وہاں سے بھاگ جاتا ہے۔

جہاں تک سفر کی دوسری وجہ کا تعلق ہے کہ جدھر وہ جا رہا ہے وہاں اس کا کوئی مقصد اور مطلب ہو تو یہ مطلب بھی دو قسم کا ہوگا یا دنیوی ہوگا۔ جیسے کوئی عہدہ اور مال حاصل کرنا یا دینی مقصد ہوگا پھر دینی مقصد علم ہوگا یا عمل، اگر علم ہو تو وہ علوم دینیہ میں سے ہوگا یا ایسا علم جو اس کی تربیت نفس اور صفات سے متعلق ہوگا جو تجربات سے حاصل ہوتا ہے یا اللہ تعالیٰ کی نشانیوں اور عجائبات کا علم ہوگا جیسے ذوالقرنین نے تمام زمین کے گرد چکر لگایا۔

اور اگر عمل ہے تو وہ عبادت ہے یا ملاقات و زیارت اگر عبادت ہے تو وہ حج ہوگا یا عمرہ یا جہاد نیز ملاقاتِ بھی ثواب کا باعث اور عبادت ہے کیونکہ بعض اوقات اس سے مقاماتِ مقدسہ کا ارادہ کیا جاتا ہے جیسے مکہ مکرمہ، مدینہ طیبہ، بیت المقدس

اور اسلامی سرحدیں کیوں کہ وہاں نگرانی کرنا عبادت ہے۔ اور بعض اوقات اولیاء کرام اور علماء دین کی زیارت مقصود ہوتی ہے اگر وہ انتقال کر چکے ہیں تو ان کی قبروں کی زیارت کی جاتی ہے اور اگر وہ زندہ ہوں (ظاہری زندگی مراد ہے ورنہ یہ لوگ فوت ہو کر بھی زندہ ہوتے ہیں) تو ان کو دیکھ کر برکت حاصل کی جاتی ہے اور ان کے حالات کو دیکھ کر ان کی اقتداء میں رغبت پیدا ہوتی ہے۔ تو یہ سفر کی اقسام ہیں۔ ان کی آگے پھر کئی اقسام نکلتی ہیں۔

پہلی قسم:

طلب علم کے لیے سفر کرنا ـــــ یا تو یہ سفر واجب ہوگا یا محض نفل، اور اس کی بنیاد اس علم کا واجب یا نفل ہونا ہے کیوں کہ جس علم کے لیے سفر کیا جا رہا ہے وہ ہمارے دینی امور سے متعلق ہوگا یا ذاتی اخلاق کی درستگی یا زمین میں اللہ تعالیٰ کی نشانیوں سے اس کا تعلق ہوگا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

مَنْ خَرَجَ مِنْ بَيْتِهِ فِي طَلَبِ الْعِلْمِ فَهُوَ فِي سَبِيلِ اللهِ حَتّٰى يَرْجِعَ۔ (۱)

جو شخص اپنے گھر سے علم کی تلاش میں نکلتا ہے وہ واپسی تک اللہ تعالیٰ کے راستے میں مجاہد ہوتا ہے۔

ایک دوسری روایت میں ہے آپ نے فرمایا:

مَنْ سَلَكَ طَرِيقًا يَلْتَمِسُ فِيهِ عِلْمًا سَهَّلَ اللهُ لَهُ طَرِيقًا إِلَى الْجَنَّةِ۔ (۲)

جو شخص طلب علم میں کسی راستے پر چلتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے لیے جنت کا راستہ آسان کر دیتا ہے

حضرت سعید بن مسیب رضی اللہ عنہ ایک حدیث شریف کی طلب میں کئی کئی دنوں کا سفر کرتے تھے۔

حضرت امام شعبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں اگر کوئی شخص شام سے یمن کے دوسرے کنارے تک ایک ایسی بات کی طلب میں جائے جو اس کی راہنمائی کرتی ہو یا اسے ہلاکت سے بچائے تو اس آدمی کا سفر ضائع نہیں ہوتا۔

حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ نے دس صحابہ کرام کے ساتھ مدینہ طیبہ سے مصر کی طرف سفر کیا تو وہ ایک مہینہ تک ایک حدیث کے لیے چلتے رہے جس کے بارے میں انہیں معلوم ہوا تھا کہ وہ حضرت عبد اللہ بن اُنیس رضی اللہ عنہ کے پاس ہے اور وہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں چنانچہ انہوں نے جا کر وہ حدیث سنی (۳)

صحابہ کرام کے زمانے سے آج تک جن لوگوں نے بھی علم حاصل کیا انہوں نے اس کے لیے سفر کیا اور سفر کے بغیر حاصل نہیں کیا۔

---

(۱) الترغیب والترہیب جلد اول ص ۱۰۵ کتاب العلم

(۲) مسند امام احمد بن حنبل جلد ص ۱۹۶ مرویات ابو درداء

(۳) صحیح بخاری جلد اول ص ۱۷ کتاب العلم

جہاں تک نفس و اخلاق کے علم کا تعلق ہے تو یہ بھی اہم ہے کیونکہ آخرت کے راستے پہ چلنے کے لیے اپنے اخلاق کو عمدہ بنانا ضروری ہے اور جو آدمی اپنے باطنی اسرار اور خبیث عادات پہ مطلع نہ ہو وہ اپنے دل کو ان باتوں سے پاک کرنے پہ قادر نہیں ہوتا۔ اور حقیقی سفر تو وہی ہے جس سے لوگوں کے اخلاق ظاہر ہوں اسی لیے جب ایک شخص نے کسی گواہ کی صفائی پیش کی تو حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے فرمایا کیا تم نے اس کے ساتھ کبھی سفر کیا ہے جس کے ذریعے تمہیں اس کے مکارم اخلاق کا پتہ چلتا؟ اس نے عرض کیا نہیں آپ نے فرمایا میرے خیال میں تم اسے نہیں جانتے۔ اور حضرت بشر رضی اللہ عنہ فرماتے تھے۔ اے قاریوں کے گروہ! (علما بھی مراد ہیں) سفر کرو پاک ہو جاؤ گے کیونکہ پانی چلنے سے پاک ہوتا ہے اور جب ایک جگہ ٹھہر رہے تو خراب ہو جاتا ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ جب تک آدمی وطن میں رہتا ہے اس کا نفس ان عادات سے مانوس رہتا ہے جو اس کی طبیعت کے موافق ہیں اور جب سفر کی مشکلات برداشت کرتا ہے اور اپنی مانوس عادات سے الگ ہوتا ہے اور غریب الوطنی کی مشقت برداشت کرتا ہے تو نفس کی خرابیوں پر اطلاع ہوتی ہے اور وہ اپنے عیبوں سے واقف ہو جاتا ہے اور اب اس کے لیے اس کا علاج کرنا ممکن ہوتا ہے ہم نے گوشہ نشینی کے بیان میں میل جول کے فوائد ذکر کیے ہیں اور سفر بھی میل جول کا نام ہے بلکہ اس میں مشغولیت اور مشقت زیادہ ہوتی ہے۔

زمین پر اللہ تعالیٰ کی نشانیوں کو دیکھنے سے اہل بصیرت کو بے شمار فوائد حاصل ہوتے ہیں کیونکہ اس میں ایک دوسرے سے ملے ہوئے ٹکڑے ہیں اور ان میں پہاڑ، میدان، سمندر، طرح طرح کے حیوانات اور سبزیاں ہیں۔ اور ان میں سے ہر چیز اللہ تعالیٰ کی واحدانیت پر گواہی دیتی ہے اور فصیح زبان سے اس کی تسبیح بیان کرتی ہے اس کا ادراک صرف ان ہی لوگوں کو ہوتا ہے جو کان لگاتے ہیں (توجہ کرتے ہیں) اور حاضر رہتے ہیں۔

جہاں تک منکرین، غافلین اور دنیا کی دھوکے بازی کے شکنجے میں جکڑے ہوئے لوگوں کا تعلق ہے وہ نہ دیکھ سکتے ہیں اور نہ ہی سنتے ہیں۔ کیوں کہ ان کو سننے سے معزول کر دیا گیا ہے اور وہ اپنے رب کی آیات سے پردے میں ہیں۔

ارشاد خداوندی ہے۔

يَعْلَمُونَ ظَاهِرًا مِنَ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَهُمْ عَنِ الْآخِرَةِ هُمْ غَافِلُونَ۔ (۱)

وہ دنیا کی ظاہری ٹیپ ٹاپ کو دیکھتے ہیں اور وہ آخرت سے غافل ہیں۔

یہاں سماعت سے ظاہری سننا مراد نہیں ہے کیونکہ ظاہری کانوں سے وہ لوگ معزول نہیں تھے بلکہ باطنی کان مراد ہیں۔ اور ظاہری کانوں سے تو صرف آوازیں سنی جاتی ہیں اور اس میں انسان کے ساتھ تمام حیوانات بھی شریک ہیں۔

---

(۱) قرآن مجید، سورۂ روم آیت ۷

جہاں تک باطنی سماعت کا تعلق ہے تو اس سے زبانِ حال کا ادراک ہوتا ہے اور وہ زبانِ قال سے الگ چیز ہے۔ یہ کسی شخص کے اس قول کے مشابہ ہے کہ کیل اور دیوار میں مکالمہ ہوا دیوار نے کیل سے کہا تو مجھے کیوں پھاڑتی ہے؟ اس نے کہا اس سے پوچھو جو مجھے ضرب لگاتا ہے اور مجھے نہیں چھوڑتا اور وہ پتھر ہے جو میرے پیچھے ہوتا ہے۔

مطلب یہ کہ آسمان اور زمین کے ہر ذرے میں ایسے مشاہدات ہیں جو اللہ تعالیٰ کی توحید کی گواہی دیتے ہیں اور کچھ وہ چیزیں ہیں جو اس بات کی گواہی دیتی ہیں کہ ان کو بنانے والا پاک ہے اور یہ اس کی تسبیحات ہیں۔ لیکن یہ لوگ ان چیزوں کی تسبیح کو نہیں سمجھتے۔ کیوں کہ انہوں نے ظاہری کانوں کے تنگ سوراخ سے باطنی کان کی وسعتوں تک سفر نہیں کیا اسی طرح انہوں نے زبان قال کی ناقص پن سے زبان حال کی فصاحت کی طرف بھی سفر نہیں کیا۔

اور اگر ہر عاجز شخص اس قسم کا سفر کر لیتا تو حضرت سلیمان علیہ السلام پرندوں کی زبان سمجھنے کے ساتھ مخصوص نہ ہوتے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کلام خداوندی سمجھنے کے ساتھ خاص نہ ہوتے جو حروف اور آواز کی مشابہت سے پاک ہے۔

جو شخص اس لیے سفر کرتا ہے کہ جمادات کے اوپر خطوط الٰہیہ سے جو سطور لکھی ہوتی ہیں انہیں تلاش کرے اس کا بدنی سفر زیادہ طویل نہیں ہوگا۔ بلکہ وہ ایک جگہ ٹھہر جائے اور اپنے دل کو ایک ایک ذرے سے تسبیحات کے نغمے سننے کے لیے فارغ کر دے اسے جنگلوں میں پھرنے کی ضرورت نہیں ہوگی اور وہ آسمانوں کی بادشاہی سے نفع حاصل کر سکتا ہے سورج، چاند اور ستارے سب اللہ تعالیٰ کے حکم کے تابع ہیں اور یہ اصحابِ بصیرت کی نگاہوں کی جانب۔ مہینے اور سال میں کئی دورے کرتے ہیں بلکہ وہ ہر وقت چلتے ہیں۔ تو جس شخص کے لیے کعبۃ اللہ کو طواف کا حکم دیا گیا ہو وہ کسی مسجد کے طواف کے لئے مشقت اٹھائے تو تعجب کی بات ہے۔

پھر جب تک مسافر اس بات کا محتاج رہتا ہے کہ وہ ظاہری بادشاہی کو اپنی ظاہری آنکھوں سے دیکھے تو وہ اللہ تعالیٰ کی طرف جانے والوں کی منازل میں سے پہلی منزل پر شمار ہوتا ہے گویا وہ وطن کے دروازے پر معتکف ہے اور اس کی سیر اسے فضا کی وسعتوں میں نہیں لے گئی اور اس مقام میں زیادہ دیر تک ٹھہرے رہنا بزدلی اور کوتاہی کے باعث ہوتا ہے اسی لئے بعض اہل دل حضرات نے فرمایا لوگ کہتے ہیں اپنی آنکھیں کھولو تاکہ تم دیکھ لو اور میں کہتا ہوں اپنی آنکھیں بند کرو تاکہ دیکھ سکو اور یہ دونوں قول حق ہیں لیکن پہلے نے اس منزل کی خبر دی ہے جو وطن کے قریب ہے اور دوسرے نے اس کے بعد والے وطن سے دُور منازل کی خبر دی ہے اور ان منازل کو وہی شخص طے کر سکتا ہے جو اپنے آپ کو خطرات میں ڈالتا ہے اور ان کی طرف بڑھنے والا بعض اوقاتِ سالہا سال تک بھٹکتا پھرتا ہے اور بعض اوقات توفیق اس کا ہاتھ پکڑ کر اسے سیدھے راستے کی طرف لے جاتی ہے اس جنگل میں اکثر لوگ جو اس راستے کے مسافر ہیں ہلاک ہو جاتے ہیں البتہ جو لوگ نورِ توفیق کے ساتھ چلتے ہیں وہ نعمتوں اور ہمیشہ کی بادشاہی کے ساتھ کامیابی حاصل کرتے ہیں اور یہ وہی لوگ ہیں جن کے لیے اللہ تعالیٰ کی طرف سے نیکی لکھ دی گئی ہے اور وہ اسے دنیا کی سلطنت کی طرح جانتے ہیں۔ مخلوق کی کثرت کے باوجود اس کے طالب کم ہوتے

ہیں کیونکہ جب مطلوب عظیم ہو تو اس کے متلاشی کم ہوتے ہیں پھر کامیاب ہونے والوں کی نسبت، ہلاک ہونے والوں کی تعداد زیادہ ہوتی ہے اور اس بادشاہی کے درپے وہ شخص نہیں ہوسکتا جو عاجز اور بزدل ہو کیونکہ اس میں خطرات زیادہ اور تھکاوٹ بہت ہوتی ہے کسی شاعر نے کہا ہے۔

"جب نفس حوصلہ مند ہوں تو جسم ان کی مراد کے لیے تھکاوٹ برداشت کرتے ہیں"

اور اللہ تعالیٰ دین و دنیا کی عزت اور بادشاہی کو خطرات کے مقام پر رکھا ہے اور بعض اوقات بزدل لوگ، بزدلی اور کوتاہی کو احتیاط کا نام دیتے ہیں جیسے کہا گیا ہے۔

"بزدل لوگ سمجھتے ہیں کہ بزدلی احتیاط ہے یہ طبعی کمینگی کا دھوکہ ہے"

یہ ظاہری سفر کا حکم ہے جب اس سے مقصود یہ ہو کہ زمین میں اللہ تعالیٰ کی نشانیوں کو دیکھ کر باطنی سفر کا ارادہ کیا جائے تو اب ہم اس غرض کی طرف لوٹتے ہیں جو ہمارا مقصود ہے اور اسے بیان کرتے ہیں۔

دوسری قسم:

آدمی عبادت کے لیے سفر کرے اور یہ سفر یا تو حج کے لیے ہوگا یا جہاد کے لیے، ہم نے اس کی فضیلت، آداب اور ظاہری و باطنی اعمال اسرار حج کے بیان میں ذکر کر دیئے ہیں ان میں انبیاء کرام علیہم السلام کے مزاراتِ مقدسہ، صحابہ کرام، تابعین اور تمام علماء و اولیاء کرام کے مزارات کی زیارت شامل ہے۔

بلکہ ہر وہ شخص جس کی زندگی میں اس کو دیکھنا باعث برکت ہے اس کی وفات کے بعد اس کی (قبر کی) زیارت متبرک ہے اور اس غرض کے لیے سفر کا قصد کیا جاسکتا ہے، اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشادِ گرامی اس قصد سے مانع نہیں ہے آپ نے فرمایا:

لَا تُشَدُّ الرِّحَالُ اِلَّا اِلٰی ثَلَاثَةِ مَسَاجِدَ مَسْجِدِیْ هٰذَا وَالْمَسْجِدُ الْحَرَامُ وَالْمَسْجِدُ الْاَقْصٰی۔ (۱)

تین مسجدوں، میری اس مسجد (مسجد نبوی) مسجد حرام اور مسجد اقصیٰ کے علاوہ کسی طرف سفر کا قصد نہ کیا جائے۔

یہ حدیث مساجد سے متعلق ہے کہ ان تین مساجد کے علاوہ باقی مساجد (ثواب کے اعتبار سے) برابر ہیں ورنہ اصل فضیلت میں انبیاء کرام، علماء دین اور اولیاء کرام کی قبروں کی زیارت ایک جیسی ہے اگرچہ درجات میں بہت بڑا فرق ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کے ہاں ان کے درجات مختلف ہیں۔

خلاصہ یہ کہ فوت شدہ لوگوں کی نسبت زندہ لوگوں کی زیارت زیادہ بہتر ہے کیونکہ اس کا فائدہ یہ ہے کہ ان سے برکت

---

(۱) صحیح بخاری جلد اول ص ۱۵۹، کتاب التہجد

دعا طلب کی جائے اور ان کی زیارت سے بھی برکت حاصل ہوتی ہے کیونکہ علماء اور صلحاء کے چہروں کو دیکھنا عبادت ہے، نیز اس صورت میں ان بزرگوں کی اقتداء کی ترغیب بھی ہوتی ہے اور آدمی ان کے اخلاق اپنانے کی کوشش کرتا ہے۔

اور یہ فوائد ان فوائد کے علاوہ ہیں جو ان کی ذوات اور افعال سے علمی طور پر حاصل ہوتے ہیں۔ اور یہ کیسے نہیں ہوگا جب کہ محض دینی بھائیوں کی زیارت باعثِ فضیلت ہے جیسا کہ ہم نے صحبت کے بیان میں ذکر کیا ہے۔

تورات میں ہے کہ چار میل چل کر اپنے اسلامی بھائی کی زیارت کرو۔ جہاں تک زمین کے مختلف حصوں کا تعلق ہے تو تین مساجد کے علاوہ کسی مقام کی زیارت کا کوئی مطلب نہیں البتہ اسلامی سرحدوں کی حفاظت کا ثواب ہے اور حدیث اس معنیٰ میں ظاہر ہے کہ کسی جگہ سے برکت حاصل کرنے کے لیے قصد سفر سوائے تین مساجد کے نہ کیا جائے۔

ہم نے حرمین طیبین کی فضیلت حج کے بیان میں ذکر کی ہے اور بیت المقدس کو بھی بہت زیادہ فضیلت حاصل ہے۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما مدینہ طیبہ سے بیت المقدس کے ارادے سے تشریف لے گئے حتیٰ کہ انہوں نے پانچ نمازیں پڑھیں پھر دوسرے دن مدینہ طیبہ واپس تشریف لائے۔

حضرت سلیمان علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں سوال کیا کہ جو شخص اس مسجد کا قصد کرے اور اس کا مقصد صرف وہاں نماز پڑھنا ہو تو جب تک وہ وہاں موجود رہے باہر نہ جائے تو اپنی نظرِ رحمت کو اس سے نہ پھیرنا اور یہ کہ اسے یوں واپس کرنا گویا آج ہی اس کی ماں نے اسے جنا ہے تو اللہ تعالیٰ نے ان کی دعا کو قبول فرمایا۔

تیسری قسم:

دین میں خلل ڈالنے والی کسی بات کی وجہ سے سفر کرنا یہ بھی اچھی بات ہے کیونکہ آدمی جس بات کو برداشت نہ کر سکے اس سے بچنا انبیاء کرام علیہم السلام کی سنت ہے اور جن چیزوں سے بھاگنا واجب ہے ان میں جاہ و مرتبہ اور اقتدار وغیرہ اور دیگر ایسی ذمہ داریوں کا زیادہ ہونا ہے کیونکہ یہ تمام باتیں دل کی فراغت کو خراب کر دیتی ہیں اور دین کا کمال اسی صورت میں ہوتا ہے جب دل، غیرِ خدا سے فارغ ہو۔ اور اگر مکمل فارغ نہ ہوگا تو جس قدر فراغت ہوگی اسی قدر دین میں مشغول ہوگا اور دنیوی معاملات اور ضروری حاجات سے دل کا فارغ ہونا ممکن نہیں لیکن ان حاجتوں کو کم یا زیادہ کرنا ممکن ہے اور جن لوگوں کے بوجھ ہلکے ہیں انہوں نے نجات پائی ہے اور زیادہ بوجھ والے ہلاک ہوئے۔

اور اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ اس نے تمام قسم کے بوجھوں اور مشقتوں سے فراغت پر نجات کو معلق نہیں کیا بلکہ اپنے فضل اور وسیع رحمت سے ہلکے بوجھ والوں کو بھی قبول فرمایا اور ہلکے بوجھ والا وہ شخص ہے جو دنیا کو اپنا سب سے بڑا مقصد نہیں بناتا اور یہ بات وطن میں میسر نہیں ہوتی کیونکہ وہاں جاہ و مرتبہ اور تعلقات زیادہ ہوتے ہیں لہٰذا مقصود اسی وقت پورا ہوتا ہے جب آدمی دوسری جگہ چلا جائے اور گمنامی کی زندگی اختیار کرے اور تمام ضروری تعلقات کو بھی ختم کر دے حتیٰ کہ ایک عرصہ دراز تک اپنے نفس کو مجاہدے میں رکھے پھر ممکن ہے اسے اللہ تعالیٰ اپنی خاص مدد سے نواز دے اور اس پر ایسا انعام کرے جس کے

ساتھ اس کا یقین مضبوط اور دل مطمئن ہو جائے اب اس کے لیے سفر و حضر برابر ہو جاتے ہیں اور اسباب و تعلقات کا وجود اور عدم وجود ایک جیسا ہو جاتا ہے اور اب اسے ذکرِ خداوندی سے کوئی چیز روک نہیں سکتی لیکن ایسا بہت کم ہوتا ہے بلکہ دلوں پر کمزوری غالب ہے اور خالق و مخلوق کے ساتھ وسیع تعلق میں کوتاہی پائی جاتی ہے یہ قوت انبیاء کرام اور اولیاء عظام کو حاصل ہوتی ہے اور عمل کے ذریعے اس تک پہنچنا مشکل ہے اگرچہ اس میں محنت اور کسب کا دخل ضرور ہوتا ہے اس سلسلے میں باطنی قوت اسی طرح مختلف ہوتی ہے جس طرح اعضاء میں ظاہری قوت مختلف ہوتی ہے بہت سے ہٹے کٹے مضبوط اعصاب والے لوگ ایک ایسا بوجھ اٹھا سکتے ہیں جس کا وزن ایک ہزار رطل ہو (ایک رطل آدھ سیر کا ہوتا ہے) اور اگر کوئی کمزور بیمار شخص بوجھ اٹھانے کی مشق کے ذریعے اس مقام تک پہنچنا چاہے اور آہستہ آہستہ کوشش کرتا رہے تو اس پر قادر نہیں ہو سکتا البتہ اس کی یہ مشق اور محنت اس کی قوت میں کچھ نہ کچھ اضافہ ضرور کرتی ہے اگرچہ وہ اس شخص تک نہیں پہنچ سکتا لہٰذا اسے بلند مرتبہ تک پہنچنے سے مایوس ہو کر محنت چھوڑنی نہیں چاہیے کیوں کہ یہ نہایت درجہ کی جہالت اور گمراہی ہے۔

بزرگوں کی عادت تھی کہ وہ فتنوں کے ڈر سے اپنے وطن کو چھوڑ دیتے تھے حضرت سفیان ثوری رحمہ اللہ فرماتے ہیں یہ ایسا برا وقت ہے کہ اس میں گمنام لوگ بھی محفوظ نہیں رہ سکتے مشہور لوگوں کا تو ذکر ہی کیا یہ وہ زمانہ ہے کہ آدمی ایک شہر سے دوسرے شہر میں منتقل ہوتا رہے جب ایک شہر میں پہچانا جائے تو دوسرے شہر میں چلا جائے۔

حضرت ابو نعیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں، میں نے حضرت سفیان ثوری رحمہ اللہ کو دیکھا انہوں نے لوٹا ہاتھ میں لیا ہوا اور توشہ دان اپنی پیٹھ پر رکھا ہوا جا رہے تھے میں نے پوچھا اے ابو عبداللہ! کہاں جا رہے ہیں؟ انہوں نے فرمایا مجھے معلوم ہوا کہ فلاں گاؤں میں ارزانی ہے اس لیے وہاں جا کر ٹھہروں گا میں نے کہا آپ ایسا کر رہے ہیں؟ انہوں نے فرمایا ہاں، جب تمہیں خبر ملے کہ فلاں جگہ نرخ کم ہے تو وہاں رہائش رکھو اس میں تمہارے دین کی حفاظت زیادہ ہوگی اور غم کم ہوں گے تو یہ مہنگائی سے بھاگنا ہے۔

حضرت سری سقطی رحمہ اللہ صوفیاء کرام سے فرماتے تھے جب سردی کا موسم ختم ہو گیا تو چیت (مارچ) کا مہینہ آ گیا اور درختوں پر پتے لگ گئے اب باہر نکلنا اچھا ہو گیا لہٰذا اِدھر اُدھر پھیل جاؤ، حضرت ابراہیم خواص رحمہ اللہ کسی شہر میں چالیس دن سے زیادہ نہیں ٹھہرتے تھے اور آپ متوکل لوگوں میں سے تھے اور کسی جگہ ٹھہرنے کو اسباب پر اعتماد قرار دیتے اور اسے توکل کے خلاف سمجھتے۔ اسباب پر اعتماد کے اسرار کا بیان توکل کے ضمن میں عنقریب ذکر کیا جائے گا۔

چوتھی قسم:

بدن کی کسی خرابی سے بھاگنے کی خاطر سفر کیا جائے جیسا طاعون ہے یا مالی خرابی کی وجہ سے کیا جائے جیسے مہنگائی یا اس طرح کی کوئی دوسری بات ہو، اس سفر میں کوئی حرج نہیں بلکہ بعض اوقات بعض مقامات پر راہ فرار اختیار کرنا ضروری ہو جاتا ہے اور بعض اوقات مستحب، مطلب یہ ہے کہ فوائد کے وجوب و استحباب کے مطابق سفر کا حکم ہوگا۔ لیکن طاعون اس

سے مستثنیٰ ہے اس سے بھاگنا نہیں چاہیئے کیونکہ اس سے منع کیا گیا ہے حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

یہ درد یا (فرمایا) بیماری ایک عذاب ہے جو تم سے پہلے بعض امتوں پر نازل ہوا اس کے بعد زمین میں باقی رہا کبھی یہ چلا جاتا ہے اور کبھی آجاتا ہے تو جس کو معلوم ہو کہ فلاں جگہ طاعون ہے تو وہاں نہ جائے اور اگر وہاں (طاعون) پھیل جائے جہاں آدمی رہتا ہو تو اس جگہ سے نہ بھاگے۔(۱)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں میری امت کی تباہی طعن یا طاعون سے ہوگی میں نے عرض کیا ہم طعن کو تو جانتے ہیں طاعون کیا ہے؟ آپ نے ارشاد فرمایا وہ اونٹ کی گلٹی کی طرح گلٹی ہے جو ان کے پیٹ کے نرم اور نچلے حصے میں پیدا ہوتا ہے جو مسلمان طاعون کی وجہ سے انتقال کر جائے وہ شہید ہے اور جو آدمی ثواب طلب کرنے کی نیت سے طاعون والی جگہ پر ٹھہرا رہے وہ گویا اللہ تعالیٰ کے راستے میں جہاد کرنے والا ہے اور اس سے بھاگنے والا میدان جنگ سے بھاگنے والے کی طرح ہے (۲)

حضرت مکحول، حضرت اُم ایمن (رضی اللہ تعالیٰ عنہما) سے روایت کرتے ہیں وہ فرماتی ہیں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی صحابی کو وصیت کرتے ہوئے فرمایا اللہ تعالیٰ کے ساتھ شریک نہ ٹھہرانا اگرچہ تمہیں تکلیف پہنچائی جائے یا جلایا جائے، اور اپنے ماں باپ کی اطاعت کرنا اگرچہ وہ تجھے ہر اس چیز کے چھوڑنے کا حکم دیں جو تیری ملکیت میں ہے جان بوجھ کر نماز کو نہ چھوڑنا جو آدمی جان بوجھ کر نماز کو چھوڑتا ہے اللہ تعالیٰ کا ذمہ اس سے بری ہو جاتا ہے شراب سے بچنا کیوں کہ یہ ہر برائی کی چابی ہے گناہ کے قریب نہ جانا یہ اللہ تعالیٰ کی ناراضگی کا باعث ہے میدانِ جہاد سے نہ بھاگنا اور اگر لوگ مرنے لگیں (عام موت واقع ہو جائے) اور تم وہاں موجود ہو تو وہاں ہی ٹھہرے رہنا اپنی مقدور بھر کمائی سے گھر والوں پر خرچ کرنا اور ان کی تربیت و تادیب سے غافل نہ ہونا اور انہیں اللہ تعالیٰ سے ڈراتے رہنا۔(۳)

یہ احادیث اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ طاعون سے بھاگنا ممنوع ہے اسی طرح جہاں طاعون ہو وہاں جانا بھی منع ہے اس کی تشریح توکل کے باب میں آئے گی۔

یہ سفر کی اقسام ہیں نتیجہ یہ ہوا کہ سفر مذموم بھی ہوتا ہے، محمود بھی اور مباح بھی، اور مذموم سفر حرام ہوگا جیسے غلام کا بھاگ جانا یا مکروہ ہوگا جیسے طاعون والے شہر سے باہر جانا اور محمود سفر یا تو واجب ہوتا ہے جیسے حج کرنا اور ہر اس علم کی طلب میں نکلنا

---

(۱) صحیح مسلم جلد ۲ ص ۲۲۸ کتاب السلام

(۲) مجمع الزوائد جلد ۲ ص ۳۱۴، ۳۱۵ کتاب الجنائز

(۳) السنن الکبریٰ للبیہقی جلد ۷ ص ۳۰۴ کتاب القسم والنشوز

جو ہر مسلمان پر فرض ہے یا مستحب ہونا جیسے علماء کرام اور ان کے مزارات کی زیارت کرنا۔ (یعنی ان کے فوت ہونے کے بعد مزارات پر حاضر ہونا) ان اسباب سے سفر کی نیت واضح ہو جاتی ہے کیوں کہ نیت کا مطلب اس سبب کے لیے آمادہ ہونا ہے جو اس عمل کا باعث ہو نیز جو بات اس کی دعوت دے رہی ہے اس کے لئے آمادہ ہونا تو آدمی کو چاہیئے کہ ہر سفر میں آخرت کی نیت کرے واجب اور مستحب سفر ہیں تو یہ ظاہر ہے لیکن مکروہ اور ممنوع سفر میں محال ہے جہاں تک مباح سفر کا تعلق ہے تو اس کا دار و مدار نیت پر ہے اگر اس کا مقصد حصول مال ہے تاکہ لوگوں کے سامنے دستِ سوال دراز کرنے سے بچے اہل و عیال کی عزت و مروت برقرار رہے اور جو کچھ اپنی ضرورت سے بچ جائے اسے صدقہ کر دے تو یہ مباح سفر اس نیت کی وجہ سے آخرت کا سفر بن جائے گا اور اگر وہ حج کے لیے جائے اور اس کا باعث ریاکاری اور شہرت ہو تو یہ اعمالِ آخرت سے نہیں رہے گا۔ کیونکہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

اِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالنِّيَّاتِ۔ (۱) اعمال کا دار و مدار نیتوں پر ہے

تو آپ کا یہ ارشاد گرامی واجبات، مستحبات اور مباحات سب کو شامل ہے ممنوع کاموں کو شامل نہیں کیونکہ نیت کی وجہ سے یہ کام جائز نہیں ہو جائیں گے۔

بعض بزرگوں نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے مسافروں کے لیے کچھ فرشتے مقرر کر رکھے ہیں جو ان کے مقاصد کو دیکھتے ہیں اور ہر ایک کو اس کی نیت کے مطابق دیتے ہیں جس کی نیت دنیا حاصل کرنا ہو اسے اس سے دیا جاتا ہے اور آخرت میں سے کئی گنا گھٹا دیا جاتا ہے اور اس کی ہمت پریشانی کا شکار ہو جاتی ہے اور حرص و رغبت کی وجہ سے اس کے (دنیوی) مشاغل زیادہ ہو جاتے ہیں اور جو آخرت کی نیت کرتا ہے اسے بصیرت و حکمت اور دانائی عطا کی جاتی ہے اور اس کی نیت کے مطابق اس کے لیے نصیحت و عبرت کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں اور اس کی ہمتوں کو جمع کر دیا جاتا ہے نیز اس کے لیے فرشتے رحمت اور مغفرت کی دعا مانگتے ہیں۔

جہاں تک اس بات کا تعلق ہے کہ سفر افضل ہے یا گھر میں ٹھہرے رہنا تو یہ اسی طرح ہے کہ تنہائی افضل ہے یا لوگوں میں مل جل کر رہنا؟ تو ہم نے اس کی بنیاد گوشہ نشینی کے باب میں ذکر کی ہے وہاں سے اس کو سمجھ لینا چاہیئے کیونکہ سفر بھی ایک قسم کا میل جول ہے بلکہ اس میں تھکاوٹ و مشقت زیادہ ہوتی ہے اور عام لوگوں کے حق میں دل کی پریشانی کا باعث ہوتا ہے اور اس میں سے افضل وہ ہے جو دین پر زیادہ مددگار ہو اور دنیا میں دین کا نتیجہ اللہ تعالیٰ کی معرفت اور اس کے ذکر سے اُنس حاصل کرنا ہے اور اُنس دائمی ذکر سے حاصل ہوتا ہے جب کہ معرفت ہمیشہ غور و فکر کرنے سے حاصل ہوتی ہے۔ اور جو آدمی ذکر و فکر کا طریقہ نہ سیکھے وہ ان دونوں باتوں پر قادر نہیں ہو سکتا اور سفر ابتدا میں سیکھنے پر معاون ہوتا ہے

---

(۱) صحیح بخاری جلد اول ص ۲ باب بدء الوحی

اور جب اس پر دوام اختیار کیا جائے تو اس سے علم کے مطابق عمل پر مدد حاصل ہوتی ہے۔

جہاں تک زمین میں ہمیشہ کے لیے سیاحت کا تعلق ہے تو یہ دل کو پریشان کرتی ہے البتہ وہ لوگ جو مضبوط ہیں وہ اس سے مستثنیٰ ہیں۔ کیونکہ مسافر اور اس کا مال دونوں خطرے میں ہوتے ہیں البتہ جسے اللہ تعالیٰ محفوظ فرمائے۔ لہذا مسافر کا دل ہمیشہ فکر مند رہتا ہے کبھی جان و مال کا خوف اور کبھی اپنے وطن میں مالوف و محبوب چیزوں سے جدائی کا صدمہ ہوتا ہے اور اگر اس کے پاس مال نہ ہو جس کا اسے ڈر ہو تو طمع اور لوگوں پر نظریں گاڑے رکھنے سے خالی نہیں ہوتا۔ اور فقر کی وجہ سے اس کا دل کمزور پڑ جائے گا اور بعض اوقات اسباب طمع کے قوی ہونے کی وجہ سے دل مضبوط رہتا ہے پھر اس حصے کا حصول اور آنا جانا تمام حالات کو منتشر کر دیتا ہے لہذا مرید کو چاہیے کہ وہ طلب علم کے علاوہ کوئی سفر نہ کرے یا اس شیخ کی زیارت کے لیے جائے جس کی سیرت کو اپنایا جاتا ہے اور اس کے مشاہدہ سے نیکی کی رغبت پیدا ہوتی ہے۔ اور اگر وہ اپنے آپ میں مشغول ہو جائے، باطنی آنکھیں کھول دے اور اس کے فکر یا عمل کا راستہ کھل جائے تو اس سے سکون حاصل کرنا سب سے بہتر ہے لیکن اس زمانے کے خود ساختہ صوفیوں کی کثرت کے باطن افکار کے لطائف اور دقیق اعمال سے خالی ہیں انہیں خلوت میں اللہ تعالیٰ اور اس کے ذکر سے اُنس حاصل نہیں ہوتا وہ بیکار رہتے ہیں عمل میں مشغول نہیں ہوتے اس لیے انہوں نے سستی اور کاہلی کو پسند کر لیا اور عمل کو بہت بھاری سمجھ رکھا ہے، وہ کام کاج کے راستے کو مشکل سمجھتے ہیں اور انہوں نے مانگنے اور موٹاپے کے راستے کو اختیار کر لیا ہے اور شہر میں ان کے لیے جو خانقاہیں بنی ہوئی ہیں انہیں اپنے لیے اچھا سمجھتے ہیں۔ اور جو لوگ صوفیاء کرام کی خدمت پر مامور ہیں، ان سے خدمت لیتے ہیں انہوں نے اپنی عقل اور دین دونوں کو ہلکا کر دیا ہے کیونکہ خدمت سے اس کا مقصد محض ریاکاری اور شہرت کا حصول ہے نیز یہ کہ ہر طرف ان کا چرچا ہو اور وہ لوگوں سے مانگ کر مال حاصل کریں اور اس کی دلیل یہ دیتے ہیں کہ ان کی پیروی کرنے والے بہت زیادہ ہیں۔

تو خانقاہوں میں ایسے لوگوں کا حکم کیسے نافذ ہوگا اور کس طرح ان کا ادب سکھانا مریدوں کے لیے نفع بخش ہو گا۔ انہیں کوئی طاقتور روکنے والا بھی نہیں، انہوں نے گھڑیاں پہن رکھی ہیں اور خانقاہوں میں عیش کر رہے ہیں اور بعض اوقات وہ اہلِ خیر سے عمدہ باتیں سیکھ کر اپنے آپ کو صوفیاء کرام کی طرح سمجھتے ہیں جو کہ لباس، ان کی سیاحت اور ان جیسے الفاظ اور عبارات استعمال کرتے ہیں ان کی ظاہری سیرت کو بھی اپنا لیتے ہیں اور پھر اپنے آپ کو ان سے بہتر سمجھتے ہیں اور خیال کرتے ہیں کہ وہ اچھا کام کر رہے ہیں اور وہ سمجھتے ہیں کہ ہر سیاہ چیز کھجور ہوتی ہے ان کا یہ بھی وہم ہے کہ ظاہری مشابہت سے ہی حقائق میں بھی شرکت ہو جاتی ہے۔

ہائے افسوس! وہ شخص کس قدر بیوقوف ہے جو چربی اور ورم (پھولا ہوا ہونا) میں فرق نہ کر سکے تو یہ لوگ اللہ تعالیٰ کے دشمن ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ فارغ رہنے والے نوجوان کو ناپسند کرتا ہے اور جوانی اور بیکاری ہی تو ان کو سفر پر آمادہ کرتی ہے، البتہ جو آدمی کسی ریاکاری اور شہرت کے تصور کے بغیر حج یا عمرہ کا سفر کرے یا کسی ایسے بزرگ کی زیارت کے لیے

سفر کرے جس کے علم اور سیرت کی وجہ سے اس کی اقتدا کی جاتی ہے تو وہ سفر ٹھیک ہے۔ لیکن اب اس سے شہر خالی ہو چکے ہیں اور تمام دینی امور خراب اور کمزور ہو چکے ہیں۔ اور تصوف تو بالکل ہی مٹ چکا ہے کیوں کہ علوم ابھی تک مٹے نہیں اور عالم اگرچہ عالمِ سُوء ہی کیوں نہ ہو، باقی ہے خرابی اس کی سیرت میں ہے علم میں نہیں ہے۔ تو ایسے عالم باقی ہیں جو اپنے علم پر عمل نہیں کرتے اور عمل، علم کا غیر ہے۔

جہاں تک تصوف کا تعلق ہے تو وہ اللہ تعالیٰ کے لیے دل کو فارغ کرنے اور اس کے علاوہ ہر چیز کو حقیر جاننے کا نام ہے اس کا نتیجہ دل اور اعضاء کے عمل کی صورت میں ظاہر ہوتا ہے تو جب عمل فوت ہو جائے اصل بھی فوت ہو جاتا ہے۔

تو ان لوگوں کے سفروں پر فقہاء کرام کو اعتراض ہے کیونکہ یہ بے فائدہ اپنے آپ کو تھکانا ہے، اور کہا جاتا ہے کہ یہ ممنوع ہے لیکن ہمارے نزدیک صحیح بات یہ ہے کہ اسے مباح قرار دیں کیونکہ اس کی غرض و غایت یہی ہے کہ مختلف شہروں کے مشاہدے کے ذریعے بے کاری کی مصیبت سے آسائش پائیں اور یہ غرض اگرچہ خسیس ہے لیکن اس مقصد کے لیے حرکت کرنے والوں کے نفوس بھی اسی طرح خسیس ہیں، تو خسیس مقصد کے لیے حقیر حیوان کو تھکانے میں کوئی حرج نہیں کیوں کہ وہ اسی کے لائق ہے تو وہ جہاں اذیت برداشت کرتا ہے وہاں لذت بھی پاتا ہے اور فتویٰ کا تقاضا ہے کہ جن کاموں میں نفع اور نقصان دونوں نہ ہوں ان میں لوگوں کو اختیار دے دیا جائے۔

تو وہ لوگ جو کسی دینی یا دنیوی مقصد کے بغیر سیر و سیاحت میں رہتے ہیں اور صرف آرام و آسائش چاہتے ہیں وہ ان جانوروں کی طرح ہیں جو جنگلوں میں پھرتے ہیں تو جب تک وہ لوگوں کو ایذا نہ پہنچائیں اور نہ ہی اپنی حالت سے لوگوں کو مغالطے میں ڈالیں ان کے سفر میں کوئی حرج نہیں خرابی اور گناہ اس صورت میں ہوتا ہے جب وہ تصوف کے نام پر لوگوں کو دھوکہ دیتے اور مانگتے ہیں اور اس مال میں سے کھاتے ہیں جو صوفیاء کرام کے لیے وقف ہوا ہے کیونکہ صوفی تو ایسے آدمی کو کہتے ہیں جو اپنے دین میں عدل سے کام لیتا ہے اور اس کے علاوہ اس میں کچھ دیگر صفات بھی پائی جاتی ہیں اور ان لوگوں کی کم از کم خرابی یہ ہے کہ بادشاہوں کا مال کھاتے ہیں اور کبیرہ گناہوں کے ذریعے حرام مال کھاتے ہیں اور اس صورت میں عدالت باقی نہیں رہتی، اگر کسی فاسق صوفی کا تصور کیا جائے تو کافر صوفی کا تصور بھی ہو سکے گا اور یہودی فقیہ کا تصور بھی ممکن ہوگا۔

تو جس طرح فقیہ ایک خاص قسم کے مسلمان کو کہا جاتا ہے صوفی بھی اس شخص کو کہا جاتا ہے جو مخصوص قسم کے عدل کا مالک ہو اور اس مقدار میں کوتاہی نہ کرے جس سے عدالت حاصل ہوتی ہے اسی طرح جو شخص ان کے ظاہر کو دیکھتا ہے اور اسے ان کے باطن کا علم نہیں ہوتا اور وہ قربِ خداوندی کے حصول کے لیے ان کو اپنے مال میں سے دیتا ہے تو ان پر اس مال کا لینا حرام ہے اور جو کچھ وہ کھاتے ہیں صحیح نہیں مطلب یہ ہے کہ اگر دینے والا ان کے اندرونی حالات جانتا تو انہیں نہ دیتا تو صوفی نہ ہوتے کے باوجود اپنے آپ کو صوفی ظاہر کر کے مال لینا حقیقت میں ایسے ہی ہے جیسے کوئی

شخص اپنے آپ کو سید کہے اور اس طرح مال حاصل کرے۔

جو شخص علوی ہونے کا جھوٹا دعویٰ کرے اور کوئی مسلمان اہل بیت کی محبت میں اسے مال دے حالانکہ اگر اسے علم ہوتا کہ یہ جھوٹ بولتا ہے تو وہ اسے نہ دیتا تو اس شخص کے لیے وہ مال لینا حرام ہے صوفی کا حکم بھی یہی ہے یہی وجہ ہے کہ محتاط لوگوں نے دین کے ذریعے مال کھانے سے پرہیز کیا ہے یعنی جو شخص اپنے دین کے معاملے میں بہت زیادہ احتیاط کرتا ہے اس کا باطن بھی کچھ ایسے عیوب سے خالی نہیں ہوتا کہ اگر وہ ظاہر ہو جائیں تو جو لوگ اس کے ساتھ غمخواری کی رغبت رکھتے ہیں ان کی یہ رغبت کم ہو جائے اسی احتیاط کی وجہ سے یہ لوگ اپنے لیے کوئی چیز خود نہیں خریدتے تھے کیونکہ اس بات کا خوف ہوتا تھا کہ کہیں ان کے دین کی وجہ سے رعایت نہ کی جائے اس طرح وہ دین کے ذریعے کھانے والے ہو جائیں گے۔

وہ کسی دوسرے شخص کو وکیل بنائے تاکہ وہ ان کے لیے خریدے اور وکیل کو بھی اس بات کا پابند بنائے تاکہ وہ یہ نہ بتائے کہ کسی کے لیے خرید رہا ہے۔

ہاں جو چیز دین کی وجہ سے دی جائے اس کا لینا حلال ہے جب کہ لینے والا اس مقام پر ہو کہ اگر دینے والا اس کے باطن کے بارے میں وہ کچھ جان لے جو اللہ تعالیٰ جانتا ہے تو بھی اس کی رائے میں فرق نہ پڑے اور عقلمند منصف آدمی جانتا ہے کہ یہ بات محال یا کم از کم نادر ضرور ہے اور جو شخص اپنے نفس کے بارے میں دھوکے میں ہے اور جاہل ہے اگر وہ دین کے بارے میں جاہل ہے تو یہ زیادہ لائق ہے (مطلب یہ کہ جب وہ اپنے بارے میں جاہل ہے تو دین کے بارے میں کیا جانے گا۔)

کیونکہ اس کے جسم کے سب سے زیادہ قریب اس کا دل ہے جب اس پر دل کا معاملہ ہی مشتبہ ہے تو باقی امور کیسے ظاہر ہوں گے۔ اب جس آدمی کو اس حقیقت کا علم ہو جائے تو اس پر بہر صورت لازم ہے کہ اپنی کمائی سے کھائے تاکہ اس آفت سے محفوظ ہو جائے یا اس شخص کے مال سے کھائے جس کے بارے میں یقینی طور پر علم ہو کہ اگر وہ میرے باطنی عیبوں پر مطلع ہو گیا تب بھی وہ اس سلوک سے ہاتھ نہیں کھینچے گا۔

اگر حلال طلب کرنے والا اور آخرت کے راستے پر چلنے والا شخص دوسروں کا مال لینے پر مجبور ہو جائے تو اسے واضح طور پر بتا دے کہ اگر تم مجھے اس لیے دے رہے ہو کہ تم مجھے دینی اعتبار سے اس کا مستحق سمجھتے ہو تو میں اس کا مستحق نہیں ہوں اگر اللہ تعالیٰ نے میرا پردہ فاش کر دیا تو تم مجھے عزت کی نگاہ سے نہیں دیکھو گے بلکہ تم مجھے مخلوق میں سب سے برا خیال کرو گے۔ اب اگر اس بات کے باوجود وہ اسے دیتا ہے تو لے لے کیونکہ بعض اوقات دینے والے کو اس کی یہ خصلت اچھی معلوم ہوتی ہے کہ وہ دین کے سلسلے میں اپنی کوتاہی کا اعتراف کر رہا ہے اور اپنا عدم استحقاق ظاہر کر رہا ہے لیکن یہاں نفس کا ایک واضح فریب بھی ہے اس سے ہوشیار رہنا ہے کیونکہ بعض اوقات وہ اس لیے یہ بات کہتا ہے کہ لوگ اسے اولیاء کرام کی طرح سمجھیں کیونکہ ان کا دستور ہے کہ وہ اپنے آپ کو ملامت کرتے اور حقیر جانتے ہیں تو اس طرح بظاہر

حقارت پر مبنی کلام ہوتا ہے لیکن درحقیقت یہ اپنی تعریف کرنا اور اترانا ہے۔
کتنے ہی لوگ ایسے ہیں جو اپنے نفس کی مذمت کرتے ہیں لیکن وہ اس انداز پر وہ اپنی تعریف کرتے ہیں تو خلوت میں نفس کو برا کہنا ہی مناسب ہے کیونکہ دوسروں کے سامنے اپنی مذمت کرنا درحقیقت ریاکاری ہے البتہ یہ کہ وہ ایسا طریقہ اختیار کرے جس سے سننے والے کو یقین ہو جائے کہ وہ واقعی گناہ کا ارتکاب کرتا ہے اور اس کا اعتراف بھی کرتا ہے اور اس بات کو قرائن کے ذریعے معلوم کرنا ممکن ہے اور یہ بھی ممکن ہے کہ قرائن کے ذریعے دھوکہ دہی ثابت ہو اور جو شخص اللہ تعالیٰ کے ہاں سچا ہے وہ جانتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کو یا اپنے نفس کو دھوکہ دینا محال ہے تو اس کے لیے اس قسم کی باتوں سے بچنا مشکل نہیں ہے، تو سفر کی اقسام، نیت اور فضیلت کے سلسلے میں یہ (مندرجہ بالا) گفتگو ہے۔

دوسری فصل:

آغازِ سفر سے اختتام تک آدابِ مسافر

یہ گیارہ آداب ہیں۔

پہلا ادب:

جو حقوق اس کے ذمہ ہوں وہ واپس دے، قرض ہو تو وہ بھی ادا کر دے، جن جن لوگوں کا اس کے ذمہ نفقہ ہے وہ بھی پورا کرے اگر اس کے پاس امانتیں ہوں تو وہ بھی لوٹا دے اور زادِ راہ حلال پاکیزہ چیز سے لے اور اس قدر لے کہ اپنے ساتھیوں کو دینے کی گنجائش بھی ہو۔
حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا۔
آدمی کے کرم سے یہ بات بھی ہے کہ سفر میں اس کا زادِ راہ پاکیزہ ہو، سفر کے دوران گفتگو اچھی ہو، کھانا کھلائے اور اچھے اخلاق کا مظاہرہ کرے کیونکہ سفر اندرونی (پوشیدہ) باتوں کو ظاہر کرتا ہے اور جو آدمی سفر میں ساتھی بن سکتا ہے وہ حضر میں بھی ساتھی بننے کے قابل ہوتا ہے اور بعض اوقات ایک شخص حضر (گھر میں) ساتھی بننے کے قابل ہوتا ہے لیکن رفیقِ سفر نہیں بن سکتا۔ اسی لیے کہا گیا ہے۔
جب حضر میں معاملہ کرنے والے اور سفر کے دوست کسی آدمی کی تعریف کریں تو اس کے نیک ہونے میں شک نہ کرو اور سفر تکلیف کے اسباب میں سے ہے تو جس کے اخلاق تکلیف کی حالت میں اچھے ہوں وہ اچھے اخلاق والا ہے ورنہ جب تک کہ انسان کی مرضی کے مطابق کام ہوتا رہے اس کی بداخلاقی کم ظاہر ہوتی ہے۔
کہا گیا ہے کہ تین آدمیوں کو بے قرار ہونے پر برا بھلا نہ کہو ایک روزہ دار، دوسرا بیمار اور تیسرا مسافر۔

مسافر کے اچھے اخلاق کی تکمیل یہ ہے کہ کرایہ دار سے حُسن سلوک کرے اور جس قدر ممکن ہو رفقائے سفر کی مدد کرے اور اگر کوئی مسافر قافلے سے بچھڑ گیا ہو تو اس کی مدد کے بغیر آگے نہ بڑھے یعنی اسے سواری پہ سوار کرے یا اخراجات میں اس کی مدد کرے یا اس کے لیے وہاں ٹھہرے۔ اور دوستوں کے ساتھ اخلاق کی تکمیل یہ بھی ہے کہ ان کے ساتھ خوش مزاجی سے پیش آئے اور بعض اوقات دل لگی کرے لیکن نہ تو اس میں فحش کلامی ہو اور نہ ہی گناہ کی بات ۔ تاکہ سفر کی مشقت اور تکلیف کا کچھ نہ کچھ ازالہ ہو۔

دوسرا ادب :

کسی کو رفیقِ سفر بنائے تنہا نہ جائے یعنی پہلے رفیق اور پھر طریق کے ضابطے پر عمل کرے اور رفیقِ سفر وہ ہونا چاہیے جو دینی معاملات میں اس کی مدد کرے جب وہ بھولے تو یاد کرائے اور جب یاد ہو تو اس کی مدد کرے کیونکہ آدمی اپنے دوست کے طریقے پر چلتا ہے اور آدمی کی پہچان بھی اس کے دوست کے حوالے سے ہوتی ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے تنہا سفر کرنے سے منع فرمایا (۱) اور ارشاد فرمایا تین آدمی ہوں (۲) آپ نے یہ بھی فرمایا کہ جب تم تین آدمی ہو تو ایک کو اپنا امیر بناؤ (۳) صحابہ کرام اسی طرح کیا کرتے تھے اور وہ کہتے تھے کہ یہ ہمارا امیر ہے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے ہمارا امیر بنایا ہے (۴)

اس شخص کو امیر بنائیں جو ان سب میں سے زیادہ اچھے اخلاق کا مالک ہو، دوستوں پر زیادہ مہربان ہو، ایثار و قربانی میں زیادہ جلدی کرنے والا ہو۔ اور دوسروں کی موافقت کا طالب ہو۔ امیر کی ضرورت اس لیے ہوتی ہے کہ منازل، راستوں اور مصالحِ سفر کے تعین کے سلسلے میں آراء مختلف ہوتی ہیں اور جب ایک رائے ہوگی تو نظام ٹھیک رہے گا اور آراء زیادہ ہوں گی تو فساد پیدا ہوگا۔ کائنات کا نظام بھی اسی لیے درست ہے کہ اس کا مدبر ایک ہے۔

ارشادِ خداوندی ہے :

لَوْ كَانَ فِيْهِمَا اٰلِهَةٌ اِلَّا اللّٰهُ لَفَسَدَتَا۔ (۵)

اگر ان دونوں (زمین و آسمان) میں اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی اور خدا بھی ہوتے تو ان کا نظام بگڑ جاتا۔

---

(۱) مسند امام احمد بن حنبل جلد ۲ ص ۱۱۲ مرویات ابن عمر

(۲) مسند امام احمد بن حنبل جلد ۲ ۱۸۶ مرویات عمرو بن شعیب

(۳) کنز العمال جلد ۶ ص ۱۷، حدیث ۱۷۵۵۰

(۴) کنز العمال جلد ۲۷، حدیث ۱۷۵۹۶

(۵) قرآن مجید، سورۃ الانبیاء آیت ۲۲

جب تدبیر کرنے والا ایک ہو تو کام درست رہتا ہے اور جب تدبیر کرنے والے زیادہ ہوں تو سفر و حضر میں کام بگڑ جاتے ہیں۔ لیکن مقامِ حضر میں ایک امیر عام ہوتا ہے جیسے شہر کا امیر اور ایک خاص امیر ہوتا ہے جیسے گھر کا مالک لیکن سفر میں تو امیر بنانا پڑتا ہے اس لیے امیر مقرر کرنا واجب ہے تاکہ مختلف آراء جمع ہو جائیں۔ پھر امیر پر لازم ہے کہ وہ قوم کی بھلائی کو دیکھے اور اپنے آپ کو ان کا محافظ سمجھے جیسا کہ حضرت عبداللہ مروزی رحمہ اللہ سے مروی ہے کہ حضرت ابوعلی رباطی ان کے ہم سفر ہو گئے تو انہوں نے فرمایا آپ امیر بنیں یا میں! انہوں نے جواب دیا آپ امیر بنیں تو انہوں نے مسلسل اپنا اور ابوعلی رباطی کا سامان اپنی پیٹھ پر اٹھائے رکھا ایک رات بارش ہو گئی حضرت عبداللہ رات بھر اپنے ساتھی کے سرہانے کھڑے رہے ان کے ہاتھ میں چادر تھی جس سے بارش کو روک رہے تھے جب بھی حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ فرماتے آپ ایسا نہ کریں تو وہ فرماتے کیا میں نے تمہیں نہیں کہا تھا کہ مجھے امیر بنایا گیا ہے تو اب آپ مجھے نہ تو کوئی حکم دیں گے اور نہ ہی آپ اپنے قول سے رجوع کریں گے حتیٰ کہ حضرت ابوعلی رحمہ اللہ نے فرمایا میں آپ کو اپنا امیر نہ کہتا بلکہ اس کے مقابلے میں مرجاتا تو اچھا تھا۔

تو امیر اس طرح کا ہونا چاہیے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

خَيْرُ الْأَصْحَابِ أَرْبَعَةٌ (۱) بہترین ساتھی چار کی تعداد میں ہوتے) ہیں

تو چار کی تعداد کی تخصیص میں کوئی فائدہ ضرور ہونا چاہیے۔ تو اس سلسلے میں جو بات ظاہر ہوتی ہے وہ یہ کہ مسافر کے لیے ایک ایسا ساتھی ہونا چاہیے جو اس کے سامان کی حفاظت کرے اور دوسرا یہ کہ کسی ضرورت کے تحت اِدھر اُدھر جائے اگر وہ تین ہوں گے تو ان میں سے ایک کسی ضرورت کے سلسلے میں جائے گا تو اس طرح وہ کسی رفیق کے بغیر آنے جانے کی وجہ سے پریشان ہو گا۔ اور اس کا دل تنگ ہو گا کیونکہ اسے کسی رفیق کا اُنس حاصل نہیں ہو گا اور اگر ضرورت کی خاطر دو آدمی جائیں گے تو حفاظت کے لیے ایک آدمی ٹھہرے گا تو اسے بھی خطرات درپیش ہوں گے اور اس کا دل بھی تنگ ہو گا تو اس طرح چار سے کم تعداد سے مقصود حاصل نہ ہو گا اور چار سے زیادہ ہوں تو وہ ضرورت سے زائد ہیں تو اب ان کے درمیان وحدتِ رابطہ نہ ہو گی اور باہمی رفاقت مفقود ہو گی کیونکہ پانچواں شخص حاجت سے زائد ہے اور جو بھی اس کی ضرورت محسوس نہیں کرے گا وہ اس کی طرف متوجہ نہیں ہو گا تو یوں تکمیلِ رفاقت نہ ہو گی۔

ہاں ساتھی زیادہ ہوں تو خوف کے مقامات سے امن رہتا ہے لیکن چار کی تعداد رفاقتِ خاصہ کے سلسلے میں بہتر ہے رفاقتِ عامہ کے لئے نہیں۔ اور زیادہ ساتھیوں کی صورت میں کتنے ہی رفیق ایسے ہوتے ہیں کہ راستے میں ان سے گفتگو کی نوبت ہی نہیں آتی اور ضرورت پیش نہ آنے کی وجہ سے راستے کے آخر تک ان سے میل جول نہیں رہتا۔

تیسرا ادب:

---

(۱) مسند امام احمد بن حنبل جلد اول ص ۲۹۹ مرویات ابن عباس

حضر کے دوستوں اور اہل خانہ کو رخصت کرے اور رخصت ہوتے وقت وہ دعا مانگے جو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول ہے وہ دعا یہ ہے۔

اَسْتَوْدِعُ اللّٰهَ دِيْنَكَ وَاَمَانَتَكَ وَخَوَاتِيْمَ عَمَلِكَ (۱)

میں تیرے دین، امانت اور عمل کے خاتمہ کو اللہ تعالیٰ کے سپرد کرتا ہوں۔

ایک تابعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں میں مکہ مکرمہ سے مدینہ طیبہ تک (اللہ تعالیٰ دونوں شہروں کی حفاظت فرمائے) حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے ساتھ سفر کیا جب میں ان سے الگ ہونے لگا تو انہوں نے، مجھے رخصت کیا اور فرمایا میں نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا آپ نے فرمایا:

حضرت لقمان حکیم کا قول ہے کہ جب کسی چیز کو اللہ تعالیٰ کے سپرد کیا جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کی حفاظت فرماتا ہے (۲)

اور میں تیرے دین، امانت اور خاتمۂ اعمال کو اللہ تعالیٰ کے سپرد کرتا ہوں، (۳)

حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ، رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں آپ نے فرمایا جب تم میں سے کوئی ایک سفر کا ارادہ کرے تو اپنے بھائیوں سے رخصت ہو اللہ تعالیٰ اس کے لیے ان کی دعا میں برکت ڈالے گا۔ (۴)

حضرت عمرو بن شعیب اپنے والد سے اور وہ ان کے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب کسی کو رخصت کرتے تو یوں دعا مانگتے۔

زَوَّدَكَ اللّٰهُ التَّقْوٰى وَغَفَرَ ذَنْبَكَ وَوَجَّهَكَ اِلَى الْخَيْرِ حَيْثُ تَوَجَّهْتَ۔ (۴)

اللہ تعالیٰ تجھے تقویٰ کا سامان عطا فرمائے تیرے گناہ بخش دے اور تجھے بھلائی کی طرف متوجہ کرے

تو مقیم آدمی، مسافر کے لیے یہ دعا کرے۔

حضرت موسیٰ بن وردان رحمہ اللہ فرماتے ہیں میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوا تاکہ ایک سفر کے سلسلے میں ان سے رخصت ہو جاؤں تو انہوں نے فرمایا تمہیں بھتیجے! کیا میں نہیں ایک بات نہ سکھاؤں جو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے رخصت کرتے وقت سکھائی تھی؟ میں نے عرض کیا جی ہاں سکھائیے تو انہوں نے فرمایا یوں کہو۔

---

(۱) کنز العمال جلد ۶ ص ۳۰۲، حدیث ۱۷۴۸۰

(۲) کنز العمال جلد ۶ ص ۳۰۷، حدیث ۱۷۴۷۵

أَسْتَوْدِعُكَ اللّٰهَ الَّذِي لَا يَضِيعُ وَدَائِعُهُ۔ (۱) میں تمہیں اللہ تعالیٰ کے سپرد کرتا ہوں جو امانتوں کو ضائع نہیں ہونے دیتا۔

اور حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں ایک شخص رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ میں سفر کا ارادہ رکھتا ہوں مجھے کچھ نصیحت فرمائیے تو آپ نے فرمایا۔

"تم اللہ تعالیٰ کی حفاظت اور پناہ میں ہو اللہ تعالیٰ تمہیں تقویٰ کی دولت عطا فرمائے، تمہارے گناہ بخش دے اور تم جہاں بھی ہو اللہ تعالیٰ تمہیں بھلائی کی طرف متوجہ کرے (۲)

اور جب پیچھے رکھنے والوں کو سپردِ خدا کرے تو کسی تخصیص کے بغیر سب کو اللہ تعالیٰ کے سپرد کرے۔

ایک روایت میں ہے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ لوگوں کو عطیات عطا فرما رہے تھے کہ آپ کے پاس ایک شخص اپنے بیٹے کو لے کر آیا حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے فرمایا جس قدر یہ لڑکا تمہارا ہم شکل ہے میں نے اس قسم کی مشابہت نہیں دیکھی۔ اس شخص نے عرض کیا امیر المومنین! میں اس کی طرف سے ایک بات آپ کو بتاتا ہوں میں ایک سفر پر جانے لگا اور اس وقت یہ اپنی ماں کے پیٹ میں تھا میری بیوی نے کہا تم مجھے اس حالت میں چھوڑ کر جا رہے ہو! میں نے کہا جو کچھ تیرے پیٹ میں ہے میں اسے اللہ تعالیٰ کے سپرد کرتا ہوں چنانچہ میں چلا گیا اور پھر آیا تو وہ عورت فوت ہو چکی تھی ہم بیٹھ کر گفتگو کرنے لگے تو میں نے اس کی قبر پر آگ دیکھی، میں نے لوگوں سے پوچھا یہ آگ کیسی ہے؟ انہوں نے بتایا یہ فلاں عورت کی قبر کی آگ ہے ہم ہر رات اسے دیکھتے ہیں۔ میں نے کہا اللہ تعالیٰ کی قسم وہ تو بہت روزے رکھنے والی اور رات کو قیام کرنے والی تھی میں ایک کدال لے کر نکلا حتیٰ کہ ہم سب وہاں پہنچے ہم نے اسے کھودا تو اندر ایک چراغ تھا اور یہ لڑکا ہاتھ پاؤں مار رہا تھا مجھے کہا گیا یہ تمہاری امانت ہے اگر تم اس کی ماں کو بھی اللہ تعالیٰ کے سپرد کرتے تو اسے بھی پا لیتے۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے فرمایا یہ تم سے اس قدر مشابہ ہے کہ ایک کوا بھی دوسرے کوے کے اتنا مشابہ نہیں ہوتا۔

چوتھا ادب:

سفر سے پہلے نمازِ استخارہ پڑھے جیسا کہ ہم نے نماز کے بیان میں ذکر کیا ہے اور جب نکلنے لگے تو سفر کے لیے نماز پڑھے۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک شخص نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس نے عرض کیا میں نے سفر کی نذر مان رکھی ہے اور میں نے وصیت بھی لکھ دی ہے تو میں تین میں سے کس کے حوالے کروں بیٹے کو دوں، سوتیلی ماں کو یا دادی کو (۳)؟

---

(۱) سنن ابن ماجہ ص ۲۰۸ ابواب الجہاد (۲) کنز العمال جلد ۶ ص ۷۰۳، حدیث ۱۷۴۸۵

(۳) ایک نسخہ میں ہے باپ کو یا سوتیلی ماں کو یا بیوی کو دوں (اتحاف جلد ۶ ص ۳۰۲)

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:
بندہ اپنے گھر میں کوئی ایسا نائب چھوڑ کر نہیں جاتا جو اللہ تعالیٰ کے ہاں ان چار رکعات سے زیادہ پسندیدہ ہو جو وہ اپنے گھر میں اس وقت پڑھتا ہے جب سفر کی تیاری کرتا ہے ان میں سورۂ فاتحہ اور "قل ہو اللہ احد" پڑھے پھر یوں کہے۔

اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَتَقَرَّبُ بِھِنَّ اِلَیْكَ فَاخْلُفْنِیْ بِھِنَّ فِیْ اَھْلِیْ وَمَالِیْ۔

اے اللہ! میں ان رکعات کے ذریعے تیرا قرب حاصل کرتا ہوں ان کو میرے اہل اور مال میں میرا نائب بنا۔

تو یہ رکعات اس کے اہل و مال میں اس کی نیابت کریں گی اور اس کے گھر کے گرد محافظ ہوں گی یہاں تک کہ وہ واپس گھر لوٹ آئے۔(۱)

پانچواں ادب:

جب گھر کے دروازے پر پہنچے تو کہے۔

بِسْمِ اللّٰہِ تَوَكَّلْتُ عَلَی اللّٰہِ، وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰہِ، رَبِّ اَعُوْذُبِكَ اَنْ اَضِلَّ، اَوْاُضَلَّ، اَوْاَزِلَّ اَوْاُزَلَّ، اَوْاَظْلِمَ اَوْاُظْلَمَ، اَوْاَجْھَلَ اَوْاُجْھَلَ عَلَیَّ۔

اللہ تعالیٰ کے نام سے (شروع کرتا ہوں) میں نے اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کیا اللہ تعالیٰ کے سوا نیکی کرنے اور برائی سے روکنے کی کوئی قوت نہیں ہے اے میرے رب! میں گمراہ ہونے یا گمراہ کئے جانے سے، پھسلنے یا پھسلائے جانے سے ظلم کرنے یا ظلم کا شکار ہونے سے جہالت کا ارتکاب کرنے یا جہالت کا شکار ہونے سے تیری پناہ چاہتا ہوں۔

⁂

جب چلے تو یوں کہے:

اَللّٰھُمَّ بِكَ انْتَشَرْتُ، وَعَلَیْكَ تَوَكَّلْتُ، وَبِكَ اعْتَصَمْتُ، وَاِلَیْكَ تَوَجَّھْتُ اَللّٰھُمَّ اَنْتَ ثِقَتِیْ، وَاَنْتَ رَجَائِیْ، فَاكْفِنِیْ مَا اَھَمَّنِیْ وَمَا لَا اَھْتَمُّ بِهٖ، وَمَا اَنْتَ اَعْلَمُ بِهٖ مِنِّیْ، عَزَّ جَارُكَ وَجَلَّ ثَنَاؤُكَ، وَلَا اِلٰہَ غَیْرُكَ، اَللّٰھُمَّ زَوِّدْنِی التَّقْوٰی وَاغْفِرْلِیْ ذَنْبِیْ، وَوَجِّھْنِیْ لِلْخَیْرِ اَیْنَمَا تَوَجَّھْتُ۔

"یا اللہ! میں تیرے نام پر جا رہا ہوں، تجھ ہی پر بھروسہ کیا، تیرے دامنِ رحمت کو مضبوطی سے پکڑا، تیری طرف ہی متوجہ ہوا یا اللہ! میرا بھروسہ تجھ پر ہی ہے تو ہی میری امید گاہ ہے۔ جو بات مجھے پریشان کرے اور میں اس کا اہتمام نہ کر سکوں اس میں میری کفایت فرما اور وہ کام جسے تو مجھ سے زیادہ جانتا ہے، تیری پناہ میں آنے والا معزز ہے، تیری ثنا بلند ہے تیرے سوا کوئی معبود نہیں یا اللہ! مجھے تقویٰ کی دولت عطا فرما میرے گناہ بخش دے اور میں جدھر بھی جاؤں بھلائی میرا استقبال کرے،" جب کسی مقام پر اترے تو یہ دعا مانگے۔ (مذکورہ بالا دعا)

⁂

(۱) کنز العمال جلد ۶ ص ۸۰۳، حدیث ۱۷۶۳۸

اور جب سواری پر سوار ہو تو یوں کہے۔

بِسْمِ اللّٰہِ وَبِاللّٰہِ وَ اللّٰہُ اَکْبَرُ تَوَکَّلْتُ عَلَی اللّٰہِ وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰہِ الْعَلِیِّ الْعَظِیْمِ مَاشَآءَ اللّٰہُ کَانَ وَمَا لَمْ یَشَاْءُ لَمْ یَکُنْ۔

اللہ تعالیٰ کے نام سے اللہ تعالیٰ کی مدد سے سوار ہوتا ہوں ا اللہ سب سے بڑا ہے میں نے اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کیا نیکی کرنے اور برائی سے رُکنے کی طاقت صرف اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے وہ بلند عظمت والا ہے۔ وہ جو کچھ چاہے ہو جاتا ہے اور وہ جو کچھ نہ چاہے نہیں ہوتا۔

اور یہ آیت بھی پڑھے،

سُبْحَانَ الَّذِیْ سَخَّرَلَنَا ھٰذَا وَمَا کُنَّا لَہٗ مُقْرِنِیْنَ وَاِنَّا اِلٰی رَبِّنَا لَمُنْقَلِبُوْنَ۔ (۱)

وہ ذات پاک ہے جس نے اسے ہمارے لیے مسخر کیا اور ہم اسے قابو نہیں کر سکتے تھے اور بے شک ہم اپنے رب کی طرف لوٹنے والے ہیں۔

جب سواری پر ٹھیک ہو کر بیٹھ جائے تو پڑھے۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ ھَدَانَا لِھٰذَا وَمَا کُنَّا لِنَھْتَدِیَ لَوْلَآ اَنْ ھَدَانَا اللّٰہُ۔ (۲)

تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں جس نے اس کی طرف ہماری راہنمائی کی اگر اللہ تعالیٰ ہمیں اس کا راستہ نہ بتاتا تو ہم یہ راہ نہیں پا سکتے تھے۔

اور یہ بھی پڑھے،

اَللّٰھُمَّ اَنْتَ الْحَامِلُ عَلَی الظَّھْرِ وَاَنْتَ الْمُسْتَعَانُ عَلَی الْاُمُوْرِ۔ (۳)

یا اللہ! تو ہی (اس کی) پیٹھ پر سوار کرنے والا ہے اور کاموں میں تجھ سے ہی مدد طلب کی جاتی ہے۔

چھٹا ادب:

منزل سے سویرے سویرے چلے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے تبوک کا ارادہ فرمایا تو جمعرات کے دن سویرے سویرے تشریف لے گئے۔ اور یوں دعا مانگی

اَللّٰھُمَّ بَارِکْ لِاُمَّتِیْ فِیْ بُکُوْرِھَا۔

اے اللہ! میری امت کے صبح کے کاموں میں برکت عطا فرما۔

---

(۱) قرآن مجید، سورۂ زخرف آیت ۱۳، ۱۴۔

(۲) قرآن مجید، سورۂ اعراف آیت ۴۳

(۳) مسند امام احمد بن حنبل جلد ۳ ص ۴۱۷ مرویات صخر الغامدی

اور جمعرات کے دن رخصت ہونا مستحب ہے حضرت عبداللہ بن کعب بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جمعرات کے علاوہ سفر پر بہت کم تشریف لے جاتے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یوں دعا مانگی۔

اَللّٰهُمَّ بَارِكْ لِاُمَّتِيْ فِيْ بُكُوْرِهَا يَوْمَ السَّبْتِ (۱) — یا اللہ! میری امت کو ان کے ہفتے کے دن سویرے سویرے اٹھنے میں برکت عطا فرما۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب بھی کوئی لشکر بھیجتے تو اسے دن کے شروع میں بھیجتے (۲) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یوں دعا مانگی۔

اَللّٰهُمَّ بَارِكْ لِاُمَّتِيْ فِيْ بُكُوْرِهَا يَوْمَ خَمِيْسِهَا (۳) — اے اللہ! میری امت کے جمعرات کے دن سویرے سویرے اٹھنے میں برکت ڈال دے۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں۔

جب تمہارا کسی شخص سے کوئی کام ہو تو دن کے وقت طلب کرو رات کو نہ کرو اور دن کو بھی سویرے سویرے جاؤ کیونکہ میں نے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا آپ نے یہ دعا مانگی۔

اے اللہ! میری امت کی صبح میں برکت فرما (۴)

مسافر کو جمعۃ المبارک کے دن طلوع فجر کے بعد سفر نہیں کرنا چاہیئے اس طرح وہ جمعۃ المبارک کی نماز چھوڑنے کی وجہ سے گناہ گار ہوگا کیونکہ پورا دن اسی کی طرف منسوب ہے لہٰذا اس کا پہلا حصہ بھی وجوب کے اسباب سے ہے مسافر کو رخصت کرنے کے لیے جانا مستحب بلکہ سنت ہے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

مجھے اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد کرنے والے صبح اور شام رخصت کرنا اور اس کی سواری کے گرد ہونا دینا اور جو کچھ اس میں ہے، اس سب سے زیادہ پسند ہے۔ (۵)

ساتواں ادب :

---

(۱) مجمع الزوائد جلد ۴ ص ۶۱ کتاب البیوع

(۲) مسند امام احمد بن حنبل جلد ۳ ص ۴۱۷ مرویات صخر الغامدی

(۳) مجمع الزوائد جلد ۴ ص ۶۱ کتاب البیوع

(۴) مجمع الزوائد جلد ۴ ص ۶۱ کتاب البیوع

(۵) سنن ابن ماجہ ص ۲۰۸، ابواب الجہاد

جب تک دن اچھی طرح گرم نہ ہو جائے کسی جگہ نہ اترے اور عام سفر رات کو ہونا چاہیئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

عَلَيْكُمْ بِالدُّلْجَةِ (۱) تم پر رات کی سیاہی (میں سفر کرنا) لازم ہے۔

کیونکہ جس قدر رات کے وقت زمین کو لپیٹا جاتا ہے دن میں نہیں لپیٹا جاتا ہے اور جب کسی مقام پہ اترے تو یہ الفاظ کہے۔

اَللّٰهُمَّ رَبَّ السَّمٰوٰتِ السَّبْعِ وَمَا اَظْلَلْنَ، وَرَبَّ الْاَرَضِيْنَ السَّبْعِ وَمَا اَقْلَلْنَ، وَرَبَّ الشَّيَاطِيْنِ وَمَا اَضْلَلْنَ، وَرَبَّ الرِّيَاحِ وَمَا ذَرَيْنَ، وَرَبَّ الْبِحَارِ وَمَا جَرَيْنَ، اَسْاَلُكَ خَيْرَ هٰذَا الْمَنْزِلِ وَخَيْرَ اَهْلِهِ، وَاَعُوْذُ بِكَ مِنْ شَرِّ هٰذَا الْمَنْزِلِ وَشَرِّ مَا فِيْهِ، اِصْرِفْ عَنِّيْ شَرَّ شِرَارِهِمْ

اے اللہ! ساتوں آسمانوں اور جس پہ انہوں نے سایہ کر رکھا ہے کے رب، ساتوں زمینوں اور جو کچھ انہوں نے اٹھا رکھا ہے، کے رب شیطانوں اور جن کو انہوں نے گمراہ کیا ان کے رب، ہواؤں اور جن چیزوں کو انہوں نے پراگندہ کیا ان کے رب، سمندروں اور جن کو انہوں نے چلایا، کے رب میں تجھ سے اس منزل اور اس کے رہنے والوں کی بھلائی کا سوال کرتا ہوں اور میں اس منزل اور جو کچھ اس میں ہے کے شر سے تیری پناہ چاہتا ہوں اس کے شر پسندوں کے شر کو مجھ سے دور رکھ۔

❊ ❊ ❊

جب منزل پر اترے تو دو رکعت نماز پڑھے اور پھر یہ کلمات کہے۔

اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَعُوْذُ بِكَلِمَاتِ اللّٰهِ التَّامَّاتِ الَّتِيْ لَا يُجَاوِزُهُنَّ بَرٌّ وَلَا فَاجِرٌ مِنْ شَرِّ مَا خَلَقَ،

یا اللہ! میں تیرے کامل و مکمل کلمات کے ساتھ مخلوق کے شر سے تیری پناہ چاہتا ہوں وہ کلمات جن سے کوئی نیک و بد تجاوز نہیں کرتا۔

اور جب رات چھا جائے تو یوں کہے۔

يَا اَرْضُ رَبِّيْ وَرَبُّكِ اللّٰهُ، اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ شَرِّكِ، وَمِنْ شَرِّ مَا فِيْكِ، وَشَرِّ مَا دَبَّ عَلَيْكِ، اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ شَرِّ كُلِّ اَسَدٍ وَاَسْوَدَ وَحَيَّةٍ وَعَقْرَبٍ، وَمِنْ شَرِّ سَاكِنِي الْبَلَدِ وَوَالِدٍ وَمَا وَلَدَ۔

اے زمین! میرا اور تیرا رب اللہ تعالیٰ ہے میں تیرے شر اور جو کچھ تجھ میں ہے اس کے شر سے اور جو کچھ تیرے اوپر چلتا ہے اس کے شر سے تیری پناہ چاہتا ہوں میں ہر شیر، کالے سانپ، عام سانپوں اور بچھو سے تیری پناہ چاہتا ہوں۔ شہر میں رہنے والوں اور باپ بیٹے کے شر سے تیری پناہ کا طالب ہوں (نیز پڑھے۔

---

(۱) مسند امام احمد بن حنبل جلد ۳ ص ۳۸۲ مرویات جابر بن عبد اللہ

وَلَهٗ سَكَنَ مَا فِي اللَّيْلِ وَالنَّهَارِ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ۔ (۱)

اور جو کچھ رات اور دن میں ہے اسی کے لیے ٹھہرا ہوا ہے۔ اور وہ سننے والا جاننے والا ہے۔

اور سفر کے دوران جب بلند مقام پر چڑھے تو یوں کہنا چاہیے۔

اَللّٰهُمَّ لَكَ الشَّرَفُ عَلٰى كُلِّ شَرَفٍ وَلَكَ الْحَمْدُ فِيْ كُلِّ حَالٍ۔

یا اللہ! تو ہر بلند سے بلند ہے اور ہر حال میں تیرے لیے ہی حمد و ستائش ہے۔

جب کسی پست جگہ میں اترے تو "سبحان اللہ" پڑھے اور جب دوران سفر وحشت محسوس ہو تو یوں کہے۔

سُبْحَانَ الْمَلِكِ الْقُدُّوْسِ رَبِّ الْمَلٰٓئِكَةِ وَالرُّوْحِ جَلَّلْتَ السَّمٰوٰتِ بِالْعِزَّةِ وَالْجَبَرُوْتِ۔

پاک ہے بادشاہ پاک ہے فرشتوں اور جبریل امین کا رب اس کی عزت و جبروت نے آسمانوں کو ڈھانپ لیا ہے۔

آٹھواں ادب:

دن کے وقت احتیاط برتنے قافلے سے الگ ہو کر تنہا نہ جائے کیونکہ بعض اوقات ناگہانی طور پہ مارا جا سکتا ہے، یا قافلے سے کٹ جائے گا اور رات کے وقت جب سوئے تو ہوشیار رہے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سفر کے دوران جب رات کے شروع میں آرام فرماتے تو اپنا بازو بچھا لیتے اور جب رات کے آخری حصے میں آرام فرمائے تو اپنے بازو کو کھڑا کرتے اور سر انور کو ہتھیلی پر رکھتے (۲)

اس طریقے کا مقصد یہ ہے کہ نیند میں بھاری پن نہ آجائے اور نیند کی حالت میں سورج طلوع نہ ہو جائے اور وہ بے خبر پڑا سو رہا ہو تو سفر سے جو کچھ مطلوب ہے اس سے بہتر چیز یعنی نماز فوت ہو جائے گی۔

رات کے وقت مستحب یہ ہے کہ ساتھی باری باری حفاظت کریں (۳) جب ایک سو جائے تو دوسرا حفاظت کرے، یہ سنت طریقہ ہے جب رات یا دن کے وقت دشمن یا کوئی درندہ اس کی طرف بڑھے تو آیت الکرسی کلمہ شہادت، سورۂ اخلاص، قل اعوذ برب الفلق اور قل اعوذ برب الناس پڑھے اور یہ کلمات بھی پڑھے۔

بِسْمِ اللّٰهِ مَا شَآءَ اللّٰهُ لَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ، حَسْبِيَ اللّٰهُ، تَوَكَّلْتُ عَلَى اللّٰهِ، مَا شَآءَ اللّٰهُ لَا يَاْتِيْ بِالْخَيْرَاتِ اِلَّا اللّٰهُ، مَا شَآءَ اللّٰهُ

اللہ تعالیٰ کے نام سے اور جو کچھ اللہ تعالیٰ چاہے اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی طاقت نہیں، اللہ تعالیٰ مجھے کافی ہے میں نے اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کیا، جو کچھ اللہ تعالیٰ چاہے بھلائیاں اللہ تعالیٰ

---

(۱) قرآن مجید، سورۂ انعام آیت ۱۳

(۲) مسند امام احمد بن حنبل جلد اول ص ۳۰۸ مرویات عبداللہ بن مسعود

(۳) صحیح مسلم جلد اول ص ۲۲۹ کتاب المساجد و مواضعها۔

لَا يَصْرِفُ السُّوْءَ اِلَّا اللّٰهُ ، حَسْبِیَ اللّٰهُ وَكَفٰی، سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ دَعَا، لَيْسَ وَرَاءَ اللّٰهِ مُنْتَهٰی، وَلَا دُوْنَ اللّٰهِ مَلْجَاءٌ، كَتَبَ اللّٰهُ لَاَغْلِبَنَّ اَنَا وَرُسُلِیْ اِنَّ اللّٰهَ قَوِیٌّ عَزِیْزٌ (۱) تَحَصَّنْتُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ ، وَاسْتَعَنْتُ بِالْحَيِّ الْقَيُّوْمِ الَّذِیْ لَا يَمُوْتُ، اَللّٰهُمَّ اَحْرُسْنَا بِعَيْنِكَ الَّتِیْ لَا تَنَامُ ، وَاكْنُفْنَا بِرُكْنِكَ الَّذِیْ لَا يُرَامُ ، اَللّٰهُمَّ ارْحَمْنَا بِقُدْرَتِكَ عَلَيْنَا فَلَا نَهْلِكُ ، وَاَنْتَ ثِقَتُنَا وَرَجَاؤُنَا ، اَللّٰهُمَّ اَعْطِفْ عَلَيْنَا قُلُوْبَ عِبَادِكَ وَاِمَائِكَ بِرَأْفَةٍ وَرَحْمَةٍ اِنَّكَ اَنْتَ اَرْحَمُ الرَّاحِمِيْنَ ۔

ہی لاتا ہے جو کچھ اللہ تعالیٰ چاہے برائی کو اللہ تعالیٰ ہی دور کرتا ہے، اللہ تعالیٰ مجھے کافی ہے اللہ تعالیٰ دعا مانگنے والے کی دعا کو سنتا ہے، اللہ تعالیٰ سے اوپر کچھ نہیں اور اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی پناہ گاہ نہیں (ارشاد خداوندی ہے)" میں نے لکھ دیا کہ میں اور میرے رسول ضرور غالب ہوں گے، بے شک اللہ تعالیٰ طاقت والا غالب ہے،" میں نے عظمت والے اللہ تعالیٰ کی پناہ لے لی اور زندہ قائم رکھنے والے سے مدد طلب کی جس کے لیے موت نہیں ہے، یا اللہ ہمیں اپنی اس آنکھ کی حفاظت میں رکھ جس کے لیے نیند نہیں، اور اپنے اس رکن کی پناہ عطا فرما جس پر قبضہ نہیں ہوتا یا اللہ اپنی قدرت کے ساتھ ہم پر رحم فرما کہ ہم ہلاک نہ ہوں، تو ہمارے اعتماد اور امید کا مرکز ہے یا اللہ! اپنے بندوں اور باندیوں کے دلوں کو ہماری طرف متوجہ کر دے اپنی رحمت اور مہربانی سے ایسا کر دے اے سب سے بڑھ کر رحم فرمانے والے۔

❊ ❊

نواں ادب :

اگر سواری پر سوار ہو تو اس سے نرمی کا برتاؤ کرے اس پر اس کی طاقت سے زیادہ بوجھ نہ ڈالے اور نہ اس کے چہرے پر مارے کیوں کہ اس سے روکا گیا ہے، نہ سواری پر سوئے کیوں کہ نیند کی وجہ سے اس پر بوجھ پڑتا ہے اور اس سے جانور کو اذیت پہنچتی ہے، اہل تقویٰ سواری پر اونگھ کے علاوہ نہیں سوتے تھے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

لَا تَتَّخِذُوْا ظُهُوْرَ دَوَابِّكُمْ كَرَاسِیَّ - (۲) اپنے جانور کی پیٹھوں کو کرسیاں نہ بناؤ۔

اور مستحب یہ ہے کہ صبح و شام جانور سے اتر کر اسے آرام پہنچائے یہ سنت ہے، اور اس سلسلے میں بزرگوں کے اقوال پائے جاتے ہیں (۳) بعض بزرگ اس شرط پر جانور کرائے پر حاصل کرتے تھے کہ وہ اجرت پوری دیں گے لیکن اتریں گے نہیں پھر

---

(۱) قرآن مجید سورۂ مجادلہ آیت ۲۱

(۲) المستدرک للحاکم جلد ۲ ص ۱۰۲ کتاب معرفۃ الصحابۃ

(۳) سنن ابن ماجہ ص ۲۷۰ ابواب الادب

وہ اترتے تھے تاکہ جانور کے ساتھ حسن سلوک ہو اور ان کے نامۂ اعمال میں نیکیاں لکھی جائیں کرایہ پہ دینے والے کے نامہ اعمال میں نہیں۔

اور جو شخص مارنے یا طاقت سے زیادہ بوجھ رکھنے کے باعث جانور کو اذیت پہنچاتا ہے قیامت کے دن اس سے حساب لیا جائے گا کیونکہ ہر پیاسے جگر کو پانی پلانے ا میں اجر ہے۔

حضرت ابو الدرداء رضی اللہ عنہ کا ایک اونٹ مر گیا تو آپ نے اسے (مخاطب کرتے ہوئے) فرمایا: اے اونٹ! اپنے رب کے ہاں مجھ سے نہ جھگڑنا میں نے تیری طاقت سے زیادہ بوجھ تجھ پر نہیں ڈالا اور ایک ساعت اترنے میں دو صدقے ہیں ایک جانور کو آرام پہنچانا اور دوسرا کرائے والے کے دل کو خوشی پہنچانا اور اس میں ایک اور فائدہ بھی ہے اور وہ بدن کی مشقت اور پاؤں کو حرکت دینا ہے نیز زیادہ دیر تک سواری کی وجہ سے اعضاء کے سست ہونے سے حفاظت بھی ہوتی ہے۔

اور مناسب یہ ہے کہ کرایہ لینے والے کو بتادے کہ وہ جانور پر کیا کیا چیز لادے گا ہر چیز کا الگ نام بتادے اور اسے دکھا بھی دے اور جانور کو کرایہ پہ عقد صحیح کے ساتھ حاصل کرے تاکہ ان کے درمیان جھگڑا پیدا نہ ہو جس سے دل کو اذیت پہنچتی ہے اور طویل جھگڑے کی نوبت آتی ہے اور آدمی جو بات بھی آگے کرتا ہے اس پر ایک تیار نگران موجود ہوتا ہے لہذا زیادہ گفتگو اور کرائے والے کے ساتھ جھگڑا کرنے سے بچے اور جو اشیاء مقرر ہوئی ہیں ان سے زائد لادنا مناسب نہیں اگرچہ ہلکی پھلکی ہو کیونکہ تھوڑی چیز ہوتے ہوتے زیادہ ہو جاتی ہے اور جو شخص (ممنوعہ) چراگاہ کے گرد چراتا ہے تو قریب ہے کہ وہ جانور اندر چلا جائے۔

حضرت عبداللہ بن مبارک رحمہ اللہ ایک جانور پر سوار تھے کہ ایک شخص نے عرض کیا میرا یہ رقعہ فلاں شخص کو پہنچا دینا۔ انہوں نے فرمایا جب تک میں کرائے والے سے پوچھ نہ لوں کیونکہ میں نے جن چیزوں کو اس پر لادنے کی شرط رکھی ہے ان میں یہ رقعہ شامل نہیں ہے۔

تو دیکھئے کس طرح انہوں نے فقہاء کرام کے قول کی طرف توجہ کی حالانکہ ان باتوں میں چشم پوشی سے کام لیا جاتا ہے لیکن انہوں نے پرہیز گاری کی راہ اختیار فرمائی۔

دسواں ادب:

اسے سفر پر جاتے وقت اپنے ساتھ چھ چیزیں لے جانا مستحب ہے۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب سفر پر تشریف لے جاتے تھے تو اپنے ساتھ پانچ چیزیں لے جاتے تھے۔

(۱) شیشہ (۲) سرمہ دانی (۳) قینچی (۴) مسواک اور (۵) کنگھی (۱)

---

(۱) کنز العمال جلد ۷، ص ۱۰۱ حدیث ۱۸۱۶۱

ایک دوسری روایت میں چھ چیزوں کا ذکر ہے یعنی شیشہ پانی وغیرہ کے لیے کوئی برتن، قینچی، مسواک سرمہ دانی اور کنگھی۔
حضرت ام سعد انصاریہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سفر کے دوران شیشے اور سرمہ دانی کو اپنے آپ سے الگ نہیں کرتے تھے (۱)

حضرت صہیب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔
تم پر لازم ہے کہ سوتے وقت اثمد سرمہ لگایا کرو وہ بینائی کو زیادہ کرتا اور بالوں کو اگاتا ہے (۲)
ایک روایت میں ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہر آنکھ میں سرمے کی تین تین سلائیاں لگاتے تھے اور ایک دوسری روایت میں ہے کہ دائیں آنکھ میں تین اور بائیں آنکھ میں دو سلائیاں لگاتے تھے (۳)
صوفیاء کرام نے اشیاء سفر میں ڈولچی اور رسی کا بھی اضافہ کیا ہے اور بعض صوفیا نے فرمایا اگر فقیر کے پاس ڈولچی اور رسی نہ ہو تو یہ اس کے دین میں نقص کی علامت ہے۔ انہوں نے ان دو چیزوں کا اضافہ اس لیے کیا ہے کہ وہ پانی کی طہارت اور کپڑوں کے دھونے کے سلسلے میں احتیاط کرتے تھے تو ڈولچی (یا چھوٹا مشکیزہ) وغیرہ پانی کی حفاظت کے لیے اور رسی دُھلے ہوئے کپڑوں کو خشک کرنے کے لیے ہوتی ہے نیز اس کے ذریعے کنوؤں سے پانی نکالتے تھے۔ اور پہلے لوگ تیمم پر اکتفا کرتے تھے اور پانی اپنے ساتھ لے جانے سے بچتے تھے۔ اور وہ تالابوں بلکہ تمام پانیوں سے وضو کرنے میں کوئی حرج نہیں سمجھتے تھے جب تک ان کے ناپاک ہونے کا یقین نہ ہوتا حتیٰ کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے ایک عیسائی عورت کے گھڑے کے پانی سے وضو فرمایا اور وہ رسی کی بجائے زمین اور پہاڑوں پر اکتفا کرتے تھے یعنی دُھلے ہوئے کپڑوں کو خشک کرنے کے لیے) ان پر بچھاتے تھے اگرچہ یہ (رسی وغیرہ) بدعت ہے لیکن بدعت حسنہ ہے بدعت مذمومہ وہ ہوتی ہے جو ثابت سنتوں کے خلاف ہو اور جو کام دین کے سلسلے میں احتیاط پر مبنی ہو وہ اچھا ہے۔ طہارت میں مبالغہ کے احکام ہم نے طہارت کے بیان میں ذکر کئے ہیں اور جو آدمی خالص دین کے لیے منفق ہوا سے رخصت کے راستے کو ترجیح نہیں دینی چاہیئے بلکہ اسے طہارت میں احتیاط اختیار کرنی چاہیے جب تک اس سے افضل عمل رکاوٹ نہ بنے۔
کہا گیا کہ حضرت خواص رحمہ اللہ متوکل لوگوں میں سے تھے اور چار چیزیں سفر و حضر میں ان کے پاس رہتی تھیں ایک ڈولچی، دوسری رسی تیسری سوئی اور دھاگہ اور چوتھی چیز قینچی ــــ وہ فرماتے تھے یہ چیزیں دنیوی نہیں ہیں۔

گیارھواں ادب:

---

(۱) کتاب الضعفاء الکبیر للعقیلی جلد ۳ ص ۶۹ ترجمہ ۱۶۲۳

(۲) سنن ابن ماجہ ص ۲۵۸ ابواب الطب۔

(۳) شرح السنۃ جلد ۱۲ ص ۱۱۹ حدیث ۳۲۰۵

یہ ادب سفر سے واپسی کے آداب سے متعلق ہے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب کسی غزوہ، حج یا عمرہ وغیرہ سے واپس تشریف لاتے تو ہر بلندی پر تین مرتبہ اللہ اکبر کہتے اور پھر یہ کلمات کہتے۔

لَا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ، لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ، وَهُوَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ، آيِبُونَ تَائِبُونَ عَابِدُونَ سَاجِدُونَ لِرَبِّنَا حَامِدُونَ، صَدَقَ اللهُ وَعْدَهُ، وَنَصَرَ عَبْدَهُ وَهَزَمَ الْأَحْزَابَ وَحْدَهُ (۱)

اللہ تعالی ایک ہے اس کا کوئی شریک نہیں اسی کے لیے بادشاہی اور حمد ہے اور وہ ہر چیز پہ قادر ہے ہم لوٹنے والے ہیں توبہ کرنے والے، سجدہ کرنے والے اور اپنے رب کی تعریف کرنے والے ہیں اللہ تعالی نے اپنا وعدہ سچ کر دکھایا اپنے بندے کی مدد کی اور تنہا (دشمن کے) لشکروں کو بھگا دیا۔

جب اپنے شہر کو دیکھے تو یوں کہے؛

اَللّٰهُمَّ اجْعَلْ لَنَا بِهَا قَرَارًا وَرِزْقًا حَسَنًا۔

اے اللہ! ہمیں اس شہر میں قرار اور اچھا رزق عطا فرما۔

پھر کسی کو بھیج کر گھر والوں کو اپنے آنے کی خوشخبری دے تاکہ ان کے پاس اچانک آ کر کوئی ناخوشگوار بات نہ دیکھے۔

گھر والوں کے پاس رات کو آنا مناسب نہیں کیونکہ حضور علیہ السلام نے اس سے منع فرمایا: (۲)

رسول اکرم جب سفر سے تشریف لاتے تو پہلے مسجد میں داخل ہوتے اور دو رکعتیں نفل پڑھتے پھر گھر تشریف لے جاتے (۳)

نیز رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم گھر میں داخل ہوتے وقت یہ الفاظ مبارکہ کہتے تھے۔

تَوْبًا تَوْبًا لِرَبِّنَا أَوْبًا لَا يُغَادِرُ عَلَيْنَا حَوْبًا (۴)

توبہ ہے توبہ ہے اپنا رب کی طرف ہمارا رجوع ہے، وہ ہم پر کوئی گناہ باقی نہ چھوڑے۔

اور اسے چاہیئے کہ جس قدر ممکن ہو اپنے گھر والوں اور رشتہ داروں کے لیے کوئی کھانے کی چیز یا کوئی دوسری چیز تحفتاً لائے کیونکہ یہ سنت ہے چنانچہ ایک روایت میں ہے کہ اگر اور کچھ نہ پائے تو اپنے برتن میں ڈھیلے ہی بھر دے (۵) دراصل

---

(۱) مسند امام احمد بن حنبل جلد ۲ ص ۱۰۵ امرویات ابن عمر

(۲) صحیح بخاری جلد اول ص ۲۴۲، ابواب العمرۃ۔

(۳) مصنف لابن ابی شیبہ جلد اول ص ۵۴۲ حدیث ۱۸۸۵۳

(۴) مسند امام احمد بن حنبل جلد اول ص ۲۵۶ مرویات ابن عباس

(۵) کنز العمال جلد ۶ ص ۷۰۱ حدیث ۱۷۵۵۷

تحفہ لے جانے کے سلسلے میں مبالغہ کے طور پر ایسا کہا گیا ہے، کیوں کہ سفر سے آنے والوں کی طرف نگاہیں لگی رہتی ہیں اور تحفہ سے دلوں کو سرور ملتا ہے لہٰذا ان کی خوشی کی تاکید کی وجہ سے اس کا مستحب ہونا موکد ہے۔

نیز اس میں اس بات کا اظہار ہے کہ سفر کرنے والے نے دورانِ سفر اپنے دل کو ان کی یاد کی طرف متوجہ رکھا۔ تو یہ سفر کے ظاہری آداب کا بیان تھا۔

باطنی آداب:

جہاں تک سفر کے باطنی آداب کا تعلق ہے تو پہلی فصل میں ان کا ذکر ہوا ہے ان کا خلاصہ اس طرح ہے کہ سفر اسی صورت میں کرے جب سفر سے اس کے دین میں کچھ اضافہ ہو اور جب دل میں نقصان کی طرف کچھ تبدیلی پائے تو وہاں ٹھہر جائے اور واپس ہو جائے۔ اور جہاں اس کا دل رک جائے اسی جگہ منزل کرنی چاہیے آگے ارادہ نہ کرے۔

اور جب کسی شہر میں داخل ہو تو وہاں کے بزرگوں کی زیارت کا ارادہ کرے اور ان میں سے ہر ایک سے کوئی ادب یا کوئی کلمہ سیکھنے کی کوشش کرے تاکہ اس سے نفع حاصل کرے یہ مقصد نہ ہو کہ لوگوں کو بتاؤں گا کہ میں نے مشائخ سے ملاقات کی ہے کسی شہر میں ایک ہفتہ یا دس دن سے زیادہ نہ ٹھہرے البتہ وہاں جس بزرگ سے ملاقات مقصود ہے اس کا حکم زیادہ ٹھہرنے کا ہو تو ٹھہر جائے اور وہاں اقامت کے دوران سچے فقراء سے ہی ملاقات کرے اور اگر کسی مسلمان بھائی کی ملاقات مقصود ہو تو تین دن سے زیادہ نہ ٹھہرے کیونکہ مہمان کی حد یہی ہے البتہ اس کے (مسلمان) بھائی اس کی جدائی کو ناپسند کرتا ہوں تو مزید ٹھہرے اور اگر کسی بزرگ کی زیارت مقصود ہو تو اس کے پاس ایک دن رات سے زیادہ نہ ٹھہرے اور اپنے نفس کو میل جول میں مشغول نہ کرے کیوں کہ اس سے سفر کی برکت ختم ہو جاتی ہے اور جب بھی کسی شہر میں داخل ہو تو وہاں کسی چیز میں مشغول نہ ہو بلکہ سیدھا شیخ کے پاس چلا جائے اور اس کے گھر میں اس سے ملاقات کرے اگر وہ گھر میں ہوں تو دروازہ نہ کھٹکھٹائے اور نہ ہی اندر جانے کی اجازت طلب کرے بلکہ ان کے باہر آنے کی انتظار کرے۔ جب وہ خود باہر تشریف لائیں تو ادب کے ساتھ آگے بڑھ کر ان کو سلام کرے ان کے سامنے گفتگو نہ کرے البتہ وہ کچھ پوچھیں تو ان کے سوال کے مطابق جواب دے اور جب تک پہلے سے اجازت نہ لے ان سے کوئی سوال نہ کرے۔

آدمی جب سفر میں ہو تو شہروں کے کھانوں اور سخی لوگوں کا ذکر نہ کرے اور نہ ہی اپنے دوستوں کا ذکر کرتا رہے بلکہ وہاں کے مشائخ اور فقراء کا تذکرہ کرے نیز سفر کے دوران نیک لوگوں کی قبروں کی زیارت ترک نہ کرے بلکہ ہر شہر اور بستی میں انہیں تلاش کرے اور اپنی حاجت کو بقدر ضرورت ظاہر کرے اور اس کے سامنے ذکر کرے جو اس کو پورا کر سکتا ہو۔ راستے میں ذکر خداوندی اور تلاوتِ قرآن میں مصروف رہے لیکن اس طرح کہ دوسرے نہ سنیں۔ (۱)

---

(۱) آج کل تبلیغی جماعت کے لوگ سفر کے دوران بس پر بیٹھ کر قرآن پاک بلند آواز سے پڑھ رہے ہوتے ہیں جب کہ کچھ باتوں میں بھی مصروف ہوتے ہیں لہٰذا تبلیغی جماعت والوں کو حضرت امام غزالی رحمہ اللہ کی یہ بات سامنے رکھنی چاہیے۔ ۱۲ ہزاروی

اور جب کوئی شخص اس سے گفتگو کرے تو ذکر چھوڑ دے اور جب تک وہ شخص گفتگو کرتا رہے اسے جواب دے پھر پہلے عمل کی طرف متوجہ ہو جائے۔ اور اگر آدمی کا نفس سفر یا اقامت سے گھبرا جائے تو اس کی مخالفت کرے کیونکہ نفس کی مخالفت میں ہی برکت ہے اور اگر نیک لوگوں کی خدمت کا موقعہ ملے تو اس سے پریشان ہو کر سفر شروع نہ کردے کیونکہ یہ نعمت کی ناشکری ہے اور جب حالتِ اقامت کے مقابلے میں نقصان محسوس ہو تو جان لے کہ سفر اچھا نہیں ہے لہٰذا واپس لوٹ جائے اس لیے کہ اگر سفر اچھا ہوتا تو اس کا اثر بھی ظاہر ہوتا۔

ایک شخص نے حضرت عثمان مغربی سے کہا کہ فلاں شخص سفر پہ گیا ہے انہوں نے فرمایا سفر تو اجنبیت ہے اور اور اجنبیت ذلت ہے اور مومن کے لیے جائز نہیں کہ وہ اپنے آپ کو ذلیل کرے۔ انہوں نے اس بات کی طرف اشارہ کیا کہ جس شخص کو سفر میں دین کا اضافہ حاصل نہ ہوا اس نے اپنے نفس کو ذلیل کیا ورنہ دین کی عزت تو سفر کی ذلت سے ہی حاصل ہوتی ہے۔

تو راہ خداوندی پہ چلنے کا ارادہ کرنے والے کا سفر خواہشات، مراد اور طبیعت کے وطن سے ہونا چاہیے تاکہ وہ اس سفر میں عزت حاصل کرے ذلیل و رسوا نہ ہو کیونکہ جو شخص سفر میں خواہش کی پیروی کرتا ہے وہ یقیناً ذلیل ہوتا ہے فوری طور پہ ہو یا بعد میں۔

o

دوسرا باب

سفر میں حاصل ہونے والی رخصت، سمت قبلہ اور اوقات کا علم حاصل کرنا

جان لو! سفر کے آغاز میں مسافر کو اس بات کی حاجت ہوتی ہے کہ وہ اپنی دنیا اور آخرت کے لیے سامان حاصل کرے، جہاں تک دنیوی سازو سامان کا تعلق ہے تو کھانا اور مشروب ہے اور اس کے علاوہ جن چیزوں کی ضرورت ہوتی ہے اگر وہ سامان سفر ساتھ لیے بغیر محض توکل کی بنیاد پر سفر شروع کرے تو کوئی حرج نہیں جب کہ قافلے کے ساتھ ہو یا اس کا سفر ایسی بستیوں کے درمیان ہو جو باہم متصل ہیں۔

اور اگر وہ اکیلا جنگل کا سفر کرتا ہے یا ایسے لوگوں کے ساتھ ہے جن کے پاس کھانے پینے کا سامان نہیں ہے تو دیکھا جائے گا اگر وہ ان لوگوں میں سے ہے جو بھوک پر ہفتہ دس دن تک صبر کر سکتے ہیں یا مثلاً وہ گھاس وغیرہ (درختوں کے پتے وغیرہ) کھا کر گزارہ کر سکتا ہے تو ایسا کرلے۔ اور اگر وہ بھوک پر صبر نہیں کر سکتا اور نہ ہی وہ گھاس وغیرہ کھانے کی جرأت کر سکتا ہے تو اس صورت میں زادِ راہ کے بغیر نکلنا گناہ ہے کیونکہ یہ تو خودکشی کے مترادف ہے اور اس میں بھی ایک راز ہے جو توکل کے بیان میں آئے گا۔

توکل کا مطلب اسباب سے کلیتاً دور رہنا نہیں اگر ایسا ہوتا تو ڈول اور رسی کی طلب اور کنویں سے پانی نکالنے کی وجہ سے توکل باطل ہو جاتا ہے اور اس پر واجب ہوتا کہ وہ صبر کرتے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ اس کے لیے کوئی فرشتہ یا کوئی دوسرا شخص مقرر کر دے جو اس کے منہ میں پانی ڈالے۔

اگر ڈول اور رسی جو مشروب تک پہنچنے کا ذریعہ ہیں، کی حفاظت سے توکل میں کوئی خرابی نہیں آتی تو جہاں کھانا اور مشروب نہیں ملتا وہاں یہ چیزیں ساتھ لے جانا بدرجہ اولیٰ توکل کے خلاف نہیں۔ توکل کی حقیقت عنقریب اپنے مقام پر بیان ہوگی کیونکہ محقق علماء کے علاوہ لوگوں پر اس کی حقیقت مشتبہ ہو جاتی ہے۔

جہاں تک زادِ آخرت کا تعلق ہے تو یہ وہ علم ہے جس کی طہارت، روزے، نماز اور عبادات میں ضرورت پڑتی ہے لہٰذا اس کا ہونا ضروری ہے کیونکہ بعض اوقات سفر میں کچھ امور میں تخفیف ہوتی ہے تو اسے اس بات کی حاجت ہوگی کہ وہ اس مقدارِ تخفیف کا علم رکھتا ہو جیسے نماز میں قصر (چار کی بجائے دو رکعتیں پڑھنا)، دو نمازوں کو جمع کرنا (احناف کے نزدیک دو نمازوں کو جمع نہیں کیا جا سکتا ہر نماز اپنے وقت پر پڑھنا فرض ہے یعنی ایسا نہیں ہو سکتا کہ ظہر اور عصر کی نماز دونوں ظہر کے وقت

ہیں پڑھ لے اس طرح عصر کی نماز نہیں ہو گی ۱۲ ہزاروی)

اس کے علاوہ روزہ چھوڑنے کی اجازت ہے اس کا بھی علم ہونا چاہیے اور بعض اوقات اس پر کچھ امور سخت ہو جاتے ہیں جب کہ حالتِ اقامت میں ان کی حاجت نہیں ہوتی جیسے قبلے کا علم، اوقاتِ نماز کا جاننا وغیرہ کیوں کہ شہر میں تو مسجدوں کے محراب اور موذن کی اذان سے اس کا علم ہو جاتا ہے جب کہ سفر میں ذاتی طور پر اس کا جاننا ضروری ہوتا ہے۔

دو قسم کے علم

مسافر کو جن امور کا جاننا ضروری ہے ان کی دو قسمیں ہیں۔

پہلی قسم:

پہلی قسم کا علم رخصتوں سے متعلق ہوتا ہے طہارت کے سلسلے میں سفر دو قسم کی طہارتوں کا فائدہ دیتا ہے ایک موزوں پر مسح اور دوسرا تیمم (۱)

فرض نماز کے سلسلے میں رخصت دو طرح کی ہے ایک قصر اور دوسرا دو نمازوں کو ایک وقت میں جمع کرنا (احناف کے نزدیک جمع کرنے کی اجازت نہیں ہے) اور نوافل میں بھی دو قسم کی رخصتیں ہیں سواری پر ادا کرنا اور چلتے ہوئے ادا کرنا (احناف کے نزدیک چلتے چلتے نماز پڑھنا صحیح نہیں) اور روزے میں ایک رخصت ہے یعنی روزہ نہ رکھنا (اور بعد میں قضا کرنا) تو یہ کل سات رخصتیں ہیں (احناف کے نزدیک چار رخصتیں ہوئیں)

پہلی رخصت:

یعنی موزوں پر مسح کرنا، تو اس سلسلے میں حضرت صفوان بن عسال رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں حکم دیا کہ جب ہم مسافر ہوں یا (فرمایا کہ) سفر پر ہوں تو ہم تین رات دن تک موزے نہ اتاریں (۲)

تو جو آدمی ایسی طہارت کے بعد موزے پہنتا ہے جو اس کے لیے نماز کو جائز کر دیتی ہے پھر بے وضو ہو جاتا ہے تو اس کے لیے جائز ہے کہ جب وہ بے وضو ہو تو اس وقت سے تین رات دن کے اختتام تک مسح کرے جب کہ مسافر ہو اور اگر مقیم ہو تو ایک دن رات مسح کرے لیکن اس کے لیے پانچ شرائط ہیں۔

---

(۱) موزوں پر مسح کی رخصت سے مراد یہ ہے کہ مقیم آدمی ایک دن رات تک موزوں پر مسح کر سکتا ہے جب کہ مسافر کو تین دن رات تک اجازت ہے، تیمم اگرچہ شہر میں بھی ہو سکتا ہے لیکن سفر میں عام طور پر اس کی ضرورت پڑتی ہے لیکن مسافر کے پاس پانی ہو تو تیمم محض سفر کی وجہ سے جائز نہ ہو گا ۱۲ ہزاروی۔

(۲) سنن ابن ماجہ ص ۴۰، ابواب الطہارۃ۔

مسح کی شرائط:

پہلی شرط یہ ہے کہ کامل طہارت کے بعد پہنے اگر اس نے دایاں پاؤں دھو کر اسے موزے میں داخل کر دیا پھر بایاں پاؤں دھویا اور موزہ پہنا تو حضرت امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک مسح جائز نہ ہو گا جب تک دایاں موزہ اتار کر دوبارہ نہ پہنے۔

دوسری شرط یہ ہے کہ موزہ ایسا مضبوط ہو جس میں چلنا ممکن ہو موزے پر مسح جائز ہے اگرچہ وہ نعل کی صورت میں نہ ہو کیوں کہ موزہ پہن کر اِدھر اُدھر آنے جانے کا طریقہ رائج ہے کیونکہ اس میں کچھ نہ کچھ قوت ہوتی ہے لیکن اُونی جرابوں پر مسح جائز نہیں اسی طرح جرموق (جو موزے کے اوپر پہنے جاتے ہیں) کمزور ہوں تو بھی مسح جائز نہیں تیسری شرط یہ ہے کہ پاؤں کا جو حصہ دھونا فرض ہے (تمام پاؤں کا دھونا فرض ہے) اتنے حصے پر موزہ پھٹا ہوا نہ ہو۔ اگر اس قدر پھٹا ہوا ہو کہ جس جگہ کا دھونا فرض ہے اور وہ ننگی ہو رہی ہو تو اس پر مسح جائز نہ ہو گا حضرت امام شافعی رحمہ اللہ کا قدیم قول یہ ہے کہ جب تک وہ پاؤں پہ (خود بخود) ٹھہرا رہے مسح جائز ہے۔ حضرت امام مالک رحمہ اللہ کا بھی یہی مسلک ہے اور اس میں کوئی حرج نہیں کیونکہ یہ حاجت کا تقاضا ہے اور سفر میں ہر وقت سلائی کرنا ممکن نہیں اور پھٹنے ہوئے پائتابہ پر بھی مسح کرنا جائز ہے جب کہ وہ پاؤں کو ڈھانپتا ہو اور اس میں سے پاؤں کا چمڑا نظر نہ آتا ہو اسی طرح اس پھٹے ہوئے موزے پر بھی مسح جائز ہے جسے بڑے بڑے ٹانکوں کے ذریعے ملا دیا گیا ہو۔ کیونکہ ان تمام امور کی حاجت ہوتی ہے تو اسی صورت میں معتبر ہو گا جب ٹخنوں سے اوپر والے حصے کو ڈھانپ لے جس طریقے پر بھی ہو۔ لیکن جب پاؤں کے بعض حصے کو ڈھانپے اور کچھ حصہ ننگا ہو تو اس پر مسح جائز نہیں۔

چوتھی شرط یہ ہے کہ مسح کرنے کے بعد موزے کو نہ اتارے اگر اتارے تو نئے سرے سے وضو کرنا زیادہ بہتر ہے لیکن صرف پاؤں کو دھونا بھی جائز ہے۔

پانچویں شرط یہ ہے کہ موزے کے اس حصے پر مسح کرے جو پاؤں کے اس حصہ کے مقابل ہے جس کا دھونا فرض ہے اور موزے کی پشت پر کم از کم اس قدر ہو کہ اسے مسح کہا جا سکے اگر تین انگلیوں کے ساتھ مسح کرے تو بھی جائز ہے لیکن بہتر یہ ہے کہ اختلاف کے شبہ سے نکلے، کامل مسح یہ ہے کہ اس کے اوپر اور نیچے ایک دفعہ مسح کرے تکرار سے نہ کرے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسے ہی کیا ہے (۱)

مسح کا طریقہ یہ ہے کہ ہاتھوں کو تر کر کے دائیں ہاتھ کی انگلیوں کے کنارے کو دائیں پاؤں کی انگلیوں کے کنارے پر رکھے اور مسح کرے یعنی انگلیوں کو اپنی طرف کھینچے اور بائیں ہاتھ کی انگلیوں کے کناروں کو موزے کے نیچے پچھلی جانب رکھے اور اس کو قدم کے اگلے حصے کی طرف لے جائے اور جب حالتِ اقامت میں مسح کرے پھر مسافر ہو جائے یا مسافر تھا پھر مقیم ہو گیا تو اقامت کا حکم غالب ہو جائے گا اب ایک دن رات پر اکتفا کرے۔ (احناف کے نزدیک ایک تو موزوں کے

---

(۱) سنن ابی داؤد جلد اول ص ۲۲ کتاب الطہارۃ

اوپر مسح ہوتا ہے نیچے نہیں دوسرا یہ کہ جب مقیم مسافر ہو جائے تو اب وہ تین دن رات پورے کر سکتا ہے اور جب مسافر مقیم ہو جائے تو اگر ایک دن رات پورے ہو چکے ہیں تو اب موزے اتار کر پاؤں دھوئے ۱۲ ہزاروی)

تین دنوں کا حساب موزوں پر مسح کے بعد بے وضو ہونے کے وقت سے شروع ہو گا اگر اس نے حالت اقامت میں موزے پہنے اور اس دوران مسح بھی کیا پھر وہ سفر کے لیے نکلا اور مثلاً زوال کے وقت بے وضو ہوا تو اب زوال کے وقت سے تین دن رات مکمل کرے جب چوتھے دن کا سورج ڈھل جائے تو اب پاؤں دھوئے بغیر نماز پڑھنا جائز نہیں لہٰذا پاؤں کے دھوئے اور دوبارہ موزے پہنے اور بے وضو ہونے کے وقت کو پیش نظر رکھے اور اب نئے سرے سے حساب شروع کرے اور اگر گھر میں موجود تھا اور موزے پہننے کے بعد بے وضو ہوا پھر سفر پر نکلا تو تین دن رات مسح کرے کیونکہ عادت یہی ہے کہ جانے سے پہلے موزے پہنے جاتے ہیں پھر بے وضو ہونے سے بچنا ممکن نہیں اور اگر حالت اقامت میں مسح کیا پھر مسافر ہو گیا تو اب مقیم لوگوں والی مدت پر اکتفا کرے (احناف کے نزدیک اب مسافر والی مدت پوری کر سکتا ہے)

جو شخص موزے پہننا چاہتا ہو چاہے گھر میں ہو یا سفر میں وہ موزوں کو الٹا کر جھاڑے کہ کہیں سانپ یا بچھو یا کوئی کانٹا وغیرہ نہ ہو۔

حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے موزے منگوائے اور ان میں سے ایک پہن لیا اتنے میں ایک کوا آیا اور دوسرے موزے کو اٹھا کر لے گیا اور اسے اوپر سے پھینک دیا چنانچہ اس میں سے سانپ نکلا تو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

مَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ فَلَا يَلْبَسْ خُفَّيْهِ حَتّٰى يَنْفُضَهُمَا۔ (۱)

جو شخص اللہ تعالیٰ اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتا ہے وہ موزوں کو جھاڑنے کے بغیر نہ پہنے۔

دوسری رخصت:

جب پانی ملنا مشکل ہو تو اس کی جگہ مٹی سے تیمم کرے اور پانی کا ملنا اس صورت میں مشکل ہوتا ہے کہ وہ منزل سے اس قدر دُور ہو کہ اگر وہ اس کی طرف جائے تو چیخنے چلانے یا مدد کے لیے پکارنے سے قافلے میں سے کوئی مددگار اس تک نہ پہنچ سکے اور یہ اس قدر دُوری ہے کہ منزل والے قضائے حاجت کے لیے اتنی دُور نہیں جایا کرتے اسی طرح اگر پانی پر کوئی دشمن یا درندہ ہو تو بھی تیمم جائز ہے اگرچہ پانی قریب ہو اسی طرح وہ آج یا کل تک کے لیے پانی پینے کی ضرورت محسوس کرتا ہو اور وہاں مزید پانی نہ ہو تو تیمم کر سکتا ہے اسی طرح اگر کسی ساتھی کو پیاس کے لیے پانی کی ضرورت ہو تو اب اس کے لیے وضو

---

(۱) المعجم الکبیر للطبرانی جلد ۸ ص ۱۶۲ حدیث ۶۲۰

کرنا جائز نہیں اور یہ پانی اسے دینا ہوگا قیمتاً دے یا قیمت کے بغیر دے۔

اور اگر شوربے یا گوشت پکانے کے لیے ضرورت ہو یا روٹی کے ٹکڑے بھگونے کی حاجت ہو تو اب تیمم جائز نہیں بلکہ اس پر لازم ہے کہ وہ خشک ٹکڑوں پر گزارہ کرنے اور شوربے کا استعمال ترک کر دے۔

اور اگر اسے کوئی شخص پانی بطور ہبہ دے تو اس کا قبول کرنا واجب ہے اور اگر اس کی قیمت ہبہ کرے تو قبول کرنا واجب نہیں کیونکہ اس میں احسان ہے اور اگر مثلی قیمت (عام بازاری قیمت) پر بیچا جائے تو خریدنا لازم ہے اور اگر زیادہ قیمت لیتا ہے تو لازم نہیں ہے اور اگر اس کے پاس پانی نہ ہو اور وہ تیمم کرنے کا ارادہ کرے تو اس پر لازم ہے کہ پہلے پانی تلاش کرے جہاں سے بھی ملنا ممکن ہو یعنی اپنی منزل کے اردگرد تلاش کرے، اپنے سامان اور برتنوں میں دیکھے کہ شاید بچا ہوا ہو اور اگر وہ سامان میں رکھ کر بھول گیا یا قریب ہی کنواں تھا اسے یاد نہ رہا تو اس پر دوبارہ نماز پڑھنا لازم ہے کیوں کہ اس نے تلاش میں کوتاہی کی ہے اور اگر اسے معلوم ہوا کہ آخر وقت تک پانی مل جائے گا تو بہتر یہ ہے کہ اول وقت میں تیمم کے ساتھ نماز پڑھ لے کیوں کہ عمر کا کوئی یقین نہیں اور اول وقت میں رضائے خداوندی ہے (احناف کے نزدیک وقت کے آخر تک نماز کو موخر کرنا مستحب ہے)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہمانے تیمم فرمایا تو آپ سے عرض کیا گیا کہ آپ نے تیمم کیا حالاں کہ مدینہ طیبہ کی دیواریں آپ کو دیکھ رہی ہیں (مطلب یہ ہے کہ مدینہ طیبہ قریب ہے اور وہاں پانی مل جائے گا) آپ نے فرمایا کیا میں وہاں جانے تک زندہ رہوں گا؟ اور نماز شروع کرنے کے بعد پانی ملے تو نماز نہیں ٹوٹے گی اور وضو کرنا ضروری نہیں ہوگا (احناف کے نزدیک پانی دیکھنے سے جب کہ معلوم ہو کہ اسے مل جائے گا تیمم ٹوٹ جاتا ہے لہذا نماز بھی باطل ہو گئی ۱۲ ہزاروی)

اور جب نماز شروع کرنے سے پہلے پانی پائے تو اس پر وضو کرنا لازم ہے اور جب تلاش کے باوجود پانی نہ ملے تو پاک مٹی کا ارادہ کرے جس پر غبار ہو (مٹی پر غبار کا ہونا ضروری نہیں البتہ کسی دوسری چیز پر غبار ہو تو اس سے بھی تیمم کر سکتا ہے)

اب ہاتھوں کی انگلیوں کو ملا کر دونوں ہتھیلیوں کے ساتھ زمین پر ایک ضرب لگائے اور اس سے چہرے کا مسح کرے، پھر دوسری ضرب لگائے اور انگوٹھی اتار دے اب انگلیوں کو کشادہ کرتے ہوئے ان کے ساتھ کہنیوں سمیت ہاتھوں کا مسح کرے اور اگر ایک ضرب کے ساتھ دونوں ہاتھوں کو گھیر نہ سکے تو ایک اور ضرب لگائے (احناف کے نزدیک تیسری ضرب کی ضرورت نہیں ہے)

تمام جگہوں تک کیسے پہنچے یہ کیفیت ہم نے کتاب الطہارت میں ذکر کر دی ہے دوبارہ لکھنے کی ضرورت نہیں ہے۔

پھر اس تیمم کے ساتھ جب ایک فرض نماز پڑھ لے تو اس کے ساتھ جس قدر نوافل پڑھنا چاہے پڑھ سکتا ہے اور اگر وہ فرضوں کو جمع کرنا چاہے تو دوسری (فرض) نماز کے لیے تیمم لوٹانا پڑے گا کیونکہ دو فرض نمازیں دوبار تیمم کے بغیر نہیں پڑھ سکتا (احناف کے نزدیک چونکہ تیمم، وضو کا نائب ہے لہذا جب تک تیمم باقی ہے جتنی نمازیں چاہے پڑھ سکتا ہے فرض ہوں یا

نفل) وقت داخل ہونے سے پہلے تیمم کرنا جائز نہیں اگر ایسا کیا تو دوبارہ تیمم کرنا پڑے گا (احناف کے نزدیک وقت سے پہلے تیمم کرنا جائز ہے) اور جب چہرے کا مسح کرنا چاہے تو نماز کے جائز ہونے کی نیت کرے اور اگر اتنا پانی ملے جس سے کچھ وضو ہو سکتا ہے تو اسے استعمال کرے پھر مکمل تیمم کرے (تیمم اور وضو جمع نہیں ہوتے لہذا جب وضو کے لیے پورا پانی نہ ہو تو صرف تیمم کرے)

تیسری رخصت:

فرض نمازیں قصر کی رخصت ہے وہ ظہر، عصر اور عشاء کی نمازوں میں دو دو رکعتیں پڑھے لیکن اس کے لیے تین شرطیں ہیں۔

۱۔ اپنے اوقات میں ادا کرے اگر یہ نمازیں قضا ہو جائیں تو زیادہ ظاہر بات یہ ہے کہ پوری پوری پڑھنا ہوں گی (یاد رہے احناف کے نزدیک سفر کی نماز قضا کی صورت میں بھی دو رکعتیں ہی پڑھی جاتی ہیں کیونکہ ان کا وجوب قصر کے ساتھ ہوا ہے)

(۲) قصر کی نیت کرے اگر اس نے پوری نماز کی نیت کی تو پورا کرنا لازم ہے اور اگر نیت میں شک ہو تو پوری نماز پڑھنا لازم ہے (احناف کے ہاں قصر ہی کرے گا)

(۳) کسی مقیم کی اقتدا میں نہ ہو یا ایسا مسافر جو پوری نماز پڑھ رہا ہے اس کی اقتدا میں نہ پڑھ رہا ہو ورنہ پوری نماز پڑھنی ہوگی (کیونکہ مقتدی امام کے تابع ہوتا ہے) اور اگر شک ہو کہ امام مقیم ہے یا مسافر تو پوری نماز پڑھنا ضروری ہوگا اگرچہ بعد میں یقین ہو کہ یہ مسافر تھا کیونکہ مسافر کی نشانی پوشیدہ نہیں ہوتی (مسافر کے پیچھے قصر ہی کرے گا۔) تو نیت پکی ہونی چاہیے (شک نہ ہو) اور اگر اسے معلوم ہو کہ امام مسافر ہے لیکن اس بارے میں شک ہو کہ آیا اس نے قصر کی نیت کی ہے یا نہیں تو اس سے کچھ نقصان نہیں ہوتا کیونکہ نیتوں پر اطلاع نہیں ہو سکتی — یہ تمام باتیں اس صورت میں ہیں جب سفر طویل اور جائز ہو۔

آغاز سے انتہا تک سفر کی مسافت میں اشکال ہے لہذا اس کی معرفت ہونی چاہیئے سفر کا مطلب یہ ہے کہ جہاں وہ رہتا ہے وہاں سے معلوم مقام کی طرف سفر کی نیت سے منتقل ہو محض حیران پریشان پھرنے والا اور لوٹ مار کے لیے جانے والا (جس نے کسی ایسے مقام کی نیت نہیں کی جو سفر بنتا ہو) اسے رخصت نہیں ہے اور آدمی جب تک اپنے شہر کی بستی سے جدا نہ ہو مسافر نہیں بنتا اور یہ شرط نہیں ہے کہ غیر آباد مکانات اور باغات جہاں لوگ سیر و تفریح کے لیے جاتے ہیں ان سے نکلے تب مسافر ہوگا۔ (احناف کے نزدیک شہر سے باہر جو قبرستان یا عید گاہ یا کھیل کود کا میدان ہے اس سے نکل جانے کے بعد مسافر ہوگا) اور دیہاتی آدمی اس وقت مسافر بنے گا جب ان باغات سے نکلے جن کے ارد گرد احاطہ بنا ہوا ہے جن باغات کی چار دیواری نہیں ان سے نکلنا شرط نہیں۔

اگر مسافر شہر میں کوئی چیز بھول جائے اور اب اسے لینے کے لیے واپس آئے تو اگر یہ اس کا اپنا وطن ہے تو رخصت نہیں ہوگی جب تک (دوبارہ) بستی سے باہر نہ نکل جائے اور اگر یہ اس کا وطن نہیں تو رخصت ہے کیونکہ وہاں سے نکلنے کی وجہ سے وہ مسافر بن چکا ہے جہاں تک انتہائے سفر کا تعلق ہے تو جس بستی میں ٹھہرنے کا ارادہ ہے وہاں پہنچنے سے

سفر کی انتہا ہوتی ہے یا تین دن یا اس سے زائد ٹھہرنے سے کسی شہر میں ہو یا جنگل میں، (احناف کے نزدیک کسی مقام پر پندرہ دن ٹھہرنے کی نیت ہو تو مقیم ہو گا اگر کم ہو تو مسافر ہی رہے گا)

تیسری بات یہ ہے کہ ٹھہرنے کی صورت بن جائے اگرچہ اس نے نیت نہ کی ہو جیسے آدمی داخل ہونے والے دن کے علاوہ تین دن کہیں ٹھہرتا ہے تو اس کو رخصت کی اجازت نہیں ہوتی اور اگر وہاں ٹھہرنے کا ارادہ نہ ہو بلکہ وہاں کوئی کام ہو اور اسے اس کے پورا ہونے کی توقع ہو کیونکہ اتفاقاً کام رکتا چلا جائے تو وہ رخصت سے فائدہ اٹھائے اور قصر کرے اگر مدت طویل ہو جائے تو دو قولوں میں سے زیادہ قرین قیاس یہی ہے۔

کیونکہ اس کا دل مضطرب ہے اور وہ اپنے وطن سے بظاہر مسافر بن کر گیا ہے اور جب تک دل میں پکا ارادہ نہ ہو ایک جگہ ٹھہرے رہنے کا اعتبار نہیں ہو گا اور اس میں کوئی فرق نہیں کہ وہ مشغولیت جہاد ہو یا کوئی دوسرا کام اور مدت کا زیادہ یا کم ہونا بھی غیر معتبر ہے نیز یہ کہ وہ وہاں سے بارش وغیرہ کی وجہ سے نہ جا سکا یا کوئی اور وجہ تھی اور وہ نہیں جانتا کہ یہ کب تک رہے گی۔ کیوں کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس رخصت پر عمل کرتے ہوئے بعض غزوات میں ایک ہی جگہ پر اٹھارہ دن نماز میں قصر فرمائی۔ (۱)

اور ظاہر بات یہ ہے کہ اگر لڑائی طویل ہو جائے تو رخصت بھی لمبی ہو جائے گی کیونکہ اٹھارہ دنوں کا اندازہ کوئی معنی نہیں رکھتا۔ اور ظاہر ہے کہ آپ نے قصر اس لیے فرمائی تھی کہ آپ مسافر تھے اس وجہ سے نہیں کہ آپ غازی و مجاہد تھے جہاں تک طویل سفر کا تعلق ہے تو وہ دو مرحلے ہوں ہر مرحلہ آٹھ فرسخ کا اور ایک فرسخ تین میلوں کا ہوتا ہے اور ایک میل میں چار ہزار قدم ہوتے ہیں اور ہر قدم تین پاؤں کا ہو گا (اعلیٰ حضرت امام احمد رضا بریلوی رحمۃ اللہ کی تحقیق کے مطابق سفر کی مسافت ساڑھے ستاون میل بنتی ہے ۱۲ ہزاروی)

مباح سفر کا مطلب یہ ہے کہ وہ نہ ماں باپ کا نافرمان ہو کہ ان سے بھاگ کر جا رہا ہو، نہ (غلام) اپنے مالک سے بھاگنے والا ہو، نہ عورت اپنے خاوند سے بھاگ کر جا رہی ہو اور نہ یہ شخص قرضدار ہو جو کشادہ حال ہونے کے باوجود قرض خواہ سے بھاگ رہا ہو، نہ ڈاکہ ڈالنے جا رہا ہو اور نہ ہی کسی کو قتل کرنے کے لیے سفر کر رہا ہو اور ظالم بادشاہ سے وظیفہ وصول کرنے یا مسلمانوں کے درمیان فساد پھیلانے کے لیے جانے والا بھی نہ ہو۔

نوٹ:۔ احناف کے نزدیک مسافر نیکی کے لیے سفر کرے یا برائی کے لیے، دونوں صورتوں میں رخصت کا مستحق ہوتا ہے اور وہ قصر کر سکتا ہے ۱۲ ہزاروی۔

خلاصہ یہ ہے کہ مسافر کسی غرض کے تحت سفر کرے اور کوئی غرض ہی تحریک سفر کا باعث ہوا اگر اس کا حاصل کرنا حرام ہو

---

(۱) سنن ابی داؤد جلد اول ص ۱۷۳، کتاب الصلوٰۃ

اور اگر یہ غرض نہ ہوتی تو وہ سفر پہ آمادہ نہ ہوتا تو اس کا سفر، گناہ کا سفر ہے اور اس میں رخصت نہیں ہے، (احناف کے نزدیک رخصت ہے) اور اگر سفر کے دوران شراب نوشی وغیرہ کی وجہ سے فسق کا ارتکاب ہو رہا ہو تو رخصت سے منع نہ کیا جائے بلکہ ہر وہ سفر جس سے شریعت منع کرتی ہے اس میں رخصت کے ساتھ اس شخص کی مدد نہ کی جائے، اور اگر سفر کے دو باعث ہوں ایک مباح اور دوسرا ممنوع اور صورت حال یہ ہو کہ اگر وہ ممنوع کام نہ بھی ہوتا تو بھی مباح کام مستقل سبب بنتا اور وہ ضرور سفر کرتا، تو اب اسے رخصت حاصل رہے گی۔

وہ صوفی جو کسی مقصدِ صحیح کے بغیر محض تفریح کے لیے مختلف شہروں میں پھرتے ہیں تاکہ مختلف علاقوں کو دیکھیں ان کی رخصت میں اختلاف ہے اور مختار یہی ہے کہ انہیں رخصت حاصل ہے (احناف کے نزدیک ان کی رخصت میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔)

چوتھی رخصت :

ظہر اور عصر نیز مغرب اور عشاء کو ان کے اپنے اپنے وقتوں میں جمع کرنا بھی طویل جائز سفر میں جائز ہے جب کہ چھوٹے سفر میں اس کے جواز کے بارے میں دو قول ہیں۔

پھر اگر عصر کو ظہر کی طرف مقدم کرے تو ظہر سے فارغ ہونے سے پہلے ظہر اور عصر کو ان کے وقتوں میں جمع کرنے کی نیت کرے ظہر کے لیے اذان بھی کہے اور اقامت بھی اور جب فارغ ہو تو عصر کے لیے صرف اقامت کہے، اور اگر اس پہ تیمم فرض ہے تو نئے سرے سے تیمم کرے اور دونوں نمازوں کے درمیان تیمم اور اقامت سے زیادہ وقفہ نہ کرے، اور اگر عصر کو (ظہر پر) مقدم کرے تو یہ جائز نہیں، اور اگر نماز عصر کی تحریمہ کے وقت جمع کرنے کی نیت کرے تو حضرت امام مزنی کے نزدیک جائز ہے اور اس کی قیاسی وجہ ہے کیونکہ نیت کو مقدم کرنے کی کوئی دلیل نہیں بلکہ شریعت نے جمع کرنے کو جائز قرار دیا ہے اور یہ جمع ہے اور رخصت عصر میں ہے، لہذا اس میں نیت کافی ہے جہاں تک ظہر کا تعلق ہے تو وہ قانون کے مطابق پڑھی جاتی ہے۔

پھر جب دونوں نمازوں سے فارغ ہو جائے تو مناسب ہے کہ ان کی سنتوں کو جمع کرے۔ عصر کے بعد تو سنتیں نہیں ہیں لیکن ظہر کے بعد کی سنتوں کو نمازِ عصر سے فراغت کے بعد پڑھے چاہے وہ سواری کی حالت میں ہو یا نیچے کھڑا ہو۔

اور اگر وہ ظہر کی سنتوں کو عصر سے پہلے پڑھے گا تو نمازوں کا تسلسل ختم ہو جائے گا حالانکہ (اس صورت میں) یہ واجب ہے اور اگر وہ ظہر سے پہلے کی چار سنتیں اور عصر سے پہلے کی چار سنتیں پڑھنا چاہے تو دونوں فرضوں سے پہلے ان کو پڑھے یعنی ظہر کی سنتیں پہلے پڑھے پھر عصر کی سنتیں، اس کے بعد ظہر کے فرض اور پھر عصر کے فرض پڑھے اور اس کے بعد ظہر کی وہ دو سنتیں پڑھے جو فرضوں کے بعد ہوتی ہیں۔

سفر میں نوافل کو نہ چھوڑے کیونکہ ان کا ثواب جو رہ جائے گا وہ حاصل ہونے والے نفع کے مقابلے میں زیادہ ہے، خاص طور پر جب کہ شریعت نے اس میں آسانی کر دی ہے اور نوافل کو سواری پر پڑھنا بھی جائز قرار دیا تاکہ ان کی وجہ سے

ساتھیوں سے پیچھے نہ رہ جائے اور اگر ظہر کو عصر تک مؤخر کرے تو بھی اسی (مذکورہ بالا) ترتیب سے ادا کرے اور اس بات کی پرواہ نہ کرے کہ ظہر کی سنتیں عصر کے بعد مکروہ وقت میں پڑھی جا رہی ہیں کیونکہ جس نماز کا کوئی سبب ہو وہ اس وقت مکروہ نہیں ہوتی۔

مغرب اور عشاء میں بھی اسی طرح کرے اور اگر مقدم یا مؤخر کرے تو فرض پڑھنے کے بعد تمام سنتوں میں مشغول ہو اور آخر میں وتر پڑھے۔

اور اگر ظہر کا وقت نکلنے سے پہلے ظہر کی نماز کا خیال پیدا ہو تو عصر کے ساتھ اسے پڑھنے کی نیت کرے یہ جمع کی نیت ہے کیونکہ اگر یہ نیت نہ ہو تو یا ترکِ ظہر کی نیت ہوگی یا اسے عصر سے موخر کرنے کی نیت ہوگی اور یہ حرام ہے اور اس پر عزم کرنا بھی حرام ہے اور اگر ظہر کی نماز یاد نہ رہے اور اس کا وقت نکل جائے یعنی وہ سویا رہا یا کسی کام میں مشغول تھا تو اب ظہر کی نماز عصر کے ساتھ ادا کرے گناہ گار نہیں ہوگا کیونکہ سفر جس طرح فعلِ نماز سے مشغول کر دیتا ہے (پھیر دیتا ہے) اسی طرح اس کی یاد سے بھی پھیر دیتا ہے۔

اور یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ ظہر کی نماز اس وقت ادا ہوگی جب اس کا وقت نکلنے سے پہلے اس کے فعل کا ارادہ کرے لیکن زیادہ ظاہر بات یہ ہے کہ ظہر اور عصر سفر میں دو نمازوں میں مشترک ہو جاتی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اگر حیض والی عورت غروب سے پہلے پاک ہو تو اس پر ظہر کی قضا بھی واجب ہے (احناف کے نزدیک حائضہ عورت پر صرف اسی وقت کی نماز قضا ہوگی جس وقت میں وہ پاک ہوئی اور وقت کم تھا ۱۲ ہزاروی)

اسی لیے یہ اعتراض ہوتا ہے کہ جب ظہر میں تاخیر کی جائے تو اب دونوں نمازوں میں تسلسل اور ترتیب نہیں ہونی چاہیئے لیکن جب وہ عصر کو ظہر پر مقدم کرتا ہے تو یہ جائز نہیں ہوتا اس کی وجہ یہ ہے کہ عصر کا وقت ظہر سے فراغت کے بعد رکھا گیا ہے کیونکہ یہ بات بعید ہے کہ جس شخص نے ظہر چھوڑنے یا اس میں تاخیر کرنے کا ارادہ کیا ہو تو وہ عصر میں مشغول ہو جائے۔

بارش کی وجہ سے عذر بھی عذرِ سفر کی طرح دونوں نمازوں کو جمع کرنے کے جواز کا باعث ہے۔

نوٹ:- یاد رہے احناف کے نزدیک دو نمازوں کو جمع کرنا صورتاً جائز ہے حقیقتاً نہیں مثلاً ظہر کے آخر وقت میں ظہر کی نماز پڑھے اور عصر شروع ہوتے ہی عصر پڑھے اگرچہ اس صورت میں دونوں نمازیں اکٹھی معلوم ہو رہی ہیں لیکن دونوں اپنے اپنے وقت پر ہیں۔

ظہر اور عصر کو ظہر کے وقت میں پڑھنا جائز نہیں اور اسی طرح عصر کی نماز نہیں ہوگی البتہ کسی مجبوری کے تحت ظہر کی نماز نہ پڑھ سکے تو عصر کے وقت پڑھ سکتا ہے حقیقتاً جمع صرف حج کے موقعہ پر عرفات میں یا مزدلفہ میں ہوتی ہے۔ ۱۲ ہزاروی

جمعۃ المبارک کی نماز چھوڑنا بھی سفر کی رخصتوں میں سے ہے اور یہ رخصت بھی نماز کے فرائض سے متعلق ہے۔

اگر کوئی مسافر عصر کی نماز پڑھنے کے بعد اقامت کی نیت کرے اور حالت اقامت میں عصر کا وقت باقی ہو تو اس پر ادائے عصر لازم ہے اور جو کچھ وہ پڑھ چکا وہ اسی صورت میں جائز تھی کہ عصر کا وقت نکلنے تک عذر باقی رہتا۔ (احناف کے نزدیک لازم

نہیں کیونکہ وہ عصر کی نماز پڑھ چکا ہے ۱۲ ہزاروی)

پانچویں رخصت:

سواری کی حالت میں نفل پڑھنا، رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سواری پر (نفل) نماز پڑھتے تھے سواری جس طرف بھی رُخ کرتی آپ نے سواری پر وتر بھی پڑھے ہیں (۱)

جو آدمی سواری پر نفل پڑھ رہا ہو وہ نہ رکوع سجدے کی بجائے اشارے سے نماز پڑھے اور سجدے کا اشارہ رکوع کے اشارے سے ذرا پست رکھے اور اس قدر نہ جھکے کہ جانور کی وجہ سے کوئی خطرہ لاحق ہو جائے اور اگر وہ خوابگاہ میں نفل پڑھے تو رکوع سجدہ پورا کرے کیونکہ وہ اس پر قادر ہے۔

(سواری پر نماز کی صورت میں) قبلہ رُخ ہونا واجب نہیں ہے نہ ابتدا میں اور نہ اس کے بعد نماز کے دوران، (نماز کے شروع میں قبلہ رُخ ہو جائے پھر جدھر سواری کا رُخ ہو کوئی حرج نہیں سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم اسی طرح کرتے تھے ۱۲ ہزاروی)

اب راستے کا رُخ قبلے کا بدل ہے تو تمام نماز میں یا تو قبلہ رُخ رہے یا راستے کی جانب متوجہ رہے تاکہ اس کے لیے وہ جہت ہو جس پر وہ قائم ہے اور اگر اس نے جان بوجھ کر جانور کو راستے سے ادھر ادھر کر دیا تو اس کی نماز باطل ہو جائے گی البتہ قبلہ رُخ کرے تو کوئی حرج نہیں، اور اگر بھول کر پھیرا اور وقت بھی کم ہو تو نماز باطل نہیں ہوگی البتہ وقت زیادہ ہو تو اس میں اختلاف ہے، اور اگر جانور خود بھڑک کر راستے سے منحرف ہو جائے تو نماز باطل نہیں ہوگی کیونکہ عام طور پر ایسا ہوتا رہتا ہے اور اس پر سجدہ سہو بھی لازم نہیں ہوگا کیونکہ جانور کا اچھلنا کودنا اس (مسافر) کی طرف منسوب نہیں ہے البتہ بھول کر ادھر ادھر ہو جائے تو اشارے کے ساتھ سجدہ سہو لازم ہوگا (احناف کے نزدیک سجدہ سہو واجب نہیں ہوتا۔)

چھٹی رخصت:

سفر میں پیدل چلتے ہوئے نفل پڑھنا جائز ہے رکوع اور سجدے کے لیے اشارہ کرے اور تشہد کے لیے نہ بیٹھے کیوں کہ اس سے رخصت کا فائدہ باطل ہو جاتا ہے اس کا حکم وہی ہے جو سوار کا ہے لیکن اسے چاہیے کہ قبلہ رُخ ہو کر تکبیر تحریمہ کہے کیونکہ تھوڑی دیر کے لیے اس طرف رُخ کرنا مشکل نہیں ہے لیکن سوار کے لیے جانور کو دوسری طرف پھیرنا مشکل ہوتا ہے اگرچہ لگام اس کے اپنے ہاتھ میں ہو۔ اور بعض اوقات نمازیں زیادہ ہوتی ہیں اور ہر بار سواری کو ادھر موڑنا مشکل ہوتا ہے اور جان بوجھ کر تر نجاست پر گزرنا مناسب نہیں اگر ایسا کرے گا تو نماز باطل ہو جائے گی اور اگر اس کا جانور نجاست پر گزرے تو کوئی حرج نہیں۔

---

(۱) صحیح مسلم جلد اول ص ۲۴۴ کتاب صلاۃ المسافرین۔

اور جو نجاستیں راستے میں پڑی ہیں ان سے بچنے کے لیے تکلف کی کوئی ضرورت نہیں کیونکہ راستے عام طور پر نجاستوں سے خالی نہیں ہوتے اور ہر وہ شخص جو دشمن، سیلاب یا درندے سے بھاگ رہا ہو وہ فرض نماز سواری پر یا پیدل پڑھ سکتا ہے جیسا کہ ہم نے نفل نماز کے سلسلے میں ذکر کیا ہے۔

نوٹ :۔ چھٹی رخصت کے سلسلے میں جو کچھ ذکر کیا گیا یہ احناف کا موقف نہیں ہے کیوں کہ احناف کے نزدیک پیدل چلتے ہوئے کوئی نماز پڑھنا جائز نہیں چاہے وہ فرض نماز ہو یا نفل ۔ فرض نماز سواری پر بھی نہیں پڑھ سکتے البتہ نفل نماز سواری پر پڑھی جا سکتی ہے۔ کسی عذر کی وجہ سے فرض نماز سواری پر پڑھ سکتے ہیں۔

ساتویں رخصت :

ساتویں رخصت روزہ چھوڑنا ہے، مسافر کے لیے جائز ہے کہ وہ روزہ نہ رکھے (اور بعد میں قضا کرے) لیکن جب حالتِ اقامت میں صبح کرے پھر سفر اختیار کرے تو اس پر اس دن کا روزہ پورا کرنا لازم ہے؟ اور اگر حالتِ سفر میں اس نے صبح روزہ رکھا پھر مقیم ہو گیا تو بھی روزہ پورا کرنا ضروری ہے اور اگر حالتِ اقامت میں روزہ نہ رکھا ہو تو دن کے باقی حصے میں کھانے پینے سے رکنا لازم نہیں اور اگر صبح کے وقت مسافر تھا اور اس نے روزہ رکھنے کا ارادہ کیا تو بھی روزہ رکھنا لازم نہیں بلکہ جب اس نے سفر کا ارادہ کیا تو روزہ چھوڑ بھی سکتا ہے۔

البتہ روزہ چھوڑنے کی نسبت رکھنا افضل ہے اور نماز میں قصر، پوری نماز پڑھنے سے افضل ہے تاکہ فقہائے کرام کے اختلاف سے نکل جائے (احناف کے نزدیک نماز میں قصر ضروری ہے) نماز میں قصر کی وجہ سے قضا نہیں لیکن روزے کی قضا کرنا ہو گی اور بعض اوقات کسی وجہ سے نماز کی قضا مشکل ہو جاتی ہے اور یوں وہ اس کے ذمہ باقی رہے گی، البتہ جب روزہ اسے نقصان دیتا ہو تو نہ رکھنا افضل ہے۔

تو یہ سات رخصتیں ہیں ان میں سے تین لمبے سفر کے ساتھ تعلق رکھتی ہیں یعنی نماز میں قصر کرنا، روزہ چھوڑنا اور تین دن موزوں پر مسح کرنا اور دو رخصتیں محض سفر سے متعلق ہیں سفر طویل ہو یا مختصر، ایک جمعہ کا ساقط ہونا اور جب تیمم سے نماز پڑھ لے تو اس کی قضا کا نہ ہونا (احناف کے نزدیک ایسی کوئی قید نہیں تیمم کا سبب سفر کے علاوہ پایا جائے تو بھی تیمم جائز ہوتا ہے اسی طرح جمعہ کا وجوب اس وقت تک رہتا جب تک سفر شرعی نہ ہو یا کوئی دوسرا عذر نہ ہو ۱۲ ہزاروی)

سواری کی حالت میں یا پیدل چلتے ہوئے نفل نماز پڑھنے میں اختلاف ہے اور اصح بات یہ ہے کہ مختصر سفر میں بھی جائز ہے دو نمازوں کو جمع کرنے میں بھی اختلاف ہے لیکن زیادہ ظاہر بات یہ ہے کہ یہ طویل سفر کے ساتھ خاص ہے۔

جہاں تک حالتِ خوف میں فرض نماز سواری کی حالت میں یا پیدل چلتے ہوئے پڑھنے کا تعلق ہے تو اس کا سفر سے کوئی تعلق نہیں، اسی طرح مردار کھانا نیز جب پانی نہ ملے تو تیمم کرنا بھی اسی زمرے میں آتا ہے یعنی اس میں سفر و حضر مشترک ہیں جب ان کے اسباب پائے جائیں تو یہ اعمال کئے جاتے ہیں۔

نوٹ:- جیسے پہلے لکھا گیا ہے احناف کے نزدیک فرض نماز سواری پر اور پیدل دونوں طرح نہیں ہوتی اور نفل سواری پر ہو سکتے ہیں پیدل نہیں ــ خوف کی حالت میں فرض سواری پر پڑھ سکتے ہیں ۱۲ ہزاروی

اگر کہا جائے کہ مسافر کے لیے سفر سے پہلے ان رخصتوں کا علم حاصل کرنا واجب ہے یا مستحب؟

تو جان لو! اگر وہ سفر سے پہلے ارادہ کرے کہ وہ مسح، قصر، نمازوں کو جمع کرنے اور افطار کو چھوڑ دے گا نیز نفل بھی سواری پر یا پیدل چلتے ہوئے نہیں پڑھے گا تو ان رخصتوں کی شرائط کو جاننا ضروری نہیں۔ کیوں کہ رخصت پر عمل کرنا اس پر واجب نہیں (نماز میں قصر ضروری ہے) لیکن تیمم سے متعلق رخصت کا علم ہونا ضروری ہے کیونکہ پانی کا ملنا نہ ملنا اس کے اختیار میں نہیں ہے البتہ یہ کہ وہ نہر کے کنارے پر سفر کر رہا ہو اور اسے یقین ہو کہ سفر کے آخر تک پانی باقی رہے گا یا اس کے ساتھ راستے میں کوئی عالم ہو اور وہ حاجت کے وقت اس سے پوچھ سکتا ہو تو وہ حاجت کے وقت تک مؤخر کرے لیکن جب پانی نہ ہونے کا گمان ہو اور اس کے ساتھ کوئی عالم بھی نہ ہو تو اس صورت میں سیکھنا بہر صورت ضروری ہے اگر کہا جائے کہ تیمم کی ضرورت نماز کے لیے پڑتی ہے جس کا وقت ابھی داخل نہیں ہوا تو جو نماز ابھی تک واجب نہیں ہوئی اس کے لیے طہارت کا علم کیسے لازم ہوگا اور ہو سکتا ہے وہ واجب ہی نہ ہو۔

تو میں کہتا ہوں جس آدمی اور کعبہ شریف کے درمیان ایک سال کی مسافت ہو اس پر لازم ہے کہ وہ حج کے مہینوں سے پہلے سفر شروع کرے اور احکام حج کا سیکھنا بھی اس پر لازم ہے جب کہ اسے گمان ہو کہ وہ راستے میں کسی ایسے شخص کو نہیں پائے گا جس سے سیکھے کیونکہ اصل بات تو زندہ رہنا اور اس زندگی کا انتہائے سفر تک باقی رہنا ہے اور واجب تک پہنچنے کا ذریعہ بھی واجب ہوتا ہے اور جس چیز کا وجوب ظاہری طور پر اور غالب گمان کے مطابق متوقع ہو اور اس کے لیے کوئی ایسی شرط ہو کہ جب تک پہلے وہ شرط نہ پائی جائے اس وجوب تک پہنچنا مشکل ہو تو لازماً پہلے اس شرط کا سیکھنا واجب ہوگا۔ جیسے وقت حج سے پہلے حج کے احکام سیکھنا ہے لہٰذا مسافر کے لیے جائز نہیں کہ جب تک تیمم سے متعلق ضروری مسائل سیکھ نہ لے وہ سفر شروع کرے۔

اور تمام رخصتوں پر عمل کرنے کی پختہ نیت ہو تو اس پر یہ بھی لازم ہے کہ تیمم اور باقی رخصتوں سے متعلق اس قدر سیکھے جو ہم نے ذکر کیا کیونکہ جب تک اسے رخصتِ سفر سے متعلق جائز مقدار کا علم نہیں ہوگا اس پر اکتفا کرنا ممکن نہ ہوگا۔

کہا جائے کہ اگر وہ شخص سوار یا پیدل چلتے ہوئے نفل پڑھنے کی کیفیت نہ جانتا ہو تو اس کا کیا نقصان ہوگا زیادہ سے زیادہ یہی ہوگا کہ نماز فاسد ہوگی اور وہ واجب ہی نہیں تو اس کا علم کیسے واجب ہوگا؟

میں کہتا ہوں اس پر واجب ہے کہ وہ فساد کے طریقے پر نفل نہ پڑھے کیونکہ بے وضو ہونے کی صورت میں نیز نجاست کے ساتھ اور قبلہ رُخ نہ ہوتے ہوئے بلکہ نماز کی باقی تمام شرائط اور ارکان کو پورا کیے بغیر نماز پڑھنا حرام ہے پس اس پر لازم ہے کہ وہ اتنا علم حاصل کرے جس کے ذریعے فاسد نوافل سے بچ سکے تاکہ ممنوع کام میں نہ پڑے ــــ تو یہ اس بات کا بیان ہے

جس کی مسافر کو دوران سفر آسانی دی گئی ہے۔

دوسری قسم :

سفر کے سبب سے نئے وظائف

یہ قبلہ اور اوقات کا علم ہے یہ حضر میں بھی واجب ہے لیکن حضر میں محراب وغیرہ کے ذریعے اسے کفایت حاصل ہوجاتی ہے اور ان پر سب کا اتفاق ہوتا ہے اب اسے قبلہ کی تلاش کی ضرورت نہیں ہوتی اور چونکہ موذن وقت کا خیال رکھتا ہے لہذا وقت کے علم سے بھی بے نیاز ہوجاتا ہے اور بعض اوقات مسافر پر قبلہ مشتبہ ہوجاتا ہے اور کبھی اوقات بھی لہذا ایسی باتوں کا علم ضروری ہے جو قبلہ اور اوقات پر دلالت کرتی ہوں۔

قبلہ پر دلالت کرنے والی ولالتیں تین قسم کی ہیں۔

پہلی دلالت ارضی ہے جیسے پہاڑوں بستیوں اور نہروں سے استدلال کرنا۔

دوسری دلالت فضائی ہے جیسے شمالی، جنوبی اور مشرقی و مغربی ہوائے سے استدلال کرنا۔

اور تیسری دلالت آسمانی ہے اور وہ ستارے ہیں۔

جہاں تک زمینی اور ہوائی نشانیوں کا تعلق ہے تو وہ ممالک کی تبدیلی سے بدلتی رہتی ہیں کئی راستے ایسے ہیں جن میں بلند پہاڑ ہوتے ہیں معلوم ہوجاتا ہے کہ وہ قبلہ رُخ ہونے والے کی دائیں یا بائیں جانب ہیں یا آگے پیچھے ہیں تو اس کو جاننا اور سمجھنا چاہیے ہماسی طرح بعض علاقوں میں ہوائیں بھی دلالت کرتی ہیں اس بات کو بھی سمجھنا چاہیے، اور ہم اس کا پورا بیان نہیں کرسکتے کیونکہ ہر علاقے کا حکم الگ ہے۔

جہاں تک آسمانی علامت کا تعلق ہے تو اس کی دو قسمیں ہیں ایک دن سے تعلق رکھتی ہے اور دوسری رات سے، دن کی علامت سُورج ہے تو گھر سے نکلنے سے پہلے اس بات کا خیال رکھے کہ زوال کے وقت سورج کہاں ہوتا ہے کیا دو ابروؤں کے درمیان یا دائیں آنکھ کے سامنے یا بائیں آنکھ کے سامنے ہوتا ہے یا ان جگہوں کی نسبت پیشانی کی طرف زیادہ مائل ہوتا ہے کیونکہ شمالی علاقوں میں سورج ان جگہوں میں سے کسی ایک کے مقابل رہتا ہے جب وہ اس بات کو ذہن نشین کرلے توجب سورج کے زوال کو جان لے گا تو جو دلیل ہم عنقریب ذکر کریں گے اس کے ذریعے اسے قبلہ کا علم بھی ہوجائے گا اسی طرح وہ یہ دیکھے کہ عصر کے وقت سورج کہاں واقع ہوتا ہے کیونکہ وہ ان دو وقتوں میں لازماً قبلہ کا محتاج ہوتا ہے تو چونکہ یہ بھی شہروں کے اختلاف سے مختلف ہوتا ہے لہذا اس کا بیان بھی ناممکن ہے۔

جہاں تک مغرب کے وقت قبلہ کا تعلق ہے تو وہ مقام غروب سے معلوم ہوجاتا ہے یعنی وہ اس بات کو پیش نظر رکھے کہ غروب کی جگہ قبلہ رُخ ہونے والے کی کس جانب ہوتی ہے دائیں طرف ہوتی ہے یا چہرے کی طرف مائل ہے یا اس کی گردن

کے پچھلے حصے کی طرف مائل ہے نیز عشاء کے لیے قبلہ کا علم شفق کے ذریعے ہو جاتا ہے اور صبح کی نماز کے لیے طلوعِ آفتاب سے قبلہ کا رخ معلوم ہو جاتا ہے تو گویا پانچوں نمازوں کے لیے سورج قبلہ پہ دلالت کرتا ہے لیکن گرمیوں اور سردیوں میں تبدیلی ہوتی رہتی ہے کیونکہ طلوع و غروب کے مقامات زیادہ ہیں اگرچہ وہ دو جہتوں میں بند ہیں تو اس بات کا بھی علم ہونا چاہیئے۔

لیکن بعض اوقات مغرب و عشاء اس وقت پڑھنے کا اتفاق ہوتا ہے جب شفق غائب ہو جاتی ہے لہٰذا اس کے ذریعے قبلہ معلوم کرنا ممکن نہ ہوگا اس صورت میں قطب کی جگہ کو پیش نظر رکھے اور یہ وہ ستارہ ہے جسے جدی کہتے ہیں یہ ایسا ستارہ ہے کہ گویا وہ ٹھہرا ہوا ہے اپنی جگہ سے حرکت نہیں کرتا، اور یہ ستارہ یا تو قبلہ رُخ ہونے والے شخص کی پچھلی جانب ہوگا یا پیٹھ کی طرف سے دائیں کاندھے پہ یا بائیں کاندھے پر ہوگا" اور یہ ان شہروں میں ہوتا ہے جو مکہ مکرمہ سے شمال کی جانب ہیں۔

لیکن جو شہر جنوب کی طرف ہیں جیسے یمن اور اس سے ملحقہ ممالک، تو وہاں قبلہ رُخ ہونے والے کے مقابل ہوگا لہٰذا اس کے بارے میں علم ہونا چاہیے تو اپنے شہر میں جس طریقے پہ اس کا علم ہو تمام راستے میں اسی کو پیش نظر رکھے البتہ جب سفر لمبا ہو تو الگ بات ہے کیونکہ جب مسافت دُور کی ہو تو سورج کا مقام مختلف ہو جاتا ہے اسی طرح قطب کا مقام اور مشارق و مغارب بھی مختلف ہو جاتے ہیں۔ لیکن جب دورانِ سفر کسی شہر میں پہنچے تو وہاں کے سمجھدار لوگوں سے اس کے بارے میں پوچھ لے، یا ان ستاروں کو پیش نظر رکھے یا وہ شہر کی جامع مسجد کے محراب کے سامنے کھڑا ہو کر اس کا اندازہ کرے یہاں تک کہ اس کے لیے واضح ہو جائے تو جب ان دلائل کو جان لے تو ان پہ اعتماد کرے، اور اگر ظاہر ہو کہ اس نے قبلہ رُخ سے خطا کی ہے اور کسی دوسری طرف متوجہ ہو گیا ہے تو مناسب ہے کہ قضا کرے اور اگر قبلہ کے مقابل تو نہیں رہا لیکن اس کی جہت سے نہیں نکلا تو اس پہ قضا لازم نہیں ہے۔

اس سلسلے میں فقہاء کرام کا اختلاف ہے کہ کیا جہت کعبہ مطلوب ہے یا عین کعبہ، اور ایک جماعت کے لیے یہ مفہوم مشکل ہو گیا اور انہوں نے کہا کہ عین کعبہ مطلوب ہے حالانکہ دور دراز علاقوں کے لیے اس بات کا تصور کیسے ہو سکتا ہے اور اگر ہم کہیں کہ جہت مطلوب ہے تو جو آدمی مسجد میں کھڑا ہو اگر وہ کعبہ کی جہت کی طرف منہ کرتا ہے تو وہ بدنی طور پہ کعبۃ اللہ کے سامنے نہیں اور اس میں کوئی اختلاف نہیں کہ اس کی نماز صحیح نہیں ہوتی۔

تو جہت کعبہ اور عین کعبہ کے سلسلے میں ان حضرات نے نہایت طویل گفتگو کی ہے لہٰذا پہلے اس بات کو جاننا ضروری ہے کہ عین کے مقابلے میں ہونے کا کیا مطلب ہے اور جہت کے مقابلے میں ہونے کا کیا مفہوم ہے، تو مقابلہ عین کا مطلب یہ ہے کہ اگر ایسی جگہ کھڑا جہاں سے اس کی آنکھوں کے درمیان سے خط مستقیم کعبۃ اللہ کی دیواروں کی طرف نکلے تو اس سے جا ملے اور اس خط کے دونوں طرف دو برابر زاویے بنیں۔ اس کی صورت یہ ہے کہ نمازی کے کھڑے ہونے کی جگہ سے جو خط نکلے اس کے بارے میں یہی خیال کیا جاتا ہے کہ وہ اس کی آنکھوں کے درمیان سے نکلا ہے۔
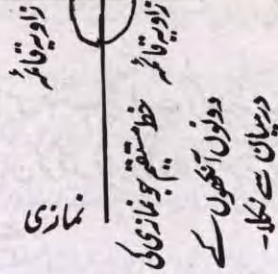
اس صورت کا نقشہ یوں ہے۔

جہاں تک جہت کے مقابل کا تعلق ہے تو جائز ہے کہ جو خط دونوں آنکھوں کے درمیان سے کعبہ شریف کی طرف نکلا ہے وہ کعبہ شریف سے جا کر مل جائے اور خط کی دونوں طرف دو قائمہ زاویے نہ بنیں بلکہ دو متساوی زاویے اس صورت میں ہوں گے جب خط ایک معین نقطہ تک پہنچے جو ایک ہی ہو اور اگر اس خط کو کئی نقطوں سے ملایا جائے جو دائیں یا بائیں طرف ہیں تو دو زاویوں میں سے ایک زیادہ تنگ ہوگا اور یہ عین کعبہ کے مقابل نہیں رہے گا لیکن جہت کے مقابل ہوگا جس کی صورت یہ ہے۔

کعبہ شریف

عین کے مقابل خطہ

جہت کے مقابل خطہ
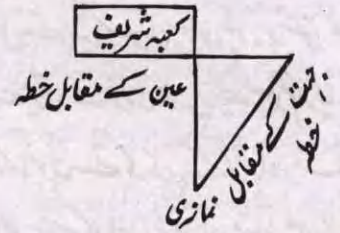
نمازی

اگر کعبہ شریف کو اس خط کے کنارے پر تصور کیا جائے تو نمازی کا رُخ جہت کعبہ کی طرف ہوگا عین کعبہ کی طرف نہیں ہوگا، اور اس جہت کی حدود ہوگی جسے قبلہ رُخ کھڑا ہونے والا ایسی جہت خیال کرتا ہے جو دونوں آنکھوں سے نکلتی ہے اور ان دونوں کے کنارے دونوں آنکھوں کے درمیان زاویہ قائمہ کی صورت میں سر میں داخل ہو جاتے ہیں اب جو کچھ ان دو خطوں کے درمیان واقع ہو جو آنکھوں کے درمیان سے نکلے ہیں تو وہ جہت میں داخل ہوگا اور جس قدر خط لمبے ہوتے جائیں گے دونوں کے درمیان وسعت بڑھتی جائے گی۔

تو جب عین اور جہت کا مفہوم معلوم ہو گیا تو میں کہتا ہوں کہ ہمارے نزدیک صحیح فتویٰ یہ ہے کہ مطلوب عین کعبہ ہے اگر کعبہ شریف کو دیکھنا ممکن ہو اور دیکھنا دشوار ہو تو جہت کی طرف رُخ کرنا کافی ہے کعبۃ اللہ کو دیکھنے کی صورت میں اس کے عین کی طرف رُخ کرنے پر سب کا اتفاق ہے اور جب دیکھنا مشکل ہو تو جہت پر اکتفا قرآن، سنت، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے عمل اور قیاس سے ثابت ہے قرآن پاک میں ارشاد خداوندی ہے۔

وَحَيْثُ مَا كُنْتُمْ فَوَلُّوا وُجُوهَكُمْ شَطْرَهُ ۔ (۱) اور تم جہاں بھی ہو اپنے چہروں کو اسی (کعبہ شریف) کی طرف پھیر دو۔

---

(۱) قرآن مجید، سورۂ بقرہ ایت ۱۵۰

سنت سے اس کی دلیل سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ حدیث مبارک ہے آپ نے مدینہ طیبہ والوں سے فرمایا مشرق اور مغرب کے درمیان قبلہ ہے (۱)

مدینہ طیبہ میں مغرب دائیں جانب اور مشرق بائیں جانب پڑتا ہے (کعبہ شریف مدینہ طیبہ سے جنوب کی طرف ہے) تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مشرق و مغرب کے درمیان کو قبلہ قرار دیا حالانکہ کعبہ شریف مشرق و مغرب کے درمیان والی مسافت سے چھوٹا ہے اسے تو اس کی جہت ہی پورا کر سکتی ہے۔

یہ الفاظ حضرت عمر فاروق اور ان کے صاحبزادے رضی اللہ عنہما سے بھی مروی ہیں۔

جہاں تک صحابہ کرام کے عمل کا تعلق ہے تو روایت میں ہے کہ مسجد قبا والے صبح کی نماز میں بیت المقدس کی طرف رُخ کئے ہوئے تھے اور ان کی پیٹھ قبلہ کی طرف تھی کیوں کہ مدینہ طیبہ ان دونوں کے درمیان ہے ان سے کہا گیا کہ ابھی ابھی قبلہ تبدیل ہو گیا تو کسی دلالت کے بغیر وہ نماز کے دوران ہی کعبہ شریف کی طرف پھر گئے (۲) ان پر کسی نے اعتراض نہیں کیا اور اس مسجد کا نام مسجد قبلتین ہو گیا۔

مدینہ طیبہ سے عین مکہ (عین کعبہ) کی طرف نظر کرنا مطلوب ہوتا تو ہندسہ کے دلائل کے بغیر اس کی پہچان نہیں ہو سکتی تھی اور اس میں کافی غور و خوض کرنا پڑتا تو انہوں نے نماز کے درمیان اور رات کے اندھیرے میں اسے فوری طور پر کیسے معلوم کر لیا۔

میزان کا عمل اس طریقے پر بھی جہت کعبہ کی طرف رُخ کرنے پر دلالت کرتا ہے کہ انہوں نے مکہ مکرمہ کے گرد اور تمام اسلامی شہروں میں مسجدیں بنائیں لیکن محرابوں کو سیدھا کرتے وقت وہاں کوئی مہندس (علم ہندسہ کا ماہر) نہ تھا اور مقابلہ عین کا علم اس وقت تک نہیں ہو سکتا جب تک باریک ہندسی نظر نہ پائی جائے۔

جہاں تک قیاس کا تعلق ہے تو وہ یوں ہے کہ قبلہ رُخ ہونے اور تمام روئے زمین میں مساجد بنانے کی حاجت رہتی ہے اور عین قبلہ کے مقابل ہونا علوم ہندسہ کے بغیر نہیں ہو سکتا اور شریعت نے اس میں غور و فکر کا حکم نہیں دیا۔ بلکہ بعض اوقات اس علم میں غور و فکر کرنے سے ڈانٹ دیا تو ایک شرعی معاملہ اس پر کیسے مبنی ہو گا لہٰذا ضرورت کے تحت جہت قبلہ پر اکتفا واجب ہو گا۔

اور ہم نے جس صورت کا ذکر کیا کہ یہ عالم چار جہات پر مشتمل ہے اس کے صحیح ہونے کی دلیل حضور علیہ السلام کا یہ ارشاد گرامی ہے۔

لَا تَسْتَقْبِلُوا بِهَا الْقِبْلَةَ وَلَا تَسْتَدْبِرُوهَا — قضائے حاجت کے وقت قبلہ کی طرف منہ نہ کرو اور نہ ادھر

---

(۱) سنن ابن ماجہ ص ۷۲، ابواب اقامۃ الصلوٰۃ

(۲) صحیح مسلم جلد اول ص ۲۰۰ کتاب المساجد

وَلٰکِنْ شَرِّقُوْا اَوْغَرِّبُوْا۔ (۱) پیٹھ کرو بلکہ مشرق یا مغرب کے رُخ بیٹھو۔

اور یہ بات آپ نے مدینہ طیبہ میں فرمائی وہاں مشرق قبلہ رُخ ہو کر کھڑے ہونے والے کی بائیں جانب اور مغرب اس کی دائیں جانب ہوتا ہے تو آپ نے دو جہتوں سے منع فرمایا اور دو جہتوں کی اجازت دے دی اور اس طرح ان جہات کا مجموعہ چار ہے۔

کسی کے دل میں یہ خیال نہیں آتا کہ جہاتِ عالم کو چھ، سات یا دس جہات تصور کیا جائے اور یہ کیسے ہو سکتا ہے اور اس صورت میں باقی جہات کا کیا حکم ہو گا! بلکہ اعتقادی اعتبار سے جہات انسانی خلقت کے مطابق ثابت ہوتی ہیں اور انسان کے لیے چار جہات ہی ہیں آگے، پیچھے، دائیں اور بائیں تو انسان کی طرف نسبت کرتے ہوئے ظاہری طور پر چار ہی جہات ہیں اور شریعت کی بنیاد اسی قسم کے اعتقاد پر ہوتی ہے معلوم ہوا کہ مطلوب جہتِ قبلہ ہے اور اس میں اجتہاد کرنا اور اس کے ذریعے قبلہ کی علامات کو سیکھنا آسان ہے۔

لیکن جہاں تک عین کعبہ کے مقابل ہونے کا تعلق ہے تو اس کا علم اس صورت میں ہو سکتا ہے جب یہ معلوم ہو کہ مکہ مکرمہ کا عرض خطِ استواء سے کس مقدار میں ہے اور اس کی لمبائی کتنے درجات کی مقدار میں ہے، یعنی مشرقی جانب پہلی عمارت کسی قدر دُور ہے پھر نمازی کے کھڑا ہونے کی جگہ سے معلوم کیا جائے پھر دونوں کا ایک دوسرے کے ساتھ مقابلہ کیا جائے اور اس سلسلے میں طویل آلات و اسباب کی ضرورت ہو گی اور شریعت ہرگز اس بات پر مبنی نہیں ہے تو اس صورت میں دلائل قبلہ سے جو کچھ سیکھنا ضروری ہے وہ یہ ہے کہ زوال کے وقت سورج کے داخل اور خارج ہونے کی جگہ نیز عصر کے وقت کہاں ہوتا ہے؟ اسے معلوم کیا جائے اس سے وجوب ساقط ہو جاتا ہے۔

اگر تم کہو کہ مسافر اس بات کو جانے بغیر سفر پر چل پڑے تو کیا وہ گناہ گار ہو گا؟

تو اس کے جواب میں، میں کہوں گا اگر اس کا راستہ ایسی بستیوں سے گزرتا ہے جو باہم متصل ہیں اور ان میں محرابیں ہیں یا راستے میں اس کے ساتھ کوئی عالم اور سمجھدار آدمی ہے جو قبلہ کی علامات کو جانتا ہے اور اس کی عدالت و بصیرت پر یقین کیا جا سکتا ہے اور یہ شخص اس کی تقلید کر سکتا ہے تو گناہ گار نہیں ہو گا اور اگر اس کے پاس ان میں سے کچھ بھی نہ ہو تو گناہ گار ہو گا کیونکہ عنقریب اسے قبلہ رُخ ہونا پڑے گا اور اسے اس کا علم ہی نہیں ہے تو یہ تیمم وغیرہ کے علم کی طرح ہو گیا۔

اور اگر وہ ان دلائل کو سیکھ لے لیکن راستے میں سیاہ بادلوں کی وجہ سے اسے قبلہ رُخ معلوم نہ ہو سکا یا اس نے سیکھنا ترک کر دیا اور راستے میں کسی ایسے شخص کو بھی نہ پایا جس کی تقلید کرتا، تو اسے چاہیے کہ وقت پر جیسے بن پڑے نماز ادا کرے پھر اس پر قضا لازم ہو گی چاہے اس نے صحیح رُخ پہ نماز پڑھی تھی یا خطا واقع ہوئی تھی۔

نوٹ:۔ ایسی صورت میں جب قبلہ کا صحیح پتہ نہ چلتا ہو غور و فکر کر کے کسی طرف نماز پڑھ لے تو اب اسے قضا کی ضرورت

---

(۱) مسند امام احمد بن حنبل جلد ۵ ص ۴۲۱ مرویات ابو ایوب انصاری

نہ ہوگی کیونکہ وہی جہت اس کا قبلہ ہے ۱۲ ہزاروی

اور نابینا شخص کے لیے تو دوسرے آدمی کی بات پر ہی عمل کرنا ہوگا وہ ایسے آدمی کی تقلید کرے جس کے دین اور بصیرت پر یقین کیا جا سکتا ہے اگر وہ شخص جس کی تقلید کی جا رہی ہے قبلہ رُخ معلوم کرنے میں کوشش کرنے والا ہو اور قبلہ ظاہر ہو تو اب ہر عادل شخص کے قول پر اعتماد کر سکتا ہے جو اسے قبلہ کی خبر دے حالتِ اقامت میں ہو یا سفر میں۔

کسی نابینا شخص اور جاہل کے لیے جائز نہیں کہ وہ کسی ایسے قافلے کے ساتھ سفر کریں جس میں قبلہ پہ دلالتوں کا علم رکھنے والا کوئی شخص نہ ہو جب کہ اسے دلالت کی حاجت بھی ہو۔ جیسے ایک عام (بے علم) آدمی کے لیے جائز نہیں کہ وہ ایسے شہر میں رہے جس میں کوئی فقیہ نہ ہو جسے شریعت کی تفصیل کا علم ہو بلکہ اس پر لازم ہے کہ وہ ایسے علاقے کی طرف ہجرت کرے جہاں کوئی دین سکھانے والا ہو، اسی طرح اگر شہر میں کوئی فقیہ ہو لیکن وہ فاسق ہو تو اب بھی اس پر ہجرت ضروری ہے کیونکہ اس کے لیے فاسق کے فتویٰ پر اعتماد کرنا جائز نہیں بلکہ فتویٰ کی قبولیت کے لیے عدالت (فاسق نہ ہونا) شرط ہے۔ جیسے ایک روایت میں آیا ہے۔

اور اگر وہ فقہ میں معروف ہو لیکن عدالت اور فسق میں اس کی حالت کا پتہ نہ چلتا ہو تو اس کے لیے قبول کرنا جائز ہے جب کوئی ایسا فقیہ نہ ملے جس کی عدالت ظاہر ہو، کیونکہ مسافر شہروں میں مفتی حضرات کی عدالت پر بحث نہیں کر سکتا اگر وہ دیکھے کہ اس نے ریشم پہنا ہوا ہے یا وہ کپڑا پہن رکھا ہے جس پر ریشم غالب ہے یا ایسی سواری پر سوار ہوتا ہے جس پہ سونے کی زین ہو تو اس کا فسق ظاہر ہے لہٰذا اس کی بات قبول کرنے سے باز رہے اور کسی دوسرے فقیہ کو تلاش کرے، اسی طرح جب دیکھے کہ وہ بادشاہ کے دستر خوان پہ کھاتا ہے اور اس کا زیادہ مال حرام سے ہے یا اس سے عطیات وصول کرتا ہے یا کوئی صلہ وصول کرتا ہے اور اسے اس بات کا علم نہیں کہ اس نے جو کچھ لیا ہے وہ حلال طریقے پہ حاصل کیا گیا تھا یا نہیں، تو یہ تمام صورتیں فسق کی صورتیں ہیں اور عدالت پر اثر انداز ہوتی ہیں ایسے لوگوں سے فتویٰ، روایت اور شہادت قبول کرنا منع ہے۔

پانچ نمازوں کے اوقات

پانچ نمازوں کے اوقات معلوم کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ ظہر کا وقت زوال سے شروع ہو جاتا ہے، ہر شخص کا سایہ دن کے شروع میں مغرب کی جانب ایک طویل سایہ ہوتا ہے پھر وہ زوال کے وقت تک مسلسل کم ہوتا رہتا ہے اس کے بعد مشرق کی طرف بڑھتا رہتا ہے اور غروب تک مسلسل بڑھتا ہے، تو اب مسافر کو چاہیے کہ ایک جگہ کھڑا ہو جائے یا ایک سیدھی لکڑی کھڑی کر دے اور نشان لگائے کہ سایہ کہاں تک پہنچا ہے اس کے کچھ دیر بعد دیکھے اگر دیکھے کہ کچھ کم ہوا ہے تو ابھی ظہر کا وقت داخل نہیں ہوا۔

اس کی پہچان کا طریقہ یہ ہے کہ اس شہر میں قابلِ اعتماد مؤذن کی اذان کے وقت اپنے قد کا سایہ دیکھے اگر وہ (مثلاً) اس کے اپنے قدم کے حساب سے تین قدم ہے تو جب سفر میں بھی اسی طرح ہو اور بڑھنا شروع ہو جائے تو نماز پڑھے اور جب وہ اس پر ساڑھے چھ قدم زیادہ ہو جائے تو عصر کا وقت شروع ہو جائے گا کیونکہ ہر شخص کا سایہ اس کے اپنے

قدم کے حساب سے ساڑھے چھ قدم ہوتا ہے (تقریباً ایسا ہوتا ہے) پھر زوال کا سایہ ہر دن بڑھے گا جب وہ گرمیوں کے موسم میں سفر کرے اور سردیوں کے شروع میں سفر کیا تو ہر دن گھٹے گا اور زوال کے سائے کو پہچاننے کا بہترین طریقہ یہ ہے کہ اپنے ساتھ زوال کا میزان رکھے جس کے ذریعے معلوم کرے۔

(نوٹ: احناف کے نزدیک جب اس کا سایہ ساڑھے نو قدم ہو جائے تب ظہر کا وقت ہو گا کیونکہ احناف کے نزدیک اصلی سائے کے علاوہ دو مثل سایہ تک ظہر کا وقت ہوتا ہے ۱۲ ہزاروی) اس میزان کے ذریعے ہر وقت سائے کے اختلاف کا علم حاصل کرے اور اگر اسے معلوم ہو کہ قبلہ رُخ ہونے کی صورت میں زوال کے وقت سورج کہاں ہوتا ہے اور وہ سفر کی حالت میں ایسی جگہ ہو جہاں قبلہ کسی دوسری دلیل سے ظاہر ہوتا ہو تو اس کے لیے وقت کو سورج کے ذریعے معلوم کرنا ممکن ہے مثلاً وہ اس کی دونوں آنکھوں کے درمیان ہوتا اگر وہ اپنے شہر میں ہوتا۔

مغرب کا وقت غروبِ آفتاب کے ساتھ ہی شروع ہو جاتا ہے لیکن بعض اوقات پہاڑوں کی وجہ سے غروب ہونے کا مقام اس سے مخفی ہوتا ہے تو اسے چاہیے کہ وہ مشرق کی جانب دیکھے جب افق میں سیاہی نظر آئے جو زمین سے ایک نیزے کے برابر بلند ہو تو مغرب کا وقت داخل ہو گیا۔

عشاء کا وقت غروبِ شفق کے ذریعے معلوم ہو جاتا ہے اور شفق سرخی ہے (احناف کے نزدیک سرخی کے بعد جو سفیدی ظاہر ہوتی ہے اسے شفق کہتے ہیں ۱۲ ہزاروی)

اگر پہاڑوں کی وجہ سے شفق غائب ہو تو چھوٹے چھوٹے ستاروں کے بکثرت ظاہر ہونے سے اس کا علم ہو جاتا ہے کیونکہ یہ ستارے سرخی غائب ہونے کے بعد ظاہر ہوتے ہیں۔

(یاد رہے جب سرخی کے بعد والی سفیدی غائب ہو جائے تو احناف کے نزدیک مغرب کا وقت ختم اور عشاء کا وقت شروع ہو جاتا ہے۔ ۱۲ ہزاروی۔)

صبح کے وقت کی صورت حال یہ ہے کہ پہلے وہ مستطیل کی صورت میں یعنی ایک لمبی سمت سفیدی ظاہر ہوتی ہے جیسے بھیڑیے کی دُم ہوتی ہے یہ صبح کاذب کا وقت ہوتا ہے جب تک یہ وقت ختم ہو کر دائیں بائیں پھیلنے والی سفیدی ظاہر نہ ہو صبح نہیں ہوتی۔

اس صبح کو معلوم کرنا مشکل نہیں کیونکہ اس کا ادراک آنکھوں سے ہو جاتا ہے یہ صبح کا آغاز ہے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دونوں ہتھیلیوں کو جمع کر کے فرمایا صبح ایسے نہیں بلکہ صبح ایسے ہے اور یہ فرماتے ہوئے آپ نے اپنی ایک انگشتِ شہادت کو دوسری پر رکھ کر ان دونوں کو کھولا اور اسی بات کی طرف اشارہ فرمایا کہ وہ پھیلی ہوئی روشنی ہوتی ہے(۱)

بعض اوقات منازل سے اس کا اندازہ لگایا جاتا ہے لیکن یہ تحقیقی بات نہیں بلکہ ایک اندازے والی بات ہے بلکہ سفیدی

---

(۱) سنن ابن ماجہ ص ۱۲۳ ابواب الصیام

کو دائیں بائیں پھیلا ہوا دیکھنا ہی دلیل ہے کیونکہ بعض لوگوں کا خیال تھا کہ صبح، سورج کے طلوع ہونے سے چار منازل پہلے ہو جاتی ہے لیکن یہ بات صحیح نہیں ہے کیونکہ یہ فجر کاذب ہے اور جس بات کو محققین نے ذکر کیا ہے وہ یہ ہے کہ صبح، طلوعِ آفتاب سے دو منزل پہلے ہوتی ہے یہ بات بھی کچھ کچھ ٹھیک ہے لیکن اس پر اعتماد نہیں کیا جا سکتا۔ کیونکہ بعض منازل ترچھی پھیلی ہوئی نکلتی ہیں اور بعض سیدھی کھڑی ہوتی ہیں اور ان کے طلوع کا زمانہ لمبا ہوتا ہے اور مختلف شہروں کے اعتبار سے یہ مختلف ہوتی ہیں جن کا ذکر بہت طویل ہے۔

ہاں منازل سے صبح کے قریب و بعید ہونے کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے لیکن جہاں تک آغاز صبح کا تعلق ہے تو دو منزلوں کے ساتھ اس کا اندازہ لگانا ممکن نہیں ہے۔

خلاصۂ کلام یہ ہے کہ جب طلوع آفتاب تک چار منزلیں رہ جائیں تو ان میں سے ایک منزل صبح کاذب تک یقینی طور پر ہوتی ہے اور جب تقریباً دو منزلیں رہ جائیں تو صبح صادق طلوع ہو جاتی ہے اور دو صبحوں کے درمیان تقریباً ایک منزل کا دو تہائی حصہ رہ جاتا ہے اور اس کے بارے میں شک ہوتا ہے کہ وہ صبح صادق ہے یا صبح کاذب! یہ وہ وقت ہے جب سفیدی ظاہر ہونا اور پھیلنا شروع ہوتی ہے لیکن ابھی اس کا پھیلاؤ زیادہ وسیع نہیں ہوتا۔

تو شک کے وقت سے روزہ دار کو سحری کھانا ترک کر دینا چاہیے اور جو شخص رات کے نوافل پڑھ رہا ہے وہ اس سے پہلے پہلے وتر پڑھ لے اور جب تک شک کا وقت ختم نہ ہو صبح کی نماز نہ پڑھے اور جب صبح کا وقت یقینی ہو جائے اس وقت نماز پڑھے۔

اگر کوئی شخص چاہے کہ وہ ایک ایسا وقت مقرر کرے جس میں سحری کا پانی پیئے اور اس کے ساتھ ہی صبح کی نماز پڑھ لے تو وہ اس پر قادر نہیں ہو سکتا اور اس کی پہچان انسان کے بس میں بالکل نہیں ہے بلکہ توقف اور شک کی وجہ سے مہلت چاہیئے کیونکہ اعتماد تو آنکھ کے ساتھ دیکھنے پر ہے اور آنکھ سے دیکھنے پر اعتماد اس وقت ہوگا جب روشنی چوڑائی میں پھیل جائے یہاں تک کہ زردی کا آغاز ہو جائے۔

اس سلسلے میں بہت سے لوگوں کو مغالطہ لگتا ہے اور وہ وقت سے پہلے نماز پڑھ لیتے ہیں۔ اس پر ترمذی شریف کی وہ روایت دلالت کرتی ہے جسے حضرت امام ترمذی رحمہ اللہ نے اپنی سند سے حضرت طلق بن علی رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے وہ فرماتے ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

کھاؤ پیؤ اور تمہیں اوپر کی طرف چڑھنے والی روشنی پریشان نہ کرے اور کھاؤ پیؤ یہاں تک کہ تمہارے لیے سرخی پھیل جائے (۱)، تو یہ حدیث سرخی کی رعایت میں صریح ہے۔

---

(۱) سنن ابی داؤد جلد اول ص ۳۲۰ کتاب الصیام

حضرت امام ترمذی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ اس سلسلے میں حضرت عدی بن حاتم، حضرت ابوذر اور حضرت سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہم سے بھی مروی ہے اور حدیث حسن غریب ہے اور اہل علم کا اس پر عمل ہے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں جب تک روشنی اوپر کو جاتی ہے کھاؤ پیو، صاحب غریبین نے فرمایا کہ اس سے اوپر کو جانے والی لمبی روشنی مراد ہے۔

تو اس صورت میں زردی کے ظاہر ہونے کے علاوہ کسی چیز پر اعتبار نہ کیا جائے گویا کہ یہ سرخی کا آغاز ہے مسافر اوقات کی معرفت کا محتاج ہوتا ہے کیونکہ بعض اوقات وہ کوچ کرنے سے پہلے نماز پڑھنا چاہتا ہے تاکہ اسے سواری سے اترنے میں دقت نہ ہو یا سونے سے پہلے نماز پڑھنا چاہتا ہے کہ کچھ آرام کرلے۔

اگر وہ نماز کو کچھ مؤخر کرنے پر نفس کو آمادہ کرلے اور اسے گوارہ کرلے یہاں تک کہ وقت کا یقین ہو جائے اور اوّل وقت کی فضیلت سے قطع نظر کرلے اور سواری سے اترتے اور کچھ دیر بعد سونے کی تکلیف بھی برداشت کرلے تو اوقات کے علم حاصل کرنے کی ضرورت باقی نہیں رہے گی کیونکہ مشکل تو اوقات کے آغاز کے سلسلے میں ہے درمیانے وقت میں نہیں۔

آدابِ سفر کا بیان ختم ہوا اس کے بعد سماع اور وجد کا بیان ہوگا۔

سماع اور وجد کا بیان

بسم اللہ الرحمن الرحیم!

تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں جس نے اپنے دوستوں کے دلوں کو اپنی محبت کی آگ سے جلا دیا اور ان کے ارادوں اور ارواح کو اپنی ملاقات اور زیارت کے شوق میں نرم کر دیا نیز ان کی آنکھوں اور بصیرتوں کو اپنے جمال ذات کے دیدار پر ٹھہرا دیا حتی کہ وصال کی خوشی کی مہک سے ان پر نشہ طاری ہو گیا اور ان کے دل جلال خداوندی کے انوار کو دیکھنے کی وجہ سے حیران ہو گئے چنانچہ دونوں جہانوں میں ان کی نظر اللہ تعالیٰ کے سوا کسی پر نہیں جاتی اور دارین میں وہ صرف اسی کو یاد کرتے ہیں اگر ان کی ظاہری آنکھیں کسی صورت کو دیکھتی ہیں تو ان کے دل کی آنکھیں تصویر بنانے والے کی طرف جاتی ہیں۔ اور اگر ان کے کانوں میں کوئی نغمہ کھٹکتا ہے تو ان کے باطن محبوب کی طرف متوجہ ہوتے ہیں اور اگر انہیں کوئی ایسی آواز پہنچتی ہے جو انہیں حرکت و ہیجان میں مبتلا کرتی ہے یا انہیں خوش کر کے متحرک کر دیتی ہے۔ تو وہ اسی کی آواز ہے۔

وہ خوش ہوتے ہیں تو اسی سے، پریشان اور غمگین ہوتے ہیں تو اسی کے حوالے سے، ان کا شوق اسی چیز کی طرف بڑھتا ہے جو اس ذات پاک کے پاس ہے، وہ اٹھتے ہیں تو اسی کے لیے اور پھرتے ہیں تو اسی کے گرد، وہ اسی سے سنتے ہیں اور اسی کی طرف کان لگاتے ہیں۔ دوسروں کی طرف سے ان کی آنکھیں اور کان بند ہوتے ہیں یہ وہ لوگ ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے اپنی دوستی کے لیے منتخب کر لیا اور اپنے خاص اور منتخب لوگوں میں سے ان کو چن لیا۔

اور رحمت کاملہ حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر اور آپ کے آل واصحاب پر ہو جو حق کی طرف راہنمائی کرنے والے امام ہیں اور بہت زیادہ سلام ہو۔ حمد و صلوٰۃ کے بعد بے شک دل اسرار کے خزانے اور جواہر کی کانیں ہیں اور ان میں جواہر کو مخفی رکھا گیا ہے جیسے لوہے اور پتھر میں آگ پوشیدہ ہے اور جیسے مٹی اور ڈھیلوں کے نیچے پانی کو پوشیدہ رکھا گیا ہے اور ان پوشیدہ رازوں کو ظاہر کرنے کا راستہ کانوں کی چقماق ہے (وہ پتھر جس سے آگ روشن ہوتی ہے) اور دلوں کی طرف جو راستہ جاتا ہے وہ کانوں کی دہلیز سے ہو کر جاتا ہے، تو وہ نغمات جو اچھے وزن والے اور لذت پیدا کرنے والے ہیں وہ اندر کے راز کو باہر نکالتے ہیں اور اس کے حسن و قبح کو ظاہر کرتے ہیں تو جب دل کو چھیڑا جائے تو جو کچھ اس میں ہے وہی باہر آتا ہے جیسے برتن سے وہی کچھ باہر نکلتا ہے جو اس کے اندر ہے تو دل کا صحیح پیمانہ کان ہیں اور یہی بولنے والا معیار ہے۔ تو جب دل تک سماع پہنچتا ہے تو جو کچھ اس پر غالب ہے اسے حرکت ہوتی ہے اور جب فطری طور پر دل، کانوں کے مطیع ہیں حتی کہ اس کے سبب سے ان کی بھلائی اور برائی ظاہر ہو جاتی ہے تو

سماع اور وجد کے بارے میں تفصیل ذکر کرنا ضروری ہے نیز یہ کہ اس کے فوائد و آفات کیا کیا ہیں اس کے آداب اور ہیئت (صورت) میں سے کیا مستحب ہے؟ اس سلسلے میں علماء کا اختلاف کیا ہے کہ آیا یہ دونوں کام حرام ہیں یا جائز ہیں ہم ان تمام باتوں کو دو بابوں میں بیان کریں گے۔

پہلا باب :- سماع کے جائز ہونے کے بارے میں ہے۔

دوسرا باب :- سماع کے آداب اور وجد کے ذریعے دل میں اور رقص نیز سخت آواز اور کپڑے پھاڑنے کے ذریعے اعضاء پر اس کے اثرات کے بیان میں ہے۔

پہلا باب

سماع کے جواز کے سلسلے میں علماء کا اختلاف اور علماء وصوفیا کے اقوال کا بیان

جان لو! سب سے پہلے سماع ہوتا ہے اور یہ سماع دل میں ایک حالت پیدا کرتا ہے جسے وجد کہتے ہیں اور وہ وجد اعضاء میں حرکت پیدا کرتا ہے اگر وہ حرکت غیر موزون ہو تو اسے اضطراب کہا جاتا ہے اور اگر موزون ہو تو وہ تالیاں بجانا اور رقص ہوتا ہے تو سب سے پہلے ہم سماع کا حکم بیان کرتے ہیں اور اس سلسلے مختلف مذاہب کے اقوال نقل کریں گے پھر اس کے جواز پر دلائل ذکر کریں گے اس بعد اسے حرام قرار دینے والوں کے دلائل کا جواب دیں گے۔

مذاہب:

حضرت قاضی ابوالطیب طبری نے حضرت امام شافعی، امام مالک، امام ابو حنیفہ، سفیان ثوری اور علماء کی ایک جماعت (رحمہم اللہ) سے کچھ الفاظ نقل کئے ہیں جن سے استدلال کیا جاتا ہے کہ ان حضرات کے نزدیک سماع حرام ہے۔

حضرت امام شافعی رحمہ اللہ نے "آداب القضا" میں لکھا ہے کہ غنا مکروہ کھیل ہے جو باطل کے مشابہ ہے اور جو آدمی اس میں زیادہ مبتلا ہوتا ہے وہ بیوقوف ہے اس کی شہادت رد کر دی جائے قاضی ابوالطیب فرماتے ہیں غیر محرم عورت سے سننا اصحابِ شافعی کے نزدیک بالکل جائز نہیں چاہے وہ عورت سامنے ہو یا پردے کے پیچھے ہو وہ آزاد ہو یا لونڈی، وہ فرماتے ہیں حضرت امام شافعی رحمہ اللہ نے فرمایا جب لوگ کسی لونڈی کو سننے کے لیے جمع ہو جائیں تو اس لونڈی کا مالک بیوقوف ہے اس کی شہادت رد کر دی جائے۔

وہ مزید فرماتے ہیں کہ حضرت امام شافعی رحمہ اللہ سے منقول ہے کہ آپ لکڑی وغیرہ سے بجانے کو مکروہ جانتے تھے، اور فرماتے تھے کہ اسے زندیق لوگوں نے بنایا ہے تاکہ لوگ قرآن پاک کو چھوڑ دیں حضرت امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں۔ حدیث کی رو سے دوسری چیزوں سے کھیلنے کی نسبت نرد (شطرنج) سے کھیلنا زیادہ مکروہ ہے اور میں ہر اس چیز کو ناپسند کرتا ہوں جس سے لوگ کھیلتے ہیں کیونکہ کھیل کود، دیندار اور مروت والے لوگوں کا کام نہیں ہے حضرت امام مالک رحمہ اللہ فرماتے ہیں غنا سے منع کیا گیا ہے اور انہوں نے فرمایا کہ جب کوئی شخص لونڈی خریدے اور وہ مغنیہ ہو تو وہ اسے واپس کرنے کا حق رکھتا ہے۔ حضرت ابراہیم بن سعد کے علاوہ باقی تمام اہل مدینہ کا یہی مسلک ہے۔

حضرت امام اعظم امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ بھی اسے مکروہ جانتے تھے اور غنا کا سننا گناہوں سے شمار کرتے تھے

تمام اہل کوفہ، حضرت سفیان ثوری، حضرت حماد، حضرت ابراہیم نخعی اور حضرت امام شعبی وغیرہ (رحمہم اللہ) بھی یہی سمجھتے تھے۔
یہ تمام باتیں قاضی ابوالطیب طبری نے نقل کی ہیں۔ ابو طالب مکی نے ایک جماعت سے سماع کا جواز نقل کیا ہے،
وہ فرماتے ہیں صحابہ کرام میں سے حضرت عبداللہ بن جعفر، عبداللہ بن زبیر، مغیرہ بن شعبہ اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہم اور دیگر
حضرات نے سماع کیا ہے۔ وہ فرماتے ہیں بہت سے نیک اسلاف تھے جن میں صحابہ کرام اور تابعین بھی ہیں سماع کیا ہے
وہ فرماتے ہیں ہمارے ہاں مکہ مکرمہ میں سال کے افضل دنوں میں اہل حجاز سماع، سنتے چلے آئے ہیں یہ وہ ایام معدودہ ہیں
جن میں اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو اپنے ذکر کا حکم دیا ہے۔ جیسے ایّام تشریق ہیں (عیدالاضحیٰ کے بعد تین دن)
اہل مکہ کی طرح اہل مدینہ بھی آج تک سماع سنتے چلے آرہے ہیں ہم نے ابو مروان قاضی کو دیکھا ان کی کچھ لونڈیاں تھیں جو لوگوں
کو نغمات سناتی تھیں انہوں نے ان کو صوفیا کے لیے تیار کر رکھا تھا۔
مزید فرماتے ہیں حضرت عطا کے پاس دو لونڈیاں تھیں جو گاتی تھیں اور ان کے دوست ان کا راگ سنتے تھے۔
ابو طالب مکی کا ہی قول ہے کہ حضرت ابوالحسن بن سالم سے کہا گیا آپ سماع کا انکار کیسے کرتے ہیں حالاں کہ حضرت جنید
بغدادی، حضرت سری سقطی، اور حضرت ذوالنون مصری رحمہم اللہ سنتے تھے؟ انہوں نے فرمایا میں اس کا انکار کیسے کر سکتا ہوں جب
کہ مجھ سے بہتر شخصیت نے اسے سنا اور اس کی اجازت دی۔
حضرت عبداللہ بن جعفر طیار رضی اللہ عنہ سماع سنتے تھے۔ انہوں نے سماع میں لہو و لعب پر اعتراض کیا ہے۔
حضرت یحییٰ بن معاذ رحمہ اللہ سے مروی ہے فرماتے ہیں ہم نے تین چیزوں کو گم کر دیا اور اب وہ مسلسل کم ہوتی جارہی ہیں
حفاظت کے ساتھ حُسن، دیانت کے ساتھ اچھی بات، اور وفاداری کے ساتھ اچھا بھائی چارہ۔
میں نے بعض کتب میں یہی بات حضرت حارث محاسبی سے منقول دیکھی ہے اور اس میں اس بات پر دلالت پائی جاتی ہے
کہ وہ زہد و تقویٰ، احتیاط اور دین کے لیے جد و جہد کے باوجود اسے جائز سمجھتے تھے۔ حضرت ابو طالب مکی فرماتے ہیں حضرت
ابن مجاہد اس دعوت کو قبول نہیں کرتے تھے جس میں سماع نہ ہوتا اور کئی لوگوں نے نقل کیا کہ انہوں نے فرمایا ہم ایک
دعوت میں جمع ہوئے اور ہمارے ساتھ ابوالقاسم ابن بنت منیع، ابوبکر بن داؤد، ابوبکر بن مجاہد اور ان کے دوسرے ہمعصر
لوگ تھے اتنے میں سماع ہونے لگا تو ابن مجاہد نے منیع کو غور سے ترغیب دینا شروع کی کہ ابن داؤد کو سماع سننے کے
لیے کہو، ابن داؤد نے کہا مجھ سے میرے باپ نے بیان کیا کہ حضرت امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ سماع کو مکروہ جانتے تھے اور
میرے باپ بھی اسے مکروہ خیال کرتے تھے اور میں اپنے باپ کے مذہب پر ہوں، اس پر منیع کے نواسے ابوالقاسم نے
کہا میرے نانا نے صالح بن احمد سے روایت کرتے ہوئے مجھ سے بیان کیا کہ ان کے والد ابن خبازہ کا قول سنا کرتے
تھے ابن مجاہد نے ابو داؤد سے کہا مجھے اپنے باپ کے قول سے دُور ہی رہنے دو، پھر منیع کے نواسے نے کہا تم مجھے
اپنے دادا سے معاف رکھو، اس کے بعد ابوبکر کی طرف مخاطب ہو کر کہا تم کیا کہتے ہو اگر کوئی ایک شعر پڑھے تو وہ حرام ہے؟

ابن داؤد نے کہا نہیں، پھر پوچھا اگر اس کی آواز اچھی ہو تو شعر پڑھنا حرام ہے؟ انہوں نے کہا نہیں، پوچھا اگر وہ یوں پڑھے کہ مد والے کو مد کے بغیر اور مقصور کو مد کے ساتھ ممدود پڑھے تو کیا یہ حرام ہے؟ ابوبکر نے کہا میں ایک شیطان پر تو غالب نہیں دو پر کیسے غالب آؤں گا؟

ابوالحسن عسقلانی جو اولیاء کرام میں سے تھے قوالی سنتے اور بیہوش ہو جاتے تھے، انہوں نے اس کے بارے میں ایک کتاب لکھی اور اس میں منکرین سماع کا رد کیا ہے اسی طرح ایک جماعت نے منکرین کے رد میں کتابیں لکھی ہیں۔

بعض بزرگوں سے منقول ہے انہوں نے فرمایا میں نے حضرت ابوالعباس خضر علیہ السلام کو دیکھا تو پوچھا آپ اس سماع کے بارے میں کیا کہتے ہیں جس میں ہمارے اصحاب کا اختلاف ہے؟ انہوں نے فرمایا یہ بہت صاف شفاف ہے اور اس پر علماء کرام کے علاوہ کسی کا قدم نہیں ٹھہرتا۔

حضرت ممشاد دینوری کے بارے میں منقول ہے انہوں نے فرمایا کہ میں نے خواب میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کی اور عرض کیا یا رسول اللہ! صلی اللہ علیك وسلم کیا آپ کو اس سماع میں سے کسی بات پر اعتراض ہے؟ آپ نے فرمایا مجھے اس میں سے کسی چیز پر اعتراض نہیں لیکن ان لوگوں سے کہو کہ وہ اسے قرآن پاک سے شروع کریں اور اسی پر ختم کریں۔

حضرت طاہر بن بلال ہمدانی وراق سے منقول ہے اور وہ اہل علم میں سے تھے، فرماتے ہیں میں جدہ میں دریا کے کنارے جامع مسجد معتکف میں تھا کہ میں نے ایک گروہ کو دیکھا وہ مسجد کے ایک کونے سماع میں مشغول تھے، مجھے دل سے یہ بات ناپسند ہوئی اور میں نے کہا اللہ تعالیٰ کے گھر میں ایسا کر رہے ہیں (اشعار پڑھ رہے ہیں)

فرماتے ہیں اسی رات مجھے خواب میں سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت نصیب ہوئی آپ مسجد کے اسی کونے میں تشریف فرما تھے اور آپ کے پہلو میں حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ بھی موجود تھے اتنے میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے کچھ پڑھنا شروع کیا اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم غور سے سننے لگے آپ پر وجد کی حالت طاری تھی اور آپ نے اپنا دست مبارک اپنے سینہ مبارکہ پر رکھا ہوا تھا میں نے دل میں کہا مجھے ان سماع میں مصروف لوگوں پر اعتراض نہیں کرنا چاہیے تھا، جب کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سن رہے ہیں اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اشعار پڑھ رہے ہیں، اسی اثنا میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم میری طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا یہ حق ہے آپ نے "ہذا حق بحق" فرمایا یا "ہذا حق من حق" (یہ حق میں حق ہے) فرمایا راوی کو الفاظ میں شک ہے (مطلب ایک ہی ہے)

حضرت جنید بغدادی رحمہ اللہ فرماتے ہیں اس گروہ پر تین جگہوں میں رحمت اترتی ہے، کھانا کھانے کے وقت، کیونکہ یہ فاقے کے بغیر نہیں کھاتے گفتگو کے وقت، کیونکہ صدیقین کے مقامات کے علاوہ بات نہیں کرتے اور سماع کے وقت کیونکہ یہ وجد کے ساتھ سنتے ہیں اور حق کے سامنے ہوتے ہیں۔

حضرت ابن جریج رحمہ اللہ کے بارے میں منقول ہے کہ وہ سماع کی اجازت دیتے تھے ان سے پوچھا گیا کہ یہ سماع

قیامت کے دن آپ کی نیکیوں میں شمار ہوگا یا برائیوں میں؟ انہوں نے فرمایا نیکیوں میں شمار ہوگا نہ برائیوں میں کیوں کہ یہ لغو اور فضول کام کے مشابہ ہے۔

اور ارشاد خداوندی ہے۔

لَا يُؤَاخِذُكُمُ اللّٰهُ بِاللَّغْوِ فِيٓ أَيْمَانِكُمْ (۱) اللہ تعالیٰ تمہیں تمہاری لغو قسموں میں نہیں پکڑتا۔

تو یہ اقوال منقول ہیں پس جو شخص تقلید کی صورت میں حق تلاش کرتا ہے وہ ان کے درمیان تعارض دیکھ کر حیران رہ جاتا ہے یا اپنی رغبت کی جانب مائل ہوجاتا ہے اور ان دونوں باتوں میں نقصان ہے بلکہ طالبِ حق کو چاہیے کہ حق کو حق کے طور پر طلب کرے یعنی حظر و اباحت (ممنوع اور جائز دونوں باتوں) کا جائزہ لے جیسا کہ ہم ذکر کریں گے۔

جوازِ سماع کے دلائل

جان لو کسی کا یہ کہنا کہ سماع حرام ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اس پر عذاب دے گا اور یہ بات عقل سے معلوم نہیں ہوتی اس کے لئے نقلی دلائل کی ضرورت ہے۔

اور شرعی مسائل یا تو نص سے معلوم ہوتے ہیں یا منصوص علیہ مسائل پر قیاس کے ذریعے ان کا علم حاصل ہوتا ہے نص سے مراد یہ ہے کہ اسے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے قول و فعل سے واضح فرمایا ہو اور قیاس کا مطلب یہ ہے کہ آپ کے قول و فعل سے ایک بات سمجھی گئی۔ اب اگر کسی مسئلے کے بارے میں نص بھی نہ ہو اور منصوص پر قیاس کرنا بھی صحیح نہ ہو تو اس کے حرام ہونے کا قول باطل ہوگا۔ اور یہ فعل باقی مباح کاموں کی طرح ہوگا یعنی اس کے کرنے میں کوئی حرج نہیں ہوگا اور سماع کے حرام ہونے پر نہ کوئی نص دلالت کرتی ہے اور نہ ہی قیاس، اور یہ بات واضح ہوجائے گی جب ہم حرام کے قائلین کو جواب دیں گے اور جب ان کے دلائل کا جواب مکمل ہوجائے گا تو اس غرض کے ثبوت کے لیے یہ بات کافی ہوگی۔ لیکن ہم یہاں دوسرے طریقے سے یہ بات بیان کرتے ہیں وہ یہ کہ نص اور قیاس دونوں اس کے جائز ہونے پر دلالت کرتے ہیں۔

قیاس سے ثبوت

جہاں تک قیاس کا تعلق ہے تو غناء میں کئی معانی جمع ہیں پہلے ان کو الگ الگ دیکھنا چاہیے پھر ان کے مجموعے کا جائزہ لیا جائے، موزون کلام کا معنی سمجھ آتا ہے اچھی آواز سے سنتا ہے،

اور اس سے دل میں حرکت پیدا ہوتی ہے تو سب سے عام وصف یہ ہے کہ خوش آوازی ہے پھر اس کی دو قسمیں ہیں ایک موزون (اشعار کی صورت میں) اور دوسری غیر موزون (نثر کی صورت میں) جو موزون ہے اس کی بھی دو قسمیں ہیں ایک وہ جس کا کوئی مفہوم ہو اور دوسری وہ جس سے کچھ سمجھا نہ جائے پہلی کی مثال اشعار ہیں اور دوسری کی مثال جانوروں اور جمادات کی آوازیں ہیں۔

---

(۱) قرآن مجید، سورۂ بقرہ آیت ۲۲۵

جہاں تک اچھی آواز کا تعلق ہے تو اس اعتبار سے کہ وہ اچھی آواز ہے وہ حرام نہیں ہے بلکہ نص اور قیاس سے اس کا جواز ثابت ہوتا ہے۔ قیاس تو یہ ہے کہ اس سے کان کے پردے کو لذت محسوس ہوتی ہے کیوں کہ اسے وہ چیز حاصل ہو رہی ہے جو اس کے ساتھ مخصوص ہے اور انسان کے پاس عقل اور پانچ حواس ہیں ہر حاسہ کا ایک ادراک ہے اور وہ حاسہ جن چیزوں کا ادراک کرتا ہے اس سے اس کو لذت حاصل ہوتی ہے تو آنکھوں کی لذت خوبصورت چیزوں کو دیکھنے میں ہے جیسے سبزہ، جاری پانی اور خوبصورت چہرہ۔ بلکہ تمام خوبصورت رنگ جو ناپسندیدہ مکروہ رنگوں کے مقابلے میں ہیں اور سونگھنے کا حاسہ خوشبوؤں سے لذت حاصل کرتا ہے اور یہ بدبودار چیزوں کے مقابلے میں ہے، چکھنے کا حاسہ لذیذ کھانوں سے لذت حاصل کرتا ہے جیسے روغنی، میٹھی اور کھٹی میٹھی چیزیں اور یہ کڑوی اور بدمزہ چیزوں کے مقابلے میں ہے۔ چھونے کا حاسہ نرم و ملائم چیزوں سے لذت حاصل کرتا ہے سخت اور کھردری چیزوں سے نہیں۔ اور عقل کو علم و معرفت سے لذت حاصل ہوتی ہے جہالت اور کند ذہن ہونے سے نہیں۔

اسی طرح جو آوازیں کانوں کے ذریعے حاصل کی جاتی ہیں ان کی بھی دو قسمیں ہیں ایک وہ جن سے لذت حاصل ہوتی ہے جیسے بلبلوں کے چہکنے اور باجوں وغیرہ کی آوازیں اور دوسری قسم بری آوازوں کی ہے جیسے گدھے وغیرہ کی آواز۔

تو اس حاسہ کو دوسرے حواس پر قیاس کرنا ظاہر ہے اسی طرح اس کی لذتوں کو دوسرے حواس کی لذتوں پر قیاس کیا جائے۔

نصوص سے ثبوت

جہاں تک نص کا تعلق ہے تو اچھی آواز سننے کے جواز پر دلیل یہ ہے کہ اسے اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں پر احسان قرار دیا۔

ارشاد خداوندی ہے:

يَزِيْدُ فِي الْخَلْقِ مَا يَشَاءُ۔ (۱) — اللہ تعالیٰ مخلوق میں جو چاہتا ہے بڑھاتا ہے۔

کہا گیا ہے کہ اس سے اچھی آواز مراد ہے۔ ایک حدیث شریف میں ہے۔

مَا بَعَثَ اللّٰهُ نَبِيًّا إِلَّا حَسَنَ الصَّوْتِ۔ (۲) — اللہ تعالیٰ نے جتنے انبیاء کرام علیہم السلام بھیجے ہیں ان کو خوش آوازی عطا فرمائی ہے۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

لَلّٰهُ أَشَدُّ أُذُنًا لِلرَّجُلِ الْحَسَنِ الصَّوْتِ بِالْقُرْآنِ مِنْ صَاحِبِ الْقَيْنَةِ — جو شخص خوش آوازی سے قرآن پاک پڑھتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کی تلاوت کو اس سے بھی زیادہ سنتا ہے جتنا گانے

---

(۱) قرآن مجید، سورہ فاطر آیت ۱

(۲) میزان الاعتدال جلد اول ص ۷۷، ۴ حدیث ۱۸۰

لِقَيْنَتِهٖ - (۱) والی لونڈی کا مالک اپنی مغنیّہ کو سنتا ہے۔

حضرت داؤد علیہ السلام کی تعریف کے سلسلے میں حدیث شریف میں ہے کہ وہ اپنے نفس پہ نوحہ کرتے وقت نیز تلاوتِ زبور کے وقت خوش آوازی کا مظاہرہ کرتے حتی کہ انسان، جن، جنگلی جانور اور پرندے آپ کی آواز سننے کے لیے جمع ہو جاتے تھے اور آپ کی مجلس سے مختلف اوقات میں چار سو جنازے اٹھائے جاتے تھے۔ (۲)

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کی تعریف کرتے ہوئے فرمایا:

لَقَدْ اُعْطِیَ مِزْمَارًا مِنْ مَزَامِیْرِ اٰلِ دَاوٗدَ۔ (۳) ان کو حضرت داؤد علیہ السلام کی آل کے نغمات میں سے ایک نغمہ دیا گیا۔

ارشاد خداوندی ہے۔

اِنَّ اَنْکَرَ الْاَصْوَاتِ لَصَوْتُ الْحَمِیْرِ۔ (۴) بے شک سب سے بری آواز گدھے کی آواز ہے۔

تو یہ حدیث اپنے مفہوم کے اعتبار سے خوش آوازی کی تعریف پر دلالت کرتی ہے۔

اگر یہ شرط رکھی جائے کہ خوش آوازی صرف تلاوتِ قرآن میں ہونی چاہیئے تو بلبل کی آواز سننا حرام ہوگا کیونکہ وہ قرآن نہیں ہے، تو جب ایک بے معنی آواز کو سننا جائز ہے تو وہ آواز سننا کیوں جائز نہ ہوگا جس سے حکمت سمجھ آتی ہے اور صحیح معانی معلوم ہوتے ہیں اور اشعار میں سے بعض حکمت پر مبنی ہوتے ہیں، تو یہ بحث آواز کے اعتبار سے ہے اور وہ خوش آوازی ہے۔

دوسرا درجہ یہ ہے کہ خوش آوازی کے ساتھ ساتھ کلام موزون بھی ہو کیونکہ کلام کا موزون ہونا حسن کے علاوہ ہے کیونکہ کتنی ہی آوازیں اچھی ہوتی ہیں لیکن ان میں وزن نہیں ہوتا اور بعض اوقات کلام موزون ہوتا ہے لیکن آواز اچھی نہیں ہوتی۔

موزون آوازیں اپنے مخارج کے لحاظ سے تین ہیں یہ یا تو جمادات سے نکلتی ہیں جیسے گانے بجانے کے آلے ڈھول، نقارہ وغیرہ یا کسی حیوان کے گلے سے نکلتی ہیں اور وہ حیوان یا تو انسان ہوگا یا کوئی دوسرا حیوان جیسے بلبلوں، قمریوں اور دوسرے پرندوں کی خوش آوازی، یہ آوازیں اچھی بھی ہیں اور موزون بھی ان کا آغاز اور انجام متناسب ہوتا ہے اسی لیے ان کے سننے سے لذت حاصل ہوتی ہے تو آوازوں میں اصل حیوانات کے گلے ہیں اور مزامیر کو ان کے مشابہ بنایا گیا ہے گویا صنعت کو خلقت کے مشابہ کیا گیا ہے۔ کاریگروں نے جتنی چیزیں ایجاد کی ہیں اللہ تعالیٰ کی تخلیق میں ان کی مثالیں موجود ہیں اللہ تعالیٰ نے

---

(۱) سنن ابن ماجہ ص ۹۶، ابواب اقامۃ الصلوٰۃ (۲)

(۳) صحیح بخاری جلد ۲ ص ۷۵۵، کتاب فضائل القرآن

(۴) قرآن مجید، سورۂ لقمان آیت ۱۹

اسے پیدا فرمایا اور اس سے کاریگروں نے سیکھ کر اللہ تعالیٰ کی اقتدا کا ارادہ کیا۔ اس کی وضاحت و تشریح کافی طویل ہے۔

تو ان آوازوں کو سننا محال ہے کہ حرام ہو کیونکہ یا تو خوش آوازی ہو گی یا وہ آوازیں موزوں ہوں گی۔ تو کوئی بھی شخص بلبل اور دوسرے پرندوں کی آوازوں کو حرام نہیں سمجھتا اور گلے سب برابر ہوتے ہیں اسی طرح اس سلسلے میں جمادات اور حیوانات میں بھی کوئی فرق نہیں ہے تو مناسب یہ ہے کہ جو آوازیں آدمی کے اپنے اختیار سے جسموں سے نکلتی ہیں انہیں بلبل کی آواز پر قیاس کرنا چاہیے جیسے آدمی کے حلق سے نکلنے والی آواز، لکڑی سے کسی چیز کو بجانے اور ڈھول وغیرہ کی آواز کی طرح ہیں اور ان میں سے صرف ان کو مستثنیٰ کریں گے جن سے شریعت نے منع کیا ہے مثلاً لہو و لعب کے آلات سارنگیاں وغیرہ اور دوسرے مزامیر (۱) یہ چیزیں لذت کی وجہ سے منع نہیں ہیں (۲) اگر یہ لذت کی وجہ سے منع ہوتیں تو ان پر ان تمام چیزوں کو قیاس کیا جاتا جن سے لذت حاصل ہوتی ہے لیکن شرابوں کو حرام قرار دیا گیا اور چونکہ لوگوں کو اس کی عادت پڑ گئی اور وہ جرأت کرنے لگے اس لیے اس کو چھڑانے میں مبالغہ سے کام لیا گیا حتیٰ کہ ابتداء میں معاملہ مٹکے توڑنے تک پہنچا تو شراب کے ساتھ ساتھ شراب پینے والوں کی علامات کو بھی حرام قرار دیا گیا اور وہ مزامیر وغیرہ گانے بجانے کے آلات تھے۔ کیونکہ یہ چیزیں اس کے تابع تھیں جیسا کہ اجنبی عورت کے ساتھ علیحدگی میں رہنا اس لیے منع کیا گیا کہ یہ وطی کا مقدمہ ہے اور رانوں کو دیکھنا اس لیے حرام ہے کہ وہ پیشاب اور پاخانہ کے مقام سے ملی ہوئی ہوتی ہیں اور شراب تھوڑی بھی حرام ہے اگرچہ نشہ نہ دے کیونکہ وہ نشے کی طرف لے جاتی ہے۔

بلکہ جو چیز بھی حرام ہے اس کے گرد ایک احاطہ اور باڑ ہے جس کے ساتھ اس کو گھیرا گیا اور اس حرام چیز کا حکم اس احاطہ اور باڑ تک جاتا ہے تاکہ حرام چیز کی حفاظت ہو اور وہ اس کے ارد گرد سے بچتے ہوئے اس سے بھی محفوظ رہے۔ جیسے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے۔

اِنَّ لِکُلِّ مَلِکٍ حِمًی وَاِنَّ حِمَی اللّٰہِ مَحَارِمُہٗ (۱)

ہر بادشاہ کی ایک محفوظ چراگاہ ہوتی ہے اور اللہ تعالیٰ کی محفوظ چراگاہ اس کے حرام کردہ امور ہیں۔

تو مزامیر کی حرمت شراب کی اتباع میں تین وجہ سے ہے ایک یہ کہ ان کے ذریعے شراب نوشی کی دعوت ہوتی ہے کیونکہ ان سے جو لذت حاصل ہوتی ہے وہ شراب نوشی کے ذریعے مکمل ہوتی ہے اسی علت کی وجہ سے تھوڑی شراب پینا بھی حرام ہے، دوسری بات یہ کہ جس نے چند دن قبل شراب کو چھوڑا ہوا سے یہ آلات مجالس شراب کی یاد دلاتے ہیں۔

---

(۱) صحیح بخاری جلد ۳ ص ۸۳۷ کتاب الاشربۃ

(۲) مسند امام احمد بن حنبل جلد ۵ ص ۲۵۷ مرویات ابو امامہ

(۳) مسند امام احمد بن حنبل جلد ۴ ص ۲۷۱ مرویات نعمان بن بشیر

تو اس کی یاد کا سبب ہیں اور یاد سے شوق ابھرتا ہے اور جب شوق زیادہ ابھرتا ہے تو فعل پر جرات کا باعث بنتا ہے یہی وجہ ہے کہ (شراب کے برتنوں) دبا، مزفّت، حنتم اور نقیر میں نبیذ بنانے سے منع کیا گیا (۱) اور یہ برتن شراب کے ساتھ مخصوص تھے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ ان کو دیکھنے سے شراب یاد آتی تھی اور یہ علت، پہلی علت سے جدا ہے کیوں کہ اس میں لذتِ یاد کا اعتبار نہیں ہے کیونکہ شراب کے شیشے کے برتن اور دوسرے برتنوں کو دیکھنے میں لذت صرف اس کی یاد کی وجہ سے ہے۔

اگر سماع شراب کی یاد دلاتا ہے اور وہ شخص جو سماع کے ساتھ شراب نوشی سے مانوس ہے اسے اس کے ذریعے شراب کا شوق پیدا ہوتا ہے تو خاص اس علت کی وجہ سے اس کے لیے سماع منع ہے۔

تیسری علت یہ کہ ان آلاتِ لہو و لعب پر جمع ہونا فاسق لوگوں کی علامت ہے اور ان کے ساتھ مشابہت اختیار کرنے سے منع کیا گیا ہے کیونکہ جو آدمی کسی قوم سے مشابہت اختیار کرتا ہے وہ ان ہی میں سے ہوتا ہے اسی بنیاد پر ہم کہتے ہیں کہ جب کوئی سنّت اہل بدعت کا شعار (علامت) بن جائے تو اسے چھوڑنا جائز ہے تاکہ ان کے ساتھ مشابہت کا خطرہ نہ ہو، اسی لیے ڈگڈگی بجانا، حرام ہے کیوں کہ اسے بجانا ہیجڑوں کی عادت ہے (آجکل مداری اور بندر والے بجاتے ہیں) اگر اس میں مشابہت نہ ہوتی تو یہ بھی حج یا جہاد کے ڈھول کی طرح ہوتا اسی لیے ہم کہتے ہیں کہ اگر لوگ جمع ہو کر ایک مجلس مزین کریں اور اس میں شراب نوشی کے آلات اور پیالے لا کر ان میں سکنجبین ڈالیں اور ایک ساقی مقرر کریں جو ان سب کے پاس پھر کر ان کو پلائے اور وہ اس سے لے کر پئیں اور وہ باتیں کریں جو شراب نوشوں کی عادت ہے تو ان پر یہ عمل حرام ہے۔ اگرچہ یہ مشروب ذاتی طور پر مباح ہے۔ لیکن اس لیے حرام ہے کہ اس میں فسادی لوگوں کے ساتھ مشابہت ہے بلکہ جن علاقوں میں قبا (جبہ) پہننا اور سر پر لمبے لمبے بال رکھنا بدمعاش اور فسادی لوگوں کا طریقہ ہو وہاں یہ عمل اختیار کرنا ممنوع ہے لیکن ماوراءالنہر کے شہروں (سمرقند وغیرہ) میں یہ منع نہیں ہے کیوں کہ یہ طریقہ نیک لوگوں نے اختیار کیا ہوا ہے۔

اسی وجہ سے عراقی مزمار اور سارنگیاں، رباب وغیرہ گانے بجانے کے آلات حرام ہیں۔ اور جو ان کے علاوہ ہیں ان میں کوئی حرج نہیں جیسے چرواہوں اور حاجیوں کے شاہین (وہ ڈنڈی جس سے ڈھول وغیرہ بجاتے ہیں) اور ڈھول بجانے والوں کے شاہین (ڈنڈی) اسی طرح ڈھول اور نقارہ وغیرہ اور ہر وہ آلہ جس سے اچھی موزون آواز نکلتی ہے جو شراب نوشوں کی عادت نہیں ہے وہ جائز ہے کیونکہ ان سب کا تعلق شراب نوشی سے نہیں ہے نہ ان سے شراب یاد آتی ہے اور نہ اس کا شوق پیدا ہوتا ہے اور نہ شراب نوشوں کے ساتھ مشابہت ہوتی ہے لہذا یہ اس معنیٰ میں نہیں ہو گا اور اصل اباحت (جواز) پر رہے گا اور اسے پرندوں کی آوازوں پر قیاس کیا جائے گا۔

---

(۱) صحیح بخاری جلد اول ص ۱۸۸ کتاب الزکوٰۃ

بلکہ میں کہتا ہوں کہ اگر کوئی شخص سارنگی وغیرہ کو ناموزوں طریقے پہ بجائے اور اس سے لذت حاصل ہو تو یہ بھی حرام ہے۔

اس سے واضح ہوا کہ اس کے حرام ہونے کی علت محض اچھی لذت نہیں بلکہ قیاس تو چاہتا ہے کہ تمام پاک چیزیں حلال ہوں لیکن جن کو حلال قرار دینے میں فساد ہو وہ حلال نہیں ہوں گی۔

ارشاد خداوندی ہے:

قُلْ مَنْ حَرَّمَ زِيْنَةَ اللهِ الَّتِيْٓ اَخْرَجَ لِعِبَادِهٖ وَالطَّيِّبٰتِ مِنَ الرِّزْقِ۔ (۱)

آپ فرما دیں کس نے اللہ تعالیٰ کی اس زینت کو حرام قرار دیا جسے اللہ تعالیٰ نے بندوں کیلئے پیدا فرمایا اور (کس نے) پاکیزہ رزق (کو حرام کیا)

تو یہ آوازیں محض موزوں آواز ہونے کی وجہ سے حرام نہیں ہیں بلکہ یہ کسی دوسرے عارض کی وجہ سے حرام ہوتی ہیں۔ جیسا حرام کرنے والے عوارض کے بیان میں آئے گا۔

تیسرا درجہ۔ جو موزوں بھی ہو اور مفہوم بھی اور یہ شعر ہے اور یہ صرف انسان کے گلے سے نکلتا ہے اس کی اباحت قطعی ہے کیونکہ اس میں صرف اس بات کا اضافہ ہے کہ اشعار سمجھ میں آتے ہیں اور جو کلام سمجھ میں آنے والا ہو وہ حرام نہیں ہوتا اور اچھی موزوں آواز حرام نہیں ہے تو جب افراد حرام نہیں ہوں گے تو ان کا مجموعہ کیسے حرام ہوگا؟ البتہ اس کے مفہوم میں غور کرنا چاہیئے اگر اس میں کوئی ممنوع بات ہے تو نثر اور نظم دونوں حرام ہوں گے اور ان کو زبان پہ لانا حرام ہوگا چاہے وہ خوش آوازی سے ہوں یا نہ۔

اس میں حق بات وہ ہے جو حضرت امام شافعی رحمہ اللہ نے فرمائی ہے وہ فرماتے ہیں شعر ایک کلام ہے اس میں اچھا، اچھا ہے اور قبیح برا ہے تو جب آواز اور خوش آوازی کے بغیر اشعار پڑھنا جائز ہے تو خوش آوازی سے پڑھنا بھی جائز ہے کیونکہ جب الگ الگ جائز کام جمع ہو جائیں تو ان کا مجموعہ بھی جائز ہوتا ہے اور جب اس کے ساتھ کوئی مباح کام مل جائے تو وہ حرام نہیں ہو جائے گا جب تک اس کا مجموعہ کسی ایسے حرام کام کو شامل نہ ہو جو ان افراد میں نہیں پایا جاتا۔ اور اشعار پڑھنے کا انکار کیسے کیا جا سکتا ہے جب کہ خود سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے اشعار پڑھے گئے (۲)

اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اِنَّ مِنَ الشِّعْرِ لَحِكْمَةً۔ (۳) بعض شعر حکمت بھرے ہوتے ہیں۔

---

(۱) قرآن مجید، سورۂ اعراف آیت ۳۲

(۲) صحیح مسلم جلد ۲ ص ۳۰۰ کتاب الفضائل

(۳) حلیۃ الاولیاء جلد ۷ ص ۲۶۹ ترجمہ ۳۸۹

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے یہ شعر پڑھا۔

ذَهَبَ الَّذِيْنَ يُعَاشُ فِيْ اَكْنَافِهِمْ وَبَقِيْتُ فِيْ خَلْفٍ كَجِلْدِ الْاَجْرَبِ۔

جن لوگوں کی پناہ میں زندگی گزاری جاتی تھی وہ چلے گئے اور پچھلے لوگوں میں خارشی اونٹ کی جلد کی طرح رہ گئے۔

صحیح بخاری ومسلم کی روایت میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے فرماتی ہیں جب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ طیبہ تشریف لائے تو حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت بلال رضی اللہ عنہما کو بخار ہوگیا اور مدینہ طیبہ میں وبا پھیلی ہوئی تھی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے پوچھا اباجان! آپ اپنے آپ کو کیا محسوس کر رہے ہیں؟ اور اسے بلال رضی اللہ عنہ آپ کی طبیعت کیسی ہے؟ اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو جب بخار ہوتا تو یوں کہتے تھے۔

كُلُّ امْرِئٍ مُصَبَّحٌ فِيْ اَهْلِهٖ وَالْمَوْتُ اَدْنٰى مِنْ شِرَاكِ نَعْلِهٖ۔

ہر شخص اپنے گھر والوں کے پاس صبح کرتا ہے اور موت اس کے جوتے کے تسمے سے بھی زیادہ قریب ہوتی ہے۔

حضرت بلال رضی اللہ عنہ کا بخار جب اترتا تو وہ باآواز بلند فرماتے۔

اَلَا لَيْتَ شِعْرِيْ هَلْ اَبِيْتَنَّ لَيْلَةً بِوَادٍ وَحَوْلِيْ اِذْخِرٌ وَجَلِيْلٌ وَهَلْ اَرِدَنَّ يَوْمًا مِيَاهَ مَجَنَّةٍ وَهَلْ يَبْدُوَنْ لِيْ شَامَةٌ وَطُفَيْلٌ۔

کاش مجھے معلوم ہوتا کہ میں کب اس وادی میں اتروں گا جہاں میرے اردگرد اذخر اور جلیل (دو قسم کے گھاسوں کے نام) ہوں گے اور کیا میں کسی دن مجنۃ (مقام) کے چشمے پر اتروں گا اور کیا شامہ اور طفیل پہاڑ میرے سامنے آئیں گے

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں میں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو بتایا تو آپ نے دعا مانگی۔

اَللّٰهُمَّ حَبِّبْ اِلَيْنَا الْمَدِيْنَةَ كَحُبِّنَا مَكَّةَ اَوْ اَشَدَّ۔ (۱)

اے اللہ! ہمارے لیے مدینہ طیبہ کو اسی طرح محبوب بنا دے جس طرح ہم مکہ مکرمہ سے محبت کرتے ہیں یا اس سے بھی زیادہ۔

سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کرام کے ہمراہ مسجد کی تعمیر کے لیے اینٹیں لا رہے تھے اور یہ شعر پڑھ رہے تھے۔

هٰذَا الْحِمَالُ لَا حِمَالَ خَيْبَرَ هٰذَا اَبَرُّ رَبَّنَا وَاَطْهَرُ۔ (۲)

یہ بوجھ اٹھانے والے خیبر کے بوجھ اٹھانے والے نہیں بلکہ یہ تو بہت اچھے اور زیادہ پاک ہیں۔

دوسری مرتبہ آپ نے یہ بھی پڑھا۔

---

(۱) صحیح بخاری جلد اول ص ۵۳۴ کتاب فضائل المدینۃ

(۲) صحیح بخاری جلد اول ص ۵۵۵ باب بنیان الکعبۃ

اَللّٰھُمَّ اِنَّ الْعَیْشَ عَیْشُ الْاٰخِرَۃِ فَارْحَمِ الْاَنْصَارَ وَالْمُھَاجِرَۃَ (۱)

اے اللہ! بے شک زندگی تو آخرت کی زندگی ہے پس انصار اور مہاجرین پر رحم فرما۔

یہ روایت صحیح مسلم اور صحیح بخاری میں ہے۔

اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ کے لیے مسجد میں منبر بچھاتے تھے اور اس پر کھڑے ہو کر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے مشرکین کی ہجو کا جواب دیتے تھے اور آپ فرماتے "اللہ تعالیٰ روح القدس (حضرت جبریل علیہ السلام) کے ذریعے حضرت حسان رضی اللہ عنہ کی مدد فرماتا ہے جب تک وہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی مدافعت کرتے ہیں (۲) (یعنی دشمنان اسلام کو شعروں کے ذریعے جواب دیتے ہیں) جب حضرت نابغہ نے اپنا شعر سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے پڑھا تو آپ نے ان کو دعا دیتے ہوئے فرمایا۔

لَا یَفْضُضِ اللّٰہُ فَاکَ۔ (۳)

اللہ تعالیٰ تمہارے دانتوں کو سلامت رکھے۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے اشعار پڑھتے اور آپ تبسم فرماتے تھے۔ (۴)

حضرت عمرو بن شرید اپنے والد سے روایت کرتے ہیں وہ فرماتے ہیں میں نے امیہ بن صلت کے اشعار سے سو قافیے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے پڑھے تو آپ ہر بار فرماتے اور لائیے اور لائیے (۵)

پھر فرمایا یہ تو اپنے شعر سے مسلمان لگتا ہے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے حُدی پڑھی جا رہی تھی حضرت انجشہ (آپ کے غلام) عورتوں کے لیے حُدی پڑھتے تھے اور حضرت براء بن مالک رضی اللہ عنہ مردوں کے لیے پڑھتے تھے تو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

اے انجشہ اونٹوں کو چلانے میں نرمی کر وان پر (عورتیں) ہیں (۶) اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں

---

(۱) صحیح بخاری جلد اول ص ۳۹۷ کتاب الجہاد

(۲) المستدرک للحاکم جلد ۳ ص ۴۸۷ کتاب معرفۃ الصحابۃ

(۳) المطالب العالیۃ جلد ۴ ص ۱۰۰ حدیث ۴۰۶۵

(۴) مسند امام احمد بن حنبل جلد ۵ ص ۱۰۵ امرویات جابر بن سمرہ

(۵) صحیح مسلم جلد ۲ ص ۲۳۹ کتاب الشعر

(۶) صحیح بخاری جلد ۲ ص ۹۰۸ کتاب الادب

اونٹوں کے پیچھے حُدی پڑھنا اہل عرب کا طریقہ تھا۔ (سفر میں اونٹ کے ساتھ چلتے ہوئے اشعار پڑھنا حُدی کہلاتا ہے) صحابہ کرام کے زمانے میں بھی پڑھتے تھے اور یہ اشعار ہی ہوتے تھے جو خوش آوازی سے پڑھے جاتے تھے کسی صحابی سے اس پر اعتراض منقول نہیں ہے، بلکہ بعض اوقات اونٹوں کو حرکت دینے کے لیے اور کبھی لذت حاصل کرنے کے لیے اس کا مطالبہ کرتے تھے تو اس اعتبار سے کہ یہ ایک بامعنیٰ کلام ہے جس سے لذت حاصل ہوتی ہے اور اچھی آواز سے ادا کیا جاتا ہے، حرام نہیں ہوگا۔ چوتھا درجہ یہ ہے کہ اس میں اس اعتبار سے غور کیا جائے کہ وہ دل کو حرکت دینے والا ہے کہ جو چیز اس پر غالب ہوتی ہے اس کو ابھارتا ہے، تو میں کہتا ہوں کہ اس میں اللہ تعالیٰ کا ایک راز ہے کہ اس نے موزون نغمات کی رُوحوں کے ساتھ ایک مناسبت رکھی ہے حتیٰ کہ یہ رُوحوں میں عجیب تاثیر پیدا کر دیتے ہیں بعض نغمات سے خوشی حاصل ہوتی ہے کچھ نغمات غمگین کر دیتے ہیں، بعض سے نیند آ جاتی ہے اور کچھ نغمات سن کر ہنسی آتی ہے اور بعض نغمات کی وجہ سے ہاتھ پاؤں اور سر وغیرہ اعضا میں حرکات پیدا ہوتی ہیں اور یہ گمان نہیں کرنا چاہیے کہ یہ بات اشعار کا مفہوم سمجھنے کی وجہ سے ہوتی ہے بلکہ نغمات کے تاروں سے یہ بات پیدا ہوتی ہے حتیٰ کہ کہا گیا جس شخص کو بہار اور اس کے شگوفے اور نغمات حرکت نہیں دیتے اس کا مزاج فاسد ہے اور یہ حرکت معنیٰ سمجھنے کی وجہ سے کیسے ہوگی حالاں کہ اس کی تاثیر تو اس بچے میں بھی ہوتی ہے جو پنگھوڑے میں ہے، اچھی آواز اسے رونے سے چپ کراتی ہے اور وہ رونا چھوڑ کر لوری سننا شروع کر دیتا ہے۔ اور اونٹ باوجود غبی ہونے کے حدی سے متاثر ہوتا ہے اور اتنا متاثر ہوتا ہے کہ اسے بھاری بوجھ ہلکا محسوس ہوتا ہے اور شدت نشاط میں اسے سفر کی مسافت کم معلوم ہوتی ہے اور اس خوشی کی وجہ سے اسے ایسا نشہ چڑھتا ہے کہ بیابانوں میں وہ بوجھ کے نیچے دبا ہونے اور تھک جانے کے بعد حُدی کے اشعار سن کر گردن لمبی کر دیتا ہے۔ حدی خواں کی آواز کی طرف کان لگا کر جلد جلد چل پڑتا ہے حتیٰ کہ اس پر رکھا ہوا سامان ڈھیلا ہو کر ادھر اُدھر حرکت کرنے لگتا ہے بلکہ بعض اوقات تیز چلنے کی وجہ سے ہلاک بھی ہو جاتا ہے کیونکہ اس پر بوجھ بھی ہوتا ہے لیکن خوشی کی وجہ سے اس کو اس بات کا احساس نہیں ہوتا۔

چنانچہ حضرت ابوبکر محمد بن دینوری جو رقی کے نام سے مشہور تھے فرماتے ہیں میں جنگل میں تھا کہ مجھے اہل عرب کا ایک قبیلہ ملا ان میں سے ایک شخص نے میری دعوت کی اور مجھے اپنے خیمے میں لے گیا میں نے خیمے میں ایک سیاہ غلام کو دیکھا جو قیدی بنایا گیا تھا اور گھر کے سامنے چند اونٹ مرے پڑے تھے۔ ان میں سے ایک اونٹ باقی تھا جو نہایت کمزور اور مرنے کے قریب تھا، غلام نے مجھے کہا آپ مہمان ہیں اور آپ کا حق ہے کہ آپ میرے آقا کے سامنے میری سفارش کریں وہ مہمانوں کی عزت کرتا ہے اس لیے اتنی سی سفارش رد نہیں کرے گا ہو سکتا ہے وہ مجھے قید سے آزاد کر دے۔

فرماتے ہیں جب کھانا سامنے آیا تو میں نے کھانے سے انکار کر دیا اور کہا اس وقت تک نہیں کھاؤں گا جب تک تم اس غلام کے بارے میں میری سفارش قبول نہیں کرو گے۔

اس نے کہا اس غلام نے مجھے محتاج کر دیا اور میرا تمام مال ہلاک کر دیا ہے میں نے پوچھا اس نے کیا کیا ہے؟

اس نے کہا یہ خوش آواز ہے اور میں ان اونٹوں کے کرایہ پر گذر اوقات کرتا تھا، اس نے ان پہ بہت بھاری بوجھ لادا اور یہ حدی پڑھتا رہا حتی کہ ایک رات میں تین دن کی مسافت طے ہوگئی اور اس کی وجہ اس کی خوش آوازی تھی جب بوجھ اتارا گیا تو تمام اونٹ مر گئے صرف یہ ایک اونٹ بچا ہے۔

لیکن چونکہ آپ ہمارے مہمان ہیں اس لیے آپ کی عزت کرتے ہوئے یہ غلام میں نے آپ کو ہبہ کر دیا، انہوں نے فرمایا میں نے چاہا کہ میں اس کی آواز سنوں صبح ہوئی تو اس شخص نے غلام سے کہا کہ جو اونٹ کنویں سے پانی لاتا ہے اس کے ساتھ حدی خوانی کرو۔ جب اس نے اپنی آواز کو بلند کیا تو وہ اونٹ رسیاں توڑ کر اِدھر اُدھر بھاگنے لگا اور میں بھی منہ کے بل گر پڑا میرا خیال نہیں کہ میں نے کبھی اس سے زیادہ اچھی آواز سنی ہو۔

تو گویا سماع کی تاثیر دل میں محسوس ہوتی ہے اور جس کو سماع حرکت نہ دے وہ ناقص ہے اور راہ اعتدال سے ہٹا ہوا ہے رُوحانیت سے دُور ہے اور اس کی طبیعت میں بہت سختی ہے بلکہ یہ سختی اونٹوں پرندوں اور تمام جانوروں کی سختی سے بڑھ کر ہے کیونکہ تمام جانور (اور پرندے موزون نغمات سے متاثر ہوتے ہیں یہی وجہ ہے کہ پرندے حضرت داؤد علیہ السلام کی آواز سننے کے لیے ان کے سر کے اوپر (فضا میں) کھڑے ہو جاتے تھے۔

تو جب سماع دل پر اثر انداز ہوتا ہے تو اس حوالے سے اسے مطلقاً مباح یا حرام نہیں کہا جا سکتا۔ بلکہ یہ حالات اور اشخاص کے اعتبار سے بدلتا رہتا ہے اسی طرح نغمات کے طریقے مختلف ہونے سے بھی حکم میں اختلاف ہوتا ہے اس کا حکم وہی ہے جو دل کے اندر کا حکم ہے۔

حضرت ابوسلیمان فرماتے ہیں سماع دل میں وہ چیز نہیں ڈال سکتا جو دل میں نہ ہو (مطلب یہ ہے کہ سماع کا کام حرکت دینا ہے تو دل میں کچھ ہو گا تو حرکت ہوگی اس سے آج کل سماع سننے اور سنانے والوں کے بارے میں اندازہ لگایا جا سکتا ہے - ۱۲ ہزاروی) تو مسجع موزون کلمات کو ترنم سے پڑھنا چند مواقع پر مخصوص مقامات پر مروج ہے۔

۱۔ حاجیوں کے نعمات کہ پہلے وہ شہروں میں نقارے اور شاہین بجاتے اور راگ کے ذریعے شہروں کا چکر لگاتے ہیں اور یہ جائز ہے کیونکہ یہ اشعار کعبۃ اللہ، مقام ابراہیم، حطیم، زمزم اور دوسرے متبرک مقامات کی تعریف میں کہے جاتے ہیں اور وہاں کے جنگل کی تعریف کی جاتی ہے اس کا اثر یہ ہوتا ہے کہ بیت اللہ شریف کے حج کا شوق پیدا ہوتا ہے۔ اگر پہلے سے شوق ہو تو وہ مزید بھڑک اٹھتا ہے اور اگر پہلے سے نہ ہو تو اب پیدا ہوتا ہے تو جب حج ایک عبادت ہے اور اس کا شوق قابلِ تعریف ہے تو جس کام کے ذریعے اس کا شوق دلایا جائے وہ کام بھی قابلِ تعریف ہو گا، تو جس طرح واعظ کے لیے جائز ہے کہ وہ اپنے وعظ میں اشعار پڑھے اور اسے مسجع کلام سے زینت دے اور بیت اللہ شریف اور دوسرے مقامات کا وصف بیان کرے نیز حج کا ثواب بیان کر کے لوگوں کو حج کا شوق دلائے تو دوسروں کے لیے بھی جائز ہو گا کہ وہ اشعار پڑھیں (اور شوق بڑھائیں) کیونکہ جب موزون کلام قافیوں سے مزین ہو تو وہ کلام دل میں زیادہ اثر انداز ہوتا ہے

اور جب آواز بھی اچھی ہو نغمات موزون ہوں تو تاثیر مزید بڑھ جاتی ہے اور اس کے ساتھ جب نقارہ اور شاہین اور حرکات (جسم کی حرکت) بھی ہو تو تاثیر تین گنا ہو جاتی ہے اور یہ سب کچھ جائز ہے جب تک اس میں مزامیر (گانے بجانے کے آلات) نہ ہوں اور نہ سارنگی وغیرہ جو بدکردار لوگوں کا شعار ہے۔ ہاں اگر اس شخص کو شوق دلانا مقصود ہو جس کے لیے حج کرنا جائز نہیں مثلاً ایک شخص فرض حج کر چکا ہے اور اب اس کے ماں باپ اسے جانے کی اجازت نہیں دیتے تو اس کے لیے جانا جائز نہیں تو ایسے آدمی کو اشعار وغیرہ کے ذریعے شوق دلانا حرام ہے کیونکہ حرام کا شوق دلانا بھی حرام ہے۔ اسی طرح اگر راستہ پُر امن نہ ہو اور ہلاکت غالب ہو تو دلوں کو شوق دلا کر حرکت دینا جائز نہ ہوگا۔

۲۔ غازیوں کا طریقہ ہے کہ وہ لوگوں کو جہاد پہ آمادہ کرنے کی خاطر اشعار پڑھتے ہیں حاجیوں کی طرح یہ بھی جائز ہے لیکن حاجیوں کے اشعار کے پڑھنے اور خوش آوازی سے ان کا طریقہ مختلف ہونا چاہیے کیوں کہ جہاد کا شوق شجاعت کے بیان اور کفار پر غیض وغضب کے اظہار نیز شجاعت کی تحسین اور جہاد کے سلسلے میں جان و مال خرچ کرنے کو معمولی بات قرار دینے سے ہوتا ہے لہٰذا اس قسم کے اشعار پڑھے جائیں جیسے متنبّی (شاعر) نے کہا۔

"اگر تو تلواروں کے نیچے عزت سے نہ مرے تو تُو ذلیل و رسوا ہو کر مرے گا"۔

نیز کہا:۔

"بزدل لوگ، بزدلی کو احتیاط سمجھتے ہیں اور یہ کمینی طبیعت کا دھوکہ ہے"۔

اس قسم کے دیگر اشعار بھی ہیں:۔

اشعار کے وہ اوزان جو بہادری اور شجاعت کا جذبہ بیدار کرتے ہیں وہ شوق دلانے والے اشعار سے الگ ہوتے ہیں تو جس وقت جہاد کرنا جائز ہے تو ان اشعار کا پڑھنا بھی جائز ہوتا ہے اور جب جہاد مستحب ہو یہ اشعار پڑھنا بھی مستحب ہوگا لیکن ان لوگوں کے لیے جن کے لیے جہاد میں جانا جائز ہے۔

۳۔ رجز پہ مبنی اشعار یعنی جب بہادر لوگ مقابلے کے لیے نکلتے ہیں تو ان اشعار کو پڑھتے ہیں اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ اپنے آپ کو اور اپنے مددگار لوگوں کو بہادری دکھلانے کی ترغیب دی جائے نیز ان کو لڑنے پر خوشی محسوس کرنے کی تحریک ہو ان اشعار میں شجاعت اور دلیری کی تعریف کی جاتی ہے۔ اور جب الفاظ عمدہ اور آواز اچھی ہو تو دل میں زیادہ اثر پیدا کرتا ہے اور یہ ہر مباح جہاد میں مباح ہے اور جب جہاد مستحب ہو تو یہ مستحب ہے لیکن مسلمانوں سے لڑتے وقت یا ذمی لوگوں سے لڑائی ہو یا ہر وہ لڑائی جو شریعت میں ممنوع ہے اس میں اس قسم کے اشعار پڑھنا جائز نہیں۔ کیونکہ ممنوع کام کی طرف بلانے والے امور کو حرکت دینا بھی منع ہے اور ان اشعار کا پڑھنا شجاعت کے پیکر صحابہ کرام مثلاً حضرت علی المرتضیٰ اور حضرت خالد بن ولید اور ان کے علاوہ حضرات (رضی اللہ عنہم) سے مروی ہے۔ اسی لیے ہم کہتے ہیں کہ غازیوں کے لشکر میں شاہین نہیں بجانا چاہیے کیوں کہ اس کی آواز باریک اور غم پیدا کرنے والی ہے اس سے شجاعت کی

گرہ ڈھیلی پڑ جاتی ہے تفس کی چستی کمزور ہو جاتی ہے نیز وطن اور اہل خانہ کا شوق دلاتی ہے جہاد میں کمزوری آ جاتی ہے۔
اسی طرح وہ تمام آوازیں اور نغمات جو دل کو نرم کرتے ہیں نہ پڑھے جائیں کیونکہ وہ نغمات جو نرمی پیدا کرنے اور غمگین کرتے ہیں وہ ان نغمات کے خلاف ہیں جن سے بہادری پیدا کرنے والی حرکت پیدا ہوتی ہے تو جو آدمی واجب جہاد میں فتور پیدا کرنے اور دلوں کو تبدیل کرنے کے ارادے سے ایسے اشعار پڑھے وہ گناہ گار ہے۔ اور جو ممنوع لڑائی سے دل کو ہٹانے کے لیے پڑھتا ہے تو وہ اس وجہ سے اطاعت گزار بندہ ہے۔

۴۔ نوحہ کی آوازیں اور نغمات کی تاثیر غم کو ابھارنے اور رُلانے میں ہے غم دو طرح کا ہوتا ہے ایک اچھا قابلِ تعریف ہے اور دوسرا مذموم ہے مذموم غم وہ ہے جو فوت شدہ چیز پر کیا جائے ارشادِ خداوندی ہے۔

لِكَيْلَا تَأْسَوْا عَلَىٰ مَا فَاتَكُمْ۔ (۱) تاکہ تم اس چیز کا غم نہ کھاؤ جو تم سے فوت ہو گئی۔

اور فوت ہونے والوں پر غم کھانا اسی قبیل سے ہے کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ کے فیصلے پر ناراض ہو رہا ہے اور ایسی چیز پر افسوس کھاتا ہے جس کا تدارک نہیں کر سکتا، تو جب یہ افسوس مذموم ہے تو نوحہ کے ذریعے اس کو حرکت دینا بھی مذموم ہے یہی وجہ ہے کہ اس سے صراحتاً منع کیا گیا رنبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے خواتین سے اس بات پر بھی بیعت لی کہ وہ نوحہ نہیں کریں گی (۲)
جہاں تک محمود غم کا تعلق ہے تو وہ انسان کا دین کے سلسلے میں اپنی کوتاہی پر غمگین ہوتا اور خطاؤں پر رونا ہے اس سلسلے میں رونا، رونے کی صورت بنانا، غمگین ہونا، تکلف ایسی حالت بنانا سب کچھ محمود ہے حضرت آدم علیہ السلام بھی اسی بات پر روئے تھے (یعنی لغزش کی وجہ سے روئے تھے) اس قسم کے رونے کی تحریک و تقویت محمود ہے کیوں کہ اس سے گناہوں کے تدارک کی صورت پیدا ہوتی ہے اسی لیے حضرت داؤد (علیہ السلام) کا نوحہ اچھا تھا کیوں کہ ان کا مسلسل رونا اور غمگین ہونا خطاؤں کی وجہ سے تھا۔ چنانچہ آپ خود بھی روتے اور دوسروں کو بھی رُلاتے تھے خود غمگین ہوتے اور دوسروں کو غمگین کرتے حتیٰ کہ آپ کی رونے کی مجلس سے جنازے اٹھائے جاتے تھے آپ اپنے الفاظ اور نغمات سے روتے تھے اور یہ نوحہ قابلِ تعریف ہے کیونکہ اچھے کام تک لے جانے والا کام بھی اچھا ہوتا ہے۔
اس بنیاد پر خوش آواز مقرر (اور واعظ) کا منبر پر بیٹھ کر ایسے اشعار پڑھنا جو غمگین کرتے اور دلوں کو نرم کرتے ہیں، حرام نہیں ہے اسی طرح اس کا رونا اور رونے کی صورت بنانا بھی حرام نہیں ہے کیونکہ اس طرح وہ دوسروں کو رُلانا اور ان کو غمگین کرنا ہے (تاکہ وہ اپنی خطاؤں کا احساس کر کے مغفرت طلب کریں)

۵۔ خوشی کے وقت سماع سننا تاکہ خوشی میں اضافہ ہو اگر یہ خوشی مباح اور جائز ہے تو سماع بھی جائز ہے جیسے

---

(۱) قرآن مجید، سورۂ حدید آیت ۲۳

(۲) صحیح بخاری جلد اول ص ۱۷۵ کتاب الجنائز

عید کے دنوں میں، شادی کے موقعہ پر، کسی شخص کی سفر سے واپسی پر، ولیمہ، عقیقہ، بچے کی پیدائش، اس کے ختنہ اور قرآن پاک حفظ کرنے کے موقعہ پر اشعار پڑھنا، نعت خوانی یا سماع کا انتظام کرنا بشرطیکہ صحیح سماعت ہو آج کل محفل میلاد کا انعقاد ہوتا ہے یہ اچھا کام ہے ۱۲ ہزاروی)

یہ تمام کام مباح ہیں کیونکہ ان کے ذریعے خوشی کا اظہار کیا جاتا ہے اور اس کے جواز کی وجہ یہ ہے کہ خوش آوازی اس سرور کو بڑھاتی اور اس میں اضافہ کرتی ہے، تو جس بات پر خوشی منانا جائز ہے اس کے سرور کو بڑھانا بھی جائز ہے۔

اس بات پر حدیث شریف سے استدلال کیا جا سکتا ہے کہ جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ طیبہ تشریف لائے تو عورتوں نے مکانوں کی چھتوں پر دف (وہ ڈھول جو ایک طرف سے کھلا ہوتا ہے) بجائے اور خوش آوازی سے پڑھا۔

طَلَعَ الْبَدْرُ عَلَيْنَا ـ مِنْ ثَنِيَّاتِ الْوَدَاعِ ثنیۃ الوداع پہاڑیوں سے ہم پر چودھویں کا چاند طلوع ہوا جب تک اللہ تعالیٰ کی طرف بلانے والا موجود ہے

وَجَبَ الشُّكْرُ عَلَيْنَا ـ مَا دَعَا لِلّٰهِ دَاعِ

ہم پر شکر ادا کرنا واجب ہے۔ (۱)

تو یہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد پر خوشی کا اظہار ہے اور یہ قابل تعریف ہے تو شعروں، نعتوں اور اگر ایسی کیفیت پیدا ہو جائے تو رقص کے ذریعے اس کا اظہار بھی قابل تعریف ہے (رقص سے مراد ناچنا نہیں بلکہ ہاتھ پاؤں کی حرکت ہے) اور یہ اسی صورت میں ہوتا ہے جب خوشی کے اظہار میں انسان خود اپنے آپ کو قابو میں نہیں رکھ سکتا۔ صحابہ کرام کی ایک جماعت سے منقول ہے کہ انہیں جب خوشی پہنچتی تو وہ ایک ٹانگ پر اچھلتے تھے (۲) احکام رقص میں اس کا بیان ہو گا۔ اور یہ عمل کسی ایسے شخص کے آنے پر جائز ہے جس کا آنا باعث مسرت ہو، اسی طرح خوشی کے ہر جائز سبب میں بھی یہ عمل جائز ہے۔

اس پر صحیح بخاری اور صحیح مسلم کی روایت بھی دلالت کرتی ہے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے فرماتی ہیں میں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا آپ نے اپنی چادر مبارک سے مجھے پردہ کرا رکھا تھا اور میں ان حبشیوں کو دیکھ رہی تھی جو مسجد میں کھیل رہے تھے یہاں تک کہ میں خود ہی تھک گئی، تو ایک نوجوان لڑکی کو کھیل دیکھنے کی کس قدر حرص ہو گی اس کا اندازہ لگا لو۔ (۳)

یہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ آپ دیر تک کھڑی رہیں۔ صحیح بخاری و مسلم میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی ہی ایک دوسری روایت ہے فرماتی ہیں کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ان کے پاس تشریف لائے ان دنوں آپ منیٰ میں ٹھہری

---

(۱) دلائل النبوۃ جلد ۲ ص ۷-۵۰۶ باب من استقبل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔

(۲) (۳) صحیح بخاری جلد اول ص ۱۳۵ کتاب العیدین

ہوئی تھیں اور آپ کے پاس دو لونڈیاں تھیں وہ دف بجاتی تھیں اور ناچتی تھیں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ان کو جھڑک دیا۔ اس وقت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے چادر سے اپنے آپ کو ڈھانپ رکھا تھا آپ نے فرمایا اے ابوبکر! ان کو چھوڑ دو یہ عید کے دن ہیں (۱)

اور حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا ہی فرماتی ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مجھے چادر سے پردہ کرواتے اور میں مسجد میں کھیلنے والے حبشیوں کو دیکھتی تھی حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے ان کو جھڑکا تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "اے بنو ارفدہ (حبشیوں کا لقب) تم بے خوف رہو (۲)

حضرت عمرو بن حارث نے حضرت ابن شہاب زہری سے بھی اسی طرح روایت کیا ہے اور اس میں یہ الفاظ ہیں کہ وہ دونوں لڑکیاں گاتی بجاتی تھیں ـــ (۳)

حضرت ابوطاہر، حضرت ابن وہب رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں وہ فرماتے ہیں میں نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا آپ میرے حجرۂ مبارکہ کے دروازے پر کھڑے تھے اور حبشی مسجد نبوی میں اپنے ہتھیاروں سے کھیل رہے تھے اور آپ نے اپنے کپڑے یا چادر سے مجھے ڈھانپ رکھا تھا۔ "تاکہ ان کے کھیل کو دیکھ سکوں پھر آپ میری وجہ سے کھڑے رہے حتیٰ کہ میں خود ہی ہٹ گئی ۔ (۴)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے فرماتی ہیں میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس اپنی گڑیوں سے کھیلتی تھی فرماتی ہیں میری سہیلیاں بھی آجاتیں اور وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے شرماتی تھیں اور آپ اس بات پر خوش ہوتے تھے کہ وہ میرے پاس آکر کھیلیں ۔ ایک روایت میں ہے ۔ ایک دن نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ام المومنین سے فرمایا یہ کیا ہے؟ انہوں نے عرض کیا یہ میری گڑیاں ہیں فرمایا ان کے درمیان میں کیا ہے؟ عرض کیا گھوڑا ہے، آپ نے پوچھا اس پر کیا ہے؟ عرض کیا اس کے دو پر ہیں آپ نے فرمایا گھوڑے کے دو پر کیسے ہو گئے؟ انہوں نے عرض کیا کیا آپ نے نہیں سنا کہ حضرت سلیمان بن داؤد علیہما السلام کے کچھ گھوڑے ایسے تھے جن کے پر تھے فرماتی ہیں اس پر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اس قدر مسکرائے کہ آپ کی کچلیاں (داڑھیں) ظاہر ہو گئیں (۵)

---

(۱) صحیح بخاری جلد اوّل ص ۱۳۵ کتاب العیدین
(۲) صحیح بخاری جلد اوّل ص ۱۳۵ کتاب العیدین
(۳) صحیح مسلم جلد اول ص ۲۹۱ کتاب العیدین
(۴) صحیح مسلم جلد اول ص ۲۹۲ کتاب العیدین
(۵) سنن ابی داؤد جلد ۲ ص ۳۱۹ کتاب الادب

ہمارے نزدیک یہ حدیث لڑکیوں کی عادت پر محمول ہے کہ وہ مٹی یا کپڑے کے ٹکڑوں سے کچھ نامکمل شکلیں بنا لیتی ہیں اور اس کی دلیل یہ ہے کہ بعض احادیث کے مطابق اس گھوڑے کے دو پر کپڑے کے بنے ہوئے تھے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں ایک دن رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم میرے پاس تشریف لائے اور میرے پاس دو لڑکیاں جنگ بعاث سے متعلق گا رہی تھیں آپ فرش پر لیٹ گئے اور چہرہ انور دوسری طرف پھیر دیا۔ اسی دوران حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ تشریف لائے اور انہوں نے مجھے جھاڑ پلا دی اور فرمایا کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس شیطانی آلات؟ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ان کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا ان کو کچھ نہ کہو، جب حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی توجہ دوسری طرف ہوئی تو میں نے آنکھ کے اشارے سے ان لڑکیوں کو بھیج دیا اور وہ چلی گئیں اور یہ عید کا دن تھا اس میں سوڈانی لوگ گنگوں سے کھیل رہے تھے۔ یا تو میں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا یا آپ نے خود فرمایا کہ تم ان کو دیکھنا چاہتی ہو؟ میں نے عرض کیا جی ہاں۔ تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے اپنے پیچھے کھڑا کر دیا میرا رخسار آپ کے رخسار پر تھا اور آپ فرما رہے تھے اے بنو ارفدہ جاری رکھو یہاں تک کہ جب میں تھک گئی تو آپ نے پوچھا کافی ہو گیا؟ میں نے عرض کیا جی ہاں، آپ نے فرمایا جاؤ۔

مسلم شریف کی روایت میں ہے کہ میں نے اپنے سر کو آپ کے کاندھے پر رکھا اور میں ان کا کھیل دیکھنے لگی حتی کہ میں خود ہی ہٹ گئی (۱) یہ تمام روایات صحیحین (صحیح مسلم و بخاری) میں ہیں اور یہ اس بات پر نص ہے کہ گانا اور کھیل حرام نہیں ہے (آجکل کا گانا حرام ہے کیونکہ اس کے الفاظ اور دیگر امور جائز نہیں ہیں ۱۲ ہزاروی)

ان احادیث میں کئی امور کی اجازت ملتی ہے۔

(ا) کھیل۔ کیونکہ یہ بات واضح ہے کہ ناچنا اور کھیلنا حبشیوں کی عادت ہے۔

(ب) یہ کام مسجد میں ہوا۔

(ج) نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "اے بنو ارفدہ جاری رکھو" تو یہ بات کھیل کا حکم دینا اور اس سلسلے میں مطالبہ کرنا ہے، لہذا اسے کیسے حرام کہا جا سکتا ہے۔

(د) نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہما کو اعتراض کرنے اور اسے تبدیل کرنے سے منع فرمایا اور اس کی وجہ یوں بیان فرمائی کہ یہ عید کا دن ہے یعنی خوشی کا وقت ہے اور یہ بھی اسباب سرور سے ہے۔

(ہ) رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی وجہ سے بہت دیر تک کھڑے رہے اور سنتے رہے، اس میں اس بات کی دلیل ہے کہ عورتوں اور بچوں کے دلوں کو خوش کرنے کے لیے (جائز) کھیل دیکھنا اور اس سلسلے

---

(۱) صحیح مسلم جلد اول ص ۲۹۲ کتاب العیدین

ہیں حسن اخلاق کا مظاہرہ کرنا روکنے اور خشک زہد سے اچھا ہے۔

(و) ابتدا میں سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا کیا تم دیکھنا چاہتی ہو؟ تو یہ اس وجہ سے نہ تھا کہ اہل خانہ کے غصے اور پریشانی کے خوف سے آپ ان کی موافقت پر مجبور تھے اگر پہلے التماس ہو تو اس کو رد کرنا وحشت کا سبب ہوتا ہے اور یہ ممنوع ہے تو ممنوع کو ممنوع سے مقدم کیا جاتا لیکن ابتدا میں خود سوال کرنے میں کوئی حاجت نہ تھی نہ ام المومنین کی طرف سے ناراضگی کا ڈر تھا۔

(ز) لڑکیوں کو دف بجانے اور گانے کی اجازت ثابت ہوتی ہے حالانکہ یہ شیطانی آلات کے مشابہ ہیں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ حرام مزمار (گانے بجانے کے آلات) اور ہیں۔

(ح) نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم لیٹے ہوئے تھے اور ان لڑکیوں کی آواز آپ کے کانوں میں پڑ رہی تھی اگر کسی جگہ تاروں کے باجے (سارنگی وغیرہ) بجتے تو وہاں بیٹھنا جائز نہ ہوتا کہ ان کی آواز کانوں میں آتی ہے تو یہ اس بات کی دلیل ہے کہ عورت کی آواز مزامیر کی آواز کی طرح حرام نہیں ہے۔ بلکہ یہ خوف فتنہ کے وقت حرام ہوتی ہے یہ قیاسات ہیں۔ اور نصوص، غنا اور رقص کے جواز پر دلالت کرتی ہیں اسی طرح دف بجانا، گنگوں وغیرہ کے ساتھ کھیلنا، حبشوں کا رقص دیکھنا خوشی کے وقت جائز ہیں اور اسے عید کے دن پر قیاس کیا جاتا ہے کیوں کہ وہ بھی خوشی کا وقت ہوتا ہے۔

شادی ولیمہ، عقیقہ، ختنہ، کسی کا سفر سے واپس آنا اور خوشی کے تمام اسباب اسی حکم میں ہیں۔

اس سے مراد وہ اسباب مسرت ہیں جن میں شرعی طور پر خوشی منانا جائز ہے جب مسلمان بھائی سے ملاقات ہوتی ہے اور وہ کسی مقام پہ کھانے یا گفتگو پہ جمع ہوتے ہیں تو اس مقام پر بھی سماع ہو سکتا ہے۔

۶ــــ عاشق لوگ شوق کو حرکت دینے عشق کو ابھارنے اور نفس کو تسلی دینے کے لیے سماع کرتے ہیں اگر یہ معشوق کے سامنے ہو تو مقصد لذت کو پکا کرنا ہے اور اگر جدائی کے وقت ہو تو شوق کو ابھارنا ہے اگرچہ شوق میں تکلیف ہوتی ہے لیکن جب اس میں وصال کی امید ہو تو ایک قسم کی لذت اس قدر قوی ہوتی ہے جس قدر شوق قوی ہوتا ہے اور جس چیز کی امید ہوتی ہے اس کی محبت جس قدر ہو۔

تو یہ سماع عشق کو ابھارتا اور شوق کو حرکت دیتا ہے اور لذت امید حاصل ہوتی ہے جو وصال میں پوشیدہ ہوتی ہے اور اس کے ساتھ ساتھ حسن محبوب کے وصف کو طول دیتا ہے۔ یہ جائز ہے اگر وہ جس کی طرف یہ مشتاق ہے ان میں سے ہو جن کا وصال جائز ہے جیسے کوئی آدمی اپنی بیوی یا لونڈی پر عاشق ہو اور اس کے گانے کی طرف کان لگاتا ہو تاکہ اس کی ملاقات سے لذت بڑھ جائے آنکھوں کے ساتھ دیکھنے اور کانوں سے سننے کے ذریعے لطف اٹھائے اور دل وصال و فراق کے لطیف معانی کو سمجھے اس طرح لذت کے اسباب پے در پے ہوں گے تو یہ دنیا اور اس کے سامان سے جائز نفع حاصل کرنے کی انواع ہیں اور دنیا تو کھیل کود کا نام ہے اور یہ بھی اسی سے ہے۔

اسی طرح اگر اس سے لونڈی چھن جائے یا کسی وجہ سے ان دونوں کے درمیان جدائی واقع ہو جائے تو سماع کے ذریعے شوق کو بڑھا سکتا ہے اور اس کے سبب امیدِ وصال کی لذت کو ابھار سکتا ہے لیکن اگر اسے بیچ دیا یا طلاق دے دی تو اب یہ کام حرام ہے کیونکہ جب اس سے ملاقات کرنا اور اسے دیکھنا جائز نہیں تو شوق کی تحریک بھی جائز نہیں ہوگی۔

اگر کوئی شخص اپنے دل میں کسی ایسے لڑکے یا عورت کا خیال کرے جس کی طرف دیکھنا اس کے لیے جائز نہیں اور جو راگ وغیرہ سنتا ہے اسے اس کی تصور سے متعلق کر دے تو یہ حرام ہے کیونکہ یہ ممنوع افعال کے لیے فکر کو حرکت دیتا ہے اور جس تک پہنچنا جائز نہیں اس کی طرف بلانے والے امور کو ابھارتا ہے اکثر عاشق اور بیوقوف نوجوان غلبۂ شہوت کے وقت اس نشے سے خالی نہیں ہوتے حالاں کہ یہاں کے حق میں ممنوع ہے۔ کیونکہ اس میں لا علاج خفیہ بیماری ہے محض سماع کی وجہ سے ممنوع نہیں یہی وجہ ہے کہ ایک دانا سے پوچھا گیا کہ عشق کیا ہے؟ اس نے کہا یہ ایک دھواں ہے جو انسان کے دماغ کی طرف چڑھتا ہے جماع اس کو زائل کر دیتا ہے اور سماع سے بڑھتا ہے۔

۷ — ان لوگوں کا سماع جو اللہ تعالیٰ سے محبت کرتے ہیں اور اس کی ملاقات کے مشتاق ہیں وہ جس چیز کو بھی دیکھتے ہیں اس میں اس پاک ذات کا دیدار کرتے ہیں، جب بھی کوئی چیز ان کے کانوں کو کھٹکھٹاتی ہے تو وہ اسے اسی ذات سے یا اس کے حوالے سے سمجھتے ہیں تو سماع ایسے لوگوں کے عشق و محبت کو بڑھاتا ہے اور دل پر چقماق کا کام کرتا ہے اور اس (دل) میں ان مکاشفات اور لطائف کو نکالتا ہے جن کا وصف بیان نہیں کیا جا سکتا۔

جو ان کو چکھتا ہے وہی ان کو پہچانتا ہے اور جس کی حس چکھنے سے گند ہو جاتی ہے وہ ان کا انکار کرتا ہے، صوفیا کی زبان میں ان احوال کو وجد کہتے ہیں جو وجود سے ماخوذ ہے یعنی وہ اپنے نفس میں ایسے احوال پائے جو سماع سے پہلے نہیں تھے پھر یہ احوال کچھ توابع کے لیے اسباب بنتے ہیں جن کی آگ سے دل جلتا ہے اور وہ اسے کدورتوں سے پاک کر دیتے ہیں جیسے آگ پر گرم ہونے کے بعد سونے چاندی کا میل دور ہو جاتا ہے پھر اس حاصل شدہ صفائی کے بعد مکاشفات اور مشاہدات ہوتے ہیں، اور اللہ تعالیٰ سے محبت کرنے والوں کا یہ منتہائے مقصود ہے اور ان کی تمام عبادات کا نتیجہ یہی ہے تو جو عمل ان امور کی طرف لے جاتا ہے وہ بھی عبادت ہے گناہ یا محض جائز ہی نہیں سماع کے ذریعے یہ احوال دل کو اس لیے حاصل ہوتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے نغمات کی ارواح کے ساتھ ایک قسم کی مناسبت رکھی ہے اور یہ اللہ تعالیٰ کا ایک راز ہے اور اس کے اثر سے شوق، خوشی، غم، انبساط و انقباض طبیعت کا خوش یا پریشان ہونا ہوتا ہے اور آوازوں کے ذریعے ارواح کے متاثر ہونے کا سبب علوم مکاشفات کے دقائق میں سے ہے لیکن جو شخص غبی اور سنگدل ہو وہ سماع کی لذت سے محروم ہوتا ہے وہ سننے والے کو حاصل ہونے والی لذت اور اس کے وجد نیز اس کی حالت میں پیدا ہونے والے اضطراب پر متعجب ہوتا ہے جیسے جانور کو حلوے کی لذت پر تعجب

ہوتا ہے یا جیسے نامرد آدمی جماع کی لذت اور بچہ حکومت اور مال و مرتبہ کے اسباب کی وسعت پر تعجب کرتا ہے یا جس طرح جاہل آدمی کو اللہ تعالیٰ کی معرفت اور اس کے جلال وعظمت کی معرفت پر تعجب ہوتا ہے اور ان سب کا سبب ایک ہی ہے وہ یہ کہ لذت ایک قسم کا ادراک ہے اور ادراک مدرک کا تقاضا کرتا ہے اور قوت مدرکہ کو چاہتا ہے تو جس کے قوت مدرکہ کامل نہ ہو اس سے لذت کا پایا جانا متصور نہیں ہوتا۔ جس کو چکھنے کی قوت حاصل نہ ہو وہ کھانے کی لذت کو کیسے محسوس کرے گا؟ اور جو بہرا ہو وہ خوش آوازی کی لذت کیسے پا سکتا ہے اور جس کے پاس عقل نہ ہو وہ عقلی امور کا ادراک کیسے کرے گا؟ اسی طرح سماع کانوں میں پہنچنے کے بعد جب دل کی طرف جاتا ہے تو اس کا ادراک باطنی حسن کے ذریعے ہوتا ہے جو دل کے اندر ہوتی ہے اور جو شخص اس سے محروم ہو وہ یقیناً اس کی لذت کو نہیں پائے گا شاید تم کہو کہ اللہ تعالیٰ کے حق میں عشق کا تصور کیسے کیا جا سکتا ہے کہ سماع اس کے لیے محرک بنے تو جان لو جو آدمی اللہ تعالیٰ کو پہچان لیتا ہے وہ اس سے ضرور محبت کرتا ہے اور جس کی معرفت پکی ہو اس کی محبت بھی اسی قدر مضبوط ہوتی ہے اور جب محبت پکی ہو جائے تو اسے عشق کہتے ہیں۔ تو نہایت مضبوط اور وافر محبت کے بغیر عشق نہیں ہوتا۔ اسی لیے اہل عرب نے جب سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو غار حرا شریف میں عبادت کے لیے گوشہ نشین دیکھا تو کہنے لگے حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے رب سے عشق ہو گیا ہے۔

جو شخص کسی جمال کا ادراک کر لیتا ہے اسے اس جمال سے محبت ہو جاتی ہے اور اللہ تعالیٰ جمیل ہے جمال کو پسند کرتا ہے۔

لیکن جب جمال (حسن) تخلیق میں تناسب اور رنگ کی صفائی کے اعتبار سے ہو تو اس کا ادراک آنکھوں کے ذریعے ہوتا ہے اور اگر جمال، جلال وعظمت، بلندیٔ مرتبہ، حسن صفات واخلاق اور تمام مخلوق کے ساتھ بھلائی کے ارادے اور ان کو ہمیشہ فیض رسانی کے ذریعے اور اسی طرح دیگر باطنی صفات کے اعتبار سے ہو تو اس جمال کا ادراک قلبی حس کے ذریعے ہوتا ہے اس کے لیے بھی مجازاً لفظ جمال استعمال ہوتا ہے کہا جاتا ہے کہ فلاں بہت حسین اور خوبصورت ہے لیکن اس سے اس کی صورت مراد نہیں ہوتی، بلکہ مقصد یہ ہوتا ہے کہ اس کے اخلاق اچھے اور صفات قابل تعریف ہیں۔ اور اس کی سیرت عمدہ ہے حتیٰ کہ بعض اوقات کسی شخص سے انہی باطنی اوصاف کے ذریعے محبت ہوتی ہے جس طرح ظاہری صورت کی وجہ سے محبت کی جاتی ہے اور جب یہ محبت پکی ہو جاتی ہے تو اسے عشق کہتے ہیں اور کتنے ہی لوگ ارباب مذاہب حضرت امام شافعی، امام مالک، امام ابو حنیفہ اور امام احمد بن حنبل) رحمہم اللہ کی محبت میں بہت زیادہ مبالغہ کرتے ہیں حتیٰ کہ وہ اپنے مال اور جانوں تک کو ان کی مدد اور دوستی میں خرچ کر دیتے ہیں اور وہ اس سلسلے میں عاشقوں سے بھی بڑھ جاتے ہیں تو تعجب کی بات ہے کہ ایک شخص جس کی صورت کو کبھی نہیں دیکھا اور معلوم نہیں کہ وہ خوبصورت تھا یا اس کی صورت اچھی نہ تھی اور اب وہ فوت ہو گیا اس کی باطنی صورت اور پسندیدہ سیرت

اور دینداروں کے لیے ان کے اعمال کی خیرات کے جمال کی وجہ سے ان سے عشق کی سمجھ آجائے لیکن جس کی طرف سے تمام خیراتیں ملتی ہیں اس سے عشق کی سمجھ نہ آئے۔ بلکہ دنیا میں کوئی بھلائی، جمال اور محبوب نہیں ہے مگر اس کے (اللہ تعالیٰ کے) حسنات میں سے ہے اس کے کرم اور اس کی سخاوت کے سمندر کا ایک چلو ہے بلکہ دنیا میں جس حسن و جمال کا ادراک عقل، آنکھوں، کانوں اور باقی تمام حواس سے ابتدائے عالم سے آخر تک اور اوج ثریا سے تحت الثریٰ تک ہوتا ہے وہ اس کی قدرت کے خزانوں میں سے ایک ذرہ ہے اور اس کے حرم پاک کے انوار کی ایک چمک ہے۔

افسوس! جو ذات ان اوصاف سے موصوف ہو اس سے محبت کی سمجھ کیوں نہیں آتی اور جو لوگ اس کی صفات کے عارف ہیں ان کے نزدیک یہ محبت کیوں نہیں بڑھے گی حتیٰ کہ وہ محبت اس قدر بڑھ جاتی ہے کہ اسے عشق کہنا بھی غلط ہے یعنی اس کی محبت کی خبر دینے کے لیے لفظ عشق بھی ناکافی ہے وہ ذات پاک ہے جو خوب ظاہر ہونے کے باوجود پردے میں ہے۔ اور اپنے نور کی چمک کی وجہ سے آنکھوں سے مخفی ہے اگر اس پر ستر نورانی پردے نہ ہوتے تو اس کی ذات پاک کا جمال دیکھنے والوں کی آنکھوں کو جلا کر رکھ دیتا ہے اور اگر اس کا ظہور اس کی پوشیدگی کا سبب نہ ہوتا تو عقلیں حیران رہ جائیں، دل دھل جاتے قوتیں کمزور پڑ جاتیں اور اعضاء ایک دوسرے سے وحشت کرنے لگتے اور اگر دلوں کو پتھر اور لوہے سے مرکب بنایا جاتا تو وہ بھی اس کے ادنیٰ انوار تجلیات کے نیچے ریزہ ریزہ ہو جاتے چمگادڑوں کی آنکھیں نور آفتاب کی ماہیت کی تاب کیسے لاسکتی ہیں؟ اس اشارے کی تحقیق محبت کے بیان میں عنقریب ذکر کی جائے گی۔ اور یہ بات واضح ہو جائے گی کہ غیر اللہ سے محبت قصور اور جہالت ہے بلکہ جو شخص اللہ تعالیٰ کی معرفت میں ثابت اور مضبوط ہے وہ غیر خدا کو پہچانتا ہی نہیں۔ کیونکہ حقیقی وجود تو صرف اللہ تعالیٰ اور اس کے افعال کا ہے۔ اور جو شخص افعال کو محض ان کے افعال ہونے کی حیثیت سے پہچانتا ہے تو اس کی معرفت فاعل سے آگے نہیں بڑھتی مثلاً کوئی شخص حضرت امام شافعی رحمہ اللہ کو نیز ان کے علم اور ان کی تصانیف کو اس حیثیت سے پہچانتا ہے کہ وہ ان کی تصانیف ہیں اس اعتبار سے نہیں کہ وہ کاغذ، جلد، روشنائی، منظوم کلام اور عربی لغت ہے تو وہ ان کو پہچان لے گا لیکن اس کی معرفت حضرت امام شافعی رحمہ اللہ سے دوسری طرف نہیں جائے گی۔ اور نہ اس کی محبت دوسری طرف متجاوز ہوگی۔

تو جو کچھ موجود ہے وہ اللہ تعالیٰ کی تصنیف اور اس کا فعل ہے نیز اس کی کاریگری ہے اب جو شخص اسے اس حیثیت سے پہچانے کہ یہ اللہ تعالیٰ کی صنعت ہے تو وہ صنعت سے صانع کی صفات تک پہنچے گا جیسے تصنیف کے حسن سے مصنف کی فضیلت معلوم ہوتی ہے اور اس کی قدر و منزلت کا علم ہوتا ہے تو اس شخص کی معرفت و محبت اللہ تعالیٰ کی ذات تک محدود ہوگی اس کے غیر کی طرف متجاوز نہیں ہوگی اس عشق کی حد یہ ہے کہ یہ شرکت کو قبول نہیں کرتا لیکن جو کچھ اس عشق کے علاوہ ہے وہ شرکت کو قبول نہیں کرتا ہے کیونکہ اس کے سوا ہر محبوب کے لیے مثل کا تصور کیا جا سکتا ہے یا تو حقیقت میں اس کا وجود ہوگا یا اس کے وجود کا امکان ہوگا لیکن جمال خداوندی کا ثانی تصور میں بھی نہیں آسکتا، نہ امکان میں نہ وجود

ہیں ـــــ لہٰذا دوسروں کی محبت پر لفظ عشق کا اطلاق مجازی طور پر ہوتا ہے حقیقتاً نہیں ۔ ہاں جو شخص عقل میں کمی کی وجہ سے جانوروں کے قریب قریب ہو وہ لفظِ عشق سے طلب وصال مراد لیتا ہے جو ظاہری اجسام کے ملنے اور شہوتِ جماع کو پورا کرنے کا نام ہے تو اس قسم کے گدھے کے سامنے لفظ عشق، وصال اور اُنس جیسے الفاظ استعمال نہیں کرنے چاہیں بلکہ ان الفاظ اور ان کے معانی کے استعمال سے اجتناب کرنا چاہیئے جیسے جانور نرگس اور ریحان سے پرہیز کرتے ہیں بلکہ وہ خشک گھاس، جڑی بوٹیوں اور پتوں پر گزارہ کرتے ہیں ۔

ان الفاظ کا اطلاق اللہ تعالیٰ کے حق میں اسی صورت میں جائز ہے جب سننے والے کو کسی ایسے معنیٰ کا وھم نہ ہو جس سے اللہ تعالیٰ کا پاک ہونا واجب ہے اور وہم، لوگوں کی سمجھ میں اختلاف کے مطابق مختلف ہوتے ہیں تو اس قسم کے الفاظ کے سلسلے میں اس دقیق بات سے باخبر رہو بلکہ بعید نہیں کہ اللہ تعالیٰ کی صفات سنتے ہی وجد غالب ہو جائے اور اس کے سبب سے رگِ قلب ٹوٹ جائے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے وہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں آپ نے بنی اسرائیل کے ایک غلام کا ذکر کیا جو پہاڑ پر تھا اس نے اپنی ماں سے پوچھا آسمان کو کس نے پیدا کیا؟ اس نے کہا اللہ تعالیٰ نے، اس نے پوچھا زمین کو کس نے پیدا کیا؟ اس نے جواب دیا اللہ تعالیٰ نے، لڑکے نے پوچھا پہاڑوں کو کس نے پیدا کیا؟ اس نے جواب میں کہا اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا ہے۔ لڑکے نے پوچھا بادلوں کو کس نے پیدا کیا؟ ماں نے جواب دیا اللہ تعالیٰ نے ـــــ اس نے کہا میں اللہ تعالیٰ کی یہ شان سن رہا ہوں چنانچہ اس نے اپنے آپ کو پہاڑ سے گرا دیا اور ٹکڑے ٹکڑے ہو گیا (۱)

گویا اس نے ایسی گفتگو سنی جو اللہ تعالیٰ کے جلال اور تمام قدرت پر دلالت کرتی ہے تو وہ اس سے مضطرب ہو گیا اور وجد میں آگیا اور وجد کی صورت میں اپنے آپ کو گرا دیا اور تمام آسمانی کتابیں اسی لئے اتری ہیں کہ لوگ اللہ تعالیٰ کے ذکر پر تڑپ اٹھیں ۔

کسی بزرگ نے فرمایا کہ میں نے انجیل میں لکھا ہوا دیکھا کہ ہم نے تمہارے سامنے گایا اور تم نے خوشی کا اظہار نہ کیا اور ہم نے تمہارے لیے باجہ بجایا اور تم نے رقص نہ کیا ۔

مطلب یہ ہے کہ ہم نے تمہیں اللہ تعالیٰ کے ذکر کا شوق دلایا لیکن تمہارے اندر شوق پیدا نہ ہوا۔

تو ہم نے سماع کی اقسام، اس کے اسباب اور تقاضوں کے سلسلے میں جو کچھ ذکر کرنا چاہا وہ یہ (مندرجہ بالا) ہے۔ اب قطعی طور پر معلوم ہو گیا کہ سماع بعض مقامات پر جائز اور بعض جگہ مستحب ہے ۔

سوال :۔

کیا کسی موقعہ پر سماع حرام بھی ہے؟

جواب : پانچ عوارض ہیں جن کی وجہ سے یہ حرام ہے ۔

عوارضِ حرمتِ سماع

پہلا عارض گانے والے کے اعتبار سے ہے۔ دوسرا عارض آلۂ سماع سے متعلق ہے، تیسرا عارض نظم کی خرابی ہے، چوتھا عارض سننے والے کی ذات سے متعلق ہے اور پانچواں عارض یہ ہے کہ سننے والا عام لوگوں میں سے ہو ــــ کیونکہ سماع کے ارکان سنانے والا، سننے والا اور سنانے کا آلہ ہے۔

تفصیل عوارض

پہلا عارض ــــ سنانے والی ایسی عورت ہو جس کی طرف دیکھنا جائز نہیں اور اس کے سننے سے فتنے کا خوف ہو نابالغ لڑکا بھی اسی حکم میں ہے جب فتنے کا ڈر ہو تو یہ حرام ہے کیوں کہ اس میں خوفِ فتنہ ہے غنا کی وجہ سے حرمت نہیں ہے بلکہ اگر وہ عورت ایسی ہو کہ خوش آوازی کے بغیر بھی اس سے گفتگو میں فتنے کا ڈر ہو تو اس سے گفتگو کرنا بھی جائز نہ ہوگا۔ اور نہ ہی اس سے قرآن پاک کی تلاوت میں اس کی آواز سننا جائز ہے۔ جس بچے سے فتنے کا ڈر ہو اس کا بھی یہی حکم ہے۔

سوال:-

کیا آپ اسے ہر صورت میں حرام کہتے ہیں یا جب فتنے کا خوف ہو تو اس کے حق میں حرام ہوگا جس سے حرام کاری کا خوف ہو؟

جواب:

میں کہتا ہوں کہ فقہ کی رُو سے اس مسئلے میں دو بنیادی باتوں کی بنیاد پر حکم لگایا جا سکتا ہے ایک یہ کہ اجنبی عورت کے ساتھ علیحدگی میں ہونا اور اس کی طرف دیکھنا حرام ہے فتنے کا ڈر ہو یا نہ۔ کیوں کہ بہر صورت یہاں فتنے کا گمان ہوتا ہے تو شریعت نے مختلف صورتوں کی طرف نظر کئے بغیر اس دروازے کو بالکل بند کر دیا۔ دوسرا یہ کہ بچوں کی طرف دیکھنا جائز ہے لیکن جب فتنے کا خوف نہ ہو لہٰذا ان کا حکم عورتوں کی طرح عام نہیں ہے، بلکہ اس سلسلے میں حالات کو دیکھا جاتا ہے۔

عورت کی آواز ان دونوں ضابطوں کے درمیان ہے اگر ہم اسے اس کی طرف نظر کرنے پر قیاس کریں تو یہ دروازہ بھی بند کرنا ہوگا اور یہ قیاس قریب ہے لیکن دونوں باتوں میں فرق ہے۔ کیونکہ شہوت پہلے مرحلے میں دیکھنے کا تقاضا کرتی ہے اور آواز سننے کی داعی نہیں ہوتی اور سننے سے جو شہوت آتی ہے اس کے مقابلے میں دیکھنے سے چمٹ جانے کی خواہش زیادہ ہوتی ہے اور عورت کی آواز گانے کے علاوہ ستر نہیں ہے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے زمانے میں عورتیں مردوں سے کلام کرتی تھیں وہ ان کو سلام کرتیں، مسائل پوچھتیں اور مشورہ کرتی تھیں۔ لیکن شہوت کی تحریک کے سلسلے میں غنا کا اثر زیادہ ہوتا ہے تو آواز کو لڑکوں کے دیکھنے پر قیاس کرنا زیادہ بہتر ہے کیونکہ لڑکوں کو پردہ کرنے کا حکم نہیں دیا گیا جس طرح عورتوں کو آواز کے پردے کا حکم نہیں دیا گیا تو مناسب یہی ہے کہ اس حکم کا دارو مدار فتنہ پر ہی ہو اور اسی صورت میں حرام ہو۔

میرے نزدیک قیاس کے زیادہ قریب یہی بات ہے۔

اور اس بات کو اس حدیث سے بھی تائید حاصل ہوتی ہے کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے حجرۂ مبارکہ میں دو لڑکیاں گا رہی تھیں کیونکہ یہ بات معلوم ہے کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم ان کی آواز کو سن رہے تھے لیکن آپ نے اس سے اجتناب نہیں فرمایا کیونکہ آپ کو فتنہ کا کوئی خوف نہ تھا اسی وجہ سے آپ نے اس سے پرہیز نہیں فرمایا۔ تو اس صورت میں یہ حکم مرد اور عورت کے حالات کے اعتبار سے ہوگا یعنی دیکھا جائے کہ وہ جوان ہے یا بوڑھا، اور اس قسم کے امور میں احوال کے اختلاف سے حکم کا مختلف ہونا کوئی بعید بات نہیں ہے۔

ہم کہتے ہیں کہ بوڑھا آدمی روزے کی حالت میں اپنی بیوی کا بوسہ لے سکتا لیکن نوجوان کو اس کی اجازت نہیں کیوں کہ بوسہ روزے کی حالت میں جماع کی دعوت دیتا ہے، اور یہ ممنوع ہے، اور سماع، دیکھنے اور قریب ہونے کی طرف بلاتا ہے اور یہ حرام ہے تو مختلف لوگوں کے اعتبار سے اس کا حکم بھی مختلف ہوگا۔

دوسرا عارض ——— یہ آلۂ سماع سے متعلق ہے مثلاً یہ کہ وہ شراب نوشوں کی علامات سے ہو یا ہجڑوں کی نشانی ہو اور یہ مزامیر، سارنگیاں اور باجے وغیرہ ہیں یہ تین قسمیں ممنوع ہیں، اور اس کے علاوہ اپنی اصل اباحت پر ہیں جیسے دف وغیرہ اگرچہ اس میں گھنگرو ہوں، اسی طرح ڈھول اور نقارہ وغیرہ آلات کا حکم ہے۔

تیسرا عارض ——— آواز کی نظم یعنی اشعار سے متعلق ہے اگر یہ کلام فحش ہو کسی کی برائی پر مشتمل ہو یا اللہ تعالیٰ یا رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم یا صحابہ کرام پر جھوٹ باندھا گیا ہو جیسے شیعہ حضرات نے صحابہ کرام کی شان کے خلاف کلام بنایا، تو اس کا سننا جائز نہ ہوگا۔ (جیسے دیوبندی وہابی حضرات نعت شریف پڑھنے کی بجائے بعض اوقات اہل سنّت کے نظریات اور اولیاء کرام کے خلاف نظمیں بناتے اور اپنے جلسوں میں پڑھتے ہیں ۱۲ ہزاروی)

ایسا کلام خوش آوازی سے ہو یا اس کے بغیر دونوں صورتوں میں ناجائز ہے اور سننے والا بھی گناہ میں پڑھنے والے کے ساتھ شریک ہوگا، اسی طرح جس کلام میں کسی خاص عورت کا کوئی وصف بیان کیا گیا ہو کیونکہ مردوں کے سامنے کسی عورت کا وصف بیان کرنا جائز نہیں۔ جہاں تک کفار اور اہل بدعت کی مذمت میں کلام پڑھنا ہے تو یہ جائز ہے حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ، رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ناموس کا تحفظ کرتے ہوئے بصورت اشعار کفار کو جواب دیتے تھے اور خود نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اس بات کا حکم دیا تھا (۱)

لیکن تشبیب کے اشعار یعنی عورتوں کے خدوخال، قدوقامت اور تمام اوصاف کا ذکر کرنا محل نظر ہے لیکن صحیح بات یہ ہے کہ اس کو اشعار میں لانا اور پھر خوش آوازی کے ساتھ یا اس کے بغیر دونوں طرح پڑھنا جائز ہے (بشرطیکہ کسی خاص عورت کے حوالے سے نہ ہو) اور سننے والا اسے کسی خاص عورت پر چسپاں نہ کرے اور اگر ایسا کرنا ہی چاہتا ہے

---

(۱)

تو اس عورت پر چسپاں کرے جو اس کے لیے حلال ہے مثلاً اس کی بیوی یا لونڈی - اگر کسی اجنبی عورت سے متعلق کرے گا تو اس وجہ سے گناہ گار ہوگا بلکہ اس بات کی طرف فکر کو دوڑانے سے بھی گناہ گار ہوگا۔جو آدمی اس قسم کا ہو اسے سماع سے بالکل اجتناب کرنا چاہیے کیوں کہ جس پر عشق غالب ہو وہ جو کچھ سنتا ہے اسے اپنے محبوب پر ڈالتا ہے خواہ لفظ مناسب ہو یا نہ — کیونکہ ہر لفظ کو مجازی طور پر مختلف معانی کے لیے استعمال کیا جا سکتا ہے ۔ جس شخص کے دل پر اللہ تعالیٰ کی محبت غالب ہو وہ زلفوں کی سیاہی کو کفر کی تاریکی خیال کرتا ہے اور رخسار کی تر و تازگی کو نورِ ایمان سے تعبیر کرتا ہے محبوب سے وصال کو اللہ تعالیٰ کی ملاقات تصور کرتا ہے اور فراق کو مردود لوگوں کے زمرہ میں شامل ہو کر اس کی زیارت سے محروم ہونا شمار کرتا ہے اور رقیب کو جو ملاقات میں مخل ہوتا ہے ، دنیا کی آفات اور رکاوٹیں سمجھتا ہے جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ اس کی محبت اور اُنس کو تشویشناک بناتی ہیں ۔ ان امور کو ان معانی پر ڈھالنے میں کسی قسم کے غور و فکر کا محتاج نہیں ہوتا بلکہ اس کے دل پر جو معانی غالب ہوتے ہیں وہ الفاظ کے ساتھ ہی فی الفور سمجھ آ جاتے ہیں ۔ جیسے کہ بزرگ کے بارے میں منقول ہے کہ وہ بازار سے گزرے تو ایک آدمی سے سنا کہہ رہا تھا خیار (کھیرے) ایک پیسے کے دس ، یہ سن کر ان پر وجد طاری ہو گیا ان سے پوچھا گیا کہ اس کی کیا وجہ ہے؟ تو انہوں نے فرمایا جب خیار ایک پیسے کے دس ہیں تو برے لوگوں کی قیمت کیا ہوگی ہلا)

ایک بزرگ بازار سے گزرے تو انہوں نے کسی کو کہتے ہوئے سنا " اے سعتر بری "، (پودینہ کو سعتر بری کہتے ہیں) ان پر وجد طاری ہو گیا ان سے اس کی وجہ پوچھی گئی تو فرمایا میں نے اس سے سنا کہہ رہا تھا۔

اِسْعَ تَرَ (تَرَایَ) بِرِّیْ (کوشش کر میرا سلوک دیکھے گا) حتیٰ کہ بعض اوقات ایک عجمی شخص عربی زبان میں منظوم کلام سن کر وجد میں آ جاتا ہے کیونکہ اس کے بعض حروف عجمی حروف کے وزن پر ہوتے ہیں تو وہ دوسرے معانی سمجھتا ہے ۔
کسی شاعر نے کہا ۔

وَمَازَارَنِیْ فِی - اللَّیْلِ اِلَّا خِیَالُہٗ ۔ مجھے رات کو اسی کا خیال آتا ہے۔

اس پر ایک عجمی کو وجد آ گیا اس سے وجد کی وجہ پوچھی گئی تو اس نے کہا یہ کہتا ہے ہم سب ہلاک ہو گئے کیوں کہ اس نے ما نافیہ کو فارسی زبان میں جمع متکلم کی ضمیر سمجھا (یعنی ہم) زار فارسی میں ہلاکت کو کہتے ہیں تو اس نے سمجھا کہ ہم سب ہلاک ہونے والے ہیں تو اس نے اس سے آخرت کی ہلاکت کا خطرہ سمجھا۔

جو شخص اللہ تعالیٰ کی محبت میں جلتا ہے اس کا وجد اس کی سمجھ کے مطابق ہوتا ہے اور اس کی سمجھ اس کے خیال کے مطابق ہوتی ہے اور تخیل کے لیے یہ شرط نہیں کہ وہ شاعر کی مراد اور زبان کے موافق ہو تو وجد حق اور سچ ہے ۔ اور جس

---

(۱) دوکاندار کھیرے بیچ رہا تھا جنہیں خیار کہا جاتا ہے اور انہوں نے خیار سے اچھے لوگ مراد لیے ۱۲ ہزاروی

آدمی کو آخرت کی ہلاکت کے خطرہ کا شعور حاصل ہو جائے تو وہ اس بات کے لائق ہے کہ اس کی عقل تشویشناک ہو جائے، اور اعضاء میں اضطراب پیدا ہو تو اس صورت میں الفاظ میں تبدیلی کا کوئی بڑا فائدہ نہیں۔ بلکہ جس آدمی پر مخلوق کا عشق غالب ہو اسے سماع سے پرہیز کرنا چاہیے اس کے الفاظ کوئی بھی ہوں۔

اور جس پر اللہ تعالیٰ کی محبت غالب ہو اسے الفاظ نقصان نہیں پہنچا سکتے اور اس کی ہمت شریفہ کی گزرگاہوں سے متعلق لطیف معانی سمجھنے میں بھی ایسی کوئی رکاوٹ نہیں ہوتی۔

چوتھا عارض —— یہ عارض سننے والے سے متعلق ہے۔

وہ یہ کہ اس پر شہوت غالب ہو اور عین جوانی کی بہار میں ہو اور اس پر دوسری صفات کی نسبت یہ صفت زیادہ غالب ہو ایسے آدمی کے لیے سماع سننا حرام ہے چاہیے اس کے دل پر کسی معین شخص کی محبت غالب ہو یا نہ۔ کیوں کہ وہ جس حالت میں بھی ہو جب زلفوں، رخسار، فراق اور وصال کا وصف سنے گا تو اس سے اس کی شہوت کو حرکت ہوگی اور وہ اسے معین صورت پر ڈھالے گا، شیطان اس کے دل میں پھونکتا ہے اور اس میں شہوت کی آگ شعلہ زن ہوتی ہے اور شر کے اسباب تیز ہو جاتے ہیں اور یہ شیطانی لشکر کی مدد ہے اور عقل جو لشکر الٰہی ہے اور شیطان سے بچاتی ہے اسے شکست دیتا ہے۔ اور دل میں شیطان کے لشکروں یعنی شہوات اور اللہ تعالیٰ کے لشکر یعنی نورِ عقل کے درمیان ہمیشہ لڑائی رہتی ہے مگر جس دل میں ایک لشکر کو فتح ہو جائے اور وہ اس پر مکمل طور پر قابض ہو جائے آج کل عام دلوں کو شیطانی لشکر نے فتح کر رکھا ہے اور وہ اس پر غالب ہیں تو اس وقت اس بات کی ضرورت ہے کہ شیطانی لشکروں کو بھگانے کے لیے لڑائی کا ساز و سامان نئے سرے سے اکٹھا کیا جائے۔ تو شیطان کا اسلحہ زیادہ اکٹھا کرنا اس کی تلواروں کو تیز کرنا اور بھالوں کی نوک نکالنا کس طرح جائز ہوگا۔ اور سماع اس قسم کے آدمی کے حق میں شیطانی لشکر کے اسلحہ کو تیز کرتا ہے لہٰذا ایسے شخص کو سماع کے اجتماع سے نکلنا چاہیے کیوں کہ یہ اس کے لیے ضرر رساں ہے۔

پانچواں عارض —— وہ شخص (سننے والا) عام لوگوں میں سے ہو اور اس پر اللہ تعالیٰ کی محبت غالب نہ ہو کہ اسے سماع پسند ہو اور نہ ہی اس پر شہوت غالب ہو کہ اس کے حق میں ممنوع ہو تو ایسے شخص کے حق میں سماع جائز ہوگا جیسے دوسری مباح لذتیں ہیں۔ لیکن اگر وہ اس کا عادی ہو جائے اور اپنے وقت کا زیادہ حصہ اسی میں گزارے تو یہ وہ بیوقوف ہے جس کی گواہی قبول نہ کی جائے کیونکہ ہمیشہ کھیل کود میں مصروف رہنا گناہ ہے جیسے صغیرہ گناہ بار بار کرنے سے کبیرہ بن جاتا ہے اسی طرح بعض جائز کام بار بار کرنے سے گناہ صغیرہ بن جاتے ہیں جیسے زنگیوں اور حبشیوں کے پیچھے پڑے رہنا اور ان کے کھیل کو مسلسل دیکھنا۔ یہ ممنوع ہے اگرچہ اپنی اصل کے اعتبار سے ناجائز نہیں ہے کیوں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے کیا، شطرنج کھیلنا بھی اسی طرح کا عمل ہے یعنی جائز ہے لیکن ہمیشہ اسی میں لگے رہنا سخت مکروہ ہے اور جب مقصد کھیل اور اس سے لذت حاصل کرنا ہو تو یہ جائز ہے کیوں کہ اس کے ذریعے دل کو راحت پہنچانا ہے

کیوں کہ بعض اوقات دل کو آرام پہنچانا ہی اس کا علاج ہوتا ہے کہ کچھ دیر سستا کر باقی اوقات دنیا کا مال کمانے یعنی تجارت وغیرہ میں خرچ کرے یا دین کا کام کرے مثلاً نماز پڑھے یا قرآن پاک کی تلاوت کرے۔ اور بہت سی محنت میں تھوڑا سا کھیل اسی طرح ہے جیسے رخسار پر تل ہوتا ہے اور وہ اچھا لگتا ہے لیکن جب تمام چہرہ تلوں سے بھر جائے تو رخسار بد صورت لگتا ہے تو اس کی کثرت کی وجہ سے خوبصورتی بدصورتی میں بدل گئی۔ تو ایسا نہیں ہوتا کہ جو چیز اچھی ہو وہ زیادہ ہو کر بھی اچھی ہی رہے اور نہ ہی ہر مباح چیز کی کثرت مباح ہوتی ہے مثلاً روٹی مباح ہے لیکن زیادہ ہو تو حرام ہے تو یہ مباح باقی مباحات کی طرح ہے۔

سوال:

اس گفتگو سے معلوم ہوا کہ سماع بعض حالات میں جائز ہوتا ہے اور بعض حالات میں ناجائز۔ تو شروع میں اسے مطلقاً مباح کیوں کہا گیا کیوں کہ جس بات میں تفصیل ہو اس میں مطلقاً ہاں یا نہ کہنا غلط ہے؟

جواب:

یہ بات غلط ہے کیونکہ اطلاق اس تفصیل میں ممنوع ہے جو خود اس چیز میں پائی جائے۔ لیکن جو تفصیل خارجی عوارض کی وجہ سے ہو اس میں اطلاق ممنوع نہیں ہے کیا تم نہیں دیکھتے کہ جب ہم سے شہد کے بارے میں سوال کیا جائے کہ وہ حلال ہے یا نہیں؟ تو ہم اسے مطلقاً حلال کہتے ہیں حالانکہ وہ ایسے گرم مزاج شخص پر حرام ہے جس کو اس سے ضرر ہوتا ہو (یعنی اسے استعمال نہیں کرنا چاہیے حرام کا مطلب یہاں یہ نہیں کہ اسے عذاب ہوگا ۱۲ ہزاروی)

اور جب ہم سے شراب کے بارے میں پوچھا جائے تو ہم کہتے ہیں کہ یہ حرام ہے اس کے باوجود کہ یہ اس شخص کے لیے حلال ہے جس کے گلے میں لقمہ پھنس جائے اور اس کے پاس کوئی دوسری چیز (پانی وغیرہ) نہ ہو۔ لیکن شراب ہونے کے اعتبار سے تو یہ حرام ہی ہے یہ تو ایک حاجت پیش آنے کی صورت میں حلال قرار دی گئی۔ شہد اس اعتبار سے کہ وہ شہد ہے، حلال ہے لیکن نقصان پہنچانے کی صورت میں اس کا استعمال جائز نہ ہوگا۔ اور جو حکم کسی عارض کی وجہ سے ہوتا ہے اس کی طرف توجہ نہیں کی جاتی۔

اسی طرح سماع، اچھی آواز اور موزون کلام ہونے کی وجہ سے باقی مباح کاموں کی طرح مباح ہے اور حرام کسی خارجی عارض کی وجہ سے ہوتا ہے جو اس کی حقیقتِ ذات میں داخل نہیں، تو جب اباحت کی دلیل سے پردہ اٹھ گیا تو اب ہمیں اس شخص کی پرواہ نہیں کرنی چاہیے جو دلیل ظاہر ہونے کے بعد بھی مخالفت کرتا ہے۔

حضرت امام شافعی رحمہ اللہ کے مذہب میں بنیادی طور پر غنا حرام نہیں ہے اور انہوں نے اس بات پر تصریح فرمائی ہے کہ جو آدمی اس کو بطور پیشہ اپناتا ہے اس کی گواہی جائز نہیں کیوں کہ یہ مکروہ کھیل ہے جو باطل کے مشابہ ہے اور جو آدمی اسے پیشہ بنا لیتا ہے اسے بیوقوف کہا جاتا ہے اور اس کی مروت ختم ہو جاتی ہے اگرچہ یہ واضح طور پر حرام

نہیں ہے اگر وہ غنا سے منسوب نہ ہو اور اس وجہ سے نہ تو اس کے پاس آتا ہے اور نہ وہ اس کے لیے کہیں جاتا ہے اور مشہور یہ ہے کہ وہ کبھی کبھی ترنم سے کچھ گا لیتا ہے تو اس وجہ سے اس کی مروت ساقط نہیں ہو گی اور نہ اس کی شہادت باطل ہو گی۔

حضرت امام شافعی رحمہ اللہ نے ان دو لڑکیوں والی حدیث سے استدلال کیا جو حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے حجرۂ مبارکہ میں گاتی تھیں۔

حضرت یونس بن عبدالاعلیٰ رحمہ اللہ فرماتے ہیں میں نے حضرت امام شافعی رحمہ اللہ سے سوال کیا کہ اہل مدینہ سماع کو جائز سمجھتے ہیں؟ تو انہوں نے فرمایا میں علمائے حجاز میں سے کسی کو نہیں جانتا جس نے سماع کو مکروہ سمجھا ہو مگر جو اوصاف (کسی کے اعضا کے اوصاف) کے بارے میں ہو لیکن حُدی (اونٹوں کے ساتھ چلتے ہوئے اشعار پڑھنا) منزلوں اور ان کے آثار سے متعلق اشعار اور اچھی آواز سے ترنم کے ساتھ اشعار پڑھنا مباح ہے اور ان کا یہ کہنا کہ یہ مکروہ کھیل ہے جو باطل کے مشابہ ہے تو یہ صحیح ہے کہ یہ کھیل ہے لیکن کھیل ذاتی اعتبار سے حرام نہیں ہوتا حبشیوں کا کھیل اور رقص لہو و لعب تھا لیکن سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے دیکھا اور مکروہ نہیں گردانا بلکہ لہو اور لغو پر اللہ تعالیٰ مواخذہ نہیں فرماتا اگر یہ معنیٰ مراد لیا جائے کہ اس کا فائدہ کوئی نہیں اگر کوئی انسان اپنا وظیفہ مقرر کرے دن میں سو مرتبہ اپنا ہاتھ سر پر رکھے تو یہ ایک بے فائدہ عمل ہے لیکن حرام نہیں ہے۔

ارشاد خداوندی ہے۔

لَا يُؤَاخِذُكُمُ اللّٰهُ بِاللَّغْوِ فِيْٓ اَيْمَانِكُمْ (۱) اللہ تعالیٰ تمہیں تمہاری لغو قسموں میں نہیں پکڑتا۔

جب کسی چیز پر اللہ تعالیٰ کا نام کسی قصد و ارادہ کے بغیر ہو تو اس پر مواخذہ نہیں ہے حالانکہ اس میں فائدہ بھی کوئی نہیں، تو شعر پڑھنے اور رقص پر کیسے مواخذہ ہو گا؟ اور انہوں نے جو فرمایا کہ یہ باطل کی طرح ہے تو یہ اس بات پر دلیل نہیں ہے کہ وہ اسے حرام سمجھتے تھے بلکہ اگر وہ صریح الفاظ میں فرماتے کہ یہ باطل ہے تو بھی یہ حرام سمجھنے کی دلیل نہ ہوتی بلکہ مطلب یہ ہوتا کہ اس کا کچھ فائدہ نہیں کیونکہ باطل وہ ہوتا ہے جس میں کوئی فائدہ نہ ہو۔۔۔ مثلاً ایک آدمی اپنی بیوی سے کہتا ہے میں نے اپنے آپ کو تجھ پر بیچا اور وہ کہے کہ میں نے خریدا تو یہ عقد باطل ہے جب کہ ان کا مقصود محض دل لگی ہو لیکن حرام نہیں ہو گا، لیکن جب وہ اپنے آپ کو اس کا مملوک ٹھہرائے جس سے شریعت نے منع فرمایا، تو یہ حرام ہو گا۔ اور انہوں نے جو اسے مکروہ کہا تو اس کی کراہت چند مقامات پر ہو گی جن کا ذکر میں نے تمہارے لیے کیا ہے یا مکروہ تنزیہی مراد ہو گی؛ کیونکہ امام شافعی رحمہ اللہ نے واضح الفاظ میں شطرنج کھیلنے کو جائز قرار دیا اور یہ بھی فرمایا کہ میں ہر کھیل کو مکروہ جانتا ہوں (تو ظاہر ہے کہ مکروہ سے

---

(۱) قرآن مجید، سورۂ بقرہ آیت ۲۲۵

مکروہ تنزیہی مراد ہوگی) انہوں نے اس کی جو علت بیان کی ہے وہ بھی اس بات پر دلالت کرتی ہے کیوں کہ انہوں نے فرمایا یہ دیندار اور اہل مروت لوگوں کی عادت نہیں ہے تو یہ مکروہ تنزیہی ہونے پر دلالت ہے اور انہوں نے جو یہ فرمایا کہ ایسے شخص کی گواہی رد کی جائے تو یہ الفاظ بھی اس کو حرام سمجھنے پر دلیل نہیں ہیں بلکہ بعض اوقات بازار میں کھانے پینے کی وجہ سے بھی گواہی رد کر دی جاتی ہے لیکن اس سے مروت ختم نہیں ہوتی کپڑے بننا جائز کام ہے لیکن اہل مروت کا پیشہ نہیں ہے اور بعض اوقات کسی ہلکے پیشہ کو اپنانے کی وجہ سے بھی شہادت رد کی جاتی ہے تو ان کا یہ علت پیش کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ انہوں نے اس سے کراہت تنزیہی مراد لی ہے۔ دوسرے بڑے بڑے ائمہ کے بارے میں بھی یہی خیال ہے اور اگر انہوں نے حرمت مراد لی ہے تو جو کچھ ہم نے لکھا ہے یہی ان کے خلاف حجت ہے۔

سماع کو حرام قرار دینے والوں کے دلائل اور ان کے جوابات

ان حضرات نے اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد گرامی سے استدلال کیا ہے۔

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّشْتَرِيْ لَهْوَ الْحَدِيْثِ - (۱) اور بعض لوگ لہو ولعب کی باتیں خریدتے ہیں۔

حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ حضرت حسن بصری اور حضرت ابراہیم نخعی رحمہم اللہ فرماتے ہیں لہو الحدیث سے مراد غنا ہے اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اِنَّ اللّٰهَ تَعَالٰى حَرَّمَ الْقَيْنَةَ وَبَيْعَهَا وَثَمَنَهَا وَتَعْلِيْمَهَا - (۲) بے شک اللہ تعالیٰ نے گانے والی لونڈی، اس کی بیع اس کی قیمت اور اس کی تعلیم کو حرام قرار دیا۔

تو یہاں قینہ سے گانے بجانے والی لونڈی مراد ہے جو شراب کی مجلس میں مردوں کے سامنے گاتی ہے اور ہم نے ذکر کیا کہ اجنبی عورت کا فاسقوں کے سامنے اور ان لوگوں کے سامنے جن سے فتنے کا خوف ہو، گانا حرام ہے اور فتنہ سے مراد وہی بات ہے جو ممنوع ہے لیکن جب لونڈی اپنے مالک کے لیے گائے تو اس حدیث سے اس کا حرام ہونا سمجھ نہیں آتا بلکہ اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ غیر مالک کو جب فتنے کا خوف نہ ہو تو وہ بھی سن سکتا ہے اور اس کی دلیل وہ ہی حدیث ہے جو صحیح بخاری اور مسلم میں مروی ہے کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے حجرۂ مبارک میں دو لڑکیاں گاتی تھیں۔

اور آیت کریمہ میں جو لہو الحدیث کا خریدنا مذکور ہے تو اس کا مطلب دین کے بدلے میں ایسا کلام کرنا ہے جس کے ذریعے لوگوں کو راہ خداوندی سے گمراہ کرے تو وہ حرام اور قابلِ مذمت ہے اور اس میں کوئی اختلاف نہیں ہے لیکن ہر غنا

---

(۱) قرآن مجید، سورۂ لقمان آیت ۶

(۲) مجمع الزوائد جلد ۴ ص ۹۱ کتاب البیوع

دین کے بدلے خریدا نہیں جاتا اور نہ ہی ہر غنا گمراہ کرتا ہے اور آیت کریمہ میں یہی مراد ہے بلکہ اگر کوئی شخص قرآن پاک اس لیے پڑھتا ہے کہ اس کے ذریعے اللہ تعالیٰ کے راستے سے گمراہ کرے تو وہ بھی حرام ہے۔

ایک منافق کے بارے میں منقول ہے کہ وہ لوگوں کو نماز پڑھاتے ہوئے صرف سورۂ عبس پڑھتا تھا کیونکہ اس میں سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم پر عتاب کا ذکر ہے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اسے قتل کرنے کا ارادہ کیا ہے اور اس کے عمل کو حرام سمجھا کیونکہ اس میں گمراہ کرنا تھا تو اس طرح اشعار اور غنا تو بدرجہ اولیٰ حرام ہے۔

دوسری دلیل:

ان حضرات نے اس آیت سے بھی استدلال کیا ہے۔

اَفَمِنْ هٰذَا الْحَدِيْثِ تَعْجَبُوْنَ وَتَضْحَكُوْنَ وَلَا تَبْكُوْنَ وَاَنْتُمْ سَامِدُوْنَ ۔ (۱)

کیا تم اس بات پر تعجب کرتے ہو اور ہنستے ہو اور روتے نہیں اور گاتے ہو۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں حمیر زبان میں اس سے غنا مراد ہے سمد راگ اور غنا کو کہتے ہیں۔

تو اس کے جواب میں ہم کہتے ہیں کہ اس طرح تو ہنسنا اور نہ رونا بھی حرام ہونا چاہیے کیونکہ آیت ان باتوں پر بھی مشتمل ہے۔ اگر کہا جائے کہ یہ تو مسلمانوں پر ان کے اسلام کی وجہ سے ہنسنے کے ساتھ مخصوص ہے تو ہم کہتے ہیں کہ راگ اور غنا سے بھی مخصوص گانا مراد ہے جو مسلمانوں کے ساتھ مذاق کے طور پر ہو۔

جیسے ارشاد خداوندی ہے:

وَالشُّعَرَاءُ يَتَّبِعُهُمُ الْغَاوُوْنَ ۔ (۲)

اور بے راہ رو لوگ شاعروں کے راستے پر چلتے ہیں۔

آپ نے اس سے کافر شعراء مراد لیے ہیں اور یہ آیت ذاتی طور پر اشعار کے حرام ہونے پر دلالت نہیں کرتی۔

تیسری دلیل:

ان حضرات نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی اس روایت سے بھی استدلال کیا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

كَانَ اِبْلِيْسُ اَوَّلَ مَنْ نَاحَ وَاَوَّلَ مَنْ تَغَنّٰى ۔ (۳)

سب سے پہلے شیطان نے نوحہ کیا اور سب سے پہلے اسی نے گایا۔

تو اس حدیث میں نوحہ اور غنا کو جمع کیا گیا۔

---

(۱) قرآن مجید، سورۂ النجم آیت ۵۹، ۶۰، ۶۱

(۲) قرآن مجید سورۂ آیت ۲۲۴

(۳) مجمع الزوائد جلد ۸ ص ۱۱۹ کتاب الادب (یہ حدیث معنوی طور پر ہے)

ہم اس کے جواب میں کہتے ہیں جس طرح حضرت نوح علیہ السلام کا رونا اور گناہ گاروں کا اپنی خطاؤں پہ رونا مستثنیٰ ہے اسی طرح اس سے وہ گانا بھی مستثنیٰ ہے جس سے سرور، غم اور شوق کی تحریک ہوتی ہو کیوں کہ ان امور کی تحریک مباح ہے بلکہ جس طرح عید کے دن رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے خانہ اقدس میں دو لڑکیوں کا گانا مستثنیٰ ہے اور اسی طرح جب سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ طیبہ تشریف لائے تو لڑکیوں نے پڑھا۔

طَلَعَ الْبَدْرُ عَلَيْنَا مِنْ ثَنِيَّاتِ الْوَدَاعِ ۔

ہم پر چودھویں کا چاند ثنیات الوداع پہاڑیوں سے طلوع ہوا۔

چوتھی دلیل :

ان حضرات نے حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ کی اس روایت سے بھی استدلال کیا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :

مَا رَفَعَ اَحَدٌ صَوْتَهُ بِغِنَاءٍ اِلَّا بَعَثَ اللّٰهُ لَهُ شَيْطَانَيْنِ عَلٰى مَنْكِبَيْهِ يَضْرِبَانِ بِاَعْقَابِهِمَا عَلٰى صَدْرِهِ حَتّٰى يُمْسِكَ ۔ (۱)

جب کوئی شخص گانے کے ساتھ اپنی آواز بلند کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے کاندھوں پر دو فرشتے بھیجتا ہے جو اپنی ایڑیاں اس کے سینے پر مارتے ہیں جب تک وہ خاموش نہ ہو جائے۔

(اس کے جواب میں) ہم کہتے ہیں یہ غنا کی ان بعض اقسام کے بارے میں ہے جن کا ذکر ہم نے اس سے پہلے کیا ہے یعنی وہ غنا جو دل میں شیطان کی مراد شہوت اور مخلوق کے عشق کو متحرک کرتا ہے لیکن جو اللہ تعالیٰ کی طرف شوق کی تحریک کا باعث ہے یا عید کے موقعہ پر یا بچے کی پیدائش یا کسی غائب کے آنے پر خوشی کے طور پر ہوتا ہے تو یہ سب شیطان کی مراد کے خلاف ہیں اور اس کی دلیل دو لڑکیوں کا گانا اور حبشیوں کا کھیلنا ہے اور وہ روایات جو ہم صحیح احادیث کی کتب سے نقل کر چکے ہیں تو ایک جگہ پہ اسے جائز قرار دینا اس کی اباحت کی تصریح ہے اور ہزار جگہ پہ اسے منع کرنا تاویل کا احتمال رکھتا ہے لیکن فعل میں کوئی تاویل نہیں ہے کیوں کہ جس کام کا کرنا حرام ہو وہ صرف اس لئے حلال ہو جاتا ہے کہ کسی نے مجبور کر دیا ہو اور جس کا کرنا جائز ہو وہ بہت سے عوارض کی وجہ سے حرام ہو جاتا ہے حتیٰ کہ نیتوں اور ارادوں کی وجہ سے بھی۔

پانچویں دلیل :

ان حضرات نے حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ کی اس روایت سے بھی استدلال کیا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :-

---

(۱) مجمع الزوائد جلد ۸ ص ۱۹۱ کتاب الادب

ہر وہ چیز جس کے ساتھ آدمی کھیلے حرام ہے البتہ گھوڑے کی تربیت کرنا، تیر پھینکنا اور اپنی بیوی سے خوش طبعی کرنا۔(۱)

(اس کے جواب میں) ہم کہتے ہیں باطل کا لفظ حرام ہونے پر دلالت نہیں کرتا بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ اس کا فائدہ کوئی نہیں۔ اگر اسے تسلیم کر بھی لیا جائے تو حبشیوں کی طرف دیکھنے کے ذریعے جو لہو و لعب ہو گا وہ ان تینوں سے خارج ہونے کے باوجود حرام نہیں ہے بلکہ غیر محصور کو قیاس کے طور پر محصور کے ساتھ ملایا جائے گا جیسے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

لَا يَحِلُّ دَمُ امْرِئٍ مُسْلِمٍ اِلَّا بِاِحْدٰى ثَلَاثٍ (۲) — کسی مسلمان کا خون تین باتوں کے علاوہ حلال نہیں (قصاص، مرتد ہونا اور شادی شدہ کا زنا کرنا)

تو اس کے ساتھ چوتھی اور پانچویں بات بھی ملائی جا سکتی ہے تو اسی طرح بیوی کے ساتھ ہنسی مذاق میں سوائے لذت کے کوئی فائدہ نہیں ہے۔ تو اس میں اس بات کی دلیل ہے کہ باغوں میں سیر کرنا، پرندوں کی آوازیں سننا اور مختلف قسموں کی گپ شپ جو آدمی کے لیے کھیل کا باعث ہیں ان میں سے کوئی بھی بات حرام نہیں ہے اگرچہ ان کو باطل کہا جا سکتا ہے۔

چھٹی دلیل:

ان حضرات نے حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے اس قول سے بھی استدلال کیا ہے آپ نے فرمایا جب سے میں نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دست اقدس پر بیعت کی ہے اس وقت سے نہ کبھی گانا گایا نہ جھوٹ بولا اور نہ ہی دائیں ہاتھ سے شرمگاہ کو چھوا۔

ہم کہتے ہیں اگر یہ غنا کے حرام ہونے کی دلیل ہے تو دائیں ہاتھ سے آلۂ تناسل کو چھونا بھی حرام ہو گا تو اس سے یہ بات کیسے ثابت ہوئی کہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ صرف حرام کام کو ہی چھوڑتے تھے۔

ساتویں دلیل:

انہوں نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے قول سے بھی استدلال کیا ہے وہ فرماتے ہیں "غنا دل میں منافقت پیدا کرتا ہے" بعض نے اس میں یہ اضافہ نقل کیا ہے کہ جیسے پانی سبزی کو اگاتا ہے (۱) بعض راویوں نے اس قول کو سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کیا ہے۔ لیکن یہ صحیح نہیں ہے۔

کہتے ہیں ایک جماعت حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے پاس سے گزری ان لوگوں نے احرام باندھا ہوا تھا اور ان

---

(۱) مسند امام احمد بن حنبل جلد ۴ ص ۱۴۸ مرویات عقبہ بن عامر الجہنی

(۲) صحیح بخاری جلد ۲ ص ۱۰۱۶ کتاب الایات

(۳) السنن الکبریٰ للبیہقی جلد ۱۰ ص ۲۲۳ کتاب الشہادت

میں ایک آدمی گاتا تھا آپ نے فرمایا سنو! اللہ تعالیٰ تمہاری دعا نہ سنے (دوبار فرمایا)

حضرت نافع رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کے ہمراہ ایک راستے پر جا رہا تھا آپ نے ایک چرواہے سے بانسری (کی آواز) سنی تو اپنی انگلیوں کو کانوں میں ڈال دیا اور پھر راستے سے ہٹ گئے آپ مسلسل فرماتے رہے اے نافع! کیا تم سن رہے ہو؟ حتیٰ کہ میں نے عرض کیا نہیں تو انہوں نے انگلیوں کو باہر نکالا اور فرمایا میں نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اسی طرح کرتے ہوئے دیکھا ہے (۱)

حضرت فضیل بن عیاض رحمہ اللہ فرماتے ہیں گانا زنا کا منتر ہے بعض بزرگوں نے فرمایا غنا گناہ کے جاسوسوں میں سے ایک جاسوس ہے (متلاشی ہے) یزید بن ولید نے کہا اپنے آپ کو گانے سے بچاؤ کیوں کہ یہ حیا کو کم کر دیتا ہے، شہوت کو بڑھاتا ہے اور مروت کو مٹا دیتا ہے یہ شراب کے قائم مقام ہے اور نشے والا عمل کرتا ہے۔ اور اگر تم نے ایسا کرنا ہی ہو تو اسے عورتوں سے دور رکھو کیوں کہ غنا زنا کو دعوت دیتا ہے۔

تو ہم اس کے جواب میں کہتے ہیں کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا قول کہ اس سے منافقت پیدا ہوتی ہے انہوں نے اس سے گانے والے کے حق میں منافقت مراد لی ہے کیونکہ وہ اپنے آپ کو دوسروں پر پیش کرنا چاہتا ہے اور اپنی آواز کو رواج دینا چاہتا ہے اور وہ مسلسل منافقت سے کام لیتا ہے اور لوگوں سے محبت کا اظہار کرتا ہے تاکہ وہ اس کے غنا میں رغبت رکھیں اور اس سے غنا کا حرام ہونا ثابت نہیں ہوتا کیونکہ اچھے کپڑے پہننا اور نرم اور تیز رفتار گھوڑے پر سوار ہونا نیز کھیتی باڑی اور جانوروں کے ذریعے مختلف قسم کی زینت حاصل کرنا اور اس پر فخر کرنا دل میں منافقت اور ریا کو پیدا کرتا ہے لیکن اس تمام عمل کو مطلقاً حرام نہیں کہا جا سکتا۔ اور دل میں منافقت پیدا ہونے کا سبب صرف گناہ ہی نہیں ہیں بلکہ وہ مباح کام جو لوگوں کی نگاہوں میں رہتے ہیں ان کی تاثیر بھی بہت زیادہ ہوتی ہے۔

اسی لیے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ اس گھوڑے سے اتر گئے جو نرم و نازک اور تیز رفتار تھا اور آپ نے اس کی دم کاٹ دی کیونکہ آپ نے اس کی اچھی چال کی وجہ سے دل میں کچھ بڑائی محسوس فرمائی تو یہ منافقت مباح کاموں سے پیدا ہوتی ہے۔

اور جہاں تک حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کے قول کا تعلق ہے کہ اللہ تعالیٰ تمہاری دعا کو نہ سنے تو یہ اس وجہ سے حرام ہونے پر دلالت نہیں کرتی کہ یہ غنا ہے بلکہ اس لیے کہ انہوں نے احرام باندھا ہوا تھا اور ان کے لیے عورتوں کا ذکر مناسب نہ تھا اور ان کے آثار سے آپ کے لیے ظاہر ہو گیا کہ ان کا غنا وجد اور بیت اللہ شریف کی زیارت کے لیے نہ تھا بلکہ محض لہو و لعب تھا اس لیے آپ نے ان پر اعتراض کیا تو آپ کا اعتراض ان کی حالت اور احرام کی وجہ سے تھا۔

---

(۱) سنن ابی داؤد جلد ۲ ص ۳۱۸ کتاب الادب

اور حالات کی حکایات میں کئی معانی کا احتمال ہوتا ہے جہاں تک انگلیوں کو کانوں میں ڈالنے کا تعلق ہے تو اس کے مقابلے میں یہ بات ہے کہ آپ نے حضرت نافع رضی اللہ عنہ کو اس بات کا حکم نہیں دیا اور نہ ہی ان کے سننے پر اعتراض فرمایا آپ نے خود ایسا کیا کیونکہ اس وقت آپ اپنی سماعت اور دل کو اس آواز سے بچانا چاہتے تھے جو بعض لہو کو حرکت دیتا ہے تاکہ وہ اس ذکر و فکر میں رکاوٹ نہ بنے جو اس سے بہتر ہے اسی طرح نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی کیا لیکن آپ نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کو منع نہیں فرمایا تو یہ بات اس کے حرام ہونے پر دلالت نہیں کرتی بلکہ اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ اسے چھوڑنا زیادہ بہتر ہے، اور ہم دیکھتے ہیں کہ اکثر حالات میں اسے چھوڑنا ہی زیادہ بہتر ہوتا ہے بلکہ دنیا کے اکثر مباح کاموں کو چھوڑنا زیادہ اچھا ہے جب معلوم ہو کہ یہ دل پر اثر انداز ہوتے ہیں۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نماز سے فارغ ہوئے تو آپ نے حضرت ابو جہم رضی اللہ عنہ کا (پیش کیا ہوا) کپڑا اتار دیا کیونکہ اس پر بیل بوٹے تھے جن کی وجہ سے آپ کا دل مشغول ہوا (۱) تو کیا تمہارے خیال میں یہ اس بات پر دلالت ہے کہ کپڑے پر بیل بوٹے حرام ہیں؟ اور ممکن ہے کہ جب آپ نے چرواہے کی بانسری کی آواز سنی اس وقت وہ حالت آپ کو مشغول کر رہی ہو جس طرح کپڑے کے بیل بوٹے مشغول کر رہے تھے۔

بلکہ جو لوگ ہمیشہ حق کے حضور رہتے ہیں ان کو غنا کے ذریعے اپنے دلوں میں احوال شریفہ پیدا کرنا کوتاہی ہے اگرچہ دوسرے لوگوں کے لیے یہ تدبیر کمال ہے، اسی لیے حصری نے کہا میں اس راگ کو کیا کروں کہ جب گانے والا مر جائے تو وہ موقوف ہو جائے یہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ اللہ تعالیٰ سے سماع ہی دائمی ہے تو انبیاء کرام علیہم السلام ہمیشہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے سماع اور حاضری کی لذت میں رہتے ہیں وہ کسی حیلے کے ذریعے دل کو حرکت نہیں دیتے۔

جہاں تک حضرت فضیل رحمہ اللہ کے قول کا تعلق ہے کہ یہ زنا کا منتر ہے اور اسی طرح دوسرے اقوال جو اس کے قریب قریب ہیں، تو وہ فاسق لوگوں اور نوجوان لڑکوں کے سماع پر محمول ہے۔ اگر یہ بات عام ہوتی تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے حجرۂ مبارکہ میں دو لڑکیوں کا گانا نہ سنا جاتا۔

قیاس:

جہاں تک قیاس کا تعلق ہے تو جو کچھ ذکر کیا اس کی غایت یہ ہے کہ اس کو تاروں والے باجے پر قیاس کیا جائے لیکن ان میں فرق کا ذکر پہلے ہو چکا ہے یا یوں کہا جائے کہ راگ اس کی طرح لہو و لعب ہے لیکن تمام دنیا لہو و لعب ہے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اپنی زوجہ سے فرمایا تم گھر کے کونے میں ایک کھلونا ہو تو عورتوں کے ساتھ ہر قسم کی دل لگی اور ہنسی کھیل لہو و لعب ہی تو ہے البتہ اس سے قربت اس میں شامل نہیں کیونکہ وہ بچے کی پیدائش کا سبب ہے اسی طرح وہ

(۱) صحیح مسلم جلد اول ص ۲۰۸ کتاب المساجد

مزاج جس میں فحش کلامی نہ ہو، جائز ہے یہ بات نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے منقول ہے، جسے اس کی تفصیل زبان کی آفات کے بیان میں آئے گی ان شاء اللہ تعالیٰ!

حبشیوں اور زنگیوں کے کھیل سے بڑھ کر کونسا کھیل ہوگا لیکن اس کی اباحت نص سے ثابت ہے علاوہ ازیں میں کہتا ہوں کہ کھیل دل کو راحت پہنچاتا ہے اور اس سے فکر کا بوجھ کم کرتا ہے اگر دلوں سے زبردستی کام لیا جائے تو وہ اندھے ہو جائیں گے اور اسے آرام پہنچانا محنت پر مدد کرتا ہے مثلاً جو آدمی فقہ پڑھتا ہے اسے جمعہ کے دن چھٹی کرنی چاہیئے کیوں کہ ایک دن کی چھٹی باقی دنوں میں سکون اور نشاط کا باعث ہے اور جو آدمی ہمیشہ نفل پڑھتا ہے وہ بھی کسی وقت آرام کرے یہی وجہ ہے کہ بعض اوقات میں نماز پڑھنا مکروہ ہے تو چھٹی کام پر مددگار ثابت ہوتی ہے اور کھیل محنت اور کوشش پر معاون ہوتا ہے اور محض محنت اور کڑوے سچ پر صرف انبیاء کرام علیہم السلام کے نفوس قدسیہ ہی صبر کر سکتے ہیں تو تھکاوٹ اور ملال کی بیماری کا علاج اور دوا کھیل ہے لہٰذا یہ مباح ہونا چاہیئے لیکن یہ زیادہ نہیں ہونا چاہیے جیسے دوا زیادہ استعمال نہیں کی جاتی۔

پس اس نیت سے (کہ کام کاج کے لیے تر و تازگی حاصل ہو جائے) کھیل بھی ثواب کا باعث بن جاتا ہے اور یہ اس شخص کے حق میں ہے جس کے دل سے سماع صفات محمودہ کو حرکت نہیں دیتا جس کی تحریک مقصود ہو۔ بلکہ اسے محض لذت اور استراحت حاصل ہو تو اس کے لیے سماع مستحب ہونا چاہیئے تاکہ اس کے ذریعے اس مقصد تک پہنچ سکے جس کا ہم نے ذکر کیا ہاں یہ درجہ کمال سے نقصان پر دلالت کرتا ہے کیوں کہ کامل شخص وہ ہے جو اپنے نفس کو اللہ تعالیٰ کے سوا کسی سے آرام پہنچانے کا محتاج نہیں ہوتا لیکن نیک لوگوں کی نیکیاں، مقربین کے گناہ ہوتے ہیں اور جو شخص دلوں کے علاج سے متعلق علم رکھتا ہو اور ان کو حق کی طرف لے جانے کے لیے لطیف حیلے استعمال کرتا ہو اسے قطعی طور پر علم ہوتا ہے کہ دل کو ان جیسی چیزوں سے آرام پہنچانا ایسی نافع دوا ہے جس کے بغیر کوئی چارہ نہیں۔

———— ٥ ————

دوسرا باب

سماع کے آثار اور آداب

جان لو کہ سماع کا درجہ سنی ہوئی بات کو سمجھنا اور اسے اس معنیٰ پر چسپاں کرنا ہے جو سننے والے کے لیے واقع ہوتا ہے پھر اس فہم کا نتیجہ وجد کی صورت میں نکلتا ہے اور وجد کے نتیجے میں اعضا میں حرکت پیدا ہوتی ہے تو اس اعتبار سے تین مقامات ہیں۔

پہلا مقام (سمجھنا)

یہ مقام سننے والے کے حالات کے اعتبار سے مختلف ہوتا ہے اور سننے والے کی چار حالتیں ہیں۔

پہلی حالت:

سماع محض طبعی طور پر ہو یعنی سماع سے صرف خوش آوازی اور نغمات کی لذت حاصل کرنا مطلوب ہو اور یہ مباح ہے۔ اور یہ سماع کا سب سے ہلکا درجہ ہے کیونکہ اس میں اونٹ بھی شریک ہوتے ہیں بلکہ تمام جانور شریک ہیں، بلکہ اس ذوق کا تقاضا تو صرف زندگی کرتی ہے ہر حیوان اچھی آوازوں سے کسی نہ کسی قسم کی لذت حاصل کرتا ہے۔

دوسری حالت:

اس کو سمجھتے ہوئے سنے لیکن اسے کسی مخلوق کی صورت پر منطبق کرے چاہے وہ صورت معین ہو یا غیر معین اور یہ نوجوانوں اور شہوت پرست لوگوں کا سماع ہے۔ وہ اسی سنے ہوئے کلام کو اپنی شہوتوں اور اپنے حالات کے مطابق ڈھالتے ہیں یہ حالت اس قابل نہیں کہ اسے بیان کیا جائے بلکہ اس کی خسیس بدنے اور اس سے ممانعت کا ذکر ہی کافی ہے۔

تیسری حالت:

جو کچھ سنا اسے اپنے ذاتی حالات پر جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ معاملات سے متعلق ہیں، ڈھالے یعنی کبھی اس کے حالات کا بدلنا ممکن ہوتا ہے اور کبھی مشکل ـــــ یہ مریدیں خصوصاً ابتدائی لوگوں کا سماع ہے کیونکہ مرید کی لامحالہ ایک مراد ہوتی ہے اور وہی اس کا مقصود ہوتا ہے اور اس کا مقصود اللہ تعالیٰ کی معرفت، اس سے ملاقات اور بطور مشاہدہ اس تک پہنچنا ہے یعنی اس سے پردے بن جائیں اور وہ باطنی مشاہدہ کرے اور اس کے لیے اس کے مقصد میں ایک راستہ ہوتا ہے جس پر وہ چلتا ہے اور معاملات ہوتے ہیں جن پر وہ مواظبت کرتا ہے اور کچھ حالات ہوتے ہیں جو اس کو درپیش ہوتے ہیں جب

وہ عتاب و خطاب یا قبول ورد یا وصل و فرقت یا قرب و بُعد یا فوت شدہ چیز پر افسوس یا متوقع چیز کے اشتیاق یا کسی وارد ہونے والی چیز کے شوق یا طمع یا نا امیدی یا وحشت یا انس ایفائے عہد یا نقض عہد، خوف فراق یا وصل کی خوشی، دوست کو دیکھنے یا رقیب کو دور کرنے، اشک افشانی یا پے در پے افسوس یا لمبی جدائی یا وعدہ وصال یا کسی اور چیز کا ذکر سنتا ہے، جن کا بیان اشعار میں ہوتا ہے تو ان میں سے بعض کا مرید کے حالات کے مطابق ہونا ضروری ہے جو چقماق کے پتھر کی طرح ہوتا ہے کہ اسے دل کی لکڑی پر رگڑتا ہے تو اس سے دل کی آگ بھڑک اٹھتی ہے اور شوق کا ابھار اور غلبہ مضبوط ہوتا ہے اور اس کے باعث حالات اس کی عادت کے خلاف جمع ہو جاتے ہیں اور اس کے لیے کافی گنجائش ہوتی ہے کہ الفاظ کو اپنے حالات پر ڈھال دے۔ اور سننے والے پر لازم نہیں کہ وہ اشعار سے وہی بات سمجھے جو شاعر کی مراد ہو بلکہ ہر کلام کے کئی مفہوم ہوتے ہیں اور ہر سمجھدار آدمی اس سے اپنی سمجھ کے مطابق معانی نکال سکتا ہے ہم کچھ مثالیں بیان کرتے ہیں جن سے پتہ چلتا ہے کہ لوگوں نے کس طرح الفاظ کو اپنے مقصود پر ڈھال لیا تاکہ کوئی جاہل یہ گمان نہ کرے کہ جن اشعار میں منہ، رُخسار اور زلفوں کا ذکر ہے تو ان سے ظاہری معنیٰ ہی سمجھے جائیں گے اور فہم معنیٰ کی کیفیت کی طرف جانے کی حاجت نہیں ہوگی تو اہل سماع کے واقعات سے یہ بات منکشف ہو جاتی ہے۔

کہا جاتا ہے کہ ان میں سے کسی سے کہا۔

مجھ سے قاصد نے کہا کل ملو گے تو میں نے کہا جو کچھ کہتے ہو اس کی تمہیں سمجھ بھی ہے۔

اس بات اور خوش آوازی نے اسے حرکت دی اور وہ وجد میں آکر اسے بار بار پڑھنے لگا اور اس نے مخاطب کے صیغے کو متکلم صیغے کے طور پر پڑھا اور پہلے مصرعہ کو یوں پڑھا" قاصد نے کہا ہم کل ملیں گے "، حتیٰ کہ سرور لذت اور خوشی کی شدت کے باعث وہ بیہوش ہو گیا جب اسے افاقہ ہوا تو پوچھا گیا تمہیں وجد کیسے آگیا تو اس نے کہا میں نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا قول یاد کیا آپ نے فرمایا۔

جنت والے ہفتہ میں ایک بار اپنے رب کی زیارت کریں گے(۱)

رقی نے ابن دراج سے نقل کیا وہ فرماتے ہیں میں اور ابن قوطی بصرہ اور ابلہ کے درمیان دجلہ کے کنارے چل رہے تھے تو ایک خوبصورت محل نظر آیا وہاں ایک شخص بیٹھا ہوا تھا جس کے سامنے لونڈی یوں گا رہی تھی۔

"تم روزانہ بدلتے ہو تمہیں اس کے علاوہ بھی کچھ زیبا ہے"

اتفاقاً ایک خوبصورت نوجوان برآمدے سے نمودار ہوا جس کے ہاتھ میں ڈول تھا اور اس نے گدڑی پہن رکھی تھی اور وہ یہ کلام سن رہا تھا اس نے کہا خدا کی بندی! تجھے اللہ تعالیٰ اور تیرے مالک کی قسم مجھے یہ شعر دوبارہ سنا اس نے

---

(۱) کنز العمال جلد ۱۰ص ۱۵۰ حدیث ۲۸۷۶۷

دوبارہ پڑھا تو وہ نوجوان کہنے لگا اللہ تعالیٰ کی قسم حق کے ساتھ میری حالت کی تبدیلی یہی ہے پھر ایک نعرہ مارا اور مر گیا۔
راوی نے کہا اب ہم پر ایک فرض لازم ہو گیا چنانچہ ہم (اس کی تجہیز و تکفین کے لیے) وہاں ٹھہر گئے اور محل کے مالک نے لونڈی سے کہا میں نے تجھے اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے آزاد کر دیا۔
راوی کہتے ہیں پھر اہل بصرہ آئے اور انھوں نے اس نوجوان کی نماز جنازہ پڑھی جب دفن کر کے فارغ ہوئے تو محل کے مالک نے کہا میں تم سب کو گواہ بناتا ہوں کہ میری ہر چیز اللہ تعالیٰ کے لیے وقف ہے، تمام لونڈیاں آزاد ہیں اور یہ محل بھی راہِ خداوندی میں دیتا ہوں، کہتے ہیں پھر اس نے اپنے کپڑے اتارے ایک تہبند باندھ لیا اور ایک چادر اوپر لے لی جدھر دل کرتا چلا جاتا اور لوگ اس کی طرف دیکھتے رہتے حتیٰ کہ وہ لوگوں کی نظروں سے غائب ہو گیا اور وہ رو رہے تھے اس کے بعد اس کے بارے میں کچھ پتہ نہ چلا۔
مطلب یہ ہے کہ وہ نوجوان ہر وقت اپنی حالت میں حق کے ساتھ مستغرق تھا اور اسے معلوم تھا کہ وہ معاملہ میں حسنِ ادب پر ثابت رہنے سے عاجز ہے، وہ اپنے دل کے بدلنے اور حق کے راستوں سے اِدھر اُدھر ہونے کی وجہ سے افسوس کھاتا تھا، تو جب اس کے کانوں میں وہی بات پڑی جو اس کے حال کے موافق تھی تو اس نے اسے اللہ تعالیٰ کی طرف سے سنا گویا اللہ تعالیٰ اس سے مخاطب ہے اور فرما رہا ہے۔ کہ تم روزانہ بدلتے ہو اگر ایسا نہ کرو تو اچھا ہے۔
اور جس کا سماع اللہ تعالیٰ کی طرف سے اور اس کے لیے ہو تو اس کو چاہیے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات اور اس کی صفات کی معرفت کا علم خوب یاد کرے ورنہ سماع سے اس کے حق میں خطرہ ہے کہ کہیں اللہ تعالیٰ کے بارے میں ایسی بات کا تصور نہ کرے جو اس کے لیے محال ہے اور یوں وہ کفر کر بیٹھے —— تو ابتدائی مرید کے لیے سماع میں خطرہ ہے۔ البتہ جو کچھ سنے اسے اپنی حالت پر ڈھالے اس طرح کہ وہ اللہ تعالیٰ کی صفات سے متعلق نہ ہو اور اس میں یہی شعر غلطی کی مثال ہے کہ اگر وہ اپنے آپ کو متکلم اور اللہ تعالیٰ کو مخاطب سمجھے تو اس طرح حالات کے بدلنے کو اللہ تعالیٰ کی نسبت کرنے کی وجہ سے کافر ہو جائے گا۔ اور یہ بات کبھی محض جہالت کی وجہ سے ہوتی ہے جس میں تحقیق کی آمیزش بالکل نہیں ہوتی اور بعض اوقات جہالت کے ساتھ تحقیق بھی ملی ہوتی ہے مثلاً وہ دل کے حالات کی تبدیلی بلکہ تمام جہاں کے حالات کے بدلنے کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے سمجھے اور یہ حق ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کبھی اس کے دل کو کشادہ کرتا ہے اور کبھی تنگ کر دیتا ہے، کبھی نورانی بنا دیتا ہے اور کبھی ظلمانی، کبھی اسے سخت کر دیتا ہے اور کبھی نرم، کبھی اسے اپنی عبادت پر ثابت رکھتا اور مضبوط کرتا ہے اور کبھی اس پر شیطان کو مسلط کر دیتا ہے تاکہ وہ اسے حق کے راستوں سے پھیر دے اور یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوتا ہے۔
اور جس شخص سے اوقات قریبہ میں مختلف احوال سرزد ہوں تو اسے عرف میں متلون مزاج اور غیر مستقل کہا جاتا ہے اور شاید شاعر نے اپنے محبوب کو ہی متلون مزاج کہا ہو کہ کبھی وہ اسے قبول کرتا ہے اور کبھی رد کرتا ہے کبھی اسے قریب

کرتا ہے اور کبھی دُور کر دیتا ہے یہی معنیٰ ہے لیکن اللہ تعالیٰ کے حق میں سماع کو اس معنیٰ میں لینا کفر ہے بلکہ یہ عقیدہ مناسب ہے کہ اللہ تعالیٰ دوسروں کو بدلتا ہے خود نہیں بدلتا، دوسروں میں تبدیلی لاتا ہے خود متغیر نہیں ہوتا جب کہ بندوں کا معاملہ الگ ہے اور یہ علم مرید کو تقلیدی ایمانی اعتقاد کے ذریعے حاصل ہوتا ہے جب کہ عارف صاحب بصیرت کو کشف حقیقی یقین کے ذریعے ہوتا ہے۔

یہ اللہ تعالیٰ کے عجیب اوصاف میں سے ہے کہ وہ دوسروں کو بدلتا ہے خود نہیں بدلتا۔ اور یہ بات صرف اللہ تعالیٰ کے حق میں تصور کی جاسکتی ہے کیونکہ اس کے سوا جتنے بدلنے والے ہیں وہ اسی وقت بدلتے ہیں جب خود بدل جائیں۔ وجد والے لوگوں میں سے بعض وہ ہیں جن پر نشہ میں مدھوش آدمی جیسی حالت غالب ہوتی ہے ایسی حالت میں ان کی زبان اللہ تعالیٰ کے ساتھ عتاب پر کھل جاتی ہے اور وہ اس بات کو بعید جانتے ہیں کہ اس نے دلوں کو اپنا مطیع بنا رکھا ہے اور احوال کو مختلف صورتوں میں تقسیم کر دیا ہے وہی صدیقین کے دلوں کو صاف رکھتا اور منکرین اور مغرور لوگوں کے دلوں کو دور رکھتا ہے۔ تو جو کچھ وہ عطا کرتا ہے اسے کوئی روک نہیں سکتا اور جس سے روکے اسے کوئی دے نہیں سکتا کفار سے جو توفیق منقطع کی تو وہ کسی پہلے جرم کی وجہ سے نہیں اور انبیاء کرام علیہم السلام کو جو اپنی توفیق اور نور ہدایت سے مدد دیتا ہے تو وہ بھی کسی سابقہ وسیلہ کی بنیاد پر نہیں ہوتا۔

بلکہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

وَلَقَدْ سَبَقَتْ كَلِمَتُنَا لِعِبَادِنَا الْمُرْسَلِيْنَ (۱)

ہمارے بھیجے ہوئے بندوں کے لیے ہمارا حکم پہلے ہو چکا ہے۔

اور ارشاد خداوندی ہے:

وَلٰكِنْ حَقَّ الْقَوْلُ مِنِّيْ لَاَمْلَئَنَّ جَهَنَّمَ مِنَ الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ اَجْمَعِيْنَ - (۲)

اور میری طرف سے یہ بات ثابت ہے کہ میں اکٹھے جنوں اور انسانوں سے جہنم کو بھر دوں گا۔

اور ارشاد باری تعالیٰ ہے:

اِنَّ الَّذِيْنَ سَبَقَتْ لَهُمْ مِّنَّا الْحُسْنٰى اُولٰٓئِكَ عَنْهَا مُبْعَدُوْنَ۔

بے شک جن لوگوں کے لیے ہماری طرف سے بھلائی لکھی جاچکی ہے، وہ اس (جہنم) سے دُور ہوں گے۔

---

(۱) قرآن مجید سورۂ الصافات آیت ۱۷۱

(۲) قرآن مجید سورۂ السجدہ آیت ۱۳

(۳) قرآن مجید سورۂ الانبیاء آیت ۱۰۱

اگر تمہارے دل میں یہ خیال آئے کہ تقدیر سابق ہی کیوں مختلف ہوئی جب کہ بندہ ہونے میں سب مشترک ہیں تو تمہیں جلال کے پردوں سے آواز آئے گی کہ حدِادب سے تجاوز نہ کرو کیوں کہ جو کچھ اللہ تعالیٰ کرتا ہے اس سے اس کے بارے میں سوال نہیں ہوگا جب کہ بندوں سے (ان کے اعمال کے بارے میں) پوچھا جائے گا۔

حقیقت تو یہ ہے کہ ظاہری طور پر ادب کرنے پر تو اکثر لوگ قادر ہیں لیکن باطن میں ایسے ظاہری اختلاف کا بعید معلوم نہ ہونا کہ کوئی قریب ہو اور کوئی بعید، کوئی بد بخت ہے کوئی نیک بخت اور یہ سعادت و شقاوت ہمیشہ کے لیے رہے اس کو معلوم کرنے پر صرف راسخ علماء ہی قادر ہوتے ہیں اسی لیے حضرت خضر علیہ السلام سے جب کسی نے خواب میں سماع کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے فرمایا یہ نہایت صاف اور پھسلنے والا مقام ہے اس پر صرف علماء کرام کے قدم ٹھہرتے ہیں اس لیے کہ غنا دلوں کے رازوں کو حرکت دیتا ہے اور ان کو اس طرح تشویش میں ڈالتا ہے جس طرح مدہوش نشے والے آدمی کو پریشان کر دیتا ہے اور قریب ہوتا ہے کہ وہ باطنی طور پر ادب کی گرہ کھول دے البتہ جس شخص کو اللہ تعالیٰ اپنے نور ہدایت کے ذریعے محفوظ فرمائے اسی لیے کسی بزرگ نے فرمایا کاش ہم اس سماع سے برابر چھوٹ جائیں (کہ نہ ہمیں ثواب ہو اور نہ ہی عذاب) اور اس قسم کے سماع میں جو خطرہ ہوتا ہے وہ اس سماع سے زیادہ خطرناک ہے جو شہوت کو حرکت دیتا ہے کیونکہ اس کی انتہاء گناہ ہے اور اس مقام پر غلطی موجب کفر ہے۔

جان لو کہ سننے والے کے حالات کے اعتبار سے سماع کا فہم بھی مختلف ہوتا ہے ایک گھر میں سماع کو سننے والے دو آدمیوں پر وجد غالب ہوتا ہے لیکن ان میں سے ایک سمجھنے میں درست راہ پر ہوتا ہے اور دوسرا غلطی کا مرتکب ہوتا ہے یا دونوں ٹھیک سمجھتے ہیں لیکن وہ ایسے دو معنی سمجھتے ہیں جو ایک دوسرے کی ضد ہیں لیکن چونکہ ان کے حالات مختلف ہوتے ہیں اس لیے ان میں تضاد نہیں ہوتا جیسے عتبہ غلام سے منقول ہے کہ انہوں نے ایک شخص کو کہتے ہوئے سنا۔

"آسمانوں والی جبار ذات پاک ہے اور محبت کرنے والا آزمائش میں ہے"

انہوں نے کہا تم نے سچ کہا ایک دوسرے شخص نے سنا تو اس نے کہا تم نے جھوٹ کہا بعض اصحابِ بصیرت نے کہا کہ دونوں کی بات درست ہے اور یہی حق ہے کیونکہ تصدیق اس محب کا کلام ہے جو مراد تک نہیں پہنچا بلکہ وہ رُکا ہوا ہے اور اس رکاوٹ اور فراق کی وجہ سے تھکا ہوا ہے جب تکذیب ایک ایسے محب کا کلام ہے جسے محبوب سے انس ہے اور وہ فرطِ محبت میں اس کے ہاتھوں سے پہنچنے والی تکلیف میں بھی لذت محسوس کرتا ہے یا ایسے محب کا کلام ہے جو فی الحال اپنی مراد سے روکا نہیں گیا اور مستقبل میں پیش آنے والی رکاوٹ کے خطرے سے واقف نہیں ہے کیونکہ اس کے دل پر امید اور حسنِ ظن کا غلبہ ہے تو ان حالات کے اختلاف سے سمجھنے میں بھی اختلاف ہے۔

ابوالقاسم بن مروان جو ابوسعید خراز کی صحبت میں رہتے تھے انہوں نے کئی سال تک سماع میں حاضری کو چھوڑے رکھا ان کے بارے میں منقول ہے کہ وہ ایک دعوت میں حاضر ہوئے وہاں ایک شخص کو گاتے ہوئے سنا۔

"وہ پانی میں پیاسا کھڑا ہے لیکن وہ پیتا نہیں ہے۔"

یہ سن کر لوگ کھڑے ہو گئے اور وجد میں آ گئے جب وہ سکون میں ہوئے تو انہوں نے پوچھا کہ تم نے اس شعر کا کیا معنیٰ سمجھا ہے؟ تو انہوں نے حالاتِ شریفہ کی پیاس کی طرف اشارہ کیا کہ ان کے اسباب موجود ہونے کے باوجود ان سے محرومی ہے اس جواب سے ان کو تشفی نہ ہوئی پھر ان لوگوں نے ان سے پوچھا کہ اس سلسلے میں آپ کیا سمجھے ہیں؟ انہوں نے فرمایا اس کا مطلب یہ ہے آدمی احوال کے وسط میں ہو اور کرامات سے اسے نواز اجائے لیکن اصل حقیقت سے کچھ عطا نہ کیا جائے اور یہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ حقیقت احوال و کرامات کے بعد ثابت ہوتی ہے۔ احوال ان سب سے پہلے ہیں اور کرامات ان کے مبادی ہیں اور حقیقت تک ابھی رسائی نہیں ہوئی انہوں نے جو کچھ سمجھا اور جو کچھ ان لوگوں نے ذکر کیا دونوں میں صرف پیاسے (مشتاق) کے درجے میں فرق ہے جو آدمی احوالِ شریفہ سے محروم ہے وہ پہلے ان احوال کا مشتاق ہوتا ہے اگر ان پر قادر ہو جائے تو اس سے اوپر والے درجہ کا شوق رکھتا ہے تو مفہوم کے اعتبار سے دونوں معنوں کے درمیان فرق نہیں ہے بلکہ دو رتبوں کا اختلاف ہے۔

حضرت شبلی رحمہ اللہ اس شعر پر عام طور پر وجد میں آجاتے تھے تیری الفت فراق ہے اور تیری محبت دشمنی تیرا وصال قطع ہے اور تیری صلح لڑائی ہے۔

یہ شعر کئی مختلف طریقوں پر سنا جا سکتا ہے جن میں سے بعض حق اور بعض باطل ہیں سب سے زیادہ ظاہر یہ ہے کہ اسے مخلوق کے حق میں بلکہ دنیا اور اس کے اسرار کے حق میں بلکہ اللہ تعالیٰ کے سوا سب کے حق میں سمجھا جائے کیونکہ دنیا مکار اور دھوکہ باز ہے دنیا داروں کو ہلاک کرتی اور باطنی طور پر ان کی دشمن ہے لیکن ظاہری طور پر دوستی دکھاتی ہے۔ جس مکان کو سرور سے بھرتی ہے اس کا برا حال کر دیتی ہے جیسا کہ حدیثِ شریف میں آیا ہے (۱) ثعلبی نے دنیا کا وصف یوں بیان کیا ہے۔

دنیا سے بھاگ اس کو نسبت کا پیام نہ دے کیوں کہ ایسی عورت کو نکاح کا پیام نہیں دیا جاتا جو نکاح کرنے والے (شوہر) کو ہلاک کر دے اس کی امیدوں کے مقابلے میں خوف اور مکروہات زیادہ ہیں جب تم سوچو گے تو اس بات کو ترجیح دو گے۔ اس کی تعریف لوگوں نے بہت زیادہ کی ہے لیکن میں ایک ہی تشبیہ دیتا ہوں کہ یہ ایک شراب ہے جس کی انتہا کڑوی ہے تیز رفتار سواری ہے لیکن جب اس پر سوار ہو تو بدلگام ہو جاتی ہے یہ ایسا حسین آدمی ہے جس کا حسن لوگوں کو متاثر کرتا ہے لیکن اس کے باطن میں خباثت عام ہے۔

اور دوسرا معنیٰ یہ ہے کہ اس شعر کو اللہ تعالیٰ کے حق کے سلسلے میں اپنے نفس پر ڈھالے کیونکہ جب وہ غور کرے گا

---

(۱) کتاب الزہد والرقائق ص ۸۹ حدیث ۲۶۳

تو خود اس کی معرفت جہالت ہو گی کیوں کہ اللہ تعالیٰ نے خود فرمایا۔

وَمَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖ ۔ (۱) — اور انہوں نے اس طرح اللہ تعالیٰ کی قدر نہیں کی جس طرح چاہیے تھی۔

اس کی عبادت ریا کاری ہے کیوں کہ وہ اللہ تعالیٰ سے اس طرح نہیں ڈرتا جس طرح ڈرنا چاہیے اور اس کی محبت بھی بیمار ہے کیوں کہ وہ اس کی محبت میں کسی خواہش کو قربان نہیں کرتا اور اللہ تعالیٰ جس کو بھلائی عطا کرنا چاہے اسے اس کے نفس کے عیبوں پر مطلع کر دیتا ہے تو وہ اس شعر کے مصداق کو اپنے اندر دیکھتا ہے اگرچہ وہ غافل لوگوں کی نسبت بلند مرتبہ ہو۔

اسی لئے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

لَا اُحْصِيْ ثَنَاءً عَلَيْكَ اَنْتَ كَمَا اَثْنَيْتَ عَلٰى نَفْسِكَ ۔ (۲) — میں کما حقہ تیری ثناء بیان نہیں کر سکتا تو اسی طرح ہے جس طرح تو نے خود اپنی تعریف بیان فرمائی ہے۔

اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے۔

اِنِّيْ لَاَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ فِي الْيَوْمِ وَاللَّيْلَةِ سَبْعِيْنَ مَرَّةً ۔ (۳) — بے شک میں رات دن میں اللہ تعالیٰ سے ستر بار بخشش مانگتا ہوں۔

آپ کا استغفار ان احوال کے اعتبار سے تھا جنہیں آپ آنے والے درجات کے مقابلے میں بعید جانتے تھے اگرچہ پہلے کی نسبت وہ قرب تھا تو ہر قرب کے بعد قرب ہوتا ہے جس کی کوئی انتہا نہیں۔

کیوں کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سلوک کا راستہ غیر متناہی ہے اور انتہائی درجہ تک پہنچنا محال ہے۔

تیسرا معنی یہ ہے کہ وہ اپنے احوال کے مبادی کو دیکھ کر ان پر راضی رہے پھر ان کے انجام کو دیکھ کر انہیں حقیر جانے کیونکہ اب وہ ان میں پوشیدہ غرور پر مطلع ہو جائے گا۔ تو اسے اللہ تعالیٰ کی طرف سے دیکھے۔ اور اس شعر کو اللہ تعالیٰ کے حق کے سلسلے میں سنے اور اسے قضا و قدر کی شکایت پر ڈھالے اور یہ کفر ہے جیسے پہلے بیان ہوا اور ہر شعر کو کئی معانی پر محمول کیا جا سکتا ہے اور یہ سننے والے کے علم کی جودت اور دل کی صفائی کے اعتبار سے ہوتا ہے۔

چوتھی حالت:

---

(۱) قرآن مجید، سورۃ الانعام آیت ۹۱

(۲) مسند امام احمد بن حنبل جلد ۶ ص ۵۸ مرویات عائشہ

(۳) سنن ابی داؤد جلد اوّل ص ۲۱۲ کتاب الصلوٰۃ

چوتھی حالت اس آدمی کا سماع جو احوال و مقامات سے تجاوز کر گیا چنانچہ وہ اللہ تعالیٰ کے سوا کچھ سمجھنے حتیٰ کہ اپنے نفس اور اس کے احوال و مقامات کو سمجھنے سے بھی قاصر ہو گیا۔ اور یہ اس شخص کی طرح ہے جو بیہوش ہے اور شہود کے چشمہ میں غوطہ زن ہے اور یہ وہ شخص ہے جس کی حالت ان عورتوں کی طرح ہو گئی جنہوں نے حسنِ یوسف علیہ السلام کو دیکھ کر اپنی انگلیاں کاٹ دی تھیں حتیٰ کہ وہ مدہوش ہو گئیں اور انہیں احساس تک نہ رہا۔

اسی قسم کی حالت کو صوفیا کرام فنا عن النفس سے تعبیر کرتے ہیں تو جب آدمی فنا عن النفس ہو جائے تو دوسروں سے بدرجۂ اولیٰ فنا ہو جاتا ہے گویا وہ اس ایک ذات مشہور کے علاوہ سب سے فنا ہو جاتا ہے بلکہ وہ شہود سے بھی فنا ہو جاتا ہے کیوں کہ جب دل شہود کی طرف اور نفس کی طرف متوجہ ہو کہ وہ مشاہدہ کرتا ہے تو وہ مشہود ذات سے غافل ہو جاتا ہے جیسے کوئی شخص کسی دکھائی دینے والی چیز کا فریفتہ ہو تو اسے حالتِ استغراق میں جب وہ اسے دیکھ رہا ہو نہ اپنے آپ کو دیکھنے کی طرف توجہ ہوتی ہے نہ اپنی اس آنکھ کی طرف جس کے ساتھ اسے دیکھ رہا ہے اور نہ دل کی طرف جس کے ذریعے اس کی لذت حاصل ہوتی ہے جو نشے میں ہو اس کو اپنے نشے کا بھی علم نہیں ہوتا اور جسے لذت حاصل ہو وہ لذت سے بے خبر ہوتا ہے وہ تو صرف اسی کی طرف متوجہ ہوتا ہے جس سے لذت حاصل ہو رہی ہے۔

اس کی مثال کسی چیز کا علم ہے کہ یہ اس چیز کے جاننے کا علم ہونے کے خلاف ہے کیوں کہ کسی چیز کو جاننے والا جب اسے اس بات کا علم ہوتا ہے کہ وہ فلاں چیز کا علم رکھتا ہے تو وہ اس چیز سے اعراض کرنے والا ہوتا ہے اس قسم کی حالت کبھی مخلوق کے حق میں طاری ہوتی ہے لیکن خالق کے حق میں بھی طاری ہوتی ہے لیکن عام طور پر یہ چمکنے والی بجلی کی طرح ہوتی ہے یہ باقی نہیں رہتی۔ اور اگر باقی رہے تو انسانی طاقت اس کو برداشت نہیں کر سکتی بلکہ بعض اوقات وہ اس کے بوجھ کے نیچے ایسا مضطرب ہوتا ہے کہ اس سے اس کا نفس ہلاک ہو جاتا ہے جیسے حضرت ابوالحسن نوری رحمہ اللہ سے مروی ہے کہ آپ ایک مجلسِ سماع میں حاضر ہوئے تو انہوں نے یہ شعر سنا۔

میں تیری محبت میں ہمیشہ ایسی منزل میں پہنچا ہوں جہاں اترتے وقت عقلیں حیران رہ جاتی ہیں۔

یہ سن کر وہ کھڑے ہو گئے اور ان پر وجد طاری ہو گیا اور جدھر منہ آیا چلائے اتفاقاً ایک جنگل میں پہنچے جس کے بانس کاٹ دیئے گئے تھے اور ان کی جڑیں (تیز دھار) تلوار کی طرح کھڑی تھیں وہ ان میں دوڑتے رہے اور صبح تک اس شعر کو بار بار پڑھتے رہے ان کے پاؤں سے خون جاری تھا حتیٰ کہ پاؤں اور پنڈلیاں سوج گئیں اس کے بعد چند دن زندہ رہے اور پھر انتقال کر گئے۔ تو سماع کے اشعار کو سمجھنے اور وجد کے سلسلے میں یہ صدیقین کا درجہ ہے یہ سب سے اعلیٰ درجہ ہے کیوں کہ احوال پر سماع درجاتِ کمال سے ناقص ہے کیوں کہ بشری صفات سے ملا ہوا ہے اور وہ ایک طرح سے ناقص ہیں کمال تو یہ ہے کہ اپنے نفس اور احوال سے مکمل طور پر فنا ہو جائے مطلب یہ ہے کہ ان کو بھول جائے اور اب ان کی طرف اس کی توجہ بالکل نہ رہے جیسے مصر کی عورتوں کی توجہ اپنے ہاتھوں اور چھریوں کی طرف بالکل نہ تھی۔ اب وہ سماع کی مجلس میں

اللہ تعالیٰ کے لیے اس کے ساتھ اسی کی طرف سے ہو کر سنے یہ ان لوگوں کا درجہ ہے جو حقائق کے سمندر میں غوطہ زن ہوتے ہیں اور احوال و اعمال کے ساحل کو پار کر لیتے ہیں اب وہ صفات توحید اور محض اخلاص کے ساتھ رل مل جائے اب اس میں خودی کا کوئی نشان باقی نہ رہے بلکہ اس کی بشریت بالکل مٹ جائے اور صفات بشریہ کی طرف اس کی توجہ بھی فنا ہو جائے، اس سے ہماری مراد جسمانی فنا نہیں بلکہ دل کا فنا ہونا مراد ہے اور دل سے مراد بھی گوشت اور خون نہیں بلکہ سرِ لطیف مراد ہے جسے ظاہری دل کے ساتھ ایک پوشیدہ نسبت ہوتی ہے اور اس کے پیچھے سرِ رُوح ہے جو اللہ تعالیٰ کے امر سے ہے ۔ جس نے اسے پہچانا اس نے پہچانا اور جو اس سے ناواقف رہا وہ بے خبر ہی رہا اس سر (راز) کے لیے بھی ایک وجود ہے اور اس کے وجود کی صورت وہی ہے جو اس میں موجود ہے اب اگر اس میں غیر موجود ہو تو گویا اس حاضر چیز کے علاوہ کوئی وجود نہیں اس کی مثال ایک صاف شفاف شیشے جیسی ہے کہ اس کا اپنا کوئی رنگ نہیں ہوتا بلکہ جو کچھ اس میں آتا ہے اس کا رنگ ہی شیشے کا رنگ ہوتا ہے اسی طرح شیشے کا برتن بھی اسی چیز کے رنگ کو ظاہر کرتا ہے جو اس میں ہو اس کا رنگ وہی ہوتا ہے جو اس میں موجود چیز کا ہوتا ہے ذاتی طور پر اس کی کوئی صورت نہیں بلکہ اس کی صورت یہی ہے کہ وہ مختلف صورتوں کو قبول کرتا ہے۔

اور اس کا رنگ وہ استعداد ہے جو مختلف رنگوں کو قبول کرتی ہے، دل میں جو کچھ حاضر ہوتا ہے اس کی طرف دل کی نسبت سے حقیقت کا اظہار شاعر کے اس قول سے ہوتا ہے ۔ اس نے کہا۔

جب شیشے کا برتن اور شراب دونوں پتلے ہوں تو دونوں کی شکل ایک جیسی ہوتی ہے گویا یہ شراب ہے پیالے کا وجود ہی نہیں اور گویا پیالہ ہے شراب موجود نہیں۔

یہ مقام، علوم مکاشفہ کے مقامات سے ہے جس سے بعض لوگوں نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ اتحاد اور حلول کا دعویٰ کیا اور "انا الحق"، (میں حق ہوں) کہا اور اسی کے گرد نصاریٰ کے اس کلام کی گنگناہٹ سنائی دیتی ہے کہ لاہوت، ناسوت کے ساتھ مل گیا یا تو اسے کا لباس پہننے میں پایا یہ کہ وہ اس میں حلول کر گیا جیسا کہ ان کی مختلف عبادات ہیں۔ اور یہ محض غلط ہے اور اس غلطی کے مشابہ ہے جب کوئی سرخی کو دیکھ کر شیشے کو سُرخ کہہ دے کیوں کہ اس میں سُرخ رنگ تو سامنے والی چیز سے آتا ہے جب یہ بات علم معاملہ کے لائق نہیں ہے تو ہم اپنی غرض کی طرف رجوع کرتے ہیں، اور ہم ذکر کر چکے ہیں کہ جس کلام کو سنا جاتا ہے اس کے تفاوت سے درجات میں بھی تفاوت ہوتا ہے۔

دوسرا مقام:

کلام کو سمجھنے اور کسی معنیٰ پر ڈھالنے کے بعد وجد ہوتا ہے حقیقتِ وجد کے بارے میں صوفیاء کرام اور ان حکماء نے طویل گفتگو کی ہے جو سماع کی رُوحوں کے ساتھ کچھ مناسبت دیکھتے ہیں، ہم ان کے اقوال سے کچھ الفاظ نقل کر کے اس سلسلے میں حقیقت کو واضح کریں گے۔

صوفیاء کے اقوال :

حضرت ذوالنون مصری رحمہ اللہ نے سماع کے بارے میں فرمایا "کہ یہ ایک وارد ہونے والا کلام حق ہے جو دلوں کو حق کی طرف حرکت دیتا ہے تو جو کوئی اسے حق کے ساتھ سنے اس نے حق کو پالیا اور جو شخص نفسانی خواہش کے لیے اسے سنے وہ زندیق ہے"، تو گویا انہوں نے وجد کو حق کی طرف دلوں کی تحریک قرار دیا۔

کیوں کہ یہ وجد اس وقت پایا جاتا ہے جب وارد سماع کا ورود ہوتا ہے کیوں کہ سماع کو وارد حق کہا گیا ہے۔

حضرت ابوالحسین دراج رحمہ اللہ سماع میں پائے جانے والے وجد کے بارے میں فرماتے ہیں "وجد اس چیز کو کہتے ہیں جو سماع کے وقت پائی جاتی ہے وہ فرماتے ہیں مجھے سماع رونق کے میدانوں میں دوڑاتا ہے تو عطا کے وقت وجود حق نے مجھ پر وجد طاری کر دیا اور مجھے جام صفا پلایا جس سے میں نے رضا کی منازل کو پالیا اور اس نے مجھے ہوا خوری اور فضا کے باغ کی سیر کرائی"۔ حضرت شبلی رحمہ اللہ فرماتے ہیں "سماع کا ظاہر فتنہ ہے اور اس کا باطن عبرت ہے تو جو آدمی اشارے کی معرفت رکھتا ہے اسے عبرت کی بات سنانا جائز ہے ورنہ وہ فتنے کا خواستگار ہوگا۔ اور آزمائش میں پڑے گا"۔

بعض بزرگوں نے فرمایا "اہل معرفت کے لیے سماع ارواح کی غذا ہے کیوں کہ یہ ایک ایسا وصف ہے جو تمام اعمال سے باریک ہے اور اس باریکی کی وجہ سے رقیق طبیعت سے ہی اس کا ادراک ہوتا ہے اور چونکہ یہ اپنے اہل لوگوں کے لیے لطیف اور صاف وشفاف ہے اس لیے باطن صاف ہو تو اس کا ادراک ہوتا ہے"۔

حضرت عمرو بن عثمان مکی رحمہ اللہ فرماتے ہیں "وجد کی کیفیت کسی عبارت سے بیان نہیں ہو سکتی کیونکہ یہ مومن اور یقین کرنے والے بندوں کے پاس اللہ تعالیٰ کا راز ہے"۔ بعض حضرات نے فرمایا کہ یہ حق کی طرف سے کشف ہے۔

حضرت ابوسعید بن اعرابی رحمہ اللہ نے فرمایا "وجد، پردے کا اٹھنا، رقیب کا مشاہدہ، فہم کا پایا جانا، غیب کو دیکھنا، قلبی راز سے گفتگو کرنا، مفقود سے اُنس پیدا کرنا یعنی اپنی خودی کو زائل کرنے سے مانوس ہوتا ہے"۔

انہوں نے یہ بھی فرمایا کہ "وجد خصوصیات کا پہلا درجہ ہے اور یہ غیب کی تصدیق کی میراث ہے جب وہ اسے چکھتے ہیں اور ان کے دلوں میں اس کا نور چمکتا ہے تو ان سے ہر شک دُور ہو جاتا ہے"۔

انہوں نے مزید فرمایا کہ نفس کے آثار کو دیکھنا اور اسباب سے تعلق وجد کے سامنے حجاب ہے کیونکہ نفس، اسباب کی وجہ سے پردے میں ہوتا ہے جب اسباب منقطع ہو جائیں ذکر خالص اور دل صاف اور رقیق ہو جائے اور اس میں نصیحت اثر کرے اور مناجات کے سلسلے میں قریب کے مقام پہ اتر جائے اسے خطاب ہو تو وہ اسے ہوش کے کانوں، حاضر دل اور سرِ ظاہر سے سنے اور جس سے خالی تھا اس بات کا مشاہدہ کرے تو یہ وجد ہے کیوں کہ بعض اوقات وہ اس چیز کو پالیتا ہے جو اس کے پاس نہ تھی نیز فرمایا کہ وجد اس وقت ہوتا ہے

جب ذکر حرکت دینے والا اور خوف پریشان کرنے والا ہو، پھسلنے پر جھڑک ہو یا کوئی لطیف بات کی جائے یا کسی فائدے کی طرف اشارہ ہو یا غائب کا شوق ہو یا فوت شدہ پر افسوس ہو، ماضی پر ندامت اور حال کو حاصل کرنا ہو، واجب کا داعی یا کسی ستر قلبی سے مناجات ہو اور یہ ظاہر کا ظاہر سے باطن کا باطن سے غیب کا غیب سے، سر کا سر سے مقابلہ ہے جس چیز کے بارے میں تمہاری کوشش اور سعی مقدر سے نقصان کے بدلے اسے حاصل کرنا ہے تاکہ وہ تیری طرف سے ہونے کے بعد تیرے لیے لکھی جائے اور تمہارے لیے قدم، بغیر قدم کے اور ذکر بغیر ذکر کے لکھا جائے کیونکہ وہی شروع میں نعمت دینے والا اور کاموں کا کفیل ہے اور تمام امور اسی کی طرف لوٹتے ہیں۔ تو یہ علم وجد کا ظاہر ہے اور وجد کے سلسلے میں صوفیا کرام کے اس طرح کے اقوال بہت زیادہ ہیں۔

حکماء کے اقوال:

ان میں سے بعض نے کہا کہ دل میں ایک فضیلتِ شریفہ ہے زبان الفاظ کے ذریعے اسے باہر نہیں لا سکتی تو اس کو نفس خوش آوازی کے ذریعے باہر نکالتا ہے جب وہ ظاہر ہوئی تو نفس خوش ہو کر اس کے سامنے طرب میں آگیا تو تم نفس سے سنا کرو اور اس سے مناجات کیا کرو اور ظاہری مناجات کو چھوڑ دو۔

ان میں سے کسی نے کہا کہ سماع کے نتائج یہ ہیں کہ رائے سے عاجز اس کا مستعد بن جائے، جو فکر سے خالی ہے اس کو فکر حاصل ہو جائے، کمزور فہم والے کو اس کا فہم حاصل ہو جائے حتی کہ جو بات چلی گئی وہ پھر سے آجائے، جو تھک گیا وہ چست ہو جائے، جو میلا ہے وہ صاف ہو جائے اور ہر رائے اور نیت میں دوڑ لگائے اور درست بات کے غلطی نہ کرے کام کرے اور اس میں تاخیر نہ کرے۔

ایک اور دانا نے کہا کہ جس طرح فکر علم کو معلوم کی راہ بتاتا ہے تو سماع دل کے راستے سے عالمِ روحانی تک پہنچاتا ہے۔

ایک اور دانا سے پوچھا گیا کہ جب کلام موزون خوش آوازی سے پڑھا جاتا ہے تو طبعی طور پر اعضا حرکت کرنے لگتے ہیں اس کی کیا وجہ ہے؟ اس نے کہا یہ عقلی عشق ہے اور عقلی عاشق اپنے معشوق سے زبان سے ہی گفتگو کرنے کا محتاج نہیں ہوتا بلکہ وہ اس کے ساتھ تبسم، پلک جھپکنے اور ابرو نیز آنکھ کے لطیف اشارے سے گفتگو کرتا ہے یہ تمام چیزیں باتیں کرتی ہیں لیکن ان کی گفتگو روحانی زبان میں ہوتی ہے۔

لیکن جو جانوروں کی طرح کا عاشق ہوتا ہے وہ چمڑے کی زبان سے گفتگو کرتا ہے تاکہ وہ اپنے کمزور شوق اور کھوٹے عشق کی زبانی تقریر کو بنا سنوار کر کے پیش کرے۔

ایک دوسرے دانا نے کہا کہ جو آدمی غمگین ہو وہ غنا سنے اس لیے کہ جب نفس پر غم آتا ہے تو وہ اس کے نور کو بجھا دیتا ہے اور جب وہ خوش ہوتا ہے تو اس کا نور شعلہ زن ہوتا ہے اور اس کی خوشی ظاہر ہو جاتی ہے اور اس میں جس قدر استعداد ہوتی ہے اور وہ جس قدر کھوٹ اور میل سے پاک ہوتا ہے اسی قدر اشتیاق ظاہر ہوتا ہے۔

سماع اور وجد کے سلسلے میں اقوال بہت زیادہ ہیں اور ان سب کو ذکر کرنے کا کوئی فائدہ نہیں ہمیں اس معنیٰ کو سمجھنے میں مشغول ہونا چاہیے جس کو وجد کہتے ہیں تو ہم کہتے ہیں یہ ایک حالت ہے جو سماع کے نتیجے میں پیدا ہوتی ہے یعنی سننے والا سماع کے بعد اپنے نفس میں ایک نئی حالت پاتا ہے اور یہ حالت دو قسموں سے خالی نہیں ہوتی یا تو یہ ان مکاشفات اور مشاہدات کی طرف لوٹتی ہے جو علوم اور تنبیہات کے قبیل سے ہیں تغیرات اور احوال کی طرف لوٹتی ہے جو علوم سے نہیں ہیں بلکہ یہ شوق، خوف، غم، قلق، سرور، افسوس، ندامت کشادگی اور تنگی ہے، سماع ان احوال کو حرکت دیتا اور مضبوط کرتا ہے اور اگر وہ سماع کمزور ہو کر ظاہر کو حرکت نہ دے سکے اور نہ ہی سکون دے، اور نہ ہی اس کی حالت کو تبدیل کر سکے کہ وہ عادت کے خلاف حرکت کرے یا وہ سر جھکا دے یا دیکھنے اور بات کرنے سے ساکت ہو جائے اور نہ ہی عادت کے خلاف حرکت کرے تو اس کو وجد نہیں کہتے ۔ اور اگر سماع کا اثر ظاہر جسم پہ دکھائی دے تو یہ وجد ہے اور جس قدر وہ ظاہر اور قوی ہو گا اسی قدر وجد بھی ظاہر اور قوی ہو گا۔ اور وجد کرنے والے کو جس قدر اپنے اعضا پر قابو کی قدرت حاصل ہوتی ہے اس کا ظاہر اسی قدر تبدیلی سے محفوظ رہتا ہے تو بعض اوقات وجد باطنی طور پہ قوی ہوتا ہے لیکن واجد کے قوی ہونے کی وجہ سے ظاہر میں کوئی تبدیلی نہیں لاتا اور بعض اوقات جو کچھ وارد ہوتا ہے وہ اتنا کمزور ہوتا ہے کہ حرکت پیدا نہیں کرتا اس لیے بھی ظاہر پہ کوئی اثر نہیں ہوتا اور نہ وہ گرہ کو کھول سکتا ہے، حضرت ابو سعید بن اعرابی رحمہ نے اسی بات کی طرف اشارہ کیا ہے جب انہوں نے وجد کے بارے میں فرمایا کہ یہ مشاہدہ رقیب، حضور فہم اور ملاحظہ غیب ہے۔ اور یہ بات بعید نہیں کہ اگر پہلے سے کشف نہ ہو تو سماع کشف کا سبب بن جائے کیونکہ کشف کچھ اسباب سے حاصل ہوتا ہے۔

اسبابِ کشف:

(۱) ان میں سے ایک سبب تنبیہ ہے اور سماع تنبیہ کرنے والا (بیدار کرنے والا) ہے۔

(۲) احوال کی تبدیلی، ان کا مشاہدہ اور ان کا ادراک ہے کیوں کہ احوال کا ادراک ایک ایسا علم ہے جو ان امور کو واضح کرتا ہے جو ورود سے پہلے معلوم نہ تھے ۔

۳۔ اسباب کشف میں سے ایک، دل کی صفائی ہے اور سماع دل کی صفائی میں مؤثر ہوتا ہے اور پھر یہ صفائی کشف کا باعث بنتی ہے۔

۴۔ قوتِ سماع کی وجہ سے دل میں نشاط اور خوشی کا اٹھنا ہے اب اس کے ذریعے اس چیز کے مشاہدہ کی قوت حاصل ہوتی ہے جن سے پہلے قاصر تھا جیسے اونٹ پہلے بوجھ اٹھا نہ سکتا ہو اور اب اسے قوت حاصل ہو دل کا عمل، کشف اور اسرار ملکوت کو دیکھنا ہے جیسے اونٹ کا کام بوجھ اٹھانا ہے۔

تو ان اسباب کے واسطے سے سماع کشف کا سبب بنتا ہے بلکہ جب دل صاف ہو تو بعض اوقات تو حق اس

کے سامنے ظاہری صورت میں ہوتا ہے یا منظوم کلام کی صورت میں ہوتا ہے جو اس کے کانوں کو کھٹکھٹاتا ہے، اور یہ آواز اگر بیداری کی حالت میں ہو تو اسے ہاتف کہتے ہیں، نیند کے حالت میں ہو تو اسے رؤیا (خواب) کہا جاتا ہے اور یہ نبوت کی چھیالیسویں جز ہے،

اس کی حقیقت کا علم علم معاملہ سے خارج ہے اور یہ اسی طرح ہے جس طرح حضرت محمد بن مسروق بغدادی رحمہ اللہ سے منقول ہے انہوں نے فرمایا کہ میں جہالت کے زمانے میں ایک رات حالتِ نشہ میں یہ شعر پڑھتے ہوئے باہر نکلا۔

"جب میں طور سینا کے باغ سے گزرتا ہوں تو مجھے پانی پینے والوں پر تعجب ہوتا ہے،

تو میں نے کسی کہنے والے کو سنا وہ کہہ رہا تھا،

"جہنم میں پانی ہے جس سے مخلوق ایک گھونٹ نہیں بھرے گی مگر اس کے پیٹ میں آنتیں گل جائیں گی۔

وہ فرماتے ہیں میری توبہ اور علم و عبادت میں مشغولیت کا یہی سبب ہے تو دیکھئے غنا نے دل کی صفائی پر کس قدر اثر کیا حتی کہ اس کے لیے موزون الفاظ کی صورت میں حقیقت، جہنم کی صفت میں سامنے آگئی اور اس نے ان کی ظاہری سماعت کو کھٹکھٹایا۔

حضرت مسلم عبادانی رحمہ اللہ کے بارے میں منقول ہے وہ فرماتے ہیں ایک مرتبہ حضرت صالح مری، عتبہ غلام، عبدالواحد بن زید اور مسلم اسواری ہمارے ہاں تشریف لائے، وہ ساحل پر اترے تو میں نے ایک رات ان کے لیے کھانے کا انتظام کیا، میں نے ان کو دعوت دی تو وہ تشریف لائے جب میں نے ان کے سامنے کھانا رکھا تو اچانک ایک شخص بلند آواز سے یہ شعر پڑھنے لگا۔

"ان کھانوں نے تمہیں ہمیشہ کے گھر سے غافل کر دیا اور یہ لذت نفس آخر کار تمہارے کچھ کام نہیں آئے گی۔"

فرماتے ہیں یہ سن کر حضرت عتبہ غلام نے ایک چیخ ماری اور وہ بیہوش ہو کر گر پڑے، دوسرے لوگ بھی رونے لگے اور کھانا اٹھا دیا گیا۔ اللہ کی قسم انہوں نے اس سے ایک لقمہ بھی نہ چکھا اور جس طرح قلبی صفائی کی صورت میں ہاتف کی آواز سنائی دیتی ہے اسی طرح وہ ظاہری آنکھوں سے حضرت خضر علیہ السلام کو بھی دیکھتا ہے کیونکہ وہ اہل دل کے سامنے مختلف شکلوں میں آتے ہیں، اور اسی قسم کی حالت میں فرشتے انبیاء کرام علیہم السلام کے سامنے آتے تھے یا وہ تو اپنی حقیقی صورت میں آتے یا ایسی صورت میں جو ان کی اصل شکل سے کچھ مشابہت رکھتی ہو۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت جبریل علیہ السلام کو دو مرتبہ ان کی صورت پر دیکھا اور آپ نے بتایا کہ انہوں نے افق کو گھیر رکھا تھا (۱) اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد گرامی کا یہی مطلب ہے ارشاد خداوندی ہے۔

عَلَّمَهُ شَدِيدُ الْقُوَىٰ ذُو مِرَّةٍ	انہیں اس نے سکھایا جو زبردست قوتوں کا مالک ہے پھر
فَاسْتَوَىٰ وَهُوَ بِالْأُفُقِ	وہ جلوہ گر ہوا اور وہ آسمانوں کے بلند کنارہ ل

---

(۱) صحیح بخاری جلد اول ص ۷۵۴ باب بدء الخلق۔

اَدۡ عَلٰی - (۱)   پر تھا۔

جب اس انداز میں دل کی صفائی ہو جاتی ہے تو دلوں کا حال معلوم ہو جاتا ہے اسی لیے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اِتَّقُوۡا فِرَاسَۃَ الۡمُؤۡمِنِ فَاِنَّہٗ یَنۡظُرُ بِنُوۡرِ اللّٰہِ (۲)   مومن کی فراست سے ڈرو وہ اللہ تعالیٰ کے نور سے دیکھتا ہے۔

منقول ہے کہ ایک مجوسی (ستارہ پرست) مسلمانوں کے پاس آکر پوچھا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد گرامی "مومن کی فراست سے بچو" کا کیا مطلب ہے اس کی وضاحت کی جاتی لیکن اس کی تشفی نہ ہوتی حتیٰ کہ وہ صوفیا (کرام میں سے کسی شیخ کے پاس گیا اور ان سے پوچھا انہوں نے فرمایا اس کا مطلب یہ ہے کہ تم نے اپنے کپڑے کے نیچے کمر پہ زنار باندھا ہوا ہے اسے توڑ دو اس نے کہا واقعی اس کا یہی مطلب ہے، اس نے اسلام قبول کیا اور کہا اب مجھے پتہ چلا کہ آپ مومن ہیں اور آپ کا ایمان حق ہے۔

جیسے حضرت ابراہیم خواص رحمہ اللہ سے منقول ہے وہ فرماتے ہیں میں جامع مسجد بغداد میں فقراء کی ایک جماعت کے ہمراہ تھا کہ ایک نوجوان نہایت خوبصورت اور اچھی خوشبو والا آیا میں نے اپنے ساتھیوں سے کہا مجھے یہ نوجوان یہودی معلوم ہوتا ہے، ان سب کو یہ بات بری معلوم ہوئی میں باہر چلا گیا اور وہ نوجوان بھی باہر نکل گیا پھر وہ ان کی طرف واپس آیا اور کہنے لگا شیخ نے میرے بارے میں کیا کہا تھا؟ انہوں نے بتاتے ہوئے شرم محسوس کیا تو اس نے اصرار کیا انہوں نے کہا کہ شیخ فرماتے ہیں تم یہودی ہو فرماتے ہیں وہ میرے پاس آیا میرے ہاتھوں پہ جھکا اور میرے سر کو بوسہ دینے کے بعد اسلام قبول کر لیا۔ اس نے کہا ہم اپنی کتابوں میں (لکھا ہوا) پاتے ہیں کہ سچے آدمی کی فراست غلطی نہیں کرتی (اس نوجوان نے کہا) میں نے سوچا مسلمانوں کا امتحان لوں میں نے ان میں غور کیا پھر میں نے کہا اگر ان میں کوئی صدیق ہوگا تو اسی گروہ میں ہوگا کیونکہ یہی لوگ اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتے ہیں اور اس کا کلام پڑھتے ہیں تو میں لباس بدل کر تمہارے پاس آیا جب حضرت شیخ مجھ پہ مطلع ہو گئے اور انہوں نے فراست سے میرا حال معلوم کر لیا تو میں جان گیا کہ یہی صدیق ہیں، فرماتے ہیں پھر وہ نوجوان بڑے صوفیوں میں سے ہو گیا۔

اسی قسم کے کشف کی طرف سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

آپ کا ارشاد گرامی ہے:۔

لَوۡلَا اَنَّ الشَّیٰطِیۡنَ یَحُوۡمُوۡنَ عَلٰی   اگر شیطان انسانوں کے دلوں کے گرد نہ گھومتے ہوں

---

(۱) قرآن مجید سورۃ النجم آیت ۵، ۶، ۷

(۲) المعجم الکبیر للطبرانی جلد ۸ ص ۱۲۱ حدیث ۷۴۹۷

قُلُوْبِ بَنِيْ آدَمَ لَنَظَرُوْا اِلٰى مَلَكُوْتِ السَّمَآءِ (۱) تو انسان آسمان کے ملکوت (بادشاہی) کو دیکھ لیتے۔
شیطان اس وقت انسانوں کے دلوں کے گرد گھومتے ہیں جب وہ مذموم صفات سے بھرے ہوئے ہوں کیوں کہ یہ شیطان اور اس کے لشکر کی چراگاہ ہیں اور جو آدمی اپنے دل کو ان صفات سے بچاتا اور صاف رکھتا ہے شیطان اس کے دل کے گرد پھر نہیں سکتا اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد گرامی میں اسی بات کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔

اِلَّا عِبَادَكَ مِنْهُمُ الْمُخْلَصِيْنَ (۲) مگر تیرے مخلص بندوں (کو میں گمراہ نہیں کرسکوں گا)

اور ارشاد خداوندی ہے،

اِنَّ عِبَادِيْ لَيْسَ لَكَ عَلَيْهِمْ سُلْطَانٌ (۳) میرے بندوں پر تیرا کوئی زور نہیں چلے گا۔

سماع دل کی صفائی کا باعث ہے اور یہ صفائی کے ذریعے حق کا جال ہے حضرت ذوالنون مصری رحمہ اللہ کا واقعہ اسی بات پر دلالت کرتا ہے وہ بغداد شریف میں داخل ہوئے تو صوفیاء کی ایک جماعت ان کے پاس آئی ان کے ہمراہ قوال بھی تھے انہوں نے قوالی کی اجازت طلب کی تو آپ نے ان کو اجازت دے دی چنانچہ قوال نے پڑھا۔

تیری چھوٹی سی خواہش نے ستایا جب وہ بڑی (مضبوط) ہو گی تو کیسے ہو گا۔ تو نے اس محبت کو جو باہم مشترک تھی، میرے دل میں اکٹھا کر دیا تجھے اس غمگین پر ترس نہ آیا جب بے غم ہنستا ہے تو وہ روتا ہے۔

حضرت ذوالنون مصری رحمہ اللہ کھڑے ہوئے اور منہ کے بل گر پڑے پھر ایک اور شخص کھڑا ہوا تو آپ نے پڑھا۔

اَلَّذِيْ يَرَاكَ حِيْنَ تَقُوْمُ (۴) وہ اللہ جو تجھے دیکھتا ہے جب تو کھڑا ہوتا ہے۔

وہ شخص بیٹھ گیا دراصل حضرت ذوالنون مصری رحمہ اللہ اس کے دل پر مطلع تھے کہ وہ بتکلف وجد کرتا ہے تو آپ نے اسے بتایا کہ غیر اللہ کے لیے اٹھو گے تو وہ تمہارا مدعی ہو گا جو تمہیں اٹھتے ہوئے دیکھتا ہے۔ اگر وہ مرد سچا ہوتا تو نہ بیٹھتا، تو وجد کا ماحصل مکاشفات ہیں یا حالات۔

جان لو! ان میں سے ہر ایک کی دو دو قسمیں ہیں ایک وہ کہ افاقہ کے بعد اسے بیان کر سکیں اور دوسری وہ جس کی تعبیر بالکل نہ ہو سکے اور شاید تم اس بات کو بعید جانو کہ ایسی حالت یا علم کیسے ہو سکتا ہے جس کی حقیقت معلوم نہ ہو۔ اور اس کی حقیقت بیان کی جا سکے لیکن یہ بات بعید نہیں ہے کیوں کہ تم اپنے حالات میں اس کی مثالیں پاؤ گے علم —— کتنے ہی

---

(۱) مسند امام احمد بن حنبل جلد ۲ ص ۳۵۳ مرویات ابوہریرہ

(۲) قرآن مجید، سورۂ حجر آیت ۴۰

(۳) قرآن مجید، سورۂ حجر آیت ۴۲

(۴) قرآن مجید، سورۂ شعراء آیت ۲۱۸

فقیہ ایسے ہیں جن کے سامنے دو مسئلے ایسے آتے ہیں جو صورت کے اعتبار سے ایک دوسرے کے مشابہ ہوتے ہیں لیکن فقیہ اپنے ذوق سے معلوم کر لیتا ہے کہ ان دونوں کے درمیان حکم کے اعتبار سے فرق ہے لیکن جب اس سے فرق پوچھا جائے تو اس کی زبان بیان نہیں کر سکتی اگرچہ وہ لوگوں میں سے زیادہ فصیح ہو تو وہ اپنے ذوق کے مطابق فرق کا ادراک کر لیتا ہے لیکن بیان نہیں کر سکتا، اور فرق کا معلوم کرنا ایک علم ہے جو اسے دل میں ذوق سے حاصل ہو جاتا ہے اور اس میں کوئی شک نہیں کہ اس کے دل میں واقع ہوتے کا بھی ایک سبب ہوتا ہے اور اس کے لیے اللہ تعالیٰ کے ہاں ایک حقیقت ہے لیکن اس کے بارے میں بتانا اس کے لیے ممکن نہیں ہوتا اور اس کی وجہ زبان کا قصور نہیں بلکہ اس کا معنیٰ اس قدر دقیق ہوتا ہے کہ الفاظ میں نہیں آسکتا۔ اور اس بات کو وہ لوگ سمجھ سکتے ہیں جو ہمیشہ مشکلات سے بحث کرتے ہیں۔

حال ـــ کتنے ہی لوگ صبح اٹھتے وقت اپنے دل میں قبض یا بسط کی کیفیت پاتے ہیں (طبیعت پر بوجھ یا انبساط محسوس کرتے ہیں) لیکن اس کا سبب معلوم نہیں ہوتا اور بعض اوقات انسان ایک بات میں غور کرتا ہے اور وہ اس دل پر اثر انداز ہوتی ہے تو اس وقت وہ اس کے سبب کو بھول جاتا ہے جب کہ اس کے دل میں اثر باقی رہتا ہے اور وہ اسے محسوس بھی کرتا ہے اور بعض اوقات وہ حالت جس سے وہ سرور محسوس کرتا ہے اس کی نفس میں باقی رہتی ہے کیوں کہ وہ اس کے اس سبب میں غور کرتا ہے جو اس کے سُرور کا موجب ہے یا حالتِ غم پیدا ہوتی ہے تو جس میں اس نے غور کیا تھا اسے بھول جاتا ہے اور اس کے بعد آنے والے اثر کو محسوس کرتا ہے اور کبھی یہ حالت عجیب ہوتی ہے اسے لفظ سرور یا غم سے تعبیر نہیں کیا جا سکتا اور نہ ہی کوئی ایسی عبارت ملتی ہے جو اس کے مطابق ہو اور مقصود کو ٹھیک ٹھیک بیان کر دے بلکہ موزوں شعر کا ذوق نیز موزوں اور غیر موزون کے درمیان فرق کرنا بھی بعض لوگوں کے ساتھ خاص ہے اور اس حالت کا ادراک کوئی صاحب ذوق آدمی ہی کر سکتا ہے کہ وہ اس میں شک نہیں کرتا یعنی موزون اور زحاف[1] کے درمیان فرق وہی کر سکتا ہے جسے ذوق حاصل ہو اور اس کی ایسی تعبیر جو مقصود کو واضح کر دے بے ذوق آدمی کا کام نہیں ہے اور نفس میں عجیب و غریب احوال ہیں کہاں کی کیفیت یہی ہے۔

بلکہ مشہور معانی جیسے خوف، غم اور سرور سماع میں اسی غنا سے حاصل ہوتے ہیں جو سمجھ میں آتا ہو لیکن تار دل کے باجے اور وہ نغمے جن کی سمجھ نہیں آتی وہ نفس میں عجیب تاثیر پیدا کرتے ہیں اور ان آثار کے عجائبات کے بارے میں بتایا نہیں جا سکتا۔ بعض اوقات اسے شوق کہا جاتا ہے لیکن یہ ایسا شوق ہے کہ مشتاق کو اس چیز کی پہچان نہیں ہوتی جس کا وہ اشتیاق رکھتا ہے تو یہ عجیب بات ہے۔

---

(۱) علم عروض کے سبب خفیف یا ثقیل کا نام ہے۔

اور وہ شخص جو تاروں کے باجے وغیرہ سن کر اضطراب میں آجائے اسے معلوم نہیں ہوتا ہے کہ وہ کس چیز کا مشتاق ہے وہ اپنے نفس میں ایک ایسی حالت پاتا ہے کہ گویا وہ ایک بات کا تقاضا کرتا ہے لیکن اس کی حقیقت سے بے خبر ہوتا ہے حتیٰ کہ یہ کیفیت عوام پر اور ان لوگوں پر بھی گزرتی ہے جن کے دل پر محبت غالب نہیں ہوتی نہ کسی آدمی کی محبت اور نہ ہی اللہ تعالیٰ کی محبت ـــــ یہ اس کے بیے ایک راز ہے اس طرح کہ ہر شوق کے دو رکن ہوتے ہیں ایک مشتاق کی صفت اور یہ مشتاق الیہ کے ساتھ کچھ مناسبت ہوتی ہے اور دوسرا رکن مشتاق الیہ کی پہچان اور اس بات کا علم کہ اس تک پہنچنے کی صورت کیا ہے۔ اگر وہ صفت پائی جائے جس کے ذریعے شوق حاصل ہوتا ہے اور مشتاق الیہ کی صورت کا علم بھی حاصل ہو جائے تو بات واضح ہے اور اگر مشتاق الیہ کا علم حاصل نہ ہو لیکن شوق دلانے والی صفت پائی جائے اور تمہارے دل کو حرکت دے اور اس کی آگ بھڑک اٹھے تو اس سے وحشت اور حیرت پیدا ہوگی۔

مثلاً ایک آدمی کی پرورش اسطرح ہوئی ہو کہ اس نے کبھی عورتوں کی صورت تک نہ دیکھی ہو نہ وہ جماع کی صورت سے واقف ہو پھر وہ بلوغت کی عمر کو پہنچ گیا اور اس پر شہوت غالب ہوگئی تو وہ اپنے نفس میں شہوت کی آگ کو محسوس کرتا ہے لیکن اسے یہ معلوم نہیں کہ اسے جماع کا شوق ہے کیوں کہ وہ صورتِ جماع کا ادراک نہیں رکھتا اور نہ ہی وہ عورتوں کی صورت سے واقف ہے۔

اسی طرح انسانی نفس میں عالم اعلیٰ کے ساتھ ایک قسم کی مناسبت ہوتی ہے اسی طرح وہ لذتیں جن کے بارے میں اس سے وعدہ سدرۃ المنتہیٰ اور فردوس اعلیٰ میں ہوا ہے ان سے بھی ایک گونہ تعلق و نسبت ہوتی ہے لیکن وہ ان چیزوں کے بارے میں صرف صفات اور ناموں کی حد تک خیال کرتا ہے جیسے کوئی شخص جماع کا لفظ یا عورتوں کا نام سنے اور اس نے کبھی عورت کی شکل نہ دیکھی ہو اور نہ ہی کسی مرد کی صورت دیکھی ہو بلکہ اس نے کبھی شیشے میں اپنی صورت بھی نہ دیکھی ہو تا کہ قیاس کے ذریعے ہی پہچان حاصل کرے تو سماع اس کے شوق کو حرکت دیتا ہے لیکن چونکہ جہالت کے زیادہ ہونے اور دنیا میں مشغولیت نے اس سے اس کے نفس کو بھی بھلا دیا، اس کے رب کو بھی بھلا دیا اور اسے وہ ٹھکانہ بھی یاد نہیں جس کا وہ طبعی طور پر مشتاق ہے تو اس کا دل ایسے امر کا تقاضا کرتا ہے جس کی حقیقت سے وہ ناواقف ہے، لہٰذا وہ حیران و پریشان ہو جاتا ہے اور اس پر حالتِ اضطراب طاری ہو جاتی ہے اور یہ اس شخص کی طرح ہوتا ہے جس کا گلا گھونٹا گیا لیکن وہ اس سے چھوٹنے کی راہ نہیں پاتا۔

تو اس قسم کی مثالیں ان احوال کی مثالیں ہیں جن کی حقیقتوں کا مکمل طور پر ادراک نہیں ہو سکتا اور نہ ہی ان سے موصوف شخص الفاظ کے ذریعے ان کی تعبیر کر سکتا ہے تو ظاہر ہوا کہ وجد وہ بھی ہوتا ہے جسے ظاہر کرنا ممکن ہے اور وہ بھی جس کا اظہار ممکن نہیں۔

پھر یہ بھی معلوم ہونا چاہیئے کہ ایک وجد وہ ہے جو خود بخود دل پر ہجوم کرتا ہے اور دوسرا وجد تکلف کرنے والے کا ہے اور اسے تواجد کہتے ہیں اور یہ تواجد جو بتکلف دکھایا گیا مذموم بھی ہوتا ہے یعنی جب اس سے ریا کاری مقصود ہو اور احوال شریف سے خالی ہونے کے باوجود اپنے آپ کو ان کا حامل ظاہر کیا جائے اور یہ تواجد محمود بھی ہوتا ہے اور وہ احوال شریف کی طلب، اکتساب اور حصول کے لیے ایک حیلہ اختیار کرنا ہے کیونکہ احوال شریفہ کے حصول میں کسب کا عمل دخل ہوتا ہے۔

اسی لیے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص کو قرآن پاک پڑھتے ہوئے رونا نہ آئے وہ رونے اور غم کی صورت بنائے (۱) کیونکہ یہ احوال ابتدا میں بتکلف حاصل کئے جاتے ہیں اور پھر آخر میں ثابت اور متحقق ہو جاتے ہیں۔ اور یہ کیسے نہ ہوگا کہ تکلف اس بات کا سبب بنے کہ بالآخر یہ احوال تکلف کرنے والے کی طبیعت ثانیہ بن جائیں جو آدمی قرآن پاک سیکھتا ہے پہلے وہ اسے تکلفاً یاد کرتا ہے اور پورے غور و فکر کے ساتھ اسے تکلف کے طور پر پڑھتا ہے اور ذہن کو حاضر رکھتا ہے پھر وہ اس کی زبان پر اس طرح چڑھ جاتا ہے کہ نماز وغیرہ میں اس کی زبان پر جاری ہوتا ہے حالانکہ وہ اس سے غافل ہوتا ہے وہ پوری سورت پڑھ لیتا ہے اور اسے پورا کرنے کے بعد جب اس کی طرف متوجہ ہوتا ہے تو اسے پتہ چلتا ہے کہ اس نے غفلت کی حالت میں پڑھا ہے اسی طرح کاتب شروع شروع میں سخت محنت سے لکھتا ہے پھر کتابت پر اس کا ہاتھ خوب چلتا ہے اور کتابت اس کی طبیعت بن جاتی ہے اور وہ کئی ورق لکھ ڈالتا ہے حالانکہ اس کا دل کسی دوسری طرف متوجہ ہوتا ہے تو نفس اور اعضا جو کچھ بھی قبول کرتے ہیں شروع میں ان کے لیے تکلف اور تصنع ضروری ہوتا ہے پھر عادت بن جانے کے بعد اس کی طبیعت میں رچ بس جاتے ہیں بعض حضرات کے اس قول کا مطلب یہی ہے وہ کہتے ہیں "عادت پانچویں طبیعت ہے"، اسی طرح اگر کسی شخص میں احوال شریفہ نہ پائے جائیں تو اسے ناامید نہیں ہونا چاہیئے بلکہ سماع وغیرہ کے ذریعے ان کو حاصل کرنے کی کوشش کرے کیوں کہ عادتاً ایسا دیکھا گیا ہے کہ جو آدمی کسی سے عشق کی خواہش رکھتا ہے اور پہلے سے عاشق نہ ہو تو وہ بار بار اس کا ذکر کرتا ہے اور اسے یاد کرتا ہے اسے دیکھتا رہتا ہے اور اس کے اوصاف حمیدہ کو اپنے دل میں اچھی طرح پکا کر لیتا ہے حتی کہ وہ اس کا عاشق بن جاتا ہے، اور اب وہ اس کے دل میں اس قدر مضبوط ہو جاتا ہے کہ وہ اس کے اختیار سے باہر ہو جاتا ہے اب وہ اس سے جان چھڑانا چاہتا ہے لیکن چھڑا نہیں سکتا اسی طرح اللہ تعالیٰ کی محبت اور اس کی ملاقات کے شوق نیز اس کی ناراضگی کا خوف اور دوسرے احوال شریفہ ہیں جب انسان میں یہ اوصاف نہ ہوں تو ان کو بتکلف حاصل کرنے کی کوشش کرے یعنی جو لوگ ان صفات سے موصوف ہیں ان کی مجالس اختیار کرے، ان کے احوال کا مشاہدہ کرے اور اپنے دل میں ان کی صفات کو اچھا سمجھے سماع،

---

(۱) سنن ابن ماجہ ص ۳۱۹، ابواب الزھد

دعا اور بارگاہ خداوندی میں گڑگڑاتے وقت ان کے پاس بیٹھے تاکہ اللہ تعالیٰ اسے بھی یہ حالت عطا کرے یعنی ان کے اسباب کو اس کے لیے آسان کر دے اور ان کے اسباب میں سے ایک سبب سماع ہے نیز صالحین، خوف خدا رکھنے والوں، نیکی کرنے والوں، شوق رکھنے والوں اور خشوع و خضوع کرنے والوں کے پاس بیٹھنا ہے جو شخص کسی دوسرے کے پاس بیٹھتا ہے تو اس کی صفات اس میں پیدا ہو جاتی ہیں اگرچہ اسے اس بات کا علم نہیں ہوتا۔ اسباب کے ذریعے احوال میں سے محبت وغیرہ کے حصول کے امکان پر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد گرامی دلالت کرتا ہے۔

اَللّٰهُمَّ ارْزُقْنِيْ حُبَّكَ وَحُبَّ مَنْ اَحَبَّكَ وَحُبَّ مَنْ يُقَرِّبُنِيْ اِلٰى حُبِّكَ۔ (۱)

یا اللہ! مجھے اپنی محبت، اپنے محبین کی محبت اور ان لوگوں کی محبت عطا فرما جو مجھے تیری محبت کے قریب کر دیں۔

تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے طلب محبت میں دعا کی ضرورت محسوس فرمائی (اگر یہ بات اسباب کے بغیر ہوتی تو آپ دعا نہ فرماتے)

تو یہ اس بات کا بیان ہے کہ وجد کی دو قسمیں ہیں ایک مکاشفات اور دوسری احوال پھر احوال کی دو صورتیں ہیں ایک یہ کہ ان کا اظہار ممکن ہے اور دوسری وہ جن کا اظہار ممکن نہیں، نیز وجد تکلف بھی ہوتا ہے اور طبعی بھی۔

اگر تم کہو کہ ان لوگوں کا کیا حال ہے جو قرآن پاک سنتے ہیں لیکن انہیں وجد نہیں ہوتا حالانکہ یہ اللہ تعالیٰ کا کلام ہے اور غنا جو شعراء کا کلام ہے اسے سنتے وقت انہیں وجد آتا ہے، اگر یہ اللہ تعالیٰ کی عنایت سے ہوتا اور شیطانی دھوکے سے نہ ہوتا تو غنا کی نسبت قرآن پاک سے بدرجہ اولیٰ وجد ہوتا۔

تو ہم کہتے ہیں سچا وجد وہ ہوتا ہے جو اللہ تعالیٰ کی محبت میں زیادتی، ارادے کی سچائی اور اس کی ملاقات کے شوق سے ہوتا ہے اور یہ قرآن پاک سننے سے بھی جوش میں آتا ہے اور قرآن پاک سننے سے جس وجد میں جوش نہ آئے وہ مخلوق کی محبت اور مخلوق کے عشق سے ہوتا ہے۔ اس پر اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد گرامی دلالت کرتا ہے۔

اَلَا بِذِكْرِ اللّٰهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ۔ (۲)

سنو! اللہ تعالیٰ کے ذکر سے دلوں کو اطمینان حاصل ہوتا ہے۔

اور ارشاد خداوندی ہے:

مَثَانِيَ تَقْشَعِرُّ مِنْهُ جُلُوْدُ الَّذِيْنَ

دہرائی جانے والی کتاب ہے اس سے ان لوگوں کے

---

(۱) مشکوٰۃ المصابیح ص ۲۱۹ باب جامع الدعا

(۲) قرآن مجید، سورۂ رعد آیت ۲۸

يَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ ثُمَّ تَلِيْنُ جُلُوْدُهُمْ وَ قُلُوْبُهُمْ اِلٰى ذِكْرِ اللّٰهِ۔ (۱)

بدن پر رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں جو اپنے رب سے ڈرتے ہیں پھر ان کی کھالیں اور ان کے دل اللہ تعالیٰ کے ذکر کی طرف نرم ہو جاتے ہیں۔

سماع کے بعد جو کچھ سماع کی وجہ سے نفس میں پایا جائے وہ وجد ہی ہے تو اطمینان قلبی، بالوں کا کھڑا ہونا، خشیت اور دل کی نرمی یہ سب کچھ وجد ہے۔

اور ارشاد باری تعالیٰ ہے:

اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ اِذَا ذُكِرَ اللّٰهُ وَجِلَتْ قُلُوْبُهُمْ۔ (۲)

بے شک (کامل) مومن وہ ہیں کہ جب اللہ تعالیٰ کا ذکر کیا جائے تو ان کے دل دہل جاتے ہیں۔

اور ارشاد خداوندی ہے۔

لَوْ اَنْزَلْنَا هٰذَا الْقُرْاٰنَ عَلٰى جَبَلٍ لَّرَاَيْتَهٗ خَاشِعًا مُّتَصَدِّعًا مِّنْ خَشْيَةِ اللّٰهِ۔ (۳)

اگر ہم اس قرآن پاک کو پہاڑ پر اتارتے تو آپ اسے دیکھتے کہ وہ خشیت خداوندی سے ڈرتے ہوئے ریزہ ریزہ ہو جاتے۔

تو "وجل" (ڈر جانا) اور خشوع احوال کی صورت میں وجد ہے اگرچہ مکاشفات کی صورت میں نہیں، لیکن وجد کبھی مکاشفات اور تنبیہات کا سبب بنتا ہے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

زَيِّنُوا الْقُرْاٰنَ بِاَصْوَاتِكُمْ (۴)

قرآن پاک کو اپنی آوازوں سے زینت دو۔

اور آپ نے حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کے بارے میں فرمایا:

لَقَدْ اُوْتِيَ مِزْمَارًا مِّنْ مَزَامِيْرِ اٰلِ دَاوٗدَ عَلَيْهِ السَّلَامُ۔ (۵)

ان کو حضرت داؤد علیہ السلام کی آل کے مزامیر میں سے ایک مزمار دیا گیا ہے۔

وہ واقعات جن سے پتہ چلتا ہے کہ ارباب قلوب جب قرآن پاک سنتے تھے تو ان پر وجد ظاہر ہوتا تھا، بے شمار ہیں

---

(۱) قرآن مجید، سورۂ زمر آیت ۲۳

(۲) قرآن مجید سورۂ انفال آیت ۲

(۳) قرآن مجید سورۂ حشر آیت ۲۱

(۴) سنن ابن ماجہ ص ۹۴ ابواب اقامۃ الصلوٰۃ

(۵) صحیح بخاری جلد ۲ ص ۷۵، کتاب فضائل القرآن

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

شَیَّبَتْنِیْ ھُوْدٌ وَّاَخَوَاتُھَا۔ (۱) مجھے سورۂ ہود اور اس جیسی دوسری صورتوں نے بوڑھا کردیا۔

اس حدیث میں وجد کی خبر ہے کیوں کہ بڑھاپا غم اور خوف سے حاصل ہوتا ہے اور یہی وجد ہے۔

ایک روایت میں ہے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے سورۂ نساء پڑھی جب وہ اس آیت پر پہنچے۔

فَکَیْفَ اِذَا جِئْنَا مِنْ کُلِّ اُمَّۃٍ بِشَھِیْدٍ وَّ جِئْنَابِکَ عَلٰی ھٰٓؤُلَآءِ شَھِیْدًا۔ (۲) پس کیسے ہوگا جب ہم ہر امت سے ایک گواہ لائیں گے اور آپ کو ان سب پر گواہ بنائیں گے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بس کرو اور آپ کی آنکھوں سے آنسو جاری تھے (۳)

ایک روایت میں ہے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ (درج ذیل آیت) پڑھی یا آپ کے پاس پڑھی گئی۔

اِنَّ لَدَیْنَآ اَنْکَالًا وَّجَحِیْمًا وَّطَعَامًا ذَا غُصَّۃٍ وَّعَذَابًا اَلِیْمًا (۴) بے شک ہمارے پاس طوق اور دھکتی ہوئی آگ ہے، گلے سے نہ اترنے والا کھانا اور دردناک عذاب ہے۔

تو (یہ پڑھ کر یا سن کر) آپ نے ایک چیخ ماری۔ (۵)

ایک روایت میں ہے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت پڑھی۔

اِنْ تُعَذِّبْھُمْ فَاِنَّھُمْ عِبَادُکَ۔ (۶) (یا اللہ!) اگر تو ان کو عذاب دے تو بے شک وہ تیرے بندے ہیں۔

پھر حضور علیہ السلام رو پڑے (۷)

---

(۱) جامع الترمذی ص ۱۴۳، ابواب التفسیر

(۲) قرآن مجید، سورۂ النساء آیت ۴۱

(۳) صحیح بخاری جلد ۲ ص ۶۵۹ کتاب التفسیر

(۴) قرآن مجید، سورۂ مزمل آیت ۱۲، ۱۳

(۵) شعب الایمان جلد اول ص ۵۲۲ حدیث ۹۱۷

(۶) قرآن مجید، سورۂ مائدہ آیت ۱۱۸۔

(۷) صحیح مسلم جلد اول ص ۱۱۳ کتاب الایمان

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب کسی آیت رحمت پر گزرتے (پڑھتے) تو دعا مانگتے اور خوش ہوتے (۱) اور یہ استبشار (خوشی) وجد ہی ہے اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں اہل وجد کی تعریف میں فرمایا:

وَاِذَا سَمِعُوْا مَآ اُنْزِلَ اِلَى الرَّسُوْلِ تَرٰٓى اَعْيُنَهُمْ تَفِيْضُ مِنَ الدَّمْعِ مِمَّا عَرَفُوْا مِنَ الْحَقِّ۔ (۲)

اور جب وہ اس کلام کو سنتے ہیں جو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر اتارا گیا تو آپ ان کی آنکھوں کو دیکھیں کہ ان سے آنسو جاری ہوتے ہیں۔

ایک روایت میں ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نماز پڑھ رہے ہوتے تو آپ کے سینے میں اس قدر جوش ہوتا جس طرح ہنڈیا جوش مارتی ہے۔ (۳)

قرآن پاک سے صحابہ کرام اور تابعین کو جو وجد آتا تھا اس سلسلے میں بہت کچھ منقول ہے ان میں کوئی چیخ مارتا، کوئی روتا، کسی پر غشی طاری ہوتی اور کوئی اسی حالت میں انتقال کر جاتا۔ ایک روایت میں ہے کہ حضرت زرارہ بن ابی اوفی رحمہ اللہ جو تابعین میں سے ہیں مقام رقہ میں لوگوں کو نماز پڑھا رہے تھے تو آپ نے پڑھا۔

فَاِذَا نُقِرَ فِى النَّاقُوْرِ۔ (۴)

پھر جب صور پھونکا جائے گا۔

یہ پڑھتے ہی آپ نے چیخ ماری اور محراب میں ہی انتقال کر گئے۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے ایک شخص کو پڑھتے ہوئے سنا۔

اِنَّ عَذَابَ رَبِّكَ لَوَاقِعٌ مَّا لَهٗ مِنْ دَافِعٍ۔ (۵)

بے شک تیرے رب کا عذاب واقع ہونے والا ہے اسے کوئی روکنے والا نہیں ہے۔

تو آپ نے ایک چیخ ماری اور بیہوش ہو کر گر پڑے آپ کو اٹھا کر گھر لایا گیا تو آپ ایک مہینہ تک بیمار رہے حضرت ابو جریر جو تابعین میں سے ہیں ان کے سامنے حضرت صالح مری نے قرآن پاک میں سے کچھ پڑھا تو انہوں نے ایک چیخ ماری اور انتقال کر گئے۔

حضرت امام شافعی رحمہ اللہ نے کسی شخص کو یہ آیت پڑھتے ہوئے سنا۔

---

(۱) سنن ابن ماجہ ص ۹۷ ابواب اقامۃ الصلوٰۃ

(۲) قرآن مجید، سورۂ مائدہ آیت ۸۳

(۳) مسند امام احمد بن حنبل جلد ۴ ص ۲۵ مرویات مطرف عن ابیہ

(۴) قرآن مجید، سورۂ مدثر آیت ۸

(۵) قرآن مجید، سورۂ الطور آیت ۷

هٰذَا يَوْمُ لَا يَنْطِقُوْنَ وَلَا يُؤْذَنُ لَهُمْ فَيَعْتَذِرُوْنَ ۔ (۱)

اس دن وہ بول نہیں سکیں گے اور نہ انہیں اجازت ہو گی کہ وہ اپنا عذر پیش کریں ۔

یہ آیت سن کر آپ بیہوش ہو گئے ۔

حضرت علی بن فضیل رحمہ اللہ نے ایک قاری کو اس آیت کی قرأت کرتے ہوئے سنا۔

يَوْمَ يَقُوْمُ النَّاسُ لِرَبِّ الْعَالَمِيْنَ ۔ (۲)

جس دن لوگ تمام جہانوں کو پالنے والے کے سامنے کھڑے ہوں گے۔

تو وہ (قاری) بیہوش ہو کر گر پڑے حضرت فضیل رحمہ اللہ نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے تجھ سے قبول کر لیا تجھے وہ ملے گا جو اللہ تعالیٰ نے تجھ سے معلوم کر لیا ہے اسی طرح ان (تابعین) کی ایک جماعت اور صوفیا کرام سے بھی منقول ہے حضرت شبلی رحمہ اللہ رمضان شریف کی ایک رات اپنی مسجد میں تھے اور اپنے امام کے پیچھے نماز پڑھ رہے تھے امام صاحب نے پڑھا۔

وَلَئِنْ شِئْنَا لَنَذْهَبَنَّ بِالَّذِیْ اَوْحَیْنَا اِلَیْكَ ۔ (۳)

اور اگر ہم چاہتے تو آپ سے وہ چیز لے جاتے جو ہم نے آپ کی طرف وحی بھیجی ہے۔

تو حضرت شبلی رحمہ اللہ نے اتنی بڑی چیخ ماری کہ لوگوں نے خیال کیا ان کی روح پرواز کر گئی ہے، ان کا چہرہ سرخ ہو گیا اور کاندھے تھرانے لگے اور آپ بار بار کہتے کہ احباب کو اسی طرح خطاب کیا جاتا ہے۔

حضرت جنید بغدادی رحمہ اللہ فرماتے ہیں میں حضرت سری سقطی رحمہ اللہ کے پاس گیا تو میں نے ان کے سامنے ایک بیہوش آدمی کو دیکھا انہوں نے مجھے بتایا کہ اس شخص نے قرآن پاک کی ایک آیت سنی ہے تو اس پر بیہوشی طاری ہو گئی، میں نے کہا اس کو وہی آیت سناؤ جب وہ آیت پڑھی گئی تو اسے ہوش آگیا حضرت سری سقطی نے پوچھا آپ کو یہ علاج کیسے معلوم ہوا میں نے کہا حضرت یعقوب علیہ السلام کی بینائی مخلوق کی وجہ سے گئی تھی مخلوق کے باعث واپس آئی اور اگر حق کی وجہ سے جاتی تو مخلوق کے باعث بینائی نہ لوٹتی انہوں نے اچھی بات فرمائی ہے اور جو کچھ حضرت جنید بغدادی رحمہ اللہ نے فرمایا اس کی طرف یہ شعر اشارہ کرتا ہے۔

"پہلے تو نے لذت کی وجہ سے پیالہ پیا اور پھر اس کا علاج بھی اسی سے کیا"

ایک صوفی فرماتے ہیں میں رات کے وقت یہ آیت پڑھ رہا تھا۔

---

(۱) قرآن مجید سورۂ مرسلات آیت ۳۵، ۳۶

(۲) قرآن مجید، سورۂ المطففین، آیت ۶

(۳) قرآن مجید سورۂ الاسراء آیت ۸۶

كُلُّ نَفْسٍ ذَائِقَةُ الْمَوْتِ۔ (۱) ہر نفس نے موت کو چکھنا ہے۔

میں اسے بار بار پڑھنے لگا تو اچانک ایک ہاتف نے آواز دی کہ تم اس آیت کو کہاں تک بار بار پڑھو گے ہم نے چار جنوں کو ہلاک کر دیا جب سے وہ پیدا ہوئے ہیں انہوں نے آسمان کی طرف سر نہیں اٹھایا تھا حضرت ابو علی مغازلی نے حضرت شبلی (رحمہما اللہ) سے فرمایا جب میرے کانوں میں قرآن پاک کی کوئی آیت پڑتی ہے تو وہ مجھے دنیا سے اعراض کی طرف کھینچتی ہے پھر میں اپنے احوال اور لوگوں کی طرف لوٹ جاتا ہوں تو یہ کیفیت باقی نہیں رہتی انہوں نے فرمایا اگر قرآن پاک سن کر تم اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہوتے ہو تو یہ بھی اس کی طرف سے رحمت و عنایت ہے اور جب وہ تمہیں تمہارے نفس کی طرف لوٹا دیتا ہے تو یہ اس کی طرف سے تم پر شفقت ہے کیونکہ تمہارے شایان یہی ہے کہ اپنی تدبیر اور قوت سے بری ہو کر اس کی طرف متوجہ ہو جاؤ۔

ایک شخص نے صوفیا کرام میں سے ایک قاری کو پڑھتے ہوئے سنا۔

يَا أَيَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ ارْجِعِي إِلَى رَبِّكِ رَاضِيَةً مَّرْضِيَّةً۔ (۲) اے مطمئن نفس اپنے رب کی طرف اس طرح لوٹ جا کہ تو اس سے راضی اور وہ تجھ سے راضی ہے۔

اس نے دوبارہ پڑھنے کا مطالبہ کیا اور کہا کہ نفس کو کب تک کہوں کہ رجوع کر، وہ رجوع ہی نہیں کرتا پھر اسے وجد آ گیا اور اس نے ایک چیخ ماری اور اس کی روح پرواز کر گئی۔

حضرت بکر بن معاذ رحمہ اللہ نے ایک قاری کو یہ آیت پڑھتے ہوئے سنا۔

وَأَنْذِرْهُمْ يَوْمَ الْآزِفَةِ۔ (۳) اور انہیں قیامت کے دن سے ڈرائیں۔

یہ سن کر وہ مضطرب ہوئے پھر ایک چیخ ماری اور کہا اس پر رحم کر جس کو تو نے ڈرایا اور ڈرانے کے بعد بھی وہ تیری اطاعت کی طرف متوجہ نہ ہوا۔ پھر ان پر بیہوشی طاری ہو گئی۔

حضرت ابراہیم بن ادھم رحمہ اللہ جب کسی کو یہ آیت پڑھتے ہوئے سنتے۔

إِذَا السَّمَاءُ انْشَقَّتْ۔ (۴) جب آسمان پھٹ جائے گا۔

تو آپ کے جوڑ اس قدر مضطرب ہوتے حتیٰ کہ آپ کانپ اٹھتے۔ حضرت محمد بن صبیح رحمہ اللہ فرماتے ہیں ایک

---

(۱) قرآن مجید، سورۂ آل عمران آیت ۱۸۵

(۲) قرآن مجید، سورۂ الفجر آیت ۲۷، ۲۸

(۳) قرآن مجید، سورہ غافر آیت ۱۸

(۴) قرآن مجید سورۂ الانشقاق آیت ۱

شخص دریائے فرات میں غسل کر رہا تھا کہ اس کے کنارے پر ایک شخص یہ آیت پڑھتے ہوئے گزرا۔

وَامْتَازُوا الْيَوْمَ اَيُّهَا الْمُجْرِمُوْنَ۔ (۱) اسے مجرمو! آج الگ ہو جاؤ۔

یہ سن کر وہ شخص مسلسل تڑپتا رہا حتیٰ کہ ڈوب کر مر گیا۔ ذکر کیا گیا کہ حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ نے ایک نوجوان کو قرآن پاک پڑھتے ہوئے دیکھا وہ ایک آیت پر پہنچا تو بال کھڑے ہو گئے حضرت سلمان رضی اللہ عنہ کو اس سے محبت ہو گئی چند دن اس کو نہ دیکھا تو اس کے بارے میں پوچھا آپ کو بتایا گیا کہ وہ بیمار ہے آپ اس کی بیمار پرسی کے لیے تشریف لے گئے تو دیکھا کہ وہ موت کی کشمکش میں ہے اس نے کہا آپ نے جو لرزہ میرے بدن میں دیکھا تھا وہ اچھی صورت میں میرے پاس آیا اور اس نے مجھے بتایا کہ اللہ تعالیٰ نے اس کے سبب میرے تمام گناہ بخش دیئے۔

خلاصہ یہ کہ اہل دل قرآن پاک سنتے وقت وجد سے خالی نہیں ہوتا اور اگر اس پر قرآن پاک کا کچھ بھی اثر نہ ہو تو اس کی مثال اس طرح ہے ارشادِ خداوندی ہے،

فَمَثَلُهُ كَمَثَلِ الَّذِيْ يَنْعِقُ بِمَا لَا يَسْمَعُ اِلَّا دُعَاءً وَّنِدَاءً صُمٌّ بُكْمٌ عُمْيٌ لَا يَعْقِلُوْنَ۔ (۲)

پس اس کی مثال اس شخص کی طرح ہے جو اس کو پکارتا ہے جو نہیں سنتا مگر محض چیخ و پکار، وہ بہرہ گونگا اور اندھا ہے اور وہ لوگ عقل نہیں رکھتے۔

بلکہ اہل دل اگر کوئی حکمت بھری بات سنیں تو اس سے بھی متاثر ہوتے ہیں چنانچہ جعفر خلدی کہتے ہیں خراسان کا ایک آدمی حضرت جنید بغدادی رحمہ اللہ کے پاس آیا اور ان کے پاس ایک جماعت تھی اس نے حضرت جنید سے پوچھا آدمی کے نزدیک اس کی تعریف کرنے والے اور اسے برا کہنے والے برابر کب ہوتے ہیں؟ کسی درویش نے جواب دیا جب آدمی شفا خانے میں جاتا ہے اور دو قیدوں میں مقیّد ہوتا ہے۔

حضرت جنید رحمہ اللہ نے فرمایا یہ جواب تمہارے شایان نہیں پھر آپ اس شخص کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا یہ نوبت اس وقت آتی ہے جب یقین کرے کہ میں مخلوق ہوں اس پر اس شخص نے ایک چیخ ماری اور مر گیا۔

سوال:

اگر تم کہو کہ جب قرآن پاک کا سننا وجد کے لیے مفید ہے تو لوگ قوالوں کے پاس سماع کے لیے کیوں جمع ہوتے ہیں قراء کے پاس کیوں اکٹھے نہیں ہوتے چاہیئے تو یہ کہ وہ حلقہ قراء میں جمع ہوں قوالی کرنے والوں کے پاس اکٹھے نہ ہوں اور ہر دعوت کے موقعہ پر اجتماع میں قوال کی بجائے قاری ہونا چاہیئے کیوں کہ اللہ تعالیٰ کا کلام غنا سے بہر حال افضل ہے۔

---

(۱) قرآن مجید سورۂ یاسین آیت ۵۹

(۲) قرآن مجید سورۂ بقرہ آیت ۱۷۱

جواب :
غنا، سات وجہ سے قرآن پاک کی نسبت وجد کو زیادہ ابھارتا ہے۔

پہلی وجہ :
قرآن پاک کی تمام آیات سننے والے کے حالات کے مناسب نہیں ہوتیں اور نہ ہی وہ ان کو سمجھ کر اپنی حالت پر ڈھال سکتا ہے جس آدمی پر غم، شوق اور ندامت غالب ہو اس کی حالت اس آیت کریمہ کے مناسب کیسے ہو گی۔

يُوصِيكُمُ اللّٰهُ فِي أَوْلَادِكُمْ لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْأُنْثَيَيْنِ۔ (۱)	اللہ تعالیٰ تمہیں تمہاری اولاد کے بارے میں حکم دیتا ہے کہ (وراثت میں) ایک لڑکے کا حصہ دو لڑکیوں کے برابر ہے۔

اسی طرح ارشاد خداوندی ہے،

وَالَّذِينَ يَرْمُونَ الْمُحْصَنَاتِ۔ (۲)	اور وہ لوگ جو پاکدامن عورتوں پر الزام لگاتے ہیں۔

اسی طرح احکام میراث سے متعلق تمام آیات ہیں یا طلاق و حدود وغیرہ سے جو آیات متعلق ہیں اور دل کو وہی بات حرکت دیتی ہے جو اس کے مناسب ہو اور شعراء نے جو اشعار منظوم کئے تو وہ حالتِ دل کو ہی ظاہر کرنے کے لیے ہیں۔ لہٰذا ان سے حال کو سمجھنے کے لیے کسی تکلف کی ضرورت نہیں ہوتی۔

ہاں جس پر کوئی حالت اس طرح غالب ہو کہ اس کی موجودگی میں کسی دوسری حالت کی گنجائش نہ ہو اور اس کو اس قدر فہم و ذکاء حاصل ہو کہ اس کے ذریعے الفاظ کے بعید معانی سمجھ سکے تو وہ ہر بات کو سن کر وجد میں آسکتا ہے جیسے وہ "یوصیکم اللہ" سن کر حالت موت کو یاد کرے جس میں وصیت کی احتیاج ہوتی ہے کیوں کہ ہر آدمی اپنے پیچھے اولاد اور مال چھوڑ کر جاتا ہے اور یہ دونوں چیزیں اسے زندگی میں محبوب ہوتی ہیں تو وہ دو محبوبوں میں سے ایک کو دوسرے کے لیے چھوڑتا ہے اور دونوں سے فرقت اختیار کرتا ہے تو اس پر خوف اور جزع طاری ہو جاتا ہے۔

یا وہ اللہ تعالیٰ کا کلام "يُوصِيكُمُ اللّٰهُ فِي أَوْلَادِكُمْ" سنتا ہے تو وہ صرف اسم خداوندی کی وجہ سے اس کے آگے پیچھے کے الفاظ سے بے خبر ہو کر مدہوش ہو جاتا ہے یا دل میں خیال کرے کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت و شفقت کس قدر ہے کہ وہ بندوں کی موت و حیات کے پیش نظر خود ہی ان کی وراثت کی تقسیم کا متولی ہے اور وہ شخص یوں کہے کہ جب وہ ذات خداوندی ہماری موت کے بعد ہماری اولاد کی طرف رحمت کے ساتھ متوجہ ہے تو اس میں شک نہیں ہماری طرف

---

(۱) قرآن مجید، سورۃ النساء آیت ۱۱

(۲) قرآن مجید، سورۃ النور آیت ۴

بھی نظرِ رحمت فرمائے گا، تو اس طرح اس میں امید والی حالت جوش مارتی ہے اور اس سے مسرت و سرور کی کیفیت پیدا ہوتی ہے۔

یا وہ ارشاد خداوندی "لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْاُنْثَيَيْنِ" کو دیکھتا ہے تو اسے معلوم ہوتا ہے کہ مرد ہونے کی وجہ سے لڑکے کو لڑکی پر فضیلت حاصل ہے اور آخرت میں ان مردوں کو فضیلت حاصل ہوگی جن کی تجارت ان کو ذکر خداوندی سے غافل کر دے تو وہ حقیقت میں مرد نہیں عورت ہے اور اسے یہ ڈر ہو کر وہ آخرت میں اخروی نعمتوں سے محروم نہ ہو جائے جس طرح عورتیں دنیا کے مالوں میں پیچھے رکھی گئیں۔

تو اس قسم کے خیالات سے وجد کو حرکت ہوتی ہے لیکن یہ اس شخص کے لیے ہے جس میں دو وصف ہوں۔

ایک یہ کہ اس پر ایسی حالت طاری ہو جو اس پر غالب ہو اور اسے گھیرے ہوئے ہو اور دوسرا یہ کہ وہ نہایت سمجھدار اور عقل مند ہو۔ تاکہ وہ قرب کی باتوں کے ذریعے دُور کے معانی پر آگاہ ہو سکے اور چونکہ ایسے لوگ کم ہیں لہٰذا ایسے سماع کی طرف مجبور ہوتے ہیں جس کے الفاظ احوال کے مناسب ہوں تاکہ جوش چلا آئے۔

منقول ہے کہ حضرت ابوالحسین نوری رحمہ اللہ ایک دعوت میں کچھ لوگوں کے ہمراہ تھے ان کے درمیان علم پر بحث چھڑ گئی، حضرت ابوالحسین نوری رحمہ اللہ خاموش رہے پھر انہوں نے سر اٹھا کر یہ اشعار پڑھے (ترجمہ)

"چاشت کے وقت بہت بولنے والی غمگین فاختہ ٹہنیوں پر کُو کُو کرتی ہے وہ اپنے دلبر اور خوشگوار موسم کو یاد کر کے رونے لگی تو میرا دل مضطرب ہو گیا، کبھی میں اپنے رونے سے اسے زخمی کرتا ہوں اور کبھی اس کا رونا مجھے زخمی کرتا ہے۔ میں اپنا دکھ بیان کرتا ہوں تو اسے سمجھ نہیں آتی اور جب وہ اپنی شکایت کرتی ہے تو مجھے سمجھ نہیں آتی لیکن ہم ایک دوسرے کو سوزش دل کے ذریعے پہچانتے ہیں"، فرماتے ہیں وہاں جتنے لوگ موجود تھے سب کھڑے ہو گئے اور وجد میں آگئے اور ان کو یہ وجد علم میں غوطہ زن ہونے سے نہیں آیا حالانکہ وہ علم بھی یقینی اور حق تھا۔

دوسری وجہ:

قرآن پاک اکثر لوگوں کو یاد ہوتا ہے اور کانوں اور دلوں پر کثرت سے آتا ہے اور جو بات پہلی بار سنی جائے اس کا دل پر بہت زیادہ اثر ہوتا ہے دوسری مرتبہ اثر کم ہو جاتا ہے اور تیسری بار قریب ہے کہ اثر ختم ہو جائے اگر صاحبِ وجد کو اس بات کا پابند بنایا جائے کہ وہ ایک شعر پر ہمیشہ وجد میں آیا کرے یعنی قریب قریب وقت میں مثلاً ایک دن یا ہفتے میں بار بار سن کر وجد میں آئے تو اس کے لیے ممکن نہ ہوگا، اور اگر شعر بدل دیا جائے تو اس کے دل میں نئے سرے سے اثر پیدا ہوگا، اگرچہ مضمون وہ پہلا ہی ہو لیکن جب پہلے کلام سے جدا کلام ہو یعنی الفاظ اور قافیہ وغیرہ بدل جائے تو وہ نفس کو حرکت دیتا ہے اگرچہ مفہوم ایک ہی ہو لیکن قاری ہر وقت نیا قرآن نہیں پڑھ سکتا اور نہ ہر دعوت میں ایسا کر سکتا ہے کیوں کہ قرآن پاک محفوظ ہے اس میں زیادتی نہیں ہو سکتی، حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے اسی بات کی طرف اشارہ کیا ہے جو ہم نے

ذکر کی ہے جب آپ نے دیہاتیوں کو دیکھا کہ وہ قرآن پاک سنتے ہیں اور روتے ہیں تو فرمایا ہم بھی تمہاری طرح تھے لیکن ہمارے دل سخت ہوگئے ۔ تمہیں یہ خیال نہیں کرنا چاہیئے کہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا دل عربی بدوؤں کے دلوں سے زیادہ سخت تھا یا آپ کو اللہ تعالیٰ اور اس کے کلام سے اس قدر محبت نہ تھی جس قدر ان کو تھی بلکہ دل پہ بار بار گزرنے سے آپ اس کے عادی ہوگئے تھے اور اس کا اثر کم معلوم ہوتا تھا کیوں کہ کثرت سماع کی وجہ سے اس سے اُنس حاصل ہو گیا تھا کیونکہ عادتاً یہ بات محال ہے کہ کوئی سننے والا قرآن پاک کی آیت سنے جو پہلے نہ سنی ہو اور اس پر روئے اور پھر بیس سال تک اسے بار بار پڑھ کر روتا رہے اور پہلی اور آخری حالت میں کوئی فرق نہ ہو، ہاں کوئی نئی بات ہو تو متاثر ہوگا کیونکہ ہر جدید میں لذت ہوتی ہے اور ہر نئی بات کا ایک صدمہ ہوتا ہے، ہر وہ چیز جس سے الفت ہو اس کے ساتھ اُنس ہوتا ہے جو صدمہ کے خلاف ہوتا ہے، اسی لیے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے ارادہ فرمایا کہ لوگوں کو زیادہ طواف کرنے سے منع فرمادیں اور ارشاد فرمایا مجھے ڈر ہے کہ کہیں لوگ اس گھر (خانہ کعبہ) سے مانوس نہ ہو جائیں اور یوں اس کی وقعت کم ہو جائے۔

جو شخص حج کرنے آتا ہے اور پہلی مرتبہ خانہ کعبہ کو دیکھتا ہے وہ روتا ہے اور چلاتا ہے اور بعض اوقات بیہوش بھی ہو جاتا ہے جب اس کی نگاہ بیت اللہ شریف پر پڑتی ہے اور بعض اوقات وہ مہینہ بھر مکہ مکرمہ میں ٹھہرتا ہے تو وہ بات اپنے دل میں نہیں پاتا۔ تو قوال ہر وقت نئے اشعار پڑھ سکتا ہے لیکن ہر وقت نئی آیت نہیں پڑھی جاسکتی۔

تیسری وجہ:

کلام موزوں ہو اور شعر میں ذوق ہو تو نفس میں اس کی تاثیر ہوتی ہے، موزون کلام کے ساتھ اچھی آواز اور اس اچھی آواز میں فرق ہے جب کلام غیر موزون ہو اور اشعار میں وزن پایا جاتا ہے آیات میں نہیں، قوال جس شعر کو پڑھ رہا ہے اگر اس میں غلطی کرے اور خوش آوازی میں اصل طریقے سے ہٹ جائے تو سننے والے کا دل مضطرب ہو جاتا ہے اور اس کا وجد اور سماع باطل ہو جاتا ہے اور عدم مناسبت کی وجہ سے طبیعت متنفر ہو جاتی ہے اور جب طبیعت میں نفرت پیدا ہو تو دل میں اضطراب اور تشویش پیدا ہوتی ہے لہذا وزن کلام موثر ہوتا ہے اسی لیے شعر ہی مطلوب ہوتا ہے۔

چوتھی وجہ:

خوش الحانی کے اعتبار سے موزون اشعار کی تاثیر دل میں مختلف ہوتی ہے یہ طریقے شعر اور لے کہلاتے ہیں اور ان طریقوں کا اختلاف اس وقت ہوتا ہے جب مقصور کو مد کے ساتھ اور مد والے حرف کو قصر کی صورت میں پڑھے کلمات کے درمیان وقف کیا جائے اور بعض کو ملایا جائے اور بعض کو توڑا جائے شعروں میں یہ تصرف جائز ہے لیکن قرآن پاک میں اسی طرح تلاوت کی جاتی ہے جس طرح وہ اترا ہے تلاوت کے تقاضوں کے خلاف اس میں مد، قصر، وصل اور وقف حرام یا مکروہ ہے، اور جب وہ نزول قرآن کے مطابق ٹھہر ٹھہر کر پڑھے تو وہ اثر ختم ہو جائے گا جو الحان کی وجہ سے پیدا ہوتا ہے اور یہ

"تاثیر میں مستقل سبب ہے اگرچہ اس کی سمجھ نہ آئے جس طرح باجے وغیرہ اور وہ تمام آوازیں جو سمجھ نہیں آتیں۔

پانچویں وجہ:

موزوں کلام کے نغمات کی تاکید دوسری موزوں آوازوں سے بھی ہوتی ہے جیسے نقارہ اور ڈھولک وغیرہ بجانا کیوں کہ ضعیف وجد اسی وقت جوش میں آتا ہے جب اس کا سبب قوی ہو اور ان تمام اسباب کے جمع ہونے سے وہ قوی ہوجاتا ہے اور ان میں ہر ایک انفرادی طور پر بھی تاثیر رکھتا ہے تو قرآن پاک کو ان قرائن سے بچانا واجب ہے کیونکہ عوام کے نزدیک ان کی صورت کھیل کود کی سی ہے اور قرآن پاک تمام مخلوق کے نزدیک کھیل نہیں بلکہ سنجیدہ کلام ہے تو جو کلام محض حق ہے اس کے ساتھ اسے نہ ملایا جائے جو عام لوگوں کے نزدیک لہو ولعب ہے اگرچہ وہ اسے اس نظر سے نہ دیکھتے ہوں کہ یہ کھیل ہے۔

بلکہ قرآن پاک کی تعظیم ضروری ہے لہٰذا اسے راستوں پر نہ پڑھا جائے بلکہ پرسکون مجلس میں پڑھا جائے نہ اسے حالت جنابت میں پڑھا جائے اور نہ ہی وضو کے بغیر اس کی تلاوت کی جائے۔

اور ہر حال میں قرآن پاک کی حرمت کا حق ادا کرنے پر قدرت حاصل نہیں ہوتی البتہ وہی لوگ ایسا کر سکتے ہیں جو اپنے احوال کی حفاظت کرتے ہیں۔

تو اس وجہ سے قوالی کی طرف توجہ کی جاتی ہے جو اس قسم کی حفاظت اور رعایت کا استحقاق نہیں رکھتی۔ یہی وجہ ہے کہ شادی کی رات تلاوت قرآن پاک کے ساتھ دف بجانا جائز نہیں حالانکہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے شادی کے موقع پر دف بجانے کا حکم دیا اور آپ نے فرمایا۔

أَظْهِرُوا النِّكَاحَ وَلَوْ بِضَرْبِ الْغِرْبَالِ۔(۱) نکاح کو ظاہر کرو اگرچہ چھلنی بجانے سے ہی ہو۔

یا اس مفہوم کے کوئی دوسرے الفاظ فرمائے۔

اور یہ بات (دف بجانا) اشعار کے ساتھ جائز ہے قرآن پاک کے ساتھ نہیں یہی وجہ ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب ربیع بنت معوذ رضی اللہ عنہا کے گھر داخل ہوئے اور ان کے پاس کچھ لونڈیاں گا رہی تھیں تو آپ نے سنا ان میں سے ایک کہتی تھی ہم میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہیں جو کل (مستقبل) کی بات جانتے ہیں اور وہ اسے خوش آوازی سے پڑھ رہی تھی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اسے چھوڑ دو اور جو کچھ پہلے پڑھ رہی تھیں وہی پڑھو۔ (۲)

چوں کہ یہ نبوت کی شہادت تھی اس لیے آپ نے اسے روکا کہ اسے چھوڑ کر وہ پڑھو جو لہو ہے کیونکہ یہ کھیل نہیں ہے

---

(۱) السنن الکبریٰ للبیہقی جلد ۷ ص ۲۹۰ کتاب الصداق

(۲) سنن ابن ماجہ ص ۱۳۸ ابواب النکاح

لہذا اسے لہو ولعب کی صورت سے نہیں ملنا چاہیئے۔

فوٹ: بعض لوگوں کو مغالطہ لگا ہوا ہے کہ حضور علیہ السلام نے اس لیے منع فرمایا کہ آپ کل کی بات نہیں جانتے تھے تو حضرت امام غزالی رحمہ اللہ نے وضاحت فرمادی کہ غیب کی بات جاننے نہ جاننے کا مسئلہ نہیں ہے اس کلام کا یہ موقعہ نہیں تھا اور سوچنے والی بات یہ ہے کہ اگر صحابہ کرام کا عقیدہ نہ تھا کہ آپ اللہ تعالیٰ کی عطا سے غیب جانتے ہیں تو ان بچیوں کو یہ کہاں سے معلوم ہوا۔ ۱۲ ہزاروی۔

تو اس صورت میں ان اسباب کی تقویت دشوار ہو گئی جن کے ذریعے سماع دل کو حرکت دیتا ہے تو احترام کے طور پر واجب ہے کہ قرآن کی بجائے قوالی کی طرف رُخ کیا جائے جیسا کہ اس لڑکی پر لازم ہوا کہ وہ نبوت کی شہادت سے گانے کی طرف رُخ کرے۔

چھٹی وجہ:

قوال بعض اوقات ایسے اشعار پڑھتا ہے جو سامع کے حال کے موافق نہیں ہوتے تو وہ اسے ناپسند کرتا ہے اور اسے اس سے روک کر دوسرے اشعار کا مطالبہ کرتا ہے کیوں کہ ہر کلام ہر حال کے موافق نہیں ہوتا پس اگر لوگ دعوتوں میں جمع ہو کر قاری سے کچھ پڑھوایا کرتے تو عجب نہیں وہ کوئی ایسی آیت پڑھے جو ان کے حال کے موافق نہ ہو کیوں کہ قرآن پاک اگرچہ تمام لوگوں کے لیے شفا ہے لیکن ان کے مختلف حالات کے اعتبار سے ہے آیاتِ رحمت ڈرنے والے کے لیے شفا ہیں، عذاب کی آیات بے خوف اور دھوکے میں پڑے ہوئے شخص کے لیے شفا ہیں اس کی تفصیل نہایت طویل ہے جب اس بات کا ڈر موجود ہے کہ جو کچھ پڑھا گیا شاید کسی شخص کے حال کے موافق نہ ہو اور وہ اسے ناپسند کرے تو یوں کلام خداوندی کو ناپسند کرنے کی وجہ سے اس کے لیے خطرہ پیدا ہوا جائے اور پھر وہ اس سے چھوٹنے کا راستہ نہیں پائے گا۔ تو اس قسم کے خطرہ سے بچنا لازمی اور واجب ہے کیوں کہ اس سے بچنے کی صورت یہی ہے کہ اسے اپنی حالت کے مطابق ڈھالے اور قرآن پاک کو اسی پر ڈھال سکتے ہیں جس کا اللہ تعالیٰ نے ارادہ فرمایا۔ لیکن شاعر کے قول کو اس کی مراد کے خلاف بھی ڈھالا جا سکتا ہے گویا قرآن مجید میں یا تو کراہت کا خطرہ ہے یا غلط تاویل کا جو اس کے حال کے موافق ہو لہذا اللہ تعالیٰ کے کلام کو اس قسم کی باتوں سے بچانا اور اس کی تعظیم کرنا ضروری ہے۔

صوفیاء کرام نے سماعِ قرآن کی بجائے غنا سننے کی طرف جو توجہ کی ہے اس کے یہ اسباب میرے ذہن میں آئے ہیں۔

لیکن یہاں ایک ساتویں وجہ بھی ہے جس کو حضرت ابو نصر سراج طوسی رحمہ اللہ نے اس سلسلے میں عذر کے طور پر ذکر کیا ہے انہوں نے فرمایا کہ قرآن پاک اللہ تعالیٰ کا کلام اور اس کی صفت ہے اور وہ حق ہے جو انسانی طاقت سے باہر ہے کیونکہ یہ غیر مخلوق ہے لہذا مخلوق صفات اس کی طاقت نہیں رکھتیں اگر دل کے سامنے اس کے معانی اور ہیبت سے

ایک ذرہ ظاہر کیا جائے تو وہ تھرتھرانے لگیں، کانپ اٹھیں اور حیران رہ جائیں جب کہ عمدہ نغمات کو طبیعتوں سے مناسبت ہے ہے اور ان کی نسبت لذتوں کی سی نسبت ہے امور حقہ والی نسبت نہیں اور اشعار کی نسبت بھی لذت والی نسبت ہے تو جب اشعار میں موجود اشارات اور لطائف کے ساتھ خوش الحانی مل جائے تو وہ ایک دوسرے کے ہمشکل ہو جاتے ہیں اور مخلوق جب مخلوق سے ہم شکل ہو تو لذتوں کے قریب اور دل پر آسان ہوتی ہے تو جب تک بشریت باقی ہے اور ہم اپنی صفات اور لذتوں پر ہیں تو ہمیں دل کش نغمات اور خوش آوازی سے لذت حاصل ہوتی رہے گی، تو ان قصائد سے لذت حاصل کر کے ان لذتوں کو باقی رکھنا زیادہ مناسب ہے کیوں کہ قرآن پاک اللہ تعالیٰ کی صفت اور اس کا کلام ہے وہ اسی کی طرف سے آیا اور اُدھر ہی لوٹ جائے گا۔

حضرت ابو نصر سراج کے کلام اور اعتذار کا حاصل مقصود یہی ہے۔

حضرت ابوالحسن درّاج رحمہ اللہ سے منقول ہے فرماتے ہیں میں نے بغداد سے حضرت یوسف بن حسین رازی رحمہ اللہ کی خدمت میں حاضری اور سلام کا ارادہ کیا جب میں مقام رے میں پہنچا تو ان کے بارے میں پوچھنے لگا میں جس سے بھی ان کے بارے میں پوچھتا تو وہ یہی جواب دیتا کہ اس زندیق سے تمہارا کیا کام ہے؟ میرا دل بہت تنگ ہوا اور میں واپس لوٹنے لگا پھر میں نے سوچا کہ میں نے اتنا سفر برداشت کیا تو کم از کم انہیں دیکھ تو لوں۔

میں ان کے بارے میں مسلسل پوچھتا رہا حتی کہ میں مسجد میں ان کے پاس چلا گیا وہ محراب میں بیٹھے ہوئے تھے ان کے سامنے ایک اور شخص تھا ان کے ہاتھ میں قرآن پاک تھا اور وہ پڑھ رہے تھے میں نے دیکھا کہ ان کا چہرہ اور داڑھی نہایت خوبصورت ہے میں نے سلام کیا تو وہ میری طرف متوجہ ہوئے اور پوچھا کہاں سے آئے ہو؟ میں نے کہا بغداد سے آیا ہوں پوچھا کیسے آنا ہوا؟ میں نے کہا آپ کو سلام پیش کرنے آیا ہوں، فرمایا اگر ان شہروں میں تم سے کوئی شخص کہتا کہ ہمارے پاس ٹھہرو ہم تمہارے لیے مکان اور لونڈی خریدتے ہیں تو کیا یہ بات تمہیں آنے سے روکتی؟ میں نے کہا اللہ تعالیٰ نے ان میں سے کسی بات کے ساتھ میرا امتحان نہیں لیا اور اگر وہ مجھے اس آزمائش میں ڈالتا تو مجھے معلوم نہیں میں اس وقت کیا کرتا۔ پھر فرمایا کیا تم کوئی چیز سنا سکتے ہو؟ میں نے کہا جی ہاں۔ فرمایا اچھا پڑھو میں نے پڑھنا شروع کر دیا۔

میں دیکھتا ہوں تم ہمیشہ فراق کی عمارت تعمیر کرتے ہو اگر مجھے ہوش ہوتا تو میں اس عمارت کو گرا دیتا مجھے تم سے کام پڑا اور تم لیت ولعل سے کام لے رہے کاش مجھے تم سے اس وقت کام پڑتا جب لفظ لیت کام نہ دیتا،،

فرماتے ہیں انہوں نے قرآن پاک بند کر دیا اور مسلسل روتے رہے حتی کہ ان کی داڑھی اور کپڑے تر ہو گئے اور مجھے ان کے زیادہ رونے کی وجہ سے ان پر ترس آنے لگا۔ پھر فرمایا اے بیٹے رے والوں کو ملامت نہ کرنا کہ وہ کہتے ہیں یوسف زندیق ہے کیونکہ میں صبح سے قرآن پاک پڑھ رہا ہوں اور میری آنکھوں سے ایک قطرہ نہیں آیا۔ لیکن ان دو شعروں نے مجھ پر قیامت قائم کر دی ہے۔

تو اگرچہ دل اللہ تعالیٰ کی محبت میں جل رہے ہوں، اشعار ان میں وہ ابھار پیدا کرتے ہیں جو قرآن پاک سے نہیں ہوتا اور یہ اس لیے کہ اشعار میں وزن ہوتا ہے اور وہ طبیعتوں کے مشابہ ہوتے ہیں اور چونکہ وہ طبیعتوں کے ہم شکل ہوتے ہیں اس لیے انسان اشعار کہہ سکتا ہے لیکن قرآن پاک بشری اسلوب اور طریقے سے باہر ہے لہٰذا انسانی طاقت ایسا کلام کہنے سے عاجز ہے۔

منقول ہے کہ حضرت ذوالنون مصری رحمہ اللہ کے استاذ اسرافیل کے پاس ایک شخص آیا اور وہ زمین کو انگلی سے کرید رہے تھے اور ترنم سے کوئی شعر پڑھ رہے تھے پھر اس سے پوچھا کیا تم بھی ترنم سے کچھ پڑھ سکتے ہو؟ انہوں نے جواب دیا نہیں فرمایا تم دل کے بغیر ہو۔ یہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ جو آدمی صاحبِ دل ہوتا ہے اور وہ اپنی طبیعت کی پہچان رکھتا ہے اسے معلوم ہوتا ہے کہ اشعار اور نغمات کے ذریعے اسے جو حرکت ہوتی ہے وہ کسی دوسری چیز سے نہیں ہوتی۔ اس لیے وہ دل کی تحریک کے لیے تکلفاً کوئی راستہ اختیار کرتا ہے چاہے اپنی آواز سے ہو یا کسی دوسرے کی آواز سے۔

ہم نے پہلے مقام کا حکم مسموع کو سمجھنے اور اسے ڈھالنے کے ضمن میں ذکر کیا ہے۔ اور دوسرے مقام کا حکم بھی یعنی وہ وجد ہے جو دل میں معلوم ہوتا ہے اب ہم وجد کا اثر بیان کرتے ہیں یعنی جو اس سے ظاہر ہوتا ہے اور وہ چیخنا، رونا، حرکت کرنا اور کپڑے وغیرہ پھاڑنا —— تو ہم کہتے ہیں۔

سماع کا تیسرا مقام:

ہم اس باب میں سماع کے ظاہری اور باطنی آداب ذکر کریں گے، نیز وجد کے کون سے آثار قابلِ تعریف ہیں اور کون سے مذمت کے قابل ہیں۔

سماع کے آداب:

سماع کے پانچ آداب ہیں:

پہلا ادب:

وقت، جگہ اور حاضرین محفل کا لحاظ کرنا، حضرت جنید بغدادی رحمہ اللہ فرماتے ہیں سماع میں تین باتوں کی ضرورت ہے ورنہ اسے نہ سنا جائے وقت کونسا ہے، جگہ کونسی ہے اور سننے والے اہل مجلس کون لوگ ہیں؟ ۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ جب کھانا حاضر ہو، جھگڑے کی صورت ہو، نماز کا وقت ہو یا کوئی دوسری وجہ ہو جس سے دل مضطرب ہو اور سماع کی طرف متوجہ نہ ہو تو اس صورت میں سماع کا کوئی فائدہ نہیں وقت کا خیال رکھنے کا یہ مطلب ہے لہٰذا فراغت قلبی کا لحاظ رکھنا چاہیے۔

جہاں تک جگہ کا تعلق ہے تو بعض اوقات شارع عام ہوتی ہے یا بدنما قسم کا مکان ہوتا ہے یا وہاں کوئی ایسا سبب ہوتا ہے جو دل کو اپنی طرف متوجہ کرتا ہے تو ایسی جگہ سے بچنا چاہیئے۔

اور حاضرین مجلس کا لحاظ رکھنے کی صورت یہ ہے کہ اگر مجلس میں دوسری قسم کے لوگ ہوں جو سماع کے منکر ہوں ظاہر

میں خود ساختہ زاہد ہوں قلبی لطائف سے مفلس ہوں تو مجلس میں ایسے لوگوں کا وجود گراں گزرتا ہے اور دل اس طرف لگا رہتا ہے اسی طرح اگر وہاں کوئی دنیا دار متکبر آدمی موجود ہو اور یہ شخص اس کا خیال رکھنے اور لحاظ رکھنے کی ضرورت سمجھتا ہو یا اہل تصوف میں کوئی تکلف کرنے والا اور خود ساختہ وجد میں آنے والا ہو اور وہ نمائش کے لیے وجد میں آئے، رقص کرے اور کپڑے پھاڑے تو یہ تمام پریشان کرنے والے ہیں تو جب یہ شرائط مفقود ہوں تو سماع کو چھوڑ دینا زیادہ بہتر ہے سننے والے کو ان شرائط کا خیال رکھنا چاہیے۔

دوسرا ادب:

شیخ حاضرین کو دیکھے اگر اس کے ارد گرد ایسے مرید ہوں جن کو سماع نقصان دیتا ہے تو وہ ان کی موجودگی میں نہ سنے اگر سنے تو ان کو کسی دوسرے کام میں لگا دے وہ مرید جنہیں سماع سے نقصان ہوتا ہے وہ تین قسم کے لوگوں میں سے کوئی ایک ہے ان میں سے سب سے کم درجے والا شخص وہ ہے جو طریقت سے صرف ظاہری اعمال پاتا ہے اور اسے سماع کا ذوق نہیں، ایسے آدمی کا سماع میں مشغول ہونا بے مقصد کام میں مشغولیت ہے کیوں کہ نہ تو وہ کھیل والوں میں ہے کہ بطور لہو و لعب سنے اور نہ اہل ذوق سے ہے کہ ذوق کی وجہ سے لذت حاصل کرے لہٰذا وہ ذکر یا خدمت میں مصروف ہو ورنہ اپنا وقت ضائع کرے گا۔

دوسرا وہ شخص ہے جسے ذوقِ سماع حاصل ہو لیکن اس میں ابھی تک کچھ نفسانی خواہشات اور بشری صفات باقی ہیں اور ابھی تک وہ ایسا منکسر نہیں ہوا کہ ان کی آفات سے محفوظ ہو تو بعض اوقات سماع ایسے شخص میں لہو و لعب اور شہوت کا داعیہ پیدا کر دیتا ہے اور وہ راستے سے ہٹ جاتا اور یوں وہ تکمیل سے رک جاتا ہے۔

تیسری قسم ان لوگوں کی ہے کہ جن کی شہوت ٹوٹ چکی ہے اور وہ اس کی آفات سے محفوظ ہو چکے ہیں ان کی بصیرت کھل چکی ہے اور ان کے دل پر اللہ تعالیٰ کی محبت کا غلبہ ہوتا ہے لیکن یہ لوگ علم ظاہری میں مضبوط نہیں نہ اللہ تعالیٰ کے ناموں اور صفات کا علم رکھتے ہیں اور نہ اس بات کا کہ اس ذات بابرکات کے بارے میں کیا بات جائز ہے اور کیا ناجائز، اگر ایسے آدمی کے سامنے سماع کا دروازہ کھل جائے تو وہ جو کچھ سنے گا اسے اللہ تعالیٰ کے حق میں ڈھالے گا چاہے وہ اللہ تعالیٰ کے حق میں جائز ہو یا ناجائز تو اس صورت میں سماع سے جس فائدے کی توقع تھی اس کے مقابلے میں نقصان زیادہ ہوتا ہے۔

حضرت سہل رحمہ اللہ نے فرمایا جس وجد پر قرآن و سنت کی شہادت نہ ہو وہ باطل ہے تو اس قسم کے لوگ سماع کے قابل نہیں ہیں اسی طرح جس آدمی کا دل ابھی تک دنیا کی محبت سے ملوث ہو نیز وہ تعریف و ثنا کا مشتاق ہو۔ اسی طرح وہ شخص جو سماع سے محض لذت حاصل کرتا ہو اور محض طبعی طور پر اسے اچھا سمجھتا ہو تو یہ اسکی عادت بن جائے گی اور یہ اسے عبادت اور دل کی حفاظت کے راستے میں رکاوٹ ہو گا اور یوں وہ راستے سے ہٹ جائے گا تو سماع پھسلنے کی جگہ ہے کمزور لوگوں کو اس سے محفوظ رکھنا ضروری ہے۔

حضرت جنید بغدادی رحمہ اللہ فرماتے ہیں میں نے خواب میں شیطان کو دیکھا تو پوچھا کیا تمہارا ہمارے دوستوں پر بھی کچھ قابو چلتا ہے؟ اس نے کہا جی ہاں دو وقتوں میں وہ میرے قابو میں ہوتے ہیں ایک سماع کے وقت اور دوسرا نظر کے وقت، کہ میں ان دونوں صورتوں میں ان پر داخل ہوتا ہوں یہ خواب سن کر ایک بزرگ نے فرمایا اگر میں اسے (شیطان) کو دیکھتا تو کہتا تو کس قدر بیوقوف ہے بتا جو شخص سنتے وقت اللہ تعالیٰ کی طرف سے سنے اور دیکھتے وقت بھی اسی کی طرف سے دیکھے تو اس پر کیسے قابو پا سکتا ہے، حضرت جنید بغدادی رحمہ اللہ نے فرمایا تم نے سچ کہا۔

تیسرا ادب:

وہ قوال کی طرف کان لگا کر سنے کہ وہ کیا کہہ رہا ہے اس کا دل حاضر ہو اور ادھر اُدھر توجہ کم ہو سننے والوں کے چہروں کی طرف دیکھنے سے اور ان پر جو حالتِ وجد طاری ہوتی ہے اس کی طرف توجہ کم کرے اپنے آپ میں اور اپنے دل کی رعایت میں مشغول رہے اور دیکھے کہ اللہ تعالیٰ اس کے باطن پر کس قدر رحمت ڈالتا ہے ایسی کوئی حرکت نہ کرے جس سے اس کے ساتھیوں کے دل پریشان ہو جائیں بلکہ ظاہری طور پر بالکل خاموش بیٹھے اعضاء حرکت نہ کریں اور کھانسنے اور جماہی سے بھی احتراز کرے اپنا سر کو جھکا کر بیٹھے جیسے کوئی شخص کسی سوچ میں مبتلا ہوتا ہے اپنے دل کو اسی میں مشغول رکھے تالیاں بجانے اور رقص کرنے سے نیز نمائش اور تکلف سے پرہیز کرے اور اس انداز میں کوئی حرکت نہ کرے اگر ضرورت نہ ہو تو زبان سے بھی کچھ نہ بولے اگر اس کے اختیار کے بغیر اس پر وجد اور حرکت طاری ہو جائے تو معذور ہے اور اس پر کوئی ملامت نہیں جب اضطراری حالت ختم ہو جائے تو حالتِ سکون کی طرف لوٹ آئے اور شرم نہیں کرنا چاہیے کہ لوگ کہیں گے عجیب وجد تھا جو اتنی جلدی ختم ہو گیا اور اس ڈر سے کہ لوگ کہیں گے اس کا دل کتنا سخت اور صفائی اور رقت سے خالی ہے، بتکلف وجد نہ کرے۔

منقول ہے کہ ایک نوجوان حضرت جنید بغدادی رحمہ اللہ کے ساتھ رہتا تھا وہ جب بھی کوئی ذکر سنتا تو چیخ مارتا۔ ایک دن حضرت جنید رحمہ اللہ نے اس سے فرمایا اب اگر تم نے ایسا کیا تو میرے ساتھ نہ رہنا اس کے بعد وہ اپنے آپ پر کنٹرول کرتا حتیٰ کہ اس کے ہر بال سے ایک پانی کا ایک قطرہ نکلتا لیکن وہ چیخ نہ مارتا۔ کہا گیا کہ ایک دن سخت ضبطِ نفس کی وجہ سے اس کا گلا گھٹنے لگا تو اس نے ایک زبردست چیخ ماری جس سے اس کا دل پھٹ گیا اور جان نکل گئی۔

ایک روایت میں ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بنی اسرائیل میں وعظ فرمایا تو ان میں سے ایک نے اپنا کپڑا یا اپنی قمیص پھاڑ ڈالی اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو حکم دیا کہ اس سے فرمائیں ہمارے لیے اپنے دل کے ٹکڑے کرے کپڑے نہ پھاڑے۔

حضرت ابو القاسم نصر آبادی نے حضرت ابو عمرو بن عبید (رحمہما اللہ) سے فرمایا میں کہتا ہوں کہ جب لوگ جمع ہوں اور ان کے ساتھ قوال، قوالی کر رہے ہوں تو یہ غیبت میں مشغول ہونے سے بہتر ہے حضرت ابو عمرو بن عبید نے فرمایا غنا

میں نمائش کرنا یعنی اپنے بارے میں وہ حالت ظاہر کرنا جو تمہارے اندر نہیں ہے تیس سال کی غیبت سے زیادہ برا ہے۔
اگر تم پوچھو کہ افضل وہ شخص ہے جو ضبط کرے اور سماع اسے حرکت نہ دے اور اس پہ اس کا ظاہری اثر نہ ہو یا وہ افضل ہے جس کے ظاہر پہ اثر ہو؛ تو جان لو کہ عدم ظہور بعض اوقات اس وجہ سے ہوتا ہے کہ اس پر وارد ہونے والے وجد میں کمی ہوتی ہے اور بعض اوقات باطنی قوتِ وجد پائی جاتی ہے لیکن چونکہ اعضاء پر مکمل کنٹرول ہوتا ہے اس لیے ظاہر نہیں ہوتا تو یہ کمال ہے اور بعض اوقات اس لیے ظاہر نہیں ہوتا کہ حالت وجد اسے ہمیشہ حاصل رہتی ہے اس لیے سماع سے مزید کوئی تاثیر واضح نہیں ہوتی اور یہ غایت کمال ہے کیوں کہ اہل وجد کا وجد غالباً ہمیشہ نہیں رہتا جو شخص ہمیشہ وجد میں رہے حق کے ساتھ اس کا رابطہ ہوتا ہے اور اسے عین شہود لازم ہوتا ہے تو یہ احوال کے طریقوں میں تبدیلی نہیں لاتا اور کوئی بعید نہیں کہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے اعرابی سے جو فرمایا تھا کہ ہم کبھی ایسے تھے جیسے تم ہو پھر ہمارے دل سخت ہو گئے، میں اسی بات کی طرف اشارہ ہو مطلب یہ ہے کہ ہمارے دل مضبوط ہو گئے اور خوب پکے ہو گئے تو اب ہر حالت میں وجد کی طاقت رکھتے ہیں، ہم ہر وقت قرآن پاک کے معانی سننے میں رہتے ہیں لہذا ہمارے حق میں قرآن پاک نیا نہیں ہے کہ اب ہم اس سے متاثر ہوں (یعنی ہم پہلے سے متاثر ہیں) تو اس صورت میں وجد کی قوت ایک تحریک ہے اور عقل اور روکنے کی قوت اسے کنٹرول کرتی ہے بعض اوقات ان میں سے ایک اپنی قوت کی شدت یا مقابل کی کمزوری کی وجہ سے دوسرے پر غالب آجاتا ہے اور نقصان و کمال اسی حساب سے ہوتا ہے تو تمہیں یہ خیال نہیں کرنا چاہیے کہ جو شخص زمین پر تڑپتا ہے وہ وجد میں اس سے زیادہ کامل ہے جس نے اپنے اضطراب کو قابو میں رکھا ہوا ہے بلکہ بہت سے ضبط کرنے والے تڑپنے والوں سے زیادہ کامل ہوتے ہیں، حضرت جنید بغدادی رحمہ اللہ شروع شروع میں سماع سے حرکت میں آجاتے تھے پھر وہ حرکت نہیں کرتے تھے۔ ان سے اس سلسلے میں پوچھا گیا تو انہوں نے یہ آیت پڑھی۔

وَتَرَى الْجِبَالَ تَحْسَبُهَا جَامِدَةً وَهِيَ تَمُرُّ مَرَّ السَّحَابِ صُنْعَ اللّٰهِ الَّذِي أَتْقَنَ كُلَّ شَيْءٍ۔ (۱)

تم پہاڑوں کو دیکھ کر انہیں ٹھہرا ہوا خیال کرتے ہو حالانکہ وہ بادلوں کی طرح چلتے ہیں یہ اللہ تعالیٰ کی قدرت ہے جس نے ہر چیز کو حکمت سے بنایا۔

حضرت ابوالحسن محمد بن احمد رحمہ اللہ بصرہ میں تھے آپ نے فرمایا میں نے ساٹھ سال تک حضرت سہل بن عبداللہ رحمہ کی ہمنشینی کی ہے تو میں نے کبھی نہیں دیکھا کہ کبھی ذکر یا قرآن پاک سنتے وقت ان پر (ظاہراً) کوئی تبدیلی آئی ہو جب وہ اپنی عمر کے آخری حصے کو پہنچے تو ایک شخص نے ان کے سامنے پڑھا۔

فَالْيَوْمَ لَا يُؤْخَذُ مِنْكُمْ فِدْيَةٌ (۲)

آج تم سے کوئی فدیہ نہیں لیا جائے گا۔

---

(۱) قرآن مجید، سورۂ نمل آیت ۸۸ (۲) قرآن مجید، سورۂ الحدید آیت ۱۵

تو میں نے دیکھا کہ ان کے کندھے کانپنے لگے اور قریب تھا کہ وہ گر جاتے جب وہ اپنی حالت کی طرف لوٹے تو میں نے اس بارے میں پوچھا انہوں نے فرمایا ہاں میرے دوست ہم کمزور ہو چکے ہیں۔

اسی طرح انہوں نے ایک مرتبہ یہ آیت سنی۔

اَلْمُلْكُ يَوْمَئِذِ الْحَقُّ لِلرَّحْمٰنِ۔ (۱) اس دن بادشاہی رحمن کے لیے حق ہے۔

تو ان پر اضطراب کی حالت طاری ہوگئی ان کے ایک مرید حضرت سالم نے پوچھا تو انہوں نے فرمایا اب میں کمزور ہو چکا ہوں کہا گیا جب کمزوری کا یہ عالم ہے تو قوت کی حالت کیا ہوگی۔ انہوں نے فرمایا قوی الحال وہ شخص ہے جو ہر آنے والے کی حالت کو اپنے حال کی قوت سے برداشت کرے اور واردات اس میں کوئی تبدیلی پیدا نہ کر سکیں اگرچہ کتنی قوی ہی کیوں نہ ہوں وجد کے باوجود ظاہر پر کنٹرول کا سبب یہ ہوتا کہ ہر وقت کے شہود سے حالتیں برابر ہو جاتی ہیں جیسا کہ حضرت سہل رحمہ اللہ کے بارے میں منقول ہے انہوں نے فرمایا میری نماز سے پہلے اور بعد دونوں حالتیں ایک جیسی ہیں، کیونکہ وہ ہر حالت میں دل کا خیال رکھتے اور اللہ تعالیٰ کے ذکر کے ساتھ حاضر رہتے تھے اسی طرح سماع سے پہلے اور بعد دونوں صورتوں میں ایک ہی حالت ہوتی ہے کیونکہ اس کا وجد دائمی، اشتیاق متصل اور شراب محبت کا پینا متواتر ہوتا ہے، کہ سماع اس میں اضافہ کا سبب نہیں بنتا۔ جیسا کہ مروی ہے حضرت ممشاد دینوری رحمہ اللہ ایک جماعت کے پاس سے گزرے اور ان میں کچھ قوال تھے آپ کو دیکھ کر وہ خاموش ہو گئے آپ نے فرمایا اپنا کام جاری رکھو اگر دنیا بھر کی قوالی میرے کان میں جمع ہو جائے تو نہ وہ میری توجہ کو پھیر سکتی ہے اور نہ ہی میری بعض بیماریوں کا علاج بن سکتی ہے۔

حضرت جنید بغدادی رحمہ اللہ فرماتے ہیں جب علم کی فضیلت حاصل ہو تو وجد کی کمی نقصان نہیں پہنچا سکتی اور علم کی فضیلت وجد کی فضیلت سے زیادہ کامل ہے۔

اگر تم کہو کہ ایسا آدمی سماع میں کیوں آتا ہے تو جان لو کہ ان لوگوں میں سے بعض نے بڑھاپے میں سماع کو چھوڑ دیا اور وہ کبھی کبھی سماع میں آتے تھے جس کا مقصد دوستوں کی دلجوئی اور ان کے دل کو خوش کرنا ہوتا تھا بعض اوقات اس لیے شریک ہوتے کہ قوم کو ان کی قوت کا کمال معلوم ہو جائے اور لوگ جان جائیں کہ ظاہری وجد کمال کی بات نہیں ہے اور وہ تکلف پر کنٹرول کرنا سیکھیں اگرچہ وہ طبعی طور پر ان کی پیروی کرنے پر قادر نہ ہوں اور اگر وہ لوگ اتفاق سے دوسرے قسم کے لوگوں کے ساتھ سماع میں شریک ہو جائیں تو وہ اپنے بدنوں کے ساتھ ان کے ہمراہ ہوتے ہیں لیکن باطنی اور قلبی طور پر ان سے کنارہ کش ہوتے ہیں، جس طرح وہ سماع کے علاوہ کسی ضرورت کے تحت غیر جنس کے لوگوں کے ساتھ بیٹھتے ہیں اس کی وجہ کوئی عارضی سبب ہوتا ہے جو ان کے ساتھ بیٹھنے کا تقاضا کرتا ہے۔

---

(۱) قرآن مجید، سورۃ الفرقان آیت ۲۶

بعض بزرگوں کے بارے میں منقول ہے کہ انہوں نے سماع کو چھوڑ دیا تھا اور یہی گمان کیا جاتا ہے کہ وہ سماع کی ضرورت محسوس نہیں کرتے تھے جیسا کہ ہم نے بیان کیا ہے۔

اور بعض حضرات زاہد تھے اور وہ سماع میں کوئی رُوحانی لذت نہیں پاتے تھے اور وہ کھیل والوں میں سے بھی نہ تھے، تو وہ اس لیے سماع کو چھوڑتے تھے کہ کہیں بے مقصد کام ہی مشغول نہ ہو جائیں بعض نے اس لیے ترک کیا کہ ان کو احباب مجلس نہیں ملتے تھے کسی بزرگ سے پوچھا گیا کہ آپ سماع کیوں نہیں کرتے؟ انہوں نے فرمایا کس سے اور کس کے ساتھ!

چوتھا ادب:

سماع کے دوران نہ تو کھڑا ہو اور نہ ہی آواز کے ساتھ روئے جب کہ وہ اپنے آپ کو قابو کر سکتا ہو۔ البتہ رقص کرنے یا رونے کی صورت بنائے تو جائز ہے بشرطیکہ ریاکاری مقصود نہ ہو کیوں کہ بتکلف رونا غم کو لاتا ہے اور رقص، سرور و نشاط کی تحریک کا سبب ہے کیونکہ جو سرور جائز ہے اس کی تحریک بھی جائز ہے اگر یہ کام حرام ہوتا تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ حبشیوں کی طرف نہ دیکھتیں جب کہ وہ ناچ رہے تھے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے بعض روایات میں یہی (ناچنے کے) الفاظ منقول ہیں (۱)

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی ایک جماعت سے بھی مروی ہے کہ وہ سرور کے وقت ناچتے تھے اور سرور ہی ان کے رقص کا موجب بنا۔

چنانچہ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی صاحبزادی کے سلسلے میں حضرت علی بن ابی طالب ان کے بھائی حضرت جعفر اور زید بن حارثہ رضی اللہ عنہم کے درمیان تنازع ہوا کہ ان میں سے کون اس کی پرورش کرے، تو حضور علیہ السلام نے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے فرمایا آپ مجھ سے اور میں آپ سے ہوں تو اس پر حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ اُچھلنے لگے حضرت جعفر رضی اللہ عنہ سے فرمایا آپ سیرت وصورت میں میرے مشابہ ہیں تو انہوں نے بھی اُچھلنا شروع کر دیا اور حضرت زید رضی اللہ عنہ سے فرمایا آپ ہمارے بھائی اور مولا ہیں تو حضرت جعفر رضی اللہ عنہ کے بعد حضرت زید رضی اللہ عنہ نے بھی اُچھلنا کودنا شروع کر دیا، پھر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ بچی حضرت جعفر رضی اللہ عنہ کی پرورش میں رہے گی کیوں کہ ان کے عقد میں اس کی خالہ ہے اور خالہ والدہ (کی طرح) ہوتی ہے۔ (۲) ایک روایت میں ہے آپ نے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے فرمایا کیا آپ پسند کرتی ہیں کہ حبشیوں کا رقص دیکھیں (۳) لفظ زفن استعمال ہوا اور زفن اور حجل دونوں کا معنیٰ

---

(۱) صحیح مسلم جلد اول ص ۲۹۲ کتاب العیدین۔

(۲) مسند امام احمد بن حنبل جلد اول ص ۱۰۸ مرویات علی المرتضیٰ۔

(۳) مسند امام احمد بن حنبل جلد ۶ ص ۱۱۶ مرویات عائشہ۔

رقص کرنا ہے اور یہ خوشی یا شوق کی وجہ سے ہوتا ہے، اس کا حکم وہی ہوگا جو اس کے سبب کا ہوگا، اگر خوشی محمود ہے تو رقص بھی محمود ہوگا کیونکہ یہ خوشی کو بڑھاتا ہے اور پکا کرتا ہے، اگر مباح خوشی ہو تو یہ بھی مباح ہوگا اور اگر مذموم ہے تو رقص بھی مذموم ہوگا۔

لیکن اکابر اور پیشوا قسم کے لوگوں کے لیے اس کی عادت بنا لینا جائز نہیں کیوں کہ عام طور پر لہو و لعب سے ہوتا ہے اور جو کام لوگوں کی نگاہوں میں لہو و لعب ہو اس سے راہنماؤں کو بچنا چاہیے تاکہ وہ لوگوں کی نگاہوں میں حقیر نہ ہوں اور وہ یوں ان کی پیروی ترک نہ کر دیں۔

جہاں تک کپڑے پھاڑنے کا تعلق ہے تو اس کی اجازت نہیں جب تک معاملہ اس کے اختیار سے نکل نہ جائے اور یہ بات بعید نہیں کہ اس پر وجد غالب آجائے اور وہ کپڑے پھاڑنے لگے اور وجد کا نشہ غالب ہونے کی وجہ سے اُسے اس بات کا پتہ نہ چلے یا اسے معلوم تو ہو لیکن وہ مجبور آدمی کی طرح ہو جو اپنے آپ کو قابو میں نہیں رکھ سکتا تو اس کی صورت حال اس شخص کی طرح ہے جسے مجبور کیا جاتا ہے کیوں کہ وہ حرکت کرنے اور کپڑے پھاڑتے ہیں. بچاؤ کی صورت دیکھتا ہے تو وہ اس طرح مجبور ہوتا ہے جس طرح بیمار آدمی رونے پر مجبور ہوتا ہے اور اگر اسے اس پر صبر کرنے کا پابند بنایا جائے تو اس پر قادر نہیں ہوتا حالاں کہ یہ اختیاری فعل ہے، تو ہر وہ عمل جو ارادے سے حاصل ہو انسان اسے چھوڑنے پر قادر نہیں ہوتا۔ سانس لینا ایک عمل ہے جو ارادے سے ہوتا ہے لیکن اگر آدمی کو ایک ساعت کے لیے سانس روکنے کو کہا جائے تو وہ اندر سے سانس لینے پر مجبور ہوگا اسی طرح چیخ مارنا اور کپڑے پھاڑنا بھی ہے کبھی ایسا ہو جائے تو اسے حرام نہیں کہا جا سکتا۔

حضرت سری سقطی رحمہ اللہ کے سامنے تیز غالب وجد کا ذکر کیا گیا تو آپ نے فرمایا ہاں غالب وجد وہ ہے کہ اگر اس شخص کے چہرے پر تلوار ماری جائے تو اسے علم نہ ہو دوبارہ پوچھا گیا اور اس بات کو بعید جانا گیا کہ وجد اس حد کو پہنچ جائے چنانچہ اصرار کیا گیا لیکن آپ نے کچھ نہ بتایا، مطلب یہ ہے کہ بعض حالات میں بعض لوگوں کے لیے یہ اس حد تک پہنچ جاتا ہے۔

اگر تم کہو کہ سماع سے فراغت ہونے کے بعد جب وجد ٹھنڈا پڑ جاتا ہے تو اس وقت جو صوفی نئے کپڑے پھاڑتے ہیں اور اس کے ٹکڑے ٹکڑے کر کے لوگوں کو دیتے ہیں اور اسے خرقہ قرار دیتے ہیں اس کا کیا حکم ہے؟

تو جان لو کہ یہ مباح ہے جب ان ٹکڑوں کو مربع شکل میں کاٹیں تاکہ کپڑوں اور جائے نمازوں کو پیوند لگایا جا سکے کیونکہ کپڑے کو پھاڑ کر ہی قمیص سیتے ہیں اور یہ ضائع کرنا نہیں ہے بلکہ یہ کسی غرض کے تحت پھاڑنا ہے، اسی طرح کپڑوں کی پیوند کاری بھی چھوٹے چھوٹے ٹکڑوں کے بغیر ممکن نہیں ہے اور یہ مقصود ہے اور سب میں تقسیم کرنا تاکہ اس خیر میں سب شریک ہوں مباح مقصد ہے اور ہر مالک کو حق ہے کہ اپنے کپڑے کے سو ٹکڑے کرے اور سو مسکینوں کو دے

لیکن اس طریقے پر کاٹنا چاہیئے کہ وہ ٹکڑے پیوند کاری کے کام آسکیں سماع میں کپڑے پھاڑنے سے ہم نے اس صورت میں منع کیا ہے جس سے کچھ کپڑا خراب ہو جائے اور اس سے نفع حاصل نہ ہو سکے تو یہ محض ضائع کرنا ہے اپنے اختیار سے ایسا کرنا جائز نہیں ہے۔

پانچواں ادب:

اگر کوئی شخص وجد میں سچا ہو ریا کار نہ ہو اور وہ اٹھ کھڑا ہو تو باقی لوگوں کو بھی اس کی موافقت میں کھڑا ہونا چاہیے یا وہ اپنے اختیار سے کھڑا ہو وجد کا اظہار مقصود نہ ہو اور لوگ بھی اس کے ساتھ کھڑے ہوں تو اس کی موافقت ضروری ہے یہ آدابِ صحبت سے ہے اسی طرح اگر کسی جماعت کی عادت ہو کہ وہ وجد والے شخص کا عمامہ گرنے پر اپنے عمامے اتار دیتے ہوں یا جب اس سے کپڑا گرے تو یہ بھی کپڑا اتار دیتے ہوں تو ان امور میں موافقت کرنا بھی حسنِ صحبت و معاشرت میں سے ہے کیونکہ مخالفت وحشت پیدا کرتی ہے اور ہر قوم کی ایک رسم ہوتی ہے اور لوگوں کے طور طریقوں کو اپنانا ضروری ہے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

خَالِقُوا النَّاسَ بِاَخْلَاقِهِمْ (۱) لوگوں کے ساتھ ان کے طور طریقوں کے مطابق ملو۔

خاص طور پر جب ان طور طریقوں میں حُسنِ معاشرت اور دلوں کو خوش کرنا پایا جائے جو ان کی موافقت سے حاصل ہوتا ہے۔

اگر کوئی کہے کہ یہ بدعت ہے صحابہ کرام کے زمانے میں یہ عمل نہیں تھا تو (اسے یاد رکھنا چاہیئے کہ) ہر وہ حکم جو مباح ہے صحابہ کرام سے منقول نہیں ہے بلکہ ممنوع ایسی بدعت کا ارتکاب ہے جو سنت کے خلاف ہو اور ان میں سے کسی بات کے بارے میں نہی منقول نہیں ہے اور کسی آنے والے کے لیے کھڑا ہونا اہل عرب کی عادت نہیں تھی بلکہ بعض اوقات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم، رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری پر بھی کھڑے نہیں ہوتے تھے جیسا کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے (۲)

لیکن جب اس میں عام نہی منقول نہیں ہے تو ان شہروں میں جہاں آنے والے کی عزت کے طور پر کھڑا ہونے کا طریقہ رائج ہے ہم اس میں کوئی حرج نہیں سمجھتے کیوں کہ اس کا مقصد احترام و اکرام اور دل کو خوش کرنا ہے اسی طرح ہر وہ کام جس کے ذریعے کسی کے دل کو خوش کرنا ایک اصطلاح بن گئی ہو تو ایسی بات میں ان کی موافقت کرنے میں کوئی حرج نہیں بلکہ زیادہ بہتر یہی ہے کہ ان کی موافقت کی جائے البتہ جس کام کے بارے میں (شریعت میں)

---

(۱) الترغیب والترہیب جلد ۴ ص ۱۰۹ کتاب التوبۃ والزھد

(۲) مشکوٰۃ شریف ص ۴۰۳ باب القیام

مخالفت آئی ہو جو کسی تاویل کو قبول نہیں کرتی تو اس کا کرنا جائز نہیں۔

سماع کے آداب میں سے یہ بات بھی ہے کہ اگر لوگ رقص کے لیے اٹھ کھڑے ہوں اور اپنے ساتھ اس کے رقص کو ناپسند کرتے ہوں تو ان کے ساتھ کھڑا نہ ہو اور ان کے حالات کو پریشانی کا شکار نہ بنائے کیوں کہ جو رقص، وجد کے اظہار کے بغیر ہو وہ مباح ہے اور بتکلف وجد کرنے والا وہ آدمی ہوتا ہے جس سے لوگوں کو بناوٹ کا اثر معلوم ہوتا ہے اور جو آدمی سچے دل سے کھڑا ہو لوگ اس کو بھاری نہیں سمجھتے اگر حاضرین اہل دل ہوں تو ان کے دل سچائی اور تکلف کی کسوٹی ہوتے ہیں۔ کسی بزرگ سے وجدِ صحیح کے بارے میں پوچھا گیا تو انہوں نے فرمایا صحیح وجد وہ ہے جسے حاضرین کے دل قبول کریں بشرطیکہ وہ اس کے موافق ہوں مخالف نہ ہوں اگر تم کہو کہ طبیعتیں، رقص سے نفرت کیوں کرتی ہیں اور یہ گمان کیا جاتا ہے کہ یہ باطل ہے اور لہو ولعب ہے نیز دین کے خلاف ہے اور ہر دیندار آدمی اس کا انکار کرتا ہے ؟

تو جان لو! کوئی بھی شخص رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے بڑھ کر دین میں کوشش نہیں کرتا اور آپ نے مسجد میں حبشیوں کو رقص کرتے ہوئے دیکھا اور منع نہیں فرمایا کیوں کہ یہ وقت اس کے لائق تھا اور وہ عید کا دن تھا اور اسے دیکھنے والے بھی اس کے لائق تھے ــــــ ہاں رقص سے طبیعتیں اس لیے نفرت کرتی ہیں کہ عام طور پر اس کے ساتھ لہو ولعب ہوتا ہے اور لہو ولعب اگرچہ جائز ہے لیکن ایسے لوگوں کے لئے جیسے حبشی اور زنگی وغیرہ جو لوگ اہل منصب ہیں ان کے لیے مکروہ ہے کیوں کہ یہ ان کے شایانِ شان نہیں ہے اور جو چیز اس لیے مکروہ ہے کہ وہ کسی صاحبِ منصب کے لائق نہیں اسے حرام نہیں کہا جا سکتا ــــــ جو شخص کسی فقیر سے سوال کرے اور وہ اسے ایک روٹی دے دے تو یہ ایک اچھی عبادت ہے اور اگر وہ کسی بادشاہ سے کوئی چیز مانگے اور وہ اسے ایک یا دو روٹیاں دے تو یہ سب لوگوں کے نزدیک بری بات ہوگی اور اسے تاریخ کے صفحات میں پھر بادشاہ کی برائیوں میں لکھا جائے گا اور اس کے باعث لوگ اس کی اولاد اور متعلقین کو عار دلائیں گے لیکن اس کے باوجود اسے حرام کام نہیں کہا جاتا۔ کیونکہ اس اعتبار سے کہ اس نے فقیر کو ایک روٹی دی اچھا کام ہے لیکن اپنے منصب کے اعتبار سے اس کا دینا نہ دینے کے برابر ہے اور بُرا ہے رقص اور جو جائز امور اس کے قائم مقام ہیں ان کا بھی یہی حکم ہے اور عوام کے حق میں مباح کام نیک لوگوں کی برائیاں اور نیکوں کی نیکیاں مقربین کی برائیاں شمار ہوتی ہیں لیکن یہ سب کچھ لوگوں کے مناصب کے حوالے سے ہے البتہ جب اس کو ذاتی طور پر دیکھا جائے تو یہ حکم لگانا ضروری ہوگا کہ وہ فی نفسہ حرام نہیں ہے اور اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔

گذشتہ تمام تفصیل کا نتیجہ یہ ہوا کہ سماع بعض اوقات حرام محض ہوتا ہے کبھی مباح ہوتا ہے کبھی مکروہ اور کبھی مستحب ہوتا ہے، عام نوجوانوں اور ان لوگوں پر حرام ہے جن پر دنیوی خواہش غالب ہوتی ہے ان کو سماع ان مذموم

باتوں کی حرکت دیتا ہے جو ان کے دلوں پر غالب ہوتی ہیں۔
مکروہ ان لوگوں کے لیے ہے جو اسے مخلوق کی صورت پر تو نہیں ڈھالتے لیکن انہوں نے بطور لہو ولعب اسے عادت بنا لیا ہے۔
ان لوگوں کے لیے مباح ہے جو سماع سے صرف خوش آوازی کی لذت حاصل کرنا چاہتے ہیں اور ان لوگوں کے لیے مستحب ہے جن پر اللہ تعالیٰ کی محبت غالب ہوتی ہے اور سماع ان کی صفات محمودہ کو حرکت دیتا ہے اللہ وحدہ کے لیے حمد ہے اور حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کی آل پر رحمت ہو۔

نیکی کا حکم دینا اور برائی سے روکنا

تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں جس کی حمد کے بغیر کتب کھولی نہیں جاتیں اور نہ ہی اس کے کرم و بخشش کے وسیلہ کے بغیر انعامات کا عطیہ ملتا ہے رحمت کاملہ انبیاء کرام کے سردار حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر ہو جو اس کے رسول اور بندے ہیں اور آپ کی پاک آل اور پاکیزہ صحابہ کرام پر ہو۔

حمد و صلوٰۃ کے بعد! نیکی کا حکم دینا اور برائی سے روکنا دین کا قطب اعظم ہے اور یہی وہ اہم کام ہے جس کے لیے اللہ تعالیٰ نے تمام انبیاء کرام کو مبعوث فرمایا اگر اس کی بساط لپیٹ دی جائے اور اس کے علم و عمل کو چھوڑ دیا جائے تو نبوت معطل ہو جائے دیانت کمزور پڑ جائے، کمزوری و سستی عام ہو جائے گمراہی پھیل جائے، جہالت کا دور دورہ ہو، فساد سرایت کر جائے لوٹ پھوٹ عام ہو جائے ممالک تباہ و برباد ہو جائیں اور بندے ہلاک ہو جائیں اور انہیں قیامت کے دن تک خبر ہی نہ ہو۔

اور جس بات کا ہمیں ڈر تھا وہ ہو گئی " اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ " اس قطب سے عمل اور علم مٹ گیا اس کی حقیقت اور رسم بالکل ختم ہو گئی لوگوں کے دلوں پر مخلوق سے منافقت کا غلبہ ہو گیا خالق کی طرف توجہ اور اس کے احکام کی حفاظت مٹ گئی۔ لوگ خواہشات کے پیچھے اس طرح چل پڑے جس طرح جانور جاتے ہیں اور زمین کی بساط پر ایسا مومن صادق نایاب ہو گیا جو اللہ تعالیٰ کے احکام کے سلسلے میں کسی ملامت کرنے والے کی ملامت سے نہ ڈرتا ہو تو جو شخص اس کمزوری کو ختم کرنے اور اس رخنہ کو بند کی کوشش کرے یا تو اپنے عمل کے ذریعے یا اس کے نفاذ کے ذریعے، وہ اس سنت کی تجدید کرنے والا ہو اس کو زندہ کرنے کا ارادہ کرے تو وہ لوگوں میں ترجیح یافتہ ہو گا کیونکہ اس نے ایسے طریقے کو زندہ کیا جسے ایک زمانے نے مٹا دیا تھا اور وہ شخص ایسا قرب حاصل کرے گا کہ قرب کے تمام درجات اس کی چوٹی کے سامنے ہیچ ہیں، اب ہم چار ابواب میں اس کے علم کی تشریح بیان کریں گے۔

پہلا باب:- امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا وجوب اور اس کی فضیلت کا بیان۔

دوسرا باب:- اس کے ارکان اور شرائط

تیسرا باب:- اس کے راستے اور وہ برائیاں جن سے عام طور پر الفت ہو جاتی ہے۔

چوتھا باب: امراء اور بادشاہوں کو نیکی کا حکم دینے اور برائی سے روکنے کی تاکید۔

پہلا باب

امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا وجوب

اس کی فضیلت اور اسے چھوڑ دینے اور ضائع کرنے کی مذمت

نیکی کا حکم دینے اور برائی سے روکنے کے وجوب پر امت کے اجماع اور عقل سلیم کے اشاروں کے علاوہ آیاتِ قرآنیہ، احادیث نبویہ اور آثارِ صحابہ وتابعین دلالت کرتے ہیں۔

آیات مبارکہ:

ارشاد خداوندی ہے:

وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ أُمَّةٌ يَّدْعُوْنَ إِلَى الْخَيْرِ وَيَأْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَأُولٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ - (۱)

اور تم میں ایک ایسا گروہ ہونا چاہیے جو بھلائی (اسلام) کی دعوت دیں نیکی کا حکم کریں اور برائی سے روکیں۔ اور وہی لوگ کامیابی پانے والے ہیں۔

اس آیت میں ایجاب کا بیان ہے کیونکہ ارشاد خداوندی "ولتکن" امر کا صیغہ ہے اور امر کا ظاہر وجوب ہے اور اس میں اس بات کا بھی بیان ہے کہ اس عمل پر فلاح کا دارومدار ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے حصر کے طور پر فرمایا "وہی لوگ فلاح پانے والے ہیں"۔ اس آیت میں اس بات کا بھی بیان ہے کہ یہ فرض کفایہ ہے فرض عین نہیں ہے یعنی جب ایک گروہ اس ذمہ داری کو پورا کرے یا ایک جماعت اس فریضہ کو انجام دے تو دوسروں سے فرض ساقط ہو جائے گا کیوں کہ اللہ تعالیٰ نے یہ نہیں فرمایا کہ تم سب نیکی کا حکم دینے والے بن جاؤ بلکہ فرمایا تم میں سے ایک گروہ ہونا چاہیے تو جب ایک گروہ اس ذمہ داری کو اٹھالے تو دوسروں سے حرج ساقط ہو جائے گا اور وہ لوگ جو اس عمل کو اپناتے ہیں ان کے ساتھ کامیابی کو خاص کیا گیا اور اگر سب لوگ اس کام کو چھوڑ کر بیٹھ جائیں تو جتنے لوگ اس پر قادر ہیں وہ سب حرج میں شامل ہوں گے۔

ارشاد خداوندی ہے:

لَيْسُوْا سَوَاءً مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ أُمَّةٌ

وہ سب برابر نہیں ہیں اہل کتاب میں سے ایک گروہ ہے

---

(۱) قرآن مجید، سورۂ آل عمران آیت ۱۰۴

قَآئِمَۃٌ یَّتْلُوْنَ اٰیٰتِ اللّٰہِ اٰنَآءَ الَّیْلِ وَھُمْ یَسْجُدُوْنَ یُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰہِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ وَیَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَیَنْھَوْنَ عَنِ الْمُنْکَرِ وَیُسَارِعُوْنَ فِی الْخَیْرٰتِ وَاُولٰٓئِکَ مِنَ الصّٰلِحِیْنَ۔ (۱)

جو رات کو قیام کرتا ہے، وہ اللہ تعالیٰ کی آیات پڑھتے ہیں اس حال میں کہ وہ سجدہ کرتے ہیں، اللہ تعالیٰ اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتے ہیں اور نیکی کا حکم دیتے اور برائی سے روکتے ہیں۔ وہ لوگ نیکیوں میں جلدی کرتے ہیں اور وہ نیک لوگوں میں سے ہیں۔

تو اللہ تعالیٰ نے ان کی صالحیت کی گواہی محض اللہ تعالیٰ اور آخرت پر ایمان کی وجہ سے نہیں دی حتیٰ کہ ان کی طرف امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی نسبت فرمائی۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَالْمُؤْمِنُوْنَ وَالْمُؤْمِنٰتُ بَعْضُھُمْ اَوْلِیَآءُ بَعْضٍ یَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَیَنْھَوْنَ عَنِ الْمُنْکَرِ وَیُقِیْمُوْنَ الصَّلٰوۃَ۔ (۲)

اور مومن مرد اور مومنہ عورتیں ایک دوسرے کے دوست ہیں وہ نیکی کا حکم دیتے اور برائی سے روکتے ہیں اور نماز قائم کرتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے مومنوں کی صفت یوں بیان فرمائی کہ وہ نیکی کا حکم دیتے اور برائی سے روکتے ہیں تو جو آدمی امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ چھوڑ دے وہ ان مومنوں سے خارج ہے جن کی تعریف اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں بیان فرمائی ہے۔

ارشاد خداوندی ہے:

لُعِنَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا مِنْ بَنِیْٓ اِسْرَآئِیْلَ عَلٰی لِسَانِ دَاوٗدَ وَعِیْسَی ابْنِ مَرْیَمَ ذٰلِکَ بِمَا عَصَوْا وَّکَانُوْا یَعْتَدُوْنَ کَانُوْا لَا یَتَنَاھَوْنَ عَنْ مُّنْکَرٍ فَعَلُوْہُ لَبِئْسَ مَا کَانُوْا یَفْعَلُوْنَ۔ (۳)

بنی اسرائیل کے کفار پر حضرت داؤد اور حضرت عیسیٰ بن مریم (علیہم السلام) کی زبان سے لعن کی گئی اس لیے کہ انہوں نے نافرمانی کی اور وہ حد سے بڑھتے تھے وہ اس برائی سے ایک دوسرے کو نہیں روکتے تھے جس کا ارتکاب وہ کرتے تھے البتہ وہ کیا ہی برا عمل کرتے تھے۔

یہ تو نہایت درجہ کی سختی ہے کیونکہ ان کے مستحقِ لعنت ہونے کی علت یہی بات بیان فرمائی کہ وہ برائی سے نہیں روکتے تھے ارشاد خداوندی ہے:

---

(۱) قرآن مجید، سورہ آل عمران آیت ۱۱۳، ۱۱۴

(۲) قرآن مجید، سورۃ توبہ ایت ۷۱

(۳) قرآن مجید، سورۃ مائدہ آیت ۷۸، ۷۹

كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَ تَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ - (۱)

تم بہترین امت ہو جسے لوگوں (کے بھلے) کے لیے پیدا کیا گیا تم نیکی کا حکم دیتے اور برائی سے روکتے ہو۔

یہ آیت کریمہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی فضیلت پر دلالت کرتی ہے کیوں کہ اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا کہ وہ اس وجہ سے بہترین امت ہیں جس کو لوگوں کے لیے پیدا کیا گیا۔

ارشاد خداوندی ہے،

فَلَمَّا نَسُوْا مَا ذُكِّرُوْا بِهٖۤ اَنْجَيْنَا الَّذِيْنَ يَنْهَوْنَ عَنِ السُّوْٓءِ وَاَخَذْنَا الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا بِعَذَابٍۭ بَئِيْسٍۭ بِمَا كَانُوْا يَفْسُقُوْنَ (۲)

جب انہوں نے اس بات کو بھلا دیا جس کی ان کو نصیحت کی گئی تھی تو ہم نے ان لوگوں کو نجات دی جو برائی سے روکتے تھے اور ان لوگوں کو پکڑا جنہوں نے ظلم کیا بڑے عذاب کے ساتھ پکڑا کیونکہ وہ نافرمانی کرتے تھے۔

اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا کہ انہوں نے برائی سے روکنے کے باعث نجات حاصل کی اور یہ آیت کریمہ بھی وجوب پر دلالت کرتی ہے۔

ارشاد خداوندی ہے،

اَلَّذِيْنَ اِنْ مَّكَّنّٰهُمْ فِى الْاَرْضِ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ وَاَمَرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ وَنَهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِ (۳)

وہ لوگ جن کو ہم نے زمین پر اقتدار دیا وہ نماز قائم کرتے اور زکوٰۃ ادا کرتے ہیں نیز نیکی کا حکم دیتے اور برائی سے روکتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے صالح مومنوں کی تعریف بیان کرتے ہوئے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کو اقامتِ صلوٰۃ اور زکوٰۃ کی ادائیگی کے ساتھ ملایا۔

نیز ارشاد فرمایا،

وَتَعَاوَنُوْا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَى الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ - (۴)

نیکی اور تقویٰ پر ایک دوسرے کی مدد کرو اور گناہ اور زیادتی پر ایک دوسرے کی مدد نہ کرو۔

---

(۱) قرآن مجید سورۃ مائدہ آیت ۷۸، ۷۹

(۲) قرآن مجید سورۃ آل عمران آیت ۱۱۰

(۳) قرآن مجید، سورۃ الحج آیت ۴۱

(۴) قرآن مجید، سورۂ المائدہ آیت ۲

یہ ایک پکا حکم ہے اور تعاون کا مطلب اس کی ترغیب دینا نیکی کے راستوں کو آسان کردینا اور برائی نیز زیادتی کے راستوں کو حسبِ طاقت بند کرنا ہے۔

ارشاد خداوندی ہے:۔

لَوْلَا يَنْهَاهُمُ الرَّبَّانِيُّونَ وَالْأَحْبَارُ عَنْ قَوْلِهِمُ الْإِثْمَ وَأَكْلِهِمُ السُّحْتَ لَبِئْسَ مَا كَانُوا يَصْنَعُونَ۔ (۱)

(ان کو ان کے علماء اور درویش بری بات اور حرام کھانے سے کیوں نہیں روکتے البتہ وہ کیا ہی برا عمل کرتے ہیں (یعنی تبلیغ نہ کرنا برا عمل ہے۔)

اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا کہ وہ منع نہ کرکے گناہ کے مرتکب ہوتے ہیں۔

ارشاد خداوندی ہے،

فَلَوْلَا كَانَ مِنَ الْقُرُونِ مِنْ قَبْلِكُمْ أُولُو بَقِيَّةٍ يَنْهَوْنَ عَنِ الْفَسَادِ فِي الْأَرْضِ (۲)

(پس اگر تم سے پہلے زمانے میں جو بھلائی والے ہوتے تو زمین میں فساد سے روکتے (مگر یہ کہ ان میں سے تھوڑے تھے جن کو ہم نے نجات دی)

اس آیت کریمہ میں بیان فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے ان سب کو ہلاک کیا البتہ کچھ لوگ بچ گئے جو فساد سے روکتے تھے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے،۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُونُوا قَوَّامِينَ بِالْقِسْطِ شُهَدَاءَ لِلَّهِ وَلَوْ عَلَىٰ أَنْفُسِكُمْ أَوِ الْوَالِدَيْنِ وَالْأَقْرَبِينَ ۔ (۳)

(اے ایمان والو! انصاف پر خوب قائم ہو جاؤ اللہ تعالیٰ کے لیے گواہی دینے والے ہو اگرچہ تمہارے نفسوں یا تمہارے والدین یا قریبی رشتہ داروں کے خلاف ہو۔

اس آیت میں والدین اور قریبی رشتہ داروں کو امر بالمعروف کا حکم ہے۔

ارشاد خداوندی ہے،

لَا خَيْرَ فِي كَثِيرٍ مِنْ نَجْوَاهُمْ إِلَّا مَنْ أَمَرَ بِصَدَقَةٍ أَوْ مَعْرُوفٍ أَوْ إِصْلَاحٍ بَيْنَ النَّاسِ وَمَنْ يَفْعَلْ ذَٰلِكَ ابْتِغَاءَ مَرْضَاتِ

(ان کی اکثر سرگوشیوں میں کوئی بھلائی نہیں البتہ وہ شخص جو صدقہ کرنے یا نیکی یا لوگوں کے درمیان صلح قائم کرنے کا حکم دے اور جو شخص اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی کے لیے

---

(۱) قرآن مجید، سورۃ مائدہ آیت ۲
(۲) قرآن مجید، سورۃ ہود آیت ۱۱۶
(۳) قرآن مجید، سورۃ نساء آیت ۱۱۴

اللّٰہِ فَسَوْفَ نُؤْتِیْہِ اَجْرًا عَظِیْمًا۔ (۱)　ایسا کرے عنقریب ہم اسے بہت بڑا اجر دیں گے۔

ارشاد خداوندی ہے،

وَاِنْ طَائِفَتَانِ مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ اقْتَتَلُوْا فَاَصْلِحُوْا بَیْنَھُمَا (۲)　اور اگر مومنوں کے دو گروہ آپس میں لڑ پڑیں تو ان کے درمیان صلح کراؤ۔

اور اصلاح، بغاوت سے روکنا اور فرمانبرداری کی طرف لوٹانا ہے اگر اس پر قادر نہ ہو تو اللہ تعالیٰ نے اس سے لڑنے کا حکم دیا ہے:

ارشاد خداوندی ہے،

فَقَاتِلُوا الَّتِیْ تَبْغِیْ حَتّٰی تَفِیْٓءَ اِلٰٓی اَمْرِ اللّٰہِ۔ (۳)　پس اس گروہ سے لڑو جو سرکشی کرتا ہے یہاں تک کہ وہ اللہ تعالیٰ کے حکم کی طرف لوٹ آئے۔

اور یہی برائی سے روکنا ہے:

احادیث مبارکہ:

ان میں سے ایک حدیث حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے مروی ہے آپ نے اپنے ایک خطبہ میں ارشاد فرمایا اے لوگو! تم یہ آیت پڑھتے ہو۔

یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا عَلَیْکُمْ اَنْفُسَکُمْ لَا یَضُرُّکُمْ مَّنْ ضَلَّ اِذَا اھْتَدَیْتُمْ۔ (۴)　اے ایمان والو! تم اپنا فکر رکھو جب تم ہدایت پر ہو تو کوئی گمراہ تمہیں نقصان نہیں پہنچا سکتا۔

اور تم اس کا مفہوم غلط انداز میں بیان کرتے ہو میں نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا آپ نے فرمایا: جب کوئی قوم گناہوں کا عمل کرتی ہے اور ان میں روکنے پر قادر کوئی شخص ہو لیکن وہ نہ روکے تو قریب ہے کہ اللہ تعالیٰ ان سب کو اپنے عذاب میں مبتلا کر دے۔ (۵)

حضرت ابو ثعلبہ خشنی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے انہوں نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے اس (مندرجہ بالا) آیت کریمہ

---

(۱) قرآن مجید، سورۂ نساء آیت ۱۳۵
(۲) قرآن مجید سورۂ حجرات آیت ۹
(۳) قرآن مجید، سورۂ مائدہ آیت ۱۰۵
(۴) قرآن مجید سورۂ مائدہ آیت ۱۰۵
(۵) جامع الترمذی ص ۳۲۵، ابواب الفتن

کی تفسیر پوچھی تو آپ نے فرمایا اے ثعلبہ نیکی کا حکم دو اور برائی سے روکو اگر تم دیکھو کہ بخل کی اطاعت کی جاتی ہے، خواہش کی پیروی کی جاتی ہے، دنیا کو ترجیح دی جاتی ہے، ہر ذی رائے اپنی رائے پر اتراتا ہے تو تم اپنی فکر کرو اور عوام کو چھوڑ دو۔ تمہارے بعد اندھیری رات کے ٹکڑے کی طرح فتنہ ہے اس وقت جو دین کو اختیار کرے گا جس طرح تم نے اختیار کیا تو اسے تم میں سے پچاس رکے ثواب کے برابر ثواب ملے گا۔ عرض کیا یا رسول اللہ! ان میں سے پچاس؟ فرمایا نہیں بلکہ تم میں سے، کیوں کہ تمہیں بھلائی پر مددگار حاصل ہیں لیکن وہ اس پر مددگار نہیں پائیں گے (۱)

اس (مندرجہ بالا) آیت کی تفسیر کے بارے میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے سوال کیا گیا تو آپ نے فرمایا اس کا وقت یہ زمانہ نہیں کیوں کہ یہ قبول کرنے اور ماننے کا وقت ہے لیکن اس کا زمانہ قریب ہے تم نیکی کا حکم دو گے تو تمہارے ساتھ ایسا ایسا کیا جائے گا (وگ ایذا پہنچائیں گے) تم کوئی بات کہو گے تو اسے کوئی بھی نہیں مانے گا۔ اس وقت تمہیں اپنی فکر کرنا ہوگی اور گمراہ ہونے والا کوئی شخص تمہیں نقصان نہیں پہنچا سکے گا۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

تمہیں ضرور بضرور نیکی کا حکم دینا اور برائی سے روکنا ہوگا ورنہ اللہ تعالیٰ تم پر تمہارے شریر لوگوں کو مسلط کر دے گا پھر تمہارے نیک لوگ دعا مانگیں گے لیکن دعا قبول نہیں ہوگی (۲)

اس کا مطلب یہ ہے کہ برے لوگوں کی نظروں سے اچھے لوگوں کی ہیبت گر جائے گی پس وہ ان سے نہیں ڈریں گے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

اے لوگو! اللہ تعالیٰ فرماتا ہے نیکی کا حکم دو اور برائی سے روکو اس سے پہلے کہ تم دعا مانگو اور قبول نہ کی جائے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد کے مقابلے میں دوسرے نیک اعمال اس طرح ہیں۔ جیسے گہرے اور بہت بڑے سمندر کا تھوک ہے اور نیکی کا حکم دینے اور برائی سے روکنے کے مقابلے میں جہاد اور باقی نیکیاں گہرے سمندر کے تھوک کی طرح ہیں (۳)

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اللہ تعالیٰ بندے سے پوچھے گا کہ جب تم نے برائی دیکھی تو تجھے اس سے روکنے سے کس چیز نے منع کیا جب

---

(۱) جامع الترمذی ص ۴۳۵، ابواب التفسیر

(۲) مجمع الزوائد جلد ۷، ص ۲۶۶ کتاب الفتن

(۳) السنن الکبریٰ للبیہقی جلد ۱۰ ص ۹۳ کتاب آداب القاضی

اللہ تعالیٰ اسے اس کی دلیل بتا دے گا تو وہ کہے گا اے میرے رب! میں نے تجھ پر بھروسہ کیا (کہ تو مجھے معاف کر دے گا) اور لوگوں سے ڈر گیا۔ (۱)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

راستوں پر بیٹھنے سے بچو، صحابہ کرام نے عرض کیا ہمارے لیے ایسا کرنا ضروری ہوتا ہے ہم وہاں بیٹھ کر باہم گفتگو کرتے ہیں؟ آپ نے فرمایا اگر تم نے ایسا کرنا ہی ہے تو راستے کو اس کا حق دو، انہوں نے عرض کیا اس کا حق کیا ہے؟ آپ نے فرمایا نگاہوں کو پست رکھنا، ایذا رسانی سے بچنا، سلام کا جواب دینا، نیکی کا حکم دینا اور برائی سے روکنا (۲)

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

انسان کے ہر کلام کا اسے نقصان ہوتا ہے نفع نہیں سوا البتہ نیکی کا حکم دینے اور برائی سے روکنے یا اللہ تعالیٰ کا ذکر کرنے کا اسے فائدہ ہوتا ہے (۳)

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اللہ تعالیٰ عام لوگوں کے گناہوں کے باعث خاص لوگوں کو عذاب نہیں دے گا حتی کہ ان کے درمیان برائی دکھائی دے اور وہ اسے روکنے پر قادر ہوں لیکن نہ روکیں تو خاص لوگوں کو بھی عذاب ہوتا ہے (۴)

حضرت ابو امامہ باہلی رضی اللہ عنہ، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں آپ نے فرمایا:

جب تمہاری عورتیں سرکشی کریں گی، تمہارے نوجوان فاسق ہو جائیں گے اور تم جہاد چھوڑ دو گے تو اس وقت تمہاری کیا حالت ہو گی؟

صحابہ کرام نے عرض کیا یا رسول اللہ! کیا ایسا ہو گا؟ آپ نے فرمایا ہاں اس ذات کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے اس سے بھی زیادہ سخت ہو گا صحابہ کرام نے عرض کیا یا رسول اللہ! اس سے زیادہ سخت کیا ہو گا؟ آپ نے فرمایا تم کیسے ہو گے جب تم نیکی کا حکم نہیں دو گے اور برائی سے نہیں روکو گے۔

انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ! کیا ایسا ہو گا؟ آپ نے فرمایا ہاں اس ذات کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے اس سے بھی زیادہ سخت ہو گا، انہوں نے عرض کیا اس سے زیادہ سخت کیا ہو گا؟ آپ نے فرمایا تمہارا کیا حال ہو گا جب تم نیکی کو برائی اور برائی کو نیکی سمجھو گے؟ صحابہ کرام نے عرض کیا یا رسول اللہ کیا ایسا ہو گا؟ آپ نے فرمایا ہاں اس ذات کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے اس سے بھی زیادہ سخت ہو گا، انہوں نے عرض کیا اس سے زیادہ سخت کیا ہو گا؟ آپ

---

(۱) (۲)

(۳) (۴)

نے فرمایا کیسے ہوگا جب تم برائی کا حکم دو گے اور نیکی سے روکو گے انہوں نے عرض کیا یارسول اللہ! کیا اس طرح ہوگا؟ آپ نے فرمایا ہاں اس ذات کی قسم جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے اس سے بھی زیادہ سخت ہوگا اللہ تعالیٰ فرماتا ہے مجھے اپنی قسم ہے ان پر ایسا فتنہ مقرر کروں گا کہ اس میں سمجھدار لوگ بھی حیران ہو جائیں گے، حضرت عکرمہ، حضرت ابن عباس (رضی اللہ عنہم) سے روایت کرتے ہیں وہ فرماتے ہیں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ایسے شخص کے پاس ہرگز کھڑے نہ ہو جو ظلم کے طور پر قتل ہوا کیونکہ اس شخص پر لعنت اترتی ہے جو وہاں موجود ہو اور اس سے ظلم کو دور نہ کرے اور اس آدمی کے پاس بھی کھڑے نہ ہو جس کو ظلماً مارا گیا کیوں کہ اس آدمی پر لعنت اترتی ہے جو وہاں موجود ہو لیکن اس کو دور نہ کرے۔(۱)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما ہی فرماتے ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کسی شخص کے لیے مناسب نہیں کہ وہ کسی جگہ موجود ہو اور وہاں حق بات کہنے کی ضرورت ہو اور یہ حق بات نہ کہے کیوں کہ موت وقت سے پہلے نہیں آئے گی اور جو رزق اس کے مقدر میں ہے اس سے محروم نہیں کیا گیا (تو پھر حق بات کہنے میں کس بات کا ڈر ہے؟) (۲)

یہ حدیث شریف اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ ظالموں اور فاسقوں کے گھروں میں جانا درست نہیں اور نہ ہی ایسی جگہوں میں جانا جہاں برائی دکھائی دے رہی ہو اور یہ اسے روکنے پر قادر نہ ہو کیونکہ آپ نے فرمایا جو لوگ وہاں حاضر ہوتے ہیں ان پر لعنت برستی ہے اور کسی حاجت کے بغیر برائی کو دیکھنا بھی جائز نہیں یہ عذر پیش کرتے ہوئے کہ وہ عاجز ہے یہی وجہ ہے کہ ہمارے بزرگوں نے جب بازاروں، عیدوں اور دوسرے اجتماعات میں برائیوں کو دیکھا اور وہ ان کو بدلنے سے عاجز تھے تو انہوں نے گوشہ نشینی اختیار کر لی کیوں کہ یہ بات بندوں سے جدائی کا تقاضا کرتی ہے۔

اسی لیے حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ نے فرمایا:

سیاحوں نے اپنے گھروں اور اولاد کو چھوڑ کر اس لیے سیاحت اختیار کی کہ ان پر وہی بلا اتری جو ہم پر اتری ہے انہوں نے دیکھا کہ برائی غالب ہے اور نیکی مٹ چکی ہے اور دیکھا کہ نصیحت کرنے والے کی بات کوئی نہیں مانتا یہ بھی دیکھا کہ فتنے پلٹتے جاتے ہیں اور اس بات کا ڈر ہے کہ کہیں ہم بھی اس سے محفوظ نہ رہیں۔ ان لوگوں پر عذاب نازل ہو اور یہ بھی اس سے بچ نہ سکیں۔ تو ان حضرات نے اس بات کو زیادہ بہتر دیکھا کہ درندوں کے ساتھ رہنا اور سبزیاں کھانا ان لوگوں کے ساتھ نعمتوں میں رہنے سے بہتر ہے۔

پھر انہوں نے یہ آیت کریمہ پڑھی:

فَفِرُّوْا اِلَى اللّٰهِ اِنِّیْ لَكُمْ نَذِیْرٌ — پس اللہ تعالیٰ کی طرف بھاگو بے شک میں تمہیں واضح

---

(۱)

(۲)

مُّبِينٌ (۱) طور پر ڈرانے والا ہوں۔
فرماتے ہیں کچھ لوگوں نے فرار اختیار کیا اور اگر اللہ تعالیٰ نے نبوت میں کوئی راز نہ رکھا ہوتا تو ہم کہتے کہ انبیاء کرام ان سے افضل نہیں ہیں۔

کیونکہ ہمیں یہ بات پہنچی ہے کہ فرشتے علیہم السلام ان لوگوں سے ملاقات کرتے اور مصافحہ کرتے ہیں اور جب ان میں سے ایک کے پاس سے بادل اور درندے گزرتے ہیں اور یہ ان کو پکارتے ہیں تو وہ انہیں جواب دیتے ہیں۔ اگر یہ پوچھتے ہیں کہ تمہیں کس جگہ حکم ہوا؟ تو وہ بتا دیتے ہیں حالانکہ یہ نبی نہیں ہیں۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔
جو شخص گناہ (کے کام) کے پاس حاضر ہو اور پھر اسے ناپسند کرے تو گویا وہ اس سے غائب ہے اور جو وہاں نہ ہو لیکن اسے پسند کرتا ہو، گویا وہ وہاں موجود ہے (۲)

حدیث شریف کا مطلب یہ ہے کہ وہ وہاں کسی کام سے گیا ہو یا اتفاقاً اس کے سامنے یہ کام ہو رہا ہے لیکن ارادے سے جان بوجھ کر وہاں جانا ممنوع ہے اور اس کی دلیل پہلی حدیث ہے۔

حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔
اللہ تعالیٰ نے جس نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو بھیجا ہے اس کے کچھ ساتھی بھی ہوتے ہیں وہ نبی ان کے درمیان اتنا عرصہ ٹھہرتے ہیں جس قدر اللہ تعالیٰ چاہتا ہے وہ ان کے درمیان اللہ تعالیٰ کی کتاب اور اس کے حکم پر عمل کرتے ہیں حتیٰ کہ جب اللہ تعالیٰ اس نبی کی رُوح قبض فرماتا ہے تو ان کے ساتھی اللہ تعالیٰ کی کتاب، اس کے حکم اور اپنے نبی کی سنت پر عمل کرتے ہیں جب وہ چل بسیں تو ان کے بعد ایک قوم آتی ہے جو منبروں پر چڑھ کر نیکی کی باتیں کرتے ہیں اور برائی پر عمل پیرا ہوتے ہیں جب تم ایسی حالت دیکھو تو ہر مومن پر اپنے ہاتھ سے جہاد کرنا واجب ہے اگر اس کی طاقت نہ ہو تو زبان سے اگر اس کی طاقت بھی نہ ہو تو دل سے برا سمجھے اس کے علاوہ اسلام نہیں ہے (۳)

حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں ایک بستی والے گناہوں کا ارتکاب کرتے تھے۔ اور ان میں چار آدمی ایسے تھے جو ان کے اعمال کو برا جانتے تھے ان میں سے ایک نے اٹھ کر کہا تم فلاں فلاں کام کرتے ہو وہ انہیں روکنے لگا اور ان کو بتایا کہ جو کچھ تم کر رہے ہو یہ برا کام ہے، وہ اس کی بات کو رد کرتے رہے اور اپنے کاموں سے باز نہ آئے چنانچہ اس نے ان کو برا بھلا کہا اور انہوں نے اس کو برا بھلا کہا وہ ان سے لڑا اور وہ لوگ غالب آ گئے چنانچہ وہ ان سے

---

(۱) قرآن مجید سورۃ الذاریات
(۲)
(۳)

الگ ہوگیا اور بارگاہ خداوندی میں یوں عرض کی۔

یا اللہ! میں نے ان کو روکا لیکن انہوں نے میری بات نہ مانی، میں نے ان کو برا بھلا کہا تو انہوں نے مجھے برا بھلا کہا، میں ان سے لڑا اور یہ مجھ پر غالب آگئے۔

پھر وہ چلا گیا اس کے بعد دوسرا اٹھا اس نے بھی ان کو روکا لیکن انہوں نے اس کی بات نہ مانی، اس نے ان کو برا بھلا کہا تو انہوں نے بھی اسے برا بھلا کہا پھر وہ الگ ہوگیا اور بارگاہ خداوندی میں عرض کی یا اللہ! میں نے ان کو روکا لیکن انہوں نے میری بات نہ سنی میں نے ان کو برا بھلا کہا تو انہوں نے مجھے برا بھلا کہا اور اگر میں ان سے لڑتا تو وہ مجھ پر غالب آجاتے پھر یہ بھی چلا گیا۔

اس کے بعد تیسرا اٹھا اس نے ان کو روکا لیکن انہوں نے اس کی بات نہ مانی وہ بھی الگ ہوگیا اور بارگاہ خداوندی میں عرض کیا یا اللہ! میں نے ان کو روکا لیکن انہوں نے میری بات نہیں مانی۔ اگر میں ان کو برا بھلا کہتا تو وہ بھی مجھے برا بھلا کہتے اور اگر میں ان سے لڑتا تو وہ بھی مجھ سے لڑتے پھر وہ چلا گیا۔

پھر چوتھا کھڑا ہوا اور اس نے بارگاہ خداوندی میں عرض کیا یا اللہ! اگر میں ان کو روکتا تو وہ میری بات نہ مانتے اور اگر میں ان کو برا بھلا کہتا تو وہ مجھے برا بھلا کہتے ہیں اور اگر میں ان سے لڑتا تو وہ مجھ سے لڑتے یہ کہہ کر وہ بھی چلا گیا۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں گویا چوتھا شخص ان میں سے سب سے کم مرتبے والا ہے اور تم میں اس قسم کے لوگ کم ہیں۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں عرض کیا گیا یا رسول اللہ! کیا کوئی بستی اس صورت میں بھی ہلاک ہوتی ہے جب اس میں نیک لوگ موجود ہوں؟ آپ نے فرمایا "ہاں"، عرض کیا گیا کیوں یا رسول اللہ؟ فرمایا اس لیے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی (دیکھ کر اس) پر خاموشی اختیار کرتے اور سستی سے کام لیتے ہیں۔

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے ایک فرشتے کی طرف وحی بھیجی کہ فلاں فلاں شہروں کو ان کے رہنے والوں پر الٹ دو، اس نے عرض کیا اے میرے رب! ان لوگوں میں تیرا فلاں بندہ بھی ہے جس نے پلک جھپکنے کے برابر بھی تیری نافرمانی نہیں کی، اللہ تعالیٰ نے فرمایا اس پر بھی اور دوسروں پر بھی الٹ دے کیونکہ اس کا چہرہ ایک گھڑی کے لیے بھی متغیر نہیں ہوا (یعنی ان لوگوں کے گناہوں پر اسے پریشانی یا غصہ نہیں آیا) (۱)

ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ ایک بستی والوں کو عذاب

---

(۱) (۲)

دیا گیا اور ان میں اٹھارہ ہزار وہ لوگ تھے جن کے اعمال انبیاء کرام کے اعمال کی طرح تھے عرض کیا گیا یا رسول اللہ! وہ کیسے ہلاک ہوئے؟ آپ نے فرمایا انہیں اللہ تعالیٰ کے لیے غصہ نہیں آتا تھا نہ وہ نیکی کا حکم دیتے اور نہ ہی برائی سے روکتے تھے (۱)

حضرت عروہ اپنے والد (رضی اللہ عنہما) سے روایت کرتے ہیں وہ فرماتے ہیں حضرت موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا اے میرے رب! تیرا کون سا بندہ تجھے زیادہ پسند ہے؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا وہ بندہ جو میری رضا کی طرف اس طرح جھپٹے جس طرح گرگس اپنی خواہش پر جھپٹتی ہے اور وہ جو میرے نیک بندوں سے اس قدر محبت کرے جس طرح بچے پستان کی طرف شوق و محبت سے لپکتے ہیں اور جب کوئی میرے حرام کردہ کاموں کا مرتکب ہو تو اسے اس قدر غصہ آئے جس طرح چیتا اپنے انتقامی جذبہ میں ہوتا ہے کیوں کہ چیتا جب اپنا انتقام لیتا ہے تو وہ کسی کی پرواہ نہیں کرتا لوگ کم ہوں یا زیادہ اس حدیث شریف میں اس بات پر دلالت ہے کہ خوف کی حالت میں امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا بہت زیادہ ثواب ہے۔

حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے عرض کیا یا رسول اللہ! کیا مشرکین کے ساتھ لڑائی کے علاوہ بھی جہاد ہے؟ آپ نے فرمایا ہاں اے ابوبکر! بے شک زمین پر اللہ تعالیٰ کے کچھ مجاہدین ہیں جو شہداء سے افضل ہیں وہ زندہ ہیں، ان کو رزق دیا جاتا ہے اور وہ زمین پر چلتے ہیں اللہ تعالیٰ آسمانی فرشتوں کے سامنے ان پر فخر فرماتا ہے ان کے لیے جنت اس طرح آراستہ کی گئی ہے جس طرح حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا، اللہ تعالیٰ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے آراستہ ہوتی ہیں، حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے عرض کیا یا رسول اللہ! وہ کون لوگ ہیں؟ آپ نے فرمایا وہ لوگ جو نیکی کا حکم دیتے ہیں، برائی سے روکتے ہیں، اللہ تعالیٰ کے لیے محبت کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے لیے ہی (کسی سے) عداوت کرتے ہیں پھر فرمایا اس ذات کی قسم جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے ان میں سے ایک شخص شہداء کے بالاخانوں سے بھی اوپر والے بالاخانوں میں سے ایک میں ہوگا ان میں ایک بالاخانہ کے تین ہزار دروازے ہوں گے ان میں سے کوئی دروازہ نورانی ہوگا اور ان میں سے ایک شخص تین ہزار حوروں سے نکاح کرے گا جن کی نگاہیں دوسری طرف نہیں اٹھی ہوں گی۔ جب وہ ان میں سے کسی ایک کی طرف متوجہ ہو کر اسے دیکھے گا تو وہ کہے گی تجھے فلاں فلاں دن یاد ہے تو نے نیکی کا حکم دیا اور برائی سے روکا وہ جب بھی ان میں سے ایک کی طرف دیکھے گا تو وہ اسے وہ مقام یاد دلائے گی جہاں اس نے نیکی کا حکم دیا اور برائی سے روکا۔(۲)

حضرت ابو عبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! اللہ تعالیٰ کے ہاں کون سے شہداء زیادہ معزز ہیں؟ آپ نے فرمایا وہ شخص جو ایک ظالم بادشاہ کے سامنے کھڑا ہوا اور اس نے نیکی کا حکم دیا اور برائی سے روکا، تو اس نے اسے قتل کر دیا اور اگر وہ اسے قتل نہ کرے تو اس کے بعد اس پر قلم نہیں چلے گی چاہے وہ کتنا عرصہ زندہ رہے۔

---

(۱)

(۲)

(یعنی گناہ سے محفوظ ہو گا) (۱)

حضرت حسن بصری رحمہ اللہ فرماتے ہیں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میری امت کے شہداء میں سے افضل شخص وہ ہے جو کسی ظالم بادشاہ کے سامنے کھڑا ہوتا ہے اسے نیکی کا حکم دیتا اور برائی سے روکتا ہے تو وہ اسے اس بات پر قتل کر دیتا ہے یہ وہ شہید ہے کہ قیامت کے دن اس کا مقام حضرت حمزہ اور حضرت جعفر رضی اللہ عنہما کے (مقام کے) درمیان ہو گا، (۲)

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں میں نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ وہ لوگ برے ہیں جو انصاف کا حکم نہیں دیتے اور وہ لوگ برے ہیں جو نیکی کا حکم نہیں دیتے اور برائی سے نہیں روکتے (۳)

آثار :-

حضرت ابو الدرداء رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں تمہیں ضرور بضرور نیکی کا حکم دینا اور برائی سے روکنا ہو گا ورنہ اللہ تعالیٰ تم پر ظالم حکمران مسلط کر دے گا جو تمہارے بڑوں کی بزرگی کا خیال نہیں رکھے گا اور تمہارے چھوٹوں پر رحم نہیں کرے گا، تمہارے نیک لوگ اس کے خلاف دعا مانگیں گے لیکن قبول نہیں ہوگی تم مدد مانگو گے لیکن مدد نہیں ملے گی۔

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے پوچھا گیا کہ زندوں میں سے مردہ کون لوگ ہیں؟ انہوں نے فرمایا وہ لوگ جو اپنے ہاتھ یا زبان سے برائی کو نہیں روکتے اور نہ دل سے اسے برا جانتے ہیں۔

حضرت مالک بن دینار رحمہ اللہ فرماتے ہیں بنی اسرائیل کے علماء میں سے ایک عالم تھا مرد اور عورتیں اس کے گھر جاتے اور وہ ان کو نصیحت کرتا اور اللہ تعالیٰ کے دن یاد دلاتا ایک دن اس نے اپنے ایک لڑکے کو دیکھا کہ اس نے کسی عورت کو آنکھ ماری اس نے کہا بیٹا! رک جاؤ، راوی کہتے ہیں وہ عالم تخت سے نیچے گر گیا اور اس کی گردن کا مہرہ ٹوٹ گیا اس کی عورت کا حمل ساقط ہو گیا اور اس کے بیٹے لشکر میں مارے گئے اللہ تعالیٰ نے اس زمانے کے نبی علیہ السلام کی طرف وحی بھیجی کہ فلاں عالم سے کہہ دو کہ میں تمہاری پشت سے صدیق پیدا نہیں کروں گا تمہیں میری ذات کے لیے صرف اس قدر غصہ آیا کہ تم نے اتنی بات پر اکتفا کیا "بس کرو بیٹا بس کرو"۔

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں لوگوں پر ایک ایسا زمانہ آئے گا کہ اگر ان میں مردہ گدھا ہو تو انہیں وہ اس مومن سے زیادہ پسند ہو گا جو نیکی کا حکم دیتا اور برائی سے روکتا ہے، اور اللہ تعالیٰ نے حضرت یوشع بن نون علیہ السلام کی طرف وحی بھیجی کہ میں آپ کی قوم سے چالیس ہزار نیکوکار لوگوں اور ساٹھ ہزار برے لوگوں کو ہلاک کروں گا انہوں نے عرض کیا اے

---

(۱)

(۲)

(۳)

میرے رب بڑے لوگوں کی ہلاکت تو سمجھ میں آتی ہے نیکوں کو کیوں ہلاک کرے گا؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا انہیں میرے غصے کی وجہ سے غصہ نہیں آیا اور وہ ان کے ہم نوالہ وہم پیالہ بنے رہے۔

حضرت بلال بن سعد رحمہ اللہ فرماتے ہیں گناہ جب پوشیدہ ہو تو صرف اسی شخص کو نقصان پہنچاتا ہے جو اس کا مرتکب ہو اور جب علانیہ ہو اور اسے بدلا نہ جائے تو اس کا نقصان عمومی ہوتا ہے۔

حضرت کعب احبار نے حضرت ابو مسلم خولانی سے پوچھا آپ کی قوم میں آپ کا کیا مقام ہے؟ انہوں نے فرمایا اچھا ہے حضرت کعب نے فرمایا تورات تو اس کے علاوہ بات بتاتی ہے انہوں نے پوچھا تورات کیا کہتی ہے؟ فرمایا تورات میں ہے کہ آدمی جب نیکی کا حکم دے اور برائی سے روکے تو وہ اپنی قوم میں برا سمجھا جاتا ہے حضرت ابو مسلم نے فرمایا تورات سچ کہتی ہے اور ابو مسلم نے جھوٹ کہا۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما عمال کے پاس جاتے تھے لیکن پھر آپ نے ان سے کنارہ کشی اختیار کرلی آپ سے عرض کیا گیا اگر آپ ان کے پاس جائیں تو اچھا ہے شاید ان کے دلوں میں رعب رہے (احساس ہو) انہوں نے فرمایا مجھے اس بات کا ڈر ہے کہ اگر میں کچھ بولوں تو وہ خیال کریں کہ شاید میں جو کچھ کہہ رہا ہوں اصل میں وہ بات نہیں اور اگر میں خاموش رہوں تو گناہ گار ہونے کا خوف ہو گا۔

یہ اس بات پر دلالت ہے کہ جو شخص امر بالمعروف سے عاجز ہو تو وہ اس مقام سے دور اور پوشیدہ رہے تاکہ گناہ اس کے سامنے نہ ہو۔

حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں سب سے پہلے جس جہاد پر تمہیں مامور کیا جاتا ہے وہ ہاتھوں سے جہاد ہے، تم نے زبانوں کے ساتھ جہاد اور پھر اس کے بعد دلوں کے ساتھ جہاد کرنا ہے اور جب دل اچھی بات کو نہ پہچانے اور منکر کا انکار نہ کرے تو وہ اُلٹا ہو جاتا ہے یعنی اس کا اوپر والا حصہ نیچے کی طرف چلا جاتا ہے۔

حضرت سہل بن عبداللہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں جو شخص دین کی کسی بات پر عمل کرتا ہے وہ امر بالمعروف سے متعلق ہو یا نہی عن المنکر سے اور جب امور دینیہ میں فساد پیدا ہو اور ان امور کا انکار ہونے لگے زمانہ تشویشناک ہو جائے وہ اس وقت بھی اس سے تعلق قائم رکھے تو یہ شخص ان لوگوں میں سے ہے جو اپنے زمانے میں امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ انجام دیتے ہیں۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ جب وہ صرف اپنے آپ پر ہی قادر ہو اور خود عمل کرے اور دوسروں کی برائی کو دل سے برا سمجھتا ہو تو اس نے اپنا فرض ادا کر دیا۔

حضرت فضیل رحمہ اللہ سے پوچھا گیا کیا آپ نیکی کا حکم نہیں دیتے اور برائی سے منع نہیں کرتے؟ انہوں نے فرمایا کچھ لوگوں کو امر اور نہی کی لیکن انہوں نے کفر اختیار کیا انہوں نے اس کے بدلے پہنچنے والی تکلیف پر صبر نہیں کیا۔

حضرت ثوری رحمہ اللہ سے پوچھا گیا کیا امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ انجام نہیں دیتے؟ انہوں نے فرمایا

جب سمندر ٹوٹ نکلے تو اسے کون بند کرے گا۔

تو ان دلائل سے ظاہر ہوا کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر واجب ہے اور جب اس کی طاقت ہو تو جب تک اس فریضہ کو ادا نہ کیا جائے یہ ساقط نہیں ہوتا، اب ہم اس کی شرائط اور اس کے وجوب کی شرائط ذکر کریں گے۔
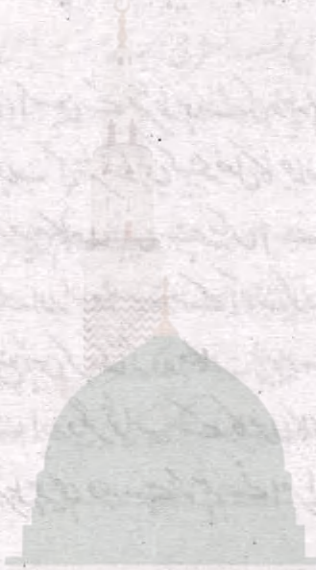
دوسرا باب

امر بالمعروف کے ارکان اور شرائط

امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے مجموعہ کا نام حسبت (محاسبہ) ہے اور اس کے چار ارکان ہیں۔ (۱) محتسب (۲) جس کا احتساب کیا جائے (۳) جس میں احتساب ہو (۴) اور نفسِ احتساب۔ تو ان چاروں ارکان میں سے ہر ایک کی کچھ شرائط ہیں۔

پہلا رکن: (محتسب)

اس کے لیے کچھ شرائط ہیں وہ یہ کہ مکلف ہو، مسلمان ہو اور قادر ہو، لہٰذا اس سے مجنوں، کافر اور عاجز نکل جائے گا۔ اور رعایا میں سے ہر ایک اس میں داخل ہے۔ اگرچہ اس کو اجازت نہ دی گئی ہو اس میں فاسق، غلام اور عورت بھی داخل ہے۔

اب ہم ان (مذکورہ بالا) شرائط کی وجہ بیان کرتے ہیں اور جن قیودات کو ہم نے چھوڑ دیا ان کے چھوڑنے کی وجہ بھی بیان کرتے ہیں۔

پہلی شرط: (یعنی مکلف ہونا) اس کے شرط ہونے کی وجہ پوشیدہ نہیں ہے کیوں کہ غیر مکلف کو امر شامل ہی نہیں ہے اور ہم نے جو کچھ ذکر کیا وہ وجوب کی شرائط ہیں کیونکہ فعل کا جواز اور امکان یا تو صرف عقل کا تقاضا ہوتا ہے حتیٰ کہ سمجھدار (عقل مند قریب البلوغ بچہ اگرچہ مکلف نہیں ہے لیکن اسے بری بات سے روکنے کا حق ہے اور اسے یہ بھی (شرعی) حق ہے کہ وہ شراب بہا دے اور لہو و لعب کے آلات کو توڑ دے اگر وہ ایسا کرے گا تو اسے ثواب حاصل ہوگا اور اسے کوئی شخص اس لیے منع نہیں کر سکتا کہ وہ مکلف نہیں ہے کیونکہ یہ ثواب کا کام ہے اور یہ اس کا اہل ہے جس طرح یہ نماز اور اس کی امامت اور دیگر ثواب کے کاموں کا اہل ہے اس کا حکم ولایتوں (کسی کام کا والی بننا) والا حکم نہیں ہے کہ اس میں مکلف ہونا شرط ہو یہی وجہ ہے کہ ہم نے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر غلام اور عام رعایا کے لیے بھی ثابت کیا ہے۔

ہاں برائی سے بالفعل منع کرنا اور برائی کو مٹا دینا ایک قسم کی ولایت اور حکومت معلوم ہوتی ہے لیکن یہ حکومت صرف ایمان سے حاصل ہوتی ہے جیسے مشرک کو قتل کرنا اور اس کے سامان کو باطل کرنا اور اس سے اسلحہ چھیننا۔ اگر نقصان

کا ڈر نہ ہو تو بچے کو بھی اس کا حق حاصل ہے کیونکہ فسق سے منع کرنا، کفر سے روکنا ہے۔

دوسری شرط :

(ایمان) اس کا شرط ہونا بھی مخفی نہیں ہے کیونکہ یہ دین کی مدد ہے اور جو شخص دین سے لڑتا اور اس کا دشمن ہے ہے وہ اس کا اہل کیسے ہو سکتا ہے۔

تیسری شرط :

یہ عدالت ہے ایک قوم نے اس کا اعتبار کیا ہے اور انہوں نے فرمایا فاسق کو امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا کوئی حق نہیں اور انہوں نے قرآن پاک سے استدلال کیا کہ جو لوگ کسی بات کا حکم دیتے اور خود اس پر عمل نہیں کرتے قرآن پاک میں ان پر وعید آئی ہے۔

ارشاد خداوندی ہے:

اَتَأْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبِرِّ وَتَنْسَوْنَ اَنْفُسَكُمْ (۱) — کیا تم لوگوں کو نیکی کا حکم دیتے ہو اور اپنے آپ کو بھول جاتے ہو۔

اور ارشاد خداوندی ہے:

كَبُرَ مَقْتًا عِنْدَ اللّٰهِ اَنْ تَقُوْلُوْا مَا لَا تَفْعَلُوْنَ ۔ (۲) — اللہ تعالیٰ کے ہاں یہ بات بہت بری ہے کہ تم وہ بات کہو جو خود نہیں کرتے۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں شب معراج ایک قوم کے پاس سے گزرا جن کے ہونٹ آگ کی قینچیوں سے کاٹے جا رہے تھے، تو میں نے پوچھا تم کون ہو؟ انہوں نے کہا ہم نیکی کا حکم دیتے تھے اور خود نہیں کرتے تھے، برائی سے روکتے تھے اور خود نہیں رُکتے تھے۔ (۳)

اسی طرح ایک روایت میں ہے اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی طرف وحی بھیجی اور فرمایا اپنے نفس کو نصیحت کیجئے اور جب تمہارا نفس نصیحت حاصل کرلے تو پھر لوگوں کو نصیحت کریں ورنہ مجھ سے حیا کریں۔

بعض اوقات وہ قیاس کے طریقے پر استدلال کرتے ہیں کہ دوسروں کو ہدایت دینا خود ہدایت یافتہ ہونے کی فرع ہے اسی طرح دوسروں کو سیدھا کرنا اپنے آپ کو سیدھا رکھنے کی فرع ہے اور اصلاح، نصابِ اصلاح کی زکوٰۃ ہے

---

(۱) قرآن مجید، سورۂ بقرہ آیت ۴۴

(۲) قرآن مجید، سورۂ الصف آیت ۳

(۳) الترغیب والترہیب جلد اول ص ۱۲۴ کتاب العلم

تو جو شخص خود نیک نہیں ہے وہ کس طرح دوسروں کی اصلاح کر سکتا ہے اور جب لکڑی ٹیڑھی ہو تو سایہ کس طرح سیدھا ہو گا۔

لیکن یہ جو کچھ انہوں نے ذکر کیا ہے سب خیالات ہیں۔

حق یہ کہ ہے فاسق بھی احتساب (امر بالمعروف اور نہی عن المنکر) کر سکتا ہے اس کی دلیل کے طور پر ہم کہتے ہیں کہ کیا احتساب کے لیے یہ شرط ہے کہ محتسب تمام گناہوں سے معصوم اور نیکی میں مشغول ہو؟ اگر یہ شرط رکھی جائے تو یہ اجماع کے خلاف ہے اور احتساب کا دروازہ بند کرنا ہے کیونکہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم معصوم نہیں تھے دوسروں کی تو بات ہی کیا ہے اور انبیاء کرام علیہم السلام کے خطاؤں سے معصوم ہونے کے بارے میں اختلاف ہے اور قرآن پاک حضرت آدم علیہ السلام کی طرف معصیت کی نسبت کی گئی ہے اسی طرح انبیاء کرام علیہم السلام کی ایک جماعت کی طرف بھی اسی لیے حضرت سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں تھے کہ اگر امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا حق صرف انہی لوگوں کو ہو جو گناہ نہیں کرتے تو کوئی بھی شخص اس پر عمل نہیں کر سکے گا۔

حضرت امام مالک رحمہ اللہ کو حضرت سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ کا یہ قول پسند آیا ہے۔

اور اگر ان کا خیال یہ ہو کہ محتسب کے لیے صغیرہ گناہوں سے پاک ہونا شرط نہیں ہے حتی کہ ریشمی کپڑا پہننے والے کے لیے جائز ہے کہ وہ زنا اور شراب نوشی سے منع کرے۔

تو ہم کہتے ہیں کیا شراب پینے والا کفار سے جہاد کر سکتا ہے اور کفر سے منع کر سکتا ہے؟ اگر وہ کہیں کہ نہیں تو انہوں نے اجماع کے خلاف بات کہی کیونکہ مسلمانوں کے لشکر میں ہمیشہ نیک اور فاجر نیز شراب نوش، اور یتیموں پر ظلم کرنے والے لوگ رہے ہیں اور ان کو جہاد سے منع نہیں کیا گیا نہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں اور نہ اس کے بعد ———

اگر وہ کہیں کہ ہاں یہی بات ہے تو ہم پوچھتے ہیں کہ کیا شراب پینے والا قتل سے منع کر سکتا ہے یا نہیں؟

اگر وہ کہیں کہ نہیں تو اس میں اور ریشمی کپڑا پہننے والے میں کیا فرق ہوگا۔ کیونکہ وہ شراب نوشی سے منع کر سکتا ہے اور قتل شراب کی نسبت بڑا گناہ ہے جس طرح ریشم پہننے کی نسبت، شراب پینا بڑا گناہ ہے تو ان میں کوئی فرق نہیں ہے۔ اگر وہ کہیں کہ ٹھیک ہے اور وہ اس میں تفصیل بیان کرتے ہوئے کہیں کہ جو کام کسی دوسرے کام پر مقدم ہوتا ہے تو اس کام کی مثل اور اس سے کم درجہ کے کام سے منع نہیں کیا جاتا بلکہ اس سے اوپر والے کام سے روکا جاتا ہے تو ان لوگوں کی یہ بات بلا دلیل اور دعویٰ اور زبردستی ہے۔

کیونکہ جس طرح شراب نوش کا زنا اور قتل سے روکنا کوئی بعید بات نہیں ہے تو اگر زنا کار شراب سے منع کرے تو یہ بات کس طرح بعید از قیاس ہوگی۔ بلکہ یہ کیسے بعید ہوگی کہ وہ خود شراب نوشی کرتا ہو اور اپنے بچوں اور خادموں کو شراب پینے سے منع کرے اور کہے کہ مجھ پر رکنا اور روکنا دونوں باتیں واجب ہیں تو اگر میں ایک کے سلسلے میں اللہ تعالیٰ کی نافرمانی

کیسے لازم آئے گی۔

اور جب مجھ پر منع کرنا واجب ہے تو میرے اس اقدام سے کیسے لازم آئے گا کہ وجوب ساقط ہو گیا، کیونکہ یہ بات کہنا محال ہے کہ جب تک وہ شراب نہ پیئے اس پر شراب نوشی سے روکنا واجب ہے اور جب خود پیئے تو نہی ساقط ہو جائے گی۔

اگر کہا جائے کہ اس صورت میں لازم آئے گا کہ کوئی شخص یوں کہے کہ مجھ پر وضو اور نماز دونوں واجب ہیں تو میں وضو کر لیتا ہوں اگرچہ نماز نہ پڑھوں اور سحری کھا لیتا ہوں اگرچہ روزہ نہ رکھوں کیوں کہ میرے لیے سحری کھانا اور روزہ رکھنا دونوں مستحب ہیں لیکن کہا جائے گا کہ ان میں سے ایک، دوسرے پر مرتب ہے اسی طرح دوسرے کو راہ راست پہ لانا اپنے آپ کو صراط مستقیم پر رکھنے کے عمل پہ مرتب ہوتا ہے تو پہلے اپنے آپ سے شروع کرنا چاہیے پھر ان لوگوں کی تربیت کرے جن کا ذمہ دار ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ سحری کھانا، روزے کے لیے ہے اگر روزہ نہ ہوتا تو سحری کھانا مستحب نہ ہوتا۔ اور جو کام کسی دوسرے کام کا ذریعہ ہے وہ اس سے الگ نہیں ہوتا۔ اور دوسروں کی اصلاح کرنے کا مقصد اپنی اصلاح نہیں ہوتا اور اپنی اصلاح کا مقصد بھی دوسروں کی اصلاح کرنا نہیں ہوتا۔

لہذا ایک کے دوسرے پر مرتب ہونے کا قول کرنا بلا دلیل قول ہے جہاں تک وضو اور نماز کا تعلق ہے تو وہ لازم ہیں اور جو شخص وضو کرے لیکن نماز نہ پڑھے وہ وضو کے حکم پر عمل پیرا ہونے والا ہے اور اس کی سزا اس شخص کی سزا سے کم ہوگی جو وضو اور نماز دونوں کاموں کو چھوڑ دیتا ہے تو جس شخص نے روکنا اور رکنا دونوں کام چھوڑ دیئے اس کی سزا اس شخص سے زیادہ ہے جو منع کرتا ہے اور اور خود نہیں رکتا اور یہ کیسے ہوگا جبکہ وضو نماز کے لیے شرط ہے بذاتِ خود مقصود نہیں ہے مقصود تو غیر ہے تو نماز کے بغیر اس کا حکم نہیں ہوگا جہاں تک نہی عن المنکر کا تعلق ہے تو اس میں خود رکنا شرط نہیں لہذا دونوں باتوں میں مشابہت نہیں ہے اگر کہا جائے کہ اس سے تو یہ لازم آتا ہے کہ کہا جائے اگر ایک شخص کسی عورت سے زنا کرے اور وہ عورت اس بات کو ناپسند کرتی ہو اور اس نے چہرہ ڈھانپ رکھا ہو اور پھر وہ عورت اپنی مرضی سے چہرہ ننگا کر دے اور وہ شخص زنا کے دوران احتساب شروع کر دے اور کہے کہ زنا کے سلسلے میں تجھے مجبور کیا گیا لیکن غیر محرم کے سامنے چہرہ ننگا کرنے کے سلسلے میں تجھے اختیار تھا اور میں تیرے لیے غیر محرم ہوں لہذا مجھ سے پردہ کر لے تو یہ احتساب نہایت برا ہے ہر عقل مند کا دل اس سے نفرت کرتا ہے اور ہر سلیم الطبع شخص اسے برا سمجھتا ہے۔

تو اس کا جواب یہ ہے کہ بعض اوقات حق بھی برا معلوم ہوتا ہے اور باطل اچھا سمجھا جاتا ہے اور یہ طبعی طور پر ہوتا ہے اور دلیل کی پیروی کی جاتی ہے وہم و خیالات کی اتباع نہیں ہوتی۔ ہم کہتے ہیں کہ اس شخص کا اس حالت

ہیں یہ کہنا کہ چہرہ ننگا نہ کر، واجب ہوگا یا مباح یا حرام ؛ اگر تم اسے واجب کہو تو یہی ہماری غرض ہے کیوں کہ چہرہ ننگا کرنا گناہ ہے اور گناہ سے روکنا حق ہے اور اگر تم کہو کہ یہ مباح ہے تو مباح کام کا حکم دینا جائز ہے تو تمہارا یہ کہنا کہ فاسق احتساب نہیں کر سکتا اس کا کیا مطلب ہے؟ اگر تم کہو کہ یہ حرام ہے تو ہم کہیں گے یہ تو واجب تھا زنا کی وجہ سے حرام کیسے گیا؟ اور یہ عجیب بات ہے کہ کوئی واجب کسی دوسرے حرام کے ارتکاب کی وجہ سے حرام ہو جائے۔

جہاں تک طبیعتوں کے اس سے نفرت و انکار کا تعلق ہے تو اس کے دو سبب ہیں۔

پہلا سبب :

اس نے اہم کام (ترکِ زنا) کو چھوڑ دیا اور غیر اہم میں مشغول ہوا (زنا نہ کرنا اہم تھا اور چہرہ ڈھانپنے کا حکم دینا اس سے کم درجہ میں ہے) تو جس طرح انسانی طبیعت اس بات سے نفرت کرتی ہے کہ کوئی شخص کسی ضروری کام کو چھوڑ کر بے مقصد کام میں مشغول ہو جائے تو اسی طرح جب کسی ضروری کام میں مشغول ہو اور اس سے اہم کام کو چھوڑ دے اس صورت میں بھی طبیعت اس سے نفرت کرتی ہے۔

جیسے کوئی شخص غصب کی ہوئی چیز کھانے میں حرج سمجھے لیکن ہمیشہ سُود کھاتا ہو تو انسانی طبیعت اس سے نفرت کرتی ہے؛ اسی طرح ایک شخص غیبت سے بچتا ہے لیکن جھوٹی گواہی دیتا ہے تو اس سے بھی طبعی طور پر نفرت ہوتی ہے کیونکہ جھوٹی گواہی، غیبت کی نسبت زیادہ سخت اور بری ہے کیونکہ غیبت کرنے والا اپنی خبر میں سچا ہوتا ہے تو طبیعتوں کا نفرت کرنا اس بات پر دلالت نہیں کرتا کہ غیبت کو چھوڑنا واجب نہیں ہے اور اگر وہ غیبت کرے یا حرام مال سے ایک لقمہ کھائے تو اس سے اس کو عذاب زیادہ نہیں ہوگا؛ اسی طرح انسان کو آخرت میں دوسرے کے گناہ کی نسبت اپنے گناہ کا نقصان زیادہ ہوگا تو جس کا نقصان زیادہ ہو اس کی طرف متوجہ ہونے کی بجائے کم نقصان والے کام کی طرف توجہ کرنا طبعی طور پر ناپسند ہوتا ہے کیونکہ اس نے زیادہ گناہ والے کام کی پرواہ نہیں کی اس لیے نہیں کہ کم گناہ والے کام سے روکنے میں کیوں مشغول ہوا۔

اگر کسی شخص کا گھوڑا اور لگام دونوں چھن جائیں اور وہ لگام کا مطالبہ کرے لیکن گھوڑے کو چھوڑ دے تو اس سے طبیعتیں نفرت کرتی ہیں اور اسے برا سمجھتی ہیں کیونکہ وہ صرف لگام کا مطالبہ کرتا ہے حالانکہ اس نے کوئی برا کام نہیں کیا لیکن یہ بات بری معلوم ہوئی کہ اس نے لگام کی طلب کی اور گھوڑے کا مطالبہ چھوڑ دیا تو اہم چیز کو چھوڑ کر اس سے ہلکی چیز کا مطالبہ کرنے کی وجہ سے اس پر انکار سخت ہو گیا۔

اسی طرح فاسق کا نہی عن المنکر کرنا اس وجہ سے برا سمجھا جاتا ہے اور یہ اس بات پر دلالت نہیں ہے کہ اس کا بری بات سے روکنا برا ہے۔

دوسرا سبب۔ یہ ہے کہ نہی عن المنکر کا کام بعض اوقات وعظ کے ذریعے روکنے کے طریقے پر ہوتا ہے اور بعض دفعہ سختی سے ہوتا ہے اور جو شخص پہلے خود وعظ کو قبول نہ کرے وہ کامیابی حاصل نہیں کر سکتا۔ ہم کہتے ہیں کہ جس آدمی

کو معلوم ہو کہ لوگ اس کے فاسق ہونے کی وجہ سے اس کی تبلیغ کو قبول نہیں کرتے تو اس پر وعظ کے ذریعے تبلیغ لازم نہیں کیونکہ اس کے وعظ کا کوئی فائدہ نہیں۔ اور فسق اس کے کلام کی تاثیر کو ساقط کر دیتا ہے تو جب اس کے کلام کا فائدہ ساقط ہو جائے تو کلام کا وجوب بھی ساقط ہو جائے گا۔

لیکن جب روکنے کے ذریعے نہی عن المنکر ہو تو اس سے مراد سختی کے ذریعے روکنا ہے اور جب وہ فاسق ہو تو اگرچہ وہ سختی کے ذریعے منع کر سکتا ہے لیکن دلیل کے اعتبار سے وہ مغلوب ہو گا کیونکہ اس پر یہ اعتراض کیا جائے گا کہ تم خود یہ برائی کیوں کرتے ہو۔ لہٰذا اس طرح جب وہ سختی کے ساتھ منع کرے گا تو چونکہ وہ دلیل کے اعتبار سے مغلوب ہے لہٰذا اس سے طبیعتیں نفرت کریں گی۔ لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ وہ کام حق نہ رہے۔ جیسے کوئی شخص کسی مسلمان کو ظالم سے چھڑائے اور اس مظلوم کا باپ بھی ان مظلوم لوگوں میں شامل ہو لیکن اسے نہ چھڑائے تو ایسے شخص (چھڑانے والے) سے طبیعتیں نفرت کرتی ہیں لیکن اس کا کسی مسلمان کو چھڑانا حق ہونے سے خارج نہیں ہو گا۔

تو اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ جس شخص کا فاسق ہونا معروف ہو اس پر نہی عن المنکر لازم نہیں کیوں کہ وہ نصیحت کو قبول نہیں کرتا۔ اور جب اس پر یہ بات لازم نہیں اور وہ جانتا ہے کہ اگر وہ وعظ کرے تو لوگ اس کے خلاف زبان درازی کریں گے تو ہم کہتے ہیں کہ اسے وعظ کرنا ہی نہیں چاہیے۔ تو مطلب یہ ہوا کہ احتساب کی ایک قسم یعنی وعظ فسق کی وجہ ساقط ہو جاتا ہے اور اس ذمہ داری کے لیے عادل ہونا (فاسق نہ ہونا) شرط ہے۔

لیکن احتساب قہری (ہاتھ سے برائی کو روکنے) میں یہ بات شرط نہیں ہے لہٰذا اس بات میں کوئی حرج نہیں کہ فاسق شراب کو انڈیل دے اور گانے بجانے کے آلات کو توڑ دے اگر اس کی طاقت رکھتا ہو اس مسئلے میں انصاف کی صورت یہی ہے اور یہی صاف صاف بات ہے۔

اور جن آیات سے ان لوگوں نے استدلال کیا ہے تو ان آیات میں اس بات کی برائی کا ذکر ہے کہ انہوں نے اچھی بات کو ترک کیا یہ نہیں کہ دوسروں کو کیوں حکم دیا۔ اور عالم کو سخت عذاب ہو گا کیونکہ وہ علمی قوت کی وجہ سے کوئی عذر پیش کر نہیں سکتا۔

ارشاد خداوندی ہے۔

لِمَ تَقُوْلُوْنَ مَا لَا تَفْعَلُوْنَ (۱) — تم وہ بات کیوں کہتے ہو جو خود نہیں کرتے۔

اس سے جھوٹا وعدہ مراد ہے اور ارشاد خداوندی ہے۔

وَتَنْسَوْنَ اَنْفُسَكُمْ (۲) — اور تم اپنے آپ کو بھول جاتے ہیں۔

---

(۱) قرآن مجید، سورۂ بقرہ آیت ۴۴ (۲) قرآن مجید، سورۂ صف آیت ۲

اس پر اس اعتبار سے اعتراض ہے کہ انہوں نے اپنے آپ کو بھلا دیا اس وجہ سے نہیں کہ انہوں نے دوسروں کو حکم دیا لیکن دوسروں کے معاملے کو اس لیے ذکر کیا تاکہ معلوم ہو جائے کہ وہ عالم تھے اور ان کے خلاف حجت پوری ہو جائے اور حدیث میں جو آیا ہے کہ اے ابن مریم! اپنے آپ کو نصیحت کریں تو وہ وعظ کے ذریعے احتساب ہے اور ہم تسلیم کر چکے ہیں کہ جن لوگوں کو کسی شخص کے فسق کا علم ہو اس سے زبانی وعظ ساقط ہو جاتا ہے پھر یہ کہا کہ مجھ سے حیا کریں تو یہ دوسروں کو وعظ کرنے کے حرام ہونے پر دلالت نہیں کرتا بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ مجھ سے حیا کریں اور اہم کام کو چھوڑ کر کم اہمیت والے کام کو اختیار نہ کریں۔ جیسے کہا جاتا ہے کہ اپنے باپ کی حفاظت کرو پھر اپنے پڑوسی کا خیال رکھو ورنہ شرم کرو۔

اگر کہا جائے کہ اس طرح کافر کے لیے بھی جائز ہو گا کہ جب وہ کسی مسلمان کو زنا کرتے ہوئے دیکھے تو اس کا احتساب کرے کیوں کہ اس کا یہ کہنا کہ زنا نہ کرو ذاتی طور پر حق بات ہے لہذا اس پر حرام ہونا محال ہے بلکہ مباح یا واجب ہونا چاہیئے۔

تو ہم کہتے ہیں کہ مسلمان کو کافر کا منع کرنا اس پر مسلط ہونا ہے لہذا کافر کو منع کیا جائے کیونکہ یہ تسلط ہے۔

ارشاد خداوندی ہے:

وَلَنْ يَجْعَلَ اللّٰهُ لِلْكٰفِرِيْنَ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ سَبِيْلًا ۔ (۱)	اور اللہ تعالیٰ کافروں کے لیے مسلمانوں پر کوئی راستہ ہرگز نہیں بنائے گا۔

البتہ اس کا محض یہ کہنا کہ زنا نہ کرو اس وجہ سے حرام نہیں کہ یہ زنا سے روکتا ہے لیکن اس اعتبار سے کہ اس سے مسلمان پر کوئی فیصلہ کرنے کی بُو آتی ہے اور جس کے خلاف ہو رہا ہے اس کی ذلت ہے لہذا اس وجہ سے منع کیا جائے گا۔ اور فاسق اس بات کا مستحق ہے کہ اسے ذلیل کیا جائے لیکن کافر کی طرف سے نہیں جو اس کے مقابلے میں ذلت کے زیادہ لائق ہے۔

تو اس وجہ سے ہم نے اسے محاسبہ سے منع کیا ورنہ ہم یہ نہیں کہتے کہ کافر کو اس لیے سزا ملنی چاہیئے کہ اس نے کہا زنا نہ کر اور یہ نہی ہے بلکہ ہم کہتے ہیں کہ اگر وہ زنا سے نہ روکے تو سزا کا مستحق ہے اگر وہ فروعات دین کا مخاطب ہو اور یہ بات قابلِ غور ہے ہم نے فقہی مسائل میں اس کو بیان کیا ہے اور اب یہ ہماری غرض کے لائق نہیں ہے۔

چوتھی شرط یہ ہے کہ اس شخص (محتسب) کو امام یا والی کی طرف سے اجازت حاصل ہو ایک جماعت نے یہ شرط لازم قرار دی ہے اور انہوں نے رعایا میں سے ہر آدمی کے لیے احتساب کو ثابت نہیں کیا لیکن یہ شرط فاسد ہے کیوں کہ آیات و احادیث جو ہم نے ذکر کی ہیں وہ اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ جو شخص کسی برائی کو دیکھے اور اس پر خاموش رہے تو وہ گناہ گار ہے کیوں کہ اس سے روکنا واجب ہے جہاں بھی دیکھے اور جس طریقے سے دیکھے یہ عمومی حکم ہے اور حاکم

---

(۱) سورۂ آل عمران ۱۴۱

کی طرف سے اجازت کے ساتھ خاص کرنا محض زبردستی ہے اس کی کوئی دلیل نہیں ہے۔

اور تعجب کی بات ہے کہ شیعہ نے اس پر مزید ایک شرط رکھی ہے وہ یہ کہ جب تک امام معصوم جو ان کے نزدیک امام حق ہے، ظاہر نہ ہو اس وقت تک امر بالمعروف اور نہی عن المنکر جائز ہی نہیں تو یہ لوگ نہایت گھٹیا درجے کے مالک ہیں اس قابل نہیں ہیں کہ ان سے گفتگو کی جائے بلکہ جب وہ اپنے مالوں اور خون کے حوالے سے حقوق کی طلب کے لیے قاضیوں کے پاس آئیں تو ان کو یوں جواب دیا جائے کہ تمہاری مدد امر بالمعروف ہے اور ظالموں سے تمہارے حقوق حاصل کرنا نہی عن المنکر کے زمرے میں آتا ہے اور تمہارا اپنے حقوق کا مطالبہ کرنا بھی معروف امور میں سے ہے اور یہ زمانہ ظلم سے روکنے اور طلب حقوق کا زمانہ نہیں ہے کیونکہ ابھی تک امام برحق ظاہر نہیں ہوا۔

اگر کہا جائے کہ امر بالمعروف ایک قسم کی حکومت اور ولایت ہے اور جس کو یہ حکم دیا جائے گویا اس پر حکومت کرنا ہے اور یہی وجہ ہے کہ حق ہونے کے باوجود مسلمان کے خلاف کافر کو اس کا استحقاق حاصل نہیں ہے تو مناسب یہی ہے کہ جب تک ولی اور حکمران کسی عام مسلمان کو یہ حق تفویض نہ کریں اس کے لیے یہ ثابت نہ ہو۔

تو ہم کہتے ہیں کہ کافر کو اس لیے منع کیا گیا کہ یہ ایک قسم کی سلطنت ہے اور فیصلے کرتے میں عزت ہوتی ہے جب کہ کافر ذلیل ہے لہٰذا وہ مسلمان پر کوئی فیصلہ کرنے کی عزت کا مستحق نہیں ہو سکتا لیکن عام مسلمانوں کو دین اور معرفت کی وجہ سے اس کا استحقاق حاصل ہے اور اس میں عزت سلطنت والی بات نہیں ہے اور جس عمل میں حکومت اور تسلط کی عزت ہو وہ حکمران کی طرف سے اختیار کے حصول کی محتاج نہیں ہے جیسے کسی کو سکھانا اور پہچان کرانا کیوں کہ اس بات میں کوئی اختلاف نہیں کہ جو شخص جاہل ہو اور یوں وہ برائی کا مرتکب ہو تو اسے سمجھانا کہ یہ حرام ہے اور یہ واجب ہے، حکمران کی اجازت کا محتاج نہیں اس میں راہنمائی کی عزت ہے اور جس کو بتلا رہا ہے اسے جہالت کی وجہ سے ذلت حاصل ہے۔ اور اس بات میں محض دین داری کافی ہے (امام کی اجازت ہو یا نہ ہو) اور نہی میں بھی یہی بات ہے اس سلسلے میں تفصیل یہ ہے کہ احتساب کے پانچ مرتبے ہیں جیسا کہ آگے آئے گا۔

(۱) تعریف (پہچان کرانا) (۲) لطیف گفتگو کے ذریعے وعظ کرنا (۳) زبردستی منع کرنا اور برا بھلا کہنا اور برا بھلا کہنے کا مطلب گالی دینا نہیں بلکہ یوں کہنا کہ اے جاہل! اے بیوقوف! کیا تو اللہ تعالیٰ سے نہیں ڈرتا اور اس طرح کے دیگر کلمات کہنا۔ (۴) قہر و غلبہ کے ذریعے روکنا جیسے گانے بجانے کے آلات توڑ دینا، شراب بہا دینا، اگر ریشمی کپڑا پہنا ہوا تو اسے پھاڑ دینا اور چھینا ہوا کپڑا اس سے واپس لے کر مالک کو دے دینا اور (۵) سزا دے کر اسے ڈرانا یہاں تک کہ وہ اس کام سے جس میں مبتلا ہے باز آجائے جیسا کہ ایک شخص ہمیشہ غیبت کرتا اور الزام تراشی کرتا ہے کیوں کہ اس زبان کو نکالنا ممکن نہیں ہے البتہ مارنے اور سزا دینے کے ذریعے اسے خاموش کرایا جا سکتا ہے اور اس صورت میں دونوں طرف معاونین کی ضرورت ہوتی ہے اور یوں لڑائی جھگڑے تک نوبت آتی ہے تو پانچویں مرتبے کے

علاوہ باقی کسی مرتبے میں امام کی اجازت کی ضرورت نہیں ہے پانچویں مرتبہ میں غور و خوض کی ضرورت ہے جیسا کہ آگے آئے گا، جہاں تک (حلال وحرام کی) پہچان کرانے اور وعظ کا تعلق ہے تو یہ امام کی اجازت پر کس طرح موقوف ہوگا اور اسے جاہل یا بیوقوف قرار دینا اور یہ کہنا کہ تم اللہ تعالیٰ سے نہیں ڈرتے اور اس طرح کے دوسرے الفاظ کا استعمال، سچا کلام ہے اور ظالم حکمران کے سامنے سچ بولنا ضروری بلکہ اعلیٰ درجہ ہے جیسا کہ حدیث شریف میں آیا ہے (۱)

تو جب حاکم کی مرضی کے خلاف کلمہ حق کہنے کا حکم ہے تو اس کی اجازت کی ضرورت کیسے ہوگی؟ اسی طرح گانے بجانے کے آلات کو توڑنا اور شراب کو بہا دینا ایسا فعل ہے کہ اجتہاد کے بغیر بھی اس کا حق ہونا معلوم ہو جاتا ہے لہٰذا امام کی ضرورت نہیں ہے جہاں تک معاونین کو جمع کرنے اور ہتھیار نکالنے کا تعلق ہے تو بعض اوقات یہ عمومی فتنہ کا باعث بنتا ہے اور یہ محل نظر ہے عنقریب اس کا ذکر ہوگا۔

اسلاف بزرگان دین کا حکمرانوں کو نہی عن المنکر اپنی عادت بنانا اس بات کی قطعی دلیل ہے کہ ان حضرات کا اس بات پر اجماع تھا کہ حاکم کی طرف سے اختیار دو اجازت کی ضرورت نہیں۔ بلکہ جو شخص نیکی کا حکم دیتا ہے اگر حکمران اس پر راضی ہو تو بہتر ہے اور اگر ناراض ہو تو اس کی ناراضگی بھی ایک برائی ہے جس کا رد کرنا واجب ہے تو اس کو برائی سے روکنے کے لیے اس سے اجازت لینا کس طرح ضروری ہوگا؟

اس بات کی دلیل یہ ہے کہ اسلاف کی عادت تھی کہ وہ حکمرانوں پر اعتراض کرتے اور ان کو برائی سے ٹوکتے تھے۔ جیسا کہ منقول ہے کہ مروان بن حکم نے نماز عید سے پہلے خطبہ دیا تو ایک شخص نے کہا خطبہ، نماز کے بعد ہوتا ہے مروان نے اس سے کہا اے فلاں! یہ کام چھوڑ دیا گیا ہے حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ نے فرمایا اس شخص نے اپنا فرض پورا کیا ہے ہمیں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

تم میں سے جو شخص برائی کو دیکھے تو اسے اپنے ہاتھ سے روکے اگر اس کی طاقت نہ ہو تو زبان سے روکے اور اگر اس کی طاقت بھی نہ ہو تو دل سے (برا جانے) اور یہ ایمان کا کمزور ترین درجہ ہے (۱)

ان حضرات نے اس عمومی حکم سے یہی سمجھا کہ حکمران بھی اس کے تحت آتے ہیں۔ تو ان کی (اجازت کی) حاجت کیسے ہوگی؟ منقول ہے کہ جب عباسی خلیفہ مہدی مکہ مکرمہ میں آیا تو کچھ عرصہ وہاں ٹھہرا رہا جب اس نے طواف شروع کیا تو لوگوں کو خانہ کعبہ کے پاس سے ہٹا دیا اس پر حضرت عبداللہ بن مرزوق رحمہ اللہ نے اس کی طرف جست لگائی اور اس کی چادر اس کے گلے میں ڈال کر اسے کھینچا۔ اور فرمایا دیکھو کیا کر رہے ہو؟ تمہیں کس نے ان لوگوں کے مقابلے میں بیت اللہ شریف کا زیادہ حق دار بنایا جو لوگ دور دراز سے آئے ہیں کہ تو ان کے اور بیت اللہ شریف کے درمیان حائل ہو گیا جب اللہ تعالیٰ نے

---

(۱) صحیح بخاری جلد اول ص ۱۵ کتاب الایمان

ارشاد فرمایا:

سَوَآءَنِ الْعَاكِفُ فِيْهِ وَالْبَادُ (۱) اس میں وہاں مستقل رہنے اور باہر والے برابر ہیں۔

تجھے یہ استحقاق کس نے دیا ہے؟ اس نے ان کے منہ کی طرف دیکھا اور وہ ان کو پہچانتا تھا کیوں کہ وہ اس کے حوالی (آزادکردہ غلاموں) میں سے تھے اس نے پوچھا تم عبداللہ بن مرزوق ہو؟ انہوں نے فرمایا ہاں (میں عبداللہ بن مرزوق ہوں) وہ آپ کو بغداد لے آیا اور مناسب نہ سمجھا کہ ان کو ایسی سزا دے جسے لوگ اچھا نہ سمجھیں چنانچہ ان کو جانوروں کے اصطبل میں مقرر کر دیا کہ وہ جانور کو سدھائیں اور ایک گھوڑا ان کے ذمے لگا دیا جو کاٹنے والا اور بد مزاج تھا تاکہ وہ گھوڑا ان کو کچل ڈالے، تو اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے گھوڑے کو نرم مزاج کر دیا۔ راوی کہتا ہے کہ پھر خلیفہ نے ان کو ایک مکان میں بند کر کے باہر سے تالا لگا دیا اور خود مہدی (خلیفہ) نے چابی اپنے پاس رکھ لی تین دن بعد وہ وہاں سے نکل کر باغ میں چلے گئے اور سبزیاں کھانے لگے مہدی کو اس بات کی اطلاع کی گئی تو اس نے پوچھا آپ کو کس نے نکالا ہے؟ انہوں نے فرمایا جس نے مجھے قید کیا تھا اس پر مہدی چیخا چلایا اور کہا کیا تمہیں اس بات کا ڈر نہیں کہ میں تجھے قتل کر دوں گا؟ حضرت عبداللہ بن مرزوق رحمہ اللہ نے مسکراتے ہوئے اس کی طرف سر اٹھایا اور فرمایا اگر موت وحیات تمہارے قبضے میں ہوتی تو میں ڈرتا، تو وہ مہدی کی موت تک قید میں رہے پھر لوگوں نے آپ کو رہا کیا تو آپ مکہ مکرمہ حاضر ہوئے راوی کہتے ہیں انہوں نے نذر مانی تھی کہ اگر اللہ تعالیٰ ان کو ان لوگوں کے ہاتھوں سے آزاد کرے گا تو وہ ایک سو اونٹوں کی قربانی دیں گے۔

چنانچہ انہوں نے اپنی اس نذر کو پورا کیا۔

حضرت حبان بن عبداللہ رحمہ اللہ سے منقول ہے کہ ہارون الرشید عراق کی سیر گاہوں کی سیر کو نکلا اس کے ساتھ بنو ہاشم میں سے ایک شخص یعنی سلیمان بن ابو جعفر تھا ہارون الرشید نے اس سے کہا تمہارے پاس ایک لونڈی تھی جو بہت اچھا گاتی تھی اسے لے آؤ وہ کہتے ہیں لونڈی آئی اور اس نے گایا لیکن اس نے اس کے گانے کی تعریف نہ کی گویا اسے گانا پسند نہ آیا، خلیفہ نے پوچھا تمہیں کیا ہوا؟ لونڈی نے کہا یہ میری سارنگی نہیں اس نے خادم سے کہا اس کی سارنگی لاؤ وہ اس کی سارنگی لایا راستے میں ایک بزرگ گٹھلیاں چن رہے تھے اس نے کہا باباجی! راستہ دیجئے، اس بزرگ نے سر اٹھا کر اس کی طرف دیکھا تو سارنگی نظر آئی چنانچہ اسے غلام سے لے کر زمین پر دے مارا، خادم اسے مقامی حاکم کے پاس لے گیا اور کہا اسے حوالات میں بند کر دو یہ امیر المومنین کا مجرم ہے حاکم نے کہا بغداد شریف میں اس سے بڑھ کر کوئی متقی نہیں یہ امیر المومنین کا مجرم کیسے ہو گیا؟ اس نے کہا میری بات سنو (اور مان لو) پھر وہ ہارون الرشید کے پاس گیا اور بتایا کہ

---

(۱) قرآن مجید، سورۃ الحج آیت ۲۵

میں ایک بزرگ کے پاس سے گزرا جو گٹھلیاں چن رہا تھا میں نے اس سے راستہ مانگا تو اس نے سر اٹھا کر دیکھا تو سارنگی پر نگاہ پڑی چنانچہ اس نے اسے لے کر زمین پر مارا اور توڑ دیا۔

یہ سن کر ہارون الرشید غصے سے جل بھن گیا اور اس کی آنکھیں سرخ ہو گئیں سلیمان بن ابو جعفر نے کہا امیر المومنین یہ کیسا غصہ ہے مقامی حاکم کے پاس پیغام بھیجو کہ وہ اسے قتل کر کے دریائے دجلہ میں پھینک دے اس نے کہا نہیں۔ بلکہ پہلے ہم اسے بلا کر مناظرہ کریں گے چنانچہ قاصد نے آ کر بتایا کہ تمہیں امیر المومنین نے بلایا ہے اس نے کہا بہتر ہے ایلچی نے کہا سوار ہو جاؤ بزرگ نے فرمایا نہیں وہ پیدل آئے اور محل کے دروازے پر کھڑے ہو گئے ہارون الرشید کو بتایا گیا کہ شیخ آئے ہیں اس نے اہل مجلس سے کہا یہاں جو ناپسندیدہ چیزیں ہیں وہ اٹھوا دیں تاکہ وہ شیخ اندر داخل ہوں یا کسی دوسری جگہ چلے جائیں جہاں کوئی بری چیز نہ ہو انہوں نے کہا ایسی جگہ جانا جہاں کوئی غیر شرعی چیز نہ ہو، زیادہ بہتر ہے چنانچہ وہ ایسی جگہ جا بیٹھے جہاں کوئی ناپسندیدہ چیز نہ تھی۔

پھر شیخ کو حکم دیا وہ اندر داخل ہوئے اور ان کی آستین میں ایک تھیلی تھی جس میں گٹھلیاں تھیں خادم نے کہا اسے آستین سے نکال دو اور امیر المومنین کے پاس جاؤ اس نے کہا یہ تو میری رات کی غذا ہے اس نے کہا ہم تمہیں کھانا دیں گے اس بزرگ نے کہا مجھے تمہارے کھانے کی ضرورت نہیں ہارون الرشید نے خادم سے کہا تم اس سے کیا چاہتے ہو؟ اس نے کہا اس کی آستین میں گٹھلیاں ہیں میں کہتا ہوں ان کو پھینک کر امیر کے پاس جاؤ اس نے کہا اسے چھوڑ دو پھینکنے پر مجبور نہ کرو۔ راوی کہتے ہیں وہ بزرگ داخل ہوئے اور سلام کر کے بیٹھ گئے۔

ہارون الرشید نے کہا اے شیخ! آپ نے یہ کام کیوں کیا؟ انہوں نے پوچھا میں نے کیا کیا ہے؟ ہارون اس بات سے حیا محسوس کر رہا تھا کہ وہ کہے تم نے میری سارنگی توڑی ہے جب بار بار سوال کیا تو اس بزرگ نے جواب دیا میں نے آپ کے آباؤ اجداد کو یہ آیت پڑھتے ہوئے سنا ہے۔

إِنَّ اللهَ يَأْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْإِحْسَانِ وَإِيتَاءِ ذِي الْقُرْبَىٰ وَيَنْهَىٰ عَنِ الْفَحْشَاءِ وَالْمُنكَرِ وَالْبَغْيِ (۱)

بے شک اللہ تعالیٰ عدل و احسان کرنے اور قرابتداروں کو دینے کا حکم دیتا ہے اور بے حیائی، برائی اور سرکشی سے منع فرماتا ہے۔

اور میں نے ایک برائی کو دیکھ کر اسے بدل دیا ہارون الرشید نے کہا بدل دیجئے اس کے علاوہ اس نے کوئی بات نہ کی۔ جب وہ بزرگ چلے گئے تو خلیفہ نے ایک شخص کو تھیلی دے کر بھیجا اور کہا اس شیخ کے پیچھے جاؤ اگر تم دیکھو کہ وہ لوگوں سے کہہ رہا ہے کہ میں نے امیر المومنین سے یہ بات کی اگر اس نے یہ کہا تو اسے کچھ نہ دینا اور اگر دیکھو کہ کسی کو

---

(۱) قرآن مجید، سورۂ نحل آیت ۹۰

کچھ نہیں بتاتا تو اسے تھیلی دے دیتا جب وہ محل سے نکلا تو دیکھا زمین پر ایک گٹھلی ہے جو اندر دھنسی ہوئی ہے وہ اسے نکالنے لگا اور کسی سے کوئی گفتگو نہ کی اس نے کہا امیر المومنین کہتے ہیں یہ تھیلی لے لو اس بزرگ نے کہا امیر المومنین سے کہنا یہ جہاں سے لی ہے واپس کردو منقول ہے کہ وہ بزرگ اس گفتگو کے بعد گٹھلی کی طرف متوجہ ہوئے اور اسے زمین سے نکالنے لگے اور وہ کہہ رہے تھے۔

"میں نے دنیا کو دیکھا کہ جس کے پاس ہوتی ہے جب زیادہ ہوتی ہے تو اس کے غم بھی اسی قدر بڑھتے ہیں جو اس کی عزت کرتے ہیں ان کو ذلیل کرتی ہے اور جو اس کی توہین کرتے ہیں انہیں معزز بنا دیتی ہے جب تمہیں کسی چیز کی ضرورت نہ ہو تو اسے چھوڑ دو اور صرف اسے حاصل کرو جس کی ضرورت ہو۔

حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ سے منقول ہے کہ عباسی خلیفہ مہدی نے ۱۶۶ھ میں حج کیا میں نے دیکھا کہ وہ جمرۂ عقبہ کو کنکریاں مار رہا تھا اور لوگ (اس کے کارندے) کوڑوں کے ذریعے لوگوں کو مارتے ہوئے دائیں بائیں ہٹا رہے ہیں، میں وہاں کھڑا ہوا اور کہا اے خوبصورت چہرے والے ہم سے ایمن نے بیان کیا انہوں نے وائل سے اور انہوں نے حضرت قدامہ بن عبداللہ کلابی رضی اللہ عنہ سے روایت کیا وہ فرماتے ہیں میں نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا آپ دس ذوالحجہ کے دن جمرہ کو کنکریاں مار رہے تھے آپ اونٹ پر سوار تھے وہاں نہ تو کسی کو مارا جا رہا تھا اور نہ دور کیا جا رہا تھا اور نہ ہی بچو بچو کی آوازیں آ رہی تھیں اور ایک تم ہو کہ تمہارے سامنے لوگوں کو دائیں بائیں کیا جا رہا ہے ۔۔۔ اس نے ایک شخص سے پوچھا یہ کون ہے؟ اس نے کہا یہ حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ ہیں اس نے کہا اے سفیان! اگر خلیفہ منصور ہوتا تو تمہیں اس بات کی جرأت نہ ہوتی، انہوں نے فرمایا جو کچھ منصور پر گزرا ہے اگر وہ تمہیں بتا دیتا تو تم جو کچھ کر رہے ہو اس میں کوتاہی کرتے راوی کہتے ہیں خلیفہ سے کہا گیا کہ انہوں نے تمہیں اے خوبصورت! کہہ کر پکارا ہے امیر المومنین کے لقب سے خطاب نہیں کیا اس نے کہا ان کو بلاؤ چنانچہ لوگوں نے آپ کو تلاش کیا لیکن آپ اِدھر اُدھر ہو گئے۔

مروی ہے مامون کو یہ خبر پہنچی کہ ایک شخص محتسب ہے وہ لوگوں میں امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرتا ہے حالانکہ وہ آپ کی طرف سے اس بات پر مامور نہیں ہے اس نے حکم دیا کہ اس شخص کو اس کے پاس لایا جائے جب وہ سامنے آیا تو مامون نے کہا مجھے خبر ملی ہے کہ تم اپنے آپ کو امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا اہل سمجھتے ہو حالانکہ میں نے تمہیں حکم نہیں دیا، مامون کرسی پر بیٹھا ہوا کوئی کتاب یا اخبار دیکھ رہا تھا کہ اچانک اس کی غفلت کی وجہ سے تھوڑا سا لکھا ہوا گر گیا اور اس کے پاؤں کے نیچے آ گیا اور اسے پتہ نہ چلا محتسب تھے کہا اللہ تعالیٰ کے اسماء مبارکہ سے پاؤں ہٹاؤ پھر جو دل چاہے کہو مامون اس کی مراد نہ سمجھ سکا اس نے کہا کیا کہہ رہے ہو یہاں تک کہ اس شخص نے تین مرتبہ اپنی بات کو دہرایا لیکن خلیفہ کی سمجھ میں کچھ نہ آیا۔ حتیٰ کہ اس نے کہا خود اٹھاؤ یا مجھے اجازت دو میں اٹھاؤں؟ مامون نے اپنے پاؤں کے نیچے دیکھا تو کتاب پر نظر پڑی چنانچہ اسے اٹھا کر بوسہ دیا اور شرمندہ ہوا پھر دوبارہ گفتگو شروع کی اور کہا کہ تم نیکی کا حکم کیوں

دے بیٹھے ہو؟ حالانکہ اللہ تعالیٰ نے یہ ذمہ داری ہم اہل بیت کو سونپی ہے اور ہمارے بارے میں ہی اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا۔

اَلَّذِيْنَ اِنْ مَّكَّنّٰهُمْ فِي الْاَرْضِ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ وَاَمَرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ وَنَهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِ (۱)

وہ لوگ کہ اگر ہم ان کو زمین میں اقتدار دیں تو وہ نماز قائم کرتے زکوٰۃ ادا کرتے نیکی کا حکم دیتے اور برائی سے روکتے ہیں۔

اس شخص نے کہا امیر المومنین آپ نے ٹھیک کہا ہے آپ نے جو کچھ کہا ٹھیک ہے آپ کو اقتدار اور سلطنت حاصل ہے ہم تو اس سلسلے میں آپ کے معاون اور ساتھی ہیں اور اس کا منکر وہی شخص ہوگا جو قرآن پاک اور سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے جاہل ہو۔

ارشاد خداوندی ہے:

وَالْمُؤْمِنُوْنَ وَالْمُؤْمِنٰتُ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَاۗءُ بَعْضٍ يَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ۔ (۲)

مومن مرد اور مومنہ عورتیں ایک دوسرے کے مددگار ہیں وہ نیکی کا حکم دیتے ہیں۔

اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اَلْمُؤْمِنُ لِلْمُؤْمِنِ كَالْبُنْيَانِ يَشُدُّ بَعْضُهٗ بَعْضًا (۳)

ایک مومن دوسرے مومن کے لیے دیوار کی طرح ہے کہ اس کا ایک حصہ دوسرے کو مضبوط کرتا ہے۔

اور آپ کو اللہ تعالیٰ نے زمین میں حکومت دی ہے اور یہ اللہ تعالیٰ کی کتاب اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ہے اگر تم ان کو نافذ کرو گے تو جو شخص اس سلسلے میں تمہاری مدد کرے ان دونوں کی حرمت کی وجہ سے تمہیں اس کا شکریہ ادا کرنا چاہیے۔

اور اگر تم ان دونوں سے تکبر کرتے ہوئے ان کو نافذ نہ کرو تو وہ ذات جس کے قبضہ میں تمہارا معاملہ ہے اور تمہاری عزت و ذلت اس کے ہاتھ میں ہے اس نے یہی شرط رکھی ہے کہ وہ اچھے کام کرنے والوں کے اجر کو ضائع نہیں کرتا اب جو کچھ تمہارے دل میں آئے کہو۔ مامون کو اس کی باتیں پسند آئیں وہ خوش ہوا اور کہا تمہارے جیسے آدمیوں کے لیے امر بالمعروف کرنا جائز ہے ہماری اجازت سے اپنا کام جاری رکھو۔

ہماری یہی رائے ہے چنانچہ وہ شخص احتساب کا فریضہ انجام دیتا رہا۔

---

(۱) قرآن مجید، سورۃ حج آیت ۴۱

(۲) قرآن مجید، سورۃ توبہ آیت ۷۱

(۳) صحیح بخاری جلد اول ص ۳۳۱ ابواب المظالم

توان حکایات سے معلوم ہوتا ہے کہ حکمران سے اجازت لینے کی ضرورت نہیں ہے۔

اگر پوچھا جائے کہ کیا بیٹا اپنے باپ کو امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کر سکتا ہے اسی طرح غلام اپنے مولیٰ کو، بیوی اپنے خاوند کو، شاگرد اپنے استاد کو اور رعایا اپنے حکمران کو امر بالمعروف اور نہی المنکر کی مطلق ولایت رکھتی ہے جیسے باپ کو بیٹے پر، آقا کو غلام پر، خاوند کو بیوی پر، استاذ کو شاگرد پر اور سلطان کو رعایا پر حاصل ہے یا اس میں کچھ فرق ہے؟

تو جان لو! ہمارے خیال میں اصل ولایت ثابت ہے لیکن ان دونوں میں تفصیلی فرق ہے ہم اسے باپ بیٹے کے سلسلے میں بطور مثال پیش کرتے ہیں تو ہم کہتے ہیں کہ ہم نے احتساب کے لیے پانچ مراتب کا ذکر کیا ہے اولاد کے لیے احتساب کے پہلے دو مرتبے حاصل ہیں یعنی معروف و منکر کی پہچان کرانا پھر نہایت نرمی کے ساتھ وعظ و نصیحت کرنا برا بھلا کہنے اور جھڑک کے ذریعے یا مارنے کی صورت میں ان کو نہی عن المنکر نہیں کر سکتے یہ آخری دو مرتبے ہیں۔

جہاں تک تیسرے درجہ کا تعلق ہے تو چونکہ اس میں باپ کو اذیت پہنچتی ہے اور اس کی ناراضگی مول لینا پڑتی ہے اسی لیے یہ قابل غور ہے مثلاً یہ کی اس کی سارنگی توڑ دینا، شراب انڈیل دینا اور اس کے ریشمی کپڑوں سے دھاگے نکال لینا، یا گھر میں جو حرام مال ملے وہ ان کے مالکوں کی طرف لوٹا دینا اگر چھینا یا چوری کی ہو یا مسلمانوں پر لازم ہونے والے جرمانے سے وظیفہ کے طور پر لیا ہو جب کہ اس کا مالک معین ہو اسی طرح دیوار پر بنی ہوئی تصویروں کو مٹا دینا یا گھر کی کسی لکڑی میں تصویر منقش ہو تو اسے ختم کر دینا سونے اور چاندی کے برتن توڑ دینا۔

کیونکہ ان کاموں کا تعلق اس کے باپ کے ساتھ نہیں جب کہ مارنا اور گالی دینا اس کی ذات سے متعلق ہے لیکن اس عمل کی وجہ سے باپ کو اذیت پہنچتی ہے اور وہ ناراض ہوتا ہے لڑکے کا عمل حق ہے اور باپ کا ناراض ہونا باطل اور حرام سے محبت کی وجہ سے ہے زیادہ ظاہر قیاس یہ ہے کہ یہ بات بیٹے کے لیے ثابت ہے بلکہ اس پر لازم ہے اور یہ بات بعید نہیں کہ اس سلسلے میں برائی کی قباحت اور اذیت و ناراضگی کی مقدار کو دیکھے اگر برائی زیادہ ہو اور باپ کی ناراضگی معمولی ہو جیسے ایسے شخص کی شراب بہا دینا جو زیادہ ناراض نہیں ہوتا تو یہ ظاہر بات ہے۔

اور اگر برائی کم درجہ کی ہو اور ناراضگی شدید ہو جیسے بلور یا شیشے کے برتن کسی جانور کی شکل میں ہوں اور ان کو توڑنے سے مالی نقصان زیادہ ہوتا ہو تو اس صورت میں ناراضگی زیادہ ہوگی اور تصویر کا گناہ شراب کے گناہ جیسا نہیں تو ان تمام صورتوں میں غور و خوض کی ضرورت ہے۔

اگر کہا جائے کہ تم نے کس بنیاد پر کہا کہ بیٹا، باپ کو سخت کلامی، مارنے اور زبردستی باطل کام چھڑانے کا حق نہیں رکھتا جب کہ قرآن پاک میں امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا حکم کسی تخصیص کے بغیر عموم کے ساتھ آیا ہے البتہ اُف کہنے اور ایذا پہنچانے سے ممانعت خاص ہے منکرات کے ارتکاب سے اس کا تعلق نہیں ہے؟

تو ہم کہتے ہیں باپ کے بارے میں خاص طور پر ایسی باتیں آئی ہیں جو عموم سے استثناء کو واجب کرتی ہیں کیونکہ اس

بارے میں کوئی اختلاف نہیں کہ جلاد اپنے باپ کو زنا کی حد میں قتل نہیں کر سکتا (۱)
اور نہ ہی اسے اس پر حد قائم کرنے کا اختیار ہے بلکہ وہ خود اپنے ہاتھوں سے اپنے کافر باپ کو بھی قتل نہیں کر سکتا اور اگر باپ اپنے بیٹے کا ہاتھ کاٹ دے تو اس پر قصاص لازم نہیں آئے گا اور نہ ہی اس کے عوض میں باپ کو اذیت دے سکتا ہے۔

اس سلسلے میں احادیث آئی ہیں اور ان میں سے بعض امور اجماع سے ثابت ہیں تو جب وہ کسی سابق قصور کی بنیاد پر اپنے باپ کو سزا نہیں دے سکتا تو اسے اس بات کا حق نہیں کہ وہ اسے مستقبل کے محض احتمالی جرم کی سزا دے بلکہ بدرجہ اولی یہ حق حاصل نہ ہوگا۔

غلام اور بیوی کے سلسلے میں بھی یہی ترتیب جاری ہوگی یعنی مالک کے لیے غلام اور خاوند کے لیے بیوی لزوم حق کے سلسلے میں اولاد کی طرح ہیں اگرچہ ملک یمین (مالک ہونا) ملکِ نکاح سے زیادہ تاکیدی ہے لیکن حدیث شریف میں ہے کہ اگر مخلوق کو سجدہ کرنا جائز ہوتا تو میں عورت کو حکم دیتا کہ وہ اپنے خاوند کو سجدہ کرے۔ (۲)

تو یہ حدیث بھی تاکیدِ حق پر دلالت کرتی ہے۔

جہاں تک بادشاہ کے ساتھ رعایا کے تعلق کا مسئلہ ہے تو اس سلسلے میں اولاد سے بھی زیادہ سخت معاملہ ہے وہاں تو صرف (حلال وحرام کی) پہچان اور نصیحت ہی ہو سکتی ہے جہاں تک تیسرے رتبے کا تعلق ہے تو یہ قابل غور ہے کیوں کہ بادشاہی خزانے پر چڑھائی کر کے مال لینا اور مالکوں کی طرف لوٹا دینا، ریشمی کپڑے کو ادھیڑ دینا اور اس کے گھر میں شراب کے برتنوں کو توڑ دینا اس کی ہیبت اور دبدبے کو ختم کر سکتا ہے اور یہ بات ممنوع ہے اس سلسلے میں ممانعت آئی ہے (۳)

جیسے برائی کو دیکھ کر خاموشی اختیار کرنا منع ہے اس میں بھی دو ممنوع باتوں کا تعارض ہے اور اس سلسلے میں فیصلہ اجتہاد پر چھوڑا گیا ہے مطلب یہ ہے برائی کی شدت اور اس کے دبدبے کی کمی کو دیکھے جو لوگوں کے حملہ آور ہونے سے ہوتی ہے اور یہ ایسی بات ہے جس کو ضبط میں نہیں لایا جا سکتا۔

جہاں تک شاگرد اور استاذ کا معاملہ ہے تو وہ قدرے آسان ہے کیوں کہ وہی استاذ قابل احترام ہے جو دینی اعتبار سے علم کا فائدہ دیتا ہے، وہ عالم جو اپنے علم پر عمل نہیں کرتا اس کی کوئی عزت نہیں، تو اس نے اپنے استاذ سے جس قدر سیکھا ہے اس کے مطابق اس سے معاملہ کرے۔

---

(۱) جامع الترمذی ص ۲۲۱، ابواب الدیات

(۲) سنن ابن ماجہ ص ۱۳۴ ابواب النکاح

(۳) السنن الکبری للبیہقی جلد ۸ ص ۱۶۴ کتاب قتال اہل البغی

ایک روایت میں ہے حضرت حسن بصری رحمہ اللہ سے پوچھا گیا کہ بیٹا اپنے والد کا محاسبہ کیسے کرے؟ انہوں نے فرمایا اسے نصیحت کرے جب تک اسے غصہ نہ آئے اگر اسے غصہ آجائے تو خاموش ہو جائے۔

پانچویں شرط:

محتسب، احتساب پر قادر ہو یہ بات مخفی نہیں کہ عاجز آدمی پر صرف دل سے مواخذہ واجب ہے کیوں کہ جو شخص بھی اللہ تعالیٰ سے محبت کرتا ہے وہ اس کی نافرمانی کو ناپسند کرتا ہے۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کفار سے اپنے ہاتھوں کے ساتھ جہاد کرو، اگر اس کی طاقت نہ ہو تو ان کے سامنے نفرت کا اظہار کرو اگر ایسا کر سکتے ہو۔ جان لو کہ وجوب احتساب کا سقوط حسی عجز پر موقوف نہیں بلکہ اس میں اس بات کا خوف بھی شامل ہے کہ کہیں کوئی مکروہ اور ناپسندیدہ بات نہ پہنچے یہ بھی عجز کے معنی میں ہے اسی طرح اگر ناپسندیدہ بات کا خوف نہ ہو لیکن یہ بات معلوم ہو کہ اس کا منع کرنا نفع نہیں دے گا تو دو باتوں کی طرف متوجہ ہو ایک یہ کہ روکنے کا فائدہ کوئی نہیں اور دوسرا ایذا رسانی کا ڈر ہو اور اور ان دو معنوں کے اعتبار سے چار حالتیں پیدا ہوتی ہیں۔

پہلی حالت:

دو معنیٰ جمع ہو جائیں یعنی اسے معلوم ہو کہ اس کا کلام نفع نہیں دے گا بلکہ اگر وہ گفتگو کرے تو اسے مار پڑے گی تو اس پر احتساب لازم نہیں بلکہ بعض مقامات پر حرام ہے ہاں یہ بات لازم ہے کہ خود برائیوں کے قریب نہ جائے اور اپنے گھر میں گوشہ نشینی اختیار کرے اور کسی اہم ضرورت کے بغیر باہر نہ جائے تاکہ وہ برائی کو نہ دیکھے۔ اسی طرح کسی واجب کام کے لیے بھی باہر نکل سکتا ہے۔

اس پر لازم نہیں کہ وہ اس شہر کو چھوڑ کر ہجرت کر جائے البتہ جب فساد میں شرکت پر مجبور کیا جائے یا ظلم اور برائیوں میں بادشاہوں کی مدد کرنا پڑے تو اس صورت میں اگر ہجرت کرنے پر قادر ہو تو ہجرت واجب ہے کیونکہ جو شخص اکراہ سے بھاگ سکتا ہے اس کے لیے اکراہ (کسی کا اسے مجبور کرنا) بہانہ نہیں بن سکتا۔

دوسری حالت:

دونوں معنیٰ نہ پائے جائیں یعنی اسے معلوم ہو کہ اس کے قول و فعل سے برائی زائل ہو سکتی ہے اور اسے کوئی اذیت نہیں پہنچے گی، تو اس پر نہی عن المنکر واجب ہے یہی مطلق قدرت ہے۔

تیسری حالت:

اسے معلوم ہوا کہ اس کا احتساب کرنا فائدہ نہیں دے گا لیکن اسے کوئی اذیت بھی نہیں پہنچے گی تو اس پر احتساب واجب نہیں کیونکہ اس کا فائدہ کوئی نہیں۔ لیکن شعائر اسلام کو ظاہر کرنے اور لوگوں کو امور دینیہ سے واقف کرنے کی خاطر مستحب ہے۔

چوتھی حالت:

تیسری حالت کے برعکس ہے یعنی اسے معلوم ہے کہ احتساب کی صورت میں اذیت پہنچے گی لیکن اس کے اس عمل کی وجہ سے برائی مٹ جائے گی جیسے پتھر مار کر کسی فاسق کا شیشہ توڑ دینا، شراب بہا دینا یا جھپٹا مار کر سارنگی کو فی الفور توڑ دینا تاکہ وہ برائی کا ارتکاب نہ کر سکے لیکن اسے معلوم ہے کہ ایسا کرنے سے وہ شخص اس کی طرف متوجہ ہو کر اس کی مرمت کرے گا تو اس صورت میں احتساب واجب ہے نہ حرام بلکہ مستحب ہے اور اس بات پر وہ حدیث شریف دلالت کرتی ہے جو ہم نے ظالم حاکم کے سامنے کلمۂ حق کہنے کے سلسلے میں ذکر کی ہے۔ اور اس بات میں کوئی شک نہیں کہ یہ خوف کا مقام ہے۔

اس بات پر حضرت ابو سلیمان دارانی رحمہ اللہ کی روایت بھی دلالت کرتی ہے وہ فرماتے ہیں میں نے بعض خلفاء سے کچھ کلام سنا تو اس کو روکنا چاہا اور مجھے معلوم تھا کہ قتل ہو جاؤں گا لیکن قتل کے خوف نے مجھے اس بات سے نہ روکا لیکن چونکہ یہ بات لوگوں کے سامنے کی تھی تو مجھے اس بات کا خوف ہوا کہ کہیں لوگوں کو دکھانے کے لیے میں بات کو مزین نہ کر دوں۔ اور یوں اخلاص کے بغیر عمل کے باعث قتل ہو جاؤں۔

اگر کہا جائے کہ اس آیت کریمہ کا کیا مطلب ہے۔

وَلَا تُلْقُوا بِأَيْدِيكُمْ إِلَى التَّهْلُكَةِ (۱) اور خود اپنے ہاتھوں ہلاکت میں نہ پڑو۔

تو ہم کہتے ہیں اس میں کوئی اختلاف نہیں کہ ایک مسلمان کافروں کی ایک جماعت پر حملہ آور ہو کر ان سے لڑ سکتا ہے اگرچہ اسے معلوم ہو کہ وہ قتل ہو جائے گا۔ بعض اوقات خیال ہوتا ہے کہ یہ طریقہ آیت کے مضمون کے خلاف ہے حالانکہ یہ بات نہیں ہے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں یہ ہلاکت نہیں ہے بلکہ اس ہلاکت سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق مال خرچ نہ کرے یعنی جو شخص ایسا نہیں کرتا وہ اپنے آپ کو ہلاک کرتا ہے۔ حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں ہلاکت یہ ہے کہ کوئی گناہ کر کے کہے میری توبہ قبول نہیں ہوگی۔

حضرت ابو عبیدہ فرماتے ہیں ہلاکت یہ ہے کہ گناہ کرے اور اس کے بعد کوئی نیکی نہ کرے حتیٰ کہ ہلاک ہو جائے۔

اور جب (ایک آدمی کا) کفار سے لڑنا جائز ہے یہاں تک کہ وہ شہید ہو جائے تو احتساب کے سلسلے میں بھی یہ طریقہ جائز ہے لیکن اگر یہ بات معلوم ہو کہ کفار پر حملے سے کچھ اثر ظاہر نہیں ہوگا جیسے کوئی نابینا، دشمن کی صف پر حملہ آور ہو یا کوئی عاجز ہو تو یہ حرام ہے اور اس آیت کے عموم کے تحت داخل ہے البتہ اس کے لیے یہ اقدام اس وقت جائز ہوگا جب اسے معلوم ہو کہ میں قتل بھی کروں گا اور شہید بھی ہوں گا یا اسے معلوم ہو کہ جب کفار اس کی جرأت کو دیکھیں گے تو ان کے دل ٹوٹ جائیں گے اور وہ تمام مسلمانوں کے بارے میں یہ اعتقاد رکھیں گے کہ وہ کفار کی کوئی پرواہ نہیں کرتے اور وہ شہادت

---

(۱) قرآن مجید، سورۂ بقرہ آیت ۱۹۵

کو پسند کرتے ہیں اس طرح ان کی شوکت و دبدبہ ختم ہو جائے گا اسی طرح محتسب کے لیے یہ بھی جائز ہے بلکہ مستحب ہے کہ وہ اپنے آپ کو مار کھاتے یا قتل کے لیے پیش کر دے جب اس کے احتساب سے برائی ختم ہو سکتی ہو یا فاسق کا رعب و دبدبہ زائل ہو جائے یا اہلِ دین کے دلوں کو مضبوطی حاصل ہو لیکن جب دیکھے کہ فاسق غالب ہے اس کے پاس تلوار ہے اور اس کے ہاتھ میں پیالہ ہے اور یہ بھی معلوم ہو کہ اگر اس نے روکا تو وہ شراب پی کر اس کی گردن مار دے گا، تو ہمارے نزدیک یہ احتساب کا وقت نہیں ہے کیوں کہ یہ تو عینِ ہلاکت ہے مقصد تو یہ ہے کہ (احتساب کا) دین میں ایک موثر کردار ہو۔ اور اس کے عوض اپنی جان کا نذرانہ پیش کرے لیکن بلاوجہ اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈالنا کہ اس کا فائدہ بھی کوئی نہ ہو، بے مقصد ہے۔ بلکہ ایسی صورت میں احتساب کا عمل حرام ہونا چاہیئے برائی کے خلاف آواز اٹھانا اس وقت مستحب ہے جب برائی کو مٹانے پر قادر ہو یا اس کے عمل کا کوئی فائدہ ظاہر ہو اور اس میں بھی شرط یہ ہے کہ ایذا کا پہنچنا اس کی ذات تک محدود ہو اگر اسے معلوم ہو کہ اس کے ساتھ اس کے دوسرے ساتھی رشتہ دار اور دوست بھی مارے جائیں گے تو اس صورت میں احتساب جائز نہیں بلکہ حرام ہے کیوں کہ وہ برائی کو دُور کرنے سے عاجز ہے۔

اور اسے اس برائی کو دُور کرنے کے لیے ایک دوسری برائی کا ارتکاب کرنا پڑتا ہے تو یہ صورت بھی قدرت میں داخل نہیں ہے بلکہ اگر اسے معلوم ہو کہ اس کے احتساب کی صورت میں یہ برائی ختم ہو جائے گی لیکن اس سے دوسری برائی ظاہر ہوگی اور جسے روکا جا رہا ہے اس کے علاوہ کوئی دوسرا اسے کرنے لگے گا، تو زیادہ ظاہر قول کے مطابق اس کے لیے روکنا جائز نہیں ہے کیوں کہ مقصود تو یہ ہے کہ شرعی منکرات بالکل ختم ہو جائیں نہ زید ان کا مرتکب ہو اور نہ ہی عمرو ان کا ارتکاب کرے۔

مثلاً ایک شخص کے پاس حلال مشروب ہے لیکن اس میں نجاست گرنے کی وجہ وہ ناپاک ہو گیا اور اسے معلوم ہے کہ اگر وہ اسے بہا دے گا تو اس کا مالک یا اس کی اولاد شراب پینے لگیں گے کیونکہ ان سے حلال مشروب چلا گیا تو اب اس کو گرانے کا کوئی مقصد نہیں اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ اگر اسے گرا دے گا تو ایک برائی (نجس مشروب پینے کی برائی) ختم ہو جائے گی۔ جہاں تک شراب پینے کا تعلق ہے تو ملامت شراب پینے والے پر آئے گی محتسب اس برائی کو روکنے پر قادر نہیں۔

کئی لوگوں نے اس موقف کو اختیار کیا ہے اور یہ بات (عقل سے) بعید نہیں ہے یہ فقہی مسائل ہیں اور ان پر حکم غالب گمان سے ہی ہوتا ہے۔ جس برائی کو بدلا جا رہا ہے اس کے درجات اور وہ برائی جو احتساب اور تبدیلی لانے سے پیدا ہوتی ہے اس کے درجات میں فرق کرنا چاہیئے مثلاً ایک شخص کسی دوسرے آدمی کی بکری ذبح کر کے اسے کھانا چاہتا ہے اور اسے معلوم ہے کہ اگر وہ اس کو ذبح سے منع کرے گا تو وہ کسی انسان کو ذبح کر کے کھا جائے گا تو اس احتساب کی کوئی وجہ نہیں ہاں اگر وہ اسے کسی انسان کو ذبح کرنے یا اس کا کوئی عضو کاٹنے سے روکتا ہے اور محتسب کو معلوم ہو کہ اگر میں اس کو روکوں گا تو وہ اس عمل کو چھوڑ کر اس کا مال لے لے گا تو اس صورت میں احتساب کرنا چاہیے۔

تو یہ دقیق قسم کی باتیں ہیں جو محل اجتہاد میں واقع ہوتی ہیں اور مجتہد پر واجب ہے کہ وہ ان تمام صورتوں میں اجتہاد کرے اور ان دقائق کی بنیاد پر ہم کہتے ہیں کہ عام آدمی کو صرف واضح مسائل کی تبلیغ کرنی چاہیے جو ہر ایک کو معلوم ہوں۔ جیسے شراب نوشی، زنا اور ترکِ نماز وغیرہ۔

لیکن جن کاموں کا گناہ ہونا دوسرے افعال کے قرینے سے معلوم ہو اور اس سلسلے میں اجتہاد کی ضرورت ہو تو عام آدمی کے اس میں غور و فکر کرنے سے اصلاح کی بجائے خرابی زیادہ ہوگی، جن لوگوں کے نزدیک حاکم کی اجازت کے بغیر احتساب کا اختیار ثابت نہیں ہوتا تو اس سے یہی صورت مراد ہے کیونکہ بعض اوقات نااہل لوگ یہ ذمہ داری اٹھاتے ہیں کیونکہ ان کو معرفت کم حاصل ہوتی ہے اور امانت داری میں بھی کوتاہی پائی جاتی ہے اور اس سے طرح طرح کے خلل پیدا ہوتے ہیں اس سلسلے میں توضیح بیان ہوگی ان شاء اللہ تعالیٰ۔

اگر کہا جائے کہ تم نے مطلق کہا ہے کہ اگر اذیت پہنچنے کا علم ہو یا احتساب کا نفع نہ ہو تو اگر علم (یقین) کی بجائے اس بات کا محض گمان ہو تو کیا حکم ہوگا؟

ہم کہتے ہیں اس سلسلے میں ظنِ غالب یقین کی طرح ہے۔ فرق اس وقت ظاہر ہوتا ہے جب یقین اور ظن میں تعارض ہو کیوں کہ یقینی علم کو ظن پر ترجیح ہوتی ہے اور دوسرے مقامات پر علم اور ظن کے احکام الگ الگ ہوتے ہیں یعنی جب اسے قطعی طور پر علم ہو کہ احتساب مفید نہیں ہوگا تو وجوبِ احتساب ساقط ہو جاتا ہے اور اگر فائدہ نہ دینے کا غالب گمان ہو لیکن فائدہ دینے کا بھی احتمال ہو اور اس کے ساتھ ساتھ کسی اذیت کا خدشہ بھی نہ ہو تو اس صورت میں وجوب احتساب میں اختلاف ہے لیکن زیادہ ظاہر وجوب ہے کیونکہ اس میں ضرر نہیں ہے اور فائدہ متوقع ہے نیز امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے عمومی احکام ہر حال میں وجوب کے متقاضی ہوتے ہیں۔ اور ہم تخصیص کے طور پر اس سے اس صورت کو مستثنیٰ قرار دیتے ہیں جس میں عدم فائدہ یقینی ہو یہ بات یا تو اجماع سے استثناء کرتے ہیں یا قیاس ظاہر سے ــــ وہ یہ کہ امر ذاتی طور پر مقصود نہیں ہوتا بلکہ مامور مقصود ہوتا ہے تو جب اس سے ناامیدی یقینی ہو تو اس کا کوئی فائدہ نہیں۔

لیکن جب ناامیدی نہ ہو تو مناسب یہی ہے کہ وجوب ساقط نہ ہو، اگر کہا جائے کہ وہ اذیت جس کا پہنچنا یقینی ہو نہ غالب گمان سے معلوم ہو بلکہ مشکوک (اور متوقع) ہو یا اسے غالب گمان ہو کہ اسے اذیت نہیں پہنچے گی لیکن اس کا احتمال ہو تو کیا اس احتمال کی وجہ سے وجوب ساقط ہو جائے گا کہ وہ اذیت نہ پہنچنے کے یقین کی صورت میں واجب ہو یا ہر حال میں واجب ہوگا لیکن جب اسے گمان غالب ہو کہ اسے اذیت پہنچے گی تو احتساب واجب نہیں ہوگا؟

ہم کہتے ہیں اگر اس کے گمان پر غالب ہو کہ اسے اذیت پہنچے گی تو احتساب واجب نہیں ہوگا اور غالب گمان ہو کہ اذیت نہیں پہنچے گی تو واجب ہوگا اور محض احتمال وجوب کو ساقط نہیں کرتا کیونکہ یہ تو ہر احتساب میں ممکن ہے۔

اور اگر اسے محض شک ہو کسی ایک طرف ترجیح نہ ہو تو یہ محل نظر ہے یہ بھی احتمال ہے کہ کہا جائے کہ عمومی احکام کی وجہ سے اصل وجوب ہے اور یہ وجوب اذیت کے پیش نظر ساقط ہوتا ہے اور اذیت سے وہ اذیت مراد ہے جس کے بارے میں گمان ہو یا قطعی طور پر اس کی توقع ہو یہی بات زیادہ ظاہر ہے، یہ بھی احتمال ہے کہ کہا جائے کہ اس پر احتساب اس صورت میں واجب ہے جب اسے معلوم ہو کہ اس صورت میں کوئی نقصان نہیں پہنچے گا یا ضرر نہ پہنچنے کا گمان ہو، امر بالمعروف کے عمومی احکامات کے پیش نظر پہلی بات زیادہ صحیح ہے۔

اگر کہا جائے کہ ایذا کا خدشہ بزدلی اور جرأت کے اعتبار سے بدلتا رہتا ہے بزدل اور کمزور دل شخص بعید کو قریب دیکھتا ہے گویا کہ وہ اسے دیکھ رہا ہے اور ڈرتا ہے اور دلیر بہادر آدمی اذیت کو دُور دیکھتا ہے کیوں کہ یہ اس کی فطرت کا تقاضا ہے حتی کہ جب تک اذیت پہنچ نہ جائے وہ اس کی تصدیق نہیں کرتا تو اب کس پر اعتماد کرنا چاہیے؟

ہم کہتے ہیں معتدل طبیعت کا لحاظ کیا جائے نیز عقل و مزاج کی سلامتی کو بھی پیش نظر رکھا جائے کیوں کہ بزدلی ایک بیماری ہے اور یہ دل کی کمزوری ہے اس کا سبب قوت میں کمی اور کوتاہی ہے اور کسی کو قتل کرنا اور پھاڑ دینا قوت میں اعتدال سے بڑھنا ہے اور درجۂ افراط ہے اور یہ دونوں نقصان ہیں کمال تو اس اعتدال میں ہے جسے شجاعت کہا جاتا ہے جب کہ بزدلی اور بے وقوفی کی دلیری بعض اوقات عقل میں نقصان کی وجہ سے صادر ہوتی ہے اور بعض اوقات افراط یا تفریط کی وجہ سے پیدا ہونے والے مزاجی خلل کے باعث ایسا ہوتا ہے اور جس شخص کا مزاج بزدلی اور جرأت کی صفات میں اعتدال پر ہو بعض اوقات وہ شر کے مواقع کا ادراک نہیں کر سکتا تو اس کی جرأت کا سبب جہالت ہے اور بعض اوقات ان مواقع شر کو نہ سمجھنا بزدلی کی وجہ سے ہوتا اور بعض اوقات وہ تجربے اور روزمرہ کے تعلق کی وجہ سے شر کے مواقع اور ان کو دُور کرنے کی تدابیر سے واقف ہوتا ہے لیکن اس کے دل کی کمزوری کی وجہ سے دُور کی برائی آگے بڑھنے کے سلسلے میں اس کی قوت کو ختم کرنے میں یوں مؤثر ہوتی جیسے معتدل طبیعت والے شجاع کے حق میں قریب الوقوع شر اثر کرتی ہے۔ لہٰذا دونوں طرف توجہ نہ کی جائے۔

بزدل آدمی پر لازم ہے کہ وہ بزدلی کے سبب کو ختم کرنے کے ذریعے اسے زائل کر دے اور اس کی علت جہالت یا کمزوری ہے جہالت، تجربہ سے دور ہو جاتی ہے اور کمزوری دُور کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ جس کام کے کرنے سے ڈر لگتا ہو تکلفاً اسے عمل میں لائے حتی کہ اس کی عادت بن جائے۔ مثلاً وعظ اور مناظرہ میں مبتدی اپنے طبعی ضعف کی وجہ بزدلی دکھاتا ہے لیکن جب اس کا تعلق زیادہ ہو جائے اسی کو تجربہ حاصل ہو جائے اور یہ عمل اس کی عادت بن جائے تو قلبی کمزوری زائل ہو جاتی ہے اور اگر اس کا ضعف زائل ہونے کے قابل نہ ہو مثلاً وہ دل پر غالب ہو گیا ہو تو ایسے ضعیف کا حکم اس کے حال کے تابع ہو گا اور اسے اس طرح معذور سمجھا جائے جیسے مریض بعض واجبات سے معذور ہوتا ہے اسی لیے ہم کہتے ہیں کہ ایک رائے کے مطابق اس شخص پر فرض حج کے لیے سمندری سفر واجب نہیں جس پر سمندری سفر کے سلسلے میں بزدلی

غالب ہو۔ اور جسے زیادہ خوف نہ ہو اس پر واجب ہے احتساب کے سلسلے میں بھی اسی طرح کا حکم ہے۔

اگر کہا جائے کہ متوقع اذیت کی حد کیا ہے کیوں کہ بعض اوقات انسان کو ایک لفظ سے اذیت پہنچتی ہے بعض اوقات ایک ضرب سے اور کبھی ایسا ہوتا ہے کہ جسے وہ برائی سے روک رہا ہے اس کے غیبت کرنے سے اسے اذیت پہنچتی ہے، جس آدمی کو بھی اچھی بات کا حکم دیا جائے اس سے کسی نہ کسی اذیت کا خوف ہوتا ہے اور بعض اوقات وہ بادشاہ کے پاس اس کی چغلی کھاتا ہے یا کسی مجلس میں اس پر طعن کرتا ہے جس سے اس کو نقصان پہنچتا ہے تو وہ اذیت جس کے باعث وجوبِ احتساب ساقط ہو جائے اس کی حد کیا ہے؟

ہم کہتے ہیں اس میں دقیق بحث ہے اور اس کی صورتیں زیادہ ہیں اس کے جاری ہونے کے مقامات بھی کثیر ہیں لیکن ہم کوشش کرتے ہیں کہ ان تمام مقامات کو یکجا کریں اور اس کی اقسام کو محدود کریں تو ہم کہتے ہیں ایذاء مقصود کے مخالف ہوتی ہے اور دنیا میں مخلوق کے مطالب چار امور کی طرف لوٹتے ہیں۔

(۱) نفس میں علم مطلوب ہوتا ہے۔

(۲) بدن میں صحت و سلامتی مقصود ہوتی ہے۔

(۳) مال میں ثروت (زیادہ مالداری) مطلوب ہوتی ہے۔

(۴) اور لوگوں کے دلوں میں جاہ و مرتبہ کی بحالی پیش نظر ہوتی ہے۔

گویا چار باتیں یعنی علم صحت، ثروت اور جاہ و مرتبہ مطلوب ہیں۔ جاہ کا مطلب لوگوں کے دلوں کا مالک ہونا ہے جیسے ثروت درھموں کے مالک ہونے کو کہتے ہیں تو جیسے درھموں کا مالک ہونا اغراض تک پہنچنے کا وسیلہ ہے اسی طرح لوگوں کے دلوں کا مالک ہونا بھی اغراض و مقاصد کے حصول کا ایک ذریعہ ہے جاہ و مرتبہ کی معنوی تحقیق اور طبیعتوں کے میلان کا سبب مہلکات کے بیان میں ذکر کیا جائے گا۔ انسان ان چاروں باتوں میں سے ہر ایک کو اپنی ذات کے لیے حاصل کرنا چاہتا ہے نیز اپنے رشتہ داروں اور خاص تعلق رکھنے والوں کے لیے بھی ان کا حصول مطلوب ہوتا ہے ان چار باتوں کے ضمن میں دو باتیں ناپسند ہوتی ہیں ایک اس چیز کا زوال جو اس وقت حاصل اور موجود ہے اور دوسرا یہ کہ جس چیز کی انتظار ہے اور ابھی وہ مفقود ہے اس کا حاصل نہ ہونا یعنی جس چیز کا وجود متوقع ہو اس کا التواء۔

گویا ضرر کی دو صورتیں ہیں ایک حاصل چیز کا زوال اور دوسرا متوقع چیز کا نہ ملنا۔ متوقع چیز وہ ہوتی ہے جس کا حصول ممکن ہو۔ اور جس کا حصول ممکن ہو گویا وہ حاصل ہے اور اگر اس کے حصول کا امکان نہ ہو تو گویا وہ حاصل نہیں ہے تو یوں دو قسم کی اذیتیں ہوئیں۔ ان میں سے متوقع چیز کے نہ ملنے کا خوف ہے اور اس صورت میں امر بالمعروف کو چھوڑنے کی اجازت بالکل نہیں دی جا سکتی ہم چاروں مطالب کے بیان میں اس کی مثال ذکر کریں گے۔

علم کی مثال یہ ہے کہ کوئی شخص اپنے استاذ سے تعلق رکھنے والے کسی آدمی کو احتساب نہ کرے کہ کہیں استاذ کے نزدیک اس کا مقام اچھا نہیں رہے گا اور یہ استاذ کی تعلیم سے محروم ہو جائے گا۔

صحت کی مثال ہے کہ وہ جس حکیم کے پاس جاتا ہے اس نے ریشمی کپڑا پہنا ہوا ہو تو یہ اس خوف سے احتساب نہ کرے کہ وہ علاج نہیں کرے گا اور متوقع تندرستی سے محروم ہو جائے گا۔

مال کے سلسلے میں اس کی مثال اس طرح ہے کہ وہ بادشاہ اور اس کے دوستوں نیز ان لوگوں کو نہی عن المنکر نہیں کرتا جو مالی طور پر اس کی غمخواری کرتے ہیں اس کی وجہ یہ ہے کہ اسے ڈر ہوتا ہے کہ کہیں مستقبل میں وہ اس کا وظیفہ بند نہ کر دیں یا اس کی غمخواری ترک کر دیں۔

جاہ و مرتبے کے اعتبار سے اس کی صورت یہ ہے کہ مستقبل میں جس شخص سے مدد یا کسی منصب کی توقع ہوتی ہے اسے اس ڈر سے نہی عن المنکر نہ کرنا کہ منصب حاصل نہیں ہوگا یا یہ ڈر ہو کہ وہ شخص جس سے منصب حاصل ہونے کی توقع ہے اس کی برائی بیان نہ کرے۔

ان تمام صورتوں میں احتساب کا وجوب ساقط نہیں ہوتا کیونکہ یہ اضافی فوائد کے زائل ہونے کا خوف ہے اور زائد چیز کے حاصل نہ ہونے کو مجازاً ضرر کہا جاتا ہے حقیقی ضرر تو حاصل شدہ چیز کا فوت ہونا ہے اور اس سے کوئی چیز مستثنیٰ نہیں البتہ وہ چیز جس کی حاجت ثابت ہو اور برائی پر خاموش ہونے کی صورت میں جو ضرر ہوتا ہے اس کے مقابلے میں وہ ضرر زیادہ ہو مثلاً ایک شخص بیمار ہے اور اسے ڈاکٹر کی ضرورت ہے اور ڈاکٹر کے علاج سے صحت کی توقع ہو اور یہ بھی معلوم ہو کہ تاخیر کی وجہ سے مرض بڑھ جائے گا اور موت تک نوبت آسکتی ہے اور علم سے مراد وہ ظن ہے جس کی بنیاد پر پانی کا استعمال چھوڑ کر تیمم کی طرف جانا جائز ہو جاتا ہے جب اس حد تک پہنچ جائے تو ایسی صورت میں ترکِ احتساب کی رخصت جواز سے بعید نہیں (یعنی جائز ہے) علم میں حاجت کی مثال یہ ہے کہ وہ دین کے موٹے موٹے اور اہم مسائل سے ناواقف ہو اور معلم صرف ایک ہی میسر ہو کسی دوسری جگہ جانے کی طاقت بھی نہ ہو اور یہ معلوم ہو کہ جس کا احتساب کیا جا رہا ہے وہ اس معلم تک جانے کا راستہ بند کر دے گا کیونکہ وہ معلم اس شخص کا مطیع ہے یا اس کی بات سنتا ہے تو ایسی صورت میں دین کے اہم مسائل سے جہالت پر صبر کرنا ممنوع ہے اور برائی کو دیکھ کر خاموش رہنا بھی منع ہے اور ان میں سے کسی ایک کو ترجیح بھی دی جا سکتی ہے اور اس سلسلے میں برائی کی شدت اور حاجتِ علم کی شدت کے درمیان تقابل کے اعتبار سے فیصلہ مختلف ہوگا (یعنی جو زیادہ ضروری ہے اسے ترجیح دی جائے) مال کی صورت یہ ہے کہ مثلاً ایک شخص کمانے اور سوال کرنے سے عاجز ہے اور وہ توکل کرنے میں بھی مضبوط نہیں ہے اور کسی ایک شخص کے علاوہ اس پر خرچ کرنے والا بھی نہیں ہے اب اگر وہ اس کا محاسبہ کرتا ہے تو اس کا رزق منقطع ہو جائے گا اور تحصیل رزق کے سلسلے میں حرام آمدنی کا محتاج ہو جائے گا یا بھوکا مرے گا تو اس صورت میں بھی جب معاملہ سخت ہو جائے تو احتساب سے خاموشی کی اجازت دینا کوئی بعید بات نہیں۔

جہاں تک جاہ و مرتبے کا تعلق ہے تو اس کی صورت یہ ہے کہ کوئی شریر اس کو اذیت پہنچاتا ہے اور یہ اس کے شر کو دُور کرنے کا راستہ نہیں پاتا۔ سوائے اس کے کہ اسے بادشاہ کی طرف سے کوئی مقام و مرتبہ حاصل ہو اور اس مرتبے کا حصول کسی ایک ایسے شخص کے ذریعے ممکن ہوتا ہے جو ریشمی لباس پہنتا ہے یا شراب نوشی کرتا ہے اب اگر یہ اس کا احتساب کرتا ہے تو وہ اس کے لیے واسطہ وسیلہ نہیں بنے گا اور یوں وہ منصب حاصل نہیں ہو سکے گا اور اس طرح شریر آدمی کا شر ہمیشہ برقرار رہے گا۔

یہ تمام امور جب ظاہر اور مضبوط ہو جائیں تو ان کو مستثنیٰ کرنا کوئی بعید بات نہیں لیکن اس کا دار و مدار محتسب کے اجتہاد پر ہے حتیٰ کہ وہ اس سلسلے میں اپنے دل سے فتویٰ پوچھے اور ممنوع باتوں میں سے ایک کا دوسرے سے تقابل کرے اور دین کے حوالے سے ان میں سے ایک کو دوسرے سے تقابل کرے اور دین کے حوالے سے ان میں سے ایک کو دوسرے پر ترجیح دے اپنی خواہش اور طبیعت کے مطابق فیصلہ نہ کرے اگر وہ دینی اعتبار سے ترجیح دے گا تو اس خاموشی کو مدارات کہتے ہیں اور اگر اپنی خواہش کے مطابق ترجیح دے گا تو یہ خاموشی مداہنت (منافقت) کہلاتی ہے اور ایک باطنی امر ہے دقیق نظر کے بغیر اس پر اطلاع نہیں ہو سکتی لیکن پرکھنے والا گہری نظر رکھنے والا ہو ہر دیندار آدمی کو چاہیئے کہ وہ اپنے دل کی نگرانی کرتا رہے اور اس بات پر یقین رکھے کہ اللہ تعالیٰ کو اس کی رغبت اور عدم رغبت کا علم ہے اور یہ کہ وہ دین کی وجہ سے ہے یا نفسانی خواہش کی بنیاد پر۔ اور ہر شخص اپنے بُرے یا اچھے عمل کو اللہ تعالیٰ کے ہاں سامنے پائے گا چاہے وہ دل کی توجہ یا آنکھ کا جھپکنا ہی کیوں نہ ہو اور اللہ تعالیٰ کے ہاں ظلم و زیادتی نہ ہو گی کیونکہ اللہ تعالیٰ بندوں پر ظلم نہیں کرتا۔

دوسری قسم یعنی جو کچھ حاصل ہے اس کا فوت ہو جانا تو یہ ایک اذیت ہے اور علم کے علاوہ امور میں جوازِ سکوت میں معتبر ہے علم میں اس کا عدم اعتبار اس لیے ہے کہ جب تک انسان خود کوتاہی نہ کرے اس کے فوت ہونے کا خوف نہیں ہے کیونکہ کوئی دوسرا شخص کسی کا علم سلب کرنے پر قادر نہیں ہے اگرچہ وہ اس کی صحت و سلامتی اور ثروت و مال کو سلب کرنے پر قادر ہے اور یہ بھی شرفِ علم کا ایک سبب ہے دنیا میں علم باقی رہتا ہے اور آخرت میں اس کا ثواب ہمیشہ ہمیشہ رہے گا۔ وہ کبھی بھی ختم نہیں ہو گا۔ جہاں تک صحت و تندرستی کا تعلق ہے تو وہ مارنے کی وجہ سے فوت ہو جاتی ہے تو جس آدمی کو علم ہو کہ نہی عن المنکر کی وجہ سے اسے ایسی مار پڑے گی جس سے اس کو اذیت پہنچے گی تو اس پر احتساب لازم نہیں ہے اگرچہ مستحب ہے جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے جب یہ بات مارنے کے ذریعے تکلیف پہنچانے میں سمجھ آتی ہے تو زخمی کرنے جسم کا کوئی عضو کاٹنے اور قتل کرنے کے سلسلے میں زیادہ ظاہر ہے۔

جہاں تک ثروت کا تعلق ہے تو اس کی صورت یہ ہے کہ مثلاً اس کا گھر زبردستی چھین لیا جائے گا یا اسے گرا دیا جائے گا اور اس کے کپڑے چھین لیے جائیں گے تو اس وجہ سے بھی وجوب احتساب ساقط ہو جاتا ہے البتہ استحباب باقی رہتا ہے کیونکہ دین پر دنیا کو فدا کر دینے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

مارنے یا چھیننے میں سے ہر عمل کی ایک حد ہے قلت کی صورت یہ ہے کہ اس کی پرواہ نہ کی جاتی ہو جیسے مال میں ایک دانہ، مارنے کی صورت میں ہلکا سا تھپڑ جس کی اذیت زیادہ نہ ہو۔

دوسری حد کثرت کی صورت میں ہے جس کا اعتبار کیا جاتا ہے یعنی اس کے سبب سے احتساب واجب نہیں رہتا اور ایک درمیانی صورت ہے جو اشتباہ اور اجتہاد کے محل میں ہے دین دار آدمی کو اس میں اجتہاد کرنا چاہیے اور جس قدر ممکن ہو جائے دین کو ترجیح دے۔

جہاں تک جاہ و مرتبہ کا تعلق ہے تو وہ اس صورت میں فوت ہوتا ہے جب اسے ایسی مار ماری جائے جس سے تکلیف نہیں پہنچتی یا لوگوں کے سامنے گالی دی جائے یا اس کے گلے میں رومال ڈال کر اسے شہر میں پھیرا جائے یا اس کا منہ کالا کر کے چکر لگوایا جائے۔ یہ تمام صورتیں ایسی ہیں جن سے بدن میں کوئی تکلیف نہیں ہوتی لیکن عزت و شہرت کو دھبہ لگتا ہے اور قلبی اذیت کا باعث ہیں اس کے کئی درجات ہیں بہتر یہ ہے کہ اس کی تقسیم یوں کی جائے۔

ایک درجہ یہ ہے جس سے مروت و عزت جاتی رہتی ہے جیسے اس کو ننگے سر اور ننگے پاؤں شہر میں پھرایا جائے ایسی صورت میں احتساب سے سکوت کی اجازت ہے کیونکہ شریعت میں عزت کے تحفظ کا حکم دیا گیا ہے۔ اور یہ دل کو اذیت پہنچاتی ہے جو اذیت کئی بار مارنے کی اذیت اور چند درہموں کے فوت ہونے کی تکلیف سے بڑھ کر ہے۔ تو ایک درجہ یہ ہے۔

دوسرا درجہ محض جاہ و مرتبہ کی بلندی سے تعبیر کیا جاتا ہے مثلاً عمدہ کپڑوں میں باہر نکلنا محض خوبصورتی ہے اسی طرح گھوڑے پر سوار ہونا بھی۔ اگر وہ جانتا ہے کہ احتساب کی صورت میں اسے بازار میں پیدل یا ایسے لباس میں پھرنا پڑے گا جس کا وہ عادی نہیں ہے۔

حالانکہ وہ سواری پر جانے (اور اچھے کپڑوں) کا عادی ہے تو یہ اضافی چیزیں ہیں۔ ہمیشہ ان کی حفاظت میں رہنا قابل تعریف نہیں ہے جب کہ عزت کی حفاظت قابل ستائش ہے تو اس صورت میں احتساب کا وجوب ساقط نہیں ہوتا۔

اسی طرح اگر اس بات کا ڈر ہو کہ وہ شخص اس کے بارے میں زبان درازی کرے گا یا تو اس کے سامنے اسے جاہل اور احمق قرار دے گا نیز اس کی طرف ریاکاری اور بہتان کی نسبت کرے گا یا اس کی عدم موجودگی میں طرح طرح کی غیبت کرے گا تو اس خوف سے بھی احتساب کا وجوب ساقط نہیں ہوتا کیونکہ اس صورت میں جاہ و مرتبہ کے زوائد کا زوال ہو رہا ہے جن کی کوئی بڑی حاجت نہیں ہے اور اگر وہ اس لیے احتساب چھوڑ دے کہ کوئی ملامت کرنے والا اسے ملامت کرے گا یا کوئی فاسق غیبت کرے گا یا گالی گلوچ کرے گا یا اس کے دل سے اور اس جیسے دوسرے لوگوں کے دلوں سے میری قدر و منزلت ختم ہو جائے گی تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ احتساب بالکل واجب نہیں ہونا چاہیے کیوں کہ احتساب میں یہ تمام کام ہوتے ہیں ہاں البتہ جب برائی غیبت کی صورت میں ہو اور اسے معلوم ہو کہ منع کرنے کے باوجود وہ غیبت کو ترک نہیں کرے گا بلکہ اب اس کے ساتھ ساتھ میری غیبت بھی کرے گا تو یہ احتساب حرام ہے کیوں کہ یہ گناہ میں اضافے

کا باعث ہے اور اگر معلوم ہو کہ وہ اس پہلی غیبت کو چھوڑ کر صرف میری ہی غیبت کرے گا تو اس پر احتساب واجب نہیں ہے کیونکہ اس کی غیبت بھی غیبت کرنے والے کے حق میں گناہ ہے لیکن اس کے لیے مستحب ہے کہ وہ بطور ایثار اس شخص کی عزت پر اپنی عزت کو قربان کر دے۔

عمومی دلائل احتساب کے وجوب اور اس سلسلے میں خاموشی کی صورت میں بڑے خطرے پر دلالت کرتے ہیں لہذا اس کے مقابل وہ بات ہو گی جو دینی اعتبار سے بڑے خطرے کی حامل ہو جب کہ مال، جان اور عزت و مروت کو شریعت نے بڑا مقام دیا ہے اور جاہ و حشمت اور آرائش و تزئین اور مخلوق کی طرف سے تعریف کی طلب کے سلسلے زائد امور کا کوئی احترام نہیں ہے۔

اور اگر ان اذیتوں کا خوف اولاد و اقارب کے حوالے سے ہو تو وہ اس کی ذات کے اعتبار سے کم ہے کیونکہ اپنی ذات کے اعتبار سے اذیت کا پہنچنا دوسرے کے معاملات کے حوالے سے پہنچنے والی اذیت سے زیادہ سخت ہے۔

لیکن دینی اعتبار سے یہ فوقیت رکھتا ہے کیوں کہ آدمی اپنے ذاتی حقوق کے سلسلے میں چشم پوشی سے کام لے سکتا ہے لیکن اسے دوسروں کے حقوق کے سلسلے میں چشم پوشی کا کوئی حق نہیں تو ایسی صورت میں اسے احتساب سے رکنا چاہیئے۔

اگر ان کے حقوق گناہ کے طریقے پر فوت ہو رہے ہیں جیسے مارنا اور مال چھیننا تو اسے احتساب نہیں کرنا چاہیئے کیونکہ ایک برائی کو دور کرنا دوسری برائی کی طرف لے جاتا ہے، اگر ان کے حقوق کا زوال گناہ کے باعث نہ ہو تو یہ بھی مسلمان کو ایذا پہنچانا ہے اور اسے ان کی مرضی کے بغیر اس بات کا حق حاصل نہیں ہے۔ اور جب نہی عن المنکر کا عمل اس کی قوم کی اذیت تک لے جاتا ہو تو اسے چھوڑ دے جیسے کسی تارکِ دنیا شخص کے مال دار رشتہ دار ہوں تو بادشاہ کو برائی سے روکنے کی صورت میں اسے اپنے مال کا خوف نہیں ہو گا لیکن بادشاہ ان لوگوں کے واسطے سے اس سے بدلہ لینے کی خاطر ان کو ایذا پہنچائے گا تو جب ایذا محتسب سے اس کے رشتہ داروں اور پڑوسیوں کی طرف متعدی ہو جائے تو احتساب چھوڑ دے کیوں کہ مسلمانوں کو ایذا پہنچانا ممنوع ہے جیسے برائی کو دیکھ کر خاموش رہنا منع ہے۔ ہاں اگر ان کے مال و جان کو نقصان نہ پہنچتا ہو لیکن گالی گلوچ کے ذریعے اذیت پہنچے تو یہ بات قابل غور ہے اور اس سلسلے میں برائی کے درجات کے اعتبار سے کہ وہ کس قدر بری ہے نیز ممنوع کلام دل پر کس قدر اثر انداز ہوتا ہے اور عزت میں کس قدر خلل پڑتا ہے احتساب کا امر مختلف ہو گا۔

اگر کہا جائے کہ جب کوئی شخص اپنے جسم کا کوئی حصہ کاٹنا چاہے اور لڑائی کے بغیر وہ اس سے باز نہ آئے اور ہو سکتا ہے قتل کی نوبت آ جائے تو کیا اس سے لڑنا چاہیئے؟ اگر تم کہو کہ اس سے لڑائی کی جائے تو یہ بات محال ہے کیوں کہ یہ ایک عضو کو ختم کرنے کے خوف سے ایک جان کو ہلاک کرنا ہے اور جان کی ہلاکت میں عضو کی ہلاکت بھی پائی جاتی ہے۔

ہم کہتے ہیں وہ اسے اس بات سے روکے اور اس سے لڑے کیونکہ ہماری غرض اس کے عضو اور جان کو بچانا نہیں ہے بلکہ ہمارا مقصود تو برائی اور گناہ کے راستے کو بند کرنا ہے اور احتساب کی صورت میں اس کا قتل گناہ نہیں جب کہ اس کا اپنے کسی عضو کو کاٹنا گناہ ہے یہ ایسے ہی ہے جیسے کوئی شخص مسلمان کے مال پر حملہ کرے اور مالک اسے اس طرح دور کرے کہ وہ ہلاک ہو جائے تو اس طرح اسے دُور کرنا جائز ہے اس لیے نہیں کہ ہم روپے پیسے کے بدلے میں مسلمان کی جان لے رہے ہیں کیوں کہ یہ محال ہے بلکہ اس لیے کہ اس نے بطور گناہ مسلمان کا مال لینے کا ارادہ کیا اور گناہ سے روکتے ہوئے اس اس کا قتل جائز ہے کیونکہ مقصود تو گناہ کو دُور کرنا ہے۔

اگر کہا جائے کہ جب ہمیں معلوم ہو کہ اگر یہ شخص تنہا ہو تو اپنا کوئی عضو کاٹ ڈالے گا تو ہمیں گناہ کو ختم کرنے کے لیے اسے فی الحال قتل کر دینا چاہیئے؟۔

ہم کہتے ہیں اس بات کا علم یقینی نہیں اور گناہ کے محض وہم کی بنیاد پر اس کا خون بہانا جائز نہیں لیکن جب ہم اسے عضو کاٹنے میں مشغول دیکھیں تو اسے منع کریں گے اور اگر وہ ہم سے لڑے گا تو ہم بھی اس سے لڑیں گے اور ہمیں اس بات کی پرواہ نہیں کرنی چاہیئے کہ اس کی جان جاتی ہے یا باقی رہتی ہے اس صورت میں گناہ کی تین حالتیں ہوں گی۔

ایک یہ کہ وہ گناہ کا ارتکاب کر چکا ہے تو اب یہ سزا اس کئے گئے عمل کے خلاف بطور حد یا تعزیر ہوگی اور یہ سزا حاکم دے سکتا ہے عام آدمی کو اس کی اجازت نہیں۔

دوسرا یہ کہ گناہ گار فی الحال اس میں مبتلا ہو مثلاً ریشمی لباس پہنے ہوئے ہے یا سارنگی اور شراب لئے ہوئے ہو تو اس گناہ کو مٹانا جس قدر ممکن ہو واجب ہے جب تک یہ عمل اس سے بڑے گناہ تک نہ پہنچائے اور یہ بات عام لوگوں کے لیے بھی ثابت ہے۔

تیسرا یہ کہ برائی متوقع ہو مثلاً ایک شخص شراب خوری کے لیے مجلس میں جھاڑو دے اور اسے آراستہ کرنے کے لیے گلدستے جمع کرے اور ابھی تک شراب لائی نہ گئی ہو۔ تو یہ عمل مشکوک ہے کیونکہ ممکن ہے کوئی مانع پیش آجائے اور گناہ کی نوبت نہ آئے اس لیے شراب پینے کا ارادہ کرنے والے کو روکنے کا حق ہر کسی کو حاصل نہیں البتہ وہ وعظ و نصیحت کے ذریعے روک سکتا ہے لیکن مار پیٹ اور سخت کلامی کے ذریعے روکنے کا حق نہ رعایا کو حاصل ہے اور نہ ہی حکومت کو، البتہ یہ معلوم ہو کہ یہ گناہ اس شخص کی عادت ہے اور اب اس نے اس کے سبب کو اختیار کیا ہو اور گناہ کے ارتکاب میں انتظار کے علاوہ کوئی کسر باقی نہ ہو تو ایسی صورت میں مار پیٹ اور سخت کلامی کے ذریعے بھی احتساب جائز ہے مثلاً عورتوں کے حماموں کے دروازوں پر نوجوان لڑکوں کا کھڑا ہونا تاکہ ان کو آتے جاتے دیکھیں تو اگرچہ دروازے کے کشادہ ہونے کی وجہ سے انہوں نے راستہ تنگ نہیں کیا لیکن وہاں کھڑا ہونے کی وجہ سے ان کو روکنا بلکہ مار پیٹ اور سخت کلامی کے ذریعے ان کو ہٹانا جائز ہے کیوں کہ بنظر غائر دیکھا جائے تو ان کا وہاں کھڑا ہونا ہی گناہ ہے اگر اس

گناہ گار کا مقصد اس کے علاوہ ہو جیسے کسی غیر محرم عورت کے ساتھ علیحدگی میں بیٹھنا گناہ ہے کیوں اس سے گناہ میں پڑنے کا گمان ہے اور گناہ کا گمان بھی گناہ ہے یہاں گمان سے مراد یہ ہے کہ وہ بات جس سے انسان کے گناہ میں پڑنے کا غالب گمان ہو کہ وہ اس سے رُک نہ سکتا ہو تو اس صورت میں یہ موجود گناہ پر احتساب ہوگا متوقع پر نہیں۔

احتساب کا دوسرا رکن :

کس بات کا احتساب

جس چیز کا احتساب ہوتا ہے اس سے مراد ہر وہ برائی ہے جو فی الحال موجود ہو اور محتسب کے لیے کسی غور و فکر اور تلاش کے بغیر ظاہر ہو اور اس کا برائی ہونا اجتہاد کے بغیر معلوم ہو تو یہ چار شرائط ہیں اور ہم ان سے بحث کریں گے۔

پہلی شرط برائی کا وجود

اس سے ہماری مراد یہ ہے کہ وہ کام شریعت میں ممنوع ہو ہم نے لفظ معصیت (نافرمانی) کی بجائے اس لفظ کو اختیار کیا ہے کیونکہ منکر، معصیت سے عام ہے جو شخص کسی بچے یا پاگل کو شراب پیتا ہوئے دیکھے تو اس پر لازم ہے کہ اس کی شراب کو بہا دے اور اسے اس کام سے روکے اسی طرح اگر کسی مجنون مرد کو کسی مجنونہ (عورت) سے زنا کرتے ہوئے یا کسی جانور سے بدفعلی کرتے ہوئے دیکھا تو منع کرنا ضروری ہے اس کی وجہ یہ نہیں کہ اس فعل کی صورت بہت بری ہے اور علانیہ ہو رہا ہے بلکہ اگر اس برائی کو علیحدگی میں دیکھے تو بھی اس سے روکنا واجب ہے حالانکہ اسے مجنون آدمی کے حق میں معصیت قرار نہیں دیا جاتا کیوں کہ گناہ گار کے بغیر گناہ کا وجود محال ہے تو لفظ منکر اس بات پر زیادہ دلالت کرتا ہے اور معصیت کے مقابلے میں عام ہے اور ہم نے اس عموم میں صغیرہ اور کبیرہ دونوں کو شامل کیا ہے تو احتساب کبیرہ گناہ سے خاص نہیں بلکہ حمام میں شرم گاہ کو ننگا کرنا، غیر محرم عورت کے ساتھ علیحدگی میں بیٹھنا، غیر محرم عورتوں کو دیکھنا یہ سب صغیرہ گناہ ہیں لیکن ان سے روکنا واجب ہے صغیرہ اور کبیرہ میں فرق کرنے کے سلسلے میں بحث ہے جو عنقریب توبہ کے بیان میں آئے گی۔

دوسری شرط برائی فی الحال موجود ہو

اس شرط کے ذریعے اس صورت کو اس احتساب سے نکال دیا جب شرابی، شراب نوشی سے فارغ ہو چکا ہو کیونکہ عام آدمی کو اب اختیار حاصل نہیں ہے اسی طرح جو برائی آئندہ متوقع ہو اسے بھی خارج کر دیا ہے۔ جیسے کسی شخص کو قرینۂ حال سے معلوم ہو کہ فلاں شخص آج رات شراب پینے کا پکا ارادہ رکھتا ہے تو صرف وعظ و نصیحت کے ذریعے اس کا احتساب ہو سکتا ہے اور اگر وہ اپنے اس ارادے سے انکار کر دے تو اسے وعظ کرنا بھی جائز نہیں کیونکہ یہ مسلمان کے بارے میں بدگمانی ہے اور ہو سکتا ہے وہ سچ کہہ رہا ہو اور بعض اوقات ایسا بھی ہوتا ہے کہ وہ کسی رکاوٹ کی وجہ سے اپنے ارادے پر عمل نہیں کر سکتا۔ تو ہم نے جو باریک بات بیان کی ہے اسے یاد رکھنا چاہیے وہ یہ کہ کسی غیر محرم عورت کے ساتھ علیحدگی میں ہونا عورتوں کے

حمام کے دروازے پر کھڑا ہونا اور اس طرح کے دو بڑے عمل فوری گناہ کے زمرے میں آتے ہیں۔

تیسری شرط برائی ظاہر ہو

وہ برائی محتسب کے لیے واضح ہو اسے تلاش وجستجو کی ضرورت نہ پڑے تو جو شخص اپنے گھر میں دروازہ بند کر کے چھپ کر برائی کرتا ہے اس کی جاسوسی کرنا جائز نہیں اور اللہ تعالیٰ نے اس سے منع فرمایا ہے۔

اس سلسلے میں حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کا واقعہ مشہور ہے اور ہم نے آداب صحبت کے بیان میں اسے ذکر کیا ہے، اسی طرح حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے بارے میں مروی ہے کہ آپ ایک آدمی کی دیوار پھلانگ کر اندر تشریف لے گئے اور اسے ناپسندیدہ حالت میں دیکھا تو اس کو روکا اس نے عرض امیرالمومنین اگر میں نے ایک اعتبار سے گناہ کیا ہے تو آپ تین وجہ سے گناہ کے مرتکب ہوئے ہیں آپ نے فرمایا وہ کیا گناہ ہیں؟ اس نے کہا اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا۔

وَلَا تَجَسَّسُوْا (۱) (اور جاسوسی نہ کرو)

حالانکہ آپ نے جاسوسی کی ہے اور ارشاد خداوندی ہے۔

وَأْتُوا الْبُيُوْتَ مِنْ اَبْوَابِهَا (۲) گھروں میں دروازوں کی طرف سے آؤ۔

حالانکہ آپ دیوار پھلانگ کر آئے، ارشاد خداوندی ہے۔

لَا تَدْخُلُوْا بُيُوْتًا غَيْرَ بُيُوْتِكُمْ حَتّٰى تَسْتَاْنِسُوْا وَتُسَلِّمُوْا عَلٰٓى اَهْلِهَا۔ (۳) دوسروں کے گھروں میں اجازت لینے اور گھر والوں کو سلام کئے بغیر نہ داخل ہو۔

اور آپ نے سلام نہیں کیا! اس پر حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اسے چھوڑ دیا اور اس پر توبہ کی شرط رکھی۔

اسی لیے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے منبر پر تشریف فرما ہوتے ہوئے صحابہ کرام سے مشورہ فرمایا کہ اگر حکمران خود کسی برائی کو دیکھے تو کیا اس شخص پر حد نافذ کر سکتا ہے؟ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے مشورہ دیا کہ دو عادل آدمی ہونے چاہییں اس میں ایک کافی نہیں ہے۔

ہم نے یہ روایات آداب صحبت کی بحث میں حقوقِ مسلمین کے سلسلے میں بیان کی ہیں۔ اب دوبارہ ذکر نہیں کریں گے اگر تم کہو کہ ظہور اور پوشیدگی کی حد کیا ہے؟

تو جان لو کہ جو شخص اپنے دروازے کو بند کر دے اور دیواروں کے پردے میں ہو جائے تو گناہ کا حال معلوم کرنے

---

(۱) قرآن مجید، سورۂ حجرات آیت ۱۲

(۲) قرآن مجید، سورۂ بقرہ آیت ۱۸۹

(۳) قرآن مجید، سورۂ نور آیت ۲۷

کے لیے اجازت کے بغیر اس کے پاس جانا جائز نہیں البتہ یہ کہ گھر کے باہر سے معلوم ہو جائے کہ اندر برائی کا ارتکاب ہو رہا ہے جیسے باجوں اور ستار وغیرہ کی آواز اس قدر بلند ہو کہ دیواروں سے باہر آ رہی ہو تو جو شخص اسے سنے اس کے لیے گھر میں داخل ہو کر ان آلات کو توڑنا جائز ہے، اسی طرح جب شراب کے نشہ میں دھت افراد کے وہ الفاظ جو اُن کے درمیان معروف ہیں بلند ہوں کہ راستوں پر چلنے والے ان کو سنتے ہوں تو یہ بھی گناہ کو ظاہر کرنا ہے جس سے احتساب واجب ہو جاتا ہے، تو دیواروں کی آڑ کے باوجود دو طرح سے برائی کا پتہ چل جاتا ہے ایک آواز سے اور دوسرا بُو آنے سے، جب شراب کی بُو آ رہی ہو تو اگر اس بات کا احتمال ہو کہ یہ رکھی ہوئی شرابوں سے ہے تو اسے بہا دینے کا ارادہ کرنا جائز نہیں اور اگر حال کے قرینہ سے معلوم ہو کہ یہ بُو اس وجہ سے ظاہر ہو رہی ہے کہ وہ لوگ اسے پی رہے ہیں تو اس میں احتمال ہے اور ظاہر یہی ہے کہ احتساب جائز ہے اور بعض اوقات شراب کی شیشی اور لہو ولعب کے آلات آستین یا دامن کے نیچے چھپائے جاتے ہیں تو جب کسی فاسق کو دیکھا جائے کہ اس کے دامن کے نیچے کوئی چیز ہے تو جب تک کسی خاص علامت سے ظاہر نہ ہو اس کو کھولنا جائز نہیں۔ کیونکہ اس کا فاسق ہونا اس بات پر دلالت نہیں کرتا کہ اس کے پاس جو کچھ ہے وہ شراب ہے کیوں کہ فاسق بھی سر کے وغیرہ کا محتاج ہوتا ہے تو اس کے چھپانے سے یہ استدلال کرنا صحیح نہیں ہے کہ اگر یہ حلال چیز ہوتی تو وہ اسے کیوں چھپاتا کیونکہ چھپانے کے کئی مقاصد ہوتے ہیں اور اگر شراب کی بُو آ رہی ہو تو یہ صورت محل بحث ہے اور ظاہر یہ ہے کہ اسے احتساب کا حق ہے کیونکہ یہ علامت ظن کا فائدہ دیتی ہے اور اس قسم کے امور میں ظن علم کی طرح ہوتا ہے، اسی طرح سارنگی کو جب باریک کپڑے سے ڈھانپا ہوا ہو تو وہ اپنی شکل سے پہچانی جاتی ہے تو شکل کی دلالت بُو اور آواز کی دلالت جیسی ہے اور جس کی دلالت ظاہر ہو وہ چیز چھپی ہوئی نہیں ہوتی بلکہ وہ ظاہر ہوتی ہے۔

اور ہمیں حکم دیا گیا ہے کہ جسے اللہ تعالیٰ نے پردے میں رکھا تم بھی اس کی پردہ پوشی کرو اور جو ہمارے سامنے ظاہر ہو اس کو مٹا دیں اور اس ظہور کے کئی درجے ہیں کبھی یہ سننے کے ذریعے ظاہر ہوتا ہے کبھی سونگھنے کے ذریعے اس کا ظہور ہوتا ہے کبھی دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کبھی چھونے سے پتہ چلتا ہے اور یہ آنکھ سے دیکھنے کے ساتھ خاص نہیں بلکہ مقصود تو علم ہے اور یہ حواس بھی علم کا فائدہ دیتے ہیں تو جس صورت میں معلوم ہو کہ جو کچھ کپڑے کے نیچے ہے وہ شراب ہے تو اسے توڑنا جائز ہے لیکن اسے اس بات کا حق نہیں پہنچتا کہ وہ کہے مجھے دکھاؤ تاکہ مجھے معلوم ہو جائے کہ یہ کیا ہے کیوں کہ یہ تجسس ہے اور تجسس کا مطلب یہ ہے کہ ایسی علامات تلاش کی جائیں جس سے کسی چیز کا حال معلوم ہو اگر ایسی علامات خود بخود معلوم ہو جائیں اور ان کے ذریعے پہچان حاصل ہو تو ان کے تقاضے کے مطابق عمل کرنا جائز ہے لیکن پہچان کرانے والی علامات کی طلب کی اجازت بالکل نہیں ہے۔

چوتھی شرط۔ برائی کا اجتہاد کے بغیر معلوم ہونا

ہر وہ برائی جس کو اجتہاد کے ذریعے معلوم کیا جائے اس میں احتساب نہیں ہے اگر کوئی شافعی مسلک والا گوہ، بجو

اور ایسی چیز کھاتا ہے جس پر ذبح کے وقت بسم اللہ نہیں پڑھی گئی تو کوئی حنفی اس پر اعتراض نہیں کرسکتا اسی طرح اگر حنفی ایسا نبیذ (پھل کا رس) پیتا ہے جو نشہ نہیں دیتا، وہ ذوی الارحام کو میراث دیتا ہے یا ایسے گھر میں بیٹھتا ہے جسے پڑوسی ہونے کی بنیاد پر شفعہ کے ذریعے حاصل کیا تو اس پر کسی شافعی مسلک والے کو اعتراض کا حق نہیں ہے۔ اسی طرح دیگر وہ مسائل جو اجتہادی ہیں۔

ہاں اگر کوئی شافعی مذہب والا کسی دوسرے شافعی کو نبیذ پیتے ہوئے دیکھے یا وہ ولی کے بغیر عورت سے نکاح کر کے وطی کرتا ہے تو اس میں غور وفکر کی ضرورت ہے لیکن زیادہ ظاہر یہی ہے کہ وہ احتساب بھی کر سکتا ہے اور اعتراض بھی، کیوں کہ کوئی بھی عالم اس بات کی طرف نہیں گیا کہ کسی مجتہد کو دوسرے مجتہد کے اجتہاد کے مطابق عمل کرنا درست ہے اور نہ یہ کہ اگر کوئی مقلد تقلید کے سلسلے میں غور وفکر کے بعد ایک شخص کو سب سے افضل عالم سمجھتا ہے تو وہ اسے چھوڑ کر کسی دوسرے کے مذہب کو اختیار کرے اور تمام مذاہب میں سے عمدہ عمدہ باتیں چھانٹ لے بلکہ ہر مقلد پر لازم ہے کہ وہ جس امام کی تقلید کر رہا ہے وہ تفصیلی طور پر اس کی تقلید کرے تو اپنے امام کی مخالفت علماء کے نزدیک بالاجماع ناپسندیدہ ہے اور ایک برائی ہے اور اس مخالفت کی وجہ سے وہ گناہ گار ہوتا ہے لیکن اس سے ایک نہایت دقیق بات لازم آتی ہے وہ یہ کہ جب کوئی شافعی ولی کے بغیر نکاح کرے تو حنفی کا اس پر اعتراض کرنا جائز ہے یعنی وہ یوں کہے کہ یہ عمل فی نفسہ حق ہے لیکن تمہارے حق میں درست نہیں کیوں کہ جب تم نے یہ عمل کیا تو تم نے اس عقیدے کی وجہ سے کہ امام شافعی رحمہ اللہ کا مذہب درست ہے، ایک باطل کام کیا ہے اور جو کچھ تمہارے نزدیک درست ہے اس کی مخالفت کرنا تمہارے حق میں گناہ ہے اگرچہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک یہ کام درست ہو۔ اسی طرح جب کوئی حنفی گوہ کھانے یا اس ذبیحہ کو جس پر بسم اللہ نہ پڑھی گئی ہو کھانے میں شافعی کے ساتھ شریک ہو تو وہ اس پر اعتراض کر سکتا ہے اور اسے کہہ سکتا ہے کہ یا تو یہ عقیدہ رکھو کہ حضرت امام شافعی رحمہ اللہ کی اتباع زیادہ بہتر ہے پھر یہ عمل کرو یا یہ عقیدہ بھی نہ رکھو اور یہ عمل بھی نہ کرو کیوں کہ یہ تمہارے عقیدے کے خلاف ہے پھر یہ بات محسوسات میں سے ایک اور بات کی طرف لے جاتی ہے وہ یہ کہ ایک بہرا آدمی کسی عورت سے زنا کے ارادے سے جماع کرتا ہے اور محتسب کو معلوم ہے کہ یہ اسی کی بیوی ہے اس کے باپ نے اس کے بچپن میں اس کے ساتھ نکاح کر دیا تھا لیکن اس شخص کو معلوم نہیں اور وہ اس کے بہرا ہونے کی وجہ سے اسے سمجھا بھی نہیں سکتا یا وہ اس کی زبان نہیں سمجھتا تو چوں کہ وہ (زنا کرنے والا) جانتا ہے کہ یہ اس کے لیے غیر محرم ہے اس عمل کی وجہ سے گناہ گار ہوگا اور آخرت میں اسے عذاب ہوگا تو اس کے باوجود کہ وہ اس کی بیوی ہے اس محتسب کو چاہیئے کہ اسے روک دے یہ بات کہ علم الٰہی کے مطابق وہ اس کی بیوی ہے، بعید ہے اور حرام ہونا قریب ہے کیونکہ وہ غلطی پر ہے اور بے خبر ہے۔

اور اس میں شک نہیں کہ اگر کوئی شخص اپنی بیوی کی طلاق محتسب کی کسی قلبی صفت سے معلق کرے مثلاً یہ کہ اگر وہ چاہے یا جب اسے غصہ آئے وغیرہ وغیرہ اور اب یہ صفت اس کے دل میں پائی گئی لیکن وہ میاں بیوی بتانے سے

عاجز ہے، البتہ وہ باطنی طور پر طلاق کا علم رکھتا ہے تو اب جب وہ اس کو جماع کرتا دیکھے تو اس پر منع کرنا لازم ہے یعنی زبان سے روکے کیونکہ یہ زنا ہے البتہ زانی کو اس کا علم نہیں جب کہ محتسب کو علم ہے کہ اسے تین طلاقیں ہو چکی ہیں۔ اور وہ دونوں گناہ گار نہیں ہوں گے کیوں کہ ان کو اس کے دل میں پائی جانے والی اس صفت کا علم نہیں تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ یہ کام برائی نہ ہو کیوں کہ یہ صورت مجنون کے زنا سے کسی صورت میں بھی کم نہیں ہے اور ہم بیان کر چکے ہیں کہ اسے منع کیا جائے گا۔

تو جب اس کام سے منع کیا جاتا ہے جو اللہ تعالیٰ کے نزدیک برائی ہے اگرچہ فاعل کے نزدیک برائی نہ ہو اور وہ جہالت کے عذر کی وجہ سے گناہ گار بھی نہ ہوتا ہو تو اس کے برعکس سے لازم آتا ہے کہ کہا جائے جو چیز اللہ تعالیٰ کے ہاں بری نہیں اور اس کے مرتکب کے نزدیک بری ہے کیونکہ وہ لاعلم ہے تو اس سے منع نہ کیا جائے زیادہ ظاہر بات یہی ہے اور اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے۔

اس سے واضح ہوا کہ ولی کے بغیر نکاح کرنے کی وجہ سے حنفی، کسی شافعی پر اعتراض نہیں کر سکتا البتہ شافعی دوسرے شافعی پر اعتراض کر سکتا ہے کیوں کہ جس کام پر اعتراض کیا جا رہا ہے وہ محتسب اور محتسب علیہ دونوں کے نزدیک بالاتفاق برائی ہے۔

یہ فقہی باریک مسائل ہیں اور ان میں احتمالات ایک دوسرے سے ٹکراتے ہیں ہم نے اس سلسلے میں وہ فتویٰ دیا ہے جسے ہم فی الحال ترجیح دیتے ہیں اور ہم اس سلسلے میں مخالف کی ترجیح کو قطعی طور پر غلطی قرار نہیں دیتے۔

اگر اس کی رائے یہ ہو کہ احتساب صرف اسی بات میں ہوگا جو قطعی طور پر معلوم ہو اور کئی حضرات نے یہ موقف اختیار کرتے ہوئے فرمایا کہ احتساب شراب اور خنزیر اور دیگر ان چیزوں میں ہوتا ہے جن کا حرام ہونا قطعی طور پر معلوم ہو لیکن ہمارے نزدیک زیادہ مناسب بات یہ ہے کہ اجتہاد، مجتہد کے حق میں مؤثر ہوتا ہے کیوں کہ یہ بات بہت بعید ہے کہ وہ قبلہ کے سلسلے میں اجتہاد کرے اور ظنی دلالت کی بنیاد پر اپنے لیے ایک سمت متعین کرے پھر اس کی طرف پیٹھ کرلے اور اس کو اس لیے منع نہ کیا جائے کہ دوسرے آدمی کے گمان میں غالباً قبلہ کی طرف پشت کرنا ہی بہتر ہے۔

اور جن لوگوں کا خیال ہے کہ ہر مقلد مختلف مذاہب میں سے جو چاہے اختیار کرے تو ان لوگوں کے مذہب کا کوئی اعتبار نہیں اور شاید یہ کسی کا بھی مذہب نہ ہو یہ مذہب ثابت نہیں اور اگر ثابت بھی ہو تو اس کا کوئی اعتبار نہیں۔

اگر تم کہو کہ کسی حنفی پر یہ اعتراض نہیں ہو سکتا کہ ولی کے بغیر نکاح کیوں کیا کیونکہ اس کے نزدیک یہی صحیح ہے تو کسی معتزلی پر بھی اعتراض نہیں ہونا چاہیے جب وہ کہے کہ اللہ تعالیٰ کا دیدار نہیں ہوگا اور یہ کہ بھلائی اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے اور برائی اس کی طرف سے نہیں ہے نیز یہ کہے کہ اللہ تعالیٰ کا کلام مخلوق ہے اور نہ کسی حشوی کے اس عقیدے پر اعتراض کیا جائے کہ اللہ تعالیٰ ایک جسم ہے اور اس کی صورت ہے اور وہ عرش پر ٹھہرا ہوا ہے بلکہ کسی فلسفی پر بھی اعتراض نہ کیا جائے جب وہ کہے کہ ان اجسام کو قیامت کے دن اٹھایا نہیں جائے گا۔ بلکہ روحوں کا حشر ہوگا (ان پر اعتراض اس لیے نہ کیا جائے)

کہ انہوں نے یہ تمام باتیں اجتہاد کی بنیاد پر کی ہیں اور ان کے خیال میں یہ عقائد صحیح ہیں۔

اور اگر یہ جواب دو کہ ان لوگوں کے مذاہب کا باطل ہونا ظاہر ہے تو جو مذہب حدیث صحیح کے مخالف ہو اس کا بطلان بھی ظاہر ہے تو جیسے ظاہر نصوص سے اللہ تعالیٰ کا دیدار ثابت ہے اور معتزلی تاویل کے ذریعے اس کی مخالفت کرتے ہیں، اسی طرح جن مسائل کی مخالفت حنفی حضرات کرتے ہیں وہ بھی ظاہر نصوص سے ثابت ہیں جیسے ولی کے بغیر نکاح کرنا پڑوسی کا شفعہ کرنا اور اسی طرح کے دیگر مسائل ہیں۔

تو جان لو کہ مسائل کو دو صورتوں میں تقسیم کیا جاتا ہے ایک وہ جن میں ہر مجتہد کو درست کہا جا سکتا ہے اور یہ حلال و حرام کے سلسلے میں افعال کے احکام ہیں اور یہ وہ مسائل ہیں کہ ان کے بارے میں مجتہدین پر اعتراض نہیں کیا جا سکتا کیوں کہ ان کی خطا قطعی طور پر معلوم نہیں بلکہ ظنی ہے اور دوسری صورت یہ ہے کہ اس میں صرف ایک ہی حق پر ہوگا جیسے اللہ تعالیٰ کا دیدار، تقدیر، کلام خداوندی کا قدیم ہونا، اللہ تعالیٰ کی صورت اور جسم کی نفی اور اللہ تعالیٰ کا عرش پر ٹھہرنا۔ یہ وہ مسائل ہیں کہ ان میں خطا کار کی خطا قطعی طور پر معلوم ہے اور اس کی خطا جو محض جہالت ہے اس کی کوئی توجیہ نہیں ہو سکتی اس سے معلوم ہوا کہ تمام بدعات (بدعت سیئہ) کی جڑ کاٹ دینی چاہیے اور بدعتی لوگوں کا خوب رد کیا جائے اگرچہ وہ اس کو حق سمجھتے ہوں جیسے یہود و نصاریٰ کے کفر کا رد کیا جاتا ہے اگرچہ وہ اسے صحیح قرار دیتے ہیں لیکن جو خطا اجتہادی ہے (اس کا رد نہیں کیا جاتا)

اگر تم کہو کہ جب تم قدری (ایک فرقہ ہے) کے اس قول پر اعتراض کرو کہ برائی اللہ تعالیٰ کی طرف سے نہیں تو وہ تمہارے اس قول پر اعتراض کرے گا کہ شر اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے (یعنی وہی خیر و شر کا خالق ہے) اسی طرح تمہارے اس قول پر کہ اللہ تعالیٰ کی زیارت ہوگی اور دوسرے مسائل پر اعتراض کرے گا کیوں کہ بدعتی اپنے آپ کو حق پر سمجھتا ہے اور اس کے نزدیک صاحب حق، بدعتی ہے، ہر شخص اپنے آپ کو حق پر سمجھتا ہے اور اپنے بدعتی ہونے کا انکار کرتا ہے تو احتساب کیسے مکمل ہوگا؟

جان لو کہ اسی تعارض کی بنیاد پر ہم کہتے ہیں کہ جس شہر میں یہ بدعت ظاہر ہوئی ہے اسے دیکھا جائے اگر بدعت کم ہو اور تمام لوگ اہل سنت ہوں تو ان پر لازم ہے کہ بادشاہ کی اجازت کے بغیر احتساب کریں۔ اور اگر شہر والے دو حصوں میں تقسیم ہو جائیں کچھ اہل بدعت ہوں اور کچھ اہل سنت، اور اعتراض کرنے کی صورت میں لڑائی ہونے کا خطرہ ہو تو تمام مذاہب کے مطابق کسی کو ذاتی طور پر احتساب کرنے کا حق نہیں جب تک بادشاہ مقرر نہ کرے یعنی جب بادشاہ اچھی رائے رکھتا ہو تو وہ کسی ایک شخص کو مقرر کرے جو اہل بدعت کو ان کی اس حرکت پر ڈانٹ ڈپٹ کرے اسے اس بات کا حق ہے دوسرے کسی کو نہیں، کیونکہ جو کام بادشاہ کی اجازت سے ہوتا ہے اس کا مقابلہ نہیں کیا جاتا جب کہ انفرادی طور پر کوئی شخص کرے گا تو اس کا مقابلہ ہوگا۔

خلاصہ یہ ہے کہ بدعت سے روکنا، تمام برائیوں سے روکنے کے مقابلے میں اہم ہے لیکن اس سلسلے میں اس تفصیل کو سامنے رکھا جائے جو ہم نے ذکر کی ہے تاکہ فتنے اور مقابلے کی نوبت نہ آئے بلکہ اگر بادشاہ مطلق اجازت دے کہ جو شخص واضح الفاظ میں قرآن پاک کو مخلوق کہتا ہے یا اللہ تعالیٰ کے دیدار کا منکر ہے یا اللہ تعالیٰ کے عرش پر ٹھہرنے کا عقیدہ رکھتا ہے یا اس کے علاوہ بدعات کو مانتا ہے تو ہر شخص کو منع کرنے کا حق پہنچتا ہے تو اب مقابلہ کی صورت واقع نہ ہوگی مقابلہ صرف اس صورت ہی ہوگا جب بادشاہ اجازت نہ دے۔

تیسرا رکن۔ محتسب علیہ

جس شخص کو برائی سے منع کیا جائے (اور اسے محتسب علیہ کہتے ہیں) اس کے لیے شرط یہ ہے کہ وہ ایسی صفت پر ہونا چاہیے کہ جس کام سے روکا گیا وہ اس کے حق میں منکر (برائی) قرار پائے اور کم از کم جو بات کافی ہے وہ یہ کہ وہ انسان ہو اس کا مکلف ہونا شرط نہیں جیسے ہم بیان کر چکے ہیں کہ اگر بچہ شراب پی رہا ہو تو اسے بھی روکا جائے اور اس کا احتساب کیا جائے اگرچہ بالغ ہونے سے پہلے ہو اس کا سمجھدار ہونا بھی شرط نہیں کیونکہ ہم بیان کر چکے ہیں کہ اگر کوئی پاگل مرد کسی پاگل عورت سے زنا کرے یا کسی جانور سے بری حرکت کرے تو اس حرکت سے اسے روکنا واجب ہے۔

ہاں بعض افعال مجنون کے حق میں منکر نہیں ہوتے جیسے نماز اور روزے وغیرہ کو چھوڑنا لیکن ہم تفصیلی اختلاف کو نہیں دیکھتے کیونکہ اس میں تو مقیم، مسافر، مریض اور تندرست کا حکم بھی جدا جدا ہے، ہماری غرض تو یہ ہے کہ اس صفت کی طرف اشارہ کیا جائے جس سے محتسب علیہ پر اصل انکار واجب ہوتا ہے تفصیل کے مطابق انکار کا وجوب بیان کرنا مقصود نہیں۔

اگر تم کہو کہ اس سلسلے میں تو حیوان ہونا ہی کافی ہے (انسان ہونے کی شرط غیر ضروری ہے) کیونکہ اگر کوئی جانور کسی کی کھیتی خراب کرے تو ہم اسے اسی طرح روکتے ہیں جس طرح پاگل کو زنا اور جانور سے بدفعلی کرنے سے روکتے ہیں؟

تو اس کا جواب یہ ہے کہ اس عمل (جانور کو روکنے) کو احتساب کہنے کی کوئی وجہ نہیں کیونکہ احتساب یا حسبت کا مطلب ایسی برائی سے روکنا ہے جو اللہ تعالیٰ کے حق کے طور پر ہو تاکہ وہ اس برائی کے ارتکاب سے محفوظ رہے، پاگل آدمی کو زنا اور جانور کے ساتھ بدفعلی سے روکنا حق خداوندی کے طور پر ہے، اسی طرح بچے کو شراب پینے سے روکنا بھی، اور جب کوئی انسان کسی کی کھیتی خراب کرتا ہے تو اسے دو حقوق کی وجہ سے منع کیا جاتا ہے ان میں سے ایک اللہ تعالیٰ کا حق ہے کیوں کہ یہ عمل اللہ تعالیٰ کی نافرمانی ہے اور دوسرا اس شخص کا حق ہے جس کو نقصان پہنچایا جا رہا ہے تو یہ دو علتیں ہیں ان میں ایک، دوسری سے الگ ہے اور اگر کسی دوسرے شخص کی اجازت سے اس کا کوئی عضو کاٹے تو گناہ پایا گیا اور لیکن اس شخص کا حق (جس کا ہاتھ کاٹا ہے) اس کی اجازت کی وجہ سے ساقط ہو گیا۔ تو احتساب اور روکنا دو علتوں میں سے ایک کے ساتھ ثابت ہوتا ہے تو جانور جب کسی کا کھیت خراب کر دے تو یہاں گناہ نہیں ہے لیکن اسے روکنا دو علتوں میں سے ایک کے ساتھ ثابت ہوتا ہے البتہ یہاں ایک دقیق بات ہے وہ یہ کہ جانور کو کھیت سے

نکالنے کا مقصد جانور کو روکنا نہیں ہوتا بلکہ ایک مسلمان کے مال کو محفوظ رکھنا ہے کیوں کہ اگر جانور کسی مردار کو کھالے یا کسی
برتن سے شراب پی لے یا ایسا پانی پیئے جس میں شراب ملی ہوتی ہو تو ہم اسے اس حرکت سے نہیں روکتے بلکہ شکاری کتوں کو
مردار کا گوشت کھلانا جائز ہے لیکن جب مسلمان کا مال ضائع ہو رہا ہو اور ہم کسی مشقت کے بغیر اس کی حفاظت کر سکتے
ہوں تو ہم پر اس کے مال کی حفاظت واجب ہے بلکہ اگر کسی انسان کا گھڑا اوپر سے گرے اور نیچے کسی دوسرے آدمی کا لوٹا
رکھا ہوا ہو تو گھڑے کو دور کریں گے تاکہ لوٹا بچ جائے گھڑے کو اس بات سے روکنا مقصود نہیں ہوتا کہ وہ لوٹے کو نہ
توڑے۔ ہم پاگل آدمی کو زنا سے اور جانور کے پاس جانے سے نیز شراب نوشی سے روکتے ہیں نیز بچے کو بھی (شراب نوشی
سے) روکتے ہیں تو اس کا مقصد اس جانور یا شراب کو بچانا مقصود نہیں ہوتا بلکہ پاگل کو شراب نوشی سے بچانا مقصود ہوتا
ہے کیونکہ وہ "قابلِ احترام انسان" ہے۔

تو یہ باریک باتیں ہیں جن کو اہلِ تحقیق ہی جانتے ہیں لہٰذا ان سے غافل نہیں ہونا چاہیے پھر جن کاموں سے بچے اور پاگل
کو بچانا واجب ہے ان میں بحث ہے کیوں کہ ان کو ریشمی لباس پہننے اور اس قسم کے دوسرے کاموں سے روکنے میں
تردد ہوتا ہے ہم تیسرے باب میں اس بات کی طرف اشارہ کریں گے۔ اگر تم کہو کہ کیا جو شخص بھی کسی جانور کو کسی شخص کی کھیتی میں
کھلا پھرتا دیکھے تو اس پر واجب ہے کہ اسے وہاں سے نکال دے اور جو آدمی کسی مسلمان کا مال ضائع ہوتا ہوا دیکھے تو اس پر
اس کی حفاظت واجب ہے؟

اگر تم کہو کہ یہ واجب ہے تو ایک سخت مشقت ہے اس کا مطلب یہ ہوگا کہ وہ عمر بھر دوسروں کے لیے مسخر رہے اور
اگر تم کہو کہ واجب نہیں ہے تو جو آدمی کسی دوسرے کا مال چھین لے اس کو روکنا کیوں واجب ہوتا ہے اس میں دوسرے کے
مال کی رعایت کے علاوہ کوئی بات نہیں ہے؟

تو ہم کہتے ہیں یہ بھی ایک نہایت گہری دقیق بحث ہے اس سلسلے میں مختصر بات یہ ہے کہ جب کسی جسمانی مشقت مالی نقصان
یا عزت و مرتبہ کے نقصان کے بغیر اس کو بچانے پر قادر ہو تو واجب ہے تو مسلمانوں کے حقوق کے سلسلے میں اس قدر
واجب ہے بلکہ درجاتِ حقوق میں سے یہ کم درجہ ہے مسلمانوں کے حقوق کو واجب کرنے والے دلائل بہت زیادہ ہیں اور
یہ ان میں سے کم درجہ ہے سلام کا جواب دینے کے وجوب کی نسبت اس کا واجب ہونا اولیٰ ہے بلکہ اس سلسلے میں کوئی
اختلاف نہیں کہ جب کسی انسان کا مال ظالم کے ظلم کے باعث ضائع ہو رہا ہو اور اس کے پاس ایسی گواہی ہو کہ اگر وہ بیان
کردے تو اسے اس کا حق مل جائے تو اس پر واجب ہے کہ گواہی پیش کرے اگر گواہی چھپائے گا تو گناہ گار ہوگا۔

گواہی کو چھوڑنے کا مطلب یہ ہے کہ ہر وہ بات جس میں دوسرے کا فائدہ ہو اور اپنا نقصان نہ ہو اس کو چھوڑنے سے
گناہ گار ہوگا البتہ اگر اس سلسلے میں اسے مشقت اٹھانا پڑے یا مالی نقصان ہوتا ہے یا منصب میں فرق پڑتا ہو تو اس صورت
میں ضروری نہیں ہے کہ دوسرے کے حق کی حفاظت کرے کیونکہ اس کا اپنا بدنی اور مالی نفع نیز عزت و مرتبہ دوسرے کے

حق کی طرح قابل رعایت ہے لہٰذا دوسرے پر اپنے آپ کو فدا کرنا ضروری نہیں ہے ہاں ایثار مستحب ہے اور مسلمانوں کے لیے مصائب برداشت کرنا عبادت ہے لیکن واجب نہیں ہے تو اگر کھیتی سے جانور کو نکالنا باعث مشقت ہو تو اس سلسلے میں کوشش واجب نہیں ہوگی لیکن مالک کو نیند سے بیدار کرنے یا اسے آگاہ کرنے کے اعتبار سے باعث مشقت نہ ہو تو اس پر لازم ہے کہ اطلاع کرے اب اسے بتانے اور خبردار کرنے میں کوتاہی کرنا اسی طرح ہے جیسے قاضی کے سامنے گواہی نہ دینا۔ اور اس کی اجازت نہیں ہے، اور اس سلسلے میں قلیل وکثیر کی رعایت ممکن نہیں ہے حتیٰ کہ کہا جائے کہ جانور کو نکالنے والا جتنی دیر اس میں مشغول ہوگا تو اس کا ایک درہم کا نقصان ہوگا اور کھیتی والے کا زیادہ نقصان ہوگا تو اس صورت میں کھیتی والے کے حق کو ترجیح دے کیونکہ جو اس کا اپنا ایک درہم ہے اس کی حفاظت پر اس پر لازم ہے، جس طرح کوئی شخص ایک ہزار درہم کا مالک ہو تو ایک ہزار کی حفاظت ضروری ہے لیکن جب مال کسی گناہ کے طریقے پر ضائع ہو رہا ہو جیسے غصب کرنا یا کسی دوسرے شخص کے غلام کو قتل کرنا تو اس سلسلے میں روکنا واجب ہے اگرچہ اس میں کچھ مشقت برداشت کرنا پڑے کیوں کہ مقصود حق شریعت ہے اور گناہ کو دور کرنا ہماری غرض ہے اور انسان پر لازم ہے کہ گناہ کو دور کرنے کی خاطر اپنے آپ کو مشقت میں ڈالے جیسے اس پر لازم ہے کہ گناہ چھوڑنے کی صورت میں مشقت برداشت کرے اور کوئی گناہ ایسا نہیں ہے جس کو چھوڑنے میں مشقت برداشت نہ کی جاتی ہو تمام عبادات، نفس کی مخالفت کی طرف لوٹتی ہیں اور یہ انتہائی درجے کی مشقت ہے پھر اس پر لازم نہیں کہ ہر طرح کا ضرر برداشت کرے بلکہ اس میں وہی تفصیل ہے جو ہم نے ذکر کی ہے کہ ممنوعات کے مختلف درجات ہیں ہم نے محبت کے بیان میں ان کا ذکر کر دیا ہے۔

دو مسئلوں میں فقہاء کرام کا اختلاف ہے اور وہ ہماری غرض کے قریب ہیں۔

ان میں سے ایک یہ ہے کہ گری پڑی چیز کو اٹھانا واجب ہے کیونکہ اٹھانے والا اس کو ضائع ہونے سے بچاتا ہے اور اس کی حفاظت کی کوشش کرتا ہے اس سلسلے میں ہمارے نزدیک حق یہ ہے کہ اس میں تفصیلی گفتگو کرتے ہوئے کہا جائے کہ اگر وہ گری ہوئی چیز ایسی جگہ ہو کہ اسے وہاں چھوڑ دیا جائے تو ضائع نہیں ہوگی بلکہ اسے وہ شخص اٹھائے گا جو اس کا اعلان کرے گا یا اسے چھوڑ دے گا جیسے کوئی چیز مسجد میں ہو یا کسی وقف مکان میں ہو وہاں جانے والے لوگ مخصوص ہوں اور وہ سب کے سب امین ہوں تو اس صورت میں اسے اٹھانا ضروری نہیں اور اگر ایسی جگہ ہو جہاں اس کے ضائع ہونے کا خوف ہو تو غور وفکر کرے اگر اس کی حفاظت باعثِ مشقت ہو جیسے وہ جانور ہو اور گھاس اور اصطبل کی ضرورت ہو تو اس پر اسے لے جانا لازم نہیں کیونکہ اسے لے جانا مالک کے حق کے طور پر تھا اور اس کا حق اس لیے ہے کہ وہ انسان ہے اور قابل احترام ہے اور لے جانے والا بھی انسان ہے اور اس کا حق یہ ہے کہ وہ کسی دوسرے کے لیے مشقت برداشت نہ کرے جیسے کوئی دوسرا اس کے لیے مشقت برداشت نہیں کرتا۔

اور اگر سونا یا کپڑا یا کوئی اور چیز ہو جس کی وجہ سے اسے کوئی نقصان نہ ہوتا ہو صرف اتنی بات ہے کہ اسے کا اعلان کرنا

پڑتا ہے تو اس سلسلے میں دو قول ہیں بعض لوگوں کا خیال ہے کہ اس کا اعلان کرنے اور اس کی شرطوں کو بجالانے میں مشقت ہوتی ہے لہذا اس پر اسے اٹھانا لازم کرنے کی کوئی صورت نہیں ہے البتہ وہ خود بخود اس مشقت کو برداشت کرے تو اسے ثواب ملے گا اور دوسرے حضرات کہتے ہیں کہ مسلمانوں کے حقوق کی رعایت کے مقابلے میں یہ مشقت بہت ہلکی اور کم ہے یہ مشقت اس گواہ کی مشقت کی طرح ہے جو حاکم کی مجلس میں حاضر ہوتا ہے کیونکہ کسی دوسرے شہر کی طرف سفر کرکے جانا نہیں پڑتا ہاں یہ کہ وہ مدعی پر احسان کر رہا ہے اگر قاضی کی مجلس اس کے پڑوس میں ہو تو حاضری لازم ہوگی۔

اور وہ جتنے قدم چل کر جائے شہادت دینے اور امانت کی ادائیگی کی وجہ سے یہ شہادت تھکاوٹ شمار نہیں ہوگی اور اگر قاضی کی عدالت شہر کی دوسری جانب ہو اور اسے وہاں دوپہر کے وقت سخت گرمی میں جانا پڑے تو یہ صورت قابل غور ہے، کیوں کہ دوسرے کے حق کے لیے کوشش کرنے والا جو مشقت برداشت کرتا ہے اس میں قلت بھی ہے اور کثرت بھی، مشقت تھوڑی ہو تو اس کی پرواہ نہیں کی جاتی اور جب زیادہ ہو تو یقیناً اسے برداشت کرنا اس پر لازم نہیں اور اگر درمیان میں ہو تو اسے دونوں طرفیں کھینچتی ہیں اور وہ ہمیشہ شبہ اور غور و فکر کے محل میں رہتی ہے اور یہ پرانے شبہات سے ہے جس کا ازالہ کرنا انسانی طاقت میں نہیں ہے کیونکہ اس کے وہ اجزاء جو ایک دوسرے کے قریب ہیں ان کے درمیان فرق کرنے کے لیے کوئی علامت نہیں لیکن متقی شخص کو اپنے لیے اس میں غور و فکر کرنا چاہیے اور وہ شک والی بات کو چھوڑ اسے اختیار کرے جس میں کوئی شک نہیں تو اس معاملے میں یہ انتہائی تحقیق ہے۔

چوتھا رکن نفس احتساب:

اس کے کئی درجے اور آداب ہیں، درجات یہ ہیں۔

پہلے برائی کی پہچان کرنا پھر اس سے آگاہ کرنا اس کے بعد روکنا، بعد ازاں وعظ و نصیحت کرنا پھر سخت کلامی سے پیش آنا، اس کے بعد ہاتھ سے بدلنا پھر مار پیٹ کی دھمکی دینا اس کے بعد مارنا بعد ازاں ہتھیار نکال لینا اور اس کے بعد مددگاروں اور لشکروں کے ذریعے غلبہ حاصل کرنا۔

پہلا درجہ:

برائی کے ارتکاب کی تلاش کرنا ہے اور ایسا کرنا ممنوع ہے کیوں کہ یہ تجسس ہے جس کا ہم نے ذکر کیا ہے ایسا نہیں ہونا چاہیئے کہ وہ کسی دوسرے کے دروازے پر کان لگا کر باجوں کی آوازیں سنے اور نہ ہی شراب کی بو معلوم کرنے کے لیے سونگھے اور نہ اس چیز کو ٹٹولے جو اس کے پاس کپڑے میں ہے تاکہ مزمار (گانے بجانے کا آلہ) کی پہچان ہو اور نہ اس کے پڑوسیوں سے پوچھے کہ وہ اسے بتائیں کہ اس کے گھر میں کیا ہوتا ہے۔

ہاں اگر دو عادل (غیر فاسق) آدمی اسے خود بخود خبر دیں کہ فلاں شخص اپنے گھر میں شراب پیتا ہے اور اس کے گھر میں شراب ہے جو پینے کے لیے تیار کی گئی ہے تو اس وقت وہ اس کے گھر میں داخل ہو سکتا ہے اور اب اس پر اجازت

طلب کرنا لازم نہیں ہے، برائی سے خاتمے کے لیے دوسرے کی ملکیت میں جانا اسی طرح ہے جیسے روکنے کی خاطر ضرورت کے وقت اس کا سر پھوڑ دینا، اگرچہ اسے دو یا ایک عادل آدمی خبر دے اور اگر ایسا شخص خبر دے جس کی روایت یا گواہی قبول نہیں ہے تو ایسی صورت میں کسی کے گھر پر چڑھ دوڑنے کے جواز میں احتمال ہے بہتر یہی ہے کہ وہاں نہ جائے کیوں کہ آدمی کا حق ہے کہ کوئی شخص اس کے گھر میں اس کی اجازت کے بغیر نہ آئے اور کسی مسلمان کا حق جو ثابت ہو چکا ہو جب تک دو گواہ اس کے خلاف گواہی نہ دیں، ساقط نہیں ہوتا۔

اور اس صورت میں بھی یہی کچھ ہوگا، کہا گیا ہے کہ حضرت لقمان کی انگوٹھی پر یہ الفاظ کندہ تھے "تم نے جو کچھ دیکھا اس پر پردہ ڈالنا اس بات کو پھیلانے سے بہتر ہے جس کا تمہیں (محض) گمان ہو (یقین نہ ہو)۔

دوسرا درجہ:

دوسرا درجہ آگاہ کرنے کا درجہ ہے بعض اوقات برائی کا مرتکب جہالت کی وجہ سے اس کا ارتکاب کرتا ہے اور جب اسے معلوم ہو جائے کہ یہ برائی ہے تو وہ اسے چھوڑ دیتا ہے جیسے ایک دیہاتی ان پڑھ آدمی نماز پڑھتا ہے لیکن اچھی طرح رکوع و سجود نہیں کر سکتا تو یہی معلوم ہوتا ہے کہ وہ اس بات سے بے خبر ہے کہ اس طرح پڑھنے سے نماز نہیں ہوتی اور اگر وہ نمازی ہونے پر راضی نہ ہوتا تو نماز پڑھنا بالکل چھوڑ دیتا لہٰذا اس شخص کو کسی سختی کے بغیر محض نرمی سے سمجھانا چاہیے اس کی وجہ یہ ہے کہ آگاہ کرنے میں اسے جہالت اور بیوقوفی سے منسوب کیا جاتا ہے اور کسی کو جاہل قرار دینا اسے ایذا پہنچانا ہے اور بہت کم لوگ اس بات پر راضی ہوتے ہیں کہ انہیں جاہل قرار دیا جائے بالخصوص شرعی مسائل میں، —— یہی وجہ ہے کہ جس آدمی پر غصہ غالب ہو اگر اسے اس کی خطا اور جہالت پر مطلع کیا جائے تو تم دیکھو گے وہ کس قدر غصے میں آتا ہے اور حق کو پہچاننے کے باوجود وہ کس طرح اس سے انکار کرتا ہے کیونکہ اسے اپنی جہالت کا پردہ فاش ہونے کا ڈر ہوتا ہے اور انسانی طبیعتیں پردے کے حقیقی مقام (پیشاب کی جگہ) کو چھپانے کی نسبت جہالت پر پردہ ڈالنے کی زیادہ حریص ہوتی ہیں کیوں کہ جہالت نفس کی بدصورتی ہے، چہرے کی سیاہی ہے اور جاہل آدمی اس کی وجہ سے ملامت کیا جاتا ہے۔ بول و براز کی جگہوں کی برائی بدنی صورت کی طرف لوٹتی ہے اور نفس، بدن سے زیادہ شرافت رکھتا ہے اور اس کی برائی جسمانی برائی سے زیادہ شدید ہوتی ہے پھر یہ کہ اس کی وجہ سے اسے ملامت نہیں کیا جاتا کیونکہ یہ چیز پیدائشی ہے اور اس کا حصول اس کے اختیار میں نہیں ہے اور نہ ہی اسے دور کر کے اسے اچھا بنا لینا اس کے بس میں ہے جب کہ جہالت ایسی خرابی ہے جسے زائل کرنا اور علم کے حسن سے تبدیل کرنا ممکن ہے اسی لیے جب انسان کی جہالت ظاہر ہو تو اسے بہت تکلیف پہنچتی ہے اور علم کے ظاہر ہونے میں اس کے لیے بہت زیادہ خوشی ہوتی ہے اور جب اس کے علم کا جمال دوسروں کے سامنے ظاہر ہو تو زیادہ لذت پاتا ہے۔

تو جب آگاہ کرنا پردہ فاش کرنا ہے اور یہ قلبی اذیت کا باعث ہے اور ضروری ہے کہ اس کی اذیت کو نرمی سے

ساتھ دُور کیا جائے۔

تو ہم اس ان پڑھ دیہاتی سے یوں کہیں گے کہ انسان پیدائشی طور پر عالم نہیں ہوتا، ہمیں بھی نماز کے مسائل کا علم نہیں تھا تو ہمیں علماء کرام نے سکھایا شاید تمہارے گاؤں میں کوئی عالم نہیں ہے یا وہ نماز کے مسائل کی تشریح نہیں کر سکتا اس کی تشریح یہ ہے کہ نماز اطمینان سے پڑھی جائے اور رکوع و سجود میں اطمینان اختیار کرنا شرط ہے۔

تو اس طرح اس سے نرمی کا انداز برتا جائے تاکہ کسی اذیت کے بغیر وہ مسائل کو سمجھ سکے کیوں کہ مسلمان کو تکلیف پہنچانا حرام ہے جیسے اس کو برائی پر برقرار رہنے دینا حرام ہے اور کوئی بھی عقلمند شخص خون کو خون کے ساتھ یا پیشاب کے ساتھ نہیں دھوتا۔

تو جو شخص برائی پر خاموشی کے خطرے سے بچتے ہوئے اس طرح آگاہ کرے کہ اس سے مسلمان کو اذیت پہنچے تو گویا اس نے خون کو پیشاب کے ساتھ دھویا۔

اور جب دوسرے آدمی کی غلطی دین کے علاوہ کسی بات میں ظاہر ہو تو اس کا رد نہیں کرنا چاہیئے کیوں کہ وہ تم سے ایک بات سیکھے گا اور تمہارا دشمن بن جائے گا البتہ جب تم سمجھو کہ وہ اس علم کو غنیمت سمجھے گا اور ایسے لوگ بہت کم ہیں۔

تیسرا درجہ:

وعظ و نصیحت اور خوف خدا کے ذریعے روکنا۔

اور یہ ان لوگوں کے لیے ہے جو برائی کو برائی جانتے ہوئے اس کے مرتکب ہوتے ہیں یا اس عمل کے برا ہونے کا علم ہونے کے باوجود اس پہ ڈٹ جاتے ہیں جیسے وہ شخص جو ہمیشہ شراب پیتا ہے یا مسلسل ظلم کرتا ہے یا مسلمانوں کی غیبت میں مشغول رہتا ہے،

یا اس طرح کے دوسرے گناہوں کا ارتکاب بار بار کرتا ہے۔

تو مناسب یہ ہے کہ اسے نصیحت کی جائے اور اللہ تعالیٰ سے ڈرایا جائے اور اس کو وہ روایات سنائی جائیں جو ان امور سے ڈرانے کے سلسلے میں آئی ہیں نیز اس کے سامنے بزرگان دین کے واقعات اور متقی لوگوں کی عبادت کا ذکر کیا جائے لیکن یہ سب کچھ نہایت شفقت کے ساتھ ہو اس میں کسی قسم کی سختی اور غصہ نہیں ہونا چاہیے بلکہ اس کی طرف رحمت کی نگاہ کی جائے۔ اس کے گناہ میں مبتلا ہونے کو یوں سمجھے کہ خود گناہ میں مبتلا ہے کیوں کہ تمام مسلمان ایک نفس کی طرح ہیں اور یہاں ایک بہت بڑی آفت ہے جس سے بچنا لازم ہے کیونکہ وہ ہلاک کرنے والی ہے، وہ یہ کہ جب کوئی عالم کسی کو (دین کے مسائل سے) آگاہ کرتا ہے تو علم کی وجہ سے اپنے آپ کو معزز اور دوسرے کو جہالت کی وجہ سے ذلیل سمجھتا ہے بلکہ بعض اوقات اسے مسئلہ اس لیے بتاتا ہے کہ اسے ذلیل کرنا اور اپنے آپ کو علم کی بنیاد پر ممتاز کرنا مقصود ہوتا ہے اگر تبلیغ کا مقصد یہ بات ہو تو وہ اس برائی سے زیادہ قبیح ہے جس میں وہ شخص مبتلا ہے اور اس قسم کے محتسب کی مثال اس شخص جیسی ہے جو دوسرے کو آگ سے بچاتا ہے

اور اپنے آپ کو جلاڈالتا ہے اور یہ انتہائی درجے کی جہالت ہے اس میں قدم بہت زیادہ پھسلتے ہیں اور یہ ایک خطرناک آفت ہے اور یہ شیطان کا عجیب جال ہے جس میں وہ ہر شخص کو پھنسالیتا ہے ہاں وہ شخص بچتا ہے جسے اللہ تعالیٰ اس کے نفسانی عیبوں پر مطلع کرے اور اپنے نور ہدایت سے اس کی بصیرت کو کھول دے کیونکہ غیر پر حکومت کرنے سے دو وجہ سے بہت بڑی لذت حاصل ہوتی ہے ایک علم کے اعتبار سے فخر اور دوسرا حکومت وسلطنت کا فخر۔ اس کا نتیجہ ریاکاری اور طلب مرتبہ ہے اور یہ ایک مخفی خواہش ہے جو شرک خفی تک پہنچاتی ہے اور اس کے لیے ایک میزان ہے جس کے ذریعے محتسب کو اپنی آزمائش کرنی چاہیے وہ یہ کہ جو شخص برائی میں مبتلا ہے وہ خود برائی سے رک جائے یا کسی دوسرے آدمی کے سمجھانے سے رک کے اس کو یہ بات اس بات سے زیادہ پسند ہو کہ یہ خود اسے روکے اگر احتساب کرنا اسے مشکل محسوس ہوتا ہے اور اس پر گراں گزرتا ہے اور وہ چاہتا ہے کہ کوئی دوسرا یہ فریضہ انجام دے تو اب اسے احتساب کرنا چاہیے کیونکہ اس سوچ کے ساتھ احتساب دین کے لیے ہے اور اگر یہ دوسروں کی نسبت خود اس کو وعظ ونصیحت کرنا اور ڈانٹ ڈپٹ کرنا زیادہ پسند کرتا ہے تو اس صورت میں اپنے نفس کی اتباع کر رہا ہے اور اس احتساب کے واسطہ سے اپنے مقام و مرتبہ کو ظاہر کرنا چاہتا ہے تو اب اسے اللہ تعالیٰ سے ڈرنا چاہیے اور پہلے اپنا احتساب کرنا چاہیے ایسے موقعہ کے اعتبار سے وہ قول ہے جو حضرت عیسٰی علیہ السلام سے فرمایا گیا کہ پہلے اپنے آپ کو نصیحت کریں پھر لوگوں کو، ورنہ چھوڑ دیں۔

حضرت داؤد طائی رحمہ اللہ سے پوچھا گیا کہ ایک شخص امراء کے پاس جاکر ان کو نیکی کا حکم دیتا اور برائی سے روکتا ہے تو اس کے بارے میں آپ کی رائے کیا ہے؟ انہوں نے فرمایا مجھے ڈر ہے کہ کہیں اسے کوڑے نہ لگیں، پوچھنے والے نے کہا وہ اس سے زیادہ طاقت والا ہے، فرمایا مجھے اس پر تلوار کے ذریعے حملے کا خوف ہے اس نے کہا وہ اس سے بھی مضبوط ہے، فرمایا مجھے اس کے بارے میں ایک لاعلاج باطنی بیماری کا خوف ہے اور وہ تکبر ہے۔

چوتھا درجہ:

سخت کلامی اور درشتی سے پیش آنا اور یہ اس وقت ہوتا ہے جب نرمی سے منع کرنا ممکن نہ ہو اور گناہ پر اصرار نیز وعظ و نصیحت کا تمسخر اڑانے کی صورت پیدا ہو جائے جیسے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا:

أُفٍّ لَّكُمْ وَلِمَا تَعْبُدُونَ مِن دُونِ اللَّهِ أَفَلَا تَعْقِلُونَ۔ (۱)	تم پر اور تمہارے ان معبودوں پر تف ہے جن کو تم اللہ تعالیٰ کے سوا پوجتے ہو کیا تمہیں عقل نہیں ہے؟

گالی گلوچ یا سخت کلامی سے ہماری مراد یہ نہیں کہ فحش کلامی کرے مثلاً اس پر زنا یا اس کے مقدمات کا الزام لگائے یا جھوٹ باندھے بلکہ وہی بات کہے جو اس میں پائی جاتی ہے اور وہ فحش کلامی میں شمار نہیں ہوتی مثلاً اے فاسق! اے بیوقوف

(۱) قرآن مجید، سورۃ الانبیاء، آیت ۶۷

اور اسے جاہل کہہ کر خطاب کرنا اور کہنا کہ تمہیں خوفِ خدا نہیں ہے یا یوں کہنا اسے دیہاتی! اے بد دماغ! اس طرح کے دوسرے الفاظ کے ساتھ اسے خطاب کرنا کیوں کہ ہر فاسق بیوقوف اور جاہل ہوتا ہے اگر وہ بیوقوف نہ ہوتا تو اللہ تعالیٰ کی نافرمانی نہ کرتا بلکہ جو آدمی بھی سمجھدار نہیں وہ بیوقوف ہے اور سمجھدار وہ ہے جس کی سمجھداری کی گواہی سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے دی ہے آپ نے فرمایا:

اَلْكَيِّسُ مَنْ دَانَ نَفْسَهٗ وَعَمِلَ لِمَا بَعْدَ الْمَوْتِ وَالْاَحْمَقُ مَنِ اتَّبَعَ نَفْسَهٗ هَوَاهَا وَتَمَنّٰى عَلَى اللهِ۔ (۱)

سمجھدار آدمی وہ ہے جس کا نفس اس کے تابع ہو اور وہ موت کے بعد کے لیے عمل کرے اور بیوقوف وہ ہے جو نفسانی خواہشات کے پیچھے چلے اور اللہ تعالیٰ سے تمنا کرے۔

اس رتبہ کے دو ادب ہیں۔ ایک یہ کہ تبلیغ کے لیے یہ طریقہ ضرورت کے بغیر اختیار نہ کرے یعنی جب تک نرم رویہ اختیار کر کے سمجھانے سے عاجز نہ ہو جائے اسے نہ اپنائے۔

اور دوسرا ادب یہ ہے کہ جو کلمات استعمال کرے وہ سچ ہوں اور زبان کو کھلی چھٹی نہ دے کہ ضرورت کے بغیر زبان چلتی رہے بلکہ اسے ضرورت تک محدود رکھے اور اگر محسوس کرے کہ ان کلمات سے بھی اسے کوئی فرق نہیں پڑتا تو اسے چھوڑ نہ دے بلکہ غصے کا اظہار کرے اسے ہلکا سمجھے اور گناہ کی وجہ سے اسے بے قدر سمجھے اور اگر سمجھتا ہے کہ کچھ کہنے کی صورت میں اس سے مار پڑے گی اور اگر تیوری چڑھاؤں گا تو وہ نہیں مارے گا تو یہی طریقہ اختیار کرے محض دل سے برا سمجھنے پر اکتفا کرے بلکہ منہ بگاڑے اور اس سے نفرت کا اظہار کرے۔

پانچواں درجہ:

یہ درجہ ہاتھ سے برائی کو بدلنے کا درجہ ہے، اور یہ گانے بجانے کے آلات کو توڑنا، شراب انڈیلنا اور اس کے سر نیز جسم سے ریشمی کپڑا اتارنا ہے اس کو ریشمی کپڑے پہ بیٹھنے سے روکے اور دوسرے کے مال پہ بیٹھنے سے بھی ہٹا دے۔ اسے غصب شدہ مکان سے پاؤں سے کھینچ کر نکال دے اگر ناپاکی کی حالت میں مسجد میں بیٹھا ہوا ہو تو اسے وہاں سے نکال دے اور اس طرح کی دوسری صورتوں میں یہ طریقہ اختیار کرے یہ درجہ گناہ کی بعض صورتوں میں ہو سکتا ہے لیکن کچھ صورتوں میں ممکن نہیں ہے زبان اور دل کے گناہ کو ہاتھ سے بگاڑنا ممکن نہیں ہے اسی طرح ہر وہ گناہ جو گناہ گار کے نفس اور باطنی اعضا پر منحصر ہو اس درجہ میں بھی دو ادب ہیں۔

ایک یہ کہ اپنے ہاتھ سے اس وقت بدلے جب تک خود اس شخص کے ہاتھوں برائی کو ختم نہ کروا سکے اگر اسے غصب

---

(۱) سنن ابن ماجہ ص ۳۲۴، ابواب الزھد

کی ہوئی زمین اور مسجد سے نکلنے پر مجبور کر سکتا ہے تو خود اسے نکالنا یا کھینچنا مناسب نہیں ہے اسی طرح جب اسے شراب گرانے، گانے بجانے کا سامان توڑنے ریشمی کپڑے کی سلائی ادھیڑنے پر مجبور کر سکے اور وہ شخص خود اپنے ہاتھوں سے یہ کام کرے تو اب محتسب کو خود اپنے ہاتھوں سے یہ کام نہیں کرنا چاہیئے (بلکہ اسی سے کروایا جائے) کیونکہ توڑنے کی حد سے واقفیت مشکل ہے تو جب خود نہیں کرے گا تو اس سلسلے میں اجتہاد سے محفوظ رہے گا اور اسے وہ شخص انجام دے گا جس پر کوئی پابندی نہیں۔

دوسرا ادب یہ ہے کہ جس قدر ضرورت ہو اسی قدر تبدیل کرے مثلاً اسے نکالنے کے لیے اس کی داڑھی نہ پکڑے اور نہ پاؤں سے کھینچے جب ہاتھ سے پکڑ کر نکال سکتا ہو کیونکہ اس میں زیادہ اذیت کی ضرورت نہیں ہے۔

اسی طرح ریشمی کپڑے کو پھاڑنے کی بجائے اس کی سلائی کھول دے۔ گانے بجانے کے آلات اور عیسائیوں کی صلیب کو جلانے کی بجائے توڑ دے اور اس طرح اس کے فساد کی صلاحیت کو ختم کر دے اور توڑنے کی حد یہ ہے کہ وہ ایسی حالت کو پہنچ جائے کہ اب اسے کام میں لانے کے لیے اس قدر مشقت اٹھانا پڑے جس قدر ابتدائی طور پر بناتے میں ہوتی ہے شراب گراتے وقت خیال کرے کہ برتن نہ ٹوٹے اگر ایسا ممکن ہو اگر برتن کو پتھر مار کر توڑنے کے علاوہ کوئی چارۂ کار نہ ہو تو اجازت ہے۔ اور برتن کی قیمت ساقط ہو جائے گی کیونکہ وہ شراب کے سبب سے قیمتی تھا اس لیے شراب بہانے کے راستے میں یہی رکاوٹ تھا۔

اگر وہ شراب کو اپنے برتن سے چھپاتا تو ہمیں اس تک پہنچنے کے لیے اس کے جسم کو زخمی کرنا پڑتا تو برتن اس کی نفس کی حرمت سے زیادہ قیمتی نہیں ہیں۔ اور اگر شراب ایسی شیشیوں میں ہو جن کی منہ تنگ ہوں اور اس کو گرانے میں زیادہ وقت صرف ہوتا ہو اور اس بات کا خوف ہو کر فاسق لوگ اسے پکڑ لیں گے اور روکیں گے تو اس عذر کی وجہ سے ان شیشیوں کو توڑنا جائز ہے۔ اور اگر فاسقوں کا ڈر نہ ہو لیکن اس کا وقت ضائع ہو گا اور اس کے کاموں کا حرج ہو گا تو اس صورت میں بھی توڑنا جائز ہے کیونکہ اس پر لازم نہیں ہے کہ شراب کے برتنوں کی خاطر اپنی جسمانی منفعت اور دوسرے کاموں کی غرض کو ضائع کرے اور جب برتنوں کو توڑنے کے بغیر شراب بہا سکتا ہو تو اب توڑنے کی صورت میں تاوان لازم ہو گا۔

اگر کہا جائے کہ شرابخور کو جھڑکنے اور تنبیہ کرنے کی خاطر برتن توڑنے کی اجازت کیوں نہیں ہے اور مغصوبہ زمین سے کسی شخص کو کھینچ کر باہر نکالنے کی اجازت کیوں نہیں دی جاتی ہے تاکہ اچھی طرح تنبیہ ہو جائے؟

تو جان لو کہ مستقبل کے اعتبار سے زجر و توبیخ اور ماضی کے اعتبار سے سزا ہوتی ہے اور موجودہ برائی سے روکنا ہوتا ہے اور رعایا کے افراد کو صرف برائی دور کرنے کا حق ہے اس سے بڑھ کر یا تو سابق جرم کی سزا ہو گی یا آئندہ کے لیے جھڑکنا اور تنبیہ کرنا ہوتا ہے اور اس کا اختیار حکمرانوں کو حاصل ہوتا ہے رعایا کو نہیں۔ حکمران اگر اس میں کوئی بھلائی دیکھے تو ایسا کر سکتا ہے۔

میں کہتا ہوں کہ حاکم زجر کے طور پر شراب کے برتنوں کو توڑنے کا حکم دے سکتا ہے اور رسول اکرم صلی اللہ

علیہ وسلم کے زمانے میں زجر کی تاکید کے طور پر ایسا ہوا (۱)

اور اس کا منسوخ ہونا ثابت نہیں ہے البتہ اس وقت زجر اور اس بُری عادت کو چھڑانے کی حاجت زیادہ تھی جب حکمران اپنے اجتہاد سے اس قسم کی حاجت دیکھے تو وہ بھی یہ طریقہ اختیار کر سکتا ہے تو جب اس کا دارومدار ایک دقیق اجتہاد پر ہے تو رعایا میں سے کسی اس کا حق نہیں پہنچتا۔

اگر تم کہو کہ بادشاہ کے لیے جائز ہونا چاہیے کہ وہ لوگوں کو ڈانٹ ڈپٹ کرنے کی خاطر ان کے مالوں کو ضائع کر دے اور جن مکانوں میں وہ شراب پیتے اور اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کرتے ہیں انہیں برباد کر دے نیز جن مالوں کے ذریعے وہ گناہ تک پہنچتے ہیں ان کو جلا دے۔

تو جان لو! اگر اس سلسلے میں شرعی حکم ہوتا تو وہ کسی مصلحت سے خالی نہ ہوتا لیکن مصلحتوں کو ایجاد نہیں کرتے بلکہ اس سلسلے میں اتباع کرتے ہیں اور شدید حاجت کے وقت شراب کے برتنوں کو توڑنا ثابت ہے اور اس کے بعد شدید حاجت نہ ہونے کی وجہ سے اس پر عملدرآمد نہ ہونا اس کے منسوخ ہونے کی علامت نہیں ہے بلکہ حکم، علت نے زائل ہونے سے زائل ہو جاتا ہے اور علت کے لوٹ آنے سے حکم بھی لوٹ آتا ہے اور ہم نے حکمران کے لیے اس کے جواز کا حکم اتباع کے طور پر بھی دیا ہے اور رعایا کو اس لیے روکا کہ ان کے لیے وجہ اجتہاد مخفی ہوتی ہے بلکہ ہم کہتے ہیں کہ اگر پہلے شراب بہا دی جائے تو اب برتنوں کو نہ توڑا جائے بلکہ ان کو شراب کے تابع کرتے ہوئے توڑا جاتا ہے اور اگر وہ شراب سے خالی ہوں تو یہ مال کو ضائع کرنا ہے لیکن اگر وہ شراب سے اس قدر ملوث ہوں کہ کسی دوسرے کام نہ آسکتے ہوں تو اب ان کو توڑنا جائز ہے کیوں کہ پہلے دور سے جو فعل منقول ہے اس میں دو وجہیں تھیں۔

ان میں سے ایک وجہ یہ تھی کہ زجر و توبیخ کی حاجت زیادہ تھی۔

دوسرا یہ کہ برتن شراب کے تابع تھے اور وہ ان میں بھری ہوتی تھی۔ اور یہ دونوں وجہیں موثر ہیں ان کو حذف نہیں کیا جا سکتا۔

تیسری وجہ یہ ہے کہ اس فعل کا صدور حکمران کی اجازت سے ہوا کیونکہ وہ زجر کی شدت کا علم رکھتا ہے تو یہ صورت بھی موثر ہے اسے لغو قرار دینا صحیح نہیں۔

تو یہ دقیق فقہی تصرفات ہیں محتسب بہر حال ان کی معرفت کا محتاج ہوتا ہے۔

چھٹا درجہ:

ڈرانا دھمکانا، مثلاً یوں کہے کہ اس کام کو چھوڑ دو ورنہ تمہارا سر پھوڑ دوں گا یا تمہاری گردن مار دوں گا یا کسی کو حکم

(۱) جامع الترمذی ص ۲۰۶ ابواب البیوع

دوں گا تو وہ تمہیں مارے گا اس قسم کے الفاظ استعمال کرے۔

اور مناسب یہ ہے کہ واقعی مارنے سے پہلے یہ طریقہ اختیار کرے اگر ایسا کرنا ممکن ہو اس درجہ میں ادب یہ ہے کہ ایسی سزا کی دھمکی بھی نہ دے جو سزا دے نہیں سکتا مثلاً یوں کہنا کہ میں تیرا مکان لوٹ لوں گا یا تیرے بیٹے کو مار دوں گا یا تیری بیوی کو قید کر دوں گا اور اس طرح کی دوسری دھمکیاں دینا۔

بلکہ اگر وہ یہ کام کرنے کے ارادے سے کہتا ہے تو یہ حرام ہے اور اگر ارادہ نہیں ہے تو جھوٹ ہے، ہاں اگر وہ مارنے وغیرہ کی دھمکیوں کی پرواہ نہ کرے تو اس حد تک پختہ ارادہ کرے جو حالات کے تقاضے کے مطابق ہو اور محتسب کے لیے جائز ہے کہ جس قدر قصداس کے دل میں ہے اس سے بڑھ کر کہے اگر وہ سمجھے کہ اس سے برائی کا قلع قمع ہو جائے گا اور یہ ممنوع جھوٹ نہیں ہے بلکہ اس سلسلے میں مبالغہ کرنا عام مروج ہے جیسے دو آدمیوں کے درمیان صلح کرانے یا دو سوکنوں کے درمیان الفت پیدا کرنے کی خاطر مبالغہ کیا جاتا ہے ضرورت کی وجہ سے اس کی اجازت دی گئی ہے اور یہ جھوٹ بھی اسی حکم میں ہے کیونکہ اس کا مقصود اس آدمی کی اصلاح ہے بعض لوگوں نے اسی مفہوم کی طرف اشارہ کیا ہے انہوں نے کہا کہ اگر اللہ تعالیٰ کسی چیز سے ڈرائے اور پھر اس پر عمل نہ کرے تو اس میں کوئی برائی نہیں۔ کیونکہ عذاب کے وعدہ کو پورا نہ کرنا اس کا کرم ہے شرابی تو اس صورت میں ہے جب کسی چیز کا وعدہ کر کے اسے نہ کرے اور یہ بات ہمارے نزدیک پسندیدہ نہیں ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کا کلام قدیم ہے اس کے خلاف نہیں ہوتا چاہے وہ وعدہ ہو یا وعید، یہ بات بندوں کے حق میں متصور ہوتی ہے اور وہ اسی طرح ہے کیونکہ وعید (سزا کا وعدہ) پورا نہ کرنا حرام نہیں ہے۔

ساتواں درجہ:

یہ درجہ ہاتھوں اور پاؤں وغیرہ سے مارنا ہے لیکن اس میں ہتھیار نکالنا شامل نہیں ہے یہ عمل ضرورت کے تحت اور برائی کو دور کرنے کے لیے بقدر ضرورت رعایا کے لیے بھی جائز ہے لیکن جب برائی ختم ہو جائے تو اب رک جانا چاہیے، جیسے قاضی مدعیٰ علیہ کو ثبوت حق کے بعد اس وقت تک قید میں رکھتا ہے جب تک وہ حق ادا نہ کر دے اور اگر قیدی ڈٹ جائے اور قاضی جانتا ہے کہ یہ شخص حق ادا کر سکتا ہے۔ ن جان بوجھ کر انکار کرتا ہے تو اسے حق ہے کہ ضرورت کے مطابق بتدریج اسے مارنے کا حکم دے کر حق دلوائے، اسی طرح محتسب بھی تدریج کی رعایت کرے اور اگر ہتھیار نکالنے کی ضرورت ہو اور ہتھیار نکالنے اور زخمی کرنے کے ذریعے برائی کو دور کرنے پر قادر ہو تو یہ طریقہ اختیار کرے بشرطیکہ فتنہ نہ پھیلے مثلاً کوئی فاسق کسی عورت پر قبضہ کر لے یا مزمار (بانسری) بجا رہا ہو اور اس کے اور محتسب کے درمیان کوئی نہر حائل ہو یا کوئی دیوار مانع ہو تو تیر کمان لے کر اسے دھمکی دیتے ہوئے کہے کہ یہ کام چھوڑ دو ورنہ تم پر تیر چلاؤں گا اگر وہ نہ چھوڑے تو اسے مارنا جائز ہے لیکن ایسی جگہ نہ مارے جس سے وہ مر جائے بلکہ اس کی ران یا پنڈلی یا اس طرح کی کسی دوسری جگہ مارے اور اس میں بھی تدریج کا خیال رکھے اسی طرح تلوار بھی نکال سکتا ہے اس سے کہے کہ یہ کام چھوڑ دو ورنہ

میں تمہیں ماروں گا تو یہ تمام صورتیں برائی کو ختم کرنے کی صورتیں ہیں اور برائی کو جس طریقے پر بھی ممکن ہو دُور کرنا واجب ہے۔ اور اس سلسلے میں کوئی فرق نہیں کہ وہ حقوق اللہ سے متعلق ہے یا انسانوں کے حقوق سے ـــــ معتزلہ (جو اہل سنت سے خارج ایک فرقہ ہے) کہتے ہیں کہ جو بات انسانوں سے متعلق نہیں ہے اسے میں صرف زبانی طور سمجھانے یا مارنے کے ذریعے احتساب ہو سکتا ہے اور وہ بھی حکمران کر سکتا ہے عام آدمی کو اس کا حق حاصل نہیں ہے۔

آٹھواں درجہ:

جب آدمی اکیلا برائی کو ختم کرنے پر قادر نہ ہو اور اس سلسلے میں معاونین کا محتاج ہو جو ہتھیار نکالیں بعض اوقات فاسق بھی اپنے ساتھیوں سے مدد لیتا ہے اور اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ دونوں جماعتیں ایک دوسرے کے مقابل آ کر لڑتی ہیں۔ تو اس صورت میں اختلاف ہے کہ کیا امام کی اجازت کی ضرورت ہو گی یا نہیں۔

کچھ حضرات کا خیال ہے کہ عام لوگ اس کے لیے مستقل نہیں ہو سکتے کیوں کہ اس سے فتنے کی تحریک ہوتی ہے فساد برپا ہوتا ہے اور ملک میں تباہی و بربادی پیدا ہوتی ہے۔

لیکن دوسرے حضرات فرماتے ہیں کہ حکمران کی اجازت کی ضرورت نہیں ہے اور زیادہ قرین قیاس یہی بات ہے کیوں کہ جب رعایا کے تمام افراد کو امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی اجازت ہے اور پہلا درجہ دوسرے اور دوسرا تیسرے درجہ کی طرف لے جاتا ہے اور یقیناً یہ صورت باہم مار پیٹ تک پہنچاتی ہے اور مار پیٹ سے تعاون کی ضرورت محسوس ہوتی ہے تو امر بالمعروف کے سلسلے میں جو کچھ لازم آتا ہے اس کی پرواہ نہیں کرنی چاہیے اور اس کی انتہا یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی رضا کے حصول اور برائی کو دُور کرنے کی خاطر لشکر تیار کیا جائے۔ اور ہم غازیوں کے مختلف جماعتوں کو یہ تجویز دیتے ہیں کہ وہ جمع ہو کر کفار کے جس فرقے سے چاہیں لڑیں تاکہ کفار کا قلع قمع ہو۔ اسی طرح فسادیوں کو جڑ سے اکھیڑنا بھی جائز ہے کیوں کہ کافر کو قتل کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے اور اگر مسلمان قتل ہو جائے تو وہ شہید ہے اسی طرح وہ فاسق جو اپنے فسق کی حمایت میں لڑتا ہے اسے قتل کرنے میں بھی کوئی حرج نہیں اگر سچا محتسب بطور مظلوم قتل ہو جائے تو وہ شہید ہے۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ جب احتساب میں یہ نادر صورت پیدا ہو تو اس کے لیے قانون کے قیاس کو بدلا نہیں جائے گا بلکہ یوں کہا جائے گا کہ جو شخص برائی کو دور کرنے پر قادر ہو وہ اسے دُور کرے، ہاتھ کے ذریعے ہو یا ہتھیار کے ذریعے، تنہا دُور کرے یا ساتھیوں کی مدد سے ـــــ تو اس صورت میں اس مسئلہ میں وہ تمام احتمال ہوں گے جو ہم نے ذکر کئے ہیں۔

یہ احتساب کے درجات تھے اب ہم اللہ تعالیٰ کی توفیق سے اس کے آداب ذکر کریں گے۔

محتسب کے آداب

آداب کی تفصیل ہم نے ہر درجہ کے تحت لکھ دی ہے اب ہم ان تمام کو یکجا ذکر کرتے ہیں اور ان کے پیدا ہونے کے

مقامات کو بیان کرتے ہیں۔ تو ہم کہتے ہیں محتسب کے تمام آداب تین صفات سے پیدا ہوتے ہیں (۱) علم (۲) پرہیزگاری (۳) حسن اخلاق۔

علم محتسب کو احتساب کے مواقع، ان کی حدود، جاری ہونے کے مقامات اور رکاوٹوں کا علم ہونا چاہیئے تاکہ وہ اس سلسلے میں حدودِ شریعت پر اکتفا کرے۔

پرہیزگاری پرہیزگاری اس لیے ضروری ہے کہ جو کچھ اسے معلوم ہے اس کی مخالفت نہ کرے کیونکہ ہر عالم اپنے علم کے مطابق عمل نہیں کرتا بلکہ بعض اوقات وہ جانتا ہے کہ وہ احتساب میں اس حد سے تجاوز کر گیا ہے جس کی شریعت نے اجازت دی ہے لیکن اسے کوئی غرض اس بات پر ابھارتی ہے تو اسے پرہیزگار ہونا چاہیے تاکہ اس کا کلام اور وعظ مقبول ہو کیونکہ جب فاسق احتساب کرتا ہے تو اس کا مذاق اڑایا جاتا ہے اور اس وجہ سے لوگ اس پر جرأت کا مظاہرہ کرتے ہیں۔

حسن اخلاق حسن اخلاق اس لیے ضروری ہے کہ وہ نرمی اور ملائمت اختیار کرے جو اس باب میں اصل ہے اور اس میں صرف علم اور پرہیزگاری کافی نہیں ہے کیونکہ جب غصہ جوش میں آتا ہے تو اس کے قلع قمع کے لیے محض علم اور پرہیزگاری کافی نہیں ہوتی جب تک اس کی طبیعت میں حسن اخلاق نہ ہو۔ حقیقت یہ ہے کہ پرہیزگاری کی تکمیل بھی حُسن اخلاق سے ہوتی ہے اور غصے اور شہوت کو کنٹرول کرنے کے لیے بھی حسن اخلاق ہی کارآمد ہے اور اسی کی وجہ سے محتسب دین خداوندی کا حامی ہوتا ہے ورنہ جب اس کی عزت جان اور مال پر گالی وغیرہ سے آفت پڑے گی تو احتساب کو بھول جائے گا، اللہ تعالیٰ کے دین سے غافل ہو جائے گا اور اپنی ذات میں مشغول ہو گا بلکہ بعض اوقات تو نہی عن المنکر سے اس کا مقصد ہی جاہ و مرتبہ کا حصول ہوتا ہے۔

ان تین صفات کے ساتھ احتساب ایک عبادت بن جاتا ہے اور ان کے ذریعے برائی کو دُور کیا جاتا ہے اگر یہ نہ پائی جائیں تو برائی دور نہیں کی جا سکتی بلکہ بعض اوقات جب احتساب شریعت کی حد سے تجاوز کر جاتا ہے تو وہ خود ایک برائی، بن جاتا ہے، ان آداب پر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد گرامی دلالت کرتا ہے

لَا یَاْمُرُ بِالْمَعْرُوْفِ وَلَا یَنْهٰی عَنِ الْمُنْكَرِ اِلَّا رَفِیْقٌ فِیْمَا یَاْمُرُ بِهٖ رَفِیْقٌ فِیْمَا یَنْهٰی عَنْهُ حَلِیْمٌ فِیْمَا یَاْمُرُ بِهٖ حَلِیْمٌ فِیْمَا یَنْهٰی عَنْهُ فَقِیْهٌ فِیْمَا یَاْمُرُ بِهٖ وَیَنْهٰی عَنْهُ (۱)

وہی شخص نیکی کا حکم دے اور برائی سے روکے جو حکم دینے اور روکنے میں نرمی اختیار کرتا ہو جس بات کا حکم دیتا ہے اس میں بردباری اختیار کرے اور جس سے روکتا ہے اس میں بردباری اختیار کرے نیز جس بات کا حکم دیتا ہے اور جس سے روکتا ہے اس کا علم رکھنے والا ہو۔

---

(۱) الفردوس بماثور الخطاب جلد ۵ ص ۱۳۷، ۱۳۸ حدیث ۷۷۱۴۔

یہ حدیث شریف اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ محتسب کا مطلقاً عالم ہونا شرط نہیں بلکہ جس چیز کا وہ حکم دیتا ہے اور جس سے روکتا ہے اس کا عالم ہونا چاہیئے مسئلہ باری کا حکم بھی اسی طرح ہے۔

حضرت حسن بصری رحمہ اللہ فرماتے ہیں جب تم ان لوگوں میں سے ہو جو نیکی کا حکم دیتے ہیں تو لوگوں میں سے سب سے زیادہ تم خود اسے اختیار کرو ورنہ ہلاک ہو جاؤ گے۔

کہا گیا ہے (شعر)

"کسی آدمی کے عمل پر اسے ملامت نہ کرو جب کہ تم خود اس قسم کا کام کرتے ہو کیونکہ جو شخص کسی بات کی مذمت کرتا ہے اور خود اس جیسا کام کرتا ہے تو وہ عقل مند نہیں ہے"

ہماری مراد یہ نہیں ہے کہ فسق کی وجہ سے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر ممنوع ہے لیکن جب محتسب فاسق ہو اور لوگوں کے سامنے اس کا فسق ظاہر ہو تو لوگوں کے دلوں پر اثر انداز نہیں ہو گا۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں ہم نے عرض کیا یا رسول اللہ! کیا جب تک ہم مکمل طور پر عمل نہ کریں ہمیں نیکی کا حکم نہیں دینا چاہیئے اور جب تک ہم خود برائی سے نہ بچیں ہمیں برائی سے نہیں روکنا چاہیئے؟ آپ نے ارشاد فرمایا۔

"نہیں بلکہ تم نیکی کا حکم دو اگرچہ تم مکمل طور پر اس پر عمل پیرا نہ ہو اور برائی سے روکو اگرچہ تم اس سے کلی طور پر اجتناب نہیں کر رہے ہو" (۱)

کسی بزرگ نے اپنے بیٹے کو نصیحت کرتے ہوئے فرمایا اگر تم میں سے کوئی شخص نیکی کا حکم دینا چاہے تو وہ اپنے آپ کو صبر کا خوگر بنائے اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے ثواب پر یقین رکھے جو شخص اللہ تعالیٰ کی طرف سے ثواب کے حصول پر یقین رکھتا ہے اسے تکلیف محسوس نہیں ہوتی۔

تو احتساب کے آداب میں سے صبر کرنا بھی ہے اسی لیے اللہ تعالیٰ نے صبر کو امر بالمعروف کے ساتھ ملایا حضرت لقمان حکیم سے نقل کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

يَا بُنَيَّ أَقِمِ الصَّلٰوةَ وَأْمُرْ بِالْمَعْرُوفِ وَانْهَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَاصْبِرْ عَلٰى مَا أَصَابَكَ (۲)

اے میرے بیٹے نماز قائم کرو نیکی کا حکم دو اور برائی سے روکو اور تمہیں جو اذیت پہنچے اس پر صبر کرو۔

احتساب کے آداب میں سے ایک بات یہ ہے کہ دنیوی تعلق کم ہو تاکہ خوف زیادہ نہ ہو لوگوں سے لالچ ختم کر دے تاکہ اس سے منافقت دور ہو جائے بعض مشائخ سے منقول ہے کہ ان کے پاس ایک بلی تھی اور وہ اپنے پڑوسی قصاب سے روزانہ

---

(۱) مجمع الزوائد جلد ۷، ص ۲۷۷ کتاب الفتن

(۲) قرآن مجید، سورۂ لقمان آیت ۱۷

اپنی بلی کے لیے کچھ چھیچڑے لیا کرتے تھے انہوں نے قصاب سے کوئی برائی دیکھی تو پہلے اپنے گھر میں داخل ہو کر بلی کو نکال دیا پھر اس قصاب کے پاس جا کر اسے برائی سے روکا، قصاب نے کہا میں اس کے بعد آپ کو بلی کے لیے کچھ نہیں دوں گا انہوں نے فرمایا میں نے بلی کو نکالنے کے بعد تمہیں برائی سے روکا اور تم سے لالچ ختم کر دی ہے۔

درحقیقت ان کا قول صحیح ہے کیوں کہ جو شخص مخلوق سے لالچ ختم نہیں کرتا وہ احتساب پر قادر نہیں ہو سکتا۔ اور جس آدمی کا طمع یہ ہو کہ لوگوں کے دل میری طرف سے اچھے ہیں اور ان کی زبانوں سے میری تعریف ہوتی رہے اس کے لیے بھی احتساب کرنا آسان نہیں ہو گا۔

حضرت کعب احبار نے حضرت ابو مسلم خولانی سے فرمایا لوگوں کے درمیان تمہارا مقام کیسا ہے؟ انہوں نے فرمایا اچھا ہے حضرت کعب نے فرمایا تورات کہتی ہے کہ جب کوئی شخص نیکی کا حکم دیتا اور برائی سے روکتا ہے تو لوگ اسے اچھا نہیں سمجھتے حضرت ابو مسلم نے فرمایا تورات سچ کہتی ہے اور مسلم کی بات صحیح نہیں ہے۔

نرمی اختیار کرنے کے وجوب پر مامون کا یہ استدلال دلالت کرتا ہے جب اسے کسی واعظ نے وعظ کرتے ہوئے سختی اختیار کی تو مامون نے کہا بھائی! نرمی اختیار کرو اللہ تعالیٰ نے تجھ سے بہتر شخصیت کو مجھ سے برے لوگوں کی طرف بھیجا تھا اور ان کو نرمی اختیار کرنے کا حکم دیا ارشاد خداوندی ہے۔

فَقُوْلَا لَهٗ قَوْلًا لَّيِّنًا لَّعَلَّهٗ يَتَذَكَّرُ اَوْ يَخْشٰى ﴿۱﴾

اور آپ دونوں (حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت ہارون علیہ السلام) اس (فرعون) سے نرمی کے ساتھ بات کرنا شاید وہ نصیحت حاصل کرے یا ڈر سے۔

محتسب کو انبیاء کرام علیہم السلام کے راستے پر چلتے ہوئے نرمی سے کام لینا چاہیے حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک نوجوان لڑکا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس نے عرض کیا اے اللہ کے نبی! صلی اللہ علیک وسلم کیا آپ مجھے زنا کی اجازت دیتے ہیں؟

یہ بات سن کر صحابہ کرام نے اسے للکارا تو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اسے چھوڑ دو پھر فرمایا میرے قریب ہو جاؤ جب وہ قریب ہوا حتیٰ کہ آپ کے سامنے بیٹھ گیا تو آپ نے فرمایا کیا تو یہ کام اپنی ماں کے لیے پسند کرتا ہے! اس نے عرض کیا نہیں اللہ تعالیٰ مجھے آپ پر فدا کرے آپ نے فرمایا اسی طرح تمام لوگ یہ کام اپنی ماؤں کے لیے پسند نہیں کرتے پھر فرمایا تم اپنی بیٹی کے لیے یہ بات پسند کرتے ہو؟ اس نے عرض کیا اللہ تعالیٰ مجھے آپ پر فدا کرے میں اسے پسند نہیں کرتا۔ آپ نے فرمایا اسی طرح تمام لوگ اپنی بیٹیوں کے لیے یہ کام پسند نہیں کرتے پھر فرمایا کیا تم یہ کام اپنی

(۱) قرآن مجید سورۂ طٰہٰ آیت ۴۴

بہن کے لیے پسند کرتے ہو؟ حضرت ابن عوف کی روایت میں پھوپھی اور خالہ کا اضافہ ہے اور وہ نوجوان ہر ایک کے بارے میں نفی کے ساتھ جواب دیتا اور ساتھ ہی کہتا اللہ تعالیٰ مجھے آپ پر فدا کرے اور آپ فرماتے اسی طرح لوگ بھی اسے ناپسند کرتے ہیں۔ اس کے بعد دونوں راویوں کی روایت میں ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا دست مبارک اس کے سینے پر رکھا اور بارگاہ خداوندی میں یوں عرض کیا،

اَللّٰهُمَّ طَهِّرْ قَلْبَهٗ وَاغْفِرْ ذَنْبَهٗ وَحَصِّنْ فَرْجَهٗ۔ — یا اللہ! اس کے دل کو پاک کر دے، اس کا گناہ بخش دے اور اس کی شرمگاہ کی حفاظت فرما۔

راوی فرماتے ہیں اب اس کے نزدیک اس (زنا) سے برا کوئی عمل نہ تھا (۱)

حضرت فضیل بن عیاض رحمہ اللہ سے عرض کیا گیا کہ حضرت سفیان بن عیینہ رحمہ اللہ بادشاہ کی طرف سے انعام قبول کرتے ہیں؟ حضرت فضیل نے فرمایا وہ اپنے حق سے تو کم ہی لیتے ہیں، پھر انہوں نے ان کو علیحدگی میں لے جاکر ملامت کیا اور زجر و توبیخ کی۔ حضرت حضرت سفیان نے عرض کیا اے ابوعلی! اگرچہ میں نیک لوگوں میں سے نہیں ہوں لیکن نیک لوگوں کو پسند تو کرتا ہوں۔

حضرت حماد بن سلمہ فرماتے ہیں کہ حضرت صلہ بن اشیم کے پاس سے ایک شخص گزرا جس کی شلوار لٹکی ہوئی تھی ان کے مریدوں نے اسے سختی کے ساتھ پکڑنے کا ارادہ کیا تو انہوں نے فرمایا یہ کام مجھ پر چھوڑ دو میں خود کر لوں گا۔

پھر فرمایا اے بھتیجے! مجھے تم سے ایک کام ہے اس نے کہا چچا جان! آپ کو کیا کام ہے؟ فرمایا میں چاہتا ہوں کہ اپنی شلوار کو اونچا کر دو اس نے کہا بہت اچھا چنانچہ شلوار اونچی کر دی آپ نے اپنے مریدوں سے فرمایا اگر تم اس کے ساتھ سختی سے پیش آتے تو وہ انکار کر دیتا اور تمہیں برا بھلا کہتا۔

حضرت محمد بن زکریا غلابی فرماتے ہیں ایک رات میں عبداللہ بن محمد بن عائشہ کے پاس حاضر ہوا وہ مغرب کے بعد مسجد سے نکل کر گھر جا رہے تھے راستے میں ایک قریشی نوجوان نشے کی حالت میں تھا اس نے ایک عورت کا ہاتھ پکڑ کر کھینچا اور عورت نے مدد طلب کی لوگ وہاں جمع ہو گئے اور اسے مارنے لگے۔ ابن عائشہ نے اسے دیکھ کر پہچان لیا اور لوگوں سے فرمایا میرے بھتیجے کو چھوڑ دو پھر فرمایا بھتیجے! میرے پاس آؤ غلام شرم کرنے لگا تو آپ نے آگے بڑھ کر اسے سینے سے لگایا پھر فرمایا میرے ساتھ چلو وہ ان کے ساتھ چلا گیا حتیٰ کہ اسے اپنے مکان میں لے گئے اور اپنے ایک غلام سے فرمایا اسے رات کو اپنے پاس سلاؤ جب اس کا نشہ اتر جائے تو جو کچھ ہوا اسے اس سے آگاہ کر دینا اور جب تک اسے میرے پاس نہ لاؤ جانے نہ دینا جب اسے افاقہ ہوا تو جو کچھ ہوا اسے بتایا گیا تو وہ شرمایا اور رو پڑا اور واپس جانے لگا غلام نے کہا انہوں نے مجھے حکم دیا کہ میں تجھے ان کے پاس لے جاؤں چنانچہ غلام اسے حضرت عبداللہ بن محمد کے پاس لے گیا انہوں نے فرمایا تجھے حیا نہ آئی تو اپنی شرافت

---

(۱) مسند امام احمد بن حنبل جلد ۵ ص ۲۵۶، ۲۵۷ مرویات ابوامامہ

سے نہ شرمایا تجھے معلوم نہیں تو کس کا بیٹا ہے؟ اللہ تعالیٰ سے ڈر اور اس حالت سے توبہ کر، غلام سر جھکا کر رونے لگا اور پھر سر اٹھایا اور کہا میں نے اللہ تعالیٰ سے ایک عہد کیا ہے جس کے بارے میں قیامت کے دن مجھ سے پوچھا جائے گا میں آئندہ کبھی نبیذ نہیں پیوں گا اور یہ تمام چھوڑ دوں گا میں توبہ کرتا ہوں، انہوں نے فرمایا میرے قریب آؤ پھر اس کا سر چوما اور فرمایا میرے بیٹے تم نے اچھا کیا چنانچہ وہ غلام اس واقعہ کے بعد آپ کے پاس رہنے لگا اور آپ سے احادیث نقل کرتا اور یہ سب کچھ ان کی نرمی کی برکت کے باعث ہوا اس کے بعد انہوں نے فرمایا لوگ نیکی کا حکم دیتے اور برائی سے روکتے ہیں لیکن ان کا معروف منکر بن جاتا ہے لہٰذا تمہیں تمام امور میں نرمی اختیار کرنا چاہیئے، اس سے تم اپنا مطلوب حاصل کر لو گے۔

حضرت فتح بن شخرف فرماتے ہیں ایک شخص نے ایک عورت کا راستہ روک کر اسے پکڑ لیا اس کے ہاتھ میں چھری تھی اور جو بھی اس کے قریب جاتا اسے زخمی کر دیتا اور وہ نہایت مضبوط شخص تھا۔ یہی حالت تھی کہ عورت اس کے ہاتھ میں چلائی اس وقت بشر بن حارث رحمہ اللہ وہاں سے گزرے وہ اس کے قریب سے گزرے اور اپنا کاندھا اس کے کاندھے سے ٹکرایا تو وہ شخص زمین پر گر پڑا اور حضرت بشر وہاں سے چل پڑے لوگوں نے اس کے قریب جا کر دیکھا تو وہ پسینے سے تر ہو رہا تھا عورت بھی صحیح حالت میں چلی گئی لوگوں نے اس سے اس کی حالت پوچھی تو اس نے کہا مجھے معلوم نہیں البتہ ایک بزرگ نے میرے قریب ہو کر فرمایا اللہ تعالیٰ تجھے اور تیرے اعمال کو دیکھتا ہے اس کا یہ کہنا تھا کہ میرے قدم کمزور پڑ گئے اور میں بہت زیادہ خوف زدہ ہو گیا مجھے یہ بھی معلوم نہیں کہ وہ کون شخص تھا، لوگوں نے بتایا کہ وہ حضرت بشر بن حارث تھے اس نے کہا ہائے افسوس اب وہ مجھے کس نگاہ سے دیکھیں گے وہ اسی دن بخار میں مبتلا ہو گیا اور ساتویں دن مر گیا۔

تو احتساب کے سلسلے اہل دین کا طریقہ یہی تھا ہم نے آدابِ محبت کے سلسلے میں اللہ تعالیٰ کے لیے محبت اور اللہ تعالیٰ کے لیے بغض کے بیان میں اس بارے میں روایات نقل کی ہیں، ہم اسے دوبارہ ذکر کر کے کلام کو طول نہیں دینا چاہتے۔

احتساب کے آداب و درجات کے سلسلے میں نظر کامل اسی طرح چاہیئے اللہ تعالیٰ اپنے کرم سے توفیق دینے والا ہے اور اسی کی تمام نعمتوں پر اسی کی حمد ہے۔

تیسری فصل:

وہ منکرات جو مروّج ہیں

ہم اس سلسلے میں اجمالی خاکہ پیش کریں گے تاکہ ان جیسی دوسری خرابیوں کو ان پر قیاس کیا جا سکے کیوں کہ ان کو شمار کرنا ممکن نہیں ہے۔

منکرات کی اقسام

منکرات کی دو صورتیں ہیں (۱) مکروہ (۲) حرام۔

جب ہم کہتے ہیں کہ یہ منکر مکروہ ہے تو اس سے منع کرنا مستحب اور اس پر خاموشی اختیار کرنا

مکروہ ہے لیکن حرام نہیں البتہ جب فاعل کو اس کا مکروہ ہونا معلوم نہ ہو تو اسے بتانا واجب ہے کیوں کہ شریعت میں کراہت وہ حکم ہے کہ جسے معلوم نہ ہو اس تک پہنچانا واجب ہے۔

اور جب ہم کہتے ہیں یہ منکر ممنوع (حرام) ہے یا مطلقاً منکر کہتے ہیں تو اس سے ممنوع حرام مراد ہوتا ہے اور طاقت کے باوجود اس پر خاموشی منع ہے۔

مساجد سے متعلق منکرات

مساجد میں عام طور پر دیکھا جاتا ہے کہ رکوع اور سجدے میں اطمینان اختیار نہ کرنے سے نماز خراب کی جاتی ہے یہ ایسی برائی ہے جس سے نماز باطل ہو جاتی ہے اور یہ حدیث سے ثابت ہے لہذا اس سے روکنا واجب ہے، البتہ احناف کے نزدیک اس کے باوجود نماز ہو جاتی ہے لہذا ان کے نزدیک روکنے کا کیا فائدہ ہو گا۔

(نوٹ) چونکہ احناف کے نزدیک اطمینان سے رکوع سجدہ کرنا واجب ہے۔ لہذا جو شخص جلدی جلدی نماز پڑھتا ہے اسے روکنا چاہیئے ۱۲ ہزاروی۔

جو آدمی نماز میں غلطی کرنے والے کو دیکھ کر خاموش رہے وہ اس کے ساتھ شریک ہوتا ہے روایات میں اسی طرح آیا ہے ایک حدیث شریف میں اس بات پر دلالت پائی جاتی ہے جس میں غیبت کے بارے میں یوں آیا ہے کہ سننے والا غیبت کرنے والے کے ساتھ شریک ہوتا ہے۔(۱)

اسی طرح ہر وہ عمل جو نماز میں خرابی پیدا کرتا ہے جیسے کپڑے پر نجاست ہو جو نمازی کو معلوم نہ ہو، یا وہ اندھیرے یا اندھے پن کی وجہ سے قبلہ رُخ نہ ہو، ان تمام صورتوں میں روکنا ضروری ہے۔

ان خرابیوں میں سے دوسری خرابی قرآن مجید کو غلط پڑھنا ہے، اس سے روکنا اور صحیح پڑھنے کی تلقین کرنا واجب ہے۔

اگر کوئی معتکف اس قسم کی باتوں میں اپنا وقت صرف کرتا ہے اور اس وجہ سے نفل نماز اور ذکر سے غافل رہتا ہے تو اسے اس کام میں مشغول ہونا چاہیئے کیونکہ یہ نفل نماز اور ذکر سے افضل ہے کیوں کہ یہ فرض ہے اور اس کا فائدہ دوسروں کو بھی پہنچتا ہے اور یہ نوافل سے افضل ہے کیوں کہ ان کا فائدہ صرف اسی شخص کو پہنچتا ہے، اگر اس کام (منع کرنے) میں مصروفیت کی وجہ سے کتابت یا کوئی دوسرا کام جو اس کا ذریعۂ معاش ہے، نہیں کر سکتا تو دیکھیں اگر اس کے پاس بقدر کفایت مال ہے تو اسے تبلیغ میں اور برائی کے خاتمے میں مشغول ہونا چاہیئے اور مالِ دنیا کے بڑھانے کے لیے احتساب چھوڑ دینا جائز نہیں ہے اور اگر یومیہ رزق کی حاجت ہے تو یہ اس کے لیے عذر ہے تو اس صورت میں عجز کی وجہ سے وجوب ساقط ہو جائے گا۔

جو آدمی قرآن پاک پڑھنے میں غلطی کرتا ہے اگر وہ سیکھنے پر قادر ہو تو سیکھنے سے پہلے قرآن پاک پڑھنے سے رُک جائے

---

(۱) الاسرار المرفوعہ ص ۲۱۴ حدیث ۸۴۵

کیونکہ اس طرح (غلط پڑھنے) سے گناہ گار ہوگا، اور اگر اس کی زبان اس کا ساتھ نہیں دیتی تو دیکھے اگر اس کی قرأت میں زیادہ غلطی ہوتی ہے تو اسے چھوڑ کر سورۂ فاتحہ کو سیکھنے اور اس کی تصحیح کے لیے کوشش کرے اور اگر زیادہ صحیح پڑھتا ہے لیکن سب کو ایک جیسا پڑھنے پر قادر نہیں ہے تو پڑھنے میں کوئی حرج نہیں لیکن اسے اپنی آواز پست رکھنی چاہیئے تاکہ کوئی دوسرا نہ سنے اگرچہ آہستہ پڑھنے سے روکنے کی وجہ بھی ہے لیکن جب وہ اسی قدر پڑھ سکتا ہے اور وہ قرأت کے ساتھ اُنس اور اس کی حرص رکھتا ہے تو میرے نزدیک اس میں کوئی حرج نہیں اور اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔

ان خرابیوں میں سے ایک، موذنوں کا اذان کو زیادہ کھینچ کر پڑھنا ہے، وہ کلمات کو کھینچ کر اذان کو لمبا کر دیتے ہیں اور "حَیَّ عَلَی الصَّلٰوۃِ" اور "حَیَّ عَلَی الْفَلَاحِ" پڑھتے وقت اپنے سینے کو قبلہ سے مکمل طور پر پھیر دیتے ہیں ہر ایک اپنی اذان دیتے ہوئے دوسرے موذن کی اذان ختم ہونے کا انتظار نہیں کرتا اس صورت میں حاضرین کے لیے جواب دینا مشکل ہو جاتا ہے کیوں کہ آوازیں باہم مل جاتی ہیں تو یہ برائیاں مکروہ ہیں ان سے آگاہ کرنا چاہیے اور اگر وہ جان بوجھ کر ایسے کرتے ہیں تو اس سے منع کرنا مستحب ہے اسی طرح جب کسی مسجد کا ایک موذن ہو اور وہ صبح سے پہلے اذان دیتا ہو تو اسے صبح کے بعد اذان دینے سے روکنا چاہیے تاکہ لوگوں کو نماز اور روزے کے سلسلے میں تشویش نہ ہو البتہ جب معلوم ہوا کہ وہ صبح سے پہلے اذان دیتا ہے اور اس کی اذان سے نماز یا سحری چھوڑنے میں کوئی تردد نہیں ہوتا یا اس کے ساتھ کوئی دوسرا موذن ہو جس کی آواز جانی پہچانی ہو اور وہ صبح ہوتے ہی اذان دے تو اس صورت میں کوئی حرج نہیں۔

ایک مسجد میں طلوع فجر کے بعد ایک سے زیادہ بار اذان دینا بھی مکروہ ہے ایک ہی آدمی اذان دے یا ایک جماعت دونوں طرح صحیح نہیں کیونکہ اس کا فائدہ نہیں، اس لئے کہ اب مسجد میں کوئی سویا ہوا نہیں ہے اور آواز مسجد سے باہر نہیں جاتی کہ کسی دوسرے کو جگائے یہ تمام باتیں مکروہ ہیں، صحابہ کرام اور دیگر بزرگوں کے طریقے کے خلاف ہیں۔

ایک خرابی یہ ہے کہ خطیب سیاہ کپڑے پہنے ہوئے ہو اور ان پر ریشم غالب ہو یا اس کے ہاتھ میں تلوار ہو جس پر سونا چڑھا ہوا ہو تو یہ شخص فاسق ہے اسے روکنا واجب ہے اور اگر محض سیاہ کپڑے ہوں تو مکروہ نہیں لیکن پسندیدہ بھی نہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ کو سفید لباس پسند ہے اور جو شخص اسے بدعت یا مکروہ کہتا ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ پہلے دور میں یہ لباس معروف نہ تھا لیکن جب اس کے بارے میں نہی وارد نہیں ہوتی تو اسے بدعت یا مکروہ کہنا مناسب نہیں البتہ اسے چھوڑ دینا زیادہ پسندیدہ ہے۔(۱)

ان خرابیوں میں سے ایک، قصہ گو لوگوں اور واعظوں کا کلام ہے جس میں بدعات کو ملاتے ہیں قصہ گو اگر خبر دینے میں جھوٹ بولتا ہے تو وہ فاسق ہے اور ان کا رد کرنا واجب ہے، اسی طرح بدعتی واعظ کو روکنا بھی ضروری ہے اس کی مجلس میں صرف

---

(۱) معلوم ہوا کہ جس کام کے بارے میں ممانعت نہ ہو اسے محض اس لیے بدعت کہنا کہ یہ کام پہلے زمانے میں نہیں تھا، جہالت ہے جیسے آج کل دیوبندی وہابی حضرات مسلمانوں کے کئی معمولات کو بدعت کہتے ہیں ۱۲ ہزاروی

اس صورت میں جانا جائز ہے کہ اس کا رد کرنا مقصود ہو اگر طاقت ہو تو اسے روکا جائے یا اس کے ارد گرد حاضرین کو منع کیا جائے اور اگر قادر نہ ہو تو بدعت پر مبنی بات سننا جائز نہیں۔

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا۔

فَاَعْرِضْ عَنْهُمْ حَتّٰى يَخُوْضُوْا فِىْ حَدِيْثٍ غَيْرِهٖ۔ (۱)

پس ان سے منہ پھیر لو حتی کہ وہ کسی اور بات میں مشغول ہو جائیں۔

اور جب اس کا کلام امید دلانے پر ہی مشتمل ہو (کہ اللہ تعالیٰ معاف کرنے والا ہے) اور اس طرح لوگوں کو گناہ پہ جرأت پیدا ہو اور وہ خوفِ خدا کی نسبت اس کی رحمت اور معافی پر زیادہ یقین رکھیں تو یہ بھی ایک برائی ہے جس سے روکنا ضروری ہے کیونکہ اس کا فساد زیادہ ہے بلکہ اگر وہ امید دلانے کی بجائے خوف کا ذکر زیادہ کرے تو یہ مخلوق کی طبیعتوں کے زیادہ لائق ہے کیوں کہ انہیں خوف کی زیادہ ضرورت ہے۔

انصاف کا تقاضا یہ ہے کہ خوف اور امید کے درمیان رکھے جیسے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اگر قیامت کے دن کوئی منادی اعلان کرے کہ ایک آدمی کے علاوہ تمام لوگ جہنم میں چلے جائیں تو مجھے امید ہے کہ وہ ایک میں ہوں گا۔ اور اگر کوئی منادی یہ اعلان کرے کہ ایک آدمی کے علاوہ سب جنت میں چلے جائیں تو مجھے ڈر ہے کہ وہ ایک میں ہوں؛

اور جب واعظ نوجوان ہو کپڑوں اور وضع میں عورتوں کے لئے سجا ہوا ہو اشعار زیادہ پڑھے اور اشاروں اور حرکات سے کام لے اور اس کی مجلس میں عورتیں بھی موجود ہوں تو یہ ایک برائی ہے اسے اس سے منع کرنا چاہیے۔ کیوں کہ اس میں اصلاح کی بجائے فساد زیادہ ہے اور یہ بات اس کے حالات کے قرائن سے واضح ہوتی ہے بلکہ مناسب یہی ہے کہ اس آدمی سے وعظ کرایا جائے جو ظاہری طور پر پرہیزگار ہو اور اس کی وضع میں سکون و وقار ہو اس کا لباس، نیک لوگوں کا لباس ہو ورنہ لوگ گمراہی میں زیادہ بڑھیں گے۔

مردوں اور عورتوں کے درمیان کوئی پردہ ہونا چاہیے اور یہ واجب ہے تاکہ نظر نہ پڑے کیوں کہ اس صورت میں فساد کا گمان ہے اس قسم کی برائیوں پہ عادتیں گواہ ہیں۔ اور جب فتنے کا خوف ہو تو عورتوں کو مساجد میں نماز کے لیے آنے نیز مجالس ذکر میں حاضر ہونے سے روکنا ضروری ہے۔ ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے ان کو منع فرمایا آپ سے عرض کیا گیا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو نماز باجماعت میں حاضری سے منع نہیں فرمایا تو ام المومنین نے فرمایا اگر سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو معلوم ہوتا کہ ان عورتوں نے آپ کے بعد کیا کام شروع کر دیا تو آپ انہیں روک دیتے (۲)

---

(۱) قرآن مجید، سورۃ انعام آیت ۶۸

(۲) صحیح مسلم جلد اوّل ص ۱۸۳ کتاب الصلوٰۃ۔

اگر عورت باپردہ ہوکر مسجد میں سے گزرنا چاہے تو اسے روکا نہ جائے لیکن مسجد کو راستہ نہ بنایا جائے ـــــ واعظین کے سامنے قرآن پاک نہایت لمبا کرکے اور کھینچ کر اس طرح پڑھنا کہ اس سے قرآنی الفاظ میں تبدیلی پیدا ہوجائے اور تلاوت کی صحیح حد سے متجاوز ہوجائے سخت مکروہ ہے اور بزرگوں کی ایک جماعت نے اس کا رد کیا ہے۔

ان خرابیوں میں سے ایک جمعۃ المبارک کے دن دوائیں، کھانے اور تعویذات بیچنے کے لیے حلقہ بنانا ہے نیز مانگنے والوں کا کھڑا ہونا اور قرآن پاک سے تلاوت کرنا اشعار پڑھنا اور اس طرح کے دوسرے کام کرنا تاکہ لوگ سن کر کچھ دیں) ان میں سے بعض کام حرام ہیں کیونکہ یہ محض دھوکہ اور جھوٹ ہے جیسے بعض طبیبوں کے ڈھکوسلے اور شعبدہ باز لوگوں کی شعبدہ بازیاں اور نظر بندیاں۔

تعویذ دینے والے لوگ بھی عام طور پر اسی طرح کرتے ہیں۔ وہ بچوں اور دیہاتی لوگوں کو دھوکہ دے کر ان پر بیچتے ہیں یہ کام مسجد میں بھی اور مسجد سے باہر بھی حرام ہے اور اس سے روکنا واجب ہے بلکہ ہر وہ سودا جس میں جھوٹ اور دھوکہ دہی ہو نیز خریدار سے عیب چھپایا جائے وہ حرام ہے۔

ان امور میں سے بعض وہ ہیں جو مسجد سے باہر جائز ہیں جیسے کپڑے سینا نیز دوائیاں، کتب اور کھانے پینے کی اشیاء بیچنا یہ امور مسجد میں بھی حرام نہیں البتہ کسی مانع کی وجہ سے حرام ہوں گے مثلاً نمازیوں کے لئے جگہ تنگ ہوجائے اور وہ نماز کی ادائیگی صحیح طور پر نہ کرسکیں اگر ایسی کوئی بات نہ ہو تو حرام نہیں لیکن اسے نہ اپنانا زیادہ بہتر ہے اور جواز بھی اسی صورت میں ہے جب کبھی کبھار اور معدود دنوں میں ہو ورنہ مسجد کو دکان بنالینا حرام ہے اور اس سے منع کیا جائے قلیل کی شرط سے مباح ہے۔ اگر زیادہ ہو تو گناہِ صغیرہ ہے جیسے صغیرہ گناہ، کثرت سے نہ ہونے کی صورت میں صغیرہ رہتا ہے (ورنہ کبیرہ ہوجاتا ہے) اور اگر ایسے امور ہوں کہ قلیل کی اجازت سے زیادہ کے لیے دروازہ کھل جائے گا تو اس سے روکا جائے اس (روکنے کا) حق حاکم یا اس شخص کو ہے جو حاکم کی طرف سے مسجد کے انتظامات کا متولی ہو کیوں کہ یہ امر اجتہاد سے معلوم ہوتا ہے اور جو کام ذاتی طور پر مباح ہو عوام کو اس خوف سے کہ زیادہ ہوجائے گا، منع کرنے کا اختیار نہیں دیا جاتا۔

ان کاموں میں سے ایک پاگلوں، بچوں اور نشہ والوں کا مسجد میں آنا ہے، بچہ کا مسجد میں داخل ہونا ہے ان کے کھیلنے پر خاموش رہنا بھی حرام نہیں لیکن جب مسجد کو کھیل کا میدان بنا لیا جائے اور اس کی عادت پڑ جائے تو روکنا واجب ہوگا۔ اگر بچوں کا کھیل مسجد میں قلیل ہو تو جائز ہے زیادہ جائز نہیں۔

قلیل کھیل کے جائز ہونے کی دلیل صحیح مسلم و بخاری کی وہ حدیث ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے لیے کھڑے رہے حتیٰ کہ انہوں نے عید کے دن مسجد میں حبشیوں کا رقص، اور نیزہ بازی دیکھی اور اس میں کوئی شک نہیں کہ اگر حبشی مسجد کو کھیل کا میدان بناتے تو انہیں اس سے روکا جاتا اور قلت کے ساتھ کھیلنے کو آپ نے برا نہیں جانا حتیٰ کہ آپ نے اس کھیل کو دیکھا بلکہ ان کو حکم دیا تاکہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی دلجوئی ہو۔

آپ نے فرمایا، اے بنو ارفدہ! کھیل جاری رکھو۔ جیسا کہ ہم نے کتاب السماع میں نقل کیا ہے۔
جہاں تک پاگل لوگوں کا تعلق ہے تو وہ بھی مسجد میں جا سکتے ہیں البتہ یہ ڈر ہو کہ مسجد ناپاک ہو جائے گی یا وہ فحش کلامی کریں گے یا ایسے کام کریں گے جو ذاتی طور پر برائی کہلاتے ہیں، جیسے ستر ننگا کرنا وغیرہ لیکن وہ مجنون جس کے بارے میں معلوم ہو کہ خاموش رہنا اس کی عادت ہے تو اسے مسجد سے نکالنا واجب نہیں ہے۔
نشے والے کا حکم مجنون کی طرح ہے اگر اس سے ڈر ہو کہ وہ قے کر دے گا یا کسی کو زبان سے اذیت پہنچائے گا تو اسے نکالنا واجب ہے اسی طرح وہ شخص جس کی عقل ٹھکانے نہ ہو کیوں کہ اس سے بھی اس بات کا ڈر رہتا ہے اگر کسی نے شراب پی لیکن اسے نشہ نہیں آیا البتہ اس کے منہ سے بُو آتی ہے تو یہ نہایت شدید برائی ہے اور کیسے نہ ہوگی جبکہ لہسن اور پیاز کھانے والے کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مساجد میں آنے سے منع فرمایا (۱) لیکن اس پر کراہت کا حکم لگایا گیا اور شراب کا معاملہ زیادہ سخت ہے۔
اگر کوئی شخص کہے کہ نشے والے آدمی کو مارا جائے اور اسے زجر و توبیخ کی جائے۔
تو ہم کہتے ہیں ایسا نہیں ہے بلکہ مسجد میں بیٹھ کر اسے بلائے اور فی الحال شراب چھوڑنے کو کہے اگر اس کی عقل کام کرتی ہو۔ جہاں تک زجر و توبیخ کے لیے مارنے کا تعلق ہے تو عام لوگوں کو اس بات کا اختیار نہیں ہے بلکہ یہ حکمرانوں کا کام ہے اور یہ بھی اس صورت میں جب وہ خود اقرار کرے یا دو گواہ گواہی دیں محض بُو کی وجہ سے نہیں ہاں جب وہ لوگوں کے درمیان بہکے بہکے انداز میں چلتا ہو اور اس کا نشہ معلوم ہو رہا ہو تو اسے مسجد میں اور مسجد سے باہر مارنا جائز ہے تاکہ وہ آئندہ نشے کے اثر کو ظاہر نہ کرے کیونکہ برائی کو ظاہر کرنا بھی برائی ہے اور گناہوں کو ترک کرنا واجب ہے اور اگر ارتکاب ہو جائے تو اب اس گناہ اور اس کے اثرات کو چھپانا واجب ہے اور اگر وہ شخص اپنے گناہ کو چھپاتا ہے تو اس کو ڈھونڈنا جائز نہیں، منہ سے بُو بعض اوقات شراب کے بغیر بھی آتی ہے مثلاً وہ شراب کی جگہ میں بیٹھا یا منہ کو لگائی اور اندر نہیں لے گیا تو اس (بُو) پر اعتماد نہیں کرنا چاہیے۔

بازار میں پائی جانے والی خرابیاں

بازاروں میں جن خرابیوں کی عادت ہے ان میں سے ایک برائی نفع کے بارے میں جھوٹ بولنا اور عیب چھپانا ہے اگر کوئی شخص کہے کہ میں نے یہ سامان اتنے پیسوں کا خریدا ہے اور اس میں اتنا نفع لے رہا ہوں حالاں کہ اس نے جھوٹ بولا تو یہ شخص فاسق ہے جس آدمی کو اس کا حال معلوم ہو اسے چاہیے کہ خریدار کو آگاہ کر دے اگر وہ بیچنے والے کی دلجوئی کے لیے خاموش رہا تو خیانت میں اس کے ساتھ شریک ہوگا اور خاموشی کی وجہ سے گناہ گار ہوگا اسی طرح جب اس چیز میں عیب کا علم ہو تو اس پر لازم ہے کہ خریدار

---

(۱) صحیح بخاری جلد اول ص ۱۱۸ کتاب الاذان

کو اس سے آگاہ کر دے ورنہ اپنے مسلمان بھائی کے مال کو ضائع کرنے پر راضی ہوگا اور یہ حرام ہے۔

اسی طرح گز دل، ماپ اور تول میں فرق ہو تو جو آدمی اس میں خود تبدیلی کر سکتا ہے یا حکمران سے شکایت کر کے بدلوا سکتا ہے تو اس پر ایسا کرنا واجب ہے۔

ان خرابیوں میں سے ایک خرابی ایجاب وقبول کو چھوڑنا اور محض لین دین پر اکتفا کرنا ہے لیکن یہ بات محل اجتہاد میں ہے لہذا ایسے شخص کو اس سے منع کیا جائے جو اس کے وجوب کا اعتقاد رکھتا ہو۔

اسی طرح فاسد شرائط جو لوگوں میں مروّج ہیں ان کا رد کرنا بھی واجب ہے کیونکہ وہ عقدِ بیع کو فاسد کر دیتی ہیں اسی طرح وہ صورتیں جن میں عام طور پر سُود کا دخل ہوتا ہے نیز تمام فاسد تصرفات سے بھی روکنا ضروری ہے۔

ان بازاری خرابیوں میں سے کھیل کود کا سامان بیچنا اور عید کے دنوں میں بچوں کے لیے حیوانات (ذی رُوح اشیاء) کی تصاویر بیچنا ہے تو ان کو توڑنا واجب ہے اور گانے بجانے کے سامان کی طرح ان کو فروخت کرنے سے روکنا بھی ضروری ہے۔ اسی طرح سونے اور چاندی سے بنے ہوئے برتن ریشمی کپڑے اور سونے چاندی کی ٹوپیاں بیچنا بھی حرام ہے۔

کپڑوں سے ہماری مراد یہ ہے کہ وہ مردوں کے کپڑے ہوں یا اس شہر کا رواج معلوم ہو کہ ان کو مرد ہی پہنتے ہیں تو یہ سب منکر اور ممنوع ہیں۔ اسی طرح جو شخص استعمال شدہ کپڑے بیچنے کا عادی ہو اور لوگوں کو ان کا پرانا اور مستعمل ہونا معلوم نہ ہو اور وہ ان کو بنا بنا کر پیش کرے تو یہ حرام فعل ہے اور اس سے روکنا واجب ہے اسی طرح رفو کر کے پھٹے ہوئے کپڑے دھوکے سے بیچنا غرضیکہ جہاں دھوکہ ہو بلکہ وہ تمام عقد جن میں دھوکہ دیا جائے حرام ہیں ان کا شمار ممکن نہیں ہے لیکن جو کچھ ہم نے ذکر نہیں کیا اسے اس مذکورہ پر قیاس کر لو۔

راستوں سے متعلق برائیاں

جن برائیوں کی لوگوں کو عادت پڑی ہوئی ہے ان میں سے مکانات سے متصل ستون کھڑے کر کے چبوترے بنانا اور درخت لگانا ہے چھجے نکالنا، روشن دان نکالنا اور لکڑیاں گاڑنا، راستوں میں لکڑیوں اور غلے کے گٹھے ڈالنا یہ تمام کام منکرات میں شمار ہوتے ہیں اگر راستہ تنگ ہوتا ہو یا گزرنے والوں کو اذیت پہنچتی ہو اور اگر راستے کی کشادگی کی وجہ سے بالکل ضرر نہ ہوتا ہو تو منع نہ کیا جائے۔

ہاں لکڑیوں اور غلے کا گٹھا راستے میں اس طریقے پر ڈالنا جائز ہے کہ اٹھا کر گھر لے جائے کیونکہ یہ مشترکہ حاجت ہے اور اس سے روکنا ممکن نہیں ہے۔

اسی طرح راستے میں جانوروں کو باندھ دینا کہ راستہ تنگ ہو جائے اور گزرتے والوں کے ناپاک ہونے کا خطرہ ہو تو یہ بھی برائی ہے جس سے روکنا واجب ہے البتہ صرف اترنے اور سوار ہونے کی مقدار جائز ہے اس لیے کہ راستے مشترکہ نفع کے لیے ہوتے ہیں اور کوئی بھی شخص حاجت سے زیادہ اپنے لیے خاص نہیں کر سکتا اور ایسی حاجت

کی رعایت کی جاتی ہے جس کے لیے عادتاً راستے مقصود ہوتے ہیں تمام ضرور تیں نہیں۔

ان خرابیوں میں سے ایک جانور کو گزارنا ہے کہ اس پر کانٹے ہوں کیونکہ اس سے لوگوں کے کپڑے پھٹ جاتے ہیں، یہ اس صورت میں برائی ہے جب کانٹوں کو اس طرح دبا کر باندھ سکتے ہوں کہ کپڑوں کو نہ پھاڑیں اور وہاں سے کشادہ راستے کی طرف پھرنا ممکن ہو ورنہ منع نہیں ہے کیوں کہ شہر کے لوگوں کی حاجات اس کی متقاضی ہیں۔

ہاں ان کو راستے پر ڈال کر چھوڑ دے صرف اتنی دیر کے لیے چھوڑے کہ اٹھا کر گھر لے جائے اسی طرح جانوروں پر ان کی طاقت سے زیادہ بوجھ لادنا کہ اسے اٹھا نہ سکیں ایک برائی ہے ان کے مالکوں کو اس سے منع کرنا واجب ہے۔

قصاب کا اپنی دوکان کے سامنے جانور کو ذبح کرنا بھی ایک برائی ہے کیوں کر اس طرح راستہ خون آلود ہو جاتا ہے اس برائی سے بھی روکنا چاہیئے بلکہ اس کا فرض ہے کہ دوکان کے اندر ذبح کے لیے جگہ بنائے کیونکہ باہر ذبح کرنے سے راستے تنگ ہو جاتا ہے اور نجاست کے چھینٹوں کی وجہ سے لوگوں کو تکلیف پہنچتی ہے اور لوگ طبعی طور پر گندگی سے نفرت کرتے ہیں اسی طرح کوڑا کرکٹ راستے میں ڈالنا یا خربوزے وغیرہ کے چھلکے پھینکنا یا پانی چھڑکنا کہ لوگوں کے پھسلنے کا ڈر ہو یہ تمام بری باتیں ہیں۔

اسی طرح پرنالے کے ذریعے تنگ راستے پر پانی ڈالنا بھی منع ہے کیونکہ اس سے کپڑے ناپاک ہو جاتے ہیں یا راستہ تنگ ہو جاتا ہے کشادہ راستے میں منع نہ کیا جائے کیوں کہ اس سے ہٹ کر چلنا ممکن ہے لیکن بارش کا پانی، کیچڑ اور برف راستے میں ڈالنا اور اسے صاف نہ کرنا برائی ہے مگر یہ کسی خاص شخص کے ساتھ خاص نہیں البتہ کوئی شخص راستے میں برف ڈال دے تو صاف کرنا اس کی ذمہ داری ہے اور ایک خاص پرنالے سے آنے والا پانی راستے میں جمع ہو جائے تو خاص اس کے مالک کی ذمہ داری ہے کہ اسے صاف کرے اور اگر بارش کی وجہ سے ہو تو سب کی ذمہ داری ہے۔ حکمرانوں پر لازم ہے کہ لوگوں سے یہ کام لیں عام لوگوں کو صرف سمجھانے کی اجازت ہے۔

اسی طرح جب کسی شخص کے دروازے پر کاٹنے والا کتا ہو جو لوگوں کو اذیت پہنچاتا ہو تو اس سے روکنا بھی واجب ہے اور اگر اس کی وجہ سے صرف راستہ ناپاک ہوتا ہے (کوئی دوسری اذیت نہ ہو) اور اس نجاست سے بچنا ممکن ہو تو اسے نہ روکا جائے اور اگر اس کے بازو بچھانے سے راستہ تنگ ہوتا ہو تو روکا جائے بلکہ اگر خود آدمی راستے میں اس طرح سوئے یا بیٹھے کہ راستہ تنگ ہو رہا ہو تو اسے روکنا چاہیئے تو کتے کو اٹھانے سے روکنا بدرجہ اولیٰ ضروری ہوگا۔

حماموں سے متعلق خرابیاں

حماموں کے اندر یا دروازے پر جو تصویریں بنائی جاتی ہیں جو شخص وہاں داخل ہو تو اسے چاہیے کہ ان کو مٹا دے اگر ایسا کر سکتا ہو اور اگر بلند جگہ پر ہوں کہ اس کا ہاتھ نہ پہنچتا ہو تو وہ ضرورت کے بغیر وہاں نہ جائے۔ اور دوسرے حمام میں چلا جائے کیوں کہ برائی کو دیکھنا بھی جائز نہیں، اور تصویر کو بگاڑنے کے لیے اتنا ہی کافی ہے کہ اس کے چہرے کو بگاڑ دے اور یوں صورت کو مٹا دے البتہ

درختوں اور دوسرے نقوش کی تصویریں جو ذی روح نہیں، جائز ہیں۔

ان خرابیوں میں سے ایک خرابی ستر کو ننگا کرنا اور اس کی طرف دیکھنا ہے "ایک خرابی یہ ہے کہ حمام والا ران اور ناف کے نیچے والے حصے کو ننگا کر کے اس سے میل صاف کرے بلکہ وہ تہبند کے اندر ہاتھ ڈالتا ہے کیوں کہ دوسروں کی شرمگاہ کو ہاتھ لگانا اسی طرح حرام ہے جس طرح اسے دیکھنا حرام ہے۔

اسی طرح مالش کرنے والوں کے سامنے اُلٹا لیٹ جانا کہ وہ رانوں اور سرین کو دبائے مکروہ ہے اگر درمیان میں کوئی پردہ حائل ہو اگر شہوت پیدا ہونے کا خطرہ نہ ہو تو حرام نہیں اسی طرح پچھنے لگانے والے ذمی (اہل کتاب) کے سامنے ستر کو ننگا کرنا بہت بری بات ہے کیونکہ کسی عورت کے لیے جائز نہیں کہ وہ اپنا بدن حمام میں ذمیہ عورت کے سامنے ننگا کرے تو مردوں کے سامنے ننگا کرنا کیسے جائز ہو گا۔

ان خرابیوں میں سے ایک یہ ہے کہ ناپاک ہاتھ یا برتن کو تھوڑے پانی میں ڈالا جائے اسی طرح حوض میں جس کا پانی تھوڑا ہو، تہبند اور تھال کو دھونا بھی منع ہے کیونکہ اس سے پانی ناپاک ہو جاتا ہے البتہ حضرت امام مالک رحمہ اللہ کے نزدیک جائز ہے لہذا مالکی مذہب پر اعتراض کرنا جائز نہیں ہے البتہ حنفی اور شافعی مسلک کے لوگوں پر اعتراض کرنا صحیح ہے۔

اور اگر حمام میں مالکی اور شافعی جمع ہو جائیں تو شافعی کو حق نہیں پہنچتا کہ مالکی کو روکے البتہ نرم طریقہ اختیار کر سکتا ہے اور وہ اس سے التماس کرے اور یوں کہے کہ ہمیں پہلے ہاتھ دھونے کی ضرورت ہے پھر ہم ہاتھوں کو پانی میں ڈالیں اور تمہیں اس کی حاجت نہیں تو تمہیں چاہیے کہ ہمیں اذیت نہ دو اور ہماری طہارت میں مخل نہ ہو اس قسم کے کوئی دوسرے مناسب الفاظ کہے کیونکہ اجتہادی مسائل میں جبراً نہیں روک سکتے۔

ان خرابیوں میں سے ایک خرابی یہ ہے کہ حمام کے کمروں میں داخل ہونے کے راستوں یا نالیوں میں ایسے پتھر ہوں جن سے پاؤں پھسلتا ہو تو اس سے بے خبر لوگ پھسلیں گے اس خرابی کو دور کرنا بھی ضروری ہے اور اگر حمام والا اس سلسلے میں غفلت برتے تو اس کو منع کیا جائے کیونکہ اس سے گرنے کا خطرہ ہوتا ہے اور گرنے سے کوئی عضو ٹوٹ سکتا ہے یا نکل سکتا ہے۔

اسی طرح بیری کے پتے اور صابن جس سے پھسلنے کا خطرہ ہو اسے اسی طرح چھوڑ دینا بھی منع ہے جو آدمی اس طرح کرے اور خود چلا جائے اور اس سے کوئی شخص پھسل جائے جس کی وجہ سے اس کا کوئی عضو ٹوٹ جائے تو اگر وہ ایسی جگہ سے پھسلا جو معلوم نہیں ہوتی اور اس سے بچنا ممکن نہیں تو اب ضمانت اس پر بھی ہو گی جس نے یہ صابن چھوڑا اور حمام والے پر بھی کیونکہ حمام والے کا فرض تھا کہ وہ اس جگہ کو صاف کرتا قیاس کا تقاضا یہ ہے کہ پہلے ان چھوڑنے والے پر اور بعد میں، ان حمام والے پر ہو کیوں کہ عادت یہی ہے کہ حمام والے روزانہ حمام کو صاف کرتے ہیں اور اگر اس

کی صفائی سے متعلق کوئی اور رواج ہو تو اس کا اعتبار کیا جائے حمام کے سلسلے میں کچھ دوسری باتیں بھی مکروہ ہیں۔ ہم نے ان کو طہارت کے بیان میں ذکر کیا ہے وہاں ملاحظہ کیجیے۔

مہمان نوازی سے متعلق خرابیاں

ان میں ایک یہ ہے کہ مردوں کے لیے ریشمی بچھونا بچھایا جائے یہ حرام ہے اسی طرح چاندی یا سونے کی انگیٹھیوں میں خوشبو سلگانا یا سونے چاندی کے برتنوں میں پانی پینا اور ان میں گلاب کا عرق استعمال کرنا یا ان کے اوپر چاندی ہو۔

ان خرابیوں میں سے ایک تصویر والے پردے لٹکانا ہے نیز باجے بجتے ہوں اور گانے والی عورتیں گاتی ہوں۔

ان خرابیوں میں سے ایک یہ ہے کہ عورتیں، مردوں کو دیکھنے کے لیے مکانات کی چھتوں پر چڑھ جائیں جب کہ مردوں میں نوجوان بھی ہوں اور ان سے فتنے کا خوف ہو، یہ تمام باتیں منکرات میں شامل ہیں اور منع ہیں اور ان کو بدلنا واجب ہے۔ اور جو شخص ان کو بدلنے سے عاجز ہو اس پر لازم ہے کہ وہاں سے چلا جائے اب اس کے لیے وہاں بیٹھنا جائز نہیں کیوں کہ منکرات کو دیکھتے ہوئے وہاں بیٹھنے کی اجازت نہیں۔

جو تصویریں تکیوں اور بچھے ہوئے بچھونوں پر ہوں وہ منکر نہیں ہیں اسی طرح رکابیوں اور پیالیوں پر بنی ہوئی تصاویر کا حکم ہے البتہ کسی صورت کی شکل میں بنا ہوا برتن جائز نہیں ہے جیسے بعض انگیٹھیوں کے سر پرندے کی شکل کے ہوتے ہیں یہ حرام ہے اور اس میں جتنا حصہ کسی صورت کے مطابق ہو اسے توڑنا واجب ہے۔

چاندی کی بنی ہوئی چھوٹی سرمہ دانی کے بارے میں اختلاف ہے حضرت امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ اسی کی وجہ سے ضیافت سے چلے گئے تھے۔ اور جب کھانا حرام مال سے ہو اور وہ جگہ کسی سے چھینی گئی ہو یا بچھونا حرام سے ہو تو یہ بہت سخت برائی ہے اور اگر ضیافت میں ایسا شخص ہو جو تنہا شراب پیتا ہو تو بھی وہاں حاضر ہونا جائز نہیں کیونکہ مجالس شراب میں حاضری جائز نہیں اگرچہ خود شراب نہ پیے۔

جب فاسق، فسق میں مبتلا ہو تو اس کے ساتھ بیٹھنا بھی جائز نہیں اس میں اختلاف ہے کہ اس کے بعد بھی اس کے ساتھ بیٹھ سکتے ہیں یا نہیں اور کیا اللہ تعالیٰ کی رضا کے خاطر اس سے دشمنی کرنا اور قطع تعلق کرنا واجب ہے جیسا کہ ہم نے اللہ تعالیٰ کے لیے محبت اور اسی کے لیے دشمنی کرنے کے سلسلے میں ذکر کیا ہے۔

اسی طرح اگر ان میں کوئی ایسا شخص ہو جو ریشمی لباس یا سونے کی انگوٹھی پہنتا ہو تو وہ فاسق ہے کسی ضرورت کے بغیر اس کے ساتھ بیٹھنا جائز نہیں، اور اگر نابالغ بچے نے ریشمی کپڑا پہن رکھا ہو تو اس میں اختلاف ہے صحیح بات یہ ہے کہ یہ بھی ایک برائی ہے اگر وہ بچہ سمجھدار ہو تو اس لباس کو اتارنا ضروری ہے کیونکہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد گرامی عام ہے آپ نے فرمایا:

هٰذَانِ حَرَامٌ عَلٰی ذُکُوْرِ اُمَّتِیْ (۱) یہ دونوں (ریشم اور سونا) میری امت کے مردوں پر حرام ہیں۔

اور جیسے بچے کو شراب پینے سے منع کرنا واجب ہے تو اس لیے نہیں کہ وہ مکلف ہے بلکہ اس لیے کہ وہ اس سے مانوس نہ ہو جائے کیونکہ بالغ ہونے کے بعد اس کے لیے چھوڑنا مشکل ہو جائے گا اسی طرح ریشمی کپڑے کے ساتھ زینت حاصل کرنے کی خواہش جب عادت بن گئی تو غالب آجائے گی تو گویا اس کے سینے میں فساد کا بیج بو دیا گیا اس سے شہوت کا درخت اُگے گا جو اتنا مضبوط ہوگا کہ بالغ ہونے کے بعد اسے اکھاڑنا مشکل ہو جائے گا۔

لیکن وہ بچہ جس کو کچھ سمجھ حاصل نہیں اس کے حق میں حرام ہونے کا مفہوم کمزور ہے لیکن اس کے احتمال سے خالی نہیں اور حقیقت حال کا علم اللہ تعالیٰ کے پاس ہے۔

پاگل اس بچے کے حکم میں ہے جو سمجھ نہیں رکھتا ہاں عورتوں کے لیے سونے اور ریشم سے زینت حاصل کرنا جائز ہے لیکن ضرورت سے زائد نہ ہو میرے نزدیک کانوں میں بالیاں ڈالنے کے لیے چھوٹی بچی کے کان چھیدنے کی اجازت نہیں ہے کیوں کہ یہ زخمی کرنا ہے جس سے اذیت ہوتی ہے اور اس قسم کے عمل سے قصاص واجب ہو جاتا ہے لہٰذا کسی اہم حاجت کے بغیر جائز نہیں ہے، جیسے پچھنا لگانا، فصد کھولنا اور ختنہ وغیرہ ضرورت کے مطابق ہوتے ہیں۔ اور بالیوں کے ذریعے زینت حاصل کرنا کوئی ضروری بات نہیں ہے بلکہ اگر بُندوں کو باندھ کر ان کو کان کے اوپر ڈال دیا جائے تو کافی ہیں نیز ہار اور کنگن وغیرہ بھی کفایت کرتے ہیں، اگر اس عمل کی عادت ہو تو حرام ہے اور اس سے روکنا واجب ہے۔ اس پر اجرت لینا جائز نہیں اور نہ ہی کسی سے اجرت پر یہ کام کرانا جائز ہے البتہ اگر شریعت کی طرف سے کوئی اجازت منقول ہو تو ٹھیک ہے لیکن ابھی تک ہمیں اس سلسلے میں رخصت کا علم نہیں ہوا۔

ان خرابیوں میں سے ایک خرابی یہ ہے کہ ضیافت میں کوئی بدعتی ہو جو اپنی بدعت کے بارے میں گفتگو کرتا ہو تو جو آدمی اس کا رد کر سکتا ہو اس کے لیے جائز ہے کہ وہ اس ارادے سے وہاں جائے اور اگر اس پر قادر نہ ہو تو جائز نہیں اور اگر وہ اپنی بدعت کے بارے میں کوئی بات نہیں کرتا تو وہاں جانا جائز ہے لیکن اسے ناپسند کرتا ہو اور اس سے منہ پھیرے جیسا کہ ہم نے اللہ تعالیٰ کے لیے کسی سے دشمنی کرنے کے سلسلے میں ذکر کیا ہے۔ اور اگر اس ضیافت میں کوئی مسخرہ ہو جو واقعات اور عجائبات کے ذریعے ہنساتا ہو تو دیکھنا چاہیے اگر وہ بے ہودہ باتوں اور جھوٹ کے ذریعے ہنساتا ہے تو وہاں جانا جائز نہیں اور اگر جائے تو اس کا رد کرے اور اگر وہ محض مزاح ہو اس میں جھوٹ یا بے حیائی کی کوئی بات نہ ہو تو یہ جائز ہے لیکن جب کم ہو، اسے عادت اور پیشہ بنا لینا جائز نہیں اور جس جھوٹ میں جھوٹ ہونا واضح اور ظاہر ہو اور دھوکہ دینا مقصود نہ ہو تو یہ منکرات میں سے نہیں ہے مثلاً کوئی شخص کہے کہ میں نے آج تمہیں ایک سو مرتبہ

---

(۱) سنن کبریٰ للبیہقی جلد ۲ ص ۴۲۵ کتاب الصلوٰۃ

تلاش کیا یا تم سے ہزار دفعہ یوں کہا اور اس طرح کی دوسری باتیں جن سے حقیقی معانی مراد نہیں ہوتے تو ان سے انسان کے عادل ہونے میں کوئی خرابی لازم نہیں آتی اور نہ اس کے ذریعے اس کی گواہی رد کی جائے۔ جائز مزاح اور جائز جھوٹ کا بیان مہلکات کے باب میں زبان کی آفات کے سلسلے میں ذکر کیا جائے گا۔

ان خرابیوں میں سے ایک خرابی یہ ہے کہ کھانے اور عمارت میں ضرورت سے زائد خرچ کیا جائے تو یہ ممنوع ہے بلکہ مال میں دو خرابیاں ہیں ایک اسے ضائع کرنا اور دوسرا اسراف — مال کو کسی فائدے کے بغیر کھو دینا ضائع کرنا ہی ہے جیسے کپڑے کو جلا دینا، پھاڑ دینا اور عمارت کو گرا دینا جب کہ یہ سب کام کسی مقصد کے بغیر ہوں۔ اسی طرح مال کو دریا میں ڈال دینا — نوحہ کرنے والی اور گانے والی عورت پر مال خرچ کرنا بھی اسی زمرے میں آتا ہے۔ اسی طرح دوسرے منکرات میں خرچ کرنا بھی اسی کھاتے میں جاتا ہے کیوں کہ یہ فائدہ شرعی طور پر حرام ہے لہٰذا نہ ہونے کی طرح ہے۔

کبھی نوحہ کرنے والی اور گانے والی عورتوں پر نیز دوسری خرابیوں میں مال خرچ کرنے کو اسراف کہا جاتا ہے اور کبھی جائز کاموں میں خرچ کرنا بھی اسراف ہوتا ہے جب ضرورت سے زیادہ خرچ کیا جائے اور یہ زیادتی حالات کے اعتبار سے مختلف ہوتی ہے۔

تو ہم کہتے ہیں کہ مثلاً ایک شخص صرف ایک سو دینار کا مالک ہے اور اس کے ساتھ اس کے اہل خانہ اور اولاد بھی ہے اور اس رقم کے علاوہ اس کا کوئی دوسرا ذریعہ معیشت نہیں ہے تو اب یہ تمام رقم ولیمہ پر خرچ کر دینا اسراف ہے۔ اور اس سے روکنا واجب ہے ارشاد خداوندی ہے۔

وَلَا تَبْسُطْهَا كُلَّ الْبَسْطِ فَتَقْعُدَ مَلُومًا مَّحْسُورًا۔(۱)

اور اپنے ہاتھوں کو مکمل طور پر کشادہ نہ کرو، ورنہ ملامت کئے ہوئے نقصان اٹھائے ہوئے بیٹھ جاؤ گے۔

یہ آیت کریمہ مدینہ طیبہ کے ایک شخص کے بارے میں نازل ہوئی جس نے اپنا تمام مال تقسیم کر دیا اور اپنے اہل وعیال کے لیے کچھ نہ چھوڑا۔ اس سے ان کے نفقہ کا مطالبہ ہوا تو وہ کسی چیز پر قادر نہ تھا۔

ارشاد خداوندی ہے:

وَلَا تُبَذِّرْ تَبْذِيرًا إِنَّ الْمُبَذِّرِينَ كَانُوا إِخْوَانَ الشَّيَاطِينِ(۱)

اور نہ فضول خرچی کرو بے شک فضول خرچ کرنے والے شیطانوں کے بھائی ہیں۔

اسی طرح ارشاد باری تعالیٰ ہے:

---

(۱) سورۂ اسراء آیت ۲۹

(۲) قرآن مجید، سورۂ اسراء آیت ۲۶، ۲۷

وَالَّذِیْنَ اِذَآ اَنْفَقُوْا لَمْ یُسْرِفُوْا وَلَمْ یَقْتُرُوْا۔ (۱)

اور وہ لوگ (اللہ تعالیٰ کے نیک بندے ہیں) جو خرچ کرتے وقت نہ ضرورت سے زیادہ خرچ کرتے ہیں اور نہ اس میں کمی کرتے ہیں۔

تو جو شخص اس قسم کا اسراف کرے اس کو روکا جائے اور قاضی پر واجب ہے کہ اس پہ پابندی لگا دے، البتہ کوئی شخص تنہا ہو اور وہ توکل میں نہایت قوت راسخہ کا مالک ہو تو وہ نیکی کے راستے میں اپنا تمام مال خرچ کر سکتا ہے اور جس کی اولاد ہو اور وہ توکل سے بھی عاجز ہو وہ اپنا تمام مال صدقہ نہیں کر سکتا اسی طرح اگر وہ اپنا سب مال دیواروں کے نقش و نگار اور مکان کی زیب و زینت پر خرچ کر دے تو یہ بھی حرام اسراف ہے البتہ جس آدمی کے پاس بہت زیادہ مال ہو اس پہ حرام نہیں کیوں کہ زیب و زینت صحیح مقاصد کے لیے ہوتی ہے۔ اور مساجد کی زیب و زینت ہمیشہ سے چلی آئی ہے اسی طرح مساجد کے دروازوں اور چھتوں پر نقش و نگار ہوتے ہیں حالانکہ زینت کے علاوہ ان کا کوئی فائدہ نہیں۔

تو یہی حکم مکانات کا ہے۔ اسی طرح ہم اچھے کپڑوں کے ساتھ زینت اختیار کرنے اور اچھے کانوں سے لطف اندوز ہونے کے بارے میں کہتے ہیں کہ یہ کام بذات خود جائز ہیں لیکن نادار آدمی کے لیے اسراف بن جاتا ہے۔

ان منکرات کی مثالیں بے شمار ہیں ان کا احاطہ ممکن نہیں اجتماعات قاضیوں کی محافل، سلاطین کے درباروں، مدارس، فقہاء، صوفیاء کی خانقاہوں اور بازاروں کی سراؤں کو ان پر قیاس کر لو کوئی بھی جگہ برائی سے خالی نہیں ہوتی چاہے وہ برائی مکروہ ہو یا حرام، تمام برائیوں کی تفصیل اس بات کا تقاضا کرتی ہے کہ شریعت کے تمام اصول و فروع کا احاطہ کیا جائے تو ہم صرف اسی (مذکورہ) مقدار پر اکتفا کرتے ہیں۔

عام برائیاں:

جو آدمی اپنے گھر میں بیٹھا ہوا ہے وہ کہیں بھی ہو اس زمانے میں اس اعتبار سے وہ برائی سے خالی نہیں کہ وہ لوگوں کو ہدایت اور تعلیم دینے اور نیکی کا حکم دینے سے پہلو تہی کر رہا ہے۔ شہروں میں اکثر لوگ نماز کی شرائط سے ناواقف ہیں تو دیہات اور جنگلوں کا کیا حال ہو گا ان میں سے اعرابی (عرب کے دیہاتی) ترکمانی اور کرد نیز ان کے علاوہ دوسرے لوگ بھی ہیں۔

شہر کی ہر مسجد اور محلہ میں ایک فقیہ (عالم) ہونا ضروری ہے جو ان کو ان کا دین سکھائے اسی طرح ہر بستی میں ایک عالم ہونا واجب ہے اور جو عالم فرض عین سے فارغ ہو چکا ہو اور اس کے پاس فرض کفایہ کے لیے وقت ہو تو وہ اپنے شہر کے گرد و نواح میں جائے اور وہاں کے رہنے والے دیہاتیوں کو جو اعرابی اور کرد یا ان کے علاوہ دوسرے لوگ ہیں، ان کا دین سکھائے اپنے ساتھ کھانے پینے کا سامان لے جائے اور اسے کھائے لوگوں کا کھانا نہ کھائے کیونکہ عام طور پر ان کا کھانا

---

(۱) قرآن مجید، سورۂ فرقان آیت ۶۷

چھینے ہوئے مال سے ہوتا ہے اگر ان میں سے ایک عالم بھی یہ کام کرے تو دوسروں سے ساقط ہو جائے گا ورنہ سب کے ذمے وبال رہے گا عالم کے ذمہ اس لیے کہ اس نے باہر جانے میں کوتاہی کی اور جاہل کے ذمے اس لیے کہ اس نے سیکھنے میں کوتاہی برتی عوام میں سے جو آدمی نماز کے مسائل سے واقف ہو اس پر لازم ہے کہ وہ دوسروں کو سکھائے۔ ورنہ وہ بھی گناہ میں شریک ہوگا۔ اور یہ بات معلوم ہے کہ آدمی پیدائشی طور پر عالم نہیں ہوتا بلکہ اہل علم پر تبلیغ واجب ہے اور جو شخص ایک مسئلہ بھی سیکھ لے وہ اس کا عالم ہوگا۔

بلاشبہ علماء پر گناہ زیادہ ہوگا کیونکہ وہ اس سلسلے میں زیادہ طاقت رکھتے ہیں اور یہ کام ان کے زیادہ لائق ہے کیونکہ کام کاج کرنے والے لوگ اگر اپنا پیشہ چھوڑ دیں تو معیشت تباہ ہو جائے گی انہوں نے تو وہ کام اختیار کیا ہے جو مخلوق کی بہتری کے لیے ضروری ہے جب کہ عالم کی ذمہ داری یہ ہے کہ جو کچھ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے اس تک پہنچا ہے وہ آگے پہنچائے کیونکہ علماء کرام انبیاء علیہم السلام کے وارث ہیں اور کسی آدمی کے لیے جائز نہیں کہ وہ گھر میں بیٹھ جائے اور مسجد میں نہ جائے کہ لوگ اچھی طرح نماز نہیں پڑھتے بلکہ جب اسے یہ بات معلوم ہو تو سکھانے اور (غلط طریقے سے) منع کرنے کے لیے نکلنا واجب ہے اسی طرح جس آدمی کو یقین ہو کہ بازار میں برائی ہو رہی ہے اور وہ مسلسل جاری ہے یا کسی معین وقت میں ہوتی ہے اور وہ اس کو بدلنے پر قادر ہے تو اس کے لیے جائز نہیں کہ اس ذمہ داری سے رُوگردانی کر کے گھر میں بیٹھ جائے بلکہ اس پر لازم ہے کہ باہر نکلے اور وہ تمام برائیوں کو بدل نہیں سکتا لیکن بعض کو دور کر سکتا ہے اور وہ ان برائیوں کو دیکھنے سے بچتا ہے تو بھی اس پر خروج لازم ہے کیونکہ وہ اس برائی کو ختم کرنے کے لیے نکلے گا جس کو بدلنے پر قادر ہے تو جس کو بدلنے پر قادر نہیں اس کو دیکھنے سے کوئی نقصان نہیں ہوگا۔ برائی کو دیکھنے کے لیے حاضر ہونے کی ممانعت اس وقت ہے جب اس کی غرض صحیح نہ ہو۔

تو ہر مسلمان پر لازم ہے کہ اپنے آپ سے شروع کرے اور فرائض کی ادائیگی اور حرام کاموں کو چھوڑنے کے ذریعے اپنے نفس کی اصلاح کرے پھر یہی بات اپنے گھر والوں کو سکھائے پھر ان سے فارغ ہونے کے بعد پڑوسیوں تک پہنچے۔ پھر اہل محلہ کی اصلاح کرے پھر اپنے شہر والوں کو تبلیغ کرے پھر وہ دیہاتی جو شہر کے مضافات میں ہیں ان کی اصلاح کرے۔ اس کے بعد جنگلوں میں رہنے والے جیسے اعرابی اور کُرد (پاکستان میں خانہ بدوش) وغیرہ کو سکھائے۔ اسی طرح کرتے کرتے دنیا کی انتہا تک پہنچ جائے۔

پھر اگر قریب رہنے والے اس کام کو بجا لائیں تو دُور والوں سے ساقط ہو جائے گا۔ ورنہ سب ذمہ دار ہوں گے قریب رہنے والے ہوں یا دُور — اور جب تک زمین پر ایک آدمی بھی ایسا ہے جو دین کے فرائض میں سے کسی ایک فرض سے بھی بے خبر ہے اور یہ شخص اسے خود یا کسی اور کے ذریعے فرائض کی تعلیم دے سکتا ہے تو اس وقت یہ ذمہ داری ساقط نہیں ہوگی۔

جس آدمی کو دین کی فکر ہو اس کے لیے یہ کام نہایت اہم ہے اسے تفریعات نادرہ اور علوم کی باریکیوں میں غور کرنے کی بجائے ہر کام بجالانا چاہیے کیوں کہ وہ کام فرض کفایہ سے ہیں اور اس تبلیغ سے یا تو فرض عین مقدم ہے یا وہ فرض کفایہ جو اس سے اہم ہو۔

امراء اور سلاطین کو امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرنا

ہم امر بالمعروف کے درجات کا ذکر کر چکے ہیں۔ پہلا درجہ آگاہ کرنا دوسرا درجہ وعظ و نصیحت کرنا تیسرا درجہ زبان سے سخت الفاظ کہنا اور چوتھا درجہ زدوکوب کرنے اور سزا دینے کے ذریعے حق کی طرف لانا ہے۔

بادشاہوں کے ساتھ پہلے دو طریقے اختیار کرنا جائز ہے اور وہ آگاہ کرنا اور وعظ و نصیحت کرنا ہے۔

ان کو زبردستی منع کرنے کا حق رعایا کو حاصل نہیں کیونکہ اس سے فتنہ بپا ہوگا۔ اور شرانگیزی ہوگی اور اس سے پیدا ہونے والی برائی زیادہ ہوگی۔

جہاں تک سخت زبان استعمال کرنے کا تعلق ہے جیسے بادشاہ کو یوں مخاطب کرنا اے ظالم! اے وہ شخص جو اللہ تعالیٰ سے نہیں ڈرتا اور اس طرح کے دوسرے الفاظ استعمال کرنا، تو دیکھیں اگر اس سے ایسا فتنہ پیدا ہوتا ہے جس کا شر دوسرے افراد تک پہنچتا ہے تو اس انداز کو اپنانا جائز نہیں اور اگر اس سے صرف اپنی ذات کے بارے میں ہی خوف ہو تو یہ جائز بلکہ مستحب ہے کیونکہ ہمارے اسلاف کا طریقہ تھا کہ وہ جان سوزی اور مختلف قسم کے عذابوں کا سامنا کرنے کی پرواہ کئے بغیر واضح الفاظ میں روکتے تھے۔

کیونکہ وہ جانتے تھے کہ اس صورت میں ہلاک ہوں گے تو شہید ہوں گے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

خَيْرُ الشُّهَدَاءِ حَمْزَةُ بْنُ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ ثُمَّ رَجُلٌ قَامَ إِلَى إِمَامٍ فَأَمَرَهُ وَنَهَاهُ فِي ذَاتِ اللَّهِ تَعَالَى فَقَتَلَهُ عَلَى ذٰلِكَ۔

سب سے اچھے شہید حضرت حمزہ بن عبد المطلب رضی اللہ عنہ ہیں پھر وہ شخص جو حاکم کے پاس کھڑا ہو کر اسے اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری کا حکم دیتا اور (برائی سے) روکتا ہے تو وہ حکمران اسے اس وجہ سے قتل کر دیتا ہے۔

اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

أَفْضَلُ الْجِهَادِ كَلِمَةُ حَقٍّ عِنْدَ سُلْطَانٍ جَائِرٍ (۲)

سب سے اچھا جہاد ظالم بادشاہ کے سامنے کلمۂ حق کہنا ہے۔

---

(۱) تاریخ بغداد جلد ۶ ص ۵۳ ترجمہ ۳۰۷۸

(۲) سنن ابن ماجہ ص ۲۹۹، ابواب الفتن

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی تعریف میں فرمایا وہ لوہے کا سر ہیں، اللہ تعالیٰ کے بارے میں وہ کسی ملامت کرنے والے کی ملامت سے نہیں ڈرتے (۱) سچی بات کہنے کی وجہ سے ان کا کوئی دوست نہیں رہا تھا۔

جب دین میں پختہ لوگوں کو معلوم ہوا کہ بہترین کلام، کلمۂ حق ہے جو ظالم بادشاہ کے سامنے کہا جائے اور ایسا شخص اگر قتل ہو جائے تو شہید ہوتا ہے جیسا کہ روایات میں آیا ہے تو انہوں نے اپنے دلوں میں موت کا تصور کرتے ہوئے اور اللہ تعالیٰ کے لیے طرح طرح کے عذاب اٹھاتے ہوئے اور ان پر صبر کرتے ہوئے اس کام کی جرأت کی اور اپنی جانثاری کا ثواب بارگاہ خداوندی سے طلب کیا۔

حکمرانوں اور سلاطین کو امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرنے کا طریقہ: وہی ہے جو اسلاف سے منقول ہے۔ ہم نے حلال وحرام کے بیان میں کچھ ذکر کیا ہے اب کچھ واقعات پر اکتفا کرتے ہیں جن کے ذریعے وعظ کا طریقہ اور نہی عن المنکر کی کیفیت معلوم ہو جائے گی۔

ان واقعات میں سے ایک حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کا قریش کے سرداروں کو منع کرنا ہے جب انہوں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو ایذا پہنچانے کا ارادہ کیا حضرت عروہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں میں نے حضرت عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ قریش جو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے عداوت رکھتے تھے انہوں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو جو اذیتیں پہنچائی ہیں ان میں سے زیادہ اذیت آپ نے کونسی دیکھی ہے؟ وہ فرماتے ہیں میں ایک دن قریش کے پاس گیا اور وہ حطیم میں جمع تھے انہوں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر کیا اور کہنے لگے ہم نے جس قدر اس شخص سے صبر کیا ہے ایسا کبھی نہیں دیکھا۔ اس نے ہمارے عقل مندوں کو بیوقوف کہا، ہمارے آباء و اجداد کو برا بھلا کہا، ہمارے دین کو برا کہا ہماری جماعت کو تتر بتر کر دیا اور ہمارے خداؤں کی توہین کی۔ ہم نے بڑی بڑی باتوں پر صبر کیا اور اس طرح کے الفاظ کہے۔ اسی دوران رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے آپ چلتے چلتے حجر اسود تک پہنچے اور اسے بوسہ دیا پھر بیت اللہ شریف کا طواف کرتے ہوئے ان لوگوں تک پہنچے، وہاں سے گزر رہے تھے کہ ان لوگوں نے کوئی آوازہ کسا راوی فرماتے ہیں میں نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرۂ مبارکہ میں کچھ تبدیلی پائی پھر دوسری مرتبہ ان کے پاس سے گزرے تو انہوں نے اسی قسم کا لفظ کہا میں نے اسے بھی آپ کے چہرے سے معلوم کر لیا پھر آپ چلتے ہوئے تیسری مرتبہ ان کے پاس سے گزرے تو انہوں نے اسی قسم کا آوازہ کسا حتیٰ کہ آپ ٹھہر گئے پھر فرمایا:

اے قریش سنتے ہو اس ذات کی قسم جس کے قبضے میں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی جان ہے میں تمہارے پاس ذبح (قتل) لایا ہوں۔

---

(۱) البدایہ والنہایہ جلد ۷، ص ۳۶۱ ذکر مقتل امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ

راوی فرماتے ہیں انہوں نے سر جھکا لئے اور یوں لگتا تھا کہ ان کے سروں پر پرندے ہیں حتیٰ کہ ان میں سے وہ شخص جو پہلے آپ سے زیادہ سخت کلام کرتا تھا اب اچھے سے اچھے الفاظ کے ساتھ آپ کی دلجوئی کرنے لگا حتیٰ کہ وہ کہنے لگا اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم آپ بھلائی کے ساتھ تشریف لے جائیں اللہ کی قسم آپ نادان نہیں۔

راوی فرماتے ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم واپس تشریف لے گئے حتیٰ کہ جب دوسرا دن ہوا تو وہ لوگ حطیم میں جمع ہو گئے میں بھی ان کے ساتھ تھا وہ ایک دوسرے سے کہنے لگے تمہیں یاد ہے جو تمہیں ان سے پہنچا اور جو کچھ ان کو تم سے پہنچا۔ یہاں تک کہ جب انہوں نے علانیہ تم سے وہ باتیں کہیں جو تم ناپسند کرتے تھے تو تم نے ان کو چھوڑ دیا اسی دوران نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے تو ان سب نے مل کر آپ پر حملہ کر دیا اور آپ کا گھیراؤ کرتے ہوئے کہنے لگے تم ہی فلاں فلاں باتیں کرتے ہو وہ باتیں بتانے لگے جو آپ نے ان کے جھوٹے خداؤں اور ان کے دین کی مذمت میں کہی تھیں۔

راوی فرماتے ہیں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہاں میں ہی کہتا ہوں، فرماتے ہیں میں نے ان میں سے ایک شخص کو دیکھا اس نے آپ کی چادر مبارک کو پکڑ کر آپ کو گھسیٹا اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ آپ کے پیچھے کھڑے رو رہے تھے، آپ نے فرمایا کیا تم ایک شخص کو اس بات پر قتل کرتے ہو کہ وہ کہتا ہے میرا رب اللہ تعالیٰ ہے، راوی فرماتے ہیں پھر وہ لوگ ہٹ گئے قریش نے آپ کو اس سے پہلے اس سے زیادہ اذیت نہیں دی تھی (۱)

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ کی ایک دوسری روایت میں اس طرح ہے فرماتے ہیں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کعبہ شریف کے صحن میں تھے کہ عقبہ بن ابی معیط آگیا اس نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا کاندھا پکڑ کر اپنا کپڑا آپ کے گلے میں لپیٹ دیا اور پھر اسے زور سے گھونٹا اتنے میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ تشریف لائے آپ نے اسے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے دور کیا اور فرمایا کیا تم ایک شخص کو اس لیے قتل کرتے ہو کہ وہ کہتا ہے میرا رب اللہ ہے اور وہ تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے واضح نشانیاں لایا ہے۔ (۲)

ایک روایت میں ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے عطیات روک لیے تو حضرت ابومسلم خولانی نے کھڑے ہو کر کہا اے معاویہ! یہ مال نہ آپ کی محنت سے ہے نہ آپ کے باپ کی محنت سے ہے اور نہ آپ کی ماں کی محنت سے ہے۔

راوی فرماتے ہیں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو غصہ آیا آپ منبر سے اترے اور لوگوں سے فرمایا اپنی جگہ ٹھہرے رہو پھر ایک گھڑی ان لوگوں کی نظروں سے غائب ہو گئے پھر تشریف لائے تو غسل کیا ہوا تھا فرمایا ابومسلم نے مجھ سے ایک کلام کیا

---

(۱) مجمع الزوائد جلد ۶ ص ۱۵، ۱۶ کتاب المغازی والسیر

(۲) صحیح بخاری جلد ۲ ص ۷۱۱ کتاب التفسیر

جس سے مجھے غصہ آگیا اور میں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا آپ نے فرمایا۔

"غصہ شیطان سے ہے اور شیطان آگ سے پیدا کیا گیا آگ کو پانی سے بجھایا جاتا ہے پس جب تم میں سے کسی ایک کو غصہ آئے تو وہ غسل کرلے۔" (۱) ابومسلم نے سچ کہا ہے یہ مال نہ میری محنت سے حاصل ہوا نہ میرے باپ کی محنت سے، آؤ اور اپنا اپنا عطیہ لے جاؤ۔

حضرت ضبہ بن محصن غنزی سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ بصرہ میں ہمارے امیر تھے وہ جب بھی خطبہ دیتے تو اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا کرتے، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود شریف بھیجتے اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے لیے دعا کرتے، فرماتے ہیں اس سے مجھے بہت غصہ آیا میں نے کھڑے ہو کر کہا آپ ان کے ساتھی حضرت (ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ) کو چھوڑتے اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو ان پر فضیلت دیتے ہیں؟ انہوں نے چند جمعۃ المبارک پر ایسا کیا اور پھر حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی خدمت میں میری شکایت لکھ بھیجی اور لکھا کہ حضرت ضبہ بن محصن میرے خطبے میں دخل اندازی کرتے ہیں حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے ان کو لکھا کہ آپ ان کو میری طرف بھیجیں میں حاضر ہوا دروازہ کھٹکھٹایا تو آپ باہر تشریف لائے اور فرمایا کون ہو؟ میں نے عرض کیا میں ضبہ ہوں، انہوں نے فرمایا تمہیں خوش آمدید نہیں ہے میں نے عرض کیا مرحبا تو خدا کی طرف سے ہے، اور جہاں تک اہل و مال کا تعلق ہے تو میرے پاس نہیں ہیں لیکن آپ بتائیں کہ آپ نے مجھے کسی گناہ اور غلطی کے بغیر میرے شہر سے کیوں بلایا ہے؟ آپ نے فرمایا میرے عامل اور تیرے درمیان کیا جھگڑا ہے؟ میں نے عرض کیا میں آپ کو بتاتا ہوں جب وہ خطبہ دیتے ہیں تو اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا اور بارگاہ رسالت میں ہدیۂ صلوٰۃ پیش کرنے کے بعد پہلے آپ کے لیے دعا مانگتے ہیں، مجھے اس پر غصہ آیا اور میں نے اٹھ کر پوچھا کہ آپ نے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ پر فضیلت کیوں دی ہے؟ لیکن انہوں نے چند جمعہ اسی طرح کیا اور پھر آپ کی طرف شکایت لکھ بھیجی۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ یہ سن کر رونے لگے اور وہ فرما رہے تھے اللہ کی قسم اس کی نسبت تم زیادہ توفیق دیئے گئے اور زیادہ ہدایت یافتہ ہو کیا تم میرا قصور معاف کر سکتے ہو؟ اللہ تعالیٰ تمہاری بخشش فرمائے میں نے عرض کیا امیر المومنین! اللہ تعالیٰ آپ کی مغفرت فرمائے، فرماتے ہیں انہوں نے پھر رونا شروع کر دیا اور فرمایا اللہ کی قسم! حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی ایک رات اور ایک دن حضرت عمر اور ان کی آل سے بہتر ہیں کیا میں ان کی رات اور دن کے بارے میں تم سے بیان نہ کروں؟ فرماتے ہیں میں نے عرض کیا جی ہاں بیان کیجئے۔

انہوں نے فرمایا:

---

(۱) حلیۃ الاولیاء جلد ۲ ص ۱۳۰ ترجمہ ۱۶۸

جہاں تک رات کا تعلق ہے تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب مکہ مکرمہ سے (مدینہ طیبہ کی طرف) ہجرت کا ارادہ فرمایا تو آپ رات کے وقت تشریف لے گئے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ آپ کے ساتھ تھے کبھی آپ سے آگے ہو جاتے اور کبھی پیچھے، کبھی دائیں طرف اور کبھی بائیں جانب، رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ابوبکر! یہ کیا ہے؟ میرے علم کے مطابق تم نے ایسا کبھی نہیں کیا انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ! جب میں خیال کرتا ہوں کہ کوئی گھات لگائے نہ بیٹھا ہو تو آپ کے آگے ہو جاتا ہوں اور جب خیال آتا ہے کہ کوئی پیچھا نہ کر رہا ہو تو پیچھے ہو جاتا ہوں کبھی دائیں جانب اور کبھی بائیں جانب ہو جاؤں کیوں کہ میں آپ کی طرف سے فکرمند ہوں فرماتے ہیں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پاؤں مبارک کی انگلیوں کے بل چلے یہاں تک کہ وہ گھس گئیں جب حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے آپ کی انگلیوں کی یہ حالت دیکھی تو آپ کو اپنے کاندھے پر اٹھا لیا اور دوڑ پڑے حتیٰ کہ غار کے دہانے پر آگئے اور آپ کو اتار دیا۔ پھر فرمایا اس ذات کی قسم جس نے آپ کو حق کے ساتھ بھیجا جب تک میں داخل نہ ہو جاؤں آپ داخل نہ ہوں، اگر وہاں کوئی چیز ہو تو اس کا ضرر مجھے پہنچے فرماتے ہیں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ داخل ہوئے تو وہاں کوئی چیز نظر نہ آئی چنانچہ آپ کو اٹھا کر اندر لے گئے۔

غار میں سوراخ تھا جس میں سانپ اور بچھو تھے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اس میں اپنا پاؤں رکھ دیا تاکہ کوئی چیز نکل کر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اذیت نہ پہنچائے وہ آپ کے قدم مبارک کو ڈستے رہے اور تکلیف کی وجہ سے آپ کے آنسو رخسار مبارک پر گرنے لگے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے رہے۔

"اے ابوبکر! غم نہ کرو اللہ تعالیٰ ہمارے ساتھ ہے" تو اللہ تعالیٰ نے ان پر سکون و اطمینان اتار دیا — یہ تو آپ کی وہ رات تھی اور آپ کے دن کا معاملہ یوں ہے کہ جب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہوا تو (بعض) عرب مرتد ہو گئے ان میں سے بعض نے کہا ہم نماز پڑھیں گے لیکن زکوٰۃ نہیں دیں گے میں آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر آپ کو مسلسل عرض کرتا رہا کہ اے رسول اللہ کے خلیفہ! لوگوں سے الفت و نرمی کا برتاؤ کیجئے تو آپ نے مجھے فرمایا کیا دور جاہلیت میں سخت اور اسلام میں نرم ہو گئے ہو۔ میں کسی دلیل سے ان کے ساتھ نرمی برتوں، رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہو گیا اور وحی کا سلسلہ بند ہو گیا اللہ کی قسم اگر وہ مجھے ایک رسی بھی نہیں دیں گے جو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں دیتے تھے تو میں ان سے جہاد کروں گا فرماتے ہیں پھر ہم نے ان لوگوں کے خلاف جہاد کیا تو اللہ کی قسم حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ اس معاملے میں درست رائے رکھتے تھے — تو یہ آپ کے دن کا معاملہ ہے۔

پھر آپ نے حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کو لکھا کہ ایسا نہ کریں۔

حضرت اصمعی رحمہ اللہ سے منقول ہے فرماتے ہیں کہ حضرت عطا بن ابی رباح، عبدالملک بن مروان کے پاس تشریف لے گئے وہ اپنے تخت پر بیٹھا ہوا تھا اور اس کے ارد گرد ہر قبیلے کے معزز لوگ جمع تھے ان دنوں عبدالملک کا دور

حکومت تھا اور وہ حج کے لیے مکہ مکرمہ آیا ہوا تھا، جب اس نے آپ کو دیکھا تو استقبال کے لیے کھڑا ہو گیا اور آپ کو اپنے ساتھ تخت پر بٹھایا خود سامنے بیٹھ گیا اور پوچھا اے ابو محمد! آپ کیسے تشریف لائے؟

آپ نے فرمایا اے امیر المومنین! اللہ تعالیٰ کے حرم اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے حرم میں اللہ تعالیٰ سے ڈرنا، اور ان کی آبادی کی خبر گیری کرنا۔

مہاجرین اور انصار کی اولاد کے بارے میں اللہ تعالیٰ سے ڈرتا تم ان کی وجہ سے یہاں بیٹھے ہو سرحدوں کی حفاظت کرنے والوں (فوجیوں) کے بارے میں ڈرنا وہ مسلمانوں کی پناہ گاہ ہیں نیز مسلمانوں کے معاملات اور ضروریات کو تلاش کرتے رہنا کیونکہ اس سلسلے میں تم اکیلے سے سوال ہوگا، جو لوگ تمہارے دروازے پر آئیں ان کے بارے میں ڈرنا اور ان سے غافل نہ ہونا ان پر اپنے دروازے بند نہ کرنا اس نے کہا ہاں میں اسی طرح کروں گا پھر آپ اٹھ کھڑے ہوئے تو عبدالملک نے آپ کا ہاتھ پکڑ کر کہا اے محمد! آپ نے دوسروں کی حاجت کے بارے فرمایا اور ہم اسے پورا کریں گے آپ اپنی حاجت بتائیں؟ انہوں نے فرمایا مجھے مخلوق سے کوئی حاجت نہیں پھر آپ تشریف لے گئے تو عبدالملک نے کہا تمہارے باپ کی قسم شرف اس کو کہتے ہیں۔

منقول ہے کہ ولید بن عبدالملک نے ایک دن دربان سے کہا دروازے پر کھڑے ہو جاؤ جب وہاں سے کوئی شخص گزرے تو اسے میرے پاس لے آؤ تاکہ وہ مجھ سے باتیں کرے دربان دیر تک دروازے پر کھڑا رہا تو حضرت عطا بن ابی رباح رحمہ اللہ وہاں سے گزرے وہ ان کو پہچانتا نہیں تھا اس نے کہا حضرت! امیر المومنین کے پاس تشریف لائیں اس نے مجھے اس بات کا حکم دیا ہے حضرت عطا، ولید کے پاس تشریف لے گئے اس کے پاس حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ بھی تشریف فرما تھے جب حضرت عطا، ولید کے قریب پہنچے تو یوں کہا اے ولید "السلام علیک"، ولید کو اپنے دربان پر غصہ آیا اور اس نے کہا تو ہلاک ہو میں نے کہا تھا کسی ایسے شخص کو میرے پاس لائے جو مجھ سے باتیں کرے اور کہانیاں سنائے۔ اور تم نے ایسے شخص کو داخل کیا جو مجھے اس نام سے پکارنے پر راضی نہیں جسے اللہ تعالیٰ نے میرے لیے پسند فرمایا؟ دربان نے کہا وہاں سے ان کے علاوہ کوئی نہیں گزرا پھر ولید نے حضرت عطا سے کہا بیٹھ جائیں اس کے بعد ان کی طرف متوجہ ہو کر باتیں کرنے لگا حضرت عطا رحمہ اللہ نے جو گفتگو فرمائی اس میں یہ بات بھی تھی آپ نے فرمایا ہمیں معلوم ہوا ہے کہ جہنم میں ایک وادی ہے جسے ہبہب کہا جاتا ہے اللہ تعالیٰ نے اسے ان حاکموں کے لیے تیار کیا ہے جو اپنے حکم میں ظلم کرتے ہیں، ولید نے یہ بات سن کر چیخ ماری وہ مجلس کے دروازے کی دہلیز پر بیٹھا تھا تو وہ پشت کے بل گرا اور بیہوشی کے عالم میں مجلس کے درمیان پہنچ گیا، حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ نے حضرت عطا سے فرمایا آپ نے امیر المومنین کو ہلاک کر دیا، حضرت عطا نے حضرت عمر بن عبدالعزیز کا بازو پکڑ کر اسے زور سے دبایا پھر فرمایا اے عمر! واقعی معاملہ اسی طرح ہے پھر حضرت عطا اٹھ کر چلے گئے، راوی کہتے ہیں ہمیں حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کے بارے میں خبر پہنچی ہے انہوں نے

فرمایا میں نے ایک سال تک ان کے دبانے کا اثر اپنے بازو میں محسوس کیا۔

حضرت ابن شمیلہ جو عقل اور علم میں معروف تھے، عبدالملک بن مروان کے پاس تشریف لے گئے عبدالملک نے کہا کچھ فرمائیں انہوں نے فرمایا میں کیا کہوں؟ آپ تو جانتے ہیں کہ ہر کلام، متکلم کے لیے وبال جان ہوتا ہے البتہ وہ کلام جو اللہ تعالیٰ کے لیے ہو یہ سن کر عبدالملک رو پڑا اور اس نے کہا اللہ تعالیٰ آپ پر رحم فرمائے لوگ تو ہمیشہ ایک دوسرے کو نصیحت کرتے چلے آئے ہیں انہوں نے کہا امیرالمومنین قیامت کے دن لوگ اس کی کڑواہٹ سے پھندا لگنے اور اس میں ہلاکت کے معائنہ سے نجات نہیں پائیں گے مگر وہ لوگ جنہوں نے اپنے نفس کو ناراض کر کے اللہ تعالیٰ کو راضی کیا یہ سن کر عبدالملک رویا اور کہا بلاشبہ میں ان کلمات کو ایک مثال بنا کر مرتے دم تک اپنے سامنے رکھوں گا۔

ابن عائشہ سے منقول ہے کہ حجاج بن یوسف نے کوفہ کے فقہاء کو بلایا تو ہم بھی وہاں گئے اور حضرت حسن بصری رحمہ اللہ سب سے آخر میں تشریف لائے حجاج نے کہا مرحبا" ابو سعید! میرے پاس تشریف لائیں پھر ایک کرسی منگوا کر اپنے تخت کے ساتھ رکھوائی تو آپ اس پر تشریف فرما ہوئے حجاج ہم سے گفتگو کرتا رہا اور پوچھتا رہا۔ پھر وہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کا ذکر کر کے آپ کی بدگوئی کرنے لگا ہم بھی اس کی ہاں میں ہاں ملاتے رہے کیوں کہ اس کے خلاف بات کرتے ہوئے ڈر لگتا تھا۔ حضرت حسن بصری رحمہ اللہ دانتوں کے نیچے انگلی دبائے خاموش بیٹھے تھے اس نے کہا اے ابو سعید! کیا بات ہے آپ خاموش بیٹھے ہیں؟ انہوں نے فرمایا میں کچھ نہیں کہہ سکتا اس نے کہا حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے بارے میں اپنی رائے سے مجھے مطلع فرمائیں۔ آپ نے فرمایا میں نے اللہ تعالیٰ بزرگ و برتر سے سنا وہ فرماتا ہے۔

وَمَا جَعَلْنَا الْقِبْلَةَ الَّتِي كُنْتَ عَلَيْهَا إِلَّا لِنَعْلَمَ مَنْ يَتَّبِعُ الرَّسُولَ مِمَّنْ يَنْقَلِبُ عَلَى عَقِبَيْهِ وَإِنْ كَانَتْ لَكَبِيرَةً إِلَّا عَلَى الَّذِينَ هَدَى اللَّهُ وَمَا كَانَ اللَّهُ لِيُضِيعَ إِيمَانَكُمْ إِنَّ اللَّهَ بِالنَّاسِ لَرَءُوفٌ رَحِيمٌ۔ (۱)	اور ہم نے اُس قبلہ کو جس پر آپ تھے اس لیے ٹھہرایا کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کرنے والوں اور ان کے درمیان امتیاز کریں جو اپنی ایڑیوں پر پھر جاتے ہیں اور بے شک بھاری ہے لیکن ان لوگوں پر نہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے ہدایت دی اور اللہ تعالیٰ تمہارے ایمانوں کو ضائع نہیں کرتا ہے بے شک اللہ تعالیٰ لوگوں پر مہربان رحم کرنے والا ہے۔

تو حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ ان لوگوں میں سے تھے جن کو اللہ تعالیٰ نے ہدایت دی اور وہ اہل ایمان تھے۔ تو میں کہتا ہوں کہ وہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے چچازاد بھائی اور آپ کے داماد تھے۔ آپ کے ہاں تمام لوگوں سے زیادہ

(۱) قرآن مجید، سورۃ البقرہ آیت ۱۴۳

محبوب تھے اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے جو سبقت کرنے والی برکات لکھدی تھیں وہ ان کو حاصل تھیں۔ تم اور نہ کوئی دوسرا ان سے ان سبقتوں کو نہیں لے سکتا اور نہ ان فضائل اور شیر خدا کے درمیان حائل ہو سکتا ہے۔ اور میں کہتا ہوں اگر حضرت علی المرتضی رضی اللہ عنہ سے کوئی برائی ہوتی تھی تو اللہ تعالیٰ ان سے حساب لینے والا ہے اللہ کی قسم میں ان کے بارے میں اس سے زیادہ انصاف والی بات نہیں پاتا۔

یہ سن کر حجاج نے ناک چڑھایا اور اس کے چہرے کا رنگ بدل گیا غصّے کی حالت میں تخت سے اٹھ گیا اور اس سے پچھلے کمرے میں داخل ہو گیا اور ہم چلے گئے۔

حضرت شعبی فرماتے ہیں میں نے حضرت حسن بصری رحمہ اللہ کا ہاتھ پکڑ کر کہا اے ابو سعید! آپ نے امیر کو غصہ دلادیا اور اس کے سینے کو کینے سے بھر دیا انہوں نے فرمایا عامر! اپنی راہ لو لوگ کہتے ہیں کہ عامر شعبی اہل کوفہ میں سے عالم ہیں اور تم ایک انسانی شیطان کے پاس آکر اس کی خواہش کے مطابق بات کرتے ہو اور اس کی رائے کی تائید کرتے ہو۔ اے عامر! افسوس ہے تم نے بطور تقویٰ ایسا کیوں نہ کیا کہ جب تم سے پوچھا گیا تو سچ کہتے یا خاموش رہ کر اپنی جان بچا لیتے حضرت عامر شعبی نے فرمایا اے ابو سعید! میں نے کہا تو ہے اور میں جانتا ہوں کہ اس میں خرابی ہے۔

حضرت حسن بصری رحمہ اللہ نے فرمایا یہ بات تمہارے خلاف زیادہ حجت اور گناہ ہے حضرت عامر کہتے ہیں حجاج نے حضرت حسن بصری رحمہ اللہ کو بلایا جب آپ تشریف لائے تو اس نے کہا آپ نے کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان امراء کو ہلاک کرے انہوں نے اللہ تعالیٰ کے بندوں کو درھم اور دینار پر مار ڈالا انہوں نے فرمایا ہاں میں نے کہا ہے اس نے پوچھا آپ نے یہ بات کیوں کہی؟ آپ نے فرمایا اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے علماء کرام سے وعدہ لیا کہ وہ لوگوں سے بیان کریں اور (دین کو) نہ چھپائیں۔

حجاج نے کہا اے حسن! اپنی زبان کو روک لیں اور ایسی باتیں نہ کریں جو مجھے پسند نہیں ہیں ورنہ میں تمہارے سر کو تن سے جدا کر دوں گا۔

منقول ہے کہ حطیط زیات کو حجاج کے پاس لایا گیا جب وہ داخل ہوئے تو اس نے پوچھا آپ حطیط ہیں؟ انہوں نے فرمایا ہاں میں حطیط ہوں جو پوچھنا چاہو پوچھو میں نے مقام ابراہیم کے پاس اللہ تعالیٰ سے تین باتوں کا وعدہ کیا ہے ایک یہ کہ جب کوئی بات پوچھی جائے تو میں سچ کہوں گا جب آزمائش میں ڈالا گیا تو صبر کروں گا اور اگر مجھے عافیت عطا ہوئی تو شکر کروں گا اس نے کہا آپ میرے بارے میں کیا کہتے ہیں؟ انہوں نے فرمایا میں کہتا ہوں کہ تم زمین پر اللہ تعالیٰ کے دشمنوں میں سے ہو۔ تم محارم کی ہتک کرتے ہو اور محض گمان پر لوگوں کو قتل کرتے ہو اس نے کہا آپ، امیر المومنین عبد الملک بن مروان کے بارے میں کیا کہتے ہیں؟ فرمایا میں کہتا ہوں کہ وہ تم سے بھی بڑا مجرم ہے اور تو بھی اس کی خطاؤں میں سے ایک خطا ہے

حجاج نے کہا اس شخص کو سزا دو، راوی کہتے ہیں آپ کو سزا دی جانے لگی حتیٰ کہ ایک بانس کو چیر کر آپ کے گوشت میں رکھ

کر رسیوں سے باندھ دیا پھر بانس کا ایک ایک ٹکڑا کھینچنے لگے حتیٰ کہ تمام گوشت اُدھیڑ دیا گیا مگر انہوں نے اُف تک نہ کی، حجاج سے کہا گیا کہ اب اُن کا آخری سانس ہے، اس نے کہا ان کو اٹھا کر بازار میں پھینک دو۔

جعفر کہتے ہیں میں اور ان کا ایک دوست حاضر ہوئے اور کہا اے خطیط آپ کی کوئی حاجت ہو تو بتائیے انہوں نے فرمایا میں پانی پینا چاہتا ہوں چنانچہ وہ ان کے پاس پانی لائے اور اس کے بعد وہ انتقال کر گئے اس وقت ان کی عمر اٹھارہ برس تھی۔

منقول ہے کہ عمر بن ہبیرہ نے بصرہ کوفہ، مدینہ طیبہ اور شام کے فقہاء اور قراء کو بلایا اور ان سے سوال کرنے لگا اور عامر شعبی سے گفتگو کرنے لگا وہ ان سے جو بھی بات پوچھتا ان کے پاس علم پاتا۔

پھر وہ حضرت حسن بصری رحمہ اللہ کی طرف متوجہ ہو کر ان سے سوال کرنے لگا اس کے بعد کہا یہی دو عالم ہیں حضرت شعبی کوفہ کے ہیں اور حضرت حسن بصری بصرہ سے تعلق رکھتے ہیں۔ اس نے دربان کو حکم دے کر لوگوں کو باہر نکالا اور حضرت شعبی اور حضرت حسن رحمہما اللہ کو رہنے دیا حضرت شعبی کی طرف متوجہ ہوا اور کہا: اے ابو عمرو! میں امیر المومنین کی طرف سے عراق پر حکمران ہوں اور امین ہوں میں حکم ماننے کا پابند ہوں اور رعایا کے امور میرے سپرد ہیں اور ان کے حقوق میرے ذمہ ہیں میں ان کی حفاظت کرنا چاہتا ہوں اور ان کا خیر خواہ ہوں، ملک والوں میں سے ایک جماعت کی طرف سے مجھے کوئی بات پہنچتی ہے تو مجھے ان پر غصہ آتا ہے اور میں ان کا کچھ مال ضبط کر کے بیت المال میں رکھ دیتا ہوں میری نیت یہ ہوتی ہے کہ میں انہیں واپس کر دوں گا امیر المومنین کو اطلاع ہو جاتی ہے کہ میں نے اتنا مال لیا ہے تو وہ مجھے لکھ بھیجتا ہے کہ واپس نہ کرنا تو میں اس کی حکم عدولی نہیں کر سکتا اور نہ اس کی تحریر پر عمل کر سکتا ہوں، میں تو حکم کا پابند ہوں تو کیا اس سلسلے میں مجھ پر کوئی گناہ ہے؟ اس سلسلے میں میری نیت وہی ہوتی ہے جس کا میں نے ذکر کیا ہے۔ حضرت شعبی فرماتے ہیں میں نے کہا اللہ تعالیٰ امیر کو نیکی کی توفیق دے سلطان والد کی طرح ہوتا ہے وہ خطا بھی کرتا ہے اور درست بات بھی کہتا ہے یہ سن کر وہ بہت خوش ہوا اور اس بات کو پسند کیا میں نے اس کے چہرے پر مسرت کے آثار دیکھے اور اس نے الحمد للہ پڑھا۔

پھر وہ حضرت حسن بصری رحمہ اللہ کی طرف متوجہ ہوا اور کہا اے ابو سعید! آپ کیا کہتے ہیں؟ انہوں نے فرمایا میں نے امیر کی بات سنی ہے کہ امیر المومنین نے اسے عراق کا حکمران اور عامل بنایا ہے اور آپ اس کے حکم کی تعمیل کے پابند ہیں آپ کو رعایا کے ذریعے آزمائش میں ڈالا گیا ان کے حقوق، خیر خواہی اور صلہ رحمی کے ذمہ دار ہیں، رعایا کے حقوق آپ پر لازم ہیں اور آپ کی ذمہ داری ہے کہ خیر خواہی سے کام لیں اور میں نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی حضرت عبد الرحمن بن سمرہ قریشی سے سنا وہ فرماتے ہیں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

مَنِ اسْتُرْعِيَ رَعِيَّةً فَلَمْ يَحُطْهَا بِالنَّصِيْحَةِ حَرَّمَ اللّٰهُ عَلَيْهِ

جس شخص کو رعایا کا ذمہ دار بنایا گیا پھر اس نے رعایا کی خیر خواہی نہ کی تو اللہ تعالیٰ نے اس پر جنت

الْجَنَّةَ (۱) کو حرام کر دیا۔

اور آپ کہہ رہے ہیں کہ میں رعایا کے مال میں سے کچھ لیتا ہوں تاکہ ان کی اصلاح ہو جائے اور وہ فرمانبردار ہو جائیں امیر المومنین کو اس بات کی اطلاع ہوتی ہے تو وہ مجھے لکھ دیتے ہیں کہ واپس نہ کرنا تو میں ان کے حکم کو ٹال نہیں سکتا اور نہ اس کو نافذ کر سکتا ہوں ___ تو اللہ تعالیٰ کا حق امیر المومنین کے حق سے زیادہ ضروری اور لازمی ہے اور اللہ تعالیٰ کی اطاعت کا حق زیادہ ہے نیز اللہ تعالیٰ کی نافرمانی میں مخلوق کی فرمانبرداری نہیں ہو سکتی لہٰذا آپ امیر المومنین کے خط کو کتاب اللہ پہ پیش کریں اگر اسے قرآن پاک کے موافق پائیں تو اس پہ عمل کریں اور اگر اسے قرآن مجید کے خلاف پائیں تو پھینک دیں۔ اے ابن ہبیرہ! اللہ تعالیٰ سے ڈرو قریب ہے کہ تمہارے پاس اللہ تعالیٰ کا فرستادہ آجائے جو تمہیں اس تخت سے اتار دے اور اس وسیع محل سے نکال کر تنگ قبر میں لے جائے تو تم اپنی حکمرانی اور دنیا کو پیٹھ کے پیچھے چھوڑ کر چلے جاؤ گے، اپنے رب کے سامنے پیش ہو گے اور اپنے عمل کا صلہ پاؤ گے۔ اے ابن ہبیرہ! اللہ تعالیٰ تجھے یزید سے بچالے گا لیکن یزید تمہیں اللہ تعالیٰ سے نہیں بچا سکتا اور اللہ تعالیٰ کا حکم تمام حکموں سے بڑھ کر ہے اور اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی صورت میں کسی کی اطاعت نہیں ہو سکتی اور میں تمہیں اس عذاب سے ڈراتا ہوں جو مجرموں سے لوٹایا نہیں جائے گا۔ ابن ہبیرہ نے کہا اے شیخ! اپنے آپ میں رہیں اور امیر المومنین کے ذکر سے باز رہیں، امیر المومنین کے پاس علم بھی ہے حکومت بھی اور فضیلت بھی ___ اللہ تعالیٰ نے اسے امت کی یہ ذمہ داری سونپی ہے تو اس کی فضیلت اور نیت کو دیکھ کر ہی سونپی ہے۔

حضرت حسن بصری رحمہ اللہ نے فرمایا اے ابن ہبیرہ! حساب تمہارے سر پہ ہے کوڑے کے بدلے کوڑا اور غضب کے بدلے غضب، اور اللہ تعالیٰ دیکھ رہا ہے اے ابن ہبیرہ! اگر تم ایسے آدمی سے ملاقات کرو جو تمہارے دین کے بارے میں تمہاری خیر خواہی کرتا اور آخرت کے معاملے کی ترغیب دیتا ہے، اس بات سے بہتر ہے کہ تم ایسے شخص سے ملاقات کرو جو تمہیں دھوکہ دیتا اور امیدیں دلاتا ہے۔

یہ سن کر ابن ہبیرہ اٹھ کھڑا ہوا اس کا رنگ بدل گیا اور وہ چیں بجبیں ہوا حضرت شعبی نے کہا اے ابو سعید! آپ نے امیر کو غصہ دلایا اور اس کے سینے کو کینے سے بھر دیا اور ہمیں اس کے عطیات اور سلوک سے محروم کر دیا انہوں نے فرمایا اے عامر! اپنا کام کیجیے عامر شعبی کہتے ہیں کہ حضرت حسن بصری رحمہ اللہ کے لیے تحائف وغیرہ آئے اور انہیں مقام و مرتبہ ملا اور ہمیں تو کچھ ملا اور نہ قدر ہوئی تو انہیں جو کچھ ملا وہ اس کے اہل تھے اور ہمارے ساتھ جو کچھ ہوا ہم اس کے اہل تھے تو میں نے علماء میں حضرت حسن بصری کو عربی گھوڑے کی طرح پایا جو ردی قسم کے گھوڑوں کے درمیان ہوتا ہے اور ہم جہاں

لہ مسند امام احمد بن حنبل جلد ۵ ص ۲۷ مرویات معقل بن یسار

بھی اکٹھے ہوئے تو وہ ہم پر غالب رہے اور انہوں نے ہمیشہ اللہ تعالیٰ کے لیے بات کی جب کہ ہم نے ان حکمرانوں کے قرب کے حوالے سے بات کی حضرت شعبی کہتے ہیں میں نے اس دن سے اللہ تعالیٰ کے ساتھ وعدہ کیا کہ آئندہ کسی حاکم کے پاس نہیں جاؤں گا کہ اس کی طرف داری کرنا پڑے۔

حضرت محمد بن واسع رحمہ اللہ، بلال بن ابی بردہ کے پاس تشریف لے گئے اس نے پوچھا کہ آپ تقدیر کے بارے میں کیا کہتے ہیں؟ انہوں نے فرمایا تمہارے پڑوسی اہل قبور ہیں ان کے بارے میں غور و فکر کرو تقدیر کے بارے میں پوچھنا بھول جاؤ گے۔

حضرت امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں مجھ سے میرے چچا حضرت محمد بن علی نے بیان کیا وہ فرماتے ہیں میں امیر المومنین ابوجعفر منصور کی مجلس میں حاضر تھا اور اس مجلس میں ابن ابی ذویب بھی تھے اور مدینہ طیبہ کا حاکم حسن بن زید تھا۔ وہ فرماتے ہیں غفاری قوم نے ابوجعفر منصور کے پاس حسن بن زید کی کوئی شکایت کی تو حسن نے کہا امیر المومنین! ان لوگوں کے بارے میں ابن ابی ذویب سے دریافت کریں اس نے پوچھا کہ آپ ان کے بارے میں کیا کہتے ہیں انہوں نے فرمایا میں گواہی دیتا ہوں کہ یہ قوم لوگوں کی توہین کرتی اور ان کو اذیت دیتی ہے۔

ابوجعفر منصور نے کہا تم نے سنا؟ غفاریوں نے کہا امیر المومنین! ان سے حسن بن زید کے بارے میں پوچھیں اس نے کہا اے ابن ابی ذویب! آپ حسن بن زید کے بارے میں کیا کہتے ہیں انہوں نے فرمایا میں گواہی دیتا ہوں کہ وہ ناحق فیصلہ کرتا ہے اور اپنی خواہش کے پیچھے چلتا ہے خلیفہ نے کہا حسن! تم نے سنا ابن ابی ذویب نے تمہارے بارے میں کیا کہا اور یہ صالح شیخ ہیں۔

اس نے کہا امیر المومنین! ان سے اپنے بارے میں پوچھیں اس نے کہا آپ میرے بارے میں کیا کہتے ہیں؟ آپ نے فرمایا امیر المومنین مجھے معاف رکھیں، اس نے کہا میں اللہ تعالیٰ کے نام پر آپ سے سوال کرتا ہوں کہ آپ مجھے بتائیں فرمایا تم مجھے اللہ تعالیٰ کی قسم دے کر پوچھتے ہو گویا کہ تم اپنے نفس کے بارے میں کچھ نہیں جانتے اس نے کہا اللہ کی قسم! آپ مجھے بتائیں انہوں نے فرمایا میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ نے یہ مال ناحق طور پر اور نااہل کو دیا ہے اور میں گواہی دیتا ہوں کہ ظلم، تمہارے دروازے پر پھیلا ہوا ہے۔ راوی کہتے ہیں ابوجعفر اپنی جگہ سے اٹھا اور حضرت ابن ابی ذویب کی گردن اپنے ہاتھ سے پکڑلی اور کہا اللہ کی قسم! اگر میں یہاں بیٹھا ہوا نہ ہوتا تو فارس، روم، دیلم اور ترک یہ جگہ تم سے لے لیتے ابن ابی ذویب نے فرمایا اے امیر المومنین! حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہما بھی تو حکمران ہوئے ہیں۔ انہوں نے بطور حق مال وصول کیا اور برابر برابر تقسیم کر دیا اور انہوں نے دور دراز کے رومیوں اور فارسیوں کو پکڑ کر ذلیل و رسوا کیا یہ سن کر ابوجعفر نے آپ کی گردن کو چھوڑ دیا اور کہا اللہ تعالیٰ کی قسم اگر مجھے معلوم نہ ہوتا کہ آپ سچ کہہ رہے ہیں تو میں آپ کو قتل کر دیتا۔ حضرت ابن ابی ذویب نے فرمایا اے امیر المومنین میں تمہارے بیٹے مہدی سے بھی زیادہ تمہارا خیر خواہ ہوں۔ راوی فرماتے ہیں ہمیں یہ خبر پہنچی ہے کہ جب ابن

ابی ذوئب منصور کی مجلس سے واپس آئے تو حضرت سفیان ثوری سے ملاقات ہوگئی انہوں نے فرمایا اے ابوالحارث! آپ نے اس ظالم سے جو گفتگو کی ہے اس سے مجھے خوشی ہوئی ہے لیکن مجھے یہ بات اچھی نہیں لگی کہ آپ نے اس کے بیٹے کو مہدی کہا انہوں نے فرمایا اے ابوعبداللہ! اللہ تعالیٰ آپ کی مغفرت کرے ہم میں سے ہر ایک مہدی ہے کیونکہ ہر ایک پنگھوڑے میں رہا ہے (مطلب یہ ہے کہ مہدی ہدایت سے مشتق نہیں بلکہ وہ شخص جو پنگھوڑے سے منسوب ہے)

حضرت اوزاعی عبدالرحمن بن عمرو سے منقول ہے فرماتے ہیں ابوجعفر منصور نے مجھے بلا بھیجا اور میں ساحل میں تھا تو میں اس کے پاس آیا جب میں اس کے پاس پہنچا اور آداب خلافت کے مطابق سلام کیا تو اس نے سلام کا جواب دیا اور مجھے بیٹھنے کو کہا پھر پوچھا اے اوزاعی، ہمارے پاس آنے میں دیر کس وجہ سے ہوئی؟

فرماتے ہیں میں نے کہا امیرالمومنین! آپ کیا چاہتے ہیں؟ اس نے کہا میں آپ سے کچھ سیکھنا چاہتا ہوں فرمایا امیرالمومنین! جب یہ بات ہے تو جو کچھ میں کہوں اس کا خیال رکھنا اس نے کہا میں اسے کس طرح چھوڑ سکتا ہوں جب کہ خود آپ سے پوچھ رہا ہوں اسی لیے آپ کی طرف متوجہ ہوں اور اسی مقصد کے لیے آپ کو بلایا ہے انہوں نے فرمایا مجھے ڈر ہے کہ آپ سن کر اس پر عمل نہ کریں میری یہ بات سن کر ربیع نے مجھے للکارا اور تلوار ہاتھ میں لے لی منصور نے اسے جھڑکا اور کہا کہ یہ ثواب کی مجلس ہے، عذاب کی نہیں یہ سن کر میرا دل خوش ہوگیا اور میں گفتگو کے لیے خوشی خوشی تیار ہوگیا۔ میں نے کہا امیرالمومنین! مجھ سے حضرت مکحول نے بیان کیا وہ حضرت عطیہ بن بشر سے روایت کرتے ہیں وہ فرماتے ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

جس شخص کے پاس اللہ تعالیٰ کی طرف سے دین کے بارے میں نصیحت آجائے تو وہ اللہ تعالیٰ کی نعمت ہے جو اس کی طرف چلائی گئی ہے اگر وہ اس کو شکر کے ساتھ قبول کرے تو ٹھیک ہے ورنہ وہ اس کے خلاف اللہ تعالیٰ کی دلیل ہے تاکہ وہ اس کے ذریعے گناہ میں بڑھ جائے اور اس کے سبب اس پر اللہ تعالیٰ کی ناراضگی زیادہ ہو۔ (۱)

اے امیرالمومنین! مجھ سے حضرت مکحول نے بیان کیا وہ حضرت عطیہ بن یاسر سے روایت کرتے ہیں وہ فرماتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

أَيُّمَا وَالٍ مَاتَ غَاشًّا لِرَعِيَّتِهِ حَرَّمَ اللّٰهُ عَلَيْهِ الْجَنَّةَ۔ (۲)

جو حکمران اس حالت میں فوت ہوا کہ اس نے اپنی رعایا کی بد خواہی کی اس پر اللہ تعالیٰ جنت کو حرام کر دیتا ہے۔

اے امیرالمومنین! جس نے حق کو ناپسند کیا اس نے اللہ تعالیٰ کو اچھا نہیں جانا، بے شک اللہ تعالیٰ حق مبین ہے اس نے تمہاری رعایا کو تمہارے لیے نرم کردیا جب تمہیں حاکم بنایا کیونکہ تمہیں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے قرابت ہے اور آپ

---

(۱) حلیۃ الاولیاء جلد ۶ ص ۱۳۶ ترجمہ ۳۵۴

(۲) حلیۃ الاولیاء جلد ۶ ص ۱۳۶ ترجمہ ۳۵۴

لوگوں پر مہربان رحم فرمانے والے اور اپنی جان و مال سے ان کے غمخوار تھے لوگ بھی ان کی تعریف کرتے تھے اور اللہ تعالیٰ کے ہاں بھی آپ محمود تھے، تو آپ کے لائق یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے لیے ان کے حقوق بجا لاؤ، ان کے لیے انصاف قائم کرو اور ان کی پردہ پوشی کرو، ان پر اپنا دروازہ بند نہ کرو اور ان کے سامنے کوئی آڑ نہ بناؤ، انہیں کوئی آسائش پہنچے تو خوش ہو اور اگر انہیں کوئی تکلیف پہنچے تو پریشان ہو۔

اے امیرالمومنین! پہلے تم اپنے ذاتی معاملات میں مشغول تھے اب ان تمام لوگوں کا بوجھ تم پر ہے وہ سرخ ہوں یا کالے، مسلمان ہوں یا کافر، ان میں سے ہر ایک کا تمہارے عدل میں حصہ ہے اور تمہارا کیا حال ہوگا جب وہ جماعتوں کی صورت میں کھڑے ہوں گے اور ان میں سے ہر ایک تمہاری شکایت کرے گا کسی کو تم نے مصیبت میں ڈالا اور کسی کا تم نے حق دبایا ہوگا۔

اے امیرالمومنین! مجھ سے حضرت مکحول نے بیان کیا وہ حضرت عروہ بن رویم سے روایت کرتے ہیں وہ فرماتے ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دست مبارک میں ایک شاخ تھی جس سے آپ مسواک فرماتے اور منافقوں کو ڈراتے تھے حضرت جبریل علیہ السلام آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم! یہ کیسی شاخ ہے جس سے آپ نے اپنی امت کے دل توڑ دیئے اور ان کے دلوں کو رعب سے بھر دیا (۱)

تو وہ شخص کیسا ہوگا جس نے ان کے پردے پھاڑ دیئے، ان کے خون بہائے، ان کے گھروں کو برباد کیا، انہیں ان کے ملک سے نکال دیا اور ان کو خوف زدہ کر دیا۔

اے امیرالمومنین! مجھ سے حضرت مکحول نے حضرت زیاد سے روایت کرتے ہوئے بیان کیا انہوں نے حضرت حارثہ سے اور انہوں نے حضرت حبیب بن مسلمہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک دیہاتی سے نادانستہ طور پر خراش پہنچی تو آپ نے اپنی ذات مبارک کے لیے قصاص کا حکم دیا، تو حضرت جبریل علیہ السلام نے حاضر ہو کر عرض کیا۔

اے محمد! صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ نے آپ کو جبار اور متکبر بنا کر نہیں بھیجا اس پر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دیہاتی کو بلا کر فرمایا مجھ سے بدلہ لے لو اعرابی نے کہا میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں میں نے معاف کیا میں ایسا کبھی بھی نہیں کر سکتا اگرچہ آپ مجھے جان سے بھی مار دیں۔ اس پر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے لیے دعائے خیر فرمائی۔ (۲)

اے امیرالمومنین! اپنے نفس کو اسی کے فائدے کے لیے مشقت میں ڈالو اور اس کے لیے اپنے رب سے امان

---

(۱) حلیۃ الاولیاء، جلد ۶ ص ۱۳۷، ترجمہ ۳۵۲

(۲) ایضاً

حاصل کرو اس جنت سے محبت کرو جس کی چوڑائی تمام آسمانوں اور زمین کے برابر ہے اس سلسلے میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

لَقِيدُ قَوسِ اَحَدِكُمْ مِنَ الْجَنَّةِ خَيْرٌ لَهُ مِنَ الدُّنْيَا وَمَا فِيهَا (۱)

جنت میں تمہارے لیے ایک کمان کی مقدار جگہ دنیا اور جو کچھ اس میں ہے، سے بہتر ہے۔

اے امیر المومنین! اگر بادشاہی پہلے لوگوں کے لیے پائیدار ہوتی تو تم تک نہ پہنچتی اور جس طرح دوسروں کے لیے حکومت باقی نہیں رہی تمہارے لیے بھی باقی نہیں رہے گی۔

اے امیر المومنین! کیا تم جانتے ہو اس آیت کی تفسیر میں تمہارے جد امجد حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے کیا منقول ہے۔

ارشاد خداوندی ہے:

مَالِهٰذَا الْكِتَابِ لَا يُغَادِرُ صَغِيرَةً وَلَا كَبِيرَةً اِلَّا اَحْصَاهَا۔ (۲)

اس کتاب (نامہ اعمال) کو کیا ہوا اس نے چھوٹی بڑی بات کو گھیر رکھا ہے۔

انہوں نے فرمایا صغیرہ سے مسکرانا اور کبیرہ سے ہنسنا مراد ہے تو ہاتھوں کے اعمال اور زبان کے اقوال کا کیا ہوگا۔

اے امیر المومنین! مجھے یہ بات معلوم ہوئی ہے کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے فرمایا اگر بھیڑ کا بچہ بھی فرات کے کنارے ضائع ہو کر مر جائے تو مجھے ڈر ہے کہ مجھ سے اس بارے میں پوچھا جائے تو جو شخص تمہارے انصاف سے محروم ہو جائے اس کے بارے میں کیسے سوال نہیں ہوگا حالانکہ وہ لوگ آپ کے فرش پر ہوں! اے امیر المومنین! کیا آپ کو معلوم ہے کہ آپ کے جد امجد حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے اس آیت کی تفسیر میں کیا فرمایا۔

ارشاد خداوندی ہے:

يَا دَاؤدُ اِنَّا جَعَلْنَاكَ خَلِيفَةً فِي الْاَرْضِ فَاحْكُمْ بَيْنَ النَّاسِ بِالْحَقِّ وَلَا تَتَّبِعِ الْهَوٰى فَيُضِلَّكَ عَنْ سَبِيلِ اللّٰهِ۔ (۳)

اے داؤد علیہ السلام! بے شک ہم نے آپ کو زمین میں خلیفہ بنایا پس لوگوں کے درمیان حق کے ساتھ فیصلہ کریں اور خواہشات کے پیچھے نہ چلیں کہیں وہ آپ کو اللہ کے راستے سے بھٹکا نہ دیں۔

---

(۱) حلیۃ الاولیاء جلد ۶ ص ۱۳۷، ترجمہ ۳۵۴

(۲) قرآن مجید، سورۃ الکہف آیت ۴۹

(۳) قرآن مجید، سورۃ ص آیت ۲۶

اللہ تعالیٰ نے زبور میں فرمایا اے داؤد علیہ السلام جب آپ کے سامنے مدعی اور مدعیٰ علیہ پیش ہوں اور آپ کا رُجحان ان میں سے ایک کی طرف ہو تو اپنے دل میں ہرگز خیال نہ کرنا کہ حق اس کو ملے اور دوسرے پر اسے کامیابی ہو ورنہ میں آپ کو اپنی نبوت سے نکال دوں گا پھر آپ نہ تو میرے خلیفہ ہوں گے اور نہ آپ کا کوئی مقام ہوگا۔ اے داؤد علیہ السلام! میں نے اپنے رسولوں کو بندوں میں اس طرح بنایا جیسے اونٹوں میں چرواہے ہوتے ہیں کیوں کہ وہ حفاظت کے طریقوں سے واقف ہوتے ہیں سیاست کے ساتھ نرمی برتتے ہیں وہ ٹوٹے ہوئے کو جوڑتے ہیں اور کمزور کو گھاس اور پانی پر لے جاتے ہیں اے امیر المومنین! تمہیں ایک ایسی آزمائش میں ڈالا گیا ہے کہ اگر اسے آسمانوں زمین اور پہاڑوں پر ڈالا جاتا تو وہ اسے اٹھانے سے انکار کر دیتے اور اس سے ڈر جاتے۔

اے امیر المومنین! مجھ سے حضرت یزید بن جابر نے روایت کیا انہوں نے حضرت عبدالرحمٰن بن عمرہ انصاری رضی اللہ عنہ سے روایت کیا وہ فرماتے ہیں حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے انصار کے ایک شخص کو صدقہ کا عامل مقرر فرمایا چند دن بعد اسے اسی جگہ مقیم دیکھا تو فرمایا تم اپنے کام پر کیوں نہیں گئے کیا تمہیں معلوم نہیں کہ تمہارے لیے اللہ تعالیٰ کے راستے میں جہاد کرنے والے کی طرح اجر ہے؟ اس نے عرض کیا نہیں آپ نے فرمایا اور کیسے ہے؟ اس نے کہا مجھے یہ بات پہنچی ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

جو شخص لوگوں کے امور میں سے کسی بات کا ذمہ دار بنتا ہے تو اسے قیامت کے دن اس طرح لایا جائے گا کہ اس کے ہاتھ اس کی گردن سے بندھے ہوں گے اور اس کا عدل ہی ان کو کھول سکے گا وہ جہنم کے پل پر کھڑا کیا جائے گا اور یہ پل اسے اس طرح توڑ دے گا کہ اس کا ایک ایک جوڑ اپنی جگہ سے ہل جائے گا پھر اسے لوٹا کر حساب لیا جائے گا اگر وہ نیکوکار ہوگا تو نیکی کے باعث نجات پائے گا اور اگر بدکار ہوگا تو اس کے سبب پل ٹوٹ جائے گا اور وہ جہنم میں ستر سال کی مسافت نیچے جا پڑے گا۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے فرمایا تم نے یہ بات کس سے سُنی ہے؟ اس نے کہا حضرت ابوذر اور حضرت سلمان رضی اللہ عنہما سے سُنی ہے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے ان دونوں کو بلا کر پوچھا تو انہوں نے تصدیق کی اور فرمایا ہم نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہائے عمر! جب حکومت میں یہ خرابی ہے تو اس کو کون اختیار کرے گا۔ حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ نے فرمایا وہ شخص اختیار کرے گا جس کی ناک کو اللہ تعالیٰ کاٹ دے اور اس کے رخسار کو زمین سے ملا دے۔ حضرت اوزاعی فرماتے ہیں منصور نے رومال لے کر اپنے منہ پر رکھ دیا اور اس قدر رویا کہ مجھے بھی رُلا دیا۔

پھر میں نے کہا اے امیر المومنین! آپ کے جدامجد حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے مکہ مکرمہ یا طائف یا یمن کی حکومت مانگی تھی تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے چچا کی خیر خواہی کرتے ہوئے اور ان پر شفقت فرماتے ہوئے فرمایا۔

اے عباس! اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا! آپ اپنے نفس کو بچائے رکھیں تو وہ اس حکومت سے بہتر ہے جس کو سنبھال نہ سکیں اور آپ نے ان کو بتایا کہ میں آپ کے لیے کچھ نہیں کر سکوں گا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے میری طرف وحی بھیجی ہے۔ ارشاد خداوندی ہے:۔

وَاَنْذِرْ عَشِيْرَتَكَ الْاَقْرَبِيْنَ۔ (۱) اور آپ اپنے قریبی رشتہ داروں کو ڈرائیں۔

آپ نے فرمایا اے عباس! اے صفیہ (نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی پھوپھی) اے فاطمہ بنت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم رضی اللہ عنہا) میں تمہارے کچھ کام نہیں آؤں گا میرا عمل میرے لیے اور تمہارا عمل تمہارے لیے ہوگا۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے فرمایا وہی شخص لوگوں کا کام درست رکھ سکتا ہے جس کی عقل مضبوط اور تدبیر صحیح ہے نہ اس کی برائی ظاہر ہو اور نہ اس سے کسی بے حرمتی کا ڈر ہے اور اللہ تعالیٰ کے احکام کے سلسلے میں اسے کسی ملامت کرنے والے کی ملامت کا ڈر نہ ہو۔

آپ کا ہی ارشاد گرامی ہے کہ امراء چار قسم کے ہوتے ہیں (۱) مضبوط امیر جو خود بھی احتیاط کرتا ہے اور اپنے عمال کو بھی احتیاط کا حکم دیتا ہے، وہ راہ خداوندی میں جہاد کرنے والے کی طرح ہے اللہ تعالیٰ کی رحمت کا ہاتھ اس پر کشادہ ہوتا ہے۔

(۲) وہ امیر جس میں کمزوری ہوتی ہے خود احتیاط کرتا ہے اور اس کے ماتحت عمال مزے اڑاتے ہیں اور اس کی کمزوری سے فائدہ اٹھاتے ہیں وہ ہلاکت کے کنارے پر ہوتا ہے مگر یہ کہ اللہ تعالیٰ اس پر رحم فرمائے۔

(۳) وہ امیر جو اپنے عمال سے احتیاط کرواتا ہے اور خود مزے اڑاتا ہے تو یہ ہلاکت ہے جس کے بارے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

شَرُّ الرِّعَاةِ الْحُطَمَةُ فَهُوَ الْهَالِكُ وَحْدَهٗ (۲) حاکموں میں سے بدتر حطمہ ہے اور یہ وہ ہے جو تنہا ہلاک ہوتا ہے۔

(۴) وہ امیر جو خود بھی مزے اڑاتا ہے اور اپنے عاملوں کو بھی کھلی چھٹی دیتا ہے تو وہ سب ہلاک ہو جاتے ہیں۔

اے امیر المومنین! مجھے یہ بات پہنچی ہے کہ حضرت جبریل علیہ السلام، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا میں ایسے وقت حاضر ہوا ہوں جب اللہ تعالیٰ کے حکم سے دھونکنیاں آگ پر رکھ دی گئی ہیں تاکہ اس آگ کو قیامت کے لیے بھڑکایا جائے آپ نے فرمایا اے جبریل! مجھے آگ کے بارے میں بتائیں؟ انہوں نے عرض کیا کہ اللہ تعالیٰ

---

(۱) قرآن مجید سورۃ شعراء آیت ۲۱۴

(۲) حلیۃ الاولیاء جلد ۶ ص ۱۳۹ ترجمہ ۳۵۴

نے حکم دیا تو اسے ایک ہزار سال تک جلایا گیا حتیٰ کہ وہ سرخ ہو گئی، پھر اسے ایک ہزار سال تک جلایا گیا تو وہ زرد ہو گئی، پھر اسے ایک ہزار سال تک جلایا گیا تو وہ نہایت سیاہ اور تاریک ہو گئی اب نہ اس کا انگارہ نظر آتا ہے اور نہ اس کا شعلہ بجھتا ہے۔

اس ذات کی قسم جس نے آپ کو حق کے ساتھ بھیجا ہے اگر جہنمیوں کے کپڑوں میں سے ایک کپڑا ظاہر ہو جائے تو تمام اہل زمین مر جائیں اور اس کے پانی میں سے ایک ڈول زمین کے تمام پانیوں میں ڈالا جائے تو جو بھی اسے چکھے مر جائے۔

اور اگر اس کے وہ زنجیر جن کا اللہ تعالیٰ نے ذکر کیا ہے ان میں سے ایک کڑی تمام پہاڑوں پر رکھی جائے تو وہ پگھل جائیں اور اسے اٹھا نہ سکیں۔ اور اگر کسی شخص کو جہنم میں داخل کر کے پھر نکالا جائے تو اس کی بدبو، بدشکلی اور ہیبت سے تمام زمین والے مر جائیں۔ (یہ سن کر) نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم رو پڑے حضرت جبریل علیہ السلام بھی رونے لگے پھر عرض کیا اے محمد! صلی اللہ علیہ وسلم آپ رو رہے ہیں حالاں کہ اللہ تعالیٰ آپ کو پہلے اور پچھلے گناہوں سے معصوم رکھا ہے آپ نے فرمایا کیا میں اللہ تعالیٰ کا شکر گزار بندہ نہ بنوں؟ اور اے جبریل آپ کیوں رو رہے ہیں آپ تو روح الامین ہیں اس کی وحی کے امین ہیں؟ انہوں نے عرض کیا مجھے اس بات کا خوف ہے کہ ہاروت اور ماروت کی طرح میری بھی آزمائش نہ ہو جائے یہی وجہ ہے کہ میں اپنے اس مرتبے پر اعتماد نہیں کرتا جس کی وجہ سے مجھے اللہ تعالیٰ کے ہاں رتبہ ملا ورنہ میں اس کی خفیہ تدبیر سے بے خوف ہو جاؤں گا دونوں روتے رہے حتیٰ کہ آسمان سے آواز دی گئی اے جبریل اور اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم آپ دونوں کو اللہ تعالیٰ نے اپنی نافرمانی اور اس کے نتیجے میں آنے والے عذاب سے محفوظ فرمایا اور حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو تمام انبیاء کرام پر اس طرح فضیلت حاصل ہے جیسے حضرت جبریل علیہ السلام تمام فرشتوں سے افضل ہیں۔

اے امیر المومنین! مجھے یہ بات پہنچی ہے کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے بارگاہ خداوندی میں عرض کیا یا اللہ اگر تو جانتا ہے کہ جب دو شخص (مدعی اور مدعیٰ علیہ) میرے سامنے بیٹھیں اور ان میں سے جو حق سے پھرنے والا ہو میں اس کا خیال کرتا ہوں وہ قریب ہو یا بعید، تو مجھے پلک جھپکنے کی مقدار مہلت نہ دینا اے امیر المومنین! سب سے مشکل کام اللہ تعالیٰ کے لیے اس کے حق کو قائم کرنا ہے اور اللہ تعالیٰ کے ہاں سب سے زیادہ عزت تقویٰ کو حاصل ہے اور جو شخص اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری کے ذریعے عزت طلب کرتا ہے اللہ تعالیٰ اسے بلندی اور عزت عطا کرتا ہے۔ اور جو شخص اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کے ذریعے عزت طلب کرتا ہے اللہ تعالیٰ اسے ذلیل کرتا ہے اور پست کر دیتا ہے، اے امیر! آپ کو میری یہ نصیحت ہے اور آپ پر سلامتی ہو پھر میں اٹھا تو منصور نے کہا کہاں جا رہے ہو؟ میں نے کہا امیر المومنین کی اجازت سے ان شاء اللہ اپنے بچوں اور وطن کی طرف جا رہا ہوں اس نے کہا میں آپ کو اجازت دیتا ہوں اور آپ کی اس نصیحت پر آپ کا شکریہ ادا کرتا ہوں اور اسے قبول کرتا ہوں اللہ تعالیٰ ہی نیکی کی توفیق دینے والا اور اس پر مددگار ہے میں اسی سے مدد چاہتا ہوں اور اسی پر توکل کرتا ہوں وہ مجھے کافی ہے اور نہایت اچھا کارساز ہے۔ مجھے امید ہے کہ

آپ مجھے اس قسم کی نصیحتوں سے محروم نہیں رکھیں گے آپ کی بات مقبول ہے اور آپ کی نصیحت پر تہمت نہیں لگائی جاتی۔ میں نے کہا میں ان شاء اللہ ایسا کروں گا۔

محمد بن مصعب کہتے ہیں منصور نے ان کے لیے کچھ رقم کا حکم دیا کہ سفر میں ان کے کام آئے لیکن امام اوزاعی نے قبول نہ کیا اور فرمایا مجھے اس کی ضرورت نہیں ہے اور میں دنیوی مال کے بدلے اپنی نصیحت بیچتا نہیں ہوں، چونکہ منصور کو ان کے مذہب کا علم ہو گیا اس لیے اس نے زیادہ زور نہ دیا۔

حضرت ابن مہاجر سے منقول ہے کہ امیر المومنین منصور مکہ مکرمہ میں حج کے لیے آیا وہ رات کے آخری حصے میں دار الندوہ سے نکل کر طواف کے لیے جاتا طواف کرتا اور نماز پڑھتا اور کسی کو پتہ نہ چلتا۔ جب فجر ہوتی تو وہ دار الندوہ میں چلا جاتا اور موذن آکر اسے سلام کرتے اور نماز کے لیے اقامت کہی جاتی تو وہ ان کو نماز پڑھاتا۔

ایک رات وہ سحری کے وقت نکلا وہ طواف کر رہا تھا کہ ملتزم کے پاس ایک آدمی سے سنا وہ کہہ رہا تھا۔

یا اللہ! میں تیری بارگاہ میں شکایت کرتا ہوں کہ زمین میں فساد اور بغاوت پھیل گئی ہے نیز ظلم اور طمع اہل حق اور ان کے حق کے درمیان حائل ہو گئی ہے، منصور تیز تیز چلنے لگا یہاں تک کہ اس کی تمام بات سن لی پھر وہاں سے نکل کر مسجد کے ایک کونے میں بیٹھ گیا اور اس شخص کو بلا بھیجا قاصد نے آکر اسے بتایا کہ اسے امیر المومنین نے بلایا ہے اس نے دو رکعتیں پڑھیں، حجر اسود کو بوسہ دیا اور پھر قاصد کے ہمراہ آکر منصور کو سلام کیا منصور نے پوچھا تم کیا کہہ رہے تھے کہ زمین میں بغاوت اور فساد ظاہر ہو گیا نیز اہل حق اور حق کے درمیان طمع اور ظلم حائل ہے میں نے یہ بات سنی تو میں بیمار ہو گیا اور مجھے بہت پریشانی ہوئی اس نے کہا امیر المومنین! اگر آپ مجھے امن دیں تو میں تمام باتیں ان کے اصول کے ساتھ عرض کروں ورنہ اپنے نفس پر اکتفا کروں کیونکہ مجھے تو اسی کے کاموں سے فرصت نہیں، اس نے کہا تجھے امن ہے اس نے کہا جس شخص میں اس قدر طمع آگئی کہ وہ اس کے اور حق کے درمیان حائل ہو گئی ہے اس طمع کی وجہ سے اس کی اصلاح نہیں ہو سکتی تو وہ شخص آپ ہیں۔

منصور نے کہا کمبخت! مجھ میں طمع کیسے آگئی؟ جب کہ سونا چاندی میرے ہاتھ میں ہیں اور تلخ و شیریں میرے قبضہ میں ہیں۔

اس نے کہا اے امیر المومنین! جس قدر لالچ آپ میں آگئی ہے اور کسی میں کہاں ہو گی؟ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کے معاملات اور ان کے مال آپ کی نگرانی میں دے دیئے تو آپ ان کے معاملات سے غافل ہو گئے اور ان کے مالوں کو جمع کرنے میں پڑ گئے ان کے اور اپنے درمیان چونے اور اینٹوں کی دیواریں اور لوہے کے دروازے کھڑے کر دیئے اور اسلحہ بردار دربان مقرر کر دیئے پھر تم نے اپنے آپ کو مسلمانوں سے الگ کر کے وہاں بند کر لیا اور اپنے عاملوں کو ان لوگوں کے مال اکٹھا کرنے اور خراج وصول کرنے کے لیے بھیج دیا تم نے ظالم وزیر اور معاونین مقرر کئے اگر تم بھول جاتے ہو تو وہ تمہیں یاد نہیں دلاتے اور اگر تمہیں یاد ہو تو مدد نہیں کرتے اور تم نے انہیں مال، سواری اور ہتھیار دے کر لوگوں پر ظلم کرنے

کی قوت دے دی ہے اور تم نے حکم دیا کہ تمہارے پاس فلاں فلاں آدمیوں کے علاوہ کوئی نہیں آ سکتا تم نے ان کے نام بتا دیئے اور تم نے اس بات کی اجازت نہیں دی کہ کوئی مظلوم، پریشان حال بھوکا ننگا اور فقیر وضعیف تمہارے پاس آئے حالانکہ ان میں سے ہر ایک کا اس میں حق ہے۔

جن کو تم نے اپنے خاص ساتھی بنایا اور باقی رعایا پر ان کو ترجیح دی اور تو نے حکم دیا کہ تمہارے پاس آنے سے ان کو کوئی نہ روکے جب ان لوگوں نے تمہیں دیکھا کہ تمہارے پاس مال آتا ہے اور تم اسے تقسیم نہیں کرتے تو انہوں نے کہا خلیفہ تو اللہ تعالیٰ سے خیانت کرتا ہے تو ہم کیوں نہ کریں ہمیں بھی اس کی طاقت ہے تو انہوں نے اس بات پر اتفاق کر لیا کہ تمہارے پاس لوگوں کے معاملات میں سے وہی باتیں پہنچیں جو وہ چاہتے ہیں۔

اور اگر تمہارا کوئی عامل کہیں جائے اور ان کے خلاف کام کرے تو وہ اُسے دُور کر دیتے ہیں حتیٰ کہ وہ ذلیل و رسوا ہو جاتا ہے۔

جب تمہارے اور تمہارے خواص کی یہ حالت مشہور ہو گئی تو لوگ تمہارے ان خاص لوگوں سے ڈرنے لگے تمہارے عاملوں نے ان لوگوں کے پاس تحائف بھیجے تاکہ وہ لوگوں پر ظلم کرنے کی طاقت حاصل کریں پھر با اختیار اور مالدار لوگوں نے جن کا تعلق رعایا سے ہے، یہ کام کیا تاکہ وہ رعایا میں سے ان لوگوں پر ظلم کریں جو ان سے کم مرتبہ ہیں تو اللہ تعالیٰ کا ملک فساد اور بغاوت سے بھر گیا اور یہ لوگ تمہاری حکومت میں تمہارے ساتھ شریک ہو گئے اور تمہیں پتہ تک نہیں اگر کوئی مظلوم آتا ہے تو وہ تمہارے پاس پہنچ نہیں سکتا اور اگر وہ چاہتا ہے کہ جب تم باہر نکلو تو وہ اپنی آواز بلند کرے اور اپنا واقعہ بیان کرے تو اسے پتہ چلتا ہے کہ تم نے اس بات سے منع کر رکھا ہے اور تم نے جو ایک آدمی مقرر کیا جو لوگوں پر ہونے والے مظالم کا جائزہ لیتا ہے اگر وہ مظلوم شخص اس کے پاس آتا ہے اور تمہارے ان خاص لوگوں کو اس کی اطلاع ہو جاتی ہے تو وہ اس ناظر کو اس کی درخواست پہنچنے سے روک دیتے ہیں اور اگر اس ناظر کا بھی کوئی مقام و مرتبہ ہو تب بھی وہ ان کے خوف سے اپنی مرضی کے مطابق کچھ نہیں کر سکتا، تو مظلوم مسلسل اس کے پاس آتا ہے اس کے پاس شکوہ شکایت کرتا ہے اور مدد مانگتا ہے تو وہ اسے نکال دیتا ہے یا کوئی بہانہ بناتا ہے جب وہ وہاں سے نکالا جاتا ہے تو تمہاری سواری نکلتے وقت وہ فریاد کرتا ہے تو اسے بہت مارا جاتا ہے تاکہ دوسروں کو عبرت ہو تم دیکھتے رہتے ہو اور روکتے نہیں اور اس بات کو برا جانتے ہو ایسی صورت میں اسلام اور مسلمانوں کے باقی رہنے کی کیا صورت ہو گی۔

بنو امیہ اور عرب کے دیگر حکمرانوں کے پاس جب کوئی مظلوم پہنچتا تو اس کا مقدمہ پیش ہوتا اور اسے انصاف مل جاتا تھا ایک شخص دُور دراز سے آتا اور بادشاہ کے دروازے پر پہنچ کر آواز دیتا اے اہل اسلام! تو سب دوڑ پڑتے اور پوچھتے تجھے کیا ہوا تجھے کیا ہوا؟ پھر اس کا مقدمہ بادشاہ کے سامنے پیش کرتے اور اسے انصاف دلواتے۔ اور اے امیر المومنین! میں چین کے علاقے میں سفر کیا کرتا تھا وہاں ایک بادشاہ تھا ایک دفعہ میں وہاں سے گزرا تو دیکھا کہ اس کی سماعت

چلی گئی تھی اور وہ رویا تھا اس کے وزراء نے پوچھا کہ آپ کو کیا ہو گیا ہے کہ آپ رو رہے ہیں؟ اللہ تعالیٰ آپ کو نہ رُلائے۔
اس نے کہا میں اس آنے والی مصیبت سے نہیں روتا بلکہ میں اس لیے رو رہا ہوں کہ کوئی مظلوم آ کر میرا دروازہ کھٹکھٹائے گا اور میں اس کی آواز نہیں سن سکوں گا پھر اس نے کہا اگر میں بہرہ ہو چکا ہوں تو کیا ہوا میری بینائی تو سلامت ہے لوگوں میں اعلان کر دو کہ وہی شخص سرخ لباس پہنے جو مظلوم ہو تو وہ دن کے آغاز اور اختتام پر ہاتھی پر سوار ہو کر گشت لگاتا کہ کوئی مظلوم تو نہیں کہ اسے انصاف مہیا کرے۔

اے امیر المومنین! یہ ایک مشرک بادشاہ تھا جو مشرک رعایا سے اس طرح شفقت بھرا سلوک کرتا تھا اور اپنی سلطنت میں اپنے نفس کے بخل پر ترس کھاتا تھا آپ تو اللہ تعالیٰ پر ایمان رکھتے ہیں اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا کی اولاد سے ہیں، تو پھر مسلمانوں پر شفقت غالب کیوں نہیں ہوتی اور اپنے نفس کے بخل پر ترس کیوں نہیں آتا؟

آپ تین باتوں میں سے ایک کے لیے مال جمع کرتے ہیں۔ اگر آپ کہیں کہ میں اپنے بیٹے کے لیے جمع کرتا ہوں تو اللہ تعالیٰ نے چھوٹے بچے کے سلسلے میں عبرتیں دکھا دی ہیں، وہ ماں کے پیٹ سے نکلتا ہے تو زمین پہ اس کا کوئی مال نہیں ہوتا اور دنیا میں کوئی مال ایسا نہیں جس پر کسی کا قبضہ نہ ہو اللہ تعالیٰ اس بچے پر عنایت کرتا ہے حتیٰ کہ لوگ اس کی طرف بہت زیادہ رغبت کرتے ہیں تم اسے نہیں دیتے بلکہ اللہ تعالیٰ جسے چاہے عطا کرتا ہے۔

اگر تم کہو کہ میں اس لیے مال جمع کرتا ہوں کہ اپنی سلطنت کو مضبوط کروں تو اس سلسلے میں اللہ تعالیٰ نے تمہیں پہلے لوگوں میں عبرت دکھائی ہے، انہوں نے جو سونا چاندی جمع کیا وہ ان کے کچھ کام نہ آیا اور انہوں نے جو اپنے حواری، اسلحہ اور سواریاں تیار کی تھیں وہ بھی ان کے کام نہ آئیں اور جب اللہ تعالیٰ نے تمہیں کچھ دینا چاہا تو اس میں کوئی حرج نہ ہوا کہ تمہارے یا تمہارے بھائیوں کے پاس کچھ نہ تھا۔

اور اگر تم کہو کہ میں اس موجودہ مرتبہ سے بھی بڑا مرتبہ حاصل کرنے کے لیے مال جمع کرتا ہوں، تو اللہ کی قسم تم جس مرتبہ پر ہو اس سے بڑا مرتبہ اعمال صالحہ کے بغیر حاصل نہیں ہوتا۔

اے امیر المومنین! کیا تم اپنے نافرمان کو قتل سے بھی بڑی سزا دیتے ہو؟ اس نے کہا نہیں۔ اس شخص نے کہا پھر جو کچھ تمہیں اللہ تعالیٰ نے عطا فرمایا اور دنیا کا مالک بنایا اسے لے کر کیا کرو گے، اللہ تعالیٰ تو اپنے نافرمانوں کو قتل کی سزا نہیں دیتا بلکہ جو شخص اس کی نافرمانی کرتا ہے اسے ہمیشہ ہمیشہ دردناک عذاب میں مبتلا کرتا ہے اور وہی تمہارے دلوں میں پوشیدہ باتوں کو دیکھتا ہے تو جب سچا بادشاہ تم سے یہ دنیوی بادشاہی لے لے گا اور تجھے حساب کے لیے بلائے گا تو اس وقت کیا کہو گے کیا اس وقت یہ بادشاہی تمہارے کام آئے گی جس پر تم بخل کرتے ہو؟

یہ سن کر منصور بہت رویا یہاں تک کہ دھاڑیں مارنے لگا۔ پھر کہا ہائے افسوس میں پیدا نہ ہوتا اور نہ ہی کوئی چیز ہوتا، پھر کہا کہ مجھے جو سلطنت حاصل ہوئی ہے اس میں کیا تدبیر اختیار کروں؟ لوگوں میں سے جس کو دیکھتا ہوں وہی خائن ہے۔

اس نے کہا اے امیر المومنین ! تمہیں بڑے بڑے ائمہ جو ہدایت دینے والے ہیں ان کو اپنے ساتھ رکھنا چاہیئے۔ منصور نے پوچھا وہ کون ہیں ؟ اس نے کہا وہ علماء ہیں۔ اس نے کہا وہ تو مجھ سے بھاگ گئے ہیں اس نے کہا وہ اس ڈر سے تجھ سے دور رہتے ہیں کہ کہیں تو ان کو اس راستے کا پابند نہ کر دے جو تیرے عمال سے تیرے لیے ظاہر ہوا تم دروازے کھول دو اور بانوں کا سلسلہ آسان کر دو ظالم کے خلاف مظلوم کی مدد کرو اور اسے مظالم سے روکو حلال اور پاکیزہ طریقے پہ لو اور عدل وانصاف اور حق کے طریقے پر تقسیم کرو میں اس بات کی ضمانت دیتا ہوں کہ جو لوگ تم سے دور بھاگ گئے ہیں وہ تیرے پاس اگر تمہاری اور رعایا کی بہتری کے سلسلے میں تمہارے مددگار رہوں گے منصور نے کہا یا اللہ ! اس شخص نے جو کچھ کہا ہے مجھے اس پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرما اس کے بعد جو مؤذنوں نے آکر سلام کیا اور نماز کے لیے اقامت ہوئی منصور وہاں سے نکلا اور نماز پڑھائی۔

اس کے بعد دربار کے محافظ کو حکم دیا اس شخص کو میرے پاس لاؤ اگر تم نہیں لاؤ گے تو میں تمہاری گردن مار دوں گا اور اس پر بہت زیادہ غصہ کیا دربان نے اس شخص کو تلاش کرنا شروع کر دیا اور چکر لگا رہا تھا تو دیکھا کہ وہ شخص ایک گھاٹی میں نماز پڑھ رہا ہے وہ وہاں بیٹھ گیا حتی کہ وہ نماز پڑھ چکا پھر کہا ارے بھائی ! آپ اللہ تعالیٰ سے ڈرتے ہیں ؟ اس نے کہا ہاں کیوں نہیں اس نے کہا اللہ تعالیٰ کو پہچانتے ہیں اس نے کہا جی ہاں اس نے کہا میرے ساتھ امیر المومنین کے پاس چلیں اس نے قسم کھائی ہے کہ اگر میں تمہیں لے کر نہ گیا تو وہ مجھے قتل کر دے گا اس نے کہا اب جانے کی کوئی صورت نہیں محافظ نے کہا وہ مجھے مار دے گا اس نے کہا قتل نہیں کرے گا اس نے کہا وہ کیسے ؟ اس آدمی نے کہا تجھے کچھ پڑھنا آتا ہے ؟ محافظ نے کہا نہیں اس نے اپنے توشہ دان سے ایک کاغذ نکالا جس پر کچھ لکھا تھا اس نے کہا اسے لو اور اپنی جیب میں رکھو اس میں کشائش کی دعا ہے محافظ نے کہا کشادگی کی دعا کیا ہے ؟ اس نے کہا اللہ تعالیٰ شہیدوں کے علاوہ کسی کو مرحمت نہیں فرماتا۔ محافظ کہتا ہے میں نے کہا اللہ تعالیٰ آپ پر رحم فرمائے آپ نے مجھ پر احسان کیا اگر آپ مجھے یہ دعا اور اس کی فضیلت بتا دیں تو آپ کی مہربانی ہوگی۔ اس شخص نے کہا جو شخص صبح وشام یہ دعا پڑھتا ہے اس کے گناہ مٹ جاتے ہیں اسے ہمیشہ کا سرور حاصل ہوتا ہے اس کی خطائیں مٹ جاتی ہیں اس کی دعا قبول ہوتی ہے اسے رزق میں کشادگی حاصل ہوتی ہے امید پوری ہوتی ہے، دشمن کے خلاف اس کی مدد ہوتی ہے اسے اللہ تعالیٰ کے ہاں دوست لکھا جاتا ہے اور اسے شہادت کی مدت حاصل ہوتی ہے۔

اَللّٰھُمَّ کَمَا لَطُفْتَ فِیْ عَظَمَتِکَ دُوْنَ اللُّطَفَاءِ، وَعَلَوْتَ بِعَظَمَتِکَ عَلَی الْعُظَمَاءِ، وَعَلِمْتَ مَا تَحْتَ اَرْضِکَ کَعِلْمِکَ بِمَا فَوْقَ عَرْشِکَ، وَکَانَتْ وَسَاوِسُ الصُّدُوْرِ کَالْعَلَانِیَةِ عِنْدَکَ وَعَلَانِیَةُ الْقَوْلِ کَالسِّرِّ فِیْ عِلْمِکَ، وَانْقَادَ کُلُّ شَیْءٍ لِعَظَمَتِکَ

یا اللہ ! جس طرح تو اپنی عظمت میں لطیف ہے دوسرے لطیف نہیں اور تو تمام عظمت والوں سے بڑھ کر عظیم ہے جس طرح عرش کے اوپر کا علم رکھتا ہے جو کچھ تیری زمین کے نیچے ہے اس کو بھی جانتا ہے تیرے سامنے دلوں کے وسوسے ظاہری باتوں کی طرح ہیں اور ظاہری باتیں تیرے علم میں پوشیدہ امور کی طرح ہیں تیری عظمت کے سامنے ہر چیز جھکتی ہے

وَخَضَعَ كُلُّ ذِيْ سُلْطَانٍ بِسُلْطَانِكَ، وَصَارَ أَمْرُ الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ كُلُّهُ بِيَدِكَ، اجْعَلْ لِيْ مِنْ كُلِّ هَمٍّ أَمْسَيْتُ فِيْهِ فَرَجًا وَمَخْرَجًا، اَللّٰهُمَّ إِنَّ عَفْوَكَ عَنْ ذُنُوْبِيْ، وَتَجَاوُزَكَ عَنْ خَطِيْئَتِيْ، وَسَتْرَكَ عَلٰى قَبِيْحِ عَمَلِيْ، أَطْمَعَنِيْ أَنْ أَسْأَلَكَ مَا لَا أَسْتَوْجِبُهُ مِمَّا قَصَّرْتُ فِيْهِ أَدْعُوْكَ آمِنًا، وَأَسْأَلُكَ مُسْتَأْنِسًا، وَإِنَّكَ الْمُحْسِنُ إِلَيَّ وَأَنَا الْمُسِيْئُ إِلٰى نَفْسِيْ، فِيْمَا بَيْنِيْ وَبَيْنَكَ، تَتَوَدَّدُ إِلَيَّ بِنِعَمِكَ، وَأَتَبَغَّضُ إِلَيْكَ بِالْمَعَاصِيْ، وَلٰكِنَّ الثِّقَةَ بِكَ حَمَلَتْنِيْ عَلَى الْجُرْأَةِ عَلَيْكَ، فَعُدْ بِفَضْلِكَ وَإِحْسَانِكَ عَلَيَّ، إِنَّكَ أَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ۔

تیری بادشاہی کے سامنے ہر بادشاہ سرنگوں ہوتا ہے، دنیا اور آخرت کے تمام معاملات تیرے قبضے میں ہیں، میں جس پریشانی میں مبتلا ہوں اس سے میرے لیے کشادگی اور نکلنے کا راستہ بنا دے یا اللہ! تیرے معاف کرنے نے میرے گناہوں سے، تیرے درگزر کرنے نے میری خطاؤں سے اور میرے برے اعمال پر تیری پردہ پوشی نے مجھے یہ لالچ دی کہ میں تجھ سے اس چیز کا سوال کروں جس کا میں مستحق نہیں ہوں کیونکہ میں کوتاہی کرنے والا ہوں، میں بے دھڑک تجھ سے سوال کرتا ہوں، مانوس ہو کر تجھ سے مانگتا ہوں، تو مجھ پر احسان کرنے والا اور میں اپنے نفس سے برائی کرنے والا ہوں، تو نعمتوں کے ذریعے مجھ سے دوستی کرتا اور میں گناہوں کے ذریعے تیرے ساتھ دشمنی کر رہا ہوں لیکن مجھے تجھ پر جو بھروسہ ہے اس کی وجہ سے مجھے اس کی جرأت ہوتی ہے اور تو مجھے اپنے فضل اور احسان سے نواز دے بیشک تو بہت توبہ کرنے والا مہربان ہے۔"

محافظ کہتا ہے میں نے وہ پرچہ اپنی جیب رکھ لیا پھر میں نے ادھر ادھر نہیں دیکھا بلکہ سیدھا امیرالمومنین کے پاس آ گیا میں نے سلام کیا اس نے سر اٹھا کر میری طرف دیکھا اور مسکرایا اور اس کے بعد کہا شاید تجھے جادو خوب آتا ہے میں نے کہا امیرالمومنین! اللہ تعالیٰ کی قسم ایسا نہیں ہے، پھر میں نے اس شیخ کے ساتھ اپنا واقعہ سنایا اس نے کہا وہ کاغذ جو اس نے تمہیں دیا ہے مجھے دو اس کے بعد منصور رونے لگا اور کہا تو بچ گیا اور وہ دعا نقل کرنے کا حکم دیا اور مجھے دس ہزار درہم دیئے پھر کہا کیا تم اس شخص کو جانتے ہو؟ میں نے کہا نہیں منصور نے کہا وہ خضر علیہ السلام تھے۔

حضرت ابو عمران جونی کہتے ہیں جب ہارون الرشید تخت خلافت پر متمکن ہوا تو علماء کرام نے اس سے ملاقات کر کے اسے حصول خلافت پر مبارک بادپیش کی اس نے بیت المال کے دروازے کھول دیئے اور ان کو بڑے بڑے انعامات دینا شروع کر دیئے اور وہ اس سے پہلے بھی علماء اور صوفیا کی مجالس اختیار کیا کرتا تھا۔ اور بظاہر وہ درویش صفت اور گناہوں سے بچنے والا تھا۔

وہ ایک عرصہ سے حضرت سفیان ثوری رحمہ اللہ (ابن سعید بن منذر) سے بھائی چارہ رکھتا تھا حضرت سفیان ثوری رحمہ اللہ

نے اسے چھوڑ دیا اور اس سے ملاقات نہ کی، ہارون الرشید کو ان کی ملاقات کا شوق ہوا تاکہ علیحدگی میں ان سے کچھ بات چیت کرے لیکن حضرت سفیان تشریف نہ لائے اور نہ ہی اس بات کی پرواہ کی کہ اب وہ کس منصب پر فائز ہوگیا ہے، ہارون الرشید پر یہ بات گراں گزری تو اس نے آپ کو خط لکھا جس میں یوں تحریر تھا۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم - اللہ تعالیٰ کے بندے ہارون الرشید کی طرف سے ان کے بھائی سفیان بن سعید بن منذر کی خدمت میں ـــ حمد و صلوٰۃ کے بعد! اے میرے بھائی آپ جانتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے مومنوں کے درمیان بھائی چارہ قائم فرمایا کہ وہ اس کی رضا کی خاطر ایک دوسرے کے بھائی ہوں اور آپ جانتے ہیں کہ میں نے آپ سے بھائی چارہ قائم کیا اور اس کا رشتہ منقطع نہیں کیا اور نہ ہی آپ سے دوستی ختم کی اور اب تک میں نے آپ سے افضل محبت اور عقیدت قائم رکھی ہے، اگر اللہ تعالیٰ نے خلافت کا بار مجھ پر نہ ڈالا ہوتا تو میں گھٹنوں کے بل چل کر آپ کے پاس آتا کیونکہ میرے دل میں آپ کی محبت ہے۔

اے ابوعبداللہ! جان لیں میرے اور آپ کے دوستوں میں سے کوئی بھی ایسا نہیں جو مجھے مبارک باد دینے اور میری ملاقات کے لیے نہ آیا ہو، میں نے بیت المال کے دروازے کھول دیئے اور ان کو بھاری عطیات دیئے کہ میری آنکھوں کو ٹھنڈک حاصل ہوگئی اور میرا دل خوش ہوگیا لیکن جب آپ نے آنے میں دیر کی اور تشریف نہ لائے تو میں نے آپ کے شدید اشتیاق میں یہ خط لکھا ہے اور اے ابوعبداللہ! آپ جانتے ہیں کہ مومن سے ملاقات کا کس قدر ثواب ہے جب آپ تک میرا یہ خط پہنچے تو جلدی کیجئے۔

جب وہ خط لکھ چکا تو وہاں موجود لوگوں کی طرف متوجہ ہوا تو وہ سب کے سب حضرت سفیان رحمہ اللہ کو جانتے تھے اور وہ آپ کی سخت مزاجی سے بھی واقف تھے اس لیے ان میں سے کوئی جانے کے لیے تیار نہ ہوا، خلیفہ نے کہا کسی دربان کو بلاؤ تو ایک شخص عباد طالقانی کو بلایا گیا، خلیفہ نے کہا میرا یہ خط کوفہ لے جاؤ جب وہاں پہنچو تو قبیلہ بنو ثور کے بارے میں پوچھنا پھر حضرت سفیان ثوری رحمہ اللہ کے بارے میں معلوم کرنا جب ان کو دیکھو تو میرا یہ خط ان کو دے دینا اور جو کچھ وہ کہیں اپنا کان اور دل اس کی طرف متوجہ کرنا اور ان کی ہر چھوٹی بڑی بات یاد رکھنا اور پھر مجھے بتانا، عباد نے خط لیا اور چل پڑا حتیٰ کہ کوفہ پہنچ گیا۔ اس نے قبیلے کے بارے میں پوچھا تو اسے بتایا گیا، پھر اس نے حضرت سفیان ثوری رحمہ اللہ کے بارے میں پوچھا تو اسے بتایا گیا کہ وہ مسجد میں ہیں، عباد کہتا ہے میں مسجد میں گیا جب انہوں نے مجھے دیکھا تو کھڑے ہوگئے اور فرمایا:

میں شیطان مردود سے اللہ تعالیٰ سننے جاننے والے کی پناہ چاہتا ہوں اور اے اللہ! میں اس آنے والے سے تیری پناہ چاہتا ہوں جو کسی بھلائی کے علاوہ آئے۔

عباد کہتا ہے یہ بات میرے دل پر اثر انداز ہوئی تو میں باہر نکلا جب آپ نے مجھے مسجد کے دروازے پر اترا

دیکھا تو نماز کے لیے کھڑے ہو گئے حالانکہ یہ نماز کا وقت نہیں تھا میں نے اپنے گھوڑے کو مسجد کے دروازے پہ باندھا اور اندر داخل ہو گیا میں نے دیکھا کہ آپ کے ہم مجلس سر جھکائے بیٹھے ہیں گویا وہ چور ہیں اور بادشاہ ان پہ پہنچ گیا ہے اور اب وہ اس کی سزا سے ڈرے ہوئے ہیں۔

میں نے سلام کیا لیکن کسی نے بھی سر اٹھا کر میری طرف نہ دیکھا انہوں نے میرے سلام کا جواب انگلیوں کے پوروں کے اشارے سے دیا میں کھڑا رہا اور ان میں سے کسی نے بھی مجھے بیٹھنے کے لیے نہ کہا اور ان کی ہیبت سے مجھ پہ لرزہ طاری ہو گیا، میں نے ان سب کو دیکھا اور سوچا کہ حضرت سفیان ثوری رحمہ اللہ یہی شخص ہیں جو نماز پڑھ رہے ہیں میں نے خط ان کے سامنے پھینک دیا جب انہوں نے خط دیکھا تو وہ کانپ اٹھے اور اس سے یوں بچے جیسے ان کے محراب میں سانپ آگیا ہو انہوں نے پھر سجدہ کیا اور سلام پھیرنے کے بعد اپنا ہاتھ آستین میں ڈالا اور اسے چغے میں ڈال کر اس خط کو لیا اور اسے اُلٹا دیا اس کے بعد پیچھے بیٹھے ہوئے لوگوں کی طرف پھینک دیا اور فرمایا تم میں سے کوئی شخص اسے لے کر پڑھے میں اللہ تعالیٰ سے بخشش چاہتا ہوں کہ کسی ایسی چیز کو پکڑوں جیسے کسی ظالم کے ہاتھ لگے ہوں۔

عباد کہتے ہیں ایک شخص نے اسے ڈرتے ڈرتے کھولا گویا وہ سانپ کے منہ سے ڈر رہا ہے کہ وہ اسے کاٹ ڈالے گا پھر اس کی مہر کو توڑا اور اسے پڑھا۔

حضرت سفیان تعجب کرنے والوں کی طرح مسکراتے رہے جب وہ شخص پڑھ کر فارغ ہوا تو فرمایا اسے اُلٹ کر اس کی پشت پر اس ظالم کو جواب لکھو کہا گیا اے ابو عبداللہ! وہ خلیفہ ہے اگر آپ کسی عمدہ کاغذ پہ جواب لکھوائیں تو اچھا ہے آپ نے فرمایا نہیں ظالم کی طرف اسی کے خط کی پشت پہ لکھو اگر اس نے اس کاغذ کو حلال کمائی سے حاصل کیا ہو گا تو عنقریب اسے اس کا اجر مل جائے گا اور اگر حرام مال سے لیا ہو گا تو اس کی سزا بھگتے گا ہمارے پاس ایسی چیز نہیں رہنی چاہیئے جسے ظالم کے ہاتھ لگے ہوں اس سے ہمارا دین خراب ہو جائے گا۔ پوچھا گیا ہم کیا لکھیں فرمایا لکھو۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ گناہ گار بندے سفیان بن سعید بن منذر ثوری کی طرف سے اس بندے کی طرف جو اپنے مستقبل کے بارے میں دھوکہ کھا گیا وہ ہارون الرشید ہے جس سے ایمان کی حلاوت لے لی گئی۔

حمد و صلوٰۃ کے بعد! میں نے یہ خط تمہیں اس لیے لکھا ہے کہ میں نے تم سے رشتہ توڑ دیا ہے تجھ سے محبت ختم کر دی ہے تیرے ساتھ معاملہ بدل دیا تم نے خود اپنے خط میں اقرار کیا ہے کہ تم نے مسلمانوں کے بیت المال کو کھول کر ان لوگوں کو دیا جن کا حق نہیں تھا اور وہاں خرچ کیا جو اس کا محل نہیں تھا پھر صرف اسی بات پر اکتفا نہیں کیا بلکہ اتنے دور خط لکھ کر مجھے اپنا گواہ بنانا چاہا ہیں اور میرے ساتھی جو تیرے خط کو پڑھتے وقت موجود تھے سب گواہ ہیں اور عنقریب کل قیامت کے دن ہم اللہ کے سامنے تیرے خلاف گواہی دیں گے۔ اے ہارون! تم نے مسلمانوں کے بیت المال کو ان کی مرضی کے بغیر اڑا دیا کیا تیرے اس فعل پہ مؤلفۃ القلوب راضی ہیں کہ مال دے کر اسلام کی طرف رغبت دی جاتی ہے) اللہ تعالیٰ

کی زمین میں صدقات وصول کرنے والے عاملین، اللہ تعالیٰ کے راستے میں جہاد کرنے والے اور مسافر راضی ہیں۔ یا تمہارے اس عمل پہ قرآن پاک کے حفاظ، علماء، بیوہ عورتیں، اور یتیم راضی ہیں یا تیری رعایا میں کوئی اس کام پر راضی ہے؟

اے ہارون اس سوال کا جواب دینے کے لیے تیار ہو جاؤ اپنی مصیبت کو دور کرنے کی فکر کرو، جان لو کہ عنقریب تم حاکم و عادل ذات کے سامنے کھڑے ہو گے تم نے اپنے نفس کو مصیبت میں ڈال دیا تم نے علم و زہد کی لذت قرآن مجید کی لذت اور نیک لوگوں کی مجلس سے محرومی اختیار کر لی اپنے آپ کو ظالم بنانے اور ظالموں کا امام بننے پہ راضی ہو گئے۔

اے ہارون! تم تخت پہ بیٹھے اور تم نے ریشمی لباس پہنا اپنے دروازے پہ پردہ ڈال دیا اور اپنے پردوں کے ذریعے تم نے رب العالمین سے مشابہت اختیار کرنے کی کوشش کی پھر تم نے اپنے دروازے پہ ظالم سپاہیوں کو بٹھا دیا جو لوگوں پہ ظلم کرتے ہیں اور انصاف نہیں کرتے وہ خود شراب پیتے ہیں اور دوسرے شراب نوشوں کو مارتے ہیں، خود زنا کرتے ہیں اور دوسرے زانیوں کو حد لگاتے ہیں خود چوری کرتے ہیں اور چوروں کا ہاتھ کاٹتے ہیں۔

کیا شریعت کے یہ احکام تمہارے اور تمہارے ساتھیوں کے لیے نہیں ہیں اور باقی لوگوں پہ جاری ہوتے ہیں؟

اے ہارون! کل قیامت کے دن کیا کرو گے جب اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک منادی ندا دے گا ظالموں اور ان کے ساتھیوں کو جمع کرو، ظالم اور ان کے مددگار کہاں ہیں تمہیں اللہ تعالیٰ کے سامنے پیش کیا جائے گا اور تمہارے دونوں ہاتھ گردن کے ساتھ بندھے ہوں گے ان کو صرف تیرا انصاف کھولے گا ظالم تیرے اردگرد ہوں گے اور تو جہنم کی طرف ان کا امام ہو گا، اے ہارون! گویا تمہارا حال میرے سامنے ہے۔ تم گردن سے پکڑے ہوئے ہو اور بہشتی کے مقام پر حاضر کئے گئے تم اپنی نیکیاں دوسروں کے میزان میں دیکھ رہے ہو اور دوسروں کی برائیاں تمہارے میزان میں ہیں۔ جو تمہارے اپنے گناہوں سے زیادہ ہیں مصیبت پہ مصیبت اور اندھیرے پہ اندھیرا ہے میری نصیحت اور وعظ پہ عمل کیجئے۔

جان لو! میں نے تمہیں نصیحت کر دی اور میں نے تمہارے لیے کوئی نصیحت باقی نہیں چھوڑی اے ہارون! اپنی رعایا کے بارے میں اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کے بارے میں آپ کا لحاظ کرو اور ان کے لیے اپنی خلافت کو اچھی طرح نبھاؤ۔ جان لو! اگر یہ خلافت دوسروں کے پاس باقی رہتی تو تم تک نہ پہنچتی اب دوسروں کی طرف جانے والی ہے اسی طرح دنیا ایک سے دوسرے کی طرف منتقل ہوتی ہے ان میں سے بعض نے نفع بخش توشہ اختیار کیا اور بعض نے دنیا میں نقصان اٹھایا اور میرا خیال ہے کہ اے ہارون! تم بھی ان نقصان اٹھانے والوں میں سے ہو اس کے بعد مجھے کوئی خط نہ لکھنا میں تمہیں کوئی جواب نہیں دوں گا ۔۔۔ والسلام

عباد کہتا ہے انہوں نے خط میری طرف پھینک دیا وہ کھلا تھا نہ اسے لپیٹا اور نہ ہی اس پہ مہر لگائی میں نے اسے لیا اور کوفہ کے بازار کی طرف چلا گیا آپ کی نصیحت نے مجھ پہ اثر کیا میں نے اہل کوفہ کو پکارا انہوں نے میری بات کا جواب

دیا تو میں نے ان سے کہا اے قوم! اس شخص کو کون خریدتا ہے جو اللہ تعالیٰ سے اللہ تعالیٰ کی طرف بھاگتا ہے! وہ درہم اور دینار لے کر میری طرف آئے میں نے کہا مجھے مال کی ضرورت نہیں ایک موٹا اُونی جُبہ اور ایک قطوانی چُغہ (۱) چاہیے' انہوں نے مجھے دونوں چیزیں دیں میں نے وہ لباس اتار دیا جو امیر المومنین کے پاس پہنتا تھا اور یہ دونوں کپڑے پہن لیے، جو ہتھیار میں نے پہنے ہوئے تھے انہیں گھوڑے پر رکھا اور ننگے پاؤں پیدل ہارون الرشید کے پاس پہنچا' جو لوگ خلیفہ کے دروازے پر تھے وہ میرا مذاق اڑانے لگے پھر مجھے اجازت ملی جب میں اندر داخل ہوا اور خلیفہ نے مجھے اس حالت میں دیکھا تو وہ کھڑا ہوا پھر بیٹھا اور اس کے بعد پھر کھڑا ہو گیا' وہ اپنا سر اور چہرہ پیٹنے لگا اور واویلا کرتا رہا کہنے لگا ہائے افسوس قاصد نے نفع حاصل کیا اور بھیجنے والا نقصان میں رہا' مجھے اس دنیا سے کیا سروکار، مجھے اس بادشاہی کا کیا فائدہ، جلد ہی یہ مجھ سے چلی جائے گی۔

پھر میں نے وہ خط اسی طرح کھلا ہوا جس طرح حضرت سفیان ثوری رحمہ اللہ نے دیا تھا بادشاہ کے سامنے رکھ دیا' ہارون الرشید اسے پڑھنے لگا اور اس کی آنکھوں سے آنسو جاری تھے' وہ پڑھتا اور گریہ وزاری کرتا رہا' بعض اہل مجلس نے کہا اے امیر المومنین! حضرت سفیان نے آپ کی توہین کی ہے اگر آپ کسی کو بھیج کر انہیں لوہے کی بھاری بیڑیاں پہنائیں اور قید خانے میں بند کر دیں تو اچھا ہے تاکہ دوسری کو بھی عبرت ہو۔

ہارون نے کہا اے دنیا کے غلامو! ہمیں چھوڑو' جو تمہارے دھوکے میں آئے وہ دھوکہ کھا گیا اور جس کو تم ہلاک کرو وہ بدبخت ہے، بے شک حضرت سفیان ثوری رحمہ اللہ تنہا ایک امت ہیں' انہیں ان کے حال پر چھوڑ دو۔ پھر حضرت سفیان کا خط ہمیشہ ہارون الرشید کے پہلو میں رہتا وہ ہر نماز کے وقت اسے پڑھتا حتیٰ کہ اس کا انتقال ہو گیا اللہ تعالیٰ اس پر رحم فرمائے' تو جو شخص اپنے نفس کا خیال رکھے اور کل سامنے آنے والے عمل میں اللہ تعالیٰ سے ڈرے' اللہ تعالیٰ اس پر رحم کرے۔ کیوں کہ اس عمل کی باز پرس ہو گی اور اسے اس کا بدلہ دیا جائے گا اور اللہ تعالیٰ ہی توفیق دینے والا ہے۔

حضرت عبداللہ بن مہران سے منقول ہے کہ ہارون الرشید نے حج کیا تو کوفہ چلا گیا اور وہاں کچھ دن رہا پھر کُوچ کا نقارہ بجایا گیا تو لوگ باہر نکلے حضرت بہلول مجنون بھی ان کے ہمراہ ہو گئے وہ کوڑے کرکٹ کے ایک ڈھیر کے پاس بیٹھ گئے لڑکے ان کو چھیڑتے اور اذیت دیتے تھے اتنے میں ہارون کے کارندے آگئے اور انہوں نے لڑکوں کو روکا جب ہارون آیا تو حضرت بہلول نے اونچی آواز سے پکارا اے امیر المومنین! ہارون الرشید نے اپنے چہرے سے پردہ اٹھا کر کہا لبیک اے بہلول! انہوں نے کہا اے امیر المومنین! ہم سے ایمن بن نائل نے بیان کیا انہوں نے حضرت قدامہ بن عبداللہ عامر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا وہ فرماتے ہیں میں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا آپ اپنی اونٹنی صہباء پر عرفات سے

---

(۱) بصرہ میں بننے والے چُغہ کو قطوانی چُغہ کہتے ہیں۔

واپس تشریف لا رہے تھے وہاں نہ مار دھاڑ تھی اور نہ ہٹو بچو کی صدائیں تھیں(۱) اے امیرالمومنین! تم اگر سفر میں تکبر اور ظلم کی بجائے تواضع اختیار کرو تو بہتر ہے۔

راوی کہتے ہیں کہ ہارون الرشید رونے لگا حتی کہ اس کے آنسو زمین پر گر پڑے پھر کہا اے بہلول! ہمیں مزید نصیحت فرمایئے اللہ تعالیٰ آپ پر رحم فرمائے انہوں نے کہا ہاں امیرالمومنین! جس شخص کو اللہ تعالیٰ نے مال و جمال عطا کیا اس نے اپنے مال سے خرچ کیا اور اپنے جمال میں پاکدامن رہا وہ اللہ تعالیٰ کے خاص دفتر میں نیک لوگوں کے ساتھ لکھا جاتا ہے۔ ہارون الرشید نے کہا اے بہلول! آپ نے ٹھیک کہا اور انہیں کچھ عطیہ دیا انہوں نے کہا یہ مال اس شخص کو واپس دے دیں جس سے لیا ہے مجھے اس کی ضرورت نہیں ہے ہارون الرشید نے کہا اے بہلول! اگر آپ پر کچھ قرض ہو تو ہم ادا کر دیتے ہیں انہوں نے کہا اے امیرالمومنین! کوفہ میں بہت سے علماء کرام ہیں جو اس بات پر متفق ہیں کہ قرض کی ادائیگی قرض سے کرنا درست نہیں اس نے کہا اے بہلول! ہم آپ کے لیے اتنا مقرر کر دیتے ہیں جو آپ کے گزارہ کے لیے کافی ہو، راوی کہتے ہیں حضرت بہلول نے آسمان کی طرف سر اٹھایا اور کہا اے امیرالمومنین! میں اور تم اللہ تعالیٰ کے عیال ہیں محال ہے کہ وہ تجھے یاد رکھے اور مجھے بھول جائے۔ راوی کہتے ہیں ہارون نے پردہ ڈالا اور چلا گیا۔

حضرت ابوالعباس ہاشمی، حضرت صالح بن مامون سے روایت کرتے ہیں وہ فرماتے ہیں میں حضرت حارث محاسبی رحمہ اللہ کے پاس گیا اور عرض کیا اے ابوعبداللہ! کیا آپ نے اپنے نفس کا محاسبہ کیا؟ انہوں نے فرمایا ہاں کبھی ایسا تھا میں نے کہا اب کیا صورت ہے؟ فرمایا اب تو میں اپنے حال کو چھپاتا ہوں میں قرآن پاک کی کوئی آیت کریمہ پڑھتا ہوں تو اس میں بھی بخل کرتا ہوں کہ کہیں نفس نہ سُن لے، اگر مجھے اس میں سرور غالب نہ ہوتا تو میں اس کا اعلان کر دیتا۔ ایک رات میں اپنے محراب میں بیٹھا ہوا تھا تو میں نے ایک نوجوان کو دیکھا جو نہایت خوبصورت تھا اور اس سے نہایت اچھی خوشبو آ رہی تھی اس نے مجھے سلام کہا اور پھر میرے سامنے بیٹھ گیا میں نے پوچھا تم کون ہو؟ اس نے کہا میں ایک سیاح ہوں جو لوگ اپنے محرابوں میں عبادت کرتے ہیں میں ان کو تلاش کرتا ہوں لیکن میں نے تمہیں کچھ محنت کرتے نہیں دیکھا تمہارا کیا عمل ہے؟ فرماتے ہیں میں نے اس سے کہا مصائب کو چھپانا اور فوائد حاصل کرنا فرماتے ہیں وہ نوجوان چیخا اور کہا میں مشرق اور مغرب کے دونوں کناروں کے درمیان کسی ایک کو اس صفت پر نہیں دیکھتا۔ حارث محاسبی کہتے ہیں میں نے اسے مزید کچھ بتانا چاہا تو کہا کیا آپ کو معلوم ہے کہ اہل دل اپنے احوال کو چھپاتے ہیں اور اپنے اسرار بھی پوشیدہ رکھتے ہیں اور اللہ تعالیٰ سے سوال کرتے ہیں کہ ان کے حالات مخفی ہیں تو آپ ان کو کیسے پہچانیں گے۔

فرماتے ہیں اس نوجوان نے چیخ ماری اور پھر اس پہ بیہوشی طاری ہو گئی وہ میرے پاس دو دن رہا اس کو ہوش نہ آیا

---

(۱) سنن ابن ماجہ ص ۲۲۲، ابواب المناسک

پھر اسے افاقہ ہوا تو اس کے کپڑے ناپاک ہو چکے تھے میں سمجھ گیا کہ اس کی عقل زائل ہو گئی ہے میں نے اس کے لیے نئے کپڑے نکالے اور کہا یہ میرا کفن ہے میں نے تجھے اپنے اوپر ترجیح دی غسل کر کے دوبارہ نماز پڑھو اس نے کہا پانی لاؤ پھر اس نے غسل کر کے نماز پڑھی اور پھر کپڑے لپیٹ کر چلا گیا میں نے پوچھا کہاں جا رہے ہو؟ اس نے کہا میرے ساتھ چلو وہ مسلسل چلتا رہا حتی کہ مامون (بادشاہ) کے پاس پہنچا اور اسے سلام کیا پھر کہا اے ظالم! اگر میں تجھے ظالم نہ کہوں تو میں خود ظالم ہوں اگر میں تیرے معاملے میں کوتاہی کروں تو اس کے لیے اللہ تعالیٰ سے مغفرت کا طالب ہوں، اللہ تعالیٰ نے تجھے جو بادشاہی دی ہے تو اس میں اللہ تعالیٰ سے نہیں ڈرتا اور بھی بہت کلام کیا پھر باہر نکلنے لگا اور میں دروازے پر بیٹھا ہوا تھا کہ مامون اس کے سامنے آیا اور کہا تم کون ہو؟ اس نے کہا میں ایک سیاح ہوں میں نے اپنے سے پہلے کے صدیقین کے اعمال میں غور کیا تو مجھے اپنے لیے کوئی حصہ نہ ملا اس لیے تمہیں نصیحت کی کہ شاید ان لوگوں سے مل جاؤں، حارث محاسبی فرماتے ہیں مامون نے اس کی گردن مارنے کا حکم دیا وہ اسی کپڑے میں لپیٹا ہوا باہر نکالا گیا اور میں بیٹھا ہوا تھا منادی نے اعلان کیا کہ اس کا ولی کون ہے جو اسے لے لے۔ حضرت حارث کہتے ہیں میں اس سے چھپ گیا اور غرباء کی ایک جماعت نے اسے لے کر دفن کر دیا۔ میں ان کے ساتھ تھا اور میں نے ان کو اس کی حالت نہ بتائی میں اس نوجوان کی حالت پر غمگین ہوا اور قبرستان کی مسجد میں ٹھہر گیا چنانچہ مجھے نیند آ گئی تو میں نے اس کو ایسی خوبصورت لونڈیوں میں دیکھا کہ ان سے زیادہ خوبصورت نہیں دیکھی تھیں اور وہ کہہ رہا تھا اے حارث اللہ کی قسم! تم حال چھپانے والوں میں سے ہو۔

جو اپنے رب کی اطاعت کرتے ہیں میں نے کہا وہ لوگ کہاں ہیں؟ اس نے کہا وہ تم سے ملاقات کریں گے پھر میں نے سواروں کی ایک جماعت دیکھی میں نے پوچھا تم کون ہو؟ انہوں نے کہا اپنے احوال کو چھپانے والے ہیں، تمہاری تقریر نے اس نوجوان کو حرکت دی لیکن جو کچھ تم نے بیان کیا اس کے دل میں اس میں سے کچھ بھی نہ تھا تو وہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے لیے نکلا اللہ تعالیٰ نے اسے ہمارے ساتھ اتارا اور وہ اپنے بندے کے لیے غضب ناک ہوا۔

حضرت احمد بن ابراہیم مقری فرماتے ہیں حضرت ابوالحسین نوری فضول کام کم کرتے تھے بلا ضرورت کسی سے سوال نہیں کرتے تھے اور کسی حاجت کے بغیر چھان بین نہیں کرتے تھے جب کوئی برائی دیکھتے تو اسے بدل دیتے اگرچہ اس میں ان کی جان ہی کیوں نہ جائے، ایک دن وہ ایک چشمہ پر اترے جس کو مخابین کا چشمہ کہا جاتا تھا نماز کے لیے وضو کر رہے تھے کہ ایک کشتی دیکھی جس میں تیس مٹکے تھے ان میں سے ہر ایک پر تارکول سے لفظ "لطف" لکھا ہوا تھا انہوں نے اسے پڑھا لیکن سمجھ نہ سکے کیوں کہ تجارت میں کسی ایسی چیز کی پہچان نہ تھی جس کا نام لطف ہو، انہوں نے ملاح سے پوچھا ان مٹکوں میں کیا ہے؟ اس نے کہا آپ کو اس سے کیا غرض ہے آپ اپنا کام کریں جب حضرت نوری نے ملاح سے یہ بات سنی تو اس چیز کی پہچان کی پیاس بڑھ گئی۔ فرمایا میں چاہتا ہوں کہ مجھے تم بتاؤ کہ ان مٹکوں میں کیا ہے ملاح نے کہا آپ کو کیا فائدہ ہو گا؟ اللہ کی قسم آپ تو ایک صوفی ہیں یہ تو معتضد (بادشاہ) کے لیے شراب ہے وہ اس سے اپنی مجلس کی تکمیل کرنا چاہتا ہے حضرت ابوالحسین نوری

نے فرمایا یہ شراب ہے؟ اس نے کہا جی ہاں فرمایا میں چاہتا ہوں کہ اس کے چپو مجھے اٹھا کر دو اس پر ملاح کو غصہ آگیا اور غلام سے کہنے لگا ان کو دو دیکھیں کیا کرتے ہیں جب کشتی کے چپو آپ کے ہاتھ میں آگئے تو آپ کشتی پر چڑھ گئے اور ایک ایک مٹکا توڑنے لگے یہاں تک کہ ایک مٹکا رہ گیا ملاح فریاد کرتا رہا یہاں تک کہ اس پل کا نگران آگیا اور ان دنوں ابن بشر افلح اس پر مامور تھا اس نے حضرت ابوالحسین نوری کو گرفتار کیا اور معتضد کے پاس بھیج دیا چونکہ معتضد کی تلوار اس کی زبان سے پہلے چلتی تھی اس لیے لوگوں کو اس بارے میں شک نہیں تھا کہ وہ آپ کو قتل کر دے گا۔

حضرت ابوالحسین نوری رحمۃ اللہ فرماتے ہیں میں اس کے پاس پہنچا تو وہ لوہے کی کرسی پر بیٹھا ہوا تھا اور اس کے ہاتھ میں ایک لکڑی تھی جس کو الٹ پلٹ کر رہا تھا اس نے جب مجھے دیکھا تو پوچھا تو کون ہے؟ میں نے کہا میں محتسب ہوں اس نے پوچھا تمہیں کس نے محتسب مقرر کیا ہے؟ میں نے کہا جس نے تجھے حکمران بنایا اسی نے مجھے محتسب مقرر کیا فرماتے ہیں اس نے ایک گھڑی سر جھکایا پھر سر اٹھاتے ہوئے مجھے کہا تم نے یہ کام کیوں کیا؟ میں نے کہا مجھے تم پر شفقت تھی۔ کیونکہ جب میں تجھ سے ایک ناپسندیدہ بات کو دور کر سکتا ہوں تو کوتاہی کیوں کروں؟ فرماتے ہیں اس نے میری بات پر غور کیا پھر اپنا سر اٹھا کر میری طرف دیکھتے ہوئے کہا باقی سب مٹکوں سے یہ ایک مٹکا کیوں بچ گیا؟ میں نے کہا اسے چھوڑنے میں ایک حکمت تھی۔ اگر امیر المومنین مجھے اجازت دیں تو میں بتاؤں؟ اس نے کہا ہاں مجھے بتاؤ میں نے کہا اے امیر المومنین! میں نے مٹکوں کی طرف توجہ کی تو اس وقت مجھ سے اللہ تعالیٰ کا مطالبہ تھا اور اللہ تعالیٰ کے جلال سے میرا دل بھرا ہوا تھا اور مجھے مطالبہ کا خوف تھا مخلوق کی ہیبت مجھ سے چلی گئی تھی۔ اس لیے میں نے ان کو توڑنے کی جرأت کی یہاں تک کہ اس مٹکے تک پہنچا تو میرے دل میں تکبر پیدا ہوا کہ میں نے تیرے جیسے آدمی کے مٹکے توڑ دیئے تو میں رک گیا اگر اس وقت بھی میری پہلے والی حالت ہوتی تو میں دنیا بھر کے مٹکے توڑ دیتا اور کچھ پرواہ نہ کرتا۔

معتضد نے کہا جائیے ہم نے آپ کے ہاتھ کو کھلی چھٹی دے دی جس برائی کو بدلنا چاہیں بدل دیں حضرت ابوالحسین فرماتے ہیں میں نے کہا اے امیر المومنین! اب میں بدلنے کو ناپسند کرتا ہوں کیونکہ پہلے میں اللہ تعالیٰ کے حکم سے بدلتا تھا اور اب اس وجہ سے بگاڑوں گا معتضد نے کہا آپ کی کوئی حاجت ہو؟ میں نے کہا اے امیر المومنین! آپ حکم دیں کہ میں یہاں سے صحیح سلامت چلا جاؤں اس نے حکم دیا تو آپ بصرہ کی طرف تشریف لے گئے آپ نے زیادہ وقت وہاں ہی گزارا کہ مبادا کسی کو کوئی حاجت پیش آجائے اور انہیں معتضد سے سوال کرنا پڑے معتضد کے فوت ہونے تک آپ بصرہ میں ہی رہے اور اس کے بعد بغداد میں تشریف لائے۔

تو علماء کرام کا طریقہ یہی تھا وہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر اسی طرح کرتے تھے وہ بادشاہوں کے دبدبے کی بہت کم پرواہ کرتے تھے وہ اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرتے تھے کہ وہ ان کی حفاظت فرمائے گا وہ اللہ تعالیٰ کے اس فیصلے پر راضی رہتے تھے کہ وہ ان کو شہادت کا مقام عطا کرے۔

جب ان لوگوں کی نیت خالص اللہ تعالیٰ کے لیے ہوتی تھی تو ان کے کلام میں یہ تاثیر تھی کہ سخت دل بھی نرم ہو جاتے تھے اور ان کی سختی ختم ہو جاتی تھی۔ لیکن اب تو طمع نے علماء کی زبانیں بند کر دی ہیں اور اگر وہ کچھ بولتے ہیں تو ان کا قول ان کے حال کے موافق نہیں ہوتا لہٰذا وہ کامیاب نہیں ہوتے اگر وہ سچ کہیں اور علم کے حق کو ملحوظ رکھیں تو کامیابی پائیں۔ تو رعایا اس لیے خراب ہے کہ بادشاہوں میں خرابی ہے اور بادشاہوں کی خرابی کا باعث علماء کی خرابی ہے اور علماء کا بگاڑ اس وجہ سے ہے کہ ان پر مال اور مرتبہ کی محبت کا غلبہ ہے جس آدمی پر دنیا کی محبت غالب ہو وہ گھٹیا قسم کے لوگوں کا احتساب نہیں کر سکتا بادشاہوں اور بڑے لوگوں کا احتساب کیسے کرے گا۔

اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء ہے اس کی مدد اور توفیق سے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی بحث مکمل ہوئی

آدابِ معیشت اور اخلاقِ نبوت

تمام حمد و ثناء اللہ تعالیٰ کے لیے ہے جس نے ہر چیز کو پیدا کیا تو اس کی تخلیق و ترتیب کو حسین کیا، اپنے نبی حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو نہایت عمدہ پیرائے میں ادب سکھایا اور آپ کے اوصاف و اخلاق کو پاک فرمایا پھر آپ کو اپنا منتخب بندہ اور محبوب بنایا، جس کو مہذب بنانے کا ارادہ کیا اسے آپ کی اقتداء کی توفیق عطا فرمائی اور جس کو رسوا کرنا چاہا اسے آپ کے اخلاق عالیہ اپنانے سے محروم کیا اور ہمارے سردار حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر رحمت ہو جو رسولوں کے سردار ہیں نیز آپ کی پاکیزہ آل پر رحمت اور بہت زیادہ سلام ہو۔

حمد و صلوٰۃ کے بعد — ظاہری آداب، باطنی آداب کے عنوانات ہیں اور ظاہری اعضاء کی حرکات قلبی باتوں کے نتائج ہیں اعمال، اخلاق کا نتیجہ اور آداب، معرفت کا چھینٹا ہیں۔

قلبی راز، ظاہری افعال کے بیج اور اُگنے کی جگہ ہیں، باطنی اسرار ہی ظاہر پر چمکتے ہوئے اسے مزیّن کرتے ہیں اور اس کی برائیوں کو نیکیوں میں بدل دیتے ہیں جس آدمی کا دل خوفِ خداوندی سے خالی ہو اس کے اعضاء میں خوف نہیں ہوتا، جس کا سینہ انوارِ خداوندی کا محل نہیں ہوتا اس کے ظاہر پر آدابِ نبوی کا جمال نہیں چمکتا۔

میں نے ارادہ کیا تھا کہ عادات کے بیان کو آدابِ معیشت کے جامع بیان پر ختم کروں گا تاکہ اس کے طالب کے لیے ان سب بابوں سے اس کا نکالنا دشوار نہ ہو۔

پھر میں نے دیکھا کہ عادات کے اس تمام بیان میں آداب ہی کا ذکر ہے تو میں نے اسے دوبارہ لکھنا ثقیل جانا کیونکہ کسی بات کا اعادہ فطری طور پر ثقیل معلوم ہوتا ہے۔

تو میں نے سوچا کہ اس باب میں صرف نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے آداب اور آپ کے اخلاق کریمانہ جو روایات میں منقول ہیں ان کا ذکر کروں ان سب کی اسناد کو حذف کرتے ہوئے جدا جدا کر کے لکھوں تاکہ اس میں تمام آداب جمع ہو نے

کے ساتھ تجدید ایمان اور آپ کے اخلاق کریمانہ کے مشاہدہ کی تاکید ہو جائے آپ کی ایک ایک عادت مبارکہ قطعی طور پہ اس بات کی گواہ ہے کہ آپ اللہ تعالیٰ کی مخلوق میں سے سب سے زیادہ معزز ہیں آپ کا رتبہ ان سب سے بڑھ کر ہے اور آپ کی قدر و منزلت سب سے زیادہ ہے تو ان سب اخلاق کے جمع ہوتے سے آپ کا مقام کیوں بلند نہ ہوگا۔
پھر آپ کے اخلاق کے ذکر کے ساتھ آپ کی تخلیق کا بھی ذکر کیا گیا علاوہ ازیں آپ کے معجزات بھی بیان کئے جو صحیح روایات سے ثابت ہیں تاکہ آپ کے اخلاق کا بیان کامل ہو اور آپ کی نبوت کے منکرین کے کانوں سے غفلت کی روئی باہر آئے اللہ تعالیٰ ہی سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق عالیہ اور احوال نیز تمام امور دینیہ میں آپ کی اقتدا کی توفیق دینے والا ہے وہ حیران و پریشان لوگوں کا راہنما اور مجبور لوگوں کی دعاؤں کو سننے والا ہے۔

ترتیب آداب :

ہم سب سے پہلے اس بات کا ذکر کریں گے کہ اللہ تعالیٰ نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو قرآن پاک کے ذریعے ادب سکھایا۔ پھر آپ کے اخلاق حسنہ کا جامع بیان ہوگا، اس کے بعد آپ کے آداب و اخلاق کا کلام و تبسم، کھانے پینے کے سلسلے میں آپ کے آداب، لباس کے اعتبار سے آداب نبوی، بدلہ لینے کی طاقت کے باوجود معاف کر دینا، ناپسندیدہ بات سے آپ کا چشم پوشی کرنا، بیان کریں گے اس کے بعد آپ کی جود و سخاوت، شجاعت و بہادری، تواضع اور صورت و خلقت کا بیان ہوگا اور آخر میں آپ کے معجزات کو جامع انداز میں بیان کیا جائے گا۔

قرآن پاک کے ذریعے محبوب خدا کی تربیت و تادیب :

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں بہت گڑگڑاتے اور ہمیشہ سوال کرتے تھے کہ وہ آپ کو اچھے آداب اور عمدہ اخلاق سے مزین کر دے چنانچہ آپ یوں دعا کرتے۔

اَللّٰهُمَّ حَسِّنْ خَلْقِيْ وَخُلُقِيْ۔(۱) یا اللہ! میری صورت و سیرت کو اچھا کر دے۔

نیز آپ یوں دعا مانگتے۔

اَللّٰهُمَّ جَنِّبْنِيْ مُنْكَرَاتِ الْاَخْلَاقِ۔(۲) یا اللہ! مجھے بری عادات سے دور رکھنا۔

اللہ تعالیٰ نے آپ کی دعا کو قبول فرمایا اور یوں اپنا یہ وعدہ پورا کیا۔

---

(۱) مشکوۃ المصابیح جلد ص ۴۳۲ باب الرفق والحیاء وحسن الخلق

(۲) کنز العمال جلد ۲ ص ۲۱۲ حدیث ۳۸۱۵

اُدْعُوْنِیْٓ اَسْتَجِبْ لَکُمْ (۱) مجھ سے دعا مانگو قبول کروں گا۔

تو اللہ تعالیٰ نے آپ پر قرآن نازل فرما کر اس کے ذریعے آپ کو ادب سکھایا۔

حضرت سعد بن ہشام رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں میں ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا (اللہ تعالیٰ ان سے اور ان کے والد ماجد سے راضی ہو) کی خدمت میں حاضر ہوا اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق کے بارے میں پوچھا انہوں نے فرمایا کیا تم قرآن پاک پڑھتے ہو؟ میں نے عرض کیا جی ہاں پڑھتا ہوں اُمّ المومنین نے فرمایا رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق مبارکہ قرآن مجید تھا۔(۲)

قرآن پاک کے ذریعے آپ کو آداب یوں سکھائے کہ ارشاد فرمایا۔

خُذِ الْعَفْوَ وَاَعْرِضْ عَنِ الْجَاهِلِیْنَ ۔(۳) آپ معاف کردیں اور جاہلوں سے اعراض کریں۔

اور ارشاد فرمایا،

اِنَّ اللّٰہَ یَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ وَاِیْتَآءِ ذِی الْقُرْبٰی وَیَنْھٰی عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْکَرِ وَالْبَغْیِ۔ (۴)

بے شک اللہ تعالیٰ انصاف اور احسان نیز قرابتداروں کو دینے کا حکم دیتا ہے اور بے حیائی، برائی اور سرکشی سے روکتا ہے۔

اور ارشاد خداوندی ہے۔

وَاصْبِرْ عَلٰی مَآ اَصَابَکَ اِنَّ ذٰلِکَ مِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ (۵)

اور آپ کو جو تکلیف پہنچے اس پر صبر کیجیے بے شک یہ بڑی ہمت کے کاموں سے ہے۔

نیز ارشاد فرمایا:

وَلَمَنْ صَبَرَ وَغَفَرَ اِنَّ ذٰلِکَ مِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ۔ (۶)

اور البتہ وہ شخص جو صبر کرے اور معاف کردے تو یہ کام ہمت کے کاموں سے ہے۔

---

(۱) قرآن مجید، سورۂ غافر آیت ۶۰

(۲) مسند امام احمد بن حنبل جلد ۶ ص ۹۱ مرویات عائشہ

(۳) قرآن مجید سورۂ اعراف آیت ۱۹۹

(۴) قرآن مجید سورۂ النحل آیت۔ ۹

(۵) قرآن مجید، سورۂ لقمان آیت ۱۷

(۶) قرآن مجید سورۂ شوریٰ آیت ۴۳

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

فَاعْفُ عَنْهُمْ وَاصْفَحْ إِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُحْسِنِينَ (۱)

آپ ان کو معاف کر دیں اور درگزر فرمائیں بے شک اللہ تعالیٰ احسان کرنے والوں کو پسند کرتا ہے۔

نیز فرمایا:

وَلْيَعْفُوا وَلْيَصْفَحُوا أَلَا تُحِبُّونَ أَنْ يَغْفِرَ اللّٰهُ لَكُمْ (۲)

اور چاہیے کہ وہ معاف کر دیں اور درگزر کریں کیا تم پسند نہیں کرتے کہ اللہ تعالیٰ تمہیں بخش دے۔

نیز ارشاد فرمایا:

اِدْفَعْ بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ فَإِذَا الَّذِي بَيْنَكَ وَبَيْنَهُ عَدَاوَةٌ كَأَنَّهُ وَلِيٌّ حَمِيمٌ (۳)

آپ اچھے طریقے سے برائی کو دور کریں اس وقت وہ شخص جو تمہارا دشمن تھا جگری دوست کی طرح ہو جائے گا۔

نیز ارشاد خداوندی ہے:

وَالْكَاظِمِينَ الْغَيْظَ وَالْعَافِينَ عَنِ النَّاسِ وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِينَ۔ (۴)

اور وہ لوگ جو غصے کو پی جاتے ہیں اور لوگوں کو معاف کرنے والے ہیں اور اللہ تعالیٰ نیکی کرنے والوں کو پسند فرماتا ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

اِجْتَنِبُوا كَثِيرًا مِنَ الظَّنِّ إِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ إِثْمٌ وَلَا تَجَسَّسُوا وَلَا يَغْتَبْ بَعْضُكُمْ بَعْضًا۔ (۵)

اکثر بدگمانیوں سے بچو کیونکہ بعض گمان گناہ ہوتے ہیں، کسی کے پوشیدہ حالات کی ٹوہ مت لگاؤ اور ایک دوسرے کی غیبت نہ کرو۔

جب غزوۂ اُحد کے دن نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم زخمی ہوئے اور آپ کے سامنے والے دانت مبارک شہید ہو گئے تو آپ کے چہرۂ انور پر خون بہہ رہا تھا آپ خون پونچھ رہے تھے اور ساتھ ہی ساتھ فرما رہے تھے۔

---

(۱) قرآن مجید، سورۂ مائدہ آیت ۱۳
(۲) قرآن مجید سورہ نور آیت ۲۲
(۳) قرآن مجید، سورۂ فصلت آیت ۳۴
(۴) قرآن مجید، سورۂ آل عمران آیت ۱۳۴
(۵) قرآن مجید، سورۂ حجرات آیت ۱۲

كَيْفَ يُفْلِحُ قَوْمٌ خَضَبُوا وَجْهَ نَبِيِّهِمْ بِالدَّمِ وَهُوَ يَدْعُوهُمْ إِلَى رَبِّهِمْ۔ (۱)

وہ قوم کیسے کامیاب ہوگی جنہوں نے اپنے نبی کے چہرے کو خون آلود کر دیا حالانکہ وہ ان کو ان کے رب کی طرف بلا رہا ہے۔

اس پر اللہ تعالیٰ نے آیت کریمہ نازل فرمائی۔

لَيْسَ لَكَ مِنَ الْأَمْرِ شَيْءٌ۔ (۲)

اے محبوب! یہ آپ کے اختیار میں نہیں ہے۔

(نوٹ) بعض فرقوں نے اس آیت کریمہ سے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے اختیارات کے نفی ثابت کی ہے حالاں کہ یہ تو آپ کا ایک وصف ہے کہ آپ رحمۃ للعالمین ہیں آپ کے شایانِ شان نہیں کہ آپ یوں فرمائیں، اختیارات کی نفی نہیں ہے ۱۲ ہزاروی۔

تو اللہ تعالیٰ نے آپ کو ادب سکھاتے ہوئے یہ بات ارشاد فرمائی۔

قرآن مجید میں اس قسم کی تادیب کی مثالیں بے شمار ہیں تادیب و تہذیب کے سلسلے میں مقصود اوّل رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ گرامی ہے پھر آپ سے وہ نور تمام مخلوق پر چمکتا ہے، آپ کو قرآن پاک کے ذریعے ادب سکھایا گیا تھا اور پھر آپ نے اسی کے ذریعے مخلوق کو ادب سکھایا اسی لیے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

بُعِثْتُ لِأُتَمِّمَ مَكَارِمَ الْأَخْلَاقِ۔ (۳)

مجھے اچھے اخلاق کی تکمیل کے لیے بھیجا گیا۔

پھر آپ نے مخلوق کو اچھے اخلاق کی ترغیب دی جیسا کہ ہم نے ریاضۃ النفس اور تہذیبِ اخلاق کے سلسلے ذکر کیا دوبارہ اسے ذکر نہیں کریں گے۔

پھر جب اللہ تعالیٰ نے آپ کے اخلاق کی تکمیل فرمادی تو یوں تعریف فرمائی۔

ارشاد خداوندی ہے:

إِنَّكَ لَعَلَىٰ خُلُقٍ عَظِيمٍ۔ (۴)

بے شک آپ بہت بڑے اخلاق کے مالک ہیں۔

اللہ تعالیٰ جو پاک ہے اس کی شان کس قدر بلند اور اس کا احسان کس قدر کامل ہے پھر اس کی عام مہربانی اور عظیم فضل کو دیکھو کہ اس نے کس طرح آپ کو خود عطا کیا اور پھر تعریف فرمائی اسی ذات والاصفات نے آپ کو اخلاق کریمہ سے مزین فرمایا

---

(۱) مسند امام احمد بن حنبل جلد ۳ ص ۲۰۶ مرویات انس

(۲) قرآن مجید، سورۂ آل عمران آیت ۱۲۸

(۳) مسند امام احمد بن حنبل جلد ۲ ص ۳۸۱ مرویات ابن عمر

(۴) قرآن مجید، سورۃ القلم آیت ۴۔

اور پھر آپ کی ذات کی طرف نسبت کرتے ہوئے " اِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيْمٍ "، فرمایا۔

پھر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مخلوق کے لیے بیان فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اچھے اخلاق کو پسند کرتا ہے اور بری عادات کو ناپسند فرماتا ہے۔ (۱)

حضرت علی المرتضی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں اس مسلمان شخص پر تعجب ہے کہ اس کا مسلمان بھائی اس کے پاس کسی کام کے لیے آئے اور وہ اپنے آپ کو اس کے ساتھ بھلائی کے قابل نہ سمجھے اگر اسے ثواب کی امید اور عذاب کا ڈر نہ بھی ہو تو اسے اچھے اخلاق کی طرف تو جلدی کرنا چاہیے کیوں کہ ان اخلاق سے راہ نجات کا پتہ چلتا ہے۔ ایک شخص نے پوچھا کیا آپ نے یہ بات رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے سُنی ہے؟ انہوں نے فرمایا ہاں۔ اور اس کے ساتھ اس سے بہتر بات بھی سنی ہے جب آپ کے پاس قبیلہ بنوطی کے قیدی لائے گئے تو ان میں ایک قیدی لڑکی نے کھڑے ہو کر عرض کیا اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم)! اگر آپ مناسب سمجھیں تو مجھے رہا کر دیں اور مجھ پر قبائل عرب کو نہ ہنسائیں کیوں کہ میں اپنی قوم کے سردار کی بیٹی ہوں اور میرا باپ اپنی قوم کی حفاظت کرتا، قیدیوں کو رہا کرواتا، بھوکوں کو سیر کر کے کھانا کھلاتا، سلام پھیلاتا اور کسی مانگنے والے کا سوال رد نہ کرتا، میں حاتم طائی کی بیٹی ہوں ـــــ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ اے لڑکی! یہ سچے مومنوں کی صفت ہے اگر تمہارا باپ مسلمان ہوتا تو ہم اس کے لیے اللہ تعالیٰ سے رحمت کی دعا مانگتے (پھر فرمایا) اس کو رہا کر دو اس کا باپ اچھے اخلاق کو پسند کرتا تھا اور اللہ تعالیٰ بھی اچھے اخلاق کو پسند فرماتا ہے۔ اس پر حضرت ابوبردہ بن نیار رضی اللہ عنہ کھڑے ہوئے اور پوچھا یا رسول اللہ! کیا اللہ تعالیٰ اچھے اخلاق کو پسند کرتا ہے؟ آپ نے فرمایا اس ذات کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے جنت میں وہی داخل ہو گا جو اچھے اخلاق کا مالک ہو (۲)

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں آپ نے ارشاد فرمایا۔

اِنَّ اللّٰهَ حَفَّ الْاِسْلَامَ بِمَكَارِمِ الْاَخْلَاقِ وَمَحَاسِنِ الْاَعْمَالِ (۳) بے شک اللہ تعالیٰ نے اسلام کو اچھے اخلاق اور عمدہ اعمال سے گھیرا ہے۔

عمدہ سلوک کرنا، اچھا عمل کرنا، دوسروں کے لیے نرم پہلو رکھنا، خیرات کرنا، کھانا کھلانا، سلام پھیلانا، مسلمان مریض کی عیادت کرنا چاہے وہ نیک ہو یا کافر، مسلمان کے جنازے کے ساتھ جانا، پڑوسیوں کے ساتھ اچھا سلوک کرنا مسلمان ہو یا کافر،

---

(۱) کنز العمال جلد ۳ ص ۱۲ احدیث ۵۱۸۰

(۲) تاریخ ابن عساکر جلد ۳ ص ۴۲۲ تحت لفظ حاتم

(۳)

بوڑھے مسلمان کی عزت کرنا، کھانے کی دعوت قبول کرنا،معاف کرنا، لوگوں کے درمیان صلح کرانا، سخاوت، کرم نوازی، سلام میں ابتدا کرنا، غصہ پی جانا، لوگوں کو معاف کرنا حسنِ اخلاق ہے نیز اسلام کی حرام کردہ اشیا سے اجتناب کرنا مثلاً کھیل کود، گانا اور گانے بجانے کے، تمام آلات سے بچنا۔ غیبت، جھوٹ، بخل، لالچ، جفا، مکر و فریب دھوکہ، چغلی، لوگوں کے درمیان بگاڑ، قطع رحمی، بد اخلاق، تکبر، فخر، دھوکہ، شیخی، اترانا، اظہار تکبر، احسان جتانا، فحش باتیں کرنا اور سننا، کینہ، حسد، بدفالی، سرکشی، دشمنی اور ظلم وغیرہ جیسی برائیوں سے بچنا بھی حُسن اخلاق میں شامل ہے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے خیر خواہی کی ہر بات ہمیں بتائی اور اس کا حکم دیا اور ہر کھوٹ یا فرمایا عیب سے ہمیں بچایا اور رکنے کا حکم دیا۔ (۱)

اور ان سب کے بارے میں یہ آیت کریمہ کفایت کرتی ہے۔

اِنَّ اللّٰہَ یَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ (۲) بے شک اللہ تعالیٰ عدل و احسان کا حکم دیتا ہے۔

حضرت معاذ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں وصیت کرتے ہوئے ارشاد فرمایا۔

"اے معاذ! میں تمہیں اللہ تعالیٰ سے ڈرنے، سچ بولنے، وعدہ پورا کرنے، امانت ادا کرنے، خیانت نہ کرنے، پڑوسی کی حفاظت، یتیم پر رحم کرنے، نرم گفتگو، سلام پھیلانے، اچھا کام کرنے، امید کم رکھنے، ایمان پر قائم رہنے اور قرآن پاک کی سمجھ حاصل کرنے، آخرت سے محبت، حساب و کتاب سے ڈرنے اور پہلو جھکانے کی وصیت کرتا ہوں اور تمہیں روکتا ہوں کسی دانا کو گالی نہ دینا، کسی سچے کو نہ جھٹلانا، کسی گناہ گار کی اطاعت نہ کرنا، امام عادل کی نافرمانی نہ کرنا، زمین میں فساد نہ پھیلانا میں تمہیں ہر پتھر، درخت اور ڈھیلے کے پاس اللہ تعالیٰ سے ڈرنے کی نصیحت کرتا ہوں نیز ہر گناہ سے توبہ کی تجدید کا حکم دیتا ہوں پوشیدہ گناہ کی پوشیدہ اور ظاہری گناہ کی ظاہری توبہ کرنا (۳) —— نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ کے بندوں کو اسی طرح آداب سکھائے اور ان کو اچھے اخلاق اور عمدہ آداب کی طرف بلایا۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاقِ عالیہ

کچھ اخلاق جو علماء کرام نے احادیث سے منتخب کئے ہیں:

---

(۱) کنز العمال جلد ۶ ص ۵۸۳، ۵۸۴ حدیث ۱۷۰۱۴

(۲) قرآن مجید، سورۃ النحل آیت ۹۰

(۳) حلیۃ الاولیاء جلد اول ص ۲۴۱ ترجمہ ۳۶

فرماتے ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سب لوگوں سے زیادہ حلیم، (۱) سب سے زیادہ شجاع (۲)، سب سے زیادہ عادل (۳) سب سے زیادہ معاف کرنے والے تھے آپ نے کبھی بھی کسی ایسی عورت کو ہاتھ نہیں لگایا جو آپ کی ملک میں (لونڈی) نہ ہو یا آپ کا اس سے نکاح نہیں ہوا (۴) اور وہ آپ کی محرم بھی نہ ہو۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سب لوگوں سے زیادہ سخی تھے (۵) آپ کے پاس درھم اور دینار رات کے وقت نہیں رہتے تھے (۶)

(یعنی آپ دے دیتے تھے) اگر کوئی چیز بچ جاتی اور کوئی لینے والا نہ ملتا اور رات آجاتی تو وہ مال آپ کے گھر میں نہ رہتا بلکہ آپ محتاج لوگوں کو دے کر اس سے بری الذمہ ہو جاتے۔ اللہ تعالیٰ نے جو کچھ آپ کو عطا فرمایا آپ اس سے صرف ایک سال کی غذا حاصل کرتے سب سے زیادہ آسان کھجوریں اور جو ہوتے اور باقی سب کچھ اللہ تعالیٰ کے راستے میں صدقہ کر دیتے (۷) آپ سے جو مانگا جاتا عطا فرماتے (۸) پھر آپ اپنے سال بھر کے خرچہ سے بھی دوسروں کو ترجیح دیتے حتیٰ کہ بعض اوقات سال گزرنے سے پہلے آپ کو ضرورت پڑ جاتی بشرطیکہ اس دوران کوئی اور چیز نہ آجاتی (۹)

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے نعلین مبارک خود گانٹھتے، کپڑوں میں پیوند لگاتے اور گھر کے کام کاج میں ہاتھ بٹاتے (۱۰) اور اہل خانہ کے ساتھ گوشت کاٹتے (۱۱) آپ سب سے زیادہ باحیا تھے آپ کی نگاہ کسی کے چہرے پر نہیں ٹھہرتی تھی (۱۲)

---

(۱) المستدرک للحاکم جلد ۳ ص ۶۰۵ کتاب معرفۃ الصحابہ
(۲) صحیح بخاری جلد ۲ ص ۸۹۱ کتاب الادب
(۳) جامع ترمذی جلد ۲ ص ۱۰۷
(۴) صحیح بخاری جلد ۲ ص ۱۰۷۱ کتاب الاحکام
(۵) مجمع الزوائد جلد ۸ ص ۲۶۹ کتاب علامات النبوۃ
(۶) سنن ابی داؤد جلد ۲ ص ۷۷، ۷۸ کتاب الخراج والامارۃ۔
(۷) صحیح بخاری جلد ۲ ص ۸۰۶، ۸۰۷ کتاب النفقات۔
(۸) سنن امام احمد بن حنبل جلد ۳ ص ۲۷۹ مرویات انس
(۹) صحیح بخاری جلد ۲ ص ۶۴۱ کتاب المغازی۔
(۱۰) مسند امام احمد بن حنبل جلد ۶ ۱۹۶ مرویات عائشہ
(۱۱) مسند امام احمد بن حنبل جلد ۶ ص ۹۴ مرویات عائشہ
(۱۲) صحیح بخاری جلد اول ص ۵۰۲ کتاب المناقب

آپ غلام اور آزاد (سب) کی دعوت قبول فرماتے (۱) اور ہدیہ بھی قبول فرماتے اگرچہ دودھ کا ایک گھونٹ یا خرگوش کی ران ہوتی اور بدلے میں تحفہ دیتے (۲) آپ ہدیہ تناول فرماتے لیکن صدقہ نہیں کھاتے تھے (۳) کسی لونڈی اور مسکین کی دعوت قبول فرمانے سے تکبر نہیں کرتے تھے (۴) آپ کو اپنے رب کے لیے غصہ آتا تھا اپنی ذات کے لیے غصہ نہیں فرماتے (۵) تھے آپ حق کو جاری فرماتے اگرچہ اس میں آپ کا یا آپ کے صحابہ کرام کا نقصان ہوتا۔

مشرکین نے آپ سے درخواست کی کہ ہم آپ کی طرف داری کرتے ہوئے دوسرے مشرکین سے لڑتے ہیں لیکن آپ نے انکار فرمادیا حالانکہ اس وقت آپ کے پاس افراد کی بہت قلت تھی اور اگر آپ کے رفقاء میں ایک شخص کا بھی اضافہ ہوتا تو آپ کو اس کی بھی ضرورت تھی لیکن آپ نے فرمایا:

اَنَا لَا اَنْتَصِرُ بِمُشْرِكٍ (۶) میں کسی مشرک کی مدد نہیں لوں گا۔

آپ نے اپنے ایک جلیل القدر صحابی کو یہودیوں میں مقتول پایا تو نہ ان کا گھیراؤ کیا نہ حق سے تجاوز کیا جو کڑوا ہوتا ہے بلکہ اس کی دیت ایک سو اونٹ ادا کر دی حالانکہ اس وقت آپ کے صحابہ کرام کو ایک اونٹ کی بھی سخت ضرورت تھی کہ اس سے قوت حاصل کریں (۷)

کبھی آپ بھوک کی وجہ سے اپنے شکم مبارک پر پتھر باندھتے اور کبھی جو کچھ مل جاتا تو تناول فرماتے اور جو کچھ ملتا اس کو رد نہ فرماتے اور حلال چیز کھانے سے اجتناب نہ فرماتے اگر روٹی کے بغیر کھجور مل جاتی تو اسے تناول فرماتے اور اگر بُھنا ہوا گوشت ملتا تو وہی کھا لیتے اگر گندم یا جو کی روٹی حاصل ہوتی تو اسے تناول فرماتے اور اگر میٹھا یا شہد مل جاتا تو اسے کھاتے اگر دودھ ملتا اور روٹی نہ ملتی تو اس پر اکتفا فرماتے اور اگر خربوزہ یا تر کھجور مل جاتی تو اسے تناول فرماتے (۹)

---

(۱) المستدرک للحاکم جلد ۲ ص ۴۶۶ کتاب التفسیر
(۲) صحیح بخاری جلد اول ص ۳۵۲ کتاب الہبۃ
(۳) السنن الکبریٰ للبیہقی جلد ۷ ص ۴۰ کتاب النکاح
(۴) سنن نسائی جلد اول ص ۲۰۹ کتاب الجمعۃ
(۵) جامع ترمذی ص ۵۸۴ ابواب الشمائل
(۶) صحیح مسلم جلد ۲ ص ۱۱۸ کتاب الجہاد
(۷) صحیح مسلم جلد ۲ ص ۵۶ کتاب القسامۃ
(۸) صحیح بخاری جلد ۲ ص ۵۸۹ کتاب المغازی
(۹) صحیح مسلم جلد ۲ ص ۱۸۳ کتاب الاشربہ

آپ نہ تو تکیہ لگا کر کھاتے (۱) اور نہ میز پہ رکھ کر کھاتے (۲) آپ کا رومال پاؤں مبارک کے تلوے ہوتے (۳) (ان سے ہاتھ پونچھ لیتے) تین دن مسلسل گندم کی روٹی سے سیر نہ ہوتے حتی کہ اپنے رب سے ملاقات کی اور آپ کا یہ عمل فقر اور بخل کی وجہ سے نہ تھا بلکہ نفس کو مغلوب کرنے کے لیے ایسا کرتے تھے (۴) ولیمہ کی دعوت قبول فرماتے (۵)، بیماروں کی عیادت کرتے اور جنازوں کے ساتھ تشریف لے جاتے (۶) دشمنوں کے درمیان کسی محافظ کے بغیر تنہا چلتے (۷) سب سے زیادہ متواضع اور باوقار تھے اور تکبر نہ فرماتے (۸) گفتگو طویل نہ ہوتی اور آپ سب سے زیادہ بلیغ تھے (۹)

آپ سب سے زیادہ خندہ پیشانی سے پیش آنے والے تھے (۱۰) امورِ دنیا میں سے کوئی بھی چیز آپ کو تعجب میں نہ ڈالتی (۱۱) جو مل جاتا پہن لیتے کبھی شملہ (چھوٹی چادر) کبھی یمنی چادر (۱۲) اور کبھی اونی جبہ پہنتے جو بھی مباح لباس ملتا پہن لیتے۔

آپ چاندی کی انگوٹھی (۱۳) دائیں ہاتھ کی چھوٹی انگلی میں پہنتے (۱۴) بلکہ بائیں ہاتھ میں بھی پہن لیتے (۱۵) اپنے پیچھے اپنے غلام یا کسی دوسرے شخص کو سوار کر لیتے (۱۶) جو سواری مل جاتی اس پر سوار ہوتے کبھی (۱۷) اونٹ پر اور کبھی سبز خچر اور کبھی دراز گوش پہ، بعض اوقات ننگے پاؤں چادر، عمامہ اور ٹوپی کے بغیر پیدل چل پڑتے، مدینہ طیبہ کی دوسری جانب بیماروں کی عیادت فرماتے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم خوشبو کو پسند فرماتے اور بدبو کو مکروہ جانتے تھے (۱۸) آپ فقراء کے ساتھ بیٹھتے (۱۹)، محتاج لوگوں کے ساتھ مل کر کھاتے (۲۰) اخلاقی اعتبار سے افضل لوگوں کی عزت کرتے اہلِ شرف کے ساتھ اچھا سلوک کر کے ان کو مانوس فرماتے (۲۱)

---

(۱) کنز العمال جلد ۷ ص ۱۵۵ حدیث ۱۸۶/۹۸

(۲) صحیح بخاری جلد ۲ ص ۸۱۱ کتاب الاطعمۃ

(۳) سنن ابن ماجہ ص ۲۴۴، ابواب الاطعمۃ

(۴) صحیح بخاری جلد ۲ ص ۸۱۵ کتاب الاطعمۃ

(۵) صحیح بخاری جلد ۲ ص ۷۷۷ کتاب النکاح

(۶) سنن ابن ماجہ ص ۱۰۵، ابواب الجنائز

(۷) المستدرک للحاکم جلد ۲ ص ۳۱۳ کتاب التفسیر

(۸) سنن نسائی جلد اول ص ۲۰۹ کتاب الجمعۃ

(۹) صحیح بخاری جلد اول ص ۵۰۳

(۱۰) جامع ترمذی ص ۵۸۴، ابواب الشمائل کتاب المناقب

(۱۱) مجمع الزوائد جلد ۸ ص ۱۸۴ کتاب الادب

(۱۲) صحیح بخاری جلد اول ص ۲۸۱ کتاب البیوع

(۱۳) صحیح بخاری جلد ۲ ص ۱۰۸۴ کتاب الاعتصام

(۱۴) سنن نسائی جلد ۲ ص ۲۸۹ کتاب الزینۃ

(۱۵) صحیح مسلم جلد ۲ ص ۱۹۷ کتاب اللباس والزینۃ

(۱۶) صحیح مسلم جلد ۲ ص ۱۰۹ کتاب الجہاد

(۱۷) صحیح بخاری جلد اول ص ۴۰۱ کتاب الجہاد

(۱۸) سنن ابی داؤد جلد ۲ ص ۲۰۷ کتاب اللباس

(۱۹) سنن ابی داؤد جلد ۲ ص ۱۶۰ کتاب العلم

(۲۰) صحیح بخاری جلد ۲ ص ۹۵۵ کتاب الرقاق

(۲۱) جامع ترمذی ص ۵۹۴، ۵۹۵، ابواب الشمائل۔

صلہ رحمی فرماتے لیکن ان کو ان سے افضل پر ترجیح نہ دیتے[1] کسی پر ظلم وزیادتی نہ کرتے (۲) عذر پیش کرنے والے کا عذر قبول فرماتے (۳) مزاح فرماتے لیکن جھوٹی بات نہ کرتے (۴) آپ قہقہہ لگائے بغیر مسکراتے (۵) جائز کھیل دیکھتے تو منع نہ فرماتے (۶) اپنے گھر والوں سے دوڑ لگانے کا مقابلہ کرتے (۷) آپ کے سامنے آوازیں بلند ہوتیں لیکن آپ صبر فرماتے (۸) آپ کے پاس دودھ دینے والے (جانور) اونٹنی اور بکری تھی جس کے دودھ سے آپ اور آپ کے اہل خانہ، رزق حاصل کرتے (۹) آپ کے ہاں غلام اور لونڈیاں بھی تھیں لیکن آپ خوراک اور لباس میں ان سے برتری نہ فرماتے (۱۰) آپ کا وقت یا تو اللہ تعالیٰ کے لیے کسی عمل میں گزرتا یا اپنے ذاتی فائدے کا کام کرتے (۱۱)

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے باغات میں تشریف لے جاتے (۱۲) آپ کسی مسکین کو اس کے فقر اور اپاہج ہونے کی وجہ سے حقیر نہیں جانتے تھے کسی بادشاہ سے اس کی بادشاہت کی وجہ سے، ڈرتے نہیں تھے بلکہ دونوں (فقیر اور بادشاہ) کو اللہ تعالیٰ کی طرف برابر برابر بلاتے (۱۳) اللہ تعالیٰ نے آپ کے لیے سیرت فاضلہ اور سیاست تامہ جمع کر دی تھی آپ کسی سے پڑھے ہوئے اور لکھنے والے نہ تھے جہالت کے علاقے اور صحراؤں میں حالت فقر میں پروان چڑھے نیز آپ بکریاں بھی چراتے تھے اور آپ یتیم تھے کیونکہ آپ کے والدین انتقال کر چکے تھے۔

---

(۱) صحیح بخاری جلد اول ص ۵۱۶ کتاب المناقب
(۲) صحیح بخاری جلد اول ۲ ص ۸۹۱ کتاب الادب
(۳) سنن نسائی جلد اول ص ۱۱۹ کتاب المساجد
(۴) مسند امام احمد بن حنبل جلد ۲ ص ۳۴۰ مرویات ابوہریرہ
(۵) مسند امام احمد بن حنبل جلد ۵ ص ۹۷ مرویات جابر بن سمرہ
(۶) صحیح بخاری جلد اول ص ۵۰۰ کتاب المناقب
(۷) مسند امام احمد بن حنبل جلد ۶ ص ۱۲۹ مرویات عائشہ
(۸) صحیح بخاری جلد ۲ ص ۷۱۸ کتاب التفسیر
(۹) صحیح بخاری جلد ۲ ص ۶۰۳ کتاب المغازی
(۱۰) الطبقات الکبریٰ لابن سعد جلد اول ص ۴۹۷ ذکر خدم رسول اللہ
(۱۱) شرح السنۃ للبغوی جلد ۱۳ ص ۲۷۲ حدیث ۳۷۰۵
(۱۲) صحیح مسلم جلد ۲ ص ۱۷۶، ۱۷۷ کتاب الاشربۃ
(۱۳) صحیح بخاری جلد ۲ ص ۷۶۲ کتاب النکاح

پھر اللہ تعالیٰ نے آپ کو تمام اچھے اخلاق، قابلِ تعریف طریقوں، اور پہلوں اور پچھلوں کی خبروں کی تعلیم دی اور وہ باتیں بھی سکھائیں جن پر آخرت کی کامیابی کا دارومدار ہے اور وہ کام بھی جو دنیا میں قابلِ رشک ہیں اور نجات کا باعث بھی، واجب کو ہمیشہ اختیار کرنے اور فضول کو ترک کرنے کی تعلیم بھی دی (۱)

اللہ تعالیٰ ہمیں آپ کے احکام میں اطاعت اور آپ کے افعال کی اقتدا کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین یارب العالمین۔

کچھ اور آداب و اخلاق :

ان میں سے کچھ آداب و اخلاق وہ ہیں جو حضرت ابو البختری سے مروی ہیں کہ صحابہ کرام فرماتے ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی بھی مسلمان کو برا بھلا نہیں کہا مگر اس کلام کے اس کے لیے رحمت اور کفارہ ہونے کی دعا کی۔ (۲)

آپ نے اپنی زبان مبارک سے کسی عورت اور کسی خادم پر لعنت نہیں بھیجی (۳) آپ حالتِ جہاد میں تھے اور عرض کیا گیا کہ یا رسول اللہ! آپ ان پر لعنت بھیجیں تو آپ نے فرمایا۔

اِنَّمَا بُعِثْتُ رَحْمَةً وَّلَمْ اُبْعَثْ لَعَّانًا۔(۴) مجھے رحمت بنا کر بھیجا گیا ہے لعنت کرنے والا نہیں۔

آپ سے جب کسی مسلمانوں یا کافر کے خلاف بددعا کا سوال کیا جاتا وہ عام ہوتا یا خاص تو آپ اس کے خلاف بددعا کی بجائے اس کے حق میں دعا فرماتے (۵)

آپ نے کسی کو بھی اپنے ہاتھوں سے نہیں مارا البتہ جہاد فی سبیل اللہ اس سے مستثنیٰ ہے۔ آپ کے ساتھ جو برائی کی گئی آپ نے اسی کا بدلہ کبھی نہیں لیا البتہ جب حرمتِ الٰہیہ کی پردہ دری ہوتی تو بدلہ لیتے (۶) جب آپ کو دو باتوں میں سے ایک کا اختیار دیا گیا تو آپ نے ان میں سے آسان کو اختیار فرمایا۔ ہاں اگر وہ گناہ کا کام یا قطع رحم ہوتا تو اس سے سب سے زیادہ بھاگنے والے ہوتے آپ کے پاس جو بھی آتا آزاد ہو یا غلام یا لونڈی آپ اس کے کام کے لیے چل پڑتے (۷)

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں اس ذات کی قسم جس نے آپ کو حق کے ساتھ بھیجا آپ نے جس کام کو ناپسند فرمایا

---

(۱) جامع الترمذی ص ۵۹۴، ۵۹۵، ابواب الشمائل

(۲) صحیح مسلم جلد ۲ ص ۳۲۴ کتاب البر والصلۃ

(۳) سنن ابی داؤد جلد ۲ ص ۳۰۴ کتاب الادب

(۴) صحیح مسلم جلد ۲ ص ۳۲۳ کتاب البر والصلۃ

(۵) صحیح بخاری جلد اول ص ۴۱۱ کتاب الجہاد

(۶) صحیح بخاری جلد اول ص ۵۰۳ کتاب المناقب

(۷) صحیح بخاری جلد ۲ ص ۸۹۷ کتاب الادب

تو مجھے کبھی بھی نہیں فرمایا کہ تم نے ایسا کیوں کیا ـــــ اور جب آپ کے گھر والوں میں سے کسی نے مجھے ملامت کیا تو آپ نے فرمایا اسے چھوڑ دو یہ جو کچھ ہوا تقدیر میں یہی لکھا تھا (۱)

صحابہ کرام فرماتے ہیں آپ نے اپنے بستر کے بارے میں کبھی عیب نہیں لگایا اگر بستر بچھا دیا جاتا تو اس پر آرام کرتے اور اگر نہ بچھایا جاتا تو زمین پر آرام فرما ہو جاتے (۲)

اللہ تعالیٰ نے آپ کی بعثت سے پہلے تورات میں آپ کا وصف بیان فرمایا اس کی پہلی سطر میں ہے۔

حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم میرے مختار بندے ہیں نہ سخت مزاج ہیں اور نہ سختی کرنے والے نہ بازاروں میں چیخنے والے ہیں اور نہ برائی کا بدلہ برائی سے دیتے ہیں بلکہ معاف کر دیتے اور درگزر کرتے ہیں آپ کی ولادت مکہ مکرمہ میں ہوگی، مدینہ طیبہ کی طرف ہجرت کریں گے اور آپ کی حکومت شام میں ہوگی۔ آپ اور آپ کے ساتھی تہبند باندھیں گے، وہ قرآن اور علم کے محافظ ہوں گے اور وضو میں ہاتھ اور پاؤں کو دھوئیں گے۔ انجیل میں بھی آپ کے اوصاف اسی طرح مذکور ہیں۔

آپ کی عادت مبارکہ تھی کہ جس سے ملاقات ہوتی اسے سلام کرنے میں پہل کرتے (۳) اور جب کوئی شخص کسی کام کے لیے آپ کو ٹھہراتا تو آپ ٹھہرے رہتے حتیٰ کہ وہ خود پہلے چلا جاتا (۴) اور جب کسی نے آپ کا ہاتھ پکڑا تو جب تک وہ نہ چھوڑتا آپ نہ چھوڑتے (۵)

سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم جب اپنے کسی صحابی سے ملتے تو مصافحہ کرنے میں پہل فرماتے پھر اس کی انگلیوں میں انگلیاں ڈال لیتے اور خوب مضبوطی سے پکڑ لیتے (۶) اور آپ اٹھتے بیٹھتے اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتے۔ (۷)

جب آپ نماز پڑھ رہے ہوتے اور کوئی شخص آپ کی انتظار میں بیٹھا ہوتا تو آپ نماز کو مختصر کر کے اس کی طرف متوجہ ہوتے اور پوچھتے کیا تمہیں کوئی کام ہے؟ پھر جب اس کے کام سے فارغ ہوتے تو باقی نماز پڑھتے۔ (۸)

---

(۱) صحیح بخاری جلد اول ص ۳۸۸ کتاب الوصایا

(۲) سنن ابی داؤد جلد ۲ ص ۱۷۲ کتاب الاطعمۃ

(۳) جامع الترمذی ص ۵۶۸، ابواب الشمائل

(۴) سنن ابن ماجہ ص ۲۷۲، ابواب الادب

(۵) سنن ابن ماجہ ص ۲۷۲ ابواب الادب

(۶) سنن ابی داؤد جلد ۲ ص ۳۵۲ کتاب الادب

(۷) جامع الترمذی ص ۵۹۵، ابواب الشمائل

(۸) الاسرار المرفوعۃ ص ۳۷۱ حدیث ۶۶۶

آپ کے بیٹھنے کا عمومی طریقہ یہ تھا کہ دونوں پڈلیوں کو کھڑا کرتے اور دونوں ہاتھوں سے اس کے گرد گھیرا ڈا لتے (۱) صحابہ کرام کی مجلس میں آپ کی نشست معروف نہ تھی (۲) کیوں کہ جہاں مجلس ختم ہوتی آپ تشریف فرما ہو جاتے (۳)

آپ کو کبھی بھی صحابہ کرام کے درمیان ٹانگیں پھیلائے ہوئے نہیں دیکھا گیا کہ ان پر جگہ تنگ ہو گئی ہو، ہاں جگہ کشادہ ہوتی اور پاؤں پھیلانے سے تنگی نہ ہوتی تو اور بات ہے (۴) آپ عام طور پر قبلہ رُخ ہو کر بیٹھتے تھے (۵)

آپ کے پاس جو بھی آتا اس کی عزت کرتے حتی کہ جن کے ساتھ آپ کا قرابت یا دودھ کا رشتہ نہ ہوتا ان کے لیے بھی چادر بچھا دیتے (۶)

آپ آنے والے کو اپنا بچھونا پیش کرتے اور خود اس سے اٹھ جاتے اور اگر وہ اس سے انکار کرتا تو اسے مجبور کر کے اس پر بٹھاتے (۷)

جس نے آپ کے ساتھ قریبی تعلق قائم کیا اس نے یہی خیال کیا کہ آپ سب سے زیادہ اسی پر مہربان ہیں حتی کہ آپ تمام اہل مجلس کو اپنی خوش اخلاقی سے حصہ عطا فرماتے حتی کہ آپ کی مجلس، سماعت، گفتگو لطیف محاسن اور توجہ ہم نشین کی طرف ہوتی اور اس کے باوجود آپ کی مجلس حیاء تواضع اور امانت کی مجلس ہوتی ہے (۸)

ارشاد خداوندی ہے:

فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ لِنْتَ لَهُمْ وَلَوْ كُنْتَ فَظًّا غَلِيظَ الْقَلْبِ لَانْفَضُّوا مِنْ حَوْلِكَ۔ (۹)

پس آپ اللہ تعالیٰ کی رحمت سے ان کے لیے نرم ہو گئے، اگر آپ سخت مزاج سخت دل ہوتے تو یہ لوگ آپ سے دور چلے جاتے۔

---

(۱) سنن ابی داؤد جلد ۲ ص ۲۱۰ کتاب الادب
(۲) سنن ابی داؤد جلد ۲ ص ۲۹۰ کتاب السنۃ
(۳) جامع ترمذی ص ۵۹۵ ابواب الشمائل
(۴) سنن ابن ماجہ ص ۲۷۲ ابواب الادب
(۵) مجمع الزوائد جلد ۸ ص ۵۹ کتاب الادب
(۶) المستدرک للحاکم جلد ۴ ص ۲۹۲ کتاب الادب
(۷) صحیح بخاری جلد ۲ ص ۷۳۰ کتاب التفسیر
(۸) جامع ترمذی ص ۵۹۵، ابواب الشمائل
(۹) قرآن مجید، سورۃ آل عمران آیت ۵۹

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے صحابہ کرام کو عزت بخشتے ہوئے اور ان کے دلوں کو نرم کرنے کے لیے ان کو ان کی کنیت سے پکارتے تھے (۱) اور جس کی کنیت نہ ہوتی اس کی کوئی کنیت رکھتے اور پھر اس کنیت سے پکارتے (۲) اور جن خواتین کی اولاد ہوتی ان کی بھی کنیت مقرر کرتے اور جن کی اولاد نہ ہوتی ان کے لیے اپنی طرف سے کوئی کنیت رکھتے (۳) بچوں کی بھی کنیت رکھتے ان کے دلوں کو نرم کرتے (۴) آپ کو باقی لوگوں کی نسبت دیر سے غصہ آتا اور جلد راضی ہو جاتے (۵)

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں پر سب سے زیادہ مہربان، بھلائی کرنے والے اور زیادہ نفع دینے والے تھے (۶) آپ کی مجلس میں آوازیں بلند نہیں ہوتی تھیں (۷)

آپ جب اپنی مجلس برخاست کرتے تو یہ کلمات پڑھتے۔

سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ وَبِحَمْدِكَ اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ اَسْتَغْفِرُكَ وَاَتُوْبُ اِلَيْكَ ـــ (۸)

یا اللہ! تو پاک ہے اور میں تیری تعریف کرتا ہوں میں گواہی دیتا ہوں کہ تیرے سوا کوئی معبود نہیں میں تجھ سے بخشش مانگتا ہوں اور تیری طرف رجوع کرتا ہوں۔

پھر فرماتے کہ یہ کلمات مجھے حضرت جبریل علیہ السلام نے سکھائے ہیں:

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی گفتگو اور تبسم:

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سب سے زیادہ بلیغ تھے اور آپ سب سے زیادہ شیریں گفتگو فرماتے (۹) آپ نے ارشاد فرمایا۔

اَنَا اَفْصَحُ الْعَرَبِ ـ (۱۰)

میں اہل عرب میں سب سے زیادہ فصیح ہوں۔

---

(۱) صحیح بخاری جلد اول ص ۵۱۶ کتاب المناقب

(۲) جامع ترمذی ص ۵۴۶، ابواب المناقب

(۳) المستدرک للحاکم جلد ۴ ص ۲۶۳ کتاب معرفۃ الصحابہ

(۴) صحیح بخاری جلد ۲ ص ۹۰۵ کتاب الادب

(۵) جامع ترمذی ص ۵۸۴، ابواب الشمائل

(۶)

(۷) جامع ترمذی ص ۵۹۵، ابواب الشمائل

(۸) المستدرک للحاکم جلد اول ص ۵۴۹ کتاب الدعاء

(۹) کنز العمال جلد ۲ ص ۴۲۱ حدیث ۳۵۷۰۱

(۱۰) الاسرار المرفوعہ حل ۱، حدیث ۴۴۳

اور پھر بھی ارشاد فرمایا:

وَاِنَّ اَهْلَ الْجَنَّةِ يَتَكَلَّمُوْنَ فِيْهَا بِلُغَةِ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ۔ (۱)

بے شک جنتی، جنت میں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی لغت (زبان) میں گفتگو کریں گے۔

آپ کی گفتگو بہت کم اور نرم ہوتی جب کلام فرماتے تو زیادہ گفتگو نہ فرماتے اور آپ کا کلام ایسا ہوتا ہے جیسے موتی پرو دیے ہوئے ہوں۔ (۲)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تمہاری طرح مسلسل گفتگو نہیں فرماتے تھے (۳) آپ کی گفتگو مختصر ہوتی تھی اور تم اپنے کلام کو پھیلاتے ہو۔

صحابہ کرام فرماتے ہیں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سب سے مختصر کلام فرماتے تھے اور حضرت جبریل علیہ السلام یہی بات آپ کے پاس لائے تھے لیکن اس اختصار کے باوجود آپ جامع کلام فرماتے (۴) آپ کے کلمات نہایت جامع ہوتے نہ اس میں زائد بات ہوتی اور نہ کوئی کمی ہوتی (۵) الفاظ ایک دوسرے کے پیچھے موتیوں کی طرح آتے آپ ٹھہر ٹھہر کر گفتگو فرماتے یہاں تک کہ سننے والا اس کو یاد کر کے محفوظ کر لیتا۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی آواز بلند اور لہجہ سب سے اچھا تھا (۶) آپ دیر تک خاموش رہتے اور ضرورت کے بغیر بات نہ کرتے (۷) کوئی ناپسندیدہ بات نہ کرتے اور خوشی اور غضب دونوں حالتوں میں سچی بات ہی فرماتے (۸) اور جو آدمی اچھی بات نہ کرتا اس سے اعراض فرماتے (۹) جو بات آپ کو ناپسند ہوتی اگر مجبوراً اس کے ساتھ بولنا پڑتا تو اسے کنایتاً بیان کرتے (۱۰) جب آپ خاموش ہو جاتے تو اہل مجلس گفتگو کرتے وہ آپ کی گفتگو میں مداخلت نہیں کرتے تھے (۱۱)

---

(۱) مجمع الزوائد جلد ۱۰ ص ۵۲ کتاب المناقب

(۲) صحیح بخاری جلد اول ص ۵۰۳ کتاب المناقب

(۳) صحیح بخاری جلد اول ص ۵۰۳ کتاب المناقب

(۴) صحیح بخاری جلد ۲ ص ۱۰۳۶ کتاب التفسیر ۵ صحیح بخاری جلد ۲ ص ۱۰۳۶ کتاب التفسیر

(۶) مسند امام احمد بن حنبل جلد ۴ ص ۲۳۹ مرویات صفوان بن عسال

(۷) جامع الترمذی ص ۵۸۳، ابواب الشمائل (۸) سنن ابی داؤد جلد ۲ ص ۱۵۷، ۱۵۸ کتاب العلم

(۹) جامع ترمذی ص ۵۹۴، ابواب الشمائل

(۱۰) صحیح بخاری جلد ۲ ص ۷۹۱، کتاب الطلاق

(۱۱) جامع ترمذی ص ۵۹۵، ۵۹۵ ابواب الشمائل

آپ سنجیدگی اور خیر خواہی کے ساتھ نصیحت کرتے (۱) اور فرماتے۔

لَا تَضْرِبُوا الْقُرْآنَ بَعْضَهٗ بِبَعْضٍ فَاِنَّهٗ اُنْزِلَ عَلٰی وُجُوْهٍ (۲) — قرآن پاک کے بعض کو بعض کے ساتھ نہ ٹکراؤ وہ کئی صورتوں میں اترا ہے۔

آپ صحابہ کرام کے سامنے سب سے زیادہ تبسم فرمانے والے تھے ان کی باتوں پر زیادہ خوش ہوتے اور اپنے آپ کو ان میں مخلوط رکھتے (۳) بعض اوقات ہنستے تو داڑھیں مبارک ظاہر ہو جاتیں (۴) صحابہ کرام آپ کے سامنے آپ کی اقتداء اور آپ کی توقیر کے خاطر تبسم فرماتے تھے۔ (۵)

صحابہ کرام فرماتے ہیں ایک دن ایک اعرابی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اس وقت آپ (کے چہرہ انور) کا رنگ متغیر تھا اور صحابہ کرام اسے عادت مبارکہ کے خلاف سمجھتے تھے اس لیے جب اعرابی نے آپ سے کچھ پوچھنا چاہا تو صحابہ کرام نے اسے منع کر دیا اور فرمایا ہم آپ کا رنگ بدلا ہوا دیکھتے ہیں اس نے کہا مجھے چھوڑو اس ذات کی قسم جس نے آپ کو برحق نبی بنا کر بھیجا ہے میں آپ کو ہنسائے بغیر نہیں چھوڑوں گا چنانچہ اس نے عرض کیا یا رسول اللہ! ہمیں یہ خبر پہنچی ہے کہ دجال لوگوں کے لیے ثرید (ایک قسم کا کھانا) لائے گا اور وہ اس وقت بھوک سے ہلاک ہو رہے ہوں گے، میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں آپ کا کیا خیال ہے کیا میں اس ثرید سے رکا رہوں اور اس سے بچتے ہوئے کمزور ہو کر مر جاؤں یا آپ حکم دیتے ہیں کہ اس کے ثرید سے حاصل کروں اور جب خوب سیر ہو کر جسم تن جائے تو اللہ تعالیٰ پر ایمان لاؤں اور اس (دجال) کا انکار کر دوں۔ صحابہ کرام فرماتے ہیں (یہ سن کر) نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اس قدر ہنسے کہ آپ کی کچلیاں (داڑھیں) ظاہر ہو گئیں۔

آپ نے فرمایا نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ جس چیز کے ساتھ دوسرے مسلمانوں کو بے نیاز کرے گا تجھے بھی غنی کر دے گا۔ (۶)

صحابہ کرام فرماتے ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سب سے زیادہ تبسم فرمانے اور خوش رہنے والے تھے بشرطیکہ اس وقت آپ پر قرآن پاک نازل نہ ہوتا (۷) اور نصیحت نہ فرما رہے ہوتے یا خطبہ و عظ نہ دے رہے ہوتے آپ جب خوش اور راضی ہوتے تو دوسرے لوگوں کے مقابلے میں زیادہ راضی ہوتے اگر آپ وعظ فرماتے تو واقعی وعظ فرماتے اور اگر آپ غصہ فرماتے اور آپ کا غصہ اللہ تعالیٰ کے سوا نہیں ہوتا تھا تو اس وقت آپ کے غصے کے سامنے کوئی چیز نہ ٹھہر سکتی۔ (۸)

---

(۱) صحیح مسلم جلد اوّل ص ۲۸۴ کتاب الجمعۃ۔
(۲) المطالب العالیہ جلد ۳ ص ۷۷ حدیث ۲۹۲۳
(۳) جامع الترمذی ص ۵۲۴، ابواب المناقب
(۴) صحیح بخاری جلد ۲ ص ۱۱۱۹ کتاب الرد علی الجھمیۃ
(۵) جامع ترمذی ص ۵۸۴، ابواب الشمائل
(۶) صحیح بخاری جلد ۲ ص ۱۰۵۵ کتاب الفتن (کافی تبدیلی کے ساتھ)
(۷) جامع ترمذی ص ۵۲۴، ابواب المناقب
(۸) صحیح مسلم جلد اول ص ۲۸۴ کتاب الجمعۃ

اور آپ تمام کاموں میں اسی طرح کرتے تھے۔

جب آپ کسی واقعہ میں مبتلا ہوتے تو اسے اللہ تعالیٰ کے سپرد کر دیتے اور اپنی طاقت و قوت سے بری ہو جاتے اور اللہ تعالیٰ سے ہدایت کی دعا مانگتے۔ اور یوں فرماتے:

اَللّٰهُمَّ اَرِنِی الْحَقَّ حَقًّا فَاَتَّبِعُهٗ وَاَرِنِی الْمُنْكَرَ مُنْكَرًا وَارْزُقْنِیْ اجْتِنَابَهٗ وَاَعِذْنِیْ مِنْ اَنْ یَشْتَبِهَ عَلَیَّ فَاَتَّبِعَ هَوَایَ بِغَیْرِ هُدًی مِّنْكَ وَاجْعَلْ هَوَایَ تَبَعًا لِطَاعَتِكَ وَخُذْ رِضَا نَفْسِكَ مِنْ نَفْسِیْ فِیْ عَافِیَةٍ وَاهْدِنِیْ لِمَا اخْتُلِفَ فِیْهِ مِنَ الْحَقِّ بِاِذْنِكَ اِنَّكَ تَهْدِیْ مَنْ تَشَاءُ اِلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ ۔ (۱)

اے اللہ! مجھے حق کو حق دکھا تاکہ میں اس کے پیچھے چلوں اور برائی کو برائی دکھا اور اس سے بچنے کی توفیق عطا فرما، امور کے مشتبہ ہونے سے مجھے بچا تاکہ میں تیری ہدایت کے بغیر نفس کی اتباع کرنے لگوں، میری خواہش کو اپنی اطاعت کے تابع کر دے اور مجھ سے میری تندرستی کی حالت میں اپنی مرضی کا کام لے اور جب حق بات میں اختلاف ہونے لگے تو میری راہنمائی کرنا، تو جسے چاہتا ہے سیدھا راستہ دکھاتا ہے۔

کھانے سے متعلق آپ کے آداب و اخلاق:

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو جو کچھ مل جاتا تناول فرمالیتے (۲) آپ کو وہ کھانا زیادہ پسند ہوتا جس پر زیادہ ہاتھ ہوتے (۳) اور جب دستر خوان بچھایا جاتا تو آپ یوں فرماتے۔

بِسْمِ اللّٰهِ اَللّٰهُمَّ اجْعَلْهَا نِعْمَةً مَّشْكُوْرَةً تَصِلُ بِهَا نِعْمَةَ الْجَنَّةِ ۔ (۳)

اللہ تعالیٰ کے نام سے شروع، یا اللہ! اس کو ایسی نعمت بنا جس کا شکریہ ادا کیا جائے اور اس کے ذریعے جنت کی نعمت تک پہنچا۔

عام طور پر جب آپ کھانے کے لئے بیٹھتے تو دونوں زانو اور قدم ملا لیتے جیسے نمازی بیٹھتا ہے مگر ایک زانو دوسرے زانو پر اور ایک پاؤں دوسرے پاؤں پر ہوتا آپ فرماتے میں بندہ ہوں اس طرح کھاتا ہوں جس طرح بندہ کھاتا ہے اور اس طرح بیٹھتا ہوں جس طرح بندہ بیٹھتا ہے (۴) آپ گرم چیز نہیں کھاتے تھے اور فرماتے اس میں برکت نہیں ہوتی اللہ تعالیٰ نے ہمیں آگ

---

(۱) کنز العمال جلد ۲ ص ۱۸۷ حدیث ۳۶۲۵ (کافی تبدیلی کے ساتھ)

(۲) صحیح مسلم جلد ۲ ص ۱۸۳ کتاب الاشربۃ

(۳) الکامل لابن عدی جلد ۵ ص ۱۹۸۳ ترجمہ عبد المجید بن عبد العزیز

(۴) الاذکار للامام النووی ص ۲۱۲ باب ما یقول اذا فرغ من الطعام (کافی تبدیلی کے ساتھ) ۵۔ کنز العمال جلد ۵ ص ۲۳۲ حدیث ۴۰۷۰

نہیں کھلائی لہٰذا اسے ٹھنڈا کرو۔ (۱)

آپ اپنے سامنے سے (۲) اور تین انگلیوں کے ساتھ کھاتے تھے (۳) اور بعض اوقات چوتھی انگلی سے بھی کھاتے (۴) لیکن دو انگلیوں سے تناول نہیں فرماتے تھے آپ ارشاد فرماتے کہ یہ شیطان کے کھانے کا طریقہ ہے (۵)

حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ آپ کے پاس فالودہ لائے تو آپ نے اس سے تناول فرمایا اور پوچھا اے ابوعبداللہ! یہ کیا ہے؟

انہوں نے عرض کیا میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں ہم شہد اور گھی دیگچی میں ڈال کر اسے آگ پر رکھتے ہیں پھر اسے جوش دیتے ہیں پھر گندم کا میدہ لے کر اسے ہنڈی میں شہد اور گھی میں ڈال کر اسے پھراتے رہتے ہیں یہاں تک کہ وہ پک کر ایسا ہو جاتا ہے جیسے آپ ملاحظہ فرما رہے ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ نہایت عمدہ کھانا ہے (۶)

آپ بغیر چھنے جَو کی روٹی تناول فرماتے (۷) اور ککڑی (تر) ترکھجور اور نمک کے ساتھ تناول فرماتے (۸، ۹) آپ کو تازہ پھلوں میں سے خربوزہ اور انگور زیادہ پسند تھے۔ (۱۰)

آپ خربوزہ روٹی اور شکر کے ساتھ تناول فرماتے تھے (۱۱) بعض اوقات ترکھجور کے ساتھ بھی کھاتے تھے (۱۲) دونوں ہاتھوں سے مدد لیتے ایک دن آپ ترکھجوریں اپنے دائیں ہاتھ سے کھا رہے تھے اور گٹھلیاں بائیں ہاتھ میں رکھ رہے تھے

---

(۱) السنن الکبریٰ للبیہقی جلد ۷ص ۲۸۰ کتاب الصداق۔
(۲) شعب الایمان للبیہقی جلد ۵ ص ۹۷ حدیث ۵۸۴۶
(۳) صحیح مسلم جلد ۲ ص ۱۷۵، کتاب الاشربۃ
(۴) کنز العمال جلد ۷ص ۱۰۸ حدیث ۱۸۲۰۰
(۵) العلل المتناہیہ جلد ۲ ص ۱۶۴ حدیث ۱۰۸۱
(۶) سنن ابن ماجہ ص ۲۴۷، ابواب الاطعمۃ
(۷) صحیح بخاری جلد ۲ ص ۸۱۴ کتاب الاطعمۃ
(۸) صحیح بخاری جلد ۲ ص ۸۱۸ کتاب الاطعمۃ
(۹) الکامل لابن عدی جلد ۴ ص ۱۶۴۲ من اسمہ عباد بن کثیر
(۱۰) کنز العمال جلد ۷ص ۱۰۸ حدیث ۱۸۲۰۴
(۱۱) الکامل لابن عدی جلد ۵ ص ۱۷۷۸ من اسمہ عمرو بن خالد اسری
(۱۲) سنن ابن ماجہ ص ۲۴۶، ابواب الاطعمۃ

ایک بکری گزری تو آپ نے اسے گٹھلی کے ساتھ اشارہ کیا وہ آپ کے دائیں ہاتھ سے کھانے لگی اور آپ دائیں ہاتھ سے کھا رہے تھے حتی کہ آپ فارغ ہوئے تو وہ بھی چلی گئی (۱)

آپ بعض اوقات انگور کا خوشہ منہ میں رکھ کر ایک ایک دانا کھاتے اور اس کا گرنے والا پانی آپ کی داڑھی مبارک پر موتیوں کی طرح معلوم ہوتا۔ (۲)

آپ کا اکثر کھانا پانی اور کھجور ہوتی (۳) آپ دودھ اور کھجور کو اکٹھا کر لیتے اور ان کو دو عمدہ کھانا قرار دیتے (۴)

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا پسندیدہ ترین کھانا گوشت تھا (۵) آپ ارشاد فرماتے کہ یہ کانوں کی سماعت کو بڑھاتا ہے اور دنیا و آخرت میں کھانوں کا سردار ہے اگر میں اللہ تعالیٰ سے سوال کرتا کہ وہ مجھے ہر روز گوشت عطا کرے تو وہ عطا فرماتا آپ گوشت اور کدو سے ثرید بنا کر کھاتے (۶) (یعنی گوشت اور کدو کا سالن پکا کر اس میں روٹی اچھی طرح بھگولی جاتی)

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو کدو پسند تھا (۷) آپ نے فرمایا کہ یہ میرے بھائی حضرت یونس علیہ السلام کا درخت ہے۔ ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ آپ فرمایا کرتے تھے جب تم ہنڈیا پکاؤ تو اس میں کدو زیادہ ڈالو کہ وہ غمگین دلوں کو تقویت دیتا ہے (۸) آپ شکار کیے ہوئے پرندے کا گوشت بھی تناول فرماتے تھے (۹) لیکن خود نہ تو شکار کے پیچھے جاتے اور نہ ہی شکار کرتے البتہ اس بات کو پسند فرماتے تھے کہ کوئی آپ کے لیے شکار کر کے لائے اور آپ اسے تناول فرمائیں (۱۰)

آپ جب گوشت تناول فرماتے تو اس کی طرف سر کو نہ جھکاتے بلکہ اسے اپنے دہن مبارک کی طرف اٹھاتے اور پھر دانتوں سے کاٹتے (۱۱)

---

(۱) مسند امام احمد بن حنبل جلد اول ص ۲۰۴ مرویات عبداللہ ابن جعفر۔

(۲) الاحادیث الضعیفۃ والموضوعۃ جلد اول ص ۱۴۱ حدیث ۱۰۸

(۳) صحیح بخاری جلد ۲ ص ۸۱۱ کتاب الاطعمۃ

(۴) مسند امام احمد بن حنبل جلد ۳ ص ۴۷۴ حدیث رجل عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم

(۵) کنز العمال جلد ۷ ص ۱۰۲ حدیث ۱۸۱۶۷

(۶) سنن ابی داؤد جلد ۲ ص ۱۷۵ کتاب الاطعمۃ

(۷) سنن ابن ماجہ ص ۲۴۵ ، ابواب الاطعمۃ

(۸)

(۹) المعجم الکبیر للطبرانی جلد اول ص ۲۵۳ حدیث ۷۳۰

(۱۰) مسند امام احمد بن حنبل جلد ۲ ص ۳۰۴ مرویات ابو ہریرہ

(۱۱) سنن ابی داؤد جلد ۲ ص ۱۷۴ کتاب الاطعمۃ

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم روٹی اور گھی تناول فرماتے (۱) اور آپ کو بکری کا دست (بازو) اور شانہ پسند تھا (۲) ہنڈیا میں سے کدو (۳) بطور سالن استعمال ہونے والی چیزوں میں سے سرکہ (۴) اور کھجوروں میں سے عجوہ کھجور پسند تھی (۵) آپ نے عجوہ کھجور کے لیے برکت کی دعا فرمائی اور فرمایا یہ جنت سے ہے اور زہر اور جادو سے شفا ہے (۶)
ساگ میں سے آپ کاسن، ریحان اور خرفہ کو پسند فرماتے تھے (۷) اور آپ گردوں کو ناپسند فرماتے کیونکہ وہ پیشاب کے قریب ہوتے ہیں۔ (۸)
اور بکری (بکرے) میں سے آپ سات چیزیں نہیں کھاتے تھے (بکرے سے) عضو تناسل، خصیے (اور بکرے بکری دونوں سے) مثانہ، پتہ، غدود، (بکری کی) شرمگاہ اور خون، ان کو آپ ناپسند کرتے تھے (۹)
آپ کچا لہسن، پیاز اور گندنا نہیں کھاتے تھے (۱۰) آپ نے کبھی کسی کھانے کو برا نہیں کہا اگر اچھا لگا تو کھا لیا اور اگر پسند نہ آیا تو چھوڑ دیا اور ناپسند کیا تو دوسرے کے لیے اسے ناجائز نہیں قرار دیا۔ (۱۱)
آپ کو گوہ (۱۲) اور تلی سے نفرت تھی لیکن ان کو حرام قرار نہیں دیا (۱۳) آپ اپنی انگلیوں سے پلیٹ کو چاٹتے اور فرماتے کہ کھانے کے آخر میں برکت زیادہ ہوتی ہے (۱۴) آپ کھانے کے بعد انگلیاں چاٹتے حتیٰ کہ وہ سرخ ہو جاتیں۔ (۱۵)
نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت تک اپنے ہاتھوں کو رومال سے صاف نہیں فرماتے تھے جب تک ایک ایک انگلی کو چاٹ نہ لیتے اور ارشاد فرماتے کہ معلوم کھانے کے کس حصے میں برکت ہے (۱۶) جب کھانے سے فارغ ہوتے تو یہ دعا مانگتے۔

---

(۱) صحیح بخاری جلد ۲ ص ۸۱۰ کتاب الاطعمۃ
(۲) صحیح مسلم جلد اول ص ۱۱۱ کتاب الایمان
(۳) کنز العمال جلد ۷ ص ۱۰۲ حدیث ۱۸۱۶۹
(۴) کنز العمال جلد ۷ ص ۱۰۸ حدیث ۱۸۲۰۳
(۵) کنز العمال جلد ۷ ص ۱۱۰ حدیث ۱۸۲۱۷
(۶) مجمع الزوائد جلد ۵ ص ۴۰ کتاب الاطعمۃ
(۷) کنز العمال جلد ۱۰ ص ۵۴ حدیث ۲۸۲۸۴
(۸) کنز العمال جلد ۷ ص ۱۱۰ حدیث ۲۸۲۱۶
(۹) السنن الکبریٰ للبیہقی جلد ۱۰ ص ۷ کتاب الضحایا
(۱۰) حلیۃ الاولیاء جلد ۶ ص ۲۳۳ ترجمہ ۳۸۶
(۱۱) صحیح مسلم جلد ۲ ص ۱۵۰ کتاب الصید
(۱۲) صحیح مسلم جلد ۲ ص ۱۵۱ کتاب الصید
(۱۳) سنن ابن ماجہ ص ۲۴۶ ابواب الاطعمۃ
(۱۴) صحیح مسلم جلد ۲ ص ۱۷۶ کتاب الاشربۃ
(۱۵) صحیح مسلم جلد ۲ ص ۱۷۵ کتاب الاشربۃ
(۱۶) صحیح مسلم جلد ۲ ص ۱۷۵ کتاب الاشربۃ۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ اَللّٰهُمَّ لَكَ الْحَمْدُ اَطْعَمْتَ فَاَشْبَعْتَ وَسَقَيْتَ فَاَرْوَيْتَ لَكَ الْحَمْدُ غَيْرَ مَكْفُوْرٍ وَلَا مُوَدَّعٍ وَلَا مُسْتَغْنًى عَنْهُ۔ (۱)

یا اللہ! تمام تعریفیں تیرے لیے ہیں یا اللہ تیرا شکر ہے کہ تو نے کھانا کھلایا تو پیٹ بھر دیا اور پانی پلایا تو سیراب کر دیا، تیرا شکر ہے ہم تیری ناشکری نہیں کرتے نہ امید ختم کرتے ہیں اور نہ تیری نعمتوں سے بے نیاز ہوتے ہیں۔

آپ جب روٹی اور گوشت تناول فرماتے تو ہاتھوں کو اچھی طرح دھوتے پھر بچا ہوا پانی چہرے پر ملتے (۲)

آپ پانی تین سانسوں میں نوش فرماتے (۳) اور ہر بار شروع میں بسم اللہ پڑھتے اور آخر میں تین بار الحمد للہ کہتے، آپ پانی کو چُسکی سے پیتے (۴) بڑے گھونٹ نہ بھرتے (۵)

بچا ہوا پانی اپنی دائیں جانب والے کو دیتے (۶) اور اگر بائیں طرف بڑے مرتبے والا ہوتا تو دائیں طرف والے سے فرماتے سنت تو یہی ہے کہ تجھے دیا جائے اگر تم چاہو تو اسے اپنے اوپر ترجیح دو (۷)

اور کبھی آپ ایک ہی سانس میں پیتے (۸) اور برتن میں سانس نہ لیتے بلکہ دہن مبارک اس سے الگ کر کے سانس لیتے (۹)

آپ کے پاس ایک برتن لایا گیا جس میں شہد اور دودھ تھا، آپ نے نوش فرمانے سے انکار کر دیا آپ نے فرمایا ایک مشروب میں دو مشروب اور ایک برتن میں دو سالن ـــــ پھر فرمایا:

"میں اسے حرام قرار نہیں دیتا لیکن میں اس بات کو ناپسند کرتا ہوں کہ کل قیامت کے دن مجھ سے فخر اور دنیا کے فضول کاموں کا محاسبہ ہو، تواضع کو پسند کرتا ہوں کیونکہ جو شخص اللہ تعالیٰ کے لیے عاجزی کرتا ہے اللہ تعالیٰ اسے بلندی عطا فرماتا ہے (۱۰)

---

(۱) المعجم الکبیر للطبرانی جلد ۳ ص ۲۶۸ حدیث ۳۳۷۲

(۲) المطالب العالیہ جلد ۲ ص ۳۱۵ حدیث ۲۳۵۱

(۳) الکامل لابن عدی جلد ۲ ص ۲۷۰، ذکر من اسمہ الحسن بن الحکم۔

(۴) کنز العمال جلد ۹ ص ۴۶۲ حدیث ۲۷۱۶۹

(۵) مجمع الزوائد جلد ۵ ص ۸۰ کتاب الاشربۃ

(۶) صحیح بخاری جلد ۲ ص ۸۴۰ کتاب الاشربۃ

(۷) صحیح بخاری جلد ۲ ص ۸۴۰ کتاب الاشربۃ

(۸) المستدرک للحاکم جلد ۴ ص ۱۳۸ کتاب الاشربۃ

(۹) المستدرک للحاکم جلد ۴ ص ۱۳۹ کتاب الاشربۃ

(۱۰) المستدرک للحاکم جلد ۴ ص ۱۲۲ کتاب الاطعمۃ (کچھ تبدیلی کے ساتھ)

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے خانہ اقدس میں کنواری لڑکی سے بھی زیادہ حیا کرنے والے تھے (۱) آپ نہ تو گھر والوں سے کھانا مانگتے اور نہ ان کے سامنے خواہش ظاہر فرماتے اگر وہ پیش کرتے تو تناول فرماتے اور وہ جو کچھ آپ کے سامنے رکھتے آپ قبول فرماتے اور وہ جو کچھ پلاتے آپ نوش فرما لیتے (۲) اور بعض اوقات آپ خود اٹھ کر کھانے پینے کی چیزیں لیتے (۳)

لباس سے متعلق آپ کے آداب و اخلاق :

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو جو لباس مل جاتا پہن لیتے تہبند، چادر، قمیص، جُبہ وغیرہ جو بھی ہوتا (۴) آپ کو سبز کپڑے پسند تھے اور زیادہ تر آپ کا لباس سفید ہوتا تھا۔

آپ نے فرمایا یہ (سفید لباس) اپنے زندوں کو بھی پہناؤ اور فوت ہونے والوں کو بھی اسی سے کفن دو (۵) آپ رضائی میں اور اس کے علاوہ بھی رُوئی بھری ہوئی قبا پہنتے تھے (۶) آپ کے پاس ایک ریشمی قبا بھی تھی (اس وقت تک مردوں کے لیے ریشمی لباس منع نہ تھا) قبا تھی اس کا سبز رنگ آپ کی سفید رنگت پر اچھا معلوم ہوتا تھا (۷) آپ کے تمام کپڑے ٹخنوں سے اوپر چڑھے ہوتے تھے۔ اور تہبند تو اس سے بھی اوپر یعنی نصف پنڈلی تک ہوتی تھی۔ (۸)

آپ کی قمیص کے بٹن بند ہوتے تھے (۹) اور بعض اوقات نماز میں اور اس کے علاوہ بھی بٹن کھول دیتے۔ آپ کے پاس زعفران میں رنگی ہوئی ایک بڑی چادر تھی بعض اوقات آپ صرف اسی ایک چادر میں صحابہ کرام کو نماز پڑھاتے (۱۰) اور بعض اوقات آپ صرف ایک چادر پہنتے کوئی دوسرا کپڑا نہ ہوتا۔ (۱۱)

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک موٹی کھردری چادر تھی آپ فرماتے "میں ایک بندہ ہوں اس طرح پہنتا ہوں

---

(۱) صحیح بخاری جلد اول ص ۵۰۳ کتاب المناقب

(۲) مسند امام احمد بن حنبل جلد ۳ ص ۲۷۹ مرویات انس

(۳) سنن ابی داؤد جلد ۲ ص ۱۸۳ کتاب الطب

(۴) صحیح مسلم جلد ۲ ص ۱۹۳، کتاب اللباس

(۵) سنن ابن ماجہ ص ۲۶۳، ابواب اللباس

(۶) صحیح بخاری جلد ۲ ص ۸۷۱، کتاب اللباس

(۷) مسند امام احمد بن حنبل جلد ۳ ص ۲۲۹ مرویات انس

(۸) سنن ابن ماجہ ص ۲۶۴، ابواب اللباس

(۹) سنن ابن ماجہ ص ۲۶۴، ابواب اللباس

(۱۰) مسند امام احمد بن حنبل جلد ۳ ص ۴۲۱ مرویات قیس بن سعد

(۱۱) سنن ابن ماجہ ص ۷۳، ابواب اقامۃ الصلوٰۃ

جس طرح بندہ پہنتا ہے " (۱)

آپ کے پاس خاص جمعۃ المبارک کے لیے دو کپڑے تھے اور یہ دوسرے دنوں کے کپڑوں کے علاوہ تھے۔ (۲)

بعض اوقات آپ صرف ایک تہبند پہنتے کوئی دوسرا کپڑا نہ ہوتا اور اس کے دونوں کناروں کو کاندھوں کے گرد گرہ دے دیتے (۳) کبھی اسی کے ساتھ جنازوں کی امامت کرتے اور کبھی گھر میں ایک ازار کے ساتھ نماز پڑھتے اس کے دونوں کناروں کو مخالف سمت میں لے جاتے اور یہ وہی تہبند ہوتی جس میں رات کے وقت ہم بستری فرماتے بعض اوقات رات کی نماز ایک تہبند میں پڑھتے اس کا ایک حصہ خود باندھتے اور دوسرا (گھر میں موجود) اپنی زوجہ مطہرہ کے اوپر ڈال دیتے اور اسی طرح نماز پڑھتے رہے (۵)

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک سیاہ چادر تھی جو آپ نے کسی کو ہبہ کر دی حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں وہ سیاہ چادر کدھر گئی ؟ آپ نے فرمایا میں کسی کو ہبہ کر دی ہے۔ انہوں نے عرض کیا آپ کے سفید جسم پر اس کی سیاہی جس قدر اچھی معلوم ہوتی تھی میں نے ایسی چیز کبھی نہیں دیکھی۔ (۶)

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں بعض اوقات میں نے دیکھا کہ آپ ہمیں ظہر کی نماز پڑھاتے اور آپ نے چھوٹی چادر پہنی ہوتی جس کے دونوں کناروں کو گرہ دے دیتے (۷) آپ انگوٹھی بھی پہنتے تھے اور بعض اوقات آپ باہر تشریف لاتے تو آپ کی انگوٹھی کے ساتھ دھاگہ بندھا ہوتا اس کے ذریعے آپ کسی بات کو یاد کرتے ۔ انگوٹھی کے ساتھ آپ خطوط پر مہر لگاتے تھے آپ فرماتے تھے۔ خط پر مہر کا ہونا تہمت سے بچنے کے لیے بہتر ہے (۹)

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم عمامہ شریف کے نیچے ٹوپی پہنتے تھے اور عمامہ کے بغیر بھی ٹوپی پہنتے بعض اوقات آپ ٹوپی اتار کر

---

(۱) کنز العمال جلد ۱۵ ص ۳۲۲ حدیث ۴۱۰۸۰ (کچھ تبدیلی کے ساتھ)

(۲) مجمع الزوائد جلد ۲ ص ۱۷۶ کتاب الصلوٰۃ

(۳) صحیح بخاری جلد اول ص ۵۱ کتاب الصلوٰۃ

(۴) مجمع الزوائد جلد ۲ ص ۴۹ کتاب الصلوٰۃ

(۵) مجمع الزوائد جلد ۲ ص ۵۰ کتاب الصلوٰۃ

(۶) صحیح مسلم جلد ۲ ص ۲۸۳ کتاب اللباس (تبدیلی کے ساتھ)

(۷) سنن ابن ماجہ ص ۲۶۲ کتاب اللباس

(۸) صحیح بخاری جلد ۲ ص ۸۷۲ کتاب اللباس

(۹) کنز العمال جلد ۷ ص ۹۴ حدیث ۱۸۴۵۴ (۱۰) صحیح بخاری جلد اول ص ۱۵ کتاب العلم (تبدیلی کے ساتھ)

اپنے سامنے سترہ بناتے اور اس کی طرف نماز پڑھتے (۱) بعض اوقات عمامہ شریف نہ ہوتا تو اپنے سر مبارک اور پیشانی پر پٹی باندھ لیتے (۲) آپ کے ایک عمامہ شریف کا نام سحاب تھا آپ نے وہ عمامہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو ہبہ کر دیا،
بعض اوقات حضرت علی کرم

اللہ وجہہ اسے باندھ کر حاضر ہوتے تو آپ فرماتے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ تمہارے پاس سحاب میں آئے ہیں۔

آپ کپڑا پہنتے وقت دائیں طرف سے شروع کرتے (۳) اور یہ الفاظ مبارکہ پڑھتے۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ کَسَانِیْ مَا اُوَارِیْ بِهٖ عَوْرَتِیْ وَاَتَجَمَّلُ بِهٖ فِی النَّاسِ۔ (۴)

اللہ تعالیٰ کا شکر ہے جس نے مجھے وہ چیز پہنائی جس کے ذریعے میں اپنے پردے کی جگہ کو ڈھانپتا ہوں اور اس کے ساتھ لوگوں میں زینت حاصل کرتا ہوں۔

جب آپ کپڑا اتارتے تو پہلے دائیں طرف سے اتارتے (۵)

جب آپ نیا کپڑا پہنتے تو پرانا کپڑا کسی مسکین کو دے دیتے پھر فرماتے "جو مسلمان کسی مسلمان کو اپنا پرانا کپڑا پہنائے اور وہ صرف اللہ تعالیٰ کے لیے اسے پہنائے تو وہ اللہ تعالیٰ کی ضمان، اس کی حفاظت اور اس کی طرف سے بھلائی میں ہوتا ہے جب تک وہ اسے ڈھانپے رہے زندہ ہو یا فوت شدہ (۶)

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک چمڑے کا گدا تھا جس میں کھجور کی چھال بھری ہوئی تھی وہ دو ہاتھ (چار فٹ) لمبا تھا اور اس کی چوڑائی ایک ہاتھ اور ایک بالشت یا اس کے قریب تھی۔ (۷)

آپ کا ایک کمبل تھا جو آپ کے لیے بچھایا جاتا تھا آپ جہاں بھی بیٹھتے اسے دوہرا کر کے آپ کے نیچے بچھایا جاتا (۸)

---

(۱) شعب الایمان جلد ۵ ص ۱۷۵ حدیث ۶۲۵۱
(۲) صحیح بخاری جلد اول ص ۱۲۷ کتاب الجمعۃ
(۳) جامع ترمذی ص ۲۶۸، ابواب اللباس
(۴) سنن ابن ماجہ ص ۲۶۳ کتاب اللباس
(۵) المعجم الکبیر للطبرانی جلد ۱۰ ص ۳۸۳ حدیث ۱۰۷۶۶
(۶) شعب الایمان جلد ۵ ص ۱۸۱ حدیث ۶۲۸۶
(۷) سنن ابی داؤد جلد ۲ ص ۲۳۲ کتاب الادب
(۸) الطبقات الکبریٰ لابن سعد جلد اول ص ۴۶۵ ذکر ضجاع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔

آپ چٹائی پہ آرام فرما ہوتے اور آپ کے نیچے کوئی بستر نہ ہوتا۔ (۱)

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت مبارکہ تھی کہ اپنی سواری، ہتھیار اور سامان کا نام رکھتے تھے آپ کے جھنڈے کا نام عقاب تھا اور آپ کی تلوار جس کے ساتھ غزوات میں تشریف لے جاتے تھے اس کا نام ذوالفقار تھا۔

آپ کی ایک دوسری تلوار کا نام مخذم تھا ایک اور تلوار رسوب نام سے موسوم تھی ایک دوسری تلوار کو قضیب کہا جاتا تھا آپ کی تلوار کے قبضے پر چاندی لگی ہوئی تھی (۲) آپ چمڑے کی پٹی پہنتے تھے جس میں چاندی کی تین کڑیاں تھیں (۳) آپ کی کمان کا نام کتون اور ترکش کا نام کافور تھا (۴) آپ کی اونٹنی کا نام قصواء تھا جسے غضباء کہا جاتا تھا (۵) آپ کی خچر کا نام دلدل اور دراز گوش کا نام یعفور تھا آپ کی بکری جس کا دودھ نوش فرماتے تھے، کا نام عینہ تھا آپ کے پاس مٹی کا ایک لوٹا تھا جس کے ساتھ وضو فرماتے اور اس سے پانی نوش فرماتے تھے صحابہ کرام اپنے چھوٹے سمجھدار بچوں کو بھیجتے وہ آپ کی خدمت میں حاضر ہوتے اور ان کو روکا نہ جاتا جب وہ لوٹے میں پانی پاتے تو اس سے پیتے اور اپنے چہروں اور جسم کے باقی حصوں پہ ملتے اور اس کے ذریعے برکت حاصل کرتے (۶)

طاقت کے باوجود آپ کا معاف کرنا:

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تمام لوگوں سے زیادہ بردبار (۷) اور طاقت کے باوجود معاف کرنے کی ترغیب دینے والے تھے حتیٰ کہ آپ کے پاس سونے اور چاندی کے ہار آتے تو آپ نے صحابہ کرام کے درمیان تقسیم کر دیتے ایک دیہاتی شخص کھڑا ہوا اور کہنے لگا اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اللہ کی قسم اللہ تعالیٰ نے آپ کو انصاف کرنے کا حکم دیا اور میں نے آپ کو انصاف کرتے نہیں دیکھا آپ نے ارشاد فرمایا، ارے کمبخت! میرے سوا تجھ سے کون انصاف کرے گا؟ جب وہ چلا گیا تو آپ نے فرمایا اسے نرمی کے ساتھ میرے پاس لاؤ۔ (۸)

---

(۱) صحیح بخاری جلد ۲ ص ۹۶۸ کتاب اللباس

(۲) مجمع الزوائد جلد ۵ ص ۲۷۲ کتاب الجہاد

(۳) الطبقات الکبریٰ لابن سعد جلد اول ص ۴۸۸ ذکر درہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔

(۴) مجمع الزوائد جلد ۵ ص ۲۷۲ کتاب الجہاد

(۵) صحیح بخاری جلد اول ص ۴۰۲ کتاب الجہاد

(۶) مجمع الزوائد جلد ۵ ص ۲۷۲ کتاب الجہاد (کافی تبدیلی کے ساتھ)

(۷) المستدرک للحاکم جلد ۳ ص ۶۰۵ کتاب معرفۃ الصحابۃ

(۸) کنز العمال جلد ۱۱ ص ۳۱۶، ۳۱۷ حدیث ۳۱۶۱۱

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم خیبر کے دن حضرت بلال رضی اللہ عنہ کے کپڑے میں صحابہ کرام کے لیے چاندی جمع کر رہے تھے کہ ایک شخص نے کہا یا رسول اللہ انصاف کیجئے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے فرمایا تمہارے لیے ہلاکت ہو (بددعا نہیں عربوں کے ہاں تعجب کے طور پر یہ کلمہ استعمال ہوتا ہے) اگر میں عدل نہیں کروں گا تو کون کرے گا؟ اس پر حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کھڑے ہوئے اور عرض کیا کہ کیا میں اس منافق کی گردن نہ ماروں؟ یہ منافق ہے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ کی پناہ! اس طرح لوگ کہیں گے کہ میں اپنے ساتھیوں کو قتل کرتا ہوں (۱)

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک جنگ کے موقعہ پر مسلمانوں کو حالتِ غفلت میں دیکھا تو ان میں ایک کافر تلوار لے کر آپ کے پاس آکر کھڑا ہو گیا اور اس نے کہا آپ کو مجھ سے کون بچائے گا؟ آپ نے فرمایا اللہ تعالیٰ۔

راوی فرماتے ہیں اس کے ہاتھ سے تلوار چھوٹ گئی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے تلوار اٹھائی اور فرمایا تمہیں مجھ سے کون بچائے گا؟ اس نے کہا آپ اچھا سلوک فرمائیں آپ نے فرمایا۔ یہ کہ میں گواہی دیتا ہوں اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں اور بے شک میں (حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم) اللہ تعالیٰ کا رسول ہوں اس نے کہا یہ تو نہیں ہو سکتا البتہ میں آپ سے لڑائی نہیں کروں گا اور نہ آپ کا ساتھ دوں گا اور نہ ان لوگوں کا جو آپ سے لڑتے ہیں تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے چھوڑ دیا جب وہ اپنے ساتھیوں کے پاس آیا تو کہنے لگا میں بہترین انسان کے پاس سے تمہارے پاس آیا ہوں (۲)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے ایک یہودی عورت، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک زہر آلود بکری لے کر آئی تاکہ آپ اس میں سے تناول فرمائیں، اس عورت کو آپ کی خدمت میں لایا گیا تو آپ نے اس سلسلے میں اس سے پوچھا اس نے کہا میں آپ کو قتل کرنا چاہتی تھی آپ نے فرمایا اللہ تعالیٰ مجھے اس بات پر قادر نہیں کرے گا صحابہ کرام نے عرض کیا کیا ہم اسے قتل نہ کر دیں؟

آپ نے فرمایا "نہیں"

ایک یہودی نے آپ پر جادو کر دیا تو حضرت جبریل علیہ السلام نے آپ کو اس سے آگاہ فرمایا یہاں تک کہ آپ نے اس جادو کو نکلوا کر اس کی گرہ کھول دی جس سے آپ کو افاقہ ہوا آپ نے اس واقعہ کا اس یہودی سے کبھی بھی ذکر نہیں فرمایا (۴)

---

(۱) صحیح مسلم جلد ۱ ص ۳۴۱ کتاب الزکوٰۃ

(۲) مسند امام احمد بن حنبل ج ۳ ص ۳۶۵ مرویات جابر بن عبد اللہ

(۳) صحیح مسلم جلد ۲ ص ۲۲۲، کتاب السلام

(۴) مسند امام احمد بن حنبل جلد ۴ ص ۳۶۷ مرویات زید بن ارقم۔

حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے، حضرت زبیر اور حضرت مقداد رضی اللہ عنہم کو بھیجا اور فرمایا "جاؤ یہاں تک کہ روضہ خاخ (جگہ کا نام) پہنچو وہاں ایک عورت پالکی میں بیٹھی ہوئی ہے اس کے پاس ایک خط ہے وہ اس سے لے لو"، فرماتے ہیں ہم چلے یہاں تک کہ وہاں پہنچے ہم نے کہا وہ خط نکالو، اس نے کہا میرے پاس کوئی خط نہیں ہم نے کہا ہمارے حوالے کرو ورنہ ہم تمہارے کپڑے اتار دیں گے چنانچہ اس نے وہ خط سر کی چوٹی سے نکالا، ہم نے وہ خط سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کیا معلوم ہوا کہ وہ حضرت حاطب بن ابی بلتعہ کی طرف سے مشرکین مکہ کے نام تھا اس میں انہوں نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا کوئی فیصلہ ان کو بتانا چاہا تھا آپ نے فرمایا اے حاطب یہ کیا ہے؟ انہوں عرض کیا یارسول اللہ میرے بارے میں جلدی نہ کیجئے میں اپنی قوم میں رہتا ہوں (ان سے نسبی تعلق نہیں) اور آپ کے ساتھ جو مہاجرین ہیں مکہ مکرمہ میں ان کے رشتہ دار ہیں وہ اپنے گھر والوں کی حفاظت کر لیتے ہیں تو جب ان کے ساتھ میرا کوئی نسبی رشتہ نہیں تو میں نے چاہا کہ وہاں کوئی مددگار حاصل کروں جس کے ذریعے اپنی قرابت کی حفاظت کر سکوں میں نے کفر کے طریقے پر یا اسلام کے بعد کفر پر راضی ہو کر یا مرتد ہو کر یہ کام نہیں کیا۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا انہوں نے تم سے سچ کہا ہے۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے عرض کیا مجھے اجازت دیجئے میں اس منافق کی گردن اڑا دوں آپ نے فرمایا انہوں نے غزوۂ بدر میں شرکت کی ہے۔ اور اللہ تعالیٰ اہل بدر پر مطلع ہوتے ہوئے فرمایا "جو چاہو کرو میں نے تمہیں بخش دیا (۱)

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کچھ مال تقسیم فرمایا تو ایک انصاری نے کہا اس تقسیم میں اللہ تعالیٰ کی رضا کو پیش نظر نہیں رکھا گیا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ بات بتائی گئی تو آپ کا چہرۂ انور سرخ ہو گیا اور آپ نے فرمایا اللہ تعالیٰ میرے بھائی حضرت موسیٰ علیہ السلام پر رحم فرمائے انہیں اس سے بھی زیادہ اذیت دی گئی تو انہوں نے صبر کیا (۲)

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فرمایا کرتے تھے کہ تم میں سے کوئی بھی میرے کسی صحابی کے بارے میں مجھے کوئی بات نہ بتائے میں چاہتا ہوں کہ میں تمہارے پاس یوں آؤں کہ میرا سینہ (دل) صاف ہو۔ (۳)

ناپسندیدہ باتوں سے آپ کا چشم پوشی فرمانا

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی جلد مبارک پتلی اور ظاہر و باطن لطیف تھا آپ کے چہرۂ انور سے غصے اور رضامندی

---

(۱) صحیح بخاری جلد اول ص ۴۲۲ کتاب الجہاد

(۲) صحیح بخاری جلد ۲ ص ۸۹۵ کتاب الادب

(۳) سنن ابی داؤد جلد ۲ ص ۳۱۱ کتاب الادب

کا پتہ چل جاتا تھا۔ (۱)

جب آپ کو غصہ زیادہ آتا تو داڑھی مبارک کو بہت زیادہ ہاتھ لگاتے (۲) اور اپنی ناپسندیدگی کسی پہ ظاہر نہ فرماتے۔

آپ کے پاس ایک شخص آیا اور اس پہ زرد رنگ تھا آپ نے اسے ناپسند فرمایا (۳) لیکن اسے کچھ نہ کہا جب وہ چلا گیا تو صحابہ کرام میں سے بعض سے فرمایا اگر تم اسے کہو کہ وہ اس رنگ کو چھوڑ دے تو اچھا ہے۔

ایک دیہاتی نے آپ کی موجودگی میں مسجد میں پیشاب کر دیا صحابہ کرام نے اسے روکنے کا ارادہ کیا تو آپ نے فرمایا اس کے پیشاب کو نہ روکو پھر آپ نے اسے فرمایا یہ مساجد گندگی، پیشاب اور قضائے حاجت کے لیے نہیں (۴)، ایک دوسری روایت میں ہے۔

آپ نے فرمایا "لوگوں کو قریب کرو انہیں متنفر نہ کرو۔"

ایک دن ایک اعرابی آپ کی خدمت میں کچھ مانگنے آیا آپ نے اسے عطا کرنے کے بعد فرمایا "میں نے تجھ پہ احسان کیا۔" اس نے کہا آپ نے احسان کیا نہ نیکی، راوی فرماتے ہیں اس پہ مسلمانوں کو غصہ آیا اور وہ اس کی طرف اُٹھ کھڑے ہوئے آپ نے ان کی طرف اشارہ فرمایا کہ جاؤ، پھر آپ اُٹھے اور خانۂ اقدس میں تشریف لے گئے اور اس دیہاتی کو بلا کر کچھ زائد دیا پھر فرمایا میں نے تجھ پہ احسان کیا؟ اس نے عرض کیا جی ہاں اللہ تعالیٰ آپ کی اہل اور خاندان کو جزائے خیر عطا فرمائے۔ آپ نے فرمایا تم نے کہا جو کچھ کہا اس سے صحابہ کرام کے دلوں میں کچھ کدورت ہے اگر تم چاہو تو ان کے سامنے وہی بات کہو جو میرے سامنے کہی ہے تاکہ ان کے دلوں سے تمہارے بارے میں جو غبار ہے وہ نکل جائے۔ اس نے کہا ٹھیک ہے۔ اگلے دن صبح یا شام کے وقت وہ آیا تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس اعرابی نے کہا جو کچھ کہا ہم نے اسے زیادہ دیا تو اس نے کہا میں راضی ہوں کیا اسی طرح ہے؟ اعرابی نے کہا جی ہاں اللہ تعالیٰ آپ کو اور آپ کے خاندان کو جزائے خیر عطا فرمائے۔

پھر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بے شک میری اور اس اعرابی کی مثال اس شخص کی طرح ہے جس کے پاس اونٹنی ہو اور وہ بدک جائے لوگ اس کے پیچھے جائیں لیکن وہ بھاگتی ہی جائے اب اونٹنی کا مالک کہے مجھے اور میری اونٹنی کو چھوڑ دو میں اس پہ زیادہ مہربان ہوں اور اس کے بارے میں زیادہ جانتا ہوں پھر اونٹنی کا مالک اس کے سامنے جا کر اسے زمین کا چارہ دکھائے اور آہستہ آہستہ اس کو پاس بلا لے یہاں تک کہ وہ آجائے اور وہ اس کو بٹھا کر اس پہ کاٹھی باندھے اور سوار ہو جائے جب اس شخص نے کچھ کہا تو اس وقت اگر میں تمہیں نہ روکتا تو تم اسے قتل کر ڈالتے اور وہ دوزخ

---

(۱) صحیح مسلم جلد اول ص ۲۸۴ کتاب الجمعۃ

(۲) کنز العمال جلد ۳ ص ۱۳۱ حدیث ۳۷۰۹۲

(۳) مسند امام احمد بن حنبل جلد ۳ ص ۱۵۴ مرویات انس بن مالک

(۴) صحیح مسلم جلد اول ص ۱۳۸ کتاب الطہارۃ

میں چلا جاتا (۱) (یعنی میری گستاخی سے توبہ نہ کرنے کی وجہ سے جہنم میں چلا جاتا اور اب اس نے سوچ بدل لی ہے ۱۲ ہزاروی)

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا جود و سخاوت

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تمام لوگوں سے زیادہ سخی تھے (۲) اور ماہ رمضان المبارک میں آپ تیز آندھی کی طرح ہوتے کسی چیز کو باقی نہ چھوڑتے (صدقہ کر دیتے) (۳)

حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سخاوت کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ آپ کی ہتھیلی سب لوگوں سے زیادہ سخی، سینہ مبارک سب سے زیادہ کشادہ اور لہجہ سب سے زیادہ سچا تھا، آپ سب سے زیادہ عہد و پیمان کو پورا کرنے والے تھے، عادت کے اعتبار سے سب سے زیادہ نرم اور خاندانی اعتبار سے سب سے زیادہ معزز تھے۔

جو شخص آپ کو اچانک دیکھتا ڈر جاتا اور جو تعارف کے طور پر آپ سے ملتا تو وہ آپ سے محبت کرتا آپ کا وصف بیان کرنے والا کہتا ہے کہ میں نے آپ سے پہلے اور بعد آپ کی مثل نہیں دیکھا (۴) آپ سے مسلمان ہونے پر کسی نے کوئی چیز مانگی تو آپ نے اسے عطا فرمائی۔

ایک شخص آپ سے کچھ مانگنے آیا آپ نے اسے اتنی بکریاں عطا فرمائیں کہ دو پہاڑوں کے درمیان جگہ بھر گئی، وہ اپنی قوم کی طرف لوٹا تو کہنے لگا اسلام لاؤ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس قدر عطا فرماتے ہیں کہ فاقے کا ڈر نہیں رہتا (۵) آپ سے جب کوئی چیز مانگی گئی تو آپ نے "نہ" نہیں فرمایا (۶)

آپ کے پاس نوسے ہزار درھم لائے گئے تو آپ نے ان کو چٹائی پر رکھ دیا پھر اٹھ کر ان کو تقسیم فرمایا اور کسی سائل کو (خالی ہاتھ) نہیں لوٹایا یہاں تک کہ ان سے فارغ ہو گئے (۷)

ایک شخص نے حاضر ہو کر آپ سے سوال کیا آپ نے فرمایا میرے پاس کچھ نہیں لیکن تم میرے نام سے قرض لے لو

---

(۱) مجمع الزوائد جلد ۹ ص ۱۶ کتاب علامات النبوۃ
(۲) مسند امام احمد بن حنبل جلد ۳ ص ۱۴۷ مرویات انس بن مالک
(۳) صحیح بخاری جلد اول ص ۲۵۵ کتاب الصوم
(۴) جامع ترمذی ص ۵۲۳، ابواب المناقب
(۵) صحیح مسلم جلد ۲ ص ۲۵۳ کتاب الفضائل
(۶) ایضاً۔
(۷) صحیح بخاری جلد اول ص ۶۰ کتاب الصلوٰۃ

جب ہمارے پاس کوئی چیز آئے گی تو ہم ادا کر دیں گے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے عرض کیا یا رسول اللہ! اللہ تعالیٰ نے آپ کو اس بات کا مکلف نہیں بنایا جو آپ کے بس میں نہ ہو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بات کو ناپسند فرمایا اس شخص نے عرض کیا آپ خرچ کریں اور عرش والے سے محتاجی کا ڈر نہ فرمائیں (یہ بات سن کر) آپ مسکرائے اور آپ کے چہرۂ انور پر مسرت کے آثار نظر آنے لگے۔ (۱)

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب غزوۂ حنین سے واپس تشریف لائے تو اعرابیوں نے آکر آپ سے مانگنا شروع کر دیا حتیٰ کہ آپ کو ایک درخت کی طرف مجبوراً جانا پڑا اور آپ کی چادر مبارک اس (کانٹے دار) درخت کے ساتھ لٹک کر رہ گئی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم وہاں کھڑے ہوئے اور فرمایا میری چادر مجھے دو اگر میرے پاس ان خاردار درختوں کے برابر بھی اونٹ ہوتے تو میں تمہارے درمیان تقسیم کر دیتا پھر تم مجھے بخیل، جھوٹا اور بزدل نہ پاتے (۲)

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی شجاعت:

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سب سے زیادہ قوی اور بہادر تھے (۳) حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں میں نے بدر کے دن اپنے آپ کو یوں دیکھا کہ ہم نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی پناہ پکڑ رہے تھے اور ہماری نسبت آپ دشمن کے زیادہ قریب تھے اور اس دن آپ سب لوگوں سے زیادہ لڑنے والے تھے۔ (۴)

انہوں نے یہ بھی فرمایا کہ جب لڑائی کا بازار گرم ہو جاتا اور دونوں لشکروں کے درمیان گتھم گتھا لڑائی ہوتی تو ہم رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی آڑ میں ہو جاتے اور آپ کے مقابلے میں دوسرا کوئی بھی دشمن کے زیادہ قریب نہ ہوتا۔ (۵)

کہا گیا کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بہت کم گفتگو فرماتے تھے (۶) اور جب آپ صحابہ کرام کو جہاد کا حکم دیتے تو آپ خود بھی اس کے لیے تیاری فرماتے اور آپ دوسروں کی نسبت زیادہ لڑتے اور وہ شخص زیادہ بہادر ہوتا جو لڑائی کے وقت آپ کے قریب ہوتا، کیونکہ آپ دشمن کے قریب ہوتے تھے۔ (۷)

---

(۱) جامع ترمذی ص ۵۹۶، ۵۹۷، ابواب الشمائل

(۲) صحیح بخاری جلد اول ص ۴۳۹ کتاب الجہاد

(۳) سنن دارمی جلد اول ص ۲۳ باب فی حسن النبی صلی اللہ علیہ وسلم۔

(۴)

(۵) صحیح مسلم جلد ۲ ص ۱۰۰، ۱۰۱ کتاب الجہاد

(۶) مسند امام احمد بن حنبل جلد ۵ ص ۸۶ مرویات جابر بن سمرہ

(۷) صحیح مسلم جلد ۲ ص ۱۰۰، ۱۰۱ کتاب الجہاد

حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کفار کی جس جماعت سے بھی لڑتے پہلا وار آپ نے ہی کیا صحابہ کرام فرماتے ہیں آپ لڑائی میں بہت مضبوط تھے (۱) جب مشرکین نے آپ کا گھیراؤ کیا تو آپ اپنی خچر سے اتر گئے اور فرمانے لگے۔

اَنَا النَّبِیُّ لَا کَذِبَ اَنَا ابْنُ عَبْدِ الْمُطَّلِبْ۔ (۲)

میں نبی ہوں یہ جھوٹ نہیں میں حضرت عبدالمطلب کا بیٹا (پوتا) ہوں۔

تو اس دن آپ سے بڑھ کر کوئی بھی قوی دل نظر نہیں آیا۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تواضع :

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بلند منصب پر فائز ہونے کے باوجود سب سے زیادہ تواضع اور انکساری کرنے والے تھے (۳) حضرت ابن عامر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں میں نے آپ کو دیکھا آپ سرخ اونٹنی پر (جمرات کو) کنکریاں مار رہے تھے وہاں نہ تو کوئی کسی کو مار رہا تھا نہ دھکے دیتا تھا اور نہ ہی ہٹو بچو کی صدائیں بلند ہو رہی تھیں (۴) آپ دراز گوش پر سوار ہوتے اور اس پر صرف ایک چادر کی زین ہوتی اس کے ساتھ ساتھ دوسرے آدمی کو بھی پیچھے بٹھا لیتے (۵) آپ مریض کی عیادت کرتے جنازے کے ساتھ جاتے غلام کی دعوت منظور فرماتے (۶)، نعلین مبارک گانٹھ لیتے، کپڑوں میں پیوند لگاتے اور گھر میں اہل خانہ کا ہاتھ بٹاتے تھے (۷)

آپ کے صحابہ کرام آپ کی آمد پر کھڑے نہیں ہوتے تھے کیونکہ وہ جانتے تھے کہ آپ یہ عمل پسند نہیں فرماتے (۸) آپ بچوں کے پاس سے گزرتے ہوئے ان کو سلام کرتے (۹) آپ کی خدمت میں ایک شخص کو لایا گیا تو وہ آپ کی ہیبت کے

---

(۱) مجمع الزوائد جلد ۸ ص ۲۶۹ کتاب علامات النبوہ

(۲) صحیح مسلم جلد ۲ ص ۲۰۹ کتاب الجہاد

(۳) سنن نسائی جلد اول ص ۲۰۹ کتاب الجمعۃ

(۴) سنن ابن ماجہ ص ۲۲۴، ابواب المناسک

(۵) صحیح بخاری جلد ۲ ص ۶۵۵، ۶۵۶

(۶) المستدرک للحاکم جلد ۲ ص ۴۶۶، کتاب التفسیر

(۷) مسند امام احمد بن حنبل جلد ۶ ص ۱۶۷ مرویات عائشہ رضی اللہ عنہا۔

(۸) جامع ترمذی ص ۳۹۳، ابواب الادب

(۹) کنز العمال جلد ۷، ص ۱۵۶ حدیث ۱۸۴۹۷

باعث کانپنے لگا آپ نے ارشاد فرمایا۔ مت ڈرو میں بادشاہ نہیں ہوں میں ایک قریشی خاتون کا بیٹا ہوں جو گوشت کھاتی تھی۔(۱)

آپ صحابہ کرام کے ساتھ مل جل کر بیٹھتے گویا کہ آپ ان ہی میں سے ایک ہیں چنانچہ ایک اجنبی شخص آتا تو جب تک وہ آپ کے بارے میں پوچھ نہ لیتا اسے پتہ نہ چلتا کہ ان میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کون سے ہیں یہاں تک کہ صحابہ کرام نے عرض کیا آپ ایسی جگہ تشریف رکھا کریں کہ اجنبی کو بھی پہچان ہو جائے چنانچہ انہوں نے آپ کے لیے مٹی کا ایک چبوترہ بنایا اور آپ اس پر تشریف فرما ہوتے تھے (۲)

ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے آپ کی خدمت میں عرض کیا اللہ تعالیٰ مجھے آپ پر فدا کرے تکیہ لگا کر تناول فرمائیں اس میں آپ کے لیے آسانی ہوگی، راوی فرماتے ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا سر انور زمین کی طرف اس قدر جھکا دیا کہ قریب تھا آپ کی پیشانی زمین سے جا لگتی پھر فرمایا۔

بلکہ میں اس طرح کھاؤں گا جس طرح بندہ کھاتا ہے اور اس طرح بیٹھوں گا جس طرح بندہ بیٹھتا ہے۔ (۳)

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم میز پر (یا اونچے دستر خوان پر) اور چھوٹی پلیٹ میں کھانا نہیں کھاتے تھے یہاں تک کہ اپنے رب سے جا ملے۔ (۴)

آپ کا کوئی صحابی یا کوئی دوسرا شخص دعوت دیتا تو قبول فرماتے (۵)

اور جب آپ صحابہ کرام کے ساتھ بیٹھتے تو اگر وہ قیامت کے بارے میں گفتگو کرتے تو آپ ان کے ساتھ شریک گفتگو ہوتے اگر وہ کھانے پینے کے بارے بات چیت کرتے تو ان کے ساتھ شریک گفتگو ہوتے اگر وہ دنیا کے بارے میں گفتگو کرتے تو آپ بھی اس موضوع پر گفتگو فرماتے آپ کا یہ عمل ان کے ساتھ نرمی کا برتاؤ کرنے اور تواضع کے طور پر تھا بعض اوقات صحابہ کرام آپ کے سامنے اشعار پڑھتے اور جاہلیت کے کچھ امور کا ذکر کر کے ہنستے تو آپ تبسم فرماتے (۶) اور صحابہ کرام کو صرف حرام کاموں پر ڈانٹ ڈپٹ کرتے تھے۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا سراپا مبارک:

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا قد مبارک نہ تو بہت لمبا تھا اور نہ ہی بہت چھوٹا بلکہ جب آپ تنہا چلتے تو آپ کو میانہ قد کہا

---

(۱) المستدرک للحاکم جلد ۲ ص ۴۶۶ کتاب التفسیر

(۲) سنن ابی داؤد جلد ۲ ص ۳۰۲ کتاب الادب

(۳) شرح السنۃ جلد ۳ ص ۲۴۸ حدیث ۲۶۸۳

(۴) صحیح بخاری جلد ۲ ص ۸۱۱ کتاب الاطعمۃ

(۵) دلائل النبوۃ لابی نعیم ۵۰۵ ذکر بعض اخلاقہ

(۶) جامع ترمذی ص ۴۰۴ ابواب الادب

جاتا اس کے باوجود جب آپ کے ساتھ کوئی ایسا شخص چلتا جسے لمبا کہا جاتا تھا تو آپ کی لمبائی اس پر غالب آجاتی اور بعض اوقات جب دو لمبے قد کے آدمی آپ کے اردگرد ہوتے تو آپ ان میں لمبے قد والے دکھائی دیتے اور جب وہ دونوں آپ سے علیحدہ ہوتے تو لوگ ان کو طویل کہتے اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو میانہ قد کہتے، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

جُعِلَ الْخَيْرُ كُلُّهُ فِي الرَّبْعَةِ ۔ (۱) تمام کی تمام بھلائی درمیانہ پن میں رکھی گئی ہے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا رنگ مبارک گورا چٹا تھا نہ آپ گندم گوں تھے اور نہ ہی زیادہ سفید از ہر رنگ وہ ہوتا ہے جو خالص سفید ہو نہ اس میں زردی ہو نہ سرخی اور نہ ہی کسی دوسرے رنگ کی آمیزش ہو (۲) آپ کے چچا ابوطالب نے آپ کا وصف یوں بیان کیا ہے۔

وَأَبْيَضُ يُسْتَسْقَى الْغَمَامُ بِوَجْهِهِ ثِمَالُ اَلْيَتَامٰى عِصْمَةٌ لِلْاَرَامِلِ ۔ (۳)

آپ کا رنگ سفید تھا جس کے سبب بارش مانگی جاتی اور آپ یتیموں اور بیواؤں کے ماوی اور ملجا تھے۔

ان میں سے بعض نے آپ کا وصف یوں بیان کیا کہ آپ سرخی مائل تھے مطلب یہ ہے کہ جو اعضاء مبارک سورج اور ہوا کے سامنے کھلے رہتے تھے جیسے چہرہ اور گردن مبارک تو وہ سرخی مائل تھے اور جو کپڑے کے نیچے ہوتے تھے وہ بالکل سفید تھے ان میں سرخی کی آمیزش نہیں تھی۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا پسینہ مبارک چہرۂ انور پر موتیوں کی طرح ہوتا تھا اور وہ خالص کستوری سے زیادہ خوشبودار تھا۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بال مبارک زیادہ گھنگریالے نہیں تھے اور خوبصورت تھے۔

نہ بالکل لٹکے ہوئے اور نہ بہت گھنگریالے تھے (۴) جب ان میں کنگھی کرتے تو یوں معلوم ہوتا جیسے ریت میں لہریں پڑ جائیں یہ بھی کہا گیا کہ آپ کے بال مبارک کاندھوں تک تھے اکثر روایات کے مطابق کانوں کی لو تک تھے اور جب آپ چار لچھے کرتے تو ہر کان دو لچھوں کے درمیان ہو جاتا اور کبھی آپ بالوں کو کانوں کے اوپر کر دیتے تو آپ کی گردن کا کنارہ چمکتا ہوا معلوم ہوتا آپ کے سر انور اور ریش مبارک میں کل سترہ بال سفید تھے اس سے زیادہ نہ تھے۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سب سے زیادہ خوبصورت اور نورانی چہرے والے تھے جس نے بھی آپ کے چہرۂ انور کا وصف بیان کیا اس نے اسے چودھویں رات کے چاند سے تشبیہ دی ہے آپ کا چہرۂ مبارک اس قدر صاف تھا کہ، رضا

---

(۱) دلائل النبوۃ جلد اول ص ۲۹۸ حدیث ہند بن ابی ہالۃ

(۲) دلائل النبوۃ جلد اوّل ص ۲۰۱ باب صفۃ لون رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

(۳) مجمع الزوائد، جلد ص ۲۷۲، کتاب علامات النبوۃ۔

(۴) دلائل النبوۃ جلد ۲ ص ۲۱۹ باب صفۃ شعر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

اور غصے کی حالت ظاہر ہو جاتی تھی ۔(۱)

اور صحابہ کرام کہا کرتے تھے کہ آپ اسی طرح ہیں جس طرح آپ کے یار غار حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے بیان فرمایا۔

أَمِيْنٌ مُصْطَفًى لِلْخَيْرِ يَدْعُوْ كَضَوْءِ الْبَدْرِ زَايَلَهُ الظَّلَامُ (۲)

آپ امین اور مصطفی تھے بھلائی کی طرف بلاتے تھے اور چودہویں رات کی روشنی کی طرح تھے جو اندھیروں کو دور کر دیتی ہے۔

آپ کی پیشانی مبارک چوڑی اور ابرو باریک تھے اور دونوں ابروؤں کے درمیان خالص چاندی کی طرح ایک سفید کشادگی تھی گویا نور چمکتا ہے ۔ آپ کی آنکھیں کشادہ اور خوبصورت تھیں اور ان کی سیاہی گہری تھی اور ان میں سرخی ملی ہوئی تھی (۳) آپ کی پلکیں گھنی اور لمبی تھیں (۴) گویا کثرت کی وجہ سے ملنے کے قریب تھیں ۔ آپ کی ناک مبارک پتلی اور لمبی[۵] یعنی برابر برابر تھی، دانتوں کے درمیان قدرے کشادگی تھی جب آپ تبسم فرماتے تو یوں معلوم ہوتا جیسے بجلی چمکتے وقت روشنی پڑ رہی ہو (۶) آپ کے ہونٹ مبارک اللہ تعالیٰ کے نیک بندوں کے ہونٹوں سے زیادہ خوبصورت اور لطیف تھے (۷) آپ کے رخسار مبارک برابر تھے اٹھے ہوئے نہ تھے (۸) آپ کا چہرہ مبارک نہ لمبا تھا اور نہ زیادہ گول تھا، داڑھی مبارک گھنی تھی اور آپ اسے بڑھاتے تھے جب کہ مونچھوں کو کٹواتے تھے (۹)

آپ کی گردن مبارک سب لوگوں سے زیادہ خوبصورت تھی (۱۰) نہ زیادہ لمبی اور نہ چھوٹی۔ جتنے حصے پر دھوپ اور ہوا لگتی تھی گویا وہ چاندی کی صراحی تھی جس میں سونے کی آمیزش تھی وہ چاندی کی سفیدی اور سونے کی سرخی میں چمکتی تھی۔

---

(۱) دلائل النبوۃ جلد اول ص ۱۹۴ باب صفۃ وجہ رسول اللہ

(۲) دلائل النبوۃ جلد اوّل ص ۱۳۰۱ حدیث ہند بن یصلہ

(۳) دلائل النبوۃ جلد اوّل ص ۲۱۴ باب صفۃ جبین رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

(۴) دلائل النبوۃ جلد اوّل ص ۲۱۴ صفۃ جبین رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

(۵) دلائل النبوۃ جلد اوّل ص ۲۱۵ صفۃ جبین رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

(۶) ایضاً۔

(۷) دلائل النبوۃ جلد اوّل ص ۲۱۰ صفۃ عین رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

(۸) جامع ترمذی ص ۵۶۸ ابواب الشمائل

(۹) دلائل النبوۃ جلد اول ص ۲۱۷ باب رأس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

(۱۰) جامع ترمذی ص ۵۶۸، ابواب الشمائل

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا سینہ مبارکہ چوڑا تھا (۱) کسی ایک جگہ کا گوشت دوسری جگہ کی نسبت ابھرا ہوا نہیں تھا شیشے کی طرح برابر اور چودھویں رات کے چاندی کی طرح سفید تھا آپ کے سینہ مبارک سے ناف مبارک تک بالوں کی ایک باریک دہار تھی سینے اور پیٹ مبارک پر اس کے علاوہ بال نہیں تھے (۲)

آپ کے پیٹ مبارک پر تین سلوٹیں تھیں ایک تہبند کے نیچے چھپ جاتی اور دو ظاہر ہوتیں آپ کے دونوں کاندھے بڑے تھے اور ان پر بال تھے دونوں کاندھوں، کہنیوں اور پچھلے حصے کے جوڑ گوشت سے پُر تھے۔

آپ کی پیٹھ مبارک کشادہ تھی دونوں کاندھوں کے درمیان مہر نبوت تھی وہ دائیں کاندھے سے ملی ہوئی تھی جس میں ایک سیاہ نشان تھا جو زردی مائل تھا اور اس کے کچھ ملے ہوئے بال تھے جیسے گھوڑے کی کلغی ہوتی ہے - (۳)

آپ کے دونوں بازو اور ہاتھ گوشت سے پُر تھے کلائیاں لمبی اور ہتھیلیاں کشادہ تھیں آپ کی مبارک انگلیاں (مناسب حد تک) لمبی اور چاندی کی شاخوں جیسی تھیں ہتھیلی مبارک ریشمی کپڑے سے زیادہ ملائم تھی اور خوشبو کے اعتبار سے گویا کسی عطار کی ہتھیلی تھی آپ اس پر خوشبو لگائیں یا نہ - کوئی شخص آپ سے مصافحہ کرتا تو دن بھر اس کی خوشبو سے معطر رہتا جب آپ کسی بچے کے سر پر ہاتھ پھیرتے تو سر میں سے خوشبو آنے کی وجہ سے وہ بچہ دوسروں بچوں میں پہچانا جاتا (۴)

آپ کی رانیں اور پنڈلیاں بھی پُر گوشت تھیں اور موٹاپے کے لحاظ سے آپ کا جسم معتدل تھا آخری عمر میں کچھ بھاری ہو گیا تھا لیکن گوشت ایسا مضبوط (اور سخت) تھا کہ گویا پہلی خلقت پر ہو موٹاپے نے اسے کچھ نقصان نہیں پہنچایا۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب چلتے تو یوں معلوم ہوتا کہ اونچی جگہ سے نیچے کو تشریف لا رہے ہیں قدم جما کر اٹھاتے اور قریب قریب رکھتے - (۵)

آپ نے فرمایا "میں حضرت آدم علیہ السلام سے سب سے زیادہ مشابہ ہوں اور میرے جد امجد حضرت ابراہیم علیہ السلام سیرت و صورت میں مجھ سے زیادہ مشابہ تھے - (۶)

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا،

---

(۱) جامع ترمذی ص ۵۶۸، ابواب الشمائل

(۲) دلائل النبوۃ جلد اوّل ص ۲۴۴ صفۃ کفی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

(۳) دلائل النبوۃ جلد اوّل ص ۲۸۷ حدیث ہند ابی ہالۃ -

(۴) ایضاً -

(۵) جامع ترمذی ص ۵۷۶، ابواب الشمائل

(۶) جامع ترمذی ص ۵۷۳ ابواب الشمائل

اللہ تعالیٰ کے ہاں میرے دس نام ہیں۔ میں محمد اور احمد ہوں، میں ماحی ہوں کہ اللہ تعالیٰ نے میرے ذریعے کفر کو مٹایا، میں عاقب ہوں کہ میرے بعد کوئی نبی نہیں، میں حاشر ہوں کہ اللہ تعالیٰ بندوں کو میرے قدموں پر جمع کرے گا، میں رسول رحمت اور رسول توبہ ہوں، میں رسولِ ملاحم اور مقفّی ہوں یعنی میں سب لوگوں (انبیاء کرام علیہم السلام) کے بعد آیا ہوں اور میں قثم ہوں (۱) ابو البختری نے کہا کہ قثم کامل اور جامع کو کہتے ہیں۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات

یہ معجزات اور نشانیاں آپ کی صداقت پر دلالت کرتی ہیں۔

جس نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے احوال کا مشاہدہ کیا اور آپ کے اخلاق و افعال، احوال، عادات، فضائل مختلف لوگوں کے ساتھ سیاست اور ان کے نظام کے لیے راہنمائی، مخلوق سے الفت، انہیں اپنی فرمانبرداری کی طرف لانے سے متعلق روایت سنی ہیں نیز آپ نے مشکل ترین سوالات کے جو عجیب جوابات دیئے، مخلوق کے مصالح کے سلسلے میں عجیب انداز کی تدبیر فرمائی، ظاہری شریعت کے سلسلے میں عمدہ اشارات دیئے جنہوں نے فقہا اور عقلمند لوگوں کو بھی ان کی باریکیوں کے سمجھنے سے عاجز کر دیا حالانکہ انہوں نے عمریں صرف کر دیں، تو جن لوگوں نے ان امور کو دیکھا ان کے لیے اس بات میں کوئی شک و شبہ باقی نہیں رہا کہ یہ سب کچھ بشری قوت سے حاصل نہیں کیا جا سکتا بلکہ غیبی تائید اور قوت خداوندی کے بغیر اس کا حصول ناممکن ہے اور یہ سب باتیں کسی جھوٹے شخص کے لیے ظاہر نہیں ہوئیں اور نہ کوئی دھوکے باز ایسا کر سکتا ہے بلکہ آپ کے فضائل و احوال ظاہری ہی اس بات پر قاطع دلیل ہیں جو آپ کی تصدیق کرتے ہیں۔

یہاں تک کہ ایک خالص عربی آپ کو دیکھ کر کہتا اللہ کی قسم یہ کسی جھوٹے شخص کا چہرہ نہیں ہے وہ آپ کی ظاہری شکل و صورت دیکھ کر گواہی دیتا تھا تو جس نے آپ کے اخلاق کو دیکھا اور آپ کے اٹھنے بیٹھنے آنے جانے کے تمام حالات کا مشاہدہ کیا وہ کیسے گواہی نہ دے گا۔ ہم نے آپ کے بعض اخلاق کا ذکر کیا تاکہ آپ کے محاسنِ اخلاق معلوم ہو جائیں تو اس سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت، بلندیٔ مرتبہ اور اللہ تعالیٰ کے ہاں عظیم مقام سے آگاہ ہونا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ نے یہ سب کچھ آپ کو عطا فرمایا حالانکہ آپ امی تھے کسی سے علم حاصل نہ کیا، نہ کتابوں کا مطالعہ کیا اور نہ طلب علم کے لیے کبھی سفر کیا بلکہ ہمیشہ پہاڑوں کے درمیان اہل عرب میں رہے اور آداب اور مصالح فقہ کی معرفت وغیرہ آپ کو کہاں سے حاصل ہوئی اور دوسرے علوم کی طرف توجہ نہ فرمائی پھر معرفت خداوندی، فرشتوں اور اس کی کتابوں کی معرفت اور اس کے علاوہ امور جو نبوت

---

(۱) الکامل لابن عدی جلد ۲، ص، ۲۵۲ من اسمہ وہب

کے خواص سے ہیں اگر صریح وحی نہ ہوتی تو یہ باتیں کہاں سے حاصل ہوتیں قوت بشریت میں ان امور کو معلوم کرنے کی طاقت کہاں ؟
اور اگر ان ظاہری امور کے علاوہ کوئی دوسری بات آپ میں نہ ہوتی تو یہ بھی کافی تھیں۔

لیکن آپ کے ہاتھوں اس قدر نشانیاں اور معجزات ظاہر ہوئے جن میں کسی عقلمند کو شک و شبہ نہیں ہو سکتا ہم ان میں سے چند معجزات ذکر کریں گے جو احادیث سے ثابت ہیں اور احادیث صحیحہ پر مشتمل کتب میں مذکور ہیں، ہم پورا واقعہ لکھنے کی بجائے ان کا ذکر اجمالی طور پر کریں گے اللہ تعالیٰ نے کئی مرتبہ آپ کے دست مبارک پر خلاف عادت کام ظاہر فرمائے۔

مثلاً جب مکہ مکرمہ میں قریش نے آپ سے معجزے کا مطالبہ کیا تو اللہ تعالیٰ نے چاند کو پھاڑ دیا (۱) اور حضرت جابر رضی اللہ عنہ کے گھر میں غزوۂ خندق کے دن بہت سے صحابہ کرام کو (تھوڑے سے) کھانے سے سیر کر دیا۔ (۲)

اسی طرح ایک مرتبہ حضرت ابو طلحہ رضی اللہ عنہ کے گھر میں بھی تھوڑے کھانے سے زیادہ افراد نے سیر ہو کر کھایا (۳)

ایک مرتبہ چار مُد (چار کلو سے کچھ کم) جَو اور بکری کے ایک بچے سے اسی صحابہ کرام سیر ہو گئے۔ (۴)

ایک دفعہ حضرت انس رضی اللہ عنہ جَو کی چند روٹیاں ہاتھ میں لے کر آئیں تو اسّی افراد سے زیادہ کو کھانا کھلانا (۵) ایک مرتبہ حضرت بشیر رضی اللہ عنہ کی بیٹی تھوڑی سے کھجوریں لے کر آئیں تو تمام لشکر نے سیر ہو کر کھائیں اور بچ بھی گئیں۔ (۶)

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دست مبارک سے پانی کے چشمے جاری ہوئے اور تمام لشکر نے جو پیاس کی حالت میں تھے اسے نوش کیا اور چھوٹے سے پیالے سے وضو کیا جو اس قدر تنگ تھا کہ اس میں آپ کا دست مبارک پھیل نہیں سکتا تھا (۷)

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے وضو کا بچا ہوا پانی تبوک کے چشمے میں ڈال دیا حالانکہ اس میں پانی نہیں تھا اور ایک مرتبہ حدیبیہ کے کنویں میں ڈالا تو تبوک کے چشمے سے کئی ہزار پر مشتمل لشکر نے پیا اور حدیبیہ کے کنویں سے ایک ہزار پانچ سو صحابہ کرام نے نوش فرمایا اور پہلے وہاں پانی نہ تھا (۸)

---

(۱) صحیح بخاری جلد اول ص ۵۱۳ کتاب المناقب
(۲) صحیح بخاری جلد ۲ ص ۵۸۹ کتاب المغازی
(۳) صحیح مسلم جلد ۲ ص ۱۷۹ کتاب الاشربۃ
(۴) صحیح بخاری جلد ۲ ص ۵۸۹ کتاب المغازی
(۵) صحیح بخاری جلد ۲ ص ۸۱۰ کتاب الاطعمۃ
(۶) دلائل النبوہ جلد ۳ ص ۲۴۷ باب ماجاء فی الطعام
(۷) مسند امام احمد بن حنبل جلد ۳ ص ۳۲۹ مرویات جابر بن عبداللہ
(۸) صحیح مسلم جلد ۲ ص ۱۱۳ کتاب الجہاد۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ چار سو کے لشکر کو زادِ راہ کے طور پر کھجوریں دے دیں (۱) اور یہ کھجوریں اونٹ بیٹھنے کی جگہ کے برابر تھیں آپ نے ان سب کو دیں اور پھر ان میں سے اسی قدر بچ بھی گئیں۔

آپ نے ایک مرتبہ مٹی کی ایک مٹھی لشکر کی طرف پھینکی تو وہ سب اندھے ہو گئے (۲) قرآن پاک نے اسے بیان فرمایا۔

وَمَا رَمَيْتَ إِذْ رَمَيْتَ وَلَٰكِنَّ اللَّهَ رَمَىٰ - (۳)

اور جب آپ نے کنکریاں پھینکیں تو وہ آپ نے نہیں پھینکیں بلکہ اللہ تعالیٰ نے پھینکیں۔

اللہ تعالیٰ نے جب آپ کو بھیجا تو کہانت (نجومیوں والے عمل) کو باطل کر دیا تو وہ بالکل ختم ہو گیا حالانکہ پہلے وہ ظاہراً موجود تھا (۴)

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے جب منبر شریف تیار ہو گیا تو آپ جس ستون کے سہارے خطبہ دیتے تھے وہ رونے لگا تمام صحابہ کرام نے اس کی آواز سنی جو اونٹ کی آواز جیسی تھی، تو آپ نے اسے اپنے ساتھ چمٹایا اور وہ خاموش ہو گیا۔ (۵)

آپ نے یہودیوں سے فرمایا کہ موت کی تمنا کرو اور ساتھ ہی بتا بھی دیا کہ تم ایسا نہیں کر سکو گے تو اسی طرح ہوا وہ بول نہ سکے اور عاجز آ گئے (۶)

یہ بات ایسی سورت میں مذکور ہے جو جمعہ کے دن مشرق و مغرب کی اسلامی مساجد میں بلند آواز سے پڑھی جاتی ہے (سورۃ جمعہ مراد ہے) اور اس کا مقصد اس معجزے کی تعظیم ہے جو اس میں مذکور ہے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے غیبی امور کے بارے میں بھی خبر دی ہے۔

اور آپ نے حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کو بتایا کہ ان پر حملہ ہو گا اور اس کے بعد ان کے لیے جنت ہے (۷) اور یہ کہ حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ کو باغی گروہ شہید کرے گا (۸) یہ بھی بتایا کہ اللہ تعالیٰ حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ کے ذریعے

---

(۱) مسند امام احمد بن حنبل جلد ۵ ص ۴۴۵ مرویات نعمان بن مقرن

(۲) صحیح مسلم جلد ۲ ص ۱۰۰ کتاب الجہاد

(۳) قرآن مجید، سورۃ الانفال آیت ۱۷

(۴) دلائل النبوۃ لابن نعیم ص ۳۰ ذکر ما سمع من الجن

(۵) مسند امام احمد بن حنبل جلد اول ص ۲۶۷ مرویات ابن عباس

(۶) مسند امام احمد بن حنبل جلد اول ص ۲۴۸ مرویات ابن عباس

(۷) صحیح بخاری جلد اول ص ۵۲۲ کتاب المناقب

(۸) صحیح بخاری جلد اول ص ۶۴ کتاب الصلوٰۃ

مسلمانوں کے دو بڑے گروہوں میں صلح کروائے گا (۱)

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک ایسے شخص کے بارے میں جو اللہ تعالیٰ کے راستے میں لڑ رہا تھا، فرمایا کہ یہ جہنمی ہے (۲) اور یہ بات سامنے آگئی کیونکہ اس شخص نے خودکشی کرلی۔

یہ تمام امور وہ ہیں جو اللہ تعالیٰ کے علم سے متعلق ہیں اور علم کے جتنے ذرائع ہیں، جن کے ذریعے پہلے معرفت ہو جاتی ہے آپ کو ان کا علم نہ تھا ستاروں، کشف، رمل اور فال وغیرہ کا علم آپ کو نہ تھا تو اللہ تعالیٰ کے بتانے اور وحی کے ذریعے آپ کو ان امور کا علم ہوا۔

حضرت سراقہ بن مالک نے (ہجرت مدینہ کے موقع پر) آپ کا پیچھا کیا تو ان کے گھوڑے کے پاؤں زمین میں اتر گئے اور اس کے پیچھے دھواں آیا حتیٰ کہ انہوں نے آپ سے مدد مانگی تو آپ نے دعا فرمائی اور گھوڑے کو چھٹکارا ملا اور آپ نے خبر دی کہ عنقریب ان کو سونے کے دو کنگن پہنائے جائیں گے اور ایسا ہی ہوا۔ (۳)

آپ نے اسود عنسی کذاب کے قتل کی خبر اسی رات دی جس رات وہ مارا گیا حالانکہ وہ صنعاء میں تھا آپ نے اس کے قاتل کا نام بھی بتایا۔ (۴)

ایک سو قریش جو آپ کے منتظر تھے، آپ نے ان کے سروں پر خاک ڈالی اور تشریف لے گئے لیکن ان میں سے کسی کو پتہ نہ چلا (۵) صحابہ کرام کی موجودگی میں ایک اونٹ نے آپ سے شکایت کی اور وہ آپ کے سامنے جھک گیا (۶) آپ کے صحابہ کرام جمع تھے تو آپ نے ان سے فرمایا کہ تم میں سے ایک جہنم میں جائے گا اور اس کی داڑھ اُحد پہاڑ جتنی ہوگی تو باقی سب ایمان پر استقامت کے ساتھ فوت ہوئے لیکن ایک (معاذ اللہ) مرتد ہو کر قتل ہوا۔ (۷)

اسی طرح نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کچھ دوسرے صحابہ کرام سے فرمایا تم میں سے جو سب سے آخر میں مرے گا اس کی موت آگ میں ہوگی تو ان میں سے آخری آگ میں گرا اور جل کر مر گیا۔ (۸)

---

(۱) صحیح بخاری جلد اوّل ص ۵۳۰ کتاب المناقب

(۲) صحیح بخاری جلد ۲ ص ۹۷۷ کتاب القدر

(۳) صحیح بخاری جلد اول ص ۵۵۵ کتاب بنیان الکعبۃ

(۴) صحیح بخاری جلد ۲ ص ۱۰۴۲ کتاب التفسیر

(۵) دلائل النبوۃ جلد ۲ ص ۷۰۴ باب مکر المشرکین برسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

(۶) صحیح مسلم جلد اول ص ۱۵۵ کتاب الحیض

(۷) المعجم الکبیر للطبرانی جلد ۴ ص ۲۸۳، ۷۴۴۲ حدیث ۴۲۴۴

(۸) المعجم الکبیر للطبرانی جلد ۷ ص ۱۷۷ حدیث ۶۷۴۸

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دو درختوں کو بلایا اور وہ آپ کے پاس آ کر جمع ہو گئے پھر آپ نے حکم دیا تو وہ جدا جدا ہو گئے (۱)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم میانہ قد کے تھے لیکن جب لمبے قد والوں کے ساتھ چلتے تو ان سے لمبے معلوم ہوتے۔
نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے عیسائیوں کو مباھلہ کی دعوت دی تو وہ نہ آئے آپ نے ان کو بتا دیا تھا کہ اگر وہ مباہلہ کریں گے تو سب ہلاک ہو جائیں گے تو وہ اس لیے نہ آئے کہ ان کو معلوم تھا آپ نے جو کچھ فرمایا وہ سچ ہے (۲)

عامر بن طفیل اور اربد بن قیس جو عرب کے مشہور شہسوار تھے آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے ان کا ارادہ تھا کہ آپ کو قتل کر دیں لیکن وہ ایسا نہ کر سکے، آپ نے ان کے خلاف بددعا فرمائی تو ان میں سے عامر طاعون میں ہلاک ہوا اور اربد پہ بجلی گری جس نے اسے جلا دیا (۳)

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے خبر دی کہ آپ ابی بن خلف جمحی کو قتل کریں گے چنانچہ آپ نے اُحد کے دن معمولی سی خراش لگائی تو وہ اسی سے مر گیا۔ (۴)

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو زہر کھلایا گیا تو آپ کے ساتھ کھانے والا ہلاک ہو گیا اور آپ اس کے بعد چار سال تک بقید حیات رہے اور بکری کے بازو نے جس میں زہر ملایا گیا تھا، آپ سے کلام کیا۔ (۵)

غزوۂ بدر کے دن نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے سرداران قریش کی قتل گاہوں کی نشاندھی فرمائی اور ایک ایک کے بارے میں فرمایا کہ فلاں اس جگہ مرے گا تو ان میں سے کسی نے بھی اس جگہ سے تجاوز نہ کیا (۶)

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے خبر دی کہ میری امت کے کچھ لوگ سمندر کا سفر کریں گے تو اسی طرح ہوا (۷) نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے زمین لپیٹ دی گئی تو آپ کو مشرق و مغرب دکھائے گئے اور آپ نے خبر دی کہ آپ کی امت کی حکومت عنقریب اس جگہ تک پہنچے گی جہاں تک آپ کے لیے اسے لپیٹا گیا (۸) تو مسلمانوں کی حکومت ابتدائے

---

(۱) مسند امام احمد بن حنبل جلد ۳ ص ۱۱۳ مرویات انس
(۲) مسند امام احمد بن حنبل جلد اول ص ۲۴۸ مرویات ابن عباس
(۳) (۴)
(۵) صحیح بخاری جلد اول ص ۳۵۶ کتاب الھبۃ
(۶) صحیح مسلم جلد دوم ص ۳۸۷ کتاب الجنۃ
(۷) صحیح بخاری جلد اول ص ۳۹۱ کتاب الجہاد
(۸) صحیح مسلم جلد ۲ ص ۳۹۰ کتاب الفتن

مشرق تر کی کے علاقوں سے مغرب تک یعنی بحر اندلس اور بربر کے علاقوں تک پھیلی اور شمال و جنوب میں نہیں پھیلی یعنی جس طرح سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا بالکل اسی طرح ہوا۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی صاحبزادی حضرت فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا کو بتایا کہ آپ کے وصال کے بعد آپ کے خاندان میں سے سب سے پہلے وہ آپ سے ملیں گی، تو اسی طرح ہوا (۱)

آپ نے اپنی ازواج مطہرات کو بتایا کہ ان میں سے جس کا ہاتھ لمبا ہے (سخاوت کی طرف اشارہ ہے) وہ آپ کے ساتھ سب سے پہلے ملیں گی تو حضرت زینب بنت جحش اسدیہ رضی اللہ عنہا سب سے زیادہ صدقہ کرنے والی تھیں اور ان کا انتقال سب سے پہلے ہوا۔ (۲)

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دودھ نہ دینے والی بکری کے تھن کو ہاتھ لگایا تو اس نے دودھ دینا شروع کردیا (۳) اور یہی بات حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے اسلام لانے کا سبب بنی۔ حضرت ام معبد خزاعیہ کے خیمہ میں بھی ایک مرتبہ اسی طرح کا واقعہ ہوا۔

ایک صحابی کی آنکھ باہر نکل کر گر پڑی تھی آپ نے اپنے دست مبارک سے اسے واپس اسی جگہ رکھ دیا تو دونوں آنکھوں میں سے وہ آنکھ زیادہ صحیح اور حسین تھی۔ (۴)

غزوۂ خیبر کے موقع پر حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی آنکھیں دکھتی تھیں آپ نے ان میں اپنا لعاب مبارک لگایا تو وہ اسی وقت ٹھیک ہوگئیں اور آپ نے ان کو جھنڈا دے کر بھیجا (۵)

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دست مبارک میں کھانے کی تسبیح سنا کرتے تھے۔ (۶)

ایک صحابی کی ٹانگ میں کچھ زخم آیا تو آپ نے اس پر اپنا دست مبارک پھیرا جس سے وہ اسی وقت ٹھیک ہوگئی۔ (۷)

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ ایک لشکر کا زادراہ کم ہوگیا جو کچھ باقی تھا آپ نے منگوایا تو بہت تھوڑی سی

---

(۱) صحیح مسلم جلد ۲ ص ۲۹۱ کتاب الفضائل
(۲) ایضاً۔
(۳) مسند امام احمد بن حنبل جلد اول ص ۴۶۲ مرویات عبداللہ بن مسعود
(۴) دلائل النبوۃ لابی نعیم جلد ۲ ص ۴۷، من الاخبار فی غزوۃ احد
(۵) صحیح بخاری جلد ۲ ص ۶۰۵ کتاب المغازی
(۶) صحیح بخاری جلد اول ص ۵۰۵ کتاب المناقب
(۷) صحیح بخاری جلد ۲ ص ۵۷۷ کتاب المغازی

چیز جمع ہوئی آپ نے اس میں برکت کی دعا مانگی پھر ان کو حکم دیا تو لشکر میں کوئی ایسا برتن نہ تھا جو اس سے بھرا نہ ہو (۱)

حضرت حکم بن عاص وائل نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی رفتار کی نقل اتاری تو آپ نے فرمایا اسی طرح ہو جا تو وہ مرتے دم تک لڑکھڑا کر چلتا تھا (۲)

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک خاتون کو منگنی کا پیغام دیا تو اس کے باپ نے کہا اسے برص کی بیماری ہے، گویا اس نے عذر پیش کیا حالانکہ اس عورت کو برص کی بیماری نہیں تھی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ اسی طرح ہو جائے، تو وہ برص میں مبتلا ہو گئی (۳) یہ خاتون شبیب بن برصاء شاعر کی ماں تھی —— اس کے علاوہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اور بے شمار معجزات ہیں ہم نے صرف مشہور معجزات پر اکتفا کیا اور جس شخص کو آپ کے دست مبارک پر عادت کے خلاف امور کے ظاہر ہونے میں شک ہو اور وہ یوں گمان کرے کہ یہ واقعات تواتر کے ساتھ منقول نہیں ہوئے بلکہ صرف قرآن پاک تواتر کے ساتھ منقول ہے۔ تو یہ اس شخص کی طرح ہے جس کو حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی شجاعت اور حاتم طائی کی سخاوت میں شک ہو۔ اور یہ بات معلوم ہے کہ ان کے انفرادی واقعات کا ثبوت تواتر کے ساتھ نہیں ہے لیکن واقعات کا مجموعہ علم ضروری کا فائدہ دیتا ہے۔

پھر قرآن پاک کے تواتر میں کوئی شک نہیں اور یہ بہت بڑا معجزہ ہے جو مخلوق کے درمیان باقی ہے اور اس (قرآن پاک) کے علاوہ کسی نبی کا کوئی معجزہ باقی نہیں۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس معجزہ کے ذریعے عرب کے بڑے بڑے فصحاء و بلغاء کا مقابلہ کیا۔

اس وقت جزیرۂ عرب میں اس قسم کے ہزاروں لوگ موجود تھے فصاحت ان کا پیشہ تھا اور اسی کے ذریعے وہ ایک دوسرے پر فخر کا اظہار کیا کرتے تھے آپ نے ان کے درمیان یہ اعلان فرمایا کہ اگر انہیں اس میں شک ہے تو پورے قرآن یا دس آیات یا کم از کم ایک آیت کی مثل لے آئیں اور ان سے فرمایا۔

قُلْ لَّئِنِ اجْتَمَعَتِ الْاِنْسُ وَالْجِنُّ عَلٰٓى اَنْ يَّاْتُوْا بِمِثْلِ هٰذَا الْقُرْاٰنِ لَا يَاْتُوْنَ بِمِثْلِهٖ وَلَوْ كَانَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ ظَهِيْرًا ۔ (۴)

آپ فرما دیجئے اگر تمام انسان اور جن اس قرآن پاک کی مثل لانے پر متفق ہو جائیں تو بھی اس کی مثل نہیں لا سکتے، اگرچہ وہ ایک دوسرے کی مدد کریں۔

---

(۱) صحیح بخاری جلد ۲ ص ۳۳۸ کتاب الشرکۃ

(۲) المستدرک للحاکم جلد ۳ ص ۶۲۱ کتاب التاریخ
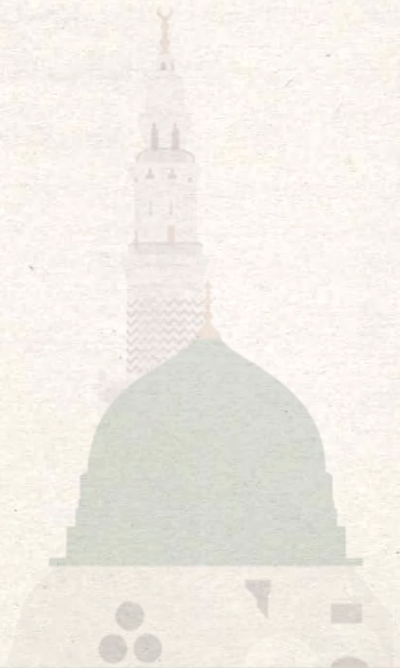
(۳) التاریخ الکبیر جلد ۲ ص ۱۳۵ باب بر و تبدیلی کے ساتھ

(۴) قرآن مجید سورۃ الاسراء آیت ۸۸

اور یہ بات ان کے عجز کو ثابت کرنے کے لیے فرمائی تو وہ اس سے عاجز رہے اور اس سے منہ پھیر لیا حتیٰ کہ انہوں نے اپنے آپ کو قتل ہونے اور اپنی عورتوں اور بچوں کو قیدی بننے کے لیے پیش کیا لیکن اس کا مقابلہ نہ کر سکے اور نہ ہی اس کے حسن و خوبی و فصاحت پر کوئی طعن کر سکے۔ پھر یہ قرآن پاک دنیا کے اطراف و اکناف میں شرقاً غرباً پھیل گیا اور ایک صدی کے بعد دوسری صدی اور ایک زمانے کے بعد دوسرے زمانے میں منتقل ہوتا رہا اور اس وقت (حضرت امام غزالی رحمہ اللہ کے زمانے میں) تقریباً پانچ سو سال گزر گئے لیکن کوئی شخص بھی اس کے مقابلے پر قادر نہ ہوا، تو جو شخص رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے احوال، اقوال، افعال اور اخلاق اور پھر آپ کے معجزات کو دیکھتا ہے پھر یہ بھی دیکھتا ہے کہ آپ کی شریعت اطراف عالم میں پھیل گئی اور اس کے باوجود کہ آپ یتیم اور بظاہر کمزور تھے آپ کے زمانے اور اس کے بعد کے بادشاہوں نے آپ کی شریعت کو قبول کیا۔ اس کے بعد بھی اگر وہ شک کرے تو وہ بہت بڑا غبی ہے۔

اور وہ شخص بہت توفیق دیا گیا ہے جو آپ پر ایمان لاتا ہے آپ کی تصدیق کرتا اور آپ کی سنت پر چلتا ہے۔

ہم اللہ تعالیٰ سے سوال کرتے ہیں کہ وہ ہمیں اپنے وسیع کرم و جود سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق افعال، احوال اور اقوال میں آپ کی اقتدا کی توفیق عطا فرمائے۔ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم اور مدد سے آداب معیشت اور اخلاق نبوت کا بیان مکمل ہوا اس کے بعد مہلکات کے بیان کا چوتھا حصہ "قلبی عجائب" کے عنوان سے بیان ہوگا ــــــــــــــ

الحمد للہ! آج ۲۵ رجب المرجب، ۱۴۱۷ھ، دسمبر ۱۹۹۶ء صبح ساڑھے پانچ بجے دوسری جلد کا ترجمہ مکمل ہوا۔

محمد صدیق ہزاروی

جامعہ نظامیہ رضویہ

لاہور

ہماری چند خوبصورت اور معیاری مطبوعات